بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارہ میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی ۳
بیرون ہند سالانہ ...
ششماہی ...

(۶۷۱)

نمبر ۱ | دوشنبہ ۲۳ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

ہمشیر کی رخصتی

124596
18.95

(از: عبد الماجد)

ہمشیرہ ایک ہی تھیں۔ مجھ سے ۴۔۵ سال بڑی۔ عمر ۶۰ سال کے اندر۔ عابدہ اور صالحہ ایسی کہ دور دور تک مثال ذرا مشکل ہی سے ملے گی۔ صاجبہ تہجد گزار، نماز و تلاوت کی عاشق۔ غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑے سے مجتنب۔ ایک ایک کی ہمدرد و غمخوار۔ ۲۵ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ اولاد کوئی نہ تھی۔ وسط اپریل میں لکھنؤ میں ... پڑیں، اور بیماری کے دو ہفتہ الامان۔ اسے دو تیمارداری کی ... تیں! کبھی مایوسی کی تاریکی، کبھی امید کی شعاعیں۔ ابھی قرآن مجید ... پڑھ کر سنایا جا رہا ہے، درود کر دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ اور ابھی غفلت ... کے جلوے دکھانے لگی! —— پورا ایک ہفتہ موت و حیات کی کشمکش میں گزرا۔ سورۂ یٰسین دن میں ... باقی رہی اور دوا سے زیادہ استعمال آب زمزم اور ... اپریل کی ۲۲ یعنی ۱۰ جمادی الاولیٰ کو ... کہ تقدیر کا رشتہ پورا ہوا ... شاکر بندی شاید جنت ہی کے لیے بنی تھی، جنت کے ... روانہ ہوگئی! یہ غم نصیب ... سورۂ یٰسین سنا رہا تھا، اور ایک ... منہ میں آب زمزم ڈال رہا تھا۔ گزرنے والی کی پیشانی پر پسینہ دیکھا گیا، اور گریہ و رونے کی بے اختیار آوازوں اور سسکیوں کے ساتھ کلمۂ شہادت کی صداؤں سے گونج اٹھا!

—— موت شاید ہر مومنہ کی یوں ہی ہوتی ہے۔

غسل کے بعد چہرے پر خوب ... رونق تھی ... کوئی اثر نہ ضعف کا ... مرض کی شدت کا! ایسا چہرہ شاید ۳۰۔۳۵ سال قبل ... مشہور عارف باللہ حاجی محمد شفیع صاحب بجنوری کی ... قبل سے ... ان میں بھی تو ... تھے۔ جماعت میں شریک مولانا ... علم فرنگی محلی، مولانا عبد الباری ندوی (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی) مولانا محمد عمران خان ندوی اور دوسرے صاحبین تھے۔ مولانا محمد شفیع اور دوسرے فرنگی محلی حضرات بعد کو پہنچے۔ تدفین بعد مغرب مشہور گورستان عیش باغ کے نئے حصہ میں ہوئی۔ شب دوشنبہ شروع ہو چکی تھی۔ قبر میں یہ نامہ سیاہ اپنی عمر میں پہلی بار اترا۔ اور جس نے عمر بھر نہ انکے بہن ہونے کے حقوق ادا کیے تھے اور نہ بڑے ہونے کے، اس نے عالم ناسوت کی یہ آخری خدمت اپنے ہاتھ سے انجام دی! —— بہن میں بڑی تھیں، مگر ساری عمر اپنے کو چھوٹا بنا کر رکھا تھا۔ آج اپنے پروردگار کے حضور میں، ان شاء اللہ ہر طرح کی بڑائیوں سے سرفراز ... رہی ہوں گی!

ماں کی خالص بے غرض و بے لوث محبت کا اگر کہیں نشان ملتا ہے، تو بہن ہی کی ذات ہے۔ ہر بہن رکھنے والا اسکا تجربہ رکھتا ہے۔ اللہ نے آج وہ نعمت واپس لے لی۔ نعمت کے حق اتنے دنوں کب ادا ہوا تھا جو اب آئندہ اسکی امید قائم کی جائے —— ہمشیر کی رخصتی ایک شادی کے وقت ہوتی ہے، اور ایک یہ —— وہ مجاز، اور یہ حقیقت! عقلاً صبر کیا معنی، تسلیم و رضا داخل ایمان ہے۔ لیکن طبعی غم پر بس نہیں چلتا۔ زندگی میں جو مستقل خلا پیدا ہو گیا ہے، وہ زندگی بھر کے لیے ہے۔ صدق کے پڑھنے والے بھائی اور بہنیں اگر کوئی ہمدردی

محسوس کریں، تو بجائے تعزیت نامہ پر وقت صرف کرنے کے وہیں اپنی اپنی جگہ قرآن پاک حسبِ قدر بھی آسانی سے پڑھ سکیں، مرحومہ کو بخش دیں۔

غم، جیسی غم، میں کم آفریں نے بلا کی لذت رکھ دی ہے! اور قلب کی قساوت کا تو اس سے بڑھ کر کوئی علاج ہی نہیں۔ کاش اس کے اثرات میں پائداری ہوتی! — عجب شانِ حکمت ہے، اور جمال مع کمال، کہ نعمت دیتے ہیں تو ہنسا کر، واپس لیتے ہیں تو رلا کر! جسم کی لذت اُس میں، روح کی لذت اِس میں!

نیاز اپنے آئینہ میں

نیاز فتحپوری نگار کے اپریل نمبر میں اپنی تصویر درج کر کے، اُسکے نیچے بجائے اپنے نام کے لکھتے ہیں ؎

"یکے از دشمنانِ دینِ ایمان … دلِ ملحد و بوجہلِ دوران
سرِ اہلِ کفر و عدوانِ فسق و عصیان … مسلمان کافرے کافر مسلمان
نہ دینش، دینِ دارد نہ دنیا"

شاعری میں غیر مبالغہ تو ہو ہی جاتا ہے، لیکن اغراق و مبالغہ سے اگر قطع نظر کر لی جائے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ نیاز کا قلم نثر کی طرح نظم میں بھی حقیقت نگاری پر قادر نہیں؟

صحیح تنبیہ

اکابر پرستی کے مرض پر اہلِ صدق میں جو نوٹ نکلے، اور ایک خانگی کتوب میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا، اسکے سلسلہ میں فاضلِ محترم، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:—

"فقیر کے ساتھ جس حسنِ ظن کا اظہار کیا گیا ہے، خدا کرے وہ میرے لیے کم از کم فالِ نیک ہی بن جائے۔ چاہیے تو یہی کہ رجال کو حق سے پہچانا جائے، لیکن لوگوں نے چہروں پر قیاس کر کر کے رجال سے حق کو پہچاننا شروع کیا ہے۔ میرے حلقۂ احباب کے بعض بزرگوں میں تو یہ رنگ اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ شیخ اور نبی میں کم از کم عملاً انکے نزدیک کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ قرآن مجید میں ایک طرف اگر اُن لوگوں کو ڈانٹا گیا ہے جو کسی چیز کے غلط ہونے کی دلیل صرف اس بات کو قرار دیتے تھے کہ وہ "اولین" کے اساطیر میں سے ہے، گویا زمانا جو ہم سے مقدم ہیں، اُنکی ہر بات غلط ہے، اور اس لیے غلط ہے کہ وہ ہم سے پہلے دنیا میں آئے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں دوسرا طبقہ اُنکا تھا اور اب بھی ہے جو کسی بات کی صحت کے لیے اسی کو کافی قرار دیے ہوئے ہیں کہ گزشتہ نسلوں کا وہی طریقۂ عمل رہا۔ گویا ہر وہ شخص جو ہم سے پہلے دنیا میں آیا تھا، اسکا پہلے پیدا ہو جانا اسکو اس امر کا مستحق بنا دیتا ہے کہ جو بات بھی اُسکے منہ سے نکلے صحیح ہے۔

ما وجدنا علیہ آباءنا الاولین والوں کو اسی لیے میں "آبائیہ" کہتا ہوں، اور جن لوگوں کے نزدیک تغلیط کے لیے کسی چیز کا اساطیر اولین میں سے ہونا کافی ہے، یعنی پہلے زمانہ کی ہر بات "اتباعِ قدیم" ہے "روشن خیالوں" کے اس گروہ کا نام میں نے "تجدیدیہ" رکھا ہے۔ نہ آبائیہ ہوں نہ انکیہ۔ حق کے حق ہونے یا باطل کے باطل ہونے کے لیے آخر یہ کیا دلیل ہے کہ یہ اُنکا قول ہے جو ہم سے پہلے دنیا میں آئے تھے! چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ اسی مسلکِ قدیم پر قدم جمائے اور اسی پر میرے ادبی سعی کا اختتام ہو۔"

یہی حق بینی، حق شناسی، حق جوئی اور حق گوئی اگر ہمارے علماء و مشائخ کی اکثریت میں ہوتی، تو آج ملت کی حالت ہی کچھ سے کچھ ہوتی، اور بجائے پراگندہ و منتشر ٹولیوں اور ٹکڑیوں کے ایک منظم و متحد امت دنیا کے سامنے موجود ہوتی! — شخصیتوں کے ادب و احترام میں تفریط جس طرح محرومی کی دلیل ہے، افراط بھی اُسی طرح قاتل و تباہ کن ہے۔

یوم اقبال اور عرس اقبال

ذیل کا پیام یوم اقبال بمبئی کو بھیجا گیا تھا:—

"اب ضرورت اسکی ہے کہ کلام اقبال و پیام اقبال کی روح کو تا بتمام محفوظ رکھا جائے، اور یوم اقبال کو محض ایک تماشہ اور رسم بننے سے بچایا جائے۔ اور اقبال کی گرمیِ روح اور اسلامیت کو گھر گھر پھیلایا جائے۔ اقبال یوم تمامتر اسلام و غیرتِ اسلام ہی کا پیام تھا"

لیکن اسی یوم اقبال کی روداد میں یہ بھی درج ہے:—

"دن بھر لڑکوں اور لڑکیوں کی کافی تعداد نے اقبال جھنڈا فروخت کیا، جس پر حضرت علامہ اقبال کی تصویر تھی" (خلافت۔ بمبئی)

اور یہ بھی:—

"½ ۱۱ بجے شب جلسہ برخاست ہوا۔ صدر نے جلسہ برخاست کرنے سے قبل ارشاد فرمایا کہ کل ½ ۹ بجے سے جلسہ کا آغاز ہوگا۔ کل کا پروگرام نہایت دلچسپ ہے۔ یعنی قوالی ہوگی۔ جس میں زیادہ تر علامہ اقبال کا کلام پڑھا جائیگا چونکہ کل کافی دیر تک جلسہ رہیگا، لہذا لوگ دن میں استراحت فرما کر آئیں"۔

گویا دن میں تصویر فروشی، اور شب میں قوالی بس — "جنتِ نگاہ" نہ سہی، تو "فردوسِ گوش" کی تیاری تو ضروری ہو جائے! — اور اسکا نام وقت کے سب سے بڑے علمبردار توحید کی یادگار رہے! اللہ اللہ سچ کہا جس نے کہا ع

یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا!

تصویر فروشی اور قوالی کی محفلوں کو اُس اسلام سے کوئی دور کی بھی نسبت ہے، جسکی طرف اقبال سب کو بلا گئے ہیں؟ — "یوم اقبال" کا نام بدل کر اسے آئندہ صاف صاف "عرسِ اقبال" ہی کیوں نہ قرار دے دیا جائے؟

ریاضی پر لائبل

ایک معزز و سنجیدہ سہ ماہی رسالہ کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس:—

[illegible] کے ہاں شراب، جو اُن کی شراب معلوم ہوتی ہے ....

[illegible] وہ واقعی وہ رند شرب تھے یا نہیں، نفس مضمون سے علیحدہ ہے [illegible] دونوں اقسام کی موجود ہیں۔ یعنی عینی شہادت پینے کی، اور نہ پینے کے بعض حضرات حلف اٹھانے کو تیار رہیں۔ اس [illegible] یہ مسئلہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے .... بہرحال وہ پیتے تھے یا نہیں، لیکن اُنکی خمریات نہایت مکمل ہے۔ اگر وہ پی کر ایسے مضامین [illegible] ہیں تو یہ اُنکے کمال فن پر دال ہے !!

لیکن جب ایک مسلمان شاعر کی مے نوشی موضوع سخن سے بالکل خارج تھی (اور واقعی خارج تھی، اُردو میں خمریات "کو کسی شاعر کے ذاتی عمل سے کوئی بحث ہی نہ ہونا چاہیے) تو پھر معلوم یہ ذکر ہی لانے کی کیا ضرورت تھی کہ بعض عینی شہادتیں بھی حضرت ریاض کی پینے پلانے کی موجود ہیں؟ —— کیا کسی شاعر اُدیب کے کلام پر تبصرہ کرنے وقت یہ جائز ہے کہ ضمناً یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اُنکے نسب سے متعلق دو روایتیں ملتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ وہ صحیح والد کی جائز اولاد تھے اور بعض اسکے برعکس! ہاں اگر مضمون نگار کے نزدیک میخواری کا انتساب کسی مسلمان کے لیے، نسلی بدنسبتی سے کچھ کم توہین آمیز، کچھ کم اشتعال انگیز ہے؟ اور پھر اگر کلام سے شاعر کی میخواری پر استدلال کسی درجہ میں بھی صحیح مان لیا جائے، تو یہ بھی کیوں نہ کہا جائے، کہ امیر مینائی جیسے متقی بزرگ، بازاری عشق بازیوں میں مبتلا اور اول درجہ کے فاسق تھے؟ اور میر انیس جنھوں نے میدانِ جنگ کی شکل تک نہیں دیکھی تھی، مگر اپنے مرثیوں میں فن حرب و ضرب کے جزئیات کو خوب خوب باندھ گئے ہیں، اعلیٰ درجہ کے ماہر حربیات تھے؟

ریاض مرحوم کی وفات کو تو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ اُنکے سیکڑوں دیکھنے والے، جاننے والے اور شاگرد، عزیز و دوست موجود ہیں۔ عادۃً شرابی ہونا تو الگ رہا، وہ بیچارے تو کبھی اُسکے قریب تک بھی نہیں گئے تھے۔

اکثریت کا ظلم

یوپی کے ایک مشہور شہر سے متعلق اخباری اطلاع شایع ہوئی ہے، کہ میونسپل بورڈ کے ایک ہندو ممبر نے ہندو صدر کی صدارت میں، تجویز یہ پیش کردی کہ آیندہ سے میونسپلٹی کے سارے دفتروں میں کاروبار ہندی زبان میں ہوا کرے! ایک مسلمان ممبر نے ترمیم پیش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ چار ممبروں کی ایک سب کمیٹی بنادی گئی، وہی فیصلہ کریگی —— گویا سرِدست دفع الوقتی ہوگئی۔ یہ ہندی نواز مشہور شہر آپ سمجھے کون سا ہے؟ کاشی نہیں، متھرا نہیں، اجودھیا نہیں، خاص الخاص لکھنؤ ہے لکھنؤ! اُردو کا مشہور و قدیم گہوارہ اور ضرب المثل مرکز!

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے!

[illegible] کے بسنے والے کیا اس پر حیرت رہیگی، کہ مسلمان حیثیت قوم

ہندوؤں سے بدگمان اور اُنکی چلائی ہوئی تحریکوں سے علیحدہ ہیں!

گوئیوں کی سرپرستی

لکھنؤ۔ ۲۳۔ اپریل۔ کل شب میں میوزک یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ نواب صاحب رامپور کی صدارت میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ انعامات نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے فرمائے۔ اور اپنی تقریر صدارت میں فرمایا کہ میرا تو اس یونیورسٹی سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک تو میں اس فنِ شریف کا خادم، دوسرے اس یونیورسٹی کے بانی، مشہور گویئے بھاتکھنڈے میرے گھرانے کے ملازم تھے۔ آپ نے آگے ارشاد فرمایا کہ افسوس ہے کہ ہندوستان میں آرٹ اور میوزک کی پوری قدر نہیں۔ ورنہ آج اس قدیم فن لطیف کو ملک میں پورا درجہ حاصل ہوتا۔ (ہمدم)

ہز ہائینس مذہباً شیعہ ہیں، اُن کی خدمت میں صرف ایک سوال ہے۔ خلافتِ فاروقی کا ذکر نہیں، خلافتِ مرتضوی میں گوئیوں کا عروج کیوں نہیں ہوا؟ عروج نہیں، صرف وجود ممکن تھا؟ علی مرتضیٰ ایک لمحہ کے لیے بھی اس فنِ "شریف و لطیف" کے خادموں کا وجود برداشت کرسکتے تھے؟ ان میں سے کسی ایک کو زندہ چھوڑتے؟ —— یا علاوہ بہرحال اِن فیض نوازیوں کے لیے تو دربارِ دمشق بدنام تھا۔ علیؓ کو اور حسنینؓ کو اور باقرؒ کو اور جعفرؒ کو ائمہ دین میں سے کسی کو طبلہ اور سارنگی سے کچھ بھی لگاؤ رہا؟ اسلام پر نہیں، کم از کم اپنی شیعیت پر تو ہز ہائینس للہ رحم فرمائیں۔

اُردو کی ہمہ گیری

لندن۔ ۲۶۔ اپریل۔ ہندوستانی قیدیانِ جنگ جو کثرت سے اب دشمن ملکوں سے آزاد ہوکر برطانیہ میں پہنچے ہیں، اُنکے متعلق یہاں کے ڈاکٹر عجب چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اکثر سپاہی بیمار ہیں، لیکن انگریزی جانتے نہیں، اس لیے ڈاکٹروں سے اپنی تکلیف بیان نہیں کرسکتے۔ اعلان کردیا گیا ہے کہ انڈین آرمی کور کے پنشنر افسر یا اور جو کوئی شخص بھی اُردو سمجھ لیتا ہو، اور ترجمانی پر قادر ہو، وہ اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کردے" (رویٹر)

پھر وہی اُردو! ہندوستان کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر ذات کے سپاہیوں کی ترجمانی کے لیے جب تلاش ہوتی ہے تو نہ مرہٹی داں کی، نہ گجراتی داں کی، نہ بنگلہ داں کی، نہ تلنگی داں کی، نہ ہندی داں کی، بلکہ اُردو داں کی! —— کیا لندن میں احتیاجات کے لیے ہندی بھاشا کی کوئی شاخ موجود نہیں؟

نیا سوانگ

حیدرآباد ریڈیو کی ایک سرکاری اطلاع ہے کہ اپریل کی فلاں تاریخ کو دوسری نشر میں اقبال کی یاد میں ایک خاص پروگرام نشر ہوگا، جس میں فلاں مشہور مغنیہ اور دوسرے آرٹسٹ اقبال کا کلام گائیں گے، اور اقبال سے متعلق ایک نقل اور ایک منظوم ڈرامہ نشر ہونگے جس قوم نے اپنے پیمبر تک کی مقدس محفل ذکر کو گویوں کا تختۂ مشق بنا ڈالا، اسکے لیے جائز اور بالکل جائز ہے کہ اقبال کی یاد تو

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۶)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س ۔ جب انسانی اخلاق و عادات، زندی و پارسائی، گناہ و نیکی، نتیجہ ہوں ہماری تربیت اور بالخصوص بچپن کے احول کا، تو گناہ و ثواب کے ذمہ دار ہم کس حد تک ہو سکتے ہیں ۔

ج ۔ جس حد تک کہ ہمارے اعمال ہمارے قصد و اختیار کا نتیجہ ہوں، سوال میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہمارے اخلاق و عادات تمامتر ہوتے ہیں بانسبت غیر اختیاری احول کا، یہی اصل مغالطہ ہے ۔ اختیاری اعمال کو تمامتر غیر اختیاری موثرات کا نتیجہ سمجھ لینا ہی خلاف واقعہ ہے ۔ ایک حد تک یقیناً وہ ابتدائی اور غیر اختیاری عوامل بھی موثر ہوتے رہے، بس اسی حد تک حشر میں کوئی سوال بھی نہ ہوگا ۔ لیکن اسکے آگے عاقل و بالغ ہونے کے بعد جہاں سے اپنے قصد و اختیار کے حدود شروع ہوتے ہیں ۔ بس وہیں سے عذاب و ثواب بھی مرتب ہونے لگیگا ۔

اگر کوئی مثال ہے جہاں زندگی بھر اپنے قصد و اختیار کا کوئی تصرف ہوا ہی نہیں، بلکہ مشین کی طرح، بغیر اپنے ارادہ کے دخل و تصرف کے دوسروں ہی کا وہ کام کرتا رہا، تو ایسا شخص مجنون کے حکم میں داخل اور غیر مکلف سمجھا جائیگا ۔

س ۔ کسی طوائف زادی کا گندے احول میں آنکھیں کھولنا اور آگے چل کر اس غلط راہ پر چل پڑنا کس حد تک اسکے بس کی بات ہے ۔ تو پھر معصیت و زہد اسکی مشیت کے تابع نہیں۔ دیکھئے بنگال کی ۵۰ ہزار عورتیں قحط اور فاقہ کی تاب نہ لا کر بسوا بن جاتی ہیں اُن میں کتنی تو ایسی ہونگی جنکے سینے شریفانہ احساسات سے نورانی ہونگے، لیکن یہ کیا سے کیا ہو گئیں ۔ اور کس کے حکم اور کس کی مشیت سے ۔ ہے! اللہ اللہ میرا تو سر چکرانے لگا ۔

ج ۔ دو سوال الگ الگ ہیں ۔ انکے درمیان خلط ہو گیا ہے ایک کا تعلق افعال خلق سے ہے، دوسرے کا افعال خالق سے ۔

ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ان بیچاریوں کو اتنے سخت ابتلا میں کیوں ڈالا گیا، تو ظاہر ہے کہ اسکا مفصل اور بتقید جزئیات جواب کوئی بشر نہیں دے سکتا ۔ خالق کے چھوٹے بڑے کسی بھی عمل کی حکمتوں کا احاطہ عقل بشری منفرداً کیا معنی، تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی عقلیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں ۔ اجمالاً صرف اس قدر معلوم ہے کہ حکیم مطلق کے ہر عمل میں بیشمار تکوینی مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں ۔ آخر اسی نوعیت کے بیشمار واقعات روزمرہ ہوتے ہی رہتے ہیں ۔ طوفان میں سیکڑوں ہزاروں نذر اجل ہوتے رہتے ہیں ۔ زلزلہ سے آبادیوں کی آبادیاں صاف ہوتی رہتی ہیں ۔ جنگ میں ہزاروں لاکھوں کٹتے رہتے ہیں۔ کتنے بیگناہ پھانسی پر لٹک جاتے ہیں ۔ کتنے معصوم ننھے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، کتنی نوجوان کمسن عورتیں بیوہ ہو کر رہ جاتی ہیں ۔ غرض پوری کائنات پر رات دن ایسے بیشمار واقعات کے منظر پیش آتے رہتے ہیں ۔ تفصیلی توجیہ ان میں سے کسی ایک جزئی واقعہ کی بھی حیثیت درجہ محدود و مقید عقل بشری کے لیے ممکن ہی نہیں ۔

البتہ دوسرا سوال افعال خلق سے متعلق ہے ۔ یعنی بندوں کو اس حال میں کیا کرنا چاہیے ۔ اور ان پر جب ایسا وقت آن پڑے، تو انھیں ان حالات کو برتنا کیسے چاہیے! اور یہی سوال کام کا ہے ۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ حالات کی مجبوریاں، اور ماحول کا اضطرار جس حد تک بڑھتا جائیگا، بندہ کی ذمہ داری بھی اسی نسبت سے گھٹتی جائیگی ۔ اور جس نسبت سے اپنے قصد و ارادہ و خواہش کا حصہ شامل ہوگا، اسی قدر معصیت کی شدت بھی بڑھتی جائیگی ——

حرام دوا کے استعمال یا مردارخواری کی اجازت حالت اضطرار میں ہے، اسکے قبل نہیں ۔ اور حدود و سند رمق تک ہے، اس سے زائد کے لیے نہیں ۔ رہا یہ کہ ہر بندہ کے لیے حدود اضطرار کیا کیا ہیں، سو اسکا تعلق کلیۃً بندہ کے ضمیر و دیانت سے ہے ۔ باہر کا کوئی شخص عبد و خالق کے مابین ایسے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا ۔

س ۔ ایک مسلمان گورنمنٹ کے کسی عہدہ پر فائز ہے، اسکو اللہ کے فضل سے قرآنی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور مجھ سے کہا کہ کوئی انگلش ترجمہ قرآن پاک کا دو، میں نے فوراً آپ کا کیا ہوا انگلش ترجمہ قرآن پاک کا جلد اول خرید کر دیدیا ۔ باقی جلدوں کی بھی ان کو ضرورت ہے ۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ روزانہ مطالعہ کرتے ہیں ۔ وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں جو نشانات ۔ ط، لا، م، ج وغیرہ آیتوں کے درمیان یا ختم پر آتی ہیں، ان میں کس نشان کا کیا مطلب اخذ کرنا چاہیے ۔ جیسے انگلش میں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ ہیں ۔

ج ۔ یہ علامتیں رموز اوقاف کہلاتی ہیں ۔ انگریزی کی علامتوں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ سے ملتی ہوئی، لیکن ان سے زیادہ منضبط و مکمل، "ط" علامت وقف مطلق کی ہے، "م" وقف لازم کی، وقس علی ہذا ۔ انکی مفصل تشریح اکثر مصحفوں کے شروع میں درج ملیگی ۔ مسلمانوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کے ساتھ جو شغف و اہتمام و اعتنا برتا ہے، وہ اپنی مثال بس آپ ہے ۔

س ۔ قبض و بسط کا سلسلہ اب تک جاری ہے ۔

ج ۔ یہ تو عمر بھر جاری رہنے کی چیز ہے ۔

س ۔ بعض اوقات قبض کا ناقابل برداشت غلبہ ہوا کرتا ہے ۔ میں ان حالات کی طرف عقلاً متوجہ نہیں ہوتا مگر غلبہ بار بار زیادہ ہوتا ہے ۔ اسی لیے آپ بزرگوں کی خدمت میں بار بار تحریر کر دیتا ہوں ۔

ج ۔ ان شاء اللہ یہی بار بار کا لکھنا اجر کا ایک انبار پیدا کر دیگا ۔

س - بعض اوقات غسل واجب ہونے پر صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ تساہل ہی سا تھا ایک دو دن اسی بنا پر معمولات میں بھی خلل پڑ گیا۔ اس لیے خادم بہت شرمندہ ہے کہ منزل سلوک میں قدم رکھتے ہوئے اس قسم کی حیلہ بازی میں پھنسے رہنا شیطانی فریب ہے۔ آخر اسکے لیے کیا کیا جائے؟ اور کس طرح اس سے نجات حاصل کروں۔ للہ تحریر فرمائیں۔

ج - غسل کی حاجت ہونا تو طبعی امر ہے اور جوان مجردوں کے لیے ناگزیر۔ البتہ اسکے باعث نماز فجر کے قضا ہو جانے کی نوبت آنا بڑی حد تک تساہل اور بے پروائی کا نتیجہ ہے۔ اور بہت معمولی توجہ و ہمت سے اس سے نجات مل سکتی ہے۔ سفر کے حالات یا شدید سردی کا موسم تو بیشک عذر بن سکتے ہیں، لیکن اپنے گھر پر عام حالات اور سال کے بیشتر حصہ میں پانی کا انتظام بلا دقت ممکن ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں تو کوئی شائبہ بھی دقت کا نہیں۔ ہمت والے تو غسل کرکے تہجد بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ چہ جائیکہ فریضۂ فجر۔ سلطان ابن سعود (والی نجد و حجاز) بظاہر کوئی سالک، درویش نہیں، ایک دنیا دار بادشاہ ہیں۔ اور ماشاء اللہ ایک بڑا حرم رکھتے ہیں، لیکن انکی بابت روایت مشہور یہی ہے۔

بعض صورتوں میں جہاں غسل میں دقتیں بہت زائد ہوں، تیمم کی گنجائش بھی نکل سکتی ہے۔ اور ان سب کوششوں کے بعد بھی اگر آنکھ ہی نہ کھلے یا کوئی اور ایسا ہی عذر قوی پیش آجائے، تو پھر بندہ معاف ہے۔ لیکن اپنی والی ہمت و کوشش بہرحال ضروری ہے۔

س - آج کچھ روز سے غور کرنے پر معلوم ہوا کہ میرے اندر ریاکاری کا مرض نمایاں طور پر ہے۔ سب میری تعریف کریں۔ ہر کام میں چالاک کہلاؤں۔ کسی نہ کسی طرح میری اچھائیاں سب کے سامنے آجائیں، سب کے نزدیک میں اچھا ہوں۔ یہ سب باتیں میرے دل کے اندر ہیں۔

ج - اپنے کو دوسروں کی نظر میں محبوب و ممدوح رکھنے کی خواہش تو طبعی ہے۔ اور ایک حد تک اگر ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہ مضمون تو حدیثی دعاؤں تک میں آیا ہے کہ اے اللہ میں اپنی نظروں میں حقیر اور دوسروں کی نظر میں معزز ہوں۔

خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے، جب انسان کوئی اچھا کام اسی لیے اور اسی نیت سے کرنے لگے۔ یعنی ادائے فرض یا تعمیل ارشاد الٰہی کے بجائے یہی خلق کی نظر میں محبوبیت مقصود و غایت بن جائے ——— نماز اسی وقت پڑھے جب خلقت سے داد ملنے کی توقع ہو۔ اور جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نماز ترک ہی کردے۔

نمود و نمائش کی تحریکات پر عمل نہ کرنا، یہ خود ایک بڑا مجاہدہ ہے اور اصلاح نفس کے حق میں اکسیر۔ اخلاص پیدا کرنے اور رہا سہا اخلاص بڑھاتے رہنے کی بڑی گنجائش ہر وقت ہے۔ درجۂ تدبیر و علاج میں ایک بہت بڑی نعمت، مخلصین کی طویل صحبت ہے۔ اور اس سے اتر کر انکی کتابوں کا مطالعہ۔ خصوصاً امام غزالی کی کیمیائے سعادت اور احیاء علوم الدین کے ابواب مہلکات و منجیات کا۔ اور حکیم الامت تھانوی کے مواعظ اور کتب سلوک و طریقت کا۔ مولانا کی تربیت السالک میں ریا اور وسوسہ ریا اور مسائل متعلقہ کا بیان جا بجا بسط و تفصیل سے ملیگا۔

س - میری سب سے بڑی کم نصیبی یہ ہے کہ میں آج تک کوئی مرض اپنے اندر سے تفتیش کرکے مولانا مرشدی مدظلہ العالی سے اصلاح نہ کرا سکا۔ حتی کہ مرشدی قبلہ نے خود تحریر فرمایا کہ سب سے مقدم اصلاح نفس ہے۔ مرض کی اطلاع [illegible] مگر خادم ناہل اپنی نادانی اور کم علمی کی بنا پر [illegible] نہ کر سکا کہ کون کون سے امراض نمایاں ہو رہے ہیں جو فی الفور اصلاح کروں۔

ج - قرآن مجید کی یہ اصولی تعلیم کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا ہمیشہ یاد رہے۔ جس کسی کو کوشش کے باوجود اپنے اندر کوئی مرض نظر نہ آئے، وہ بیچارہ معذور ہے۔ حدیث میں سو جانے اور آنکھ نہ کھلنے کو نماز جیسے فرض جلی سے عذر قرار دیا گیا ہے، تو جو نقوش نسبتہ خفی ہیں، انکے باب میں طبعی غفلت کیسے عذر نہ ہوگی۔

اچھی کتابوں کے طویل مطالعہ اور اچھی صحبتوں کی مداومت سے اپنے نفس سے متعلق بصیرت از خود پیدا ہو جاتی ہے۔

"صدق" کی قیمت

ایک مخلص عزیز لکھتے ہیں :-

"صدق کی ترقی دیکھ کر کس کو خوشی نہ ہوگی، دعا دل سے نکلیگی۔ اگر صداقت دنیا میں ایسی ہی پھیل جائے تو پھر دنیا ہی کس بات کا رونا رہ جائے۔ گر صدق کے مقبول ہونے میں خوشی اسوقت بہت زیادہ ہوتی جب اسکے نمبروں کے ساتھ جناب کے حرفوں کی تعداد بھی بڑھتی۔ جب ایسا نہیں تو جناب کی تحریر دلپذیر کے فدائیوں کی تشنہ لبی کیسی اس طرح بجھ سکتی ہے۔ خبر دار نہیں ہے کہ اکثر آپ کے وقت کی کمی کے باوجود آپ کی تحریریں زیادتی ہی کرتی جاتی ہیں۔ البتہ چندہ کے اضافہ سے مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ موجودہ وقت میں جہاں امیروں کی امیری بڑھ گئی ہے، وہاں غریبوں کی غریبی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اور بہت سے غریب شائقین شاید اس رقم کے متحمل نہ ہو سکیں۔ اور اس طرح یہ کہیں ایک اونچے سے طبقہ کا پرچہ ہو کر نہ رہ جائے۔ میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ جنگ کے بعد یہ پرچہ اور کم قیمت پر ہوتا۔ تاکہ معمولی آدمی بھی اسکا خریدار بن سکتا۔ لیکن آپ سب حضرات مجھ سے زیادہ ذی فہم و دور اندیش ہیں یقیناً اسی میں کچھ بھلائی ہوگی۔"

مشورہ بالکل صحیح و صائب ہے۔ اپنا بس اگر چلتا، تو جنگ کے بعد نہیں، مقابلہ کے دوران ہی میں قیمت گھٹا دی جاتی۔ کم سے کم ممکن حد تک کردی جاتی ——— تبلیغ اور تجارت میں بڑا فرق

ایک تفسیری بحث

(از مولوی اصغر حسین صاحب بلیاوی)

سورۂ اعراف کی آیت "فلما نسوا ما ذکروا به انجینا الذین ینہون عن السوء و اخذنا الذین ظلموا" الآیہ (۱۶۵) کے تحت میں آپ کے موقر رسالہ ترجمان القرآن میں جمہور مفسرین کے خلاف ایک نیا مضمون پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں جمہور مفسرین جو خیال ظاہر کرتے ہیں وہی صواب ہے۔ قبل اسکے کہ جمہور مفسرین کی تائید کی خدمت ہم انجام دیں مناسب ہوگا کہ ترجمان القرآن میں جو خیال پیش کیا گیا ہے اُسے اجمال کے ساتھ سامنے لائیں تاکہ اصل حقیقت کا پتہ چلنے میں سہولت ہو۔ جن صاحب کو تفصیل مطلوب ہو وہ رسالہ مذکور کے جولائی و اگست سنہ ۴۲ء کے مجموعہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اس آیت سے متعلق رسالہ مذکور کے صفحہ ۳۰ کا تشریحی نوٹ ملاحظہ ہو:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس بستی میں تین قسم کے لوگ موجود تھے ایک وہ جو دھڑلے سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کر رہے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ اور ناصحوں سے کہتے تھے کہ ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل ہے۔ تیسرے وہ جنکی غیرت ایمانی حدود اللہ کی اس کھلم کھلا بے حرمتی کو برداشت نہ کر سکتی تھی اور وہ اس خیال سے نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے میں سرگرم تھے کہ شاید وہ مجرم لوگ انکی نصیحت سے راہ راست پر آ جائیں۔ اور اگر وہ راہ راست نہ اختیار کریں۔ تب بھی ہم اپنی حد تک فرض ادا کر کے خدا کے سامنے اپنی براءت کا ثبوت پیش کر دیں۔

اس صورت حال میں جب اللہ کا عذاب اس بستی پر آیا تو قرآن مجید کہتا ہے کہ ان تینوں گروہوں میں سے صرف تیسرا گروہ ہی اس عذاب سے بچا لیا گیا کیونکہ اسی نے خدا کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کی فکر کی تھی۔ اور وہی تھا جس نے اپنی براءت کا ثبوت فراہم کر رکھا تھا۔ باقی دونوں گروہوں کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اور وہ اپنے جرم کی حد تک مبتلائے عذاب ہوئے۔" اسکے بعد مفسرین کے اس خیال کی صحت سے انکار کیا گیا ہے کہ نجات پانے والے دو گروہ ہیں اور بڑے شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نجات پانے والا ایک ہی گروہ تھا۔ سورۂ انفال کی آیت "واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة" (الآیہ) اور ایک حدیث سے بھی اسے مستشہد کیا گیا ہے۔

مفسرین کا خیال تھا کہ "لم تعظون قوما" (الآیہ) کہنے والے گروہ کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اور اُسکا بھی وہی حال ہوا جو ظالمین کا ہوا۔ لیکن بعد میں انھوں نے اس خیال سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور جمہور مفسرین کی اس رائے سے اتفاق فرما لیا تھا کہ اسکا شمار ظالموں میں نہیں بلکہ "انجینا الذین ینہون عن السوء" میں وہ بھی داخل ہے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر وہ کیا وجوہ ہیں جنکی بنا پر تم جمہور کی رائے صحیح سمجھتے ہو۔ کیا جمہور پرست تو نہیں ہو؟ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم تو دوسری طرح کے بدنام ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ اس باب میں حق و صواب انھیں کے ساتھ ہے۔ اس لیے انکی رائے کی تائید کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

صاحب ترجمان القرآن کی رائے اگر آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی تو ہم تسلیم کر لیتے لیکن اس جہت سے جب آیت مذکورہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بجز "انجینا الذین ینہون عن السوء" کے ٹکڑے کے اور کوئی اور لفظ ایسا نہیں ملتا جس سے اس شبہ کی گنجائش بھی نکل سکے کہ "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا" کہنے والے کا شمار ظالموں میں ہوا اور اسکا انجام معتدین فی السبت کا سا ہوا بلکہ اسکے برعکس ایسے قرائن ہیں جن سے اس امر کی طرف رہبری ہوتی ہے کہ جس طرح یہ گروہ دوسری قسط کے عذاب سے محفوظ رہا (بقول صاحب ترجمان القرآن) اسی طرح پہلی قسط کے عذاب سے محفوظ رہا۔ کیونکہ "اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" کے ٹکڑے میں ظلموا اور یفسقون سے ان لوگوں کے جرائم پر نشاندہی کی گئی ہے جو دیدہ و دانستہ سبت کے احکام کی بے حرمتی کر رہے تھے اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ ان جرائم میں "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم" کہنے والے گروہ کی بھی شرکت ہے۔ اور اگر کبھی اس میں شامل ہیں تو سوال یہ ہے کہ انکا ظلم اور فسق کیا ہے۔ اور اگر خاموشی کی بنا پر (بقول صاحب ترجمان القرآن) انکا شمار ظالموں میں ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ پہلی قسط کے عذاب میں تو وہ شامل مانے جائیں اور دوسری قسم کے عذاب سے انھیں بری قرار دیا جائے۔ اگر ظالم کے درجہ میں فرض کر کے پہلی قسط کے عذاب کا انھیں مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے تو پھر دوسری قسط کے عذاب کا مورد ٹھہرانے میں کیا مانع ہے۔ اس تقسیم (یعنی پہلی قسط کے عذاب کی زد میں تو وہ آئے اور دوسری قسم کے عذاب سے محفوظ رہنے) پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے اگر وہ ظالم ہیں تو ظالمین کا جو مآل ہوا وہی انکا بھی ہونا چاہیے۔ دونوں قسطوں میں ظالموں پر (قرآن کے الفاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے) اگر عذاب آیا ہے تو پھر اسکی زد میں انھیں بھی آنا چاہیے کیونکہ یہ ظالموں میں ہیں۔

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے "انجینا الذین ینہون عن السوء" کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نجات صرف انھیں لوگوں کو ہوئی جنھوں نے احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کو اس سے روکنے میں جد و جہد کی اور بقیہ لوگ عذاب کی زد میں گئے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور غلط فہمی دراصل اسی ٹکڑے سے ہوئی ہے۔ "الذین ینہون عن السوء" میں وہ بھی داخل ہیں جو ان کی اصلاح میں جد و جہد کر کے تھک گئے تھے اور اب مزید انکے افہام اور تفہیم میں کوشش تضیع اوقات تصور کرتے تھے۔ اور جب کوئی انکی اصلاح کے لیے قدم اٹھاتا تو علی تجربہ کہتے کہ دیوار کو سنانے سے کیا حاصل

بقول صاحب، صاحبِ "ترجمان القرآن" ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل"۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی داعیِ حق کسی جماعت کی اصلاح پذیری سے مایوس ہو جائے۔ اور اسے تجربہ سے یقین ہو جائے کہ اس جماعت کو سمجھانا بجھانا لا حاصل ہے تو اسکے لیے مناسب ہے کہ ایسی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت میں کام کرے۔ مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کیونکہ ایسا عمل کرنے سے کیا فائدہ جسکا کوئی نتیجہ نہیں۔ پیغمبروں کو بھی اس طریقۂ دعوت کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انبیاء نے ایسوں کو راہِ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی ہے، جن سے کوئی توقع نہ تھی لیکن اس سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایسوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے اور پیغمبر عالم کو تو بیشمار مقامات پر ایسے لوگوں کے پیچھے وقت صرف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور نیز بعد کے حالات نے اسکی تصدیق بھی کر دی کہ احکامِ سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کے بارے میں جو رائے انھوں نے قائم کی تھی وہی ٹھیک نکلی یعنی جو لوگ انکی افہام و تفہیم میں لگے ہوئے تھے انکی ایک نہ سنی گئی۔ انھوں نے کہا تھا انھیں سمجھانے سے کوئی حاصل نہیں انپر تو عذابِ الٰہی بھڑکنے کو ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ انکی دعوت و تذکیر بالکل بے اثر رہی اور عذابِ الٰہی کی زد میں وہ آ گئے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ انکے عذاب سے محفوظ رہنے کی کوئی تصریح نہیں۔ ہاں ایسا ہے۔ لیکن قرائن سے صاف طور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ گروہ ناجی ہے معذب نہیں۔ ایک بہت ہی واضح قرینہ آیت "فلما عتوا عما نہوا عنہ قلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین" ہے۔ وہ اس طرح سے ہے کہ یہ آیت "ماسبق آیت فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" کی شرح و تفسیر ہے یعنی اصلاح کی دعوت و تذکیر پر" دو قسط میں عذاب آیا۔ پہلی قسط میں جو عذاب آیا تھا وہ ہلکے درجہ کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فقر و فاقہ کا عذاب رہا ہو جیسا کہ باساء و ضراء میں قوموں اور جماعتوں کو مبتلا کرنے کا قانون ہے اور اسکا ذکر قرآن میں بیشمار مقامات میں ہوا ہے۔ لیکن جب اس سے انکی آنکھ نہ کھلی اور انکی مدہوشی و سرمستی اسی طرح قائم رہی تو عذاب کی دوسری قسط ان پر نازل ہوئی۔ اور دونوں عذاب کی زد میں احکامِ سبت کی بے حرمتی کرنے والے ہی آئے۔ اس پر دور و نزدیک کا کوئی قرینہ موجود نہیں کہ عذاب کی پہلی قسط کی زد میں معتدین فی السبت کے ساتھ افہام و تفہیم کو کارِ عبث سمجھنے والے بھی آ گئے۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ مبتلائے عذاب ہونے کے جو وجوہ بتائے گئے ہیں، انکا انطباق کسی طرح بھی "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" کہنے والے گروہ کے حال پر نہیں ہو رہا ہے۔ عذاب میں آنے کی ایک علت یہ بتائی گئی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا دوسرے یہ کہ فسق انکے رگ و ریشہ میں رچ بس گیا تھا۔ ظاہر ہے ان دونوں برائیوں "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" کہنے والے کا دامن

پاک معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ نیک ہیں۔ نیکی اور بدی کا شعور رکھتے ہیں قوموں اور جماعتوں کے رفع و خفض کو قانونِ الٰہی کے تحت تصور کرتے ہیں۔ نیز انکا یہ فقرہ "اللہ مھلکھم او معذبھم عذابا شدیدا" پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی کار رسیدہ جماعت ہے۔ اور اسے معتدین فی السبت کے احوال سے پوری واقفیت ہے اور ظاہر ہے اس واقفیت کا مدار سنی سنائی باتوں پر نہیں ہے۔ بلکہ خود اس نے عملی میدان میں گامزن ہو کر انھیں حدود اللہ کی بے حرمتی سے روکا ہے اور بار بار روکا ہے۔ اور پھر عاجز آ کر بیٹھ گئی ہے اور انھیں خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کسی مزمن مریض پر اپنے تجربات صرف کرے لیکن کوئی فائدہ نہ ہو اور مایوس ہو کر بیٹھ جائے ٹھیک اسی طرح اس گروہ نے انتہائی کوشش کر کے دیکھ لیا تھا کہ انکی سدھرنے کی ذرا بھی صلاحیت باقی نہیں اور اس لیے کوشش بیکار ہے۔ نیز انکے اس فقرہ سے "اللہ مھلکھم او معذبھم" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلی طور پر مایوس ہے اور جس عذابِ الٰہی کے بھڑکنے کا انھیں انتظار تھا انھوں نے اپنی حقیقت بین نگاہوں سے دیکھ لیا تھا کہ یہ بیمار جماعت شفا نہ پائے گی اور آج نہیں تو کل عذاب کی زد میں آئے گی۔ رہی یہ بات کہ حدود اللہ کی بے حرمتی ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا جرم ہے تو واقعہ ہے کہ منکر پر نکیر نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور تعاون علی الاثم کے ہم معنی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس لفظ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انھوں نے حدود اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں کے نفس پر نکیر نہیں کی اور مجرمانہ خاموشی اختیار کی یہ تہمت بالکل بے ثبوت ہے۔ "انجینا الذین ینھون عن السوء" میں دونوں گروہ داخل ہیں فرق ان دونوں میں صرف یہ تھا کہ وہ لوگ جو سرکشوں کی اصلاح پر کوشش کر رہے تھے وہ اپنا فرضِ تذکیر ادا کر رہے تھے اور اس وقت تک انکی اصلاح سے کلی طور پر مایوس نہ تھے۔ چنانچہ "لعلھم یتقون" کے ٹکڑے سے امید کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے اور جو لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ انھیں سمجھانے سے کیا حاصل وہ اپنا فرضِ تذکیر ادا کر چکے تھے۔ اور انکی اصلاح پذیری سے قطعی مایوس تھے اور انھیں اب اپنا ایک لمحہ بھی ان پر صرف کرنا گوارا نہ تھا۔ اور نہ یہی چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا ان پر تجربہ کرے، کیونکہ انھیں اس جماعت کے متعلق یقین تھا کہ انکی نگاہیں اب دنیا کی مرغوبات میں اس درجہ کھب گئی ہیں کہ وہ ایسی باتیں سن ہی نہیں سکتے جو انکی لذتوں پر اثر انداز ہوں۔ چنانچہ نتیجہ وہی ہوا جس سے پہلے ہی انھوں نے انھیں مطلع کر دیا تھا۔ رہا یہ کہ تذکیر برائے تذکیر نتائج سے قطع نظر کر کے ہمہ وقت سرگرم رہنا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں۔ تبلیغ کے لیے حالات اور مخاطب کا لحاظ اور نیز نتائج پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ حالات کے تقاضا سے ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کو مخاطب کرنا بعض وقت ضروری ہوتا ہے۔

ماحصل کلام یہ کہ "لم تعظون قوما اللہ مھلکھم" کہنے والے

گروہ نے حدود اللہ کی بےحرمتی پر مجرمانہ خاموشی اختیار نہیں کی کہ عذاب کی زد میں وہ آتا۔ تاہم انکا ایسا کرنا انکی اصلاحی مایوسی کی بنا پر تھا۔ آیت کا اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مایوسی یوں ہی نہ تھی بلکہ علمی تجربہ تھی۔ چنانچہ نتیجہ ہوا بھی ویسا ہی جیسا انہوں نے کہا تھا۔ تو پھر اس جماعت کا شمار ظالموں میں کیونکر ہو سکتا ہے اور عذاب کی زد میں وہ کیونکر آ سکتی ہے۔ رہ گئی سورۂ انفال کی آیت "واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا (انفال ۲۵) تو خدا نے چاہا تو کسی قریب فرصت میں اس پر اہم مضمون لکھیں گے کہ اسکا وہ مفہوم نہیں، جس میں وہ لی جا رہی ہے۔ اس لیے یہاں استدلال صحیح نہیں۔ رہ گئی حدیث تو وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس آیت کے تحت لانا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ایسے حالات کے لیے ہے جب سوسائٹی اس درجہ گر جائے کہ منکر پر لوگ مجرمانہ خاموشی اختیار کرلیں اور منکر کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ ہو۔ یہاں تو حدود اللہ کی بےحرمتی پر نکیر کرنے والی ایک جماعت کے موجود ہونے کا صاحب ترجمان القرآن کو بھی اعتراف ہے۔ پھر اس سے اس امر پر یہاں کیونکر استدلال ہو سکتا ہے؟

مراسلہ

المکرم و المحترم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی زید مجدکم

بعد سلام علیکم و آداب کے واضح رہے کہ کیا معجزات انبیاء و آل و اولاد و اہل انبیاء و ائمہ ہدیٰ سلف صالحین کو ماننا جزو ایمان ہے؟ اور ان تمام کے معجزات کو جھوٹا اور مداری کا کھیل ماننے والا اور یقین کہنے والا مسلمان رہ سکتا ہے؟ کیا ایسے خیالات رکھنے والا شخص تمسخر فی الدین نہیں کر رہا ہے؟ شرع اسلامی میں ایسے استہزاء کرنے والے کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا۔ بات یہ ہے کہ بندہ خلافت آفس میں ایک پرانا اخبار لینے کے لیے گیا۔ وہاں اڈیٹر صاحب نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ کی کتاب حالات امام حسینؓ میں نے پڑھی ہے۔ افسوس ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے امام حسینؓ کے معجزات اور کرامات لکھے ہیں۔ یہ سب لغو ہیں مداری کے کھیل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا افسوس ہے کہ خلافت جیسے اسلامی ادارے میں یہ باتیں۔ کیا قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے معجزے نہیں بیان ہوئے ہیں؟ انہوں نے وہی جواب دیا کہ جو کسی نیچری یا قادیانی یا دہریہ کی زبان سے متوقع ہو سکتی ہے یعنی سراسر منکر معجزات انبیاء و صالحین ہیں۔ کیا ظلم ہے کہ جو اڈیٹر عربی اور علوم اسلامی کا نہیں ہے وہ اس اہم ترین مسئلہ پر اپنی رائے کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتا ہے۔ ذرا اس اخبار کا اڈیٹر ہے جیسے بالکل صحیح العقیدہ مسلمان اور اسلام کی بھیجے ہوئے پر فدا ہونے والے تھے (رحمہ اللہ تعالی) اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اڈیٹر کے ہمزاد ایک دو نادان آدمی جو شاید دفتر ہی کا ہوگا اور خلافت تینوں نے بیجا طور سے مجھے قائل کرنا چاہا کہ معجزات و کرامات ڈھکوسلا ہیں (نعوذ باللہ) امید ہے کہ آپ اس اہم مسئلہ پر از قرآن و حدیث کی روشنی ڈال کر مجھے نیز تمام سنی عقیدہ مسلمانوں کو ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ۔ والسلام

خاکسار، محمد علی الحاج سالمین
(محبوب منزل - نورٹ بمبئی)

صدق - معجزات انبیاء یا آیات الٰہی کا وجود تو قرآن مجید کا ایک مسلّم عقیدہ ہے۔ یقین نہیں آتا کہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اسکا منکر ہو۔ مراسلہ نگار کو کیا غلط فہمی ہوئی ہے۔ البتہ غیر نبی کے کرامات و خوارق عادت میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳)

مینسہ اور تماشہ اور راگ اور ناچ کا ایک سوانگ بنا ڈالے! ——
اللہ کے بندو! اقبال کا نام لیتے ہو تو کچھ تو اسکے پیام کا احترام رکھو!

ایک سرگرم وکیل

ایک محترم بزرگ کا مکتوب:-

"مولانا عبیداللہ سندھی پر پروفیسر سرور کی جو کتاب شائع ہوئی تھی اس پر مولوی مسعود عالم صاحب ندوی نے خدا انہیں جزائے خیر دے معارف میں خوب لکھا۔ لیکن برہان کی طرح "گواہ چست" بن کر اس "مدعی سست" کی نصرت و تائید کی جو سعادت حاصل کر رہے ہیں امید ہے کہ وہ بھی آپ کی نظر سے مخفی نہ ہوگی۔ کیا صدق میں اس پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں؟"

ارادہ اگر ہوتا بھی تو اس "گواہ چست" کے بلیغ فقرہ کے بعد کچھ لکھنا اب تحصیل حاصل سا ہو گیا ہے —— ایسا جاندار و سرگرم وکیل ہر بزرگ کو نصیب بھی تو نہیں ہوتا۔ ؎

دل روز حشر انکا طرفدار ہوگیا
بگڑا معاملہ مرا جھوٹے گواہ سے

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون) (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی صہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

(رجسٹرڈ نمبر ۱۲۱)

نمبر ۲ | چہارشنبہ یکم جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

صدر روزولٹ کل سہ پہر کو دفعتاً وفات پاگئے۔ صرف ایک مرتبہ یہ کہا کہ میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے، اور بےہوش ہوگئے۔ نگرد و خدمتگار سے ہاتھوں ہاتھ دوسرے کمرے میں جاکر لٹا دیا۔ اور فوراً ڈاکٹروں کو بلایا۔ انھوں نے آکر کہا کہ روح پہلے ہی مفارقت کرچکی ہے" (رویٹر)

خبر پچھلے مہینے آپ سب اخباروں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ امریکہ کا صدر کون شخص تھا؟ کہنا چاہیے کہ شاید دنیا کی سب سے بڑی شخصیت! چرچل، اسٹالن، ہٹلر سے گھٹ کر تو یقیناً نہیں، ممکن ہے کہ ان سے کچھ بڑی ہی ہو۔ اور پھر دنیا کو اسوقت اس کی ضرورت بھی کتنی زائد تھی۔ دوا علاج دنیا میں سب سے زیادہ جیسا ممکن تھا، وہ دی تھا۔ طب جدید کی کوئی حکمت، کوئی صناعت اسکے علاج کے لیے اٹھا رکھتی؟ برطانیہ، امریکہ، روس، فرانس کے بڑے سے بڑے نامور ڈاکٹر اسکی جان بچانے کو اپنی اپنی جانیں لڑا دیتے۔ —— جب وقت آگیا، تو مہلت دو منٹ، ایک منٹ، چند سکنڈ کی بھی نہ ملی۔ اور قبل اسکے کہ دنیا کو بیماری کی اطلاع پہونچے، موت کی خبر مل گئی۔ قبل اسکے کہ قریب ترین مقام سے ڈاکٹر پہونچیں، موت کا فرشتہ پہونچ گیا!

اور پھر عزم اور حوصلے کیا کیا تھے، کیسے کیسے تھے؟ جنگ ختم ہونے پر ہے، اور میری ہی کوششوں سے ختم ہونے پر ہے۔ آیندہ سیاسیات کا نقشہ یہ ہوگا، ملکوں کے باہمی تعلقات یوں منظم کرادونگا، روس اور برطانیہ اور فرانس اور اٹلی اور کناڈا اور آسٹریلیا اور چین اور امریکہ کے لیے فلاں فلاں قاعدہ قانون جاری کردونگا، کسی ایک ملک یا چند ملکوں کا نہیں، ساری دنیا کا نظام امن فلاں فلاں ضابطہ کے ماتحت قائم کردونگا۔ سان فرانسسکو کانفرنس ہی اب دیر ہی کتنی ہے، صبح شام ہوا ہی چاہتی ہے، بس وہیں اپنی اسکیم منظور کرا، دنیا کے مستقبل میں ایک نئے باب کا اضافہ کردونگا ——

یہ سب خیالات صدر روزولٹ کے تھے یا نہیں؟ —— بچپن میں سنا ہوا بادشاہ شداد کا وہ قصہ یاد کیجیے، کہ برسوں کی مدت اور بیشمار صرف زر کے بعد جب "جنت" بن کر تیار ہوگئی، اور بادشاہ اسے پہلی بار دیکھنے کے لیے چلا ہے، تو جنت کے عین پھاٹک پر شاہی گھوڑے سے اترتے وقت، پیر ابھی رکاب ہی پر تھا، کہ وقت موعود آگیا! اور جنت ساز کو دید جنت کی حسرت لیے ہوے ہی دنیا سے سفر کرجانا پڑا! —— کیا فرق ہے اس پچھلے قصہ، اور اس بڑے واقعہ میں؟

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبرؔ نے یہ کتنی سچی بات کہہ ڈالی ہے! جو خدا قادر مطلق کل بھی تھا، وہ آج بھی ہے! بندے اسکے محتاج جسطرح کل تھے آج بھی ہیں! اسکی حکومت و فرماں روائی جسطرح کل شداد و نمرود و فرعون وغیرہ ان پر چل رہی تھی، آج بھی ہٹلر اور مسولینی، اور اسٹالن اور چرچل پر چل رہی ہے۔ —— بندوں کی ساری ترقیوں کے باوجود اسکی خدائی جوں کی توں قائم ہے! —— روزولٹ اچھا تھا یا برا تھا،

یہاں بحث اس سے بالکل نہیں۔ پُر قوت، پُر عظمت، پُر جلالت کتنا تھا! یہاں ذکر اسی پہلو سے ہے۔ مشیت کے ایک ہی اشارہ میں نقش کیا [illegible] کر رہا ہے جیسے کبھی بنا ہی نہیں! دنیا میں قریب سے قریب آدمی [illegible] اپنی کچھ دوا دھوپ دوا علاج کر ہی لیتے ہیں، اس مقتدر ترین ہستی کو مہلت، اجازت اسکی بھی نہ ملی!

ایک قرآنی سوال

[illegible] صاحب [illegible] سوتے [illegible] سورۂ کہف [illegible] رکوع ۱۰ کی [illegible] کہ جس [illegible] ایک بچہ [illegible] خضر [illegible] ہاتھ سے مقتول ہے [illegible] کہ [illegible] ہوتا [illegible] آگے چل کر اسکا اپنی فطرت سے مجبور ہونا [illegible] اور [illegible] کہ اسکی فطرت بدتھی ورنہ قتل نہ کیا جاتا۔ ہماری نظر میں [illegible] سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے [illegible] خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اب سوال یہ ہے کہ فطرت کو [illegible] بہترین جواب [illegible] اب فرمائیے [illegible] ہے؟

قرآن مجید میں جہاں [illegible] واقعہ کا ذکر ہے [illegible] اسکی بھی تصریح [illegible] ہے کہ عمل قتل کا وقوع اگرچہ ایک مقبول بندہ کے ہاتھ سے ہوا [illegible] تاہم قواعد شرعی کے مطابق ہرگز [illegible] تھا۔ [illegible] اس [illegible] کو ہرگز سند میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔ پیغمبر برحق حضرت موسیٰ همراه ہیں، وہ [illegible] سے اعتراض کرتے ہیں، اور یہی اعتراض کرنا چاہیے بھی تھا۔

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ | آپ نے تو ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ کے مار ڈالا!

یعنی ایک تو وہ [illegible] بھی خود نابالغ ناقابل قصاص ہی نہیں۔ اور پھر اس نے کوئی عمل مستحق قصاص تو کیا بھی نہ تھا! —— اتنا ہی نہیں، بلکہ آپ بڑے زور کے ساتھ فرماتے ہیں،

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا یا یقیناً آپ تو بڑی ہی بیجا حرکت کر گزرے۔

نکر کے معنی امر عظیم کے ہیں، جس سے سب کانوں پر ہاتھ رکھیں، اور صحیح بخاری میں اسکے معنی درج ہوئے ہیں۔ منکرا ای داہیۃ۔

حضرت موسیٰ کہاں تو خاموشی کے ساتھ اتباع کا وعدہ کر چکے تھے، لیکن ایسا امر منکر دیکھ کر آپکے ذہن سے وہ وعدہ بھی نکل گیا۔ اور شریعت کی ہتک سے اگر پیغمبر بھی اتنا متاثر و بیخود نہ ہو جائیگا، تو اور کون ہوگا؟ —— اور حضرت خضر جب وعدہ خلافی پر آپ کو توجہ دلاتے ہیں، تو آپ عذر نسیان و فراموشی کا نہیں کرتے، بلکہ صرف یہ کہتے ہیں، کہ اب آئندہ اگر سوال کروں تو مجھے ساتھ سے الگ کر دیجیے گا۔ اس لیے واقعہ مذکور میں ہمارے لیے کوئی اسوہ ہی نہیں، جو [illegible] پر کوئی سوال چل سکے۔

حضرت موسیٰ کے لیے سکوت اس بنا پر جائز تھا کہ انھیں خضر کا مقبول ہونا خضر سے معلوم ہو چکا تھا۔ حضرت خضر کو مستقبل کا علم کشف تکوینی کی بنا پر ہو گیا تھا۔ دوسروں کو قتل کیا معنی کوئی ادنیٰ عمل بھی خلاف شریعت جائز نہیں۔

انسان کا اپنی فطرت سے مجبور ہونے کا مسئلہ اس بحث سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتا۔ [illegible] خود ایک مستقل مسئلہ ہے۔ اور عقیدہ قدر یا جبر و اختیار کے سلسلہ میں اسکا ذکر ان صفحات میں بار بار آ چکا ہے۔ اگر لڑکے کی مجبوری اسکی سرشت بد کی بنا پر تسلیم کر لی جائے، تو ٹھیک اسی دلیل سے حضرت خضر کی مجبوری بھی انکی فطرت صالحانہ و مصلحانہ کے لحاظ سے نکل آئیگی۔ اور اسی طرح پھر ہر شخص کی۔

تدبیر و شکست تدبیر!

لندن۔ ۲۵ اپریل۔ مشہور بائسکل [illegible] کانفرنس میں شرکت کے لیے بڑے [illegible] جو طیارہ جا رہا تھا، اور راستہ میں تباہ ہو گیا تھا، اور جس سے اکثر افسر ہلاک ہو گئے تھے۔ آج [illegible] کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ شائع ہو گئی ہے، اور روز پر صیغۂ ہوائی سر آرچ بائلڈ سنکلیر نے [illegible] بیان کیا۔ باعث اصلی یہ ہوا [illegible] جب [illegible] سے قریب پہنچا۔ "وہ نیچے کی تاریک زمین کو سیاہ بادل سمجھا، اور اسی کیفیت کی غلط فہمی کے باعث [illegible] اس نے [illegible] چلے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن بعد کو اندازہ ہوا کہ [illegible] کے لیے نہیں کافی نہیں ہے [illegible] رکا رُخ کیا۔ اور بیسے گز کو طیارہ [illegible] پاش ہو گیا۔ اور بڑی بڑی قیمتی جانیں [illegible] [illegible] ہوئی آتی ہے [illegible] ہوتی رہینگی۔ بہتر سے بہتر تدبیریں، بہتر سے بہتر [illegible] بہتر سے بہتر سائنٹفک آلات و مشینیں، اور ہر ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ نظام ہے کہ آگے ہر تدبیر کی شکست سارے سامانوں کی تو [illegible]

حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے رہے

کیوں ہوا ایسا تو ہم تحقیق کرتے ہی رہے!

گناہ کے اڈے

ایک بنگالی خاتون کے قلم سے، ایک انگریزی روزنامہ میں۔

"بمبئی کے جرائم شہر ہی کی پیداوار ہیں۔ زمین سے انکا کوئی تعلق نہیں۔ آوارہ گردی اور بیوائی سب سے زیادہ کثیر الوقوع جرائم ہیں۔ اور امراض خبیثہ تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ اسی سے یہ بات ایک حد تک ممات ہوتی جاتی ہے، کہ ملک میں اگر امراض خبیثہ ابھی کم ہیں، تو اسکی وجہ لازمی طور پر یہ نہیں، کہ ہماری اخلاقی حالت بہتر ہے، بلکہ یہ ہے کہ ہمارا ملک ابھی صنعتی ترقیوں میں پیچھے ہے۔ قیدیوں کی آبادیاں جہاں دیہاتیوں کی ہوتی ہیں، مثلاً یوپی میں، یا ہمارے علاقہ میں تو وہاں یہ امراض کم یا معدوم ملیں گے"۔ (مقالہ "جیلخانہ، سزا اور قیدی"، لیڈر الہ آباد۔ ۴ مارچ ۱۹۳۰ء)

لیکن ملک میں کتنے لوگ ہیں، جو ملک کو صنعتی مشین بنانے

سے "سنٹرلائزیشن" سے روکیں گے؟ ... پکار تو یہ ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ کو ملوں، دارالکاروں سے بھردو۔ بیرخواہ اسکے نتیجہ میں چھلکا دوں کو قیدیوں سے اور اسپتالوں کو شرمناک امراض کے مریضوں سے بھر دینا پڑے۔ اور چکلوں کی آبادیاں کئی کئی گنی بڑھ جائیں!

صدق دانی الصدق

ایک مخلص گریجویٹ لاہور سے لکھتے ہیں :-

"[illegible] سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ [illegible] قسم کے مضامین [illegible] ذاتی مباحث کے صدق کے [illegible] جلیہ [illegible] جواب اسکے یہ اور [illegible] راستے نکل رہے ہیں۔

ذاتی مباحث [illegible] صفحات میں [illegible] اور بعض جگہ [illegible] روایات نزول مسیح کا [illegible] مسلمانوں [illegible] خاص طور پر قابل غور و قابل مطالعہ ہے۔ ایسے عام مولوی [illegible] مناظرانہ مضامین پر تیار [illegible] مسلمانوں دونوں کے حق میں نا انصافی کرنا ہے۔"

نفی حکمت مکن از بہر دل سا مغے چند۔

مدرسہ سراج العلوم

مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر (ضلع بستی) سے لکھتے ہیں :-

"صدق میں مدرسہ کا اعلان شایع ہو جانے پر بہت احباب مند ہوں [illegible] امسال ہمت کرکے مدرسہ کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ [illegible] ہزار کی رقم اب تک لگ چکی ہے صرف دیواریں ایک جانب [illegible] دار دروازہ کے باقی ہیں۔ باقی سب مرتب ہے۔ چونکہ ۵۰۰ فٹ چاہیے [illegible] فٹ کا [illegible] ۱۰۰ روپیہ دام ہے ۵۰۰ یہ ہو گیا۔ اسی طرح سیمنٹ و لکڑی کا زبردست خرچ ابھی پڑا ہوا ہے۔ تقریباً [illegible] ہزار کا خرچ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ کام کو دیکھ کر ایک صاحب جو مدرسہ سے [illegible] ہوئے تھے بہت خوش ہو [illegible] ایک ہزار [illegible] دینے کا وعدہ فرمایا۔ اب ایک ہزار کی خامی ایسی ہے جو [illegible] پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ خدا نہ کرے کسی لارہا جین کا منہ دیکھنا پڑے۔ [illegible] معمار [illegible] کام پر [illegible] ماہ سے لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ جناب والا کی نگار روش میں عصبیت قطعی نام کو نہیں۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ [illegible] بلا تشدد اہل حدیث ہونے کے باوجود اس کفرستان میں دعوت توحید کو بکار رکھنے [illegible] کی امداد کرا دیں۔"

مدرسہ کا اہل حدیث کا ہونا ایک غیر مخفی حقیقت ہے۔ لیکن محض یہ امر اسکی امداد سے مانع کسی بھی مسلمان کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ نیپال راج تمامتر ایک غیر اسلامی علاقہ ہے۔ وہاں توحید و رسالت [illegible] تقلید و عدم تقلید کے اختلاف سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔*

نئی کتابیں

(۱) رائٹنگز اینڈ اسپیچز آف مولانا محمد علی (انگریزی) مرتبہ افضل اقبال صاحب ایم اے [illegible]۔ ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد گرد پوش پر مولانا کی تصویر۔ شروع میں مولانا کی انگریزی تحریر کا [illegible] قیمت [illegible] پتہ: شیخ محمد اشرف [illegible] انگریزی کتب فروش کشمیری بازار لاہور۔

برسوں پہلے [illegible] اشتہار [illegible] ایک مجموعہ انگریزی تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ [illegible] نظر عام پر آگیا [illegible] نہیں مولانا کا تمام انگریزی [illegible] کے شایع کر [illegible]۔

مجموعہ میں [illegible] ۱۲ [illegible] محمد علی کے مشہور انگریزی ہفتہ وار کامریڈ کے مضامین ہیں۔ ایک مضمون وہ ہے جو محمد علی نے صحافت [illegible] میں لکھا تھا۔ [illegible] کی تقریر [illegible] صدارت بھی شامل ہے۔ اور کراچی کے مشہور مقدمہ [illegible] میں مولانا کی عدالتی تقریر بھی۔ زیادہ تر [illegible] اور [illegible] تحریری بیانات ہیں۔ [illegible] ۱۹۱۵ [illegible] ایسا ہے [illegible] باقی اس ہر عنوان سے متعلق [illegible] ایک مختصر دلچسپ تعریب مرتب صاحب کے قلم سے درج ہے۔

آغاز کتاب [illegible] مرتب [illegible] دلچسپ بھی اور جامع بھی [illegible] لفظ مولانا کے رفیق قدیم مسٹر عبدالرحمن صدیقی ایڈیٹر [illegible] کلکتہ کے قلم سے ہے یہ بھی اچھا ہے۔ لیکن صدیقی صاحب اگر ذرا زیادہ توجہ سے کام لیتے، تو اسے بہتر آسانی سے بنا سکتے۔

مجموعہ میں کسر دو تین باتوں کی رہ گئی۔ خدا کرے آئندہ اڈیشن میں وہ بھی پوری ہو جائے۔

(۱) ایک طویل نوٹ کامریڈ کی زندگی پر ضروری تھا۔

(۲) کامریڈ کے [illegible] کے حرکۃ الآرا مضمون [illegible] ٹرکس" شامل ہونے سے رہ گیا۔

(۳) آخر زمانہ میں [illegible] کانگریس اور گاندھی جی سے جو علحدگی

---

* البتہ [illegible] اسکا سوال ہی کہاں سے پیدا ہوا [illegible] مدرسہ کا نام [illegible] بلکہ خدا نخواستہ نابود ہو جاتا اس سے کہیں [illegible] کا خیال [illegible]

اختیار کرنا پڑی تھی، اسکے اب یہ ابھی کوئی بیان اُنھیں کے قلم سے ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مجلس خلافت کی ورکنگ کمیٹی کی طرف سے انگریزی میں جو بیان شایع ہوا تھا، وہ مولانا ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اُسے بآسانی لیا جاسکتا تھا۔

مولانا کی انگریزی تحریر کے شیدائیوں کو یہ مجموعہ ایک نعمت معلوم ہوگا۔ اور یہی عام ہونا چاہیے بھی۔ افضل اقبال صاحب نہ خاص اہل علم ہیں نہ علیگ۔ اور نہ کبھی مولانا کی صحبت میں رہے۔ اس پر بھی دو دو کتابیں شایع کرسکے، وہ وہ کام کرگئے ہیں، جس پر ہر جامعی اور ہر علیگ کو رشک کرنا چاہیے۔

قیمت ۸ روپے گو کاغذ اور سامان طباعت کی موجودہ گرانیوں کے لحاظ سے زائد نہ ہو، تاہم عام شائقین کی جیب کے لیے تو یقیناً ایک بار ثابت ہوگی۔ — کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور یا ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال یا اور کوئی صاحب ہمت ہزار پانچ سو کتابیں خرید کر ملک کی تمام مشہور لائبریریوں میں پہونچا دیں!

(۲) **اشتراکیت اور اسلام** - از مولانا سید مسعود عالم ندوی ۸۰ صفحے - ۱۸×۲۲ تقطیع - قیمت عہ، پتہ:- دار المصنفین اعظم گڈھ

اس موضوع پر اردو میں اب تک متعدد کتابیں آچکی ہیں، چھوٹی بھی اور بڑی بھی اور چھپی بھی، اور بُری بھی۔ یہ رسالہ اُن سب سے زیادہ سلجھا ہوا ہے، اور مختصر ہونے کے باوجود کافی اور جامع اور مستند بھی۔ مصنف نے یہ گرہ شروع ہی میں کھول دی کہ اشتراکیت (سوشلزم) محض ایک معاشی نظریہ نہیں، ایک مستقل مذہب کا نام ہے۔ جسکے اپنے مخصوص عقائد ہیں۔ مخصوص اخلاق اور مخصوص تمدن کا نظام ہے - پھر دونوں مذہبوں کی تعلیمات کا موازنہ کیا ہے، اور اشتراکیت کی فلسفیانہ اور معاشی بنیادوں پر تبصرہ۔

کتاب مغز و عبارت دونوں کے لحاظ سے پوری ایک ندوی کی تصنیف ہے، اور انھیں خصوصیات کی حامل، جو ایک ندوی کے لیے طرۂ امتیاز ہیں۔ نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب بھر میں گنتی کے صرف دو لفظ کھٹکے۔ اور مصنف کی عام شستگی تحریر سے انکا پیوند نہ مل سکا۔ ایک "پرچار" دوسرے "سماج"۔ ہندی لفظوں کا استعمال بجائے خود بُرا نہیں، لیکن ابھی ان لفظوں کے استعمال میں اُس وقت تک تامل چاہیے، جب تک یہ الفاظ ثقات ادب کی زبان پر نہ آجائیں۔

(۳) **لہو ترنگ** - از میر سکندر علی صاحب وجد بی اے، ضخامت ۱۹۰ صفحے۔ قیمت قسم اول ے، قسم دوم سے، پتہ، عبد الحق اکیڈمی حیدر آباد دکن

وجد صاحب حیدر آبادی، جامعہ عثمانیہ کے بہترین فرزندوں میں سے ہیں۔ اور خود تو پرانے نہیں، لیکن انکی شاعری کی عمر خاصی پرانی ہوچکی ہے۔ کلام اخبار رسالوں میں عرصہ سے دیکھنے میں آرہا ہے — شاعر کی نصرت لیکر آئے ہیں۔

وہ وجد، یعنی کلام وجد آفریں!

"لہو ترنگ" کا لفظ اقبال کے ایک شعر سے لیا گیا ہے۔ اور خود اقبال کا رنگ ہے کہ کتاب کے صفحہ صفحہ سے پھوٹا نکلا ہے — گویا کلیات وجد ہے۔ یعنی ان کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ نظمیں ۱۵۲ تک۔ اسکے بعد غزلیں۔ کل اشعار کا مجموعہ ایک ہزار کی دہائی تک تو ہوگا۔ نظمیں کوئی ۵۰-۵۵ کی تعداد میں ہونگی۔ عنوانات لسان العصر اکبر سے لیکر اقبال اور محمد علی تک ہیں۔ اقبال والی نظم تو معمولی ہے البتہ شاعر کے جوہر محمد علی والی نظم میں کھلے ہیں۔ وہ ایک بند ملاحظہ ہوں ؎

نفرت ازلی تھی تجھے دنیا و درم سے	جھیکی نہ کبھی آنکھ تری جاہ و حشم سے
سر جھک نہ سکا سطوت اسکندر و جم سے	بجلی تھی زباں آگ برستی تھی قلم سے

تحریر سے تھا رنگ عیاں قلب تپاں کا
تقریر میں تھا سوز مجاہد کی اذاں کا

یہ تیسرا بند تھا، اب پانچواں ملاحظہ ہو:-

کرتے ہی رہے خدمت نادار و دل افگار	غازی ہو اسامان سفر باندھ کے تیار
اسباب تھا قرآن، دل ریش، و تن زار	مونس تھی دعائے خلف حیدر کرار

درپیش نیا معرکۂ کرب و بلا تھا
بے خوف اجل مرد خدا مست چلا تھا

غزلوں کی تعداد کوئی ۹۰ کے قریب ہوگی۔ اکثر چلی ہوئی، شگفتہ بحروں اور مشہور اُستادوں کی زمین میں۔ غزلوں کا مرتبہ نظموں سے کمتر نہیں، کچھ بڑھا ہی ہوا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جوش و مستی کے سیلاب کو بار بار روک کر حدود و قیود کے اندر رکھتا جا رہا ہے۔

کہیں کہیں کسی لفظ یا ترکیب پر ممکن ہے کہ نکتہ چیں اُنگلی رکھ دے مثلاً ص ۲۲ پر "دوستانہ پیدا کرنا" یا مثلاً پر "دل پر دم"۔ لیکن معصوم کونسا شاعر یا ادیب ہوا ہے، یا ہوسکتا ہے؟ شاعری کی داد کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ شاعر فطری ہے۔ وہ آورد نہیں، آمد کے بل پر چل رہا ہے اور اسکا دل و دماغ دونوں مسلمان ہیں، اور اسکی زبان اہل زبان کی سی زبان ہے۔

(۴) **اسٹڈی ان اقبالس فلاسفی (انگریزی)** از بشیر احمد صاحب ڈار، ایم اے، ضخامت ۴۲۵ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ے، پتہ: شیخ محمد اشرف، تاجر کتب انگریزی۔ کشمیری بازار۔ لاہور

اقبال پر کتابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں اقبال کی شاعری یا مذہب پر نہیں بلکہ فلسفہ پر ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اس میں اقبال کے خیالات و تعلیمات کو فلسفہ کی اصطلاحوں میں پیش کیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مذہب سے اگر قطع نظر کرلی جائے تو اقبال کے کلام کے پھر معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ اور یہ انداز تعبیر انگریزی خوانوں کے حق میں خاص طور پر مفید ہے۔

کتاب دیباچہ کے بعد چار بابوں میں تقسیم ہے - اور آخر میں تین ضمیمے ہیں۔ ایک میں سرشلسٹ (اسمتھ کمیٹی) نے حال میں اقبال پر بہت کچھ زہر اُگلا تھا۔ مصنف نے بہت اچھا کیا کہ ایک ضمیمہ الگ

(بقیہ صفحہ ۸)

روایات نزول مسیحؑ

نمبر (۳)

(از مولوی عبدالرحیم خاں صاحب جیپوری، فرنگی محلی)

ان امور دوازدہ گانہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اب آئیے علامہ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے اصل مضمون پر توجہ کی جائے کہ کہاں تک اصل سوال اس سے حل ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے۔ میرے مضمون میں نہ تو اس سے بحث تھی کہ ان مسائل کے متعلق حدیثیں ہیں یا نہیں اور نہ اس سے بحث تھی، کہ عقائد کی کتابوں میں بطور عقیدہ ان مسائل کا ذکر ہے یا نہیں۔ اصل سوال یہ تھا کہ (۱) کیا حیات و نزول مسیح علیہ السلام والے مسائل "قطعیات" میں سے ہیں جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمادیا تھا اور (۲) کیا خروج مہدی کے متعلق کوئی ایک صحیح متواتر حدیث موجود ہے۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمادیا تھا۔ اور آخر میں ضمنی طریقے سے درخواست تھی کہ تعمیم فائدہ کے لیے معتبر، متداول عقائد کی کتابوں کی وہ عبارتیں پیش کردی جائیں کہ جن میں ان مسائل کو بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو (یہ درخواست کیوں تھی اسکا جواب آگے آئیگا) مجھے افسوس ہے کہ علامہ مجیب نے جس طرز پر جواب تحریر فرمایا ہے اس سے دونوں سوالوں میں سے کوئی بھی حل نہیں ہوتا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:—

علامہ مجیب نے پہلی عبارت "قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتہا عن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فی المہدی وانہ من اہل بیتہ وانہ یملأ الارض عدلا وان عیسیٰ علیہ السلام یخرج فیساعدہ علی قتل الدجال انہ یؤم ہذہ الامۃ وعیسیٰ خلفہ فی طول من قصتہ وامرہ" بحوالہ تذکرۃ للقرطبیؒ نقل فرمائی ہے فتح الباری میں یہ عبارت باوجود تلاش مجھے نہیں ملی۔ علامہ مجیب سے امیدوار ہوں کہ اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں اور باب اور حدیث کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔ تذکرہ للقرطبی سردست میرے پاس موجود نہیں البتہ علامہ شعرانی نے اسے مختصر کرکے جو رسالہ تیار کیا ہے وہ موجود ہے اس میں بھی یہ عبارت مجھے نہیں ملی۔ (حالانکہ شعرانی نے اصل کتاب کے صرف ان حصوں کو چھوڑا ہے جنکا تعلق تشریح الفاظ اور تفصیل اعراب سے تھا جیسا کہ اس مختصر کے دیباچہ میں مصرح ہے) اس مختصر میں شعرانی نے علامہ قرطبی کا قول لا مہدی الا عیسیٰ والی حدیث پر بحث کے سلسلہ میں یوں نقل کیا ہے (قال الامام القرطبی) وہذا لا ینافی التقدم فی احادیث المہدی لان معناہ تعظیم شان عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام علی المہدی سے انہ لا مہدی الا عیسیٰ لعصمتہ وکمالہ فلا ینافی وجود المہدی کقولہم لا فتی الا علیؓ واللہ اعلم، ویؤید ذلک حدیث المہدی من اہل بیتی یملأ الارض عدلا وانہ یخرج مع عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فیساعدہ علی قتل الدجال بباب لد من ارض فلسطین وانہ یؤم ہذہ الامۃ ویصلی خلفہ عیسیٰ بن مریم واللہ تعالیٰ اعلم

(ظاہر ہے کہ قرطبی کی اس عبارت منقولہ میں "تواتر" کا لفظ بھی نہیں آیا) بہرحال اگر اس میں یا فتح الباری میں یا کسی اور کتاب میں یہ عبارت موجود بھی ہو تو اس سے ان مسائل میں سے نہ کسی کی قطعیت ظاہر ہوتی ہے اور نہ کسی مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر بینوں کو "قد تواترت الاخبار" کے لفظ سے شاید دھوکا ہو۔ حالانکہ اسکے بعد کا متصل جملہ "واستفاضت بکثرۃ رواتہا" تو اس امر کو بتا رہا ہے کہ تواتر سے یہاں ———— تواتر اصطلاحی مراد نہیں ورنہ تواتر کے بعد "استفاضت بکثرۃ رواتہا" کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ اس استفاضہ کے بغیر تواتر اصطلاحی کا وجود عادۃً ممکن ہی نہیں علاوہ اس کے تواتر کا مرتبہ استفاضہ سے بڑھا ہوا ہے پھر تواتر کے ذکر کے بعد بغیر کسی اہم فائدہ کے پیش نظر اس سے ادنیٰ صفت کا ذکر طریقۂ انشاء کے بالکل خلاف ہے علاوہ اسکے "الاخبار" جمع معرف باللام ہے جسکے متعلق محققین کا فیصلہ یہ ہے (کما فی التلویح) کہ اگر عہد نہ ہو (جیسا کہ عبارت مذکورہ میں ہے) تو وہ عام ہوتی ہے اور الف لام سے اشارہ استغراق کی طرف ہوتا ہے اس بنا پر معنی یہ ہوئے (اگر تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد ہو) کہ فلاں فلاں چیزوں کے بارے میں (مہدی، مہدی کا اہل بیت سے ہونا وغیرہ وغیرہ جنکا ذکر الفاظ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بعد ہے) جو جو خبریں ہیں ان میں سے ہر ہر خبر متواتر ہے۔ کیا کوئی اصول حدیث سے واقف شخص اتنی کثیر خبروں کو متواتر مان سکتا ہے؟ "الاخبار" سے جنس خبر مراد لینا مجاز ہوگا کیونکہ جمع محلی باللام جنس کے لیے مجاز ہے (کما فی التوضیح) اور حقیقت کے ہوتے مجاز ماننا شان علم کے خلاف ہے اور یہاں حقیقت بن سکتی ہے بایں طور کہ "تواترت" کو "کثرت" کے معنی میں لیا جائے جو اس لفظ کے حقیقی معنی کا حاصل ہے (جیسا کہ نمبر ۲ سے ظاہر ہوتا ہے) اور "الاخبار" میں الف لام استغراق کا ہو اور معنی یہ ہوں کہ فلاں فلاں چیزوں کے متعلق ہر ہر خبر کثیر طریقوں سے مروی ہے۔ "تواترت" میں تو تواتر کے اصطلاحی معنی لیکر "الاخبار" میں مجاز کا قائل ہونا عجیب و غریب امر ہوگا۔ اس سے قطع نظر "تواتر" خبر کے "فرد" کی صفت ہوتی ہے نہ کہ جنس خبر کی۔ اس لیے کسی مسئلہ کی جنس خبر کو متواتر کہنا ایک نیا مجاز ہوگا۔ اصل یہی ہے کہ اس عبارت میں "تواترت الاخبار" کے ماحصل معنی "کثرت الاخبار" ہی کے ہو سکتے ہیں (تواتر کے اصطلاحی معنی کی جانب ذہن ملتفت نہ ہو جائے اسی لیے "واستفاضت بکثرت رواتہا" کا اضافہ کیا گیا) محدثین کے کلام میں اسکا نمونہ موجود ہے جیسا کہ نمبر ۲ میں گزرا، اور استفاضہ خبر نہ تو تواتر اصطلاحی کو مستلزم ہے اور نہ قطعیت کو۔ خبر مشہور سے ظن کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے، جو اگرچہ یقین کے لگ بھگ ہوتا ہے مگر یقینی نہیں ہوتا جیسا کہ نمبر ۳ میں گزرا۔ پس اگر مبصر صاحب نے مہدی کے بارے میں احادیث متواترہ سے احادیث متکاثرہ مراد لیا تھا تو میری بحث اس سے متعلق نہیں۔ مبصر صاحب کے لیے بس یہی تشریح کر دینا کافی ہے

علامہ مجیب نے دوسری عبارت "ابن خلدون" کی پیش کی ہے

اعلم ان المشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام علی ممر الاعصار انہ لابد فی آخر الزمان الخ" اس عبارت میں نہ تو مسائل مبحوث عنہا کے متعلق تعیین کا دعویٰ کیا گیا ہے اور نہ احادیث متواترہ سے ثبوت کا۔ کسی چیز کے مشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام ہونے سے نہ تو اسکا قطعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ یہ امر کہ اسکے متعلق احادیث متواترہ ہیں۔ "قرآن" کی سورتوں اور آیتوں کے فضائل کیسے کیسے مشہور رہے اور رہا۔ بلکہ بہت علماء نے انکو کتابوں میں جگہ دی ہے لیکن ان میں کی ایک اچھی خاصی تعداد ضعیف حدیثوں کی جانب منسوب ہے بلکہ بعض کے متعلق تو "موضوعات" تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے۔ کیا علیم الامت مولانا اشرف علی نے ترجمہ والے نائل کے حاشیہ پر فضائل سورہ و آیات درج نہیں کیا۔ اور مشہور بین العلماء نہیں یا جیسا کہ سب مسائل قطعیات میں سے ہیں۔ ولادت شریفہ کے وقت ایوان کسریٰ کے تزلزل ہو جانے کی شہرت ہر عالم جانتا ہے تو کیا اس سے اس واقعہ کی قطعیت ثابت ہو جائیگی۔ کتنی حدیثیں زبان زد ہیں جنکا کلام لیدو اا احادیث زبانوں پر جاری ہیں کیا وہ سب صحیح حدیثیں ہیں اور وہ جنکا او پر ذکر ہوا کیا وہ ناجائز ہیں سے نہیں ہیں؟ ابن خلدون نے اپنی اسی عبارت کی چند سطر بعد سے وہ حدیثیں لکھنا شروع کر دی ہیں کہ جنکو اس شہرت بازیہ مسئلہ کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے اور پھر ان پر جرح و قدح کی ہے جس سے لکھنے والوں کو موقع مل گیا۔ کہ ابن خلدون کو ظہور مہدی کے بارے میں کلام ہے اور خود علامہ مجیب نے بھی شروع مضمون میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے کہ "علامہ ابن خلدون اور بعض انکے ہم خیال فلسفی علماء نے ظہور مہدی میں تو کچھ کلام کیا ہے مگر (الخ) کیا عجیب تماشہ ہے کہ ان کا وہ قول سند میں پیش کیا جائے کہ جسکی بنیاد کی صحت کے بارے میں خود انہے کلام ہو۔

علامہ مجیب نے میری عبارت "القول المختصر لابن حجر" کی پیش کی ہے "الذی یجب اعتقادہ ما دلت علیہ الاحادیث الصحیحۃ من وجود المہدی و خروج الدجال و نزول عیسیٰ فی زمانہ و قتلہ للدجال" اس عبارت سے صرف یہی امر ظاہر ہوتا ہے کہ ان امور کے متعلق اعتقاد رکھنا ضروری ہے (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) اسلئے کہ ان امور کے متعلق احادیث صحیحہ ہیں۔ ان بالاتین سے کسی کے متعلق بحث نہ تھی کس نے کہا کہ ان امور کا اعتقاد نہ رکھنا چاہیے کس نے کہا؟ کہ احادیث صحیحہ اس پر دال نہیں۔ بحث جو کچھ ہے وہ یہ کہ ان امور کے متعلق اعتقاد کا لازم ہونا بطریق فرضیت ہے جس کے لیے دلیل قطعی سے ثبوت ضروری ہے یا بطریق وجوب (جس کے لئے دلیل ظنی کافی ہے) اور یہ کہ جو احادیث صحیحہ ان امور پر دال ہیں وہ ان میں باخبر متواتر۔ اور ان سب ابحاث امور سے یہ عبارت ساکت ہے (فرض اور واجب کا استعمال محض اسنادیۃ کیا گیا ہے) (باقی آئندہ)

رحم کی درخواست

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

ادھر مہینے دو مہینے سے نہ صرف بلدہ بلکہ اضلاع سے بھی مجالس میلاد میں تقریر کرنے کے لیے فقیر کی طلبی کا ایک غیر مختتم سلسلہ جو جاری ہے۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے اپنا فرض سمجھ کر حاضری کی کوشش بھی کرتا ہوں بلکہ تقریباً چار سال سے جامع مسجد سکندرآباد میں ہر ہفتہ جو کچھ مجھ سے ممکن ہو سکتا ہے مسلمانوں کی تھوڑی بہت خدمت کرتا ہوں لیکن علاوہ اس بات کے کہ شاید قوتوں کو ضعیف بنا ہوا پایا

اور چند ایسے امراض شدیدہ میں مبتلا ہو کر اچھا ہوا ہوں جنھوں نے میری عام توانائی کو بہت متاثر کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ چند تقریروں کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پڑ جاؤں گا یہی وجہ ہے کہ ان لامحدود مطالبوں کی تکمیل میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ جن حضرات کی فرمایش کی تعمیل سے معذور ہو جاتا ہوں وہ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے گمنام خطوط سے مخاطب فرماتے ہیں۔ سب و شتم سے بھی نہیں چوکتے اور کچھ لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ میرے استمزاج یا اظہار رضامندی کے بغیر اپنا روداد میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اس نے بھی ہماری مجلس میں شرکت اور تقریر کا وعدہ کیا ہے لیکن وقت پر جب میں نہیں پہونچتا تو خلاف وعدگی اور نقض عہد کا الزام مجھ ہی پر عائد کر دیا جاتا ہے۔

میں اپنے دینی بھائیوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں اس فقیر کی قدر افزائی کا کیا یہی طریقہ ہے۔ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ مسلمانوں کو کیا یہی سلوک کرنا چاہیے؟ اس موقع پر نواب بہادر خاں مرحوم یاد آتے ہیں انکی وجہ سے لوگوں نے فقیر کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ موت تو ہر شخص کی وقت ہی پر آتی ہے لیکن بہادر خاں کی موت کے منجملہ دیگر ظاہری اسباب کے اگر یہ ایک سبب اسکو بھی قرار دیا جائے کہ برداشت سے زیادہ لوگوں نے ان پر بار ڈال دیا تھا تو طبعی نقطۂ نظر سے شاید یہ ابعد نہ ہو۔

بہرحال اپنے قدر فرماؤں سے میں رحم کی درخواست کرتا ہوں (الاتحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ) کی دعا آدمی خدا سے بھی مانگتا ہے۔ کیا میں بندوں سے بھی یہ استدعا نہیں کر سکتا۔ (رہبر)

صدق۔ مولانا کی یہ فریاد یقیناً بڑی دردناک ہونے کے ساتھ پُر لطف بھی ہے۔ البتہ مولانا کو اپنی تسلی کے لیے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ وہ اپنی مظلومیت میں منفرد نہیں ہیں۔ ملت کے آج جو بھی خادم ہیں۔ تقریباً سب اپنے ظرف و بساط کے مطابق ایسے ہی مظالم میں مبتلا ہیں۔

بیگانوں سے نہیں اپنوں کے ہاتھوں۔ ۶

کرا من ہرچہ کرد آن آشنا کرد!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ مرتضیٰ آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بیسویں صدی کے دو مجاہد

(محمد علیؒ کی برسی کے موقع پر)

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو چیز سب سے زیادہ معتوب ہوئی وہ یہی وحدت اسلامیہ تھی۔ جور و استبداد نے جو لوگ بالکل خاموش اور مرعوب کر دیئے گئے وہ ہمارے ہی آباؤ اجداد تھے۔ کس کی ہمت تھی جو فرنگی حکومت کے خلاف صدائے حق ہی بلند کر سکتا۔ علمائے اسلام نے بھی "خاموش مقاومت" ہی پر اکتفا کیا اور ترک موالات کے فتاوے صادر کر دیئے۔ لیکن سرسید نے جب دیکھا کہ برادران وطن مسلمانوں کی خاموشی اور جانفروشی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حکومت کے اعضاء و جوارح بنکر صرف بنیادی سہولتیں ہی نہیں بلکہ حکومت کے پردہ میں مسلمانوں سے انتقام بھی لے رہے ہیں، تو وہ مرد میداں بنکر سامنے آگئے اور قوم کو آواز دی کہ سیاسی تدبر سے کام لے، اپنا مقصد پیش نظر رکھکر وہ راہ اختیار کرو جو زمانہ کے لحاظ سے ضروری ہے مگر جانا ہے منزل مقصود کی طرف۔ سرسید نے اینگلو اورینٹل کالج قائم کرتے وقت اعلان یہ کیا تھا کہ اس درسگاہ کے طلباء کے ایک ہاتھ میں علم ہوگا، دوسرے میں تلوار اور پیشانی پر کلمہ طیبہ۔

اس نکتہ کو سب سے بہتر علی برادران نے سمجھا۔ اور اسی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن اور لائحہ عمل بنا لیا۔ انھوں نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم محض ملازمت سرکاری کی غرض سے نہیں حاصل کی بلکہ برطانوی اور مغربی سیاست و تمدن کا علمی مطالعہ کرنے کی نیت سے حاصل کی تاکہ مخالف کے گھر کا جغرافیہ بھی معلوم ہو جائے اور اسکے خلاف اسی کے ہتھیار استعمال کر سکیں۔ چنانچہ انگریزی ادب میں علی برادران نے وہ کمال حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے انگریزی ادباء رشک کرتے تھے۔ مغربی سیاست، آئین جہانبانی اور دستور حکومت سیکھنے پر آئے تو اسکے صرف حافظ ہی نہیں ہو گئے بلکہ انکی خامیاں، خود غرضانہ نکات، اور پوشیدہ اغراض و مقاصد کی قلعی کھول کے رکھدی۔ انکی تہذیب، معاشرت، انکا اخلاق و کردار، انکی اقتصادیات و ضروریات اور ڈپلومیسی و معاشیات کا اتنا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا کہ فرنگی بھی عش عش کرنے لگے۔ اس طرح تمام مغربی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہ مجاہدین میدان مقابلہ میں اترے اور انکے تمام داؤں پیچ کا اس طرح سے توڑ کیا کہ فرنگیوں کو کان ہی پکڑنا پڑا۔ ایسے نفوس دنیا میں کہاں ہوتے ہیں جو سیاہی کے حوض میں غوطہ لگانے کے بعد بھی جب باہر آئیں تو جسم و لباس دودھ اور بگلے کے پر کی طرح سفید و شفاف رہے؟ علی برادران نے اپنی ذات سے ثابت کر دیا کہ اگر ایمان اور نیت سلامت ہو، منتہائے نظر اسلام کی ترقی، قوم کی فلاح اور وطن کی آزادی ہو تو مخالفین کے گھروں میں رہ کر بھی انسان بے راہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر مخالفت رنگ چڑھ سکتا۔

علی برادران نے اس زمانہ میں اپنے قومی حقوق، آزادی وطن، اور استخلاص ممالک اسلامیہ کا مطالبہ پیش کیا۔ جبکہ حکومت کی مرضی کے خلاف زبان و قلم سے ایک لفظ نکالنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ حکومت سے صرف "عرض و گزارش" کی جاتی تھی اور جبکہ لفظ "مطالبہ" کو گستاخی سمجھا جاتا تھا۔ کانپور کی مسجد کے دروازہ کے انہدام پر جب مسلمانان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوا تو حضرت مولانا محمد علیؒ نے صوبہ کے لفٹنٹ گورنر جیمس مسٹن کو جو خط لکھا تھا اور جسے کامریڈ میں شایع کر دیا تھا۔ اس میں ان کو "مائی ڈیر" لکھ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ تاریخ ہند میں یہ پہلا واقعہ تھا جس میں ایک محکوم نے حاکم وقت کو برابر کے درجہ سے مخاطب کیا تھا۔ اسے پڑھ کر لوگ انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔

اسکے بعد علی برادران نے "حمایت اسلامیہ" (پین اسلامزم) کی وہ تحریک زندہ کرنی چاہی جسے ختم کرنے کیلئے سو برس تک یورپ بیچین و مضطرب رہا! بڑے بھائی نے "خدام کعبہ" کی تحریک شروع کی۔ جسکا پس منظر ہی "مرکز اسلامی" تھا۔ اور چھوٹے بھائی نے ترکی سے تعلقات و روابط اسی مقصد سے پیدا کیے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں طبی مشن بھیجنے اور ترکی کی حمایت میں "چوائس آف دی ٹرکس" مضمون لکھکر نظربند و قید ہونے کا مقصد اسکے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ سارے عالم کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لایا جائے۔ اور ممالک اسلامیہ کو آزاد کرانے کے لیے ہندوستان کو سب سے پہلے آزاد کرایا جائے۔ اسی "وحدت اسلامیہ" کی خاطر بڑے بھائی نے کلکٹری چھوڑی، انگریزی وضع چھوڑی، اپنا وطن چھوڑا۔ اور قوم کی "سپہ سالاری" پائی۔ زمانہ اور دنیا نے ان کو تکلیف و مصیبت، قید و بند، افلاس و غربت کی بھٹی میں تپایا اور قدرت خداوندی نے انکو "جوہر" بنا کے نکالا! رامپور کے دو یتیم بچوں کو اللہ نے نوازا۔ انکی خدمات اسلامی قبول کر کے ایک کو گہوارۂ انبیاء میں جگہ دی اور ایک گہوارۂ اولیاء میں۔

اللہ تعالیٰ انکی ارواح کو سکون ابدی اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ انکی قبور کو نور سے بھر دے اور ہم کو انکے نقش قدم پر چل کر انکے مشن کو کامیاب بنانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(انقلاب بمبئی)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) موسیٰ اسمٰعیل دیسائی صاحب (نذ کیشور) بہتر ہوگا کہ مسئلہ کا فیصلہ آپ انھیں لوگوں پر چھوڑ دیجیے جو علوم اسلامی کے ماہر ہیں، اور اقبال سے محبت و شیفتگی میں اور اقبال کی عظمت کے اعتراف میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اخبار میں تفصیلی بحث کرنا اقبال کے کسی دوست کا کام نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

جواب کے بے وقعت اردیا۔ اقبال کی جو تعلیمات ہیں اور جو پیام ہے وہ بالکل ظاہر ہیں، اب نہ وہ کسی تعارت کے محتاج ہے انھیں بار بار دوہرانے رہنے کی ضرورت۔ مصنف کا احسان یہ ہے کہ انھیں حقائق کو انھوں نے اپنے انداز میں بیان کردیا، جس سے تعلیم یافتہ انگریزی خواں طبقہ یقیناً متاثر و مستفید ہوگا۔ اور یہ بھی اپنے ملک میں اچھی خاصی خدمت ہے، اقبال کی بھی اور جسکے اقبال خادم تھے، یعنی اسلام کی بھی۔

آخر میں انڈکس (اشاریہ) اور کتابیات (ببلیوگرافی) دونوں مفید ہیں۔

رسید کتب

(۱) تقریر خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب۔ ۷ نومبر ۲۲ء کو مسلم گرلز کالج۔ علیگڑھ میں۔ ۲۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں

مسلمان عورتوں میں تہذیب جدید کیا نام تھا "تعلیم" پہیلنے سیکھنے کی کہانی۔ شیخ عبداللہ صاحب کی زبانی۔ شاعروں کی صنعت در وصف دیگر می گوید "کا نثر میں نمونہ — کیا خوب کہا ہے دیگر حیدرآبادی نے

کم جوش ہوا پیر دیں دین خدا کا
[illegible] نے دیا ساتھ زنا کی ہوا کا

مقدمہ کا فیصلہ

لاہور۔ ۲۲ مئی۔ "ہندوستانی نوجوان جو اپنے اخلاق حسنہ اور قوت کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتے تھے، پہلے ہی کافی ان اوصاف سے بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن اب انھیں مزید تباہی کے گڑھے میں ڈھکیلنے والے نام نہاد ترقی پسند ادیبوں سے میں درخواست کرونگا کہ وہ خدا کے لیے عوام کے جنسی جذبات کے ساتھ کھیلنے سے باز آئیں اور آرٹ کے نام پر ایسے ادب کی تخلیق سے ہاتھ اٹھالیں۔" ان ریمارکس کے ساتھ چودھری مہدی علی خاں مجسٹریٹ درجہ اول نے لاہور کے ماہوار رسالہ "ادب لطیف" کے ۱۹۴۲ء کے سالنامہ میں سعادت حسن منٹو کے لکھے ہوئے ایک مبینہ فحش اور قابل اعتراض افسانہ "بو" کے سلسلہ میں مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے رسالہ کے مالک چودھری برکت علی اور ایڈیٹر ندیم قاسمی کو زیر دفعہ ۲۹۵ تعزیرات ہند ساٹھ ساٹھ روپے جرمانہ کیا۔ اور چودھری نذیر احمد پرنٹر و پبلشر کو بری کردیا۔ افسانہ "بو" کے مصنف مسٹر منٹو اور دیگر ملزموں کے خلاف ایک مقدمہ ۲۹۲ ڈیفنس رولز کے ماتحت بھی چل رہا تھا۔ مسٹر منٹو پہلے ڈسچارج ہو چکے ہیں اور اس مقدمہ کے دوسرے ملزم آج بری کیے گئے۔ س۔ ت۔ (انقلاب)

ہمارے عرس

جماعت احرار کے لیڈر ماسٹر تاج الدین اور سردار محمد شفیع [illegible] پچھلے عرس کے موقع پر پیران کلیر گئے۔ وہاں آپ نے جو [illegible] اپنی آنکھوں سے دیکھے ایک بیان میں فرماتے ہیں:۔

"سائبان کے نیچے ایک بڑا اجتماع دیکھا۔ دریوں کے اوپر غالیچے بچھائے گئے۔ گاؤ تکیے لگائے۔ بیاش آدمی ادھر اس کی دنیج پر حلقے گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انکی پشت پر سیکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہزاروں آدمی اردگرد کھڑے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک رنڈی نیم برہنہ زرق برق لباس پہنے ناچ رہی تھی۔ اور لوگ نوٹ پر نوٹ دیئے جا رہے تھے۔ رقص کے ایک ہی جھٹکے میں ڈیڑھ دو سو روپے کے نوٹ اسکو دیے گئے ہونگے یہ نظارہ دیکھ کر ہم وہاں سے ہٹ کر دس قدم اور آگے گئے۔ تو وہاں بھی ایسا ہی مجمع تھا۔ اور اسی طرح رنڈی ناچ رہی تھی۔ وہاں بھی اسی طرح آدمیوں کے ساتھ ایک طرف برقع پوش عورتیں نقاب الٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور رنڈی اسی طرح نوٹ پر نوٹ وصول کر رہی تھی۔

ایک ہی بازار میں بیسیوں جگہ پر ایسے اجتماع اور رنڈیوں کے ناچ ہو رہے تھے۔ ہم تھوڑی دور جاکر رہیں کیمپ میں پلٹ آئے میرے ہمراہیوں نے مجھے بتایا کہ کم از کم ڈیڑھ دو سو جگہ پر اسی طرح ناچ ہو رہے تھے۔ رنڈیوں کی پارٹیاں ہیں۔ ہر رنڈی چند منٹ ناچتی ہے۔ پھر دوسری ناچنے گانے لگتی ہے۔ رات کو زیادہ سے مسلسل ۱۴ گھنٹے ہر جگہ یہی کیفیت رہتی ہے ہندوستان کے ہر گوشہ سے دو ہزار سے زیادہ رنڈیاں یہاں آتی ہیں اور لاکھوں روپیہ کماکر لے جاتی ہیں۔

دوسرے دن ہمیں معلوم ہوا کہ پولیس میں چار عورتوں کے اغوا کی رپورٹ ہوئی ہے جن میں ایک رنڈی [illegible] ایک [illegible] کیس مقبوضہ کی چار دیواری کے اندر [illegible]

بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ [illegible] میں علانیہ شراب بھی پی جا رہی ہے۔ ہمارا اندازہ [illegible] اور گانے میں کم از کم ۲۰ لاکھ روپیہ اور [illegible] آنے جانے اور رہنے کا خرچ کم از کم ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ روپیہ مسلمانوں کا ہر سال برباد ہوتا ہے۔ ہم نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ سال رنڈیوں کا ناچ یہاں نہیں ہونے دیا جائیگا۔ خواہ ہمیں گرفتار ہی کیوں نہ کرانے پڑیں۔"

یہ تو صرف ایک درگاہ پیران کلیر کے واقعات ہیں۔ کونسی ایسی درگاہ ہے جہاں یہی سب کچھ مذہب کے نام پر نہیں ہوتا۔ اور جہاں کے مجاور دین کے ان اسپیکروں سے کم ہیں۔ (ریاست)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

صدق

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ر
بیرون ہند سے ...
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۳ | شنبہ - ۶ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ - مئی سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

مسولینی کے نام کے نعرے اور جیکارے تو ابھی کانوں میں گونج رہے ہونگے! کس طنطنے اور کس دبدبے کا فرعونِ وقت تھا! سنہ ۳۸ء و سنہ ۱۹۴۰ء میں کیا اسکے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ فرانس اور روس اور برطانیہ اور امریکہ کے اچھے اچھے شیردلوں اور اونچے اونچے مدبروں تک پر اُسکے نام کی ہیبت طاری تھی۔ سنہ ۴۲ء بلکہ سنہ ۴۳ء کے شروع تک دنیا پر اُسکی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ۴۰ ہزار سپاہی اور ۶ ہزار ہوائی جہاز بھیج، سنہ ۱۹۳۶ء میں ملک حبشہ کا خاتمہ ہی کردیا۔ کیسے کیسے خواب ملک گیری کے دیکھ رہا تھا۔ گویا قدیم رومن امپائر از سرِنو قائم ہو جائیگی، اور برطانیہ اور فرانس تک پر اُسکی اقبالمندی کا علم نصب ہو جائیگا!—— دیکھتے دیکھتے وہ عظیم الشان و عالی مرتبت مسولینی کہاں گیا؟

"میلان (اٹلی) - یکم مئی - ڈیوچے، اسوقت میلان کے شمال میں کومو میں تھا۔ یہاں اس نے ریڈیو کے ذریعہ سے احکام جاری کرکے ۲۰ ہزار فوج جمع کرلی۔ اتحادیوں کو اسکی خبر مل گئی، اور انھوں نے ہوائی حملوں سے شہر کو مسمار کردینے کا تہیہ کرلیا۔ مسولینی نے دو شبانہ روز ایک گاؤں میں اپنی داشتہ کے ہمراہ بسر کیے۔ فوج اسی درمیان میں منتشر ہوگئی، اور مسولینی نے جرمن وردی پہن کر بھاگنے کی ٹھان لی۔ عین اسوقت جبکہ کار موٹر سویزرلینڈ کی سرحد میں داخل ہو رہا تھا، کمیونسٹ حکومت کے کارندوں نے اُسے گرفتار کرلیا۔ مقدمہ کا فیصلہ سنانے میں کل ۱۲ گھنٹے لگے، اور سزائے موت کا حکم ملا۔ ۲۸ اپریل کو ۴ بجکر ۱۰ منٹ پر ایک کمیونسٹ کرنل کی ماتحتی میں ۱۵ سپاہیوں کے ایک دستہ نے باڑھ ماردی۔ لاغر و نحیف لیکن ضابط و جابر مسولینی کا جسم تھا تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ (۱۷ اور رفیقوں کا بھی یہی حشر ہوا) لاش میلان لائی گئی، اور ایک نمایاں مقام پر رکھ دی گئی۔ لوگ گزرتے تھے، اور کوئی کوئی ان میں سے، اُسکے جسم پر جو ۲۳ سال تک اٹلی کا آمرِ مطلق رہا تھا، تھوک بھی دیتا تھا۔ ایک مسن عورت نے لاش کے قریب آکر پانچ گولیاں اور اُس پر چلادیں، یہ کہہ کر کہ اس جلاد نے میرے پانچ بیٹوں کو ہلاک کرڈالا تھا، آج اپنے ہر بیٹے کی طرف سے بدلہ لے رہی ہوں!"

مسولینی اچھا تھا یا برا تھا، بہر حال جبار تھا، کتنا بڑا تھا! یہ حسرتناک و عبرتناک انجام، خود اُسی کے ملک میں، اُسی کے ہموطنوں کے ہاتھوں، کسی کے خواب و خیال میں بھی تھا؟ —— جس خدا نے بندوں کی زبان سے یہ مناجات کہلائی ہے، کہ

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر، انک علی کل شیء قدیر	اے بادشاہ حقیقی، آپ ہی جسے چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں حکومت سلب کرلیں! آپ ہی جسے چاہیں ذلیل و خوار کردیں!

ساری بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی قدرت ہر چیز پر رکھتے ہیں!

وہ آج بھی زندہ و قیوم خداوند ہے۔ وہ آج بھی جس تنکے کو چاہے، پہاڑ بنا دیتا ہے، اور جس پہاڑ کو چاہتا ہے تنکا کرکے دکھا دیتا ہے! ولہ الکبریاء فی السموات والارض، بڑائی صرف اُسی کی ہے۔ اور جن سرکشوں نے خود اپنے کو بڑھانا چاہا، اُنکا انجام کیسا عبرتناک ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے!

ایک تفسیری سوال

ایک کالجی طالبعلم کا خط:۔

"دورانِ تلاوت میں آیاتِ ذیل سامنے آئیں۔ تفسیر کا طالب ہوں۔ سورہ ص، پارہ ۲۳، رکوع ۳۔ اذ عرض علیه بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد ... جسدًا ثم اناب"۔

پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لیا جائے کہ جن قصوں کی تفصیل نہ قرآن ہی میں کسی دوسری جگہ مذکور ہے، اور نہ حدیث صحیح میں، اور تاریخ سے بھی بحث پر پوری روشنی نہ پڑ رہی ہو، انکی کوئی ایک ہی قطعی تعبیر سمجھنا زیادتی ہے۔ انکی مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ سوال صرف راجح و مرجوح کا رہ جائیگا، اور پھر جب قرآن کے الفاظ اور ترکیبیں ہی ایسی ہوں کہ کئی کئی معنی اور کئی کئی محمل نکل سکتے ہوں، جب تو کسی متفق علیہ تفسیر کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیے۔

اس بنیادی حقیقت کے بعد، تمہید یہ ذہن میں رکھیے:۔

"ووھبنا لداؤد سلیمان اور داؤد کو ہم نے (فرزند) سلیمان عطا کیا۔ وہ نعم العبد انه اواب (سلیمان) بڑے اچھے بندہ تھے، اور (ہماری طرف) بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

یہ سب تردید ہو رہی ہے یہود اور مسیحیوں کے اس زعم باطل کی کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان فاسق فاجر ہی نہیں بلکہ بت پرست و مشرک ہوگئے تھے۔ اور ان ظالموں نے انکی بابت گندی سے گندی روایتیں اپنے مذہبی نوشتوں میں داخل کردی تھیں۔ قرآن مجید انکی صفائی پیش کرتا اور زور کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ وہ بڑے زبردست موحد تھے۔ اور مناسب ایک قصہ اُن سے متعلق بیان کرتا ہے۔ تفصیلات جو کچھ بھی ہوں، بہرحال سیاق کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ قصہ سے انکی دینداری ہی ظاہر ہوتی ہو —— اگلی آیتوں کا تفسیری ترجمہ عام مفسرین کے مذاق کے مطابق ملاحظہ ہو:۔

اذ عرض علیه بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوها علیّ فطفق مسحًا بالسوق والاعناق۔ ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علیٰ کرسیه جسدًا ثم اناب۔

اور جب شام کے وقت انکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے، تو وہ (بعد کو) بولے کہ میں مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہوگیا۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا۔ سو اُن (گھوڑوں) کو پھر میرے سامنے لاؤ۔ پھر آپ نے انکی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی، اور ایک (ادھورا) جسم اُنکے تخت پر لا ڈالا۔ پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔

عام مفسرین کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ ہوا کہ شام کے قریب آپ اپنے فوجی گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے، کہ اس دیکھ بھال میں دیر لگ گئی، اور وقت زیادہ گزر گیا، اور آپ کا اسوقت جو معمول عبادت کا تھا، وہ ٹل گیا۔ معًا آپ کو احساس ہوا، آپ نے اپنے اوپر نفرین کی، اور غیرتِ دینی کے جوش میں آکر اس سامان ہی کو ہلاک و غارت کرنا شروع کردیا، جو آپ کے لیے وجۂ غفلت کا سبب بن گیا تھا۔ پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ آپ کا کسی اور طریقہ پر امتحان لیا گیا، اور وارثِ سلطنت ایک ناقص و ناتمام بچہ پیدا ہوا۔ آپ اسکے بعد خشیت و انابت میں مشغول ہوگئے۔

اس تفسیر کو مان کر بھی کوئی بات مرتبۂ پیمبری کے منافی نہیں پیدا ہوتی۔ انبیاء غفلات سے کاملیت معصوم نہیں ہوتے۔ بجز یہ کہ وہ غفلت کوئی معصیت کے درجہ کی چیز نہ ہو۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ کو خود ہی اسکا تنبہ اور احساس ہوا، اور آپ نہ صرف زبان ہی پر کلماتِ حسرت و ندامت لائے، بلکہ عملًا بھی تدارکِ عظیم کی طرف متوجہ ہوگئے۔

لیکن خود یہ تفسیر ہی متفقہ اور قطعی نہیں۔ "مال کی محبت میں یادِ الٰہی سے غافل ہوگیا" یہ صرف ایک معنی ہیں، ورنہ غفلت کے معنی نکلنا لازم ہرگز نہیں عن سببیہ، لاجل کے معنی میں برابر آتا ہے، اور قرآن میں بھی آیا ہے۔ اور الخیر کے معنی بجائے مال کے جہادی گھوڑوں کے بھی آسانی سے لیے جاسکتے ہیں۔ پھر توارت کی ضمیر کا آفتاب کی طرف پھرنا محض ایک قیاس ہے۔ آفتاب کا ذکر تو کہیں آس پاس نہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ مراد وہی گھوڑے (صافنات الجیاد) ہوں۔ اسی طرح انکی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا محض ایک قیاس ہے۔ یہ آسانی یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ آپ اُن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپتھپاتے رہے —— پوری تفسیر یہ ترجمہ اب یوں ہوگا:۔

"اور جب شام کے وقت اُنکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے (جو تمامتر مجاہدوں اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سپاہیوں کے لیے تھے) پیش ہوئے، تو آپ (خوش ہوکر) بولے کہ مجھ میں یہ جہاد کی محبت بھی یادِ الٰہی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ واپسی میں ان جانداروں کو میرے سامنے لاؤ۔ اور آپ (جیسا کہ گھوڑوں کے لیے معمول ہے) انکی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپکی دیتے رہے"

اب تو غفلت اور کفارۂ غفلت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس میں قولِ جمہور کی مخالفت نکلتی ہے۔ سو اول تو قولِ جمہور، قولِ جمہور ہی ہے، کوئی آیت و حدیث ہی نہیں۔ اور پھر ان معانی کی طرف تو متعدد اکابر پہلے ہی جاچکے ہیں۔

جوّز فی عن کونها تعلیلیه (روح) قیل ضمیر توارت للخیل کضمیر ردوها (روح)

احببت حب الخیر الذی لی عند اللہ تعالیٰ فی الاٰخرة بسبب ذکر ربی (روح)، فطفق یمسح اعناقها وسوقها محبة لها وتکریمًا، وروی ان المسح کان لذلک عن ابن عباس والزهری وابن کیسان ورجحه الطبری (روح)

قال الشیخ الاکبر محی الدین فی الفتوحات لیس للمفسرین الذین جعلوا التواری للشمس دلیل فان الشمس لیس لها هنا ذکر ولا الصلوٰة التی یزعمون (روح)

انما هو الاغتیار بالخیل لم یحبها عن ذکر ربه تعالیٰ لا ادیحبها لعینها فاخبر علیه السلام عن نفسه انه احبها عن ذکر ربه سبحانه ایاها لاحسنها ولا لما حاجته الیها (روح۔ عن الشیخ الاکبر) قیل الضمیر للصافنات (ابو مسعود) والعرب تسمی الخیل الخیر قاله قتادة والسدی (بحر)

مفسر ابن حیان اور امام المفسرین رازی نے اس سے بڑھ چڑھ کر

نادر ونادر تصریحات کی ہیں، اور علامہ ابن حیان نے تو یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ

ہذا القول ہو الذی یناسب منا صب الانبیاء و ولا القول المنسوب للجمہور فانہ فی قصۃ لا ینبغی ذکرہا بالنسبۃ الی الانبیاء (بحر المحیط)	یہی تفسیر جو ابھی بیان ہوئی ہے شان انبیاء کے لائق ہے نہ کہ وہ قول جو جمہور مفسرین کی جانب منسوب ہے۔ اس قصہ میں تو ایسی باتیں آگئی ہیں جنکا انتساب کسی پیمبر کی جانب جائز نہیں۔

حضرت سلیمان (شہنشاہ شام) کی گھوڑ چڑھی فوج کی تعداد انجیل میں ۱۲۰۰۰ ہزار دی ہوئی ہے۔ مجاہدین کی ان سواریوں کا جائزہ لینا، تو عین عبادت تھی، نہ کہ مزیل عبادت۔ اللہم ارنا الحق حقاً۔

ایک تعزیت نامہ

بہت سے موصول شدہ تعزیت ناموں میں سے کم از کم ایک ضرور ایسا ہے جو ناظرین صدق تک پہونچایا جانے کے قابل ہے۔ فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:—

"آپ کے حزن نے مجھے بھی محزون کیا۔ اسی وقت فاتحہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کا ثواب انکی روح پرفتوح کو پہونچایا گیا اور گو ایسا کم ہوتا ہے لیکن پچھلی رات کو جب مناجات کا موقع ہوا تو وہ یاد آئیں۔ دعا کی گئی۔ دل نے اطمینان پایا کہ ان شاء اللہ انکی مغفرت ہو چکی۔ آخر جسکی زندگی نمازوں میں گذری ہو، روزوں میں گذری ہو، مالک کی یاد میں گذری ہو، اسکی مغفرت کی توقع نہ کی جائے تو اور کس کی کی جائے؟ دنیا کا ایک بڑا حصہ کفر پر مصر ہے۔ قرآن سے ظاہر ہے کہ اسکو جہنم میں روکے رکھیگا۔ لیکن جنت کے لیے بھی آدم ہی کی اولاد کا ایک حصہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں آخر یہی لوگ نہ ہونگے تو اور کون ہوں گے؟ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت پر جو ایمان لاچکے، اللہ کا وعدہ کر چکے، اس وعدہ کے متعلق استغفار کی عادت، اولیاء کی کوشش میں بھی مصروف ہیں، اور عام مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ ان شاء اللہ ان سب کی مغفرت ہوگی، اور انھیں کو عمارت جنت کے لیے انکے خالق نے انکو پیدا کیا ہے۔ آپ بھی صبر سے کام لیجیے۔ لیکن فراق اور جدائی کا صدمہ طبعی صدمہ ہے، اور طبعی صدمہ کا ازالہ وقت کے گزرنے کا پابند ہے"۔

مولانا نے تعزیت کے ضمن میں مسئلہ کے علمی پہلو پر جو اظہار خیال کیا ہے، وہ بہت صحیح اور عین مسلک حق ہے۔ نجات کو صرف مخصوص اولیاء کاملین کے ساتھ محدود کر لینا، حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بڑی ناقدری کرنا ہے۔ —— ہم گرتے پڑتے عوام مسلمانوں کے لیے یہ نجات اور جنت کی بشارت بہت بڑا سہارا ہے!

سہ روزہ صدق

الحمد للہ کہ اب صدق سہ روزہ ہوگیا ہے۔ ناظرین کرام سے دعائے استقامت کی التجا ہے۔ (مہتمم)

سورۂ بقرہ، رکوع ۲۱

(سلسلۂ صدق نمبر ۴ جلد ۱)

(از عبد الماجد)

۱۶۹- انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون	اور اسکا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جنکا تم علم نہیں رکھتے ہو۔
۱۷۰- واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا اولو کان آباؤہم لا یعقلون شیئاً ولا یہتدون۔	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو، تو کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے خواہ انکے باپ (دادا) نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔
۱۷۱- ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فہم لا یعقلون۔	اور جو لوگ کافر ہیں انکا حال تو اس شخص جیسا ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے۔ (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔

سوء و فحشاء دو لفظ متقارب المعنی ہیں، لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہے، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے بُرا ٹھہرایا ہے۔

السوء والفحشاء ما انکرہ العقل واستقبحہ الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی)

یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی متعین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباسؓ سے منسوب ہیں۔

السوء ما لا حد فیہ والفحشاء ما فیہ حد، حکی عن ابن عباس وغیرہ (قرطبی)

۶۹۸ یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔

تقولوا علی اللہ۔ قول کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔

ما لا تعلمون علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

فیہ دخل فی ہذا الکل کل قرۃ کل مبتدع ایضاً (کبیر) ویدخل فیہ کل ما یضاف الی اللہ تعالیٰ مما لا یجوز علیہ (مدارک)

۶۹۹ یعنی جو کچھ اللہ نے تم سب پر اپنے پیمبر کے ذریعہ سے اتارا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جب ان سے عالمگیر شریعت الٰہی کی اتباع میں آنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

[illegible] گویا مذہب آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی اُنکے نزدیک نہیں۔ اور یہی چیز عین جہالت و ضلالت ہے۔

آج مشرک قوموں اور مبتدع فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب اُنھیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے، تو وہ جواب میں اپنے آباد اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔

[illegible] یعنی نہ فہم و عقل، اور اُسکے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں، اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔

لا یعقلون شیئًا المراد انہم لا یعقلون شیئًا من الدین (کبیر)

لا یہتدون اے لا یہتدون الی الحق (روح)

بعض کج رو فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ قاعدہ اقتضاء النص اسکا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و نادان اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں، بلکہ عین مطلوب ہے! —— کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے بھی کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور ان پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور ان پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت یا مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی!

[illegible] (بے حسی اور نافہمی میں)

ذکر داعی حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسولؐ اور اسکی دعوت امت کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔

علیٰ حذف مضاف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) اے مثل داعیہم الی الایمان (کشاف) فیما خلاف حذف اما من جانب المشبہ او المشبہ بہ (روح)

[illegible] یعنی اُس جانور کی طرح جسکے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آرہے ہیں، باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس وہی معاملہ یہ منکرین دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اُسکے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔

مثل الدابۃ تنادی فتسمع ولا تعقل ما یقال لہا کذالک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ)

صُمٌّ یعنی بہرے ہیں آواز حق کی طرف سے۔ صم عن الحق فلا یسمعونہ ولا ینتفعون بہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

بُکمٌ یعنی اقرار حق کے لیے انکی زبان گونگی ہے۔ بکم عن الحق فلا ینطقون بہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

عُمیٌ یعنی اللہ نے ان خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں بھی عمی عن الہدی فلا یبصرونہ (ابن جریر۔ عن قتادہ)

اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:۔

"وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ انکی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور اُنکے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" (یسعیاہ۔ ۴۴ : ۱۸)

[illegible] یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغہ امر یہاں بہ معنی اجازت ہے، بہ معنی حکم نہیں

کلوا فی ہذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحۃ (کبیر)

کلوا یہاں لفظی معنی میں یہاں صرف کھانے تک محدود نہیں بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آگیا۔

المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوہ (قرطبی) وکلوا لعموم جمیع وجوہ الانتفاع دلالۃ وعبارۃ (روح)

یا ایہا الذین آمنوا، خطاب ابتک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال و حرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے۔ اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔

طیبات، یعنی وہ چیزیں جنھیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔

[illegible] (زبان سے بھی اور عمل سے بھی)

اشکروا، شکر اس امر کا کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال و طیب۔ یہاں صیغہ امر وجوب کے لیے ہے، نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا اللہ امر، لیس باباحۃ (کبیر)

خدا کی یاد

"لندن - ۸ مئی۔ آج شام کو جنگ کے خاتمہ پر خدائے تعالیٰ کے حضور میں عاجزانہ شکریہ کی تجویز، وزیر اعظم مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں پیش کرتے وقت الفاظ ذیل کہے:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ آج سے ۲۵ سال قبل جب جرمنوں نے کے ہتھیار رکھ دینے کی اطلاع اس ایوان کو موصول ہوئی تھی، تو ایوان نے بجائے تقریروں کے خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا ہی مناسب سمجھا تھا جو افراد و اقوام سب کا تقدیر ساز اور حکیم مطلق ہے۔ چنانچہ میں آج بھی تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ ویسٹ منسٹر کے چرچ سینٹ مارگیرٹ کو روانہ ہوں۔ اور وہاں خدا کے حضور میں جھکیں۔ اور گریں"

اسکے بعد ایوان کے سب لوگ ایک جلوس مرتب کرکے چرچ کے لیے روانہ ہوئے۔" (رائٹر)

اگر اتنی شدید اور مدید ہلاکتوں اور مصیبتوں کے بعد بھی خدا کسی درجہ میں، اور کسی حد تک یاد آجایا کرے، تو یہ ساری قربانیاں اور خوں ریزیاں بالکل ضائع نہ ہوں گی، تو شاید نہ ٹھہریں گی!

روایاتِ نزولِ مسیح

(۴)

(از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب جیپوری - فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے چوتھی عبارت "ابن کثیر" کی تحریر فرمائی ہے

"قد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیمۃ اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً" اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے متعلق وہی گفتگو ہے جو اوپر "تواترت الاخبار" کے متعلق تحریر کی گئی - اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے حاصل معنی "کثرت الاحادیث" کے ہیں اس عبارت کا تواتر اصطلاحی سے جو مابہ البحث ہے کوئی تعلق نہیں - اس لیے اس عبارت سے نزول عیسیٰ ابن مریم کا قطعیات میں ہونا ثابت نہیں ہوتا اور خروج مہدی کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں - حالانکہ احادیث متواترہ کا اصل مطالبہ خروج "مہدی" ہی کے متعلق تھا -

اس چوتھی عبارت کے بعد علامہ مجیب نے ابن کثیر کے سورۂ نساء میں نزول ابن مریم کے متعلق بہت سی حدیثیں ذکر کرنے کو بیان کیا ہے - کیا ابن کثیر کی ان ذکر کردہ حدیثوں میں سے کئی ایک احادیث متواترہ ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اُن حدیثوں کو متعین کیا جائے (کم از کم تین ہوں تاکہ "تواترت الاحادیث" والی عبارت میں "الاحادیث" کی جمعیت قائم رہے - کیونکہ حقیقت کے لحاظ سے جمعیت کی تخصیص تین ہی تک ہو سکتی ہے کما فی التوضیح) اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں تو پھر اس عبارت کی تحریر سے کیا فائدہ سمجھا جائے؟ اس سے کس نے انکار کیا تھا کہ اسکے متعلق بہت سی حدیثیں نہیں ہیں اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ اُن مذکورہ حدیثوں میں سے ایک حدیث یا دو حدیثیں (بہر حال تین کی تعداد سے کم) متواتر ہیں تو متواتر حدیث کو متعین کیا جائے کہ کون ہے؟ اور پھر اسی کے ساتھ "تواترت الاحادیث" میں "الاحادیث" کی جمعیت پر بھی روشنی ڈالنا مناسب ہوگا -

ابن کثیر کے ان اقوال کی نقل کے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "ترمذی نے اپنی جامع میں عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کی حدیث کا حوالہ پندرہ صحابیوں پر دیا ہے (کہ پندرہ صحابی اس حدیث کے راوی ہیں اور تواتر کے لیے یہ عدد بہت کافی ہے -)" آج یہ نیا انکشاف ہوا کہ خبر کے متواتر ہونے کے لیے بس یہ کافی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں (یعنی صحابہؓ کے دور میں) کثیر تعداد راویوں کی ہو - معلوم نہیں کہ یہ اصول حدیث والے اور یہ اصول فقہ والے تواتر کے لیے ہر دور میں کثرت رواۃ کی شرط کیوں لگاتے ہیں اور پھر حدیث متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے متعلق آخر یہ ناحق جھگڑا اور اختلاف محدثین میں کیوں برپا ہے؟

ایں چہ بوالعجبی ست؟ کم از کم میری فہم ناقص تو اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہے -

اسکے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "حافظ ابن حجر نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا متواتر ہونا ابو الحسن آبری کے حوالہ سے لکھا ہے (جو بہت بڑے محدث ہیں)" بیشک "آبری" حفاظ حدیث میں سے ہیں لیکن فتح الباری میں (علامہ مجیب کی عربی عبارت میں فتح الباری کا ذکر ہے لیکن ترجمہ میں رہ گیا ہے) باوجود تلاش کے آبری کے حوالہ سے ابن حجر کا یہ قول مجھے نہیں ملا کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر متواتر ہے - کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب فتح الباری کے باب اور صفحہ کے حوالہ سے مجھے مطلع فرمائیں - نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت امام کون ہوگا؟ مہدی یا عیسیٰ؟ اسکے بارے میں مختلف اقوال تحریر فرمانے کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں: وقال ابو الحسن الخسعی الآبری (مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے - میں نے اُستاذ محترم مدظلہ سے اسکے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کہ میرے خیال میں آتا ہے کہ یہ من قبیل "سہو الناسخ" ہے، صحیح "السجستانی الآبری" معلوم ہوتا ہے، انکی کنیت ابو الحسن اور نام محمد ابن الحسین ہے -) فی مناقب الشافعی تواترت الاخبار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ، ذکر ذلک رداً للحدیث الذی اخرجہ ابن ماجہ عن انس وفیہ لا مہدی الا عیسیٰ

جسکا حاصل یہ ہے کہ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت کے ایک ہونے کے متعلق جو روایت کی ہے اسکی رد کرتے ہوئے "مناقب الشافعی" نامی کتاب میں" ابو الحسن آبری نے یہ فرمایا ہے کہ مہدی کا اس امت میں سے ہونا اور حضرت عیسیٰ کا انکی اقتدا میں نماز پڑھنا اسکے متعلق بکثرت احادیث ہیں (پھر مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت ایک کس طرح ہو سکتی ہے") اس عبارت میں بھی "تواترت الاخبار" سے "کثرت الاخبار" کے بجائے تواتر اصطلاحی مراد لیا جائے تو وہی سب خرابیاں لازم آئینگی جو تذکرہ للقرطبی اور فتح الباری کی جانب منسوب عبارت مذکورہ میں بیان ہو چکی ہیں، اگر علامہ مجیب کے پیش نظر فتح الباری کی یہی عبارت ہے تو محض اس عبارت کی بنا پر علامہ مجیب کا یہ تحریر فرمانا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ ابن حجر نے آبری کے حوالہ سے نزول عیسیٰ بن مریم کا متواتر ہونا لکھا ہے - لکھنا اور چیز ہے اور لکھنے سے لازم آنا دوسری چیز - علاوہ اسکے لازم بھی نہیں آتا جبکہ "تواترت الاخبار" میں تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد نہیں لیا جاتا کما مر - علاوہ اسکے محض کسی کا قول نقل کر دینا عرف میں کسی کا بجوالۂ فلاں "لکھنا" نہیں کہا جاتا کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ کسی نے اپنی رائے لکھی ہے اور سند یا تائید میں فلاں کا قول نقل کر دیا ہے یا اسکا حوالہ دے دیا ہے اور اس موقع پر علامہ ابن حجر نے اپنی خود کوئی رائے لکھی ہی نہیں مختلف علماء کے مختلف اقوال لکھے ہیں جس میں سے ایک آبری کا یہ قول بھی ہے - علاوہ اسکے عبارت مذکورہ میں وجود مسیح فی آخر الزمان کا ذکر ہے (جو مابہ البحث نہیں) نہ کہ نزول عیسیٰ کا -

نہ بہ البحث ہے) اور وجود نزول کو مستلزم نہیں۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے شوکانی کے رسالہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن افسوس کہ علامہ مجیب نے اس رسالہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں تحریر فرمائی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ شوکانی نزول عیسیٰ یا خروج مہدی کے بارے میں اس امر کے قائل ہیں کہ انکے متعلق احادیث متواترہ موجود ہیں یا کوئی حدیث متواتر پائی جاتی ہے۔ محض رسالہ کے نام "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح" کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔ کیا محض کتابوں کے نام سے بھی کسی مذہب کا ثبوت ہوتا ہے؟ رسالہ کے اندر جو کچھ لکھا ہے اسکا ذکر علامہ مجیب نے محض ان الفاظ سے کر دیا ہے "اس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتیس حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں صحیح بھی حسن بھی اور صالح بھی اور یہ زیادہ تر مرفوع اور آثار کا تو شمار نہیں ہو سکتا" کیا کسی معاملہ کے متعلق محض انتیس حدیثوں کا ہونا (اگرچہ طرق متباین نہ ہوں اور تواتر کے دوسرے شرائط بھی نہ پائے جاتے ہوں) کافی ہے؟ اور کیا نزول عیسیٰ کے متعلق انتیس حدیثیں ہونے سے یہ بھی لازم آگیا کہ مہدی منتظر کے متعلق بھی (جسکا ذکر رسالہ کے نام میں ہے) انتیس حدیثیں ہیں؟

اب تک علامہ مجیب نے جتنی عبارتیں تحریر فرمائی تھیں ان میں سے کسی میں بھی "حیات مسیح" کا ذکر نہ تھا۔ اب پہلی مرتبہ اس چودھویں صدی کے ایک بڑے عالم مولانا سید انور شاہ کشمیری کے رسالہ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ سے اس مسئلہ کا ذکر سامنے آیا ہے۔ اس رسالہ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے "واعلم انہ کما تواتر النقل بالنزول انعقد الاجماع علیہ من الامۃ وما نسب الی المعتزلۃ من الخلاف فلا اصل لہ وانما خالفہ الملاحدۃ والمتفلسفۃ کما فی عقیدۃ السفارینی وکذا ما نسبہ الی ابن حزم فانہ مصرح بتواتر النزول فی کتابہ کتاب الملل والنحل والتقیہ قال مالک بین الناس قیام یستمعون اقامۃ الصلوٰۃ فتغشاہم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل" اول تو مولانا انور شاہ کی عبارت استدلال میں پیش کرنا ایسا ہی ہے کہ جس طرح میں اپنے دعوے کے استدلال میں اپنے کسی استاذ محترم کا قول نقل کردوں (تائید میں پیش کرنا دوسری بات ہے) جو صرف علوم حدیث ہی سے واقفیت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ اسکے ساتھ مرتبہ فقاہت سے بھی فائز ہوں تو اگر مولانا موصوف نے نزول عیسیٰ کے بارے میں تواتر یا اجماع کا دعوے کیا تو محض انکے دعوے سے تواتر یا اجماع کا ثبوت نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ اسے ثابت نہ کر دیا جائے (خصوصاً جبکہ یہ معلوم ہے کہ انکا یہ قول اس رسالہ میں ہے کہ جو بعض معاملات پر مناظرانہ انداز سے تالیف کیا گیا ہے) لیکن اس سے قطع نظر محض کسی کے کہدینے سے اگرچہ کہنے والا کتنے ہی مرتبہ کا عالم ہو کہ فلاں مسئلہ پر اجماع ہے اس مسئلہ کی قطعیت نہیں ثابت ہو جاتی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اجماع کے وقت تک اسکی نقل بطریق قطعیہ ہوئی ہے جیسا کہ مد میں گذرا۔ علاوہ اسکے اس دعوے اجماع میں اجماع سے اجماع سکوتی مراد ہے (جیسا کہ سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجماع کے ثبوت میں کسی کے اختلاف نہ ہونے کا بار بار ذکر فرمایا گیا ہے) تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت مسلم نہیں ہے جیسا کہ مد میں گذرا۔ علاوہ اسکے جس اجماع کا دعوے کیا گیا ہے وہ اجماع ایک امر مستقبل کے متعلق ہے جو غیر مستنبط ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام سے اسکے متعلق روایتیں بکثرت موجود ہیں اور ایسے امر مستقبل پر جو اجماع ہو اسکا اجماع شرعی اصطلاحی ہونا مشتبہ ہے جیسا کہ پیشتر گذرا۔ پھر اس اجماع سے مسئلہ کی قطعیت (اصطلاحی قطعی) کیسے ثابت ہوگی جو اجماع شرعی اصطلاحی پر متفرع ہے اسی طرح "تواتر نقل" کے بارے میں بھی گفتگو ہے کہ مولانا موصوف کی اس سے مراد تواتر اصطلاحی ہے تو اسکی سند؟ کسی نقل اور حدیث کا متواتر [redacted] ثابت نہیں ہوتی کہ اس سے عام علماء بے خبر ہوں؛ بے خبری تو خود اسکی دلیل ہے کہ تواتر نہیں ہے) سوائے گنتی کے چند علماء کے کسی معتبر عالم کے قول میں نزول عیسیٰ کے متعلق کسی حدیث کے لیے تواتر کے لفظ کا استعمال نہیں، عام طور سے علماء نے (اس چودھویں صدی کے پہلے) اس کے لیے احادیث صحیحہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اگر "تواتر" بمعنی "کثرت" ہے تو اس سے معنوی کثرت کا انکار نہیں لیکن اس سے مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ مولانا مرحوم کی واقفیت فی علوم الحدیث کی بنا پر میرا خیال تو یہ ہے کہ شاید مولانا مرحوم کی مراد "نقل" سے "النقل عن الاحادیث فی کتب الاحادیث" ہے، تو اس نقل کا تواتر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ کتنے اخبار احاد ہیں جو تیسری صدی کے بعد بطور تواتر نقل ہوتے ہیں جیسا کہ مد میں گزرا۔ ملل ونحل میں مجھے کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن حزم نزول عیسیٰ کے خبر متواتر (بالمعنی المصطلح) سے ثابت ہونے کے قائل ہوں۔ مولانا تو اب اس دنیا میں تشریف نہیں رکھتے ورنہ اُن سے ہدایت حاصل کرتا۔ اس لیے اب صاحب مضمون علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب سے درخواست ہے کہ وہ میری اس معاملہ میں رہبری فرمائیں۔ بیشک امام مالکؒ کو اس سے اختلاف نہ تھا (جیسا کہ عقیدہ میں ہے) کہ حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا۔ اس حقیر نے بھی امام مالکؒ کی جانب انکار کو منسوب نہیں کیا تھا (امام مالکؒ اور ابن حزم کی جانب نزول عیسیٰ کے انکار کی نسبت میں نے کسی کے کلام میں نہیں پائی۔ اگر قادیانیوں نے منسوب کیا ہے تو حیات مسیح علیہ السلام کے انکار کو، جس سے اس عبارت میں کوئی بحث نہیں، قادیانی تو آخر زمانہ میں مسیح کے وجود کے متعلقہ احادیث کو بہت شد و مد سے مانتے ہیں یہ دوسرا امر ہے کہ وہ ان احادیث میں تاویلات باردہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ اگر وجود مسیح فی آخر الزمان کا انکار کریں تو انکے مذہب کی ساری عمارت بیٹھ جائے، اور اگر نزول عیسیٰ کے انکار کا مطلب اسکے مستلزمات اور متعلقات ہی کا انکار ہے تو ایسے شخص کے لیے ابن حزم اور امام مالکؒ کی عبارتوں میں بھی اُس قسم کی لہو ولعب کرنے سے کون چیز مانع ہے کہ جیسی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لہو ولعب کی جاتی ہے۔

"جشن فتح"

پچھلے دنوں خبر آئی کہ لندن کے ہوٹل اور تناول خانے جشن فتح کے لیے شراب بچا بچا کر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ تاکہ جب فتح کی خبر آئے تو شکوں کے منہ کھول دیئے جائیں، اور دن بھر اور رات بھی اتنی گنڈ مانی جائے کہ ساری برطانوی قوم اشاعنیل ہو کر رہ جائے کیونکہ عیش و عشرت کے لیے "یوم فتح" سے زیادہ موزوں موقع اور کون سا ہو سکتا ہے۔

شاباش مغرب کے رہنے والو! اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی منتقم ہے۔ اور اسکے جبیرہ قہر کی آگ نے مغرب کی آبادیوں کی آبادیاں جلا کر خاکستر کر دی ہیں، لیکن تم بھی اتنے شقی اور چکنے گھڑے۔ ارقع ہوئے ہو کہ تمہارے قلوب کے اندر اس عذاب عظیم سے جسکو جنگ کہتے ہیں، عبرت کا ایک ذرہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

شہروں کے شہر ڈھنڈھار ہو گئے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا خون ندی نالوں کی طرح بہہ گیا جبار و قہار خدا کے غیظ کی آگ نے سارے یورپ کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ کروڑوں انسان بے خانماں ہو کر اپنے ماں باپ بہن بھائی، شوہر بیوی / بیٹے بیٹی سبھی عزیزوں سے بچھڑ گئے۔ لیکن کیا مجال کہ یورپ کی آبادی جام مے اور لب معشوق سے ایک لمحہ کے لیے بھی اجتناب کر سکے۔

ما ہما نیم کہ بودیم و ہماں خواہیم بود

چاہیے تو یہ تھا کہ تم غضب الٰہی کی اس آگ کے فرو ہو جانے کے بعد اپنی جبین نیاز کو اللہ کی حضور میں جھکا دیتے۔ فاتحین کا بچہ بچہ شکر و سپاس الٰہی کے جذبے سے سرشار ہو جاتا۔ گرجاؤں کی وسعت شاکرین کے ہجوم پر تنگ ہو جاتی۔ سارا یورپ حمداً للّٰہ و شکراً للّٰہ کے نغموں سے گونج اٹھتا۔ تم اپنی زندگیوں پر نظر ثانی کرتے اور شراب و کباب اور ظلم و استبداد سے توبہ کرتے۔ تاکہ خدا تم پر رحم و شفقت کی نظر ڈالتا۔ لیکن تمہارے قلوب اور تمہارے دماغ آج بھی وہی ہیں جو ۱۹۳۹ء میں تھے۔ یہ عالمگیر آگ بھی تمہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک نہ کر سکی۔ اور تم اپنی عیش پسندی سے اللہ کے مزید قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہو۔

فرانس کے زوال پر مارشل پیتاں نے اُس بدقسمت اور غمزدہ بڑھے نے جو اپنے برگشتہ بخت وطن کے زوال کے راز کو سمجھ چکا تھا ایک تقریر کی جو کیسر نالہ و فریاد تھی۔ اس نے کہا کہ جانتے ہو؟ ہمارے اس خطرناک تنزل کا راز کیا ہے؟ جب دوسرے اپنے حالات کو درست کر رہے تھے تو ہم مے و معشوق میں مستغرق تھے۔ اور ہمارے کارخانے توپوں کے بارود، سرخی و لب اسٹک بنا رہے تھے۔ ہمارے مرد عیاش اور ہماری عورتیں آوارہ ہو رہی تھیں۔ اسکا لازمی نتیجہ یہی تھا جو نظر آ گیا۔

ایک لندن پر کیا موقوف ہے سارے یورپ کی یہی کیفیت ہے "تعمیر بعد جنگ" کا پروگرام تو بعد میں دیکھا جائیگا۔ فی الحال تو ہر ملک کے باشندے اس فکر میں سرگرداں ہیں کہ شرابوں اور عورتوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر لیں کہ فتح کا اعلان ہونے کے بعد ہر شخص کا چہرہ فرط مے سے گلستاں نظر آئے اور ہر شخص کی آغوش آباد ہو جائے کیونکہ یونان کے "ایپی کورس" ایران کے خیام اور ہندوستان کے "لیمو سوامی" کے نزدیک شکر نعمت کا یہی طریقہ ہے کہ جی بھر کے عیش کیا جائے۔

انسان بھی عجیب شے ہے۔ اذا مسّہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعا۔

(انقلاب)

"تصحیح مضمون روایات نزول مسیح"

(از مقالہ نگار)

(صدق ۳۴) ص ۶ کے شروع میں لفظ "اجماع" کے بعد لفظ "میں" کا اضافہ اور پہلی عربی عبارت کے پہلے لفظ "توضیح" کے بعد "میں ہے" کا اضافہ، اور اسی پہلی عبارت میں "وسکیت اسیاقت" کے بجائے "وسکیت الناقون" اور تیسری عربی عبارت میں "الاسفرار" کے بجائے "استقرار"

(صدق ۳۵) ص۸ میں پہلی عربی عبارت کے شروع میں "ثم الاجماع" کے بعد "علی مراتب اجماع الصحابۃ و اجماع" کا اضافہ

ص۸ میں دوسری عربی عبارت کے شروع میں "قال جمع الاجماع" "قال جمع لاجماع" اور اسی عبارت میں "دانی المستقبلات" کے بجائے "دانی المستقبلات"

ص۹ کی دوسری عبارت میں "فلیرب" کے بجائے "فیعترسبانہ"

ص۱۰ کی پہلی عربی عبارت میں "عند القلب" کے بجائے "عقد القلب"

اور دوسری عربی عبارت "منا اشتہر فتوجب علم علم الطمانیۃ منہا الواحد" کے بجائے "منہا ما اشتہر فیوجب علم الطمانیۃ و منہا ما ہو خبر الواحد"

اور ص۱۲ (الف) میں الفاظ فتح الباری میں (کتاب الانبیاء و نزول) کے بجائے "فتح الباری میں ہے (کتاب الانبیاء و باب نزول) اور اس نمبر کی دوسری عربی عبارت میں "لبقاء الخضر" کے بعد الفاظ "بل الیاس ایضاً علی ما ذہب الیہ العظماء و من العلماء من ان الاربعۃ من انبیاء فی زمرۃ الاحیاء الخضر" کا اضافہ۔

اور ص۱۳ (ب) میں الفاظ "جس موقع پر" کے بعد الفاظ "ظہور مہدی، نزول عیسیٰ و خروج دجال کے بارے میں احادیث صحیحہ کے وارد ہونے کا ذکر ہے اس موقع پر" کا اضافہ اور الفاظ "تحت قول "تتہ نا مدد روت" کے بجائے "(خاتمۃ تدوریت" کا اضافہ۔

قلم کا جادو

حال ہی میں شمالی ہند کے ایک مدرسہ نسواں کی طالبات سے امتحانی پرچہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ تم فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد کس قسم کی زندگی گزارنا پسند کرو گی؟ اس پر ۱۱

اس سوال کا جواب اس مدرسہ کی ۴۳ لڑکیوں نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا۔ ان ۴۳ لڑکیوں میں سے ۳۰ لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں اپنے محبوب جذبات اور دلپسند توقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ "تعلیمی زندگی کو خیرباد کہنے کے بعد وہ فلمی دُنیا میں داخل ہونے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر اس کوشش میں انہیں ناکامیابی ہوئی، تو وہ ریڈیو آرٹسٹ بننا زیادہ پسند کریں گی اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا، تو وہ اس پر قناعت کر لیں گی کہ افسانے لکھ لکھ کر پیٹ پالیں"۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسکے بعد ان سے یہ دریافت کیا جاتا کہ اگر اس آخری کوشش میں بھی انہیں ناکامی ہوئی تو تم کیا کرو گی — تو اس سوال کا جواب وہ یہ دیتیں کہ — خودکشی!

بقیہ چھ لڑکیوں میں سے تین لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ کالج سے نکلنے کے بعد وہ معلمی کا پیشہ اختیار کریں گی۔ دو لڑکیوں نے ڈاکٹری کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا تھا۔ صرف ایک بیچاری لڑکی نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ لکھ پڑھ کر وہ بہترین ازدواجی زندگی بسر کرنا پسند کریگی، اور کسی شریف گھرانا کے صالح جوان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے گی۔

ان جوابات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آجکل ہمارا رخ کدھر ہے اور زمانہ کی رفتار کس منزل کی طرف ہمیں لیے جا رہی ہے؟ یہ تجزیہ صرف ایک ہی اسکول سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی کسی لڑکی (بشرطیکہ وہ نئی روشنی کی ہو) کا سینہ چیر کر دیکھا جائے تو اُسکے سینے میں یہ تمنا مضطرب پائی جائیگی کہ — میں فلم ایکٹرس بنجاؤں! میں فلم ایکٹرس بنجاؤں — آپ جانتے ہیں کہ آج ہر ترقی یافتہ لڑکی کی یہ تمنا کیوں ہے؟ صرف اس لیے ہے کہ مغربی تہذیب نے اداکاری کی زندگی کو آئیڈیل زندگی قرار دیا ہے۔ اور مغربی تہذیب ہم لوگوں کا دین و ایمان ہے۔ عورت کے متعلق افلاطون نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ عورت کچھ نہیں ہے مگر خودنمائی — اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم جس نازک و رنگین وجود کو عورت کہکر پکارتے ہیں وہ نخوت و غرور اور خودبینی و خودنمائی کی ایک پوٹ ہے۔ آپ عورت کو کسی رنگ اور کسی روپ میں بھی دیکھیں وہ خودبیں، خودپسند، خودنما نظر آئیگی۔ فلمی زندگی میں سب سے بڑی کشش یہ ہے کہ وہ عورت کے اسی جذبہ کی تسکین اور اسی تمنا کی تکمیل کرتی ہے۔ وہ جب ملکہ کے لباس میں اسکرین پر نظر آتی ہے اور ہزاروں لاکھوں تماشائیوں کو اپنی ساحرانہ لطافت سے بیخود بنا دیتی ہے اُسوقت اُسکے جذبۂ خودنمائی کو سکون ملتا ہے (ریاست)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ | اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ- گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ سالانہ ۲ روپیہ
" ششماہی ۱ روپیہ
ممالک غیر سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ار

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴ | سہ شنبہ - ۹- جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲- مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

روزولٹ اور مسولینی کے بعد ہٹلر! ان تینوں میں سب سے بڑا اور دنیا میں سب سے زیادہ پرقوت، پُرعظمت، پُرجلالت شخصیت کا مالک! آپ نے دیکھا کہ کیسا آناً فاناً دنیا کے پردہ سے غائب ہوگیا! گویا کبھی تھا ہی نہیں! نہ کہیں جنازہ اُٹھا، نہ مقبرہ تعمیر ہوا، نہ کوئی ماتمی جلوس نکلا، نہ کہیں دنیا کا کاروبار ایک گھنٹہ کیلیے بند ہوا! جب وقت آیا، تو اسی طرح چپ چپاتے دنیا سے رخصت ہوگیا، جیسا کہ لاکھوں کروروں اللہ کے بندے ہر روز چلتے ہی رہتے، اُٹھتے ہی رہتے ہیں! —— اتنے حسرتناک و عبرتناک انجام کا کوئی تصور بھی کرسکتا تھا؟ وہ تو صرف دوسروں کو مارنے، گرانے، فنا و ہلاک کرنے کیلیے تھا- خود اُسے فنا و ہلاکت سے کیا واسطہ تھا- اور بالفرض، گویا بہ طور فرض محال، اسے موت آتی بھی، تو کیسی زلزلہ افگن ہوتی! دنیا کو ہلا کر آتی! یہ معلوم ہوتا کہ گویا مرکز کائنات اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے! زمین و آسمان جنبش میں آجاتے! آفتاب و ماہتاب تھرتھرا اٹھتے. ستارے ہیبت سے گر پڑتے! —— وہم و خیال کے سارے خواب کیسے جھوٹے نکلے!

اور ہٹلر کے بعد گیرنگ اور ربن ٹراپ اور گوئبلز! ان میں سے کون رستم و اسفندیار سے کم تھا؟ ان میں سے ایک ہملر کی گرفتاری اس قابل تھی، کہ اخبارات ہفتوں اسی کے تذکروں سے بھرے رہتے! اور ان سب سے بھی بڑھکر ڈاکٹر گوئبلز! پروپیگنڈا کے صحیح اور اصلی فن کا روے زمین پر بہترین ماہر! اسکی اس خاموشی سے خودکشی کس کے ذہن میں آسکتی تھی؟ خیال یہی تھا کہ اس کی موت قیامت برپا کرکے رہیگی!

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے!

آناً فاناً، تڑاپڑ، سب کچھ ہو کر رہ گیا! —— گویا تاش کے پتے تھے، کہ ہوا کے ایک جھونکے نے سب بکھیر کر رکھ دیے! —— انسان کسی چیز کے بھی ثبات کا، قیام کا دعوے، ان حیرت انگیز مثالوں کے بعد کرسکتا ہے؟ بے حسی اور بے غوری کی تو بات ہی اور ہے- ورنہ احساس اگر ذرا بھی صحیح ہو، اور غور و فکر سے کسی درجہ میں بھی کام لیا جائے، تو سجدۂ عبرت کے دفتر کے دفتر ان معاصرانہ واقعات میں ان سامنے گزرے ہوے حالات میں پوشیدہ ہیں!

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبرؔ نے یہ کہا، تو کیا غلط کہا ہے؟ انسانی رائے، عقل و تدبیر کی کیسی سے کیسی پختہ تعمیریں یک بیک ہلتے اور گرتے، اور دفعۃً خاک میں ملتے ان آنکھوں نے دیکھ لیں! فارسی شاعر نے بڑی سے بڑی مثال "نادر شاہ" کی سامنے رکھ کر کہا تھا ؂

بیک گردش چرخ نیلوفری نہ نادر بجا ماند نے نادری

(دوسرے مصرعہ میں "نادر" اور "نادری" کے "ہٹلر" اور "ہٹلری" کا تصرف ہوسکتا ہے) آج "گردش چرخ" کے دور اور انقلاب نادری

سے بھی بڑھ چڑھی ہوئی کیسی کیسی شائع ہیں اور تصویریں نظروں کے سامنے فراہم کر رہی ہیں!

اور وعدہ فراموش رہی تجھکو جفا یاد! جس نے سالہا سال

نگار نے صفحات پر بار بار اور جلی قلم سے چھاپا تھا کہ

"میں اعلان کرتا ہوں کہ اب مذہب ان امور سے باز آتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میری طرف سے ایسے مقالات کبھی شائع نہ ہونگے جن سے مذہبی شکایت کا سبب پیدا ہو"

اور یہ کہ

"نگار میں آئندہ سے کسی قسم کے مذہبی مضامین درج نہ کرونگا۔ والعہد علی ما نقول شہید"

اور اسی مضمون و مفہوم کے وعدے اور اعلانات بار بار کیے، وہ نقاب نعیین صفحات میں ڈٹے کے ساتھ اپنی یہ تحقیق چھاپ رہا ہے کہ

"خلیج نفرت سے لے ابدی زندگی اور اسی کے ساتھ مسرت دوام کی خیال بجائے خود کتنا طفلانہ خیال ہے۔

جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ان معتقدات کے پیدا ہونے کا سبب کیا ہے تو اسکا سراغ ہمیں انسان کے اس غلط تصور تک پہونچا دیتا ہے جو خدا کے متعلق اس نے قائم کیا تھا، اور جس میں اسکی دنیاوی زندگی کی ناکامیوں نے اور زیادہ پختگی پیدا کر دی تھی۔" (نگار، اپریل ۱۹۴۵ء ص)

اور جمیل جالبیس کی پوری فنکاریوں اور ہوشیاریوں کے ساتھ نیوں سے وہ قرآن مجید پر لغو سے لغو اعتراضات ایک مسیحی کی زبان سے ادا ہی نہیں کر رہا ہے، بلکہ ہر طرح اسے شہ بھی دیتا جاتا ہے، اور مسلمان ماہرین و علماء کے بیانات پر زیادہ سے زیادہ حاشیے چڑھاتا جاتا ہے! ملاحظہ ہوں نگار کے جنوری، فروری، مارچ، اپریل نمبر ——— دین سے ارتداد کے ساتھ ساتھ اس نقضہ فرشتش نے کیا دیانت داری اس عہد سے انحراف کی بھی ٹھان لی ہے؟

"صاحب" کی نشہ نوازی

وزیر اعظم برطانیہ کی ایک چند ہفتہ قبل کی تقریر کا اقتباس ملاحظہ ہو

"ایک عظیم الشان دشواری بیر (جو کی شراب) کی کافی مقدار کی فراہمی ہے۔ بیر کی مقدار ہندوستان اور جنوبی مشرقی ایشیا کمانڈ کے علاقوں میں اضافہ کرنے کے لیے سرگرم کوششیں جاری ہیں، مقدار اب بھی بڑھ چکی ہے، لیکن ابھی اور بڑھانے کی ضرورت باقی ہے۔ حکومت ہند وعدہ کر چکی ہے کہ فوجیوں کے صرف کے لیے جتنی بیر جائیگی اس پر محصول معاف ہوگا۔"

ہندوستان اور مشرق کے بڑے بڑے رنگیلے اور نشیلے اجاروں نے بھی یہ اہتمام اپنی سپاہ کو نشہ میں رکھنے کا، اپنے فوجیوں کو پیتے پلاتے رہنے کا کیا ہے؟ اتنی آزادیاں، یہ نشہ بازیاں، "صاحب" کے دور سے قبل کیوں کبھی کسی کو نصیب ہوئی تھیں؟ —— سچ کہا جس نے کہا ہے ؎

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

فرعون وقت کا حشر

ڈیلی ایکسپریس (لندن) کے وقائع نگار، اطلی کا چشم دید بیان :—

"میں نے بھی مسولینی کے خوفناک انجام کا مشاہدہ کیا۔ مسولینی ۲۳ سال اٹلی کا ڈکٹیٹر رہا۔ میلان میں بازار اورٹیو میں وہ اپنے آخری ۱۳ ساتھیوں کے درمیان جو سب کے سب مردہ تھے، پڑا ہوا تھا۔ اور ۲۵ ہزار آدمی سخت جوش و خروش کے عالم میں اُسے ٹھوکر مارنے یا اُس پر تھوکنے کی غرض سے جانوروں کی طرح آپس میں لڑ رہے تھے۔ یہ چودہ نعشیں ایک لاری میں سے زمین کے ایک قطعہ پر پھینک دی گئی تھیں، جہاں گھاس اُگی ہوئی تھی اور وہ مضحکہ خیز ناسنوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ اس ذلت کے وقت مسولینی کی ٹانگوں پر اسکی داشتہ کلیر پٹاچی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

بیان اس مطابق ڈکٹیٹر کی نعش کو مرنے والوں کی خدمت میں ایک ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ میلان کے ہزاروں مصیبت زدہ شہریوں نے اسکی تذلیل پر اظہار مسرت کیا اور اسکی سخت توہین کی"

عبرت کی آنکھیں اس سے کچھ زیادہ دیکھنے کو اور عبرت کے کان اس سے کچھ زیادہ کچھ سننے کو تیار ہیں؟

حملہ اور حملہ آور

"۱۹۰۱ء نواب محسن الملک مرحوم کی سکرٹری شپ کے زمانہ ہی میں علیگڈھ کانفرنس کا ایک اجلاس ہوا۔ میں نے صیغہ تعلیم نسواں کی اہمیت دینے کے لیے ایک بڑے پیمانہ پر عورتوں کی مصنوعات اور دستکاری کی نمائش کی۔"

یہ فرمان ہے جناب شیخ عبد اللہ صاحب نے اپنی اُس تقریر میں فرمایا جسے اُنکے ذاتی کارناموں کی کثرت بیان کے لحاظ سے مختصر "شیخ نامہ" کہنا چاہیے۔ اور پھر فرمایا:—

"کانفرنس کے جلسہ میں میں نے مدرسہ جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔ باہر سے آنے والے ممبران نے زیادہ تر اس تجویز کا خیرمقدم کیا، لیکن بعض اولڈ بوائز نے سخت مخالفت کی۔ جلسہ میں تو زبانی مخالفت ہی پر اکتفا کیا۔ مگر دوسرے دن ایک صاحب نے مجھ پر دستی حملہ بھی کیا۔" (صدق)

شیخ صاحب جب آپ بیتی کے بیان کرنے پر اتر ہی آئے تھے، تو کیا ہرج تھا کہ آخری سطر میں "ایک صاحب" کے منہ سے بھی نقاب اُٹھا دیتے! یہ جس صاحبزادہ اولڈ بوائے نے شیخ صاحب سے جسمانی گستاخی کی جرأت کی تھی، خدا معلوم کس شدید اشتعال سے بعد اسکا

نام مولانا شوکت علی تھا۔

رسید کتب

(۱) **القول الصحیح فی بیان رکعات التراویح** - از مولوی عبدالعزیز صاحب بہاری مقیم بمبئی۔ ضخامت ۵۲ صفحہ۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ ... مسجد جامع - بمبئی۔

رکعات تراویح و تقلید کے متعلق یہ مضمون اخبار اقبال بمبئی میں بالاقساط شائع ہو چکنے کے بعد اب کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اور غیر مقلد حضرات کے اعتراضات کے جوابات حنفی مسالک کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ طرز استدلال وہی ہے جو عام مناظرانہ کتابوں کا ہوتا ہے۔ (ع ۔ ق)

(۲) **ہندوستان کی معاشی ترقی کے لیے ایک لائحہ عمل حصہ دوم۔** مترجمہ سید احمد صاحب بیانی بی ایس سی ... صفحات۔ قیمت ۱۲ ... پتہ: ادارۂ معاشیات، فاطمہ منزل، حمایت نگر، حیدرآباد دکن

زائد بی۔ از جناب ... ہندوستان کی تعمیر جدید کے لیے ہندوستان کے مشہور ملک التجار ... نے جو اسکیم تجارتی بمبئی پلان کے نام سے مرتب کی ہے ... حصہ دوم تقسیم دولت ... حکومت کے کام کا سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ۔ (ع ۔ ق)

بڑوں کا اثر

آج امرا اور اعیان قوم کا کیا حال ہے؟ بیحجابی حد کو پہنچ گئی ہے مغربی فیشن کو گھروں میں داخلہ کی عام اجازت ہو گئی ہے ... کا استعمال تو گویا معمولی بات ہے غضب یہ ہے کہ ناچ گانے کی محفلوں میں بھی مسلمان بہنیں قدم رکھنے لگی ہیں۔ غیر مردوں کے ساتھ ناچنے اور ... کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ حتیٰ کہ شراب کی بو الہوس

مجلسوں میں بھی انکا نام سننے میں آتا ہے۔ پھر عوام کی اخلاقی اور مذہبی حالت کیوں نہ بگڑے، اور خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ کیوں نہ رنگ بدلے۔ مولانا محمد علی مرحوم کے عشق رسولؐ کا یہ اثر دیکھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم اقدس آتے ہی آنسو نکل آتے تھے، اکثر آنسو بہنے والے نہ تھے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور روشن خیال نوجوانوں کے سینوں میں سیجھ ہونے والے تھے۔ اور انکا یہ اثر تھا کہ سیکڑوں کو صراط مستقیم کی ہدایت ملی۔ ہم نے مدراس کے ایک سیٹھ کو دیکھا کہ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ اور انکے حلقہ کا کوئی فرد ایسا نہ تھا جو ہیٹ اور پتلون کے باوجود ایک وقت کی بھی نماز قضا کرتا ہو۔ خدا امارت ریاست، لیڈری اور رسوخ اس لیے دیتا ہے کہ اسکے ذریعہ متوسلین کو ہدایت ہو۔ مگر اب حال یہ ہے کہ انہی کے ذریعہ گمراہی کی عام دعوت دی جا رہی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

(مراسلہ نرم)

نئی کتابیں

(۱) **سیدہ کی بیٹی** - از جناب رازق الخیری صاحب دہلوی ضخامت ۱۶۸ صفحات۔ طبع دوم۔ قیمت: ... پتہ: عصمت بکڈپو - دہلی۔

انہوں نے ... اسلامی روایات کی اشاعت کے لیے عصمت بکڈپو عرصہ سے قائم کر رکھا ہے۔ راشد الخیری مرحوم نے اصلاحی ذخیرہ ادب اور ... افسانوں کے ساتھ ساتھ اپنے مخصوص طرز نگارش میں ... آمنہ کا لال، سیدہ کا لال وغیرہ سوانحعمریاں بھی لکھی تھیں، جو ... طبقوں میں بہت مقبول ہوئیں۔ مرحوم کے صاحبزادہ نے ... حضرت علیؓ کی مفصل سوانح تقریباً اسی رنگ میں لکھ کر ... تمام زندگی ... صادق کر دکھایا ہے۔ حضرت زینبؓ کی مفصل و مبسوط سوانحعمری اردو میں اس سے قبل شاید کتاب کی شکل میں موجود نہ تھی۔

سوانح نگار نے اسکی کوشش کی ہے کہ ... واقعات کسی خاص فرقہ کے ... عقائد کے ترجمان نہ بن جائیں۔ شروع کے صفحات میں یہ کوشش تقریباً کامیاب رہی ہے لیکن اس کوشش کا نباہنا آسان نہ تھا۔ چنانچہ آگے چل کر شاید غیر شعوری طور پر شیعہ روایات کی چھاپ کثرت سے نظر آنے لگی ہے، اور کتاب کا بڑا حصہ اگر شیعی عقائد کا نہیں تو شیعہ تاریخ کا ترجمان ضرور بن گیا ہے۔ "مراسم غم" "مجالس غم" "ماتم عزاداری" (صفحہ ۱۲۴) کا بیان جس انداز سے ہے اور جس سیاق میں ہے اس سے شبہہ یہ ہونے لگتا ہے کہ علی مرتضیٰؓ کی یہ صاحبزادی گویا لکھنؤ کا محرم منا رہی ہیں! خود سیدنا حضرت حسینؓ کو امام اور سید الشہداء کے لقب سے یاد کرنا شیعی اصطلاحات کی پیروی ہے۔ اہل سنت کے ہاں حدیث صحیح میں یہ لقب حضرت حمزہؓ کے لیے آچکا ہے۔ اسی طرح اس دعوے میں کہ حضرت عمرؓ کو ایک ضعیفہ نے مسجد میں رقم مہر کے سلسلہ میں جو ٹوکا تھا یہ حضرت زینبؓ کے "فیض صحبت" (صفحہ ۱۵۲) کا اثر تھا، واقعہ بیانی سے کہیں زیادہ خوش عقیدگی پر مبنی ہے۔ حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت و اسباب شہادت کے بیان میں بھی شیعہ روایات کا اثر نمایاں ہے۔

بہتر ہوگا کہ آیندہ اڈیشن میں جناب مولف کم از کم اتنا کر دیں کہ ہر روایت اور ہر بیان کا ماخذ تفصیل سے درج کر دیں۔ اس سے انکی ذمہ داری ہلکی ہو جائیگی، اور پڑھے لکھے ناظرین مستند و غیر مستند روایات کے درمیان خلط میں پڑنے سے محفوظ ہو جائیں گے۔

کتاب کی عبارت بعض مقامات پر خاص طور پر موثر اور پُر درد ہے راشد الخیری مرحوم کے رنگ سے رنگ ملا ہوا۔ کاغذ اور طباعت نفیس و اعلیٰ ہیں۔ (ش ۔ ق)

(۲) **مذہبی تعلیم** حصہ اول مسمی بہ ارکان اسلام - از مولانا محمد احتشام محسن

صاحب کاندھلوی۔ ضخامت ۱۶۰ صفحات قیمت ۸؍ پتہ:۔ کتبخانہ یحیوی۔ بستی نظام الدین۔ متصل دہلی۔

اس رسالہ میں عقائد اسلامی، اور فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ضروری روزمرہ کے مسائل سلیس انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہر فریضہ کے فضائل کی احادیث بھی تشویق کے لیے بیان کردی گئی ہیں۔ لیکن بہشتی زیور علم الفقہ اور اس قسم کے عنوان کی سی مکمل و مدلل کتابوں اور مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی تعلیم الاسلام جیسے مختصر و جامع رسائل کے شایع و رائج ہونے کے بعد اس کتاب کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ (س۔ ق)

(۴) **فن صحافت**۔ از چودھری رحم علی الہاشمی بی اے ضخامت ۲۲۵ صفحات۔ قیمت ۱۲؍ پتہ: دفتر انجمن ترقی اردو۔ دریاگنج۔ دہلی۔

اخبار بینی کا ذوق اردو خواں پبلک کو آج سے نہیں، مغلیہ دور کے آخری زمانہ سے ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ اخبار نویسی (صحافت) یورپ وغیرہ میں ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسکی باقاعدہ تعلیم وہاں کی یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے، اور اس پر، اور اسکے مختلف شعبوں پر انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں بیشمار کتابیں مستند و معتبر موجود ہیں۔

انجمن ترقی اردو زبان اردو کی ہمہ گیر خدمات انجام دے رہی ہے، اسی کے زیر اہتمام یہ اہم کمی بھی پہلی بار پوری ہو رہی ہے۔ اردو فن صحافت پر ایک کہنہ مشق صحافی کے قلم سے ایک مستند کتاب اردو خوانوں کے سامنے آرہی ہے۔

کتاب ۳ حصوں پر منقسم ہے۔ حصہ اول میں اردو صحافت کے ماضی و حال، اردو ٹائپ، اخبار کی تعریف، اڈیٹر اسسٹنٹ اڈیٹر، اخبار کے انداز تحریر وغیرہ کا ذکر ہے، مرتب کتاب چونکہ متعدد انگریزی و اردو روزناموں میں کام کرچکے ہیں، انھوں نے محض انگریزی ترجمہ و اخذ پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ جا بجا عملی تجربات بھی لکھدیے ہیں، جنکا مطالعہ اُن لوگوں کے لیے جو اخبار نویسی کے پیشہ میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں، بہت ہی مفید ہوگا۔

حصہ دوم میں طباعت کے مراحل کی تفصیل ہے، اور حصہ سوم میں انتظامی امور سے بحث ہے۔ یہ دونوں حصے عام ناظرین کے زیادہ کام اور دلچسپی کے نہیں، پر اس فن صحافت میں پڑنے والوں کے لیے انکا مطالعہ ضروری ہے، خصوصاً اُن حضرات کے لیے جو اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے۔ مرتب کتاب نے صحافت کی ترقی کے لیے لیتھو (پتھر کی چھپائی) کے بجائے ٹائپ (ادھے کا چھاپہ) کو ناگزیر بتایا ہے اور اس سلسلہ میں جو دلائل دیے ہیں وہ اردو اخبار نویسوں کے لیے یقیناً قابل غور ہیں۔ (ا۔ ق)

(۴) **واجد علی شاہ**۔ آخری تاجدار اودھ۔ مرتبہ محمد تقی احمد صاحب ایم اے۔ ضخامت ۱۱۲ صفحات، قیمت ۱۲؍ پتہ، کتاب خانہ دانش محل۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

کتاب کا اصل موضوع اودھ کے آخری فرماں روا واجد علی شاہ کی مختصر سوانح اور اُنکی معزولی کے تفصیلی اسباب ہیں۔ ضمناً پورے حکمرانان اودھ کا مختصر تذکرہ آگیا ہے، اور اس سلسلہ میں مرتب نے اودھ کے متعلق اردو و فارسی کی مشہور کتابوں کے علاوہ انگریزی کتب اور سرکاری کاغذات (ریکارڈ) کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور اُن الزامات کو جو آخری تاجدار اودھ پر عائد کیے گئے ہیں، مستند حوالوں سے جا بجا رفع کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ انتزاع سلطنت جن اسباب کی بنا پر ہوا اُن میں بہت کچھ کمپنی کی حکومت اور اُسکے کارپردازوں خصوصاً رزیڈنٹ بہادر کی مداخلت بیجا کو دخل تھا۔ سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ مختصر تذکرہ اس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کا بھی آگیا ہے۔ کتاب میں اختصار ضرورت سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی کاغذ کی قلت اسکا سبب ہو۔ امید ہے کہ آیندہ اڈیشن میں اور زیادہ بسط سے کام لیا جائیگا۔ (ش۔ ق)

(۵) **حیات سکندر**۔ مولفہ مرزا احمد سعید بیگ صاحب ضخامت ۲۲۲ صفحات۔ قیمت مجلد ۴؍ پتہ: تاج کمپنی ریلوے روڈ۔ لاہور

کتاب کے نام سے مغالطہ نہ ہو، یہ سکندر مقدونی یا سکندر لودی کی نہیں، بلکہ (سر) سکندر حیات پنجابی کی سوانح حیات ہے لیکن سوانح حیات سے زیادہ اُنکے کوائف مرگ پر مشتمل ہے۔ یعنی کتاب کا تقریباً نصف آخر سر سکندر مرحوم کی اچانک وفات، تدفین، اور انکے متعلق مختلف مشاہیر کے تعزیتی پیامات، اور بعض جرائد و رسائل کے ماتمی مضامین پر مشتمل ہے۔ سکندر یونانی اور سر سکندر (پنجابی) کی موت میں ایک گونہ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اول الذکر کا انتقال بھی عین اُس زمانہ میں ہوا تھا جبکہ اُسکا اقتدار روز افزوں تھا اور پنجاب میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرکے اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ سر سکندر حیات کی وفات بھی اُسوقت ہوئی جبکہ وہ پنجاب کی نمایاں ترین سیاسی ہستی تھے۔ اور اس سے زیادہ عبرت و تاثر کی چیز یہ کہ وفات عین اُس دن ہوئی جبکہ وہ اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے نکاح کی رخصتی سے فارغ ہوے تھے۔ اور نغمۂ شادی آناً فاناً نوحۂ غم میں بدل کر رہا۔ انکی وفات کے حالات اس عبرت پذیری کے اعتبار سے بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں۔

کتاب کے شروع کے ابواب میں انکے خاندانی حالات، ابتدائی تعلیم اور کچھ سیاسی زندگی کے کوائف درج ہیں۔ انکی نماز کی پابندی، تہجد کی ادائی، قرآن مجید کی اشاعت میں سرگرمی، نوکروں کے ساتھ حسن سلوک (مثلاً انکے خادموں کے لیے جو سالن پکتا تھا، وہ انکے دسترخوان پر بھی ضرور آتا تھا، اور منجملہ اور کھانوں کے وہ اسے مزہ

چھپتے تھے) وغیرہ کی جو حکایات اس کتاب میں درج ہیں، وہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

کتاب کے باب سوم میں جو سر سکندر کے والد نواب محمد حیات خاں کے حالات پر مشتمل ہے، حکومت انگریزی کی وفاداری پر جو زور دیا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں حصہ لینے والوں کو باغی وغیرہ کے لقب سے جو ملقب کیا گیا ہے، یہ آیندہ اڈیشن میں حذف کیے جانے کے قابل ہے۔ اسی طرح تاج کمپنی اور سر سکندر مرحوم کے تعلقات کے ذکر میں بہت زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ جسے آسانی مختصر کیا جا سکتا ہے۔ (ع - ق)

(۹) شعرائے عصر کے کلام کا انتخاب جدید۔ سنہ ۱۹۴۲ تا سنہ ۱۹۴۲ء

مرتبہ جناب عزیز احمد صاحب استاد جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن و جناب آل احمد صاحب سرور استاد یونیورسٹی علیگڈھ۔ ضخامت ۲۷۳ صفحات قیمت مجلد ہے غیر مجلد عہ ناشر: انجمن ترقی اردو - دہلی۔

جدید اردو شاعری کے ایک مستند معیاری مجموعہ کی اشاعت ایک اہم ادبی ضرورت تھی۔ ملک کی دو مشہور یونیورسٹیوں کے صاحب نظر استادوں نے انتخاب جدید ترتیب دے کر اس ادبی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک قابل قدر کوشش کی ہے۔ دیباچہ سرور صاحب کے قلم سے ہے اور تمہید عزیز صاحب کے قلم سے۔ سنین کی حد بندی کے اندر حروف تہجی کے اعتبار سے' اقبال سے لیکر یاس چنگیزی' اردو کے ۵۱ شاعر اس انتخاب کی زیب و زینت بنے ہوے ہیں۔ گو انہوں کی اندرونی ترتیب جا بجا غلط و ناقص ہے۔ تاہم مرتبوں نے کلام کے انتخاب میں محنت و کاوش سے کام لیا ہے اور انتخاب اپنی بصیرت کے مطابق اسی کلام کا کیا ہے جو پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ بھلائے ہوے شاعر محمد علیؔ کو جدید شعرا کی بزم میں جگہ دینا جوہر شناسی کا ایک نمایاں ثبوت ہے۔ اسی طرح ہاشمی فرید آبادی کو دنیا اب تک ایک ادیب اور مترجم سمجھتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ شاعرانہ صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں۔

جہاں تک جدید رنگ سخن کا تعلق ہے بہ حیثیت مجموعی انتخاب اچھا ہے۔ مگر بعض حیثیتوں سے اسکا ادبی پایہ گرا ہوا بھی ہے۔ مرتب صاحبوں کے ذوق سلیم سے توقع یہ تھی کہ وہ ترقی پسند شاعروں کے لیے اپنے معیاری انتخاب میں کوئی وقعت کی جگہ نہ نکال سکیں گے، وہ تک بندی کے نمونوں سے اپنے مجموعہ کو آلودہ نہ کرینگے۔ مگر افسوس ہے کہ نظمی نوازش بیجا نے اقبالؔ، حسرتؔ، ریاضؔ، اصغرؔ، جگرؔ، فانیؔ، عزیزؔ، جوشؔ، اثرؔ وغیرہ کے پہلو میں راشد وغیرہ کو بھی بٹھا دیا۔

دیباچہ، سرور صاحب کے قلم سے یوں بھی "ترقی پسندی" کا نقیب ہے، لیکن ذیل کی تنقید میں تو حدود سے متجاوز تخفیف درجہ تک ہے۔ اکبرؔ کے ذکر میں فرماتے ہیں

"عظمت قیمت کا یہ پرستار، ہر چیز کو جذبات کی آنکھ سے دیکھتا تھا: ہر نئی چیز سے چڑتا تھا۔ اس نے ساری عمر بتوں کے عشق میں گزار دی اور آخر میں باعذار رہنا چاہتا تھا۔"

اس سے اکبرؔ کا تو کچھ نہ بگڑا۔ البتہ خود دیباچہ نگار کی پست مذاقی عالم آشکار ہو گئی۔

اس قسم کی چند خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود، بہرحال انتخاب جدید، جدید رنگ سخن کا ایک خاصہ دلچسپ اور نظر افروز مرقع ہے۔ شائقین ادب اسکے مطالعہ سے لطف و نفع دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔ (ح - ا - ق)

شہد کے فائدے

جالینوس نے لکھا ہے کہ اکثر بیماریوں میں شہد سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ مصطگی خالص کو شہد کے قوام میں معجون بنا لی جائے۔ یہ معجون معدہ کو قوت دیتی ہے اور آنتوں کی کمزوری کو رفع کرتی ہے، دافع ریاح ہے، دماغی رطوبتوں کو جذب کرتی ہے۔ خود شہد کے افعال ہیں کہ جلا کرتا ہے، سُدّوں کو دور کرتا ہے، لسید البلغم اور رطوبت کو چھانٹ دیتا ہے، اور بدن کی گہرائی سے خراب مادہ کو نکال دیتا ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے تھوڑے سے سرکہ کے ساتھ شہد کو ملا کر اگر روزانہ دانتوں پر ملیں تو دانت محفوظ رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ شہد خالص زخموں کو صاف کرتا ہے۔ نیم گرم پانی میں ملا کر اسکا غرغرہ کرنا حلق کے ورم اور زبان کے زخم کو دور کرتا ہے۔ کان کے درد اور کان سے پیپ آنے میں اسکا کان میں ٹپکانا مفید ہے۔ اگر رات کو سوتے ہوے شہد کو سلائی سے آنکھوں میں پابندی سے لگاتے رہیں تو نظر کو قوت ہوگی اور آنکھوں کی حفاظت رہیگی۔ جن بچوں کو شہد دیا جاتا ہے انکا نشو و نما خوب ہوتا ہے۔

آگ سے جلنے والے کے لیے

ان تمام فوائد کے علاوہ علم و فن کے موجودہ دور ترقی میں شہد کا امریکہ میں آگ سے جلنے والے کے لیے بہت عظیم الشان تجربہ ہوا ہے۔ جسکی مندرجہ ذیل رپورٹ امریکہ کے ایک رسالہ میں شایع ہو چکی ہے "آگ سے جلنے کی تکلیف میں شہد کا استعمال کئی تجربوں سے امریکہ میں نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ ایک عورت موسیقی کے سلسلے کنڈا اتیا رکر رہی تھی۔ اسکی بچی (جس کی عمر ڈیڑھ سال تھی) گود میں تھی بیخبری میں بچی اس ابلتی ہوئی ہنڈیا میں گر پڑی۔ اُسے فوراً نکال تو لیا گیا، لیکن پھر بھی اسکے چہرے اور جسم کی تمام جلد جل گئی۔ سر اور بازو کی اندرونی جانب بھی جلنے سے نہیں بچی۔ زخم اتنے گہرے تھے کہ بعض جگہ تو جلد کی اندرونی باتیں دکھائی دینے لگیں، اور بچی کو تشنج ہونے لگا۔ سانس اکھڑ گیا، نبض جلدی جلدی اور بے قاعدہ چلنے لگی۔ نبض اور سانس کی یہ رفتار بتا رہی تھی کہ بچی موت کی سرحد میں داخل ہو رہی ہے۔ تمام زخموں کو صاف کرکے تمام جلی ہوئی جگہ پہ شہد کا لیپ کر دیا گیا۔

روایات نزول مسیحؑ

نمبر (۵)

(از مولوی عبدالرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے اسکے بعد علامہ برزنجی شافعی کی عبارت "من انکر خروج المہدی فقد کفر ومن کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمہدی فقد کفر رواہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابوالقاسم السہیلی فی شرح السیرۃ" نقل کر کے "ومن ثم ..." کے ترجمہ میں تحریر فرمایا ہے "اسی (تواتر و یقین) کی بنا پر سے وارد ہوا ہے" کیا اس تشریح کے لیے ماقبل کی کوئی عبارت قرینہ ہے اگر ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ تواتر کے علاوہ یقین یعنے قطعیت کو ظاہر کرنے کے لیے علامہ برزنجی نے کیا لفظ اختیار کیا ہے قطع نظر اس سے کہ سہیلی نے خود من کذب الخ والی روایت کو شرح سیر میں روایت کیا ہے (جیسا کہ علامہ مجیب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے) یا ابوبکر الاسکاف کی روایت کو انکی کتاب فوائد سے نقل کیا ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ ابوبکر اسکاف کا پایہ علوم حدیث میں مانا جاتا ہے یا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ ایسے اہم مضمون کی حدیث سے جس میں ایک مسئلہ کے انکار کو کفر بتایا گیا ہے معتبر حدیثوں کا سارا دفتر خالی ہے یا نہیں اور یہ کہ دجال اور مہدی کے متعلق جن جن اکابر علماء نے بحثیں کی ہیں کسی نے بھی اسے لایق اعتنا سمجھا یا نہیں اور یہ کہ عقائد فقہ کی معتبر کتابوں کے اوراق کی ورق گردانی سے اس روایت والے مضمون کا پتہ چلتا ہے یا نہیں اور یہ کہ کفریات کی فہرست میں جہاں معمولی باتیں مل جاتی ہیں جنکا تعلق محض اجتہاد سے ہوتا ہے، ہاں یہ کفر جو اسقدر صاف و صریح طریقہ سے ابوبکر الاسکاف کی روایت میں موجود ہے درج ہے یا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کر ابوبکر الاسکاف نے من کذب الخ والے قول کو اپنی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا ہے اور علامہ برزنجی فرماتے ہیں (بقول علامہ مجیب) کہ اسی تواتر و یقین کی وجہ سے یا تواتر و یقین کی بنا پر (لفظ صاف طبع نہیں ہوا ہے) من کذب الخ والا قول وارد ہوا ہے" تواتر اور یقین کا ظہور تو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے - یہ کیا کہ تواتر و یقین کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کذب الخ - العجب ثم العجب - کہیں یہ برزنجی وہی تو نہیں جو اپنے مولود شریف کے رسالہ کی ... سے عرب و ہند میں ... جنھوں نے قیام مولود شریف کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے "وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ... ذوو روایۃ ورویۃ" اس سے بھی قطع نظر کہ تکذیب دجال تو عین ایمان ہے وہ وجہ کفر کیسے ہو سکتی ہے الا ان تاول ... مرادہ من کذب بخروج الدجال بہرحال ان سب امور سے قطع نظر ابوبکر الاسکاف کی اس روایت کو بخاری اور مسلم کی روایت کے درجہ حدیث کا ہی مرتبہ دیدیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ روایت خبر واحد ہوگی جس سے کسی مسلمان مدعی اسلام منکر خروج مہدی کا کفر قطعیت کے ساتھ کیسے ثابت ہوگا - پھر اس سے خروج مہدی کی قطعیت پر کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے - علاوہ اسکے خروج مہدی کے متعلق احادیث متواترہ کا مطالبہ کیا گیا تھا نہ کہ اس مسئلہ کی قطعیت کے ثبوت کا اور ظاہر ہے کہ قطعیت کا ثبوت تواتر پر موقوف نہیں

پھر اس مسئلہ کی قطعیت ثابت ہو جانے سے مسئلہ خروج مہدی کے متعلق احادیث متواتر ہونے کا ثبوت کس طرح ہو جائیگا - اس روایت کے نقل کرنے کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ (جیسا علامہ مجیب کے مضمون میں ہے) "میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں خروج دجال کا ذکر ہے اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام اور اُنکے قاتل دجال ہونے کا ذکر نہ ہو - پس لازم ہے کہ جو نزول عیسی علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر ہو" کیا وزن رکھتا ہے کیا محض اس روایت کی بنا پر ملزوم یعنی "منکر خروج دجال کا کفر" ہی قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ لازم یعنی "منکر نزول مسیح کا کفر" قطعیت کے ساتھ (قطعیت کے ساتھ ثبوت کفر سے مسئلہ نزول مسیح کی قطعیت ثابت نہیں ہوسکتی) علاوہ اسکے علی سبیل التنزل یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وجود مسیح اور مسیح کا قاتل دجال ہونا یہ نزول مسیح کو مستلزم نہیں بغیر نزول مسیح کے مانے ہوئے بھی مسیح کا قاتل دجال ہونا مانا جاسکتا ہے جسکے لیے محض وجود مسیح کافی ہے اگرچہ یہ وجود بطریق نزول نہ ہوا ہو - خروج دجال والی حدیثوں کے متعلق یہ کہنا کہ اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام کا ذکر نہ ہو وہ لایق تسلیم نہیں - شاذ و نادر کیا، خروج دجال کے متعلق متعدد روایتیں ذخیرۂ احادیث سے ایسی پیش کی جاسکتی ہیں.

اسکے بعد علامہ مجیب نے تفسیر بحر المحیط اور تفسیر النہر الماد کی علیحدہ علیحدہ دو عبارتیں نقل فرمائی ہیں حالانکہ واقف کار جانتے ہیں کہ تفسیر نہر الماد کوئی مستقل علیحدہ کتاب نہیں وہ البحر المحیط ہی کا خلاصہ ہے اور لطف یہ کہ یہ خلاصہ کسی دوسرے مولف کا کیا ہوا بھی نہیں خود مولف بحر المحیط نے خلاصہ کیا ہے - کیا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تصنیفوں اور مولفین کی فہرست میں محض اضافہ کے لیے ان دونوں تفسیروں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے - بہرحال تفسیر البحر المحیط کی نقل کردہ عبارت یہ ہے "قال ابن عطیۃ واجمعت الامۃ علی ما تضمنہ الحدیث المتواتر من ان عیسی ابن مریم فی السماء حی وانہ ینزل فی آخر الزمان" کیا ابن عطیہ کا یہ قول کچھ بھی لایق توجہ ہے جبکہ حیات مسیح علیہ السلام پر متضمن صحیح مرفوع پانچ حدیثیں بھی نہیں چہ جائیکہ حدیث متواتر - کیا نزول فی آخر الزمان "حیاۃ فی السماء" کو مستلزم ہے، کیا قادر و مقتدر ذات کسی کو اتنے عرصہ دراز تک زندہ رکھ سکتی ہے - کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ کسی انسان کو مرنے کے بعد قرب قیامت میں زندہ کرسکے اور اس نئی زندگی کے بعد پھر

اُس پر دوبارہ موت طاری ہوگی۔ کیا ابن عطیہ کے علاوہ اس چودہ سو برس کی مدت کے قبل کسی معتبر عالم نے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق کسی حدیث متواتر ہونے کو بیان کیا ہے (کسی اور دلیل سے استدلال کی بحث نہیں) کہ احادیث متواتر کی نشان ہو سکتی ہے کہ اُس سے صرف ابن عطیہ باخبر ہوں: شرفا عزّا کسی معتبر عالم کی زبان پر اس حدیث متواتر کا ذکر نہ ہو۔ علامہ مجیب سے درخواست ہے کہ وہ ابن عطیہ والی حدیث کو متواتر بیان فرمائیں تاکہ سارے دنیا کے علمائے علم میں اس سے اضافہ ہو اور حیات مسیح پر جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے آخر یہ اجماع کس قرن میں ہوا اور ابن عطیہ اس اجماع سے بطریق قطعیہ مطلع ہوئے یا بطریق ظنیہ اور کہیں اسی اجماع سے اجماع سکوتی تو مراد نہیں۔ بہر حال اس دعوے اجماع کے متعلق بھی وہی گفتگو ہے جو اوپر مولانا انور شاہ مرحوم مغفور کے دعوے اجماع کے متعلق گزری۔ اُسکے بعد علامہ مجیب نے ایک عبارت نقل فرمائی ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہ عبارت اُس مطبوعہ تفسیر جامع البیان کی عبارت ہے جسکے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر ہے۔ وہ عبارت یہ ہے "والاجماع علی انہ حی فی السماء وینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین"۔ اگر تفسیر جامع البیان سے تفسیر طبری مراد ہے تو وہ مطبوعہ تفسیر طبری جسکے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر ہو اور جو میرے پاس موجود نہیں۔ اور اب تک میرے علم میں بھی نہیں آیا کہ ایسی کوئی تفسیر طبری طبع ہوئی ہے) میرے پیش نظر جو مطبوعہ تفسیر طبری ہے اسکے حاشیہ پر قمی نیشاپوری کی تفسیر ہے اس تفسیر طبری میں مجھے یہ عبارت نہیں ملی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب اُس آیت سے مطلع فرمائیں کہ جسکے ماتحت ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں یہ عبارت درج کی ہو۔ تفسیر جامع البیان کے نام سے ایک غیر مشہور تفسیر بھی ہے جو معین ابن سید صفی کی تالیف کردہ ہے۔ احتیاطاً اُسے بھی میں نے دیکھ لیا افسوس کہ اُس میں بھی باوجود تلاش کے یہ عبارت نہیں ملی۔ علامہ مجیب کے متعلق یہ بدگمانی تو کی نہیں جا سکتی کہ موصوف نے عمداً اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ جامع البیان نامی تفسیر سے کونسی تفسیر مراد ہے تاکہ ناظر دھوکا کھا کر طبری کی تفسیر سمجھ لیں حسن ظن تو اسی کا مقتضی ہے کہ مؤلف کے نام کی تشریح سہواً رہ گئی ہے یا واقعی تفسیر طبری ہی کی یہ عبارت ہے جسکا تفسیر طبری میں ملنا میرا تصور ہے۔ واللہ اعلم

بہر حال جس تفسیر کی بھی یہ عبارت ہو اس میں بھی اجماع کے متعلق وہی گفتگو ہے جو مولانا انور شاہ مرحوم و مغفور کے دعوے اجماع کے متعلق اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ ص۹ میں امام رازی کے دعاوی پر جرح و قدح کا حال گزر چکا ہے۔ اسی کی نظیر حافظ زین الدین عراقی کا بھی دعوے اجماع ہے جو انھوں نے شق القمر کے واقعہ کے تعدد کے متعلق کیا تھا۔ شہاب آفندی نے شرح شفا میں اسے علامہ زین الدین عراقی کے سہو اور غفلت پر محمول کیا۔ جس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ دعاوی اجماع پر بہت احتیاط کے ساتھ توجہ کی ضرورت ہے۔ ہر دعوے اجماع قابل قبول نہیں ہو جاتا کسی مسئلہ کے متعلق دو ایک آدمیوں کے دعوے اجماع سے اس مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہو جاتی (باقی)

مراسلات

"شیعہ" لکھنے کا جرم!

(۱)

المکرم والمحترم جناب عبد الماجد صاحب دریا بادی طال عمرکم

بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ کا "صدق" ملا۔ افسوس کہ آپ نے صفحہ ۲ پر رسیدگی کتب کے سلسلہ میں ہماری کتاب دی ہولی پرافٹ از قلم حضرت علامہ الحاج سالمین مدظلہ العالی کے بارے میں اگر صرف "ایک مسلم مبلغ کے قلم سے" لکھ دیتے تو کیا آپ کی سُنیت میں فرق آجاتا! افسوس صد ہزار افسوس کہ آپ کے ذہن نے دہریت سے پانا کھایا تو گرے ایک عمیق مرض میں اور وہ مرض ہے فرقہ بازی کا۔ ایک مسلم لکھنے کے بجائے آپ نے شیعہ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علامہ الحاج سالمین صاحب نہ سُنی ہیں اور نہ شیعہ اور ہر فرقہ اسلام سے بالاتر ہیں۔ دراصل انہیں فرق اسلام نے اسلام کا ستیاناس کر دیا ہے اور جو آئے دن مصائب مسلم قوم پر نازل ہوتے ہیں وہ بھی اسی عذاب الیم کا ہی نتیجہ ہیں۔ خدا اپنے حبیب کے صدقے میں مسلم قوم کو ان ملاؤں اور مولویوں اور مولاناؤں کے پنجے سے چھڑائے جو دراصل فرقہ پرستی کو شہ دیتے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک کافر اور منافق اسلام کو اتنا ذلیل نہیں کرتے جتنا کہ فرقہ بازی کرتی ہے۔ خدا آپ کو راہ حق پر چلنے کی ہدایت کرے اور آپ کی آنکھیں ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوں جو اسلام پر حملہ آوری کر رہی ہیں یعنی آریہ۔ بہائی۔ عیسائیت وغیرہ وغیرہ خدارا اسلام کو فرقہ بازی سے بچایئے۔ خدارا اسلام پر رحم کیجیے، ۱۳۰۰ سال کیا فرقہ بازی کے لیے کم تھے؟ جو آپ نے پھر سے اپنے اخبار میں مسلمین میں تفرقہ بازی شروع کر دی ہے۔ کیا آپ قرآن سے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام میں فرقے ہیں؟ اور کیا آپ کا یہ فرض نہیں کہ آپ بھی بجائے تفریق کے توحید کلمۂ اسلام پر زور دیں اور ہر کلمہ جس سے تفریق ہوتی ہو اُسکو صدق میں اصل نہ چھپنے دیں۔ آپ یاد رکھیں کہ فرقہ بازی کا وقت گذر گیا۔ وہ ہوا گئی۔ اور اب تمام اہل اسلام فقط ایک ہی نام سے موسوم ہونا پسند کرتے ہیں۔ اور وہ قرآنی لفظ "مسلم" ہے۔ ورنہ آپ یہ ثابت کریں کہ کیا حضرت رسول اکرمؐ کے زمانہ میں شیعہ۔ سنی۔ اہلحدیث وغیرہ وغیرہ تھے۔ اگر ثابت نہیں کر سکتے تو پھر یہ موہوم اور اسلام کے لیے مضر چیز ہے۔ خدارا مسلمانوں کے حال پر رحم کیجیے اور اپنوں کو مورد عتاب و دشمنی نہ بنایئے۔ آخر غیر مسلموں میں بھی تو شاید آپ کا اخبار جاتا ہوگا۔ انکے سامنے آپ اسلام کو ایک تماشا بنا رہے ہیں۔ اللھم اھد قومی انھم لا یعلمون۔ آپ کی ہر تحریر کا جواب کا انشاء جواب الجواب دونگا بقول اللہ دقوتہ۔ تاآنکہ آپ راہ راست پر آجائیں اور فتنہ بازی سے توبہ کریں۔ والسلام علے من تبع الھدٰے

الحقیر۔ سکرٹری گرانڈ مسلم مشن۔ بمبئی ملا

(۲)

مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۵ء

المحترم طال عمرکم۔ آمین

بعد سلام مسنون۔ اس خط کے قبل آپ کی جانب ایک مفصل خط روانہ کر چکا ہوں مگر افسوس کہ دستخط کرنا بھول گیا اور پھر اس وقت سے کہ شاید آپ اس بات کو بزدلی اور دھوکا دہی پر نہ محمول کریں بندہ فوراً یاد آجانے کے بعد اس خط دوم کے ذریعہ از الہ کر دیتا ہے۔

بندہ اس خط کے ذریعہ پھر دوبارہ آپ جیسے اہل ادارہ و اہل علم کٹر حنفی دیوبندی سے سوال کی جرات کرتا ہے کہ آخر یہ فرق اسلامیہ کی تو تو میں میں کب تک؟ یہ آپس میں بغض و کافر گری کب تک؟ آپ کا کیا بگڑ جاتا اگر الحاج مولانا سالمین صاحب کی شیعیت یا سنیت یا ... کی جگہ فقط ایک مسلم مبلغ لکھ دیتے مگر آپ وجدان کا ہنکو ایسا کہنے لگا۔ وہ بات ہی کیا جب تک کہ آپ معزز ناظرین جنکی کثرت شاید حنفی متعصب گروہ کی ہوگی انکو خوش نہ کریں۔ خدارا است سلمہ امر تسر کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے کہ انھوں نے اور ہمارے الحاج صاحب نے آج سے ۱۵ یا ۲۰ سال سے لگاتار کوشش کی ہے کہ اسلام کے نام ہنا و فرقوں کا قلع قمع کر کے فقط مسلم بننے اور مسلم کا نام کافی سمجھ کر دوسرے ناموں کو آباد کریں کہ اسلام کی عظمت و قوت اسی میں ہے اور قرآن بھی ہماری تائید میں ہے۔ ہمارا رپورٹ ارسال خدمت کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ اس سے آپ کا شرح صدر ہو جائے واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم۔ والسلام

خاکسار (مولوی) کے۔ عبد الوہاب دیلوری۔ سکرٹری گرانڈ مسلم مشن بمبئی ملا

صدق - اس بے پناہ زور قلم کے مقابلہ کی قوت بھلا اس غریب "کٹر حنفی دیوبندی" میں کب ہے؟ دونوں مکتوبات عالی حرف بحرف صرف چند فقروں کو زیر خط کر کے، حسن انشاء کے ایک نونہ کی حیثیت سے درج کیے جا رہے ہیں! —— آتش مشاں جب پہاڑ ہو سکتے ہیں، تو آخر قلم کیوں نہیں ہو سکتا؟

بقیہ ص ۵

سکا فوری فائدہ یہ ہوا کہ تشنج موقوف ہوگیا۔ پھر درد و بیقراری میں تسکین محسوس ہوئی اور نبض اور سانس کی رفتار عمدگی اشتہ کما زرا ندرو رہ گئی۔ احتیاط کے طور پر اسکے بعد ارنیس کی بچکاری بھی زیر جلد کر دی گئی (تاکہ بچی آرام سے سو جائے) اسکے بعد روزانہ شہد کا غذا کرتے رہے۔ چند روز میں بچی بالکل تندرست ہوگئی اور سانس کی کے ساتھ کہ بلنے کا نشان تک نہ رہا۔ ۳ مہینے کے عرصہ میں نئی اور پرانی جلد بھی کمیاں ہوگئی۔ کوئی داغ دھبہ باقی نہ رہا۔ (طبیب دنیا۔ دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشدآباد بلڈنگس - گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ روپیہ
بیرون ہند سالانہ ۱۸ شلنگ
(رجسٹریشن نمبر ۴۹۱)

جلد ۱۱ | شنبہ - ۱۳- جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶- مئی ۱۹۴۵ء | نمبر ۶

یاد ایام[1]
نمبر (۸)

(از عبدالماجد)

۱۹۰۰ - ۱۹۰۱ء سال اور موسم کا ذکر ہے - یہی گرمیوں کا موسم ہے - جون کا مہینہ ہے گرم گرم ہوا اور لو اور کڑی دھوپ کے دن ہیں، صبح سویرے کا وقت ہے ناشتے سے فراغت کے بعد اب پڑھائی کا وقت شروع ہونے کو ہے - والدہ ماجدہ قرآن مجید اور تسبیح پڑھ پڑھا چکیں، ہم لوگوں کے لیے شربت کے گلاس املی کے یا کسی اور ٹھنڈی چیز کے، تیار کر رہی ہیں - اور ہم تینوں بھائی بہن اسی کے انتظار میں آس پاس کھڑے ہوئے ہیں - گھر میں اللہ کے دیے ہوئے نوکر چاکر اندر اور باہر متعدد ہیں، لیکن والدہ اپنے ہی ہاتھ سے شربت بنا اور پلا رہی ہیں —— ان کو بچوں کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں جو لطف آتا ہے، وہ دوسروں سے کام لینے میں نہیں آتا!

یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر ان کے کام کرنے کی بابرکتی کی مشرقی ہیں، مائیں، اچھی خاصی، خوشحال مسلمان مائیں۔ بچوں کا، شوہر کا، گھر کا کون سا کام، خوش دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیتیں؟ خانہ داری کے کون سے کاموں سے شرماتی ہیں، ہچکچاتی ہیں؟ گھر کے چھوٹے بڑوں کی خدمت کرنا، اپنی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سمجھنا اُسے شروع سے بتایا جاتا، اسکے دل میں اتارا جاتا ہے - سب کے کھانے پانی کی فکر رکھنا، دوسروں کو کھلا کر خود آخر میں کھانا، گھر میں کوئی بیمار پڑے، تو اسکی دوا کرنا، تیمارداری کرنا، بچوں کی خدمت کے لیے نگہداشت کے لیے، رات رات بھر جاگ کر صبح کر دینا، اسی تربیت میں اسکی آنکھیں کھلتی ہیں، اور یہی سرمایہ لیے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوتی ہے —— کم از کم، ایک پشت پیشتر تو یہی ہر شریف گھر گھرانے کا پروگرام تھا۔ خدمت کے لیے جینا، اور خدمت ہی پر مرنے کا دستور عام تھا۔

نہ کوئی لیڈیز جرنل، نہ کوئی "وومنس ایسوسی ایشن"۔ نہ پردہ کلب نہ بے پردہ کلب، نہ کوئی انجمن خواتین، نہ کوئی گرلز کالج، نہ "مساوات" کا زور، نہ مطالبۂ حقوق کا شور، نہ میری ہنڈ ویٹ، نہ لپ اسٹک نہ روژ۔ نہ کریم نہ پیسٹ، نہ سگار نہ سگریٹ، ہاں بس یہی عطر، پھلیل، منہ میں پان، ہاتھ پیر میں مہندی، بچہ رہی تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، جوان رہی تو شوہر کی نظروں میں ماہ پارہ، سن اُترا تو جوان جوان اپنی شگفتہ قامت کو ہوئی، اپنا کرسی پر کمربستہ —— زندگی کا لطف اس میں تھا یا اس نقلی "میم صاحب" بن جانے میں؟ "کلچرز" اور "آرٹ" میں غرق ہو جانے میں؟ —— ہسٹیریا کا مرض برطانیہ اور امریکہ اور فرانس اور روس میں کتنیوں کو لاحق ہوتا ہے، اور ہندوستان میں کتنیوں کو؟ جواب اعداد فراہم کرکے دیکھیے - خودکشی کی نوبتیں لندن اور پیرس اور نیویارک میں کثرت سے پیش آتی رہتی ہیں، یا ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں؟ —— حشر کو چھوڑیے، آج دنیا ہی میں کس کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

---

[1] اس سلسلہ کا نمبر ۷ صدق جلد ۱۰ نمبر ۲۲ - ۲ - اکتوبر ۱۹۴۴ء میں نکلا تھا۔

تجدد کی رجعت!

کم لوگوں کو اطلاع ہوگی، کہ ۹- جولائی ۱۹۴۴ء کو صدر جمہوریہ سوویٹ روس کا ایک فرمان شایع ہوچکا ہے جسکی رو سے

(۱) ہر حاملہ عورت اور بننے والی ماں کو سرکاری وظیفہ ملا کریگا۔

(۲) دس یا اس سے زیادہ بچے پیدا اور پرورش کرنے والی ماؤں کو "MOTHER HEROINE" مادر مفخر کا لقب عطا ہوا کریگا۔

(۳) متعدد تمغے، تمغۂ مادریت، مادریت عظمیٰ وغیرہ بچہ دار عورتوں کے لیے جاری کردیے گئے ہیں۔

(۴) ایسی ماؤں کے نام اور تصویریں اور سوانح عمریاں، فوراً اخبارات میں شایع ہوجاتی ہیں، اور گمنام و بے نشان ماں ایک دم سے اپنے کو مشہور پانے لگتی ہیں۔

فرمان کے بعد سے ماؤں کے گروہ کے گروہ، دور دور سے سفر کرکے پایۂ تخت کو آنے لگے ہیں، کہ صدر جمہوریہ کے ہاتھ سے انعام اور تمغے پائیں، اور بچہ کشی کی تحریک اب تک خوب عام اور مقبول ہوگئی ہے (ڈیلی کرانیکل ہفتہ وار ایڈیشن، ۱۳- مئی ۱۹۴۵ء)

یہ حال اُس ملک روس کا ہے، جو شاید بجز فرانس کے، "منع حمل و منع تولید" کی تحریک میں سب سے آگے تھا۔ —— کیا خدا کی قدرت ہے کہ غریب ہندوستان ابھی جی بھر کر سبق لینے بھی نہ پایا تھا کہ خود اُستاد ہی کی کایا پلٹ ہوگئی! اور روس بجائے بچہ کشی کے بچہ کشی کا ملنے لگا! —— ... دو چھینٹے دُنیا نے اس علم حقیقی پر، جو دقیق ہوا اس سے سب نیا نہ ہوکر تعمیر دُنیا کو اسکی رسے گیا ہے کہ زوجوا الودود۔

ماہر فن کا مشورہ

"نیشنل میڈیکل ہیلتھ کمیٹی کے سامنے ایک بیان میں ڈیم ایتھل لانس، ایم۔ بی۔ اور کوئینس لینڈ (آسٹریلیا) ایسو سائٹی کی لکچرر فن مادریت نے کہا کہ آج فیشن کا حکم ہے کہ بچے کم سے کم پیدا ہوں، یا سرے سے نہ ہوں۔ ہالی وڈ (دنیا کے سینمائی مرکز) نے جو نسوانی معیار قائم کردیا ہے، اور جسکا ایک جزو مصنوعی نوجوانی ہے، وہ مادریت کے تصور پر غالب آگیا ہے، جو ابتک مسیحی تمدن میں معزز ترین مقام رکھتا تھا۔ ... غیر شعوری طور پر جدید عورت کے دل میں یہ بات بس گئی ہے کہ بجز خصوصی حالات کے مادریت کوئی قابل عزت چیز نہیں۔ آج کس نوجوان کی عزت اُسکے ماں ہونے کی بنا پر ہے؟ عوام کی نظر میں وقعت تو صرف ہالی وڈ والے سانچے کی ہے۔ ... صحیح مادریت، حسن و جمال کی دشمن نہیں بلکہ اور صحت، حسن جسم رت کے حق میں معین ہے" (لیڈر- الہ آباد - ۱۴ اپریل)

یہ آسٹریلین لیڈی ایم۔ بی صاحبہ کہیں ظرافت تو نہیں فرما رہی ہیں؟

—— اور پھر ایسی یونیورسٹی کی روداد تو سنیت کو کیا کہہ کر دیا جائے، جو آج بیسویں صدی کے وسط میں ایک مستقل موضوع فن امومت یا مادریت کو بنائے ایک مخصوص لکچر شپ اسکے لیے قائم کیے ہوئے ہے!

—— آہ تجدد! غریب آخر کہاں پناہ لے!

دانت اور تمدن جدید

"لارڈ ہورڈ کی صدارت میں جو انٹرڈپارٹمنٹل کمیٹی فوجیوں کے دانتوں کی تحقیق حال کے لیے قائم ہوئی تھی اُس نے فوجی رنگروٹوں کی ایک بڑی اور نمایندہ تعداد کے امتحان و معائنہ کے بعد لکھا ہے، کہ بھرتی ہونے والوں اور ہونے والیوں میں ۹۰ فی صدی مردوں کے اور ۸۶ فی صدی عورتوں کے دانت خراب اور قابل علاج ہوتے ہیں" (اکانومسٹ، لندن- ۲۵، نومبر ۱۹۴۴ء)

ظاہر ہے کہ فوجی سلسلہ میں داخل ہونے والے عموماً سب جوان و تندرست ہی ہوتے ہیں، یہ ۸۰ فی صدی تعداد اُنکے دانتوں کی خرابی کی ہے! ۹۰ فی صدی مرد، اور ۸۶ فی صدی عورتیں! باقی ساری آبادی کو اس پر قیاس کرنا کچھ مشکل ہے؟ —— جو قوم کی قوم، منہ دھونے، دانت مانجھنے، کلی و غرارہ کرنے، مسواک کرنے ہی سے ناآشنا ہو، اور اُسکے برعکس عادی ہو سگرٹ اور سگار نوشی کی، حیرت اس پر ہے کہ اُسکے ۱۰- ۱۲ فی صدی کے دانت کس طرح محفوظ ہیں؟ عجب نہیں جو انکی خرابی ابھی ڈاکٹروں کے علم میں نہ آئی ہو!

"صاحب" کا ذوق

نیوز آف دی ورلڈ (لندن) دنیا کے مہذب و متمدن کا سب سے بڑا ہفتہ وار ہے۔ ۳۰ لاکھ کا پرچہ ہر نمبر کی نکلتی رہتی ہیں۔ حال میں ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) کے ایک سابق اڈیٹر اڈول ایرس نے تحقیق و تحلیل کرکے بتایا ہے کہ اوسطاً اس اخبار کے

۸ کالموں میں سیاسی و معاشیاتی خبریں ہوتی ہیں۔

۱۸ کالم کھیل تماشہ (فٹ بال ہاکی وغیرہ) کےلیے وقف رہتے ہیں۔

۲۵ کالم جرائم اور شہدپن (چوری، قتل، حرام کاری، جعلسازی، ڈاکہ، اسقاط حمل وغیرہ) کی روئداد کی نذر رہتے ہیں۔ (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار ایڈیشن- ۴- فروری ۱۹۴۵ء)

"صاحب" کا مذاق طبیعت آپ نے دیکھ لیا؟ اسکے انتہائی رغبت و شوق کی خبروں کی نوعیت آپ کے ملاحظہ میں آگئی؟ —— "تہذیب" کے اسی معیار کمال کی طرف آپ جانا، اور سب کو لیجانا چاہتے ہیں؟

کم سن آرٹسٹ

لکھنؤ سے ایک مراسلہ:-

"ایک روز شہر کے جدید ادبی مرکز ... میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہر کے مشہور عالم خاندان ... کے ایک کم عمر صاحبزادہ تشریف لائے۔ ہاتھ میں ایک نیا فلمی پرچہ تھا۔ غالباً انھیں کا نکالا ہوا تھا۔ سرورق پر ایک فلمی اسٹار کی تصویر تھی۔ صاحبزادہ سنیما کے مناقب بیان کر رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ فلم کی صنعت میں مسلمان بہت پیچھے ہیں، انھیں آگے بڑھنا چاہیے۔ اور بعد جنگ سنیما کی اہمیت اور مقبولیت اور بڑھ جائیگی۔ آج جو مرتبہ فلمی اداکاروں کا ہے، وہ کسی کو نصیب نہیں۔ میں نے تو اس صنعت کو فروغ دینا اپنا مشن بنا لیا ہے۔ مسلمانوں کو فلمی پرچے ضرور نکالنے چاہئیں۔ میرے والد ماجد کو میرے اس شوق کا علم ہے، مگر وہ مجھ سے کچھ نہیں کہتے"

اس گراموفون بیچارے نے سکینہ وہی آواز دیا دہرا دیا، جس سے ساری فضا گونج رہی ہے۔ سنیما تو خیر پھر بعد کی چیز ہے، مسلمان اسنے قوم ...

سورہ بقرہ بقیۂ رکوع ۲۱

(بہ سلسلۂ صدق ۱۳۳)

(از عبد الماجد)

172 یا ایہا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقنٰکم واشکروا للہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔ — اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو[۱] اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو[۲]، اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔

173 انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اہل بہ لغیر اللہ، فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم — اس نے تو تم پر بس مردار، اور خون اور سور کا گوشت اور جو (جانور) غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے[۳] لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے، اور نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے[۴]۔

---

[۱] یعنی اگر اپنے دعوے ایمان واخلاص میں سچے ہو تو اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اس کے مقرر کیے ہوئے حق ادا کرتے رہو۔

[۲] یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔

یہاں تو ذکر تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر، یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں۔ ان سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔

لیس المراد من الآیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقا بل مقیدا بما اعتقدوہ حلالا (روح)

المیتۃ میتہ یا مردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے، خود مر جائے۔ یا ہلاک تو کیا جائے، لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔

ہو غیر المذکیٰ اما لانہ لم یذبح او ذبح ولکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر)

وہی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک)

زندہ جانور سے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے، تو وہ بھی مردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا

حنفیہ کے ہاں مردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

یہاں تک کہ مردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں۔ کہ یہ بھی تو اس سے نفع اٹھانا ہی ہوا، دراں حالیکہ قرآن میں مردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔

قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی وجہ ولا یطعمہا الکلاب والجوارح لان ذلک ضرب من الانتفاع بہا وقد حرم اللہ المیتۃ تحریما مطلقا معلقا بعینہا (جصاص)

لیکن عمل دباغت کے بعد، مردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمۂ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال ابو حنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح وسفیان الثوری وعبد اللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیعہ بعد الدباغ والانتفاع بہ والحجۃ لمن طہرہا وجعلہا ذکاۃ ما ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاخبار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلہا یوجب طہارتہا والحکم بذکاتہا (جصاص)

اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:—

ایما اہاب دبغ فقد طہر (عن ابن عباس)

دباغ جلد المیتۃ طہورہا (عن زید بن ثابت)

ذکاۃ الادیم دباغتہ (عن سلمۃ بن المحبق)

دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رو سے بغیر ذبح بھی حلال ہیں، ایک مچھلی۔ دوسرے ٹڈی۔

وقد حلت المیتتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ہذہ الآیۃ نالہا التخصیص بقولہ علیہ السلام احلت لنا میتتان الحوت والجراد اخرجہ دارقطنی (قرطبی)

فقہاء مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی جائز ہیں۔

وقال ابو عمر لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس وسائر من لا کتاب لہ من الکفار ما لم یکن من ذبائحہم (قرطبی)

والدم یعنی خون جاری یا سیال

المراد بالدم الجاری (سالم) یعنی السائل (مدارک)

اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے۔

اور فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔

وحمل العلماء ہہنا المطلق علی المقید اجماعا۔ (ابن العربی)

اس پر فقہاء امت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی۔ نہ اس کا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اٹھانا جائز ہے۔

اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یوکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی)

حدیث صحیح کی رو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی۔ اور ان کی حلت پر فقہائے امت کا اجماع ہے۔

احلت لنا دمان الکبد والطحال، اخرجہ الدارقطنی (قرطبی)

گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر و طحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اس لیے خود استثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۱۷۴ ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون به ثمنا قلیلا اولٰئک

بیشک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسکے معاوضہ میں تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں سو ایسے لوگ تو اپنے

والصحیح انہ لم تخصیص ولکن اصحاب علم شیئا یذہب البیان الذی لا یعارضہ بیان ولا یفتقر الی برہان۔ (ابن العربی)

ولحم الخنزیر۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر ہی آئی ہے، لیکن فقہائے امت کا اجماع ہے کہ سور کا صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اسکی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس سبب سے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے۔ اور جب گوشت کہدیا تو اسکے تحت وتابعیت میں جانور کے دوسرے اجزا بھی آگئے۔

یعنی الخنزیر بجمیع اجزاء وخص اللحم لانہ المقصود بالاکل (مدارک)

اتفقت الامۃ علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ (ابن العربی)

بعض اہل ظاہر نے فرقہ کے اس قول کے جواب میں کہ گوشت کی حرمت سے چربی کی حرمت کہاں لازم آتی ہے، فقیہ ابن العربی مالکی کہتے ہیں، کہ یہ اعتراض اہل علم کی طرف سے ہوا ہے، جو یہی نہیں جانتے کہ لفظ لحم میں شحم شامل ہے، البتہ شحم میں لحم شامل نہیں۔ جس طرح ہر حمد شکر ہے، لیکن ہر شکر حمد نہیں

وہم اعاجم لا یعلمون انہ من قال لحما فقد قال شحما ومن قال شحما فلم یقل لحما اذ کل شحم لحم ولیس کل لحم شحم (ابن العربی)

رہی اسکے جسم کی نجاست، تو جمہور فقہاء اسکے بھی قائل ہیں۔

قال جمہور العلماء انہ نجس۔ (ابن العربی) (باقی آیندہ)

بقیہ صفحہ ۲

تو یہ مطالبہ کر چکی ہے کہ آبکاری (شراب بازی) کے محکمہ میں اسکی تعداد بڑھنی چاہیے اور جوازسود پر اسکے اچھے اچھے افراد رسالے تیار کر چکے ہیں! رہی "غوا نزادی" ماہوں کے گھروں کی بربادیاں، تو اس سلسلہ میں بھی یہ کوئی پہلی یا نئی مثال نہیں، کثرت سے مثالیں دیکھنے دیکھنے اب ان پر قساوت آگئی ہے۔ کوئی کس کس کو روئے۔ کبھی آزر کے ہاں ابراہیم پیدا ہوئے تھے، اب تو کثرت سے ابراہیم کے ہاں آزر پیدا ہو رہے ہیں! —— کم عمر لڑکا ابھی ذرا اور صبر کر لیتا، اور کم سے کم اپنے گریجویٹ ہونے کا انتظار کر لیتا، تو اسوقت تک اتنا کم شرم اور کم عقل تو نہ رہتا!

(ارشیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر رسالہ صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

روایاتِ نزولِ مسیح

نمبر (۶)

(از مولوی عبدالرحیم خاں صاحب جے پوری فرنگی محلی)

اسکے بعد علامہ مجیب نے الابانۃ عن اصول الدیانۃ کی عبارت پیش کی جس میں رفع عیسٰی علیہ السلام پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ عبارت یہ ہے "اجتمعت الامۃ علی ان اللہ عزوجل رفع عیسٰی الی السماء" اگر رفع عیسٰی علیہ السلام پر اجماع ہوا ہے، تو یہ اجماع شرعی اصطلاحی ہے بھی نہیں، جبکہ معاملہ ایک امر ماضی کا ہے اور مستنبط نہیں (ملاحظہ مطلب) بلکہ قرآن کی نص صریح اس پر دال ہے۔ اس سے قطع نظر رفع عیسٰی علیہ السلام پر اجماع سے حیات عیسٰی یا نزول مسیح پر اجماع کیسے ثابت ہوگیا، کیا "رفع" حیات یا نزول فی آخر الزمان کو مستلزم ہے اور مابہ البحث رفع عیسٰی علیہ السلام کی قطعیت نہیں (وہ تو نص قرآنی ثابت ہے) بلکہ حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کی قطعیت مابہ البحث ہے۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے فتوحات مکیہ سے شیخ اکبر کی ایک عبارت نقل کی جو یہ ہے "لا خلاف فی انہ ینزل فی آخر الزمان" آخر زمان میں مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کے بارے میں کسی اختلاف کے نہ ہونے سے اس مسئلہ کی قطعیت کیسے ثابت ہو گئی، کیا جس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہ ہو وہ مسئلہ قطعی ہوتا ہے، کیا نماز میں تکبیرات، رکوع، سجود ادا کرنے کے بارے میں کسی کو اختلاف ہے؟ (کیفیت ادا میں اختلاف کی بحث نہیں) پھر کیا اس اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ قطعیات میں سے ہو جائیگا۔ معمولی طور سے مسائل فقہیہ کو جاننے والا بھی ظاہر ہے کہ تکبیرات، رکوع، سجود ادا کرنے کو قطعیات میں سے شمار نہیں کر سکتا۔

علامہ مجیب نے اپنے مضمون کی پہلی قسط میں جتنی عبارتیں نقل فرمائی ہیں اُن میں سے ہر ایک کا حال اوپر معلوم ہوا جسکا خلاصہ یہ ہوا کہ خروج مہدی کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے ہونے کا (جسکا دعوٰے مبصر صاحب نے لیا تھا) ثبوت تو پیش کردہ عبارات میں سے کسی سے نہیں ہوتا۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت میں اس مسئلہ کو حدیث متواتر کی جانب منسوب ہی نہیں کیا گیا ہے چہ جائیکہ اس مسئلہ کے متعلق کسی حدیث صحیح متواتر کا بیان، اس لیے اصل سوال بہرحال باقی رہا کہ کیا خروج مہدی کے متعلق کوئی حدیث صحیح متواتر ہے؟ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ (جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر کیا تھا)

دوسرے مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق پیش کردہ عبارتوں میں سے صرف تفسیر بحر المحیط اور اسکے خلاصہ النہر الماد اور تفسیر جامع البیان کی عبارتیں ایسی ہیں جن میں اس مسئلہ پر اجماع کا ذکر ہے۔ اول تو بحث

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارتیں ان کتابوں میں واقعی ان کے مصنفین کی جانب ہی منسوب ہیں، کہ "اجماع" عزیمۃً والا اجماع ہے جو قطعیت کو مفید ہے یا رخصت والا (یعنی اجماع سکوتی) جس کا مفید قطعیت ہونا مسلم نہیں۔ دوسرے یہ کہ کیا محض ان تفسیروں کے حکایۃً اجماع سے نقل اجماع بطریقۂ قطعیہ ہو جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے۔ پھر اس نقل اجماع سے جو بطریقۂ قطعیہ نہیں مسئلۂ حیات مسیح کی قطعیت کیسے ثابت ہو جائیگی جس کا دعویٰ مبصر صاحب نے کیا تھا۔

تیسرے مسئلہ "مسئلۂ نزول مسیح علیہ السلام" کے متعلق پیش کردہ عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بکثرت صحاح حدیثیں ہیں مگر کیا کسی مسئلہ کے متعلق بکثرت صحاح حدیثوں کے ہونے کی وجہ سے وہ مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ حدیثیں حد تواتر اصطلاحی تک پہونچیں۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے صرف چند عبارتوں میں تواتر کا لفظ آیا ہے لیکن ان عبارتوں میں (تفسیر بحر محیط والی عبارت کے علاوہ) تواتر سے اصطلاحی تواتر مراد ہونا مشتبہ ہے، جیسا کہ اوپر مفصل ذکر ہو چکا ہے (تفسیر بحر المحیط والی عبارت لائق اعتناء نہیں کما مر) لیکن اس سے قطع نظر کیا چند اشخاص کے کہہ دینے سے اگرچہ وہ کیسے ہی عظیم المرتبت ہوں کہ فلاں مسئلہ کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی اس مسئلہ کے متعلق حدیث متواتر موجود ہے؟ یہ بھی کوئی تقلیدی مسئلہ ہے خصوصاً جبکہ دوسرے سب علماء اس مسئلہ کے ذکر کے وقت احادیث صحاح سے ثابت ہونے کا ذکر کرتے ہیں کوئی تواتر کا نام بھی نہیں لیتا اور وافر حدیث کو چھان ڈالنے کے بعد اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور خبر متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کی بحث کے سلسلہ میں اس حدیث متواتر کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔ کیا حدیث متواتر کی یہی شان ہوتی ہے؟ بہر حال پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نزول مسیح کے متعلق کوئی حدیث متواتر ہے۔ رہا اس مسئلہ پر اجماع تو سب سے پہلے یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ ایسے امر مستقبل پر جو مستنبط نہ ہو، اس کے سبب صحیح احادیث موجود ہوں، اجماع، اجماع شرعی اصطلاحی سمجھا جا سکتا بھی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع اجماع سکوتی ہے جس کا مفید قطعیت ہونا امر مسلم نہیں، یا عزیمۃً والا اجماع جو مفید قطعیت ہے۔ اس کے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع بطریقۂ قطعیہ منقول بھی ہے یا نہیں بغیر ان سب مراحل کے طے ہوئے اس مسئلہ کے متعلق محض کسی کے دعوے اجماع سے اس مسئلہ کی قطعیت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ [illegible] اجماع قطعی شرعی ہے جو [illegible] قطعیت ہو

تو پھر اس مسئلہ کی قطعیت کیسے ثابت ہو گی جس کا دعوےٰ مبصر صاحب نے کیا تھا جبکہ ان دو مذکورہ وجوہ قطعیت کے علاوہ علامہ مجیب نے کوئی تیسری وجہ قطعیت کی بیان بھی نہیں فرمائی اس لیے سوال کا پہلا حصہ بھی بدستور جواب طلب رہا کہ کیا حیات و نزول مسیح والے مسائل قطعیات میں سے ہیں؟

اگرچہ میرا یہ منصب نہیں کہ میں حیات مسیح پر اجماع ہونے کے خلاف اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی اور حیات و نزول مسیح علیہ السلام کی خبر تواتر سے ثابت نہ ہونے کے متعلق کوئی عبارت پیش کروں لیکن نمونۃً فائدہ کے لیے میں نے اوپر مسلسل میں فتح الباری اور شرح مقاصد کی عبارتیں نقل کر دی ہیں جن سے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق دعوے اجماع پر اور خروج مہدی و نزول مسیح علیہ السلام کے ثبوت بالتواتر پر روشنی پڑتی ہے کیا ان عبارتوں کے پیش نظر مسائل حیات و نزول مسیح کی قطعیت کے متعلق اور خروج مہدی کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ موجود ہونے کے بارے میں (جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرما دیا تھا) وہ سوال پیدا نہیں ہو جاتا کہ جو میں نے اپنے مضمون میں اٹھایا ہے، اور جس کا تشفی بخش جواب علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب کے مضمون سے نہیں ملتا۔

مسائل حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے قطعیات میں سے نہ ہونے کے سلسلہ میں میں نے اپنے مضمون میں جن دو امروں کے قابل لحاظ ہونے کا ذکر کیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ "حیات مسیح علیہ السلام والے مسئلہ کے لیے بھی کوئی صحیح مرفوع حدیث (اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو) ہے؟ اگر ہے تو اس میں حیات مسیح سے وہی حیات مراد ہے جسے ہم سب حیات اور زندگی کہتے ہیں، جس کے لیے کھانا، پینا اور پھر اس کے لوازمات عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں، یا کوئی دوسری حیات۔ پہلی صورت میں جبکہ کرۂ ارض سے علیحدہ قیام مانا جاتا ہے تو پھر کھانے کے انتظام (جو کرۂ ارض سے متعلق ہے) کے بارے میں کیا خیال کیا جائے اور اگر اس کے متعلق نیا نظریہ ہو تو پھر مسئلہ اس شق سے خارج ہو کر دوسری شق میں داخل ہو جاتا ہے۔" پھر اس کے بعد دوسری شق کی صورت میں کہا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی کے مابین فارق کون سی چیز ہو گی اور اس غرض کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ" علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے میرے مضمون کے اس حصہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا کہ حیات مسیح کے لیے کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے؟ کیا اس سے سمجھنے والا یہ نہ سمجھے کہ اس کا جواب نفی میں تھا ورنہ حدیث ضرور تحریر کی جاتی۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اب بھی اس کا وقت ہے، مہربانی فرما کر علامہ مجیب حیات مسیح کے بارے میں جو ...

موسیقی اور اسلام

صحابۂ کرام پر الزام

[بمبئی سے ضیاء الدین احمد برنی صاحب ایم اے کا مکتوب عرصہ ہوا موصول ہوا تھا کہ سلیمہ نیفی سنت… ہندستانی موسیقی پر انگریزی زبان میں ایک کتاب میوزک آف انڈیا کے نام سے لکھی تھی۔ اسکے صفحہ ۴ پر وہ لکھتی ہیں کہ خلیفہ عمرؓ کمپوزر (نغمہ ساز) تھے۔ خلیفہ عثمانؓ مشہور گویئے ابن سریج کے قدر دان تھے، خلیفہ علیؓ اور خلیفہ معاویہؓ راگ رنگنی کے خاص سرپرستوں میں تھے۔ ان روایتوں کی کیا اصلیت ہے؟

اسی سوال کے جواب میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے مقالۂ ذیل تحریر فرمایا ہے۔ — صدق]

موسیقی یعنی نغمہ و ساز سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی دلچسپی اور اسکی سرپرستی و قدردانی کا کیا ذکر کسی معمولی سے معمولی صحابی کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی معتبر روایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی واقعہ سے کسی ناواقف نے یہ نتیجہ نکالا ہے تو وہ خود اُسکی خوش فہمی ہے۔

اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ خصوصاً حضرت عمرؓ اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) بڑے سخن سنج اور نقاد سخن تھے۔ شعر و شاعری کا بڑا بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، بعض اشعار بھی انکی جانب منسوب ہیں۔ کبھی کبھی وہ اچھے اور پاکیزہ اشعار پڑھ کر یا سُن کر ان سے لطف اندوز بھی ہوتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ کو بھی شعر و سخن کا مذاق تھا۔ اس کی تفصیل ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اب اگر کوئی خوش فہم ذوق شعری سے موسیقی سے دلچسپی کا نتیجہ نکالتا ہے تو یہ اُسکی خوش فہمی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

اس قسم کی روایات کا ماخذ زیادہ تر ابو الفرج اصفہانی کی مشہور کتاب اغانی ہے۔ اسکی حیثیت یہ ہے کہ وہ کوئی مستند تاریخ نہیں بلکہ عربی شعر و ادب اور عربی موسیقی کی کتاب ہے جیسا کہ خود اسکے نام اغانی (راگ رنگنی) سے ظاہر ہے۔ اس خاص موضوع سے متعلق معلومات کے بارے میں تو وہ بلاشبہہ وہ بہت جامع اور معتبر کتاب ہے لیکن خالص تاریخی واقعات میں اسکو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ اس بارے میں ابو الفرج غیر محتاط ہے اور موسیقی کی اہمیت اور اسلامی عہد میں اسکی ترقی و مقبولیت کے ثبوت میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں نقل کر دیتا ہے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے باوجود اس نے حضرت امیر معاویہ کے سوا باقی اور بزرگوں کے متعلق اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں لکھا ہے بلکہ سختی سے تردید کی ہے۔ خلفاء اور خلفا زادوں کے ذوق موسیقی پر اس نے ایک خاص باب لکھا ہے۔ اس میں لکھتا ہے

"خلفاء کی جانب راگ رنگنی اور نغمہ سرود سے دلچسپی کے جتنے واقعات منسوب ہیں اُنکا بڑا حصہ غلط ہے۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ ابن خرداذبہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اس شعر کو جسکا مصرع یہ ہے ع

کان راکبھا غصن بمروحۃ

گا کر پڑھا تھا، بالکل غلط ہے۔ ابن خرداذبہ نے موسیقی سے خلفاء کی دلچسپی کے واقعات اس التزام سے نقل کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے موسیقی بھی خلافت و امامت کا کوئی بڑا رکن تھی۔ لیکن یہ سب بیانات لغو ہیں۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر گانے کا انتساب کسی خلیفہ کی جانب صحیح بھی ہو سکتا تو بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے بہت بعید ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اونٹ کو ہنکاتے وقت یہ شعر پڑھا تھا گایا نہیں تھا اور اُنکے زمانہ میں حدی اور نصب (عربی شعر و انشاد کی ایک قسم) کے علاوہ عرب میں موسیقی رائج بھی نہ ہوئی تھی۔ حدی اور نصب ایک طرح کی شعر خوانی تھی جس میں خوش آوازی اور ترنم ہوتا تھا۔ فن موسیقی (نغمہ و ساز وغیرہ) کا تدوین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں اور آپ کے لیے ہوئی (اغانی ج ۸، ص ۱۴۴)

اس بیان میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے متعلق زیادہ سے زیادہ .... صرف یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ایک شعر ترنم کے ساتھ پڑھا تھا اور اسکو بھی ابو الفرج اصفہانی جیسا غیر محتاط مصنف بھی صحیح نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو کسی شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنا موسیقی نہیں ہے۔ دوسرے سب سے اہم ٹکڑا یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں سرے سے ایسا گانا ہی رائج نہ ہوا تھا جس پر موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے موسیقی کا اطلاق کیا جا سکے۔ فن موسیقی کی تدوین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں عمل میں آئی۔ اس لیے آپ کے پیشروؤں کی موسیقی سے دلچسپی اور اس کی قدردانی اور سرپرستی کا سوال باقی نہیں رہتا اگرچہ اغانی کے اس بیان کے بعد مذکورہ بالا بزرگوں کی موسیقی

لہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ گو فطرۃً صالح و سعید تھے، لیکن ان کی پرورش اموی شاہزادوں کی طرح عیش و ناز کے گہوارہ میں ہوئی تھی اور خلافت سے پہلے انکی زندگی بڑی امیرانہ اور عیش پرستانہ تھی۔ اسکی تفصیلات تاریخوں میں موجود ہیں۔ موسیقی سے بھی اُنکو ذوق تھا بلکہ آپ بعض راگوں کے موجد بھی کہے جاتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات خلافت سے پہلے کے ہیں۔ بیعت خلافت کے بعد انکی زندگی جیسی زاہدانہ ہو گئی تھی وہ معلوم و مشہور ہے اور آپ پانچویں خلیفۂ راشد شمار کیے جاتے ہیں اس لیے خلافت سے پہلے آپ کا کوئی فعل سند کی حیثیت نہیں رکھتا اس واقعہ کا لکھدینا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ تاریخوں میں موسیقی سے انکے متعلق جو واقعات مذکور ہیں اُن سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

…ہے دلچسپی پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن اس سے قطع نظر انکے متعلق اغانی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کو تو شعر و سخن کا بھی مذاق تھا اور حضرت عثمانؓ کو اس سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ آپ کی خریدے ہوئے ابن سریج کی سرپرستی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اغانی نے ابن سریج کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو وہ ضرور نقل کرتا۔ اسکا نہ لکھنا اس واقعہ کی تردید کے لیے کافی ہے۔ وہ عثمانؓ کا ہمعصر نہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کسی موقع پر اس سے کچھ اشعار سنے ہوں اور اسکے صلہ میں کچھ دیدیا ہو، گو اسکا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اسے مان بھی لیا جائے تو اسکو موسیقی سے دلچسپی اور اسکی قدردانی نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت علیؓ کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ صرف شعر و سخن سے دلچسپی کے واقعات مل سکتے ہیں بخاری کی زبان سے آپ کا ایک رجز البتہ مذکور ہے لیکن رجز خوانی کو موسیقی سے کیا نسبت۔ اگر تلوار کی جھنکار کو راگ کہا جا سکتا ہے تو البتہ رجز خوانی موسیقی کے ضمن میں آ سکتی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق البتہ اغانی نے دو ایک ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کا عرب کا مروجہ گانا سنا ہے (نغمہ و ساز نہیں) اس لیے کہ وہ اس زمانہ میں رائج ہی نہ تھا۔ لیکن اس بیان میں بھی دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ اغانی کی تمام روایات کو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ دوسرے ابوالفرج شیعہ تھا۔ گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن امیر معاویہؓ کے متعلق شیعوں کے اس قسم کے بیانات جس حد تک قابل قبول ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ اصول بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان امور میں جنکا تعلق دینی مسائل اور انکے جواز و عدم جواز سے ہے، صحابہ کرامؓ کے قول و عمل کے ثبوت کے لیے جنھیں اصطلاح حدیث میں "اثر" کہا جاتا ہے اور جو مسلمانوں کے لیے سند جواز کا حکم رکھتے ہیں، تنہا تاریخ کی شہادت کافی نہیں ہے، بلکہ اسکا ثبوت روایت حدیث کے جملہ شرائط کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ وہ بیان مردود ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے مبتدعین اپنے مسلک کی تائید مذہب ہی سے پیش کرتے رہے ہیں، اور مسلمانوں میں کوئی گمراہ سے گمراہ اور باطل سے باطل عقیدہ رکھنے والا فرقہ ایسا نہیں ہے جو اپنے گمان میں اپنے عقیدہ کی مذہبی دلیل نہ رکھتا ہو۔ اس لیے ایسے مسائل میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس بنیاد پر وہ عقیدہ قائم کیا گیا ہے اسکی نوعیت کیا ہے۔ اور اس سے اس عقیدہ کا استنباط کہاں تک صحیح ہے۔ مثلاً پردہ کے خلاف ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ امہات المومنین اور صحابیات غزوات میں ساتھ جاتی تھیں، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں۔

یا موجودہ تعلیم نسواں کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے، العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ۔ یا صحابہ کرام احادیث نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن مجاہدین فی سبیل اللہ کی خدمت کے لیے پردہ کے شرعی اہتمام کے ساتھ عورتوں کے نکلنے اور مخلوط ڈنر پارٹیوں میں شرکت اور سینما، پارکوں، نمائشوں اور تفریح گاہوں کے سیر سپاٹوں میں کیا مناسبت ہے۔ اسی طریقہ سے دینی علوم کی تعلیم و تعلم اور افادہ و استفادہ اور موجودہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کو ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔ اس قسم کے مغالطوں اور قیاس مع الفارق کی مثالیں آئے دن دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔

علوم عصریہ اور عالمگیر مذہب

(از قاضی محمد زاہد صاحب - دارالاشاعت شمس آباد ضلع اٹک)

موضوع مذکور مدت سے محل بحث رہا ہے۔ زمانہ گزشتہ میں تو اکثر علمائے وقت کا رجحان اس موضوع کے عدم جواز کی طرف رہا بلکہ کتب فقہ اسلامی میں کچھ اشارات ایسے ملتے ہیں کہ اعلیٰ ملت نے متکلم کو امامت صغریٰ کے لیے مناسب قرار نہیں دیا۔ مگر جب اسلام جیسے عالمگیر مذہب کا تخیل کیا جاتا ہے تو اس موضوع کے جواز بلکہ اسکی ضرورت کا احساس نہایت ہی شدت سے پیدا ہوتا ہے۔ رسائل اسلامیہ میں غالباً نوقتاً کسی نہ کسی طریقہ پر اس موضوع کو پیش کیا جاتا ہے میں نے چاہا کہ اس موضوع پر اپنے معلومات کے زیر اثر ذرا تفصیل سے لکھوں، شاید کوئی صاحب قلم اس ضرورت کو محسوس کرکے اپنے قیمتی وقت کی نذر میں معلومات طلباء علوم تک پہونچانے میں فیاضی سے کام لے۔

دنیا میں لوگوں کو ظلمات سے نکال کر مستفید کرنے کے لیے ہمیشہ نبی و رسول آئے۔ خداوند تعالیٰ نے انکو امتیازی دلائل نشان سے نوازا۔ جسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ ایک انسان جسکو نبی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، اسکے لیے ایک معیار مقرر کر دیا جاتا ہے، جو اس زمانہ میں اس قوم کو ہرگز نہیں ملتا بلکہ وہ اسکا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتی۔ معجزات انبیاء علیہم السلام پر غور کرنے سے آپ کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ معجزہ مختلف التعلق طریقہ پر نہیں دیا جاتا، بلکہ زمانہ کے حالات جسکا تقاضا کرتے ہیں وہی چیز مابہ الامتیاز بنائی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا و عصا کا معجزہ دیا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ، ابراء ابرص کے نشان سے نوازا گیا۔ جناب ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید جیسے معجز کلام سے سرفراز کرکے کائنات عالم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا گیا۔ آخر اس ترتیب اور وضع میں کوئی اثر کارفرما ہے ورنہ اسکے برعکس کر دیا جاتا۔ معجزہ کی ترتیب ہی اس سوال کا حل

بتا دیگی۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں حکمت کی ترقی تھی۔ سرور دو عالم کے زمانہ خیر شناس میں فصاحت و بلاغت کا عام چرچا تھا، اسی لیے ان انبیاء علیہم السلام کو وقت کی ضرورت کے مطابق ان اعجازی طاقتوں کے مختلف آثار سے سرفراز کرکے دنیا میں بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ میرے پاس آیات تصدیق میں سے یدبیضا اور عصا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا میں مردے کو زندہ کرسکتا ہوں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری صداقت میں شک ہو تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورہ ہی بنا کر لے آؤ۔

اس تحریر سے کم از کم یہ امر تو واضح ہوگیا کہ نبی وقت کو ہمیشہ وہ طاقت دی جاتی ہے کہ جسکی اُس مقام پر ضرورت ہو اور وہ اُسی کو اختیار کرکے اپنی تبلیغ کی برتری اور کامیابی میں نصرت حاصل کرتا ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ جس طاقت تصرف کے ایجاد سے خالق باری تعالیٰ نے منع نہ فرمایا ہو اُسے مذہب کی اشاعت میں استعمال کرنا ممنوع نہیں بلکہ وہ محبوب اور مشروع ہوسکتا ہے۔ عقلی استدلالات الہامی دلائل کے سوا دوسرے حسی دلائل کا استعمال جبکہ اُن سے مقصد اعلیٰ (تبلیغ قانون الٰہی) حاصل ہو محبوب و منظور ہو جائیگا۔ قرآن مجید کا طرز بیان دیکھنے سے پھر مصلح کائنات داعی امن رسالت علیہ الصلوٰۃ کے ارشادات اور طرز عمل کا مطالعہ کرنے سے میرے دعوے کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ ابدی مجرموں کو یوں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوسکیں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اگر یہ منا طقہ کی اصطلاح میں تعلیق بالمحال نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی تاکیدی حکم کا مفہوم دوسرے الفاظ کے ذریعہ ادا ہو سکتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ قرآن کا ارشاد ہے تم اور وہ جنکو تم معبود سمجھتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ اطلاق اُن انبیاء علیہم السلام پر حاوی ہوسکتا ہے جنکو قوم نے معبود سمجھا۔ معلم انسانیت علیہ السلام نے فرمایا کہ کلام الٰہی نے ما کا لفظ استعمال فرمایا جس سے غیر ذی روح اشیاء مراد ہیں۔ یعنی پتھر وغیرہ۔ ذو روح اشیاء انبیاء علیہم السلام مراد نہیں ہو سکتے۔

قبیلہ تمیم کے ایک وفد نے مفاخرت میں مقابلہ کی دعوت دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے شاعر ثابت بن قیس کے مقابلہ میں حسان بن ثابت کو حکم فرمایا۔ سرداران بنی تمیم نے حضرت حسان کے اشعار اور خطابت سے متاثر ہو کر سب مسلمان ہوگئے

اور کہنے کے ساتھ کشتی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھاڑ دیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح اکثر اسلامات کے کارنامے اُنکے سوانح میں آج تک محفوظ ہیں کہ انھوں نے عصری رجحانات کے زیر اثر تقویت دین کی غرض سے اختیار ارتکاب کیا۔ تو ان علوم کا انکار کس طرح مفید ہو سکتا ہے کہ جنکے وضع کرنے کی غرض ہی تقلید کی پستی سے نکل کر یقین کی لبندی حاصل کرنا ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

صحیح مرفوع حدیث ہو اُسے پیش فرا دیں تاکہ اسکے پیش نظر حیات مسیح علیہ السلام کی جو نوعیت علامہ مجیب نے متعین فرا دی ہے اُس پر مزید گفتگو ہو سکے۔ سردست جبکہ علامہ مجیب کی طرف سے یہی نہیں بتایا گیا کہ اسکے متعلق کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے بھی یا نہیں۔ علامہ مجیب نے حیات مسیح کی جو نوعیت متعین فرمائی ہے کہ "جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اُترنے سے پہلے آسمان میں تھے اُسی طرح عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اُٹھا لیے جانے کے بعد زندہ ہیں اِنَّ مَثَلَ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَم"۔ اسکے متعلق صرف یہی عرض ہے کہ علامہ مجیب کی اس تحریر سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیات مسیح علیہ السلام کو حیات متعارفہ نہیں قرار دیتے۔ حیات متعارفہ تو زمین پر اُترنے سے اُنکو اور اسکے بعد اُنکی اولاد کو حاصل ہوئی۔ قرآن شریف میں ہبوط آدم کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے قَالَ اھبِطُوا بَعضُکُم لِبَعضٍ عَدُوٌّ وَلَکُم فِی الاَرضِ مُستَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِینٍ قَالَ فِیھَا تَحیَوْنَ وَفِیھَا تَمُوتُونَ وَمِنھَا تُخرَجُونَ۔ اور زمین پر تشریف آوری پر وہ اُن اوامر و نواہی کے مکلف بنائے گئے جنکی جزا و سزا کے لیے جنت و دوزخ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے قُلنَا اھبِطُوا مِنھَا جَمِیعًا فَاِمَّا یَأتِیَنَّکُم مِّنِّی ھُدًی فَمَن تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوفٌ عَلَیھِم وَلَا ھُم یَحزَنُونَ وَالَّذِینَ کَفَرُوا وَکَذَّبُوا بِاٰیٰتِنَا اُولٰٓئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ ھُم فِیھَا خٰلِدُونَ۔ اور زمین پر اُترنے کے پہلے جنت کے کھانے اُنکی غذا تھے، وَکُلَا مِنھَا رَغَدًا حَیثُ شِئتُمَا۔ اور ظاہر ہے کہ حیات متعارفہ رکھنے والے انسان کی غذا میوہائے جنت نہیں۔ ہو سکتا ہے جنتی اور آسمانی زندگی میں کھانے پینے کے لیے بول و براز لوازم عادیہ میں سے نہ ہوں۔ لیکن جنتی اور آسمانی زندگی حیات متعارفہ تو نہیں۔ میں نے پہلی شق اُس حیات کو قرار دیا تھا جسکے لیے کھانا پینا اور پھر اُسکے لوازم عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور حیات کی دوسری شق اسکے خلاف۔ علامہ مجیب حیات آدم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "تفصیلی طور کھاتے پیتے تھے اگر ..." [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشدآباد بلڈنگ، گولاگنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۔۔۔
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/

نمبر ۶	دوشنبہ ۱۵ - جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۹ - مئی ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

کہتے ہیں کہ ولادت مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جب قوم اسرائیل کے تعاقب میں، بحر قلزم میں فرعون مصر کی فوج، رفوج ڈوبی ہے، تو خود شہنشاہ وقت بھی غرق ہونے سے نہ بچ سکا، معمولی سپاہیوں کی طرح وہ بھی ڈوبا - یہ اور بات ہے کہ غرقابی کے بعد اسکی لاش سطح سمندر پر تیر آئی، اور بعد کو محفوظ کرلی گئی - اور تو اور، خود قرآن مجید نے قصہ کے اسی جزو، یعنی فرعون کی غرقابی کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور توریت کے بیان کی تصدیق کی ہے —— قرآن کے لفظ لفظ پر ایمان، یہ بالکل درست - لیکن کچھ کھٹک سی کبھی کبھی ہوتی رہتی، کہ عام لشکری اگر ڈوبے تھے تو خیر، لیکن فرعون کی شخصیت تو بہت اونچی بڑی پُرجلالت تھی وہ سب کے ساتھ کیسے غرق ہوگیا اسکے بچنے سنبھلنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی؟ اس "بے سامان نہیں، باسامان" فرعون کی حفاظت کا کوئی بھی سامان نہ ہوسکا؟

"کھٹک" ہٹلر کے انجام نے بالکل مٹادی - اس سے بڑھکر باسامان شخصیت آج یورپ بھر میں کسی کی تھی؟ روئے زمین پر کسی کی تھی؟ ہمت، تدبیر، عزم، اقبالمندی، قدم قدم پر قدم چومتی تھی۔ جدھر نظر اٹھاکر دیکھ لیا، میدان صاف تھا - مشکلات کے پہاڑ، بات کی بات میں پانی تھے۔ کیسے کیسے زبردست حریفوں میں آج اسے گرایا، کل اسے گرایا - سکندر، ہنیبال، چنگیز، نپولین، کسی کی بھی فتوحات اسکے سامنے لائی جا سکتی ہیں؟ کیسے کیسے ناموروں اور نامیوں کے نام اس نے گرد کردیے تھے - ایک آندھی تھا، بگولا تھا، بجلی کی اُچک تھا - ماضی قریب و ماضی بعید، ساری تاریخ میں نہ اپنا نظیر رکھتا تھا نہ جواب —— آناً فاناً کیسا نابود ہوا، گویا کبھی تھا ہی نہیں! [illegible] یقین ہی نہیں آتا - کیسے یقین آئے؟ دیوتا تھا دیوتا - دیوتا کہیں مرا کرتے ہیں؟ سب کو مارکر بھی نہ مرتا، اور اگر کہیں مر ہی جاتا، تو زمین و آسمان لرز اُٹھتے، مرکز کائنات جنبش میں آجاتا! ہزاروں لاکھوں انسان ہیں کہ موت کی خبریں، اطلاعیں پڑھتے ہیں مگر یقین کسی طرح نہیں کرتے! —— اللہ کی قدرت اور مشیت جیسے کسی کے یقین وعدم یقین کی پابند ہے!

ہٹلر کی موت فرعون کی موت پر ایمان تازہ کرگئی۔ حفاظت کا سامان آج اسکے لیے اُٹھ رہا تھا؟ کل انکے لیے کچھ اُٹھ رہا ہوگا؟ لیکن ہر تدبیر کے آگے، ہر تدبیر کے اوپر، اور اُس سے برتر ایک تقدیر بھی ہوتی ہے، تدبیر، تدبیر کا توڑ کرسکتی ہے، تقدیر کا نہیں۔ کل جب وقت آیا، تو جو سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح پانی کی موجوں کا شکار ہوگیا - آج جب حکم پہنچا، تو جو سب سے بڑا سمجھا گیا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح بارود اور دھوئیں کی نذر ہوگیا! —— وہی بے کسی، وہی بے بسی، جو کل بھی بندہ کے لیے تھی، آج بھی ہے! خاک کا پتلا، اور دعوے بڑائی اور سرداری کا!

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

واہ رے احکم الحاکمین! دیکھ لی دل کی آنکھوں سے بھی اور...

آنکھوں نے بھی، تیری بڑائی اور سرداری، بڑائی صرف تیرے لیے ہے، اور سرداری صرف تجھی کو حاصل ہے۔ اسکے سوا جو کچھ ہے، سب جھوٹ ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا فریب ہے۔

۶۰ لاکھ کتابیں!

"دشمن نے صرف برطانیہ میں ۵۰ لائبریریاں تباہ کر ڈالی ہیں، اور ضایع شدہ کتابوں کی تعداد ۶۰ لاکھ تک پہونچتی ہے! بعض کتابیں ان میں سے نایاب تھیں، اور اب اس نقصان کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں جرمنوں کی جو ہوائی تاختیں لندن پر ہوئیں، اُنھوں نے کتابوں کو بے حد نقصان پہونچایا۔ خصوصاً جب سینٹ پال کے گرجا کے قریب کا سارا علاقہ تباہ و برباد ہوا تھا، اور کوئی ۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش ہو گئی تھیں"....

"یہ حال تو برطانیہ کا تھا، یورپ کے دوسرے ملکوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے۔ پولینڈ میں ۶۰ اور ۷۰ فی صدی کے درمیان کتب خانے ضائع ہو چکے ہیں۔ یوگوسلیویا میں ۵۰ سے ۶۰ تک کتب خانے برباد ہو چکے ہیں"

۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش اور وہ بھی صرف ایک ملک میں! اور تفصیل نے اندراج اعداد کسی اخباری افواہ سے نہیں، حکومتِ ہند کے محکمۂ اطلاعات کے سرکاری بیان مورخہ ۲۳ اپریل ۴۵ء سے ماخوذ و منقول ہیں۔ اور اگر صحیح ہیں، تو قدرت نے کیا خوب جواب دیدیا اُن ظالموں کو جنھوں نے اپنی تاریخوں میں اور دفتروں میں یہ چھاپ رکھا ہے، کہ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے کتبخانۂ اسکندریہ جلا دیا تھا!

بھوتوں کا شہر

رویٹر کے وقائع نگار خصوصی متعینہ برلن کا بیان:-

"برلن آج مُردوں کا شہر ہے۔ جس پایہ تخت کا نام برلن تھا، کا آج روئے زمین سے فنا ہو چکا ہے۔ میلوں تک یہ نظر آرہا ہے کہ جیسے فرداً فرداً ایک ایک مکان پر بمباری ہوئی ہے۔ میں لندن میں ایکی بمباری کے عین زمانہ میں رہ چکا ہوں۔ اسٹالن گراڈ کو اس کی ہی کے بعد دیکھ چکا ہوں۔ روس کے دس بارہ شہروں کا اُنکی بربادی بعد دورہ کر چکا ہوں۔ لیکن برلن کا ان میں سے کسی کا مقابلہ نہیں۔ جن کی قیامت خیز ہلاکت الفاظ کے ذریعہ سے ناقابلِ بیان ہے— ان کی تباہی تو اسکے مقابلہ میں محض ہنسی کھیل معلوم ہوتی ہے! اکی بڑی بڑی مشہور سڑکیں، مشہور محلّے، پورے کے پورے نابود ہو گئے۔ شہر میں کوئی کسی کو کہیں کا پتہ بتلائے تو کس طرح بتلائے، پتہ بتانے کی جو علامتیں تھیں وہ خود ہی مٹ گئی ہیں۔ "ہمارا جاپانی سفارتخانہ قریب ہے"، لیکن خود وہ سفارت خانہ ہی اب کہاں ہے؟ "ڈاکخانہ قریب ہے"۔ جب وہ ڈاکخانہ کا بھی رجسٹرڈ کہیں ہو؟ اسی طرح تقریباً

تمام مشہور عمارتیں سرکاری و غیر سرکاری مٹ چکی ہیں۔ گوئرنگ کی ہوائی وزارت، گوئبلز کی پروپگنڈا وزارت، یہ سب ونتر اب معدوم ہیں۔ اور ہٹلر کے شاہی قلعہ یا امارت خانہ (چانسلری) کو تو کچھ نہ پوچھیے! معلوم ہوتا کوئی پرانا قبرستان معلوم ہو رہا ہے۔ منوں ملبہ پڑا ہوا ہے۔ اور اسی ڈھیر کے نیچے عجب نہیں کہ ہٹلر کا جسم بھی کہیں دبا پڑا ہو۔ برلن سے بھاگے ہوئے شہری اب امن و تسلط کے بعد، اور سرخ روسی جھنڈے نصب ہو جانے کے بعد شہر میں واپس آ رہے ہیں، لیکن اب شہر میں رکھا کیا ہے، جسکے لیے وہ واپس آ رہے ہیں"

یہ کوئی ناول یا ڈرامہ افسانہ نہیں۔ آج کے جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے گزرے ہوئے واقعات ہیں۔ پوری کی پوری جرمن ایمپائر کا یوں پاش پاش ہو جانا کسی کے تصور میں بھی تھا؟ قرآن مجید نے ماضی کی پُرقوت و پُرشوکت قوموں اور اُنکے سلطنتوں کی جو تباہ حالی اور بربادی کہانی ہے، آج واقعات اُن پر کیسی مُہر تصدیق لگاتے جاتے ہیں!

"نگار" "ہند" کے آئینہ میں

"سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ نگار نے ڈاکٹر ٹسڈل کی یہ کتاب ترجمہ کرکے چھاپی ہی کیوں؟" سوال جناب عبدالرزاق خاں صاحب ملیح آبادی صاحب ہند نے کیا۔ اور پھر خود ہی جواب دیا:-

"سچی بات یہ ہے کہ نگار اپنی بدنیتی میں مشہور ہو چکا ہے۔ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ راہ بزدلی اور منافقت کی راہ ہے۔ جناب نیاز فتحپوری اگر مسلمان نہیں ہیں تو اُنھیں سچائی اور بہادری سے یہ بات اعلان کر دینا چاہیے۔ اب اگر مسلمان نہیں اور اُنہیں یہ بھی ڈر ہے تو اُنھیں مرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن اگر مسلمان ہیں تو اسلام کی پیٹھ میں چھری نہیں مارنا چاہیے.... اب بھی وقت ہے کہ نیاز صاحب اپنے میں استقامت پیدا کریں ورنہ یقین کریں کہ سچی عزت نہ پا سکیں گے۔ سچی عزت تو صرف سچے بہادر ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ بزدل اور دل کے چور کبھی عزت نہیں پا سکتے، اگرچہ روپیہ کما سکتے ہیں"

متن کی شرح بھی صاحبِ متن ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو (یہ سب عبارتیں نگار کے مئی نمبر سے نقل ہو رہی ہیں):-

"ڈاکٹر ٹسڈل بھی شیطان اور گولیتھ جیسا ایک مستشرق ہے، جاہل ہے، اور اسکی جہالتیں بہت ہی اختصار کے ساتھ آپ ان کا مطالعہ کیجیے لیکن ہم سے نیاز پر! اتہام ہے نیاز پر! اور اتہام ہے نیاز پر! یہ شخص اگر مرد ہوتا تو اس طرح دجل و تلبیس کے ساتھ ٹسڈل کی یہ کتاب عام مسلمانوں کو پریشان اور گمراہ کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں نہ چھاپتا، لیکن بزدل اور نامرد آدمی ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ نیاز کی میرے دل میں ذرہ بھر عزت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص ثابت ہو چکا ہے کہ سچا اور بہادر نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ کتاب بزدلی کی راہ سے چھاپی ہے تاکہ عام مسلمانوں کو اسلام کی راہ سے ہٹا دے۔ افسوس نیاز پر

اور افسوس نیاز کے شکار پر۔ میں اگر نیاز جیسا بزدل ہوتا تو قلم توڑ کے پان بیڑی کی یا نانبائی کی دوکان کرلیتا۔ بزدل اور منافق اخبار نویس ہندوستان کی اخبار نویسی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہیں؟

نگار اور تہذیب کے درمیان محاکمہ کی نہ ہمت اور نہ سردست اسکی ضرورت، دونوں اپنی جگہ اپنے اپنے رنگ کے مالک ہیں۔ غریب مصدقی کے نقطۂ نظر سے ؎

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اسکو پر تیر قضا سمجھے!

البتہ کہیں تہذیب کے زورِ قلم کو کسی مولوی مُلّانے کی جانب منسوب کرلیا جائے، اس لیے جلدی سے یہ سُن لیجیے، کہ یہ انشاء "روشن خیالوں" کے سرتاج، مشہور مولوی کشفی ودودی' اور "انیتی ماما بیگ" کے باہمی دماغ کی ہے!

شحنۂ معزول

" لندن۔ ۱۵ اپریل۔ اتحادیوں کے سپہ سالار اعظم جنرل آئزن ہاور نے آج فرمان شائع کیا ہے کہ آیندہ سے کسی بڑے سے بڑے جرمن گرفتار شدہ افسر سے بھی کسی قسم کی رعایت یا نرمی کا برتاؤ نہ کیا جائیگا۔

فرمان کی ضرورت اس لیے پڑی، کہ ابھی مارشل گوئرنگ کی گرفتاری پر امریکی افسر یعنی ۳۶۔ امریکی ڈویژن کے جنرل رابرٹ سٹیک اُن سے ہاتھ ملانے تھے، اور اُسے عزت کے ساتھ گرفتار کرکے لائے تھے۔ روسی اخبارات نے اس پر سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ انسانیت کے مجرم ہرگز کسی رحم وکرم کے مستحق نہیں۔ انکے اکابر کے ساتھ بھی معمولی مجرموں کا سا برتاؤ رکھنا چاہیے۔" (رائٹر)

فیلڈ مارشل گوئرنگ وہی ہیں، جو ابھی کل تک ہٹلر کے بعد اکابرِ جرمنی کے صفِ اول میں تھے۔ خود کتنوں کو اعزاز بخش رہے تھے! کسی کی طرف نگاہِ التفات سے دیکھ لینا ہی اُسکے لیے باعث شرف تھا۔ جسکا سلام قبول کرلیں، وہ اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگے! آج تھا یہ نوبت آگئی کہ دوسروں کو عزت دینا الگ رہا، خود ہی کسی عزت کے قابل نہیں۔ معمولی اور رسمی اخلاق کے بھی مستحق نہیں! اور جو کوئی انکے ساتھ تھوڑی بہت لاطفت برت لے، وہ خود زیر عتاب آجائے! —— وتعز من تشاء وتذل من تشاء کی عملی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی!

فتنہ سامانیاں

"بدگمانیاں اور سرگرانیاں" یہ ایک عنوان سے نگار کے سنی نمبر کا، اور اسکے ماتحت "علماے کرام کے خطوط" امۃ القرآن کے خطوط مدیر نگار کے نام کے درج ہیں۔ لیکن یہ عنوان کچھ تشنہ و ناتمام سا رہا۔ کیا ہرج تھا اگر اسی ردیف وقافیہ میں مصرعہ کو بڑھا کر پورا شعر بنا دیا جاتا۔ یوں:—

"علماء کی بدگمانیاں اور سرگرانیاں اور "علامہ" کی من ترانیاں اور جا بجا فتنہ سامانیاں!

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۷)

س۔ علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی

س۔ عشاء و فجر کی نماز باقاعدگی سے ہوسٹل میں ہوتی ہے۔ ایک کمی البتہ محسوس کرتا ہوں۔ پہلے نماز دل لگا کر توجہ سے پڑھا تا تھا۔ آتا تھا۔ سجدے پر جب کھڑا ہوتا تھا حالت ہی اور ہوتی تھی۔ خوف و خشیت کا حظ اٹھاتا تھا۔ اب تو ROUTINE بن گئی ہے۔ اس لیے وہ بے توجہی جو اکیلی نمازوں میں رہتی تھی۔ اب امامت کے وقت بھی رہنے لگی ہے۔

ج۔ جذبات وکیفیات میں تیزی ہمیشہ آغاز کار ہی میں ہوتی ہے شوق، عادت، مزاولت کے بعد اس میں کمی پیدا ہو جاتا تو نفس بشری کا ایک قانون طبعی ہے۔ نئی دلہن کے ساتھ جذبات کا جو تعلق ہوتا ہے وہ کئی سال کی بیوی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ ... بڑھ جاتا ہے۔ نماز پڑھانے کا جو اجر موعود ہے، یقین رکھا جائے کہ اس میں جذبات وکیفیات کے اس اتار چڑھاؤ سے ان شاء اللہ مطلق کمی نہ ہوگی۔ اور وہی اصل مقصود ہے۔ اسی کا استحضار بار بار رہے۔

س۔ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے بھی تھوڑا بہت جو کچھ اس ناچیز سے ہو جاتا ہے عرض کر دیتا ہوں، اپنی حالت تو گراموفون جیسے مشابہ پاتا ہوں، جو کچھ آپ بزرگوں کے ہاں سے پڑھا یا سنا حتی الوسع انھیں الفاظ میں پہونچا دیا۔ اپنی حالت تو ویسی ہی پاتا ہوں، جیسے پہلے تھا ویسے ہی اب بھی ہوں۔ کیا خبر کہ اللہ اس بے عمل اور نالائق کے اس کام کی بدولت ہی رسے چھوڑ دیں۔

ج۔ اچھی باتوں کی تبلیغ بجاے خود ایک عبادت ہے۔ البتہ بندی کے لیے اس راہ میں خطرات زیادہ ہیں (اور خطرات سے محفوظ تو متوسط، منتہی کوئی بھی نہیں) اس لیے بہتر یہ ہوتا کہ اس قسم کی ایک آدھ تقریر نمونہ کے طور پر قلمبند کرکے بھیج دی جاتی۔

س۔ ڈز بحمد اللہ سلمان بنا لیا گیا۔ جان کے نام سے آپ واقف ہو گئے۔ بیرسٹر محمد امین (سابق ساگر چند) تھے۔ خرافات کے بجاے الحمد للہ چند اچھی اچھی باتیں کانوں میں پڑیں۔ یہ لوگ بہت ہی چین بیٹھے ہوے، مگر ہیں بحمد اللہ انقلاب میں کامیابی ہو گئی۔

ج۔ اسچھے موقعوں کو جانے دو چھوٹے چھوٹے ہوں، ہاتھ سے ہرگز نہ دینا چاہیے۔ نیکی کے نہیں ذرے سے ذرے کیا عجب کہ انبار بن کر پہاڑ ہو جائیں۔

س۔ نقارہ کے سلسلہ سے متعلق پچھلے عریضہ میں عرض کرچکا ہوں۔ الحمد للہ عملی قدم (اس طلبہ میں بھی) اٹھایا گیا۔ تین تقریریں

اسوقت تک ہو چکی ہیں۔ اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ نتائج سے بے پروا ہوکر ہی کچھ کام ہو سکتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے۔ چاہے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ ہدایت دو رستی اللہ کے ہاتھ ہے۔

ج۔ خیال بالکل صحیح ہے۔

س۔ اپنی حالت پہلے سے بہت بدتر ہے۔ کبر، فخر، غرور کا دورہ عود کرآیا ہے۔ اپنا دوروں سے افضل ہونا بسا اوقات دل میں ہوتا ہے۔ نماز کو سکھلانے کے لیے جب لوگوں کے ہاں جاتا ہوں تو اپنے کو برتر محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آخر اس مرض کا کچھ علاج بھی ہے۔ کہیں یہ سب ریاکاری ہی میں تبدیل ہوکر نہ رہ جائے۔ اے اللہ مجھے اس سے بچا۔

ج۔ اپنے اس احساس برتری و فضیلت کو برا سمجھنا خود اسکی دلیل ہے، کہ یہ احساس اپنے قصد و اہتمام سے نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے۔ اور جب یہ ہے تو مقصود میں مخل بھی نہیں۔ البتہ اس احساس تفوق کی غلطی کا استحضار برابر ذہن میں رہنا چاہیے۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گو اس غلط احساس کے مقتضے پر عمل ارادةً نہیں ہوتا۔ تاہم اس احساس کے ذہن پر مستولی رہنے اور اسکی غلطی کے ذہول ہو جانے سے، نفس واقعةً اپنے کو افضل و برگزیدہ سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال خود بینی کی شکست کے اور خود شکنی کے اسباب و مسائل پر نظر رکھنی ضروری ہے۔

ریاکاری سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ ریاکاری تو جب تھی کہ بلا توقع اجر، لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے دعوت صلوٰة یا کوئی دعوت خیر اپنے سر لے لی جاتی!

س۔ طبیعت میں اعصابی کمزوری اور بدہضمی کی شکایت رہتی ہے۔ اس لیے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ علاج ہومیوپیتھی کر رہا ہوں۔ حضور قلبی آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ بارہا کوشش کر رہا ہوں مگر قلب میں انکسار اور دل و دماغ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

ج۔ جو جسمانی امراض و عوارض ہیں، انکے علاج بھی جسمانی ہیں۔ اور طاعت و عبادت میں جو کوتاہیاں انکی بنا پر پیدا ہوتی ہیں وہ بالکل معاف ہیں۔ انکے لحاظ سے بالکل معذوروں کا حکم ہے۔

"حضور قلب" اور "خشوع" اور "توجہ الی اللہ" اور اسی قسم کے دوسرے لفظوں کے لیے یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے کہ یہ سب اضافی مفہوم رکھتے ہیں۔ عوام نے انھیں مطلق معنی میں سمجھ رکھا ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہر صورت میں مقصود استغراق ہے۔ اور یہی غلط ہے۔ استغراقی کیفیت صرف خاص خاص اہل حال کو نصیب ہوتی ہے، اور اسکو کمال کا مرادف سمجھنا ہی نادانی ہے۔ عام مومنین کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ کوئی عمل دانستہ خلاف رضاء الٰہی نہ کریں۔ اور جب جب ذہن سے اسکا ذہول ہو جائے۔ یاد دہانی پر استغفار

وغیرہ کے ذریعہ سے فوراً اسکا تدارک کرلیں۔ باقی اس سے زیادہ اگر استحضار رہے، تو وہ عین نعمت الٰہی ہے۔ حاصل ہو جائے تو یقیناً بہت شکریہ کے قابل، لیکن اگر نہ حاصل ہو تو خواہ مخواہ تشویش و تعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

س۔ ہمارا موجودہ کاروبار ایک ادنیٰ پیمانہ پر ہے۔ بیمار بھی خاطر خواہ نہیں۔ کوئی دوسری ادا بھی نکل آتی۔ آمدنی کم، خرچ کا اخراج زیادہ دکھائی دیتا ہے اس لیے بعض اوقات دل میں کچھ تردد رہا کرتا ہے۔

ج۔ اللہ فراغت و فراخی نصیب کرے۔ رزق میں فراخی بیشک دیکھنے میں بہت حسین ہوتی ہے لیکن فراخی کے حدود ہر شخص کے مناسب حال الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور بندہ کے ظرف و تحمل کا صحیح اندازہ خود بندہ کو نہیں بندہ کے خالق ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ ہر مناسب کوشش کے بعد آخری تسکین اسی عقیدہ سے حاصل کرنا چاہیئے۔

اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آمدنی کی کمی جس سے بعض ضروری مصارف میں بھی تنگی ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ آمدنی وافر ہو، اور طرح طرح کے ناجائز اور قابل مواخذہ کاموں پر اٹھ رہی ہو۔ آج کی حسرت صرف، کل صرف بیجا کے مقابلہ میں کہیں غنیمت بلکہ نعمت معلوم ہوگی بلکہ جیسے پرخوری کے نتائج تھوڑی سی بھوک کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ افسوسناک ثابت ہوتے ہیں۔

س۔ مخلصین اور بزرگوں کی صحبت سے محرومی پر خادم سخت پریشان اور غمزدہ ہے۔ نہ معلوم کبتک بزرگوں کی مقدس صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملیگا۔

ج۔ جو چیز اپنے اختیار اور بس کی نہ ہو، عقل کا فتویٰ ہے کہ اسکے زیادہ درپے نہ رہا جائے۔ دعا اسکے لیے جاری رہے، لیکن اصل مشغولی انھیں چیزوں میں رکھی جائے جو اپنے اختیار کے اندر ہوں۔

س۔ [صدق، ؎ جلد ۱۱، ؎ کے حوالہ سے] میرے محترم مخدوم اگر ہو سکے تو اسکا جلوہ کرائیے جو کہتے ہیں کہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ زیادہ نہیں اتنا ہی جتنا کہ اس جسم و جان کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

ج۔ لیکن جسم و جان بھی تو سب کے یکساں نہیں ہوتے۔ اور اسی اختلاف نے یہ شورش اور یہ سوزش برپا کر رکھی ہے۔ ہر ایک کا ظرف، ہر ایک کا آلۂ احساس الگ الگ ہے، اور ہر ایک کی یافت اسی کے ظرف کے مطابق ہے۔

ادراک سب کو ہو رہا ہے۔ جو چیز آفتاب سے روشن تر ہے اسکے عدم ادراک کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لیکن ادراک ادراک میں یا یافت یافت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سرے پر محض دہری کا ادراک ہے، اور دوسرے سرے پر حضرات انبیاء کی معرفت ربانی ہے

احتضاری مکاشفات

[صدق میں ایک مومنہ مرحومہ کا تذکرہ آچکا ہے۔ عین وفات کے وقت مرحومہ کے قریب ترین عزیز ایک صالح نوجوان نے عجیب و غریب منظر دیکھے، اور وفات کے کچھ بعد تک یہ نظارہ قائم رہا۔ خلاصہ یہ کہ صحن نورانی ہستیوں سے بھرا ہوا ہے، گویا برف روئی کے بنے ہوئے ہیں، اور کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ فضا پر ایک نہایت خوش رنگ گلابی گھٹا چھائی ہوئی ہے، اور نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ مرحومہ نہایت خوش خوش ایک سفید براق لباس میں ملبوس ہیں، اور انکی سواری کے لیے ایک انتہائی نورانی چیز آئی ہے، جسے کوئی رفرف کہہ رہا ہے۔ دیکھنے والے کی زبان سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ نکل رہا ہے۔ اور کوئی پکار رہا ہے: الا مرحومہ سے متعلق کہہ رہا ہے کہ یہ انکا استقبال ہو رہا ہے۔ رفرف جب آسمان کی طرف بلند ہونے لگا، تو اس غمزدہ نوجوان نے پوچھا کہ اب کب ملاقات ہوگی۔ جواب میں آواز آئی، "الی الوقت المعلوم۔ علی الوقت المعلوم" ـــ دیکھنے والے پر بظاہر اتنی دیر غش کی کیفیت طاری رہی۔

ایک ۲½ سال کی معصوم بچی نے مرحومہ کے لیے پکار کر یہ کہا کہ وہ دیکھو سبز سبز کپڑے لٹکائے ہوئے پہنے آسمان سے جھانک رہی ہیں۔

یہ سارا ماجرا حضرت گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا گیا تھا (کاش آج حضرت تھانویؒ موجود ہوتے!) مولانا کا مکتوب گرامی کلمتہ درج ذیل ہے]

گرامی نامہ کے ساتھ ہی صدق میں ہمشیرہ کی رحلت والا مضمون نظر سے گزرا۔ مرحومہ سے اس درجہ آپ کے دل کا لگاؤ تھا، اسکا صحیح اندازہ پہلے نہ ہو سکا تھا۔ گویا انکی حیثیت آپ کے گھر میں ماں کے بعد دوسری ماں ہی کی تھی۔ یقیناً اس سے آپ کا سارا گھر اتنا بھی متاثر ہو کم ہے۔ گرامی نامہ میں جس تفصیلی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، نہ صرف میرا بلکہ اسوقت میرے پاس جو لوگ بھی موجود تھے انکی ترقی ایمان کا ذریعہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اسی سے ایک دن پہلے خاکسار اپنے عزیزوں کے سامنے جن میں میرے چھوٹے بھائی مناظر احسن گیلانی ایم۔ اے سلمہٗ جو گلبرگہ کالج میں معاشیات کے لکچرار ہیں اور میرا بھتیجا سید محی الدین احسن گیلانی سلمہٗ دونوں موجود تھے۔ میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ معمولی روایتوں ہی میں نہیں آیا ہے بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر حق تعالیٰ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر دونوں پہ موت جب طاری ہونے لگتی ہے تو اسوقت بعض خاص قسم کے غیبی واقعات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کے متعلق تو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ الذین تتوفٰہم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل ع ۴) یعنی نیکوں کو اٹھانے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، یہ کہتے ہوئے پھر انکو اس عالم سے دوسرے عالم میں لیجاتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ گویا ہر قسم کے آلام و مصائب درد و رکھ رنج سے سلامتی کی بشارت سناتے ہوئے انکو لیجاتے ہیں۔ اور انکو جنت کی خوشخبری بھی دیتے چلے جاتے ہیں جو انکے اعمال کا نتیجہ ہوگی اور جیسے ایمان والوں کے متعلق یہ اور اسی قسم کی آیتیں قرآن میں ہیں۔ منکروں اور کافروں کی بابت بھی صریح لفظوں میں یہ اطلاعیں دی گئی ہیں کہ "ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیہم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الہون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون (الانعام ع ۱۰) جان کنی کے غوطوں میں جب وہ مبتلا ہوں گے منکرین جو خدا سے ہٹ کر زندگی گزار رہے" تو قرآن خبر دیتا ہے کہ اسوقت بھی "الملائکۃ" ہاتھ بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں اسی مرنے والے کو کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو اور کہتے ہیں کہ آج بدلا دیا جائیگا (تمھیں) ذلت کے عذاب کا۔ یہ سزا ہوگی اسکی جو خدا پر غلط باتوں کو منسوب کرتے تھے اور خدا کی آیتوں کو سن کر اکڑ جاتے تھے (یعنی اپنا سمجھا اور اپنا فکر و نظر پر جنھیں زیادہ اعتماد تھا) سورۃ الانفال میں بھی انہی کافروں کے اس آخری وقت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے کہ ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوہہم وادبارہم وذوقوا عذاب الحریق (ع ۶) یہ دیکھنے والوں کو دکھایا گیا ہے کہ کفر زدہ جو اپنی آخری سانس اس دنیا میں جو پوری کرکے دوسرے عالم کی طرف جب روانہ ہوتے ہیں تو "الملائکۃ" انکے چہروں اور انکے چوتڑوں پر مارتے جاتے ہیں (اور ان سے کہا جاتا ہے) کہ چکھو جلن کا عذاب۔

الغرض ان ہی باتوں کا ان نوجوانوں سے تذکرہ کر رہا تھا۔ زیادہ زور اس پر دے رہا تھا کہ قرآن کی ایسی کھلی آیتوں سے جب یہ واقعات ہر مومن کے سامنے پیش کر دیے گئے ہیں تو پھر انکو نہ دیکھنا اور ان سے اعراض کتنی غفلت کی بات ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہو چکا، دوسرے دن جس وقت آپ کا گرامی نامہ ملا اور میں نے خود پڑھنے کے بعد انہی لوگوں کو خط کے اس حصہ کو سنانا شروع کیا تو مناظر سلمہٗ نے یاد دلایا کہ کل ہی تو آپ اس مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے اور آج اسکی تصدیق آگئی۔ کہ مومن اور کافر کی موت کے وقت کیا کیا قسم کے واقعات پیش آیا کرتے۔ انکے یاد دلانے پر مجھے بھی یاد آگیا اور تعجب ہوا۔ بہرحال ایسی صورت میں یہ واقعہ ہے کہ ہر مرنے والے سے متعلق ہمیں یہ یقین کرنا چاہیے کہ احتضار و سکرات کی ان گھڑیوں میں جب آدمی دنیا کے آخری لمحات کو ختم کرتے ہوئے آخرت کی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو غیر معمولی ایسے واقعات ضرور پیش آتے ہیں جنکا احساس ناسوتی آنکھوں کو عموماً نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی اس عزیز کی یہ حالت کیا تھی؟ انکار کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو کہدیا جا سکتا ہے کہ شدت محبت میں انکی ساری توجہ ایک ہی نقطہ پر مرتکز ہو کر انہی حالات کا مشاہدہ کرانے لگی جو انکے دماغ میں پہلے سے موجود تھے۔ ان کو اپنے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر معلوم

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

روایات نزول مسیح

نمبر (۷)

(از مولوی عبد الرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

جبکہ خلاصہ یہ ہوا کہ جنت میں حیات آدم میری بیان کردہ شقوں کے لحاظ سے شق دوم میں داخل ہوئی یعنی وہ حیات کہ جسکے کھانے پینے کے لوازم مادیہ میں سے بول و براز نہیں۔ تو جب علامہ مجیب کے بیان کے مطابق مسیح علیہ السلام کی حیات آدم علیہ السلام کی اس حیات کے مانند ہوئی جو زمین پر اترنے کے قبل جنت میں انھیں حاصل تھی (اور جو یقیناً وہ حیات متعارفہ نہ تھی کہ جیسا کہ حیات کے متعلق میری بیان کردہ شق اول میں تھا) تو مسیح علیہ السلام کے حیات کی نوعیت وہ ہوئی جو میں نے شق دوم میں ذکر کی تھی اس لیے علامہ مجیب کے لیے لازم تھا کہ اس شق دوم پر جو سوال دریافت کیا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیا و شہدا کی حیات برزخی کی نوعیت کے ما بین فارق کون چیز ہوگی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ" اسے بھی حل فرماتے بغیر اس سوال کے حل کیے ہوئے تو مسیح علیہ السلام کی حیات کی نوعیت متعین نہیں ہوئی۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی حل طلب ہے کہ کیا جنت آسمان ہی میں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا روز حشر "السماء" کے فنا ہونے سے جنت بھی فنا ہو جائیگی؟ یا آسمان بھی جنت کی طرح ابدی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو علامہ مجیب کی اس تحریر کا کیا مطلب سمجھا جائے؟ کہ جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اترنے سے پہلے آسمان میں زندہ تھے۔ آدم کے لیے جنتی زندگی تو اس آیت سے سمجھ میں آتی ہے کہ جسکا ذکر علامہ مجیب نے کیا ہے لیکن اس آسمانی زندگی کیلیے کونسی آیت یا حدیث ہے۔ اگر جنتی زندگی کیلیے بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں تو محض اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ آسمانی زندگی کے لیے بھی بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں۔ یہ سوال اس صورت میں جنت آدم کے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب جنت آدم کو جزا والی ابدی جنت نہ قرار دیا جائے۔ علاوہ اسکے اگر مسیح علیہ السلام کی حیات فی الارض کے ختم کے بعد والی حیات آدم علیہ السلام کی حیات کے مانند ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء اور شہدا کی حیات برزخی کو بھی حیات آدم کے مماثل نہ مانا جائے پھر مسیح و خضر و الیاس و ادریس علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ حیات کی کیا تخصیص، خصوصاً جبکہ شہداء کے لیے قرآن شریف میں حیات کی تصریح موجود۔ اور ان مذکورہ حضرات کی حیات کے لیے قرآن شریف میں کوئی صراحت نہیں۔ علامہ مجیب نے حضرت مسیح کی حیات کو حیات آدم کے مماثل قرار دینے کے بعد قرآن شریف کی ایک آیت کا حصہ بھی نقل فرمایا یعنی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" حالانکہ اسکے بعد کا ٹکڑا "خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" وجہ مماثلت کو صاف بتا رہا ہے کہ یہ مماثلت خلقت من التراب اور "کن فیکون" کے بارے میں ہے۔ حیات کا اس آیت میں ذکر ہی نہیں اور اگر مماثلت کو خلقت من التراب اور "کن فیکون" کے بارے میں منحصر نہ کہا جائے تو پھر اسی حصہ آیت سے اسکا بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بغیر ماں باپ کے اسی طرح عدم محض سے ہوگا جس طرح آدم کا وجود عدم محض کے بعد ہوا تھا کیونکہ آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے وجود عیسیٰ علیہ السلام میں ماں کا ذریعہ موجود تھا جس سے مماثلت آدم پوری نہ تھی اس لیے اب مماثلت آدم کو ظاہر کرنے کے لیے باری تعالیٰ آخر زمانہ میں بالکل آدم کی طرح حضرت مسیح کو بغیر ماں اور باپ کے کتم عدم سے وجود میں لائے گا جس طرح آدم کو بغیر ماں باپ کے کتم عدم سے وجود میں لایا تھا جس سے لازم آتا ہے کہ مسیح اپنے آخری زمانہ میں وجود کے پہلے کتم عدم میں ہوں پھر حیات مسیح علیہ السلام کے مسئلہ کا کیا حشر ہوگا؟ کیا علامہ مجیب کی اس آیت کو استدلال میں پیش کرتے دیکھکر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ علامہ مجیب بھی قادیانیوں کی صف میں آگئے؟ ابھی تک تو نزول عیسیٰ علیہ السلام کی قطعیت پر زور دے دے کر قادیانی تحریک کو ہوا دی جا رہی تھی۔ اب اس طرز استدلال سے تو کھلے بندوں قادیانی صف میں نمود ہوتی جاتی ہے (میں ان آخری کلمات کے لیے جو بیساختہ میرے قلم سے نکل مجیب سے معافی چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ مجھکو ان کلمات کے ادا کرنے میں معذور رکھیں گے) جبکہ علامہ مجیب میرے مضمون کے جواب کے سلسلہ میں متعدد جگہ قادیانیوں کا بلا وجہ تذکرہ نکال کر میری دلشکنی کا باعث بن چکے ہیں اسی لیے مجھے اس امر کے بتلانے کی ضرورت ہوئی کہ مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت سے انکار تو قادیانی تحریک کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتا ہے مگر مسیح علیہ السلام کی حیات کا حیات آدم کی طرح قرار دینا اور اسکا ان مثل عیسیٰ الخ سے ثبوت، قادیانی تحریک کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے تو اب فیصلہ ناظرین کے ذمہ ہے کہ وہ مجرم کا پتہ چلائیں۔ کسی متقدر عالم کی شان سے یہ کسقدر بعید ہے کہ اپنی راے کے مخالف کو مطعون کرکے اپنی بات منوانے۔ میرا شمار صف علماء میں نہیں ہے اس لیے میرے لیے اتنا یہ امر نازیبا نہیں جتنا ان حضرات اہل علم کے لیے جنکی تقریروں اور تحریروں کی تقلید کی جاتی ہے۔ میں حیات مسیح کا منکر نہیں صرف مسئلہ کی قطعیت کا منکر ہوں اور قادیانی سرے سے حیات مسیح ہی کے منکر ہیں۔ میں نزول مسیح کی قطعیت کا منکر ہوں، قادیانیوں کی ساری تحریک کا دارومدار ان ہی احادیث پر ہے کہ جن میں وجود مسیح فی آخر الزمان کا ذکر ہے۔ اگر وہ قطعی نہ ہوں تو قادیانی دعوے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

پھر میرے مضامین کے جواب میں قادیانیوں کا بار بار ذکر بلا وجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اسے صاف ہونا چاہیے اس میں اس سے کیا بحث کہ اس سے کسی فرقہ کی تائید

ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر بات صحیح ہے تو آئندہ میں کیا مضائقہ۔ کیا محض دوسرے فرقہ کو زک دینے کی خاطر ہم غلط باتوں کے قائل ہو جائیں۔ اسکے اس سلسلہ میں نہ میرے لیے مناسب ہے اور نہ کسی دوسرے کے لیے ایک دوسرے کو محض ملعون کرنے کے لیے قادیانیوں کا ذکر کرے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ علامہ مجیب نے خواہ مخواہ قادیانیوں کو متوجہ کر دینے کا سامان کر دیا۔ اب خدا معلوم وہ ان تحریرات سے کتنے ناجائز فائدے اُٹھائیں۔ جسکی بالواسطہ ابتدائی ذمہ داری بہرحال میرے سر نہیں۔ اللھم اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا۔ یہ احقر تو حیران ہے کہ علامۂ مجیب نے حیات مسیح کو حیات آدم کے مانند قرار دیتے ہوئے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم کا ذکر کیسے کر دیا۔ اگر اقتباس سے تو کس قدر خطرناک اقتباس۔ میرے ذکر کردہ دو امروں میں سے صرف ایک ہی امر کے متعلق علامہ مجیب نے کچھ لکھنا مناسب سمجھا جسکا ذکر ابھی ہوا۔ دوسرے امر کے بارے میں جسکا تعلق قرآن شریف کی آیتوں سے تھا علامہ مجیب نے خاموشی اختیار فرمائی۔ کیا یہ احقر اس سے یہ خیال نہ قائم کرے کہ علامہ مجیب کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔

میرا جو حصۂ مضمون بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا اُس میں میں نے "خروج مہدی اعظم" کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے وجود کا (نہ کہ تواتر کا جیسا کہ علامہ مجیب نے تحریر فرما دیا) انکار کیا تھا اور مبصر صاحب نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ ہونے کو جو تحریر کر دیا تھا اُس پر میں نے تعجب کا اظہار کیا تھا۔ اُسکے جواب میں اپنے مذکورہ بیان کا (جس پاسرا تبصرہ اور پیراگراف) حوالہ دیتے ہوئے علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں: "اُسکا جواب بھی اس تحریر میں مختصراً آ چکا ہے"۔ اس احقر نے اول سے لیکر آخر تک علامہ مجیب کے مذکورہ بیان کو (جسکی جانب الفاظ "اس تحریر" اشارہ تھا) متعدد دفعہ پڑھا، لیکن افسوس کہ مجھے اشارۃً بھی اس پورے مضمون میں خروج مہدی اعظم کے متعلق کوئی ایک حدیث متواتر بھی نظر نہ آئی، چہ جائیکہ احادیث متواترہ، میں حیران ہوں کہ "اس تحریر" کی کس عبارت کو مختصر جواب سمجھوں، کیونکہ جو کچھ "اس تحریر" میں ہے وہ علماء کے اقوال ہیں۔ سوائے ایک حدیث کے (جسے ابوبکر الاسکاف نے روایت کیا ہے) سرے سے کوئی حدیث بھی منقول نہیں۔ چہ جائیکہ متواتر حدیث اور ابوبکر الاسکاف والی حدیث کے متعلق تقسیم دعوے کیا جا سکتا ہے کہ وہ متواتر حدیث تو کیا حدیث مشہور بھی نہیں۔ اور لطف یہ کہ اُس میں سرے سے "خروج مہدی" کا ذکر ہی نہیں چہ جائیکہ "خروج مہدی اعظم"۔ اُس حدیث کا ٹکڑا یہ ہے "من کذب بالمہدی فقد کفر" کیا "تکذیب بالمہدی" "تکذیب بخروج المہدی الاعظم" کے مرادف ہے یا اول ثانی کو متضمن ہے یا اول ثانی کو مستلزم ہے؟ کیا مہدی کے دعوے مہدویت کی تکذیب "تکذیب بالمہدی" نہیں خواہ وہ کسی زمانہ کا مہدی ہو، ورنہ یہ البعث "مہدی اعظم" ہے جس کے

آخری زمانہ میں خروج کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہونے کا دعوے کیا گیا تھا۔ البتہ اگر بصورت ذکر مانا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ ثانی اول کو مستلزم ہو اور یہ ظاہر ہے کہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب اس حدیث کے ساتھ اُس دوسری حدیث کا بھی لحاظ کر لیا جائے جس میں خروج مہدی اعظم" کا ذکر ہو جسکا ذکر اس حدیث کے ساتھ کیا نہیں گیا۔ رہا یہ کہ آیا علماء نے اسکے متعلق احادیث متواترہ ہونا لکھا ہے یا نہیں اس سے میرے ضمیمۂ مذکورہ میں کوئی بحث تھی ہی نہیں، میں نے تو عرض یہ کیا تھا کہ اسکے متعلق میں نے کوئی حدیث متواتر اب تک نہ دیکھی نہ کسی سے سُنی۔ اسکا جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ اسکے متعلق کوئی حدیث صحیح متواتر دکھائی جاتی اور بتائی جاتی۔ ایسی کسی صحیح متواتر حدیث کا نہ تو صراحتہً اور لفظی علامۂ مجیب کے مضمون میں ذکر ہے اور نہ معنیٰ۔ ایں طور کہ ایسی حدیث کا ترجمہ کر دیا جاتا یا اس حدیث کی جس جس نے تخریج کی ہوتی اسکا حوالہ دیا جاتا۔ رہے اسکے متعلق بعض علماء کے اقوال وہ اگرچہ اس ضمیمہ کی حد تک بالکل غیر متعلق ہیں اسکے متعلق اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔

ضمیمہ میں میں نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث متواترہ کے وجود کا انکار کیا تھا، اُسکے جواب میں علامہ مجیب نے جس مختصر جواب کی جانب اشارہ کیا تھا اُسکا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے اسکے تفصیلی جواب کے لیے علامہ مجیب نے چند کتابوں کا نام لکھ کر اُنکے مطالعہ کرنے کی اور اپنی ایک غیر مطبوعہ کتاب العطر الوردی کی طباعت کے انتظار کی ہدایت فرمائی ہے۔ علامہ مجیب کو یہ سنکر مسرت حاصل ہوگی کہ برزنجی کی کتاب کے علاوہ دوسری مذکورہ کتب کے مطالعہ کے متعلق اُنکی ہدایت پر پہلے ہی عملدرآمد ہو چکا ہے لیکن میں اپنی کم سوادی کو کیا کہوں کہ ان کتابوں میں "خروج مہدی اعظم فی آخر الزمان" کے متعلق مجھے کوئی حدیث متواتر نظر نہ آئی چہ جائیکہ احادیث متواترہ۔ اگر واقعی اس بارے میں ان کتابوں میں کوئی متواتر حدیث ہے تو علامۂ مجیب سے درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اُس حدیث کو منظر عام پر لے آئیں کہ ہم ایسے بے سواد اشخاص بھی اُس سے فیضیاب ہو سکیں اور اگر نہیں ہے تو اس سے مطلع فرمائیں کہ ضمیمہ والے حصۂ مضمون کے متعلق تفصیلی جواب کے لیے اُن کتابوں کے مطالعہ کی کیوں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ برزنجی کی کتاب سردست میرے پاس نہیں ہے مگر جن لوگوں نے اُسکا مطالعہ کیا ہے اُن میں سے بعض ثقہ اشخاص سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس میں بھی "خروج مہدی اعظم" کے بارے میں احادیث صحیحہ متواترہ تو ایک طرف اسکے بارے میں کوئی ایک صحیح متواتر حدیث بھی نہیں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم اس کتاب کی جو عبارت علامہ مجیب نے اپنے اس مضمون میں نقل کی ہے (جسکا ذکر ناظرین کے ساتھ اوپر ہو چکا ہے) اُسکے دیکھ لینے کے بعد تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ کتاب کا ایک حرف بھی پڑھوں مگر علامہ مجیب کی ہدایت کی بنا پر بادل ناخواستہ انشاء اللہ اسکا مطالعہ کرونگا

(بقیہ صفحہ ۵)

تھا کہ اچھی روحوں کو لینے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، اور یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے، انھی معلومات نے متخیلات کا لباس اختیار کر کے انکے سامنے واقعہ کی شکل اختیار کر لی۔ ورنہ یہ جو کچھ تھا صرف ان تک کے واقع کا ایک اضطراری عمل تھا۔ زیادہ سے زیادہ فلسفہ اگر گھس رہا ہے تو بھی اسی قسم کی باتیں کہی جا سکتی ہیں)

لیکن آخر یہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ مرنے والی کی زندگی سب کے سامنے تھی، ایمان کی زندگی تھی، صدق و اخلاص کی زندگی تھی، وہی زندگی تھی جسکے متعلق قرآن میں اطلاع دیگئی ہے، کہ سلام کہتے ہوئے "ملائکہ اس قسم کی زندگی رکھنے والوں کو خوشبوے عالم کی ہر جنت کی بشارت دیتے ہوے جاتے ہیں) اس عزیزہ نے بھی آخر کیا۔ کیا؟ ملائکہ کو دیکھا اور قرآن بھی یہی دکھا رہا ہے جانے والی مرحومہ کو پاکیزہ ومات اپنے اور مستقر حال ہی دیکھا "طیبین" کے لفظ سے قرآن نے بھی یہی دکھانا چاہا ہے ایسے حالات کا مشاہدہ کیا جس سے امید قائم ہوتی ہے کہ جس نے ساری زندگی خدا کی مرضی سے قریب رہنے کی کوشش میں گزاری اسے ابھی راضی ہو گیا۔ تو میں نہیں جانتا کہ خود وہ اور دیکھتے گیا۔ رہ گئی یہ بات کہ اس قسم کے احتضاری مکاشفات مرنے والے کے سوا عموماً دوسروں کو جو اسکے پاس موجود رہتے ہیں، چونکہ نہیں ہوتے، اس لیے اس شک پیدا اگر تا دیکھا کہ انکے سوا دوسروں کو یہ چیزیں کیوں نہ محسوس ہوں کم از کم میرے خیال میں تو یہ صرف شک ہی شک ہے۔ ایک میں ایسے بیسیوں واقعات منصوص ہیں نے ہیں جن سے اس شک کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ خندق کے پتھر پر ضرب لگاتے ہوے جب ایک غیبی روشنی چمکی، جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدائن اور روم صنعاء کی عمارتیں نظر آگئی تھیں، پیغمبر سے متجاوز ہو کر اس مکاشفہ کا اثر حضرت سلمان فارسی پر بھی پڑا، دریافت کرنے پر ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا سلمان تم نے بھی یہی دیکھا؟ جواب میں ہاں کہا گیا، اور اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جو کچھ اس روشنی میں نظر آیا تھا اسکی تفصیل فرمائی۔ اور یہی کیا ولادت باسعادت کے وقت جن مکاشفات کا ذکر عام میلاد کی کتابوں میں کیا جا رہا ہے، جن میں بعض چیزیں روایۃً بھی بہت قوی ہیں، ان میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ سب کو نظر نہیں آیا۔ حضرت آمنہ کے سامنے واقعات گذر رہے تھے، اور کبھی کبھی ان واقعات کی ہلکی سی جھلک ان عورتوں کو بھی محسوس ہوئی، جو زچہ خانے میں اس وقت موجود تھیں۔ اور میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن ہی میں کیا یہ نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام "اِنّی لَاَجِدُ رِیحَ یُوسُفَ" کے مکاشفے سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ فلسطین میں پیراہن یوسف کی بو مصر سے پہونچ جاتی ہے لیکن یعقوب کے اردگرد بنی زادوں کی جو جماعت تھی وہ اسی مکاشفہ سے اس درجہ بیگانہ تھے کہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کو لولا ان تفندون (مجھے سٹھیایا نہ ٹھہراؤ) کہنا پڑا۔ میرے نزدیک تو اس عزیز صالح کو بھی لولا ان تفندون کہتے ہوے جو کچھ وہ پا رہی تھی اسے ظاہر کرنا چاہیے۔ (باقی)

خاندان غالب کی ایک خاتون

دہلی - ۱۹ - مئی - جنابہ نواب معظم زمانی بیگم صاحبہ عرف بنھی بیگم جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب نیر درخشاں مرحوم جاگیردار لوہارو کی صاحبزادی اور جناب نواب زین العابدین خاں صاحب عارف مرحوم (جو مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم کے متبنّی فرزند تھے) کی بہو نے بعمر صد سال بتاریخ ۱۹ ارسی بروز شنبہ ۷ بجے شام کو رحلت فرمائی۔ جنابہ خاندان لوہارو کے قبرستان واقع مہرولی میں رات کو ایک بجے دفن کی گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(منشور)

(بقیہ صفحہ ۴)

عارفانہ حق معرفت مقام انبیاء تک کا ترجمان ہے۔ ہر بلندی کے بعد ایک بلند تر مقام کی تمنا اور تڑپ۔ اکبر الہ آبادی کا شعر بہت پُر معنی ہے ؎

حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں
جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

تسکین قلب و سکون خاطر کی راہ صرف ایک ہے، احکام شریعت کا اتباع حتی الامکان تک۔ جوں جوں یہ عادت راسخ ہوتی جائے گی، طبیعت مزاج شریعت کے سانچہ میں ڈھلتی جائیگی۔ اور بڑی حد تک دنیا ہی میں جنت کی فضا محسوس ہوتی جائیگی۔

(اور جو) سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
[illegible] کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس- گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ: سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ [illegible]
(ٹیلیفون نمبر ۱۲۹۱)

صدق

نمبر ۷	شنبہ- ۳۰ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲ جون ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

گاندھی جی کی اہلیہ محترمہ کی یادگار میں جو کستوربا فنڈ قائم ہوا ہے، کون پڑھا لکھا اس سے ناواقف ہے؟ رقم ایک کروڑ کی جمع کی جانی تھی اور ہے، ایک کروڑ! اس فنڈ کا اعلان [illegible] ایک لاکھ کی رقم (بیزان کا بڑا) تنہا ایک ذات کا ہے، باقی ۹۹ لاکھ میں ہندوستان کے شمال و

جنوب، مشرق و مغرب کے چھوٹے بڑے ہزارہا ہزار شخص شریک ہیں، یہ ایک ذات فہرست چندہ میں نمبر اول پر آپ سمجھے کس کی ہے؟ کسی ڈاکٹر کی، انجینیر کی، تاجر کی، بیرسٹر کی، ساہوکار کی نہیں، [illegible] (صوبہ مدراس) کی ایک مشہور گانے (گانے بجانے والی پیشہ ور عورت) کی! — مسلمانوں کے سوا اور کون قوم ہے، جسکے ہاں آمدنی کے جواز و عدم جواز، پاک اور ناپاک ہونے پر اتنی چھان بین ہوتی ہے؟ اور اکل حلال کے لیے موشگافیاں کیجاتی ہیں؟ — یاں تو سرفہرست یہ مدراسی مغنیہ ہے۔ کلکتہ اور بمبئی اور دہلی و [illegible] سب [illegible] کے قدردان موجود تھے، مدراس ہی کے علاقہ میں اسکے مجرے [illegible] ہوتے کہیں ۱۰ ہزار کے لے، کہیں ۲۰ ہزار، کہیں ۳۰ ہزار، اور یہ سب رقم اپنی اٹھاکر کستورباجی کے میموریل فنڈ میں دیدی — تخلیف بہادر ہو گئی!

بمبئی کا مشہور نیشنلسٹ انگریزی ہفتہ وار کرانیکل (سنڈے ایڈیشن، ۱۳ [illegible]) اٹھاکر دیکھیے، پورے پانچ کالم کے ذرہ تصویر کے اور جلی عنوانات کے ساتھ، ان محترمہ کے ذکر خیر اور مدح وثنا سے لبریز ہیں! انکے گلے کی کمالات فن کی، فنی کارناموں کی، ایک ایک

تفصیل درج ہے اور پوری داد انکے [illegible] ایثار اور قوم پروری کی! کہ اتنی بڑی رقم اٹھاکر اس قومی فنڈ میں دیدی! — کرانیکل کے ایڈیٹر ایک مسلمان ہیں، اور پرچہ جس طرح ہندوؤں کا مقبول ہے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بھی۔ اور یہ مضمون خدا معلوم ہمارے کتنے بھائیوں [illegible] کی نظر سے گزرا ہوگا! انکے دلوں سے گانے بجانے کی بے وقعتی اور بلکہ کراہت ہوگی! انکے دماغوں میں اس پیشہ کی رفعت و عظمت اور بٹھادی ہوگی! — گانے بجانے کو بجز اللہ کے سچے دین اور سچی شریعت اسلام کے اور حرام کس نے قرار دیا ہے؟ جاہلی مذہبوں میں تو یہ فسق نہیں، عین عبادت ہے۔ ہندو تہذیب، فرنگی تہذیب، غرض کل جاہلی تہذیبیں تو [illegible] اسکی ترویج، ترغیب، تشویق اپنے پروگرام میں داخل کیے ہوئے ہیں! آہ مسلمان تجھے کن کن محاذوں پر جنگ کرنا ہے! ایک ایک کالج، ایک ایک یونیورسٹی ایک [illegible] ایک ایک [illegible] بینک، [illegible] انشورنس [illegible] ہر ہر کلب، اور کہنا چاہیے کہ [illegible] سارے پریس، [illegible] اور سارے کے سارے ریڈیو تجھ پر [illegible] کائنات کا زمین وآسمان سب مل کر تجھے [illegible] کررہے ہیں!

ملحد کی بے بصری

ایک موجودہ [illegible]

ہستی باری پر واضح دلیل کیا ہے۔ مصنوعات سے صانع پر استدلال کیا جس طرح [illegible] سے [illegible] وجود پر لیا جاتا ہے اگر یہی ہے، تو اس پر منطقیوں نے یہ نقض وارد کیا ہے [illegible] الموثر دلیل ابو مستغنی عن الموثر فهو قدیم فالعالم قدیم [illegible]

وہ محتاج نہیں اور جو محتاج نہیں وہ قدیم ہے، بس عالم قدیم ہے۔ موثر کا استغنا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ موثر جس پر اثر ڈال رہا ہے وہ چیز موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو نیست محض پر اثر ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے۔ محسوسات ومشاہدات عالم سے اسکی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کہ گھڑی کے پرزے کیل کانٹے کچھ نہ ہوں اور کوئی اثر ہو پیدا ان کر جا دے۔ اور اگر کہیں کہ وہ چیز موجود تھی تو پھر اثر کا ڈالنا وجود شے کے لیے تھا اور وجود شے موجود ہے پس تحصیل حاصل لازم آئیگا۔ اور وہ محال ہے۔ پس موثر سے استغنا ہر شق پر ظاہر ہے۔ یہ تقریر تو متن میں بجنسہٖ موجود ہے۔ اسکے معقولے گھبرانے کی خرابیاں واضح کی جائیں :

جس طرح ہمارے ہاں شاعروں کو اجازت مل گئی ہے کہ خیالی مضامین میں جتنے بھی جا ہیں، جس قدر حقائق سے جتنا ہٹ کر محض دماغ سے تراش تراش کر باندھیں اس "دروغ بے فروغ" پر انہیں داد ہی ملتی رہیگی۔ اسی طرح جاہلی یونان میں "فلاسفہ" اور ان بلس نہاد "حکما" کو یہ آزادی رہی ہے کہ عقل کو کج روی میں جتنی چاہیں ڈھیل دیتے جائیں، اور واقعیت وحقیقت سے ہٹ کر جتنا بھی چاہیں اکاذیب وکج بحثی میں ٹھوکریں کھاتے رہیں، خطۂ یونان اس باب میں سب سے پیش پیش رہا ہے۔ اسکے بہترین فلسفی وہی ہیں، جو غلط اندیشی اور پریشان خیالی کے استاد تھے۔ صرف ایک آدھ نظیر ان عقلمندوں کے عقلی کمالات کی سن لیجیے :-

(۱) کسی شے میں حرکت کے معنی اسکے انتقال مکان کے ہیں لیکن یہ انتقال مکان ممکن کیونکر ہے؟ اگر حرکت ٹھیک وہیں ہو رہی ہے، جہاں وہ شے پہلے سے موجود تھی، تو حرکت ہی کیسے ہوئی؟ انتقال مقام کا اطلاق ہی اس پر کیسے ہوگا؟ اور اگر کہیں اور ہو رہی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں اس شے کا وجود نہیں، تو بغیر وجود کے وجود کے معنی ہی کچھ نہیں۔ اس لیے دونوں شقوں پر حرکت کا نفس وجود ہی باطل ہے!

(۲) حرکت سکون کی ٹھیک نقیض ہے۔ لیکن اگر کوئی شے حرکت میں ہے، تو اسکے معنی یہ ہیں کہ وقت کے فلاں لمحہ میں وہ چیز کے فلاں مقام میں ساکن ہے، اور حرکت انھیں سکونی نقطوں کے تسلسل کا نام ہے، لیکن حرکت اور سکون باہم نقیض ہیں۔ اور کسی شے کا اپنے نقیض کے اجزا سے مرکب ہونا محال ہے۔ اس لیے کوئی شے کسی حال میں متحرک ہو ہی نہیں سکتی!

افلاس دماغی اور تہی مغزی کے اس قسم کے مضحک مظاہروں کا نام ان دانشمندوں کی اصطلاح میں "فلسفہ" تھا، "الٰہیات" تھا۔ اس دین ودماغ والوں نے اگر وجود باری کو بھی اپنی افراط عقل کا تختۂ مشق بنا لیا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ افسوس اُن مسلمانوں پر ہے، جنھوں نے "یونان" کے نام سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ ان خرافات کو اپنے ہاں فخر و فضلی کے ساتھ نقل کر دیا، اور حماقت کا نام حکمت ٹھہرا دیا! ——— وہی مسلمان بیچارہ جو آج فرنگیت کے سحر سامری سے اسی طرح مرعوب ہے۔

اس استدلال کا مغالطہ بالکل واضح ہے، اور ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے تو ہر سننے والے کو بجائے یقین کے، ہنسی آجائے۔ یونانی بیچارہ دلیل وجود باری کے خلاف نہیں بلکہ وجود ہستی کے خلاف لا رہا ہے۔ وہ موثر یا علت فاعلی کی نفی عالم یا موجودہ کائنات سے نہیں، بلکہ ما فی العالم، یعنی کائنات کے ہر ہر جزو اور ہر ہر شے سے کر رہا ہے! وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ معلول یا تو نیست ہوگا یا ہست۔ اور علت کا تعلق ان دونوں شقوں میں باطل ہے! گویا عالم میں نہ کوئی سبب ہے نہ کوئی نتیجہ! نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا! نہ کوئی تخم نہ کوئی درخت! نہ کوئی آفتاب اور اسکی روشنی، نہ کوئی رات اور اسکی تاریکی! سلسلۂ اسباب کا وجود ہی سرے سے باطل! ——— باطل پر ایسی جسارت بجز ایک یونانی کے اور کون دماغ کر سکتا ہے!

یونانی کی اصل دلیل کا مغز یا ماحصل اسی قدر ہے! قانون علیت یا سببیت سے انکار۔ اسکا انطباق جب کائنات اور اسکے خالق پر کیا جائیگا، تو سامنا دوہرے مغالطہ کا کرنا ہوگا۔ حادث کے تجربات ومشاہدات کا آخر کس قاعدہ سے قدیم پر اطلاق ہوگا؟ قدیم کا وجود ہے بھی یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہرحال یہاں گفتگو تو قدیم ہی کی صفت اور فاعلیت پر ہے۔ قدیم کی اس صفت فاعلیت سے، اس بنا پر انکار، کہ اس صفت کا مشاہدہ حادث میں نہیں ہوتا، اگر صاف قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے؟

گھڑی اور گھڑی سازی کی مثال خصوصیت کے ساتھ بے محل ہے۔ گھڑی ساز بیچارے سے متعلق کب کسی نے دعوائے صنعت گری سے زیادہ کیا ہے؟ کب کسی نے قوت ایجاد، تخلیق، ابداع کو اس کی جانب منسوب کیا ہے؟ جب گفتگو ان صفات رکھنے والی ہستی پر ہو رہی ہے، تو نظیر ان صفات سے محروم پر لانا عقل پر کیسا ظلم کرنا ہے؟

حادث کے تجربات سے جو دشواریاں پڑتی ہیں، اور ہر مسئلہ ایک نہ سلجھنے والی گتھی بنتا ہے، اسی کے حل کرنے ہی کے لیے ایک واجب الوجود کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے، جس میں تمام وہ صفات کمالیہ جمع ہوں، جو قدیم کے شایان شان ہیں۔ قدیم کے وجود کو مان کر پھر اس کی صفات کو حادث پر قیاس کرنا عقل سلیم کی شریعت میں وہ جرم کبیرہ ہے، جسکا مرتکب یونان ہی کا دماغ ہو سکتا ہے ——— وہی خطہ جہاں کے اعلم الناس ارسطو علیہ ما علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا ہے تو ضرور، لیکن اسکے قوائے اور قدرتیں محدود ومتناہی ہیں!

ایک ولی کے ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے

کچھ ملفوظات رسالہ الفرقان (بریلی) کے تازہ نمبر میں شایع ہوئے ہیں، ایک آدھ ملفوظ ان ہی سے نقل ہیں۔ سارے ملفوظات اس قابل ہیں کہ اول سے آخر تک پڑھے جائیں:—

(۱) ایک صحبت میں فرمایا۔ حدیث میں ہے "الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں نفس کی مرضیات اور نفسانی خواہشات پورا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے، اس سے یہ دنیا آدمی کے لیے "جنت" بن جاتی ہے اگر ہم نفس کی مخالفت اور احکام الٰہی کی اطاعت کے لیے بھیجے گئے ہیں، جس سے یہ دنیا مومن کے لیے "سجن" (جیلخانہ) ہی بن جاتی ہے۔ پس اگر ہم بھی کفار کی طرح نفس کی حمایت و موافقت کرکے دنیا کو اپنے لیے جنت بنائیں گے تو ہم جنت کفار کے ناصب ہونگے، اور اس صورت میں نصرت حق غاصب کے ساتھ نہ ہوگی، بلکہ مغضوب کے ساتھ ہوگی۔ فرمایا اس میں اچھی طرح غور کرو۔"

حدیث نبوی کی واقعی یہ بہترین اور نہایت دل نشین شرح ہے۔ کاش "روشن خیالی" کو ان حکمتوں کے سمجھنے، پرکھنے اور انکی قدر کرنے کی توفیق ہوتی! —— سطحیت اور بے مغزی کا نام وقت کی اصطلاح میں "روشن خیالی" پڑ گیا ہے!

(۲) ایک بار فرمایا۔ من لا یرحم لا یرحم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ مگر افسوس لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ کرنے والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔ اس لیے انکو اس شخص پر تو رحم آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا۔ گویا دنیا کے نقصان کو تو نقصان سمجھا جاتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا۔ پھر ہم پر اس کا الزام کیوں رحم کرتے۔ جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں۔ فرمایا: ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے۔ اس لیے یہ کام شفقت اور رحم کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر مبلغ اس لیے تبلیغ کر رہا ہے کہ اسکو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا درد ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دیگا۔ لیکن اگر یہ منشا نہیں، کچھ اور منشا ہے، تو پھر کبر و عجب میں مبتلا ہوگا، جس سے نفع کی امید نہیں۔"

مولانا کے مرتبۂ ولایت کو بہت کم لوگوں نے پہچانا۔ اور حق یہ ہے کہ سادہ صورت کا حجاب بہت سخت حجاب ہوتا ہے۔

برلن کے نیچے برلن

"ماسکو۔ ۱۵ مئی۔ روسی فوج والوں نے آخر کار ایک پورے زمین دوز شہر کو دریافت کر لیا ہے جو برلن کے نیچے آباد تھا۔ اس میں باقاعدہ سڑکیں، محلے، مکانات، کارخانے، موٹر خانے، سامان رسد کے ذخیرے، اور رستہ کی ایک پیچ پیچ بھول بھلیاں سب ہی کچھ تھا۔ یہ زیر زمین شہر خود برلن والوں کی نظر سے مخفی رکھا گیا تھا۔ اور اہتمام اخفا کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دروازوں پر جو سنتری یا پہرہ دار تعینات رہتے تھے، انھیں دروازہ سے آگے کسی بات کا علم نہیں ہونے پاتا تھا۔ بڑے بڑے افسروں کو بھی علم ایک محدود حصہ کا رہتا تھا۔ پناہ گاہوں کے سلسلہ میں گوئرنگ اور گوبلز کی زیر زمین پناہ گاہوں کا بھی پتہ لگ گیا ہے۔ یہ پناہ گاہیں بم پروف تھیں۔ انکی چھتوں پر کنکریٹ اور فولاد کا استر تھا۔ جس پر دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بم اثر نہیں کر سکتا تھا۔ گوبلز کی پناہ گاہ سطح زمین سے ۶۰ فٹ نیچے تھی۔ برلن کے آخری محاصرہ میں گوبلز یہیں اپنے اسٹاف اور اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ اور یہیں سے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جرمن قوم کی ہمت بندھانے والے اور جوش دلانے والے نشریے وہ آخر تک براڈکاسٹ کرتا رہا۔ یہ پناہ گاہیں جنگ سے پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں اور لوگوں نے ان عمارتوں میں رہنا ۱۹۴۳ء ہی سے شروع کر دیا تھا۔" (رویٹر)

انسان ذہین و طباع، اپنی حکمت و تدبیر اور ایجادات و اختراعات پر نازاں انسان، موت سے بچنے کی، موت سے لڑنے کی کیسی کیسی صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے! اور جب وہ مقررہ گھڑی آ جاتی ہے، تو شکست پر شکست بھی کھاتا رہتا ہے! اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ۔ تم کہیں بھی ہو، موت تمہیں (وقت معین پر) آکر ہی رہیگی، خواہ تم بڑے بڑے مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔

کی صدا کتنی دلنواز، کتنی دل آویز صداقت اپنے اندر رکھتی ہے۔ موت آئی، اور فولاد اور کنکریٹ کی چھتوں کو توڑتی ہوئی آئی! —— بیچارہ "بم پروف" ایجاد کرنے گیا، "موت پروف" ایجاد نہ کر سکا!

خریداران صدق کی خدمت میں

حسب ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ماہ جون ۱۹۴۵ء کے اندر اندر تمام ہو رہی ہے بعض کو وسط ماہ کے قریب وی۔پی روانہ ہونگے اور بعض کو آخر ماہ کے قریب۔ اگر وی پی مطلوب نہیں ہے تو چندہ بذریعہ منی آرڈر وقت سے پہلے پہلے بھیج دیا جائے کہ اس میں دفتر کی بچت بھی ہے۔

(۱) جنکی میعاد وسط ماہ کے لگ بھگ تمام ہو رہی ہے:—

خریدار نمبر ۱۱۰ و ۱۱۳ و ۱۲۷ و ۲۴۲

و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۶۵ و ۲۳۱

و ۵۲۰ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۸

و ۱۰۱۱ و ۱۰۲۸ و ۱۲۴۹ و ۱۲۵۱

و ۱۲۵۱ و ۱۲۵۸ و ۱۲۷۲ و ۱۳۷۳

و ۳۷۸ و ۱۳۷۷ و ۱۳۷۸ و ۱۳۷۹

و ۱۳۸۰ و ۱۳۸۷ و ۱۳۸۸ — ۱۳۸۹

و ۱۳۹۰ و ۱۳۹۹ و ۱۲۰۳ و ۸۱۱ و ۸۰۵

و ۸۰۳

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱

(از عبد الماجد)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵

البتہ امام مالکؒ کا اصول چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سور کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔

قال مالک انہ طاہر وکذالک کل حیوان عندہ لان علۃ الطہارۃ عندہ ہی الحیاۃ (ابن العربی)

سور کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اُس کے بالوں سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسکا یہ ذکر ہے

لا خلاف ان جملۃ الخنزیر محرمۃ الا الشعر فانہ یجوز الخرازۃ بہ وقد روی ان رجلا سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخرازۃ بشعر الخنزیر فقال لا باس بذالک (قرطبی)

امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ دونوں سور کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسفؒ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔

وقد اختلف الفقہاء فی جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابو حنیفۃ ومحمد یجوز الانتفاع بہ للخرز وقال الشافعی لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص)

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اسکی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ خنز (الشئی زندہ چیز گندی ہوگئی) سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً PIG و SWINE و HOG یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں، مثلاً PORK و HAM BACON ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔

اور اسکے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس ہی سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔

آج "مسیحی" قومیں جس ذوق و شوق سے گندہ گوشت تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اسکی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اسکی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے

پیمانہ پر جا بجا کیے ہوئے ہیں، اسے دیکھکر تو قیاس ہی یہ ہوتا ہے کہ اہت کیسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اسکی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

"اور سور، کہ کھر اسکا دو حصہ ہوتا ہے اور اسکا پاؤں چرا ہے، پہ وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے" (احبار ۱۱:۷)

"اور سور بھی نہ اس کے کھر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا، اور بھی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم اسکا گوشت نہ کھائیو نہ اُنکی لاش کو ہاتھ لگائیو" (استثناء ۱۴:۸)

و ما اُہل لغیر اللہ بہ ۔ اہلال کے اصل معنی آواز بلند کرنے پکار کر دینے، شہرت دینے کے ہیں۔

ہو رفع الصوت عند رؤیۃ الہلال ثم استعمل لکل صوت (راغب)

الاہلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بطریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کرلی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اسکے ذبح کے وقت بسم اللہ ہی پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آجاتی ہیں۔

ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اہل بہا لغیر اللہ عند الذبح (جصاص)

در حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ ذبح جانور بتقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نکرد۔ (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہونگے اور ہماری کارروائی کر دینگے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اس نیت سے بکرا، مرغا، وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کرلے پھر حلال ہو جاتا ہے۔ (تھانوی)

بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا سردار کے آنے پر بہ طور بھینٹ کے ذبح کریگا، تو بھی وہ حرام ہو جائیگا اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اہل بہ لغیر اللہ ولو اصلیۃ ذکر اسم اللہ تعالیٰ (در مختار)

بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہدیا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کریگا، تو مرتد ہو جائیگا، اور اسکا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائیگا۔

قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب

اختصاری مکاشفات

(نمبر ۲)

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

(بہ سلسلہ صدق [illegible])

[illegible] لوگوں کے نزدیک مومن و کافر کی موت میں کوئی فرق نہیں ہے وہ بھی اسی خیال میں ہیں، اسی طرح مرجاتا ہے جس طرح چوپایہ اور کیڑے مکوڑے مرجاتے ہیں، تو ان کی گفتگو فضول ہے۔ اسلئے اصل سوال یہ ہے کہ انسان کی [illegible] ذائقہ کو پیدا کرے۔ اسکو تو وہ مان سکتے ہیں لیکن [illegible] کا مزا پیدا کرے یہ بات انکی سمجھ میں نہیں آتی تو ظاہر ہے کہ پھر وہ [illegible] سمجھ نہیں سکتے۔ [illegible] دیکھنے والے [illegible] ان مشاہدات کو پیدا کیا [illegible] سے زیادہ تو یہ اتنا آسان ہے [illegible] دیکھنے والے کے سامنے ان چیزوں کو [illegible] پیدا کرتا ہے [illegible] انسانی [illegible] پر [illegible] کیفیت طاری ہو جاتی ہے [illegible] نوح علیہ السلام نے [illegible] جب اپنے مالک و آقا کا [illegible] انسانیت کی موجودگی [illegible] سے نکل چکا ہے تو جب [illegible] اگر [illegible] دونوں ہی سے [illegible] بھی ایسی قوتوں کا ظہور ہو سکتا ہے [illegible] کی بدولت [illegible] ہوا [illegible] ہیں سیکڑوں [illegible] اور [illegible] چیزیں سیکڑوں میل کی مسافت منٹوں میں طے کر لیتی ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر اور افسوس ہے ان آنکھوں کے لیے جو پانی اور بھاپ بجلی اور پٹرول کی ان قوتوں کو دیکھ کر اس حی و قیوم زندہ و توانا کی طاقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتیں جو ان سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

ہر حال برزخی اور مثالی واقعات کا ظہور عموماً اس اسفل دنیا میں کم ہوتا ہے لیکن کبھی نہیں ہوتا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک صاحب تھے جن کا پڑوسی عموماً حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا تھا۔ خواب میں ایک دن اسی شخص نے اپنے اس پڑوسی کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت عمر فاروق اسکو پکڑے ہوئے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کھڑا کر کے فرما رہے ہیں کہ دیکھیے یہ ہمیشہ مجھے برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا کہ [illegible] غصہ میں اس شخص کو پکڑا اور حضرت عمر کو خطاب کرکے فرمانے لگے کہ میں اسکو ذبح کر دیتا ہوں [illegible] خواب دیکھنے والے نے دیکھا اس پڑوسی کو حضرت علی نے ذبح کر دیا۔ خواب تھا جو گزر گیا۔ خواب دیکھنے والے کی صبح کو آنکھ جب کھلی ہے تو اپنے اسی پڑوسی کے گھر سے نالہ و فریاد کی آوازیں اسکے کان میں آنے لگیں۔ ایسا محسوس ہوا کہ اس گھر میں کوئی مر گیا ہے۔ جوار کے خیال سے یہ بیچارہ گھبرایا ہوا پہنچا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ اسکے اس پڑوسی کا رات کو اچانک انتقال ہو گیا۔ یہ سن کر ان کو اور کھٹکا۔ اس نے خیال کیا کہ شب کے خواب [illegible] ہو نہ ہو کچھ اس شخص کو ضرور تعلق ہے۔ اسکے بعد [illegible] کوشش کرکے غسل کے وقت مرنے والے کی لاش کو دیکھا۔ حافظ [illegible] نے لکھا ہے کہ اس کا بیان تھا کہ [illegible] اور حلقوم پر ایک ہلکا [illegible] سا [illegible] ہوا [illegible] ذبح کرنے کے لیے کسی نے [illegible] ان پر ظاہر کر دیا تھا۔

[illegible] الفاظ [illegible] میں نے نقل کیا ہے [illegible] کی روح کو [illegible] پیش آیا [illegible] ایک ہلکا سا اثر [illegible] محسوس ہوا جیسے [illegible] معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی یہ صورت بھی پیش آ جاتی ہے [illegible] صحیح حدیثوں میں ہے کہ برزخی عذاب [illegible] اور [illegible] نے دونوں کی چیخ پکار کو ثقلان (جن و انس) کے سوا سب سنتے ہیں [illegible] اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ [illegible] مکاشفات کا ہونا ہر شخص کے لیے ضروری نہیں [illegible] ان [illegible] کے سبب صوفی [illegible] معاملات [illegible] کی ماہیت ہے۔ آخر [illegible] سے حیوانوں کو ہوتے ہیں اگر کسی انسان کے سامنے بھی کبھی کبھی [illegible] ہو جائیں [illegible] تعجب کی کیا بات ہے۔ آپ نے عزیز [illegible] اسی اختصار [illegible] کے ساتھ ساتھ اپنی [illegible] کے جس [illegible] کا ذکر فرمایا۔ اور آپ کے گھر میں جن [illegible] سے [illegible] سرفراز ہوئی [illegible] خیال میں تو ان سب سے [illegible] ہوتی ہے کہ جو کچھ [illegible] گیا [illegible] دکھایا گیا۔ ایک زمانہ ہم مسلمانوں پر ایسا گزرا ہے کہ [illegible] اختصاری [illegible] واقعات کی تمنا توقع کی جاتی تھی۔ اور مسلمانوں کو ان کا تجربہ کرایا جاتا تھا۔ خصوصاً اکابر اولیاء اللہ میں شاید ہی کوئی بزرگ گزرا ہو، جسکے [illegible] اس قسم کے امور کا تجربہ لوگوں کو نہ ہوا ہو۔ مسلمان ان چیزوں کو [illegible] سمجھتے تھے۔ اللہ اور اسکے رسول پر غیر متزلزل اعتماد ان کو جو حاصل تھا اس نے کبھی شک کے وساوس ان میں پیدا نہ کیے۔ مجھے یاد آتا ہے آج سے چوبیس ساڑھے چوبیس سال پہلے میری والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا۔ خاکسار حیدرآباد میں تھا وفات میرے سامنے نہیں ہوئی۔ جب حیدرآباد سے گھر آیا تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ وفات سے چند دن پیشتر والدہ مرحومہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ [illegible] مجھ سے کہا کہ دنیا کے [illegible] پردے [illegible] رہی ہے۔ اسی بنیاد پر فرماتی تھیں کہ میرا آخری وقت ہے [illegible] کیا ہے۔ غیبی واقعات ہی کے ظہور کی تو یہ مختلف شکلیں ہیں۔ مگر اب زمانہ بدل گیا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے
دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

اتمام حجت

(نیاز کے نام خطوط رسالہ "ماخذ القرآن" کے سلسلہ میں)

(۱) از مولانا سید سلیمان ندوی

اعظم گڈھ ۔ ۔ ۔ رمضان المبارک [illegible]ھ

کرم نیاز ۔ [illegible] اس خیال سے متفق نہیں ہوں کہ موجودہ الحاد و دہریت کی وبا جو پھیل رہی ہے اُسکا سبب ارباب کلیسا میں یا دیا کے وہ اعتراضات ہیں جنکا جواب شافی علمائے کرام کی طرف سے نہیں دیا گیا ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی یقین ہے کہ ان ارباب کلیسا کے ہر جواب و اعتراضات کا شافی جواب مسلمانوں کی طرف سے دیا جا چکا ہے ۔ اور اگر آپ کے نزدیک وہ جوابات شافی نہیں ہیں تو تھوڑی دیر کے لیے آپ ہی "[illegible]" علمائے کرام [illegible] اور اُنکے جوابات شافی لکھ کر رہتی دنیا تک زندہ جاوید رہیں اور مسلمانوں پر احسان کر جائیں ۔

نیاز صاحب ! آخر آپ کی قلم میں زندگی تقدیس اور [illegible] بنگی

گلہ : [illegible]

[illegible] کہ چہ در سر دارد

(۲) ۔ ۔ ۔ دار المصنفین ۔ اعظم گڈھ

گرامی نامہ ملا ۔ ڈاکٹر [illegible] کی کتاب کا نام "ماخذ القرآن" آپ نے رکھا ہے یا مصنف نے ؟ یہ رسالہ SOURCES of ISLAM انگریزی میں دیکھی ہے فارسی و عربی نسخہ نہیں دیکھا ۔ اسکا جواب اُردو میں جناب [illegible] صاحب نے دیا تھا ۔ جو میرے پاس نہیں ۔ اُردو میں بھی [illegible] مشنری نے ینابیع الاسلام کے نام سے اسکو شائع کیا ہے ۔ خواجہ کمال الدین کی کتاب ینابیع المسیحیۃ اور مصری فاضل کی کتاب التطبیق بین الدیانۃ الوثنیۃ والمسیحیۃ اسی کے جواب میں ہے ۔ غالباً ملاحظہ سے گزری ہوگی ۔ اور فرض کیجئے کہ کسی نے جواب نہیں لکھا تو آپ [illegible] اسلام ہونے کی حیثیت سے اسکا انگریزی میں اور اُردو میں جواب لکھ کر شائع کر دیں تو آپ کا تحقیقی کارنامہ ہو اور مسلمانوں پر احسان بھی ہو ۔

اسکے بجائے ینابیع الاسلام کو جو اُردو میں عیسائیوں کی طرف سے شائع بھی ہو چکی ہے آپ دوبارہ "نگار" میں شائع کر کے دنیا اور آخرت میں کیا پھل پائیں گے ۔ براہ عنایت میری ان باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں ۔

(۳) از مولانا مسعود عالم ندوی

ہندو [illegible] پٹنہ ۔ ۱۱ شوال ۶۳ھ

کرمی ۔ سلام و تحیات

آپ کا مکتوب [illegible] مورخہ ۔ ۔ ۔ ۔ وقت پر مل گیا تھا مگر ان دنوں انتقال [illegible] کے باعث مصروفیت اور اکثر باہر رہا ۔ کل وطن سے واپس آیا ہوں ، اور ۳۰ اکتوبر کی صبح کو فیروزپور کا قصد ہے لکھنؤ میں دو تین دن قیام رہے گا ، عموماً ندوہ میں قیام کرتا ہوں ، اگر جناب اس باب میں گفتگو کرنا چاہیں ، تو تشریف لا سکتے ہیں ۔ عجلت اور سفر کی تیاریوں کے باعث کوئی مفصل خط لکھنے سے قاصر ہوں ۔ مختصر طور پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اعتراضات کی الٹی اشاعت سے نقصان کے سوا فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔

آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے ، کہ مخالفین کے اعتراضات کا ابتک کوئی شافی جواب نہیں دیا گیا ، اصل یہ ہے کہ جو طبیعتیں انکار و جحود پر اُتر آتی ہیں ، اُنھیں کسی دلیل سے مطمئن نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کی ہدایت اللہ ہی کی توفیق و عنایت سے ہو سکتی ہے ۔ خود جناب ہی کی مثال کافی ہے ۔ آپ کے کس اعتراض کا شافی جواب نہیں دیا گیا ، مگر شاید آپ نے کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کی ۔ "شاید" اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ادھر چند سالوں سے "نگار" دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ۔ ہمارے یہاں کسی لائبریری میں نہیں آتا ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔

(۴) از مولانا حفظ الرحمٰن دہلی

محترم نیاز صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مزاج گرامی ۔ آپ کا مسعود و گرامی نامہ موصول ہوا ۔ "الحاد و دہریت" کے خلاف جس عملی جد و جہد کا آپ نے اپنے مکتوب گرامی میں ذکر فرمایا ہے قبل اسکے کہ میں اس مسئلہ پر کچھ گزارش کروں یہ دریافت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نگار کی گزشتہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ وہ ہندوستان کے اُن رسالوں میں بحیثیت قائد کے رہنما رہا ہے جو الحاد و دہریت کے مبلغ و منادی ہیں لہذا اب اُس کا "الحاد و دہریت" کے خلاف یہ اقدام کیا تبدیلی اعتقادات کے بعد رو بہ کار آ رہا ہے ؟ اعتقادات سے میری مراد قرآن عزیز کے اُن اصول سے ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک مسلمہ اصول اور جمہور مسلمانوں کا مسلک قدیم بنے رہے ہیں تو اگر "نگار" نے الحاد و دہریت کے اب قدیم مسلک کو ترک کر کے حقیقی اسلام کی خدمت کو اپنا نصب العین بنا دیا ہے تو صد ہزار مبارکباد اور تبریک و تہنیت کے بے شمار مخلصانہ ہدیے ۔ ورنہ اگر قدیم مسلک کے مطابق ہی نگار کی یہ خدمت بھی رو بہ کار آ رہی ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ نگار چاہتا ہے کہ جن مسلم نوجوانوں کو اسلام سے منحرف کر کے دہریت و الحاد کی جانب لایا جا رہا ہے اُنکی مذہبی تعلیم سے ناواقفیت کا فائدہ اُٹھا کر غیر مسلموں کے اعتراضات کو اُردو میں نقل کر کے اُنکے الحاد پر مزید رنگ و روغن بھرنے کی سعی کرے ۔ آپ معاف فرمائیں میں نے جو کچھ لکھا ہے بغیر کسی طعن و طنز کے اصل حقیقت سمجھ کر تحریر کیا ہے ۔ پس اگر جناب والا اس سلسلہ میں میری تشفی فرما دیں تو میں اصل تجویز کے متعلق جو خیال رکھتا ہوں اُسکو ظاہر کروں ۔

(۵) از مولانا محمد منظور نعمانی ۔ بریلی

دفتر الفرقان بریلی ۔

بعد ما ہو المسنون!

میں باہر تھا۔ عرصہ سے بسلسلہ علاج دہلی سے باہر تھا۔ اب اسی ہفتہ واپسی ہوئی ہے۔ آپ کے مطبوعہ کارڈ کا جواب صرف یہ ہے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

(۷) از مولانا محمد اسلم جیراجپوری

مخدومی زاد لطفہ۔ تسلیم۔ رسالہ نگار بابت فروری ۱۹۵۴ء نمبر ۲ ملا ممنون ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ پادری فنڈل کی کتاب جو آپ نے چھاپی ہے وہ تقریباً سو برس پہلے بائبل سوسائٹی سے ینابیع الاسلام کے نام سے اردو اور فارسی میں ۲۰۰ اور چار روپیہ کی فروخت ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں کیوں آپ نے اسکا شایع کرنا پسند فرمایا۔ کیا کوئی دوسری چیز شایع کرنے کے لیے نہ تھی؟

مجھے آپ کا ادبی حسن ذوق پسند تھا۔ مگر اس سڑی ہوئی متعفن لاش کو علمی میدان میں لاکر آپ نے اُسکو بھی کھو دیا۔ مجھے نہایت افسوس ہوا۔

کیا آپ نے قرآن کی دعوت کے لیے اسکو چھاپا ہے ——— ہرگز نہیں
کیا بائبل سوسائٹی نے چھپوایا ہے ——— شاید یہ بھی نہیں

میرا خیال ہے کہ چند سال ہوئے آپ نے قرآن کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اور اس پر ہر طرف سے مخالفت کا طوفان اُٹھا تھا وہ ہنگامہ آپ کو پسند آیا تھا اور اب اسکا یہ نیا سامان آپ نے ڈھونڈا ہے۔ ورنہ یہ جاہلانہ خرافات آپ شایع نہ کرتے۔ خدا آپ کو ہدایت دے۔

(۸) از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی

کرمی و محترمی۔ آپ کا مطبوعہ کارڈ ملا۔ ہندوستان میں الحاد و دہریت کی دبا پھیلتے دیکھ کر آپ کا مضطرب ہونا فی الواقع حیرت انگیز بھی ہے اور موجب مسرت بھی۔ اللہم زد فزد

اگر اجرائے "نگار" سے پہلے کے دور میں اس قسم کا خیال آپ ظاہر فرماتے تو وہ میری توقع کے عین مطابق ہوتا۔ مگر اب دوران "نگار" کی روش دیکھتے رہنے کے بعد آپ کی طرف سے یہ کارڈ موصول ہونے پر دل میں یہ کھٹکا پیدا ہوا کہ:

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

بہرحال محرک خواہ کچھ ہو۔ میں آپ کی اس تجویز کا خیر مقدم کرتا ہوں اور اس میں اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ صرف اہل کلیسا ہی نہیں بلکہ ملاحدہ اور دہریوں اور عقل پرستوں اور کمیونسٹوں کے دلائل بھی جمع فرما دیں، اور میں اسکا وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ان سب کا جواب عرض کروں گا۔ بشرطیکہ آپ "نگار" میں اسے بے کم و کاست شایع کرنے کا وعدہ فرمائیں۔

(۹) از مولانا امین احسن اصلاحی

بمورہ مبارک پور۔ اعظم گڈھ

کرم۔ اگر یہ اعتراضات آپ خود بھی اپنے دل میں سمجھتے ہوئے ہیں تو آپ اپنی طرف سے انکو شایع کیجیے تاکہ جواب دینے والے آپ کو جواب دیں اور آپ کی حیثیت انکو معلوم رہے اور اگر آپ ان اعتراضات کو غلط سمجھتے ہیں اور حق اسلام کے ساتھ سمجھتے ہیں، تو حق دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ خود آپ سب سے پہلے حمایت حق میں قلم اُٹھائیں اور دوسرے علماء کو بھی نصرت حق کی دعوت دیں۔ باقی یہ طریقہ جو آپ نے اختیار فرمایا ہے سخت سوء ظن پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے بجا طور پر لوگوں کو گمان ہوگا کہ آپ اس طرح ایک طرف تو اسلام کی مخالفت ایک نئے پہلو سے کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اعتراض و جواب کا ایک ہنگامہ برپا کرکے لوگوں کو اپنے اخبار کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ مجھ سے کچھ واقف ہیں تو آپ جانتے ہونگے کہ مجھے ایسے لوگوں کے کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جنکے نزدیک ہر چیز صرف بیچنے اور نفع اُٹھانے کے لیے ہے۔

(باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

الی غیر اللہ صار مرتداً و ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد (کبیر)

۸ مثلاً یعنی مجبور ہو حرام غذا کے استعمال پر

اے فمن اضطر الی شئی من ہذہ المحرمات اے احوج الیہا (قرطبی)

اضطر اضطراراً ضرورت سے مشتق ہے اور سکے باب افتعال سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ان حرام غذاؤں کو بھی بہ قدر کفایت کھایا جا سکتا ہے۔ اور شدید ضرورت کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں:-

(۱) یہ کہ بھوک کی شدت سے معلوم ہوتا ہو کہ دم نکلا جا رہا ہے۔ اور حلال غذا سرے سے دستیاب ہی نہیں ہو رہی ہے، یا افلاس کی بنا پر اس کا دسترس نہ ہو۔ اور یا پھر کسی مرض کی بنا پر وہ حلال غذا ناقابل استعمال ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ کوئی حاکم اُس حرام غذا کے استعمال پر مجبور کر رہا ہو۔

وہذہ الضرورۃ لہا سببان احدہما الجوع الشدید والثانی اذا اکرہہ علی تناول کرہ (کبیر) الاضطرار لا یخلو ان یکون باکراہ من ظالم او بجوع فی مخمصۃ والذی علیہ الجمہور من الفقہاء والعلماء فی معنی الآیۃ ہو من یصیرہ العدم والغرث وہو الجوع الی ذالک (قرطبی)

۹ مثلاً ان حرام چیزوں کے کھا لینے میں، بلکہ اکثر تو ایسے موقع پر نہ کھانا گناہ ہے۔

بل ربما یاثم بترک التناول (روح)

اسلیے کہ حفظ نفس تو اولیں فرض نفس ہی سے ہے۔ اور ایسے موقع پر غذا نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے، جو حرام خودی سے شدید تر ہے۔

لا خلاف انہ لا یجوز قتل نفسہ بالامساک عن الاکل وانہ مامور بالاکل علی وجہ الوجوب (قرطبی) لو ترک الاکل حتی قتل نفسہ ولک الکبر المعاصی (قرطبی)

(مراسلہ) گرانڈ مسلم مشن (بمبئی)

(از مولوی حاجی ظفر الملک ...)

۲۲ مئی کے صدق میں کے عبدالوہاب دلوی صاحب سکریٹری گرانڈ مسلم مشن بمبئی کے دو اعلانات شایع ہوئے ہیں جن میں انھوں نے مولانا عبدالماجد صاحب سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ انھوں نے صدق کے کسی سابق پرچہ میں علامہ سالمین کی کتاب دی ہولی کوانٹ کی رسید تحریر فرماتے ہوئے مصنف کو شیعہ مبلغ کیوں لکھ دیا۔ سالمین صاحب کو اپنے شیعہ ہونے سے انکار ہے اگرچہ انکی تحریر پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ وہ معمولی درجہ کے نہیں بلکہ تبرائی شیعہ ہیں۔ میں نے حال ہی میں انکی کتاب "علی دی کیلیف" پڑھی ہے۔ جسکے دیباچہ میں انھوں نے نہایت بیباکی سے لکھا ہے کہ

"اگرچہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ پہلے دو خلفاء نے منصب خلافت کو روحانیت سے دنیاداری میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ شہرت اور منافع کے طالب تھے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انکی خلافت کے دوران میں مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی شہرت اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گئی تھی" (صفحہ دیباچہ)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر ہے:-

"جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ علیؓ اپنے قریبی پیشرو عثمانؓ کی طرح حکومت کے سارے خزانہ کو اپنے عزیزوں کے لیے استعمال کرتے اور تمام مسلمانوں کو اس سے محروم کر دیتے، انکو معلوم ہونا چاہیے کہ علیؓ ابن ابو طالب کو حکمرانی کی کوئی حاجت نہ تھی۔ انکی خلافت ربانی تھی اور اسکا بقا و استحکام روحانی قوت اور شجاعت پر مبنی تھا"

دنیا میں کون مسلمان ہے جو جانشینان رسولؐ کے متعلق اس قسم کے اتہامات تراش سکتا ہے؟ یہ صرف شیعوں ہی کی جسارت ہے جو ایک طرف مسلم ہونے کے مدعی ہیں اور دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ کے ان خلفاء کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جنکے دست حق پرست پر خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی تھی۔

گرانڈ مسلم مشن کی ایک رپورٹ سالمین صاحب بانی و صدر مشن کی تحریر کردہ ۲۸- اپریل اور مابعد کی قسطوں میں لکھنؤ کے شیعہ اخبار نظارہ میں شایع ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس مشن کی جانب سے علاوہ حضور سرورکائناتؐ کی سوانح عمریوں کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم، حضرت زینب بنت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سوانح عمریاں شایع کی ہیں اور ائمہ اثنا عشر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی تک شایع نہیں ہوئی۔ کیا یہی واقعہ اس بات کے اثبات کے لیے کافی نہیں کہ گرانڈ مسلم مشن ایک شیعی ادارہ ہے۔ اگر وہ شیعہ نہ ہوتے اور واقعی مسلم ہوتے تو حضرات خلفاء ثلثہ و عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہم کو نظر انداز نہ کرتے۔ ائمہ اثنا عشریہ سے پہلے ہیں جو صحابی کیا معنی تابعی اور تبع تابعی بھی نہیں ہیں۔

پھر "علی دی کیلیف" میں مسلسل اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت علی کے مناقب و فضائل ہی کے بیان پر قناعت نہ کی جائے بلکہ انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین، اور بعد رسولؐ کے اسلام کا سب سے بڑا پیشوا بنایا جائے۔ کعبہ کرمہ کے اندر انکی ولادت کے واقعہ کو مہتم بالشان بنانے کے لیے بغیر کسی معقول سند کے یہ معجزہ تصنیف فرمایا گیا ہے کہ جب انکی والدہ کو آثار حمل معلوم ہوئے تو انھوں نے اللہ کی جناب میں دعا کی اور معا کعبۂ مکرمہ کی دیوار شق ہو گئی اور وہ اسکی آڑ میں چلی گئیں اور تین دن تک وہیں رہیں جبکہ دیوار شل سابق جڑ گئی تھی۔ تین دن کے بعد دوبارہ دیوار شق ہوئی تو وہ حضرت علی کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلیں اور دیوار دوبارہ جڑ گئی۔

کعبہ مکرمہ میں ولادت کا شرف تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل نہیں ہوا بلکہ انکے علاوہ متعدد اشخاص ایام جاہلیت میں کعبہ مکرمہ کے اندر پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت سے چالیس سال قبل حکیم ابن حزام، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے برادرزادہ کی ولادت کا حال تو مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے اصابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے۔

اور جس معجزہ کو سالمین صاحب نے بیان کیا ہے اسکی سند وہی بتا سکتے ہیں۔ علمائے اسلام اور اسلامی مورخین کے علم سے یہ واقعہ خارج رہا ورنہ کوئی تو اُسے بیان کرتا۔

حضرت علیؓ اور ائمہ اثنا عشر کی امامت کا کوئی ثبوت قرآن میں نہیں ملا تو توراۃ کی پیشین گوئی سے مدد حاصل کی گئی جس میں حضرت ابراہیم کی اولاد میں بارہ شہزادوں کے ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

اس قسم کے عقائد رکھنے کے بعد بھی مطالبہ یہ ہے کہ ہم کو شیعہ کہنے کے بجائے مسلم کہا جانے۔ حالانکہ مسلمان اس قسم کے عقائد نہ رکھتے ہیں اور نہ قرآن کریم نے ایسی دور از کار باتوں کی گنجایش رکھی ہے۔

سالمین صاحب کو اگر اپنے مشن کے لیے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا ہے اور وہ واقعۃً شیعیت سے بیزار ہیں تو انھیں علی الاعلان حضرت خلفاء ثلثہ کی شان میں گستاخانہ باتیں لکھنے پر اظہار ندامت کرنا چاہیے اور اپنے "زور قلم" کو حدود اعتدال کے اندر رکھکر تبلیغ اسلام کرنا چاہیے۔ فرقہ پرستی کی تبلیغ کرنے اور شیعہ معتقدات کو پھیلانے میں اگر انھیں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تو وہ عام مسلمانوں کو کیوں ایسا نادان سمجھتے ہیں کہ وہ بھی حق و باطل کی تمیز نہ کرینگے۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

صدق۔ براہ کرم کوئی اور صاحب اس موضوع پر طبع آزمائی نہ فرمائیں۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی چار روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

(رجسٹرڈ ایل ۲۱۹۱)

صدق

نمبر ۹ | شنبہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"جہاز پیٹریا (فلنسبرگ) ۲۳ مئی جس طرح بکاؤ اپونا کے ڈائرکٹر کے حضور میں طلب ہوتا ہے، اور جیجر جب وہاں پہنچتا ہے، تو نقاب اور غبن کے الزام میں گرفتار پولیس کی حراست میں دیدیا جاتا ہے، اسی طرح آج میجر جنرل لارڈل رکس کے کمرہ میں جرمنی کے ایڈمرل گرانڈ ایڈمرل کارل ڈونیٹز پیش ہوئے، اور معاً انہیں حکم ملا کہ انکی جرمن گورنمنٹ اور جرمن ہائی کمانڈ سب اسی منٹ سے ختم ہوتے ہیں! رویٹر کے وقائع نگار خصوصی کا بیان ہے کہ لمبی سنجیدہ جرمنی کے ڈرامائے اس سب سے آخری سین میں کل چار منٹ کا وقت لگا۔" (رویٹر)

یعنی کل چار منٹ کی مدت میں اس عظیم الشان اور کروفر والی گورنمنٹ کا سچا کھچا حصہ ہست سے نیست، موجود سے معدوم محض! اور دنیا کا یہ نامور ایڈمرل (امیر البحر) دم کے دم میں معزول ونظربند۔ فیصلہ قطعی۔ آگے نہ اپیل نہ دلیل نہ وکیل! —— خشک سے خشک خبر رساں ایجنسی نے افسانہ کی زبان اختیار نہیں کی، ٹھوس مادی واقعات خود انتہائی حیرتناکی کے باعث افسانے بن گئے!

"لندن ۲۴ مئی۔ ہائن رش ہملر، یورپ کے خوفناک ترین شخص نے رات کو ۱۱ بجکر ۴ منٹ پر برطانوی دوسری فوج کے کیمپ میں خودکشی کرلی۔ ہٹلر کے اس دست راست اور وزیر پولیس اور وزیر داخلہ کی نعش بے گور وکفن فوج کی ایک بارک میں پڑی ہوئی ہے۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جسم پر انگریزی فوج کے کپڑے ہیں جو ابھی کل ہی اسکی گرفتاری کے بعد انگریزی افسروں نے زبردستی اسے پہنائے تھے۔ آدھا جسم انگریزی کمبل سے ڈھکا ہوا ہے۔ پاس ہی پانی کے برتن رکھے ہیں اور زمین پر پانی پڑا ہوا ہے۔ بڑے بڑے فوجی ڈاکٹر زہر نکالنے اور تنفس جاری کرنے کی کوشش میں ۱۵ منٹ تک انتھک کوشش کے بعد ناکام رہ چکے ہیں! ڈاکٹروں اور فوجی افسروں نے ہملر کی گرفتاری کے معاً بعد ہی اسکے جسم کی تلاشی بار بار لیلی تھی اور یہ چوتھی بار معائنہ اسکے منہ کو کھول کر اور منہ میں انگلی ڈال کر ایک ڈاکٹر کر رہا تھا جب ہملر نے سائنائڈ آف پوٹاشیم کی ایک ننھی سی شیشی کو جسے وہ منہ میں چھپائے ہوئے تھا، چبا ڈالا۔ ڈاکٹر زہر نگل گیا اور ایک منٹ کے اندر ختم ہوگیا۔ آدھا لٹاکر معدہ صاف کرنے کی جو کوشش ۱۵ منٹ تک جاری رہیں سب بے سود ثابت ہوئیں۔ عمر ۴۴-۴۵ سال کی تھی۔ نعش ابھی تک پڑی ہوئی ہے، جسم کی پیمائش ہوکر اتنے بڑے تابوت کی تلاش ہو رہی ہے۔ یہ ابھی نہیں معلوم کہ ہملر کے عقائد کیا تھے، اور اسکی تدفین کس فرقہ کے دستور کے مطابق ہوگی۔ ایک پادری نے کہا کہ اس مرتد کی تدفین مسیحیت کے مطابق کرنا مسیحیت کا منہ چڑھانا ہے۔" (رویٹر)

یہ واقعات افسانہ پارینہ نہیں، آپ کی آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں۔ اسکے ہوتے ہوئے تذکرہ پڑھنے کی حاجت کس کو باقی رہ جاتی ہے، کہ دارا کا انجام کیا ہوا تھا، اور سکندر نے جان کس حسرت سے دی تھی؟ چنگیز کس طرح مرا تھا، اور نپولین نے دم کس بیکسی اور بے بسی کے ساتھ توڑا تھا؟

نئی راج ہٹ!

صدق میں مولانا محمد علیؒ کی انگریزی تحریروں کے جدید مجموعہ پر جو تبصرہ تحریر ہوا تھا، اس میں کچھ مشورے ناشر صاحب کی خدمت میں پیش کیے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مشورہ یہ بھی تھا، کہ کمریڈ ۱۴ء کے ایک اہم اور اپنے زمانہ میں بڑے معرکۃ الآرا مضمون "چوائس آف دی ٹرکس" کا شامل ہونا ضروری تھا۔ مولانا نے یہ مضمون ٹائمس (لندن) کے جواب میں، اسی کا عنوان اختیار کرکے ۴۲ گھنٹے مسلسل جاگ کر اور صرف کافی کی پیالیوں پر گزارہ کرکے لکھا تھا، اور اسی کی پاداش میں انھیں مہرولی میں نظر بندی ملی تھی اور نتیجۃً کمریڈ (اول) کی زندگی بھی ختم کرنی پڑی تھی۔ مضمون بحق سرکار ضبط ہو گیا تھا۔ واقعہ کو اب ۳۲ سال گزر چکے، اور خیال بھی نہ تھا، کہ اتنے طویل عرصہ کے بعد اب اس میں کوئی زہر گورنمنٹ کے نقطۂ نظر سے باقی ہوگا۔ لیکن ذرا اسکی روداد ناشر صاحب کی زبان سے سنیے:-

"اس مضمون سے متعلق آپ کو مطلع کرنا ضروری ہے کہ اسی کے لیے بہت کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ اس کی طباعت کی اجازت دیدے، لیکن گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی۔ پہلے میں نے پنجاب گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری سے خط وکتابت کی گر بے سود۔ پھر گورنمنٹ آف انڈیا سے درخواست کی انھوں نے مضمون کی نقل طلب کی جو ارسال کی گئی۔ انھوں نے بہت مختلف محکموں شلاً پریس برانچ، امور خارجہ وغیرہ وغیرہ سے دریافت کیا، مگر بالآخر اجازت نہ دی۔ اسمبلی میں بھی سوالات کرائے، اب پھر مزید سوالات کا ارادہ ہے۔ ورنہ چوائس آف دی ٹرکس جیسا فرزند تو کبھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا"۔

مضمون حقیقۃً اسوقت بھی قابل گرفت نہ تھا، اور اب اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی اسکی عدم اشاعت پہ اڑے رہنا نتیجہ کس چیز کا قرار دیا جائے؟ دفتر شاہی جمود کا؟ سرکاری کینہ پروری کا؟ یا دیرینہ راج ہٹ کا؟

صحیح نصب العین

آل انڈیا مسلم مجلس کے تازہ اجلاس کے خطبۂ صدارت سے :-

"مسلم مجلس کا پہلا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر روح اسلامی کو پھر حرکت دی جائے۔ اور ان سے اصرار کیا جائے کہ وہ عقائد اسلامیہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اسلام کے معنی محض زبانی اقرار کے نہیں ہیں، بلکہ یہ ہیں کہ عملی حیثیت سے خدا اور رسول کی فرمانبرداری کی جائے۔ مسلم سیاست کو مذہب کے تابع ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسکو بہ حیثیت کل کے قبول کرنا چاہیے"

آل انڈیا مسلم مجلس، مسلم لیگ کی مقابل اور حریف کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن جہاں تک اس مقصد اولین کا تعلق ہے، ظاہر ہے کون بدبخت مسلمان اس سے اختلاف کریگا ؟ — اچھی بات اور سچی بات جس جماعت، جس انجمن، جس پارٹی میں پائی جائے مسلمان کا کام بڑھ کر اسے لبیک کرنا، اور تحزب کے ہر خیال سے بلند تر رہنا ہے۔

"ادب خبیث"

مرزائیانہ "چنگیزی" "لکھنؤی" کے چنگیزی آرٹ کا نمونہ حیدرآباد کے ایک ادبی ماہنامہ سے :-

"گذشتہ پچیس سال سے ادب جمیل، ادب لطیف، ادب جدید وغیرہ کے بھیس میں ادب خبیث رنگ بدل بدل کر کیا کیا ہنگامہ برپا کر رہا ہے ..... پہلے تو اس نئے ادب میں گنا پن ہی تھا رفتہ رفتہ شہدپن بھی داخل ہوتا اور بڑھتا گیا۔ پولیس نے اپنے صفحات کی شکم پری اور چند ٹکوں کی خاطر اس گندے ادب کو اتنا اچھالا دیا کہ آخر اس نے ایک اوباشانہ تخریبی تحریک کی صورت پکڑ لی۔ ننھے ننھے حشرات الارض نے ذہنی عیاشی کے شوق میں اپنا چھچھوری شاعری کو بیکاری کا مشغلہ بنا لیا۔ .... خدا جانے فیض کون صاحب ہیں "شاعری" یوں فرماتے ہیں :-

(۱) بول کہ لب آزاد ہیں تیرے (۲) بول زباں اب تک تیری ہے
(۳) بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے۔ (۴) بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
(۵) بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے"

بول بول بول۔ لاحول لاحول۔ یہ ہے "ترقی پسند" شاعری، نہ تال کی نہ سم کی، نہ سُر کی .... یہ گویا ترقی پسندوں کا ادب جدید ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ لکھنؤ کے ان پڑھ شہدے ایک ایک پیسہ میں ایک منٹ کے اندر اس قسم کے فقروں سے زیادہ چست فقرے تراش کر رکھ دیں ..... نئے اسلوب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو:-

(۱) بادِ صبا کے ہلکورون میں تُند ہوا تبدیل ہوئی۔
(۲) پھول کھلے (یہ گویا دوسرا مصرعہ ہوا) تھو!
(۳) مستی چھائی (" تیسرا ") تھو!
(۴) مرجھائے کنول شاداب ہوئے
(۵) میں ہوں بیدل
(۶) مایوس
(۷) ایک
(۸) بیچارا

یہ سب گویا آٹھ مصرعے ہوئے۔ انھیں تلے اوپر لکھ کر ایک بند قرار دیا گیا ہے اور گویا ایک گاؤدُم سی شکل بنانے کی کوشش کی گئی ہے! تھو!"

سچ کہا جس نے کہا کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے! علاج بالمثل کا قاعدہ اب کون کہتا ہے کہ نفع بخش نہیں رہا ہے؟

حدودِ تقلید

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس :-

"اس مسئلہ میں جملہ ائمہ نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے حتیٰ کہ انکے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ بھی انکے ساتھ نہیں ہیں اور سب حضرات کے پاس قرآن کا نص دیا ہے جسکے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہیں۔ اس عبارت میں ہمارے لیے اتنا ہی بس ہے کہ امام صاحب سے ایسے کسیا صریح مخالفت نص قطعی کے الزام کو رفع کر کے انکے دامن اجتہاد کو طعن و تشنیع سے بچا لیں۔ اسلام درحقیقت قول ابی حنیفہؒ کا نام نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کے احکام کا نام ہے۔ اگر قول ابی حنیفہ انکے موافق ہوگا اسلام ہوگا ورنہ امام کے قول کا کوئی شخص مستحق قرار نہ دیا جائیگا" (معارف، مئی ۲۵ء)

الحمد للہ و جزاک اللہ۔ تقلید کے یہی حدود کاش ہمارے تمام علماء یاد رکھیں، اور تقلید کو (خواستہ و ناخواستہ) اپنے امام کی تقلید جامد یا امام پرستی کے مرادف نہ بننے دیں!

ہمارے امراء

"اسلامک کلچر" کی انگریزی تقریبوں اور تحریروں کے اس مجموعہ کی قیمت عندہ کو موجودہ مصارف طبع وغیرہ کے لحاظ سے گراں نہ ہو، لیکن متوسط طبقہ کی جیب پر یقیناً ایک بار ہے۔ کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور، ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال یا اور کوئی صاحب ہمت رئیس اس کی ہزار پانسو کا پیاں خرید کر ملک کی ہر بڑی لائبریری تک پہونچا دیں"

صدق ۲ کے اس فقرے پر شیخ محمد اشرف (ناشر کتاب) لکھتے ہیں:-

"آپ کی اس سفارش کا شکریہ ضروری سمجھتا ہوں۔ جناب نے والیان ریاست کو توجہ دلائی ہے کہ اسکی ۵۰۰ کا پیاں خرید کر تقسیم کریں۔ مگر ہمیں اس معاملہ میں جسقدر مایوسی ہے وہ حد بیان سے باہر ہے۔ والیان ریاست اور نوابوں کا طبقہ صرف اُسی جگہ مدد کر سکتا ہے جہاں نام و نمود ہے۔ کسی ٹھوس علمی مذہبی کارکن کو ایک پیسہ بھی دینا انکے لیے ناممکن ہے۔ ہمارے ادارہ نے ہندوستان میں ایک نئے ذوق یعنی انگریزی میں اسلامی کتب کا باب کھول دیا ہے اور جس حد تک کامیاب ہوا ہے اُسکا علم آپ کو ہے۔ یہ سب صرف ایک شخص تن تنہا کر رہا ہے۔ کبھی کسی امیر، نواب، والی ریاست سے نہ حقیر سی حقیر امداد ملی ہے اور نہ اسکی توقع ہے۔ ہم صرف ایک اللہ ہی کی خوشامد کرنا جانتے ہیں"

بات بڑی حد تک صحیح ہے البتہ بے تجربہ کلی نہیں۔ بہتسے مصارف خیر میں ان امراء کے زنانے کام آتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تک رسائی آسان نہیں، اور ہر ایک کا کام نہیں — سعدی کا تجربہ گلستان میں بالکل صحیح ہے۔ رباش۔ جدال سعدی با مدعی)

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱ و ۲۲

(بقیہ صدق نمبر ۷)

(از عبد الماجد)

(بقیہ حاشیہ ۲۰۹) عند الضرورۃ رخصۃ بل ذلک عزیمۃ واجبۃ ولو امتنع من الاکل کان عاصیا (بحر)

وقال مسروق بلغنی انہ من اضطر الی المیتۃ فلم یتوصل حتی مات دخل النار الا ان یشاء اللہ تعالیٰ یقاتل میتۃ بترکہ ما اباح اللہ (بحر)

غیر باغ، یعنی اسکی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو، اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔

یعنی ضرورت واقعی ہو۔ یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی نہ ہو، یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔

ایک، دوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔

ولا عادٍ اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بھی بس محض بقدر ضرورت کھالے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔

قال الشافعی وابو حنیفۃ واصحابہ لا یاکل المضطر من المیتۃ الا قدر ما یمسک رمقہ (کبیر)

۲۱۰ غفور۔ ایسا مغفرت والا کہ بیچارگی کی حالت میں جرائم پر بھی مواخذہ نہیں کرتا بلکہ انھیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔

رحیم۔ ایسا شفقت والا کہ زندگی کے موقعوں پر آسانی بہم پہونچا دیتا ہے۔

۲۱۱ یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفاء و کتمان سے انکا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔

ثمناً قلیلاً سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا۔

۲۱۲ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی انکی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی۔

۲۱۳ (بہ طریق لطف و ملاطفت)

جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو انکی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی انکی انتہائی بدنصیبی۔

۲۱۴ (گناہوں سے)

برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمانیات اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دھلا دھلایا اور اپنے کو

۱۷۴ - اولٰئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار ولا یکلمہم اللّٰہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم ۔	یہ پیٹوں میں بس آگ ہی آگ بھرتے ہیں ۔ اور نہ ان سے قیامت کے دن اللّٰہ کلام کریگا اور نہ انھیں پاک کریگا اور انکے لیے دردناک عذاب ہے ۔
۱۷۵ - اولٰئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدیٰ والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرہم علی النار	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو خرید لیا ہے ہدایت کے بدلہ میں اور عذاب کو نجات کے بدلہ میں ۔ اور یہ لوگ کیسی جیوٹ رکھتے ہیں دوزخ کے لیے !

آخرت سے پاک نہ کیے جائیں گے ، یعنی گویا پڑے سڑتے چھوٹ جائینگے ۔ جزئی اور اصلی معصیت انکی ہے ، جن میں قیامت کے دن بھی کوئی شائبہ ایمان شامل نہ پایا جائیگا ۔

ﷲ (کہ انہوں نے بات بات ہو گئے) اور یہاں دنیا میں ایمان و طاعت پر آمادہ نہ ہوئے ہیں ۔

یہاں طرز تعجب ہے کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشتناک نتیجے معلوم ہیں ، پھر ان پر یہ شوخ چشمی !

مذہب الجمہور منہم [illegible] و مجاہد ان معناہ التعجب (قرطبی)

اشتروا الضللۃ بالھدیٰ اسکا تعلق اسی دنیا سے ہے ۔ یعنی ہدایت کے بدلے گمراہی کو لے لیا اسی دنیا میں ۔

والعذاب بالمغفرۃ اسکا تعلق عالم آخرت سے ہے ۔ یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہوگا کہ آخرت میں مغفرت کے بجائے عذاب سے دوچار ہونا پڑیگا ۔

ﷲ (اور نا سمجھ دینداروں نے اس میں خواہ مخواہ خلط و تلبیس کر دیا

الکتٰب یہاں بہ طور یہ اسم جنس استعمال ہوا ہے ۔ مراد ہیں تمام کتب آسمانی

بالحق ۔ یعنی بالحق بالکل صحیح ۔ یا دلائل و شواہد کے ساتھ ۔ اے بالصدق وقیل بالحجۃ (قرطبی)

ذٰلک یہ اشارہ عذاب کی طرف ہے ، اے ذٰلک العذاب (بیضاوی)

ﷲ (اور اسکے نتائج بھگت کر رہیں گے

اختلفوا فی الکتٰب یعنی خواہ مخواہ اور اپنے اغراض کے لیے اپنی کتاب آسمانی میں جھگڑے نکال کھڑے کیے ۔ ورنہ تعلیمات الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجایش ہر نہ تھی

فی شقاق بعید یعنی بضاد حق ، سے انتہا سے بہت زیادہ دور جا پڑے ہیں ۔

یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مخالفت ان میں اس سے پیدا ہوگئی کہ اللّٰہ کے سچے کلام میں انھوں نے ازراہ نفسانیت خواہ مخواہ اختلاف کیا ۔ اور اس لیے اور زیادہ بھٹک گئے

ﷲ (جیسا کہ گمراہ و مشرک قومیں سمجھ رہی تھیں ۔

۱۷۶ - ذٰلک بان اللّٰہ نزل الکتٰب بالحق وان الذین اختلفوا فی الکتٰب لفی شقاق بعید ۔	اور یہ (سزا) اس لیے ہوئی کہ اللّٰہ نے تو کتاب کو (بالکل) ٹھیک ٹھیک اتارا تھا ، اور بیشک جو لوگ کتاب کے بارے میں اختلاف ڈال رہے ہیں ، وہ (بڑے) دور دراز کے خلاف میں پڑے ہوئے ہیں ۔ ﷲ
۱۷۷ - لیس البر	طاعت یہی نہیں ہے

قرآن مجید کے متعدد مقامات کی طرح یہ آیت بھی اصلاً گمراہ و مشرک قوموں کے رد میں ہے اور اسکا مفہوم پوری طرح جبھی روشن ہوگا ، جب انکے عقائد باطل کو پیش نظر رکھا جائے ۔

البر اسکے معنی لغت عرب میں بہت وسیع ہیں ، نیکی کے جملہ اقسام پر شامل ہے ۔ اردو میں اسکا صحیح مفہوم لفظ طاعت ہی سے ادا ہو سکتا ہے ۔

البر التوسع فی فعل الخیر ینسب اللّٰہ تعالیٰ الثواب ومن العبد الطاعۃ (راغب) البر الطاعۃ (تاج) قال بعضہم البر الخیر قال ولا اعلم تفسیرا ابین منہ لانہ محیط بجمیع ما قالوا (تاج)

اہل لغت ہی کو نہیں اہل تفسیر کو بھی بر کے مفہوم کی یہی وسعت مسلم ہے

البر اسم جامع للطاعات واعمال الخیر المقربۃ الی اللّٰہ تعالیٰ (کبیر) اسم عام لجمیع ما یوجر علیہ الانسان (کبیر) اسم جامع لانواع الخیر والطاعات المقربۃ الی اللّٰہ تعالیٰ (روح) البر کل فعل مرضی (بیضاوی)

روایات نزول مسیحؑ

نمبر (۸)

(بسلسلۂ صدق عملہ)

(از مولوی عبد الرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

(۱) علامہ مجیب کی خیر مطبوعہ کتاب العطر الوردی کی طباعت کا انتظار بہتر ہے لبعد شوق و ذوق انتظار رہے کہ شام جان اس سے معطر ہو ، خدا کرے انتظار کی گھڑیاں جلد ختم ہوں اور تا کہ انتظار کی گھڑیاں رائیگاں ثابت نہ ہوں ، یہی دعا ہے کہ انکے مضامین کا طور طریقہ اور طرز استدلال علامہ مجیب کے اس مضمون کا ایسا نہ ہو ۔ اور یہ کہ علامہ مجیب نے اپنے مضمون کے شروع میں شاندار لفظوں کے ساتھ جن کتابوں کا تعارف کرایا ہے ان میں سے بعض کتابوں کی طرح عجیب غریب بلا دلیل دعوی ، اور رسالہ دافع الاسبر ذ الیوں خالی ہو اور یہی کہ ان مذکورہ کتابوں کی طرح نہ ہو کہ جن میں ماہ البحث امور (مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت کا ثبوت اور خروج مہدی اعظم کے متواتر احادیث صحیحہ متواترہ کے بیان کے متعلق کوئی ذکر ہی نہ ۔

عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتابوں میں عام طریقہ سے حیات مسیح علیہ السلام کو بطور عقیدہ نہیں بیان کیا گیا تھا اور بعض کتابوں کی عبارتوں سے تو اس مسئلہ کا مختلف فیہا ہونا تبادر ہوتا تھا ۔ بہرحال کسی متداول اور مشہور کتاب سے مسئلہ حیات مسیح کی قطعیت ظاہر

عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ یہ مسئلہ قطعیات میں سے نہیں ہے اور مبصر صاحب نے (جس کے مضمون پر یہ ساری بحث شروع ہوئی ہے) مسئلہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کو قطعیات میں سے تحریر فرما دیا تھا اس لیے احقر نے اپنے مضمون کے ختم پر ایڈیٹر صاحب صدق اور مبصر صاحب سے درخواست کی تھی کہ آپ میں سے کوئی صاحب تعمیم فائدہ کے لیے عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب کی وہ عبارت بھی پیش کر دیں جس میں حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو۔ یہ درخواست اس امید پر تھی کہ جب کوئی صاحب عبارت پیش کرنے کے لیے عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو انھیں ان مسائل کے قطعیات میں سے ہونے نہ ہونے کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ عقائد کی اُن معتبر و متداول کتابوں میں تھا اس لیے بطور عقیدہ اس مسئلہ کے ذکر سے یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ یہ مسئلہ قطعیات میں سے ہے۔ اپنی اس درخواست کے شروع ہی میں میں نے یہ عرض کر دیا تھا کہ "عقائد کی کتابوں میں جو مسائل ذکر کیے جاتے ہیں اُن میں سے ہر مسئلہ اگرچہ قطعی نہیں ہوا کرتا، مگر مناسب ہوگا کہ تعمیم فائدہ کے لیے الخ"

علامہ مجیب نے اس سلسلہ میں سب سے پہلے سفارینی کے عقیدہ منظومہ اور اسکی شرح کی عبارتیں پیش کی ہیں جن سے مستفاد ہوتا ہے کہ (۱) خروج مہدی کے متعلق بکثرت روایات ہیں جو تواتر معنوی کی حد تک پہونچ گئی ہیں (۲) خروج مہدی کا مسئلہ علماء اہل سنت میں شایع ہے یہاں تک کہ اُنکے عقائد میں شمار ہو گیا ہے۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتیں اور صحابہؓ اور تابعین کے اقوال یہ سب مل کر مسئلہ خروج مہدی کی قطعیت پر دال ہیں، اس لیے خروج مہدی کا عقیدہ رکھنا واجب ہے جیسا کہ عقائد اہل سنت والجماعت میں مدون ہے" کسقدر تعجب کی بات ہے کہ مسئلہ حیات مسیح اور مسئلہ نزول مسیح کے متعلق (نہ کہ مسئلہ خروج مہدی کے متعلق) عقائد کی کتابوں کی اُن عبارتوں کی نقل کی درخواست تھی جن میں یہ دونوں بطور عقیدہ بیان کیے گئے ہوں اور پیش کردہ عبارت میں سرے سے ان دونوں مسئلوں میں سے کسی مسئلہ کا صراحۃً ذکر ہی نہیں۔ اس سے قطع نظر کر کے درخواست تھی عقائد کی معتبر اور متداول عربی کتاب کی عبارت پیش کرنے کی اور پیش کی جا رہی ہے اُس کتاب کی عبارت کہ جو سرے سے متداول بین العلماء ہی نہیں، اور جسکا معتبر ہونا ہی مسلمات میں سے نہیں۔ اس چودھویں صدی کے پہلے عام طور سے علماء معتبرین کی کتابوں میں استشہاد کے موقع پر اسکا ذکر ہی نہیں آتا۔ اس سے بھی قطع نظر یہ "تواتر معنوی کی حد تک پہونچنے" کا کیا مطلب ہے؛ کیا روایات کے لیے بھی روایات ہوتی ہیں جنکی کثرت کی بنا پر روایات تواتر معنوی کی حد تک پہونچتی ہیں۔ تواتر معنوی کی یہ عجیب و غریب شکل جس عبارت میں ہو کیا ایسی عبارتوں کی بنیاد پر تواتر کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ سفارینی حنبلی یہ عبارت ہے اور یہ حنبلی العجیبہ روزہ عبارت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے دونوں کیسی ایک سلسلہ علمی و نگری ان کو ثابت ہیں؟ "تواتر" کا اس قدر شوق کہ جہاں کہیں یہ لفظ نظر آ گیا فوراً حافظہ میں محفوظ کرا لیا گیا؛ اس سے مطلب نہیں کہ کہاں اور کس طور سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے) یہ ایک طالب علم کی شان تو ہو سکتی ہے لیکن ایک فاضل اور قابل ذی مرتبت عالم کی شان کو تو اس سے ارفع اور اعلیٰ ہونا چاہیے اور پھر "حتی بلغت حد التواتر" اور "وصلت الی حد التواتر" یا "بلغت مبلغ التواتر" ہم معنی الفاظ ہیں؟ اور پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتوں اور صحابہؓ اور تابعین کے اقوال کا ہر مجموعہ بھی مفید قطعیت ہے (بغیر اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی شدہ روایتیں اس درجہ کی ہوں کہ خود مفید قطعیت ہوں اور جب ایسی ہوں تو پھر صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ضمیمہ کی کیا ضرورت) سفارینی کی اس عبارت سے یہ ایک نیا انکشاف ہوا کہ اس پر یہ بھی مفید قطعیت ہے غالباً دوسرے علماء حنفیوں نے مفید یقین چیزوں کو گنوایا ہے اُن سے سہو ہو گیا۔ اب علامہ سفارینی سے تو صحیح نقل کا مطالبہ کیا نہیں جا سکتا۔ البتہ علامہ مجیب سے درخواست ہے، کہ مہربانی فرما کر عقائد کی معتبر و متداول عربی کتابوں میں سے کسی کتاب کی کوئی عبارت پیش فرما دیں جس میں خروج مہدی پر ایمان رکھنے کا وجوب (جو دلیل قطعی سے ثابت ہو کیونکہ سفارینی نے وجوب ایمان بخروج المہدی کی تفریع "علم قطعی" ہی پر کی ہے) بتایا گیا ہو، آخر اسی بات کے اندیشہ کے پیش نظر تو درخواست میں عقائد کی معتبر اور متداول کتاب کی تخصیص کر دی گئی تھی۔ ان سب امور سے قطع نظر، کیا سفارینی کی عبارت سے خروج مہدی اعظم کے لیے احادیث صحیحہ متواترہ کا ہونا (جیسا کہ مبصر صاحب نے دعوے کیا تھا) ثابت ہو گیا؟ کیا تواتر معنوی جن کثیر روایات پر مبنی ہوتا ہے انکا احادیث صحیحہ متواترہ ہونا لازم ہے؟ (ملاحظہ طلب ہے)

علامہ مجیب سفارینی کی عبارات مذکورہ کے ذکر کے بعد تحریر فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ جب ظہور مہدی پر اعتقاد واجب ہے تو حیات و نزول مسیح پر بدرجہ اولیٰ اعتقاد رکھنا واجب ہے" کس نے انکار کیا تھا۔ ابہ البحث تو اس مسئلہ کی قطعیت ہے نہ کہ اس پر اعتقاد رکھنے کا وجوب، پھر بدرجہ اولیٰ اعتقاد رکھنا واجب ہے" کی توجیہ میں علامہ مجیب فرماتے ہیں "کیونکہ اسکا ذکر قرآن حکیم میں وارد ہوا ہے گو بعض علماء نے اُن آیات میں دوسری تاویل بھی کی ہے مگر تواتر احادیث کی بناء پر اُن آیات کا نزول مسیح علیہ السلام پر محمول ہونا ہی صحیح ہے" ابھی تک تو انسانی کتابوں کے حوالے پیش کیے جاتے تھے جو اگر ان کتابوں میں نہ ملتے تھے تو اپنا ہی قصور سمجھ میں آ سکتا تھا۔

تاریخ ماضی کا ایک ورق

(بہ سلسلۂ مجوزہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی)

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

رہبر دکن اردو کی بہشت ۲۳ اگست کی اشاعت کے سرورق پر مسلم یونیورسٹی کے مجوزہ طبیہ کالج کے متعلق مختصر سا جو مضمون چھپا ہے اُسکے پڑھنے کے بعد اپنا ایک بھولا بسرا خیال پھر یاد آ گیا۔ اُسی کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، ناہموار ہوں یا ان کی تعبیر اب اخلاقی قوانین سے قدرتاً نتیجہ ٹھہرایا جائے یا سیاسی غلط کاریوں کا خمیازہ، لیکن بہر حال سیاسی میدان کی کشمکش میں مسلمانوں کا چت ہو جانا اب ایک واقعہ ہے۔ ایسا واقعہ جو واقع ہو چکا۔

اگرچہ مسلمانوں کے پچھڑ جانے کے اس وقتی حادثہ کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر لینا کہ انکی قسمت پر محکومیت کی گویا یہ آخری مُہر تھی جو لگ گئی، میرے نزدیک اس قسم کے الیخولیائی خیالات سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ ان کو تکیہ گراست ہے۔ یہ اونچے والے مکوں سے کوئی ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائے۔ یا رات کی ہولناک تاریکیوں میں مبتلا ہونے والے یہ فیصلہ کر بیٹھیں کہ اب دن کیسے نکلے گا۔

آج اسی ہندوستان میں جب ایسے ایسے مقامی جتھے جنھیں پورے ملک پر یا ملک کے کسی سمت پر بھی نہیں بلکہ کسی خاص سمت کے ایک محدود خطۂ ارضی پر حکومت کرنے کا صرف اتنا موقعہ میسر آگیا تھا کہ بمشکل حکومت کی اسی لائن سے ایک بادشاہ بھی اپنے بادشاہی حوصلوں کے پورا کرنے میں صحیح طور پر کامیاب نہ ہو سکا۔ وہی اس حکومت کا اول بھی تھا اور وہی آخر بھی۔ لیکن اسی قسم کی ایک شاہی حکومتوں کے خیال کو جگا جگا کر لوگ جب حکومت کا خواب دیکھ سکتے ہیں، حکومت کو اپنا پیدائشی حق قرار دینے کی ہمت وہ بھی جب اسی طرح کر رہے ہیں جس طرح اسی حق کا دعوٰے اس سرزمین ہند کے بعض اُن قبائل کی طرف سے بھی ہو رہا ہے جنکے بڑھے بوڑھوں نے کہتے ہیں کہ کچھ دن پہلے طلائی تاج پہننے کا ارادہ کیا تھا۔ بلکہ اسی ارادہ سے دلی کے پایۂ تخت تک بھی پہونچ گئے تھے لیکن ارادہ ارادے کے حدود سے آگے نہ بڑھ سکا۔

جب اپنی حکومت اور حکومت کا خواب جب ان لوگوں کا بھی پیدائشی حق ہے تو پھر آپ ہی بتائیے کہ زمین کے اس پورے کرہ کی امامت اور سیاسی نیابت عظمٰی کی باگ جس قوم کے ہاتھوں میں

صدی دو صدی نہیں بلکہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک مسلسل بغیر کسی وقفہ کے بلا شرکت غیرے دبی رہی اور استوار طور پر وہ اس پر قابض رہی کہ غالباً حکومت کرنے کے سوا اس طویل عرصہ میں اسکو کوئی موقعہ کسی دوسرے پیشہ کے اختیار کرنے کا نہیں ملا۔ جسکا آج یہ نتیجہ ہے کہ حکومت سے ہٹنے کے بعد کوئی دوسرا معاشی پیشہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا ہے کہ کیسے اختیار کرے اور کیا اختیار کرے۔ بلکہ شاید اسی وجہ سے لوگوں میں وہ مطعون بھی ہو رہی ہے۔ ہر طرف سے ملامت و شناعت کی بوچھاریں بھی اس پر برس رہی ہیں۔ یہی میں پوچھتا ہوں کہ اپنے اس پیدائشی حق کا خیال کیا ایک لمحہ کے لیے اس قسم کے قوم کے دل سے کبھی نکل سکتا ہے یا اُس سے نکالا جا سکتا ہے۔ منہ میں جس شیر کے خون لگ جاتا ہے پھر آپ نے کبھی سنا ہے کہ خون کے مزے کو وہ بھول گیا ہو۔

بہر حال "نہ بھول سکتی ہے نہ بھلائی جا سکتی ہے۔" اسکو بہر حال گرنے کے بعد اُٹھنا ہی پڑیگا۔ اور میں تو خیال کرتا ہوں کہ وہ اُٹھ چکی ہے یا کم از کم اُٹھنے کا ارادہ کر چکی ہے۔ راہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی مختلف ہوں لیکن منزل سب کی قطعاً ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ راہوں کے اختلافات میں الجھنا فضول ہے۔ چلنے کا ارادہ ہے تو چلیے چلیے چلیے۔ ان لوگوں کے لیے جو بڑی بڑی قربانیوں کے ارادوں کو دلوں میں پال رہے ہیں ایک ہلکی سی بات میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ کا موقعہ اگر آپ کو ملا ہے تو غالباً "جند ساپور" کا طبیہ کالج درسی کا وہ "مارستان" یعنی شفاخانہ آپ کو یاد ہوگا۔ جسکے عیسائی طبیبوں نے باوجود محکوم ہونے کے اپنی حاکم قوم مسلمان بادشاہوں کے درباروں میں ایسا رسوخ اور ایسا وقار و اعتبار حاصل کیا تھا کہ آج محکوم مسلمانوں کے لیے وہ عبرت و بصیرت کے اسباق پیدا کر رہے ہیں۔ یہی عیسائی اطبا تھے جنھوں نے اپنے دور محکومیت میں ایک ایسی تدبیر اختیار کی کہ اسی کی بدولت اپنی تہذیب اپنی ثقافت الغرض حکومت کے سوا جو کچھ تھا سب کچھ بچا لیا اور اس طور پر بچا لیا کہ صدیوں محکوم ہونے کے بعد عیسائی قوموں کو حکومت حاصل کرنے کا جب موقع ملا تو بزرگوں کی ان ہی بچائی ہوئی چیزوں پر اپنے تمدن و تہذیب کی نئی تعمیر نہایت آسانی کے ساتھ انھوں نے کھڑی کر لی۔ تفصیل تو کتابوں میں پڑھیے، چونکنے اور چونکانے کے لیے میں اسی واقعہ کا سرسری نقشہ سامنے رکھ دیتا ہوں۔

جوں ہی کہ ۳۰ سالہ خلافت راشدہ کی مدت ختم ہوئی اور بجائے خلافت کے ملوکیت کا تخت دمشق میں بچھا، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کل ۴۰ سال بعد یہ دیکھا گیا کہ دمشقی حکومت کے سب سے پہلے اسلامی بادشاہ کے دربار میں جس شخص نے اپنے

افراد و اقوام پر حاکم قوموں کے افراد کو مجبور کردیا ہے، وہ
عیسائی طبیب ابن اثال کا ہے - ابن ابی اصیبعہ نے
اپنے طبقات میں لکھا ہے

"جب حضرت معاویہ بادشاہ ہوگئے تو ابن اثال کو بطور
اپنی ذات کے لیے چن لیا - وہ اُسکے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے
تھے - شب و روز اُس سے گفتگو کرتے رہتے" صفحہ ۱۶۱ ج ۱

بنی امیہ کے اسی شاہی دربار میں دوسرا طبیب جو برسراقتدار
آیا وہ بھی ایک عیسائی ہی طبیب ابو الحکم تھا - اور ابو الحکم کے بعد
اسی دربار میں جسکے وجود نے اتنی اہمیت حاصل کرلی کہ جو
سب کو ڈراتا پھرتا تھا وہی حجاج اس سے کبھی ڈرتا تھا - سب کی
جانیں حجاج کی مرضی سے وابستہ ہوگئی تھیں لیکن حجاج نے
اپنی جان کا مالک جسے بنا دیا تھا وہ تیاذوق نامی نصرانی طبیب
تھا - سب پر حجاج اور حجاج کی تلوار کا حکم چلتا تھا لیکن حجاج
پر بھی جسکا حکم چلتا تھا وہ یہی تیاذوق طبیب تھا - مشہور ہے کہ
ادویہ پستہ کے چند دانوں کے استعمال کا حکم تیاذوق نے حجاج
کو دیا - لیکن پستہ جیسی چیز کو بھلا حجاج جیسا آدمی جو ایک ایک
وقت میں جیسا کہ ابن عساکر نے لکھا ہے :

"گننے والوں نے گنا ہے تیراسی چوراسی روٹیاں کھاتا
تھا - ایک ایک روٹی میں ایک ایک کف دست مکھن ڈالتا اور
نگل جاتا تھا" (ج ۴ ص … ابن عساکر)

پستوں کو بھی مٹھی میں بھربھر کر پھانکتا چلا گیا - نتیجہ بھی ہضم
نہ ہوسکا - دست جاری ہوگئے - تیاذوق بلایا گیا - اللہ اکبر جو
بڑے سے بڑے آدمی کی ہر بات کا جواب تلوار سے دیتا تھا آج
اس نصرانی طبیب کے آگے پڑا ہوا ہے - پھر قسمت میں سخت
سست جو کچھ حجاج کے سننا مقدر تھا سنتا رہا - مٹی کھانے کی
بُری لت میں ایک دفعہ حجاج بھی مبتلا ہوگیا - تیاذوق سے
اس نے اپنی بُری عادت کا اظہار کیا - ایک ڈانٹ پر
حجاج ہمیشہ کے لیے مٹی کھانا بھول گیا -

دور بنی امیہ کے اسی سال تو خیر گزرنے ہی کے لیے تھے
وہ جلد گزر گئے، اسکے بعد اسلامی خلافت کی شاہی گدی پر
بنی عباس جب جلوہ افروز ہوئے تو اسوقت اپنی محکوم قوم اور
اپنے محکوم دین عیسائیت کی پشت پناہیوں میں ان عیسائی طبیبوں
نے جو کام کیا حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنی محکومیت کے اس دور
میں چاہیں تو ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں -

خیال تو کیجیے یہی ہارون الرشید عباسی خلیفہ ہے جو عیسائیوں
کے بادشاہ قسطنطنیہ کو یا کلب الروم (اے یورپ کے کتے)
کے خطاب سے خطوط میں مخاطب کرتا تھا لیکن محکوم عیسائیوں
نے جندی سابور میں اپنا طبیہ کالج مارستان کے ساتھ ساتھ جو قائم
کر رکھا تھا اسی مدرسہ کا صدر جو رئیس خلیفہ ابو جعفر منصور
کے دربار میں سب سے پہلے رسائی حاصل کرتا ہے اور اسکی یہ رسائی
ایسی کارگر ہوتی ہے کہ جو صدیوں اسی مدرسہ کے اطباء کے ہاتھوں پر
عباسی خلفاء، وزراء، امراء اور شاہزادوں اور شاہی محل کی خواتین
کی جانیں چلی جاتی رہیں - طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ بختیشوع کے
بیٹے جبرئیل طبیب کے ساتھ ہارون کا جو تعلق تھا اسکی تعبیر لوگ اسطرح
"مثل نفسہ" (اپنی جان کی طرح اسے عزیز رکھتا تھا) سے کرتے تھے - اس
طبیب کے متعلق ہارون کا یہ مشہور فرمان صادر ہوا تھا "کل من کانت
له الی حاجت فلیخاطب بها جبرئیل لانی افعل کل ما یسالنی … " طبقات
ش ۱۱ طبقات (ترجمہ - جو ضرورت کسی کی وابستہ ہو چاہیے کہ وہ
جبرئیل کو اپنی … مطلب یہ کہ … میں نے یہ بات طے کرلیا ہے
کہ جبرئیل جو کچھ بھی مجھ سے مانگے گا اسے دونگا)

انتہا یہ کہ ہارون نے برسر دربار جبکہ ہاشمی شاہزادے بھی
بیٹھے ہوئے تھے جبرئیل کو مخاطب کرکے کہا کہ حج کے موقع پر عرفات
کے میدان میں میں نے تیرے لیے بہت بہت دعائیں کی ہیں - یہ کہنے کے
ساتھ ہی شاہزادوں کی طرف خطاب کرکے ہارون نے کہا کہ لوگوں
کو شاید میری یہ ادا ناپسند ہوئی ہوگی لیکن بات یہ ہے کہ میری ذات سے
سارے اسلامی عالم کی بقا وابستہ ہے اور جبرئیل کے ساتھ میری صحت
اور میری بقا کا تعلق ہے - اب بتاؤ اس سے بڑا کون ہے ؟ --
یہی جبرئیل تھا ---- ہارون پر غشی کا دورہ پڑ گیا - علاج کیا، اچھا
ہوا، آنکھیں جب ہارون کی کھلیں تو شاہی باڈی گارڈ کا افسر
سامنے کھڑا تھا پوچھا تجھے کیا تنخواہ ملتی ہے - بولا تین لاکھ درہم
سالانہ - اتنے میں کوتوال شہر حاضر ہوا، اس سے بھی یہی دریافت
کیا اس نے اپنی تنخواہ پانچ لاکھ درہم سالانہ بتائی - اسکے بعد
حاجب آیا - تنخواہ پوچھی - معلوم ہوا ایک کروڑ درہم سالانہ - چونکہ
جبرئیل کی تنخواہ اسوقت بھی ان لوگوں سے کم تھی اس نے کہا
کہ یہ انصاف سے بعید ہے کہ انسانوں سے جو میری حفاظت کریں انکو
تو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں دی جائیں اور امراض و اسقام سے جو میری
حفاظت کرتا ہے اسکی تنخواہ ان سے کم ہو - پھر کیا تھا جبرئیل کو جو
دولت عباسی دربار سے ملی آج تک مؤرخین اسکا
ذکر کرتے ہیں - علاوہ سرکاری خزانہ کے اور دیگر درباری امراء شاہزادوں
اور شاہی بیگمات وغیرہ سے جو روپے نقد جبرئیل کو ملے تھے اس کا
حساب جب کیا گیا تو ستائیس کروڑ اور چھ لاکھ درہم ہوئے - اسکے
سوا مکانات اور باغ سیرگاہوں کی شکل میں نیز گھوڑے خچر گدھے
غلام وغیرہ کی قیمت لگائی گئی تو ۷ کروڑ درہم ہوئے - ۸ کروڑ
آلات طبی اور دواؤں وغیرہ کی قیمت میں اس نے وصول کیے اور
جاگیر اسکے علاوہ تھی جسکی قیمت بارہ کروڑ درہم لگائی گئی - لکھا
ہے کہ جبرئیل کے پاس جواہر وغیرہ کے جو ذخیرے تھے انکی قیمت
پانچ لاکھ اشرفیاں اور پچاس کروڑ درہم تھی - انکو میزان کرکے
دیکھیے - اس حساب میں جو آجکل جنگ … کے مصارف بیان کیے جاتے

نہیں ہوئی تھی اور مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی اگرچہ ... تو محبّہ ایک نہیں ہے لیکن محیر العقول اس صاحب کے امداد بھی اسی طرح ہیں جس طرح موجودہ زمانہ کے مثلی معارف کو سنکر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے اور یہ حال کچھ گنے چنے چند طبیبوں ہی کا نہیں تھا عباسی دربار اور عباسی خلفاء کے عیسائی طبیبوں کی فہرست اگر بنائی جائے تو سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ آخر زمانہ تک ان غیر مسلم طبیبوں کا اثر خلفاء اور اسلامی سلاطین کے دربار میں قائم رہا۔ انتہا یہ کہ عیسائیوں سے صلیبی جنگ لڑنے والے ناصر صلاح الدین الایوبی فاتح کے دربار کا سب سے بڑا طبیب غیر مسلم موسیٰ بن میمون تھا۔ جسکے حالات اور سوانح کے لیے ایک مستقل جلد کی ضرورت ہے۔

ان غیر مسلم طبیبوں نے محکومیت کے اس عہد میں صرف یہی نہیں کیا کہ دنیاوی منافع حاصل کیے بلکہ آپ انکے حالات کو پڑھ جائیے ہر ایک اپنی قومی اور مذہبی خصوصیتوں کو پوری قوت کے ساتھ تھامے ہوئے تھا۔ وہی جورجیس جندیسابور کے طبی کالج کا پرنسپل، اسکے متعلق لکھا ہے کہ جب خلیفہ منصور کے دربار میں آیا اور انعام و اکرام سے نوازا گیا تو اس سلسلہ میں چند چھوکریاں جنکا اس زمانہ میں رواج تھا، خلیفہ نے اسکے پاس بھجوائیں۔ انکو دیکھکر جورجیس بہت برہم ہوا۔ اور اسی وقت انکو واپس کیا۔ خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ آپکو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم عیسائیوں کے پاس ایک بیوی کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے تعلق اختیار کرنا حرام ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے اسی جورجیس کے خاندان کے اطباء کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ "یہ لوگ نیکی کرنے اور خیر خیرات، بیماروں کی خبر گیری، مساکین کے ساتھ حسن سلوک، مصیبت زدوں کی اعانت، بیکاروں کی امداد میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اتنا کہ ہم بیان نہیں کر سکتے"۔ (صفحہ ۱۳۶ ج ۱) اور ظاہر ہے کہ ان تمام نیکیوں میں زیادہ حصہ قدرتاً خود اپنی ہی قوم کے لوگوں کا ہوتا تھا۔ جسکے تفصیلات بھی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان عیسائی اطباء کو اپنے دین اور اپنی قومیت پر استقامت پر کتنا اصرار تھا۔ اسکا اندازہ اسی مشہور واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ یہی جورجیس صدر مدرسہ جندیسابور جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو ابو جعفر خلیفہ خود اس کی عیادت کو اسکے گھر آیا۔ خلیفہ نے بطور بہی خواہی کے جورجیس سے کہا "جورجیس! دیکھو! خدا سے ڈر۔ اب تیرا وقت آخر ہے، مسلمان ہو جا۔ میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔ جورجیس نے سلطان الدنیا خلیفہ کی اس فرمائش کے سننے کے بعد جو بات کہی وہی غور کرنے کے قابل ہے۔ اس نے کہا

"حضور بندہ تو اپنے آباء و اجداد کے دین ہی پر قائم ہے۔ اور اسی پر مرے گا۔ اب میرے آباء و اجداد جہاں کہیں ہوں وہی جگہ میرے لیے پسندیدہ ہے خواہ وہ جنت میں ہوں یا جہنم میں" (صفحہ ۱۲۵ ج ۱) کہتے ہیں منصور اس کی یہ بات سنکر ہنسنے لگا۔ اور میرا شبہ نہیں کہ جورجیس کی یہ بدبختی تھی کہ اسلام سے وہ محروم رہا لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے کہ محکومیت کے زمانہ میں انہی لوگوں نے اپنے کمال سے جسے انھوں نے محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا تھا اسی کے ذریعہ سے خود اپنی قوم اور اپنے دین اور اپنی ثقافت کو کس طرح بچا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں کو جو کچھ بھی اپنے آباء و اجداد کا ورثہ ملا ہے وہ انہی مخلص بزرگوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے ان ہی لوگوں نے یونانیوں کے سارے علوم و فنون کو عباسی خلفاء کی سرپرستیوں کے نیچے رہ کر مسلمانوں میں ترجمہ کرکے انھیں پھیلایا اور پھر مسلمانوں نے ان چیزوں کو یورپ کے حوالے کیا۔ ہذا الرسے مسلم یونیورسٹی کا یہ طبیہ کالج بھی مسلمانوں کی محکومیت کے اس عہد میں ایسے باکمال مسلمان اطباء پیدا کرے جنکے بغیر قوت حاکمہ کا کام ہی نہ چلے۔ آج ہمارے نوجوان تھوڑی توجہ سے کام لیں۔ مغربی طب کے ساتھ ساتھ اسلامی اور ہندی طب کے گڑے ہوئے خزانوں کو برآمد کرکے ایک ایسا نظام طبی قائم کریں کہ مسلم یونیورسٹی کا طبیہ کالج جندیسابور کا مدرسہ اور "بیمارستان" بنجائے اور میرے خیال میں کچھ بھی ہو ضرورت تو اس طبی کالج کی مسلم یونیورسٹی میں اس لحاظ سے اتنی زیادہ تھی کہ سب سے پہلے کم از کم اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو اسی کالج کے قیام کا مشورہ دیتا۔ لیکن خیر، دیر میں سہی، جب بات سمجھ میں آگئی تو جہاں تک جلد ممکن ہو چاہیے کہ اس کالج کو قائم کر دیا جائے۔ کل ساٹھ ہزار کا مطالبہ مسلمانوں سے ہے۔ کاش! کوئی اہل خیر اسلامی تاریخ کے اس ورق سے جو میں نے پیش کیا ہے، متاثر ہو اور مسلمانوں کو بھی اپنی محکومیت کے اس دور میں بجائے جندیسابور کے علیگڑھ میں ایک ایسے طبیہ کالج کے قائم کرنے میں مدد دے جسکے پڑھنے والے طلباء نئے اسے بھی کمالات کو لیکر اس کالج سے نکلیں کہ جس طرح عیسائیوں نے اپنی محکومیت کے زمانہ میں ہماری حکومت کو مسخر کرلیا تھا ہم بھی حاکم قوموں پر اس راہ سے اپنا اقتدار قائم کر سکیں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

دگیراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ (رہبر دکن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

غوث انصاری صاحب فرنگی محل لکھنؤ - جناب کا مضمون بحر طویل میں موصول ہوا۔ بہت خوب ہے۔ لیکن جس دلنواز کھیل کا نام آپ نے "گڑیٹی اچھالنا اور اچھالنا" لکھا ہے، اسکے لیے آپ کے قلمدان کے ہوتے ہوئے اور کسی کا حق ہو سکتا ہے۔

شیخ شوکت حسین تاجر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار سچ - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے لئے بس خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجئے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲

نمبر ۱۱ | شنبہ ۔ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

حال میں ایک کتاب مرقعِ دہلی نظر سے گزری۔ اصل کتاب مختصری کوئی ۷۰ صفحوں کی فارسی میں ہے۔ مصنف دکن کے ایک رئیس، خان دوران نواب درگاہ قلی خاں سالار جنگ ہیں۔ ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۹ء میں دکن سے دہلی آئے، اور واپسی پر یہ مرقعِ دہلی لکھ ڈالا۔ مدتوں کے بعد کسی صاحب حکیم مظفر حسین نے اسے بہت مفصل اردو مقدمہ اور تصویروں کے اضافہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا۔

آیئے اس آئینہ میں ذرا دو سو سال قبل کی دہلی کی، محمد شاہی دلی کی کچھ جھلکیاں دیکھتے چلیں۔ یہ خیال رہے کہ نواب صاحب شاعر تھے، ادب و انشاء میں دستگاہ رکھتے تھے، اور آزاد بلگرامی، مرزا مظہر جانِ جاناں، سراج الدین خاں آرزو، علی حزیں کے ہمعصر تھے۔

کتاب میں ذکر چند معاصر "بزرگوں" اور چند عرسوں کا ہے۔ محفلِ عرس کے نمونے کے طور پر صرف ایک مجلس کا منظر خلاصۃً ملاحظہ ہو:-

عرس، قلعہ منزل، محترم کی ۲۳ کو ہوتا ہے۔ ایک مہینہ پہلے سے تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ۔۔۔ ازدحام و ہجوم اور روشنی میں وہ صنعت و اہتمام ہوتا ہے کہ سرو و شمشاد رشک کرنے لگتے ہیں اور آفتاب ماند پڑنے لگتا ہے۔ ۔۔۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہوتا ہے۔

سامان فواحش مہیا، ایک عالم | سامان فراحش اس کثرت سے ہوتے
فساق بکام دل رسیدہ، ارباب | کہ فاسقوں کی ایک دنیا اچھی ہوتی

نزاکت و ہر چہ کہ ایک جہان | پوری کرسکتی ہے، اور خباثت کا
نیاز کسب تمتع می نمایند | اسباب اتنا اکٹھا ہوتا ہے کہ بدکاروں
(ترجمہ) | کی پوری دنیا اپنی مراد پوری کرسکتی ہے،

"مطربہ و قوال از گل زیادہ تر" | "گویوں اور قوالوں کی تعداد گلیوں سے بھی بڑھی ہوئی ہے"

زندہ بزرگوں میں ایک صاحب مقدس بخشش عرف "وجد و حال" یعنی شاہ لال" ہیں۔ انکے کمالات یہ ہیں کہ درد عالم نقرشیلے رنگین دمبرزا واقع شدہ (از رشک) کیفیت ایسے نفیس بنتے ہیں کہ انکا جواب نہیں، کہانا اس نزاکت کا کھاتے ہیں، کہ اپنی نظیر آپ ہوتا ہے۔

بہ وجد و حال و سماع زیادہ | وجد و حال، اور سماع کے شوقین
از حد شائق | حد سے زیادہ ہیں!

ایک دوسرے بزرگ مجنون نانک شاہی ہیں (صفحہ ۲۳، ۱۵) جو سرے سے مسلمان ہی نہیں، اور پھر بھی بزرگ ہیں! دریا کے کنارے ایک وقت معین پر ایک تفریح گاہ میں نکل کر بیٹھتے ہیں:

واکثرے از ہنود و مسلمین براے دیدنش سرے بآں تفریح گاہ میکشند | اور ہندوؤں کی طرح بہت سے مسلمان بھی انکے دیدار کے شوق میں اس تفریح گاہ کا رخ کرتے رہتے ہیں!

یہ حال "بزرگوں" کا ہوا۔ انکے علاوہ ایک سے ایک باکمال "آرٹسٹ" شہر میں بھرے پڑے تھے! "آرٹسٹ" جنکے ذکر ہی نہیں ایک سے ایک "پریزاد" بیسوائیں تھیں! ۔۔۔ ایک صاحب رئیس زادوں اور شرفاء میں مرزا منو تھے۔ انکا فن خصوصی سلطب نوازی و امرد پرستی! تفصیلات کی نقل کی تاب کہاں سے لائی جائے!

—— کتاب ایک ثلث سے زائد ارباب طرب و نشاط کے تذکرے کے لیے وقف ہے، اور اس محفل میں ڈوم ڈھاڑی، سازندے، بھانڈ والے کے علاوہ امرد (نوخیز) اور بیسوائیں بھی بے تکلف اپنے "کمالاتِ فن" کے نقد آرہی ہیں! —— نادر شاہ کے حملہ کی تاریخ یاد کیجیے ۱۷۳۹ء تھا۔ یہ ذکر ۱۷۳۹ء کا ہو رہا ہے! یعنی اس یادگار تاخت و تاراج اور شہر دہلی کے قتل عام کے کل چند ہی روز بعد یا ع غفلتیں اور سرمستیوں، فسق کی گرم بازاریوں کے بعد حیرت اس پر کیوں کیجیے کہ ایک صدی بعد یہ برائے نام حکومت ختم کیوں کر ہو کر رہی، حیرت اس پر کیجیے کہ اُسے صدی سوا صدی کے بعد تک باقی رہنے کی مہلت کیسے ملی!

امن کی برکتیں!

"شملہ ۲۵ مئی۔ گھوڑ دوڑ جو برما میں پہلے بہت مقبول تھی، اب برطانوی تسلط کے بعد دوبارہ شروع ہوگئی ہے۔ چنانچہ رنگون میں پچھلے ہفتہ دو دن رہی... دو دن بازیوں کی میزان ۳۰ ہزار روپیہ تھی"۔ (ایسوشی ایٹڈ پریس)

"نیویارک ۲۴ مئی۔ کاروباری اور تجارتی حلقوں میں قتل کی وارداتیں از سر نو شروع ہوگئی ہیں۔ چنانچہ نئی جرسی میں دریائے ہڈسن میں کسی نے آلوؤں کا بورا تیرتے ہوئے دیکھا۔ اسکی تلاشی شروع ہوئی، اور آخر میں جب اُسے کھولا گیا، تو اندر سے تین مردوں کے کٹے ہوئے اعضاء جسم نکلے! اس سے دو ہفتے قبل تقریباً اسی جگہ ایک مرد کی لاش میز پوش میں لپٹی ہوئی مل چکی تھی۔ پولیس کا خیال ہے کہ نقلی پٹرول کی تجارت اور جستے کی راتب بندی میں تفوق و مقابلہ کے سلسلہ میں، نیویارک کے حدود میں خونیوں کے مسلح گروہ پھر نمودار ہونے شروع ہوگئے ہیں۔ پولیس گرایہ پر خونیوں کے جتھوں کی از سر نو تلاش کر رہی ہے، جیسے کہ قانون امتناع شراب کے آغاز میں پیدا ہوگئے تھے"۔ (گلوب ایجنسی)

"صاحب" کی چلائی ہوئی جنگ کے قہر و غضب کے نمونے تو سب دیکھ ہی چکے ہیں، اب یہ نمونے "صاحب" کے لائے ہوئے امن کے ملاحظہ ہوں! —— شیطان کا جمال، کیا شیطان کے جلال سے کچھ کم ہے؟

سکون کی راہ

"ہمارے ہاں ہر دس شادیوں میں ایک شادی یقیناً ناکامی پر ختم ہوتی ہے، بلکہ عجب نہیں کہ ناکامی کی شرح ۲۰ فی صدی تک پہونچ گئی ہو" (پیپل، لندن ۶ مئی ۱۹۴۵ء)

یہ میرج گائیڈنس کونسل، مجلس ہدایات نکاح، کے ڈائرکٹر پر صدر ڈاکٹر نے حال میں کہا۔ یہ کہیے ارشاد ہوا ہے کہ برطانیہ میں اگر ۲۰ فی صدی نہیں، تو کم از کم ۱۰ فی صدی شادیاں ناکام ہی رہتی ہیں! —— اب تک تو سننے میں آرہا تھا اور سنایا جا رہا تھا کہ شادیاں ناکام ہندوستان میں رہتی ہیں، جہاں کورٹ شپ نہیں، اور جہاں ماں باپ چاہتے ہیں اٹھا کر لڑکی لڑکے کو دے دیتے ہیں! زندگیوں میں سکون، تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ احساس ذمہ داری سے خوف خدا پیدا ہوتا ہے، نہ کہ کورٹ شپ کی تاک جھانک، دیکھ بھال سے۔

۵۰ گنا انتقام!

"لندن ۰۰ جون۔ برلن ریڈیو نے جدید روسی حکومت کے ماتحت آج اعلان کیا کہ کسی ایک روسی سپاہی یا ملکی عہدہ دار کی جان پر اگر حملہ کیا گیا، یا آتش زنی کی کوشش کی گئی تو اسکے انتقام میں پورے پچاس نازی جرمن قتل کر دیے جائیں گے! اور جس کسی کو بھی سازش کی اطلاع ہو اور وہ پولیس کو خبر نہ کرے تو اُسکا بھی یہی حشر ہوگا" (رائٹر)

ایک اقدام قتل کے انتقام میں پورے ۵۰ انسانوں کا قتل! یہ جدید ترین تہذیب کا جدید ترین انصاف! —— اب کچھ قدر ہوئی اُس قانون کی، جس نے شدید اشتعال کی حالت میں بھی ایک جان کے بدلے ایک ہی جان کا قاعدہ رکھا ہے؟

زندہ دل دلی

۱۱۵۱ھ (۱۷۳۹ء) کی محمد شاہی دہلی کا ایک منظر ایک معاصر سیاح و تاریخ نگار کے قلم سے:—

"[illegible] بیگم در دہلی مشہور و معروف اند کہ پائجامہ نمی پوشند و بدن را اسفل از ناف تا آخر رنگ آمیزی ہا نمایند نقاش باسلوب قطعہ پائجامہ رنگین می کنند بے شائبہ تفاوت گل و برگ کہ در بقان کمخاب ہند رومی می باشد نقلم می کشند و در محافل امراء می روند ہرگز امتیاز پائجامہ از این رنگ کردہ نمی شود تا پردہ راز کاوش نیفتد فہم ہیچکس کنہ صنعت آنہا نمی رسد چوں خالی از ندرت و غرابت نیست مرغوب دلہا افتاد" (مرقع دہلی ص ۵۵)

نور بیگم کے لئے مشہور یہ ہے کہ پاجامہ سرے سے پہنتی ہی نہیں۔ بلکہ بجائے اسکے جسم کے حصہ زیریں کو اس خوبصورتی و ندرت کے ساتھ رنگ لیتی ہیں کہ کسی کو عریانی کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہی پہنا، اصل لباس ہی معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح یہ بے تکلف امراء کی محفلوں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ جب تک خلوت میں راز فاش نہ ہو جائے کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ لوگ انکے اس نادر کمال فن پر فدا ہیں۔

کیا کہیے یہ باکمال آرٹسٹ دو صدی قبل پیدا ہو گئیں؟ — انکے فوٹو اخباروں میں، رسالوں میں چھپنے نہ پائے، اور نہ یہ اپنے کمالات کی داد اسٹیج پر یا پردۂ سینما پر حاصل کر سکیں! شمع گردش میں آئی بھی، تو بیچاری صرف چند امراء ہی تک۔ آج کی "جمہوریت" و "عوامیت" کی حکومت ہوتی، تو بجلی کے قمقمے لاکھ لاکھ، دو دو لاکھ چھوٹے ٹکٹ والوں تک کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتے! —— کون کہتا ہے کہ تجدد کا قدم دو سو سال قبل، آج کی ترقیوں ....

سورہ بقرہ رکوع ۲۲

(سلسلہ مسلسل نمبر ۱)

(از تفسیر الماجدی)

۱۷۷ ان تولوا وجوہکم	کہ تم اپنا منہ مشرق
قبل المشرق والمغرب	یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو، بلکہ ۵۱۹
ولکن البر من آمن باللہ	طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ
والیوم الآخر والملائکۃ	اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر
والکتاب والنبیین	ایمان لائے ۵۲۰

۵۱۹ (حالت نماز میں یا عبادت کے وقت)

اسلام سے قبل دنیا کی بیشتر گمراہیوں میں سے ایک اہم گمراہی سمت پرستی تھی۔ یعنی بیجان دیوں، دیوتاؤں، ستاروں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہو گئی تھی، اور غلبۂ جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت، مثلاً مشرق مقدس ہے، اور فلاں معین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن مجید یہاں شرک کی اسی صورت خاص کی تردید کر رہا ہے، اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے، اور کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔

ہمارے حضرات مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال نظر آیا، وہ محض اس لیے کہ انکی نظر مذاہب غیر کی اس گمراہی پر نہ تھی۔

اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لیے کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے، اس نے صرف ایک متعین مکان، یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے، اور اسے قبلہ توجہ ٹھہرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ چنانچہ مشاہد ہے کہ کعبہ مصر و طرابلس و حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہندوستان، افغانستان اور چین سے مغرب میں، شام و فلسطین و مدینہ سے جنوب میں، اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں اور بہت سے مقامات سے ان مختلف سمتوں کے مختلف گوشوں میں۔

المشرق۔ سورج دیوتا دنیائے شرک کا معبود اعظم رہا ہے۔ مشرک قوموں نے اسکی پرستش بڑی کثرت سے کی ہے۔ اور یہ ہوتا مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لیے ہو نہ جانے کتنی قوموں نے مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا، اور عبادت کے لیے اسی کا رخ اختیار کر لیا۔ حضرت مسیح کے چند ہی سال بعد جب مسیحیوں میں ایک شخص ساؤل نامی آ گھسا (جسے ایک دنیا آج سینٹ پال کے نام سے یاد کرتی ہے) اور اس نے مسیحیت کا رخ بجائے توحید و وحدت کے

ایک مستقل تثلیثی شرک کی طرف پھیر دیا۔ رومی اس وقت حاکم قوم تھی اور جیسے آج ہندوستان کے ہر شعبہ زندگی میں "انگریزیت" اور مغربیت کا بول بالا ہے، اس وقت بھی غلاموں کے دلوں پر رومی مشرکوں ہی کے علوم و فنون، تہذیب و معاشرت، دین و عقائد کا تسلط چھایا ہوا تھا۔ رومی مذہب کا ایک جزو آفتاب پرستی بھی تھا۔ پولوسی مسیحیوں نے جہاں اور بہت سے مشرکانہ مراسم رومیوں سے مستعار اخذ کر لیے، وہیں مشرق پرستی کو بھی ان سے لے لیا، اور عبادت مشرق کی طرف رخ کر کے اختیار کی۔ چنانچہ مسیحیوں کے گرجے آج تک مشرق رویہ چلے آتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی مشرق رخی پر زد ڈالی اور بتا دیا کہ یہ سمت وار تقدس تو کسی درجہ میں بھی طاعت و عبادت نہیں۔ [illegible] آیت نازل کر رہی ہے۔

والمغرب۔ مشرق پرستی سے تو بہرحال کم اور بہت کم لیکن پھر بھی بہت کچھ عام اور وسیع، مغرب پرستی کا بھی شرک کی دنیا میں رواج رہ چکا ہے۔ آفتاب کے طلوع و غروب پر قیاس کر کے مشرکانہ ذہنیت نے یہ نتیجہ نکالا کہ سعد ہے جس طرح سمت مشرق ہے، اسی طرح منحوس سمت دابل سمت مغرب ہے۔ اور یہ بھی مستحق تعظیم و تقدیس ہے۔

نیز ملاحظہ ہوں حواشی نمبر ۴۵۱ و ۴۵۳

المشرق والمغرب۔ یہ دونام صراحت کے ساتھ صرف مثال کے طور پر لے لیے گئے، مقصود تمام سمتوں کی تعمیم ہے، انھیں دو سمتوں کی تحدید یا تخصیص نہیں۔

والمراد من ذکر المشرق والمغرب التعمیم لا التعیین لسمتین (روح)

۵۲۰ مشرکانہ ذہنیت کی تردید کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اصلی طاعت یہ ہے جسکا بیان اب ہو رہا ہے، آیت کے اس جزو میں عقائد کی تصحیح آ گئی۔

ولکن البر من کے تقدیر کلام یوں ہے ولکن البر من۔

طاعت تو اسکی ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ الخ

والتقدیر ولکن البر بر من (قرطبی) حذف المضاف وهو کثیر فی الکلام وهذا الفراء والزجاج وقطرب (کبیر)

آمن باللہ۔ اس میں دہریت و الحاد کی جلی و خفی ہر صورت کی تردید آ گئی۔ ایمان بہ صفات اللہ کا یہی دروازہ ہے، کوئی ایسا نظام یا مسلک (خواہ اسکی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی) جس میں اللہ کی ذات و صفات پر ایمان کا جزو داخل نہ ہو، طاعت سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتا۔

ادیت، تثلیث، ارتقائیت، دنیا ہیت (اگناسٹی سیزم) یا ثنویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت باطل ہیں۔ اور یہ وہ مذہب اور

جین مت بھی، اگر اُن کی بابت یہ بیان صحیح ہے کہ اُن میں توحید باری موجود نہیں۔

والیوم الآخر — اس میں تردید اُن تمام گروہ قوموں کی آگئی جو وجود باری کی تو قائل تھیں، لیکن اس عقیدہ سے نا آشنا تھیں کہ ایک عالم آخرت بھی ہے، جہاں ایک روز، روز جزا، خدا کا سامنا کرنا اور زندگی کے ایک ایک معاملہ کا حساب دینا ہے۔ اور قوم اور یہود تک اپنی زبردست [illegible] حد کے باوجود عالم آخرت سے اپنا تعلق واجبی درجہ ضعیف کر چکا تھا۔ ہندو [illegible] دنیا [illegible] تو [illegible] قائل [illegible] آواگون سے، خواہ یہ تعلق تناسخ [illegible] قائل [illegible] [illegible] کے پھیرے ہیں سب [illegible] شکلیں ہیں۔

والملائکۃ — فرشتوں پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے وجود اور مخلوقات کا وجود خدا کے بندوں اور کارساز خالق کے خادموں، خادموں اور بندوں [illegible] کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے، نہ یہ کہ خود نہیں کہ مستقل قوتوں کی طرح فاعل متصرف [illegible] مانا جائے، اور عقیدہ کو ایک پہلو نے پہلو یہ حاجت روا تسلیم کیا جائے۔ ہندوستان، روم، یونان، مصر، ایران کی ان تمام مشرک قوموں کی تردید ہو گئی، جنھوں نے فرشتوں ہی کے تخیل کو مسخ کر کے کائنات کے مختلف شعبوں کے لیے دیویاں اور دیوتے تجویز کر رکھے ہیں۔

والکتٰب — کتاب یہاں بطور اسم جنس آیا ہے، اس کا اطلاق صحیفۂ آسمانی کے نفس تخیل پر ہوگا۔

کتاب آسمانی کا عقیدہ بھی ایک تمامتر اسلامی عقیدہ ہے۔ مشرک قومیں تو خیر اس تخیل ہی سے نا آشنا ہیں، کہ اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب کسی بندہ پر نازل ہوتی ہے۔ خود "اہل کتاب" تک اب (سوائے ان اصطلاحوں کے مطابق کسی "کتاب الٰہی" کے قائل نہیں رہے! ان کے "کتاب" کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ کسی نے اپنی ہدایت کے لیے بعض اشخاص کو چن لیا، اور ان کے قلوب پر کچھ مضامین بطور الہام القاء کردیے۔ اور ایسا الہام ہر نارت کو ہو سکتا ہے، نبوت اس کی کوئی لازمی شرط نہیں۔ پھر بعد کو ان لوگوں اور ان کے نے انھیں مضامین و معانی کو اپنے لفظ و عبارت میں ادا کرکے اپنے شاگردوں اور مریدوں کو سنا دیا، پھر ان سامعین نے انھیں اپنے طور پر لکھ لکھا لیا۔ (بجز توریت کی ابتدائی پانچ سورتوں کے کہ وہ یہودی عقیدہ کے مطابق خود حضرت موسیٰ کی نوشتہ ہیں)۔ گویا ان الہامی کتابوں کی حیثیت کل وہ ہے جو ہمارے ہاں بزرگوں کے جمع کیے ہوئے ملفوظات کی ہوتی ہے!

کہاں یہ تخیل، اور کہاں مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف تک وحی شدہ ہے، جس میں غلط اور خلط کا امکان ہی نہیں!

اور یہی تو جب حضرت مسیحؑ کی رسالت و نبوت ہی کے سرے سے قائل نہیں بلکہ ان کی الوہیت کے مدعی ہیں۔ تو حضرتؑ کا صاحب کتاب رسول ہونا ان کے ہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا — کوئی آپ اپنے اوپر بھی بھلا کتاب نازل کیا کرتا ہے؟

والنبیین — یعنی عقیدہ یہ ہو کہ اللہ انسانوں کو پیغمبر بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ خود حق تعالیٰ مجسم ہو کر اس دنیا میں آجاتا ہے، یا کسی قالب میں حلول کرتا ہے۔ اس عقیدہ میں صاف تردید ہو گئی [illegible] اوتار پرستی کی، مظہر پرستی کی، حلول کی، تجسیم باری تعالیٰ کی [illegible] مذہب [illegible] اور مقابلہ ہے "پیغمبر" کے۔ اوتار کا مفہوم یہ ہے کہ ساری کائنات کا خود کوئی دیوتا یا قالب اختیار کرکے دنیا میں آجاتا ہے اور یہ [illegible] نہیں کرتا۔ قالب انسان ہی کا ہو۔ شیو جی یا بشن جی جس طرح رام چندر جی اور کرشن جی بن کر آسکتے ہیں، اسی طرح سانپ، بلکہ شیر، بن کر یا مچھلی یا کچھوے کا قالب اختیار کر کے آسکتے ہیں۔ غرض یہ اوتار معنی [illegible] صفت کے، الٰہ ہوتا ہے، اور صورت اور شکل کے اعتبار سے انسان یا جانور۔ پیغمبر اس کے برعکس صرف بشر ہوتا ہے اور ہمیشہ بشر ہی۔ نہ کبھی فوق البشر، نہ کبھی تحت البشر، بجز اس کے کہ صاحب وحی ہوتا ہے (اور اس لیے اخلاق و پاکیزگی میں بے نظیر، اور جرم و عصیان سے پاک)، اور کیا حیثیت سے شکل و صورت میں چلنے پھرتے ہیں، بیٹھتے چلتے ہیں، بھوک پیاس میں، غم و مسرت میں، صفات بشری سے ممتاز نہیں ہوتا۔

آیت کے اتنے سے جزو میں قرآن مجید نے اپنی معجزانہ بلاغت و ایجاز سے تمام اعتقادی گمراہیوں کی جڑ کاٹ دی، اور سارے مذاہب باطلہ کی تردید کردی۔ اعتقادی گمراہی جب کبھی بھی انسان کو گھیرے گی، ہمیشہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب اور ایمان بالانبیاء ہی کی کسی نہ کسی غلطی یا غلط فہمی کی راہ سے آئیگی۔

ناظرین صدق سے

صدق کے مہتمم اور جناب مدیر صاحب دونوں کے پتے، ہر پرچہ میں بلاناغہ الگ الگ چھپتے رہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کثرت سے ناظرین صدق، خلط مبحث کرتے رہتے ہیں۔ مضامین اور ریویو کے لیے کتابیں وغیرہ لکھنؤ دفتر کے پتہ پر ارسال کردیتے ہیں، اور چندہ اور دفتری ہدایات دریاباد، اڈیٹر صاحب کے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ اس سے خود انھیں کی فرمایشوں کی تعمیل میں سخت تاخیر ہو جاتی ہے۔ ناظرین کی تکلیف خود ہماری تکلیف ہے۔ لیکن اس کا علاج خود انھیں کے ہاتھ میں ہے۔

مہتمم صدق

فکر سندھی پر تبصرہ

مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و خیالات، مذہبی اصلاح و انقلاب کے سلسلہ میں اب کسی جدید تعارف کے زیادہ محتاج نہیں۔ ذیل میں ان کے افکار پر ایک مفصل تبصرہ علامہ مناظر احسن گیلانی مدظلہ کے قلم سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ تبصرہ اب سے قبل روزنامہ نشیمن (دہلی) میں نکل چکا ہے۔ یہاں بجنسہ اسی سے نقل کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ کا لب و لہجہ جناب سندھی کے معتقدین کو یقیناً تلخ و تند و غیر آزاد معلوم ہوگا۔ لیکن مولانا گیلانی نے بھی اسے جس جوش دینی و غیرت ایمانی کے ماتحت لکھا ہے، اسکے لحاظ سے وہ بھی معذور ہیں۔ ملا عبد القادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے کب کوئی کسر شیخ ابو الفضل اور بادشاہ اکبر کے تذکرہ میں اٹھا رکھی؟

بہرحال مقالہ کے نفس مطالب کی اہمیت کے پیش نظر جناب سندھی کے معتقدین سے معافی طلب کرکے اصل مقالہ نذر ناظرین ہے۔ مدیر

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مجھے مولوی عبید اللہ سندھی کی نہ ذات سے بحث ہے اور نہ صفات سے۔ میرے سامنے اس وقت ایک کتاب ہے پروفیسر سرور کی کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی" نامی ہے۔ اس کتاب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مؤلف کتاب نے وقتاً فوقتاً مولوی عبید اللہ سندھی کے خیالات جو سنے ہیں انہیں قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب باریک حروف میں (۴۰۸) صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ لیکن پڑھ کر مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کے جو خیالات میں اس سے دریافت کر سکتا ہوں انہیں ایک خاص ترتیب سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اس کتاب میں مولوی عبید اللہ صاحب کی سوانح عمری بھی مختصراً مؤلف کتاب نے لکھی ہے اور اسکے بعد مختلف عنوانوں کے تحت ان ہی کی طرف منسوب کرکے انھوں نے مولوی صاحب کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

سچ پوچھیے تو مجھے اس سے بحث نہیں کہ اپنے سیاسی سفر سے پہلے مولوی عبید اللہ صاحب کیا تھے۔ سکھ تھے۔ ڈیرہ غازی خاں کے کسی پٹواری کے یتیم بھانجے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کی صورت کیسے پیش آئی؟ مسلمان ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر انھوں نے کیا کیا پڑھا؟ فارغ ہونے کے بعد انکی زندگی کن مشاغل میں گزری، ارادت و بیعت کا تعلق دیوبندی بزرگوں سے انھوں نے حاصل کیا یا سندھی پیروں کی صحبت میں رہے۔ انکے پہلے پیر سندھی پیر حافظ محمد صدیق مرحوم خود کس عقیدہ اور عمل کے آدمی تھے۔ پھر انکی چند ماہ کی صحبت دیوبند آنے سے پہلے کس حد تک ان پر اثر انداز ہوئی۔ دیوبند سے واپسی کے بعد جس طریقہ کا "راشدی قادری طریقہ" نام انھوں نے رکھا ہے، اس طریقہ کے خصوصیات کیا ہیں اور اس طریقہ کے بزرگوں نے ذکر و شغل کے طریقے جو انھیں بتائے تو اس خوف سے کہ

"اگر میں ان اشغال و اذکار میں لگ جاؤں تو اپنا اصل کام نہ کر سکوں گا۔ اس لیے ادھر سے توجہ کم کر دی اور درس نظامی میں زیادہ وقت دینے لگا" (صفحہ ۱۰۸ کتاب مذکور)

صوفیانہ اشغال و اذکار کو شروع کرنے کے بعد درمیان ہی میں چھوڑ دینے کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کی بیسیوں باتیں بحث طلب ہو سکتی ہیں، لیکن ان میں الجھنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح سرور صاحب نے انکے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

"دیوبند میں مولانا کی مسلمانوں کی سماج سے ٹکر ہوئی اور جس طرح سکھ سماج کا دائرہ مولانا کے لیے تنگ ثابت ہوا، اسی طرح مسلمانوں کے خود ساختہ سماج نے بھی جسے وہ اسلام کا نام دیتے تھے، مولانا پر اپنے دروازے بند کر دیے" صفحہ ۳۲

اس ٹکر کا مطلب کیا تھا اور ٹکر کن لوگوں کے مقابلہ میں تھی۔ حتیٰ کہ سرور صاحب کا جو بیان ہے کہ علماء دیوبند جنہیں انھوں نے "مشائخ دیوبند" کے نام سے موسوم کیا ہے ان "علما" یا "مشائخ دیوبند" نے مولوی عبید اللہ صاحب کو کافر کا لقب بھی دیا۔ (صفحہ ۲۲)

ان مشائخ اور علماء میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی وغیرہم حضرات کے سوا اور کون کون سے حضرات تھے۔ کیونکہ یہ سارے واقعات خاکسار کے سامنے گزرے ہیں، جب دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت ایک طالبعلم کے فقیر شریک تھا۔ وہ مسئلہ کیا تھا اور بالآخر مولوی عبید اللہ صاحب کو یہ فیصلہ کرنا پڑا جیسا کہ ان ہی کے الراویہ سرور صاحب راوی ہیں کہ

"وہ (یعنی مولوی عبید اللہ صاحب) جان گئے کہ اسلام وہ نہیں ہے جسکے ٹھیکہ دار یہ لوگ ہیں" (صفحہ ۲۲)

"یہ لوگ" یعنی مولانا انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہم حضرات جس اسلام کے ٹھیکہ دار ہیں۔ مولوی عبید اللہ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ سرے سے وہ اسلام ہی نہیں ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے؟ اور یہ سلوک تو مولوی عبید اللہ مشائخ دیوبند سے انکا صرف تعلیمی اور ظاہری علوم کے پڑھنے پڑھانے کا تعلق تھا

لیکن انکے الراویہ کا بیان ہے کہ مولوی عبید اللہ

"دیوبند کی ظاہری رنگ روپ اور شکل و صورت کے تو وہ کبھی قائل نہ تھے" (صفحہ ۲۱)

(باقی آئندہ)

روایاتِ نزولِ مسیحؑ

نمبر (۱۱)

(سلسلۂ مسلسل کیلئے)

از مولوی عبد الرحیم خان صاحب جیپوری فرنگی محلی

وہ عبارت بھی اس امر پر شاہد ہے کہ مذکورہ امر عقائد میں سے نہیں، یہ کوئی سمجھدار ذی فہم شخص، ان توجیہوں کو عقائد میں شمار کر سکتا ہے جنکے بظاہر معنی توجیہ سے قرآن کا نسخ خبرِ واحد سے لازم آتا ہے۔ اور دوسری توجیہ سے علت غیر منصوصہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حکم کا عدم لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں امر کم از کم اصول حنفیہ کے لحاظ سے تو درست نہیں (بہرحال خیالی کی اس عبارت سے بھی نزولِ مسیح یا حیاتِ مسیح والے مسائل میں سے کسی کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ حیاتِ مسیح کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں اور نزولِ مسیح کا ذکر ہے لیکن مسئلہ کی قطعیت پر کوئی لفظ بھی دلالت نہیں کرتا اما شارح عقائد نسفیہ اور خیالی کی ان عبارتوں کے علاوہ شارحین و محشین کی اور عبارتیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں جن میں ذکر شدہ مسئلہ کو عقائد میں سے نہیں شمار کیا جا سکتا۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے حاشیۂ عبد الحکیم سیالکوٹی بر خیالی سے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے "واتما اکتفی الشارح بذکر عیسیٰ علیہ السلام مع ان حیاتہ ونزولہ الارض واستقرارہ علیہ قد ثبت باحادیث صحیحۃ بحیث لم یبق فیہ شبھۃ ولم یختلف فیہ احد بخلاف الثلثۃ الباقیۃ۔"

اس عبارت میں جو کچھ تحریر ہے اُس کی صحت اگر تسلیم بھی کر لی جائے (حیاتِ مسیح علیہ السلام کے لیے احادیث صحیحہ سے ایسا ثبوت کہ جس میں شبہ نہ باقی رہے اور اُسکا مختلف فیہ نہ ہونا یہ امور قابلِ تسلیم نہیں) تب بھی اس سے مسئلہ حیات و نزولِ مسیح کی قطعیت ثابت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ حدیث مشہور و مستفیض (جو مفید قطعیت نہیں) کے متعلق بھی بعض مرتبہ "لم یبق فیہ شبھۃ" کا گمان ہو جاتا ہے لیکن اور غور کے بعد "شبہہ" تک رسائی ہوتی ہے (نمبرہ ملاحظہ طلب) اور کسی مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہ کرنا یہ بھی کوئی قطعیت کی دلیل نہیں علاوہ اسکے عبد الحکیم سیالکوٹی نے جس امر کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق علمِ حدیث اور اصولِ فقہ سے ہے اور یہ قول بھی بطور ادعا ہے نہ بہ سبیل حکایۃ و نقل (سیالکوٹی نے اپنے بیان کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے) اور عبد الحکیم سیالکوٹی فنِ حدیث اور فقہ کے مستند علماء میں سے نہیں۔ درس نظامی کی کتابیں محض پڑھ لینا (جنکے مطالعہ نہ کرنے کا علامہ مجیب نے مجھ پر طنز فرمایا ہے) کافی نہیں ہوتا۔ کم من علم مادہ من عقل بادہ مشہور مثل ہے۔

ایک بہت بڑے شیخ الاسلام کے متعلق "علمہ اکبر من عقلہ" کہا گیا ہے

ان ہم الا بحر من اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

علامہ مجیب نے اپنے مضمون میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا اُس پر تبصرہ ختم ہو گیا۔ اب آخر میں گزارش ہے کہ اس کہنے سے کہ فلاں مسئلہ قطعیات میں سے ہے یا فلاں مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ ہیں، عام لوگ کیا بلکہ خواص تک عام طریقہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا منکر کافر ہے اگرچہ وہ مدعی اسلام ہو (حالانکہ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ ہر وہ مسئلہ کہ جو قطعیات میں سے ہو کوئی ضروری نہیں ہے کہ اُسکے منکر کی تکفیر کی جائے جبکہ وہ "ماولین" میں سے ہو اور مسئلہ ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو) بنا برین مبصر صاحب نے جب حیات و نزولِ مسیح کو قطعیات میں سے شمار کیا اور خروجِ مہدی کے متعلق احادیث متواترہ ہونے کا دعوے کیا تو اس پر احقر نے مبصر صاحب کی خدمت میں جو چند گزارشات پیش کیے (جنکے جواب میں علامۂ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے یہ تحریر فرمایا جس پر میرا تبصرہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے) اُنکی اصلی غرض یہی تھی کہ مبصر صاحب کی تحریر سے کوئی صاحب غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں، اگر غلط فہمی باقی رہی اور معاملہ صاف نہ ہوا تو آیندہ نسلیں اس چودھویں صدی کے علماء کی تحریر دیکھ کر ایک غلط امر کے ارتکاب میں مبتلا ہو نگی، اور جس طرح اس چودھویں صدی میں بعض اگلے علماء کے بعض الفاظ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک جماعت علماء ان مسائل میں "ماولین" کو تکفیر پر آمادہ ہے۔ اس سے بڑھ کر آیندہ یہ ایک متفقہ فیصلہ سمجھا جاتا اگر ان معاملات پر پردہ پڑا رہتا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ صدق نمبر ۴۳ جلد ۱۰ مورخہ ۱۲ - مارچ ۱۹۶۰ء میں ایڈیٹر صاحب صدق کا جو نوٹ صفحہ ۳ پر بعنوان "روایاتِ نزولِ مسیح" شایع ہوا اُس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ میری کوشش بار آور ہو گئی اور ایک صاحب علم کے قلم سے کم از کم مسئلہ نزولِ مسیح کے متعلق تو یہ تحریر شایع ہو گئی کہ اسکے منکر کی تکفیر نہ کی جائیگی۔

اگر مبصر صاحب یا علامہ مجیب بھی یہ ظاہر فرما دیں کہ ان ہر سہ مسائل میں سے کسی سے اگر کوئی مدعی اسلام کسی تاویل کی بنا پر انکار کرے تو اسکی تکفیر نہ کی جائیگی اور یہ کہ نزولِ مسیح اور خروجِ مہدی کے منکر کی تضلیل و تفسیق کے مابین "ضلالۃ دون ضلالۃ" کا لحاظ کیا جائیگا (یہ امام بخاری کے "کفر دون کفر" کی طرح ایک نئی اصطلاح ہے) کہ منکر خروجِ مہدی کو مبتدعین اور فرقہ ضالہ میں سے نہ شمار کیا جائیگا اور حیاتِ مسیح کا منکر کسی تفسیق و تضلیل کا بھی مستحق نہیں کیونکہ یہ کوئی تقلیدی مسئلہ نہیں کہ جس میں علماء کے مسالک کی تقلید ضروری ہو) تو یہ بحث کم از کم میری طرف سے ختم ہو جائیگی، کیونکہ پھر نزاع محض لفظی اور اصطلاحی رہ جائیگی جس کے لیے ضرورت نہیں کہ اخبار و رسائل کے صفحات وقف کیے جائیں۔ ساتھ ساتھ اُن "صاحبِ علم" کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ اظہار مسائل میں سے صرف نزولِ مسیح کے متعلق تو اتر معنوی کے اظہار اور یعنی ہر دو مسائل کے متعلق سکوت سے اس احقر نے

۔۔۔ السکوت فی معرض البیان بیان" کے لحاظ سے یہ خیال قائم کیا ہے کہ جناب والا بقیہ ہر دو مسائل کے بارے میں میرے ہمنوا ہیں یعنی آپ بھی مسئلہ حیات مسیح کو قطعیات دین سے نہیں سمجھتے اور آپ کے نزدیک بھی خروج مہدی کے لیے کوئی صحیح متواتر حدیث موجود نہیں۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ (اور یہ کہ یہ مسئلہ بھی قطعیات میں سے نہیں ہے) اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو بہت مناسب ہے کہ اسے بھی بصراحت آپ تحریر فرما دیں یا محض اس امر کی صراحت فرما دیں کہ محض ان دونوں مسئلوں میں سے کسی منکر کی بھی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی درخواست ہے کہ "نزول مسیح کے بارے میں تواتر معنوی ہے" اس پر نظر ثانی بھی فرمالیں۔ کیا عجب ہے کہ نظر ثانی کے بعد "نزول مسیح کے بارے میں تواتر معنوی" کے بجائے "وجود مسیح کے بارے میں تواتر معنوی" ہو سکے تو آپ قائل ہو جائیں۔ اس طرح میرے اور آپ کے مابین اختلاف لفظی و اصطلاحی کی خلیج اور بھی کم ہو جائیگی۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ امام مہدی کے قبل بجز چند غیر معروف علماء کے جنکا پایۂ استناد ذرا بھی معرض بحث میں آ سکتا ہے کسی معتبر اور مستند عالم کی زبان و قلم پر نزول مسیح کے متعلق تواتر معنوی کا لفظ نہ ہو۔ حالانکہ بے شمار علماء نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہو اور عام طور سے اسے احاد ہی کی جانب نسبت دی ہو اور ہم آج اس چودھویں صدی میں تواتر ہی کی جانب اس مسئلہ کو منسوب کریں۔ علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد کی عبارت جو ضمناً (ب) میں اوپر مذکور ہوئی کیا لائق توجہ نہیں جبکہ مسئلہ امامت مہدی و عیسیٰ علیہما السلام کے بارے میں انکی رائے پر جرح کی گئی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں انپر کسی کی جرح کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ اور اگر نئے سرے سے اجتہاد و تحقیق ہی کا معاملہ ہے تو احادیث کا ذخیرہ سامنے ہے انپر نظر ثانی ذرا ٹھنڈے دل سے کر دیکھیے کہ نزول مسیح کے بارے میں (یا وجود مسیح آخر الزمان کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے ہی کثرت سے روایات مختلف ارشادات ہیں کہ انکی بنا پر تواتر معنوی کا خیال قائم کیا جا سکے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ گزارش رائیگاں نہ جائیگی۔ اور اگر نظر ثانی کے بعد رائے عالی میں کوئی ترمیم ہو تو اس سے صدق کے صفحات محروم نہ رکھے جائیں گے۔ ورنہ کم از کم میری طرف سے تو اپنے لیے اس بحث کو ختم ہی سمجھیں۔ یہ نزاع محض لفظی و اصطلاحی رہ جائیگی۔ جسکے لیے جیسا کہ اوپر میں نے عرض کیا ہے اخبار و رسائل موزوں نہیں۔ آپ کی مذکورہ تحریر پر جو کچھ مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے (جو صدق سنہ ۴ بعد مضامین شایع ہو چکا ہے) اُسے ملاحظہ فرما کر غالباً آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ جب نوبت یہاں تک پہونچ جائے کہ مسئلہ کی قطعیت تو ایک طرف تو بھی علامہ ... کی تحقیق اور انکے اجتہاد کے خلاف ہے۔ مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے تو کس طرح خامہ فرسا رہا جا سکتا ہے

کیا اب ضروریات دین کی نئی فہرست بنائی جانے والی ہے؟ اللہم انا نعوذ بک من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا ونسئلک ان تصلی علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

امارت و افلاس

(اسلام کا نظریۂ توافق)

یہ تو ایک حقیقت نفس الامر ہے کہ اس دنیا میں اگر ایک طرف دولت و امارت کی دھوم ہے تو دوسری طرف غربت اور افلاس کی پکار۔ ہزاروں سال سے دنیا اسی تضاد و تنقسیم کی بدولت پامالیوں میں سرگرداں ہے۔ روس کی اشتراکیت بھی اسکا کوئی حل معلوم کر سکتی ہے ۔۔۔ آگے پس کر خود بھی سرگرداں ہو جاتی ہے۔ اسکو دیکھنا ابھی باقی ہے۔ اہل مذہب کا یہ ادعا ہے کہ دنیا کے اس متناقض نظام کی پیچیدگیوں کو سلجھانے میں اسکی روشنی ہی میں کامیابی کا راستہ مل سکتا ہے

اسلام نے امارت اور غربت میں توافق پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس نے معاشرت کے ایسے دلپذیر آئین وضع کیے کہ انکی پابندی سے ہر شخص حق کا شکوہ حاصل کر سکتا ہے۔

سود کی وجہ سے نظام معاشرت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے اُسکے سدباب کے لیے اسلام نے بہت سخت نقطہ نظر قائم کیا۔ اسلام نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو خود خدا سے جنگ کے مصداق قرار دیا ہے۔ بعد میں اسلامی قوانین کے رد عمل کے طور پر مغربی مہاجنوں کے جنون امارت نے دنیا میں اپنی برتری منوالی دنیا اب اس جنون کے رد عمل کے جنگل میں گزرتا ہے۔

معاشی قوانین اسلام کے رد عمل سے پہلے عقائد اسلام کو ایک بہت شدید فلسفیانہ رد عمل سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اسوقت یہ ہوا کہ مسلمان فلسفہ کے مکاتب میں شراب زانوئے ادب تہ کرتے اور ان علوم میں پوری مہارت اور دسترس پیدا کرتے تھے۔ جنکے متعلق یہ خیال تھا کہ ان سے اسلام کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خود فلسفہ نے علوم کی تائید و رد سے مسلمان فلاسفروں نے خود فلسفہ کی بنیاد متزلزل کر دی۔ امام رازی اور امام غزالی نے فلسفہ کے خیال و وہم کے تار و پود کو بکھیر دیا۔ اور اس زمانہ میں بالآخر یورپ و فلسفہ کو تسلیم کرنا پڑا کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں امام غزالی کی شخصیت سد سکندری ثابت ہوئی۔ لوگ منتظر تھے کہ اس معاشی افراط و تفریط کے دور ۔۔۔

گئی۔ آخر ایسے افراد ضرور پیدا ہونگے جو تاریخ کو دہرائیں۔ ... مغربی معاشیات سے واقف ہوکر ... دینگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسکا آغاز ہوچکا ہے ... مناظر ضرور نظر آئے جیسا کہ خود ... تھا کہ خود مسلمان اساتذۂ معاشیات ... کا جواز ثابت کرنے لیے مسلمان ... تحقیق دیتے تھے۔

... ڈاکٹر انور اقبال صاحب قریشی کو ... یہ اولیت ... کہ مغربی معاشیات کے اصول و ضوابط ... اسلامی معاشیات کے اصول و ضوابط سے تقابل کریں۔ ڈاکٹر صاحب ... تحقیق ... کے نتائج اب ایک تالیف کی صورت میں ... شائع ہو چکے ہیں۔ ... کتنا درست ہوگا کہ ... اور ... مزید توجہ کی ضرورت تھی

(مجلۂ طیلسانین)

ریاض پر لائبل

صدق جدید کے شمارہ "ریاض پر لائبل" ... مرحوم جناب عقیل جعفری خیرآبادی لکھتے ہیں: "... لائبل کے سلسلہ میں جناب ... حضرت مرحوم ... عام مسلمانوں ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ... انسانیت کی طرف سے بھی مکمل بدل طور پر ... تاہم جی چاہتا ہے کہ حضرت مرحوم کے ... فراست مومن کی امید ہی جبکہ ... پیش کردوں جو بجائے خود اس ... کا دلیل ہیں ... کبھی شراب چکھی نہ تھی بلکہ ... شراب ... انکی مراد بھی یہ شراب ... تھی۔ ان کی ... کبھی ... ہے اور کبھی ارادت شیخ و بزرگان طریقت ... حب رسول ... [اسکے لئے بہت سے اشعار کلام ... سے ... حضرت ریاض کی خود نوشت ... کے ان واقعات کے علاوہ ... جو انکی تردید ... میں درج ہیں۔ اور شرح ریاض کے عنوان سے یہ کتابی ... میں عنقریب حیدرآباد سے شائع ہونے والے ہیں"۔

اشعار کی نقل کی ضرورت ہی نہیں۔ بات بالکل صاف ہے ... کثرت سے نقل کی گنجائش اگر نکال لی جائے، تو عجب نہیں، کہ ... ایک نیا پرچہ "ریاضیات بن جائے! اور ... کے سلسلہ میں ایسا ... مکمل کررہے!

شریفانہ انتقام

جنگ کے دوران میں یورپی قوموں نے جس وحشت و خونخواری کا اظہار کیا ... اسکے لیے تو کوئی ... جواز بھی نکل سکتا ہے ... جنگ ختم ہونے کے بعد جو کچھ ہورہا ہے وہ اتنا نفرت انگیز ہے کہ ... تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ... کو پھانسی دے کر ... اسکی نعش کو کفن کے بجائے ... میں لپیٹ کر ایک گڑھے میں ... اور قبر کا نشان بھی نہ چھوڑنا اور اسی قسم کی دوسری ... ان کے حامیوں کے لیے مقام فخر نہیں ہوسکتیں ... یہی تو وہ موقع ہے۔ جہاں ... کی شرافت و شائستگی کا ... مکہ کے لوگوں نے حضرت رسول خدا صلعم پر ناگفتہ بہ ... توڑے انکے مقدس ساتھیوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیں ... کا دائرہ تنگ کر دیا۔ ... جس دن مسلمان ... فاتحانہ داخل ہوئے ... رسول نے تمام کانپتے اور لرزتے ہوئے ... دشمنوں سے ... لا تثریب علیکم الیوم۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ۔ ... شہریوں کی طرح زندگی بسر کرو۔ حالانکہ ... ہے کہ ... کی پالیسی ... دشمن کے سرغناؤں کو ... ضرور قتل کردیتے ... کو قید میں ڈال دیتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ ... کا یہ اثر ہوا ... دشمن سب کے قلوب ... سے بھر گئے۔ اور اسکے بعد کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔

(انقلاب)

تذکرہ حبیبی اردو

(مولفۂ مرشدی و مولائی اعلیحضرت حافظ محمد علی حید ر صاحب قلندر)

پہلی جلد میں تصوف کی اہمیت، خیال و یقین، شریعت و ... کا باہمی ... اور صوفیہ کرام کے تقریباً تمام مروجہ سلسلوں کا ذکر ہے۔ اور دوسری جلد میں ایک ایسے ... پیر طریقت ... شریعت کے سوانح حیات جو ذات و صفات کے انسانی ... کے ساتھ ہی ساتھ کچھ اور بھی تھے یعنی

دل ... آشنا را آشنا ئے

اہل دل اور صاحبان نظر کیلیے تذکرۂ حبیبی کا مطالعہ ... مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صرف چند جلد محفوظ ہیں - دونوں جلدوں کی مجموعی قیمت صرف ... علاوہ محصول ڈاک۔ کاغذ ولایتی - طباعت و کتابت ...

ملنے کا پتہ

مہتمم کتب خانۂ انوریہ - تکیہ شریفیہ کاظمیہ - کاکوری

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج - لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ
(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے

سہ روزہ
صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد و پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی " "
بیرون ہند سے سالانہ ...
قیمت فی پرچہ ...
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

جاری شدہ ۱۹۳۵ء

نمبر ۱۲	سہ شنبہ ۔ ۸ ۔ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ ۔ جون ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

یادِ ایام

نمبر (۹)

(از عبد الماجد)

ابھی کل کی بات ہے، ہمارے درمیان ایک زندہ بزرگ تھے، مولانا حمید الدین، اعظمگڈھ کے ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی ہے، پھریہا۔ وہاں کے رہنے والے۔ عربی تلفظ میں اسی نسبت سے فراہی کہلاتے۔ عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کے زبردست فاضل۔ مولانا شبلی نعمانی کے عزیز قریب، عجب دلاویز و موثر شخصیت تھی۔ ایسے مومن تانت ایسے زندہ مسلمان کمتر دیکھنے میں آسکے ہیں ——— قرآن مجید پہ بڑی غائر نظر رکھتے تھے، عربی پر قدرت اہل زبان کی سی رکھتے تھے۔ متعدد سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھ گئے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر انکی تصانیف کا نہیں، محض شخصیت کا ہو رہا ہے ——— اللہ والوں کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ انکے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آتا ہے۔ مولانا اس معیار پر پورے اہل اللہ تھے۔ حیدرآباد میں مدتوں رہے اچھے بڑے مشاہرے پر۔ دار العلوم کے صدر (پرنسپل) تھے۔ تعلقات قدرۃً اعلیٰ حلقوں سے رہے۔ اپنی قناعت و سادگی، دیانت و بے لوثی، بے غرضی و صداقت، کسی چیز میں فرق نہ آنے دیا۔ اور سکون خاطر کی تو گویا تصویر تھے۔ نفس مطمئنہ کا لفظ کتابوں میں بارہا نظر سے گزرتا رہتا تھا۔ انھیں دیکھ کر دل گواہی دیتا کہ لفظ بے معنی نہیں ہے۔

نا زکے تو گویا عاشق تھے۔ وقت کی آمد کے انتظار میں جیسے گھڑی لیے بیٹھے ہوئے ہیں (اور یہی بات اکبر الہ آبادی مرحوم میں بھی تھی) معاش کی طرف سے ایسے مطمئن کہ جیسے یہ چیز کوئی فکر کرنے کے قابل ہی نہیں (قناعت و توکل، اعتماد علی اللہ کی یہ مثال حسرت موہانی کے ہاں بھی دیکھنے میں آئی) پنشن کی رقم بہت قلیل منظور ہوئی کوئی دوسرا ہوتا تو کوشش اور پیروی کرکے اسے بڑھوا لیتا۔ یہاں (داغ کے) یہ تقاضا ہی نہ تھا۔ اُسی قلیل پر صبر کے ساتھ نہیں، شکر کے ساتھ ہنسی خوشی گزر بسر کرکے دکھا دیا۔ بذلہ سنجی، لغو گوئی، فضول کلامی، ہزل کا مجلس میں گزر نہ تھا۔ کام ہی کی بات کہتے، کام ہی کی بات سوچتے۔ ذکر، فکر، سب قرآن و آیات قرآنی سے متعلق رہتا۔

ذکر جمالش، فکر کمالش ۔۔ دیگر ہیچ نہ کارے دارم

سادہ کھاتے سادہ پہنتے، دنیا سے بہ قدر ضرورت لیتے ——— کھانا کھا رہے ہیں، دسترخوان پر صرف دال اور روٹی ہے۔ دال میں نمک کم ہے۔ بلا کسی ناخوشی کے اوپر سے نمک ملا لیا۔ اور چہرہ تک سے ناگواری نہ ظاہر ہونے دی۔ دوسرے دن پھر وہی کھانا۔ آج نمک بہت زائد ہو گیا ہے، اُسی اندازے اُٹھے اور آج پانی ملا کر پھر اسی ناخوشگوار کو خوشگوار بنا لیا۔ کھانے میں شریک فاضل کچھ جھنجھلا سے، کچھ دنگ رہ گئے۔ منہ سب نے بنایا۔ فرمایا بھائی بات کچھ نہیں، ایک چٹنی تیار رکھو، بغیر پیسہ کوڑی کے خرچ کے تیار ہو جاتی ہے، جس کھانے میں ملا لوگے، مزہ دار ہو جائے گا، چٹنی کا نام ہے قناعت!

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ

جناب صفدر رضا صاحب (خورجہ) کے سوالات:

(۱) کیا شاہ مصر نے حضرت سارہؑ سے سوء ادبی کا قصد کیا تھا؟
(۲) حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہ مصر کی لڑکی تھیں یا لونڈی؟
براہ نوازش ان روایتوں کی حقیقت سے متعلق آپ اپنی تحقیقات سے مشرف فرمائیں۔"

(۱) پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ تاریخ سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مصری اس زمانہ کے اپنی بدچلنی میں مشہور تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو ضرورت اسی ملک میں جانے کی پیش آگئی تھی۔ توریت میں ہے۔

"جب نزدیک پہونچا تو اس نے اپنی جورو سرہ کو کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کے کہیں گے کہ یہ اس کی جورو ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالینگے اور تجھے جیتا رکھینگے تو کہیو کہ میں اسکی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے۔ جب ابرام مصر میں آ پہونچا مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے اور فرعون کے امیروں نے بھی اسے دیکھا اور فرعون کے حضور میں اسکی تعریف کی اور اس عورت کو فرعون کے گھر میں لے گئے، اور اس نے اسکے سبب ابرام پر احسان کیا... پر خداوند نے فرعون اور اسکے خاندان کو ابرام اور اس کی جورو کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابرام کو بلا کر کہا کہ تو نے یہ مجھ سے کیا کیا، کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے، تو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے، یہاں تک کہ میں نے اسے اپنی جورو بنانے کو لیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اسکو لے اور چلا جا" (پیدائش ۱۲: ۱۰-۳۰)

دوسرے یہودی نوشتوں میں اس اجمال کی تفصیل آئی ہے، ہمارے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں نفس واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے، لیکن ملک مصر اور فرعون مصر کی تصریح کسی روایت میں نہیں، اور چونکہ توریت میں ٹھیک یہی ایک واقعہ دو مختلف موقعوں کے لیے بیان ہوا ہے، اس لیے احادیث سے یہ صاف نہیں کھلتا کہ ان میں تذکرہ کس کا ہے، آیا شاہ مصر کا یا دوسرے بادشاہ کا، جسکا نام توریت میں ابی ملک آیا ہے۔

(۲) حضرت ہاجرہ سے متعلق توریت میں تو لونڈی ہی کا لفظ آیا ہے، لیکن یہودیوں کے دوسرے مقدس نوشتوں میں تصریح ملتی ہے کہ آپ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ چنانچہ مدراش میں ہے کہ فرعون مصر نے جب حضرت سارہ کے معجزات مشاہدہ کرلیے، تو اپنی صاحبزادی کو انکی خدمت میں ہدیۃً پیش کردیا کہ اپنے گھر میں ملکہ رہنے سے سارہ کے ہاں باندی بنکر رہنا بہتر ہے" (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ...) اور ہمارے ہاں کی تاریخوں اور مذہبی روایتوں میں بھی آپ کی عالی نسبی مسلم ہی ہے۔

"ترقی" کی رَو

"نیویارک۔ ایک تار مورخہ ۳۰ جنوری سے معلوم ہوا کہ نیویارک کے فلاسفی ہال میں ایک عرب مطربہ اور اداکار ... نے مشرق قریب والا لباس پہن کر اور اسٹیج پر ہی ... عربوں کے راگ راگنی سنائے۔ تین عرب سازندے بھی انکے ہمراہ تھے جو عود، قانون، اور طبلہ بجا کر انکی سنگت کر رہے تھے۔ نیویارک کے پریس نے بڑا حوصلہ افزا تبصرہ کیا ہے" (اسلامک کلچر حیدرآباد، اپریل ۱۹۴۵ء صفحہ ...)

مبارک ہو ممالک عرب کو، کہ اب انکے دن پھرنے کا زمانہ آگیا! عرب خاتون ناچ مجرے کے لیے باہر نکل آئی، اور اپنے کمالات فن کے مظاہرے کے لیے ایک پورا طائفہ سازندوں کا لیے ہوئے نئی دنیا میں جا پہونچی! اور وہاں کے سپیروں کی داد و تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی! اس سے زیادہ اور اسکے کہے۔ سچ کہا تھا اس سچے نے، جو ہمیشہ سچ ہی کہا کرتا تھا، کہ عنقریب قیامت سے قبل ایک بار پھر ناچ اور شراب چلے گی! لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ۔

جامعہ عثمانیہ کے بعض مقالات

جامعہ عثمانیہ کے طلبہ، فضلاء و علماء، اپنے علمی و ادبی کارناموں کے (دین و مذہب کی بھی) جو خدمات مسلسل بجا لا رہے ہیں، انھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ حیرت اس لیے کہ اصلاً یہ کوئی دینی درسگاہ نہیں، دوسری یونیورسٹیوں کی طرح محض دنیوی علوم کا ایک ادارہ ہے۔ دینیات کا شعبہ تو محض ایک فروعی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامک کلچر کے تازہ پرچے سے معلوم ہوا کہ اس سال ماسٹر کی ڈگری کے لیے جو مقالے پیش ہوئے ہیں ان میں متعدد اسلامی عنوانات پر ہیں۔ چنانچہ ماسٹر آف لا (ال ال ام) کی ڈگری کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "منصب خلافت اور پاپائیت کا تقابل" عربی کے ایم اے کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "حسان بن ثابت اور انکی شاعری" اور تاریخ کے ایم اے کے ایک مقالہ کا عنوان ہے "مولانا محمد علی کی فکر سیاسی"۔ یہ آخری مقالہ ایک غیر مسلم نے لکھا ہے۔ محمد علیؒ کی سیاسی فکر ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا اور کیا تھی۔

جدت میں کہنگی!

"آج (۸ مئی) کو لندن میں یہ ہر طرف جو فتح کے جشن نظر آرہے ہیں، اس سارے جوش مسرت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ سڑکوں پر نوجوان عورتوں کی جو ٹولیاں گاتی ہوئی نکل رہی ہیں، ان میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں، مرد کوئی نہیں۔ ان میں بہت سی وہ ہیں، جو جنگ کے کسی محکمہ میں کام

... اور کنسرٹ اور تھیٹر والے جلوس میں تو ذرا سی عورتیں قسمت ... بچے ہوئے تھیں۔ دوسری طرف ... میں بھی عورتیں بغیر ... ... تھیں۔ بعض تو لیاس اور اونچے شریف گھرانوں کی عورتوں کی ... ہو رہی تھیں۔ لیکن بہر صورت سب اکیلی ہی تھیں، بغیر کسی مرد کی شرکت و امداد کے۔ اس میں شک نہیں کہ ... بڑی ... سے عورتوں میں ایک نئی قسم کی خودداری اور مردوں سے بے نیازی کی روح پھونک رہی ہے"۔ (مانچسٹر گارڈین، لندن، ۸ مئی ۱۹۴۵ء)

تو ... آزادی اور نسوانی خودداری کی یہ نئی قسم ساری دنیا ... کو مبارک ہو۔ لیکن مردوں کی شرکت تو اختلاط کے بغیر، مخلوط سوسائٹی کے بغیر ان دختران تہذیب کو لطف ہی کیا آیا ہوگا!——

تو کچھ وہی مینا بازار کی قسم کی جدت رہی۔ اور وہاں تک تو مشرقی دماغ کی رسائی صدیوں پیشتر ہو چکی تھی —— یہ حرکت ارتقائی تو نہ ہوئی، کچھ ارتجاعی سی ہو کر رہ گئی!

ملکۂ حسن کا حشر

"پیرس ۲ جون مس جیکولین بے

۱۹۳۹ء میں مقابلۂ حسن میں اول انعام ملا تھا اور وہ سارا یورپ ... تھی، آج سمندر کے کنارے مردہ پائی گئی۔ وہ خواب آور دوا کھا کر سمندر میں کود پڑی تھی۔ خودکشی کا سبب قماربازی کی کثرت اور اس میں شکست خیال کیا جاتا ہے"۔ (خبر)

۱۹۳۹ء کے آغاز کا انجام ۱۹۴۵ء میں آپ نے دیکھ لیا؟ شہرت، شہرتِ شباب، شہرتِ حسن و جمال، شہرتِ اوجِ کمال کی زندگی کی عمر کل ۶ سال کی!—— ساری ہمسایوں اور ہمجولیوں کے بیچ بھی ہاتھ کیا آیا؟ اسی عارضی و فانی دنیا کی عارضی ... سریع الزوال ناموری!—— پلک جھپکتے ہی آنکھ کھل گئی!

سحر ہو گئی بات کی بات میں!

قلب کی قساوت

مرکی رسالہ لائف ۲۹ جنوری ۱۹۴۵ء

میں دو بالکل نوعمر (۱۹-۱۹ سال کی عمر کے) قاتلوں کی تصویریں آئی ہیں۔ روپیہ کی طمع میں ایک سابق عہدہ دار کو ڈنڈوں سے مار مار کر ختم کر دیا تھا۔ سزائے موت کا حکم ہو چکا ہے، اور دونوں قاتل ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک کمسن یاری کے جذبات اپنے جیل کے کمرے میں کھڑے ہوئے ہیں، شاداں و فرحاں، چہرہ پر غم و حزن کا کوئی اثر نہیں۔ یہ پہلی تصویر ہوئی۔ دوسری تصویر میں ایک قاتل اچھا خاصہ ہنس رہا ہے۔ تیسری صورت میں وہی قاتل برقی کرسی پر جو شکنجۂ موت ہے، بٹھانے کے لیے لایا جا رہا ہے۔ اور ہاتھ میں سگریٹ لیے ہوئے ہے۔ چوتھی تصویر میں دوسرا قاتل دانت نکالے ہنستا ہوا اسی خونی کرسی کی طرف قدم اٹھاتا جا رہا ہے۔

—— جن لوگوں نے مطلق بے خوفی ہی کو خواہ وہ فرطِ غفلت اور کمالِ قساوت ہی سے ناشی ہو، دلیلِ حق و صداقت سمجھ لیا ہے، ان مثالوں پر غور کریں۔ موت کی پرمسرت پیشوائی ہی اگر معیارِ حقانیت ہو، تو پھر ان اہل باطل سے بڑھ کر حق پرست اور کون ہوگا؟

مفسروں نے ان تفسیری روایتوں کی یاد تازہ کر دی، جن میں یہ مضمون ہے کہ فلاں کافر کو ذکرِ آخرت سے بھی عبرت نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ ہم حشر میں بھی اسی طرح اکڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور فلاں فلاں حقدار کے حق وہیں ادا کر دیں گے!—— جاہلیت کی ذہنیت اب تک بھی ... سے کچھ مختلف نہیں، اور قرآن مجید کے اشارے دونوں کی طرف کیساں ہیں!

غلط رواداری

حیدرآباد دکن کا عزیز سہ ماہی رسالہ اسلامک کلچر مسلمانوں کے ہاتھوں میں تنہا بلند پایہ اور علمی رسالہ ہے، اور بہ حیثیت مجموعی بڑی اچھی، قیمتی خدمات کئی سال سے انجام دے رہا ہے۔ لیکن انگریزی لامذہب یا شرعیت ہے۔ اپریل نمبر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہسٹری آف اسکول آف اسلامک اسٹڈیز کا تعارف اس لب و لہجہ میں کیا گیا ہے کہ گویا وہ کوئی گہرا علمی اور تحقیقی ادارہ ہے! حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام تر ایک "مشنری" کارخانہ ہے، جس کا کام ہی خوشنما لباس میں اسلام و اسلامیات سے متعلق زیادہ سے زیادہ غلط فہمیاں پھیلانا ہے۔ پہلے لاہور میں تھا، اب علی گڑھ منتقل ہو آیا ہے۔ شاید اس خیال سے کہ یہاں مسلمان نوجوانوں کو ورغلانے کے مواقع بہت زیادہ حاصل ہیں! چنانچہ اب تک اسکی جو مطبوعات بھی نکلی ہیں، ان میں یہ زہریلی حیثیت مخفی نہیں ... ہے۔ ایسا تعریفی ... ادارہ اس قابل نہیں کہ اسکا ذکر "نیوٹرل" ... ... معاملہ ... ... ہم اگر اب بھی نہیں تو پھر کب ... سکیں گے۔

لازوال سردار کی یاد

"کانگریس سوشلسٹ کیمپ (بمبئی)

کے سامنے اپنی تازہ تقریر میں ترکی کانسل نے یاد دلایا کہ کمال اتاترک نے کس طرح فوری قوانین نافذ کرکے عورتوں کو آزادی دلا دی۔ لیکن ترکیہ جدید کے بانی اعظم کا قانونی تنفیذ کے ذریعہ سے تنہا یہی ایک احسان نہیں۔ اسی نے حکومتی مذہب کا خاتمہ کر دیا، اور اسی نے مسجدوں میں قرآنی مدرسوں کو بند کر دیا۔ اسی نے لاطینی حروف چلائے، اور سب سے بڑا عظیم الشان انقلاب اسی نے یہ کر دکھایا کہ سلطانیت اور خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ وطنی مجلس کبیر کے سامنے جو اس نے تقریر کی تھی، اس میں کہا تھا کہ جو لوگ یہاں اس وقت موجود ہیں اور مجلس اور سارا ملک اس تجویز کو منظور کرلے جب تو بہت ہی اچھا ہے۔ لیکن اگر سب اس پر متفق نہ ہوں تو بھی میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ قانون پاس ہو کر رہیگا، خواہ اسکے لیے متعدد سرتن سے جدا ہو جائیں"۔ (لیڈر، الہ آباد، ۳۰ مئی ۱۹۴۵ء)

سب ایک ... اور دوست نے ... پر ... ...

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۹)

(س علامت سوال کی ہے، اور ج علامت جواب کی)

س ۔ (خلاصۃ) تقریباً ڈیڑھ ماہ سے دنیوی مصروفیتیں اس طرح کی لاحق ہو رہی ہیں کہ بہت سے ضروری اشغال ترک ہو گئے ہیں، جس کا زیادہ افسوس اور رنج اسکا ہے کہ حفظ قرآن کے کام میں غیر حاضریاں بہت زیادہ ہونے لگی ہیں ۔ خدا کے فضل سے کام کا اتنا زیادہ کی تنسیخ ہرگز نہیں ہوئی پھر بھی اتنے ناغے سخت بار خاطر ہے ہیں۔ اپنی اس غیر ذمہ دارانہ روش پر جب نگاہ پڑتی ہے تو شرمسار ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ پر غصہ کر کے ارادہ کر لیتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہونے دونگا ۔ لیکن دو چار روز بعد پھر وہی ناغہ مسلسل کی کیفیت ہونے لگتی ہے ۔

ج ۔ بات بیشک بہت افسوسناک ہے ۔ انسان کا نفس بڑا بہانہ باز واقع ہوا ہے ۔ اپنی ہر خطا کے لیے کوئی نہ کوئی خوشنما تاویل کر ہی لیتا ہے، اور انسان کو نیکی کی راہ سے برابر روکتا رہتا ہے۔ معذوریاں اور موانع اگر واقعی اور حقیقی ہیں، جب تو فرائض تک معاف ہو جاتے ہیں، لیکن اگر محض تسویل نفس اور تساہل کا نتیجہ ہیں، تو حیرت انگیز بھی ہیں اور افسوسناک بھی ۔ حفظ قرآن بھی ایک بڑی نعمت ہے ۔ اور اس سے محروم ہونا ایسا ہی ہے جیسے گھر میں کوئی بڑی چوری ہو جانا یا کاروبار میں ہزارہا کی رقم کا بیکار اٹھ جانا۔ اور پھر جب اسکی نذر مان لی گئی ہو، تو نذر کا پورا کرنا تو واجب ہے۔ اسکے استحضار کے بعد ہر فطرت سلیم والے کا ذہن ضرور از سر نو مستعدی پر آمادہ ہو جائیگا ۔

س ۔ مقصود اس طویل سمع خراشی سے یہ ہے کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ خدا مجھے اس ارادہ کی تکمیل تک پہونچانے کی توفیق دے ۔

ج ۔ دعا تعمیل ارشاد میں کر دی گئی ۔ لیکن دعا ایسے مقاصد کے لیے جو تمامتر اپنی محنت اور اپنی سعی کے ماتحت ہے اچھے اچھے مقبولین کی زبان سے بھی کافی نہیں، بلکہ اس قسم کے سہارے اختیار کرنا تو نفس کے ہاتھ میں اپنی بدعملی کے لیے ایک اور بہانہ دے دینا ہے۔ نفس کو ایسے موقع پر سزا دینا ضروری ہے ۔ مثلاً ہر ناغہ پر ایک وقت یا دو وقت کا فاقہ ۔ یا نقد جرمانہ کی کوئی بڑی رقم ۔ یا زیادہ تعداد میں نماز نفل کی رکعتیں ۔ مرشد یا مؤدب کی ضرورت حقیقۃً ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے ۔

س (خلاصۃ) ایک دوست کو خط لکھتے وقت قلم سے بیساختہ یہ فقرہ بھی نکل گیا کہ یہاں قیامت کی گرمی پڑ رہی ہے ۔ بعد کو دل نے یہ ٹوکا کہ دنیا کی معمولی گرمی کو قیامت سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی بے ادبی ہوئی کہ جس دن کی ہولناکی سے قرآن مجید میں اتنا ڈرایا گیا ہے، اُسے اپنی روزانہ تکلیف پر قیاس کیا جائے ۔ میں نے جھٹ ان دوست کو یہ سب لکھ بھیجا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ یہ محض ملا والوں کے لیے ہیں، عوام کے لیے ممنوعات اور مستحبات کی شاہراہ ہوتی ہے ۔ لیکن خواص کی گرفت ان ایسی چھوٹی باتوں پر بھی نہ ہونا چاہیے کہ کیا تم نے قیامت کو ایسا ہلکا سمجھ لیا تھا ۔ اُن دوست نے جواب میں لکھا کہ یہ موشگافی صحیح نہیں ۔ تشبیہ اور تضحیک میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ یہ محض تشبیہ تھی ۔ زیادہ سے زیادہ اسے مبالغہ کہہ لیا جائے لیکن تضحیک یا سوء ادب کا تو کوئی پہلو اس میں نہ تھا ۔

میں یہ کہتا ہوں کہ ان دو کو یکجا قرار نہیں دیتا، لیکن کسی صاحب اہل اللہ کے شایان شان تو نہیں معلوم ہوتا کہ قیامت جیسی زبردست ہیبتناک شے کو اتنا معمولی سمجھ لیں ۔ اب یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری گزارش کسی حد تک صحیح ہے یا محض میری دماغی کمزوری یا اختلال کا باعث ہے ۔

ج ۔ ہر زبان میں کثرت سے لفظیں اور عبارتیں ایسی ہوتی ہیں، جو علاوہ اپنے حقیقی اور اولین معنی کے ایک ثانوی اور مجازی مفہوم بھی رکھتی ہیں ۔ اور یہ مفہوم بھی خوب متعارف اور چلا ہوا ہوتا ہے، اور لفظ و عبارت کو اس دوسرے مفہوم میں بھی استعمال کرنا اسی طرح جائز ہوتا ہے جس طرح پہلے مفہوم میں ۔

قرآن مجید تک نے ہر مناسب موقع پر مجاز کا استعمال اسی طرح بے دغدغہ کیا ہے جس طرح الفاظ کا اُنکے لفظی مفہوم میں ۔ مثلاً سبعین کو بجائے ستر کے متعین عدد کے محض کثرت کے معنی میں یا الخیط الابیض کو بجائے سفید دھاگے کے سپیدۂ صبح کے معنی میں ۔ وقس علیٰ ہذا ۔ اور یہ عین اقتضائے بلاغت ہے ۔

تو قیامت کے بھی دو مستقل معنی اسی طرح اردو میں چلے ہوئے ہیں ۔ ایک تو شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ۔ دوسرے معنے قیامت کے، محض شدت کے ہیں ۔ "قیامت کی گرمی" کے کھلے ہوئے معنی "شدت کی گرمی" کے ہیں ۔ ہر شخص یہی مراد سمجھے گا ۔ یوم قیامت کی طرف کسی کا ذہن بھی نہ جائیگا، اور نہ کوئی اس سیاق میں قیامت کا ترجمہ انگریزی میں DAY OF JUDJMENT ، RE-SURRECTION وغیرہ سے کریگا ۔ بولنے والے کی نیت بھی یوم قیامت سے تشبیہ دینے کی نہیں ہوتی اور وہ محض وہ لفظ دہرا رہا ہوتا ہے جسے اُس نے "شدت" کے مفہوم کے لیے بچپن سے سنا ہے ۔ اس لیے سوء ادب وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔

البتہ محبت کے نقطۂ نظر سے جو بات اہل دل کے لیے کہی گئی ہے اُسکے اندر بڑی گنجائش ہے ۔ عاشق تو بسا اوقات کھلی ہوئی چیزیں اپنے حق میں ناجائز کر لیتا ہے ۔ ادنیٰ ادنیٰ شک اور وہم اور وسوسے اور خیالات کو اہمیت دینے لگتا ہے، اور بار بار خود ہی سوچتا ہے جو کہ نہ

...ہو جاتا ہے ۔

با سایہ ترا نمی پسندم   عشق ست و ہزار بدگمانی

یہ عالم ہی دوسرا ہے اور اسکا کاروبار ہی نرالا۔ پھر اس میں بھی اپنا اپنا ظرف ہے اور اپنا اپنا حوصلہ۔ ایک کی سند دوسرے کے لیے کام نہیں آتی، اور ایک کی نظیر دوسرے کے لیے سند نہیں بن سکتی۔ عمر فاروقؓ سے بڑھ کر صاحب مقام اور صاحب رسوخ و تمکین اور کون ہوگا، مگر وہ تک وفات رسولؐ کے اہم ترین حادثہ کے وقت غلبۂ حال سے مضطر ہو کر پکار اٹھے کہ جو کوئی یہ خبر زبان سے نکالیگا اس کی گردن اڑا دونگا۔ بایزید بسطامی سے متعلق مشہور ہے کہ عمر بھر انھوں نے خربوزہ اس خیال سے کھایا ہی نہیں کہ معلوم نہیں رسول خدا صلعم نے اسے کس طرح تناول فرمایا ہے! ——— تو ایسوں کو کسی سے استفتاء کی حاجت نہیں، انکا قلب خود انکا مفتی ہے۔ ان معصیت کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں۔

س ۔ اکثر اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا سا رہتا ہوں۔ خدا معلوم دماغ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ مجھے انگریزی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن اب اسکا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ روزانہ پابندی کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔

ج ۔ مولاناؒ کے مواعظ و تصانیف کی برکت و افادیت کا کیا کہنا۔ لیکن انگریزی پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ مقصد صحیح کے ساتھ ہو۔ اور خدمت دین کی نیت سے اگر کافروں کی زبانیں اور علوم سیکھے جائیں (بجز ان چند علوم کے جو صراحۃً حرام ہیں) تو یہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے۔

تذکرۂ حبیبی اردو

(مولانا و مرشدی و مولائی اعلیحضرت حافظ محمد علی حیدر شاہ صاحب قلندر مدظلہ العالی)

پہلی جلد میں تصوف کی اہمیت، خیال و یقین، شریعت و طریقت کا باہمی سمبندھ اور صوفیائے کرام کے تقریباً تمام مروجہ سلسلوں کا تفصیلی ذکر ہے، اور دوسری جلد میں ایک ایسے دیدہ ور پیر طریقت جامع شریعت کے سوانح حیات جو ذات و صفات کے انسانی مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھے یعنی ~ دل درد آشنا را آشنائے۔ اہل دل اور صاحبان نظر کے لیے تذکرہ حبیبی کا مطالعہ کونین کی عظمتیں مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صرف چند جلدیں اور محفوظ ہیں۔ دونوں جلدوں کی مجموعی قیمت صرف چھ روپیہ علاوہ محصولڈاک۔ کاغذ ولایتی، طباعت و کتابت شایان شان۔

ملنے کا پتہ

مہتمم کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری (ضلع لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۵)

لیکن اچھا ہے کہ "آیا زوال سردار" کے ان کارناموں" کی یاد دہانیوں کے ساتھ مظلوموں کے دل میں کبھی کبھی تازہ ہوتی رہے۔ یزید اور حجاج کے دور سے لیکر اس بیسویں صدی عیسوی تک کس نے خلافت جیسے اہم اور مرکزی دینی ادارہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کی تھی؟

تصحیح مضمون: آیا نزول مسیح

صدق نمبر ۱۳ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۵ کے شروع میں الفاظ "کے فرض اور واجب" کے بجائے "ہے (لفظاً فرض اور واجب)"

صدق نمبر ۱۲ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۳۰ میں عربی عبارت صحیح یوں ہے "ائمۃ ذوو روایۃ و درایۃ"

صدق نمبر ۵ جلد ۱۱ صفحہ ۴ کالم ۲ کی سطر ۲۶ میں "پیش کردہ ..... اس لیے" کے بجائے صحیح عبارت یوں پڑھیے:- "پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت میں اس مسئلہ کے متعلق کسی ایک ہی حدیث صحیح متواتر کا بیان نہیں ہوا ہے، چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ کا بیان' اس لیے"۔

صفحہ ۵ کالم ۱ سطر ۳۷ میں الفاظ "کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے" ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے "کہ نزول مسیح کے بارہ میں کوئی حدیث متواتر ہے (احادیث صحاح کے وجود کا انکار نہیں) اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے"

صفحہ ۵ کالم ۲ سطر ۳ میں "اس لیے سوال" کے بعد لفظ "کا" بڑھا دیا جائے۔

اسی صفحہ کی سطر ۷ میں "اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی" کے بجائے "خروج مہدی"

سطر نمبر ۲۸ میں "نیا نظریہ" سے پہلے "کوئی" کا اضافہ۔

براہ کرم

خط و کتابت وغیرہ میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

فکرِ سندھی پر تبصرہ

نمبر (۲)

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(بہ سلسلۂ صدق صفحہ ۱۱)

حالانکہ دور حاضر تعلق کا مشائخ دیوبند سے تھا ہی نہیں، لیکن فرماتے ہیں کہ "دیوبندی روح" کوئی چیز تھی لکھا ہے کہ وہ اسی روح کے لمسنے والے تھے یہ روح کیا تھی، اسکی شرح یوں کی گئی ہے "جو شاہ ولی اللہ سے مشائخ دیوبند نے حاصل کی اور مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ اسکے مبلغ تھے اور مولانا محمود الحسن نے ظواہر و رسوم کے تمام پردے ہٹا کر اپنے عزیز شاگرد کو اسی "روح" کا جلوہ دکھایا تھا" (صفحہ ۱)

چونکہ یہ بڑے طول و طویل مباحث ہیں اور اسکا ثابت کرنا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری حضرت عزیز الرحمن، مولانا حبیب الرحمن، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہم حضرات جس اسلام کے ٹھیکیدار ہیں۔ مولانا محمود الحسن کا اسلام ان بزرگوں کے اسلام سے مختلف تھا۔ مولوی عبید اللہ کے پاس اس کے کیا دلائل ہیں۔ اگر ان سوالوں میں ہم پڑ گئے تو جو چیز میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس سے دور ہو جاؤں گا۔ اس لیے اسی اجمالی تذکرہ پر اس مضمون کو ختم کر کے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا "سیاسی سفر" سے واپسی کے بعد جن خیالات کی تبلیغ و اشاعت انھوں نے کی وہ کیا تھے۔ اسکو اسی کتاب سے اخذ کر کے بیان کرنا چاہتا ہوں۔[1]

جیسا کہ انکے راوی کا بیان ہے کہ اس سفر پر عبید اللہ صاحب خود اپنے دل کی امنگ اور ارادہ سے نہیں گئے تھے بلکہ سرور صاحب لکھتے ہیں کہ "سنا ہے کہ مولانا (عبید اللہ) کابل جانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔" صفحہ (۲۲)

بہرحال آپ خود گئے "یا لے جائے گئے" کی صورت پیش آئی ہو، یا کچھ اور ہوا ہو۔ اب آگے خود مولوی عبید اللہ صاحب کے الفاظ سرور صاحب نقل کرتے ہیں یعنی لکھتے ہیں "مولانا خود فرماتے ہیں کہ میں وطن سے نکلا اور افغانستان پہونچا"

یہاں پہونچنے کے بعد ان پر پہلا اثر جو مترتب ہوا وہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے: "وہاں (افغانستان) میں مجھے نئے حالات سے سابقہ پڑا"

وہ نئے نئے حالات کیا تھے جن سے سابقہ پڑا، اس کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ لیکن ان حالات میں مبتلا ہونے کا نتیجہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہوا کہ "بزرگوں کی بتائی ہوئی اور سوچی ہوئی باتیں بیکار نظر آئیں"

ظاہر ہے کہ جن بزرگوں کی بتائی ہوئی اور سوچی ہوئی باتیں ان نئے حالات میں بیکار نظر آئیں وہ بیچارے وہ لوگ تو ہو نہیں سکتے جن کے متعلق وہ پہلے ہی جان گئے تھے کہ اسلام وہ نہیں ہے جس کے وہ ٹھیکہ دار ہیں۔ اب جن بزرگوں کی باتیں بیکار ہوتی معلوم ہوئیں وہ اسی "دیوبندی روح" کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ جسے مولانا محمود الحسن نے انکو دکھایا اور بتایا تھا۔ اور یہ حال تو کابل تک تھا۔ وہ قلم آگے بڑھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں "روس گیا تو بالکل اور دنیا نظر آئی۔"

"روس" اور "دنیا" کا اثر کیا ہوا، خود ہی ارشاد ہوتا ہے "جن عقائد اور معتقدات میں میری ساری زندگی گزری تھی روس میں انکو ایک ایک کر کے ٹوٹتے اور مٹتے دیکھا۔"[2]

واللہ اعلم عقائد و معتقدات سے جناب سندھی صاحب کی مراد کیا ہے لیکن عقائد کا لفظ تو صاف ہے وہ "مذہبی عقائد" جسے وہ "دیوبندی روح" کہتے ہیں اسکے سوا اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

اور یہ تو خیر سلبی تماشا تھا۔ اب انکے دماغ کے سامنے جو ایجابی نظارہ بے نقاب ہوا انکے الفاظ میں اسکی تعبیر یہ ہے کہ "اور نئے اصولوں پر زیادہ جاندار زیادہ مستحکم نظام بنتے کا مشاہدہ کیا۔" صفحہ (۱۱۹)

یہ زیادتی جانداری اور استحکام کی ظاہر ہے کہ اسی "دیوبندی روح" کے مقابلہ ہی میں تو ہو سکتی ہے کہ اسی "روح" میں انکی زندگی گزری تھی۔

بہرحال باہر کے اس مشاہدہ کا اثر اپنے باطن میں سندھی صاحب نے کیا محسوس کیا۔ فرماتے ہیں کہ "انکی (یعنی روسی انقلابیوں) کی تمام مادیت کو میرے الٰہی فکر نے اپنے اندر ہضم کر لیا" صفحہ ۱۱۹

مولوی عبید اللہ سندھی۔ کے الٰہی فکر کے ساتھ روسی انقلابیوں کی مادیت کا انضمام جس شکل میں ہوا اور اس عمل انضمام سے جو دماغی پیداوار ان کے اندر پیدا ہوئیں دراصل اسکی تفصیل بجائے قیاس آرائیوں کے خود اُن ہی کی زبانی جیسا کہ انکے الراویہ نے بیان کیا ہے پیش کرنا میرا مقصود ہے۔

سب سے پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ نظر آتی ہے کہ اس عمر سے پہلے ہندوستان میں تو ان پر یہ واضح ہوا تھا کہ مشائخ دیوبند جس چیز کے ٹھیکہ دار رہے وہ اسلام نہیں ہے بلکہ انضمام کے اس عمل کے بعد

---

[1] بجز ایک غیر ضروری حوالہ کے جس کا ذکر اصول حدیث کے سلسلہ میں مولوی عبید اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم کی کتاب ... سے اخذ کر کے مقالہ شاہ ولی اللہ میں کیا ہے۔ میں نے مولوی سندھی کی کسی تحریر و تقریر میں مولانا محمد قاسم کی کوئی بات نہیں پائی۔ ہاں شاہ ولی اللہ کے نام اور کام سے انھوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے

[2] اگر اس سے اسلامی قوانین کی ٹوٹ پھوٹ مراد ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ نئی بات کیا تھی۔ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد آج ڈیڑھ سو سال سے اسی کا تماشہ تو نظر آ رہا ہے۔ اس ملک ہندوستان میں اسلام کا کونسا قانون جاری ہے! کچھ اور مراد ہے تو سمجھ میں نہیں آتا۔ ... کی زندگی جو اسلامی تھی وہ اسلامی قوانین کی شکستوں کے سوا اور کس چیز سے ... گزری ہوگی۔

آپ پر واضح ہوا کہ صرف مشائخ دیوبند ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوتا ہے

"یہ اسلام ہے، جسے تم اسلام کہتے ہو، یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے" صفحہ ۳

مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت کے متعلق انکو نظر آیا جیسا کہ سرورق پر نقل کیا ہے کہ "اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں" صفحہ ۳۰ جسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن سب اسلام سے قطعاً خالی ہو چکا ہے۔ اسکے ساتھ عجیب فیصلہ مولوی سندھی نے یہ بھی کر دیا کہ "جس طرح مسلمان اسکو (یعنی قرآن کو) عام طور پر پڑھتے ہیں اور جو تفسیر وہ کرتے ہیں وہ حق نہیں ہے"

صرف یہی نہیں کہ حق ہی نہیں ہے بلکہ آگے ارشاد ہوتا ہے:-

"اگر گیتا اور انجیل کو غلط طور پر ماننے والے کافر قرار دیے جا سکتے ہیں تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے مومن سمجھے جا سکتے ہیں" صفحہ ۳۵۔

یعنی اپنی غلط کار فرانہ زندگی کو قرآن پر پیش کریں کہ مسلمان اگر پھر اصلی اسلام کو پانا چاہیں، یا انکے جس تمدن و معاشرت میں اسلام کا شائبہ بھی باقی نہیں رہا ہے" اگر اسلامی عناصر کو پھر قرآن سے خود لینا چاہیں یا قرآن کے جاننے والے علماء سے اس علم میں مدد لیں تو سندھی صاحب نے اسکا دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ قرآنی آیات کا جو مفہوم مسلمان اور انکے علما سمجھتے ہیں وہ تو کفر قرار پا چکا اب ظاہر ہے کہ اسکے سوا کوئی صورت قدرتی طور پر باقی نہیں رہی کہ مسلمان اور انکے علما سب اگر کفر کی اس زندگی سے نکلنا چاہتے ہیں تو وہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی طرف رجوع کریں اور جس صحیح اسلام کو انھوں نے پایا ہے وہ مولانا سے حاصل کریں۔

آئیے اب مولانا سندھی سے پوچھیے کہ کھوئے ہوئے اسلام کو پاکر کفر کی گندگی سے نکلنے کی کیا صورت ہے۔

کیا فقہاء مجتہدین اور ائمہ دین نے دین کو جس شکل میں مدون فرمایا ہے۔ اسکے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔ لیکن جب مولانا سندھی کا خیال ہے کہ "وہ حجازی فقہ ہے جسکا مرکز مدینہ منورہ تھا" (صفحہ ۲۶۰) اسی طرح "فقہ شافعی" کے متعلق بھی فرماتے ہیں "عربی ذہنیت کا فقہی مظہر امام شافعی ہیں۔ صفحہ ۲۶۳ - رہ گئی "حنفی فقہ" سو اسکے متعلق مولانا ممدوح کا ارشاد ہے

"اس فقہ (یعنی حجازی اور عربی فقہ) میں وہ چیزیں یا غیر مسلمانوں کو کھلی تعیین انکا بدل تجویز کیا گیا۔" صفحہ ۲۶۱

اور یہ کہ "جہاں انھیں مناسب سمجھا اپنی "قومی خصوصیات" کی وجہ سے اس میں تبدیلیاں کیں" صفحہ ۲۴۲۔

الغرض مولانا کے الفاظ میں قرآن کے بین الاقوامی قانون کی حجازی تعبیر عربوں کے لیے قومی مذہب ہے اور اسکی حنفی تعبیر عجم کا قومی دین قرار پائی۔ صفحہ ۲۱۲۔

اب بتائیے ہندوستان کا مسلمان جسکی طرف جناب سندھی صاحب متوجہ ہیں اسکے لیے عربوں کا قومی مذہب" اور عجم کا "قومی دین" کہاں کارآمد ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپ نے صاف ارشاد فرمایا ہے "غیر عرب اقوام کے خواص کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہیں تو عربی قانون کو بجنسہ قبول کرکے عرب بن جائیں یا اس کی روشنی میں اپنے لیے ایک قومی قانون بنا لیں۔ صفحہ ۲۶۱

ظاہر ہے کہ ہندی ہونے کی وجہ سے وہ بیچارہ عرب کیسے بن جائے اور نہ ہندوستانی مسلمانوں کے خواص نے ہندی قوم کے لیے کوئی ہندی دین بنا کر مسلمانوں کو دیا ہے۔ پھر اب کیا کیا جائے۔ موجودہ فقہوں پر یا تو ہندی مسلمانوں کے علاج کی ذمہ داری نہیں سے رہے۔ خصوصاً جب مولانا نے بار بار اسکا بھی اظہار فرمایا ہے کہ ہندی مسلمانوں کو بجز ہندی ہونے کے قطعاً کچھ نہ ہونا چاہیے۔

اچھا تو ہندی فقہ کے موجودہ سرمایوں سے مایوس ہو کر کیا "السنت" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و تقریرات کی روشنی میں اپنے گم کردہ اسلام کو پا سکتے ہیں،

مولوی عبید اللہ صاحب اور انکے الرابطہ بار بار اپنا یہ کام اس کتاب میں پہلے تو بہت زور شور کے ساتھ اسکا پروپیگنڈا کیا ہے کہ "دین صرف قرآن ہے اور قرآن ہی دین کی اساسی بنیاد ہے۔ آیت وما ینطق عن الھوی سے مراد صرف قرآن ہے۔ حدیث اور فقہ قرآن سے مستنبط ہے اور فقہ حدیث سے مستنبط کی گئی۔ صفحہ ۲۲۳،

(باقی آئندہ)

ــــ۵ عربی دین، عجمی دین، ہندی دین سب اسلامی فقہ کو دیکھ کر خیال بے چارہ مجھ جیسا سوامی دیکا نند کے اس خیال کی طرف چلا گیا۔ یعنی قرآنی جنت کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی نے ایک دفعہ کہا تھا "مدینہ میں پانی کا قحط ہے، اس لیے عربی پیغمبر نے ایسی جنت ایجاد کی جسکے محلوں کے نیچے دریا بہتے ہوں۔ میرے وطن (بنگال) میں بکثرت سیلاب آتے رہتے ہیں اور پانی کی افراط ہے اس لیے میں یورپ والے بہشت کا خیال اگر باندھتے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہاں سالوں میں کبھی ایک قطرہ بارش نہ ہو" (فلاسفی، باب سیزدہم، گیان یوگ ویدانت)

جنت کی اس تقسیم میں خود ہی سوچیے اور مولوی عبید اللہ کی فقہ اسلامی کی تقسیم میں کچھ فرق ہے؟ حقیقت تو یہ ہے ویکا نند کا خیال جس طرح بے معنی ہے میرے نزدیک تو سندھی صاحب کی یہ کمزوری بھی اپنے اجمال اور غیر واقعیت میں کچھ کم نہیں ہے۔ آخر ویکا نند سے میں پوچھ سکتا ہوں کہ شرک اور نرکھ کا عقیدہ تو ویدک دھرم میں بھی پایا جاتا ہے تو کیا ہندوستان کے مقامی خصوصیات کی بنا پر بجائے قرآن کی جنت کے ہندو دھرم میں قرآن کی جہنم کا نقشہ ہندوستانیوں کے سرگ کا کھینچا گیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن میں جنت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے یہ ایسا نقشہ ہے جو عام انسانی فطرت کا مطالبہ ہے۔ کہیں کا آدمی ہو، مشرق کا ہو، مغرب کا ہو، ایشیا کا ہو، افریقہ کا ہو، باغ کو، حور کو، نقشہ فطری طور پر پسند کرتا ہے خدا جنھیں اس دنیا میں بھی دے

مراسلہ — آج اس عاصی کو ایک ہندوستانی فلم دیکھنے کا سابقہ پڑا مذکورہ فلم [illegible] کے نام سے ایک مسلم ڈائرکٹر نے فلما کر شہر کے بہترین فلم تھیٹر کے پردۂ سیمیں پر پیش کیا ہے۔ فلم کی خوبی' ڈائرکٹر کی قابلیت اور فلم کی مقبولیت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہاں اس میں بابر کو ہمایوں کے بستر مرگ کے پاس قرآن شریف کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے پکارتے دکھایا ہے۔ ایک جگہ پر اذان کی گونجتی ہوئی آواز یہ صاف بتاتی ہے کہ کسی تاریخی یادگار ہے۔ بعض بعض جگہ پر نماز پڑھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان چیزوں کی تواریخی صداقت پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

ہاں ان چیزوں کو دیکھتے ہی اس احقر کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا ہوا کہ کیا وہی قرآن جو کبھی دنیا کی گمراہی کو دور کرنے کے لیے آیا تھا، جو لوگوں کے تاریک دلوں میں ایمان کا چراغ روشن کرنے کے لیے آیا تھا۔ جو سچائی کو پھیلانے کے لیے آیا تھا' جو انسان کو خدا تک پہونچنے کا راستہ دکھاتے آیا تھا، اور جو ہدی للمتقین کا دعوے کرتا تھا آج ایک فلم ڈائرکٹر کے ہاتھ کا کھلونا بنکے رہ گیا۔ اور وہ بھی ایک ایسے ڈائرکٹر کے ہاتھ جو قرآن شریف کو اپنی مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اذان کبھی بلال حبشیؓ کی مبارک زبان سے میناروں پر گونجتی تھی اور کفار کو دعوت حق دیتی تھی' آج وہی اذان کسی ڈائرکٹر کا ذریعۂ معاش بنکر رہ گئی ہے اور فلم انڈسٹری کی ایک نمائشی آلہ بن کر رہ گئی ہے۔ وہ نماز جس میں صحابہ کرامؓ اپنے خدا کی یاد میں دنیا و مافیہا کو بھول جاتے تھے' اور وہی نماز جس میں رسولؐ اور اُسکے صحابہ کرام کو دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے تخت و تاج کے مالک کو دیکھتے تھے تو ڈگ ڈگ جاتے تھے' آج بازیچۂ اطفال بن کر رہ گئی ہے۔ ہمیں ان چیزوں دیکھ کر سوا آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر یہ سب مذہب کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ ڈائرکٹر کی مسلمانیت اور مسلمانوں کی بہادری اس پر پردہ ڈالتی ہے۔ لیکن یہ یقین رکھیے کہ اگر مسلمان ان چیزوں کو خاموشی سے برداشت کرتے جائیں تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ وہی ڈائرکٹر جو آج قرآن، نماز اور اذان تک کو اپنا ذریعۂ معاش اور فلم انڈسٹری کا آلۂ نمائش اور بنا لینے سے نہیں چوکتے' اس بات کی جرأت کریں کہ قرآن کے لے آنے والے کو بھی، نعوذ باللہ فلم انڈسٹری کے پردۂ سیمیں پر کھینچ لائیں۔ یہ ناچیز آپ سے التجا کرتا ہے کہ ان چیزوں کے خلاف آپ آواز بلند کریں، امید ہے کہ آپ کی محنت رائیگاں نہ جائیگی۔ فقط

نیاز مند شہاب - از بمبئی ۳ـ

صدق - سینما بجائے خود لہو ولعب کی ایک بدترین صورت ہے، مسلمانوں کو جوق در جوق اُسکی سرپرستی کرنا یقیناً ایک جرم ہے۔ دلوں پر اور جسموں پر حکومت اگر قرآن کی ہوتی' تو کبھی ایسی بدعت راہ پا ہی نہیں سکتی تھی۔ [illegible] یہ سلسلے صحیح نہیں کہ اسلامی مناظر اس میں نہ دکھانا ہر حال میں قابل ملامت نہیں، عیب بے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" عیب و ہنر دونوں کے پہلو اس میں موجود ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

دیتا ہے تو جنت والی چیزوں کو کیونکر پیدا کرسکتا ہے۔ لیکن جو بیچارے [illegible] سے کام لیتے ہیں انکو قرآنی جنت کے نمونوں کی تعمیر تو معروف [illegible] کسی کو نہیں دکھائی گا ہے کہ مال و دولت لینے کے بعد جہنم کی تعمیر کی معروف

اسی طرح میں مولوی عبید اللہ سے بھی پوچھتا ہوں کہ کیا وہ [illegible] کرسکتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی فقہ عربوں کی طبیعت کے مناسب تھی۔ [illegible] حجازی فقہ پر عراق یا ایران کے آدمی اگر عمل کرینگے تو انکو کیا دقت پیش آئیگی؟ شاعری کے سوا یہ اور بھی کچھ ہے۔

لاکھوں کروڑوں ایرانی و عراقی ہر زمانہ میں شافعی رہے ہیں اسی طرح ہمیشہ حجاز و عرب میں حنفی فقہ پر چلنے والے پائے گئے ہیں

چونکہ مجھے صرف مولوی صاحب کے خیالات پیش کرنے ہیں اسلیے سرِ دست انکی نکتہ بندیوں کی تنقید ملتوی کرتا ہوں۔ اشارۃً اتنی بات کہدی گئی: ورنہ ان سے پوچھا جا سکتا تھا کہ کتاب و سنت و اجماع و قیاس کے سوا یہ "مقامی خصوصیت" یا "غیر مسلموں کے لیے کھلنا" فقہ کے دلائل جو آپ قرار دے رہے ہیں جناب والا کے پاس اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔ سمجھائے قرآن و سنت اجماع کے کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ نے صرف مقامی یا غیر مسلموں کے کھلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ہے مگر جو دعوے کرنا جانتا ہو اُسے دلیل سے کیا تعلق؟

سنی و شیعہ

(راجہ غضنفر علی خاں ایم ایل اے سابق صدر شیعہ پولٹیکل کانفرنس کی تقریر گجرانوالہ مسلم لیگ کانفرنس میں)

اب ہندوؤں کا ایک سنجیدہ طبقہ پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے لگا ہے۔ ہر مسلم جماعت پاکستان کی اہمیت اور مطالبہ کو صحیح خیال کرتی ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی ترجمان مسلم لیگ ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ چند مسلمان دوست مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اور مملکت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے فرقہ وارانہ سوال پیدا کر رہے ہیں۔ پنجاب بمبئی کے چند شیعہ حضرات نے وزیر اعظم کو تار دیکر ہندوستان کی آزادی میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی شیعہ یہ دعوے نہیں کرسکتا کہ انکا تمدن مسلمانوں سے مختلف ہے' ایسے نازک دور میں جبکہ قومی زندگی و موت کا سوال در پیش ہو، سنی شیعہ کا سوال اٹھانا اسلام دشمنی کے مترادف ہے۔ اسوقت بڑے بڑے عہدوں پر شیعہ حضرات کی بڑی تعداد مامور ہے بہت سے شیعہ ارکان اسمبلی میں محض سنیوں کے ووٹوں سے ممبر منتخب ہوئے ہیں، مسلم لیگ میں بھی بہت بڑی تعداد شیعوں کی موجود ہے۔ آل انڈیا شیعہ پولٹیکل کانفرنس پاکستان کی حمایت میں ہے۔ پنجاب شیعہ پولٹیکل کانفرنس نے میری صدارت میں پاکستان کی حمایت کا رزولیوشن پاس کیا اور مسلم لیگ کو اپنی نمائندہ جماعت تسلیم کیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ ہر معاملہ میں مسلم لیگ کا ساتھ دیگی۔ (منشور)

(۱۲) (۱۷)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

ایڈیٹر :- عبد الماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجیے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی [illegible]

بیرونِ ہند سے سالانہ [illegible]

قیمت فی پرچہ [illegible]

صدق

نمبر ۱۳ | شنبہ - ۱۲ - رجب المرجب سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۳ - جون سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

شہر روما اور رومن ایمپائر کے پر عظمت ناموں سے کون پڑھا لکھا ناواقف ہے؟ یہ شہر آباد کیسے ہوا، یہ داستان بھی تاریخ کی زبان سے سُن لیجیے:-

"نئی بستی میں جو آوارہ گرد بھگوڑے اِدھر اُدھر سے جمع ہوئے تھے، اُن میں بہت کم جورو والے تھے اور یہ اُمید بھی نہ تھی کہ کوئی ایسے گمنام مجہول النسب لوگوں کو خوشی خوشی اپنی بیٹیاں بیاہ دیگا۔ اس واسطے رومیولس .... نے پہلے تو یہ مشہور کردیا کہ روم میں زمین کے اندر سے ایک دیوتا برآمد ہوئے ہیں اور ان پر قربانی چڑھانے کے لیے فلاں دن مقرر کیا جاتا ہے کہ اُس روز خاص و عام سب جمع ہوں اور خوشیاں منائیں، پھر جب وقت پر بڑا میلہ لگ گیا تو رومیولس بھی اپنے امرا کو ساتھ لیکر آیا اور صدر میں بیٹھ گیا۔ یہ بات پہلے سے ٹھہری تھی کہ جب وہ اُٹھ کر اپنی عبا کے دامن سمیٹ کر پھیلا دے تو اسکے مسلح ساتھی اپنا کام شروع کردیں" (تاریخ روما، جلد اول، [illegible]، طبع جدید۔ مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی)

اور یہ "اپنا کام" کیا تھا؟ ایک ہمسایہ قبیلہ کی عورتوں اور لڑکیوں پر زبردستی قبضہ جمانا! خیر صاحب،

جب رومیولس نے یہ حرکت کی، اسکے ساتھیوں کی آنکھیں سب کی اسی پر لگی تھیں، جیسے ہی وہ اُٹھا [illegible] معزز [illegible]

گئی اور ویسے ہی وہ سب کے سب تلواریں [illegible] نہتے [illegible] اور سبائنی لڑکیوں کو زبردستی اٹھا کے لے بھاگے۔ ان عورتوں کے مرد خوفزدہ ہوکر بھاگ رہے تھے انکا کسی نے خیال نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس ہنگامہ میں جو لڑکیاں [illegible] پکڑی گئیں انکی تعداد ۳۰ تھی مگر [illegible] ۵۲۷ بتاتا ہے اور [illegible] ہے کہ وہ ۶۸۳ تھیں۔ یہی عذر رومیولس نے بھی کیا کہ ہم نے [illegible] گرفتار کیں [illegible] بیاہی لڑکیاں [illegible] (ایضاً)

رومن تہذیب، رومن شائستگی، رومن قانون، [illegible] کی عظمت و جلالت کا افسانہ [illegible] کان میں پڑ چکا ہے؟ اس "مقدس" قوم کی "بانیوں" کی سرگزشت [illegible] تو ان کی زبانی آپ نے سُن لی!

شہر کے بسانے والے اور قوم کے سورماؤں اعلیٰ اول تو خود ہی مجہول النسب! پھر نسل بڑھانے اور پھیلانے کے لیے عورتیں جو حاصل کیں، وہ دغا و فریب سے انھیں بلا کر، اور پھر ظلم و ستم سے اُن پر قبضہ کر کے! کنواریوں پر چھاپہ مار کے! ایسی "پاک" و "پاکیزہ" نسل سے آپ توقع کس قسم کے کارناموں کی رکھ سکتے تھے؟

آج فرنگی تہذیب جو ٹھیک رومن تہذیب کے نقش قدم پر ہے، کیا اس سے آپ کچھ بہتر ثمرات و نتائج کے آرزومند ہیں؟ کیا ان پچھلوں کے کارنامے ان اگلوں سے کچھ بہت مختلف ہیں؟ اور اسکی درخت کی قلمیں آپ اپنی سرزمین میں لگانے کے لیے بیتاب و مضطرب ہو رہے ہیں! اور اسکو اپنی ترقی کی معراج سمجھ رہے ہیں!

اور [illegible] مرد و عورت کے مخلوط اجتماعات کی [illegible]

جاتا ہے۔ [illegible] جشن میں مردوں کے جلوس عورتوں کا ہونا [illegible] تھا۔ اس [illegible] میں لطف ہی کیا جو مردوں ہی کی ہو، عورتوں کی شرکت سے خالی ہو [illegible] جاہلیت کا چلا آرہا ہے [illegible] جاہلیت کے واسطہ سے اسے اپنے معاشرہ کا [illegible] DECIVD [illegible] ایک بادشاد [illegible]

- - - - -

جشن [illegible] [illegible] (کلکتہ) میں [illegible] کی [illegible] تعداد کے نام سے

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] تھا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] علم [illegible] [illegible] [illegible] سوال تو [illegible] [illegible] (اگر [illegible])

ایک [illegible] شراب کی کل دو دو بوتلیں [illegible] پھر ناچ کی [illegible] محرومیوں اور خشکات [illegible] کے ساتھ کوئی کس طرح جشن فتح منائے! اور عرب سپاہی آخر کیا کہکر اپنے دل کو سمجھائے! آج کا مہذب سپاہی بھی کیا کوئی ۱۳ سو سال قبل کا عرب سپاہی ہے، جسکو سبق یہ ملا تھا کہ اول تو جو بھی فتح حاصل ہو اسے اپنے زور بازو کا نہیں، نصرت حق کا ثمرہ سمجھے (اذا جاء نصر اللہ والفتح) اور جب اہل باطل کی فوج در فوج حق کے آگے ہتھیار ڈالنے لگے (ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا) تو [illegible] [illegible] کی تسبیحوں [illegible] سے استغفار [illegible] [illegible] سجدہ [illegible] استغفرنا! یہ تھا [illegible] کا جشن فتح [illegible]!

[illegible] کی بیٹی [illegible] کے متعلق کہا جاتا ہے کہ امراض [illegible] اسپتال میں [illegible] ہے۔ یہاں رقص [illegible] کی [illegible] گزر بسر کر رہی ہے۔ اور سوئیزرلینڈ کی پولیس نے اس پر بدچلنی سے گذر اوقات کرنے کا الزام لگایا ہے۔ وہ سوئیزرلینڈ میں جنوری [illegible] سے تھی۔ یہ تین لڑکوں کی ماں ہے۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ جلد ہی اُسکے اور اسکے چاہنے والے کا [illegible] بے نوائی کا علاج معالجہ شروع کیا جائیگا۔" (رویٹر ملخصاً)

[illegible] کی [illegible] اور [illegible] سابق

وزیر خارجہ کی بیوہ [illegible] شوہر گولی سے اڑا دیئے گئے۔ باپ کی لاش [illegible] گئی، اور اس پر تھوکا گیا [illegible] سارے کا سارا [illegible] اور یہ خاتون ہیں کہ [illegible] اور گھر سے بے گھر ہو کر ایک [illegible] کے ساتھ لیے دوسرے ملکوں میں [illegible] (ورنہ) [illegible] گزر بسر کر رہی ہیں! آغازہ تھا انجام یہ ہو رہا ہے! [illegible] ہوئی آغا حشر کاشمیری مرحوم نے ایک [illegible] لکھا تھا [illegible] کی بیٹی۔ [illegible] سے اسکا منظر [illegible] (قدیم ال[illegible]) [illegible] کا تھا [illegible] خوب چلا خوب مقبول ہوا۔ اور بعد کو شاید [illegible] سے سینما میں بھی منتقل ہو گیا [illegible] اور اب دیکھا [illegible] کا اور اس واقعہ کا [illegible] اور اس [illegible] کا [illegible]! [illegible] دوسروں کو تماشہ بنانے والے خود کیسے تماشہ بنا کرتے ہیں!

دیوبند اور تجدد

[illegible] فاضل جلیل مولانا [illegible] احسن صاحب گیلانی [illegible] کا ایک سلسلۂ مضامین [illegible] مولانا سندھی مرحوم [illegible] کے چند نمبروں میں شائع ہو چکا ہے [illegible] اور اب صدق میں بھی شائع ہو رہے ہیں۔ مولانا کو جو تلخ تجربات اس سلسلہ میں ہوئے اور انکا جواب [illegible] منشور رہا ہے ایک امر ہو [illegible] مولوی صاحب کے قلم سے شائع ہوا [illegible] اپنے لحاظ سے انکا یہ مکتوب گرامی بھی [illegible] [illegible] کر دیا جائے۔

[illegible] کی شان ہے [illegible] درست [illegible] علم غیب نبی کے لیے ثابت کرنا جائز ہے یا ناجائز خدا کے لیے [illegible] کا امکان ہے یا نہیں؟ مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے، اردو میں خطبہ مکروہ ہے، عرس [illegible] [illegible] [illegible] جس جماعت میں اس قسم کے مسائل [illegible] کو اہمیت حاصل تھی۔۔۔ آج اسی جماعت کے قلوب میں مولوی عبید اللہ سندھی کے [illegible] کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے۔ وہ فقہ کو، حدیث کو، بلکہ قرآن تک کے ایک بڑے حصہ کو وقتی اور مقامی قیود میں جکڑ کر ختم کر دیتا ہے۔ شرک، توحید، تشبیہ و تنزیہ کے قرآن کو بالکلیہ محو کر کے، اسلام کو [illegible] کفر کو اسلام قرار دینے پر اصرار کرتا ہے اور یہی دیوبندی، جو [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس عقیدہ تک کو شرک قرار دینے سے نہیں چوکتے تھے، کہ مغیبات کا علم حق تعالی نے اپنے پیغمبر کو عطا کر دیا تھا، وہی دیوبندی یہی نہیں کہ سندھی کے ان عقائد و خیالات کو سن کر تردید سے خاموشی اختیار کرتے ہیں، بلکہ کسی کو اگر تردید کی ہمت ہوتی ہے تو انکی حزبی حمیت کی رگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور ہر طرف شور برپا ہو جاتا ہے کہ دیوبند کے ایک عالم جلیل کی توہین کی گئی، اپنے [illegible] اور پیاروں کے ساتھ وہ آنکھ موندے بیٹھے ہیں اور [illegible] [illegible] دیا جاتا ہے۔ مولوی مسعود عالم [illegible] [illegible] کا جرم [illegible] کر کے انکو ختم کر دیا گیا لیکن جب [illegible] دیوبندیوں میں سے ایک دیوبندی نے یہ دیکھ کر کہ جنکے زبان پر [illegible] [illegible] مشیخت [illegible] کا خوف مستولی رہتا تھا آج اتنی بڑی بات پر

(بقیہ بر صفحہ ۸)

سورۂ بقرہ - رکوع ۲۲

سلسلہ صدق نمبر (۱۱)

از عبد الماجد

وآتی المال علیٰ حبہ	اور اُسکی محبت میں مال صرف کرے
ذوی القربیٰ والیتامیٰ	قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں
والمساکین وابن السبیل	اور راہ گیروں اور سائلوں پر ۱۲۲ اور
والسائلین وفی الرقاب	گردنوں کے آزاد کرانے میں ۱۲۲ اور نماز
واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ	کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ۱۲۳
والموفون بعہدہم اذا عاہدوا	اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جب
والصابرین فی البأساء والضراء	وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور
وحین البأس، اولٰئک	بیماری میں اور لڑائی کے وقت
الذین صدقوا واولٰئک	صبر کرنے والے ۱۲۴ - یہی لوگ ہیں جو
ہم المتقون -	سچے اترے ۱۲۵ اور یہی لوگ تو متقی ہیں

۱۲۱ عقائد کی تصحیح ہو چکی تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں بھی ابتدا شعبۂ معاملات سے ہوئی آیت کے اسی حصہ میں اسکا بیان ہے -

علیٰ حبہ - اُس کی محبت میں - ضمیر اللہ کی طرف ہے تو محبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے - یعنی یعطون المال علیٰ حب اللہ اے علیٰ طلب مرضاتہ (کبیر) قیل علیٰ حب اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالیٰ (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا گیا کہ صرف مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں - مطلوب و مقصود صرف وہ صرفِ مال ہے جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو -

دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صرف مال، مال کی محبت کے باوجود ہو - یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب، مال کو قرار دیا گیا ہے - یہ ہو قول الاکثرین انہ راجع الی المال (کبیر) اے مع حب المال والشح بہ کما قال ابن مسعود (کشاف)

اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے - مال و زر کی محبت اور قدر اُسکے دل میں ہے، خواہشیں اسکی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے - اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے - وہ عمل اُسی پر کریگا، جو حکم ربانی ہے - اور خرچ وہیں کریگا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے -

ذوی القربیٰ الخ معارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دی ہے - آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آگیا ہے -

مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنی چاہیے - یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہے، چچا کے پاس موٹریں ہوں، اور بھتیجے کو اکنے کے پیسے بھی میسر نہ ہوں - ہر زردار کو سب سے پہلے خبرگیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبوں کی کرنا چاہیے - اسکے بعد نمبر محلہ کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں بچیوں کا آتا ہے، جنکا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے - اسکے بعد درجہ بدرجہ شہر و بستی کے عام مفلسوں محتاجوں، اور پھر اُن مسافروں، راہ گیروں کا آتا ہے جو زادِ راہ سے محروم ہیں، اور اس لیے اپنے ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں - یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی اُنکے ٹھہرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے - اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں -

اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے، تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے ؟

۱۲۲ (قیدیوں اور غلاموں کی)

فی الرقاب، رقاب، رقبۃ کی جمع ہے - لفظی معنی گردن کے ہیں - محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں، جنکی گردنیں آزاد نہیں، یا جو بندھے ہوئے ہیں - یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں - یا قیدی، جو کسی جرم فوجداری یا دیوانی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں -

الرقبۃ جعل فی التعارف اسما للمالیک کما عبر بالرأس وبالظہر من المرکوب (راغب) والرقبۃ مجاز عن الشخص (روح)

تقدیر کلام یوں ہے فی تخلیص الرقاب، یا فی فکاک الرقاب، گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے - مراد وہی زر معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے -

یعنی المکاتبین قالہ الاکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساریٰ (معالم) وہم المکاتبون (ابن کثیر) اے فی تخلیصہا بمعاونۃ المکاتبین او فک الاساریٰ (بیضاوی) اے فی تخلیصہا الرقاب وفکاکہا (روح)

معارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہی جاتی تھی - قرآن مجید نے آخر میں اُسکا بھی اضافہ کر دیا - اور اب یہ فہرست امت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی -

۱۲۳ تصحیح عقائد کی ہو چکی، تصحیح معاملات کی ہو چکی - اب نمبر عبادات کا آتا ہے -

عبادات بیشمار رہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے - یہاں الصلوٰۃ والزکوٰۃ لیکر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا - نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی - زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی -

اقام الصلوٰۃ - یعنی نمازیں وقت مقرر پر شرائط و قواعد معلوم کے مطابق ادا کرتے رہتے ہیں۔

آتی الزکوٰۃ - یعنی زکوٰۃ حسب آداب و شرائط شریعت باقاعدہ ادا کرتے رہتے ہیں۔

کللہ عقائد ہو چکے، معاملات ہو چکے، عبادتیں ہو چکیں، اب ذکر اخلاق کا شروع ہوا۔

والموفون بعہدہم - فقرہ ہر قسم کے معاہدات کا جامع ہے۔ خواہ وہ معاہدہ بندہ کا اپنے خالق کے ساتھ ہو، یا معاہدہ بندوں بندوں کے درمیان ہو۔ مومن جھوٹا وعدہ کرنا یا جھوٹا عہد لینا جانتا ہی نہیں۔ ... فی ما بینہم و بین اللہ تعالیٰ و فی ما بینہم و بین الناس (قرطبی)

الباساء ... مصیبت اور تنگدستی سے۔ ... کا اصل تعلق مالی پریشانی سے ہے۔

... الشدۃ والفقر (قرطبی) الباساء فی الاموال کالفقر (بیضاوی عن الازہری)

الضراء - بیماری کی تکلیفیں ہیں۔ ضراء کا اصل تعلق جسمانی آزار سے ہے۔ ... الزمن و الزمانۃ (قرطبی) الضراء فی الانفس کالمرض (بیضاوی عن الازہری)

حین الباس، یعنی جنگ کے وقت دشمنان دین کے مقابلہ کے وقت ... وقت مجاہدۃ العدو (بیضاوی) ... وقت الحرب (قرطبی)

ثابت قدمی، صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی جانچ کروانے کے یہی تین خاص موقع ایک مومن کے لیے ہوتے ہیں۔

۲۵ له یعنی کمالات حقیقی کے ساتھ موصوف، اور رعایت پرہیزگاری (بر و تقویٰ) میں پورے اترنے والوں کی علامتیں یہی ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں۔ اس معیار سے جسکو چاہو جانچ لو، پرکھ لو۔

... صدقوا فی الدین و اتباع الحق و طلب البر (بیضاوی)

قرآن مجید کی ہر آیت بجائے خود معظم، محترم و واجب العمل ہے۔ لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ

من عمل بہذہ الآیۃ فقد استکمل الایمان	جس نے اس پر عمل کر لیا اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا۔

اور محققین کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اسکے اندر دین و شریعت کے سولہ احکام آ گئے ہیں۔

قال علماؤنا ہذہ آیۃ عظیمۃ من امہات الاحکام لانہا تضمنت ست عشرۃ قاعدۃ الایمان باللہ و باسمائہ و صفاتہ و النشر و الحشر و المیزان و الحوض و الشفاعۃ و الجنۃ و النار و الملائکۃ و الکتب المنزلۃ و انہا حق من عند اللہ و النبیین و انفاق المال فی ما یعن من الواجب و المندوب و ایصال القرابۃ و ترک قطعہم و تفقد الیتیم و عدم اہمالہ و المساکین کذلک و مراعاۃ ابن السبیل و السوال و فک الرقاب (قرطبی)

(باقی آئندہ) -

فکر سندھی پر تبصرہ

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

نمبر (۳)

ایک تو یہ بات، اسکے بعد حدیث کے متعلق اس دعوے کو مسلسل دہرایا گیا ہے "علمائے حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں اسے جمع کیا"۔ صفحہ (۲۴۳)

واقعہ یہ ہے کہ اس میں بھی بہت کچھ غیر واقعی تعسفات سے کام لیا گیا ہے۔ ایک مسئلہ ہے۔ لیکن بار بار ان دونوں باتوں کے دہرانے سے جو مطلب ہے وہ ظاہر ہے۔ خیر حدیث اور "السنت" کی حیثیت کچھ بھی ہو براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں حق تعالیٰ سے اشارات پاتے تھے۔ مثلاً نماز سکھانے کے لیے جبرئیل آتے تھے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے نماز کی موجودہ شکل اور اسکے اوقات کی تعیین فرمائی ہے۔ اسی طرح حدیث کی "تدوین" دو سو سال ہی کے بعد مان لی جائے کہ ہوئی ہو، لیکن بہرحال فقہ کے بعد قدرتاً ایک مسلمان اپنی دینی زندگی کی تصحیح میں "حدیث" اور "السنت" ہی کی طرف توجہ کر سکتا ہے، لیکن مولانا عبید اللہ مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ "اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ (صحیح بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے۔" مقالہ شاہ ولی اللہ، صفحہ ۲۸۲

جب بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی ہے۔ اسکے اعتماد کا حال وہی ہے جو عیسائیوں کی انجیل کا ہے۔ یعنی جنکی اسناد و تاریخی حیثیت مسلمانوں کی میلاد کی کتابوں مولود شہیدی و سعادی سے قطعاً زیادہ نہیں ہے۔ تو اب اس سے اندازہ کیجیے کہ شک و شبہ کی ان اندھیریوں میں مسلمانوں کو اسلام ملیگا اسے قطعی وہی اسلام کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ سمجھ ... وہ بیٹھے ہیں۔

صحیح بخاری کے متعلق جناب سندھی مدظلہ اپنے ذہن میں اور باتیں بھی رکھتے ہیں۔ گو لکھا ہے کہ "ہم اس وقت اس پر گفتگو کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے"۔ صفحہ ۳۰۰ مقالہ شاہ ولی اللہ

ایک کتاب پر زور

البتہ حدیث کے سلسلہ میں آپ اور آپ کے داعیہ نے ایک کتاب پر زور دیا ہے۔ اور اسکی شان میں قصیدوں کے قصیدے کہہ دیے گئے ہیں۔ یعنی مولوی صاحب کا قول ہے:-

لہ حدیث کی تدوین کا اصل حال کیا ہے۔ میری کتاب تدوین حدیث میں پڑھیے۔ اور اس سے معلوم ہوگا کہ سندھی صاحب کے معلومات کتنے ناقص ہیں۔

۲ہ جنہیں اس مضمون کے مطالعہ کی زیادہ فرصت نہ ہو وہ خاکسار کی مختصر کتاب "النبی الخاتم" کے ابتدائی اوراق کو دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ سندھی صاحب ... اپنی اس غلط تشبیہ سے اسلامیات کے اس عظیم سرمایہ ...

مولانا کے نزدیک موطا امام مالک ایک ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر سارے فقہا اور محدثین متفق ہیں۔ نیز موطا میں جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں انکی خصوصیت یہ ہے کہ روایت کرنے والوں کا پتہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ کیونکہ عموماً ایک سلسلۂ روایت میں کم ہی دو راوی آتے ہیں جن کا اکثر حصہ اہل مدینہ سے ہے۔ جنکو ائمہ مسلمین متفق علیہ اور ثقہ مانتے ہیں" صفحہ (۲۴۲)

بلا شبہ یہ ایک صحیح واقعہ کا اظہار ہے اور اب یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہندی مسلمانوں کو اپنے مرض کا علاج ابو حنیفہ کی فقہ اور امام بخاری کی حدیث میں نہ سہی موطا میں تو مل ہی جائیگا۔ حدیث جن خصوصیتوں کے ساتھ موطا میں ملتی ہے اور سنت کا جو علم اس سے حاصل ہوتا ہے۔ مولوی عبید اللہ صاحب نے اسکی افادیت پر اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں ایک دفعہ اس وقت تقریر کی جب ان سے کہا گیا کہ بعض لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ سرور صاحب لکھتے ہیں:-

مولانا نے فرمایا ہمارے نزدیک حدیث یا سنت اس زندگی کی تصویر پیش کرتی ہے جو قرآنی تعلیمات کی بدولت وجود میں آئی۔ اب اگر قرآن کو اسکے عملی نتیجہ سے الگ کرکے پیش کیجئے تو ذہنی پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا (صفحہ ۲۴۳)

گویا سنت کی افادیت اور سنت کے پانے کی صحیح راہ موطا کی مل گئی۔ مگر اچانک لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور سندھی صاحب فرمانے لگتے ہیں: "لیکن یہاں کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ "موطا" میں جس نظام کو مدون کیا گیا ہے، قرآن کی ساری کی ساری تعلیمات اس میں منحصر ہیں"

اور اپنے مجمل بیان کی تفصیل ان الفاظ میں فرماتے ہیں

"بیشک مدینہ کی سوسائٹی قرآنی تعلیمات کا نتیجہ تھی اور خلافت راشدہ کے دور میں مسلمانوں کی جو زندگی تھی وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہی تشکیل ہوئی۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ قرآن اسی زندگی میں محدود ہو گیا ٹھیک نہیں"

یہ سلبی تقریر ہوئی۔ ایجاب سنیے:-

"رسول اللہ عرب میں مبعوث ہوئے اور عرب ہی انکے اولیں مخاطب تھے۔ اس لیے انکی تعلیمات کا ایک قالب عربی ذہنیت کے مطابق ہونا ایک فطری بات ہے"

یہ تمہید تھی۔ اور آب اس "موطا" کا حشر سنیے۔ جس سے مل جانے کے بعد سمجھا گیا کہ درد کا درماں مل گیا۔ فرماتے ہیں

"موطا در اصل قرآن کی عمومی تعلیمات کے عربی قالب کا مرقع ہے" صفحہ ۲۴۷۔

ڈھونڈ رہا تھا ہندی مسلمان اپنے کھوئے ہوئے اسلام کو سندھی صاحب کے مشخصہ کفر سے نکلنے کے لیے۔ لیکن موطا بھی جب عربی قالب کا مرقع بن کر رہ گئی تو اس عربی قالب کے مرقع سے ہندی مسلمان کا کیا کام چلیگا۔ سندھی صاحب آگے کہتے ہیں:-

"قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانہ میں ایک خاص نظم میں ظاہر ہوا۔ اگر وہ اب موجود نہیں تو دوسرے زمانہ میں وہ پھر کسی دوسری صورت میں ظاہر ہو [illegible] صفحہ [illegible]"

جس سے معلوم ہوا کہ سندھی صاحب [illegible] نہیں اب تو دوسرے زمانہ والے عرب یا مسلمان [illegible] ہے کے [illegible] سے [illegible] باقی نہ رہا [illegible]

لیکن ابھی تو بات صرف "موطا" تک محدود ہے۔ اس میں تو گنجائش بھی ہے۔ لیکن [illegible] کے بعد جو نظریہ [illegible] اگر [illegible] پہلے سے بنے ہوئے شرعی قوانین پر انحصار ہو تو قرآن کی اثر آفرینی کا انجام ظاہر ہے۔ صفحہ (۸۹)

اور یہی انجام اس "موطا" کا جسکی مدح سرائی میں صفحات کے صفحات سیاہ کیے گئے ہیں

فقہ کے بعد سنت کا درجہ تھا۔ سنت کی محفوظ ترین شکل "موطا" تھی۔ وہ موطا بھی "عربی قالب کا مرقع" اور "پہلے کی بنی ہوئی شریعت" [illegible] جب اثر آفرینی میں وہ بھی بیکار ثابت ہو چکی تو اب کہاں جائیے۔

قرآن

اب لے دے کر بیچارہ اکیلا قرآن رہ گیا ہے۔ اگرچہ قرآن کے متعلق پہلے ہی کہا گیا ہے کہ مسلمان اور مسلمانوں کے علماء اسکا جو مطلب سمجھتے ہیں وہ تو کفر ہے۔ کفر سے بھلا کفر کا ازالہ کیا ہوگا۔ لیکن بہر حال سندھی صاحب قرآن کو بار بار دین کی اساسی بنیاد، جوہری وجود اور خدا جانے کیا کیا فرماتے چلے گئے ہیں۔ کتاب کا بیشتر و اکثر حصہ قرآن کی اہمیت اور اسکی عالمگیریت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ مان لیجیے کہ مسلمانوں نے اب تک قرآن سے جو کچھ سمجھا ہے سب غلط، تیرہ سو سال سے اس کتاب کی جو تفسیریں انکے علماء لکھتے آئے سب بقول جناب سندھی صاحب کفر۔ آئیے سندھی صاحب قرآن کا جو مطلب بتائیں اسی مطلب میں ممکن ہے آپ کو اپنا اسلام مل جائے۔ خصوصاً جب جناب ہی کا دعوے بھی ہے کہ اسوقت جتنے علماء قرآن دنیا میں ہیں قرآن کا عالم تو ان میں کوئی نہیں ہے۔ البتہ طالب علم انکو قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن مطالب قرآن سے پہلے یہ جان لینا غالباً زیادہ مناسب ہے کہ سمجھائے خود قرآن کا جناب سندھی کیا تصور فرماتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم جاہل مسلمانوں کا تو عقیدہ ہے کہ قرآن لفظاً و معناً بغیر کسی بیرونی آمیزش کے براہ راست حق تعالیٰ جل مجدہٗ کا کلام مبارک ہے جسے جبرئیل امین نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اسکو پیش کیا۔ لیکن سرور صاحب فرماتے ہیں "مولانا کے خیال میں قرآن مجید کل انسانیت کی بنیادی فکر کا ترجمان ہے" سمجھا آپ نے۔ قرآن حق تعالیٰ کی مرضیات کا ترجمان آپ تو یہ سمجھے ہوئے ہیں، لیکن جناب سندھی صاحب قرآن کو انسانیت

علم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۱)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر ضلع بستی)

[ذیل کا مقالہ دو علمی مجلسوں میں پڑھا جا چکا اور اہل علم سے شرف قبول حاصل کر چکا ہے]

حضرات - مجھے عربی تعلیم اور دینی مدارس کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے - امید کہ ناظرین یا سامعین سنجیدگی کے ساتھ اسکے تمام پہلوؤں پر غور کی نگاہ ڈالیں گے - عصر حاضر میں علم عربی کے متعلق طرح طرح کے وسوسے پیدا ہیں - کوئی کہتا ہے کہ عربی ایک مردہ زبان ہے - اس مردہ زبان کے سیکھنے بولنے والے ملنا نہیں - اسکے خلاف انگریزی زبان زندہ ہے اور اسکے پڑھنے والے دنیا میں عزت کی جگہ پا سکتے ہیں - جیسا کہ ترکی وفد کے صدر مسٹر عطائی نے بھی یہی کہا تھا - کوئی کہتا ہے کہ عربیت سے مولویت پیدا ہوتی ہے - اور مولویت گداگری و دریوزہ گری سکھاتی ہے - اس لیے عربیت قابل نفرت ہے - کوئی کہتا ہے کہ عربی علوم و فنون کے حامل تاریک خیال، تنگ نظر ہوتے ہیں - ایسے ترقی پذیر زمانہ میں دقیانوسی ملاؤں کی کیا حاجت ہے - پہلے ہی سے ایسے ملاؤں کی کیا کمی تھی کہ نت نئے مدارس اور جامع کھول کر انکی کثرت اور انکی پیداوار بڑھا دی جائے

حضرات - کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن آئیے غور کیجیے کہ دین الہی اور مذہب اسلام کی زندگی کی خاطر عربی تعلیم و تعلم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کچھ شک نہیں کہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سب عربی زبان میں ہیں - پس ان سے بلا واسطہ استفادہ کرنے کے لیے اور غور و خوض حاصل کرنے کے لیے عربی مدارس اور طلبہ و مدرسین کا وجود عقلاً ضروری ہوا - اب نفس واقعہ دیکھیے کہ کیا فی الاصل عربی ایک مردہ زبان ہے؟ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں، کیا وہ زبان جس میں سینکڑوں سے زائد اخبارات اور رسائل ہوں جو ریڈیو پر نشر ہوتی ہو، جو سرزمین عرب و مصر وغیرہ کی عام بول چال کی زبان ہو، جس کی تعلیم جرمنی، فرانس، امریکہ و برطانیہ کی تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں جاری ہو، جس میں عربی علم ادب و لغات پر ہزارہا ہزار اوراق کی ایک ایک کتاب تیار رہتی ہو جس میں اقرب الموارد المحیط وغیرہ جیسی کتابیں لکھی جاتی ہوں، جسکا نصاب داخل ہو ہندوستان کے ہر ہر صوبہ کے محکمۂ تعلیم میں اور غیر اسلامی یونیورسٹی میں بھی، جسکے بولنے والے لکھنے والے اکیلے ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، ایسی زبان کو مردہ کہنے کی جسارت وہی قوم کر سکتی ہے جو دین کے ساتھ

...بابت ۱۹۳۹ء - ایک اور شہادت بھی سنتے چلیے - ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے ہیں اور لندن کے پی ایچ ڈی، انگریزی میں متعدد عربی کتابوں کے مصنف اور بکثرت علمی مقالات کے مقالہ نگار ہیں - آپ نے ایک تازہ رسالہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت اور اہمیت پر لکھا ہے - اور اسکے شروع میں لکھتے ہیں کہ جغرافی رقبہ کی وسعت کے اعتبار سے انگریزی اور ... آپ نے زبان کے بعد تیسرے نمبر پر کرۂ ارض پر سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان بھی عربی ہے - (صفحہ ۹) آپ نے اسکے بعد بہت سے مقامات کا نام لیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے - "غرض یہ کہ جہاں اپنی اعلی ادبیات کی بنا پر عربی کا شمار دنیا کی مشہور علمی زبانوں میں ہے وہیں اسکی اہمیت نوع انسان کی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے بھی ہے زندہ صرف اس معنی میں نہیں کہ لوگوں کے ذہن اس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، بلکہ زندہ، ایک بڑی اور پھیلی ہوئی بول چال والی زبان کی حیثیت سے ہے - (کتاب ۵ صفحہ ۲) بحوالہ صدق ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس رسالہ کی تیسری فصل میں لکھا ہے کہ خود بائبل کے مطالعہ کے لیے بھی عربی بڑی اہمیت رکھتی ہے - دسویں میں یہ بیان کیا ہے کہ سائنس کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے عربی سے واقفیت کس درجہ ضروری ہے - پندرھویں فصل میں عربی کی اہمیت اور ہندوستان کے لیے اسکی خصوصی اہمیت جتائی گئی ہے - مولانا دریابادی نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے - شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور اسکے ناشر ہیں صدق ۲۸ - جون ۱۹۴۳ء - ہمارے روشن خیالوں کو گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ صرف مولوی ہی عربی زبان کا حامی نہیں ہے اسکے نغمہ کی صرف انکی نگاہوں ہی میں نہیں بلکہ اونچے کلاس کے روشن خیالوں کے سرتاج بھی رہ سکتے ہیں جو مولوی کہتے ہیں ؎

آہ بلبل کی تھی پہلے سے چمن میں بدنام

محفل گل میں صبا آکے شریک اور ہوئی

مغربی علوم و فنون

اور انگریزی تعلیم و تہذیب سو انکے متعلق یہ عرض ہے کہ انگریزی کا شیوہ کسی وقت میں ذریعۂ معاش تھا - یہ وہی ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ تھا جبکہ انگریز مسلمانوں کے قلعہ دل پر حملہ آور ہونے کی اسکیم بنائی تھی - اور انگریزی حکومت کے ایک اہم رکن لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ دلی کا مسئلہ رکھ دو، چار و ناچار انگریزی تعلیم و تہذیب پر لوگ مجبور رہینگے - یہ جماعت لوگ رنگ نسل کے اعتبار سے اگرچہ ہندوستانی ہونگے مگر افکار و خیالات اور تہذیب و ذہنیت کے اعتبار سے یکسر انگریز ہو نگے - چنانچہ اس نکتہ کے ماتحت مسلمانوں کو انگریزی علم کی ترغیب دیگئی - جس نے مڈل بھی پاس کیا اسے ڈپٹی کلکٹری دیدیگئی - انٹرنس پاس کیا تو وہ وقعت ہوئی کہ جسکی انتہا نہیں - ملاحظہ ہو کتاب "مسلمان کیا کریں" (صفحہ ۱۵)

(باقی آیندہ)

گاندھی ٹریننگ کیمپ

سبق آموز حالات

اس وقت کانگریسی کارکنوں کی سب سے بڑی مہم گاندھی جی کا تعمیری پروگرام ہے۔ ہم یہاں بتائیں گے کہ ہندو قوم کیسی خوش اسلوبی سے اس کام کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔

گاندھی جی کو تعمیری پروگرام کے لیے روپے کی ضرورت تھی، اسکے لیے کستورابائی میموریل فنڈ میں ۷۵ لاکھ روپیہ مانگا گیا۔ یکم جولائی تک ۱۰ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا۔ ۳۰ ستمبر تک ۸۰ لاکھ۔ ۲ اکتوبر تک ایک کروڑ ۱۰ لاکھ۔ آخر دسمبر تک پورا سوا کروڑ۔ گویا ۹ مہینوں میں ہندو قوم نے ۱۲۵ لاکھ روپیہ جمع کیا اور گاندھی جی کے حوالے کر دیا۔

گاندھی جی کی طرف سے دوسرا اعلان کیا گیا کہ مجھے اپنے تعمیری پروگرام کے لیے کل ایک لاکھ نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ میں انھیں ٹریننگ دونگا اور دیہات میں بھیجونگا تاکہ دیہاتیوں کو پڑھائیں، بچوں کو تعلیم دیں، گھروں اور گلیوں کی صفائی کریں، گھریلو صنعتیں جاری کریں، لوگوں کو بیماریوں سے نکالیں اور جس طرح بھی بن پڑے اہل دیہات کو باکار، باحواس، تعلیم یافتہ اور خوشحال بنادیں۔

جب سیواگرام میں ٹریننگ کیمپ کھولنے کے انتظام مکمل ہوگئے تو گاندھی جی نے پہلی جماعت کے لیے نوجوانوں کی درخواستیں طلب کیں۔ شرائط داخلہ حسب ذیل تھیں:-

۱۔ ٹریننگ کی میعاد ایک مہینہ ہوگی

۲۔ ہر امیدوار کرایہ آمد و رفت خود ادا کریگا۔

۳۔ ہر امیدوار ۲۵ روپیہ خرچ خوراک خود دیگا۔

۴۔ ہر امیدوار ہر روز پاخانہ خود صاف کریگا۔

۵۔ اپنے رہنے کے لیے جھونپڑی خود بنالے گا۔

۶۔ باورچی خانہ کا تمام کام خود کریگا

۷۔ کیمپ کی صفائی خود کریگا۔

ٹریننگ کیمپ کے لیے ایک سو نوجوانوں کی ضرورت تھی۔ مگر ۸۵۰ نوجوانوں نے درخواستیں بھیجیں۔ جن میں صوبہ وارنسبت کا لحاظ کرکے ۱۸۳ امیدوار چنے گئے۔ اسکے بعد ایک اور انتخاب ہوا، اور کل ۱۰۹ نوجوان کیمپ میں داخل کیے گئے۔ جن نوجوانوں کو کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت ملی، اُن میں بی اے بھی تھے، ایم اے بھی تھے، غریب بھی تھے، امیر بھی تھے۔ بنگلوں میں رہنے والے بھی تھے اور موٹروں پر سوار ہونے والے بھی تھے، کاروباری لوگ بھی تھے اور تاجر بھی۔

ایک نوجوان نے ٹریننگ کیمپ کے حالات شایع کرائے ہیں، وہ لکھتا ہے:-

۵ بجے صبح پہلا بگل بجتا ہے اور تمام نوجوان اُٹھ بیٹھتے ہیں۔

۵ بجکر ۴۰ منٹ پر دوسرا بگل بجتا ہے اور ورزش اور پریڈ شروع ہو جاتی ہے۔ نوجوانوں کے آنے جانے میں قدم ملا کر چلنے پر زور دیا جاتا ہے

۶ بجکر ۲۰ منٹ پر پرارتھنا شروع ہو جاتی ہے۔ ۷ بجے ناشتہ دیا جاتا ہے۔ ناشتہ میں گڑ اور چنے ملتے ہیں۔ کبھی کبھی جوار کا ناج، ایک بسکٹ۔ کبھی کبھار ایک کیلا یا سنترہ۔ یا دودھ چھٹانک بھر اور پھر کسی دن دلیا۔

۷ بجکر ۱۰ منٹ پر تمام نوجوان کھادی ودیالہ میں پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں قابلیت کا لحاظ کرکے چار جماعتیں بنادی گئی ہیں۔ کھادی ودیالہ میں چرخہ پر بیلن سے کپاس اوٹنا، پھر بانس کی چھڑی سے تانا کرنا، پھر پونی بنانا، پھر کاتنا، پھر بُننا۔ یہ سب کام درجہ وار سکھائے جاتے ہیں ۔ ۹ ½ بجے سے ۱۰ ½ بجے تک سوت کی تعلیم ہوتی ہے جس میں پچھلے دن کا کاتا ہوا، اوٹا ہوا، تنا ہوا تولتے ہیں ہر قسم کا حساب کرتے ہیں اور رفتار ترقی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اسکے بعد کھادی اسکول سے چھٹی ہو جاتی ہے۔

کیمپ کے نوجوان ۵ بجے بیدار ہوتے تھے۔ ۴۰ منٹ ضروریات اور غسل وغیرہ پھر ۴۰ منٹ ورزش اور ڈرل، پھر ۴۰ منٹ عبادت پھر ۲۰ منٹ ناشتہ ۔ پھر دو گھنٹے اوٹنا دھننا کاتنا اور بُننا۔ پھر ایک گھنٹہ نمایش سوت۔ اسکے بعد نوجوان کیمپ میں آجاتے ہیں، اور پیشاب خانوں، پاخانوں کی اور تمام کیمپ کی صفائی کرتے ہیں اسکے بعد ½ ۱۲ بجے تک غسل، کھانا اور آرام ہوتا ہے۔

۲ بجے پھر کھادی اسکول شروع ہوتا ہے، جس میں چار پیریڈ ہوتے ہیں

پہلے ۴۰ منٹ گایوں کی پرورش کے متعلق لکچر

دوسرے ۴۰ منٹ ۔ کھدر کا مضمون اور معلومات

تیسرے ۴۰ منٹ ۔ گاؤں کی خدمت کے طریقے

چوتھے ۴۰ منٹ ۔ بنیادی تعلیم کا طریقہ

چار بجے کے بعد سب پارٹیاں بنا کر کھیلنا

½ ۸ بجے سے ۹ بجے تک پرچار اور تقریریں

۱۰ بجے سے ۵ بجے تک سونا۔

تمام نوجوان ہر اتوار کے دن جھاڑو، پھاوڑے، رسی، کھرپے، اور ٹوکریاں لیکر سیواگرام میں جاتے تھے۔ کیونکہ یہ ایک بہت ہی گندہ اور میلا گاؤں ہے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ اپنے کیمپ کی جھونپڑیاں، اردگرد کا میدان، سڑکیں، راستے، پاخانے اور پیشاب خانے تو ہم ہر روز صاف کرتے تھے، لیکن ہر اتوار کو دیہات میں چلے جاتے تھے اور وہاں گلیاں ہموار کرتے تھے، کنووں کی نالیاں صاف کرتے تھے اور پودوں کے گرد باڑیں اور منڈیریں بناتے تھے۔ چونکہ گاندھی جی نے پہلے ہی تمام نوجوانوں کو

تاکید کی تھی کہ وہ جو کچھ پڑھیں اور سمجھیں اسکا باقاعدہ نوٹ کریں۔ اسلئے ہر نوجوان کے پاس یہاں کے تمام لکچر کتابی شکل میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

۲۰ فروری کو گاندھی جی نے کیمپ کا معائنہ کیا اور فرمایا کہ کیمپ کی صفائی دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ پاخانے بھی اچھے تھے۔ اور ان سے بو نہیں آتی تھی۔ مگر [illegible] والے کہتے ہیں کہ جب بو آتی ہے کالی مٹی ڈالنی چاہیے۔ جو برتن پیشاب کے لیے رکھا جاتا ہے اس میں کچھ پانی اور ریت ہونا چاہیے۔ پھر بدبو نہیں ہوگی۔ انسان میں میل بہت ہے۔ پسینہ۔ پیشاب۔ ٹٹی وغیرہ میل ہی میل ہے جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے۔ اس لیے انسان ہی کا حق ہے کہ وہ اسکو صاف کرے۔ جو لوگ باہر سے صاف ہوتے ہیں وہ اندر سے بھی گندے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہیں مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ خدا تب ملتا ہے جب من صاف ہو۔ اگر آپ ایک بھی صفائی کا مطلب سمجھ جائیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے سب کچھ سیکھ لیا ہے۔

جب یہ نوجوان رخصت ہوئے تو گاندھی جی نے انھیں یہ پیغام دیا۔ "میرے نوجوانو! تم دیہات میں نکلو اور اپنے ہموطنوں کی سیوا کرو۔ دیہات میں جاکر بھنگیوں کا فرض ادا کرو اور دیہات کو صاف کرو۔ [illegible] بوجھ نہ بن جاؤ اور ان میں ملکر بڑھی ہوئی عقل لیکر جاؤ۔ اگر تم میں جذبہ خدمت نہیں ہے تو تم دیہات کے قابل نہیں ہو سکتے۔ تمہیں ملی جلی اردو ہندی (ہندوستانی) بولنی چاہیے۔ تاکہ دیہات والے سمجھ سکیں۔ دیہات میں جاؤ اور [illegible] خوشحال بنا دو۔" [illegible]

(بقیہ صفحہ ۲)

جب وہ چپ نہ رہا تو [illegible] سب سے چھوٹا ہے [illegible] کے اس فرض کو ادا کرے اور گونگے شیطان کے الزام کا تو ازالہ کر دے، تو اب اسکے متعلق نظری و دقیانوسیت سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ اللہ اللہ! دیوبند اور دیوبند سے پڑھ کر نکلنے والے مولوی۔ خدا کی شان ہے کہ ہم جیسے خاکسار کو عہد حاضر کے افکار و خیالات، تحریکات و رجحانات سے مطلع فرماتے ہیں! امروہوی صاحب کی لن ترانیاں، لفظی طنطنہ نوازیاں پڑھتا جاتا تھا اور دل روتا جاتا تھا کہ بابا دیوبند کہاں تھا، کدھر جا رہا تھا، اور اچانک اسکا رخ کدھر پھر گیا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ امروہوی صاحب کے مقالہ کو میں نے لاجواب قرار دیا ہے۔ اپنی معقولیت کا اظہار خود اپنی ذات سے وہ کر رہا ہے

جی ہاں، دیوبند آخر کب تک دیوبند رہتا!
وہ مگر دوں ہاں کہاں تک کوئی کرتا تردید!

اور اس دور گردوں کے سبب کوئی اب نہیں [illegible] اسباب نے

عمل کرتے نتیجے پیدا کیے ہیں
ایک اور مشہور فاضل و صاحب قلم اپنے [illegible]
"آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ مولانا سندھی کے خیالات انھیں تک محدود نہیں۔ متعدد نوجوانوں اور سیاسی [illegible] تک سرایت ہو چکے ہیں"
دیوبند اور [illegible] چند روز پیشتر کوئی انکے اقوال و [illegible] خیال بھی کر سکتا تھا!

(بقیہ صفحہ ۵)

کی بنیادی فکر کا "ترجمان" سمجھتے ہیں۔ اسکا کیا مطلب ہے۔ سندھی صاحب تو خیر تشریف لے گئے۔ لیکن انکے معتقدوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ وہ اسکا مطلب کیا قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے

مذاہب اور فلسفوں کا اصل الاصول یہی فکر ہے۔

فلسفہ کے متعلق تو بیشک یہ معلوم تھا کہ اسکا خدا سے نہیں بلکہ آدمی کے بھیجے اور اسکی فکر سے تعلق ہے، لیکن مذہب کی بنیاد بھی انسانی فکر ہے اور اسکا مرکز بھی انسانی دماغ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اسکے بعد فلسفہ اور مذہب میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مذہب فلسفہ پر عدم اعتماد کی وجہ اسکے سوا اور کیا ہے کہ اسکا تعلق ناقص انسان کی ناقص معلومات سے ہے۔ جب انسانی فکر ہی پر اعتماد کرنا ہے تو آدمی بجائے دوسروں کی فکر کے خود اپنی ہی فکر پر کیوں اعتماد نہ کرے۔

بہرحال مذہب پر ہم مسلمانوں کا جو لازوال اعتماد ہے اسکا تو گر یہی یہ ہے کہ ہمارے علم کا رشتہ ایک ایسے علم سے مل جاتا ہے جو لامحدود اور محیط کل ہے، جس میں غلطی کا احتمال کسی حال میں کسی جہت سے نہیں ہے۔ ظاہر و باطن، ماضی و مستقبل کا کوئی پہلو اس سے مخفی نہیں ہے یعنی خدائے علام الغیوب کا علم۔ لیکن اگر مذہب کی بنیاد بھی وہی ہے جو فلسفہ کی بنیاد ہے اور جیسا کہ سندھی صاحب کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے تو انکے معتقدوں کو یہ غور کرنا چاہیے کہ قرآن کو سندھی صاحب کیا چیز بنانا چاہتے ہیں۔

خلاصۂ مراسلات

سیٹھ حاجی کریم صاحب امراؤتی۔ برار سے اخبار الفاروق [illegible] کا ایک تراشہ بھیجتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو جلسہ کرکے [illegible] پرچارک منڈل اندور کے رسالہ پرچارک جنوری ۱۹۴۵ء کے اس مضمون پر جس میں اللہ تعالیٰ، قرآن کریم اور حضرت رسول اللہ صلعم کی توہین کی گئی ہے، سخت نفرت و غصہ کا اظہار کریں اور رزولیوشن کی نقول حکومت ہند اور مہاراجہ اندور کے پاس اس مطالبہ کے ساتھ بھیجیں کہ مضمون نگار، ایڈیٹر اور پرنٹر و پبلشر کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق سے شائع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی ۴
بیرون ہند سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱۱/
ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۵ | شنبہ - ۱۹ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۳۰ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ہرقل دیوتا کے پجاری کو ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ سوجھی کہ آؤ دیوتا سے ایک بازی چوسر کی بد کر کھیلیں۔ اور جیت میں کوئی قیمتی تحفہ اس سے حاصل کریں۔ لیکن اگر دیوتا جیت جائے، تو اُسکے لیے عمدہ عمدہ کھانے پکوانے کے علاوہ ایک حسین عورت بھی پیش کی جائے۔ چنانچہ بازی بچھی اور کھیل شروع ہوا۔ اتفاق دیکھو کر پجاری کا ہر پانسہ اُلٹا پڑا۔ اور دیوتا کی بازی جیت گئی۔ شرط کا ایفا ضروری تھا، اس لیے پجاری نے دیوتا کے لیے دسترخوان بچھانے کے علاوہ لارن شیہ کو جو اسوقت کمال حسن پر تھی، روپیہ دے کر دیوتا کی خدمت کے واسطے منتخب کیا۔ اور پلنگ بچھا کر مندر میں اُسکو تنہا بند کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اُسکا یہ سامان فی الواقع بیکار نہ گیا۔ بلکہ سچ مچ دیوتا لارن شیہ کے پاس آیا اور اُسکو حکم دے گیا، کہ صبحدم منڈی میں جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے اُسی کو سلام کرکے اپنا دوست بنالے۔" (مشاہیر یونان و روما - جلد اول، ص۵۵ مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی، جدید ایڈیشن)

ان ہرقل دیوتا کا شمار قدیم رومی دیومالا میں صف اول میں ہے روما کے ایک زبردست دیوتا۔ ہاں وہی روما جسکی تہذیب، شائستگی، قانون و تمدن، علوم و فنون کی دھاک ہر انگریزی اسکول کے طالب علم کے دل میں شروع سے بٹھادی گئی ہے!

—— ایک روما پر کیا موقوف ہے، یونان، ایران، مصر، ہندوستان، کس قدیم ملک کی دیومالا انھیں خرافات سے لبریز نہیں؟ انکے دیوتا ایسے ہیں جو گاتے نہیں، ناچتے نہیں، جو سرجوا نہیں کھیلتے، شرابیں نہیں پیتے، حرام کاریاں نہیں کرتے، ہر ناکردنی نہیں کرگزرتے؟ بڑی بڑی مہذب و مشہور قوموں کا "کلاسیکل" اور مذہبی لٹریچر پڑھ جائیے، سوا انھیں قصوں قضیوں کے اور اُن میں ملیگا کیا؟ کہیں کہیں کوئی اخلاقی سبق بھی اسکے اندر نکل آئیگا، جیسے رات کے وقت کالے ڈراؤنے بادلوں کے بیچ میں بجلی ورنہ عام طور پر تو انھیں ظلمتوں اور اخلاقی کدورتوں کی گھٹاٹوپ گھٹائیں ہیں! —— قرآن مجید کی جو تنزیہی آیات ہیں، جن آیتوں میں حق تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکی تمام گندہ صفات سے بیان کی گئی ہے انکا راز یہی دوسری قوموں کے مشرکانہ خرافات ہیں۔ کیسی کیسی گندی اور ناسزا باتیں بلا تکلف بلکہ فخر کے ساتھ دیوتاؤں، معبودوں، خداؤں کی جانب منسوب تھیں، اور دلوں میں رچی ہوئی تھیں۔ قرآن کو بار بار ان عقیدوں پر ضرب لگانی پڑی، اور بتانا پڑا کہ خدائے احد کی ذات پاک تو لطافت و پاکیزگی کا سرچشمہ اور ان تمام لغویتوں سے یکسر منزہ ہے۔

کام کی رفتار

تفسیر اُردو کے پارۂ سوم کی نظرثانی بحمداللہ پچھلے ہفتہ ختم ہوگئی۔ ۲۶ مارچ کو شروع ہوئی تھی۔ ڈھائی مہینے ایک پارہ کی نظرثانی میں لگے۔ اب دو تین ہفتوں کے وقفہ کے بعد پارۂ چہارم شروع ہوگا ان شاءاللہ۔ وقفہ کا یہ زمانہ آرام کے لیے نہیں ہوتا۔ تصنیف و تحریر کے دوسرے ضروری کاموں کے لیے ہوتا ہے۔

پارۂ اول کی طبع و اشاعت کا ہنوز دور اول ہے۔ تاجر کمپنی اپنی مصلحتوں کو خود ہی بہتر سمجھتی ہے۔

پچھلی پندرھویں میں ذیل کی رقوم بہ امداد تفسیر قبول کی گئیں

۳- جون ۱۹۴۵ء - ایک مخلص (فوجی کارکن) - ریاست میسور عشہ
(علاوہ اقساط سابق)

۱۲ - جون - ایک مخلص، مقیم پشاور (دوسری اور قسط) عہ

تجدد کی ترقیاں

فریخ ادانامہ (LE CLARION) (بمبئی) کے کسی نمبر سے :-

"پچھلی جنگ عظیم سے قبل ہندوستان میں کل صرف ۳۰ سے کم سنیما تھے اور وہ بھی تیار شدہ عموماً باہر کی فلمیں دکھاتے تھے۔ اب ملک میں کوئی ۵۰ کارخانے فلم سازی کے کھل چکے ہیں، اور سنیما گھروں کی تعداد ۱۷۰۰ تک پہونچ چکی ہے۔ کہنا چاہیے کہ کوئی شہر ہندوستان بھر میں ایسا نہیں جہاں سنیما گھر نہ ہو۔ ہندوستان میں پہلی فلم ۱۹۱۳ء میں تیار ہوئی تھی، اور آج ہندوستان کی فلمی صنعت دنیا کے تمام ممالک میں بجز روس و امریکہ کے سب سے بڑی ہے!

... ٹاکی" (بولتی فلمیں) سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں بمبئی اور پھر کلکتہ میں تیار ہوئی تھیں - حساب لگایا گیا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں یعنی ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک ۱۵۰۰ بولتی فلمیں ہندوستان میں تیار ہو چکی تھیں - ۱۳ مختلف زبانوں میں، جن میں سے پانچ فارسی میں تھیں اور ۸ انگریزی میں"۔ (صہ)

مبارک ہوں تجدد کو یہ روز افزوں اور شب افزوں ترقیاں!

— اب فرانس اور برطانیہ اور جاپان اور جرمنی کی ترقیوں اور آزادیوں پر رشک کیا کیجیے، کہ فلم سازی اور سنیما نوازی میں تو ہم خود ان سب سے بڑھ کر رہے! — آہ یہ ننگا، بھوکا، مفلس اور کنگال ہندوستان! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر عریاں، اور کون دروغ اس سے بڑھ کر بے فروغ ہوگا؟

امراض خبیثہ کی وبا!

"۱۹-جون - ہیڈکوارٹرز ۲۱-آرمی گروپ

آج ایک میڈیکل اسٹاف افسر نے اپنے بیان میں کہا کہ یوم فتح سے لیکر آج تک برطانوی اور کناڈین فوجوں میں امراض خبیثہ کا شیوع بمقدار ۸۴ فی صدی کے بڑھ چکا ہے! اور اگر یہی رفتار مرض جاری رہی تو یہ بڑا سخت مسئلہ بن جائیگا۔ لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر کیمبل مشیر امراض خبیثہ آرمی ہیڈکوارٹر نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا کہ دو مہینے کے اندر، امراض خبیثہ کی شرح ۳۵ فی ہزار سے بڑھ کر ۵۳ فی ہزار تک پہونچ گئی ہے"! (امریکن ایسوسی ایٹڈ پریس)

جو فوجیں ملکوں اور قوموں کی خودی کو نہیں، خدا کے نام کو سربلند کرنے کے لیے فوج کشی کرتی ہیں، کیا انکا ریکارڈ بھی یہی رہتا ہے؟ نسبت کی خاطر زبردست شہنشاہیوں، رومن امپائر اور پرشین امپائر کے مقابلہ میں... کے لیے جو مصر و شام اور عراق کی سرزمینوں پر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ فوجیں جمع ہوئی تھیں، ان میں بھی کوئی بیماری اس قسم کی پیدا ہوئی تھی؟

بہادروں کی بزدلی

معارف جون نمبر کے شذرات سے :-

"تاریخ کا یہ کسقدر عبرتناک انجام ہے کہ وہ ہٹلر، وہ مسولینی، وہ ٹوجو، وہ گوئرنگ، وہ گوبلز جن کے لفظ لفظ کو دنیا تقدیر مبرم سمجھتی تھی، جن کے ہر منصوبہ کو اسکے کہنے ہی سے مکمل یقین کر لیتی تھی، جنکے رعب و دبدبہ سے زمین کا ہر قطعہ خوف و دہشت سے لرزہ بر اندام تھا - اور جنکے ایک قدم سے دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی - آخر وہ گھڑی آئی کہ ذلیل اور مایوسی نے انکی ہر امید کا خاتمہ کردیا - ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھ سے آپ اپنا گلا کاٹ لیا - کسی نے زہر کا پیالہ پی لیا - کوئی اپنے دوستوں کی تلواروں سے آپ مارا گیا - اور برلن جو کبھی بابل کو شرما رہا تھا، آج خاک کے تودوں کے سوا کچھ نہیں"۔

لیکن ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد خودکشی سے روکنے والی شے، بجز اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے اور رہ کیا؟ جب ذہن پر یہ عقیدہ مسلط ہو گیا کہ اس دنیا کے آگے کوئی دنیا نہیں، اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، تو ناکام و مایوس انسان آخر کیوں نہ خودکشی کرلے؟ — ایمان سے محروم بڑے سے بڑے عزم والوں کی ہمتیں ایک معمولی اور ادنیٰ مومن کی ہمت کے مقابلہ میں کیا حیثیت اور کتنا بساط رکھتی ہیں؟

نئی تعلیمی بستی

"لاہور - ۲۰ - جون - لاہور کے مضافات میں ایک بڑے یونیورسٹی ٹاؤن بننے کی اسکیم منظور ہو چکی ہے۔ اور تیاریاں بڑے پیمانہ پر ہو رہی ہیں۔ خود پنجاب یونیورسٹی اور لڑکوں اور لڑکیوں کے ایکر ۱۸ کالجوں کی عمارتیں مع اپنے ملحقات کے اسی علاقہ میں بنیںگی۔ ہر مردانہ کالج کے لیے سو ایکڑ اور ہر زنانہ کالج کے ۵۰ ایکڑ کا رقبہ تجویز ہوا ہے۔ نئے شہر کا کل رقبہ ۲ ہزار ایکڑوں کا ہوگا۔ اس جدید اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ساری بستی پر یونیورسٹی کی فضا چھا جائے - اور شہر کی عام ترغیبات سے طلبہ محفوظ رہیں"۔ (اسٹیٹسمین، کلکتہ و دہلی کے وقائع نگار خصوصی کا تار)

کیا خوب! گویا مخلوط تعلیم کی شاہد ترقیوں کے بعد، زنانہ اور مردانہ کالجوں کی یکجائی کے بعد، یونیورسٹیوں کی مشہور اور عام فضا کے بعد، پھر بھی "شہر کی نامناسب فضا" سے تحفظ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے!

جاتے ہو ... کہتے ہو قیامت کو ملیں گے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

نئی راہِ فرار!

"ما فیہ القرآن کی بحث - یہ مسئلہ ... (۵)

"شہید انسانیت"

سُنّی نقطۂ نظر سے

(از عبد الماجد)

"شہید انسانیت" کا شہرہ لکھنؤ کے شیعہ اخباروں میں مدت سے ہو رہا تھا، شیعوں سے سنی مخالفت [illegible] شور و شورش سے [illegible] اخباروں میں جو پیچیدہ تواریخ [illegible] پہنچا کوئی [illegible] بات بھی تھیں۔

آخر یہ کتاب دیکھنے کو [illegible] شیعہ اور ایک سُنّی دوست نے کتاب لا دینے کا وعدہ [illegible] وعدہ [illegible] پر [illegible] دنوں کی مدت گزر گئی۔ [illegible] جون میں لکھنؤ جانا ہوا، تو ایک دوست کے پاس سے کتاب چند گھنٹوں کے لیے مل گئی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کی ورق گردانی نے طبیعت سیر کر دی۔ جو کچھ دیکھنے اور پڑھنے میں آیا [illegible] دیکھنے اور پڑھنے میں آگیا [illegible] ضخامت بڑی [illegible] تقطیع کے ۷۱۶ صفحات! اور پریس، "سرفراز قومی پریس"!

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں!

ناشر یا طابع کوئی صاحب خنداں لمٹ ہیں! —— نام نامی اور خنداں! یہ عجب ستم ظریفی ہے!

کتاب افسوس ہے کہ بہ حیثیت تصنیف کچھ ایسی اچھی نہیں۔ مصنف، مولانا سید علی نقی (عرف "سید العلماء") کہا جاتا ہے کہ شیعی علماء میں بڑے پایہ کے شخص ہیں۔ کتاب اُنکی شہرت کی کچھ زیادہ شہادت نہیں دے رہی ہے —— معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مصنف نے رواداری میں ترتیب و تنظیم پر بغیر زیادہ وقت صرف کیے، ہر قسم اور ہر سطح کے اقوال و آراء کا ایک ڈھیر لگا دیا ہے۔ کربلا کا موسم، انگریزی سنہ اور مہینہ سے تطبیق وغیرہ متعدد ضروری معلومات نظر انداز ہو گئے ہیں۔

کتاب شیعہ نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ جن لوگوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ کتاب اہل سنت کی ترجمان اور اُنکے نقطۂ نظر کی حامی و مددگار ہے، اُنھوں نے واقعیت پر ظلم کیا ہے (اس نامہ سیاہ نے اپنی اسکول اور کالج کی زندگی میں عربی زبان و ادب برابر شیعہ ہی استادوں سے حاصل کیا ہے، اس لیے وہ شیعہ نقطۂ نظر سے بالکل بیگانہ نہیں)۔ البتہ خود شیعہ حضرات میں بھی مختلف طبقے اور درجے ہیں۔ مصنف شیعہ تو ہیں، لیکن مہذب، شائستہ، روشن خیال شیعہ ہیں۔ خلفاء راشدین کا نام اُنھوں نے تہذیب و شائستگی کے ساتھ لیا ہے۔ اور شاید اُنکی یہی روشن خیالی "شیعی دنیا کے موجودہ جوش و خروش کے حق میں "بلا" بن گئی ہے! لیکن یہ اگر جرم ہے، تو پھر اسکے تو بہت سے مجرم [illegible] شیعہ جماعت کے اندر نکلیں گے۔ اور شیعوں کو اپنے بہت سے اکابر سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ خواجہ غلام الثقلین، خواجہ غلام الحسنین، رائٹ آنریبل امیر علی، سر علی امام، مہاراجہ [illegible] محمود آباد، جسٹس سید کرامت حسین، [illegible] سید [illegible] اور [illegible] کتنوں کو ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے نام برابر "حضرت" کے احترام کے ساتھ [illegible] لکھتے دیکھا گیا ہے —— نام ہی نہیں، [illegible] زندوں کی پوری آبادی سر رضا علی سے لے کر [illegible] باقی ہی ہے —— کیا شیعہ خدانخواستہ موجودہ [illegible] مخالفت میں [illegible] ہو کر اپنے ہاتھوں اپنی اس تہذیب و شرافت کی نشانیوں کو مٹا ڈالنے پر آمادہ ہو جائیں گے؟

اور شاید ایک "جرم" اور بعض مصنف کا تاریخی تجزیہ سمجھا گیا ہو۔ مصنف نے غالباً دو جگہ یہ ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ پر [illegible] باغیوں نے پانی کی بندش کر دی تھی، اور اگر حضرت علیؓ اور حضرات حسنینؓ خبرگیری نہ کرتے رہتے تو انہیں کو بھی دانہ پانی [illegible] نصیب نہ ہوتا — اور شاید دوسری جگہ یہ تذکرہ بھی موجود ہے کہ امیر معاویہؓ نے [illegible] صفین میں فرات پر قبضہ کر کے جب پانی امیر المومنین حضرت علیؓ کے لشکریوں کے لیے بند کر دیا تھا، مگر کچھ دیر کے بعد جب آپؓ کا اُس پر قبضہ ہو گیا، تو آپؓ نے اسکا پانی اہل شام پر بند کرنا گوارا نہ فرمایا —— ان دو تذکروں سے ممکن ہے کہ حسینی کیمپ میں پانی کی نایابی کی ندرت و یکتائی پر حرف آ رہا ہو، اور اس لیے یہ بھی مصنف کا ایک جرم شمار کر لیا گیا ہو!

رہی "مدح صحابہ" سو وہ اس سرسری جائزہ میں کتاب میں اول سے آخر تک کہیں بھی نظر نہ آئی، اور نہ اسکی کوئی توقع ہی کی جا سکتی تھی۔

کتاب کا مسودہ ایک شیعی عالم کے قلم سے ہے، لیکن جو ادارہ اُسکی اشاعت کا ذمہ دار ہوتا، وہ شیعی ادارہ نہیں، بلکہ شیعہ و غیر شیعہ، مسلم و غیر مسلم کا ایک مشترک ادارہ ہے۔ اُسکی طرف سے شائع ہونے والی کتاب کو تو مخصوص شیعی عقائد کی ترجمانی سے یقیناً بلند و بالاتر ہونا چاہیے تھا، چہ جائیکہ اُس پر اس حال میں گرفت کی جائے کہ اُسکے مضامین و مباحث خود شیعی عقائد کے حدود کے اندر ہی ہیں!

اس گنہ پہ مجھے مار کہ گنہگار نہ تھا!

سورہ بقرہ رکوع ۲۲

(از سلسلۂ صدق نمبر ۱۳)

لہ ۲ کا بقیہ؛
بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کرکے کہا ہے
کہ آیت اصل مدار ہے شریعت و طریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے
کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری،
بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی۔
اور غیر تو خیر انہیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں ایک
پادری صاحب ریورنڈ پادری وہیری (WHERRY) ہوئے
ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما"۔ سن رسیدہ گو
مذہبی کے باب اسلام کی عداوت ہی میں صرف کیے بیٹھے۔ SALE
کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انہیں کے قلم سے ہے۔
اس آیت پر پہونچ کر قدرت اُنکے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔
"یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں ہے۔۔۔۔ ذات باری کا
ایمان اور نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اسکو اس میں واضح
طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد
اور اعمال کا آگیا"۔
خیر یہی بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں
قرآن مجید میں بلند نظر آگئیں۔
سکلہ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو اور سزاؤں کے
نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو)
اسلام اپنے پیرووں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا
ہے، اور اسے بطور ایک مسلّمہ کے فرض کیے رہتا ہے کہ امت
دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل
قرنوں کے تسلط و اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضات و دلیسیات میں
تو داخل ہی نہیں۔ تو قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں
کی اکثر دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے
یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔
لاخلاف ان القصاص فی القتل لا یقیمہ الا اولو الامر فرض علیہم
النہوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذلک (قرطبی)
اتفق ائمۃ الفتویٰ علی انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون
السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضہم من بعض (قرطبی)
قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے
فرد سے از خود لینا شروع کردے۔ بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت
سزا کی منظم، مہذب، منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ اسکا ایک قانونی
واجتماعی حق ہے۔ اسکے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل و عقد
پر عائد ہوتی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا میں مومنین سے خطاب

۱۷۸ یا ایہا الذین آمنوا
کُتب علیکم القصاص
فی القتلیٰ، الحر بالحر
والعبد بالعبد والانثیٰ
بالانثیٰ۔ فمن عُفی لہ
من اخیہ شیءٌ فاتباع
بالمعروف

اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے
باب میں قصاص فرض کردیا گیا
ہے! آزاد کے بدلے میں آزاد
اور غلام کے بدلے میں غلام اور
عورت کے بارے میں عورت، ہاں
جس کسی کو اُسکے فریق مقابل کی طرف
سے کچھ معافی حاصل ہوجائے، سو
مطالبہ معقول اور نرم طریق پر
کرنا چاہیے۔

اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔
قتلیٰ۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے۔ البتہ
خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی
کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کرکے کسی آہنی
سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون
بہ سکے، قتل کرے۔
اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح او ما یجری مجری السلاح فی تفریق
الاجزاء (کافی) السلاح ما یکون آلۃ قاتلۃ اعدت للقتال (قتایہ)
اور فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی
قتل کے ساتھ خاص ہے۔
سکلہ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہیگی اور خون خون
سب کا برابر سمجھا جائیگا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی
قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک
دستور یہ پڑگیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا،
تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لیجاتی تھی
دنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔
اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (WHITE) کا خون
ایک کالے (NEGRO) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے
اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کتنے ہی
شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہنچکر داد ان
فقہاء و مفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنہوں نے آیت کی تفسیر
میں صاف لکھ دیا ہے
ای المساواۃ بینہم لا الزیادۃ
اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا، اور اعلان کردیا کہ
زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور
مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جسکا جو قاتل ہوگا،
وہی سزا پائیگا۔
القصاص علیکم من المساواۃ۔ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ بین القتلیٰ (مدارک)
فقہ حنفی کے جزئیے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں۔

(۱) مقتول اگر کافر ہے لیکن ذمی، تو اسکا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائیگا، اگرچہ وہ مسلم ہو۔
اس کا فر حربی چونکہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے، اسلامی "اسٹیٹ" کا بھی، اور اسی لیے تو اُسے حربی کہا ہی جاتا ہے، اسو اُسکے قتل میں ظاہر ہے کہ قصاص نہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ قتل عمد میں آزاد کے عوض میں تو آزاد قتل کیا ہی جائیگا، غلام کے عوض میں بھی آزاد قتل کیا جائیگا اگر وہ قاتل ہے اور عورت کے عوض میں عورت تو ماری ہی جائیگی، لیکن مرد بھی قتل کیا جائیگا، اگر وہ قاتل ہے۔

آیت میں ایک پہلو ایسا بھی ہے جس سے معتزلہ کا رد نکل آیا۔ معتزلہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج از ایمان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ آیت میں اکبر الکبائر یعنی قتل مسلم کا بیان ہے، اور قاتل کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا ہے، مسلمان ہی شمار کیا ہے۔ شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں، وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں:-

"اور وہ جو انسان کو مار ڈالیگا وہ مار ڈالا جائیگا" (احبار ۲۴: ۱۷)
"اور جو انسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے" (احبار ۲۴: ۲۱)
"توڑنے کے بدلے توڑنا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اُس سے ویسا ہی کیا جائے" (احبار ۲۴: ۲۰)

۵۷۳ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ ۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قاتل یا قاتلین ہی ہو سکتے ہیں

یراد بہا القاتل ہذا قول ابن عباس وقتادۃ ومجاہد وجماعۃ من العلماء (قرطبی) من ہو قاتل معفو لہ (مدارک)

مِنْ اَخِيْهِ ۔ یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے۔ مدعی یا مستغیث کی طرف سے۔

لفظ اَخِيْهِ کی بلاغت و معنویت اس سیاق میں سر دُھننے کے قابل ہے۔ شدید ہیجان جذبات انتقام و اشتعال بزیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ اس انتہائی موقع پر بھی یہ لفظ لاکر بتادیا کہ قاتل باوجود اتنے سنگین جرم کے کافر نہیں ہو جاتا، اخوت اسلامی کے دائرہ سے خارج نہیں ہو جاتا۔ مقتول کا ولی، وارث، قاتل کا دینی بھائی اُسوقت بھی رہتا ہے۔

والمراد بالاخ ولی الدم (روح) سماہ اخا استعطافا بتذکیر اخوۃ البشریۃ والدین (روح) یعنی ولی الدم وذکرہ بلفظ الاخوۃ لیثبت له علی العطف لما بینہما من الجنسیۃ والاسلام (مدارک)

شَيْءٌ لفظ اہم ہے۔ یعنی سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے۔ نہ ہو کہ تمامتر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں بلکہ اسے ہلکی کوئی سزا دے کر، خونبہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اُسے معاف کرکے اُسکے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

رومیوں کی مشرک قوم میں قتل تمامتر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا، دیوانی سے اسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ موجودہ فرنگی قانون چونکہ تمامتر رومیوں ہی کے قانون (رومن لا) پر مبنی ہے، اس لیے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرت بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے۔ اس نے اپنے اصولی قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے، دیوانی کا بھی ہے۔ اس جرم سے محض (اسٹیٹ، حکومت، اور سوسائٹی) ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک نوع کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، بلکہ ہر فرد پر بھی اسکی شخصی حیثیت میں ایک [illegible] گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیوٹ۔ اور جب اسکی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں، یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار رہنا چاہیے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا اسٹیٹ (حکومت) سے دلائیں، اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لیکر انتہائی سزا سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دِیَة یا خونبہا کہتے ہیں۔ اور اس میں کمی بیشی برابر ہو سکتی ہے (دِیَة کا ذکر خود قرآن مجید میں آگے آرہا ہے)۔

آج بھی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک (اسٹیٹ) ملک کی رعایا کا خون دوسرے ملک (اسٹیٹ) کے باشندوں کے ہاتھوں ہو جائے، اور غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دشواریاں محسوس ہوں، تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اسکی پیروی کے صرف "ہرجانہ" (DAMAGE) کی رقم پر کفایت کرلی جائے۔ یہ "ہرجانہ" اسی خونبہا کے لیے ایک خوشنما اور جدید اصطلاح ہے۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

منزل پر پہونچ گیا ہے، کہ اسکو ادھر یا اُدھر ختم ہو جانا چاہیے۔ ہمارے علمائے کرام بالکل خاموش ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ انکا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص معقول بات نہ کہہ سکتا ہو، تو دانشمندی یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے" (نگار، جون نمبر [illegible])

یہ راز تو اب بھی نہ کھلا کہ یہ "مسئلہ" "اِدھر" ختم ہوگا یا "اُدھر"، نہ کسی اسم اشارہ کے مشارٌ الیہ کی تعیین ہو سکی۔ البتہ یہ علم ضرور ہو گیا کہ نیاز صاحب کوئی جوابی جیتر وہی مضمون اپنے پرچہ میں نہ چھاپیں گے۔ اور یہ فیصلہ بھی نیاز صاحب نے خود ہی کر دیا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کے پاس کوئی جواب ہی پادریوں کے اعتراض کا نہیں!

اچھا ہوا ہمارے علماء بنگار کے مضمون نگاروں کی صف میں آنے سے بچ گئے۔ اور دعوے نیاز صاحب مترجم کی زبان سے سننے کے بعد فیصلہ بھی اب نیاز صاحب ہی [illegible] کی زبان سے سن لیں گے!

کہنے کو ن کچھ نہ پائے تھے آہو رسا سے ہم
[illegible] اگر آج رنگے ہوئے سے ہم!

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

بہر حال انکو بدل دیا جائے، انکی تجدید کی جائے، انکو توڑ پھوڑ کر رکھدیا جائے، البتہ انکو کفر سمجھا جائے۔ دیکھ رہے ہیں یہ انکے اشارے کن چیزوں کی طرف ہو رہے ہیں، قرآن پر عمل جراحی فرمانے کے بعد اسلے جو دو حصے کیے گئے تھے یہ سب کچھ اسی کا شاخسانہ ہیں صرف ایک دلیل سہم دعوے یعنی "بے روح ہو جانے کے دعوے کے بعد کر دیا گیا ہے۔ اور دراصل بے روح ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ روح دار ہو یا بے روح جب کوئی قانون ابدی و سرمدی ہوتا ہی نہیں، بلکہ ایک مرحلے تک انسانیت کو دوسرے مرحلے تک ڈھکیل دینے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اگر یہی اسکا کام ہے تو ہر حال میں اسکے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے جسکے اختیار کرنے کا مشورہ "بے روح ہو جانے" کے نقاب کو اوڑھ کر دیا گیا ہے۔

خیر جانے دیجیے ان رسوم و شعائر کو جب حضرت مولانا عبید اللہ السندھی المجاہد الغازی البطل فرماتے ہیں کہ وہ کبھی ابدی و سرمدی نہیں ہو سکتے تو خواہ مخواہ آپ انکی ابدیت و سرمدیت پر کیوں زور دیتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرنے کے لیے اور قرآن کے ساتھ رہنے کے لیے اور اپنے کھوئے اسلام کو اس میں پھر پانے کے لیے

ایک چیز تو رہی باقی ہے۔ مولانا ارشاد فرما چکے ہیں کہ

"ابدیت صرف حکمت کو ہے"

آئیے اس حکمت کو قرآن سے حاصل کر کے اپنے کفر کا ازالہ کیجیے مگر یہ حکمت ہے کیا چیز؟ کچھ نہیں تو قرآنی تعلیم کی آخری "مبادی معرفت" یعنی توحید و شرک کا مسئلہ، اور حق تعالیٰ کے صفات و کمالات کا علم یہ تو ضرور قرآن کی اس حکمت کا جزو ہوگا۔ قرآن نے ہر پیغمبر کی دعوت میں توحید کی دعوت کو ایک مشترک جز کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، اور اسی توحید کے مقابلہ میں شرک کو اس نے اعظم الجرائم اور ایک ایسا جرم قرار دیا ہے جسے خدا کبھی معاف نہیں فرماتا۔ اب سنیے سندھی صاحب کے الرادیہ کے ارشادات عالیہ ایک جدید تقسیم سے پہلے مسلمانوں کو روشناس فرایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مولانا کل انسانی فکر کی ارتقائی کشمکش کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ جو حضرت ابراہیمؑ سے پہلے گزرا ہے اسے صابی دور کہتے ہیں۔ اور انکے نزدیک حضرت ابراہیمؑ سے حنیفیت کا دور شروع ہوا۔ (صفحہ ۸۵)

پھر سندھی صاحب کے اور الفاظ نقل کرنے کے بعد الرادیہ صاحب نے سندھی صاحب کی طرف پھر ان ہی الفاظ کو منسوب کیا یعنی "ابراہیمؑ سے پہلا دور صابئین کا تھا۔ صفحہ ۸۵

ابراہیم حضرت ابراہیمؑ سے پہلے ابنیا بت پرست تھے؟ ۔ سے

پہلے صابئین کے اس دور کا تعلق کن لوگوں سے تھا۔ سندھی صاحب کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں "اس دور کی جس میں آدمؑ ادریسؑ نوحؑ ما قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں۔ صفحہ ۸۵۔

مطلب جسکا صاف ظاہر ہے کہ آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ وغیرہ پیغمبروں کی تعلیم ماننے والوں کا نام "صابئین" تھا۔

اور وہ تعلیم جو ان پیغمبروں نے "صابئین" کو دی تھی کیا تھی۔ یہ فرماتے ہوئے کہ

"اس تمدن کے حامل صابی عقیدے کے تھے"

اس عقیدہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

"یہ لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ انکے نزدیک چاند، ستارے، سورج، خدا کے مظہر تھے۔ مندروں میں انکے بت بناتے اور انکی پوجا کرتے" (صفحہ ۱۷۹)

اس مطلب کو اور واضح الفاظ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

سلہ مسلمانوں کے اعمال و افعال عبادات و معاملات کی روح نکل گئی ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ کلیہ صحیح ہے تو اصلاح کا طریقہ روح کا ان میں واپس کرنا ہوگا یا سرے سے ان اعمال و افعال ہی کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھدینا چاہیے۔ جسکا پابند مسلمانوں کو قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ عہد صحابہ کے بعد اپنے عالمگیر سیاسی اقتدار کے ان ہی دنوں میں جن میں دنیا کی باگ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، اچھے برے ہر طرح کے مسلمان پائے گئے ہیں۔ گذشتہ مسلمانوں اور موجودہ مسلمانوں میں اس لحاظ سے اگر کچھ فرق ہوا ہے تو وہ بہت کم ہوا ہے۔ البتہ سیاسی اقتدار کے زوال کے بعد ایک نیا طبقہ تعلیم یافتوں کا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ ان میں بھی سب نہیں بلکہ انکی بھی ایک محدود اقلیت "شک و ریب" کے عوارض میں مبتلا ہو گئی ہے۔ جب کہتے ہیں کہ ابھی ہندوستان میں دس فی صدی بھی صحیح تعلیم لوگوں میں نہیں پھیلی ہے تو مسلمانوں میں تعلیم یافتوں کی تعداد ہی کتنی ہے اور ان میں اس قسم کے ایمانی روگیوں کی تعداد کیا ہوگی۔ بہر حال

۲ روح رفتہ کی تلاش صرف گم شدہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے میرے نزدیک تو غیر ضروری ہے۔ عباسیوں بعد امویوں اور انکے بعد سلاجقہ۔ عثمانی ترک۔ وغیرہ کے زمانہ میں بھی "روح" کا حال قریب قریب یہی تھا جو آج ہے۔ ۱۲

شروع شروع میں انسان خدا کو مادی مظاہر کی شکل میں مانتا تھا" صفحہ (۱۴۲)

راوی صاحب اس کے بعد لکھتے ہیں: "مولانا کے نزدیک یہ صابیت کا دور تھا" صفحہ ۱۴۷۔

دوسری جگہ ان ہی افراد کی روایت یہ ہے: "ایک دفعہ مولانا نے فرمایا کہ زندگی کو نقطۂ کمال تک پہونچنے کے لیے ہزارہا مراحل سے گزرنا پڑتا ہے"۔

وہ ہزارہا مراحل کیا ہیں۔ فرماتے ہیں: "زندگی کی ابتدا معدنیات، نباتات، حیوانات سے ہوئی، پھر انسان معرض وجود میں آیا۔ اس کی فکر کی ابتدائی صورت صابیت تھی" صفحہ (۱۸۱)

سمجھ گئے آپ مولانا کی تحقیقات رائقہ کو۔ دراصل یہ آپ کا حصہ ہے۔ آج تک بھلا انسان کے کانوں نے یہ باتیں کہاں سے سنی ہونگی۔ یہ خدا کی دین ہے۔ جسے چاہے اپنے فضل سے مخصوص فرمائے۔ اور ابھی آپ نے سنا ہی کیا ہے۔ صرف صابیت اور خواست کی تقسیم تو ابتدائی بات تھی۔ اصل تحقیق انیق ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہوتا ہے۔ صابئیت اور حنیفیت کے باہمی فرق کو بیان کرتے ہوے بڑی لمبی چوڑی تقریر کے بعد آخر میں مولانا فرماتے ہیں آخری الفاظ یہ ہیں

"ابن عربی میں ایک وحدۃ الوجود کے تصور میں حنیفیت اور صابئیت دونوں کو جمع کر لیا تھا۔ علمی لحاظ سے اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ انکے نزدیک صابی تو ہیں جو صرف مظاہر قدرت ہی میں خدا کو جلوہ گر مانتی ہیں اور حنیفی تو ہیں جو خدا کو مظاہر قدرت سے اوراء جانتی ہیں، دونوں کا حق شناس ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ صفحہ (۱۴۷)

(باقی آیندہ)

تذکرۂ حبیبی اُردو

مؤلفہ مرشدی ومولائی اعلیحضرت حافظ محمد علی حیدر شاہ صاحب قلندر مدظلہٗ

پہلی جلد میں تصوف کی اہمیت، خیال، یقین، شریعت وطریقت کا باہمی ربط اور صوفیاء کرام کے تقریباً تمام مروجہ سلسلوں کا تفصیلی ذکر ہے، اور دوسری جلد میں ایک ایسے دیدہ ور رہبر طریقت جامع شریعت کے سوانح حیات جو ذات و صفات کے انسانی مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھے۔ یعنی ؎

دلِ دردآشنا را آشنائے

اہل دل اور صاحبان نظر کے لیے تذکرۂ حبیبی کا مطالعہ کونین کی نعمتیں مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صرف چند جلدیں اور محفوظ ہیں۔ دونوں جلدوں کی مجموعی قیمت صرف عہ روپیے۔ علاوہ محصول ڈاک۔ کاغذ دبیز۔ طباعت دکتابت نہایت خوشنما۔ ملنے کا پتہ:- مہتمم کتبخانہ اوزیہ تکیہ شریفہ کاظمیہ۔ کاکوری ضلع لکھنؤ۔

علم عربی اور امراء زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب محمد نگر۔ ضلع بستی)

نمبر (۲)

غلط یہ ہو کہ انکی قدر دانیوں اور عزت افزائیوں کی وجہ سے لوگ انگریزی علم و تہذیب و افکار و خیالات کے دلدادہ ہوے اور اپنے اپنے مذہب کے اساسی اور بنیادی اصولوں تک سے آزاد ہوگئے یعنی لادینی کیلے یہ پورے انگریز ہوگئے بہرحال انگریزی تعلیم ذریعہ معاش کی حیثیت سے ضرور مفید تھا لیکن اب اس ذریعۂ معاش پر تکیہ کر لینا بالکل نادانی ہے۔ قادیان کے پرچہ فاروق (۱۹۲۹ء) کے جولائی میں ایک خبر چھپی تھی کہ امسال ۱۸ ہزار انٹرنس پاس ہوئے تو والوں کا بیکاروں میں اضافہ پڑھ کر کمال حیرت ہوئی اور اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آیا

کالج سے آرہی ہے صدا پاس پاس کی
عہدوں سے آرہی ہے صدا دور دور کی

معلوم یہ تھا کہ پنجاب یونیورسٹی کے ۲۵ ہزار طلبہ میں سے ۱۰ ہزار کامیاب ہوے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر سال پڑھے لکھے بے روزگاروں کی تعداد میں اسقدر اضافہ کا نتیجہ کیا ہوگا اور ان کا حشر (فتردوں) کے لیے جو تیاریاں ہندوستان کی ہو رہی ہیں وہ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر اتنے بڑے ہجوم کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکتے جبکہ ہر سال اندازہ بیس ہزار کا اضافہ ہوتا ہے انگریزی کے تعلیم فارغ ہوتے ہیں ۔۔۔۔ ۔۔ جگر کا یہ شعر شاید ایسے ہی موقع پر موزوں کیا ہے ؎

ہم کو کیا معلوم تھا روٹی کو بھی ترسیں گے ہم
مر مٹے ہم شرح پڑھ پڑھ کے الجبرا حساب
کوہ بن کھن کے ہزار منیں میں آ پہونچے مگر
شومیٔ قسمت کہ پھر جا سے ملا کورا جواب

یہاں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے برسرکار لانے کی ایک تازہ تدبیر و تجویز کو بھی سنتے چلیے۔ اخبار پائنیر راقم ہے کہ حکومت یو پی کے سکرٹری مرکزی حکومت کے نام اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں کہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کا بہترین علاج یہ ہے کہ ذیل کے پیشوں میں جگہ نکالی جائے:۔ موسیقی۔ رقاصی۔ ایکٹری (خصوصاً سنیما میں) چنانچہ ہندوستانی میوزک کالج لکھنؤ کے اعلیٰ کارناموں سے خود اس باب میں بہترین شہادت کا علم رکھتے ہیں۔ (پائنیر ۹۔ ۳۰۔ نومبر ۱۹۳۲ء بحوالہ صدق یکم جنوری ۱۹۳۳ء) بے معاشی کا کیا خوب علاج یہ بدمعاشی دریافت ہوکر رہا۔ لگے ہاتھوں یہ بھی سنتے چلیے۔ انگریزی تعلیم اور تہذیب کے سرکاری مدارس شراب فروشی وغیرہ پر محصول کی آمدنی سے جاری کیے جاتے ہیں" خود تعلیم کے

کیلئے کوئی پاک ذریعہ نہیں ہے —

رسالہ جامعہ بابت دسمبر ۳۳ء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کی کانگریسی حکومت نے ارادہ کیا کہ شراب کی تیاری اور خرید و فروخت کو قطعاً بند کر دے۔ تو یہ سوال فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ اگر ایسا کیا گیا تو تعلیمی اداروں کی جان پر بن جائیگی۔ اب تک تعلیم کا خرچ اس آمدنی سے نکالا جاتا تھا، جو شراب اور دوسری منشیات پر محصول لگانے سے حاصل ہوتی تھی۔ پس اس آمدنی کے [illegible]

شراب [illegible]

مقام عبرت

منشیات سے جو آمدنی گورنمنٹ کو ہوتی ہے اسکے اندازہ لگانے کے لیے یہ معلوم فرمایئے کہ صرف شہر لکھنؤ سے دس لاکھ روپیہ ہر تیسرے سال آمدنی کا اوسط پڑتا ہے۔
بحوالہ صدق ۵۔ جولائی ۳۳ء

اب معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کے طفیل سے جتنی آمدنی پیدا ہے وہ شراب فروشی کے طفیل پیدا ہوئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تحصیل علوم و فنون کے لیے آمدنی کا یہ ذریعہ پاک اور مقدس ہے۔ غالباً اسی ام الخبائث اور گندگی کے محصول کا یہ اثر ہے کہ کالجوں اور اسکولوں کے تعلیم یافتہ لڑکے عموماً لامذہب اور دین و مذہب سے لا پرواہ ہوتے ہیں بلکہ مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اسی لامذہبی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

علمِ مغرب بھی پڑھا، زائرِ لندن بھی ہوئے
مثلِ انجم افقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے
صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے

اکبر الہ آبادی مرحوم نے کالج کے تعلیم یافتہ لڑکوں کی لامذہبیت اور انکی مسموم و مردہ ذہنیت کے لحاظ سے انکو حسب بے روح سمجھ کر فرعون کے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

حضرات! ہر مذہب کی آزادی کا زمانہ ہے۔ عیسائی اور آریہ مشن کے لوگ اب علانیہ اسلام کے خلاف، قرآن مجید کے خلاف، رسول پاک کے خلاف، مسلمانوں کی تہذیب کے خلاف خلق خدا کو مغالطہ دے رہے ہیں، غلط اور غیر معقول استدلالوں سے اسلام کی بیخکنی اور نیست و نابود کرنے کی فکر میں عملی طور پر لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی آزادی کا نقشہ اکبر نے کھینچا ہے

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

اب ایسے پُر آشوب زمانہ میں جبکہ رنگیلا رسول اور اللہ میاں کا حلیہ وغیرہ جیسے ناپاک رسائل شائع ہوتے ہوں، آپ کا ایمانی جذبہ اور آپ کی اسلامی غیرت اس امر کی متقاضی نہیں ہے کہ آپ انکو سنجیدہ اور معقول و متین دلائل کی روشنی میں جواب دیں اور خلق خدا کو گمراہی سے بچائیں۔ پس ایسے لوگ جو انکے اعتراضوں کا دندان شکن جواب دے سکیں آخر قوم کو کہاں سے [illegible] میسر ہونگے [illegible] تعلیم یافتہ [illegible] لیاقت اور قابلیت کے نہیں ہوتے لیکن سو میں ہزار میں کچھ ایسے جوہر لوگ ہوتے ہی ہیں جو سب کی لاج رکھ لیتے ہیں۔ [illegible] حالی مرحوم فرماتے ہیں ؎

یہ سچ ہے کہ ہے قوم میں قحط انساں نہیں قوم کے سب افراد یکساں
سفال و خزف کے ہیں انبار گرچہ جواہر کے ٹکڑے بھی ہیں ان میں پنہاں

بہر حال اسلام کو مغالطہ سے صاف کرنے اور دنیا والوں سے روشناس کرنے کے لیے انھیں مُلّاؤں کی حاجت پڑیگی اور انھیں سے یہ کام انجام پائیگا۔ حکومت کے عہدہ داروں، انگریزی دانوں سے کچھ توقع نہ رکھیے، سرکاری عمال تو زیادہ تر بلکہ اکثر آپ کی حفاظت اسلام پر مقالہ نہیں لکھ سکتے۔ حمایت دین پر کتابیں نہیں چھاپ سکتے۔ کیونکہ یہ سب مغربی لوگ نہ صرف یہ کہ اسلامی علوم و فنون سے کورے ہیں بلکہ عین ضد واقع ہیں۔ بہرحال اسلامی حمایت اور دینی حفاظت کا جذبہ آپ انہی کے دلوں میں پائینگے۔ اسلام کا درد اور ملت بیضا کی محبت کا فوارہ انہی کے دلوں سے ابلتا ہوا نظر آئیگا۔ اس [illegible] یہ علماء قوم کے بیرسٹروں اور خان بہادروں سے لاکھ درجہ اچھے ہیں۔ بس یہ کام ارباب علم و فضل اور حلقہ طالبان علم کا ہے۔

دین احمد کا گھٹے دین مسیحا بڑھ جائے

کا چست اور درست جواب شرط کے مطابق ایک راہ گیر طالب علم کے سوا کسی نے نہ دیا تھا۔ جس نے اس پر یہ مصرعہ موزوں کیا تھا۔

گر براقِ نبوی سے خر عیسیٰ بڑھ جائے
دین احمد کا گھٹے دین مسیحا بڑھ جائے

قدر دانان صدق
کو
صدق کی توسیع اشاعت کی یقیناً فکر ہو گی!

شیخ شوکت حسین پرنٹر پبلشر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھاپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر - عبدالماجد
مقام اشاعت - دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط و مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق،
مرشد آباد پلیس گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۔۔۔
بیرون ہند ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

جلد ۱۱	یوم شنبہ - ۲۶ - رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - جولائی ۱۹۴۵ء	نمبر ۱۷

سچی باتیں

ریڈیو سٹ اگر آپ کے یا آپ کے کسی دوست کے یہاں ہے، تو آپ کو اکثر اسکے سننے کا اتفاق ہوتا ہوگا - یا کم از کم محکمۂ ریڈیو کے رسالۂ آواز پر تو ہر چند روز پر آپ کی نظر پڑتی ہی رہتی ہوگی - پھر آپ کو اس میں سب سے زیادہ کیا لگتا ہے؟ فضا کی برقی لہریں سب سے زیادہ کس موضوع کے نشر کے لیے وقف رہتی ہیں؟ جنگ کی خبروں اور دوسری سرکاری خبروں کی اہمیت تو بالکل ظاہر ہی ہے - محکمہ بہرحال سرکاری محکمہ ہے، اور سرکاری خدمت اسکا سب سے پہلا فرض ہے - لیکن اسکے بعد جہاں تک پبلک کی خدمت نفع رسانی کا تعلق ہے، اولیت اور اہمیت کس عنوان کو حاصل ہے؟ معاشیات کو؟ اخلاقیات کو؟ تعلیمات کو؟ صنعت و حرفت کے مسائل کو؟ تجارت و زراعت کے عنوانات کو یا شعر و ادب کو؟

جی نہیں - ان میں سے کسی کو بھی نہیں - اہمیت حاصل ہے صرف راگ اور گیت کو، باجہ اور ساز کو! صبح ہو یا شام، رات ہو یا دوپہر اور دہلی یا لکھنؤ، مدراس یا کلکتہ، لاہور یا بمبئی، آل انڈیا ریڈیو کا کوئی سا بھی اسٹیشن ہو، اسکے کھلے رہنے کے اوقات میں جب بھی کان لگانے گا، ستر فی صدی یقین ہے کہ یا تو کوئی بائی صاحبہ تان لے رہی ہونگی، یا کوئی خان صاحب، پنڈت جی مہاراج استادی کے کمالات دکھا رہے ہونگے، یا کسی غزل یا دادرے کا ریکارڈ سنایا جا رہا ہوگا! ہرحال گانے ہی کی کوئی قسم کہا جا سکتا!

عشق کو اس دور سے قبل یہ تیغ آزادیاں کب حاصل تھیں؟ اتنی سربلندیاں کب نصیب تھیں؟ فنا نوازی کے کاروبار کو کب اتنی درجہ ترقی ہوئی تھی؟ سازندوں، مردوں، ماریوں، بیسوائوں کی سرپرستی کب اس پیمانہ پر اور وقتی تنظیم کے ساتھ کی گئی تھی! ہمارے شاعر نے بڑی بلند پروازی سے کام لیا تو کہا تھا،

قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو!

لیکن اب قصۂ منصور دیکھنے اور قوالی سننے کی ضرورت ہی کیا باقی رہی ہے؟ دیکھنے کو تو ہر طرف سنیما کی تصویریں ہیں اور سننے کو ہر وقت ریڈیو کے گانے! — کیا خوب کام اللہ کی بخشی ہوئی بڑی سی بڑی نعمتوں، باصرہ اور سامعہ، آنکھ اور کان سے لیا جا رہا ہے! — وقت کے شیطانی تقاضوں کو کمیر دکنے یا تو اسوقت بے شبہہ ہمارے بس سے باہر ہے، تاہم ان پر کچھ نہ کچھ قیود و حدود تو ضرور ہی عائد کی جا سکتی ہیں - ریڈیو کسی تجارتی کمپنی یا پرائیوٹ فرم کی ملک نہیں، بلکہ وہ سرکاری محکمہ ہے، اُسی طرح کا جیسے دوسرے محکمہ ڈاک، تار، تعلیم، عدالت، وغیرہ کے ہیں - مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبر اگر چاہیں تو یقیناً اپنا اثر ڈال کر اس حد سے بڑھی ہوئی لغویت میں کمی کرا سکتے ہیں - اور یہ جو ہماری ملی اور قومی انجمنیں اور مجلسیں ہیں - مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء وغیرہ! - کیا ان پر کوئی ذمہ داری اس بارے میں ہے ہی نہیں؟

تثلیث نزع میں!

"لندن - ۱۹ - جون - کنٹربری اور یارک کے لاٹ پادریوں کی تحریک پر جو کمیشن چرچ آف انگلینڈ نے مقرر کیا تھا، اس کی رپورٹ آج شائع ہو گئی ہے - رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ آج برطانیہ میں مسیحی مذہب کی حالت انحطاط بہت زیادہ قابل توجہ ہو گئی ہے اور اب انگلستان کو نئے سرے سے مسیحی بنانا ہے -

اس غرض کے لیے دعوت و تبلیغ مسیحیت کا کام ایک عظیم الشان پیمانہ پر نئے سرے سے شروع ہوگا - ساری آبادی کو جو علانیہ دہری ہو چکی ہے، پھر سے مسیحی بنانا ہے، اور مسیحیت کو گھر گھر پہونچانا ہے - اسکے لیے ۸ لاکھ ڈالر سالانہ کے صرف سے ایک مستقل ادارہ قائم ہوگا - اور اخبارات کے علاوہ تھیٹر، سینما، وغیرہ ہر مقبول، عام پسند ذریعہ سے پیام کو عوام تک پہونچایا جائیگا -

رپورٹ میں یہ تصریح درج ہے کہ ایسے کافروں میں جو بہرحال کسی نہ کسی صورت میں خدا کے قائل ہوں، پیام پہونچانا نسبتاً آسان ہے، لیکن برطانیہ میں تو کلیسا کو اپنی آواز ایسی قوم کے ہر ہر حلقہ تک پہونچانا ہے، جو سرے سے کوئی مذہبی عقیدہ ہی نہیں رکھتی"

(اسٹیٹسمین، ۲۲ - جون ۱۹۴۵ء کا خصوصی تار، بحوالہ نیویارک ٹائمس، ملخصاً)

خوب خوب تالیاں بجی تھیں، خوب خوب قہقہے لگے تھے جب خبریں آنا شروع ہوئی تھیں کہ ترکی سے اسلام رخصت ہو گیا! خوب خوب آوازے سننے میں آئے تھے، کہ وہ دین تو تھا ہی اس لائق کہ دنیا، مہذب دنیا، جلد سے جلد اس سے آزادی حاصل کرے! ——— یہ کیا ہوا کہ ضعف توحید پر ٹھٹھے لگانے والوں کو شکست تثلیث کا ماتم کرنا پڑ گیا! ——— واللہ خیر الماکرین آخر حق ہے!

اور یہ کیا ارشاد ہوا کہ آیندہ "دین حق" کی اشاعت کا کام پروپگنڈا اور تھیٹر اور فلم کی مدد سے لیا جائیگا! ——— یہ "آیندہ" کیا معنی؟ اب تک کیا تھا؟ "پروپگنڈا" کا تو لفظ ہی زبان میں مسیحیت کے راستہ سے آیا ہے، اور ایک روشن کیتھولک اصطلاح تھا! اور تھیٹر کی تاریخ لکھنے والے تو یہی لکھ گئے ہیں کہ مہذب دنیا میں اسکی ابتداء ہی مذہبی مسیحی سوانگ تماشوں سے ہوئی ہے! یہ کہیے کہ تثلیث کے شرک نے اب پھر علانیہ اور اپنے ممانا فسق و آلات فسق سے استحاد اور ساز باز کی ٹھان لی ہے!

مذہب یونیورسٹیوں میں

ایک ماہر تعلیم اور موجودہ وزیر تعلیمات حکومتِ آصفیہ دکن کی ایک تازہ تقریر کا اقتباس:-

"مذہب اور اخلاقیات کی تعلیم پر جو آپ کے ہاں زور دیا جا رہا ہے وہ مناسب ہے - اب دیگر ممالک بھی آپ کی ہمنوائی کر رہے ہیں - نہ صرف ہندوستان بلکہ ولایت کے ماہرین تعلیم کی پارٹیوں میں بھی یہی خیالات ظاہر کیے جا رہے ہیں - دو ماہ قبل باہر سے دو ماہر تعلیم حیدرآباد آئے تھے - جامعہ عثمانیہ کے معائنہ کے دوران میں انکی نظر ان تختیوں پر پڑی جن پر اخلاقیات اور لازمی دینیات لکھا ہوا تھا - چلتے ہوئے ان ماہرین تعلیم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا جامعہ عثمانیہ میں مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہے؟ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ جامعہ عثمانیہ کی ابتدا ہی سے یعنی ۲۵ برس سے یہاں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے تو انھوں نے بڑی طمانیت کا اظہار کیا اور کہا کہ اب متمدن دنیا کے یہی رجحانات ہیں، اور غور کیا جا رہا ہے کہ مذہب و اخلاقیات کو لازم کر دیا جائے - جو چیز آپ کو ۲۵ برس سے حاصل ہے، دنیا اسکی ضرورت اب محسوس کر رہی ہے" (رہبر دکن)

کیا ارشاد ہوا؟ مذہبی تعلیم کا کہاں اب تو علم دوست، علم پرور، علم نواز یونیورسٹیوں میں کوئی نام بھی نہیں لے سکتا تھا (لکھنؤ یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی، کلکتہ یونیورسٹی اور بمبئی یونیورسٹی، ناگپور یونیورسٹی، اور پنجاب یونیورسٹی میں کوئی یہ نام لے کر دیکھے تو!) اور کہاں اب یہ تجویز کہ مذہبی کورس کو یونیورسٹیوں میں داخل ہی نہیں، لازم بھی کر دیا جائے! یعنی بغیر مذہبی تعلیم حاصل کیے کسی کو ایم اے کی سند بھی نہ مل سکے ——— ترکی کا متجدد اور ہندوستان کا متجدد اس خبر کو سن کیا کریگا!

رہی جامعہ عثمانیہ، تو اسکی ۲۵ سالہ دینی خدمات بجائے خود ایک مستقل مقالہ کا موضوع بن سکتی ہیں!

"روشن خیال" امریکہ!

"نیویارک - ۲۱ - جون - واشنگٹن کی اطلاع ہے کہ کہانت اور جوتش کی اب خوب بن آئی ہے - اور آپ ٹیکسی میں جا رہے ہوں، دکان پر گشت لگا رہے ہوں، شبینہ کلب میں ہوں، آفس میں ہوں، ہوٹل میں ہوں، کیبن میں ہوں، آپ جوتشی سے اپنے مستقبل کا نقشہ دریافت کر سکتے ہیں - ایک ڈالر خرچ کیجیے تو حسب ذیل سوالات کے جوابات لے لیجیے :-

جان نے میرے ہوتے ہوئے اس دوسری لڑکی کو کیسے پسند کر لیا؟

لوہے کے کاروبار میں اپنا روپیہ لگا دوں؟

۱ میری شادی کب تک ہو گی؟

اور چار ڈالر گرہ سے نکالیے، تو ان سوالوں کے جواب پائیے :-

جنگ (جاپان) کب ختم ہو جائیگی؟

اب کی انتخاب میں میری جیت یقینی ہے؟

پٹرول کی مقدار کب سے زیادہ ملنے لگیگی؟

ان جوتشیوں کے سرپرست اور قدردان، بڑے اور چھوٹے حکام، اہل سیاست، کانگریس کے ممبر وغیرہ، سب ہی قسم کے لوگ ہیں"

(گلوب اسپیکٹر، ملخصاً)

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴ کالم ۲)

سورہ بقرہ - رکوع ۲۲

(سلسلۂ صدق ۱۵)

وَاَدَاءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ، فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

اور مطالبہ کو اُس (فریق) کے پاس خوبی سے پہونچا دیا چاہیے ۱۳۰ - یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے ۱۳۱ - سو جو کوئی اسکے بعد بھی زیادتی کریگا، اُسکے لیے عذابِ دردناک ہے ۱۳۲ -

۱۷۹۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔

اور تمہارے لیے اے اہلِ فہم (قانونِ) قصاص میں زندگی ہے ۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۱۳۳ -

۱۸۰ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا اۨلْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ۔

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو، بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت کر جائے ۔ یہ لازم ہے ۱۳۴ پرہیزگاروں پر

---

۱۲۹ (اور خواہ مخواہ جھیڑ چھاڑ، شر و فساد کا موقع نکالنا چاہیے) یعنی مقتول کا فریق، جو اب مدعی یا مستغیث ہوگا، خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت اور آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اُسکے جوش کو نہ بڑھا جائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔

نفسیات عامہ و اشتعال طبع کے نازک نقطوں پر اس رکھ رکھاؤ کی احتیاط رکھنا، اور حسنِ معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعتِ اسلامی کا خصوصی حصہ ہے۔

۱۳۰ اب یہ تاکید قاتل یا اُسکے فریق کو ہو رہی ہے۔ ان ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہو چکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت و پیچیدگی و بدمزگی کے، فریقِ مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہونچا دیں۔

الیہ میں ضمیر فریقِ مقتول کی جانب ہے۔
والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک)

فطرتِ بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل و مقتول ہر دو فریق کے مصالح و جذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی ہی قانون کی شان ہوسکتی ہے۔

۱۳۱ ذٰلک یعنی یہی حکم جو اوپر فمن عفی لہ کے اندر مذکور ہو چکا۔
یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک)

ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حُسنِ امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ کمل قوام اُسی قانون کا حصہ ہوسکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمتِ مطلق سے نکلا ہو۔

۱۳۲ (آخرت میں)

اعتداء یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بےگناہ پر قتل کا جھوٹا دعوےٰ دائر کر دیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کر دیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہو گئے۔ وقس علی ہذا۔ ایسے بیدردوں اور ناخدا ترسوں کو صرف خوفِ آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔

۱۳۳ قانونِ قصاص عینِ عدل و مساوات کا قانون ہے، اور ہیئتِ اجتماعی کے نظم و قیام و راستی کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے، اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھایا کر رہے ہیں۔ امت کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔

اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہیگا، اس قانون کی روح امت میں سرایت کر جائیگی، تو ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائیگا، اور آئین پسندی، باہم صلح سازگاری، مدارات و معاونت جزوِ زندگی بن جائیگی، اور امت دیکھتے ہی دیکھتے امتِ صالحین و ابرار، امتِ عادلہ کہلانے کی مصداق بنجائیگی۔

۱۳۴ یہ حکمِ وصیت آیتِ میراث کے نزول سے (جس میں ورثاء اور حقداروں کے حصے معین کرکے بتا دیے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔

نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی)

اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اُس آیت متاخر و مابعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔

جائداد کی تقسیم اب آیتِ میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے، اور اسکی تصریح بھی اسی سورۃ النساء کی آیتِ میراث میں موجود ہے۔

وصیّۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں، جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابلِ عملدرآمد ہوتی ہیں۔

(۱۸۱) فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ ان اللہ سمیع علیم۔	پھر جو کوئی اُسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے سو اسکا گناہ بس انہیں پر ہوگا جو اُسے بدل ڈالیں بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں

(۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجۂ واجب میں ہے۔ مثلاً ادائے زکوٰۃ، کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔

(۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کارِ خیر کے لیے وصیت کر جانا یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصہ نہ پہنچ رہا ہو۔

(۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں، جیسے کسی امرِ جائز کے لیے وصیت کر جانا۔

(۴) اسکے علاوہ بعض وصیتیں بھی ہوتی ہیں جنکی تعمیل ممنوع ہے۔ وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کا قرابی یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔

(۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ انکی تعمیل شرط کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اسکی تعمیل دوسرے ورثہ کی رضامندی پر موقوف رہیگی۔

الوصیۃ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے۔ اور اسی معنی کا لحاظ کرکے اسکے لیے فعل مذکر (کُتِبَ) لایا گیا ہے، ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (کتبت) آنا چاہیے تھا۔ اور تاء تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیۃ اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے۔ اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاء تانیث حذف ہو جاتی ہے۔ (قرطبی)

خیراً۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مالِ طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً قل ما انفقتم من خیر (سورۂ بقر) یا وما انفقوا من خیر (سورۂ بقر) وقس علیٰ ہذا

بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر، مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ہٰہنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء انما سمی المال ہٰہنا خیراً وہنا علی معنی لطیف وہو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ما کان مجموعاً من المال من وجہ محمود (راغب) اے مالاً کما قالہ ابن عباسؓ ومجاہد (روح)

ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استنباط کرکے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت ہر حال کر جانا چاہیے۔ دوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھہرایا ہے۔ امام نخعی کا قول اس باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے دونوں قسم کے اسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ وصیت کر گئے تھے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔

وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوص وقد اوصی ابوبکر فان اوصی فحسن وان لم یوص فلا علیہ شئی (قرطبی)

بالمعروف۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کرکے۔ حسن معاشرت وحسن معاملت دونوں قسم کے احکام کے سلسلہ پر قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔

علی المتقین۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ انکے وصف تقویٰ کا ذکر کرکے مراد خود انھیں سے لی گئی ہے۔

مراد بالمتقین المومنون وہم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المومنون (روح)

(بقیہ صفحہ ۲)

عقل پرستی کے مدعیوں کو، دعویٰ آخرت کے عقیدہ سے استخفاف کرنے والوں کو بھی شیطان اپنی انگلیوں پر کیسا کیسا نچاتا رہتا ہے! — کن کن پستیوں میں بیچاروں کو جا کر گرنا پڑتا ہے، کیسے کیسے گڈھوں، خندقوں، غاروں میں اوندھے منہ گرنا پڑتا ہے!

مسجدِ ضرار

ایک مراسلہ نگار پنجاب سے صدق کے ایک نوٹ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:— "لندن میں نئے خانۂ خدا کی تعمیر پر آپ نے جو نوٹ لکھا تھا، اُس پر یہاں کے ... اخبار نے تبصرہ کیا ہے۔ ممکن ہے پرچہ آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو، اس لیے اُسکا تراشہ ملفوف ہے"۔

لمبا تراشہ موصول ہوا۔ معاصر موصوف کے اعتراضات کا خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ عمل کا انحصار نیت پر ہے، اور برطانیہ کی نیت فاسد ہے۔ یہ مسجد برطانیہ نواز علماء کی سرگرمیوں کا مرکز بنائی جائیگی اور اس سے مسلمانوں میں تفریق کا کام لیا جائیگا، اس لیے یہ "مسجد" مسجد ہی نہیں، بلکہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل ہے، جسے قرآن مجید نے برباد کردینے کا حکم دیا تھا۔

افسوس ہے کہ تبصرہ چند در چند غلطیوں پر مشتمل ہے۔ پہلا دعویٰ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، لیکن اُسکو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ عمل کا مدار نیت پر صرف عامل کے لحاظ سے ہے، دوسروں کو اُس سے مطلق غرض نہیں۔ یعنی نیت اگر فاسد ہے، تو صاحبِ عمل کو کچھ اجر نہ ملیگا، باقی دوسروں پر اسکا کوئی اثر نہیں۔ کوئی شخص مسجد محض اپنی ناموری کے خیال سے بناتا ہے تو وہ اجر سے محروم رہیگا، لیکن خود عمارت کی مسجدیت میں اس سے کوئی فرق نہ آئیگا، وہ بہرحال مسجد اپنے تمام احکام کے لحاظ سے رہیگی۔ "مسجد ضرار" کا حکم کسی مسجد پر جاری کرنے سے پہلے اُسے مسجد ضرار ثابت کرنا ضروری ہے۔ محض بدگمانی، یا احتمالات ہرگز کسی مسجد کو اس حکم میں لانے کے لیے کافی نہیں۔ رسول اللہ صلعم سے بڑھکر دانا تر، حکیم تر، فہیم تر کون بشر ہو سکتا ہے۔ آپ نے بھی اُس مسجد کو اپنی رائے واجتہاد سے ڈھا نہیں دیا تھا، جب تک کہ وحی الٰہی صاف صاف اسکے متعلق نہ آگئی۔ (باقی ہے)

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۷)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اس تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے یعنی "اسی کا نتیجہ ہے کہ سامیوں کے پیغمبر خدائی پیغام کے ترجمان ہونے کے باوجود انسان ہی رہتے ہیں لیکن آریوں کے ہاں جو ذات پیغام کی حامل ہوتی ہے وہ خود پیغام بھیجنے والے کی مظہر ہو جاتی ہے۔"

اور فرماتے ہیں

"چنانچہ ایک میں خالص توحید ہے اور ایک اجسام مظاہر میں خدا کو پاتا ہے۔" (صفحہ ۱۵۵)

آپ نے سمجھا وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یعنی عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کا جو خیال ہے اور لم یلد سے قرآن نے جس کی تردید کی ہے، اور کیسی سخت تردید

قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اور شق ہو جائے زمین اور ڈھیر ہو جائیں پہاڑ اس وجہ سے کہ انھوں نے "الرحمٰن" کے لیے ولد	تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ان دعوا للرحمٰن ولدا

(بچہ) ہونے کا دعوےٰ کیا۔

توحید قرآنی خاص چیز نہیں؟

اسکی وجہ کہ قرآن کا لہجہ اس مسئلہ کے متعلق اتنا سخت کیوں ہے، ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ میری کسی کتاب میں اسکی تفصیلات پڑھنا چاہیے۔ اس وقت تو مجھے کہنا یہ ہے کہ قرآنی حکمت کی اسی عظیم معرفت کو سندھی نے کیسا ہلکا بنا کر دکھا دیا۔ گویا یہ وہی توحید شہودی و وجودی والے اختلاف کی نوعیت ہے اور قومی خصوصیت ہے جس میں وہ بیچارے مجبور تھے۔ حد تو یہ کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر الزام لگایا کہ یونانی ذہنیت کی رعایت سے انھوں نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔ قرآن میں ان حواریوں کا جو تذکرہ بیان کیا گیا ہے اُسے پڑھیے اور سندھی صاحب نے اپنے اوپر قیاس کر کے انکو بھی اسی کا مریض قرار دیدیا جس میں خود مبتلا ہیں۔

اسی طرح ہندوؤں کا یہ خیال کہ جب دنیا کی اصلاح کا وقت آتا ہے، تو خدا[1] … انکے محققین نے شدت سے اس کی تردید کی ہے لیکن عوام کا خیال یہی تھا کہ خدا کسی آدمی کی کوکھ اور قالب میں جنم لیتا ہے۔ اسی بنیاد پر رام چندر جی کے متعلق انکا خیال تھا کہ دسرتھ راجہ جو دنیا کے گھر خدا پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح سری کرشن کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تعبیر اوتار کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ لم یولد (یعنی خدا کسی کا بیٹا بن کر نہیں پیدا ہوتا) اس لفظ سے اس عقیدہ کی تردید قرآن میں کی گئی ہے۔ لیکن سندھی صاحب نے اسکو بھی آریائی ذہنیت کا ایک ایسا نتیجہ قرار دیا ہے کہ گویا انکے دماغ سے یہ خیال نکل ہی نہیں سکتا اور اس عقیدہ میں ترمیم کی کوئی حاجت نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانیں یا ہندو خدا کو دسرتھ کا فرزند قرار دیں انکے نزدیک یہ باتیں قابل لحاظ نہیں ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کے ایسے اہم مسائل بھی قرآن کی مخصوص صداقتوں میں جب نہ رہے بلکہ انکی مخالفانہ شکلیں بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح قرآن کی بتائی ہوئی باتیں، تو قرآن کو مان کر ایک مسلمان اُس میں آخر کیا پائیگا؟ قانون تو اسکا پہلے ہی غیر ضروری اور اس قابل ٹھہر چکا تھا کہ ضرور بدل جائے اور قانون کے سوا اس میں اسی قسم کے کچھ حقائق و معارف ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم اور چوٹی کے مسئلے بھی توحید و شرک اور مسئلہ صفات و ذات تھے۔ جب وہ بھی گئے تو اب قرآن میں باقی کیا رہا جس سے آدمی اپنی غلطیوں کی تصحیح قرآن سے کرے۔ لے دے کے صرف عربی زبان میں اسکا ہونا، سو سندھی صاحب مسلسل اول سے آخر تک عربی زبان اور عربیت پر اپنی کتاب میں تعریضیں کرتے چلے آئے ہیں، اور آخر میں تو کھل ہی کر کہدیا ہے۔ جیسا کہ اُنکے الراویہ راوی ہیں :—

"مولانا کے خیال میں قرآن کی تعلیم کا اصل مقصود اسکے معانی ہیں۔ الفاظ پر زور دینے والے عربی تعوق کے داعی ہیں" (صفحہ ۲۶۷) اور بڑے زور سے آپ نے مقتدیانہ رنگ اختیار کر کے ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن عربی میں یوں ہی نازل ہو گیا؟

"چنانچہ امام ابو حنیفہ فارسی زبان میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور انکی طرف رجوع کا قصہ گھڑ لیا ہے۔[2] معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یورپ والوں کی نکتہ نوازیوں کے سلسلہ کی وہ بات یعنی خلق قرآن کا مسئلہ جس نے خلافت عباسیہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی، آپ نے اسکو عربی اور غیر

---

[1] مسٹر پی ٹی سری نواس آئنگر اپنی مشہور کتاب "اصول فلسفہ ہنود" میں یہ لکھنے کے بعد کہ "اوتار کے معنی عموماً یہی سمجھے جاتے ہیں کہ یہ ایشور ہی کی ذات ہوتی ہے جو عالم خاکی میں نازل ہوتی ہے" وہی اسکے بعد رقمطراز ہیں کہ "یہ بالکل لغو بات ہے۔ ایشور ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس لیے اُسکے واسطے نزول ایک ناممکن الحل شے ہوگی۔" ۱۸

بعض ہندو مصنفین اوتار وار[illegible] کی توجیہ میں کہتے ہیں کہ ترقی یافتہ ہستیوں میں کبھی ایک ایسی [illegible] آجاتی ہے جس سے معمولی آدمیوں کا قلب عاری ہوتا ہے۔ خود کرشن جو اوتار کے ایک کامل نمونہ ہیں ہونے سے پہلے معمولی انسان کے شکل ہو جاتے ہیں۔ صفحہ ۱۸ (اصول فلسفہ ہنود مترجمہ دار الترجمہ)

عربی کے اختلافات کی طرف اس طرح منسوب کیا ہے گویا جناب والا ہی کی کوئی نئی اُپج ہے - حالانکہ مستشرقین یورپ کی خود یہ ایک شاعری ہے، جسکے ذکر کا یہاں موقع نہیں - البتہ ارماڈیول پکتھال مرحوم نے ایک دفعہ یہ بیان کیا تھا کہ لینن نے چند باتوں کے انجام دینے کا عزم بالجزم کیا تھا - ان میں قرآنی حروف بدلنے کی بھی سکیم تھی - لیکن لینن کے بعد چونکہ اشتراکی تحریک کو صرف روس تک محدود کر دیا گیا - اسلیے بات آگے نہ چلی - بہرحال فتنہ رخصت ہوئی - حارث زادی وہ کان بنکر رہ گئی - قرآن کا قانون مثال و نمونہ بنکر ختم ہوا - حکمت قرآنیہ میں جو اہم ترین معارف تھے انانیت بنگئے کہ وہ صرف ایک لفظی نزاع کی غلط فہمی تھی - بتائیے کہ مسلمانوں کے جس اسلام کو کفر سندھی صاحب نے قرار دیا تھا اس کفر کے ازالہ کیلیے وہ اب کہاں جائیں -

اسکے سوا آخر ان تمام باتوں کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ سندھی صاحب جس پروگرام کو بنام اسلام پیش کریں مسلمانان ہند اسی کو اسلام باور کرکے کافر ہونے کے بعد مسلمان ہو جائیں - سندھی صاحب کا تفصیلی پروگرام اس کتاب میں نہیں ہے لیکن "کفر و اسلام" کی جو جدید تعبیر اس کتاب میں سندھی صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ چاہتے کیا تھے - الراوی راوی ہیں -

مقصود صرف شخصی "انا" کی بیداری ہے

مولانا نے اس خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی "انانیت" کا بیدار کرنا انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد ہے"

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے شخصی "انا" یا "شعور ذاتی" میں حق تعالیٰ کی معرفت و قرب محبت کے احساس کو بیدار کرے - یہی انانیت کی بیداری ہے اور یہی انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصود ہے - فرماتے ہیں - یعنی سندھی صاحب کے الفاظ نقل کرتے ہیں "جب اس زندگی میں کسی فرد کی "انانیت" بیدار ہو جاتی ہے - تو موت کے بعد جب بدن اور اس کی انانیت میں مفارقت ہو جاتی ہے تو یہ انانیت دوسری دنیا میں بلا خوف و خطر ترقی کی راہیں طے کرتی چلی جاتی ہے - اسے ہم فوز و فلاح اور جنت کہتے ہیں - اور جسکی انانیت خوابیدہ رہی اور ظلم و کفر کی وجہ سے اس نے اپنی "انانیت" کو ڈھانپے رکھا تو اس زندگی کے بعد جہنم کا عذاب ان پردوں کو جلاکر پھر اس "انانیت" کو مجلّی اور بیدار کر دیگا - لیکن جس دن اس شخص کی "انانیت" بیدار ہو جائیگی وہ جہنم سے نکل جائیگا" مولانا نے فرمایا "محشر نام ان تمام "انانیتوں" کے ایک مرکز پر جمع ہونے کا ہے" (صفحہ ۱۰۱)

اس تقریر میں جو کچھ کہا گیا ہے اسکے دوسرے اجزاء سے سردست مجھے بحث نہیں - جنھوں نے "اخوان الصفا" کے رسائل پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کہاں سے لیے گئے ہیں، بلکہ مجھے اسوقت صرف یہ کہنا ہے کہ ہم عامی مسلمان تو یہ جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو قیام قیامت تک ہر انسان کےلیے آخری پیغام ہے - اس کی تکذیب اور اس نبوت کو اپنے لیے قرار نہ دینا اسی کا نام کفر ہے، اور محمد رسول اللہ اور آپ کی لائی ہوئی باتوں کو ماننا اسی کا نام ایمان ہے - لیکن یہ بات کہ "انانیت کی بیداری" اسلام ہے اور اسکی خوابیدگی کفر ہے - ہم اس سے ناواقف ہیں - بیشک انانیت کی یہ بیداری "اسلامی تصوف" کے مقامات میں سے ایک مقام ہے - لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا یہی اصل الاصول ہے - یعنی جس نے یہ کر لیا اس نے سب کچھ کر لیا - اور جس نے یہ نہیں کیا وہ بیچارہ جہنمی ہوگا، اور اپنے پردوں کو جلوانے کے لیے اُسے جہنم میں رہنا پڑیگا - سندھی صاحب کے یہ بتا سکتے ہیں - مگر جب وہ یہ کہتے ہیں کہ

تصوف شریعت سے بالاتر ہے

"اس تصوف کا پیام سب کے لیے ہے - کسی دھرم یا شریعت کی اس میں تخصیص نہیں" (صفحہ ۱۰۰) تو معلوم ہوا کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تکذیب کرے، آپ کی نبوت عامہ اور خاتمہ ہونے کو جھٹلائے لیکن اپنی انانیت کو بیدار کر لے، بس وہ نجات کا مستحق ہے پس در اصل مذہب کی اصلی روح یہی "فرد کی انانیت کی بیداری" ہوئی -

(باقی)

---

۳ ۔ بے دیکھے ہوئے یوں ہی اس شخص نے ایک بات کہدی اور خود یہ مشکوک ہے کہ حضرت امام نے یہ فتوے محض اُن لوگوں کے لیے دیا تھا، جو عربی زبان کے تلفظ پر قادر نہ ہوں - یعنی جب تک قرآنی سورتیں انکو یاد نہ ہوں اُسوقت تک ترجمہ سے کام چلا کر نماز تو پڑھ لیا کریں - اور بعد کو علماء نے لکھا ہے کہ انکے تلامذہ کی جو رائے تھی اس کی طرف رجوع فرمایا ہے - لیکن اتنا سخت لفظ "گھڑتے" کا صرف اس لیے اُنکی زبان سے نکل گیا ہے کہ بار ثبوت سے اپنے دعووں کو وہ ہمیشہ مستغنی سمجھتے ہیں - فقہ میں گفتگو اسکے اصول و قواعد ہی سے ہوگی، یا جو جی میں آیا کہدیا - کیا سندھی صاحب یا ان کے عقیدت کیش ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی عالم نے بھی رجوع کے قصہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ گھڑا ہوا قصہ ہے ۱۲

۴ ۔ علماء ازہر کے درس میں بیٹھ کر انکی پیغمبرزی کے احساسات لیے ساتھ لائے ہیں اُن پر حیرت ہوتی ہے - کیا وہ اتنی بھی عربی نہیں جانتے کہ مصری علماء کے لکچر وہ کیسے سمجھتے تھے ۱۲

۵ ۔ عجب بات ہے کہ اس کتاب میں ہر جگہ "انا" کے الف کو ہمزہ کے ساتھ لکھا گیا ہے - یعنی "آنا" اور اسکا التزام کیا گیا ہے - یہی وجہ ہے کہ کاتب کی غلطی پر اسکو محمول کرنا مشکل ہے - سندھی صاحب سے اسکی توقع نہیں ہو سکتی - لیکن سرور صاحب تو مصر میں رہے ہیں ۱۲

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر، ضلع بستی)

نمبر (۳)

حضرات! ہماری بدقسمتی سے علم عربی کا بہت بڑا عنصر ہے مقام غور ہے آپ اس وقت کسی اچھے سے اچھے لیکچرار اور ایم اے بی اے کو چاہیں تو فوراً ضرورت سے زیادہ اعلیٰ معیار پر جس مانگی اشخاص آپ کو مل جائینگے۔ لیکن ایک اعلان آپ ایسا نکلوا کر دیکھیے کہ ہم کو ایسے جید عالم فاضل کی ضرورت ہے جس میں فلاں فلاں اوصاف اور قابلیت ہوں، تو شاید آپ کو کسی طرف سے ایسا جواب نہیں ملیگا۔ اور آپ کو مایوس ہونا پڑیگا۔ برخلاف اسکے انگریزی ایم اے۔ بی اے کی تعداد اور ان میں سے اعلیٰ معیار کے لوگ کثرت مل جائینگے۔ اس ترقی و زیادتی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انگریزی تعلیم و تہذیب کو روٹی کا بہت قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ہزارہا ہزار روپیہ کے خرچ سے بھی اس تعلیم کو اس لالچ میں حاصل کرتے ہیں۔ اس تعلیم کا مطمح نظر صرف روٹی کا سوال ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ اپنا لے کے ہیں آتا گنوا دے کے آتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اکبر الہ آبادی نے اشارہ کیا ہے ؎

ترقی پانے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر
غضب یہ ہے کہ سمجھ جاتے ہیں غیب جا کر چمکتے ہیں

در اصل لطف یہ ہے کہ یہ جیا ہے ابھی اور ناپید ہوگئی تھی روٹی کیلیے، یہ لی بھی نہیں۔ البتہ ایک قیمتی چیز دین تھی جسے دے کے آئی۔ کالج کے ان نوجوانوں کی روح اسلام سے ناشناسی و بیگانگی ہی سے متعلق اکثر اقبال فرماتے ہیں ؎

میں کتب بایں دانش بیزاری کہ نامی مدکف ہزار و جان تن برد

کونسلوں اور اسمبلیوں کی یا وزارت کی چند کرسیاں عامۃ المسلمین کی اقتصادی مشکلات کا کوئی حل نہیں۔ علاوہ ازیں سوال علم عربی کا نہیں ہے بس تو تماشا ان بازاری بھی کیا ہیتی ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ انکی تہذیب جدید میں دنیا کے امن و امان کا کیا سامان ہے؟ انکی معیشت اور معاشرت کے اصول سائنس کی ترقی میں دنیا کی فلاح کے لیے کیا مفید ہے؟ انکے لیے تعلیم و تہذیب کے ثمرات و نتائج کیا ہیں؟ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے بارے میں بیان کس قسم کا مہم ہے۔

حضرت مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے رسائل تنقیحات تنقیحات کے تنقیح لکھنے والے اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے اخبار صدق کو برابر مطالعہ میں رکھنے والے، قاری محمد طیب صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند کی تصنیف تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام کے پڑھنے والے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ان مفکرین نے مغربی تعلیم و تہذیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کیطرفہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ حالات کا صحیح اندازہ کرکے لکھا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے فیصلہ کی روشنی میں خالص انگریزی تہذیب و تعلیم ہمارے لیے عدو رجہ مایوس کن ہے۔ فردوسی وقت حفیظ جالندھری اپنے تلخ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں

ہزاروں آدمی ہیں جنکا یہی انجام ہوتا ہے
نئی تعلیم کی تکمیل ہی ناکام ہوتا ہے

حضرات! نصرانی تمدن اور یورپین ترقی اور مغربی تہذیب آج خود انکے لیے تباہی کا باعث اور بلائے جان ہو رہی ہے۔ اب وہ خود اپنے تمدن اور تہذیب کو ایک مصیبت سمجھ رہے ہیں اور اپنے اسی تمدن و تہذیب کے ہاتھوں آج وہ خود گرفتار رنج و بلا ہیں۔ الغرض انکی تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کا جو حال ہے اسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہاں اکبر اقبال مرحوم کے حکیمانہ شعر میں جو اشارہ ہے آج سب کچھ وہی ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

اب رہی یہ بات کہ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ علمائے عربیہ کی کثرت کا سوا اسکے اور کیا انجام ہوگا کہ محض منگوں اور گداگروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جائے۔ اولاً یہ عرض ہے کہ حاجتمند علماء کی اعانت کرنی اور پھر انکو طعنہ دینا اصول اخلاق و تہذیب کے یکسر منافی ہے بیشک گداگری بری چیز ہے، لیکن ضرورت سے مجبور انسان کی امداد کرنی اور پھر گدا کہکر اسکے دل کو مجروح کرنا اس سے بھی زیادہ بری بات ہے۔ اشارہ ہے

یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذیٰ۔ (بقرہ)
یعنی اپنی زکوٰۃ کو احسان جتا کر اور صدمہ پہونچا کر ضائع نہ کرو۔ اس لیے علماء حضرات یہی کہینگے کہ بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی۔

(باقی آئندہ)

خلاصۂ مراسلات

مولوی عبدالرؤف خاں صاحب ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر ضلع بستی لکھتے ہیں:- "ایک ہزار جن صاحب نے دینے کا وعدہ فرمایا تھا انکا پانچسو تو وصول ہوچکا ہے، باقی بھی انشاء اللہ وہ بھی ملجائیگا مگر "صدق" کے ناظرین اور "المحدث" کے ناظرین ابتک توجہ نہ فرما سکے۔ میرا جیب اب خالی ہے۔ عمارت کا اللہ والی ہے۔ لہٰذا ہر حال اگر اعانت نہ ہو سکی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصے بغیر تعمیر کے رہ جائینگے اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے۔"

مراسلہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں:-

(۱) شیخ و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(۲) جو میری تیغ دودم تھی اب مری زنجیر ہے

(۳) شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی

(۴) تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے

(۵) بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

(۶) سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم

بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

وام فیضہ - السلام علیکم - ان چھ مصرعوں کی نسبت عرض ہے کہ آپ شرعی نقطۂ نظر سے انکو ملاحظہ فرماکر اپنی رائے سے ممتاز فرمائیں -

چھٹے مصرعہ "بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے" کی بابت یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ یہ مصرعہ "ید اللہ مغلولۃ" کے تحت میں آتا ہے یا نہیں؟ زیادہ ادب - والسلام

اشعار ذیل کی نسبت بھی رائے عالی سے سرفراز فرمایا جائے:-

نبی اور صدیق صالح شہید ... کی تنقیص ہے کفر و فسق شدید

کرے گا جو تنقیصِ ربِّ قدیر ... اگرچہ ہو علامۂ بے نظیر

وہ گو نغز گوئی میں ہو بے نظیر ... مگر ہو گا مردودِ ربِّ جلیل

احقر صفدر (از خود دستخو)

صدق - مبالغہ، غلو، افراط و تفریط، بے اعتدالی شاعری کا جزو اعظم تقریباً ہر دور اور ہر قوم میں رہے ہیں۔ شاعری کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اور معلوم ہے کہ جذبات کی شدت توازن فکری کی دشمن ہے - وحی الٰہی نے اسی لیے شاعری کو پیمبری کے بالکل منافی قرار دیا ہے - وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ - حالانکہ اہل جاہلیت کلام کے محض جوش، زور اور تاثیر کو دیکھ کر قرآن کو شعر قرار دے رہے تھے۔ اور وحی الٰہی نے یہ بھی فیصلہ فرمادیا کہ شاعر بیچارہ تو خیال و ضلال کی وادیوں میں سرٹکراتا پھرتا ہے - وہم فی کل واد یہیمون - اور اسکے پیچھے تو بس وہی لوگ ہو لیتے ہیں جو خود ہی جادۂ حقائق سے بھٹکے ہوئے، خالی و غیر متوازن ہوتے ہیں - والشعراء یتبعھم الغاؤن۔

پھر ہر انسان کی طرح شاعر پر بھی زندگی کے مختلف دور گزرتے ہیں - عمر، علم، تجربہ، احوال کا تفاوت اُسے کچھ سے کچھ کر دیتا ہے - نوجوانی کا رند اکثر پیری کے وقت زاہد ہو جاتا ہے - اقبال نے جہاں تو کبھی یہ کہا تھا کہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور کہاں ہندوستان کے نام پر جان دینے لگے تھے - اور وطنیت سے متعلق یہ فرمانے لگے تھے

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

ملا جامیؔ کی مذہبیت اور دینداری میں کسے کلام ہو سکتا ہے باوجود اسکے کلام میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر توہین انبیاء جیسے شدید جرم کی مثالیں ملتی ہیں - مولانا سے رومیؒ سے بڑھکر عارف باللہ اور کون ہوگا؟ اس پر بھی متعدد اشعار (خصوصاً کلیات میں) ایسے ہیں، جنکی توجیہ و تاویل میں اچھی خاصی دشواریاں پیش آتی ہیں - اور حافظ شیرازی کے کلام کے لفظ و عبارت کو پوچھیے ہی نہیں - تمام تر ایک دعوت فسق!

ان حقائق و بصائر کو پیش نظر رکھنے کے بعد پھر شاعر کے منقولۂ بالا ۶ مصرعوں کی بابت سوال کچھ بہت زیادہ اہم پریشان کن نہیں رہ جاتا - مصرعوں کے الفاظ یقیناً خلاف احتیاط اور مضمون کا ظاہری پہلو یقیناً خلاف شریعت ہے لیکن شاعر اگر مسلمان تھا، تو کلام کی توجیہ و تاویل ناممکن بھی نہیں - ہو سکتا ہے کہ مصرعۂ اول میں ہستی شیخ کو ذات محمدی میں فانی فرض کر کے اُسے اس خاص حیثیت سے سب سے اعلیٰ و اشرف قرار دیا ہو - اسی طرح ممکن ہے مصرعہ (۲) میں "شوخ و بے پروا" ان اللہ غنی عن العالمین' اور ان اللہ لایستحیی من الحق کا ترجمہ ہو - مصرعہ ۳ تا ۶ میں شاعر اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کر رہا ہے، بلکہ خالق کی صفات رحیمیت، رزاقیت و ربوبیت کو بروے کار لانے کے لیے طنز اور غیرت دلانے کا اسلوب بیان اختیار کر رہا ہے - رسول اللہ صلعم کی دعا کے الفاظ جنگ بدر کے موقع پر غلبۂ کفار کے وقت خیال میں رہیں - نیز قرآن مجید کی یہ آتیں - (حضرت موسیٰ کی زبان سے) ان ہی الا فتنتک - یا حتی اذا استایئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا - ید اللہ مغلولۃ تو یہود نے پیمبر کی تکذیب و تضحیک کے لیے کہا تھا، جب آپؐ مسلمانوں سے انفاق مال کے لیے کہہ رہے تھے - اسکا شاعر کے اس نعرۂ مستانہ سے کوئی تعلق نہیں -

آخر کے تین شعر لحاظ مضمون درست ہیں - لیکن یہاں وہ بالکل ہی چسپاں نہیں ہوتے - انکے حکم کے تحقق کے لیے لازمی ہے کہ پہلے تنقیص رسول، تنقیص رب ثابت ہو لے - اور ایسے شدید جرم سے ایک مسلم کو بچانے کے لیے اسکے کلام کی ہر ممکن تاویل کر لی جائیگی - البتہ جس کلام سے شبہۂ تنقیص بھی پیدا ہوتا ہو، اُس سے بھی حتی الامکان احتیاط واجب ہے -

(بقیہ صفحہ ۴)

آج اگر وحی نہیں آسکتی تو کم از کم انسانی معیار سے تو ثبوت قطعی ہونا ہی چاہیے - معاصر موصوف حقیقۃً بڑی خدمت کرتا اگر اس باب میں ثقہ شہادتیں پیش کر دیتا - "نظام باطل" کے ماتحت تو ظاہر ہے کہ اسوقت ہندوستان کی ساری مسجدیں ہیں - تو کیا محض اسی بنا پر انھیں مسجدیت سے خارج کر دیا جائے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی کلمہ گو کو منافق قرار دینے کے لیے بڑی حجت قوی، اور شہادت قطعی کی ضرورت ہے، اسی طرح کسی مسجد کو بھی حکم مسجد سے خارج کر دینا بڑی اہم اور نازک ذمہ داری ہے -

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسنے اُسے سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس، گولہ گنج ۔ لکھنؤ

صدق

(رجسٹرڈ نمبر [illegible] ۱۲۹۱)

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار ر
بیرون ہند سے سالانہ : دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
ٹیلیفون نمبر ۱۹۱

نمبر ۱۹ | یوم شنبہ ۔ ۴ ۔ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

یہ تارے جو رات کو چمکتے جگمگاتے نظر آتے ہیں، انکی تعداد آسمان کی چھت پر تو کوئی دو ہزار ہے۔ اور اگر اس گنبد کی افقی دیواروں پر بھی لٹکے ہوؤں کو جوڑ لیا جائے، تو کوئی ۶ ہزار۔ لیکن اگر آلات کی مدد اور بڑی بڑی رصدگاہوں جہاں بڑی بڑی دوربینیں لگی ہوئی ہیں، کی وساطت سے یہ "اختر شماری" کا کام شروع ہو، تو میزان لاکھ دو لاکھ پر نہیں رکیگی، کرور دو کرور پر بھی نہیں، پورے ۱۰۰ نیل تک پہونچیگی! یا ہندسوں میں ۲،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ —— یہ تعداد بھی صرف اُنکی ہوئی جو ابتک انسانی آلات کی گرفت میں آسکے، اور جو ابتک انکی دسترس سے باہر ہیں، اُنکی گنتی کون کرے؟

—— حدود کائنات کی وسعت بے پایاں کی پیمائش کون بشر آج تک کر سکا ہے، یا کبھی بھی کر سکیگا؟

زحل، زہرہ، مریخ، مشتری، عطارد، وغیرہ بہت سے تاروں کے نام سے ہم آپ سب واقف ہیں۔ لیکن کل ۲۰ ارب تاروں کے نام بھی تو ۲۰ ارب ہی ہوے؟ یہ کس ڈکشنری میں ملینگے؟ کس نے اب تک اتنی ہمت کی ہے؟ —— سنیے، کوئی مشین بالفرض ایسی نکل بھی آئی، جو بے تحاشہ بے تکان نامزدگی کا کام شروع کردے، اور ہر منٹ نہیں، ہر سکنڈ، گھنٹا گھنٹ ایک ایک تارے کا نام تجویز کرتی چلی جائے، تو بھی آپ کو اندازہ ہے کہ کل کتنی مدت لگیگی؟

کیا سال دو سال؟ جی نہیں۔ پھر کیا تیس یا پچاس سال؟ پوری ایک صدی؟ یہ بھی نہیں۔ پورے ستر٭ سو سال! —— اور یہ نامزدگی بھی صرف معلوم تاروں کی ہوئی، نامعلوم پھر بھی نامعلوم ہی، بے نام ہی رہے۔ اور ان نامعلوموں کی تعداد خود بھی نامعلوم!

—— انسان کے جہل کا دائرہ اُسکے علم سے کتنا بڑا ہے! اور وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کی یہ تفسیر دلپذیر نادانستہ و غیر شعوری طور پر سہی، بڑے بڑے ہیئت دانوں، "فلک پیما" ماہرین فن کی زبان سے بہرحال ہو رہی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

"علوم" الحاد، دہریت، بے دینی پھیلانے والے علوم بھی، وہ حیاتیات ہو یا نباتات، ریاضی ہو یا ہیئت، اگر صحیح نقطۂ نظر سے مطالعہ کیے جائیں، تو ان شاء اللہ دین کے خادم ہی ثابت ہونگے، اور ایمان گھٹائیں گے نہیں، کچھ بڑھا ہی دینگے۔ بڑی گمراہی اور اصلی زہر ان مادی علوم کی نفس تعلیم نہیں، بلکہ غلط نقطۂ نظر سے انکی تعلیم ہے۔ —— بجز اُن چیزوں کے جو نص سے حرام قطعی ہیں، باقی بڑی گنجایش اسکی ہے، کہ جو چیزیں مشتبہ یا ذو جہتین ہیں، صحیح نقطۂ نظر سے کام لیکر زہر کو تریاق میں تبدیل کردیا جائے۔ اور جو راہ کے کانٹے ہیں، اُنہیں کو جھکتے ہوے پھول بنا لیا جائے۔ سائنس، فلسفہ، ادب، شعر سب اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔

شراب کا کال

لندن ۔ ۳۰ ۔ جون ۔ انگریز شراب نوشوں کے کھلے و [illegible]

کہ اب چار پانچ سال تک وہسکی بہت ہی کمیاب رہیگی! گورنمنٹ نے گو اب اجازت اس سال ۱۰ لاکھ گیلن تیار ہونے کی دیدی ہے، تاہم یہ مقدار اُس مقدار کی جو اوسطاً ہر سال رہتی تھی، صرف نصف ہے۔ (ایسوشی ایٹیڈ پریس آف امریکہ)

یہ احمق ہندوستانی! اپنے ملک میں کپڑے کی نایابی اور غلہ کی گرانی ہی کو روئے چلے جاتے ہیں! یہ نہیں دیکھتے کہ "صاحب" کے دیس میں وہسکی (شراب) جیسی نعمت کا کال پڑا جا رہا ہے!

وضو کی حکمتیں

محمد علی روڈ بمبئی سے ایک مراسلہ:۔

"میرے ایک دوست مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ نماز سے پہلے وضو کرنے کی کیا مصلحت ہے؟ اگر آپ کا قلم اسکی وضاحت کرسکے تو بہت بہتر ہے"۔

لیکن خود نماز ہی کی کیا مصلحت ہے؟ کیا یہ پوری طرح ان صاحب کی سمجھ میں آگئی ہے!— عجب مرض یہ جزئی احکام شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں کے دریافت کرنے کا پھیلا ہے! عقلی حیثیت سے گفتگو صرف اصول دین، اور بنیادی عقائد، توحید، رسالت، ضرورت دین وغیرہ پر ہوسکتی ہے، نہ فروع و جزئیات پر۔ انکے لیے شارع کا حکم بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے (جس طرح نسخہ کے نسخہ میں ۲ ماشہ بنفشہ کی مقدار صرف حکیم حاذق کا ذوق و تجربہ ہے، نہ کوئی اور خارجی "دلیل عقلی"!)

چہرہ، ہاتھ، گردن پر پانی پڑنے، آنکھ، دانت، منہ، زبان کے بار بار دھلنے کی طبی مصلحتوں پر، اور جسمانی صفائی سے باطنی پاکیزگی اور حضور قلب میں مدد ملنے کی روحانی حکمتوں پر بہت سے ذہین لوگ اپنی اپنی ذہانت کے لحاظ سے لکھ چکے ہیں، اور چہرہ، ہاتھ، پیر کے غسل کی طرف تو ہر فطرت سلیم طبعاً بھی راغب ہے۔ لیکن یہ سب زائد چیزیں ہیں، اصل وہی شریعت و صاحب شریعت کا حکم ہے

ترقی کے قدم

"لندن۔ یکم جولائی۔ وگمور ہال لندن کا مشہور و معروف ناچ گھر (کنسرٹ ہال) ہے۔ ۹۔جولائی کو مس آسما پارڈی (برمنگھم کے ڈاکٹر کے۔ ایم۔ پارڈی کی لڑکی) اس میں مجرا کریں گی۔ یہ مس صاحبہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں، جو اس نامور کنسرٹ ہال میں قدم رکھیں گی" (رویٹر)

لیجیے۔ آپ کے ملک کی خاتون، صاحب کے دیس میں وہاں پہونچگئی، جہاں آجتک اسکی کوئی بہن نہیں پہونچی تھی۔ اسکا نام اخبارات میں اس حیثیت سے آگیا۔ اسکے فوٹو چھپیں گے، اسکے "انٹرویو" اخبارات میں نکلیں گے، اسکے "کام" پر تبصرے شایع ہونگے۔ آپ کے ملک کی ناموری ہوگی۔ اس سے زیادہ "ترقی" کے لیے اور چاہیے کیا؟ گانا اور ناچنا، اور وہ بھی غیر مردوں کے مجمع میں، "صاحب" کے سامنے! آزادی کے حوصلہ اور ارمان نکلنے کا اس سے بڑھکر موقع اور نصیب کیا ہوسکتا ہے!

حسرت بہت ترقیِ دختر کی تھی اُنھیں
پردہ جو اُٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی!

لباس اور پارسائی

"بدن کے چست کپڑے، جسم کو ہر طرف سے ڈھک لینے والی پوشاک، انسان کی دماغی آزادی کے حق میں بھی سخت مضرت۔ قلب گویا بالکل سکڑ کر مقید ہوکر رہجاتا ہے۔ مغربی خاتون نے جب ان سے پرانے طرز کی پوشاک ترک کی، ہر دن ذہنی آزادی میں آگے قدم رکھنے کا سبب، اسی وجہ سے اُسنے لباس اور حجاب اور شوہر کی غلامی سے آزادی حاصل کی۔ آج ۲۰ سال کے سن تک کی جو خاتونیں ہیں، اُنھیں اندازہ ہی نہیں کہ انکی ماؤں اور نانیوں کو، کولوں، بندوں وغیرہ کی کیسی کیسی بندشوں میں جکڑ دیا پڑتا تھا—— یہ سب کچھ مس اتھل کیمبل نے اپنی تازہ کتاب (کین آئی ہیلپ یو، سر؟) میں بہت تفصیل سے لکھا ہے"۔ (لیڈر۔ یکم جولائی۔ بحوالہ گلوب ایجنسی، لندن)

غریب مشرق تو یہی کہتا آیا ہے کہ لباس اور حیاداری میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور اگر شرافت، عصمت، عزت عزیز ہے، تو سر کو ڈھکے رہنا ہوگا، چادر اوڑھنی ہوگی، برقع بھی پہننا ہوگا، نقاب بھی ڈالنی ہوگی، وقس علیٰ ہذا—— خوش رہیں مس صاحب، کہ اپنے لفظوں اصطلاح میں "روشن خیالی" کی زبان میں اُنھوں نے صحیح اُس بوسیدہ و فرسودہ خیال پر مُہر تصدیق لگادی!

بیدکی سزا

ہمعصر ریاست (دہلی) نے امرتسر کا واقعہ درج کیا ہے کہ وہاں کے رام باغ پارک میں کالج کے لڑکے عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ برابر شہدپن سے پیش آتے رہتے تھے۔ آخر ایک روز ایک پولیس افسر برقع پہنکر گئے، اور ایک سائیکل سوار "عشقباز" نوجوان کو گرفتار کرکے حوالات میں بند کردیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے

"ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ پنجاب کو اس وبا سے پاک کرنے کے لیے ایسے جرائم کی سزا کی نوعیت بدل دی جانی چاہیے۔ ایسے غنڈوں کے لیے جرمانہ یا چند ہفتوں کے لیے جیلوں میں چلا جانا کچھ اثر نہیں رکھتا۔ انکا علاج صرف یہ ہے کہ ایسے جرائم کرنے والوں کو چوکوں اور گزرگاہوں پر عام پبلک کے سامنے بیدوں کی سزا دی جایا کرے۔ تاکہ یہ لوگ پبلک میں اسی طرح رسوا ہوں جس طرح یہ کمینہ لوگ شریف خواتین کی رسوائی کا باعث ہوتے ہیں"۔

بالکل صحیح ہے۔ لیکن معاصر موصوف کو تجربہ شاید صرف پنجاب کا ہے۔ ورنہ حقیقتاً اس وبا میں کسی صوبہ کی کوئی قید نہیں۔ سنیما اور کالج اپنے موجودہ ماحول کے ساتھ جہاں جہاں بھی ہوں گے، وہیں یہ وبا پھیلیگی اور پھر امریکی نوجیوں کے دوروں نے کہیں بدتر بنادیا ہے لکھنؤ اور دہلی، کلکتہ اور بمبئی، لاہور اور امرتسر سب ایک سے ایک بڑھکر ہیں!

ادبِ صالح

خواجہ عبدالوحید صاحب لاہوری کے قلم سے مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب النکاح ریویو کے ضمن میں :-

"مولوی منور الدین صاحب نے اُردو داں دنیا پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ فقہ اسلامی کی صدیوں کی میراث کو ان لوگوں کے لیے آسان بنا دیا جو عربی اور فارسی زبانوں میں درک نہیں رکھتے اور جنکے لیے اپنی معلومات بڑھانے کا ذریعہ صرف اُردو زبان ہے۔

یہاں بے موقع نہ ہوگا اگر ہم اُن ادیبوں اور افسانہ نگاروں کو مخاطب کریں جنکی تمام مساعی اُردو زبان میں عریاں اور فحش افسانے جمع کرنے کے لیے وقف ہیں۔ قوموں کی تعمیر میں ادبیات کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اور وہ ادب جو تعمیر قومی میں حصہ لیتا ہے فحش اور عریاں افسانوں پر مشتمل نہیں ہوا کرتا۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُردو زبان کی ہمہ گیری دنیا پر واضح ہو اور ساتھ ہی اتحاد و حسن کلام سے ذہنیت ... سے بھر بھی جائے، تو ہمیں چاہیے کہ مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیادہ سے زیادہ اس زبان میں تصنیف یا تالیف کریں۔ کیا سیاسی اقتصادی، معاشرتی، عمرانی، قانونی اور علمی مسائل پر علمی ادبی پایہ رکھنے والی کتابیں دنیا کے ہر ادب میں موجود نہیں ہیں"۔

تو کیا خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ "ترقی پسندی" اور "ادب لطیف" و "ادب جمیل" کے دفتر میں آگ ہی لگا دی جائے؟ کیا وہ یہ غنیمت نہیں سمجھتے کہ اس "لطف شباب" اور "مست قلندر" اور "حسین دنیا" (یہ تینوں مشہور رسالوں کے نام ہیں) اب بھی کچھ لوگ فقہ و کلام پر کتابیں لکھے جاتے اور کچھ ان پر ریویو کیے جاتے اور کچھ پڑھے جاتے ہیں ۔

مراسلہ

حق کی پکار

۱۔ کیا آپ قرآن مجید کی کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سوچیے کہ نوع انسانی کے لیے اللہ کے "آخری پیام" کا علم کیونکر ہوگا، انسانیت اپنا کھویا ہوا وقار کیونکر حاصل کر سکے گی اور مسلمان اپنا بھولا ہوا سبق کیونکر حاصل کر سکینگے؟

۲۔ کیا آپ کے احباب اجتماعی شکل میں خدمت قرآن کے لیے کوئی سعی فرما رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسکے متعلق مسئولیت لگی ہوئی ہے۔ لہٰذا جس قدر جلد ممکن ہو انکی توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے

۳۔ کیا آپ کی قریبی مسجد میں درس قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے جس میں بلا امتیاز ہر شخص شریک ہوتا ہو۔ اسی طرح کیا آپ کے یہاں کی زنانہ اور مردانہ تعلیم گاہوں میں قرآن مجید کی با معنی تعلیم ہو رہی ہے؟ اسکو فراموش نہ کیجیے کہ انھیں بچوں اور بچیوں پر اسلام کے روشن مستقبل کا انحصار ہے اور وہ قرآن کے علم و عمل بغیر

سورۂ بقرہ رکوع ۲۲ و ۲۳

بسلسلۂ صدق نمبر ۱۰

ترجمہ	متن
پھر جو کوئی اسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے سو اسکا گناہ بس انھیں پر ہوگا جو اسے بدل ڈالیں بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا	۱۸۱۔ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ، اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔

۱۳۳؎ (نہ کہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں)

بَدَّلَهٗ اور سَمِعَهٗ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔

والضمیر فی بدل یرجع الی الایصاء وکذلک الضمیر فی سمعہ (قرطبی)

یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۔ یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس انہیں جھوٹے گواہوں کا ہے۔

۱۳۶؎ سمیع اُس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا کتر بیونت کی۔

علیم اُس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور اور بے بس ہوتا ہے۔

۱۳۷؎ اور وہ اس بنا پر از راہ اخلاص و خیر خواہی وصیت میں تبدیلی کر دے، جس سے اس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے۔

خاف ۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

ای فمن توقع وعلم وہذا فی کلامہم شائع (کشاف) والخوف والخشیۃ العلم (کبیر) ومعنی خاف توقع و علم (روح)

ای قد ظہر لہ من احوال الوصی لتقلب بہ علی ظنہ انہ یرید الجور وصرف المیراث عن الوارث (جصاص)

جنفا ۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہو یا خطائے فہم سے گونہ زیادتی۔

الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم بہ (کبیر) میلاً عن الحق بالخطاء (کشاف)

اثماً ۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی، جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔

الاثم العمد (ابن جریر عن ابن عباسؓ) الاثم العمد (کبیر)

۱۳۹؎ مضمون وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفی دور کر کے

۱۸۲۔ فمن خاف من موص جنفا او اثما فاصلح بینھم فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔	البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے پھر وہ ان لوگوں کے آپس میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

بینھم میں ضمیر جمع غائب وارثوں کی جانب ہے۔

اے بین الموصی لھم (روح) الکنایۃ عن الورثۃ (قرطبی)

یعنی وصیت اگر بے انصافی ہے یا خلاف قاعدہ شرعی ہے اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوع نزاع یا احتمال نزاع ہی دیکھ کر مضمون وصیت میں ایسی ترمیم کر دے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے

بعض فقہاء نے اس حکم کے تحت وسعت دے کر کہا ہے کہ حکم صرف وصی اور گواہان وصیت اور حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں امت کا ہر فرد اس پر عمل کر سکتا ہے

فمن خاف من سائر الناس من موص میلا عن الحق وعدولا الی الجور فالواجب علیہ ارشادہ الی العدل والصلاح (جصاص۔ الخطاب لجمیع المسلمین (ابن العربی)

اس لیے کہ اس حکم کا تعلق باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے ہے اور وہ ساری امت پر فرض ہے۔

ولا یختص بذلک الشاھد والوصی والحاکم دون سائر الناس لان ذلک من باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (جصاص) لان الصلاح للفساد فرض علی الکفایۃ (ابن العربی)

فقہاء نے آیت سے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ غلبۂ ظن کے بعد رائے وعمل کا اجتہاد جائز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وصیت کرنے والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ تو ظن غالب ہی کے حکم میں ہوگا

وفیھا الدلالۃ علی جواز الاجتھاد والرائے والعمل علی غالب الظن لان الخوف من المیل یکون فی غالب ظن الخائف (جصاص) وفی ھذا دلیل علی الحکم بالظن (ابن العربی)

۱۳۷ؔ اس تبدیل وترمیم مضمون وصیت کے باب میں، بلکہ وہ تو اور مستحق اجر وثواب کا ہوگا۔

لانہ تبدیل باطل الی حق (مدارک)

۱۳۸ؔ اللہ تو گنہگار ورثاء کے حق میں غفور رحیم ہے چہ جائیکہ یہ شخص جو گنہگار ہے بھی نہیں بلکہ اپنی سعی اصلاح میں تو مطیع حکم اور مستحق اجر ہے۔

غفور یعنی گناہوں کا بخشنے والا

رحیم یعنی خطاکاروں کے حال پر رحمت کرنے والا

۱۳۹ؔ صیام صوم کی جمع ہے صوم یا روزہ اصطلاح شریعت میں

۱۸۳۔ یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون	اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے قبل ہوئے ہیں عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔

کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے پینے اور عمل زوجیت سے روکے رہے۔

جو روزے فرض ہیں وہ ماہ رمضان کے ہیں۔ غیبت، فحش، بدزبانی وغیرہ زبان کے تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں حدیث میں آئی ہیں۔ جدید وقدیم سب طبیبین اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفس کی روح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔۔

۱۴۰ؔ روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دنیا کے تقریباً ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، طبع چہارم کی جلد ۹ صفحہ ۱۰۶ اور جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ سے ظاہر ہے، لیکن قرآن کو مشرکانہ مذہبوں سے بحث نہیں۔ الذین من قبلکم سے اسکی اصل مراد اہل کتاب ہی ہے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ روزہ شریعت موسوی کا ایک اہم اور مشہور جزو ہے۔

مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت کہ صاف صاف اُن میں روزہ کے جزو مذہب کی خبر دینا۔ آج سے تیرہ سو سال قبل اور اخبارات اور کتب خانوں کے دور سے ہزار بارہ سو سال پیشتر عرب جیسے دور افتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک امی کے لیے کسی طرح ممکن نہیں؟ بجز وحی الٰہی کے توسط کے!

۱۴۱ؔ روزہ، نمیں ارشاد خداوندی میں تزکیۂ نفس، تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اس خاص کے انفرادی اور امت کے اجتماعی دونوں نقطۂ نظر سے۔

لعلکم تتقون کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہو گئی کہ اس سے مقصود تقوے کی عادت ڈالنا اور امت وافراد کو متقی بنانا ہے تقوے نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے اور لذیذ غذاؤں سے لطف وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں تقوے اختیار کر لینے سے (یعنی جتنی عادتیں صحت روحانی وحیات اخلاقی کے حق میں مضر ہیں اُن سے بچے رہنے سے) عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد النفس میں پیدا

طرح پیدا ہو کر رہتی ہے۔

اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہو کر رہتی ہے۔ اور غیر مشرک قوموں کے نہایت ناقص، ادھورے، اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی نہیں، خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ یا تو کسی بلا کو دفع کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، یا کسی فوری و مخصوص روحانی کیفیت کے حاصل کرنے کو۔

یہود کی قاموس اعظم جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

"قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا، اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا، اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔ (جلد ۵ صفحہ ۳۴۷)

اسلام میں روزہ نام ہے، اپنے قصد و ارادہ سے ایک مدت معین تک کے لیے اپنی جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دست برداری کا، اور اس سے ایک طرف طبعی اور جسمانی، دوسری طرف روحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں فرد و جماعت دونوں کو، ان کی تفصیل کی گنجائش تو یہاں بہرحال نہیں۔ البتہ سورۃ کے آخر میں بطور ضمیمہ اس نامہ سیاہ کی بعض اور تحریریں پرچہ صدق اور سچ سے نقل کر کے درج کی جاتی ہیں (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۸)

یہی تو کریگی کہ اسلامی سیاسیات، اسلامی معاشیات، اسلامی قوانین کے نظام کو بدل کر اپنے من مانے ضوابط و قوانین کو نافذ کریگی تو آج کب یہ سب نہیں ہو چکا ہے۔ اور فرض کیجیے کہ آئندہ حکومت جسکی سندھی صاحب نے دھمکی دی ہے وہ مسلمانوں کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ کرنے سے بھی منع ہو تو اسوقت دیکھا جائیگا۔ جو مخلص ہونگے مقابلہ کرینگے اور دنیا کو کھو کر اپنے دین کو بچا لیں گے۔ اور جو ایسے نہ ہونگے وہ وہی کرینگے جو حجاج ابن زیاد کے زمانہ میں کرنے والوں نے کیا تھا۔ الحاصل فتح و شکست حق و باطل کا کیا معیار ہے؟ اسکا فیصلہ میدان کربلا میں ہو چکا ہے۔ آج باطل کو اگر فروغ ہے تو بڑی بات کیا ہے بلکہ ہماری پیشنگوئیوں کے مطابق واقعات کا ظہور ہوگا پھر کیا اس قدر کے بارے سے کہ آخر دجال، دیاجوج و ماجوج کا بھی تو ظہور ہوگا۔ پھر کیا اس قدر کے بارے سے کہ دجال آنے والا ہے دجال کے آنے سے پہلے مسلمانوں کو دجالی پیغام مان لینا چاہیے؟ کیونکہ وہ دجالی زمانہ میں ستا دیے جائیں گے برباد کر دیے جائیں گے اُنکے گھوڑوں سے جنہیں فلک الافلاک کے برابر وہ سمجھتے ہیں وہ سب زمین کے برابر کر دیے جائیں گے

شاخ پر بیٹھ کر اُسی جڑ تراشوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے پیغمبر اور انکار میں بھی [illegible] قرآن ہوگا۔ اگر قرآن [illegible]

سے گزر کر اسلام اپنی معجزانہ قوت تھا کا ثبوت نہیں دیتا رہتا ہے بھی ہمارے ایمان کا یہ لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (ترجمہ) چاہتے ہیں وہ کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونک سے) اور خدا پوری کرنے والا ہے اپنی روشنی کو اگرچہ کافروں کو گراں ہے۔

(منشور دہلی)

بقیہ صفحہ ۳

ناممکن ہے۔

۴۔ کیا بموجب "قوا انفسکم واہلیکم نارا" آپ کے گھر کی تلاوت قرآن ایسی ہوتی ہے کہ جس میں عورت، مرد، چھوٹے، بڑے اور بوڑھے سب پڑھتے، اپنے آقائے حقیقی کی بات سنتے اور اُسکا مفہوم سمجھتے ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو آخر اسکے سوا دوسری اور کون تدبیر ہے کہ روزانہ قرآن پاک کا منشا پورا ہو۔

۵۔ کیا آپ کے یہاں "قرآنی پنچایت" قائم ہے جس میں معاملات و مقدمات قرآنی معیار پر طے پاتے ہوں۔ یقین کیجیے اگر قرآنی سانچے میں ڈھلنا، قرآنی ذہنیت پیدا کرنا اور اپنے ظاہر و باطن کو قرآنی بنانا ہی ایک انسان اور ایک مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد ہونا چاہیے۔

۶۔ کیا آپ کے یہاں کوئی صاحب قرآن مجید کی خدمت انجام دینے والے گزرے ہیں یا اب موجود ہیں۔ اُنکے کارنامے کیا ہیں؟ حفاظ قرآن مجید کی تعداد کیا ہے۔ نامکمل حفظ کن لوگوں کا رہ گیا ہے اور اسکے اسباب کیا ہیں؟ براہ کرم بغرض تعاون ایک خط کے ذریعہ مختصر حالات سے مطلع فرمائیے۔

۷۔ آپ کی مقامی زبان کیا ہے۔ کیا اس میں کوئی ترجمہ قرآن مجید موجود ہے۔

۸۔ کیا آپ کے یہاں سے مقامی زبان نہ جاننے والے ائمہ مساجد، حفاظ قرآن مجید اور معلم پیشہ حضرات قرآن مجید کی بامعنی تعلیم حاصل کرنے کے لیے جامعہ قرآنیہ حیات نگر حیدرآباد دکن بھیجے جا سکتے ہیں؟ جہاں قیام و طعام اور تعلیم کا انتظام مفت ہے۔

۹۔ کیا آپ اپنے یہاں ادارہ عالمگیر تحریک قرآن مجید کی کوئی شاخ قائم فرمائینگے؟ (مختلف مقامات پر ایسی ایک لاکھ شاخیں قائم کرانی ہیں)

۱۰۔ ادارہ عالمگیر تحریک قرآن مجید کی رکنیت کے لیے ایک پیسہ روزانہ لیا جاتا ہے۔ اسکے صلہ میں ایک جلد بچوں کی تفسیر پارہ عم بطور نذر مفت دی جاتی ہے تاکہ ہر گھر قرآنی مدرسہ بن جائے۔ اسلئے ایک کروڑ رکن بنانے ہیں

ابو محمد [illegible] - تحریک عالمگیر [illegible] قرآن مجید [illegible]

[illegible] حسین پرنٹر نے حسن برقی پریس [illegible] سے چھپوا کر دفتر صدق کو رگنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

فکرِ سندھی پر تبصرہ

نمبر (۱۸)

(بہ سلسلہ صدق ...)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

لیکن یہ تو اندر کا حال ہوا۔ باہر بھی کسی قانون کی پابندی کیا ضروری ہے۔ سندھی صاحب کا یہ جواب منقول ہے کہ "شریعت طریقت پر مقدم ہے"

لیکن شریعت کا مطلب کیا ہے۔ فقہ و حدیث قرآن کا قانون تو سب مقامی، زمانی و قومی بن کر ختم ہو چکے تھے۔ سنیے شریعت کا مطلب ارشاد ہوتا ہے

شریعت طریقت پر مقدم ہے یعنی ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس جماعت میں رہے اُسکے اجتماعی قانون کو تسلیم کرے۔ یہیں ہو سکتا کہ وہ اُسکا جو جی چاہے اُسی کو قانون بنا لے اور اس پر چلنے کی کوشش کرے۔ اس سے زندگی میں کوئی نظم پیدا نہیں ہوگا۔ اور جماعتی زندگی کا سارے سے شیرازہ بکھر جائیگا۔ صفحہ ۱۵۱۔

جسکا ظاہر مطلب اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی جس قوم میں جس ملک میں رہے اُسی قوم و ملک کے قوانین کو اپنی شریعت قرار دے۔ اگر آپ اشتراکیوں میں ہیں تو اشتراکیوں کے قانون کو شریعت بنا لیجیے اور ہندوؤں میں ہوں تو ہندوؤں کے قانون کو شریعت تسلیم کرکے اُس پر چلیے۔

رہا انبیا کی تعلیم یعنی مذہب اسکا اصل الاصول تو معلوم ہی ہو چکا کہ صرف ایک پرسنل اور شخصی بات ہے۔ اپنی اپنی "انانیت" میں خدا کے قرب و محبت کے احساس کو بیدار رکھیے اور یہی بنا ہے۔ سندھی کی وہ بات کہ

انکی (روسی انقلابیوں) کی مادیت کو میرے الٰہی فکر نے ہضم کر لیا"

دیکھا آپ نے۔ ہضم کا یہ عمل کس خوبی سے انجام پا گیا۔ یورپ والے بھی تو یہی کہتے ہیں کہ مذہب ایک پرسنل اور شخصی مسئلہ ہے سندھی صاحب نے اس حد تک مذہب کو بچا لیا۔ اور ہر وہ قانون جو کسی قوم و ملک میں پایا جاتا ہو اُسی کے مطابق زندگی بسر کرنا شریعت کی پابندی ہو گئی۔ اور جس خوراک کو جناب نے خود ہضم فرما لیا ہے مسلمانانِ ہند میں بھی چاہتے ہیں کہ وہی ہضم ہو جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا فقہ، حدیث اور قرآنی قانون کی پابندیوں میں اُلجھا رہنا اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ ان رکاوٹوں کو کتنی آسانیوں کے ساتھ سندھی صاحب نے ختم کر دیا۔ میدان باہر کا تو صاف ہو گیا۔ رہا اندر سو اسکے لیے انانیت کے احساس والا اسلام کافی ہے۔ ایسا اسلام جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کرنے والا ہندو

اور عیسائی۔ بلکہ لامذہب آدمی بھی اس وسیع اسلام کے دائرہ میں جب چاہے تو رہ سکتا ہے۔ آپ نے ایک موقع پر شاید اسی عام اتحاد اسلام کی برتری کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

مسلم صوفی اور عیسائی مشابہ ہیں!

"ایک مسلمان صوفی جو کامل ... رعایت پر ایک ہندو اور عیسائی صوفی کی اصل سے زیادہ قریب ہے" صفحہ ۱۲

بس زیادہ قریب ہے۔ گویا اصل قرب الٰہی کا مقام تو ایک ہندو اور عیسائی صوفی سب ہی کو حاصل ہے۔

اب میں کیا کہوں کہنے کی حد تک سندھی صاحب کا دعوے ہے کہ روسی انقلابیوں کی مادیت کو اپنے الٰہی فکر کے ساتھ انھوں نے روس پہونچنے کے بعد ہضم کر لیا۔ لیکن اس کتاب میں جستہ جستہ کہیں کہیں آپ کی زبان مبارک سے اس قسم کی باتیں جو نکل گئی ہیں مثلاً انھیں روسی انقلابیوں کے عزم و ارادہ کی منقبت خوانی فرماتے ہوئے اُنکے الماویہ کا بیان ہے کہ

"مولانا کا کہنا ہے کہ عزم و ارادہ و ارادہ کی غیر معمولی قوت انقلابیوں میں بڑا اعتماد نفس ہے۔ اور انقلاب کے لیے اعتماد نفس انقلابیوں میں اعتماد نفس ہے اور انقلاب کے لیے اعتماد نفس شرط ہے"۔ پھر آگے ارشاد ہوتا ہے سرور صاحب فرماتے ہیں "آپ (سندھی صاحب) کے خیال میں انقلابی کو اپنے اوپر بڑا اعتماد ہوتا ہے۔ اس بڑے اعتماد کی تفصیل یہ ہے:" وہ نہ دھرم کو خدا مانتا ہے نہ اُنکے اخلاقی معیاروں کو، نہ سماج کا انکار کرتا ہے حکومت کا انکار کرتا ہے ماں باپ کے کہنے کو نہیں مانتا دوستوں اور عزیزوں کا انکار کرتا ہے (صفحہ ۵۶) خیر یہی سب کچھ کہلا سننے کے بعد آخر میں سندھی صاحب اس راز کو طشت از بام اس موقع پر کرتے ہیں کہ دراصل ہمارا اعتماد علی اللہ اسی اعتماد علی النفس کا حاصل ہے۔" (صفحہ ۵۶) اور آگے ارشاد ہوتا ہے

روس جانے سے پہلے گو میں اس حقیقت کا شعور رکھتا تھا لیکن اس کو زبان پر کبھی نہ لاتا تھا۔ پر اب برملا کہتا ہوں" صفحہ ۵۶

یعنی اللہ کا لفظ روس جانے سے پہلے اعتماد کے اس سلسلہ میں جو سندھی صاحب بولتے یا سمجھتے تھے اس سے واقعی اللہ نہیں بلکہ خود اُنکا نفس مراد تھا۔ پر زبان پر لانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن جو بات آپ کے اندر تھی اب برملا اسکا اعلان فرمایا جاتا ہے اور اس قسم کی دوسری باتوں کو دیکھنے والا اگر یہ رائے قائم کرے کہ جس مادی اشتراکیت کے ہضم کرنے کا دعوے واپسی روس کے بعد آپ فرماتے تھے: دراصل روس جانے سے پہلے آپ اسی کو اگر ہضم نہیں تو غالباً نگل ضرور چکے تھے۔

ایسی صورت میں کون کہتا ہے کہ ملت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامی قرار دینے کا خیال اور اسی کے ساتھ رہا رحیا ایک جانو ... گزرا ... اناسب کو انو ... یعنی قرآن دیوان ...

ملاحظہ ... [illegible]

ذات رسول اللہ امین"، "الاحسائی" کی ایمان روس کا تحفہ نہیں ہے
اور صحیح تو یہ ہے کہ بیچارے نانک کی دعوت اسکے سوا اور کیا تھی
اگر واقعی سندھی صاحب کے اسی قسم کے خیالات تھے تو اُنکے الرادیہ
کے بیان پر اگر بھروسہ کیا جائے تو اسکے سوا نا ہی کیا جا سکتا ہے۔ تو
پھر میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ بار بار ہم مسلمانوں پر جو وہ یہ احسان جتاتے
تھے کہ تمہارے اسلام کی وجہ سے ہم نے گھر چھوڑا، در چھوڑا، ماں کو
چھوڑا، بہنوں کو چھوڑا۔ انکا یہ احساس کس حد تک برمحل ہے۔
لکھنے والا تو کہہ سکتا ہے کہ آپ مسلمانوں کو بھی وہی بنانا چاہتے تھے
جو آپ تھے۔

ان روس سے واپسی کے بعد علاوہ ذہنی انقلاب کے سیاسی اور
معاشی انقلاب کا پیام بھی اپنے ساتھ لائے تھے اسی لیے بیچارے
گاندھی جی سے بھی بہت خفا تھے۔ خفگی کی وجہ یہ تھی کہ
"خوبی قسمت سے گاندھی جی محض ایک سیاسی لیڈر نہ رہے
بلکہ مذہبی رہنما بھی بنے۔ ہندو مذہب کا احیاء انکا مقصد ٹھہرا" (صفحہ)
اس لیے گاندھی جی کو اپنی راہ کا کانٹا تصور کرتے رہے کہ وہ
ہندو مذہب کا نام کیوں لیتے ہیں۔ اب میں کیا کیا بتاؤں کہ
انکے ارادے کیا کیا تھے۔ شاہ ولی اللہ کا نام اپنے سودے کے
بیچنے میں جو بار بار لیتے ہیں اسکی کیا وجہ تھی۔ خود انکی زبان سے
ظاہر ہو گئی ہے۔ الرادیہ راوی ہیں یعنی سندھی صاحب کا بیان تھا کہ

شاہ ولی اللہ کی حکمت شریعت سے بالا ہے؟

شاہ صاحب کی حکمت عمومی چیز ہے

یہ کسی شریعت و ملت کے حدود میں مقید نہیں۔ ایک ہندو بھی
اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اور تو اور ہر وہ شخص جو کسی مذہب
کا پیرو نہ ہو، اسکے لیے جاذب توجہ ہو سکتی ہے۔ یہ حکمت خالص
انسانی حکمت ہے۔ اور انسانیت کے سوا کسی قید کو قبول نہیں
کر سکتی"۔ (صفحہ ۲۶۳)

گویا شاہ ولی اللہؒ بھی ایک قسم کے کبیرداس اور نانک شاہ تھے
محمد رسول اللہؐ کی تو ہر چیز عرب کے دماغ کے ساتھ مخصوص ہوکر رہ
جاتی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ کا دماغ ایسا دماغ تھا جو کسی زمانی
مکانی، قومی قید کو قبول نہیں کرتا تھا۔

میں سندھی صاحب کے متعلق کوئی مضمون خاص لکھنے نہیں بیٹھا
ہوں، بلکہ ایک خاص ترتیب سے تقریباً چار سو صفحات کی تہوں میں
چھپا کر جو باتیں کہی گئی ہیں ان ہی کو اس ترتیب سے پیش کرنا مقصود
تھا۔ اور وہ مقصود پورا ہو چکا۔

لیکن آخر میں دو باتوں کا ذکر کردینا بھی مناسب ہے۔ ایک
تو یہ ہے کہ سندھی صاحب کے کلام میں ہر قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جسکا
کوئی جی چاہے تو جو کچھ میں نے نکال کر دکھایا ہے بالکل اسکے مخالف خیالات
بھی اسی کتاب سے انتخاب کر سکتا ہے۔ مثلاً ابھی آپ سن چکے
ہیں کہ "اعتماد علی اللہ" کے مسئلہ میں اپنے اندر وہ ہمیشہ روسی
انقلابیوں کے اعتماد علی النفس کی حقیقت کا شعور رکھتے تھے لیکن
اسکے مقابلہ میں آپ ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ زندگی کی مشکلات
جن میں آپ ہمیشہ مبتلا رہے تو ان موقعوں پر یہی خیال ان کی
قوت بنا رہا کہ
"اُس بڑے وجود (اللہ میاں) کو ہمارا خیال ہے اور ہماری
کارسازی پر اسکی نگاہ رکھتی ہے" (۱۰۶)

تمہائیے کہ روسی انقلابیوں کے اعتماد علی النفس والے
آدمیوں کی زبان پر یہ فقرہ کسی معنی میں پھبتا ہے۔ لیکن سندھی
صاحب کو اس قسم کے متناقضات کے بیان کرنے میں کمال ہے
اور اُنکو کیا، حافظہ نباشد تو ایسے نفوس کا عام دستور ہے۔

بہرحال غرض یہ کہنا ہے کہ میرے بیان کی تردید کے لیے صرف
صرف اس بات کی ہے کہ میں نے جن حوالوں کو درج کیا ہے انکے
متعلق ثابت کردیا جائے کہ "مولانا عبیداللہ سندھی" نامی کتاب یا رسالہ
شاہ ولی اللہ میں وہ نہیں ہیں۔

لیکن یہ ترکیب کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اسکے متناقض بیانات
نقل کر دیے جائیں۔ یہ قطعاً کافی نہیں۔ دو متناقض بات سمجھنے کی نہیں ہے

سے کبیر۔ بابا نانک وغیرہ ہندوستانی سنتوں نے یا جنہوں نے اس خیال کو
ہندوستان میں جب پھیلایا تو اوروں نے جو کچھ اس سلسلہ میں کوشش کی
اسکو تو کتابوں میں پڑھنا چاہیے۔ اسوقت حضرت مجدد صاحب کا
ایک لطیفہ یاد آیا جو مکتوبات شریفہ میں ہے۔ کسی نے یہی بات دریافت

سے دریافت کی کہ خدا کو بجائے رحیم کے اگر رام کہا جائے تو اس میں کیا
حرج ہے۔ مجدد صاحب نے فرمایا کہ رام تو دسرتھ کے بیٹے کا نام تھا
جو سیتا جی کے شوہر تھے۔ اب یہی نام خدا کو اگر دیا جائے تو اسکے الحاد
فی اسماء اللہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ کسی بادشاہ
کو اگر کوئی ... لنگور کے نام سے پکارے تو ظاہر ہے کہ بادشاہ
کی ذات میں تو کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، لیکن ہے کوئی جو اپنے اصلی
نام کی جگہ بندر یا کتے وغیرہ کے صرف لفظ کے انتساب کو پسند کرے؟
حضرت مجدد کے مکتوب میں جو مضمون ہے اُسکا خلاصہ اپنے الفاظ
میں میں نے ادا کیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو اُسی میں پڑھیے۔

ملے صیادی یہیں، یعنی اصطلاح ہے۔ ابن صیاد یہودی جسکے
متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ دجال بنکر آخر زمانہ میں وہی نمودار ہوگا۔
بخاری وغیرہ سب میں ہے کہ جب ابن صیاد بچہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اُس نے کہا کہ امیین
(یعنی عرب قوم) کے رسول ہو۔ آپ نے اور بھی کچھ باتیں دریافت
فرمائیں۔ آخر میں فرمایا "اخساء" یعنی اُردو میں کتوں کو دھتکارتے
ہیں وہ اسکا مفہوم ہے۔ گویا "دھت" فرمایا۔ دراصل آنحضرت کا نبی
کہنا ابن صیاد کی پہلی آواز ہے جو کبھی کبھی اوروں سے بھی سُنی جاتی ہے
ایسوں کو "اخساء" والا اللہ کے سوا اور کیا کہا جائے۔

مولانا کہتے ہیں کہ یہ گھروندے جو تم نے (مسلمانوں نے) بنا رکھے ہیں اور انھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے"

اور فرماتے ہیں "تمہارا تمدن تمہارا سماج تمہارے افکار تمہاری سیاست تمہاری معاشرت سب کھوکھلی ہو چکی ہے"

اس لیے الارم دیتے ہیں کہ "بدلو، ورنہ زمانہ تمہارا نشان تک نہ چھوڑیگا، سنبھلو ورنہ مٹا دیے جاؤگے"۔ صفحہ ۳۱۔

اور آخر میں براہ راست مرحوم سلطان عبد الحمید اور امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کا نام لینے کے بعد، جو مقصود ہے اُسکو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "زار کا انجام جو کچھ ہوا سب جانتے ہیں"۔

دراصل آپ کی ان دھمکیوں کا اشارہ جس طرف ہے وہ وہی طاقت ہے جس نے زار کو اسکے انجام تک پہونچایا۔ اگر شاید خیال ہو کہ بیچارے مسلمانوں کے پاس رکھا ہی کیا ہے جنکی دھمکی دیں تو فرماتے ہیں کہ "بدقسمتی سے ہندوستان والے شیشے کے کمرے میں بند ہیں اس لیے یہاں "مقدس" خدائی الٰہی انقلاب سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ صفحہ ۳۱۔

گویا روس میں جو کچھ ہوا شیشے میں رہنے والے ہم ہندوستانی لوگ اُس سے کہاں واقف ہیں۔ اسکی خبر صرف سندھی ہی تو لائے ہیں۔

شاید انکو کچھ کہا بھی گیا تھا "بطور پیغامبر کے آپ نے پیغام بھی دیا ہے "اب زمانہ بدل چکا ہے، انقلاب کی گھڑی قریب آ گئی ہے۔ صفحہ ۱۰

جو کچھ اس گھڑی میں ہوگا اُسکے متعلق آپ خبر پہنچاتے ہیں "تمہارا یہ کھوکھلا سماج اور بے روح تمدن چند دنوں کا مہمان ہے اسکو خود بدل ڈالو تو بہتر ہے ورنہ زمانہ کا ریلا خود بدل دیگا اور اسوقت تم کہیں نظر نہ آؤ گے"۔ صفحہ ۳۱

الغرض بیچ بیچ میں بڑے بڑے ڈراؤنے لہجوں میں آپ نے مسلمانوں کو دھمکانے اور دہشت دلانے کی بھی مسلسل کوشش کی ہے۔

کتاب و سنت سے ہٹ لو

لیکن سوال یہ ہے کہ جس بدلنے کا پیغام آپ اس گھڑی سے پہلے دے رہے ہیں اسکا حاصل یہی ہے کہ مقامی نقطہ، زمانی حدیث، مثالی قرآن کے قوانین سب مسلمان چھوڑ بیٹھیں اور شرک و توحید دونوں کو ایک قرار دے کر اس اب بھی قرآن کی راہنمائی سے ہم مسلمان مستغنی ہو جائیں تو اس گھڑی سے پہلے ہی کیا ہم خود اپنے ہاتھوں ختم نہ ہو جائیں گے۔ گھڑی کے وقت تو اسکا الزام دوسروں پر آئے گا لیکن اُس گھڑی سے پہلے آپ کے واویلا سے متاثر ہوکر ہم سب کچھ مٹا دیں گے تو اپنے ہاتھوں کیا یہ اپنی خودکشی نہ ہوگی عجب مشورہ نیک ہے، کہ اسلام بچانے کے لیے کفر کو قبول کر لو تو آپ کے مشورہ کو قبول کر لینے کے بعد بچے ہی گا کیا؟ اور

اصل یہ ہے کہ ایک سندھی صاحب ہی نہیں بلکہ سب ہی مسلمان سیاسی زوال کی موجودہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس مصیبت کو ہٹی بنا بنا کر مسلمانوں کے لیڈر ہمت توڑ کر گھبرا پڑے ہیں اور ہر ایک آئین کا وعدہ کرکے کہ اس مصیبت سے نکل جائیگے۔ اگر بیہودہ مشورے کو مان لو، نت نئی تجویزیں مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے صوفیوں کو انکی ان سیاسی بدبختیوں کی وجہ ٹھہرا کر ان سے جھگڑا الجھتا ہے کوئی فقہ اور فقہا پر اسکا الزام تھوپتا ہے کوئی حدیثوں پر حملہ آور ہوتا ہے، کچھ لوگ اسلامی سلاطین کے نام رکھ رہے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور سندھی صاحب نے تو سب ہی کو جمع کر لیا ہے۔ بلکہ یہ تو شاید کسی نے نہیں کہا تھا کہ قرآنی قوانین بھی مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ صرف ایک مرحلے دوسرے مرحلہ تک تکمیل کر انسانیت کو پہونچانا بھی انکا کام تھا جو پورا ہو چکا گویا بجز انسانیت کے بچپن کے پاؤں کا جوتا پہننا سمجھنے پن کے سوا اور کیا ہے

الغرض اس سیاسی مصیبت کے سلسلہ میں ہمدردوں کی جماعت سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانوں پر صوفی، فقیہ، محدث و سلاطین اسی زمانہ میں تو مسلط تھے جو زمانہ اُنکے سامنے عروج و اقبال کا تھا۔ پھر اُن غریبوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے باقی آپ لوگوں کے مشوروں پر تقریباً دو سو سال سے مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی گروہ عمل کر چکا ہے لیکن حالت دیکھ بھی بدتر سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کو میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ بلاشبہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس مصیبت سے نکلنے کی تدبیروں کا سوچنا اُنکے اہم ترین فرائض میں ہے۔ لیکن بدر کے بعد اگر اُحد کی صورت آج پیش آ گئی ہے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں نے بدر کی بازی جیتی تھی چونکہ اُنھیں کو اُحد میں شکست اُٹھانی پڑی اس لیے اُنکا انکار کر دیا جائے۔ یہ سیاسی عروج و زوال دنیا کا عام قصہ ہے، خصوصاً اقوام و اُمم کے لیے سو دو سو سال کی مدت کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ ہم کو اس اُحد کی شکست سے پھر خندق اور خیبر کے فتوحات کا راستہ پیدا کرنا ہے۔ اور بالفرض اگر یہ مقدر ہو چکا ہے کہ لا فعل اللہ مسلمان مٹا دیے جائیں، انکے قرآن کی، حدیث کی، تصوف کی، غالم بہ ہمہ خاک اُڑا دی جائے تو بجائے دوسروں کے اس جنازہ کی تیاری ہم خود کیوں کریں قبل اسکے کہ زبردستی بزور شمشیر ہمیں کافر بنایا جائے، اس جبری کفر کے ڈر سے یہ عجیب مشورہ ہے کہ برضا و رغبت العیاذ باللہ کافر ہو جائیں۔ اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اب اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ مسلمانوں کے قانون پر آج وہ حکومتیں کیا عمل کر رہی ہیں، جو اُن پر مسلط ہیں۔ اگر بجائے انکے کوئی دوسری حکومت آئے تو وہ زیادہ سے زیادہ…

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت انہیں سے کیجیے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد سعید الزمن عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ گوئن روڈ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی چار
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲
(ٹیلیفون نمبر ۱۴۹)

(رجسٹرڈ نمبر ۱۲۹۷)

نمبر ۲۰ | یوم سہ شنبہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

جوزا کا نام ہر جنتری میں نظر سے گزرا ہوگا۔ یہاں جو بڑا ستارہ ہے، اُس کا نام انگریزی میں SIRIUS اور عربی میں کلب اکبر ہے۔ ستاروں کی دنیا میں سب سے زیادہ روشن اور چمکدار اور آپ کی زمین سے سب سے زیادہ قریب۔ اس قریب ترین ہمسایہ سے بھی بُعد کا آپ کو کچھ اندازہ ہے؟ چند ہزار میل؟ نہ سہی، لاکھ دو لاکھ میل؟ اچھا یہ بھی نہ سہی، تو کوئی کروڑ دو کروڑ میل؟ جی نہیں، یہ بھی نہیں۔ بس سنیے، اور حیرت کیجیے۔

۵ سنکھ اور ۶۰ کھرب میل!

یا ہندسوں میں ۵۰،۶۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ میل!

روشنی کی نپی ہوئی رفتار فی منٹ نہیں، فی سکنڈ ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل ہے! لاکھوں میل دور چاند کی روشنی سکنڈوں میں، اور کروڑوں میل دور سورج کی روشنی منٹوں میں کرۂ زمین تک آجاتی ہے۔ لیکن ستاروں میں اس قریب ترین ستارہ کی روشنی زمین تک پہنچنے میں مدت، منٹوں اور گھنٹوں کی نہیں، دنوں اور ہفتوں اور مہینوں کی بھی نہیں، آٹھ سال کی لگ جاتی ہے! —— فاصلہ ہی اتنا ہے! —— فتبارک اللہ احسن الخالقین!

کلب اکبر یا CANIS MAJOR تو اصطلاحی نام اہل فن کے ہاں کا ہے۔ باقی عام نام زبانوں پر چڑھا ہوا عربی میں شعریٰ ہے۔ یہ دنیا میں خوب پجتے ہیں۔ شروع سے پجتے آئے ہیں۔ مصر، یونان، روما، عرب، سب جاہلی قوموں میں مختلف ناموں سے پوجی ہے۔ پرستش تو زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، سب ہی کی ہوئی ہے۔ لیکن ان بزرگ کا نمبر سب سے بڑھا رہا ہے —— سورج دیوتا اور چاند دیوتا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انھیں کا رہا ہے —— شرک کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد یاد کیجیے، قرآن کی وہ آیت جس میں مشرکوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ خدائے برحق وہ ہے جو تمہارے خدا کا بھی خدا ہے! ہو رب الشعریٰ (سورۂ نجم) —— یہ نہیں فرمایا کہ وہ زہرہ کا خدا ہے۔ مشتری کا خدا ہے۔ پرستش انکی بھی ہوئی بھی مگر اتنی کب ہوئی تھی۔ فرمایا تو یہ کہ آفتاب و ماہتاب کے بعد جو ستارہ معبود اعظم ہے، وہ اسکا بھی خدا ہے! عرب کا اُمّی یہ بات اپنی طرف سے کہہ سکتا تھا؟ یہ تو وہی کہہ سکتا تھا جسکے سامنے مشرکین عرب ہی کی نہیں، مشرکین عالم کی ذہنیت آئینہ تھی! جسکے لیے مصر اور یونان اور روما غرض دنیا کے کسی گوشہ کی بھی شعریٰ پرستی عالم "غیب" میں نہ تھی سب کی عالم شہود میں تھی!

دوسرے مضامین کے ہجوم کے باعث یہ نمبر بغیر شذرات کے شائع ہو رہا ہے۔ —— نائب مدیر

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴)

(س علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی)

س - واضح ہو کہ خادم اللہ کے دربار سے ہٹا دیا گیا ہے موجودہ دنیاوی الجھنوں نے خادم کو اللہ کی قربت سے بہت ہی دور کر دیا ہے افسوس ہے کہ انہی الجھنوں کی بنا پر خادم حضرت والا کی خدمت اقدس میں خط لکھنے سے بھی محروم رہا۔ جن معمولات پر بفضل خدا خادم سب کا عامل تھا۔ اب ایک ایک کرکے ختم ہو رہے ہیں۔ نہ تہجد پڑھ سکتا ہوں نہ نفل۔ [illegible] نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ ذکر اور درود وغیرہ کے سب ایکدم دنیاوی الجھنوں میں ختم ہو گئے ہیں۔ دن میں اللہ کا ذکر کرنے کے لیے پندرہ بیس منٹ کا وقت بھی نہ ملتا۔ علاوہ خلوت میں [illegible] اور مراقبہ کرتا تھا۔ بجائے اللہ کے قریب ہونے کے اتنا ہی دور ہوتا گیا ہوں۔ نہ معلوم آخر اس میں کیا راز ہے اور کب اللہ پاک مجھے دنیاوی الجھنوں اور پریشانیوں سے نجات دلوا کر اپنا محبوب بنا دیگا۔

ذکر اللہ سے محرومی پر مجھے سخت افسوس ہو گیا ہے اور مجھے تو معلوم ہو رہا ہے کہ کہیں اللہ پاک مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گئے۔ نہ معلوم کس گناہ کی وجہ سے مجھے اللہ میاں نے اپنے دربار سے ہٹا دیا ورنہ میں اپنے معمولات سے محروم نہ رہتا۔

قریب ایک سال سے خادم اپنی معیشت کے لیے پریشان ہے ... میں لائسنس نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ شریک ہونا پڑا۔ مگر کاروباری حالت اتنی اچھی نہ ہونے اور خرچہ زیادہ ہونے پر ساتھ ہی ساتھ ... میں بفضل خدا لائسنس نہ ملنے کی بنا پر اللہ پر توکل ہوتے ہوئے مدراس آیا۔ اور ایک چھوٹی سی دوکان کھول کر اللہ کا نام لے کر بیٹھ گیا ہوں۔ دوکانداری کرنا، لکھنا پڑھنا، سب کچھ تن تنہا کرنا پڑتا ہے۔ صبح آٹھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک دوکان میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس لیے اللہ کی یاد وغیرہ کرنے کا موقع مطلق نہیں ملتا۔ علاوہ کتابوں کے مطالعہ کے لیے تو بالکل ہی وقت ہی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں خادم بہت ہی نادم اور شرمندہ ہے۔ اللہ پاک ہی ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ ذکر اور درود سے محروم ہونے کی وجہ سے خادم کے اندر بہت ہی کوتاہی نامکر خوف خدا کچھ کم معلوم ہوتا ہے۔ خدا کا خوف رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر یہی غفلت کا عالم رہا تو خادم اللہ سے بہت ہی دور ہو جائیگا۔ للہ میری اس حالت پر رحم کرتے ہوئے جلد از جلد کوئی سبیل بتائیے گا۔

ج - جائز کسب معاش تو خود ضروریات دین سے ہے - ایک واجب کی تحصیل میں اگر چند مستحبات و اوقات الگ رہ جائیں تو فوت ہو جائیں تو اسقدر پریشان اور دل تنگ ہونے کی ضرورت نہیں خصوصاً جبکہ اس فوت پر قلق و حسرت بھی موجود ہے البتہ یہ بات ضرور دیکھ لینے کی ہے کہ تحصیل معاش کی مشغولی واقعی اس حد تک ناگزیر ہے جو اس میں کچھ دخل اپنی غفلت کاہلی بدانتظامی اور بے تدبیری کو ہے اگر اپنی والی جانچ اور پڑتال کے بعد بھی کوئی کمی اور کوتاہی بالقصد ہمت میں نہیں نکلتی تو پھر بندہ معذور ہے اور یہ حقیقی جن حالات تکوینی میں چاہے رکھے۔ آخر بیماری کے عذر کو سب ہی عذر حقیقی سمجھتے ہیں۔ پھر اس معذوری میں اور اس معذوری میں فرق کیا ہے؟

س - میرے چند دوست ہیں۔ گو وہ کسی یونیورسٹی کے سند یافتہ نہیں ہیں۔ پھر بھی حتی الوسع تعلیم یافتہ اور روشن خیال ضرور ہیں۔ الحمد للہ کہ ہمارے [illegible] کا ہر ایک رکن خدا اور رسول پر سچا ایمان رکھتا ہے۔

ج - فالحمد للہ۔

س - اور ہر ایک مسئلہ کو اپنی بساط کے مطابق منطق اور فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھ کر اپنے عقیدوں کو پکا اور وثوق بنا رکھا ہے۔

ج - عقائد دینیات کو فلسفہ کے ذریعہ پختہ بنانے کا دعوی بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں فلاں حکیم حاذق کے نسخوں کی تصدیق اسکے عطر سے کرا لیتا ہوں! خدا معلوم آپ لوگوں نے فلسفہ پڑھے بغیر فلسفہ کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ وحی کے مقابلہ میں اسکا درجہ تو ادنیٰ سے ادنیٰ اور حقیر سے حقیر ہے۔ اور منطق تو محض قواعد استدلال کا نام ہے۔

س - جب کبھی ہم ایک سے زیادہ جمع ہوتے ہیں تو ہمیشہ مذہبی بحث چھڑ جاتی ہے۔ اسی طرح دو چار گھنٹے محفل گرم ہوتی رہتی ہے۔ آخر ہم سب مطمئن اور ہم خیال ہو کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیتے ہیں۔

ج - گرمی محفل کے لیے چند عامیوں کا مذہب کے حقائق پر بحث کرتے رہنا نہ دین کی خدمت ہے نہ علم کی۔

س - ایک سال قبل کا واقعہ ہے کہ ایک ایسی ہی محفل جمی ہوئی تھی۔ ایک صاحب نے بہت ہی نازک اور دلچسپ بحث چھیڑ دی اور یہ بحث رفتہ رفتہ مناظرہ کی صورت اختیار کر گئی۔ وہ جناب اعتراض کرتے تھے اور ہم سب انکو خاطر خواہ جواب دینے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ہمیں خود ہمارے جوابات پھیکے نظر رہے تھے۔ ان صاحب کی تشفی کہاں سے کرتے۔ چار چھ مہینے تک ہم میں کا ہر ایک اپنے اپنے امکان بھر کوشش کرتا رہا مگر بے سود۔

ج - کیا آپ لوگوں نے کبھی الہیات، دینیات کچھ پڑھا

اگر یہی ادیب و مفکر کسی مذہب کے دینی یا مذہبی مسائل پر بھی کبھی آپس میں بحث و مناظرہ کر کے وقت ضائع کیا تھا؟

س - آخر مجبور ہو کر معترض صاحب ہی سے جواب طلب ہوئے تو وہ سمجھانے لگے۔

ج - گویا تحقیق حق کسی درجہ میں بھی مقصود نہ تھی۔ بلکہ مقصود محض ایک فریق کا دوسرے فریق کو قائل اور ساکت کر دینا تھا۔

س - ہم میں بہت سے اکم از کم مجھے تو اُنکے جواب سے تشفی نہیں ہوئی۔ آج تک میرے دل میں خلش ہے۔ اپنے آپکو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں لیکن ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہوں۔ مجبور ہو کر خیال دامنگیر ہوا کہ کسی عالم سے دریافت کر کے دلجمعی حاصل کر لوں۔

ج - گویا سال بھر کی خلش آپ کو اس نتیجے تک لائی مگر یہ پھر بھی آپ نے اپنی جگہ طے کر لیا ہے کہ وہ مسئلہ بہرحال زبانی گفتگو ہی سے حل ہو کر رہیگا! فلاں شخص سے نہ ہوں فلاں سے سہی! اور گویا آپ اسکے قائل ہی نہیں کہ کائنات میں بہت سے مسائل حواس بشری کی طرح عقل بشری سے بھی ماورا ہیں!

س - بہت ہی سوچ بچار کے بعد دو بزرگ ہستیوں کی طرف رجوع کرنے کا عزم کر کے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپکا جواب تسکین دہ ہوگا۔ مجھے قال اللہ یا قال الرسول کہکر خاموش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

ج - یہی وہ "خدا اور رسول پر سچا ایمان ہے" جسکا شروع خط میں بڑے زور سے دعوے ہو چکا ہے؟

س - بلکہ عقلی دلائل اور سائنس کے ذریعہ بھی سمجھایا جائے۔

ج - سائنس غریب کو بجز اپنے مخصوص تجربی شعبوں کے عام استدلال خصوصاً اصول مذہب سے آخر کیا تعلق ہے؟ بہتر ہوتا کہ سائنس کا محض نام سن لینے کے بجائے کچھ تو اسکی حقیقت و ماہیت سے واقفیت حاصل کر لی جاتی!

س - ہمارا عقیدہ ہے اور سچا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی انصاف والا ہے۔ وہ نہ کسی نفس پر بیجا ظلم کرتا ہے

ج - لیکن کسی پر ظلم یا انصاف کی تحقیق بھی جب ہی ہو سکتی ہے۔ جب اسکا پورا سلسلہ زندگی ہر ہر شعبہ کا بلا کسی استثناء کے ہمارے سامنے موجود ہو۔

س - اور نہ کسی کو کسی نعمت سے محروم رکھتا ہے۔ اور اُسکے انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

ج - لیکن ساتھ ہی ہمارا دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس طرح حواس بشری ذات باری کا ادراک نہیں کر سکتے اسی طرح ذہن بشری نہ صفات باری کا احاطہ کر سکتا ہے نہ افعال الہی کی حکمتوں کو گرفت میں لا سکتا ہے اور نہ انکی تہ کو پہونچ سکتا ہے۔ اور اگر یہ سب ممکن ہو جاتا تو پھر وہ لامحدود و لامتناہی خدا نہ رہا۔ بلکہ ہمارا ہم سطح ایک محدود و متناہی انسان ہو گیا۔

س - یہی بات ہے تو مادرزاد اندھے پیدائشی لنگڑے لولے اور پیدائشی احمق کو خدا کیوں پیدا کرتا ہے۔ ساری دنیا ایک نعمت سے نوازی جائے اور صرف چند افراد اُس سے محروم رہ جائیں۔ کیا اس کو انصاف کہہ سکتے ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ ماں باپ کے نطفہ کی خرابی کی وجہ سے خرابیاں ظہور میں آئیں تو میں کہونگا کہ ماں باپ نے اگر غلطی کی ہے تو انھیں اسکی سزا بھگتنا چاہیے تھا۔ اسکے بجائے غریب بچہ کو اندھا کر کے عمر بھر اسکو عمر بھر عذاب میں مبتلا رکھنا یا سرے سے اسکو خدا کی قدرت ہی نہ دکھانا کہاں کا انصاف ہے؟ ناکارہ اور عیب دار ہستی پیدا کرنا کیا خدا کی صفت احسن الخالقین پر دھبہ نہیں ہے؟

ج - سوال دو نہیں ہیں، صرف ایک ہی ہے۔ اور اس طول طویل عبارت کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ فلاں فلاں افعال الہی کی حکمت کیا ہے؟ تو کیا آپ اسکے مدعی ہیں کہ آپ افعال الہی میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے فعل کی بھی حکمتوں کا احاطہ کر سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ اتنا بڑا فعل جو مرادف ہے ساری مشیت تکوینی کا!

آپ تو دوسرے لفظوں میں یہ پوچھ رہے ہیں کہ کائنات کا یہ موجودہ نظام کیوں ہے؟ اللہ نے اس میں کمی، زیادتی، اچھائی، برائی، بڑائی، چھٹائی کے فرق کیوں رکھے، سب کو ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے بالکل یکساں، ہم سطح اور مساوی کیوں نہ پیدا کیا؟ --- آپ اپنی ہی عقل سے سوال کیجیے کہ دین یا دنیا کا کوئی سا بھی عقیدہ اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہے؟

بالفرض کوئی حکمت اس خاص قسم کی بتا بھی دی گئی تو کیا بعینہ یہی سوال اسی زور و قوت کے ساتھ خود اُس حکمت پر بھی نہ عائد ہوگا۔ یعنی یہ کہ یہ حکمت ہی کیوں رکھی گئی؟ کیا خدا کی قدرت اس خاص قسم کے طرز تخلیق تک محدود ہے؟ کیا خدا مجبور تھا؟ اسکے علاوہ کوئی دوسری شق اختیار نہیں کر سکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ بیسیوں سوالات ہیں۔ اسی گورکھ دھندے سے بچنے اور اسی بھول بھلیاں سے نکلنے کے لیے اور عقل جزوی بشری کو ماوراء عقل مسائل کے سلجھانے سے عاجز دیکھ ہی کر تو ہم نے ایک لامحدود و لامتناہی قوت والے، حکمت مطلق کے مالک کا وجود تسلیم کیا تھا، اور آپ پھر ہمیں اُسی سطح کی طرف واپس لیے جا رہے ہیں جہاں ہماری عقل جواب دے چکی تھی۔ اور معلوم ہو چکا تھا کہ انسانی کان، انسانی آنکھ کی طرح انسانی دماغ کی رسائی بھی بہت ہی محدود و قلیل ہے۔

میں آپ ہی کے ارشاد کی تعمیل میں قال اللہ و قال الرسول کہکر آپ کو خاموش نہیں کرنا چاہتا لیکن آپ ہی کی پیش کی ہوئی عقل کو گواہ کر کے اتنا ضرور عرض کرتا ہوں نہ سوال

ہرگز کسی عقل و حکمت سے نہیں، بلکہ تمام تر نافہمی اور بے غوری سے ہوا ہے! — عقل کا کام صرف جزئیات اور مدرکات کے باہمی تعلقات کو سمجھنا ہے، نہ یہ کہ جو ہستی کلیات سے بھی زیادہ کلی ہو، اور سرے سے انسانی ادراک سے ماورا، اُسکے افعال پر تنقید و احتساب کے لیے عقل غریب کو تکلیف دی جائے!

آ مسئلہ تقدیر پر صدق میں ایک بار نہیں متعدد بار چھوٹے بڑے مضامین نکل چکے ہیں۔ اب ہر مرتبہ آخر انھیں کہاں تک دوہرایا جائے۔

پیش لفظ

اُردو کی ایک زیرِ طبع کتاب پر

(از عبد الماجد)

مولانا حکیم سید عبد الحی رائے بریلوی ثم لکھنوی (متوفی ۱۳۴۱ھ) ناظم ندوۃ العلماء ایک عجیب نیک نفس، پاکیزہ صفات بزرگ گذرے ہیں۔ طبیب ... خاتم طبیب روحانی بھی۔ اللہ نے ایک بڑی دولت اولاد صالح سے سرفراز فرمایا۔ بڑے صاحبزادہ حکیم حاجی ڈاکٹر عبد العلی - ایم بی - بی - ایس - طبابت و ثقاہت، شرافت و نقاہت میں والد ماجد کے نقشِ قدم پر چلے بلکہ ان سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے۔ چھوٹے نے علم و فضل صلاح و تقوے اور صحیح روشن خیالی کی ایک نظیر قائم کردی۔ صاحبزادی نے "فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتاً حسناً" کے مصداق خدمتِ دین کی توفیق ایک نئے رنگ سے پائی۔

انکے چھوٹے بھائی مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب قصص النبیین للاطفال اب نہ کسی تعریف کی محتاج نہ تعارف کی۔ سلیس شستہ عربی میں پیمبروں کے سچے سبق آموز ہدایت مالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل۔ حصہ اول کئی روز ہوئے شایع ہو چکا ہے اور حصہ دوم اب شایع ہو رہا ہے۔ ان ہی صاحبزادی نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اُردو میں منتقل کر دیا ہے۔ اور افادیت کا جو حلقہ پہلے بھی ماشاء اللہ اچھا خاصہ وسیع تھا اُسے اب وسیع تر کر دیا ہے۔

قصص النبیین اصلاً عربی کے مبتدی طلبہ کے لیے خاص تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھی گئی، اور سرسری نظر سے دیکھیے تو صرف ایک درسی اور تعلیمی کتاب معلوم ہوگی۔ لیکن حقیقۃً علم کلام کی کتاب ہے۔ ایمان کے مسائل، توحید کے دلائل جس حسنِ لطافت سے اسکے اندر جمع کر دیے گئے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہے — ادھر زبان عربی کے اسلوب بیان کے اصول سمجھ...

اُدھر قلب ایمان اور قرآن کے حقائق سے معمور ہوتا گیا — ناظم نے نشو و نما پائی، روح نے بھی بالیدگی محسوس کی۔

اللہ کے ان پیام لانے والوں کو اپنے اپنے زمانہ میں کیسی کیسی مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ کیسے کیسے معرکے سر کرنا پڑے ہیں۔ اب نوحؑ و ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ، یعقوبؑ و یوسفؑ، ہودؑ و صالحؑ، یونسؑ و شعیبؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ (اللہ کی بے شمار رحمتیں ان پر نازل ہوں) تو نظروں کے سامنے موجود نہیں۔ لیکن انکی تاریخیں اور سرگزشتیں ہیں، اور دورِ جدید کے منکروں اور کافروں کو سب سے زیادہ انھیں اسی سلسلہ میں پیش آ رہی ہیں — ادریسؑ کس زمانے میں ہوئے ہیں، اور ذوالکفل سے کونسی شخصیت مراد ہے؟ لوطؑ کا ملک کون سا تھا، اور طوفان نوحؑ کہاں تک پھیلا تھا؟ موسیٰؑ کا معاصر کون سا فرعون تھا، یا کون کون سے فرعون تھے؟ اور عیسیٰؑ کا آخری انجام اس دنیا میں کیا ہوا؟ بیسیوں بلکہ سیکڑوں سوالات اسی نوعیت کے آج مذہبیات کے ہر متعلم کو پیش آ رہے ہیں۔ اور مبارک ہے وہ اہل قلم جسکا قلم ان گتھیوں کو حل کرتا جائے۔

فلسفۂ یونان اور معقولات کسی زمانہ میں اسلام کے دشمن ہونگے، آج تو اسلام کے پہلوان کو سب سے زیادہ مقابلہ تاریخ اور جغرافیہ اور معاشیات و سیاسیات کے میدانوں میں کرنا ہے۔

رائے بریلی ہی کا ایک سید زادہ کبھی ہجرت و جہاد کے شوق میں وطن سے بے وطن ہوا تھا اور قلعہ بالاکوٹ (پشاور) کی سرزمین پر اپنی زندگی کے حق سے ادا ہو گیا تھا۔ آج اللہ کے دین کو نصرت کے لیے تلوار سے بھی کچھ زیادہ قلم کے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اسی خاندان سے پھر ایک سید اُٹھا ہے۔ اور ابھی اسکے ہمراہ ایک برقع پوش سیدانی بھی ہے — غزوات نبوی میں شہیدوں اور غازیوں کی خبرگیری و تیمارداری کرنے والیوں کی یاد تازہ کر دینے والی!

آج مسلم خاتون غیروں کی دیکھا دیکھی کہاں سے نکل کر کہاں پہونچ گئی ہے۔ گھر سے نکل کر اسکول، اسکول سے کالج، اور پھر سیوزک ہال اور سینما گھر اور بے حجابی اور بے حیائی کا ہر اڈہ اور ہر منزل! — عین اس نشہ اور اس ماحول میں جو بہن دین کی خدمت کے لیے نکلی ہیں وہ اچھی مسلمان کا نام کچھ تو اُجلا کر رہی ہیں۔ اللہ انکی ہمت میں برکت اور ارادوں میں استقلال نصیب کرے۔

کتاب ترجمہ نہیں، ترجمہ سے کچھ بڑھکر ہے۔ زبان کی خوبیاں صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، "مشک آنست کہ خود ببوید" — جو لڑکے اور لڑکیاں اسے پڑھینگے وہ ساتھ ہی ساتھ اُردو زبان بھی سیکھتے جائنگے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب میں صرف دو جگہ حرف رکھنے کی گنجایش نظر آئی۔ ایک بالکل شروع یعنی پہلے صفحہ کی پہلی سطر میں، "شہر اور گاؤں" نہیں "ایک مشہور شہر" تھا۔ اور دوسرے ص ۳۲ میں ختم صفحہ کے قریب "پارچہ جانور" کے بجائے "چار پرندے" ہونا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی ناکام تصنیف

نمبر (۱)

(از مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

ڈاکٹر ٹسڈل کی طرف ماخذ القرآن کے نام سے جس کتاب کا انتساب کیا گیا ہے وہ تدلیس و تلبیس کا ایک اعلیٰ نمونہ اور مغرب کے علمی افلاس کی واضح دلیل ہے۔ نیز تصنیفی حیثیت سے اسقدر ناکام کہ اسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔

سطور ذیل میں ہم اس نام نہاد تصنیف کو [illegible] حیثیت سے جانچنا چاہتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب تلاش و تحقیق کے [illegible] سے کس قدر خالی ہے؟ اس کتاب کے تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید نعوذ باللہ وحی الٰہی نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور اسکا ماخذ دوسرے مذاہب کی روایات اور صحیفے ہیں! ڈاکٹر صاحب ایک محقق اور مصنف کی حیثیت سے اس دعوے کو لیکر سامنے آئے تھے تو انکا فرض تھا کہ وہ اپنے موضوع کے تمام اطراف و جوانب کو سامنے رکھتے اور اپنے ناظرین سے داد تحقیق حاصل کرتے مگر افسوس وہ ایسا نہ کر سکے

(۱)

(۱) اس سلسلہ میں پہلی قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت بھی بعض لوگوں نے کہا تھا کہ قرآن وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ بشر کا کلام ہے (قال الذین کفروا ان ہذا الا افک افتراہ و اعانہ علیہ قوم آخرون - فرقان) ترجمہ۔ جب لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا کہ یہ بناوٹی طوفان ہے اور اسکی دوسروں نے مدد کی ہے۔

قرآن نے ان منکرین الہام کی تردید کی اور اس سلسلہ میں کہا کہ اگر یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ بشر کا کلام ہے تو تم بھی ایسا ہی کوئی کلام بنا کر لے آؤ؟

ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات - (ہود - ۲)	کیا کہتے ہیں کہ اسکو گھڑ لایا ہے کہدو کہ تم بھی ایسی ہی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کسی کی امداد سے (نعوذ باللہ) اسکو تصنیف کیا ہے تو تم بھی اپنے تمام اعوان و انصار کو جمع کر لو۔

وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین - ہود ۲	اور بلا لو جس کو بلا سکو خدا کے سوا اگر تم سچے ہو۔

سورہ بقرہ میں اسکے بجائے ایک سورہ کا مطالبہ کیا گیا۔ سورہ طور میں صرف ایک بات تک اس مطالبہ کو محدود کر دیا۔ اصول تصنیف کے لحاظ سے ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ یا تو قرآن کے اس مطالبہ کا جواب دیتے اور قرآن کے مقابلہ میں کوئی چیز پیش فرماتے یا قرآن سے اس مطالبہ [illegible] کوئی نقص وارد کرتے کہ جس سے قرآن کا یہ مطالبہ [illegible]

خلاف معلوم ہوتا، لیکن ڈاکٹر ٹسڈل نے اس مضمون کو ہاتھ ہی نہیں لگایا!

قرآن نے اس شبہ کا دوسرا جواب دیا

و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا	اگر خدا کے سوا کسی کے پاس سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے

مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں مختلف النوع مضامین ہیں کہیں عقائد کا بیان ہے، کہیں معاملات کی تحقیق ہے کہیں اخلاق سے بحث ہے، کبھی موت کا عالم سامنے ہے، کبھی جنت و دوزخ کا نقشہ سامنے ہے۔ کہیں امم سابقہ کے حالات بیان ہوتے ہیں کبھی آنے والے واقعات کے متعلق اشارے کر دیے جاتے ہیں

کبھی مشرکین کی تردید ہے، کہیں یہود و نصاریٰ سے مناظرہ ہے۔ الغرض متنوع بیانات ہیں اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اسکے کسی حصہ میں کوئی سقم پایا جاتا۔

زمانۂ نزول قرآن سے لیکر آج تک منکرین قرآن پر یہ فرض باقی ہے کہ وہ قرآن کے مضامین [illegible] اور [illegible] اسلوب بیان پر دجل و تلبیس کے ساتھ نہیں [illegible] واقعی [illegible] وارد کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے [illegible] اور ہرگز نہ کر سکینگے تو انکو قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کرنا پڑیگا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا یہ فرض تھا کہ وہ قرآن کے اس استدلال کا کوئی جواب دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔

قرآن نے اس شبہ کا تیسرا جواب دیا کہ زمانۂ نزول قرآن کے اہل کتاب کے علماء جو آسمانی کتابوں کی [illegible] اور [illegible] علامات سے واقف ہیں وہ قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

والذین آتیناہم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق (انعام)	اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ واقعی خدا کے پاس سے اترا ہے۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ یا تو قرآن کے اس دعوے کی تکذیب کرتے اور دلائل سے ثابت کرتے کہ اس قسم کی آیات کے نزول کے بعد علماء اہل کتاب نے اس سے اپنی برأت کی [illegible] اقرار [illegible] کہ واقعی علماء اہل کتاب نے قرآن کو [illegible]

---

(۲)

افسوس کہ ڈاکٹر ٹسڈل نے اپنی تصنیف میں قرآن کے ماخذ کی تلاش کرنے میں مضامین قرآن کا استقصا نہیں کیا۔ قرآن میں صرف عقائد اور امم سابقہ کے حالات ہی نہیں ہیں، بلکہ اسکے سوا اور بھی چیزیں ہیں۔ ڈاکٹر ٹسڈل کا یہ فرض تھا کہ وہ ہر نوع کی آیات کے ماخذ کا سراغ لگاتے۔ ممکن تھا کہ اسی جد و جہد [illegible] بھی نظر آ جاتی۔ مثلاً [illegible] آدم کے متعلق [illegible]

[illegible] سے دور اور اور [illegible]

اعتبار سے ناقابل یقین پیشنگوئی فرمائی تھی کہ وہ چند سال میں غالب آجائیں گے

وہم من بعد غلبہم سیغلبون (روم)	اور وہ انکے غالب کرنے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔

چند سال میں یہ پیشینگوئی پوری ہو جاتی ہے اور قریش کے بہت سے لوگ اسکو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ اس پیشنگوئی کا ماخذ کیا تھا؟ یعنی اسوقت جبکہ یہود اپنی قوت اور شوکت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ زبان رسالت نے اعلان کیا

ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس	اور اُن پر رسوائی مقرر کی گئی جہاں بھی پائے جائیں۔ لیکن خدا یا آدمیوں کے سے!

تو بتائیے کیا اس پیشنگوئی کے صادق ہونے کے خلاف کوئی شہادت پیش کی جا سکی؟ اور کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ایسی صحیح پیشنگوئی کا ماخذ کیا تھا۔ منافقین کو خوف تھا کہ کہیں انکا نفاق بذریعہ وحی آشکارا نہ کر دیا جائے۔ نفاق سے قطع نظر انکے اس خطرۂ قلبی کو وحی الٰہی نے یوں ظاہر فرمایا

یحذر المنافقون ان تنزل علیہم سورۃ تنبئہم بما فی قلوبہم (توبہ)	منافقین ڈرتے ہیں کہ انکے متعلق کوئی سورۃ اُترے جو انکے دل کی باتوں کی خبر دے!

ڈاکٹر ٹسڈل کو نشاندہی کرنا چاہیے کہ منافقین کے اس خطرۂ قلبی کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوا؟

ڈاکٹر ٹسڈل کا دعوے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یہودی عربوں سے یہودی روایات کو اخذ کیا۔ لیکن اُن عربوں کا حال اُنکے نزدیک یہ تھا،

"عرب یہودی جنکو یہ دعویٰ تھا کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور انھیں مقابلۃً بائبل کے تالمود کی روایات زیادہ معلوم تھیں ص۲۲"

عیسائیوں کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے

"وہ لوگ جو محمد پر ایمان لائے تھے اُن میں سے کوئی بھی سچا اور اچھا تعلیم یافتہ عیسائی نہیں تھا۔ ص۱۲

ڈاکٹر ٹسڈل کے یہ بیانات ذہن نشین رہیں۔ اسکے بعد اس پر غور کیجیے کہ قرآن مجید یہود و نصاریٰ کو سخت سے سخت وعید سناتا ہے اور انکی ایک ایک اخلاقی کمزوری اور معاشرتی پستی کی پردہ دری کرتا ہے انکی تحریف و تاویل کا راز فاش کرتا ہے لیکن یہ لوگ ایسے عاجز ہیں کہ زبان سے بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ تم جاہل عربوں اور ناواقف اہل کتاب سے مضامین حاصل کرتے ہو اور پھر ہمارے مقابلہ میں آتے ہو؟ قرآن نے کہا

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب

یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب	پیغمبر آیا وہ ظاہر کرتا ہے تمہارے لئے بہت اُس میں سے جو چھپاتے ہو تم کتاب میں سے۔

ایک دو نہیں بلکہ یہ "کثیر" امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل عربوں سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور پھر وہ عرب جنکو بقول ڈاکٹر ٹسڈل بائبل سے زیادہ تالمود سے دلچسپی تھی وہ تو اس سلسلہ میں اور بھی بیکار تھے۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو بتلانا چاہیے تھا، کہ یہ "مخفی" امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوئے؟ اور اگر قرآن کا یہ دعوے "نعوذ باللہ" صحیح نہ تھا، تو کیا یہود و نصاریٰ نے اسکے جواب میں کوئی آواز بلند کی تھی - قرآن نے خبر دی کہ بعض پاک چیزیں یہود پر اُنکی بد اعمالیوں کی وجہ سے حرام کی گئی ہیں۔

فبظلم من الذین ہادوا حرمنا علیہم الطیبات	یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام کر دیا۔

یہود کو اس سے انکار تھا قرآن نے اُن سے کہا کہ تم سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو دیکھو اس میں کیا ہے

قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوہا ان کنتم صادقین	کہیے کہ توریت لاؤ اور اُسکو پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اس قدر پُر زور مطالبہ کیا جاہل عربوں سے سُنی ہوئی باتوں پر ہو سکتا تھا اگر یہود کو وہم بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائبل کے مضامین سے واقف ہیں تو وہ قرآن کے اس دعوے کے انکار کی جرأت نہ کرتے بہر حال وہ قرآن کے اس مطالبہ سے پریشان ہو گئے۔ اور توراۃ کے پیش کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا تصنیفی فرض تھا کہ اس قسم کے امور کا وہ اپنی تصنیف میں جواب دیتے، انکے ماخذ بتلاتے اور اپنے ناظرین کی تسلی کا سامان بہم پہنچاتے۔

---

(۳)

ڈاکٹر ٹسڈل کا اصل موضوع یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا سراغ لگا ئیں۔ لیکن داد دیجیے اُنکے اس عدل و انصاف کی کہ جب وہ اپنے نتائج تحقیق پیش کرنے لگتے ہیں تو قرآن کے بجائے کتب تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں یا ان کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جو عموماً پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور آتش نمرود کے واقعہ کا جب سراغ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا ماخذ تو فلاں کتاب ہے اور اسلامی ماخذ میں یہ واقعہ ابو الفداء اور عرائس المجالس میں موجود ہے۔ گویا فاضل مصنف کے نزدیک کسی واقعہ کا ابو الفداء اور عرائس المجالس میں ہونا عین قرآن میں ہونا ہے

ببیں تفاوت عقل از کجاست تا بکجا

اسی طرح ہاروت و ماروت، گو سالۂ سامری، کوہ قاف

بعض کو دم وغیرہ کے متعلق وہ کچھ بیان کرتے ہیں، اس میں وہ ایک بات قرآن سے لیتے ہیں باقی روایات ابو الفداء، عرائس المجالس، تفسیر عباسی، اور قصص الانبیاء وغیرہ سے بیان کرتے ہیں پھر ان کتابوں کی روایات یا ان سے ملتی جلتی چیزیں جب انکو اسرائیلیات یا کسی دوسرے دفتر میں ملتی ہیں تو ڈاکٹر صاحب جوش سے پکار اٹھتے ہیں کہ "دیکھو یہ ہے قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ!"

(۴)

ڈاکٹر ٹسڈل کی اس تصنیف کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام سے پیشتر کسی صحیفہ یا کسی مذہبی روایت میں انکو خدا، بہشت، جہنم، فرشتہ، شیطان، لوح محفوظ، میزان، عرش، اور اسی قسم کی مذہبی چیزوں کا نام مل گیا، اور یہی نام اُن کو اسلامی تعلیمات میں بھی ملے، دونوں کے حقائق کا مقابلہ کیے بغیر اُنھوں نے یہ حکم لگا دیا کہ اسلام کا فلاں عقیدہ فلاں مذہبی روایت سے ماخوذ ہے۔ اگر ڈاکٹر ٹسڈل اسلامی تعلیمات سے کما حقہ واقف ہوتے تو غالباً وہ ایسی واضح غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ قرآن کا یہ دعوےٰ اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ وہ اگلے صحیفوں کی صحیح تعلیمات کا حامل ہے۔ اور اسی لیے دوسرے آسمانی صحیفوں اور قرآن کے مضامین میں کہیں تطبیق پائی جاتی ہے۔ اور یہ قرآن کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس مطابقت سے یہ سمجھنا کہ قرآن ان صحیفوں سے ماخوذ ہے، معلوم نہیں کس منطقی دلیل کا نتیجہ ہے؟ لیکن یہاں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹسڈل جن چیزوں کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا ماخذ ہے، اُن کا یہ کہنا غیر صحیح اور انکی نشان دہی غلط ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر موصوف نے یا تو خود بُری طرح فریب کھایا ہے یا اپنے ناظرین کو بُری طرح فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

بے شبہ عقائد کا ذکر دوسرے آسمانی صحیفے بھی کرتے ہیں، لیکن اگر اسلام کے بتلائے ہوئے اعمال میں اور اُن دوسرے مذہبی صحیفوں یا مذہبی روایات کی تعلیمات میں بالکل یکسانی تھی تو عرب کا ذرہ ذرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحابؓ کا دشمن کیوں ہو گیا تھا؟ اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کو مصائب کا نشانہ کیوں بننا پڑا؟

فاضل مصنف نے بار بار اپنی تصنیف میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی خاطر فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا، یہود کو مائل کرنے کے لیے فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا۔ نصاریٰ کی رضامندی کے لیے فلاں عقیدہ قبول کر لیا۔ مجوس کی خاطر فلاں بات قبول کر لی۔ لیکن اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا یہ تمام فرق باطلہ اس ترکیب سے رام ہو گئے؟ کیا مصنف نے عہد رسالت کی تاریخ سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔

خدا کو کیوں مانا جائے؟ اُسکی صفات کیا ہیں؟ اسکی توحید کی دلیلیں کیا کیا ہیں؟ اُسکا اور بندہ کا تعلق کیا ہے؟ رسول دنیا میں کیوں آتے؟ رسولوں کی پہچان کیا ہے؟ انکا تعلق خدا کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ کتاب الٰہی کا مقصد کیا ہے؟ سچے کتاب الٰہی کس طرح فیصلہ کیا جائے؟ فرشتہ اور خدا کا تعلق کیا ہے؟ فرشتوں کا کام کیا ہے؟ موت کیا ہے اور قیامت کیا ہے؟ موت سے لیکر قیامت تک، اور قیامت سے لے کر ابد تک کیا ہوگا؟ قیامت کا تصور انسانوں کیلئے کیوں ضروری ہے؟ جزا و سزا کے اصول کیا ہیں؟ کیا قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے ان سوالات کا مفصل اور مکمل جواب دیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ محض اشتراک اسمی کو نہ دیکھتے بلکہ انکی حقیقتوں کا مقابلہ کرتے، اسکے بعد اس سلسلہ کی اسلامی تعلیمات کے ماخذ بتاتے، تو دنیا اُنکی ممنون ہوتی۔

خدا کی عبادت کا حکم کس مذہب نے نہیں دیا؟ لیکن قرآن کے سوا کس نے بتلایا ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ اسکا فائدہ کیا ہے؟ عبادت کے لائق کون ہے؟ خدا کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں نہ کی جائے؟ بدنی عبادتیں کس طرح کی جاتی ہیں؟ مالی عبادت کی اور انکی ادا کا کیا طریقہ ہے؟ عبادت قلبیہ کے اصول کیا ہیں؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ اسلام کی ان تعلیمات کے ماخذ سے اپنے ناظرین کو محروم نہ رکھتے!

حسن اخلاق کے حکم سے کون آسمانی صحیفہ خالی ہے لیکن یہ کہ حسن اخلاق کا معیار کیا ہے؟ حسن اخلاق کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اخلاق حسنہ اور ایمان کا تعلق کیا ہے؟ علم الاخلاق کے ان مسائل کو قرآن کے سوا کس نے حل کیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ ان تعلیمات کے ماخذ کی بھی نشان دہی کرتے اور دنیا سے خراج تحسین وصول کرتے۔

عقائد و اعمال کے سوا قصص قرآن کے ماخذ بتانے میں بھی دانستہ یا نادانستہ ڈاکٹر ٹسڈل اسی مغالطے کے شکار ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے روایات یہود و نصاریٰ میں کسی واقعہ کو دیکھا اور اس سے ملتا جلتا واقعہ قرآن میں بھی دیکھا بس سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا کہ قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ فلاں یہودی اور نصرانی روایت ہے۔ انکو یہ غور کرنا چاہیے تھا کہ یہود و نصاریٰ کے علما نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ قرآن بار بار انکو اپنی سند میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں بیشک اسکو اہل کتاب . . .

مراسلہ

مکرم جناب مدیر صاحب صدق - السلام علیکم - براہ کرم ۲۶ جون ۵۲ء
کے صدق میں جو نوٹ بعنوان "شرعی کنیزیں" شایع ہوا ہے، پھر
ملاحظہ فرما لیں - معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے - اس
سلسلہ میں آپ کی توجہ پانچویں سیپارے کے پہلے رکوع کی طرف
منعطف کراتا ہوں - آیت ۲۹ کا ترجمہ، ترجمان القرآن مرتبہ
مولانا ابوالکلام آزاد جلد اول صفحہ ۳۰۲ سے نقل کر کے درج ذیل کرتا ہوں،
تاکہ آپ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈال سکیں -

" اور تم میں سے جو آدمی اتنا مقدور نہ رکھتا ہو کہ مسلمان بیبیوں سے
نکاح کرے، تو اُن مومن لونڈیوں سے نکاح کرلے جو تمہارے قبضہ
میں آ گئی ہوں ۔۔۔۔۔۔ الخ "

مزید یہاں انہیں سیپارے کے پہلے رکوع کی تفسیر جلد دوم
میں ملاحظہ فرما کر اپنے ارشادات گرامی سے ناظرین صدق کو مستفید
فرمادیں تاکہ ذہن سے الجھن دور ہو - والسلام

نیازمند - مسعود شامی

صدق - اپنی محدود بساط و بصیرت کے مطابق جو صحیح
اسلامی مسئلہ تھا، وہ اسی نوٹ میں عرض کیا جا چکا ہے، خدمتگاری کے
ساتھ ازدواجی تعلق اور کامل معاشرت کا اعلان عام، جیسے خود ایک
نکاح اور حقوق کا پورا قائم مقام ہے اسکے علاوہ کسی اور نکاح
شرعی کی ضرورت، قرآن مجید یا حدیث نبوی سے ثابت نہیں جس
کسی اہل علم نے ایسا لکھ دیا ہے، ضرورت اُس سے دلیل طلب کرنے
کی ہے -

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(... بھوپال) دوسرے رسالہ کا تراشہ موصول ہوا، تقسیم میراث
کا اصل اصول یہ ہے کہ براہ راست وارث کی موجودگی میں بالواسطہ عزیز کو
میراث نہیں پہنچتی - اس لیے زید متوفی اگر اولاد چھوڑ گیا ہے تو اسی کو
حصہ ملیگا - اولاد در اولاد کو نہ ملیگا - اسی قاعدہ کے ماتحت یتیم پوتا محروم
رہتا ہے - فقہ میں یہ مسئلہ بہت صاف ہو چکا ہے - اب جو کوئی اصل
قاعدہ پر اعتراض کرتا ہے، وہ شریعت سے جنگ کر رہا ہے -

تصحیح صدق ۱۹

صا کی، پیرا ۲ - ۴۰ اب کے بجائے دونوں جگہ ۴۰ نیل پڑھیے -
صہ کا کے شذرہ " ادب صالح کے آخر میں قوسین (بریکٹ) کے بعد
" کے دور میں " بڑھائیے -

شیخ شوکت حسین نے مسیح پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج
لکھنؤ سے شایع کیا

الا من جاء بالصدق وصدق به اولٰئک هم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

اڈیٹر: عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب مدیر: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پریس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار "
بیرون ہند سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲
(ٹیلیفون نمبر ۴۹)

صدق

(رجسٹرڈ نمبر ل ۴۱۰۱)

نمبر ۱۲ | یوم شنبہ - ۹ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ - جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا.... سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے ناتواں قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے - ہند، ابو سفیان کی بیوی آگے آگے تھیں، اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں - اشعار یہ تھے، ؎

نحن بنات طارق | ہم تالینوں کے اوپر چلنے والیاں ہیں
نمشی علی النمارق | اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو تمھیں گلے لگا لینگے
ان تقبلوا نعانق | اور اگر پیچھے قدم اُٹھایا تو تم سے الگ ہو جائینگے"
وان تدبروا نفارق |

(سیرۃ النبی، شبلی، جلد اول ص ۲۶۳)

مشہور ومعروف جنگ اُحد میں ناتوانان قریش کا جنگ میں شریک ہونا، بلکہ صف جنگ میں آگے آگے ہونا، ساز بجا بجا کر پُرجوش نظمیں پڑھنا، جوانان قریش کو جنگ کیلئے مستعد کرنا، تاریخ کا ایک مشہور ومسلم واقعہ ہے — اور یہ کوئی بھی نہیں لکھتا کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخ قریش میں بالکل انوکھا تھا - یا یہ کہ اسکی کوئی مثال انکے ہاں ملتی ہی نہیں! اہل جاہلیت اس طرز عمل سے بخوبی مانوس اور آشنا تھے!

آج جو جنگ یورپ میں آپ جنگ اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ دیکھ رہے ہیں، جنگ کے ہر ہر شعبہ اور ہر ہر صیغہ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو دیکھا ... اخبارات میں پوری پوری زنانہ پلٹنوں کی تصویریں دیکھ چکے ہیں، اپنی آنکھوں سے ہر بڑے شہر میں فوجی عورتوں کو مردانہ وردی میں چلتے پھرتے ملاحظہ کر چکے ہیں، ان سب میں ایسی نئی کونسی بات ہے؟ یہ تو وہی پرانی سنت جاہلی ہے - جو آج پھر امریکہ میں اور روس میں، اور برطانیہ میں، اور آسٹریلیا میں نئے نئے ناموں اور خوشنما لقبوں کے ساتھ زندہ ہوئی ہے۔ — حجاب و نقاب کی قیدوں سے تو جاہلیت کی آزاد خیال آزاد عمل آزادی پسند، آزادی خواہ عورت کو ہمیشہ چڑھ رہا ہے، اور یہ تو محض تہذیب اسلامی تھی جس نے ان بے قیدیوں اور بیباکیوں کا ترجمہ "آوارگی" سے کیا تھا - "ترقی پسند" عورت ان بندشوں کو توڑ کر اب پھر آزاد یا آوارہ ہوئی ہے، اور "بزم و رزم" دونوں میں مردوں کے پیچھے رہنے کا نہیں، اُنکے آگے چلنے کا مطالبہ کر رہی ہے!

تناسخ پر ایک نظر

ایک مولوی صاحب کا مراسلہ:

"اسلام میں قرآن اور حدیث کے نقطۂ نظر سے تناسخ کی تردید کی واضح طور پر ضرورت ہے - عقلی دلائل تو موجود ہیں مگر نقلی دلائل کی ضرورت ہے - اگر جزا عین عمل کے نظریہ کو تسلیم کرلیا جائے جیسا کہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو سکتا ہے تو کیا تعبد لازم آئیگا - کیا قرآن سے جزا و عمل کی مناسبت پر کوئی

روشنی ڈالی ہے یا نہ؟"

جزاء اعمال کا اسی عالم کے مطابق نہ ہونا سب ہی مانتے ہیں، بیشک قرآن مجید سے ثابت ہے (جزاؤ وفاقا، وغیرہا) حدیث نبوی اور بہا شتقاقات صوفیہ سے تائیدی شہادتیں اسکے علاوہ۔ لیکن اس جزاء اعمال کا ظہور یہ عالم آب و گل نہیں، اسکے بعد کا عالم آخرت ہوگا۔ قرآن مجید اسی تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ کوئی ایک دو آیتیں ہوں، تو نقل کر دی جائیں۔

تناسخ والوں کا اسکے بالکل برعکس یہ دعوے ہے کہ جزاء کا مکمل ظہور یہیں عالم میں ہوتا ہے۔ سزا یہیں ملتی رہتی ہے، اور روح قدیم ہے، اسے فنا نہیں۔ وہ برابر ستور قائم رہتی ہے، اور صرف قالب بدلتی رہتی ہے اور یہ دونوں دعوے اسلام کے بنیادی عقائد ہی کے منافی ہیں۔

تناسخ کی تہ میں چونکہ روح کے قدیم و غیرفانی ہونے کا عقیدہ کام کر رہا ہے اس لیے یہ حقیقت ذرا بھی تعجب نہیں کہ تناسخ تقریباً تمام مشرک قوموں میں مشترک ہے۔ برخلاف اسکے اہل کتاب میں سے یہود نے بھی توحید کی بنا پر اس سے ابا و انکار کیا ہے، البتہ نصاریٰ پر چونکہ یونانی اور رومی شرک اچھی طرح غالب آ گیا، اس لیے وہ تثلیثی شرک کے ساتھ ساتھ، حضرت مسیح کی ذات کی حد تک تناسخ کے بھی قائل ہو گئے۔ ان کا یہ عقیدہ کہ مسیح بعد وفات دنیا میں دوبارہ تشریف لانا تناسخ ہی کی ایک صورت ہے۔ اہل قادیان جب گمراہ ہوئے، تو مسیحیوں کی تقلید میں انھوں نے بھی حضرت مسیح کی وفات کو تسلیم کر لیا، لیکن کلمۂ توحید کی برکت سے بہرحال اسکے قائل نہ ہو سکے کہ بجنسہ وہی متوفی مسیح ابن مریم دنیا میں دوبارہ آئیں گے، اور اس طرح تناسخ کی شدید تر گمراہی سے بال بال بچ گئے۔

مرض اور دوائے مرض

بمبئی کے ایک مشہور اردو روزنامہ کا اداریہ شذرہ :-

"ایک عرصہ سے بمبئی میں ڈکیتی، قتل، خون اور عصمت فروشی کا بازار حد سے زیادہ گرم ہے۔ روزانہ نہایت دردناک اور افسوسناک واقعات اخبارات کے کالموں میں آتے رہتے ہیں، اور بتاتے رہتے ہیں کہ بمبئی کا امن و امان اور اخلاق کس حد تک تباہ ہو چکے ہیں۔

اخلاقی جرائم اور قتل و خونریزی کے واقعات میں اضافہ کا سبب صرف یہ ہے کہ بمبئی میں شراب سازی، شراب فروشی، اور شراب نوشی نیز قمار بازی وغیرہ جیسے فساد انگیز اعمال کی حیات ہے۔ پولیس دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کرتی۔ کرتی بھی ہے تو محض برائے نام۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس قسم کے گندہ اعمال کی آزادی ہو، وہاں چوری، ڈکیتی، قتل و خونریزی اور عصمت فروشی کے سوا اور کسی چیز کا دور دورہ نہیں ہو سکتا۔"

بالکل سچ ہے، لیکن اس میں قید اور خصوصیت بمبئی کی کیا ہے؟ کلکتہ کا کیا حال ہے؟ اور پھر دہلی اور لاہور اور کانپور کو کیوں بھولیے ——— صاحب کی لائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی ان ترقیوں کے قدم تو جہاں جہاں بھی جس درجہ میں پہونچے ہیں، سب کا حال ایک سا ہے۔ قرآن اور شریعت کی حکومت اگر ہوتی تو یہ بڑے بڑے بینک (سود خواری کے اڈے) اور بڑے بڑے سینما (ہر قسم کے فحش اور فسق کے مرکز) اور یہ بڑے بڑے کلب اور ریسٹوران (جوئے اور شراب کے اڈے) یقیناً نہ ہوتے، اور ساتھ ہی نہ کہیں عصمت فروشی کا بازار لگتا، نہ ملک بھر میں کوئی شرابی اور شراب فروش نظر آتا، اور نہ کوئی جواری اور نہ کوئی خونی اور ڈاکو!

یہ ترکی ہے!

"جس طرح ترکی انقلاب کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے ہیں، اسی طرح فن و ادب میں بھی نئی طرحیں ڈالی گئی ہیں۔ پہلے عام طور پر مصوری، بت تراشی، موسیقی اور تھیٹر کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی تھی۔ اتاترک کے حریت آفریں اثر نے صورت گری، موسیقی اور تھیٹر میں نئی روح پھونک دی ہے.....

اتاترک کے جو مجسمے آسٹریا، جرمنی اور اٹلی کے صناعوں نے تیار کیے تھے، انھیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کرنے سے جدید ترکی میں بت تراشی کا شوق پیدا ہوا۔ استنبول میں فنون لطیفہ کی بھی ایک اکاڈمی قائم ہوئی اور ترکی کے نوجوان طلبہ کو تعلیم دینے کے لیے غیرملکی فنکار بلائے گئے۔ چنانچہ آج بہت سے قابل فخر فنکار پیدا ہو گئے ہیں.....

اتاترک نے سرکاری تقریبات کے موقع پر مقامی غیرملکی آرکسٹرا (ساز) کو رائج کیا، اور بڑے بڑے افسران اور تہذیب یافتہ لوگوں کو مغربی موسیقی سے واقفیت پیدا کرنے پر آمادہ کیا۔ اس طرح موسیقی میں مغربیت پسندی کی تحریک کا نشو و نما ہوا، اور انقرہ میں موسیقی اور اداکاری کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔...

ادھر ترکی میں تھیٹر پر بھی کافی توجہ کی گئی ہے۔ اور دو سال کے عرصہ میں اس نے نمایاں ترقی کی ہے۔ چنانچہ انقرہ میں ایک خوبصورت اعلیٰ درجہ کا جدید ساز و سامان سے آراستہ تھیٹر ہے جو خوش مذاق لوگوں میں بہت مقبول ہے۔" (آجکل۔ بمبئی۔ سنڈے ایڈیشن۔ ۸- جولائی ۴۵ء)

یہ ساری منقبت سرائی دوست، مداح، قدردان کی زبان سے ہے۔ مخالف و معترض کے قلم سے نہیں! ——— گویا مختصر لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ اتاترک بہادر نسل کی ایک اعلیٰ شاخ کو اپنے نالی خوب چمکا گئے، اپنی قوم کو مصوروں، بت تراشوں، نقالوں، گویوں سے بھر دیا۔ اپنے ذہن رسا سے پیمبر کی امت کو اس میٹھے زہر کی چاٹ لگا دی، جہاں تک رسائی نہ بادشاہ اکبر کی ہوئی تھی نہ بادشاہزادہ دارا شکوہ کی! ——— واقعی افلاس اور قرابت

یہ مرعوبیت کی انتہا ہے، انہیں اتوائی صورتوں کا نام تجدد ہے!

قدیم صحیفوں کی زبان

صوبۂ سرحد سے ایک سوال:۔

"توریت، انجیل کی الہامی زبان عبرانی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جس پیمبر کی جو زبان ہوتی ہے، اسی میں اُسے پیام لوگوں کو پہنچانے کے لیے دیا جاتا ہے۔ یہ عقلی بھی ہے، اور قرآن مجید بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ اب یہ ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کی زبان عبرانی تھی (اور یہی کل بنی اسرائیل کی زبان تھی) اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں یہ بدل کر سریانی (شامی) ہو چکی تھی۔ اسکے بعد یہ کھلا ہوا رہ جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے الہامات اپنی عبرانی زبان میں تھے، اور حضرت عیسیٰ کے نئی سریانی میں۔

دائرۃ المعارف (دکن)

سلطنت آصفیہ دکن کے مفید ترین اور قدیم اداروں میں سے اسکا علمی حلقوں میں مشہور و معروف نام دائرۃ المعارف العثمانیہ ہے۔ مقصد اسلامی علوم کی نشر و احیاء اور نادر عربی کتابوں کی طبع و اشاعت ہے۔ ادارے کے ناظم انتظامی مولانا محمد الیاس برنی ایم۔اے ہیں۔ ان کی طرف سے مطبوعات ذیل وصول ہوئی ہیں:۔

(۱) مسند ابی عوانہ، حصہ اول
(۲) " حصہ دوم
} حافظ ابو عوانہ اسفرائنی (المتوفی ۳۱۶ھ) ایک قدیم اور نامور محدث گزرے ہیں۔ یہ انکا مجموعۂ احادیث دو ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۳) تاریخ الکبیر، جلد اول
(۴) " جلد دوم
} مشہور امام المحدثین امام بخاریؒ کی یہ تاریخ صحابہ و تابعین ہے۔ جلد (۲) پہلے طبع ہو چکی ہے۔

(۵) مشکل الحدیث
} چوتھی صدی ہجری کے حافظ ابن فورک کی جلیل القدر تصنیف ہے

(۶) کتاب المحبّر
} محمد بن حبیب بغدادی (۲۴۵ھ) کی ضخیم کتاب تاریخ عرب: ابتداء اسلام پر ہے۔

(۷) کتاب الافعال جلد ۳
} ابن قطاع لغوی کی کتاب لغت پر ہے۔

(۸) کتاب المختارات، جلد اول
(۹) " جلد دوم
(۱۰) " جلد سوم
} فن طب پر ابن ہبل بغدادی (المتوفی ۶۱۰ھ) کی یہ نایاب کتاب ہے۔ علم الامراض اور علم الادویہ دونوں کی جامع۔

(۱۱) فہرست المنتظم، جلد ۸
(۱۲) " جلد ۹
} ابن جوزیؒ کی ضخیم تاریخ المنتظم جلد ۸ و ۹ کا یہ مفصل انڈکس (اشاریہ) ہے۔

(۱۳) کتاب الاعلام وغیرہ۔ | عاملی (۶۱۰ھ) کے تین رسالوں کا مجموعہ ہے۔

کتابوں کی تصحیح و مقابلہ وغیرہ کے کام کے افسر مولانا سید محمد ہاشم ندوی ہیں۔ صنعت طبعی اور کہنہ مشقی، دونوں نے مل کر اب انہیں اس فن کا استاد بنا دیا ہے۔

سورۃ البقرۃ - رکوع ۲۲

(از عبد الماجد)

(سلسلۂ صدق نمبر)

اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ	(یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں)[۶۴۴] پھر تم میں سے[۶۴۵] جو شخص بیمار رہے یا سفر میں ہو[۶۴۶] تو اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)[۶۴۷]۔ اور جو لوگ اسے

۶۴۴ یعنی یہ فرض روزوں کی ایک معین تعداد ہے جیسا کہ دسیوں تنظیم یا باقاعدگی کا اقتضا ہے۔ یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لیے رکھ ڈالے۔ وحدت امت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ متعین حدود کے اندر ساری امت کے لیے مقرر ہو۔ ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرض روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ۔ چھ مہینے یا تین مہینے بھی نہیں۔ سال بھر میں کل ۲۹ یا ۳۰ دن۔

۶۴۵ (اور بیماری کے باعث روزہ اُس پر شاق ہو)

بیماری کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بیماری بہت شدید بھی ہو سکتی ہے اور بہت خفیف، برائے نام بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر موسم، عمر، جثہ وغیرہ کے اختلافات بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں۔ یہاں مراد ایسی بیماری ہے، جو روزہ رکھنے میں مخل انداز ہو۔ محض مریض ہونا اجازت ترک صوم کے لیے کافی نہیں۔

ای مرضًا یضر معہ الصوم (روح) قال جمہور من العلماء اذا کان بہ مرض یولمہ و یؤذیہ او یخاف تمادیہ او یخاف تزیدہ صح لہ الفطر (قرطبی) یخاف من الصوم زیادۃ مرض (مدارک) قال ابو حنیفۃ و ابو یوسف و محمد اذا خاف ان تزداد عینہ وجعًا او حماہ شدۃ افطر (جصاص) فثبت باتفاق الفقہاء ان الرخصۃ فی الافطار للمریض موقوفۃ علی زیادۃ المرض بالصوم۔ وانہ ما لم یخش الضرر فعلیہ ان یصوم (جصاص)

بیماری کی کوئی معین حد شریعت نے نہیں بتائی۔ ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے ضمیر کی روشنی میں اسکا فیصلہ کر سکتا ہے۔

۶۴۶ سفر کے اندازے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں۔ یعنی سفر کی اتنی مقدار کہ جس میں ترک صوم جائز ہو۔ وقد اتفقوا علی ان للسفر المبیح للافطار مقدارًا معلومًا فی الشرع (جصاص) لیکن خود ان اندازوں میں اختلاف صحابہؓ کے زمانہ سے اب تک چلا آ رہا ہے۔ ابن عمرؓ و ابن عباسؓ صحابیوں اور فقیہ ثوری کا مذہب ہے کہ سفر شرعی کا اطلاق تین دن

فدیۃ طعام مسکین ؕ فمن تطوع خیرا فھو خیر لہ ؕ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔

مشکل سے برداشت کرسکیں[۵۲۸] اُنکے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے[۵۲۹] اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے[۵۳۰] تو اسکے حق میں بہتر ہے اور اگر تم علم رکھتے ہو[۵۳۱] تو بہتر تو تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو[۵۳۲]

مسافت دراسے سفر پہونچتی ہے ۔

قال ابن عمر وابن عباس والثوری والحنفی [illegible] ثلثۃ ایام (قرطبی)

حنفیہ کے ہاں بھی کم سے کم تین دن کی مسافت سفر ہے ۔۔۔ گو دوسرے ائمہ کے ہاں دو دن بلکہ ایک روز کے سفر پر بھی افطار جائز ہے

وقال علماؤنا مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا وقال آخرون یومین وقال مسیرۃ یوم (جماعۃ) [illegible] اقل السفر یوم ولیلۃ وقال ابو حنیفۃ اقلہ ثلاثۃ ایام (ابن العربی)

[۵۲۷] (اگر ان بیماری یا سفر کے دوران میں روزے چھوٹ گئے ہوں) یہ حکم نہیں اجازت ہے ۔ اور مقصود معذوروں کے لیے گنجائش ہے ۔ البتہ اگر کوئی ایسی بیماری یا ایسا سفر ہو جس میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کی قوی اندیشہ ہو تو اس حالت میں ترک صوم جائز ہی نہیں، واجب ہو جاتا ہے ۔ اور زیادہ تکلیف کی حالت میں بھی ترک صوم ہی بہتر سمجھا گیا ہے ۔

[۵۲۸] یطیقونہ میں ضمیر صوم کی طرف ہے یعنی روزہ رکھنے کو رکھ تو ڈالیں ۔ لیکن روزہ کا تحمل انہیں مشکل ہی سے ہو سکے ۔ مشقت بہت زائد اٹھانی پڑے ۔ مثلاً زیادہ بوڑھے اشخاص، یا حاملہ اور مرضعہ عورتیں ۔

طاقۃ اور وسعۃ ان دو لفظوں میں اہل لغت نے فرق کیا ہے ۔ وسعت تو گویا امکان کے مرادف ہے، اور طاقت میں یہ مفہوم شامل ہے کہ وہ کام، کرنے والے کی قدرت میں تو ہو، لیکن اسکے کرنے میں مشقت بہت زائد پڑے ۔ کام تو ہو جائے ۔ لیکن بمشکل ہو ۔

ھو اسم لمقدار ما یمکن ان یفعلہ بمشقۃ منہ (تاج) الطاقۃ اسم لمقدار ما یمکن الانسان ان یفعلہ بمشقۃ (راغب) الوسع فوق الطاقۃ [illegible] کان قادرا علی الشئ علی وجہ السھولۃ والما [illegible] کان قادرا علی الشئ مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر)

[illegible] یہ ہیں کہ وہ لوگ جو تکلیف کے ساتھ روزہ رکھ سکیں " مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں، حاملہ اور مرضعہ ۔

اے یصومونہ جھدھم وطاقتھم ومبلغ وسعھم (کشاف) اے الذین یقدرون علی الصوم مع الشدۃ والمشقۃ (کبیر) فیصیر المعنی وعلی الذین یصومونہ مع الشدۃ والمشقۃ فیشمل نحو الحبلی والمرضع (روح) یطیقونہ او یتکلفونہ علی جھد منھم وعسر وھم الشیوخ والعجائز (کشاف)

اور ابن عباس رض کی قرأت میں تو یطوقونہ ہے ۔ جو مناسب مراد و سیاق ونہ کا ہے ۔ وشعبہ ۔ قرأۃ ابن عباس یطوقونہ بفتح الطاء وتشدید الواو یعنی یکلفونہ (قرطبی)

تابعین تک صحابیوں کی متعدد روایتوں میں اس سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں ہی لی گئی ہیں، اور متعدد مفسروں نے بھی یہی سمجھا ہے ۔ اور آیت کے منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے ۔

ھو الشیخ والشیخۃ (ابن جریر ۔ عن علی رض) نزلت ھذہ الایۃ فی حق الشیخ الھرم (کبیر) قال ابن عباس لیست منسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما (ابن کثیر ۔ عن عطاء) فسر ابن عباس ان کان [illegible] عنہ صحیحا یطیقونہ بیطیقونہ ویتکلفونہ (قرطبی) روی ابو داؤد عن ابن عباس وعلی الذین یطیقونہ قال اثبتت للحبلی والمرضع (قرطبی) واخرج الدارقطنی عنہ ایضاً قال رخص للشیخ الکبیر ان یفطر ویطعم عن کل یوم مسکینا ولا قضاء علیہ ۔ ھذا اسناد صحیح (قرطبی) وروی عنہ ایضاً انہ قال وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام لیست بمنسوخۃ ھو الشیخ الکبیر والمرأۃ الکبیرۃ لا یستطیعان ان یصوما فیطعمان مکان کل یوم مسکینا وھذا صحیح (قرطبی) وحکم ھؤلاء الافطار والفدیۃ وھو علی ھذا الوجہ ثابت غیر منسوخۃ (کشاف)

مفسر قرطبی کا فیصلہ اس باب میں قول فیصل ہے :۔

فقد ثبت بالاسانید الصحاح عن ابن عباس ان الآیۃ لیست بمنسوخۃ وانھا محکمۃ فی حق من ذکر ۔

[۵۲۹] یعنی جن بوڑھوں، بوڑھیوں، ناتوانوں کے لیے روزہ رکھنا بہت تعب کا باعث ہو، انہیں اختیار رہے کہ بجائے روزہ رکھنے کے ایک غریب کو روزانہ کھانا کھلا دیا کریں ۔ اور کھانے کا معیار وہ ہو جو خود ان کا اوسطاً رہتا ہے ۔

مختلف فقہاء سے مختلف مقداریں منقول ہیں ۔

[۵۳۰] (اسی ادائے فدیہ کے باب میں)

یعنی اصل مقدار تو بہرحال واجب ہے ۔ اب اگر اس میں کوئی اور زیادتی کرنا چاہے، یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھلا دے، کھانے کی مقدار بڑھا دے، کھانے کی قسم بہتر کر دے، فدیہ کے ساتھ روزہ کو بھی جمع کر لے تو اور بہتر ہے ۔

خیر خیرات، فیاضی، سیر چشمی، حسن سلوک، حسن معاشرت کی تاکید تو اسلام میں ہمیشہ اور ہر حال کے لیے موجود ہے لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں اسکی اہمیت اور زیادہ ہے ۔ چنانچہ ماہ مبارک کے ختم پر یا ختم سے ذرا قبل صدقہ فطر واجب بنایا گیا ہے، کہ آس پاس کا کوئی کلمہ گو بھوکا نہ رہنے پائے وہ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے ۔ رسول اللہ صلعم فیاضی، سخاوت، جود وکرم میں اپنی نظیر آپ تھے، تاہم متعدد حدیثوں میں آتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں آپ کا جود وکرم اور بڑھ جاتا تھا اور آپ فیاضی سے فیاض تر ہو جاتے تھے ۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی ناکام تصنیف

(از مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)
(در سلسلۂ صدق نمبر ۲)
نمبر (۲)

لیکن کسی ایک یہودی یا نصرانی کی ہمت نہیں پڑتی کہ تصدیقِ قرآن کی تکذیب کر دے، یا اسکو توریت و انجیل سے ماخوذ بتا دے یا ان قصص میں کوئی ادنیٰ سقم نکال دے؟ اگر ایسا کوئی الگ بھی واقعہ ہوا ہوتا تو ڈاکٹر ٹسڈل اسکو ضرور بیان کرتے ۔۔۔۔ ڈاکٹر ٹسڈل کم از کم یہ تکلیف تو گوارا ہی کر لیتے کہ جن قصص قرآن و روایات یہود و نصاریٰ کو وہ مقابلۃً پیش کرتے ہیں انکا پورا پورا مقابلہ کر لیتے اور دیکھتے کہ واقعات کی اسمی شراکت کے سوا مضامین اور نتائج کے لحاظ سے دونوں میں کہاں تک شراکت ہے؟

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور اسکا بھی ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل اسکے دو ماخذ بیان کرتے ہیں۔ ایک کے متعلق تو خود انکو اعتراف ہے کہ

"اس بیان میں اور اُس بیان میں جو قرآن میں پایا جاتا ہے چنداں مطابقت نہیں ہے۔ ص۴۲"

دوسرے ماخذ کے متعلق خیال ہے کہ قرآن کا قصہ اسی سے ماخوذ ہے لیکن جب قرآن کے مضمون کو دوسرے ماخذ کے مضمون سے بھی مختلف پایا تو کہا کہ

"قرآن میں جو کچھ درج ہے وہ کسی یہودی کتاب کا لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ محمد نے اپنے کسی یہودی دوست سے جس طرح سنا تھا اسی طرح بیان کر دیا۔ لہٰذا اگر یہ غلطی ہے تو رسول عربی کی نہیں ہے بلکہ اُن یہودی کی ہے جنھوں نے یہ روایت بیان کی" ص۴۴

حاصل یہ ہوا کہ جب ڈاکٹر ٹسڈل قرآن کے مضمون اور اپنے ماخذ کے مضامین میں مطابقت نہ دے سکے تو سارا الزام انھوں نے زمانۂ نزول قرآن کے یہودیوں پر رکھ دیا۔ اس سے زیادہ آسان بات اور کیا تھی؟

(۲) حضرت ابراہیم اور آتش نمرود کا جو واقعہ قرآن میں مذکور ہے، ڈاکٹر ٹسڈل کے نزدیک اسکا ماخذ یہودیوں کی کتاب "مدراش ربہ" ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر موصوف نے مدراش ربہ کا جو خلاصہ نقل کیا ہے، اس میں اور قرآن کے بیان کردہ واقعہ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے! ڈاکٹر ٹسڈل کو دیکھنا چاہیے تھا کہ مدراش ربہ کہتی ہے کہ حضرت ابراہیم بت فروشی کے لیے دوکان پر بیٹھے۔ کیا قرآن میں یہ بھی واقعہ ہے؟

مدراش ربہ کا بیان ہے کہ بتوں کے توڑنے کا واقعہ اسوقت پیش آیا جب حضرت ابراہیم کے پاس ایک عورت بتوں کے چڑھاوے کے لیے کچھ لیکر آئی تھی۔ کیا ان کا بیان بھی یہی ہے؟

مدراش ربہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم اور نمرود سے گفتگو ہوئی۔ حضرت ابراہیم نے (غالباً طنز کے طور پر) کبھی آگ، کبھی پانی، کبھی بادل، کبھی ہوا اور کبھی آدمی کی پرستش کرنے کا ذکر کیا۔ اسکے جواب میں نمرود نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالنے کی دھمکی دی۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو کہیں قرآن میں یہ مدراشی واقعہ نظر آتا ہے؟

(۳) ڈاکٹر ٹسڈل کے نزدیک قرآن میں حضرت سلیمان اور ملکۂ سبا کا جو واقعہ مذکور ہے اسکا ماخذ ترگوم ہے۔ ترگوم کے بیان کے بموجب حضرت سلیمان نے شراب پی، چرند و پرند کو رقص کے لیے بلایا۔ ملکۂ سبا سے اطاعت کا ہدہد کے ذریعے سے باجگزاری کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے ملکۂ سبا کے ... جمال پر نظر ڈالی۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے تھا کہ ان میں سے کونسی بات قرآن نے بیان کی ہے؟ اور بیان کے اس عظیم الشان فرق کے بعد اگر کچھ حصہ متفق علیہ ہے تو اسکو "ترگوم" کا ماخذ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

(۴) ڈاکٹر ٹسڈل کہتے ہیں کہ قرآن میں حضرت مریم کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے وہ مشکوک الصحۃ اناجیل اور اس قسم کی دوسری کتابوں سے لی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ ڈاکٹر ٹسڈل اپنے ناظرین کی عقل و فہم سے اسقدر بدگمان کیوں ہیں کہ جو کچھ وہ کہیں گے اسکو بے تامل قبول کر لیا جائیگا؟

انھوں نے حضرت مریم کے حالات کے متعلق جس ماخذ کی نشاندہی کی ہے، اُس میں اور قرآن کے بیان کردہ واقعات میں آخر کسی حیثیت سے مطابقت ہے؟ کیا قرآن میں بھی ہے کہ حنا کو آشیانۂ کنجشک دیکھ کر اپنے بانجھ ہونے کا شکوہ پیدا ہوا؟ کیا قرآن نے بھی کہیں یہ بتلایا ہے کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے لیے "سوئمبر" کا انعقاد کیا؟ کیا کہیں قرآن میں یہ مذکور ہے کہ یوسف کے عصا سے ایک قمری بر آمد ہوئی اور یوسف کے سر پر اڑی، اور یہ نشانی دیکھکر حضرت مریم بوڑھے یوسف کی زوجیت میں دی گئیں؟

حالانکہ جو ڈاکٹر ٹسڈل کے بتلائے ہوئے ماخذ میں ہم کو یہ چیزیں ملتی ہیں، ڈاکٹر موصوف کا فرض تھا کہ یا تو قرآن سے ان چیزوں کا ثبوت دیتے ورنہ دعوائے مطابقت سے انکار کرتے!

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر ٹسڈل نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ قرآن نے حضرت مریم کو بنت عمران اور اخت ہارون کہا ہے۔ حالانکہ عمران اور ہارون کا تعلق حضرت موسیٰ سے ہے!

کیا بہتر ہوتا اگر ڈاکٹر ٹسڈل (نعوذ باللہ) اس غلطی کو دور کرنے کے لیے حضرت مریم کے والد کا نام خود ہی بتلا دیتے یا عیسائیت کے بے پایاں دفتر سے کہیں اسکا نشان دیتے کہ حضرت مریم کے کوئی

باپ بھی تھا - ؟

ڈاکٹر ٹسڈل کے جواب میں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی نیا شبہ نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مغیرہ بن شعبہ کو نجران بھیجا (دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا) تو وہاں کے لوگوں نے بھی حضرت مغیرہ سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت مغیرہ جب بارگاہ نبوت میں واپس ہوئے تو یہ شبہ نقل فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ لوگ اپنے پیغمبروں اور گذشتہ بزرگوں کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔

ڈاکٹر ٹسڈل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ماخذ بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ اس سلسلہ واقعات کا ماخذ "انجیل طامس اسرائیلی" ہے۔ یہ انجیل ہم کو بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ بچپنے کے کیا کھیل کھیلا کرتے تھے - یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ تھے۔ یوسف نے حضرت عیسیٰ کو ڈانٹا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ قرآن میں یہ واقعات کہاں ذکر ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ کے لیے باپ ثابت کرنا کیا قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں ہے؟

---

(۵)

ڈاکٹر ٹسڈل کی اس تصنیف کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی پوری کتاب کی بنیاد احتمالات و امکانات پر رکھی ہے۔ کسی چیز کے متعلق یقینی فیصلہ نہیں دیتے ہیں۔ وہ جن کتابوں کو قرآن کا ماخذ بتلاتے ہیں ان کا فرض تھا کہ اُن کتابوں کی تاریخیت سے بحث کرتے۔ اُنکو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ عہد رسالت میں یہ کتابیں عرب میں موجود تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اُن سے ملنے والے ان کتابوں سے واقف تھے۔ انکو یہ بھی واضح کرنا چاہیے تھا کہ اُن کتابوں کی حیثیت اہل عرب کی نگاہ میں کیا تھی؟ اس لیے کہ کوئی مدعی مذہب محض افسانوں پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھ سکتا ہے۔ انکو ان اشخاص سے بھی پوری بحث کرنا چاہیے تھا جن سے (نعوذ باللہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے خیال کے مطابق مسائل کو اخذ کیا تھا!

فاضل مؤلف نے پوری کتاب میں کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی یقینی طور پر یہ نہیں بتایا کہ قرآن کا فلاں واقعہ یا مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سے سنا - اور قرآن میں درج فرمایا!

پوری کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعہ کے متعلق انھوں نے ڈرتے ڈرتے یہ کہا کہ حضرت ماریہ قبطیہ سے غالباً حضور نے یہ واقعہ سنا ہوگا - ص۱۔

قرآن میں حضرت عیسیٰ کے بچپن کا واقعہ ترتیب نزول کے اعتبار سے پہلے سورۂ مریم میں بیان ہوا ہے - اور سورۂ مریم مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ سنہ ۸ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئی تھیں - یعنی نزول قرآن کے ابتدا کے سترہ سال کے بعد!

۔۔۔ یہ ہے ڈاکٹر ٹسڈل کی تحقیق۔ اسی کا نام ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ سے سالہا سال بعد متعارف ہو لیکن مروی عنہ کی سابقہ روایت کی سند اُسی راوی سے ملا دی جائے

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت ماریہ کے سوا چند نام اور بھی ڈاکٹر موصوف نے گنائے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان، ورقہ، حضرت صہیب، حضرت زید، جبر و یسار وغیرہ اور ڈرتے ڈرتے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) قرآن کی تصنیف میں انھیں سے امداد لی ہوگی۔ امکان و احتمال کا سلسلہ یہاں بھی تمام ہے!

ڈاکٹر ٹسڈل کے بیان کردہ ان اشخاص میں حضرت عبداللہ بن سلام سنہ ۱ یا سنہ ۸ میں ہجرت مدینہ میں اسلام لائے - یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد یا اکیس سال بعد؟ حضرت سلمان فارسی مدینہ میں اسلام لائے - یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد!

ڈاکٹر ٹسڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ اُنکے نزدیک جو شخص قرآن کا مصنف ہے اتنے عرصہ تک کس سے نفع اٹھاتا رہا - ورقہ بن نوفل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال وفات پا گئے تھے۔ (زرقانی اول ص۲۲۵) ڈاکٹر ٹسڈل کو واضح کرنا چاہیے تھا کہ اُنکے انتقال کے بعد (نعوذ باللہ) مصنف قرآن کس سے استفادہ کرتا رہا؟

باقی رہے حضرت صہیب، حضرت زید، جبر و یسار، تو انکے متعلق ڈاکٹر ٹسڈل کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یہ لوگ اہل کتاب کے علوم سے اسقدر واقف تھے کہ (نعوذ باللہ) قرآن جیسی کتاب اُنکی مدد سے تصنیف کی جا سکتی تھی؟

ڈاکٹر ٹسڈل کو غور کرنا چاہیے تھا کہ عہد نبوی میں مخالفین اسلام نے اسلام کی مخالفت میں تن من دھن سب قربان کر دیا، ان کے لیے کیا مشکل تھا کہ بدر و احد، خیبر اور حنین کے معرکوں کے بجائے وہ اُن لوگوں کو قتل کر دیتے جو اُنکے نزدیک (نعوذ باللہ) تصنیف کے مددگار تھے - اور اس طرح اپنی پریشانیوں کا خاتمہ کر لیتے! نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات -

---

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

نمبر (۵)

خادم ملک و قوم حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے لکھتے ہیں کہ جب میں سات برس کا تھا تو والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ چودہ برس تک میں میرے سب اقارب مع والدہ کے مجھ سے چھوٹ گئے۔ پورے چودہ برس کے بعد میں نے ابتدائی فارسی اور عربی کا آغاز کیا۔ امرتسر میں کچھ شد بد کے بعد حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی کے پاس جاکر پڑھا۔ پھر جاکر سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے سند اجازت لی۔ پھر سہارنپور و دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر کانپور علوم الٰہیہ منطق و فلسفہ و ریاضی وغیرہ پڑھنے کے لیے دوبارہ آئے۔ پھر سلسلہ تصنیف غالب آگیا جس میں بہ اصول من صنف فقد استہدف مجھ سے مناظرے بھی ہوئے اور ہر مذہب والوں سے مقابلہ کرنا پڑا وغیرہ۔ دیکھیے رسالہ نور توحید۔ اب دیکھو یہی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں جنکی آج ہندوستان و بیرون ہندوستان میں وہ شہرت ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ پس اگر کل دنیا مولانا مولانا کو غربت زدہ نادار سمجھ کر شکم پرور قرار دے کر ٹھکرا دیتی، تو آج ہم سے کتنا بڑا جوہر کھویا جاتا۔ بچپن میں کون کہہ سکتا تھا کہ محمد بن اسماعیل بخاری اتنا بڑا امام ہوگا اور ایسی کتاب حدیث کی تالیف کریگا جسکو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاری کا درجہ ملیگا!

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تم دانہ روزانہ چڑیوں کو دو۔ کسی دن کوئی ہما تمھارا شکار ہو ہی جائیگا۔ دیکھو مدرسہ نظامیہ جس میں چھ ہزار طلبہ روزانہ رہتے تھے، ان میں نادر محض تھوڑے ہی لوگ ہوئے۔ مثلاً سعدیؒ، غزالیؒ، جیلانیؒ۔ پس یہ تلاش کرنا کہ سب کے سب طلبہ انتخاب زمانہ ہوں تو ایسے ادارے مفید ورنہ غیر مفید۔ محض بیکار جستجو ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب افراد قابل ہی ہوں۔ البتہ ان لاکھوں، ہزاروں بچوں میں سے کچھ افراد جوہر قابل بھی ہوتے ہی ہیں۔ امام رازیؒ، امام خواجہ نصیر الدین طوسی، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، مولانا شاہ ولی اللہؒ، سید نذیر حسین صاحب محدث وغیرہ فضلاء عصر ائمۂ وقت لوگوں کی نسبت انکے طفلی اور بچپن کے زمانہ میں کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کیسے جلیل القدر و مراتب لوگ ہیں، اور ان سے دنیا کو کیا فیض پہنچنے والا ہے لیکن عام طلبہ میں یہ بھی چھپے ہوئے تھے۔ پس اگر ہم بظاہر غیر مفید طلبہ کی حالت دیکھ کر مایوس ہو جاتے، تو آج رازیؒ غزالیؒ مسلمؒ بخاری جیسے لوگ ناپید رہتے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کسی کو یقین ہو جائے کہ طالب علمی محض وظیفہ خوری شکم پروری کی وجہ سے ہے تو بھی انکا وظیفہ بند نہ کریں بلکہ سنت فاروقی پر عمل کریں۔ کیونکہ بند کر دینے سے اصلح و انفع ہستیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔

سنت فاروقی

آپ کو اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے طلبہ کے لیے وظائف مقرر کرکے عاملوں کو حکم بھیجا کہ ان اعط الناس علی تعلیم القرآن۔ اس حکم پر عاملوں نے لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب العلم بننا اختیار کر لیا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ اسکے باوجود وظیفہ جاری رکھا۔ (کتاب الاموال للامام ابو عبید الہروی صفحہ ۲۳۶) پس معلوم ہوا کہ طالبعلموں کے ابتدائی مراحل میں اس شبہہ کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ طالب علم گھربار چھوڑ کر محض شکم پروری کے حیلہ سے طالب علم بن گئے ہیں۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے اعلام امت نے طالبعلمی اپنی یتیمی و سایہ پدر سے محرومی کے زمانہ میں کی ہے۔ اگر آج کی طرح بدنیتی پہلے بھی قائم کر لی گئی ہوتی اور انکو درس سے شکم پرور سمجھ کر علحدہ کر دیا گیا ہوتا تو امت اسلامیہ کا کتنا بڑا نقصان تھا! حالی نے اس موقع پر خوب لکھا ہے ؎

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی | خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جنکی
اگر جیتے جی کچھ نہ انکی خبر لی | تو ہو جائینگے دل کے دل ہی میں ہی ہیں

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا اکارت ہو یہ ودیعت خدا کی

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم جاہل | بہت ان میں ہیں جنکے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں جنکے فضائل | انہیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی
ہزاروں انہیں میں تھے طوسی و رازی

نہ بونصر تھا نوع میں سب سے بالا | نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا | ہر اک اسلیے صاحب قدر ٹھہرا

اگر فکر کسب و ہنر تم کو بھی ہو
تمھیں پھر ابو نصر اور بو علی ہو

(باقی آئندہ)

تصحیح نمبر ۲

صفحہ ک ۱۔ انگریزی لفظ SIRIUS پڑھیے۔
" " ہندسوں میں سنہ ۵ پڑھیے۔
" ک ۲۔ س ۱ CANIOMAJOR پڑھیے

ایک اور اشتہار!

المکرم و المحترم ایڈیٹر "صدق" - دریاباد

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ شاید آپ کو یاد ہو کہ بندہ نے حضرت سیدی و مولائی الحاج سالمین ایدہ اللہ کی کتاب بزبان انگریزی منظم سوانح عمری مبارک سرکار دو عالم صلعم روانہ کی اور اسے مدت بھی ہو گئی۔ آپ نے فقط رسید کی سے آگاہی کی ہے مگر ریویو ہنوز نہیں لکھا۔ اگر اس متبرک و نادرالوجود کتاب پر ریویو لکھنا مقصود نہ ہو اطلاع دیں تاکہ انتظار کی زحمت گوارا نہ کیجئے۔ کیونکہ الانتظار اشد من الموت۔[۱]

پیرا آپ کی توجہ اس بات پر مبذول کرتا ہوں کہ خدارا آپ "صدق" کو صدق کی پالیسی پر ضرور گامزن کیجیے۔[۲] میں دیکھ رہا ہوں کہ فرقہ وارانہ رنگ اس پر غالب ہے اور "فرقہ" اور "مذہب" یہ نہ تو اسلام ہے اور نہ حق[۳] قرآن کریم میں درجنوں آیتیں "ولا تفرقوا" پکار رہی ہیں[۴] - اور عام مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہو رہی ہے کہ وہ تفریق بین المسلمین پر نازاں ہو رہے ہیں۔ اسلام اور مسلم کے نام پاک کو تو کوئی یاد نہیں کرتا، البتہ شیعہ، سُنی، وہابی، دیوبندی اور بریلوی تکفیر المسلمین[۵] زوروں پر ہے۔ ہائے افسوس! نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

---

[۱] کتابیں ہر قسم اور ہر درجہ کی ریویو کے لیے موصول ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کسی کتاب کے درجہ اور اہمیت کا متعین کرنا یہ کام ادارہ کا ہے، نہ کہ مصنف یا اُنکے سکریٹری کا! البتہ جو ریویو نکلتے ہیں، مصنفین کی خدمت اطلاع دیدی جاتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ آپ کے "سیدی و مولائی" کی کتاب کو دوسرے بھی "متبرک و نادرالوجود" ہی سمجھتے ہوں! (صدق)

[۲] اس پالیسی کی تشریح نہ ارشاد ہوئی—— کیا یہ بھی کہ آپکے پروپیگنڈہ کی ہم آوازی ہوتی رہے! (صدق)

[۳] کیا اس پروپیگنڈے کے لیے آپ کا "گرینڈ مشن" کافی نہیں؟ (صدق)

[۴] لیکن ان آیتوں کے مخاطب کون ہیں؟ وہ جنھوں نے امانت وغیرہ کے نئے عقیدے دین میں داخل کر لیے، یا وہ جو دین محمدی پر بدستور قائم ہیں؟ (صدق)

[۵] یہ "تکفیر المسلمین" صدق کے کس پرچہ میں، کس صفحہ، کس سطر میں کی گئی ہے؟ (صدق)

[۶] اگر کسی سُنی کا اعتقاد اہل سنت پر فخر کرنا "النجم کا رنگ چڑھ جانا ہے" تو یقین فرمائیے، کہ ہر سُنی پرچہ النجم ہو رہا ہے! (صدق)

[۷] یہ کس نمبر کے کس صفحہ پر؟ (صدق)

حال کی اشاعتوں میں صدق پر النجم کا رنگ چڑھ رہا ہے[۶] یعنی وہی شیعہ سنی تفریق[۷] اور حقارت آمیز کلمات۔ بندہ شیعہ نہیں ہے[۸] اور نہ کسی فرقے سے (معاذ اللہ) تعلق ہے[۹] تاہم میرا دل سیتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی فرقہ کو طعنہ بالواسطہ یا بلا واسطہ دیں۔[۱۰]

ویسے آپ نے میرے اور لکھنؤ کے ایک صاحب ظفر الملک کے درمیان مراسلت کا سد باب کیا ہے مگر آخر آپ نے یہ ظلم کیا کہ بغیر میرے جواب کے مراسلت کا دروازہ بند کر دیا[۱۱] - یہ ہی بات حقیقت سے کی ہے۔ کاش کہ آپ اور موقع دیتے تو ظفر الملک صاحب کی اسلام دشمنی و تنقیص و عناد آل محمد منظر شہود پر آجاتا۔ مگر الخیر فی ما وقع - والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ[۱۲] - الحقیر عبد الوہاب۔ گرینڈ مسلم مشن بمبئی

---

[۸] الحمد للہ! (صدق)

[۹] کاش آپ کا اور آپ کے "سیدی و مولائی" کا تعلق فرقہ اہل حق سے ہوتا! (صدق)

[۱۰] باطل کے درجات مختلف ہیں۔ باطل کا شمول جس درجہ میں جس فرقہ میں ہوگا، اُسی حد تک حسب ضرورت و موقع وہ طعن کا مستحق ہے اور ایسے موقع پر مداہنت طریق تقیہ ہو تو ہو، طریق صدق ہرگز نہیں۔ (صدق)

[۱۱] کیا آپ کے خیال میں عدل یہ تھا کہ آخری مضمون مولوی ظفر الملک صاحب کا نہیں، بلکہ آپ کا رہنے دیا جاتا! یا یہ کہ سرے سے کوئی مضمون آخری مضمون ہی نہ ہونے پاتا؟ اور اس طرح "گرینڈ مشن" کا اشتہار کسی نہ کسی عنوان سے برابر نکلتا ہی رہتا! (صدق)

[۱۲] یہ ہر مراسلہ میں یہ عربی فقرہ خدا معلوم بطور تکیہ کلام کے تحریر کر دیا کرتے ہیں، یا آپ اسکے محل استعمال سے بھی واقف ہیں؟ —— ہر حال یہ ذہانت قابل داد ہے کہ بحث کوئی بھی پہلو اختیار کرے، ہر بحث سے "گرینڈ مشن" کے اشتہار کا موقع ضرور ڈھونڈھ نکالا جائے! —— خوب ہے دیوانگی میں یہ ہوشیاری! سادگی میں یہ پرکاری! (صدق)

اعلان تعطیل

شب برات کی تعطیل میں دفتر صدق و پریس بند رہیگا اس لیے آئندہ سہ شنبہ ۲۴ - جولائی ۱۹۳۸ء کا پرچہ رسالی نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔ (مہتمم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ	اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں!

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے۔

ہفتہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ: آٹھ روپیہ
ششماہی: ۴ر
ممالک غیر سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۲۲	یوم شنبہ ۱۸۔ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸۔ جولائی ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

۱۹۔ جولائی ۱۹۴۳ء۔ دو برس، انگریزی حساب سے پورے دو برس گزرے، کہ آج ہی شام کو عشا کے وقت ۸۰۔۸۲ سال کی عمر میں اُس ہستی کی شمع حیات گل ہوئی تھی، جو دین، خدمات دین، افادات دینیہ کے اعتبار سے اپنے وقت کی شاید سب سے بڑی شخصیت تھی! تھانہ بھون کا معمولی سا قصبہ، نہ تجارت میں ممتاز نہ سیاسیات میں نامور، نہ کوئی ریلوے جنکشن۔ لیکن اس آفتاب کی ذات تھی کہ اسی گوشہ میں بڑے بڑے سارے اسلامی ہند کے طول و عرض کو مطلع انوار بنائے ہوئے تھی! تفسیر، فقہ، کلام، رد بدعات وغیرہ علوم ظاہری کا کونسا شعبہ ایسا تھا، جسے مولانا نے چار چاند نہیں لگا دیے تھے؟ —— سچ کہا جس نے اُنھیں مجدد ملت کہا! طریقت، سلوک، اصلاح نفس کے تو گویا امام تھے امام —— سچ کہا جس نے اُنھیں حکیم الامت کہہ کر پکارا! ایسا مجدد اور ایسا حکیم اب کہاں نظر آئیگا! آنکھیں قیامت تک ترستی ہی رہیں گی!

یاد تو سال کے سال قائم رہتی ہے۔ کون دن ایسا بدنصیب ہوتا ہوگا، جب گھر بیٹھے مجلس اشرفی کا سماں تخیل کے سامنے نہیں پھرتا رہتا، لیکن جولائی میں یہ یاد کچھ بڑھ جاتی ہے! ابھی حضرت بیمار رہتے، کیسی کیسی دوائیں، تدبیریں ہو رہی تھیں، لکھنؤ اور سہارنپور کے حاذق الطبیب اپنی جانیں لڑائے دیتے تھے۔ کیسی کیسی دعائیں ہو رہی تھیں! ایک دو نہیں، سیکڑوں، ہزاروں اللہ کے مقبول اور پیارے بندے اضطراب اور اضطرار کے ساتھ اپنی آہیں اور اپنے نالے عرش الٰہی کی طرف بھیج رہے تھے! —— رسول کی زیست و بقا کے لیے کیا بڑے بڑے صدیقوں نے، اہل بیت نے، صحابیوں نے، کسی نے کوئی کسر دعاؤں میں اٹھا رکھی تھی۔ حکمت مطلقہ نے جب نبی، بلکہ نبی اعظم کے معاملہ میں ظاہر میں بندوں کی نہ سنی، تو یہاں تو معاملہ صرف ایک ولی، یا بزرگ امت کا تھا! کوئی صورت اب بجز

اب کے بچھڑے ملیں گے حشر کے دن

کے وعدہ پر اطمینان کے نہیں۔

ایک مبارک موت

اطلاع آئی کہ ۲۰ر جون کی شام کو خان صاحب شیخ حفیظ الرحمٰن قدوائی ایم۔ اس۔ سی مارکٹنگ آفیسر کوئٹہ نے بالکل دفعۃً کوئٹہ میں وفات پائی۔ انا للہ

موتیں تو عموماً افسوسناک اور دردانگیز ہوا کرتی ہیں۔ "یہ مبارک" موت کیسی؟ مبارک اس لیے کہ مرحوم نے عین حالت نماز میں، نماز مغرب کے سجدہ میں، جان جاں آفریں کے سپرد کی! ایسی قابل رشک اچھے اچھے ذاکرین و صالحین کے لیے قابل رشک، موت کو "مبارک" نہ کہیے تو اور کیا کہیے؟ —— جی میں آتا ہے کہ فرزند اب سو گئے دیجئے

اور اشکبار عزیزوں کی خدمت میں بجائے تعزیت کے تحفہ مبارکباد کا پیش کیجیے۔ ایسی موت کسی کے نصیب میں آتی کب ہے؟

بالکل جوان عمر تھے۔ ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے مشہور قصبہ رُدولی کے مشہور و شریف خاندان قدوائی سے تھے۔ والد ماجد شیخ احسان الرحمٰن قدوائی بیرسٹر لکھنؤ اور ممبر یوپی لیجسلیٹو کونسل، مدت تک صوبہ مسلم لیگ کے سالار رہے ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں سائنس کی اعلیٰ ڈگری ایم۔ ایس سی حاصل کی، وطن سے دُور بہت دُور کوئٹہ (بلوچستان) میں ملازمت پاکر تدین اور سیرت اعلیٰ کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کر دیا۔ نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ کے ہمیشہ پابند رہے۔ ملازمت میں، خصوصاً آخری دَور جنگ کے زمانہ میں عجیب عجیب آزمائشیں ہوئیں، ٹھیکہ داروں وغیرہ کی طرف سے دس دس اور بیس بیس، بلکہ شاید پچاس پچاس ہزار تک کی رقمیں پیش ہوئیں، اور کبھی بجائے نقد کے موٹر وغیرہ کسی جنس کی صورت میں۔ ہر دفعہ انکار ہی پر قائم رہے۔ ایک بار ایک افسر کی ترقی کی سفارش خود اپنے ہی خلاف یعنی اپنی جگہ کے لیے کر دی —— اللہ کی رضا جوئی کے لیے مجاہدے صرف حجروں اور خانقاہوں ہی کے اندر نہیں کیے جاتے، کچہریوں، بازاروں، دفتروں کے مجاہدے عجب نہیں کہ کل اللہ کے ہاں کچھ بڑھ ہی چڑھ کر نکلیں!

۲۰ - جنوری کو سہ پہر کو دفتر سے گھر آئے تو کہا طبیعت کچھ سست ہے۔ شام کو وضو کرکے نماز مغرب کے لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ معاً بیوی کو آواز چھوٹے بچے کے رونے کی سنائی دی جھپٹ کر دیکھا تو جانماز پر گرا ہوا پایا۔ پانی پلایا! اور پڑوس کے ایک حاجی صاحب کو آواز دی۔ وہ فوراً آگئے، تو دیکھا کہ سجدہ میں ہیں۔ انتظار کے بعد نبض دیکھی، سانس دیکھی۔ روح پرواز کر چکی تھی۔ جلد سے جلد ڈاکٹر لائے گئے۔ انجکشن پر انجکشن دیے۔ آخر دو گھنٹے کے بعد روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، اپنی اور اپنے فن کی شکست اور فرشتہ اجل کی فتح کا اعلان کیا! کوئٹہ کے اخبارات کا بیان ہے کہ صبح شہر میں اس خبر نے گویا آگ ہی لگا دی۔ خلقت جنازے پر ٹوٹ پڑی۔ اور کوئٹہ کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ فروٹ مارکیٹ (میووں کی منڈی) اُس دن بند رہی! —— خلق اور خالق کے حقوق ادا کرنے والے کا یہ اعزاز پس مرگ ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجیے۔ کذالک نجزی المحسنین - وطن سے سیکڑوں ہزاروں میل دور موت یوں ہی قابل قدر ہوتی ہے، اور پھر یہ حالت نماز کی۔ واسجد واقترب والی، قابل صد رشک موت!

نکاح کا جرم

لندن - ۱۸ - جولائی - ڈاکٹر گرین جنھیں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے ہندوستان میں دوسری شادی کر لینے پر فوجداری عدالت سے ۲۲ مہینے کی سزا ہو چکی تھی، آج اُن کا معاملہ اُنکے پیشہ کے لحاظ سے لندن میں جنرل میڈیکل کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ اور کونسل نے ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں فیصلہ یہ کیا کہ ڈاکٹر کی سند چھین لی جائے۔ ڈاکٹر کی پہلی بیوی کی طرف سے درخواست بھی رحم کی درخواست پیش ہو چکی تھی، کہ میری مضمون نے کوئی حق تلفی نہیں کی، اور انکا ذریعہ معاش ہی ڈاکٹری ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ یہ اپنی سند سے کام لیتے رہیں۔ (راسیوشی ایٹڈ پریس)

اللہ اللہ۔ دوسری شادی کے جُرم کی بولناک مصاحبت مغربی معاشرت میں! پہلے تو جیل کی سزا، اور جیل بھی دو مہینے کم دو سال کی مدت کا! پھر یہ عدالتی سزا بھی گویا ناکافی! مزید سزا محکمہ کی طرف سے روزی چھین لینے کی! اور اخبارات کے ذریعہ سے جتنی رسوائی ہوئی، وہ تو کسی شمار ہی میں نہیں! —— سنتے ہیں کسی زمانہ میں مشرقیوں نے یہ سزا جرم حرام کاری کے مجرم کے لیے رکھی تھی کہ اُسکا مُنہ کالا کرکے، گدھے پر سوار، اور جوتوں سے پٹواتے ہوئے شہر میں تشہیر کرایا جائے! آج شیطان کی ذہانت نے وہی سزائیں اپنے پیرووں کے ایک متمدن میں حرام کاری نہیں، دوسری شادی کرنے والوں کے حق میں منتقل کر دی ہیں! آج آزادی ہے کہ ان آزاد ملکوں میں مُنہ کالا جتنی بار بھی چاہے کر لیا جائے، لیکن ادھر نکاح کا نام آیا کہ اُدھر یہ سارے عذاب شروع ہو گئے! اِنّا للہ۔

تُرک کی تحقیق!

جامعہ استنبول کے شعبہ "کلچرل ریسرچ" کے اُستاد کوئی تُرک صاحب ہیں، جنکا نام نامی انگریزی اخبار میں ڈاکٹر عبدل دو ینغتہ (؟) آیا ہے۔ آپ کا تازہ کارنامہ یہ چھپ رہا ہے کہ آپ نے ماضی کی ہیلن (یونانی) اور کلیوپیٹرا (مصری) سے لیکر حال بٹی گریبل اور ہڈی لامار تک جملہ مشہور "حسینان عالم" کے حسن و جمال کی تحقیق کر ڈالی ہے، اور اعلان فرمایا ہے کہ حسن نسوانی کا معیار اتنے فٹ اور اتنے انچ ہونا چاہیے۔ کمر اتنے انچ، سینہ اتنے انچ، وقس علیٰ ہذا۔ امریکہ کی کولمبیا پکچرز (فلم ساز کمپنی) نے اس معیار کو لیکر جو جانچا، تو معلوم یہ ہوا کہ امریکہ کی فلاں فلم ایکٹرس دنیا کی حسین ترین عورت، معیاری حسن و جمال والی ہے!

دنیائے تجدد کے یہ "علوم" ہیں علوم! "حقائق" ہیں حقائق! دنیا کو ان معلومات کی کس درجہ ضرورت شدید لاحق تھی! —— "لا زوال سردار" کے دَور سے قبل، شریعت اسلامی سے علانیہ بغاوت اور عملی ارتداد سے قبل، کب کسی تُرک کو، یا ترکی قوم کو فرنگیت کے ضمیمہ بن جانے کی یہ عزتیں اور یہ برکتیں حاصل تھیں!

تجدد کی تقلید

"دیکھ لیجیے گا ہندوستان کی بیشمار تمیزیاں "پیمایش حسن" کے معیار کو پڑھ کر اپنے آپ کو ناپنے لگیں گی۔ حالانکہ ان میں حقیقی طور پر خوبصورت عورتیں بہت کم ہیں۔ یہ محض پاؤڈر، سرخی، اور لپ اسٹک کی کارفرمائی ہے جو بڑے شہروں کی سڑکوں پر چکا چوند پیدا کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ مسوری پہاڑ پر جو گرمی کے موسم میں حسن و جمال، لعد و نظر، رقص و سرود اور ناؤ دُنش

کے جابسود ہنگاموں کا سب سے بڑا مرکز بن جاتا ہے، لڑکی کے پیش کردہ سیار پر ایک مقابلۂ حسن ہو جائے، اور پھر اول آنے والی کا نام ساری سوسائٹی میں اُچھالا جائے، اور وہ بیچاری پھولی نہ سمائے" (انقلاب، لاہور)

سوری کے مناقب پر جو کچھ تحریر ہو، بالکل صحیح ہے۔ وہی سوری جو آج سے ۳۰ سال اُدھر اپنی سادگی کے لیے مشہور تھا اب "آرٹ" اور اُسکے لوازم و فواحش کا مرکز اعظم ہے۔ لیکن جہاں تک "نقرہ کی شاگردگی" اور "لازوال سردار" کے نقیب اعظم ہونے کا تعلق ہے، یہ شرف تو سوری کو نہیں بلکہ یوپی کے ایک دوسرے شہر کو حاصل ہے! اور اسکے ہوتے ہوئے سوری کا نام لینا اُسکے شرف متجدد کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے!

الکشن کی بہار

"لندن - ۱۲ - جولائی - اِس مرتبہ کا انتخاب تمام پارلیمنٹی انتخاب کی تاریخ میں اپنے عام سکون و سنجیدگی کے لحاظ سے ممتاز رہیگا - اب تک کوئی معتبر روایت انڈوں کے پھٹنے کی ملی ہے، نہ سوجے ہوئے چہروں کی، نہ دھینگا مشتی کی۔ بلکہ بعض نوجوان ووٹران کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا، کہ ابکی کچھ مزہ نہ آیا۔ تماشہ بالکل پھیکا رہا۔" (اسٹیٹسمین، ۱۵-جولائی ۱۹۴۵ء)

گویا الکشن کی اصل بہار تو جب تھی، کہ کسی کے دانت ٹوٹتے، کسی کی آنکھ پھوٹتی، اور کسی کسی کی ناک کٹ جاتی! جب جاپا الکشن بھی کوئی الکشن ہے! —— یہ ہیں ڈیماکریسی (جمہوریت) کے معنی "صاحب" کے مہذب دیس میں! تو ہندوستان غریب تو ابھی تہذیب کے سبق میں بہت پیچھے ہے، جہاں اگر گالیاں اور لاٹھیاں نہ ہوئیں تو ہوا ہی کیا!

غریبوں کی زندگی

"شملہ - ۱۶ - جون - میں نے اپنے پندرہ روزہ قیام میں یہاں کے مہتروں کے محلہ کو بھی دیکھا - معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی اسی عالیشان کوٹھیوں اور عظیم الشان محلوں والے شہر میں رہتے ہیں! ایک کوٹھری میں نے دیکھی ۱۰ فٹ لمبی ۸ فٹ چوڑی - اس میں پورے دس انسانوں کا ایک بڑا خاندان آباد تھا" (ہجبر)

یہ پنڈت جواہرلال نہرو نے کہا - اور اس مختصر طول و عرض کے اندر یہ دس انسانوں کا خاندان محض اُٹھتا، بیٹھتا، لیٹتا اور سوتا ہی نہ تھا۔ سب کا کھانا بھی اسی کلبۂ احزاں کے اندر پکتا ہے کھانا دھونا بھی اسی کے اندر رہتا، زندگی کی اور ضرورتیں بھی اسکے اندر پوری ہوتیں - اور یہ وہ لوگ ہیں کہ انھیں کے دم سے بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں کی صفائی قائم ہے! —— امیروں اور غریبوں کے درمیان اتنی عظیم الشان عدم مساوات، اس "دورِ ترقی" میں نہیں کہاں ہے؟

نئی کتابیں

(۱) موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر

(از رشید صدیق حسین صاحب بی اے - ایل ایل - ایم (عثمانیہ) صفحات ۹۵ صفحے - قیمت ۱۲ عمر اوسط درجے کی طباعت و کتابت - ملنے کا پتہ: - دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ، باغ عامہ۔ حیدرآباد دکن۔

پیش نظر رسالہ جناب صدیق حسین صاحب کا مقالہ ہے جو انہوں نے ایل ایل ایم کے لیے لکھا تھا - یہ ایک خالص فنی مقالہ ہے انٹرنیشنل لا یا قانون بین الممالک پر اب تک اُردو میں ڈاکٹر حمیداللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ کے سوا کسی دوسرے کی تصنیف موجود نہیں اس لیے اُردو کی ایک بڑی کمی مقالہ نگار کے ذریعہ سے پوری ہوئی۔

اس مخصوص موضوع پر غالباً یہ پہلا مقالہ ہے۔ موجودہ جنگ ایک ہمہ گیر جنگ ہے - بین المالکی قانون پر بھی اسکے گہرے اثرات پڑے - انکو مقالہ نگار نے علمی پیرایہ میں اس مقالے میں بیان کیا ہے، بین المالکی قانون کی تین خاص تقسیمیں ہیں - قوانین امن، قوانین جنگ اور قوانین غیرجانبداری - مارچ ۱۹۴۱ء تک ان میں سے ہر ایک پر موجودہ جنگ کے جو خاص اثر پڑے اور جو تبدیلیاں ہوئیں انکو مثالیں دے دے کر بیان کیا گیا ہے۔ فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی ان تمام امور کا پتہ چل جاتا ہے جن کا مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے - مقالہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع ہے - قریب قریب تمام باتوں کو بیان کردیا گیا ہے - شروع میں نئے "نظام عالم" سے متعلق خاص نظریوں کا ذکر کیا گیا ہے - منشور اوقیانوس کی تشریح کی گئی ہے - انتداب کا تذکرہ کیا گیا ہے - فلسطین اور لبنان کے حالات اس سلسلہ میں آگئے ہیں - روس کے دستور اساسی میں اس جنگ کی وجہ سے جو اہم اور دوررس تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں انکو بتایا گیا ہے مقالہ نگار نے حیدرآباد کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا ہے۔ وہاں یورپیوں اور امریکنوں کو مراعات خصوصی حاصل ہیں اسی سلسلہ میں اسکا ذکر کردیا گیا ہے -

موجودہ جنگ کی وجہ سے بین المالکی قانون میں نئی اصطلاحات داخل ہوگئی ہیں - مثلاً "کوئز لنگ"، "پانچواں کالم"۔ مقالہ نگار نے قوانین جنگ کے سلسلہ میں انکا بھی ذکر کردیا ہے -

مصر، ترکی دونوں یورپین جنگ میں غیرجانبدار رہے اسکا بھی تذکرہ کیا گیا ہے -

علمی ہونے کے باوجود کتاب دلچسپ ہے - سیاسیات کے طلبہ کے لیے یہ خاص طور سے مفید ہوگی -

بعض اصطلاحات البتہ نامانوس ہیں۔ انکی مزید تشریح اگر حاشیوں میں کردی جاتی تو مقالہ کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا۔ مثلاً تادیبی سرشت اجازت نامے۔

انجمن طلبائے قدیم اس مفید اور ٹھوس علمی مقالہ کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے۔ (م۔ د۔ ق)

(۲) اسلام کے سیاسی تصورات۔ مرتبہ جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے۔ بیدہ زیب گرد پوش، عمدہ طباعت و کتابت۔ ضخامت ۲۳۲ صفحے۔ قیمت عہ/۱۲ ناشر۔ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ۔ حیدر آباد دکن!

اس موضوع پر اردو میں بہت کم کتابیں ہیں۔ زمانہ کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تو انکی تعداد بمنزلہ صفر کے ہے۔ عنوان کو دیکھ کر قدرۃً خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر ہوگی اور اس کمی کو پورا کرےگی، مگر افسوس ہے کہ یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں بلکہ محض چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ بعض ناشرین نے یہ عجیب ادبی بدعت نکالی ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف الخیال، مختلف الجہات بلکہ بعض بالکل مختلف معیار کے مقالوں اور مضمونوں کو لیکر یکجا کردیتے ہیں، جس سے افادیت کا پہلو بہت کم ہوجاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو وحدتِ موضوع تک باقی نہیں رہتی، اور ایک مقالہ نگار کے ذہن میں موضوع کا تصور ہی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

پیش نظر کتاب اسلام کے سیاسی تصورات کے باب میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، پروفیسر عبدالقادر پروفیسر جامعہ عثمانیہ علامہ اقبالؒ، اور پرنس سعید حلیم پاشا مرحوم ایسے مختلف النوع اہل قلم فاضلوں کے مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ اور انکے درمیان کسی قسم کی وحدت، نظم یا ہم آہنگی نہیں اور نہ مضامین کا معیار ہی ایک ہے۔ اسکا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ بعض مضامین ۳۰۔۲۵ سال قبل کے اور ایک بالکل مختلف ماحول میں لکھے ہوئے اور ایک بالکل مختلف طبقۂ مخاطبین کے لیے تمامتر خطیبانہ و ادیبانہ انداز کے ہیں، جو ایک ہفتہ واری کے لیے موزوں ہوسکتے تھے۔ بعض اسکے برعکس خالص تحقیقی رنگ میں اونچے درجہ کے طلبہ کے کام کے ہیں۔ پھر کوئی مضمون تمام تر علمی اور فلسفیانہ ہے اور کوئی کمیر مذہبی۔ خدا معلوم ایسے انمل بے جوڑ مقالات کے اکٹھا کردینے سے کس طبقے کا نفع خیال میں رکھا گیا۔

ایک دوسری بڑی کمی یہ رہ گئی ہے کہ مقالہ اور مقالہ نگار کا تعارف کرانا غیر ضروری خیال کیا گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت اسکی تھی کہ مجموعہ کے شروع یا ہر مضمون کے شروع میں ایک تمہیدی نوٹ میں مقالہ نگار کی شخصیت اور مقالہ کے ماحول کا تعارف کرادیا جاتا۔

آج تو میں پڑھنے والے پرنس سعید حلیم پاشا کے نام سے نا واقف محض ہیں۔ یہ تک نہیں جانتے کہ وہ مصری تھے یا ترکی۔ زندہ ہیں یا مرحومین میں ہیں۔ علیٰ ہذا مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے ذہن میں تصویر موجودہ صدر کانگریس کی آتی ہے۔ بتانا چاہیے تھا کہ یہ مقالات مرحوم الہلال کے ایڈیٹر کے ہیں، جن پر اب دو قرن گزر چکے!

کل دس مضامین ہیں۔ جن میں دو عہد رسالت پر ہیں۔ اور انکی نوعیت تحقیقی مضمونوں کی ہے۔ ایک مضمون قرآنی تصور مملکت پر ہے۔ ایک مضمون حکومت الٰہیہ پر، ایک مضمون ان الحکم الا للّٰہ پر اور ایک اسلام کے سیاسی نظریہ پر اور ایک اسلام کے نظریۂ خروج پر ہے۔ بعض مضمون بہت مختصر ہیں اور بعض بہت مفصل۔ اور ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد بھی بہت کم واقفیت ان مسائل سے ہو پاتی ہے کہ اسلامی طرز حکومت متعین طور پر کیا تھا۔ اسکی مشخص ہیئت و نوعیت کیا تھی۔ راعی و رعایا کے باہمی حقوق، اور حکومت کے اقتصادی اور سیاسی اصول کیا تھے۔ باقی یوں متفرق مضامین کے لحاظ سے مجموعہ اچھا ہے۔ رشید صاحب بہت مخلص اہل قلم ہیں اور تھوڑی سی توجہ سے اسے کہیں مفید تر بنا سکتے تھے۔ (م۔ د۔ ق)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

سید شاہ شرف عالم ندوی (بھاگلپور) جو بات چار پانچ سطروں میں نرم لہجہ میں کہی جاسکتی تھی، آپ نے پورے پانچ صفحے کے مقالہ میں، شاید "رکیک اور پگڑی اچھالنے کی حرکتوں" سے پرہیز کیے بغیر ادا فرمائی گئی! آپ اسی "صداقت کے اعتراف" کے منتظر رہیں گے؟

صوبۂ بہار

کے ایک دیندار شریف خاندان (سادات) کی ایک لڑکی کے لیے عقد کی ضرورت ہے۔ لڑکی صورت، سیرت، امور خانہ داری وغیرہ ہر لحاظ سے قابل اطمینان ہے اور ذاتی جائداد بھی للّٰہ ماہوار کی بچت کی رکھتی ہے۔ لڑکے کو خوش معاش ہونے کے علاوہ دیندار ہونا ضروری ہے۔

"ص۔ ح" بذریعہ اڈیٹر صاحب صدق۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق "اخبار" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)۔

چار سالہ تعلیمی تجربات

(ایک انٹرمیڈیٹ پاس نوجوان کے قلم سے)

لکھنؤ کے ایک اسکول میں دو سال اونچے درجوں میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس اسکول کے لڑکے اپنی شرارتوں اور سرکشیوں کے لیے شہر میں اچھے خاصے معروف تھے۔ جاکر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں کے لڑکے علاوہ شریر ہونے کے گستاخ اور سرکش بھی ہیں۔ اکثر و بیشتر اُستادوں کا ادب و لحاظ انھیں بالکل نہ تھا۔ نہ اُنکی عزت کرتے تھے نہ ادب معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ اسکے اُستاد ہیں اور یہ شاگرد۔ پیٹھ پیچھے آپس میں تو اُنکو گالیاں تک سُنا دیتے تھے۔ اور سامنے بھی اُنکی بزرگداشت ذرا نہ کرتے۔ لیکن خود اُستادوں کی اکثریت کا طرزِ عمل بھی سوءِ الزام سے بری نہ تھا۔ محض ضابطہ اور قانون کی پابندی کرتے ہوئے وہ لڑکوں کے ساتھ بالکل خشک اور غیر ہمدردانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ دلسوزی، شفقت، محبت اور ہمدردی تو گویا جانتے ہی نہ تھے۔ جب اُستاد ہی اپنے شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت آمیز سلوک نہ کریں تو پھر لڑکے کیونکر اُنکی عزت کرتے اور کیوں اُنکے حقوق پہچانتے۔ جیسا وہ لڑکوں کے ساتھ کرتے ویسا لڑکے اُنکے ساتھ۔ کچھ اُستاد ایسے بھی تھے جو لڑکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتے اور اُن سے محبت و شفقت سے پیش آتے۔ ایسوں کی عزت اور لحاظ لڑکے بھی کرتے تھے۔ اسکے علاوہ اُستادوں میں بھی پارٹی بندی تھی۔ دو ٹولیوں میں اساتذہ بٹے ہوئے تھے اور اُنکے ساتھ لڑکے بھی۔ فرقہ داریت اور مذہبی تعصب ہر ایک کرتا تھا۔ اسی وجہ سے آپس کے تعلقات بڑی حد تک ناخوشگوار تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہاں کے لڑکے اخلاقی حیثیت سے بہت پستی میں پڑے ہوئے تھے۔ بالکل یہی حالت دوسرے اسکول کی بھی تھی بلکہ وہاں پارٹی بندی کا بڑا زور تھا اور وہاں بدقسمتی سے مسلمان مسلمان آپس میں برسرِ پیکار تھے۔

اخلاقی فضا دونوں جگہ بڑی حد تک افسوسناک تھی۔ لڑکوں کی اکثریت بہت ہی زیادہ پستی اور جہالت میں پڑی تھی۔ نہ اُنکو گھر پر ایسی تربیت ملتی تھی کہ وہ اخلاقی اعتبار سے اچھے بن سکیں اور نہ اسکولوں کے اساتذہ اُنکو بتلاتے تھے۔ ہر وقت غیر اخلاقی لغو چرچے ہوتے تھے جنکے سننے سے نہ کسی قسم کا فائدہ ہوتا تھا اور نہ صحیح واقفیت حاصل ہوتی تھی۔ جھوٹ طوفان، دوسروں پر تہمت لگانا، جھوٹ بہت کثرت سے بولنا، اور چالاکیاں کرنا، یہی سب باتیں لڑکوں کے لیے مایۂ امتیاز تھیں۔ اور جو ان چرچوں سے الگ رہتا یا دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتا، پہلے تو اُسکو خوب بیوقوف بناتے، اور پھر اُسکو نکال دیتے تھے۔ دوسروں کی دل آزاری کرنا یا کسی کو فحش بات کو بکنا اپنے نزدیک بڑا مذاق اور عمدہ ظرافت سمجھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی کچھ نہ کچھ ایسے طلبا ضرور تھے جنکی اخلاقی حالت قابلِ رشک تھی۔ لیکن اول تو اُنکی تعداد کم تھی اور دوسرے اُنکا کوئی اثر نہ تھا۔ ان لڑکوں کی اخلاقی پستی کی بڑی وجہ شہر کی تفریحات تھیں۔ مثلاً سنیما، کارنیوال وغیرہ۔ جنکے پیچھے یہ لوگ دیوانے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی بہکاتے تھے۔ مجھے زیادہ تر ایسے لڑکے ملے جو فلم ایکٹرسوں کے پیچھے دیوانے رہتے تھے اور اپنی زندگی کا مقصد ہی فلمی لائن بتلاتے تھے۔

دونوں اسکولوں کی تعلیمی حالت بھی میں نے افسوسناک اور مایوس کن پائی۔ زیادہ تر لڑکے تعلیم کی اصلی قدر و قیمت اور اصلی مقصد جانتے ہی نہ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے اور زیادہ تر اساتذہ بھی اُنکو یہی سمجھاتے تھے کہ بس امتحان پاس کرلینا اور ڈگری حاصل کرلینا ہی اصل چیز ہے —— چنانچہ رٹ رٹا کر یا اور کسی طریقہ سے بھی بس امتحان پاس کرلینا ہی چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے نہ تو اُنکو صحیح قابلیت آتی تھی اور نہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے۔ اسی عرصہ میں نہ معلوم کتنے لڑکوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اُنکے تمام منصوبے اور ارادے خاک میں مل گئے۔ وقت کی پابندی اور باقاعدہ محنت ان سب چیزوں کی وہ پرواہ نہ کرتے تھے اور نہ اُنکو کوئی بتاتا تھا۔

مذہبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی۔ بہت سے ایسے مسلمان لڑکے تھے جنکو معمولی معمولی چیزیں تک نہ معلوم تھیں۔ وہ لوگ جمعہ یا رمضان میں نماز پڑھ لینا بڑا کام سمجھتے تھے۔ چند ایسے لڑکے تھے جنکو مذہب سے دلچسپی تھی۔ ایک اسکول میں تو دینیات لازمی طور سے پڑھائی جاتی تھی۔ لیکن ہمارے بھائی اسکو نہ تو جی سے پڑھتے تھے اور نہ کوئی ضرورت و اہمیت سمجھتے تھے۔ مذہبی کتابیں وغیرہ پڑھتے ہوئے یا مذہبی چرچے کرتے ہوئے میں نے خال خال ہی لڑکوں کو پایا۔ ورنہ زیادہ تر لڑکے لغو اور گھٹیا قسم کے اخلاق سوز افسانے اور نظمیں پڑھا کرتے تھے اور اسی قسم کی باتیں بھی کرتے تھے۔ بہت سے تو ایسے لڑکے بھی ملے جنھوں نے مذہب اسلام کو سمجھا بھی نہ تھا۔ اور مہمل اعتراضات کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ واقعی ہمنے دوسروں کو لاجواب کردیا۔ اور اپنی علمیت کا رعب دوسروں پر بٹھا دیا۔ اسی طرح جسمانی اعتبار سے بھی ہمارے نوجوان بھائی بڑی پستی میں پڑے ہوئے تھے۔ جسمانی کھیلوں اور ورزشوں کی طرف توجہ کم لڑکے کرتے تھے ورنہ عام طور سے تو طلبا سگرٹ پی پی کر اور سنیما دیکھ دیکھ کر اپنی صحتیں اپنے اخلاق سب چوپٹ کرتے تھے۔ اور حفظانِ صحت کی طرف توجہ کرنا تضیعِ اوقات سمجھتے تھے۔ اسی طرح سے ادبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی۔ اچھے افسانے، اچھی نظمیں اور اچھے مقالات بہت کم لڑکے پڑھتے تھے۔ ورنہ عام طور پر لڑکے ادب میں بھی بہت پستی میں پڑے تھے۔ غرض ہر اعتبار سے دونوں اسکولوں کے لڑکوں کی اکثریت کی

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اسلامی اصول کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب نیوری، مجلس علمی، ڈابھیل)

علامہ آمدی - امام حجۃ الاسلام غزالی "مقاصد الفلاسفہ" وغیرہ میں فرماتے ہیں :- یونانیوں کے علوم میں حساب، ہندسہ، و اقلیدس یقینی علوم تھے، لوگوں نے انکو یقینی اور صحیح پاکر انکے بقیہ علوم الہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی انکی تقلید کرکے صحیح خیال کرنے لگے - الخ - حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت - اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اُنکے بعض خود ساختہ غلط نظریات و افکار کو یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اُس میں تاویل کے درپے ہو جاتے ہیں اور اُنکی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں - آج کل بھی یہ بیماری پھیل رہی ہے - بعض مشاہیر جنکے بعض کمالات و خصائص عوام میں مسلّم ہوگئے ہیں، تو اکثر لوگ اُنکی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہو کر اُنکے بقیہ خیالات افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں - اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز تو دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے - ایک طرف کبار امت اور اساطین اسلام ائمۂ دین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے - کبار فقہاء امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے دوسری طرف قرن حاضر کے بعض ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر ہو کر یا انکی شخصیت سے مرعوب ہو کر انکے ہر فکر اور ہر خیال کو قطعی خیال کرنے لگتے ہیں - کچھ دنوں سے ہندوستان کے موقر محققانہ دینی جریدہ "صدق" میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے - جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ ہے اور فتنۂ قادیانیت کی وجہ سے پھر تقریبًا چالیس سال زیر بحث رہا اور متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں - مولوی ابوالکلام صاحب مولوی جاراللہ صاحب مولوی عبیداللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی - اور ان حضرات نے نزول مسیح سے صاف انکار کیا، الکتاب الذکر صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر یہ عقیدہ نجات کے لیے ضروری ہوتا تو قرآن کریم میں کم سے کم "واقیموا الصلوٰۃ" جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں - الخ - اُس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شائع نہ ہو سکا اور نہ اُسکا مسودہ میرے پاس رہا - تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصلی داعیہ اس قسم کے خیالات میں عقلی استبعاد ہے اور یہ فلسفی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دیا گیا - ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض ثقہ دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں -

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب محدث تھانوی نے ایک مقالہ "صدق" میں شائع فرمایا - اسکے جواب میں جے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ "صدق" میں شائع فرمایا جسکی تنقیح حسب ذیل امور میں ہو سکتی ہے :-

(۱) نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں -

(۲) نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہونچیں -

(۳) نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے - غیبی کے آیندہ امور میں اجماع محل نظر ہے -

ممکن ہے کچھ اور اجزاء بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے - اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں - اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کے چند اصولی گوشوں کو واضح کرنے کا ارادہ ہے اور اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آرہی ہیں اُنکا تصفیہ مقصود ہے - جے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں نہ اُنکے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے نہ طالبانہ بحثوں میں اُلجھنا مقصود ہے نہ انکی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لیے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں، باقی جحود و عناد کا تو کوئی علاج نہیں - والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ -

(۱) دین اسلام کے تمام عقائد و اعمال یا اصول و فروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہونچا ہے اسی طرح اعتقادی و عملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ پہونچتے رہے ہیں - بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اسکے کل ضروریات ہم کو اسی توارث کے ذریعہ پہونچی ہیں - لاکھوں کروڑوں مسلمان جنکو نہ تو قرآنی تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اسکے وہ دین کی تمام ضروریات سے واقف رہتے ہیں - یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان اجمالی ہوتا ہے - تفصیلات کے وہ اُس وقت مکلف ہوتے ہیں جب اُنکے علم میں آجائے - یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم و حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دیدیا کہ اگر کسی وقت مدتوں کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہو جائیں تو تجدید و احیاء کے لیے ایک مکمل - اسی قانون"

اور علمی ذخیرہ" بھی محفوظ رہے تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ آسکے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاسکے - اور ظاہر ہے جب کتاب الٰہی خاتم الکتب الٰہیہ ہو اور نبی خاتم الانبیاء ہو اور دین خاتم الادیان اور امت خیرالامم ہو تو اُسکے لیے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لیے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لیے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہیگی تاکہ علمی و عملی دونوں طرح حق و باطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جاسکے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لیے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کردیا - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

(۱) انا نحن نزلنا الذکر وانا
لہ لحافظون (آیہ نمبر ۹ حجر)

ہم ہی نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اُسکے محافظ ہیں -

(۲) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرہم من خذلہم ولا من خالفہم (یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لیے دین حق پر قائم رہیگا، کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے اُنکا کچھ نہ بگڑیگا)

اور میرے خیال ناقص میں تو فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دَور میں کچھ اہل حق ضرور ہونگے - بہرحال اتنی بات واضح ہوئی کہ محافظین حق اور قائمین علی الحق کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا - جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ حفاظتِ دین کے لیے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ وہ علمی آئینہ بھی موجود رہیگا - اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری رہیگا - اگر بالفرض وہ علمی دفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہو جائے تو حصول مقصود کے لیے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا - "دین اسلام" کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید و فروخت کی اجازت، شراب خواری، زناکاری، قتل و قتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں - بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوٰۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں، لیکن باوجود اسکے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری ہیں اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں -

(حا) "ادلہ سمعیہ" یعنی عقائد و احکام کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث کے نصوص چار قسم پر ہیں :-

الف :- ثبوت و دلالت دونوں قطعی ہوں - ب :- ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو - ج - دلالت قطعی ہو، ثبوت ظنی ہو - د - ثبوت و دلالت دونوں ظنی ہوں - ثبوت کے معنی یہ کہ اللہ و رسولؐ کا کلام ہے دلالت کے معنی یہ کہ مراد یہ ہے، قرآن کریم و احادیث متواترہ کے ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت -

اخبار احاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے - مزید تفصیل کے لیے کشف الاسرار شرح اصول فخرالاسلام اور شرح تحریر الاصول وغیرہ ملاحظہ ہوں - پہلی قسم سے انکار کفر ہے - دوسری تیسری قسم کے انکار سے کفر تک نوبت نہیں پہنچتی -

(حا۳) تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اُس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ دل قبول کرلے اور تسلیم کرلے، جو قرآن میں "مصدق" ہے اور "ویسلموا تسلیما" میں مراد ہے - صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطق و معقول میں تصدیق ہے، قطعاً کافی نہیں ہے ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کے لیے اور نجات کے لیے اتنی بات کافی نہ ہوئی -

(حا۴) احادیث متواترہ کا افادۂ قطعیت اہل حق کا تمامت کا اجماعی مسئلہ ہے -

(حا۵) اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دَور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی و شبہہ کی گنجائش نہ رہے - نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں - بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہو جاتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہوسکتا ہے - اس لیے علماء اصول نے تصریح کردی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑ جاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہوسکتا ہے - دیکھو فواتح شرح مسلم (۲ - ۱۱۰) طبع مصر

(حا۶) بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق و مخارج کی تعداد پر نہیں بلکہ دارو مدار "تلقی بالقبول" پر ہے - جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہؓ کے عہد ہی میں امت نے قبول کرلیا ہے وہی متواتر ہیں - اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے - بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے - اس میں کوئی شبہہ نہیں عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت رواۃ سے کہیں زیادہ موثر و قوی ہے - اسی کو ہم نے توارث و تعامل سے تعبیر کیا تھا - عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہو جائیگی -

(حا۷) قرن اول میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی و ثالث میں کمی آجائے یہ محض عقلی احتمال ہے - ذخیرہ حدیث میں اسکی مثال نہیں ملتی، بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی و ثالث میں "اخبار احاد" کے راوی بھی اس کثرت کو پہنچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے - چودہری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کرگئے ہیں -

(باقی آیندہ)

معاصرین کا حسنِ ظن

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

نمبر (۲)

تنظیم۔ (حیدر آباد دکن)

معاصر صدق ہفتہ وار لکھنؤ، گذشتہ مہینہ سے سہ روزہ ہوگیا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ جدید انتظام سے ہمارے اس معزز معاصر کا دائرۂ افادیت کچھ اور زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ اسکے فاضل مدیر مولانا عبد الماجد دریابادی ہندوستان کے ممتاز ادیبوں اور یگانہ روزگار عالموں میں سے ہیں۔ "صدق" نے اب تک مسلمانوں کی جو مفید خدمات انجام دی ہیں اور اپنی خصوصیات خاص کی بدولت جس انفرادیت کا مالک ہے اُسکے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مغرب زدگی کی اُس وبا کے خلاف جو ہندوستانی مسلمانوں کے اذہان پر مسلط ہوتی جاتی ہے اُسکے خلاف اس جریدہ نے بطور خاص قلمی جد و جہد کی ہے اور مولانا عبد الماجد کا وہ دلنشیں اسلوب تحریر جو طنز نگاری کا عمدہ نمونہ ہے، صدق کے شذرات کو عرصۂ دراز سے مقبول بنا چکا ہے۔ مذہبی اور علمی موضوعات پر صدق بلند پایہ مضامین پیش کرتا ہے اور مدیر محترم کے قلم سے تفسیر کا جو سلسلہ جاری ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ بہرحال ایک ایسے مفید اور بلند پایہ جریدہ سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیے۔ ہم معاصر صدق سہ روزہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُسکی کامیابی کے متمنی ہیں۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ:— مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ماہ اگست ۳۵ء میں تمام ہوگی، براہ کرم چندہ ایسے وقت ادا کریں کہ شروع اگست میں وصول ہوجائے ورنہ ۱۱۔ اگست سے بذریعہ وی پی روانہ ہونگے۔

خریدار ۱۸۹، ۳۰۵، ۳۲۰، ۳۶۴، ۴۴۷، ۴۴۸، ۵۶۹، ۵۸۰، ۶۴۴، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۳، ۹۱۷، ۹۲۲، ۹۲۶، ۹۳۰، ۹۳۶، ۱۰۲۶، ۱۰۴۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۷۶، ۱۰۷۸، ۱۱۴۵، ۱۱۵۱، ۱۱۶۵، ۱۱۶۷، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۲۶۴، ۱۲۹۴، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۲۳، ۱۳۲۸، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۶۶، ۱۵۶۴

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

فرعون نمرود اور شداد کی جرم و سزا کی تاریخ

جبکہ دولہن دولہا کے پاس جانے سے قبل بادشاہ کے پاس جاتی تھی۔ جبکہ باپ کی قبر قرض کی کفالت میں دی جاتی تھی۔ جبکہ جوتے کے پیوند کے لیے انسانوں کے کان کاٹے جاتے تھے۔ جبکہ طمانچہ مارنے کی سزا قتل تھی اور انسان کو مورت میں ٹھونس کر مروا دیا جاتا تھا۔ اُسوقت یعنی فرعون۔ شداد۔ قوم لوط قوم عاد۔ بنی اسرائیل۔ موسوی۔ عیسوی۔ اور زمانہ جاہلیت کی دردناک جرم و سزا کی تاریخ اور اسکے ساتھ قرآن مجید نے جو اصول عدل و اصول سزا مقرر کیے اور جن افعال کو جرم قرار دیا اور انکی جو سزائیں مقرر کیں، حضور صلعم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ کیا انسانی اور شریفانہ سلوک ہوتا تھا اور کس طرح عدل و انصاف کس شان کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ سب آپ کو **جرم و سزا جلد دوم** میں ملیگا جو اسلامی ابتدائی دور کے جرم و سزا کی تاریخ ہے۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ؏،

جلد اول کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان کے عہد قدیم ہنود۔ بدھ مت۔ مغلوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی جرم و سزا کی مکمل تاریخ ہے، اور دوسرے حصہ میں ہندوستان کی جیلوں میں کیا کیا سزائیں دی جاتی ہیں، کیا کیا مشقتیں کرائی جاتی ہیں، کیسا لباس اور کھانا دیا جاتا ہے۔ ۵۰۰ صفحات قیمت ؏، علاوہ محصول ڈاک۔

۳۔ علامہ اقبال کی تصنیف پر مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا فاضلانہ تبصرہ ملاحظہ کرنا ہے تو آپ **مقالات اسلم** پڑھیے تاکہ آپ علامہ اقبال کے تبلیغی ارشادات سے لطف اندوز ہو سکیں۔ صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲؍

۴۔ اُردو، فارسی، ہندی اور انگریزی محاوروں و مثالوں کے متعلق اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کب کیونکر رائج ہوئے تو آپ **قصص الامثال** منگا کر مطالعہ کریں۔ اس میں محاورات کو قصہ و کہانیوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیونکر رائج ہوئے۔ انداز بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔ صفحات ۳۰۰۔ قیمت ۱۲؍

۴۔ مولانا محمد علی مرحوم کی مکمل سوانحعمری باتصویر ۱۲؍

۵۔ غازی مصطفےٰ کمال " " "

سب کتابیں اکٹھی منگانے پر محصول ڈاک معاف ہے

ملنے کا پتہ

رائل ایجوکیشنل بکڈپو نمبر ۴۸ اُردو بازار دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ	اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
17 پلیس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ ۸ روپیہ
ششماہی ۵ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

نمبر ۲۴	یوم شنبہ - ۲۵ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ - اگست ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

امریکہ کے ایک ماہر فلکیات، جارج گیمو (استاد طبیعیات، جارج واشنگٹن یونیورسٹی) کی ایک کتاب حال میں دیکھنے میں آئی۔ نام ہے (BIRTH AND DEATH OF THE SUN) "آفتاب کی پیدائش اور موت" —— تو کیا آفتاب بہ ایں عظمت و اجلال، ہماری آپ کی طرح فنا پذیر بھی ہے؟ اور اسی طرح فنا کی طرف قدم بڑھاتا جا رہا ہے، جس طرح ہم، آپ اور اللہ کی ننھی سی ادنیٰ مخلوق ہے —— فنی بحثوں کو تو صرف اہل فن کے لیے چھوڑیے، یہ دیکھیے کہ کچھ ہمارے آپ کے بھی کام کی باتیں ہاتھ آتی ہیں؟ آتی ہیں، اور ایک نہیں، کئی ایک۔

ایک بات تو یہ ملی کہ آفتاب اور سارے نظام شمسی کی پیدائش کو تقریباً ۲۰ کھرب سال ہوئے! —— گویا اسکی تصدیق ایک ماہر فن کی زبان سے ہوگئی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستارے سب حادث ہیں، قدیم کوئی بھی نہیں! مدت پیدائش کا سوال بالکل غیر متعلق ہے۔

دوسری بات یہ ہاتھ آئی کہ آفتاب اپنے عنصر ترکیبی یعنی ہائیڈروجن وغیرہ کو بڑی احتیاط سے سنبھال سنبھال کر استعمال کر رہا ہے، اس لیے ابھی ۲۰ کھرب × ۱۰ سال یعنی دو نیل سال تک اور زندہ رہیگا —— اس سے تصدیق ہوگئی اسکی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کو ایک روز بہر حال فنا ہونا ہے۔ اور چشم کائنات کو اذا الشمس کورت، و اذا النجوم طمست، و اذا الکواکب انتثرت وغیرہ کا نظارہ کرنا ہے!

تیسرے یہ پتہ اسکا چلا کہ آفتاب روز بروز گرم سے گرم تر ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ اسکی گرمی کی شدت ایک دن زمین والوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائیگی، اور روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اس سے جل جائیگا —— مذہب نے اگر اس کیفیت کو یوں بیان کر دیا کہ آفتاب ایک روز سوا نیزے کے فاصلہ پر آ جائے گا، تو کیا بیجا کیا؟

چوتھی گرہ یہ کھلی، کہ نئے نئے ستارے آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور پرانے، فنا شدہ ستاروں کی جگہ لیتے جا رہے ہیں —— سلسلۂ آفرینش جاری ہے، اور اختر آفریں اپنا کام کرکے معطل نہیں ہو گیا ہے۔ کل یوم ہو فی شان کی یہ کیسی پیاری تفسیر نکل آئی!

سائنس داں بیچارے کو مذہب سے مس نہیں۔ اور اسلام کا تو اس نے نام تک بھی شاید نہ سنا ہو۔ اپنی دھن میں اپنے فن کے متعلق لکھتا چلا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا ہے کہ قلم سے جو کچھ نکلا ہے، اس سے ہمارے حقائق کی اور تائید و تصدیق ہی ہوتی گئی ہے! —— کہیں یہی معنی تو اس آیت کے نہیں، کہ

لہ اسلم من فی السموات والارض طوعا او کرہا۔	جو موجودات بھی زمین و آسمان میں ہیں وہ سب چار و ناچار اللہ ہی کے آگے جھکی ہوئی ہے!

کام کسی کا بھی کیا جائے، نام اسکا کچھ ہی رکھ لیا جائے، سب آخر میں تکمیل ہو کر اللہ اور اللہ کے دین ہی کا کام جا کر ٹھہرتا ہے!

خدائی قدرتوں کا اعجاز

[illegible]

ایک [illegible] کے سلسلہ میں سائبیریا کے برفانی علاقہ کے ایک منجمد ہاتھی کی تصویر شائع ہوا ہے (اسٹیٹسمین ۲۲ جولائی ۱۹۲۵ء) ایک فیل نما جانور [illegible] ہاتھیوں سے کہیں زیادہ عظیم و جسیم جانور دنیا میں آج سے ۱۰ ہزار سال پہلے پایا جاتا تھا۔ یہ اسی نسل کا ایک جانور ہے۔ [illegible] دریائے بریسوکا کے کنارے ایک برف کے [illegible] دفعتاً پا لیا گیا تھا۔ [illegible] ہاتھی کی برف کی تاثیر سے [illegible] ۱۰ ہزار سال [illegible] جسم خراب نہیں ہوا تھا، نہ سڑا تھا نہ گلا تھا۔ [illegible] گوشت آج بھی کھانے کے قابل اسی طرح تھا، جیسے آج جدید طریقوں پر [illegible] کیس وغیرہ میں غذاؤں کو جاکر اور منجمد کر کے رکھ لیتے ہیں! ---

۱۰ ہزار سال کی مدت ملاحظہ ہو، اور مردہ جسم کا محفوظ رہنا، نہ سڑنا نہ گلنا، ملاحظہ ہو، محض زمین اور ہوا کے معمولی طبعی اثرات سے! دل نے کہا اب اُس مرد خدا کی غذا کے متعلق کیا کہا جائےگا جسے [illegible] ۱۰ ہزار سال کے دسویں حصہ بھی نہیں، بلکہ کل سو یں حصہ یعنی ایک سَو سال تک سڑنے گلنے سے محفوظ رکھا تھا؟ بل لبثت مائة عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ (بقرہ۔ آیت ۲۵۹) عالم طبعی اسباب تو دس ہزار سال تک غذا کو محفوظ رکھیں لیکن مسبب الاسباب اگر کل سَو سال تک کسی غذا کے محفوظ رہنے کا اعلان کرے تو "روشن خیالوں" کی جبین عقیدت پر شکن پڑ جائے! حقیقت یہ ہے یہ ہوا پرست ہیں اور خوب انکا تخیل خدا اور خدا کی قوتوں کے متعلق ہے!

قدامت پرستی پر ضرب

صاحب قصص النبیین للاطفال مولانا ابو الحسن علی ندوی کا تازہ مکتوب اس قدر اہم اور پُر از حقائق ہے، کہ تمام و کمال ان صفحات میں درج کرنے کے لائق ہے:۔

"کتاب کو بزرگوں میں صرف آپ نے اور دوستوں میں مولانا مسعود عالم صاحب نے توجہ سے دیکھا۔ اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ورنہ بہت سے لوگوں کو تو اس پر نظر ڈالنے کی بھی فرصت نہیں۔ بعض اداروں میں تین تین نسخے بھیجے گئے۔ رسید تک نہ آئی۔ ایک عالم نے فرمایا کہ یہ تو جدید عربی زبان لکھی گئی ہے۔

میرا یہ یقین مستحکم ہو چلا ہے کہ ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں، جنکو مغربی تہذیب و نظام تعلیم سے سابقہ ہے دینی تعلیم کی بقا کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے پورے نظام میں دینی عقائد، دینی معلومات اور شعائر دین کی عظمت [illegible] جاری و ساری ہو جائے جس طرح روح یا خون انسان کے پورے جسم میں۔ اسکا ادب، تاریخ، علوم عقلیہ حتی کہ علوم ریاضیہ بھی ان سے متاثر ہوں [illegible] [illegible] اور سائنٹیفک سے ہو کہ طالب علم کے ذہن پر وزن بار نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اسکی کتابیں اور [illegible] دورس اپنے اندر دلچسپی و خوشگواری اور تاثیر و [illegible] کی آئیت رکھتی ہو تصنیف صحیح ہو ہیئت [illegible] کہ حسن طباعت میں بھی جدید نظام تعلیم کی کتابوں اور مضامین سے کسی طرح کمتر و فروتر نہ ہو۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان سے فائق و برتر [illegible] زیادہ ترقی یافتہ ہو اس لیے کہ ہم دینی حقائق کو دماغ [illegible] دل میں اُتارنا چاہتے ہیں انکے لیے اس سے زیادہ شیرینی و دلکشی کی ضرورت ہے [illegible] کے افسانوں اور حسن و عشق کے افسانوں کے لیے [illegible] خود بہت دلکش اور دلچسپ بھی، لیکن یہ چیز [illegible] اور زیادہ دلکشی کا اضافہ کر دیا ہے۔

آپ "برٹش اسٹڈرس ریڈرز" اور "ریپڈ ریڈنگ" کے سلسلہ کی کتابوں سے خوب واقف ہیں۔ انکے مقابلہ میں ہم اسی عمر کے بچوں کو دینی نہیں بلکہ زبان و ادب کی جو کتابیں دیتے ہیں انکا مقابلہ ہزارہا یا دو سو کا کاغذ پر چھپی ہوئی، بد خط لکھی ہوئی، غیر دلچسپ اور روکھی، املائی غلطیوں سے سراسر غیر مفید اور بعض اوقات قابل اعتراض مضامین کی [illegible] احتیاط کی ہے [illegible] بچوں کے سیکھنے اور [illegible] کوئی صفحہ [illegible] نہیں۔ اس سے زیادہ [illegible] یہ ہم اُن نظام تعلیم کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے ساتھ دلکشی کا پورا سامان رکھتا ہے جس کی پشت پر [illegible] کی تعداد میں [illegible] ماہرین تعلیم نیا جنھوں نے بچوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ نئے نئے تجربے اور ضروری ترمیمیں کرتے رہتے ہیں اور سیلاب کی طرح اُنکے مطبوعات پھیل جاتے ہیں۔ [illegible] اور نظرتاً جدت و قوت ایجاد رکھتی ہے کہ باطل کے فروغ اور [illegible] من المعقول غرور کے پیدا کرنے اور پھیلانے میں [illegible]؟

اُردو اور عربی میں ایسے نصاب اور لٹریچر کی تیاری ایک اہم اور تعلیمی مسئلہ ہے جس کی طرف ہمارے دینی اور تعلیمی اداروں کی توجہ کی ضرورت ہے۔ یہ متفرق اشخاص کے بس کی بات نہیں۔ اسکے لیے مختلف صلاحیتوں کے افراد کے تعاون اور وسیع وسائل کی ضرورت ہے۔ یہ وسائل اور صلاحیتیں مصر میں موجود ہیں، مگر افسوس ہے کہ وہ دینی [illegible] سے خالی ہے ... انکی زبان اور لطف بیان دیکھ کر دل للچا اُٹھے لیکن دینی و اخلاقی روح سے یکسر خالی۔ ہندوستان پر اللہ کا بڑا فضل ہے [illegible] ان مصری اُدباء کی [illegible] سے بہتر کتابیں تیار کی جا سکتی ہیں، لیکن وسائل نشر و اشاعت کی بڑی کمی ہے اور ان سے زیادہ حوصلہ افزائی [illegible] [illegible] اور [illegible] نہیں۔ [illegible] زیادہ غور کرنے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جدید [illegible] [illegible] [illegible] دوسری [illegible] جمود و [illegible] ہے۔ [illegible] ہر جدید لذیذ و مفید ہے اور ہر قدیم [illegible] واجب الاحترام ہے۔ صورت وہ کہ نفحۃ الیمن، مقامات حریری، [illegible] جانی کا [illegible] کی جگہ قائم ہو سکتی ہے، محض اس لیے کہ یہ کتابیں اگلوں کے [illegible] چلی ہیں! اور یہ کسی طرح انکے بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مولانا احسن [illegible] ہمدرد [illegible] مولانا ابو الحسن علی ندوی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تجربہ کی تحریر [illegible]

سمجھ، اس لیے بیے اثر تھا کہ ان اشخاص کا شمار رضا کا بہ طوع نہیں؛ نہ یہ حضرات کسی سے بھی یاد متقلد تھا!

عورت کا دورِ آزادی

"ہزار ہا سال سے" لایا گیا چاہیے کہ کبھی بھی ہندوستانی عورت نے زندگی کے مختلف شعبوں میں نہ وہ ترقی کی تھی، نہ اتنی آزادی حاصل کر لی تھی جو آج اسے مغربی تہذیب و تمدن کے طفیل میں، خصوصاً پچھلی تیس برس کی کوشش سے حاصل ہو چکی ہے۔

یہ ایک نئی مصنفہ مس مہشر گرے نے اپنی تازہ کتاب "انڈین ویمن، اینڈ دی ویسٹ" (ہندوستانی عورت اور مغرب) میں فخریہ لکھا ہے۔

یہ حوالہ مدراس میل ۱۰ جولائی ۱۹۴۰ء،

اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، تو کیا اب اس دور سے قبل ناچنے گانے کی، ایکٹریس، و سینما ایکٹریس بننے کی، عزت و شرافت سے تخیل پر مضحکہ کرنے کی، اپنی عصمت کو .... ورنے دوں لٹا دینے کی، ناچ میں نام پیدا کرنے کی، ہر صنف میں نام پیدا کرنے کی یہ آزادیاں حاصل تھیں۔ کوئی ایک ہزار سال سے مسلمانوں کی آمد و رفت ہندوستان میں شروع ہوئی تھی، جب سے تو بہر حال یہ حاصل تھیں۔ ہم اور .... دونوں .... کی عزت کرنا ہم نے سیکھ لیا تھا۔ کہ غیرت، شرم و حیا کرنا، غیروں کے سامنے آنکھیں نیچی رکھنا، یہ سب وہ سیکھ لی تھی۔ اب اس دور سے بہت پہلے، جب عورت کا گھر اور .... بننا، دیوتاؤں کے لیے مندروں میں دیوداسی بن جانا تھا۔ جاہلیت اولیٰ کا وہ دور، البتہ جاہلیت جدیدہ کے آزادی بخش آزادی پر دور کے مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے!

اسلام کا نظریہ معاشی

آئندہ نمبر سے فاضل گرامی جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا ایک مقالہ "اسلامی نظریۂ معاشی" پر شائع ہو رہا ہے۔ مضمون مشہور محقق ابن حزم ظاہری کی کتاب محلّیٰ سے ماخوذ ہے۔ اسکے ساتھ مولانا کا جو عنایت نامہ وصول ہوا، وہ اسکی مناسب تمہید کا کام دیگا:—

"ادھر محلّیٰ ابن حزم میں ایک بڑا دلچسپ مضمون ملا، موجودہ معاشی طوفان کے موسم میں میرا خیال تو یہی ہے کہ وہ ایک مستقل انقلابی مضمون کی حیثیت رکھتا ہے۔ کم از کم جو مواد انھوں نے جمع کر دیا ہے، ایک جگہ اسکا ملنا دشوار تھا۔ میں نے گو انکی ترتیب کو باقی نہیں رکھا لیکن خیالات اور ان خیالات کی تائید میں جو دلائل انھوں نے پیش کیے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ البتہ کہیں کہیں بیچ بیچ میں .... اشارہ کے متعلق فقہا کے بھی اقوال میں نے درج کر دیے ہیں۔ .... کے متعلق اسلام کا .... نظریہ نہ سرمایہ داری سے تعلق رکھتا ہو اور نہ اشتراکیت سے، اسے واضح .... کی شکل پر حافظ ابن حزم نے پیش کیا ہے۔ مجھے

اسکا اندیشہ ہے کہ مجلات اور .... اشتراک کے باعث مکمل ہے کہ مضمون .... چاہیے اشتراک .... نہ ہو سکی۔ .... اس قابل ضرور ہے کہ اسکے مواد کو پیش نظر رکھ کر مختلف پیرایوں میں اسلام کے اس معاشی نظریہ کی اشاعت کی جائے۔

"صاحب" کی شرافت

لندن ۔ ۲۲ ۔ جولائی ۔ لندن کے مقتدر وار سنڈے ڈسپیچ آج اپنے ایڈیٹوریل میں لکھتا ہے کہ اتحادیوں کو زہریلی گیس کا جو ہزاروں ٹن کا ذخیرہ جرمنی میں ملا ہے، مالِ غنیمت ہاتھ لگ گیا ہے۔ آخر اسکا مصرف کب ہوگا؟ جاپان سے جنگ ہمیں بہر حال جلد سے جلد ختم کر لینی ہے۔ اور اسکی بہترین تدبیر اس زہریلی گیس کا استعمال ہے۔ اب یورپ میں جو ہم نے اسکا استعمال نہیں کیا تھا، تو اسکا باعث یہی تھا کہ دشمن کے پاس بھی یہی حربہ تھا۔ لیکن اب جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ جاپان کے پاس یہ سامان تیار نہیں۔ اور بالفرض ہو بھی، تو انکے پاس ہوائی قوت تو اتنی یقیناً نہیں کہ وہ اس ذخیرہ سے .... کام لے سکے، تو اب کوئی وجہ اسکے استعمال میں تامل کی نہیں۔" (اے۔ پی۔ اے)

عرب جاہلیت میں سنا ہے کہ ایک قاعدہ یہ تھا کہ معرکۂ جنگ میں سوار، پیدل پر حملہ کرنا مردانگی و شجاعت کے خلاف سمجھتا، اور اگر حریف کے پاس گھوڑا نہ ہوتا تو خود بھی گھوڑے سے اتر پڑتا، کہ مقابلہ بالکل برابر کا رہے ——— شجاعت کا، شرافت کا، تہذیب کا معیار تو .... دور تھا، اور اب یہ "صاحب" .... کہ جو حربہ حریف کے پاس نہ ہو، عین اسی سے اسے بے بس کر کے .... کا .... ملتا تھا!

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۲)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س۔ احقر کو حضرت مولانا تھانویؒ کے بعض مواعظ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جیسے جیسے مطالعات ہوئیں، کشش بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ تمنا پیدا ہوا کہ کسی مستی سے جو چشمۂ اشرفی سے فیضیاب ہو، تعلق پیدا کیا جائے۔

ج۔ حضرتؒ کی شفقت و عنایت یقیناً اس حقیر کے حال پر بہت زائد تھی۔ اپنے اکثر مریدین بلکہ مستند خلفاء مجازین سے بھی بڑھ کر۔ لیکن جہاں تک خالص تعلق کا ہے، یہ فقیر اس آستانہ سے کسی نسبت کا شرف نہیں رکھتا۔ اسے خوب سمجھ لیا جائے۔

س۔ حضرت تھانویؒ کے بیان فرمودہ معیارات شیخ بھی

قوم نوح اور عہد حاضر

عبرتیں اور بصیرتیں

(از علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

کہنے کیلئے تو کہا جا رہا ہے، زمانہ آگے بڑھ رہا ہے، انسانیت ترقی کرکے کسی ارتقائی منزل پر پہنچ گئی ہے، لیکن قرآن پڑھنے والا جانتا ہے کہ دنیا پیچھے کی طرف لوٹی ہے اور اتنا پیچھے چلی جا چکی ہے یا قریب ہے کہ اس نقطہ پر پہنچ جائے جس پر آج سے ہزارہا ہزار سال پیشتر نوح علیہ السلام کے عہد انسانیت نے پہنچ کر دم توڑا تھا۔ ادھر چند دنوں سے مجھ پر سورہ نوح کی آیتوں کا خاص اثر ہے۔ اس سورہ کی آیتوں کو پڑھتا ہوں اور حیرت ہوتی ہے کہ بارالہا آخر میں کس زمانہ میں پہنچ گیا۔ نوح علیہ السلام کا بیان کہ جب کسی کو وہ خدا کی طرف بلاتے ہیں، وہ کپڑوں میں منہ چھپاتا ہے کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہے، گویا انکی کوئی بات وہ سننا ہی نہیں چاہتا۔ آج روشن خیالی کے مدعیوں کا یہی حال کیا نہیں ہے۔ بجائے کپڑوں کے اپنے اوپر کاغذی اوراق کو وہ لپیٹے ہوئے نہیں ہیں، خود اپنے دماغ سے پیدا ہونے والے خیالات کی انگلیاں اپنے کانوں میں وہ نہیں ٹھونس رہے ہیں، آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔ سورہ نوح کی آیت وقال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا (نوح نے کہا اے میرے مالک یہ لوگ تو ان لوگوں کے پیچھے لگے چلے جا رہے ہیں جنکے مال اور جنکی اولاد صرف بربادی اور تباہی کی طرف انہیں لیے چلی جا رہی ہے) اس آیۃ کریمہ کو پڑھتا ہوں اور یورپ وامریکہ والوں کے مال اور انکی بڑھی ہوئی آبادیوں کو دیکھتا ہوں پھر سوچتا ہوں کہ سب کے سامنے یہ واقعہ گزر رہا ہے کہ یورپ نے جو کچھ کمایا، امریکہ والوں نے جن جن راہوں سے لیے تھا دولت اپنے ملک میں اکٹھا کی اور جیسا کہ انھیں کا بیان ہے کہ صحت و قوت کے قوانین پر عمل کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ انکی مردم شماری آج اتنی زیادہ بڑھی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ الغرض الکاثر مال ہو یا ولد دونوں کی ترقیوں کا نتیجہ آج یہ جنگ ہے۔ عجیب جنگ جس میں مال و ولد والے دونوں نے اپنا مال بھی لگا دیا اور اپنے ولد کو بھی قربانی دیا۔ جس ولد کی قربانیاں کروڑہا کروڑ تک پہنچ چکی ہیں، تو ان قربانیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ مگر آج جب جنگ کے اختتام کی خبریں آ رہی ہیں، میں سوچتا ہوں کہ اس مال اور اس ولد کی قربانیوں نے ان لوگوں کو کس چیز میں آگے بڑھایا؟ خسارا بربادی و تباہی کے سوا اور کوئی دوسری چیز ایسی ہاتھ نہیں لگی، رہی ہے جسکے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ کسی حیثیت سے بھی انسانیت کو کسی حد تک کچھ بھی ان قربانیوں سے فائدہ پہنچا ہو، ملک کے نوجوان کشتہ گئے، ولد کا جو سیلاب انکے اندر سے آیا تھا وہ سب کے سمندروں میں غرق ہو گیا۔ ایشیا اور افریقہ کے غرباء کے منہ سے چھین چھین کر صدیوں میں جو سرمایہ ان ممالک میں اکٹھا کیا گیا تھا، دھواں بن کر کچھ فضا میں گم ہو گیا، بڑا حصہ انکا سمندروں کے شکم میں ہضم ہو گیا، لیکن "الا خسارا" کے سوا بتایا جائے کہ حاصل مال و ولد کی قربانیوں کا اور بھی کچھ ہوا۔ دیکھنے والوں کو یہ سب کچھ دکھایا جا رہا ہے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک دکھایا گیا اور پانچ ساڑھے پانچ سال سے اسی قصہ کا پھر اعادہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن "من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا" کا کھلا ہوا مشاہدہ جسکے متعلق مسلسل کرایا جا رہا ہے۔ پیچھے جانیوالے ان ہی کے پیچھے جا رہے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جس عقم اور بانجھ پن کے مرض کی شکار عہد نوحی میں انسانی نسل ہو گئی تھی، اتنی بانجھ اور ایسی عقیم کہ کسی شاعر نے نہیں بلکہ خدا کا پیغمبر خدا کے آگے اپنے عہد کی انسانیت کی تاریخ ان الفاظ میں محفوظ کراتا ہے کہ انک ان تذرہم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا (یعنی اے خدا اگر انکو تو چھوڑ دیگا تو تیرے بندوں کی یہ راہ ماریں گے اور نہ پیدا کرینگے یہ گمراہوں اور نمک حراموں کو) اسی تاریخی عقم کی کیفیت اگر عہد حاضر کی انسانیت پر بالکلیہ طاری نہیں ہو گئی ہے، تو جو حالات ہیں، خدا نخواستہ اگر یہ باقی رہے، تو اسکا انجام سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیا ہوگا؟ بجز اس کی راہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس عہد کا جو پیغمبر ہے اسی کے بیت میں ایمان کے ساتھ آدمی داخل ہو جائے[۱] ۔ جو اس سے باہر رہیگا، کون کہہ سکتا ہے کہ ان پر تاریخ کے اسی واقعہ کو پھر دہرایا نہ جائیگا، جس کا تماشا ان ہی حالات میں آج سے ہزارہا ہزار سال پیشتر آدم کی "فاجرو کفار" اولاد کر چکی ہے۔ زمانہ تک حضرت نوح کے نعروں میں "ومکروا مکرا کبارا" کے نعرے کا مطلب واضح مطالب سمجھ میں نہیں آتا تھا "مکر کبار" کیا تھا۔ لیکن اللہ اور اللہ والوں کے مقابلہ میں جو گہری چالیں اس زمانہ میں چلائی جا رہی ہیں، مذہب کے مقابلہ میں نئے نئے نظام" "انسانیت کے فلاح و بہبود" "ارتقاء و عروج" کے نصب العینوں کے ساتھ پیش ہو رہے ہیں، اور جا بجا کن سقیموں کے جن ابھرانے قابلیتوں کے ساتھ پیش ہو رہے ہیں "مکر کبار" کے سوا سچ تو یہ ہے کہ انکی صحیح تعبیر دوسرے الفاظ سے ناممکن ہے۔

لاحول ولا قوۃ خدا جانے کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا لکھتا چلا گیا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ آجکل نوحی آیتوں سے

---

[۱] سورہ نوح کی آخری آیتیں یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء کے آخری نعرے "رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات" یعنی میرے مالک بخش دیجیے اور میرے والدین کو اور ان لوگوں کو جو مومن بن کر میرے گھر میں داخل ہوئے اور ایمان لانے والے مردوں ایمان لانے والی عورتوں کو) اسی کی طرف ان سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

معلوم ہوئے۔ کامل استخارہ کے بعد طبیعت کا میلان حضرت والا ہی کی طرف پایا گیا۔ اب یہ مریض حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہے اور توقع رکھتا ہے کہ اسکے علاج سے حضرت والا احتراز نہ فرمائیں گے۔

ج۔ مجھ جیسے کو شیخ بنانا تو محض میرے نفس کی رعونت اور شیخی کو بڑھانا ہے۔ ہرگز ہرگز اس منصب کی نہ کوئی صلاحیت رکھتا ہوں نہ اس سے کوئی مناسبت۔ سو اگر یہ ارادہ ہو تو اس سے قطعاً معذور ہوں۔ اور یہ جواب بالکل مختتم ہے۔

البتہ اگر محض طلب مشورہ ہے تو یہ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اپنی خدمت سے بقدر فرصت و وسعت کسی حال میں انکار نہیں۔ اور پھر یہ بیمار مریض نئے مریض کو مفید ہدایت دے بھی سکتا ہے۔

س۔ احقر کی طبیعت میں کاہلی بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں اور بعض بہت تاخیر سے ادا ہوتی ہیں۔ براہ کرم اس سقم کو رفع کرنے کی تدبیر سے مطلع فرمایئے۔

ج۔ کیا ترک نماز و تاخیر نماز کی وعیدیں مستحضر نہیں رہتیں؟ بلا وجہ ایک نماز کے بھی ناغہ کرنے یا تاخیر پر کیسی ملامت ہے! یہ محض طبعی کاہلی کا نتیجہ نہیں بلکہ سخت قسم کی IN- [illegible] DISCIPLINE) یا عدم اطاعت ہے جس سے اغماض ہرگز نہیں برتا جا سکتا۔

ہر ہر ناغہ پر نفس کو کوئی سخت سزا دینا چاہیے، مثلاً دو وقت کا فاقہ، یا نفس پر بار ڈالنے والا مالی جرمانہ۔

اسکے علاوہ متعدد پابند نماز دوستوں ساتھیوں کی صحبت کا ایک مدت تک لزوم۔

س۔ نماز میں بعض دفعہ تو خشوع و خضوع حاصل رہتا ہے مگر اکثر اوقات ذہنی انتشار رہتا ہے کہ یہ یاد بھی نہیں رہتا ہے کہ کونسی سورتیں میں نے پڑھی ہیں۔

ج۔ توجہ و یکسوئی کی جو صورتیں اپنے اختیار کے اندر ہیں انکا التزام رکھا جائے۔ مثلاً نماز سے قبل نماز کی اہمیت کا احساس اور اسکی فرضیت کا استحضار۔ محض MECHANICAL طور پر عادت کی بنا پر نماز کے لیے نہ کھڑا ہو جائے، بلکہ تازہ دم قصد و ارادہ کے ساتھ۔ اور وضو بھی جی لگا کر کیا جائے غفلت کے ساتھ نہیں، احساس بیداری کے ساتھ کیا جائے۔ اور حالت نماز میں تصور خانۂ کعبہ کا رکھا جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔

ان سب تدبیروں کے بعد بھی اگر جی نہ لگے تو بندہ معاف ہے۔ اس سے زیادہ بندہ مکلف نہیں۔ لیکن دل لگے یا کم لگے یا بالکل نہ لگے لیکن ادائے نماز تو بہر حال و بہر صورت فرض ہے۔ اور ادائے نماز میں فرق کسی صورت میں نہ پڑنے پائے۔

س۔ بعض احباب صالح سے ملنے کی وجہ سے اور دینی کتابوں کے پڑھنے کی وجہ سے طبیعت چاہتی ہے کہ اس دنیا کو ٹھوکر مار کر دین ہی کے لیے وقف ہو جاؤں، مگر یہ چیزیں جدا ہوتی ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے اور اسکا ٹھاٹ باٹ۔

ج۔ طبیعت کے احوال ہر وقت یکساں تو حضرات صحابہؓ تک کے نہیں رہتے تھے۔ اصل شے اعمال ہیں نہ کہ احوال یا طبیعت کے تموجات۔ اور اعمال کی صحت کے لیے عقیدۂ عقلی کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ سو وہ بحمد اللہ حاصل ہے۔

س۔ احقر سینیر بی اے میں ہے اور .... کالج میں تعلیم پاتا ہے۔ دعا فرمایئے کہ اس بدترین ماحول کے برے اثرات سے محفوظ و مامون رہوں۔

ج۔ دعا کردی۔ لیکن مقدم تر اس باب میں دوسروں کی دعائیں نہیں، بلکہ اپنے اختیار کی تدبیریں۔

س۔ نیز حضرت والا سے درخواست ہے کہ میری فلاح دارین کے لیے دعا فرمائیں۔

ج۔ انشاء اللہ فلاح دارین عطا ہوگی، جیسا کہ ہر مخلص طالب سے اللہ کا وعدہ ہے۔ باقی جہاں تک درخواست دعا کا تعلق ہے، وہی ادھر سے بھی ہے۔ ہر مسلمان کی بھلائی کی دعا کا حق دوسرے مسلمان پر ہے۔ اس میں بڑے، چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

قلب بہت متاثر ہے۔ اسی تاثر کا یہ اضطراری نتیجہ تھا۔ خدائے ذوالجلال کا ہزار ہزار شکر ہے کہ پیش کرنے والے جن تحریکوں کو "انقلاب نو" اور "دنیائے جدید" "تہذیب جدید" کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ قرآن نے مجھ پر یہی واضح کیا ہے کہ انسانیت کی یہ سب پرانی دقیانوسی تاریخ کا اعادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہد حاضر کے فتنوں سے بچنے اور اسکے "مکر کبار" کے سمجھنے کے لیے قرآن کی ان آیتوں کی تلاوت انشاء اللہ مفید ہوگی۔ موقع ہوا تو کسی مستقل مضمون میں ان آیتوں کو جمع کرکے ان پہلوؤں کو ناظرین صدق کے آگے انشاء اللہ پیش کروں گا جو اب تک میرے سامنے رکھے ہیں۔ فقط

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

دار العلوم ندوۃ العلماء میں

ماہ مبارک کا زمانہ آ رہا ہے اس ماہ میں اہل خیر حضرات زکوٰۃ کی رقم نکالیں گے۔ اس لیے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے بہترین مصرف کی انھیں خبر دوں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں کثرت سے ایسے نادار طلبہ ہیں جنکے طعام و لباس کی کفالت اہل خیر حضرات کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور [illegible] دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہاں کی قابل قدر تربیت

نزولِ مسیح علیہ السَّلام کا عقیدہ

اسلامی اصول کی روشنی میں

نمبر (۳)

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مجلس علمی ڈابھیل)

(۹) لا یکفر اہل القبلۃ الا فیما فیہ انکار ما علم مجیئہ بالضرورۃ او المجمع علیہ کاستحلال المحرمات (ارشاد الشیخ الاسلام الحنفیۃ) — اہل قبلہ کی اُسوقت تک تکفیر نہیں کی جاتی جب تک ضروریات دینیہ کا انکار نہ کرے یا جس چیز پر اجماع منعقد ہوچکا ہو مثلاً حرام کو حلال سمجھنا۔

(۱۰) ولذلک نقطع بتکفیر من کذب او انکر قاعدۃ من قواعد الشرعیۃ وما عرف یقیناً بالنقل المتواتر من فعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم الخ — جو شخص تکذیب کرے یا کلیات شریعت میں سے کسی قاعدہ سے انکار کرے یا جو چیز نبی کریم سے متواتر ثابت ہے اس سے انکار کرے اسکی تکفیر قطعی و یقینی ہے۔

(۱۳) وخرق الاجماع القطعی الذی صار من ضروریات الدین کفر الخ (کلیات ابی البقاء کتو (ار کفار الملحدین) — قطعی اجماع جو ضروریات دین میں داخل ہے اسکی مخالفت کرنا کفر ہے۔

(۱۴) ضروریات دین کی مثالیں علماء امت اپنی اپنی کتابوں میں وہ چار مثالیں ذکر کردیتے ہیں۔ ناظرین کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ضروریات دین بس یہی ہیں آگے سلسلہ ختم ہوگیا۔ یہ غلط فہمی بعض اوقات بڑے بڑے صاحب کو بھی پیش آرہی ہے۔ حالانکہ ان اہل علم کا مقصود صرف مثال پیش کرنی ہوتی ہے۔ نہ استقصاء نہ حصر مقصود ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے ذیل میں ہم ان مثالوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جو سرسری کتب سے مل سکیں۔ تاکہ اس مختصر فہرست سے خود بخود یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مقصود تمثیل تھی نہ پوری فہرست۔ کتب فقہ، اصول فقہ، کتب کلام اصول حدیث میں ذیل کی مثالیں ملتی ہیں:—

اثبات علم الٰہی، قدرت محیط، ارادۂ کاملہ، صفتِ کلام، قرآن کریم، قدم قرآن، قدم صفات باری، حدوث عالم، حشر اجساد، عذاب قبر، جزا و سزا، رویت باری قیامت میں، شفاعت کبریٰ، حوض کوثر، وجود ملائکہ، وجود کراماً کاتبین، ختم نبوت، نبوت کا وہبی ہونا، مہاجرین و انصار کی اہانت کا عدم جواز، اہل بیت کی محبت، خلافت شیخین، پانچ نمازیں، فرض رکعات کی تعداد، تعداد سجدات، رمضان کے روزے، زکوٰۃ، مقادیر زکوٰۃ، حج، وقوف عرفات، تعداد طواف، جہاد، نمازمیں استقبال کعبہ، جماعت، اذان، عیدین، جواز مسح خفین، عدم جواز سب رسول، عدم جواز سب شیخین، نکاح محرم انکار، عدم استحلال محرمات، ذوی المحارم کی حرمت، تحریم ربوٰ، حرمت بنات، تحریم عمات و خالات، وغیرہ

حرمت، حرمت زنا، غسل جنابت، تحریم نکاح امہات، تحریم نکاح بنات، تحریم نکاح ذوی المحارم، حرمت خمر، حرمت قمار۔ اس فہرست میں جو ضروریات پیش کی گئی ہیں اب تو خیال مبارک میں آگیا ہوگا کہ بعض وہ امور جنکی طرف التفات بھی نہ ہوگا وہ بھی ضروریات دین میں داخل ہیں۔ اب ہم اس بحث کے آخر میں محقق عصر حضرت شاہ انور صاحب کی عبارت کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ پوری عبارت اکفار الملحدین میں منقول ہے۔ اس سے انشاء اللہ یہ بات بالکل بدیہی ہو جائیگی کہ ضروریات دین کے لیے ضابطہ کلیہ کیا ہے۔ اور جو چیزیں بطور تمثیل پیش کی جاتی ہیں اُنکا دائرہ صرف تمثیل ہی کی حد تک محدود ہے۔ فرماتے ہیں:

ضروریات الدین منحصرۃ عندہم فی ثلاثۃ مدلول الکتاب بشرط نصًا صریحًا لا یمکن تاویلہ کتحریم البنات والامہات ..... ومدلول السنۃ المتواترۃ لفظًا او معنًی سواء کان من الاعمال او من الاعتقادات وسواء کان فرضًا او نفلًا ..... والمجمع علیہ اجماعًا قطعیًا کخلافۃ الصدیق والفاروق ونحو ذلک ولا شبہۃ ان من انکر امثال ہذہ الامور لم یبق ایمانہ بالکتاب والنبیؐ الخ

ضروریات دین تین قسم ہیں۔ پہلی قسم یہ کہ نص قرآنی صریح سے ثابت ہو جیسے ماں یا بیٹی سے نکاح کا حرام ہونا۔ دوسری قسم یہ کہ سنت متواترہ سے ثابت ہوں۔ تواتر خواہ لفظی ہو خواہ معنوی۔ عقائد ہوں یا اعمال میں ہو۔ فرض ہو یا نفل ہو۔ تیسری قسم یہ کہ اجماع قطعی سے ثابت ہوں جیسے صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی خلافت وغیرہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے امور سے اگر انکار کیا جاوے تو اُس شخص کا ایمان قرآن اور انبیاء پر صحیح نہیں ہے۔ الخ

امام العصر محدث حضرت استاذ محمد انور شاہ مزید توضیح کے لیے فرماتے ہیں کہ ضروریات کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا ثبوت ضروری ہو۔ دین سے ہونا یقینی ہو۔ اور جو بھی اسکا شرعی مرتبہ ہو اسی درجہ کا عقیدہ اسکا ضروری ہوگا۔ مثلاً نماز فرض ہے اور فرضیت کا عقیدہ بھی فرض ہے اور اسکا سیکھنا بھی فرض ہے اور انکار کفر ہے۔ اسی طرح مسواک کرنا سنت ہے اور سنت ہونے کا عقیدہ فرض ہے اور سیکھنا سنت اور انکار کرنا کفر ہے۔ اور عملاً ترک کردینا باعث عتاب یا عقاب ہے۔ اب امید ہے کہ اس تشریح سے ضروریات دین کی حقیقت واضح ہوگئی ہوگی۔ بات تو بہت لمبی ہوگئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوگی۔ اور آجکل جو عام طور سے ایمان و کفر کے قواعد یا مسائل میں عوام کو یا عالم نما جاہلوں کو شبہات و شکوک پیدا ہورہے ہیں اُنکا بھی اس سے تصفیہ ہو جائیگا۔ اس طولانی تمہید کے بعد ان ہی اصول مذکورہ کی روشنی میں ہم نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو پرکھتے ہیں اگرچہ ہمارا اصلی مقصد تو

ظاہر ہو گیا۔ اب طالب حق خود ہی ان اصول اسلامیہ اور قواعد مسلمہ کی روشنی میں تفتیش و تلاش کرکے مزید ضروریات دین کے ثبوت معلوم کرسکے گا لیکن تبرعاً چند مختصر گزارشات بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ "نزول مسیح علیہ السلام" کے تینوں پہلوؤں قرآنی حیثیت اسکی کیا ہے؟ حدیثی رتبہ کیا ہے؟ اور اجماع امت کا فیصلہ اس بارے میں کیا ہے؟ تینوں امور واضح ہوجانے کے بعد خود بخود یہ چیز اظہر من الشمس ہوجائیگی کہ عقیدۂ نزول ضروریات دین میں سے ہے یا نہیں۔

نزول مسیح اور قرآن کریم

(۱) وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا (زخرف علامۃ) ترجمان القرآن

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے اور تابعین میں سے ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، مجاہد وغیرہ سے آیۂ کریمہ کی صحیح تفسیر یہ منقول ہے کہ "انہ" کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور قرآنی سیاق کا یہی تقاضا ہے اور "علم" کے معنی نشانی کے ہیں۔ تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور میں مجاہد سے مروی ہے۔ قال آیۃ للساعۃ خروج عیسیٰ بن مریم قبل یوم القیمۃ۔ حافظ ابن کثیر دعویٰ کرتے ہیں کہ تفسیر صحیح ہے۔ ظاہر ہے کسی صحابی سے اسکے خلاف تفسیر منقول نہیں۔ ایسی صورت میں حبر امۃ اور بحر امت ترجمان القرآن ابن عباس کی تفسیر سے زیادہ راجح کیا تفسیر ہوسکتی ہے۔ اب ترجمہ آیۂ کریمہ کا یہ ہوا کہ "یقیناً یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہے پس اس میں شک نہ کرو"۔ تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر (۲۵-۵۴) مطبوعہ میریہ تفسیر ابن کثیر (۹ — ۱۲۶) مطبوعہ میریہ الدر المنثور (۶ — ۲۰) طبع مصر عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام (ص ۱) ملاحظہ ہو۔ اس لیے عقیدۃ الاسلام (۵۴) میں حضرت امام العصر فرماتے ہیں:- واذا تواترت الاحادیث بنزولہ، تواترت الآثار وہو المتبادر من نظم الآیۃ فلا یجوز تفسیرہ بغیرہ آہ

(۲) وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیہم شہیداً" (النساء، ۱۵۹)	کوئی شخص اہل کتاب میں سے نہ رہیگا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام پر اُن کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔

"موتہ" کی ضمیر میں نزاع ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابن سیرین، ضحاک، جویبر وغیرہ کی تفسیر کے مطابق اس کی تصحیح و ترجیح فرمائی ہے کہ "موتہ" راجع ہے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ اور مقصود یہ ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جتنے اہل کتاب ہونگے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے سب ایمان لائیں گے اور اسی قول کو ابن جریر اپنی تفسیر میں "اولی ہذہ الاقوال بالصحۃ" قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں وہذا القول ہو الحق کما سنبینہ بالدلیل القاطع ان شاء اللہ ..... اور پھر فرماتے ہیں:

ولا شک ان ہذا الذی قالہ ابن جریر ہو الصحیح لانہ المقصود من سیاق الآی۔ غرضیکہ انتہائی تاکید سے ابن کثیر نے اس دعوے کو ثابت کیا ہے۔ فتح الباری (۶ — ۳۵۷) میں۔ عمدۃ القاری (۷ — ۲۵۲) میں نے اسی تفسیر کو اہل العلم کی تفسیر بتلایا ہے۔ بہرحال قرآن کریم کی راجح تفسیر کی بنا پر دو آیتوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے لیکن چونکہ دونوں آیتیں اس مقصود پر قطعی الدلالۃ نہیں ہیں اسلیے صرف قرآنی حیثیت سے "ظن غالب اور قوی" حاصل ہوگا۔ لیکن یہ ظن ایسا ہے کہ مرتبۂ یقین کے قریب ہے۔ بہرحال یہ تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس موضوع کی تفسیری تحقیق نکات و لطائف کو دیکھنے کا اگر شوق ہو تو "عقیدۃ الاسلام" اور "تحیۃ الاسلام" کی مراجعت کی جائے جو امام العصر مولانا انورشاہ صاحبؒ کی اس موضوع میں بے نظیر کتابیں ہیں۔

نزول مسیح میں تواتر حدیث

اب رہا دوسرا پہلو حدیثی اعتبار سے، تو یہ پہلے ذہن نشین ہوجانا چاہیے کہ تواتر حدیث یا تواتر احادیث دونوں ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک "متن" مثلاً دس صحابہ سے مروی ہے وہ دس حدیثیں کہلائینگی اگر عدد صحابہ درجۂ تواتر کو پہنچگیا تو یہی حدیث متن کے اعتبار سے حدیث متواتر ہوگی اور رواۃ اور کثرت طرق کے اعتبار سے احادیث متواترہ کی تعبیر زیادہ انسب ہوگی۔ بظاہر جیبوری صاحب اس سے بھی غافل ہیں۔ اب سنیے اگر کسی حدیث کے رواۃ اور طرق بحث و تفتیش کے بعد درجۂ تواتر کو پہنچ گئے ہیں تو ہر محدث کو اس حدیث کے متواتر کہنے کا حق حاصل ہوگا چاہے امت میں کسی نے تصریح نہ کی ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کسی محدث نے بغیر بحث و تحقیق کے کسی حدیث کے متعلق فرمادیا ہو کہ یہ "خبر واحد" ہے۔ بعد میں تتبع طرق و کثرۃ رواۃ سے کسی کو معلوم ہوا کہ متواتر ہے تو وہ متواتر ہوگی اور مفید للعلم القطعی ہوگی۔ نیز یہ معلوم رہے کہ ہر فن کا مسئلہ اس فن والوں سے لیا جاتا ہے۔ کسی حدیث کی تصحیح یا تحسین و تضعیف یا خبر واحد یا مشہور و متواتر ہونے کے لیے محدث ہی کی شہادت پیش کی جائیگی صرف فقیہ کا یہ منصب نہیں اور نہ صرف متکلم یا معقولی کا یہ وظیفہ ہے۔ ایک موقع پر جیبوری صاحب نے "نزول مسیح" کی احادیث کو "اخبار آحاد" کہنے کے لیے تفتازانی کی عبارت پیش فرمائی ہے۔ یہ فن تفتازانی کا نہیں۔ وہ معانی و بیان یا منطق و کلام میں ہزار درجہ محقق ہوں تو ہوں، حدیث انکا فن نہیں ہے۔ یہاں تو غزالی امام الحرمین رازی آمدی جیسے اکابر کے اقوال بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہ جا بیچارہ تفتازانی کا۔ ایسے موقع پر منذری، دمیاطی، مزی، ذہبی، عراقی، ابن حجر، بدر عینی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر وغیرہ وغیرہ محدثین امت حفاظ حدیث کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے۔ سید جرجانی و تفتازانی کی حدیث دانی کے لیے یہ واقعہ کافی ہے

(باقی آئندہ)

نسائیت اور جنگ

جنگ جتنی زیادہ طویل ہمہ گیر اور شدید ہوگی اُسکے اثرات بھی اتنے ہی دیرپا اور ہمہ گیر ہونگے۔ موجودہ جنگ دنیا کی سب سے بڑی ہلاکت آفرین جنگ ہے اس بنا پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلی جنگ کے مقابلہ میں موجودہ جنگ کے نتائج انسانی اخلاق و معاشرت کے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہونگے۔

پہلی جنگ نے اگر عورتوں کی عریانی کو اس حد تک پہونچایا تھا، تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر مذہب اور اخلاق کی بے قیدی کا یہی عالم رہا تو یہ عریانی کس حد تک پہونچ کر دم لیگی۔

چنانچہ موجودہ جنگ کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں مردوں کی تعداد کے کم ہو جانے سے وہاں کی عورتوں میں جو آوارہ مزاجی پیدا ہوئی ہے اُسکی خبریں ابھی سے اخبارات میں آنے لگی ہیں۔ اور ان سے ایک صاحب بصیرت انسان آسانی قیاس کر سکتا ہے کہ فضا کا یہ تکدر مستقبل میں کس ہولناک طوفان کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ امریکہ کے ایک رسالہ دی امریکن میگزین میں ایک یورپین فاضل ڈاکٹر ہنری بوین نے حال ہی میں ایک بیان شائع کرایا ہے جس میں موصوف نے کہا ہے کہ "امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اب مردوں اور عورتوں کی تعداد ایک اور دس کی رہ گئی ہے اور یہاں عورتوں کی ایک نئی قسم دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ عورتیں جوق در جوق سڑکوں پر چلتی پھرتی ہیں اور جہاں کہیں انکو کسی مرد کی صورت نظر آتی ہے یہ عورتیں اس مرد کو دیکھ کر سیٹی بجاتی ہیں اسکی طرف رومال اُڑاتی ہیں اور طرح طرح کی ترکیبوں سے اسکو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں یہ حالت تو اب ہے جبکہ فوجیں ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔ فوجوں کی واپسی کے بعد ان عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ اسکا اندازہ بھی مشکل ہے۔

اسی قسم کے خاص حالات کے پیش نظر اسلام میں تعداد ازدواج کو مباح اور جائز رکھا گیا ہے، جسکی وجہ سے ایک سوسائٹی جنگ کے بعد بداخلاقی اور بدکاری سے محفوظ رہ سکتی ہے، اور اس طرح جنگ میں جتنے مردوں کا نقصان ہوا ہے، اسکی مکافات بھی جلد ہی ہو سکتی ہے ورنہ اگر آپ ان حالات میں بھی ایک مرد کو ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو پھر دنیا میں کوئی تدبیر ایسی نہیں ہے جسکے ذریعہ آپ بداخلاقی، بدچلنی، آوارگی اور ہوس پرستی کے سیلاب کا انسداد کر سکیں۔

(برہان)

(بقیہ صفحہ ۵)

سے مستفید ہو کر اپنے اپنے مقامات پر جا کر اسلام کی خدمت کرتے ہیں اور سیکڑوں ناواقف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر صاحب ثروت مسلمان اپنی زکوٰۃ کا کوئی حصہ ان غریب طلبہ کے لیے مخصوص فرما دیں تو زکوٰۃ ادا ہونے کے علاوہ انہیں قیامت تک ان بندگان اللہ کے اعمال حسنہ کا ثواب ملتا رہیگا جنکی ہدایت بالواسطہ یا بلاواسطہ ان طلبہ کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ امید ہے کہ اس صدقہ جاریہ کو صاحب نصاب مسلمان فراموش نہ فرمائیں گے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے غیر مستطیع طلبہ کے لیے کوئی رقم مقررہ سالانہ فرمائینگے

سید عبدالعلی - ناظم ندوۃ العلماء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)	وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین - کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱۶)

چندہ اور انتظامی امور

کے بارے میں اس پتہ پر مراسلت کیجیے:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی ۴ر

سہ ماہہ چندے سالانہ ۱۵ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

جلد ۱۱	یوم سہ شنبہ - ۲۸ - شعبان المعظم سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - اگست سنہ ۱۹۴۵ء	نمبر ۲۵

سچی باتیں

برطانیہ کی وزارت بات کی بات میں بدل گئی - برسوں کا جما جمایا نقشہ آناً فاناً اُلٹ گیا۔ "ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا"! جو بڑے مانے جاتے تھے، وہ چھوٹے نکلے، اور جو چھوٹے سمجھے گئے تھے، وہ بڑے بن گئے۔ "زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم نکلے"! چرچل گئے۔ اٹلی آئے ——— چرچل کی شکست، حیرت انگیز انقلاب آفرینی میں، ہٹلر کی ہلاکت سے کم سہی، لیکن بہت کم تو یقیناً نہیں۔

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

ٹوری نکلے، لیبر والوں کا جھنڈا بلند ہوا - خیر، وہ کوئی آئے یا کوئی جائے، "صدق" غریب کو ان قصوں قضیوں سے کیا واسطہ؟ بقول شخصے

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت!

——— واسطہ ہے، "سات سمندر پار کے" اسی گاؤ و خر کے قصہ آمد و رفت سے ہے:

ہندوستان کے اسٹیٹسمین اور ٹائمس آف انڈیا کو چھوڑیے - بہت بڑے اخبار سہی، پھر بھی ہندوستان کے ہیں - خاص لندن کے ڈیلی میل، ڈیلی ٹیلیگراف، ڈیلی ایکسپریس اور آبزرور، اور سنڈے ٹائمس کو، اور سب سے بڑھکر ٹائمس کو لیجیے - سب کے سب ٹوری پارٹی کے ہمدرد، بلکہ اُسکے زبردست نقیب و ترجمان - لیکن اس شکست فاش پر

ایک بار بھی نہ غصہ نہ بد زبانی، نہ حریف پر بے ایمانی اور بددیانتی کے الزامات، نہ کامیاب پارٹی کے مقابلہ میں بغاوت کی دھمکیاں، نہ کامیاب ممبروں پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں! نہ پاؤڈھنے جلسوں میں، کامیاب لیبر پارٹی کے لیے "مردہ باد" کے نعرے، نہ تقریروں میں اسکے لیے "غدار" اور "قوم فروش" کے خطابات! ——— بڑے بڑے لیڈر اور بڑے بڑے اخبارات سب یہی کہ رہے ہیں، یہی لکھ رہے ہیں کہ نتیجہ یقیناً سخت افسوسناک اور نہایت حیرت انگیز نکلا ہے، لیکن بہرحال جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا - قوم کا فیصلہ یہی ہے، اسی کے آگے گردن جھکانا ہے، اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے - اور آیندہ الکشن کے وقت زیادہ سے زیادہ باقاعدہ و سرگرم کوشش کرنا، اور پارٹی کو زیادہ مرتب و منظم بنا لینا ہے! ——— سنتے ہیں کسی زمانہ میں "سمع و طاعت" اطاعت یا ڈسپلن، غیروں کا نہیں، اپنا شیوہ رہ چکا ہے!

ڈیماکریسی (جمہوریت) کا جو فرضی بت انھوں نے گڑھ رکھا ہے، اطاعت، بے چون و چرا اطاعت، اُسی کی ہو رہی ہے، ہمارے ہاں یہ مرتبہ کسی امیر قوم کو، کسی امیر الامراء کو، کسی قائد اکبر کو، کسی قائد اصغر کو نہ سہی، کسی لیگ، کسی مجلس، کسی جمعیۃ کو نہ سہی، خود کتاب و سنت کو بھی عملاً حاصل ہے؟ ہر زندہ ہستی کے مقابلہ میں گالیاں ہیں، تالیاں ہیں، سیاہ جھنڈیاں ہیں، اور "برباد" و "مردہ باد" کے نعرے ہیں! ——— "شتر بے مہار" قوم، بے گلہ بان کا گلہ، کس معنی میں "زندہ قوم" کہے جانے کا مستحق ہے؟

جاہلیت کی بازگشت

"خدا کی ذات ہر طرح کے اسی لگاؤ سے بلند ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ جہاں کلام سے مراد اس کا مفہوم مراد ہوگا۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں طبعی و نفسیاتی کیفیت جسکے زیر اثر ایک شخص بے اختیارانہ کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے اسی کیفیت کا نام مذہبی زبان میں وحی و الہام، جبرئیل اور روح القدس وغیرہ ہے ..... (قرآن) چونکہ اُسی زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اُسکے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے؟ بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اُسکا ایک ایک لفظ، ایک ایک نقطہ خدا کا بنایا ہوا ہے، اور خود رسول اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اُسکے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے، اور رسول کو سطح انسانیت سے بہت نیچے گرا دینا ہے۔"
(نگار، جولائی ۵۶ء، ص ۳۴)

وحی، جبرئیل اور روح القدس کی حقیقت آپ نے سُن لی؟ ——— گویا دین کی ہر حقیقت ایک شاعرانہ مجاز ہے! ——— اور یہ سب تشاؤل اور فتنے اور دہریہ کے قلم سے نہیں، بلکہ اُنھیں کے دماغوں سے نکلی ہوئی چیز ہیں، "محقق زماں، علامہ دوراں" نیاز فتحپوری کی زبان سے دہرائی ہوئی! ——— اور آگے چلیے :-

"آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی قوم کی اس گری ہوئی حالت کا بہت اثر لیا۔ اور یہ اثر لینا صرف اس بنا پر تھا کہ قدرت نے آپ کے دل و دماغ میں غیر معمولی صلاحیت سوچنے سمجھنے کی ودیعت کر دی تھی۔ جب ہم مذہبی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو خدا نے منصب نبوت کے لیے چُن لیا تھا۔ ....

اس میں کلام نہیں کہ رسول اللہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی ذہنی صلاحیت لیکر آئے تھے اور سالہا سال کے غور و فکر کے بعد آپ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس قوم کی اصلاح کر کے رہیں گے۔ اور دنیا کی کوئی مخالف قوت اُنھیں اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی۔" (الضاً، ص ۳۶)

گویا آپ اپنی قوم کے ایک مخلص اور باہمت مصلح و ریفارمر تھے، اور بس ——— وہی تشخیص جو "دانایان فرنگ" بار بار کر چکے ہیں! ——— اور آگے پڑھیے :-

"آخر کار وہ وقت آیا کہ یہ سیلاب اُبل پڑا، یہ چشمہ پھوٹ نکلے، اور جذبات و تاثرات کے طوفان نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی۔ اور انھیں الفاظ کا مجموعہ قرآن ہے۔" (ص ۳۷) "اگر آپ قرآن کا بغور مطالعہ کرینگے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ کے تاثرات کے لحاظ سے اسکا انداز بھی بدل گیا ہے۔ کہیں تو وہ بالکل ... ہے یعنی رسول اللہ نے خود اپنے نفس سے خطاب کیا ہے۔ کہیں اُنھوں نے خدا کو مخاطب کر کے اپنے جذبات عبدیت و تشکر کا اظہار کیا ہے۔ کسی جگہ اپنے ابنائے قوم اور اپنے اعزہ و احباب اور اپنے دشمنوں کو مخاطب کیا ہے، اور کہیں ایسا انداز ... کیا گیا ہے گویا خدا کچھ فرما رہا ہے۔ اور ان مختلف اسالیب بیان سے صرف یہی نہیں، کہ ہم رسول اللہ کے ذہنی اثرات ہی کی صحیح تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، بلکہ اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں، کہ رسول اللہ کا تنہا مقصود (کسی نہ کسی طرح لوگوں کو درستی اخلاق کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور اسی مقصود کو مختلف طریقوں اور مختلف اسالیب بیان سے پورا کیا گیا ہے۔" (ص ۳۷ و ۳۸)

قرآن مجید کی قوت تاثیر سے تو کسی بڑے سے بڑے معاند کو بھی انکار نہ تھا۔ اور اسی سے تو وہ آپ کو زبردست شاعر اور معنی خطیب کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی ذہانت و فطانت، جوش و انہماک، ابوجہل اور ابو لہب دونوں کو مسلّم تھا۔ آج بھی میور اور مارگولیس کی برادری میں اکثر کو مسلّم ہے۔ گفتگو ساری کی ساری اس میں تھی، کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا رسولؐ کا اپنا گڑھا ہوا، اور خواہ مخواہ اللہ کی جانب منسوب کیا ہوا؟ ——— نیاز اپنی "تحقیقاتِ عالیہ" کے بدولت ٹھیک اُنھیں نتیجوں پر پہنچے ہوئے ہیں جن پر جاہلیت قدیم و جدید متفق ہو چکی تھی! اور اس پر بھی، اس شخص کو اصرار ہے کہ دنیا اسے مسلمان کیوں نہیں سمجھتی!

اپنوں کا گلہ

"شملہ سے ۱۸ روز کے بعد واپس آیا ہوں ... آپ سیسل ہوٹل میں تشریف لائیے۔ پاکستان کے ارباب تقویٰ جمع ہیں۔ جتنے مرد ہیں، اس سے زیادہ عورتیں۔ سب تشریف فرما ہیں۔ نماز اور ناچ کا وقت ایک ہے۔ کون ہے جو اذان سُنے اور کون ہے جو نماز سے مطلب رکھے۔ مسلمانوں کی بیویاں، بیٹیاں، پوتیاں، کبھی ایک کے پہلو میں ہیں، کبھی دوسرے کے۔ ناچ سب کے سامنے جاری ہے۔ لباس انگریزی، تمدن انگریزی، ہنسنے بولنے کا انداز انگریزی .... معتبر روایات ہیں کہ شاید کوئی ہوگا جسے دس بجے رات کے بعد اپنا ہوش ہو۔ سسل ہوٹل کے بل اُٹھا کر دیکھ لیجیے ... جہاں پر سب مسلمان تھے، لیکن انگریز سے کم کوئی نہ تھا۔ آپ کس کس کو لکھیے گا، اور کیا لکھیے گا"

اقتباس ایک "نیشنلسٹ" مسلمان صحافی کے مکتوب کا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا ہے، اگر اُسکا نصف حصہ بھی صحیح ہے، تو گردن کسی ایک یا چند اشخاص کی نہیں، بلکہ ہم سب کی، شرم سے جھک جانا چاہیے ——— آہ بہادر یار جنگ مرحوم! لیگ کے کیمپ میں بڑی بڑی اصلاحات کی امید اُنکے دم سے تھی۔ بعد محمد علیؒ کے اللہ نے اُنھیں کو احساس دل و دماغ کے ساتھ یہ دم خم بھی دیا تھا۔ لیکن شخصیتوں کا ماتم کہاں تک! یہ فرض تو ہم سب کا مشترک ہے، اور بڑے چھوٹے سب پر اپنی اپنی بساط کے لائق عائد ہوتا ہے۔

فرعون مصر

ایک صاحب علم و فضل کے سوالات :-

"حضرت موسیٰ کے معاصر فرعون کا نام کیا تھا؟ کیا اُنکے واقعات کا تعلق ایک ہی فرعون سے ہے، یا اس عرصہ میں دو فرعون تخت مصر پر آئے؟ ایک وہ جسکے محل میں حضرت نے پرورش پائی (ذاتی پرورش)؟"

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۳

(سلسلہ صدق نمبر ۲۲)

(از عبدالماجد)

ومن كان مريضًا او على سفر فعدة من ايام اخر يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون	اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)۱۵۶۔ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا۱۵۷۔ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو۱۵۸، اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی۱۶۰ عجب نہیں کہ تم شکرگزار بن جاؤ۱۶۱

الشہر کوئی ملک اس دنیا کے پردہ پر ایسا بھی ہے، کہ وہاں انسانی آبادی عاقلوں، بالغوں، شریعت کے مکلفوں کی ہے، جہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے —— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جایئے کہ صرف ایک لفظ شہد الشہر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی!

بطور تطوع یا بہ خیال تقوٰی کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اُسی اندازہ اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔

۱۵۶ ابتدا میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں۔ جب آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ نازل ہوئی، اُس وقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھین گیا۔ اور رمضان کے روزے اُنکے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہوگئے۔ لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو من کان مریضًا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ من شہد منکم الشہر فلیصمہ کی تعمیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی، اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقی اور معنوی نہیں۔

کرر لئلا یتوہم نسخہ بتعمیم من شہد (جلالین) مخصصًا لذلك المسافر والمریض ممن شہد الشہر ولعل تکریرہ لذلك او لئلا یتوہم نسخہ (بیضاوی)

۱۵۷ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام و قوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں۔ اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کتنی گنجائشیں، کتنی سہولتیں رکھ دی گئیں۔

حدیث میں یوں جو آیا ہے، دین اللہ یسر۔ وہ اسی آیت قرآنی کی شرح یا تتمہ ہے۔ اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملیگا، جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جنس، موسم اور دوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائیگی کہ فرد یا امت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔

امت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تعمیل میں بھی، اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مزاحمات فضا و ماحول کے باوجود، اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔

سر ولیم میور لکھتے ہیں:۔

"روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں بھی پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، جلجلاتی ہوئی دھوپ، اور جھلساتی ہوئی سموم میں، گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں، محمد کے پیرو، صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے ..... اتنی سخت ریاضت، قوت ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے" (لائف آف محمد، ص ۱۹۳)

۱۵۹ (ایام قضا کی)

یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں اُنکی تکمیل کر لو، تو پورا پورا اجر روزوں کا مل جائیگا۔

ولتکملوا نحوی ماتحت میں یہ یرید اللہ کے ہے، اور عطف الیسر پر ہے

یجوز ان یعطف علی الیسر ای ویرید بکم لتکملوا (بیضاوی)

۱۶۰ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی)

اور راہ بھی ایسی جس میں نہ زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔

۱۶۱ شکرگزار بنجانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعہ کیسے کیسے پر سہولت طریقے اسکے نفع اور ذخر کے بتا دیے ہیں!

۱۶۲ (اے پیغمبر)

عنی یعنی میرے قرب و بعد سے متعلق

أقريب ربنا فنناجيه ام بعيد فنناديه (بیضاوی)

گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار، تو بارہا کیا ہے، لیکن ذات باری

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ
فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ۔

اور جب آپ سے میرے بندے میرے باب میں دریافت کریں[۶۶۲]، تو میں تو قریب ہی ہوں[۶۶۳]۔ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے[۶۶۴]، پس (لوگوں کو) چاہیے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں[۶۶۵]۔ عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں[۶۶۶]۔

کو انسان سے اس قدر پرے، مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فرض کر لیا ہے کہ وہاں تک بندوں کی رسائی گویا ممکن ہی نہیں!

اذا سألک اہل بلاغت نے اس سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ قرب و قبول مطلب پر موقوف ہے اور کَ خطاب اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ یہ توسط آنحضرت صلعم کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے، کسی اور کی طرف گمان نہ جائے۔

۶۶۳ (اور یہ آپ بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجیے)

قریب۔ قریب باعتبار کمال علم، یا قریب باعتبار قبول دعا۔ اے قریب بالاجابۃ (ابن عباس) قریب بالعلم لایخفی علی شئی (معالم) اے بالاجابۃ نیل بالعلم (قرطبی) علماء اجابۃ تعالیہ من القرب مکاناً (مدارک) انہ تعالیٰ یسمع دعاءہم ویرے تضرعہم او المراد من ہذا القرب العلم والحفظ (کبیر)

قرب سے ظاہر ہے کہ قرب مادی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا، قرب معنوی مراد ہوگا۔ ہو تمثیل لکمال علمہ بافعال العباد واقوالہم واطلاعہ علی احوالہم (بیضاوی) حق تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے رہتا تو ہمیشہ ہی ہے، ماہ رمضان میں اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے اور یہ قرب بہ تعلق خاص اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

بندوں کی تسکین اور تسلی کا کسقدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے! ہمیں اپنے خدا کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے، وہ تو ہم سے قریب کیا، ہم سے متصل ہی ہے۔

۶۶۴ (اور جن دعاؤں کا قبول کرنا میری حکمت کاملہ اور مشیت مطلقہ کے منافی نہیں ہوتا)

عنی، انی، اجیب، دعان، متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد کی ہیں۔ دونوں صیغوں کا معنوی فرق ملحوظ ہے۔ صیغۂ جمع عموماً قدرت، عظمت، قوت کا مظہر ہوتا ہے، اور واحد اسکے برعکس التفات، اختصاص، توجہ کی جانب مشیر ہوتا ہے۔ اور یہاں توجہ و التفات کا مشیر ہونا بالکل ظاہر ہے۔

آیت کے الفاظ سے دعا کی ترغیب و تشویق بھی نکل آئی۔ اور اشارہ اس جانب بھی ہو گیا کہ دعا شدہ کا کوئی سرتاسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں، بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب ہے۔

ایک حدیث صحیح میں یہ مضمون آیا ہے کہ جسکے لیے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے، یعنی دعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اسکے لیے رحمت کا بھی دروازہ کھل جاتا ہے۔

۶۶۵ فلیستجیبوا لی یعنی میری دعوت ایمان و طاعت قبول کریں جس طرح میں انکی دعا و حاجات قبول کرتا ہوں۔

اذا دعوتہم للایمان والطاعۃ کما انی اجیبہم اذا دعونی لحوائجہم ۔۔۔ المعنی فلیجیبوا الیّ فی ما دعوتہم الیہ من الایمان اے الطاعۃ والعمل (قرطبی۔ عن مجاہد وغیرہ)

حکیم مطلق کے کسی حکم کے نامناسب ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ بخلاف بندوں کی درخواستوں کے کہ ان میں بہت سی نامناسب بھی ہوتی ہیں، اور اس لیے مرتبۂ قبول سے محروم رہتی ہیں (تھانوی)

والیؤمنوا بی۔ یعنی یقین رکھیں نہ صرف میرے وجود پر بلکہ میرے حاکم ہونے پر، میرے حکیم ہونے پر، اور میری رعایت مصالح پر۔

۶۶۶ (اور ان پر فلاح دارین کا دروازہ کھل جائیگا)

لعل۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی میں جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہو کر یہ لفظ آتا ہے تو اس کے معنی محض امید یا احتمال کے نہیں رہتے، بلکہ اس میں یقین پایا جانے لگتا ہے۔ مراد ہوئی کہ احکام الٰہی پر عمل کرنے، اور اسکے حکیم و حاکم ہونے پر یقین رکھنے سے دروازہ فلاح دارین کا کھل رہیگا۔

بقیہ صفحہ ۲

ایک وہ جسکو دعوت دی، اور وہ غرق ہوا۔ کیا انکے معاصر کا نام رعمسیس تھا؟

(۲) دوسرے فرعون کے دعوے الوہیت کی حقیقت کیا تھی؟ وہ اپنے کو داعی بلکہ کیا سمجھتا تھا؟ کسی دیوتا کا اوتار؟ کیا نمرود کی طرح اسکو بھی لوگ سجدہ کرتے تھے؟ بنی اسرائیل کی اس آئینی پوزیشن کیا تھی؟ کیا اسکی کچھ تصریح بائبل سے متعلق کتابوں میں ملتی ہے؟"

(۱) ابتک تو علماء بائبل کا یہی خیال تھا کہ حضرت موسیٰ کے معاصر دو فرعون تھے ایک کا نام وہ RAMESES (رعمسیس ثانی) بتاتے تھے، اور دوسرے کا MERNEPTAB جو غرق ہوا۔ لیکن اب مشہور ماہر اثریات سر چارلس مارسٹن نے تحقیق کرکے یہ بتایا ہے کہ ان دونوں فرعونوں کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ حضرت موسیٰ کی پیدائش اس سے تخمیناً قبل ۱۵۲۰ ق م میں ہوئی تھی، اور اسوقت تخت مصر پر فرعون تھوتمس اول THOTMES جلوس افروز تھا۔ اسکا سال وفات ۱۵۰۴ ق م ہے۔ اسکا جانشین اسی نام کا ایک فرعون ثانی ہوا۔ اسکا سال وفات ۱۵۰۱ ق م ہے۔ اسکا جانشین پھر اسی نام کا فرعون ثالث ہوا۔ حضرت موسیٰ نے اسی کے عہد میں یعنی ۱۴۸۰ ق م (اپنی عمر کے ۴۰ سال) میں مدین کو ہجرت کی۔ یہ بادشاہ ۱۴۴۷ ق م میں فوت ہوا۔ اور اسکا جانشین آمین ہوتپ ثانی AMENHATEP ہوا۔ حضرت موسیٰ نے اسکے عہد یعنی ۱۴۴۰ ق م اور اپنی عمر کے ۸۰ سال میں مصر سے سفر کیا۔ اس حساب سے آپ کے معاصر چار فرعون ٹھہرتے ہیں (دیکھیے ص۱)

اسلامی سیاسی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(مسلسل)

افادہ: علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم

"اسلامی معاشیات" کے عنوان سے میرے مضامین کا ایک طویل سلسلہ پچھلے چند سالوں میں شمال و جنوب کے مختلف علمی مجلات میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اور عنقریب میری منضم کتاب جو تقریباً ہزار بارہ سو صفحات پر ختم ہوگی۔ ان ہی مسائل کے متعلق انشاء اللہ پریس سے نکلنے والی بھی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ بنی نوع انسانی کی معیشت صالحہ کی اساسی بنیاد کس چیز کو قرار دیا جائے؟ آدمی آدمی ہی ہے آدمی ہونے کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے۔ نہ وہ شیر ہے اور نہ ہاتھی۔ نہ بکری ہے نہ بیل۔ آیا اس مشاہدہ اور واقعہ کو اس کی بنیاد بنایا جائے۔؟ یا سب کو غریب بنا کر امیر سے امیر تر بنتے چلے جانے کی نہ بجھنے والی جھوٹی غیر ضروری پیاس ملک کے چند امیروں میں جو کبھی کسی وجہ سے بھڑک اٹھتی ہے، محض اسی جھوٹی غیر فطری پیاس کی جھوٹی تسلی کے لیے یہ فرض کر لیا جائے جیسا کہ یورپ و امریکہ کے سرمایہ دار ممالک میں کچھ دن پہلے فرض کر لیا گیا تھا کہ آدمی آدمی نہیں بلکہ جنگل کا کوئی بھیڑیا، اور کچھاروں میں زندگی گزارنے والا وہ کوئی شیر ہے۔ طے کر دیا گیا تھا کہ کمزوروں کو فنا کر کے اپنی بقا و ارتقاء کا سامان پیدا کرنا اس کا قدرتی حق ہے۔

یا پھر یہ کہ کر سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے، اس لیے سب کو غریب بنا دینے کی جو جبری تحریک ان ہی ممالک کے بعض علاقوں میں شروع ہوئی ہے، اور اسی عام غربت کی دھمکیاں دوسرے ملکوں کو دی جا رہی ہیں کیا غریب بنانے کی اسی جابرانہ مہم کو جائز ٹھہرا سکتے ہیں؟ فرض کیا جائے کہ بجائے آدمی ہونے کے آدمی ایک قسم کی بکری یا گائے بھیڑ ہے یعنی ان ہی جانوروں میں سے ایک جانور آدمی بھی ہے جن کے ہر فرد کو گھاس چارہ، پانی وغیرہ ضروریات زندگی کی وہی مقدار ملتی ہے جو اسی صنف کے دوسرے افراد پا رہے ہیں جسمانی و دماغی، اخلاقی، الغرض زندگی کے اکثر و بیشتر شعبوں میں صفات و کمالات کے لحاظ سے جو پیدائشی تفاوت بنی نوع انسانی کے مختلف افراد میں پایا جا رہا ہے اور تفاوت کے اسی قدرتی قانون نے ان کی زیستوں میں جو تفاوت پیدا کر دیا ہے ایسا تفاوت جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا یا ورکر ایا گیا ہے کہ وہی جھٹلا دیا گیا یا قریب ہے کہ اسے جھٹلا دیا جائے۔ کیڑوں مکوڑوں، جونکوں، تیتلیوں، چیونٹیوں، مینڈکوں، گدھوں، کبوتروں، طوطوں، مینوں، چڑیوں، بکریوں، الغرض انسان کے سوا زمین کے اس کرہ کے عام باشندوں

کو بھی معاشی نظام کا پابند بنا کر پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہو، سینوں میں رسی کے متعلق ان بدگمانیوں کی چنگاریاں سلگائی جاتی ہیں کہ اسی قادر علی الاطلاق کا زبردست ہاتھ اور اس کی لامحدود قدرت صرف بنی نوع انسانی کو معیشت کے اس نظام کا پابند بنانے کی کوشش میں ناکام رہی۔ گویا پیدا کرنے والا جس مہم میں ناکام رہا اب اسی میں کامیاب ہونے کی کوشش خود پیدا کیے جانے والے کر رہے ہیں

بہر حال بنی نوع انسانی کے معاشی نظام کی بنیاد کے متعلق قرآن نے جو جواب دیا ہے اور اپنی بعض اندرونی و بیرونی خصوصیتوں کی امداد سے آدمی زندگی کے موجودہ دور (یعنی الحیوٰۃ الدنیا) میں نفع اٹھا رہا ہے۔ اس کی نوعیت کیا ہے۔ نیز اسی "الحیوٰۃ الدنیا" کے بسر کرنے کے لیے زمین کے اس کرہ پر اذوقہ کا جو سرمایہ قدرتی پیداواروں کی شکل میں اسے عطا کیا گیا ہے اس کی پیدائش کس پیمانہ پر ہو رہی ہے؟ کیا یہ کوئی ایسا سلسلہ ہے، جس سے آدمی چاہے تو اپنے لیے اور اپنے ابناء جنس کے ہر ہر فرد کے لیے رزق مبسوط پیدا کر سکتا ہے؟ قرآن نے اس کا کیا جواب دیا ہے۔ خود اس رزق مبسوط اور اسی کے بالمقابل رزق مقدور کی اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیات

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق	اللہ ہی نے تم میں بعض کو بعض پر اللہ (روزی) میں برتری عطا فرمائی ہے۔
ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض	اور بعض کو بعض پر جو برتری عطا کی گئی ہے اس کی تمنا نہ کیا کرو

اسی طرح بیسیوں جگہ

واللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر	اور اللہ ہی کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے جسے چاہتا ہے

کا قرآن میں بار بار اعادہ کر کے اس حقیقت کا جو اعلان کرایا گیا ہے کہ "الرزق" میں بسط و قدر یعنی کشادگی اور تنگی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ہمیشہ انسانوں کی مصنوعی تدبیروں سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے صحیح نہیں ہے بلکہ ایک خاص نصب العین کی تعمیل قدرتی مدارج و مراتب کے ان ہی تفاوتات سے مقصود ہے۔ رزق کی یہ دونوں کیفیتیں اپنے ساتھ کچھ مخصوص ذمہ داریاں بھی رکھتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ کوشش اجتماعی حیثیت سے انسانی زندگی کے موجودہ دور کو بھی خوشگوار بنا دیتی ہے، اور الآخرۃ کی آنے والی دوسری زندگی میں اپنے ثمرات و نتائج کا مشاہدہ بھی ثابت کرے گا کہ رزق کی یہ دونوں حالتیں کتنی مبارک و مسعود تھیں۔ اسی طرح ان دونوں کیفیتوں کے غلط استعمال کے غلط نتائج کے جن خمیازوں کو نسل انسانی بھگتتی

رہتا ہے، اور غلطیوں پر جب تک اصرار اسکا باقی ہے غلطی رہتی۔ اس زندگی میں بھی اور آنے والی زندگی میں بھی۔ انکی تفصیلات کی گئی ہیں۔ ارشاد ربانی

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض	اور اگر اللہ رزق کو اپنے بندوں پر اتنا پھیلا دیں تو زمین میں سرکشی کرنے لگیں

پھر قرآن نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو تدبیریں بتائی ہیں، ربوا (سودی کاروبار) ... اسکی مختلف شکلوں کا انسداد کرکے جن معاشی مفاسد کو اسلام نے روکا ہے، اُخروی سزاؤں اور دھمکیوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اسلامی حکومتوں کو انسداد ربوا پر آمادہ کرنا سود خواروں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی طرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلان جنگ دیدینا، ہر قسم کی مذہبی آزادی عطا کرتے ہوئے غیر مسلم رعایا کو خصوصیت کے ساتھ اس پر مجبور کرنا کہ نہ مسلمانوں سے اسلامی قلمرو میں انکو سودی لین دین کی اجازت دی جا سکتی ہے اور نہ باہم غیر مسلموں سے وہ اس چیز کو روا کرسکتے ہیں۔ (مالی، جانی، عرضی) ذمہ داریاں جو غیر مسلم رعایا کی اپنے سر اسلامی دست لیتی ہے ان ساری ذمہ داریوں کو اسی کے ساتھ مشروط کردینا یعنی سودی لین دین کے ساتھ ہو وہ معاہدہ ذمہ خود بخود ختم ہو جائیگا[1] ایک طرف ربوا اور سود کے دروازے کو بند کرکے شرکت قراض مضاربت سلم اور دوسرے ایسے مختلف کاروباری ابواب کو کھلا رکھنا جنکے ذریعہ سے انکے بچے ہوئے پس انداز سرمایہ سے بڑے بڑے پیمانے پر بیع اور کا امکان باقی رہتا ہے، اسی کے ساتھ بجائے معاملہ کے قرض کو نیکی اور صدقات و خیرات کے ذیل میں داخل کردینا اور ہر مرنے والے کی موت پر اسکے چھوڑے ہوئے سرمایہ کی ایسے اصول پر تقسیم کہ ایک طرف رزق کے سمٹنے محدود کی اسکے ذریعہ سے مسلسل حد بندی بھی ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف مرنے والے کے جانشینوں میں سے ہر ایک تک سرمایہ کی ایک خاص مقدار پہنچ جاتی ہے۔ چاہنے والے اگر چاہیں تو اسکو پونجی بنا کر ذرائع آمدنی کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ پھر ناجائز احتکار[2] ربیع الحاضر للباد، تلقی جلب وغیرہ قوانین کے ذریعہ سے حکومت کو اور حکومت یہ کرنا کہ تجارتی کاروبار میں بھی عوام کے منافع و مفاد کی نگرانی حکومت کے فرائض میں ہے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ فتوحات کے بعد پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ جب مفتوحہ زمینیں بن گئیں، تو ابتداء اسلام ہی میں اس سوال کا اُٹھنا کہ پیداوار کے اس بڑے ذریعہ کو آیا شخصی ملکیتوں میں دیدیا جائے یا حکومت اسکو اپنی نگرانی میں لے لے؟ چند صحابہ کے اختلاف کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب (حضرت علی و حضرت معاذ و حضرت ابو عبیدہ بن الجراح) کی تائید سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اس فیصلہ کو نافذ فرمانا کہ آج اشخاص پر ان زمینوں کو اگر تقسیم کردیا جائیگا، تو مسلمانوں کی آیندہ آنے والی نسلیں پائیں گی کہ اُنکے لیے کچھ بھی باقی نہیں رکھا گیا ہے، اور اسکے بعد آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت کا اپنے ہاتھ میں لے لینا، بلکہ اس سلسلہ میں جو اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ قادسیہ کی مشہور جنگ جسکے بعد عراق کی سرزمین جسے السواد کہتے تھے، مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ چونکہ قادسیہ کی مہم میں ... فوج کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کا تھا جسکے سردار حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع میں السواد کی زمین کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کے سپرد کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ دو سال یا تین سال تک بجیلہ والے اس پر قابض بھی رہے، لیکن جب آخر میں یہ طے پاگیا کہ مسلمانوں کی آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت براہ راست اپنی نگرانی میں لے لے، تو حضرت عمر نے حضرت جریر بن عبداللہ (رئیس قبیلہ) کو آمادہ کیا کہ اُنکے قبیلے والے اس زمین سے اپنا قبضہ اٹھا کر حکومت کے سپرد کردیں۔ حضرت جریر اس پر راضی ہوگئے۔ اور السواد کا یہ حصہ بھی حکومت کی زیر نگرانی آگیا۔ کہتے ہیں کہ قبیلہ بجیلہ کی عورت ایک عورت جسکا نام اُم کرز تھا، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میرا باپ جنگ میں کام آیا ہے اور میرا حصہ سواد کی زمین میں ثابت ہوچکا ہے، میں اُس سے دست بردار نہیں ہوسکتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ام کرز! تمھاری قوم جیسا کہ تم جانتی ہو، اپنے حصہ سے دست بردار ہو چکی ہے، پھر تمھیں کیوں عذر ہے۔ اُم کرز نے کہا کہ قوم کے لوگوں نے خواہ کچھ ہی کیا ہو، لیکن جناب میں تو اسوقت تک اپنے حصہ کو حکومت کے سپرد نہیں کرسکتی جب تک نہ مجھے ایک سدھی ہوئی اونٹنی جس پر سرخ خوگیر کسی ہوئی ہو، اس طور پر نہ ملے کہ میری دونوں مٹھیاں سونے سے بھر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اُم کرز کی اس خواہش کی تکمیل کردی۔ کہتے ہیں کہ مٹھی میں جو سونا بھر گیا تھا، جب اُم کرز نے اُسے گنا تو معلوم ہوا کہ اسّی اشرفیاں اُنکے ہاتھ پڑیں۔

(باقی آیندہ)

---

[1] نجران کے عیسائیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ فرمایا تھا، اس میں منجملہ دیگر دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی تھا کہ سودی کاروبار کرنے کے ساتھ ہی ذمہ کا یہ عہد ختم ہو جائیگا۔ ۱۲

[2] اسلام کے معاشی ابواب کی یہ چند خاص اصطلاحیں ہیں۔ احتکار کی اصطلاح تو اردو میں بھی مستعمل و مشہور ہے۔ یعنی گرانی کے انتظار میں غلہ وغیرہ کو بیوپاری جو روک لیتے ہیں۔ اسی طرح بازار میں آنے سے پہلے آگے بڑھ کر بازار میں بکنے والی چیزوں کو اس غرض سے خرید لینا کہ عوام سے من مانگے دام اس طریقہ سے ہم وصول کرسکتے ہیں۔ آجکل منڈی ہولڈر اور سول ایجنسی وغیرہ کے ذریعہ سے جن فاسد اغراض کی تکمیل دام ہی عام پبلک کے مفاد کے مقابلہ میں سوداگر کرتے ہیں، ان ہی کی عربی صورتوں کا نام تلقی جلب بیع الحاضر للباد وغیرہ ہے۔ ۱۲

علوم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۷)

(از مولوی محمد عبد الرؤف خاں صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

مسئلہ تعلیم پر غور کی ضرورت

آخر میں چلتے چلتے ہماری گزارش ارباب مدارس و صاحبان علم و فضل سے یہ ہے کہ موجودہ نصاب اور درس نظامیہ کے موجودہ کتابوں میں حسن لذاتہ و حسن لغیرہ کا فرق کر دیا جائے۔ ملا نظام الدین مرحوم مغفور کے عہد کا تقاضہ شاید یہی ہو، جو اب درس نظامیہ کی شکل میں نظر آرہا ہے لیکن ہم تو اب جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ضروریات دینیہ کے لحاظ سے ہمیں اپنے نصاب کے اندر بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت نظر آرہی ہے۔ کتب فلسفہ و منطق جسے ہم نے علوم عالیہ سمجھا تھا، آج ہمارے نصابوں میں علوم عالیہ (قرآن و حدیث) سے بھی زیادہ اسکے ذخیرے نظر آرہے ہیں۔ تفسیر میں صرف جلالین کے کچھ پارے۔ بخاری شریف کا ایک دو پارہ تبرکاً نصاب کا حاصل ہے۔ برخلاف کتب معقولات کے کہ اس میں منطق میں شرح تہذیب، قطبی، سلّم، میر زاہد، قاضی وغیرہ۔ فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت، میبذی، صدرا، شرح مواقف، اشارات وغیرہ وغیرہ ضرورت سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ آج بلاشبہ ان میں ترمیم تبدیل کی سخت ضرورت ہے۔ اور انکی جگہ پر علم ادب (تاریخ و تفسیر شعر کے اضافہ کی سخت حاجت ہے۔ فلسفۂ قدیم کی موجودہ کتابوں میں توغل و انہماک اور اشتغال کو بڑی حد تک کم کرنے کی ضرورت ہے۔ حالی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ معقولات قدیم کی تردید میں یہ اشعار لکھ گئے ہیں کہ ؎

اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے — شفا اور مجسطی کا دم بھرنے والے
ارسطو کی ہر گت پہ سر دھرنے والے — فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں
دلیلیں ہیں اب آج بیکار انکی — نہیں چلتی توپوں میں تلوار انکی

لیکن ہم اسے مولانا حالی کی زیادتی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ فلسفۂ قدیم کے سارے نظریات و اصول آج بھی بیکار و غلط ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ حدوث مادہ اور ابطال جزء لا یتجزی اور قدم خالق کے مسائل آج بھی مدلل (ناقابل ترمیم) و مبرہن ہیں۔ ہاں بہت سے مسائل مثلاً عقول عشرہ کی تحدید اور الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد وغیرہ کے غلط بھی ہیں۔ ان پر علامہ ابو البرکات حبۃ اللہ کتاب المعتبر نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے لیکن اس معنے کے پیش نظر سائنس جدید کے نظریات بھی آج ... مکمل ہو چکے ہیں جو ہم اسے قابل ...

کریں۔ نظریۂ اضافیت پر کیا سب متحد ہیں؟ کیا طریقۂ ارتقاء پر سب کا اجماع ہو چکا ہے؟ کیا ماہرین سائنس آج اپنے سب مسائل میں اتفاق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچیے کہ بالفرض سائنس قدیم کو اگر بیسویں صدی کے جدید سائنس نے غلط ہی کر دیا ہے تو کیا بیسویں صدی کے سائنس کی نسبت اطمینان ہو چکا ہے کہ آئندہ اور اسکے بعد والی صدیاں اس سے قطعاً متفق رہیں گی جبکہ ہم ان میں نظریۂ اضافیت وغیرہ کی تعبیروں میں خود آج بھی اتفاق نہیں دیکھ رہے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ موجودہ سائنس کے متعلق یقیناً غور و فکر دلائل کے اٹل اور محکم ہونے کا کوئی صحیح موازنہ اور فیصلہ نہیں ہو سکتا اور سائنس جدید کے ارباب فکر و نظر کا موجودہ اختلافات خود ایک محاکمہ کو چاہتا ہے تا کہ کسی تھیوری کے صحیح یا غلط ہونے پر دلائل اپنی پوری واقفیت کی بنا پر قائم کیا جا سکے۔ تازہ ترین تحقیقات و معلومات کا ایک مجموعہ آٹھ ضخیم جلدوں میں امریکہ سے شائع ہوا ہے۔ اسکی آخری جلد میں ایک باب ہے "نیو فلاسفی آف سائنس" یعنی سائنس کے فلسفۂ جدید پر۔ اسکا اقتباس ملاحظہ ہو:-

"جوں جوں ہم مطالعہ فطرت میں بڑھتے جاتے ہیں، اپنی جہالت ہم پر زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔ ہر عقدہ کشائی کے بعد نئے نئے عقدے سامنے آنے لگتے ہیں۔ جہاں تک آخری اسرار کائنات کے حل کا تعلق ہے ہم وہیں ہیں جہاں ارسطالالیس اور فیثا غورث تھے۔ اور آخری حل کی تلاش اختلال زدہ دماغ کی نشانی ہے۔ بیسویں صدی کی ترقی انیسویں صدی کی ترقی کا تسلسل ہی ہے"

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ موجودہ تحقیقات و نظریات آخری و انقطاعی نہیں ہیں، اہل سائنس خود اسکو ابھی تک قابل اعتماد اور مکمل نہیں سمجھتے۔ (یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۵۰۱۲ بحوالہ صدق ۱۱۔ جولائی سنہ ۴۶ء)

الغرض حقائق شرعیہ کے مقابلہ میں نہ فلسفۂ قدیم کو لایا جا سکتا ہے نہ فلسفۂ جدید کو ؏

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے

غرض ان ہماری معروضات سے یہ ہے کہ دونوں کے حقائق و نظریات کو محکم اور اٹل ہونے کی حیثیت سے ہم نہیں پیش کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفۂ قدیم کو سائنس جدید نے توڑ دیا ہے، کیونکہ وہ اب تک اکثر مسائل میں وہیں ہیں جہاں ارسطالالیس (ارسطو) تھے تو پھر ارسطو کے ہر گت پہ سر دھرنے والے یہ بھی ٹھہرے۔ بس کتب معقولات میں کچھ کمی کرنے کی رائے محض اس لیے ہے کہ علوم عالیہ کتب تفسیر و سیر و فنون ضروریہ اور زیادہ اس میں جگہ پا سکیں۔ کلامی مسائل کے فہم اور تشحیذ اذہان اور قوت تکلم کے لحاظ سے بقدر ضرورت کتب منطق و فلسفہ پر کفایت کی جائے اور ... تفسیر سیر اور اسکے اصول کی کتابیں تاریخ اور ...

رکھے جائیں تو تھوڑے وقت میں نفع کثیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔

امرائے زمانہ کی شکایت

امراء پارٹی سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو عربی کی تعلیم دلائیں انکے عربی میں لیاقت پیدا کرنے سے اسلام کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی توقع ہے کیونکہ انکو مطالعہ کی فرصت، کتابوں کے خریدنے کی قیمت دونوں حاصل ہیں۔ اس سہولت اور فرصت کی بنا پر وہ زیادہ سے زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن امرائے زمانہ کی بے توجہی کا یہ عالم ہے کہ مولانا شبلیؒ کو اپنے وقت میں لکھنا پڑا کہ آریہ (انگریزی تعلیم میں) اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں کہ مسلمان انکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تاہم وہ گروکل (مذہبی اسکول) قائم کر رہے ہیں جو سنسکرت کی تعلیم سے مخصوص ہے اور جسکا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی حفاظت و اشاعت ہے۔ اس گروکل میں جو لڑکے داخل ہوتے ہیں، پچیس برس کی عمر تک اُس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ انکو سادہ اور خشک غذا ملتی ہے۔ گڈری کے بنے ہوئے تخت سونے کو ملتے ہیں۔ اس جفاکشی اور سخت تعلیم کے باوجود تین سو دولتمندوں نے اپنے بچے اس میں بھیجے ہیں اور باقاعدہ ماہوار اپنے بچوں کا خرچ دیتے ہیں۔ غرض اگر یورپ کو یہ ایسی دنیا طلبی پادریوں کی حاجت ہے، آریوں کو یہ ایسی انگریزی دانی گروکل کی ضرورت ہے تو خوشحال مسلمانوں کو بھی دنیا کے ساتھ ساتھ عربی اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت اُس وقت تک باقی رہیگی جب تک مسلمان قوم کا باقی رہنا ضروری ہے۔" (رسالہ ندوہ ماہ اگست ۱۹۰۸ء)

سچ ہے ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

مولانا سید سلیمان ندوی کی بھی عصر حاضر کے امراء کے متعلق شکایت سنتے چلیے۔ فرماتے ہیں "یہ بات افسوس کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے کہ اعلیٰ گھرانوں سے عربی تعلیم بالکل فنا ہو گئی ہے، اور گویا مذہبی تعلیم کا سارا بوجھ غریبوں کے کندھوں پر رہ گیا ہے۔ کیا کھاتے پیتے گھرانوں نے امت محمدیہ کے دفتر سے اپنا نام کٹا دیا ہے؟ یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رزق کا دروازہ صرف رومن حروف کی تعلیم کے ذریعہ ہی کھل سکتا ہے، حالانکہ صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ جدید تعلیم اس دروازہ کے کھولنے سے عاجز ہے۔ مسلمان حیرت سے سنیں کہ ہمارے ہندو ہموطنوں کے سامنے اب یہ تجویز ہے کہ اسکول کے ابتدائی درجوں میں معمولی سنسکرت کی تعلیم لازمی کر دی جائے۔ دوسری طرف ہم مسلمان ہیں کہ روز بروز اپنی مذہبی زبان سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ سارے عربی مدرسوں کا جائزہ لیجیے شاید ہی کسی دولتمند رئیس یا اعلیٰ شریف گھرانے کے لڑکوں کو آپ علم عربی میں مصروف پائیں گے۔" (معارف، بابت ماہ نومبر ۱۹۳۹ء)

اگر وہ سند چاہیے تو ایک سند اور لیتے چلیے۔ نواب مہدی یار جنگ جو مملکت آصفیہ دکن کے سررشتہ تعلیم کے موجودہ ناظم ہیں انھوں نے اپنے والد ماجد نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے متعلق بیان کیا کہ نواب عماد الملک مرحوم کسی مسلمان کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے تھے جب تک وہ عربی نہ پڑھے۔ یہ وہی نواب عماد الملک ہیں جو بڑے انگریزی داں اور بڑے صاحب رسیدہ، انگریزی زبان کے ماہر و ذی وجاہت اور انڈیا کونسل کے ممبر تھے۔ انکا خیال ہے کہ بغیر عربی تعلیم کے حاصل کیے تعلیم یافتہ کا لقب انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ دنیاوی تعلقات اور دنیا سازی ضرورت کے پیش نظر انگریزی بھی پڑھیے لیکن بغیر عربی کے چارہ نہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ فروری ۱۹۵۴ء بحوالہ رہبر دکن) خلاصہ بحث یہ ہے کہ عربی تعلیم مسلمان قوم کی زندگی کے لیے ہوا میں سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ خود سوچیے اپنے بچوں کو پڑھانے اور قومی اجتماعی دینی کاموں کو ترقی پر پہنچانے میں آپ کو اگر اپنے مذہب کے علوم و فنون پر روپیہ خرچ کرنا پڑ رہا ہے تو یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ کے ابنائے وطن اپنے قومی کاموں میں لاکھوں کروڑوں روپیہ اپنے مذہب و تہذیب کے نام پر خرچ کر رہے ہیں۔ اسی موقع پر ارشاد ہے ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ ما لا یرجون (سورۂ نساء پارہ ۵)

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

جدید ترین تحقیق یہی ہے۔ لیکن پرانے محققین کے نزدیک گل دوی تھے۔ اور خود بائبل سے بھی اسکی تائید نکلتی ہے۔ بہرحال وہ دو ثابت ہوں یا چار یا ایک یا دس۔ قرآن مجید کے بیان پر تو کوئی اثر کسی تعداد کو بھی مان کر پڑتا نہیں۔ البتہ یہ بحث تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) فراعنۂ مصر سورج دیوتا (Ra) کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔

اور یہی مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا (جیسے آج جاپان میں میکاڈو بادشاہ جاپان سورج دیوی کا اوتار سمجھا جاتا ہے) اور جب یہ معبود اعظم کے اوتار تھے، تو انکے ساتھ معاملہ بھی وہی کیا جاتا تھا جو خود دیوتاؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ سجدہ کی جو اہمیت سوال سے ظاہر ہوتی ہے، وہ تو صرف اسلامی ماحول اور اسلامی تربیت کا نتیجہ ہے؛ ورنہ مشرک قوموں میں "پاؤں پڑنا" تو ایک معمولی روادارانہ تعظیمی رسم ہے، ہر بزرگ کو اسکا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کا طرز عمل اس باب میں کیا تھا، اسکی تصریح تو کسی کتاب میں نظر سے گزرنا اسوقت یاد نہیں پڑتا، لیکن عام حالات کی بنا پر اصل ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ان تمام مشرکانہ رسوم سے الگ تھے۔ اور نہ ان اعمال کی توقع اُن سے کی جاتی تھی۔ اور اگر ان چیزوں میں شریک ہو جاتے تو پھر اتنے مظلوم ہی کیوں رہتے۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے، دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

[illegible] اللہ [illegible] | المتقین [illegible]

ایڈیٹر: عبد الماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی [illegible]

صدق

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور
[illegible]
محمد عبد الوارث [illegible]

[illegible]

ڈیکلریشن نمبر ۱۹۱

نمبر [illegible] | یوم شنبہ ۔ ۲۔ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۱۔ اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

[illegible] سکتا [illegible] گور [illegible] ایک [illegible] منزل پر فاتحہ پڑھنے [illegible] ابھی دو [illegible] ڈھائی مہینے [illegible] انہیں یہاں لاکر دفن [illegible] کیسی [illegible] پہونچے ہیں اور [illegible] وہ بہت [illegible] عالم برزخ کے اور آخرت کے [illegible] نوبت [illegible] قبر کی بابت کیا کہیں ۔ [illegible] بھی تبدیل ہو چکی ۔ کل جو [illegible] تھی آج [illegible] غریب تھا [illegible] شاہ [illegible] کا حقیقی [illegible] سچ [illegible] ہو چکے

[illegible] اس بات [illegible] اللہ [illegible] تعریف [illegible] کی طرح ہوگئی ۔ [illegible] آخرت [illegible] سلنے والی [illegible] اللہ [illegible] کو شیر [illegible] کرے!

دل کی آنکھوں سے کیا کیا [illegible] کوئی [illegible] صفحہ [illegible] تو [illegible] [illegible]

[illegible] وقت [illegible] تھا [illegible] شہر خموشاں [illegible] [illegible] آیا [illegible] کی [illegible] اتفاق [illegible] کچھ [illegible] باغ [illegible] انگریز [illegible] رہے ہیں [illegible] مقبروں کے ساتھ [illegible] دیا ہے [illegible]!

ایک بہن ہی کیسی [illegible] (آفریدی) کے اس باغ میں [illegible] ہیں، خدا معلوم کتنے [illegible] سب کی [illegible] کو سلام! اور پھر دوستوں، بزرگوں کے نام کیوں [illegible] ہیں؟ [illegible] مرد [illegible] جوان [illegible]

[illegible] غلام حسین ([illegible]) فلاں شاعر [illegible] فلاں ادیب [illegible] فلاں مجاہد [illegible] فلاں درویش! فرنگیوں کی قبروں [illegible] کسی غریب [illegible] قبر [illegible] اللہ کی رحمت سب پر [illegible] زیادہ [illegible] ایک عجیب منظر، ایک عجیب عالم! [illegible] رہا [illegible] ادا [illegible]!

کرنے والے اسکا ظن استعمال کیا کرتے [illegible] بلاغ کا بھی ذکر کیا کرتے!

دو قرآنی آیتیں

مولوی سید صالح حسین صاحب شوق، جھبرا

[illegible] سے تحریر فرماتے ہیں:-

"۸۔ جولائی کے [illegible] میں [illegible] پر [illegible] کی تاویل فرماتے ہوئے قلم مبارک سے حتی اذا استیئس الرسل وظنوا انہم قد کذبوا جس عنوان و بیان سے زیب قرطاس ہوئی ہے اس سے یہ خدشہ وارد کیا ہے یعنی وظنوا انہم قد کذبوا [illegible] عن انبیاء کرام یعنی الرسل کی طرف تو نہیں سمجھا جا رہا ہے بہاں کہ [illegible] کی منافی ہے۔ مجھے اب بعض کی تفسیر سے [illegible] کہ ظنوا کا روئے سخن الرسل کی طرف نہیں بلکہ قوم رسل کی جانب ہے "یعنی" گمان کرنے قوم [illegible]" (شاہ ولی اللہ) یا اگر ظنوا الرسل ہی کی طرف رجوع ہے تو "قد کذبوا" سے مراد یہ ہے "تاخیر وعدہ کے [illegible] اب قریب ہے کہ قوم ہماری نبی انبیاء کی تکذیب کرے" انبیاء کرام کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی قسم کا ظن فاسد کریں۔ [illegible] اس "ان ھی الا فتنتک" میں بھی لفظ فتنہ [illegible] و تربیت [illegible] لے دار ہو تو عجب نہیں۔ اسی لفظ [illegible] مفصل [illegible] [illegible] گا"

(۱) جن آیتوں کے لغوی [illegible] اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے کئی کئی پہلو نکل سکتے ہوں، ان میں ہر شق کو اختیار کر لینا جائز ہے اور پھر اگر وہ شق ایسی ہو، جسکی تائید میں تابعین و صحابہ اکابر مفسرین کے قول مل رہے ہوں تو بدرجۂ اولیٰ۔ اب جو آیت [illegible] بحث ہے (سورۂ یوسف، رکوع آخر) اس میں لفظ [illegible] کو بعض صرف بعض مفسرین نے اسے اپنی طرف سے فرض کیا ہے۔ اور ابن عباسؓ صحابی کی جانب جو قول منسوب ہے، اس میں تو صاف فعل ظنوا کا فاعل الرسل ہی کو قرار دیا ہے۔ ظن کے معنی جو آسانی سے محض خطرۂ قلب اور وسوسہ کے بھی تو ہو سکتے ہیں اور یہ مقام نبوت کے منافی ذرا بھی نہیں۔ نصرت و امداد غیبی کی آمد میں جب غیر معمولی دیر، انبیاء کے اندازہ و تخمینہ سے بھی بہت زائد ہوئی، تو ان حضرات کو بھی اگر یہ شبہ یا وسوسہ گزرنے لگا ہو، تو اتنی بھی بشریت نبوت کے منافی نہیں۔ آخر خود سید الرسل کی بابت یہ روایت حدیثوں میں موجود ہے کہ وحی کی آمد میں جب ذرا سا وقفہ پڑ گیا، تو آپ کو چٹان سے نیچے اپنے کو گرا کر خودکشی کے خیالات آنے لگے۔ بہرحال مفسر جلیل رازی نے تفسیر قول ابن عباسؓ کی کی ہے:

وروی عن ابن عباسؓ ان الرسل ظنوا انہم اخلفوا وعدہم اللہ من النصر ان سع فقد اراد بالظن ما یخطر فی القلب علی [illegible] الوسوسۃ [illegible] المراد به [illegible] فی التراخی والامهال سے [illegible] [illegible] نقیل

اور ابن عباسؓ سے جو یہ معنی منقول ہیں کہ رسولوں کو یہ خیال گزرا کہ اللہ نے ان سے نصرت کا جو وعدہ کیا تھا، اس میں وعدہ خلافی نہیں پڑ گیا، تو یہ شرط صحت روایت یہاں ظن کے معنی اس خطرۂ قلب کے لیے جائینگے جو بطور وسوسہ کے آ جائے، اور [illegible] ہے نصرت و ظہور وعدہ میں دیر ہو جاتی ہے

اور حکیم الامت تھانوی کی تفسیر یہ ہے:

"[illegible] غیر معذوب ہے [illegible] عدم وقوع کا [illegible] تمہاری نقل ہے [illegible] کر [illegible] امم سابقہ کو بھی بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں یہاں تک کہ [illegible] الٰہیہ کی وجہ سے پیغمبر اس بات سے مایوس ہو گئے کہ جو [illegible] و عذاب الٰہیہ کا اپنے اجتہاد سے معین کرکے [illegible] اس وقت میں ہم منصور [illegible] ہوں گے۔ اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ [illegible] الٰہیہ کی تحدید میں ہمارے سمجھنے [illegible] [illegible] قرآنی یا حسب استنباط نصرت قریب کا وقت معین کر لیا تھا کہ وعدۂ الٰہی ہے۔ اسی مایوسی کی حالت میں انکو ہماری مدد پہنچی"

زمخشری (صاحب کشاف) نے بھی اسی پہلو کو لیکر بیتاوی نے [illegible] بسط سے کلام کیا ہے اور صاحب بحر المحیط نے الرجا والقول قبول [illegible] کیا ہے، تاہم اسکی روایت علاوہ ابن عباسؓ کے ابن مسعودؓ صحابی اور سعید بن جبیرؓ تابعی کیطرف [illegible] ہے کہ خود قرآن مجید کا سیاق اسی شق کو چاہتا ہے۔

(۲) "ان ھی الا فتنتک" میں فتنہ کے عام و متعارف معنی (آزمائش) کو چھوڑ کر "امداد و تربیت" لے اختیار کرنے کے لیے دلیل قوی کی ضرورت ہے۔ وہ جس وقت مل گئی، فوراً اس معنی سے رجوع کر لیا جائیگا۔

[illegible] کا کمال

عرب جاہلیت کے ذکر کے بعد:-

"[illegible] کہ ایسے زمانہ میں ایسی قوم کی اصلاح کے لیے کوئی ایسا [illegible] سکتا تھا جو انکی ذہنی رفتار کے مطابق ہوتا۔ خطابت ہی [illegible] متاثر ہو سکتے تھے۔ اور انکی اصلاح کے لیے یہی ذریعہ اختیار کرنا ضروری تھا۔ چونکہ رسول اللہ ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتے جو اپنی فصاحت و بلاغت اور پاکیزگی زبان کے لحاظ سے بہت مشہور تھا، اس لیے آپ کے تمام اقوال و ارشادات کو عربوں کے ذوق کے لحاظ سے یوں بھی بہت پسند ہونا چاہیے تھا لیکن قرآن کی زبان میں چونکہ علاوہ آپ کی فطری فصاحت و بلاغت کے آپ کے وہ لینہ اثرات بھی شامل تھے جو صدر کے حجرۂ تصور میں [illegible] جانے کے بعد ہی پیدا ہو سکتے ہیں، اسلیے قرآن کا انداز [illegible] کی عام مروجہ خطابت سے کہیں زیادہ دلپذیر تھا ... قرآن کا انداز بیان ہر جگہ ایک سا نہیں ہے، بلکہ وہ رسول اللہ کے اثرات کے لحاظ سے ہر جگہ بدلا گیا ہے۔ لیکن کسی جگہ ان لوگوں کے حدود عقل سے متجاوز نہیں ہوا ہے جن سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور قرآن کی سب سے بڑی بلاغت یہی ہے" (نگار، جولائی ۱۹۵۰ء، صفحہ ۳۳)

... رسول اللہ کا مقصد انسان کے اخلاق درست کرنا بھی تھا اور ذہنی ... کرنا بھی (دعوت ۳) " عرض قرآنی شہادت کا ادعا نہیں ... صحابہ کی تربیت

مقصد اخلاق کی درستی تھی - اور جو کچھ اس میں کہا گیا ہے اس مدعا کو ثابت کرنے کو کہا گیا ہے .... اس مقصد کی تکمیل میں آپ نے خود طبعی اصول اختیار کیے جن کے بغیر کامیابی ممکن ہی نہ تھی - (صفحہ ۹۳)

(عرض یہ کہ تبلیغ تو دین کا ہر ممکن ذریعہ اختیار کر کے ہی کی جاتی ہے ... یہ کہ قرآن ... کا کلام ہے اور تبلیغ اسی کی کیا ہی ہے کہ مصنف قرآن ... سے تاہم "رسول" کی حیثیت اپنی قوم عرب کے ایک اخلاقی مصلح اور مخلص داعی کی تھی ؟ ——— خدا معلوم اس دعوت کے لیے ... کے نام سے کیا ... ؟ اور آخر ذریعہ کس کا ... جو ... (شیعہ) کے ساتھ تقیہ ... کیا ... ؟ ——— تقیہ کون کہتا ہے کہ ایک مخصوص فرقہ کے ساتھ مخصوص ہے ؟

ترقی کے مناظر

" آخری شمار کے مطابق اندازہ ہے کہ ولایات متحدہ (امریکہ) میں اس وقت ننگوں اور ننگیوں کی تعداد ۵۰ ہزار ہے ! یعنی ایسے مرد اور عورتیں جن کے جسم پر لباس کی ایک دھجی بھی نہیں !

(ٹائمس آف انڈیا ، کاڈی ... جولائی ۱۹۳۲ء)

" لندن — ۳۰ — جولائی — ساحل فرانس کی اطلاعیں ہیں کہ فرنچ عورتیں جو غسل اور غسل سمندری کے لیے نیم برہنہ سوٹ پہلے ہی سے استعمال کرتی تھیں ، اب اس میں اور ترقی ہو گئی ہے ، ساحل پر سمندر میں پیرنے ہوئے مرد اور اور ان سے بھی زیادہ عورتیں ایسی دکھائی دیتی ہیں ، جو کمر تک برہنہ ہوتی ہیں - اور پیرنے والے لڑکوں نے جسم پر تو قطعاً کوئی لباس ہی نہیں پہنا " (گلوب ایجنسی)

دَور وحشت و بربریت کی طرف اس تیز قدمی سے اور حیوانیت کی منزل کی اس گرم رفتاری سے واپسی کا نام گورے اور کالے سب کی زبان پر " ترقی " ہے !

ایک عربی مدرسہ

مولوی عبدالرؤف خاں صاحب محمد نگر (ڈاکخانہ رامت گنج - ضلع بستی) سے تحریر فرماتے ہیں :-

" مدرسہ کا عمارتی کام اپریل ۱۹۳۲ء سے شروع ہو کر جولائی ۱۹۳۲ء کے پہلے ہفتہ میں بہ قدر رقم کام ہو کر بند ہو گیا - نصف حصہ بلا سر و سامان دیوار استادہ باقی رہ گئی - پانچ سو روپیہ کا بقایا وعدہ رہ گیا - وہ صاحب کسی مالی پریشانی سے نہیں دے سکے - صدق نے بڑا کرم فرمایا جو اسال ذیلِ اعلان اسکے لیے برابر شائع فرما دیے - یہ اور بات ہے کہ مدرسہ کی بد قسمتی سے کوئی امداد اب تک حاصل نہ ہو سکی - اب تو ماہ رمضان عام سخاوتوں کا زمانہ آ گیا - مدرسہ کا سالانہ امتحان خیر و خوبی سے ہر درجہ کا ختم ہو گیا - تعمیری کام البتہ بوجہ قلت رقم بند ہو گیا - نصف حصہ بلا سر و سامان پڑا رہ گیا وہ اہل دل کی نظر کرم کا محتاج ہے "

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۳)

(س علامت سوال کی ہے ، ج علامت جواب کی)

س - ایک امر کی تشفی چاہتا ہوں - میرے وطن میں یہ دستور ہے اور میرے والد بھی اسکے سختی سے پابند تھے کہ اپنے خاندانی بزرگوں نیز بزرگان دین کی تاریخ وفات پر فاتحہ کے لیے طرح طرح کے کھانے بقدر حیثیت بلکہ کبھی اس سے بھی زائد پکوا تے تھے - نصف یتیم خانہ بھجوا دیتے ، کچھ اپنے سامنے مساکین کو کھلاتے اور باقی عزیزوں دوستوں میں تقسیم ہونے کے بعد گھر میں صرف ہوتا تھا - کھانے متعدد اقسام کے ضرور ہوتے تھے - اور جو چیزیں صاحب فاتحہ کو زندگی میں مرغوب تھیں وہ بھی ضرور ہوتی تھیں یتیم خانہ میں کھانا بھیجنا اور مساکین کو اچھا کھانا کھلانا تو بہر صورت کار خیر ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں کھلانے والے کو زیادہ ثواب ہے یا مردہ کی روح کو ؟ اگر فاتحہ کرنے والے کو اجر الدال علی الخیر کفاعلہ کی بنا پر ملتا ہے تو بالکل ٹھیک ہے -

ج - ہر عمل خیر کی طرح اس عمل خیر کا اصل اجر اسکے کرنے والے ہی کا ہوا - لیکن وہ خود ہی جب اسکے منتقل کرنے کی درخواست اپنے کسی بزرگ یا عزیز کے حق میں کر رہا ہے " تو توقع یہی رکھنی چاہیے کہ وہ اجر اس میت کے حساب میں جمع ہو گیا - اور یہ طور فضل و انعام کے ثواب پہنچانے والا بھی اجر سے محروم نہ رہا ——— لوگوں نے عمل خیر کو جو تقسیم طعام وغیرہ کے مروجہ طریقوں تک محدود کر لیا ہے یہ اسکے وسیع دائرہ کو خواہ مخواہ تنگ کر دینا ہے -

س - عمدہ اور قسم قسم کے کھانوں سے کیا مردہ کی روح کو زیادہ اجر ملتا ہے ؟ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف سادہ کھانا زیادہ آدمیوں کو کھلا دیا جائے وہ بہتر ہے یا قسم قسم کے اعلیٰ کھانے ہوں ، جو ظاہر ہے کہ متناسبۃً کم ہی آدمیوں کو پہونچ سکیں گے ، وہ بہتر ہیں ؟ بظاہر اول الذکر صورت بہتر معلوم ہوتی ہے -

ج - خیال صحیح ہے - لیکن سادہ کھانے کی وسیع تقسیم میں خود اپنے ذائقہ کی لذت کا وہ سامان کہاں ؟

س - لیکن ، گو حضور والا کی تضیع اوقات کر رہا ہوں ، تاہم اپنی تشفی کے لیے ایک واقعہ عرض کر دینا ضروری ہے - بہت عرصہ کی بات ہے ، حضرت شاہ .... ایک مرتبہ قصبہ سے میرے ہاں لکھنو تشریف لائے - میری والدہ مرحومہ نے اسی زمانہ میں اپنے والد مرحوم کا فاتحہ دلایا تھا - حضرت نے میری والدہ سے فرمایا کہ " جاؤ روز ہوئے حافظ جی (میرے نانا) سے ملاقات ہوئی تھی - دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے - اور یہ یہ چیزیں انکے آگے چُنی ہوئی تھیں (جن پر فاتحہ ہوا تھا)

اور مجھ سے کہا کہ لڑکی نے یہ کھانا بھیجا ہے۔" اسکے معنی تو یہ ہوئے کہ بچے کھانے کسی قسم کے ہوں، تو اس سے صاحب فاتحہ کی روح کو خوشی ہوتی ہے۔

ج۔ خواب بالخصوص [illegible] وہ بھی خواب ہی کی ایک قسم ہے کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ [illegible] صرف [illegible] کا یا [illegible] خواب [illegible] تو کسی عمل صحیح کے منافی ہے [illegible] خواب سے [illegible] کو [illegible] صاحب کشف کی [illegible] کھانوں کی [illegible] دیکھ لیا جاتی [illegible] کھانوں کی فضیلت تو کہیں سے [illegible] کھانا [illegible] میں [illegible] لیا گیا [illegible] تو وہ بھی اسی طرح [illegible] کا [illegible] یہ اعتقاد [illegible] کہنا چاہیے کہ [illegible] کا منتقل ہو کر میت تک پہونچ جاتا ہے۔ یہ تو ہندوؤں اور دوسری مشرک قوموں کا عقیدہ ہے۔

ہمارے ہاں تو اسکا کوئی ضابطہ [illegible] عالم برزخ میں [illegible] مادی [illegible] غذاؤں کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے

اصل سوال کے جواب کے بعد ایک مستقل گزارش یہ ہے کہ سوا اپنے مرشد یا کسی اور بزرگ کے [illegible] کو [illegible] صحیح نہیں۔ مجیب صاحب کی رعایت سے اکثر مشکل پڑ جاتا ہے نفس مسئلہ کی تحقیق [illegible] خواہ سائل کے [illegible] مرشد کا قائل یا حال کچھ بھی ہو۔

س۔ کوئی [illegible] کا عرصہ ہوتا ہے کہ حقیر نے اپنے خط کا جواب حضرت والا کے ہاں سے پایا۔ انتہائی مسرت ہوئی کہ حضرت نے اس حقیر کی طرف توجہ فرمائی۔ لیکن [illegible] ہوا کہ حضرت نے شیخ بننے سے [illegible] روگردانی کرلی۔ حقیر نے تو بہت کچھ سوچ سمجھ کر حضرت والا کے آستانہ کے لوازمات کی ٹھان لی تھی۔ گر شاید یہ سعادت نصیب میں نہ لکھی تھی۔ اب یہ حال ہے کہ کسی دوسرے کے آستانہ پر جبہ سائی کی ہمت نہیں۔ ایک ہی کو اپنا حکیم سمجھ لیا تھا، اگر وہ بھی منہ پھیر لے تو پھر بیمار سدا بیمار ہی رہیگا۔ [illegible] ہی کے پاس جانا ہوتا۔ تو بڑے شہر میں بدعتی شیخ [illegible] ہیں؟ حضرت والا اگر توجہ نہ فرمائینگے تو [illegible] جو صرف شیخ ہی کو بتائی جاسکتی ہیں، [illegible] نہ ہو سکیں گی، اور میں ہمیشہ [illegible] میں مبتلا رہونگا۔

ج۔ [illegible] اور منہ پھیر لینے کا تو کوئی سوال [illegible] معذوری صرف مرتبہ شیخ کے قبول کرنے سے ظاہر کی گئی تھی اور وہ معذوری بالکل حقیقی ہے۔ بیمار اپنا حال جس آزادی اور اطمینان سے طبیب [illegible] پیش کر سکتا ہے اسی طرح [illegible] کے سامنے بھی کر سکتا ہے۔ [illegible] اور [illegible] شافی مطلق [illegible] اسی کو بھی بنا دیتا ہے۔

[illegible] کی جدائیت دلوں میں [illegible] ہوئی ہے

وہ بڑی حد تک مبالغہ آمیز ہے۔ اصل شے طالب کی طرف سے ارادت [illegible] اخلاص ہے باقی تمام چیزیں کچھ دوسرے اور تیسرے درجہ کی [illegible]

س۔ نمازوں کا یہ حال ہے کہ فجر تازہ وضو کرکے نہیں ادا کرتا ہے۔ دوران نماز میں کعبہ اللہ کا خیال کرتا ہے۔ یہ نہیں تو یہ خیال کرتا ہے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

ج۔ ٹھیک ہے۔ یہی کیے جایئے۔

س۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کہ فجر کبھی نہیں ادا ہوتی ہے الارم [illegible] سرہانے رکھ کر حقیر سوتا ہے مگر علی الصبح نیند کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اٹھنا طبیعت پر نہایت شاق گزرتا ہے۔

ج۔ گھڑی کا الارم صرف جگا دینے کے لیے ہوتا ہے ضعف ہمت کا علاج نہیں۔ کسی دوست، عزیز، یا ملازم پر تاکید کی جائے کہ وہ اٹھا کر بٹھا دیا کرے۔ کچھ روز بعد عادت ان شاء اللہ پڑ جائیگی۔ اور اس درمیان میں نماز قضا پوری پابندی کے ساتھ ادا ہوتی رہے۔ اس میں نسایل کو دخل بالکل نہ ہونے پائے۔ اور نفس پر جرمانہ والی سزا بھی برابر جاری رہے۔

مولانا تھانوی کے مواعظ یا اور ایسی کتابیں جن میں ترک نماز کی وعیدیں درج ہوں، برابر مطالعہ میں رہیں۔

ساری کوششوں کے بعد بھی اگر ناکامی رہے، تو پھر بندہ معذور ہے۔ بندہ مکلف بقدر طاقت ہے۔ معلوم ہوگا کہ یہ افراط نوم کسی شدید طبعی کیفیت یا جسمانی مرض کا نتیجہ ہے۔ رات کو دیر تک جاگتے رہنے، رات کا کھانا دیر میں کھانے، یا چائے پی کر سو رہنے، وغیرہ ان مادی اسباب پر بھی غور کر لیا جائے، جو زیادہ نیند لانے کے باعث ہو سکتے ہیں۔ نیند والے شخص کے لیے حدیث میں رعایتیں آئی ہیں۔ نیند کو لعنت نہ سمجھا جائے۔ لعنت تو وہ ہے جو ارادی نافرمانی سے لازم آتی ہے۔ یہ تو ایک طبعی معذوری ہے۔

س۔ ایک دفعہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق حقیر نے ایک وقت کا کھانا ناغہ کیا تو سبھوں نے یہ پوچھنا شروع کردیا کہ کہیں بیماری سے تو نہیں ڈر رہے ہو؟ کہیں بدہضمی تو نہیں ہوگئی ہے؟ کہیں کسی سے ناراض تو نہیں ہوگئے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ تو سب لوگوں کا اس طرح پوچھنا برا معلوم ہوتا ہے، اور جواب نہیں بن پڑتا۔

ج۔ ملامت خلق اور تھوڑی سی تضحیک و رسوائی تو خود ایک علاج ہے۔ اس سے بچنا اور کھانا دا کے پینے سے انکار کر دینا ہے۔

اور جواب کیوں نہیں بن پڑتا؟ جو اصل وجہ تھی وہی بلا کسی حیلہ حوالہ کے کہہ دیا ہوتا۔

س۔ اگر کبھی حقیر نماز کے قضا ہو جانے سے یہ چاہتا ہے کہ دو وقت کا کھانا ناغہ کرے تو طبیعت نفسی گوارا نہیں کرتی۔

ج۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ مریض دوا پینے سے انکار کردے۔

ج ۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ کوئی مریض دوا کے پینے سے انکار کر دے۔

اوراد میں اخلاص، جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، اسکی آزمائش کے بھی موقع ہوتے ہیں۔ طبیعت کو اپنے اوپر حاکم بنا لینے کے معنی یہ ہوئے کہ شیخ و مصلح کوئی اور نہیں، بلکہ وہی مریض اور معتدل اسکی طبیعت ہے۔

س ۔ چند دن پہلے سوال ہوگیا تھا کہ روزانہ قرآن پاک کا ترجمہ یا نصف پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر ادھر تین دن سے مطلق طبیعت نہیں ہو رہی ہے۔ اور طبیعت میں ایک قسم کا ہیجان اور پریشانی ہے۔

ج ۔ قرآن مجید کی تلاوت تو خود ایک علاج خفقان کا ہے۔ اسکا چھوڑنا یعنی بیماری کے وقت دوا کا چھوڑ دینا ہے۔

خفقان اور اختلاج اکثر مادی و جسمانی بیماریوں سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صورت ہو تو توجہ ان جسمانی امراض کی طرف کرنا لازمی ہے۔ قرآن مجید میں اگر یوں عام طور سے دل نہ لگتا ہو، تو ایسی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، جو قرآن کی طرف لے جانے والی ہیں۔ مثلاً حکیم الامت کے مواعظ، امام غزالیؒ کی تصانیف، کسی اور اہل اللہ کے مقالات و تصانیف۔ ایسی چیزیں یاد ہوں کے اور گرد ایک قرآنی فضا تیار کرتی ہیں۔

س ۔ نماز کی باقاعدہ ادائگی میں ایک مانع یہ ہوتا ہے کہ مسجد سے دور کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔ نماز کے لیے جلسہ ملتوی نہیں ہوتا لیکن نماز پڑھنے والے جو جلسہ گاہ کو چھوڑے بغیر نماز پڑھنا چاہتے ہیں وضو کا انتظام مفقود پاکر نماز کھو دیتے ہیں۔ ان حالات میں تیمم کی اجازت ہو تو بہت لوگ نماز پڑھ لیں اور فرض کی ادائگی میں کوتاہی سے بچ جائیں۔ اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا فلم تجدوا ماءً کے الفاظ کا ان حالات پر اطلاق ہے؟

ج ۔ پانی نہ ملنے کی صورت کا کوئی معیار تو بہرحال قائم کرنا ہوگا، اور دشواری کا کوئی معتد بہ درجہ تو بہرحال رکھنا ہوگا۔ ورنہ اگر ہر خفیف اور برائے نام دقت کو بھی کافی عذر ٹھہرا لیا گیا، تو پھر وضو کا حکم تو عملاً معطل ہو کر رہیگا۔ جلسہ گاہوں یا انکے قرب وجوار میں مل جانا کچھ ایسا دشوار تو نہیں۔ تھوڑی ہی توجہ و انتظام کے بعد ہر جلسہ گاہ میں پانی میسر آسکتا ہے۔ شریعت اپنے پیرووں سے محض لفظی خانہ پری کی متمنی نہیں، بلکہ تھوڑی سی ہمت، مستعدی اور احساس کی ہمہ وقت بیداری چاہتی ہے۔

ہاں اگر کہیں بطور استثناء واقعی زیادہ دشواری پانی کی فراہمی میں پیش آرہی ہو، یا پانی تک پہونچنے کا فاصلہ بہت زائد ہو، تو گنجائش تیمم کی نکل آئیگی۔ اس نامہ سیاہ کی فہم ناقص میں تو ترک نماز سے بہرحال تیمم بہرحال بہتر ہے۔ لیکن مناسب ہوگا کہ کسی صاحب فہم فقیہ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ (صاحب فہم کی قید ضروری ہے)

نیا مطالبہ

حکم ہوا ہے کہ اتحادی فوجوں کے تمام شادی شدہ مردوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے جذبات نفسیت کی تسکین میں بالکل آزاد ہیں۔ یورپ میں لاکھوں مرد لڑائی میں کام آگئے۔ جسکے نتیجہ میں خول کے غول عورتیں بیکار پھر رہی ہیں جس سے اتحادی سپاہیوں کو یا ازراہ ہمدردی یہ حکم نافذ کیا ہے کہ اگر ان لڑکیوں کے مرد سپاہی چاہیں تو بڑی دلبانی سے داد عیش دے سکتے ہیں۔

مگر اس قسم کی رنگ رلیوں میں ایک قباحت یہ ہوا کرتی ہے کہ چند خبیث قسم کی جنسی بیماریاں آدمی کو لپٹ جاتی ہیں۔ لیکن سائنس کی ترقیوں کا زمانہ ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں کو خاص طور سے ہدایت ہوئی ہے کہ وہ ان امراض سے بچانے کی تدبیریں بتاتے رہیں۔ یعنی اخلاقی عفونت کو روکنے کے قدرتی طریقوں کو ناکام بناتے رہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مزے کی دلیل یہ دی جارہی ہے کہ اس طرح فاتح و مفتوح کے درمیان بھائی چارگی کے تعلقات مضبوط ہونگے اور اخوت و برادری کے روابط بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ آجکل بڑے زور وشور کے ساتھ یہ روابط بڑھائے جارہے ہیں۔ ہر گلی میخانہ آباد ہے اور ساقی کی چشم مست سے رندان بے خواہ کی تمام دلی مرادیں پوری ہو رہی ہیں۔ میکشوں کو اذن عام ہے کہ بادہ حسن و عیش کے چھلکتے ہوئے جام جہاں کہیں پائیں، اٹھا لائیں۔

مگر رندی و ہوسناکی کی یہ اجازت صرف فاتح فوجوں کے مردوں کو عطا کی گئی ہے لیکن شیطان کی دکان پر مرد و عورت کی تخصیص کوئی معنی نہیں رکھتی اس لیے انگلستان کی عورتوں کی طرف سے احتجاج پر احتجاج ہو رہے ہیں کہ میکدے کی کنجیاں ہمارے سپرد بھی کرو۔ کہا جاتا ہے کہ مرد اور عورت برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے کیا وجہ ہے کہ مردوں کو تو بھائی چارگی کی اجازت ہے مگر ہم عورتیں اس سے محروم ہیں۔

مسز ڈارالتھی ولسن نے اس آواز کو بڑے زور وشور سے اٹھایا ہے۔ آپ شادی شدہ عورتوں کی ایک انجمن کی سرگرم ممبر ہیں۔ ایک فوجی افسر کی بیوی ہیں، اور خیر سے دو بچوں کی ماں بھی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ "اگر جرمنی کی عورتوں کے ساتھ ہمارے مردوں کا آزادانہ میل جول باہمی بھائی چارگی کو پیدا کرنے میں مدد دے سکتا ہے اور اس سے امن عالم کے مقصد کو طاقت پہونچ سکتی ہے تو ہم اسکا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں، مگر ایسی صورت میں یہ آزادی صرف مردوں ہی تک محدود نہ ہونی چاہیے بلکہ عورتوں کو بھی یہ حق ملنا چاہیے"۔ دیکھیں آپ نے تہذیب جدید کی نیرنگیاں یعنی احتجاج اس بات پر نہیں کیا جاتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، شور اس پر نہیں مچایا جاتا کہ اس طرح عورت کی عصمت و عفت کو جنس کاسد کی طرح نیلام پر کیوں چڑھایا جا رہا ہے؟ اور شکوہ اسکا نہیں ہے کہ ان آزادانہ رنگ رلیوں سے انسانی اخلاق میں عفونت

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد

حافظ ابن حزم کے نقطہ نظر سے

نمبر (۲)

از جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

بہر حال یہ اور اسکے سوا بعض خیبر، نجران وغیرہ کی زمین کا تخمینہ کرایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسا کرنا بالا مصلحت حکومت اپنے صوابدید سے اس قسم کے اقدامات کر سکتی ہے۔ بلکہ جیسی زمین ... حضرت امام مالک نے یہ مسلک اختیار فرمایا ہے جیسا کہ محلی میں ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ

"کسی کی زمین میں اگر کوئی معدن ... نکل آئے یا جاری ہو
تانبے یا لوہے یا چاندی یا سونے یا ...
ہر حال یا شورہ یا یاقوت یا زمرد یا بلور وغیرہ کا تو اسکے"

تو قال ... تصیر الارض للسلطان (محلی ۲۳۸ ج ۶) یعنی وہ ... زمین حکومت کی ہو جائیگی۔ اگرچہ اس مسئلہ میں امام مالک سے دوسرے علماء کو اختلاف ہے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا امام مالک نے جن بنیادوں پر اس مسئلہ کو اختیار فرمایا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے پیمانہ پر آمدنی پیدا کرنے والی چیزوں کو حکومت اپنی نگرانی میں لے کر آمدنی بیت المال میں جمع کر کے ارباب استحقاق میں اگر تقسیم کرنے کا ارادہ کرے تو ایسا کرنے میں اسلام کا کوئی قانون اسکی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ مزاحمت کیا معنی؟ جن باتوں کی طرف میں نے اجمالاً اشارہ کیا ہے ان سے تو اسکی تائید ہوتی ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے صوابدید سے حکومت ایسا کر سکتی ہے۔

بہر حال یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل مثلاً اجرت اجیر و اجرت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر، مزدوروں کے حقوق اوقات کار کی تعیین۔ اسی طرح ملک کے عام غریب باشندوں، یتامیٰ اور بیواؤں، بیکسوں حتیٰ کہ غارمین (یعنی تاوان زدہ مقروض لوگ) مسافروں وغیرہ وغیرہ کے لیے زکوٰۃ کا باضابطہ نظام جو اسلام نے قائم کیا ہے سرمایہ داروں کے پس اندوختہ سرمایہ سے ان لوگوں کے حقوق کا حاصل کرنا، انکے روپیہ، انکے مویشی، انکی زمین پر باضابطہ ٹیکس لگانا اور اس ٹیکس کی وصولی میں حکومت کی ساری قوت کو خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہو جانا، اور جنکے یہ حقوق ہیں ان تک انکے حقوق کو پہنچانا، ملک کے جن باشندوں میں اپنے مال اور سرمایہ کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو، ان پر حکومت کی نگرانی قائم کر کے انکی جائداد کی حفاظت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں ہیں جنکے لیے لوگوں کو میری مذکورہ بالا کتاب اور دوسرے مقالات و مضامین کا انتظار کرنا چاہیے۔

لیکن اس وقت اس مختصر مقالہ کے ذریعہ سے جس چیز کو عام مسلمانوں اور اہل علم کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں وہ پانچویں صدی کے ایک اسلامی عالم ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کا ایک "بیان" ہے جو مجھے حال ہی میں انکی کتاب "محلی" میں ملا ہے۔ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن مسائل و نظریات کو بیسویں صدی کے خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے، کتنی وضاحت بسط و شرح سے صدیوں پہلے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک اسلامی عالم دنیا میں پیش کر چکا ہے۔

بہر حال اپنی اس کتاب میں علامہ نے "کتاب الزکوٰۃ" کے مسائل کو ختم کرتے ہوئے ایک دعوے ان الفاظ میں کیا ہے

وفرض على الاغنياء من اهل كل بلد ان يقوموا بفقرائهم

اور فرض کیا گیا ہے ہر شہر اور علاقہ کے امیروں پر کہ اپنے اپنے علاقہ کے غریبوں کی خبر گیری اور اعانت پر آمادہ ہوں۔

یہ بتا دینا ہے کہ یہ کوئی شخصی اور تنہائی فرائض ہی میں سے نہیں ہے، بلکہ علامہ نے تصریح کی ہے کہ

ويجبرهم السلطان على ذلك۔

(اور غریبوں کی ضروریات کی پابجائی امیروں پر جو یہ فرض ہے) چاہیے کہ اس پر حکومت ان امیروں کو مجبور کرے۔

پھر اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ غریبوں ہی کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تو امیروں سے حکومت زکوٰۃ وصول کرتی ہے، تو کیا زکوٰۃ کے وصول کرنے کے بعد بھی اور زائد محصول لگا کر حکومت جبراً لوگوں سے غریبوں کی امداد کے لیے رقم وصول کرنے کا استحقاق رکھتی ہے۔ اسی کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں

ان لم تقم الزكوة بهم ولا في سائر اموال المسلمين بهم

(یعنی زائد محصول لگانا حکومت پر اسوقت فرض ہو جاتا ہے) جب زکوٰۃ کی رقم اور بیت المال میں مسلمانوں کے فئی کی جو آمدنی ہوتی ہے کافی نہ ہو۔ فئی سے انکی مراد ان زمینوں کی آمدنی ہے، جنھیں فتح کر کے حکومت اپنی نگرانی میں لیکر اسکی آمدنی کو بیت المال میں جمع کرتی ہے۔ الغرض زکوٰۃ کی آمدنی اور حکومت کی آمدنی اگر غریبوں کی ضروریات کی پابجائی میں ناکافی ہو، تو علامہ کا فتوے ہے کہ امیروں پر جدید محصول عائد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ یہ سوال کہ "ضرورت" کا کم از کم معیار کیا ہے۔ اسکا جواب علامہ ابن حزم ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذي لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصيف بمثل ذلك وبمسكن يكنهم من المطر والصيف والشمس وعيون المارة

پس غرباء کے لیے مہیا کی جائے خوراک جو انکے لیے ناگزیر ہو اور سرما و گرما کے لیے کپڑے اور ایسا گھر جو بارش اور گرمی، دھوپ سے بھی انکو محفوظ رکھ سکے اور عام راہ گیروں کی نگاہ سے بھی

(باقی آئندہ)

احکام اور حِکمِ احکام

(ماخوذ از مواعظ حضرت تھانویؒ - مرتبہ مولوی محی الدین صاحب سیری از بمبئی)

۱- مومن کا طرۂ امتیاز سمع و طاعت ہے، نہ کہ علل احکام کے درپے ہونا۔

۲- اکثر یعقوبی اور ہندو وغیرہ کے اصلی مخاطب ہی ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔

۳- تفکر فی الاحکام لازمی نہیں ہے، تعمیل احکام لازمی ہے۔ البتہ تفکر اہل فکر کے لیے ممنوع نہیں، اُسکا نفع باعث ازدیاد ایمان ہوتا ہے۔ عمل بلا تفکر باعث قرب و نجات ہے اور تفکر بلا عمل بیکار رہتا ہے۔

۴- غور و فکر کا مسئلہ ایمان لانے تک ہے۔ جب اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ پر ایمان غور و فکر کے بعد آ گیا تو اب بے چون و چرا سمع و طاعت کا مطالبہ ہے۔ غور و فکر کا کسی درجہ میں نہیں۔

۵- نااہل عامیوں کا مصالح کے پیچھے پڑنا سخت خطرہ کی بات ہے۔ حتیٰ کہ کبھی ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

۶- کسی گورنمنٹ کو تسلیم کر لینے کے بعد اُس کے احکام میں تعمیل میں تامل بغاوت کہلاتی ہے، جسکی سزا قتل ہے۔

۷- سالار فوج کے آرڈر کی تعمیل میں تامل کورٹ مارشل کا موجب ہوتا ہے۔

۸- تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، نتیجہ ہے اسی تامل کا جسکا منافی ایمان ہونا منصوص فی القرآن ہے۔

۹- تعمیل کیلیے کسی حکم کا حکم خدا ہونا کافی ہے۔ اپنی فہم میں بھی آ جانے کی شرط لگائے رہنا حق تعالیٰ کی مالکیت مطلقہ سے صاف انکار اور شرکت فی الحکومت کا دعوےٰ کرنا ہے۔

۱۰- حق تعالیٰ حکیم ہیں، اُنکا کوئی حکم حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں، تاہم ہر حکم کی حکمت بندوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اس بات کا یقین کافی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام ہماری مصلحت اور منفعت سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ منافع اور مصلحتیں ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۱۱- بعض احکام کی مصلحتیں اللہ اور رسول نے بتلائی ہیں لیکن وہ سب ازراہِ شفقت اور تبرع ہے۔ حاکم کو احکام کی حکمت بتانا ضروری نہیں۔ اور محکوم کو احکام کے مصالح سے سروکار نہیں۔ بندہ کا منصب صرف تعمیل احکام اور امتثال امر ہے۔ جب ہمارا نوکر جو ہمارا ہی جیسا ہے، ہمارے احکام کے مصالح پوچھنے کا حق نہیں رکھتا تو مخلوق اپنے خالق سے کب حق رکھیگی۔

۱۲- حق تعالیٰ کبھی حکماء امت کو احکام کے اسرار و حکم سے مطلع بھی فرما دیتے ہیں، اور وہ جو دوسروں کے اُن کا بیان کرنا ان پر ضروری نہیں۔ اُنکا کام صرف احکام کی تعلیم ہے۔ اگر وہ احکام کے مصالح و حکم سے کسی کو آگاہ کریں تو یہ اُنکا تبرع و احسان ہے۔

۱۳- اہل علم و فہم کا عوام کو حکم و مصالح کے درپے بنانا، اُنکو خواہ مخواہ پر ڈالنا اور اُن سے اطاعت کا نشہ کا جوہر کھونا ہے۔

۱۴- بس احکام کی جو حکمتیں اہل اللہ، رسول اللہ کے ذریعہ یا خود خزانۂ حکمت سے قرآن پاک کے اندر معلوم ہوں ان پر شکر بجا لائیے اور جن احکام کے حکم و مصالح سے سکوت ہو اُنکے درپے نہ ہو۔

۱۵- احکام کے حکم و مصالح کا علم تشویش و ہمت عمل میں معین ہوتا ہے۔ پس جتنا علم ہو جائے اُسے غنیمت جاننا چاہیے۔

۱۶- علم اسرار و حکم شفقت اور رحمت حق کو بے نقاب کر دیتا ہے جس سے شکر گزاری کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے، اور اطاعت کی مشقت خوشگوار ہو جاتی ہے۔

۱۷- ایمان قوی ہوتا ہے، اور عین الیقین و حق الیقین کے درجہ کو پہونچتا ہے اور بندہ اسکی برکتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔

۱۸- اور یہ نور و بصیرت (فہم و اسرار) کا انہماک فی الطاعت منجانب اللہ جسے منظور ہوتا ہے عطا ہوتا ہے۔

۱۹- سمع و طاعت کا عادی ہونے سے پہلے طبیعت کو علم و مصالح فی الاحکام کی چاٹ لگا دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسے کسی بچہ کو امتثال امر کے لیے پیپرمنٹ کا خوگر بنا دینا کہ بغیر اسکے مانتا ہی نہیں۔

۲۰- طبیعت کا میلان جب احکام کی مصلحت کی طرف ہو جاتا ہے تو اب آہستہ آہستہ سمع و طاعت کا مادہ کمزور پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ بلا علم مصالح طبیعت عمل پر آمادہ نہیں ہوتی۔ ابتداءً کسل ہوتا اور بالآخر طاعت سے محرومی ہوتی ہے۔

۲۱- مصالح طلب طبیعت میں وساوس نفسانی و شیطانی کے در آنے کی گنجائش نکل آتی ہے، اور رفتہ رفتہ یہی نفس شیطان شیر ناصح کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں سب ادنیات ایمان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

۲۲- جب مدار عمل مصالح و منافع پر ٹھہر جاتا ہے تو اگر کسی اور طرح وہ مصالح و منافع حاصل ہو سکتے ہیں جو کسی عمل شرعی سے ہوں تو عمل شرعی کے ترک میں تنگی و تکلف نہیں ہوتا۔

نماز کے فوائد مثلاً ذکر اللہ، مساوات، احوال مسلمین وغیرہا کسی انجمن یا حلقۂ ذکر وغیرہا سے حاصل کر لیے جائیں تو ترک صلوٰۃ گوارا ہو سکتا ہے۔ یا مثلاً قربانی کی مصلحت اعانت مساکین نظر سے اور حج کی مصلحت کسی آل ورلڈ اجتماع (کانفرنس) سے حاصل کر لینے سے قربانی و حج کی ضرورت نہیں سمجھے گا۔

خاتمۂ کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ سمع و طاعت یعنی سننے اور عمل کرنے کی راہ بڑی ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا نقصان و ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے کہ علم مصالح پر عمل کی بنا رکھی جائے۔

علم مصالح کے منافع سے انکار نہیں جسکا مذکور ہو۔ اگر اسکو عمل کی بنا قرار دینا منع و طاعت کے خلاف بھی ہے اور سخت خطرناک ہے۔ بہترین راہ عمل یہ ہے کہ صحیح ذلالت کو اصل مشرب قرار دیا جائے۔ اور جن احکام کے حکم و مصالح معلوم ہو جائیں اور علم سے جسقدر فوائد مرتب ہو جائیں اُن سے مستفید ہو۔ باقی کے فکر میں درپے نہ ہو۔ یہی طریقہ ہے مصالح و احکام کی مضرتوں سے بچے رہنے کا۔ والسلام

بہیمانہ حرکت

ایک سال ہوئے حکومت کو مشورہ دیا گیا تھا کہ اُن بدمعاشوں اور آوارہ گردوں کو بید کی سزائیں دی جائیں جو شریف عورتوں کی عصمت کے درپے رہتے ہیں۔ ہم اس سے متفق ضرور ہیں لیکن اس ترمیم کے ساتھ کہ بید کی سزا اُن بدچلن اور نسوانی حسن کا عریاں مظاہرہ کرنیوالیوں کو بھی دی جائے جو سراپا ناز بنکر نفس سرکش کو سرکشی اور معصیت کی ترغیب دیتی رہتی ہیں۔ اگر یہ شریف زادیاں شریف عورت بنکر زندگی بسر کریں تو پھر انکے دامن کو داغدار کرنے کی کون جرأت کر سکتا ہے! بےحیائی، بے پردگی کی نمائش لڑکیوں کی طرف سے نہ ہو تو انھیں پارکوں، سڑکوں، ہوٹلوں اور کالجوں میں کیوں کوئی چھیڑے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جرم معصیت، سرکشی اور بیہودگی کی ترغیب کا پورا سامان لڑکیوں کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے اور منچلے، بدقماش، ناعاقبت اندیش نوجوان کو فسق و فجور کے مظاہرہ کا موقع بہم پہونچایا جاتا ہے۔ اگر آج سر بازار کی عشوہ طرازیاں بند ہو جائیں تو کل اس قسم کے متعفن واقعات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہونا اسوقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ لاخوتی علوم کی عملداری قائم ہے، دین و مذہب سے بیگانگی اور مغرب زدگی و فرنگ پرستی نے انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا رکھا ہے۔ اب اس سے جس قسم کی بھی بہیمانہ حرکت سرزد ہو وہ عین متوقع ہے (ندیم مدینہ)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

.... گجرات (پنجاب)، پکتھال صاحب کے ترجمہ کے مصحف پارۂ اول کی غلطیاں شمار کرکے انھیں کی فرمائش پر انکی خدمت میں ۱۹۳۲ء میں روانہ کردی گئی تھیں۔ ان مرحوم نے دو ایک غلطیوں کا تو کچھ دبی زبان سے اعتراف کیا، باقی کو بڑی ناگواری کے ساتھ رد کردیا تھا۔ اس فہرست کی نقل اگر کاغذات میں کہیں دستیاب ہوگئی، تو شاید کہ آپ کی فرمائش کسی درجہ میں پوری ہوسکے۔ لیکن پکتھال کا ترجمہ ان غلطیوں کے باوجود بھی، بہ حیثیت ترجمہ، انگریزی کے دوسرے ترجموں سے کہیں بہتر ہے۔

تصحیح عنوان مضمون صدق نمبر ۲۵

مولانا مناظر احسن صاحب کے مضمون کا عنوان بجائے معاشی نظریہ سیاسی نظریہ چھپ گیا ہے۔ ناظرین کرام تصحیح فرمالیں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی پرہیزگار ہیں)	والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

ایڈیٹر :- عبدالماجد

سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی سلے

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجیے

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-

منیجر عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلیں گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی ۴ر

بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۲۷ | یوم سہ شنبہ - ۵ - رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ - اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ایک انگریزی اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں ایک تصویر شاہی خلعت کی نظر پڑی۔ خلعت وہ شال دوشالہ کی قسم کی پوشاک ہوتی تھی، جو بادشاہ کے ہاں سے انعام اور سرافرازی کے موقع پر کسی کو عطا ہوتی تھی۔ وہ دن اُسکے ہاں بڑی خوشی اور خوش نصیبی کا ہوتا ——— جیسے آج کسی کو سی۔ آئی۔ ای یا سی۔ اس۔ آئی یا نائٹ کا خطاب مل جائے، اور وہ جامہ میں پھولا نہ سمائے! ——— خلعتیں بادشاہی دور کے کئی سو سال کے زمانہ میں کس کثرت سے لوگوں کو ملی ہونگی! کتنی بڑی تعداد میں خاندانوں میں محفوظ چلی آرہی ہونگی! پھر آج انکا کہیں پتہ ہے؟ انکا وجود کہاں ہے؟ کہیں عجائب خانوں میں ہو تو ہو۔ کتابوں میں نام آتا ہے، اور کسی کے دل میں کبھی یہ بھی نہیں پیدا ہوتی کہ ذرا انکے نمونوں ہی کا مشاہدہ کرلے! دنیائے فانی کی، شاہی چیزوں کی جگمگاہٹ بھی کیسی آنی اور کیسی جانی ہوتی ہے!

خلعت تو بادشاہوں کے خیر عطیے ہوتے تھے۔ خود اصل شاہی لباسوں ہی کو آج کون پوچھتا ہے؟ اکبر کا جامہ و نیمہ اب کہاں ہے؟ بہرام گور کا تاج آج کس خزانے میں محفوظ ہے؟ دارا شکوہ کی دستار کا اب کہیں پتہ ہے؟ ——— لیکن شاہوں کے مقابلہ میں ایک جماعت فقیروں کی بھی تو گزری ہے، کیا انکی گدڑیوں اور لنگیوں اور پوستینوں کا بھی یہی حال ہے؟ فلاں بزرگ کا پیراہن، فلاں درویش کا خرقہ، فلاں اہل اللہ کا جبہ، آج جہاں کہیں بھی نظر آجاتا ہے، کس احترام اور عقیدت کے ساتھ سر اور آنکھوں پر جگہ پاتا ہے! جو معاملات انکی زیارت کے وقت کیے جاتے ہیں، انکے جواز و عدم جواز سے بحث نہیں، ذکر صرف ان اللہ والوں کی یادگاروں کی مرجعیت اور مقبولیت کا ہے! جس چیز نے انکے جسم سے تلبس حاصل کردیا، وہ خاک سے پاک ہوگئی۔ خلقت اُدھر دوڑ رہی ہے، آنکھوں سے لگاتی ہے، سر پر جگہ دیتی ہے!

اور ایک لباس پر کیا موقوف ہے، ہر شے کا یہی حال ہے۔ بادشاہوں کے اونچے اونچے مقبروں کی طرف آج کون رخ کرتا ہے؟ کون عقیدت کے ساتھ جاکر فاتحہ پڑھتا ہے؟ کس بادشاہ، کس وزیر، کس امیر کا مقبرہ آج مرجع خلائق ہے؟ اور اگر کوئی ایسا ہے، جیسے خلدآباد (دکن) میں سلطان غازی اورنگ زیب کا، تو وہ تو بادشاہ سے کہیں زیادہ اہل اللہ درویش تھے ——— امیروں، وزیروں، فرمانرواؤں کو خود اپنی وفات کے بعد تلاش و فکر ہوتی ہے تو انھیں درویشوں کے مزاروں کے جوار کی! ——— آخر کوئی تو بات اللہ کا نام لینے والوں میں ہے، جس نے اُن میں اور دوسروں میں اتنا نمایاں اور بین فرق اہل دنیا کی آنکھوں میں بھی کردکھایا ہے!

واقعات موسوی

"بنی اسرائیل کے ارض سینا میں پہنچنے اور مصر سے نکلنے کے بعد جو واقعات پیش آئے، اور جو سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں مذکور ہیں،"

وہ تاریخی تقدم و تاخر کے لحاظ سے کہیں مرتب ملتے ہیں؟ اُن میں آپ کیا ترتیب قائم کرتے ہیں؟"

قرآن مجید کو تو ایک کتاب ہدی و ہدایت کی طرح صرف نصیحتوں اور بصیرتوں سے بحث تھی اس لیے ظاہر ہے کہ اس نے تاریخی کتاب سے قطع نظر ہی رکھی ہے۔ توریت موجودہ چونکہ اسکے برعکس زیادہ ایک تاریخ و تذکرہ کی کتاب ہے اس لیے قدرۃً اس میں ان پہلوؤں کا لحاظ زیادہ ہے، اور توریت کی کتاب خروج، کتاب احبار، اور کتاب گنتی اور کتاب استثناء میں جو کچھ ہے اس پر بڑی حد تک اعتماد کیا جاسکتا ہے (خصوصاً کتاب گنتی کی تفصیلات پر) قدیم اور جدید مسیحی اور یہودی فاضلوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر توریت ہی کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ قدیم یہودی مورخ جوزیفس (متوفی ۹۵ء) کی تاریخ آثار یہود تو گویا توریت کی شرح ہی ہے۔ قرآن مجید نے تاریخی ترتیب و تسلسل سے اول تو تعرض ہی نہیں کیا ہے، لیکن اگر کہیں اس میں اور توریت میں تعارض نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ توریت کی روایت کو ترک کردیا جائیگا۔

ایک گندی کتاب

امریکہ کی چھپی ہوئی انگریزی کتاب "سنشد گارڈن" (گلستان معطر) جلد اول، جسے گورنمنٹ آف انڈیا نے حال میں ممنوع الاشاعت قرار دیا ہے، پچھلے ہفتہ ایک دوست کے ذریعے دیکھنے میں آئی۔ کتاب دو سو صفحہ سے اوپر کی ہے، اور درحقیقت مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی۔ اسکا موضوع صرف مطالعہ شہوانیات SEX ANTHROPOLOGY ہے! اور وہ بھی بجز روم کے مشرقی ساحلوں یعنی شام وغیرہ علاقوں کی حیوانات سے متعلق، اور اسکی تشریح اندر کے سرورق اور دیباچہ دونوں میں موجود ہے۔ لیکن بدبخت مصنف اصل موضوع سے بے تعلقی کے باوجود، ذکر کثرت سے مسلمان قوموں کی عورتوں اور مردوں کا کرتا گیا ہے، انکی تہذیب و تمدن و معاشرت سے تمسخر کرتا گیا ہے، یہاں تک کہ جابجا لپیٹ میں قرآن مجید اور صاحب شریعت علیہ السلام کی حیات طیبہ کو لے آیا ہے۔ اور جسارت کا کمال یہ ہے کہ قرآن مجید کے حوالے میں سے اسی اکیانوے فی صدی تمامتر غلط! — جسکی جرأت قرآن مجید سے متعلق یہ ہو، اسکی بیباکی حیات و سیرت سے متعلق ظاہر ہی ہے! خوب ہوا بہت خوب ہوا، جو ایسی گندہ ترگندہ کتاب کی ضبطی کا حکم دے دیا۔

عورتوں کی تصویریں، نیم برہنہ بلکہ تقریباً برہنہ حالت میں آزادی اور بے تکلفی سے دیتے رہنا گویا مغربی تمدن آزادی SUN-BATHING (...) کے حق میں پروپیگنڈا جیسا بھی کچھ ہو، بہرحال نہ علم کی خدمت ہے نہ اخلاق کی۔ حیات جنسی سے متعلق واقعات و حقائق زیادہ سے زیادہ بھی بغیر ان تصویروں کے دیے جاسکتے تھے — تعبیر بیان کا ان پہلوؤں سے بحث ہی نہیں۔ بیان کرنا صرف یہ ہے کہ شیطان کو بھی دین حق پر حملہ آور ہونے کے کتنے گر یاد ہیں! کہاں حیات جنسی اور کہاں قرآن و سیرت! ایک پر حملے! دونوں کے درمیان تعلق کسی کے خیال میں بھی نہ آتا، لیکن پہلا خیال کیا معنی، پوری طرح عمل میں موجود!

کجا می نماید کجا می زند!

یاجوج کے بے پناہ حملوں کا آج یہی حال ہے: زندگی کے ایسے ایسے گوشوں اور زاویوں سے حملہ اسلام پر ہو رہے ہیں کہ بہتوں کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تاریخ، ادب، طب، شاعری، افسانہ، صحافت، ہر رُخ سے زور آکر دین ہی پر پڑ رہا ہے۔ دفاع کرنے والے سپاہی بھی جب تک ہر ہر محاذ پر مقابلہ نہ شروع کرینگے، دفاع کا کیا معلوم!

اُردو کی آسانیاں

ہماری زبان کے نام سے دہلی سے پندرہ روزہ انجمن ترقی اُردو کی طرف سے ایک ہندو اہل قلم کی انگریزی میں نکلتا ہے، اس میں ایک ہندو مراسلہ نگار نیکٹ راؤ صاحب کا مراسلہ:

"اتفاق سے مجھے اسلئے ابید سیوا گرام کے بچوں کو "اُردو" پڑھانے کا موقع ملا۔ میں تو صرف چند دنوں کے لیے سیوا گرام گیا تھا۔ جو تھوڑے سے دن میرے پاس تھے اسی میں سے کچھ کرکے دکھانے کی خواہش ہوئی۔ صرف پانچ دن! آٹھ گھنٹوں کی پڑھائی میں بچوں کو اُردو کی دوسری کتاب پڑھنے کے لائق بنا دیا۔ ایک بھی لڑکا ایسا نہ تھا جو پہلے ایک حرف بھی اُردو کا جانتا ہو، سب کے سب غیر ہندی کے تھے۔ آٹھ دس گھنٹے میں، تین اُردو پڑھا لینا، اس سے مجھے خود حیرت ہوئی۔ جن چھوٹے بچوں نے اس تجربہ کو کامیاب بنایا انکا میں تازیست ممنون رہونگا۔ غرض میں نے اپنے تجربے کو جاری رکھا۔ اب تک قریب (۱۰۰) پر میرا تجربہ کامیاب ہوگیا ہے۔ جامعہ ملیہ کے چالیس روزہ کورس میں اور بمبئی اڈلٹ ایجوکیشن کمیٹی کے چار ماہی کورس میں جتنا کام ہوتا ہے اُس سے کہیں زیادہ میرے کورس میں (۱۰) دن میں پورا ہو جاتا ہے۔ ایشور نے اُردو کی یہ خدمت مجھ سے لی۔ اسکا شکر ادا نہیں کرسکتا۔ ہندو مسلم ایک جہتی کے لیے (جو مجھے وراثت میں ملی ہے) اور ہندی اُردو ہندی کی ایکتا کے لیے میرے دل میں جو لگن رہی ہے اسی کا یہ ثمرہ ہے۔ مجھے بار بار ایسا احساس ہوتا ہے۔"

(ہماری زبان۔ یکم اگست ۴۵ء)

اُردو املا کی دشواریوں کا ڈھول حریفوں نے اس ہوشیاری اور اس زور و شور سے پیٹا، کہ خود اپنوں کو اسکا یقین آگیا۔ اور رہے سہے بعض نادان، ڈری اور سہمی ہوئی ذہنیت کے ساتھ اُردو املا میں عجیب عجیب ترمیمیں پیش کرنے لگے! امید ہے کہ نیکٹ راؤ صاحب کا یہ عملی اور تجربی جواب بہتوں کے لیے کافی ہو جائیگا۔

"دلچسپ مطالعہ"

"جیسا کہ خیال تھا، جنگ کے ختم ہوتے ہی یورپ میں نکاح و طلاق کے مسائل کا ہنگامہ شروع ہو رہا ہے۔ ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ کسی خاتون نے اس بنا پر طلاق حاصل کی کہ انکے شوہر اولاد کا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک درخواست طلاق اس بنا پر گزری کہ شوہر بیوی کو شہر کے بجائے ایک صحرائی قصبہ میں اپنے

سورۂ بقرہ - رکوع ۲۳

سلسلہ صدق نمبر ۵۲

(از عبد الماجد)

۱۹۰ - اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ
إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ
لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ
تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

جائز کردیا گیا ہے تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے کو خیانت میں مبتلا کر رہے تھے، سو اُس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی، اور تم سے درگزر کردی۔ سو اب تم اُن سے ملو ملاؤ۔

۶۶۱ یہ اجازت شروع میں نہ تھی۔ ابتداءً روزہ کی حالت میں رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علٰحدگی کا حکم تھا۔

شریعت اسلامی رسول اللہ صلعم کی حیات رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے، رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی، کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی اور پھر ہوتے ہوتے اُسکی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اسکے برعکس ہوا ہے، یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اُس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہی روزہ کا معاملہ ہے، کہ پہلے صحبت راتوں میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کردی گئی۔

رفث کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں۔ لیکن جب صیغہ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے، تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرفث الی نسائکم ہے۔

عدّاہ بالی لانہ فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایۃ من الجماع وعدی بالی لتضمنہ معنی الافضاء (راغب) کنی بہ عن الجماع (کشاف) والمراد بہ ھھنا المباشرۃ (ابن العربی)

یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیۂ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے۔ اور راہ صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں پر بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوت حرام اور اُسکے مبادی و مقدمات ہیں، نہ کہ نفس شہوت —— بھوک، پیاس، نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر رہے تو ایک طبعی اور بے ضرر خواہش ہے۔

قصداً اور بلا ضرورت شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت نے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑیں تو دونوں کی یہی سزا ہے۔ لیکن بیوی اگر رضامند نہ ہو اور شوہر اُسے دن میں ہمبستری پر مجبور کردے، تو بیوی بے گناہ ہے، اُسکے لیے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔

قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور عیب پوش ہونے کے لحاظ سے، گویا اردو محاورہ میں، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ انکے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں، اور یہ اُنکے حق میں۔

یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اسکے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر۔ کسی نے کہا کہ اجسام کی ملابست اور ملامست کی بنا پر۔ وقس علیٰ ھذا۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں اس کا سب سے امتیازی اُسکی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے، اُسکے حسن و خوبی کو ابھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی پہلو کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے، اُس کا یہ ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی اور روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے، اتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی دوسرے عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے باقی رہ سکتا ہے۔ اس صورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپا لے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ناخوش و تو خوش بود بر جان من

کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ھذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! ۔۔ دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ موثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پر تعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے، روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا!

یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے، جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے!

کتنا غلط یہ حرف کہیں مشہور ہو گیا!

لوح جبوت اس سے بڑھ کر سخت، کوئی اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہو گا؟

سنو سمرتی والے ہندو مذہب کا ذکر نہیں، عہد عتیق و جدید والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُنکے سارے دفتر کتب و صحف میں کونسی تعلیم زن و شوہر کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟

(باقی)

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(از [illegible] مولانا مناظر احسن [illegible] گیلانی)

علامہ ابن حزم جو علمائے اسلام [illegible] مجتہدین [illegible]

[illegible] کے بہترین مستند عالم [illegible] یہ لکھتے ہیں

صح عن الشعبی ومجاہد وطاؤس وغیرہم کلہم یقول فی المال حق سوی الزکوٰۃ

الشعبی [illegible] اور [illegible] کے سوا [illegible] زکوٰۃ کے سوا [illegible] غریبوں کا حق ہے۔

یہی نہیں بلکہ اپنے مطالعہ [illegible] کی [illegible] آخر میں لکھتے ہیں

وما نعلم عن احد منہم خلاف [illegible] الا عن الضحاک بن مزاحم فانہ قال نسخت الزکوٰۃ کل حق فی المال

[illegible] علماء [illegible] میں سے کسی [illegible] کے [illegible] معلوم [illegible] البتہ ضحاک بن مزاحم [illegible] زکوٰۃ کے قانون نے ہر اس حق کو منسوخ کر دیا جو مال پر عائد ہوتا تھا

پھر ضحاک کے قول کی تنقید کرتے ہوئے ابن حزم لکھتے ہیں

والروایۃ الضحاک حجۃ فکیف رایہ

بیچارے ضحاک کی روایت ہی حجت نہیں ہے تو انکی رائے کی بھلا کیا وقعت ہو سکتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حدیث کے راوی ہونے کی حیثیت سے جب ان پر [illegible] نہیں کیا گیا ہے تو ایسے [illegible] کی [illegible] قابل اعتماد [illegible] ہے۔ اور یہ بھی ہے [illegible] اور نہ حدیث کے ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہے۔

بہرحال ابن حزم کے اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ [illegible] ایسے اسلامی ماخذ یعنی قرآن، حدیث، اقوال [illegible] ضحاک بن مزاحم [illegible] کسی دوسرے [illegible] پہلو کے متعلق رائے دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ [illegible] مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔

پھر ابن حزم نے [illegible] قرآن [illegible] کوشش کرنا شروع کر دیا ہے [illegible] مساکین کی اعانت [illegible] کے متعلق ظاہر ہے قرآن میں آیتوں کا [illegible] حافظ ابن حزم نے ان ہی آیتوں [illegible] قرآن میں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک [illegible] بار بار حکم دیا گیا ہے تو امداد کی قدرت رکھتے ہوئے انکی امداد سے لاپروائی قابل مواخذہ جرم ہے۔ وہ لکھتے ہیں

والاحسان یقتضی کل ما ذکرنا [illegible] ومنعہ اساءۃ بلا شک

[illegible] احسان [illegible] ان سب باتوں [illegible] جنکا [illegible]

ذکر کیا ہے اور [illegible] یقیناً ان غرباء کے ساتھ [illegible] پھر تمام حدیثیں جن میں مساکین و غرباء [illegible] پیغمبر علیہ السلام نے رحم کرنے کا حکم دیا ہے حافظ ابن حزم نے انکو نقل کیا ہے [illegible]

[illegible] من لا یرحم الناس [illegible]

جسکے پاس [illegible] سرمایہ ہے [illegible] ایک مسلمان ننگا بھوکا [illegible] رہا ہو [illegible] رحم نہیں کیا۔

حافظ نے مشہور حدیث صحیح

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ بے سہارا چھوڑے

کو نقل کر کے لکھا ہے

من ترکہ یجوع ویعری وھو قادر علی اطعامہ وکسوتہ فقد اسلمہ

جس شخص نے غریب کو بھوکا ننگا چھوڑ دیا حالانکہ اسکے کھلانے اور اسے کپڑے پہنانے پر قادر تھا

تو یقیناً اس نے اسکو چھوڑ دیا اور (بربادی) کے سپرد کر دیا۔

بہرحال ان عام [illegible] کو نقل کرنے کے بعد اس باب کی خصوصی حدیثیں نقل کی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث نقل کی ہے

من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ علی من لا ظہر لہ ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ قال فذکر من اصناف المال ما ذکر حتی رأینا انہ لا حق لاحد منا فی فضل

جسکے پاس زائد سواری کا اونٹ [illegible] ہے کہ وہ اس شخص تک اسے پہونچا دے جسکے پاس سواری نہیں ہے اور جسکے پاس زائد توشہ [illegible] ہو [illegible] پہونچا دے جسکے پاس توشہ نہیں ہے۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قسم کے اموال کا ذکر کرتے چلے گئے [illegible] لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ زائد از ضرورت مال میں ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس حدیث میں [illegible] الفاظ [illegible] "ہم لوگوں میں" یہ خیال پیدا ہو گیا کہ زائد از ضرورت [illegible] کسی کا کوئی حق نہیں ہے اس میں اپنے ساتھ [illegible] ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے صحابیوں کے [illegible] کر دیا ہے۔ اس پر متنبہ کرتے ہوئے حافظ کہتے ہیں

فہذا اجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یخبر بذلک ابو سعید وبکل ما فی ھذا الخبر نقول

یہ صحابہ کی اجماعی بات معلوم ہوتی ہے جسکی خبر ابو سعید دے رہے ہیں اور ہم بھی تو ان ہی باتوں

کے قائل ہیں جنکی خبر اس حدیث میں دی گئی ہے۔

ابن حزم نے اس مشہور حدیث کو بھی اس موقعہ پر پیش کیا ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے پاس دو آدمی کا کھانا ہے وہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جسکے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔" ابن حزم کہتے ہیں کہ یہی نہیں دوسرے بہت سی قرآنی آیات اور حدیثوں کو پیش کرنے کے بعد حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ

والمنصوص من القرآن و الاحادیث الصحاح فی ہذا اکثر جدا	قرآنی آیتیں اور صحیح حدیثیں اس باب میں بہت ہی زیادہ ہیں۔

پھر مشہور صحابہ کرام کے اقوال بھی اس سلسلہ میں پیش کیے ہیں مثلاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول

لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتہا علی فقراء المہاجرین۔	جو بات میری سمجھ میں بعد کو آئی اگر پہلے آتی تو میں امیروں سے ان کے زائد سرمایہ کو ان سے لیکر مہاجرین کے غریبوں میں بانٹ دیتا۔

حافظ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

ہذا اسناد فی غایۃ الصحۃ والجلالۃ۔	یعنی جس سند سے حضرت عمرؓ کے اس قول کو میں نے نقل کیا ہے وہ حد سے زیادہ صحیح اور جلیل القدر ہے۔

اسی کے ساتھ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس روایت کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے یعنی

یقول ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالہم بقدر ما یکفی فقرائہم	حضرت علیؓ فرماتے تھے امیروں کے اموال میں خدا نے فقیروں کا اتنا حصہ مقرر کیا ہے جس سے اُن غریبوں کی کفایت ہو جائے

اور آخر میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فتوے کو پیش کرتے ہیں وہ فرماتے تھے

فی مالک حق سوا الزکوٰۃ	تیرے مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔

صراحتہً اس دعوے کو انھوں نے مدلل کر دیا ہے کہ اسلام میں مالی مطالبات صرف زکوٰۃ ہی کی حد تک محدود نہیں ہیں۔ انھوں نے یہی لکھا ہے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو بھی صدقۂ فطر ادا کرنا پڑتا ہے، اضحیہ کی قربانی بھی اُن پر واجب ہی رہ جاتی ہے جو ظاہر ہے کہ مالی مطالبات ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ والدین اور والدین ہی کیا، عام اقرباء بھائی، بہن وغیرہ وغیرہ سب ہی کے متعلق نصوص کی بنیاد پر علمائے اسلام کا یہ اتفاقی فیصلہ ہے کہ اگر ضرورت پیش آ جائے تو انکی مالی امداد بھی واجب ہو جاتی ہے۔

(باقی آئندہ)

"نزول مسیح علیہ السلام" کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری [illegible])
بہ سلسلہ صدق [illegible]

(نمبر ۲)

[illegible] اور [illegible] واقعہ [illegible] کا ثبوت [illegible] "صحیح [illegible]" میں [illegible] کہ یہ حدیث ہے اور "صحیح" [illegible] یہ حیثیت [illegible] انتہائی خبر [illegible] حدیث [illegible] ثابت [illegible] [illegible] نزدیک [illegible] (اصحاب [illegible]) [illegible] عبد اللہ ابن مسعود [illegible] عمر [illegible] ابن اسید [illegible] [illegible] ابن عبد اللہ [illegible] ابن سمعان [illegible] [illegible] حذیفہ ابن [illegible] اس بات [illegible] وقت [illegible] حدیث [illegible] زیادہ [illegible] [illegible] صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان مسند احمد مسند اربعہ وغیرہ کی حدیثیں [illegible] مرفوعات کی تعداد ستر [illegible] پہنچ جاتی ہے [illegible] کیا ستر کیا [illegible] جنکی فضیلت [illegible] روئے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے بعد صدق شعار قوم ان سے زیادہ نہیں گزری۔ اگر لسان نبوت سے انکی حکایت مفید للعلم نہیں ہوگی تو کس قوم کی ہوگی؟ اگر ہمیں کسی کے صلاح و تقوے اور صداقت کا یقین ہو اور ہمیں ایسے آدمی آکر ہم سے کوئی بات بیان کریں تو انصاف سے بتایا جائے کہ ہمارے لیے مفید للعلم الیقینی ہوگی یا نہیں۔ حالانکہ ایک صحابی ایک ہزار پر بھاری ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ساری امت پر بھاری ہے تو شاید مستبعد نہ ہوگا پھر ان ستر کے ساتھ تقریباً تیس صحابہ و تابعین سے آثار موقوفہ مروی ہیں اور محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ غیر قیاسی و غیر عقلی امور میں موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہے۔ گویا ستر مرفوع باسانید صحیحہ اور حسنہ جمع ہوگئی ہیں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ جن محدثین نے جن احادیث کے متعلق تواتر اصطلاحی کا دعوی کیا ہے کثرت رواۃ و کثرت طرق اور کثرت تخریج میں اسکا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حدیث "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار" جو سب سے اعلیٰ ترین متواتر حدیث کی نظیر میں پیش کی گئی ہے اسکے رواۃ بھی تقریباً ستر ہی تک پہنچتے ہیں حالانکہ مشکل ہے کہ ستر کی ستر روایتوں کے رجال کل صحیح و ثقہ [illegible] [illegible] چہ پنجیں۔ حدیث "مسح خفین" باتفاق محدثین حدیث متواتر ہے [illegible] اصول فقہ و کتب فقہ شروح حدیث میں متعدد مواقع میں امام ابو حنیفہ کا یہ مشہور قول [illegible] ہے: [illegible] بالمسح علی الخفین [illegible]

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

مثل: منوّد النہار دانی اخاف الکفر علی من لم یر المسح علی الخفین۔ تو گویا مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے کسی نے اُنکا مسلک پوچھا تو انھوں نے فرمایا: افضّل الشیخین واحب الختنین واری المسح علی الخفین۔ گویا سُنّی ہونے کے لیے مسح خفین کو ضروری معیار سمجھا۔ جواب کا خلاصہ تو یہی نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سُنّی ہوں۔ تو گویا امام کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید العلم القطعی ہیں۔ حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواتر ہیں۔ دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہو گئی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین بتصریح امام احمد حنبلؒ کل مرفوع چالیس حدیثیں ہیں اور صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے۔ پھر یہ بھی مشکل ہے کہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں لیکن اتنی مقدار تواتر قطعی کے لیے کافی ہوئی۔ احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکیس حدیثیں ہیں۔ احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے۔ حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہونچتے ہیں۔ احادیث "حوض کوثر" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا۔ حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہونچتی ہیں۔ احادیث "رفع الیدین عند التحریمہ" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہونچیں گی۔ حدیث "من بنی مسجداً للّٰہ" الخ متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں۔ ایسی ہی حدیث شفاعت حدیث عذاب قبر حدیث سوال منکر نکیر حدیث "المرء مع من احب" حدیث "کل میسر لما خلق لہ" حدیث "بدأ الاسلام غریباً الخ" وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر سے متواتر کہا گیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ انکے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہونچتے۔ اب نہیں معلوم جناب بنوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لیے چاہیے۔ محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ لغوی۔ نہ معلوم بنوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں "تواترت الاخبار" کا لفظ دیکھ لیا، فرمانے لگے یہ تواتر لغوی ہے، مراد کثرت ہے۔ نہ معلوم اس فہمی کا منصب آپ کو کس نے دیا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ اصطلاحی ہے یا لغوی۔ جن کا یہ فن ہے اور شب و روز اسکی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث انکی صنعت نفس بن چکی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اسکا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ ہر عمرو زید کا یہ منصب نہیں۔ اب سوچیے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کے اتنے بیان کرنے والے ہیں اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے بھی زیادہ ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے متواترات کے مشہور احادیث کی تعداد بڑھ گئی کہ قرن ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرن ثالث میں تو احاد بھی مشہور و متواتر کی کثرت طرق اور کثرت رواۃ کو پہونچ گئے ہیں جو بنوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے تب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن باوجود اسکے جب حافظ ابن کثیر ان کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی انکو متواتر کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے "ابوالحسن السجزی الآبری" اس کو متواتر مانتے ہیں، اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہونچ جائے تو خدارا انصاف کیجیے کہ ایسی صورت میں کسی کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی مراد ہے۔ ابوالحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں انکا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۶ — ۳۵۸، المطبعۃ المیریہ) میں نقل کیا ہے: وقال ابوالحسن الخسعی الآبدی (یہ کاتبین کی تصحیف ہے صحیح السجزی الآبری ہے۔ سجستان کی نسبت غیر قیاسی سجزی آیا کرتی ہے کما فی القاموس السجستی نہیں آتی جیسا بنوری صاحب فرماتے ہیں) فی مناقب الشافعیؒ و تواترت الاخبار بان المھدی من ھذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ الخ اصلی غرض اس عبارت سے پہلے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جس میں: ولا مہدی الا عیسیٰ آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں الف۔ احادیث مہدی متواتر ہیں، ب۔ احادیث نزول مسیح متواتر ہیں۔ ج۔ مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے امام ہونا متواتر ہے۔ لیجیے بجائے ایک کے اب تین دعوے ہو گئے۔ بنوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض تو یہ نہ تھی بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بین ہے لزوم بین ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولیٰ ہے اور اسکا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا انکے خلاف مقصود ہے کیا "دلالت النص" اور "دلالت بالاولیٰ" یا "ظاہر النص" کی بحث اصول فقہ میں مفصل ہو چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے خروج مہدی نزول مسیح خروج دجال تینوں مسائل وہ متقارب امور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے اس لیے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ آتا ہے۔ "فرحم اللّٰہ من انصف" اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود ہے کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے انکے قول کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔ احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے۔ اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اسکا کیا علاج — (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

ساتھ رکھنے پر مصر تھے اور بیگم صاحبہ کو اس صورت میں "ذہنی ایذا" پہونچ رہی تھی! بیگم صاحبہ کو یہ شکایت تھی کہ شوہر بُری طرح خراٹے لیتے ہیں اور اس وجہ سے موصوفہ کی "جمالی صحت" پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے! شوہر صاحب کو اندھیرے میں سونے کی عادت ہے اور بیگم صاحبہ شب خوابی کے کمرے میں بغیر روشنی کے نہیں سو سکتیں! وہ زیادہ ہنسنا پسند نہیں کرتے، اور یہ زیادہ سنجیدگی کو ناپسند کرتی ہیں! یہ سر کے بال کٹاتی ہیں اور یہ مونچھوں کو اتنا لمبا رکھتے ہیں جو موصوفہ کے لیے وبالِ جان ہیں! موصوفہ کو شوہر کے منہ سے پیاز کی بو آتی ہے اور شوہر پسند نہیں کرتے کہ انکے "محل" میں سر کے بال کٹائیں! شوہر پسند نہیں کرتے کہ انکی ساس انکے ساتھ رہیں۔ اور زوجہ پسند نہیں کرتیں کہ انکی والدہ اُن سے جدا ہوں!

غرض یہ کہ اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ پیار کا!! ——

کثرت طلاق کے اسباب کا یہ سلسلہ تہذیب و تمدن کی نفسیات کا کس قدر دلچسپ مطالعہ ہے!! (پیام)

اور اس سے بھی دلچسپ تر مطالعہ یہ ہے کہ "تہذیب و تمدن کی نفسیات" پر یہ "سرراہ" مضمون کرنے والا کوئی "رقیانوسی" رجعت پسند نہیں بلکہ خاص تجدد پسندی کا نقیب ہے! —— یورپ کا ہاتھی کا رپنی ہی فوج پر پل پڑا، کون کہتا ہے کہ محض ایک افسانۂ پارینہ ہے؟

ہولناک تباہی

ایٹم بم، سائنس کی تخریبی ایجادوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ خوفناک ایجاد ہے۔ اتنی خوفناک کہ جرمنی کے اُڑن بم اسکے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ اتنا عمل دراثر اتنا لرزہ خیز اور زہرہ گداز ہے کہ تباہی و ہلاکت کا کوئی تصور اسکی اصلیت کو نہیں پہونچ سکتا۔ آجکل امریکہ یہی یہ بم جاپان کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ابھی صرف ایک ہی بم استعمال کیا گیا ہے، اور شہر ہیروشیما اسکا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اخبار راست میں اسکی تباہ کاری کی جو تفصیلات شایع ہوئی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے گرنے اور پھٹنے کے بعد کوئی بازار باقی رہا نہ بے جان - انسان، حیوان، عمارتیں، سب معدوم۔ دھماکے کی شدت، ہوا کا دباؤ، دھواں، گرد، غبار کا ملبہ، اُٹھتا اور کھولتا ہوا میلوں اونچا پہاڑ اور اُس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ کا ہر چیز کو خاکستر کر دینا - یہ اسکی خصوصیتیں ہیں! جس ہوابازو نے بم گرایا تھا، اسے گراتے ہی جلد سے جلد اپنی سلامتی کے لیے وہاں سے بھاگنا پڑا! ورنہ تباہ ہو جاتا - دھماکہ اتنا مہیب تھا کہ بم گرانے والوں کا پتہ پانی تھا - حیرت، ہیبت اور دہشت کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے "یا خدا!" نکل رہی تھی - لیکن جب یہ وہاں سے واپس آئے تو اتحادی حلقوں میں نعرہ ہائے مسرت بلند ہو رہے تھے - ہر شخص شاد و مسرور تھا -

یہ ہے آج کی مہذب و متمدن اور امن و امان قائم کرنے والی قوموں کا طریقِ جنگ، انسانیت اور اُسکے شرف و مجد کی حفاظت کے مدعی اپنے ہی ہاتھوں سے انسانیت کو ذبح کر رہے ہیں - مگر کوئی نہیں جو انکی جنگی مصلحتوں پر انگشت نمائی کر سکے۔

ایک بم تو شہر کے ... سے پورے جاپان کی تباہی چند روز کی بات ہے۔ حملہ و ہجوم تو درکنار، اس تباہی سے جاپانیوں کو دم لینے کی بھی مہلت نہیں مل سکتی - انکا حشر سامنے نظر آرہا ہے! (منشور)

مدرسہ سراج العلوم کا تعمیری کام

صدق کے ناظرین کرام! آپ "مدیر صدق" کی کرم فرمائی سے اس مدرسہ سے کچھ نہ کچھ واقف ہوں گے - مدرسہ کی پختہ عمارت میں جگہ ناکافی ہونے سے مسجد میں تعلیم عرصے سے جاری رہی - بعض طلبہ کا بود و باش بھی اسی میں ہوتا رہا۔ اس لیے دل کو قلق ہوتا تھا۔

امسال ماہ جولائی میں درسگاہ کی مجوزہ عمارت کا صرف آدھا حصہ بنایا گیا ہے - باقی حصہ بنیاد دیکر چھوڑ دیا گیا ہے - سرمایہ کی کمی سے یہ کام رہ گیا۔

ہماری درخواست اہلِ خیر حضرات، علم دوست امرائے کرام سے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے اسکی تعمیر میں امداد فرمائیں - والاجر عنداللہ -

ایک صاحب دل نے ہندوستان کے باہر سے ... روپیہ بذریعہ مولانا صاحب مدیر صدق اسی مد میں بھیجا ہے - میں انکے لیے اور جملہ محسنین دین عربی کے لیے دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکو اپنی برکات سے مالا مال رکھیں - وکان سعیکم مشکوراً

عبدالرؤف نائب ناظم مدرسہ تھانہ ڈانگر ڈاکخانہ دارہ گنج ضلع بستی

تصحیح نمبر ۱۹

مضمون مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی بعنوان "افکار رسول پر تبصرہ" قسط آخر تشریحی نوٹ متعلق ابن صیاد میں صحیح عبارت یوں ہونی چاہیے

"... آنحضرت کا نبی کہنا، ابن صیاد کی پہلی آزمائش"

مراسلہ

حضرت مولانا دامت برکاتہم السلام علیکم۔

ایک گذشتہ پرچہ میں "شیخ و برہمن" (۱۹ و ۲۰ جولائی کے پرچہ میں) "لا الٰہ الا اللہ" کی سرخیوں کے ماتحت جناب ابو الاعلیٰ ابو الکلام کے متعلق ... لکھے ہیں۔ اور ہر جگہ انکو "مولانا" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

بہت ادب سے ... گزارش ہے کہ "تذکرہ" اور "ترجمان القرآن" کا مصنف جب خود ... اپنی تصانیف سے روگردانی کرلے اور ... کی ... پولڈ ... نماز کے اوقات میں ترک نماز کرکے کفار اور مشرکین کی حمایت میں اچھا رہے

(۱) ... ماترم کے لیے ننگے سر کھڑا ہو جائے

(۲) ... ہندوستان کے نقشہ کی پرستش ہو رہی ... تو ... کیا کرے، تو پھر خدارا فرمایئے کہ ایسے شخص کو مولانا ... اگر مسلمان ہی کیسے کہا جائے۔

اگر آپ ... فرمائیں تو اس فوٹو حاصل کرکے آپ کی خدمت میں بھیجیں ...

... جب ابو الکلام صاحب جیل سے باہر آئے تو انہوں نے جیل میں اپنے اوقات کی کمل تفصیل بیان کردی ... سوائے کانگریس کے کاموں کے اور کتب بینی کے کہیں ... کے لیے بھی وقت ... "مولانا" صاحب نے رکھا تھا؟ ... تبلایا ہے کہ وہ ۴ بجے صبح کو ... کا ... میں ... جاتے تھے۔ اب تو شاید خود انکو بھی اسکا دعویٰ نہیں ہے کہ وہ کوئی مذہبی بزرگ ہیں۔ ورنہ اتنے بیباک نہ ہو جاتے ابو الکلام صاحب اکثر کانگریس کے کاموں سے الہ آباد آئے ... مسلمانان الہ آباد کو اسکی حسرت ہی رہ گئی کہ حضرت مولانا جمعہ میں شرکت فرماتے۔ البتہ ... ہوا ... انہوں نے دیکھا کہ مولانا نے جمعہ میں تو شرکت نہ کی ... ہندوستان کے نقشہ کی پرستش کے لیے جلسہ میں شرکت ضرور فرمائی۔

... آپ کو تو جانے دیجیے۔ کیا ایک غیر متمدن انسان یا ایک سیاسی لیڈر کا رویہ یہی رہتا ہے جو کہ ان ابو الکلام صاحب کا ہے۔ شملہ کانفرنس کو بھی مثالاً لے لیجیے۔ کہا جاتا ہے کہ ابو الکلام صاحب انگریزی بخوبی جانتے ہیں (ابھی کل جب وہ شملہ سے کلکتہ گئے تھے تو لیڈر کے نمائندہ نے لکھا تھا کہ "مولانا" کے ساتھ سفر میں کمیونزم وغیرہ پر انگریزی کی کتابیں زیر مطالعہ تھیں) لیکن جب وہ وائسرائے کے یہاں مسلمانان ہند کے خلاف زہر افشانیوں کے لیے بھیجے گئے تو پنڈت جی مترجم بظاہر بنائے گئے۔

"مولانا" کے پرائیوٹ سکریٹری اجمل خاں انگریزی میں ایم اے ہیں۔ دوسرے پرائیوٹ سکریٹری ہمایوں کبیر بھی شاید ایم اے ہوں یہ دونوں سکریٹری صاحبان شملہ میں تھے۔ مگر "مولانا" کے سکریٹری وائسرائے کے یہاں نہ گئے۔ وائسرائے خود کبھی اردو بولتا ہے اسکا سکریٹری تو عربی اور فارسی تک جانتا ہے۔ یہ سب مترجم کا کام کرسکتے تھے۔ اس صورت میں "مولانا" کی شخصیت بھی قائم رہتی۔ لیکن "مولانا" تو صرف نمائش کے لیے بھیجے گئے تھے۔

افسوس ہے کہ گاندھی جی "مولانا" کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنائے ہوئے ہیں

پھر "مولانا" نے کیا گفتگو کی؟ ہندوستان کی آزادی نہیں بلکہ محض اس قدر کہ لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت نہیں ہے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

خادم ... جعفری ۔ روشن باغ۔ الہ آباد

صدق مراسلہ نگار کا اخلاص بالکل ظاہر ہے۔ لیکن ضرور نہیں کہ ہر مخلص ... کی ... صائب ہو۔ مراسلہ کا بڑا حصہ سیاسی ہے، اس سے صدق کو کچھ زیادہ بحث نہیں اور ان حدود کے اندر اختلاف ... کی بھی بڑی گنجائش ہے البتہ شروع کا حصہ مذہبی ہے۔ اور وہی پوری طرح صدق کے دائرہ میں آتا ہے۔

اس فرد جرم کے عنوانات تین ہیں۔ کانگریسی جلسوں کے وقت ترک نماز، بندے ماترم کی تعظیم، بھارت ماتا کے نقشہ کی پوجا میں شرکت۔

(۱) پہلا نمبر جس طرح زور کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اسی طرح ایک فریق اسکی صفائی بھی پیش کر رہا ہے۔ جناب کا نادم ... ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۲) ... کا شرک ہونا قطعی نہیں۔

(۳) پرستش یا پوجا ہونا ہی مختلف فیہ ہے۔

عزیمت و تقویٰ کا احتیاط کا مرتبہ دوسرا ہے (گو ہمارے تذکرہ سے توقع تو اسی مرتبہ کی ہونا چاہیے) اور جواز یا رخصت کی گنجائش کا معیار دوسرا ہے۔ اسوقت حدود جواز و رخصت کا عذر رہ جانا ہی بہت غنیمت ہے۔

اشخاص و رجال کے ذاتی اعمال پر احتساب و تنقید، صدق کے لیے خوشگوار نہیں۔ اسلیے آئندہ اس پر مزید بحث سے معذوری ہے۔

تصحیح مقالہ "نزول مسیح کا عقیدہ"

۸۔ جولائی کے پرچہ میں ص۶ کالم ۲ آخری سطر "اساسی قانون"

۳۱۔ جولائی " ص۵ کالم ۱ سطر ۱۲ (۲) تطعت الاذہار

ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے تدریب الراوی الخ

" ص۵ کالم ۲ سطر ۲۳ ۔ لیکن نفس ثبوت معجزہ الخ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد-
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ کا سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۵ر
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
ٹیلیفون نمبر ۱۷۹

(رجسٹرڈ نمبر ل ۳۹۱)

نمبر ۲۸ | یوم شنبہ - ۹ - رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ - اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

روزہ خوروں سے

اگر آپ روزہ رکھ سکتے ہیں اور نہیں رکھ رہے ہیں، تو آپ نے کبھی سوچا ہے، کہ کس چیز نے آپ کو اس کھلی ہوئی نافرمانی پر دلیر کر رکھا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں روزہ کی فرضیت ثابت نہیں؟ کیا آپ اپنے نزدیک احکام کی پابندی و عدم پابندی میں آزاد و خودمختار ہیں؟ کیا رمضان آگیا، اور آپ کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا؟ آپ چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں دنیا کے اور سارے کاروبار کرتے ہیں، لیکن بس ایک روزہ کے بارے میں آپ ضعیف و ناتوان ہیں! یہ عذر کچھ بھی آپ کے ضمیر کو مطمئن رکھتا ہے؟ یہ عذر کچھ بھی حشر کی عدالت میں کام آئیگا؟ یا معاذاللہ حشر کی عدالت، اور اسکی حاضری ہی میں آپ کو شک و شبہ ہے؟ —— قبل اسکے کہ حساب و کتاب ہو، کیوں نہ اپنے ہی سے سوال و جواب کر رکھیے، اس حال میں کہ ابھی زندگی کی مہلت باقی ہے؟

جس کی نعمتوں سے، ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے آپ دن رات فائدہ اُٹھا رہے ہیں، چوبیسوں گھنٹوں کے ایک ایک منٹ، ایک ایک سکنڈ سے لطف و راحت پا رہے ہیں، سانس لے رہے ہیں، چل پھر رہے ہیں، دیکھ سن رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، رہنے سہنے کو مکان، پہننے اوڑھنے کو کپڑا پا رہے ہیں، ہوا کی ٹھنڈک، سورج کی گرمی سے مستفید ہو رہے ہیں، مٹی، آگ، پانی سے اپنی ہر طرح کی ضرورت لے رہے ہیں، اور جس نے آخرت میں ان نعمتوں سے ہزاروں گنی بڑھ کر نوازشوں، آمائشوں، آسائشوں، اور سرفرازیوں کا وعدہ فرمایا ہے، اُسی حاکم مطلق اور اس حکیم برحق کے مقابلہ میں اپنے کو باغی نہ سہی، چور اور مجرم بھی بنائے رہنا، آخر کس آئین و انش کے ماتحت اور کس دور اندیشی کے مطابق ہے؟ —— کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ روزہ اسقدر سخت چیز ہے کہ آپ اسے برداشت ہی نہ کرسکیں گے اور نوبت ہلاکت یا تقریباً ہلاکت کی آکر رہیگی؟

اگر یہی وسوسہ دل میں بیٹھ گیا ہے، تو اسکا عملی، موثر، کامیاب جواب یہ ہے کہ دو ایک روزے تجربہ کے طور پر تو رکھ کر دیکھیے، عجب کیا اب نہیں کا حصہ کلفت کے حصہ سے بڑھکر محسوس کریں! روزہ اتنا سخت اور شدید تو کسی موسم میں بھی نہیں ہوتا۔ مئی جون کی شدید، خشک "پیاس" اور "گرمی" میں ناقابل برداشت حد تک سخت نہیں ہوتا اور پھر اس نیم گرم نیم سرد برساتی موسم میں جو بعض وقت گرم کیسا ہی ہو جائے، خشک بہرحال کسی وقت نہیں ہوتا، روزے حیثیت مجموعی خوشگوار ہی کہے جائینگے۔ افطار کے وقت کے لطف و تفریح کے اندازہ سے بھی روزہ خور اسی طرح محروم، جس طرح نسیم سحر کی لذتوں سے دن چڑھے تک سونے والا محروم رہتا ہے! —— مسلمان کے لیے بلا قوی عذر شرعی، روزہ خوری، مادی و روحانی ہر حیثیت سے ایک شدید بدنصیبی ہے۔

کام کی رفتار

اُردو تفسیر کی نظرثانی کا کام بحمداللہ جاری ہے۔ اور جس وقت تک یہ سطریں شائع ہونگی ان شاء اللہ پارۂ چہارم کا کام ختم ہو چکے گا۔ اسکے بعد ایک مہینہ بعد پارۂ پنجم شروع ہوگا۔ یہ دورمیانی وقفہ دوسرے ضروری کاموں کے لیے ہی ہو گیا

انگریزی تفسیر کا پارۂ دوم ابھی تک بدستور معلق ہے۔ پرنٹنگ کے دوران آئے ہوئے مدت ہو گئی۔ انگریزی تفسیر کا ٹائپ شدہ مسودہ تاج کمپنی کے پاس سنہ ۴۳ء میں پہنچ گیا تھا۔ مئی سنہ ۴۳ء میں خدا خدا کر کے پارۂ اول شائع ہوا، اس وعدہ کے ساتھ کہ ہر مہینے ایک پارہ نکلا کریگا۔ یہ اگست سنہ ۴۹ء ہے۔ ایک ایک پارہ دو دو مہینے کی جگہ ایک پارہ بھی تو جب سے اب تک نہ نکلا! سنہ ۴۵ء سے سنہ ۴۹ء تک چار سال ہوتے ہیں۔ اس چار سال کی مدت میں کُل ایک پارہ! فیصلہ ہوا حساب ہے کہ اس شرح سے تیس پاروں؛ ایک قرآن کے لیے مدت ۱۲۰ سال کی درکار ہوگی! ——— زندہ باد تاج کمپنی!

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

امداد کی مد میں رقم پچھلے ہفتہ حسب ذیل قبول کی گئی:-

۱۱- اگست   ایک مخلص (مقیم پشاور) صدر کی دوسری قسط

نرس یا میل نرس

"بدقسمتی سے ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جہاں مسلمان نرسوں کی مناسب تعلیم کا عمدہ انتظام کیا جاتا ہو۔ انگلستان میں ہر ۳۰۰ اشخاص کے لیے ایک نرس موجود ہے، لیکن ہندوستان میں ۵ لاکھ مسلم آبادی کے لیے صرف ایک نرس ہے۔ نرسوں کی موجودگی ہر عمدہ اسپتال میں لازمی ہے مگر بیشتر ہسپتال ایسے ہیں جہاں ایک بھی مسلم نرس نہیں ہے۔"

یہ ہے کچھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مسلم میڈیکل کالج کی ایک تازہ اپیل کے سلسلہ میں کہا ہے، اور اس ابتدا کی خبر قدرۃً نکالی ہے، کہ اس مسلم اسپتال کے لیے مسلم نرسوں کا انتظام ہونا چاہیے اور اسکے لیے چندہ ہو۔ وقس علیٰ ہذا —— اور اس پر ایک غیر مسلم پرچہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا ہے، کہ مسلمان بغیر پردہ توڑے آخر کیسے نرسوں کی ٹریننگ کا انتظام کریں گے؟

سوال کچھ ایسا بے محل اور غیر معقول نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ فرنگی تہذیب (یا اسلامی نقطۂ نظر سے "جاہلی تہذیب") ایک مستقل "سسٹم" ہے، ایک مرتب و مکمل نظام ہے۔ اسکے کچھ مبادی و مقدمات ہیں اور پھر انھیں کے متعلق نتائج و ثمرات۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ تخم ریزی تو اسی کی کی جائے، اور جب اس میں زہریلے پھل پھول آنے لگیں، تو صرف انکے خلاف پروپیگنڈے دیے جائیں! سچا اگر منظور ہے تو ضرب جڑ پر لگانی پڑیگی، نہ کہ شاخوں، ٹہنیوں اور پتیوں پر۔ جہاد اصول کے خلاف کرنا چاہیے، نہ کہ صرف فروع و ثمرات کے——

تو اب سوال یہ ہے کہ مریضوں کی تیمارداری اور خدمتگزاری کے لیے آخر عورتیں ہی کیوں ضروری ہیں؟ تیماردار کے مؤنث ہی ہونے پر کون سی فنی، علمی، عقلی، تجربی دلیل قائم ہے؟ مقیم INDOOR مریض آخر چھوٹے چھوٹے اسپتالوں میں بھی تو رہتے ہیں، پھر وہاں انکا سارا کام کمپونڈر وغیرہ مرد ہی تو انجام دیتے ہیں یا نہیں؟ کیا انکا کام نرسوں سے کچھ گھٹیا پایا گیا ہے؟

طب یونانی ہے یونان میں مدت دراز سے کوئی جانتا بھی نہیں، اب سب عربی میں اور صدیوں سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں چلا آرہا ہے۔ ابتداءً بقراط و جالینوس ہی کا فن تھا۔ لیکن مسلمانوں نے جب اسے لیا، تو اپنا لیا۔ غیروں کی محض نقالی اور اندھا دھند تقلید نہیں کی۔ یہی معاملہ میڈیکل سائنس کا ہے۔ مسلمان اگر اسے لینا چاہتے ہیں، تو اسے اپنا کرلیں۔ شریعت نے صرف زندوں ہی کے نہیں، مردہ جسموں کے بھی حقوق احترام قائم کیے ہیں۔ لاشوں کی چیرپھاڑ اس میں بلا قید و شرط ہرگز جائز نہیں۔ "مسلم میڈیکل کالج" کو اگر اپنے نام کا لحاظ ہے، تو یہ سب احتیاطیں کرنی پڑیں گی۔ اور اس سلسلہ میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ "نرس" کے جاہلی تخیل کو "میل نرس" (MALE NURSE) کے اسلامی تخیل سے بدلنا پڑیگا۔

کام کی باتیں

تذکرۃ الرشید کے نام سے ایک ضخیم کتاب عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات و تعلیمات میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کے قلم سے ہے۔ حال میں اسکے دیکھنے کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ اسکے حصۂ اول میں دو باتیں بڑے کام کی نظر پڑیں، ایک مولانا تھانویؒ کے قلم سے، اور دوسری خود مولانا گنگوہیؒ کی زبان سے۔ دونوں باتیں قابل نقل و اشاعت ہیں:-

(۱) مولانا تھانویؒ اس وقت کانپور میں مدرس ہیں۔ محفل میلاد میں شرکت اپنے شیوخ و اکابر کی طرح ناجائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اصلاحی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی عملاً شرکت کر بھی لیتے تھے، کہ اس ذریعہ سے موقع دوسروں کی اصلاح کا مل جائیگا۔ فرماتے ہیں:-

"یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ مثلاً ۹ موقع چھوڑ دیا اور ۱۰ جگہ شرکت کرلی اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان کو ہدایت ہوگی۔ اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو، تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے۔" (صفحہ ۱۱۹)

(۲) دوسری تعلیم خود حضرت گنگوہیؒ کی ہے۔ دور شیخ کے اتباع میں وہ غلو، جسکا صحیح نام مرشد پرستی ہے، لیکن عام ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:-

جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے چلے آئے تھے اور ہوتے رہے ہیں، تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور بیعت ہوتے ہیں کہ جو کچھ استادوں سے کتب دینیہ میں انھوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اُس علم کو علم الیقین بنالیویں، تاکہ عمل کرنا نفس کو اُس علم پر سہل ہو جائے۔ اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اسکے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اسکے قول سے مطابق کرلیں۔ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمائیگا تو اسکا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا۔ کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔ اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے ..... پس ایسا درست شیخ ہو جاتا کہ اور مرشد کی کچھ تمیز رہے یہ اہل علم کا کام نہیں (ص ۱۲۲-۱۲۳)

مریدین کے طبقہ میں آج کتنے لوگ ہیں، جو زبان سے خواہ کچھ بھی کہتے رہیں، عملاً شیخ کی معصومیت کے قائل نہیں! دین تو دین، دنیا کے بھی کسی معاملہ میں اُن سے اختلاف کی ہمت و جرأت کتنوں کو ہوتی ہے!

اُردو کی ہمہ گیری

اسٹیٹسمین (۱۰- اگست ۱۹۴۵ء) میں ایک فوجی انگریز کا مراسلہ:-

"میں انگریز ہوں۔ فوجی ہوں اور عنقریب ہندوستان سے رخصت ہو رہا ہوں۔ مدت ملازمت میں سے میرے دو سال زمانہ محاذات پر ... میں بسر ہوئے ہیں۔ اور دو ... بنگال ... کے اطراف میں۔ میں ہندوستانی سپاہیوں کو الوداع کہہ رہا ہوں۔ اور گورکھوں سے میں مخلصانہ خدا حافظ کہہ رہا ہوں اور ان لوگوں کا میں دل سے ادب کرتا ہوں اگرچہ ان سے مجھے اپنی ناقص اُردو کے باعث گفتگو میں سر مغزی کرنا پڑتی ہے"۔

یہ بیچارے انگریز ... اور گورکھے کے درمیان، وہ بھی آسام اور برما میں، زبان گفتگو اُردو تھی ——— اس پر بھی اُردو مسلمانوں ہی کی زبان، یوپی اور دہلی ہی کی شہری زبان رہیگی؟

عقل کی بازگشت

"اورچی خانہ کی طرف واپسی" - بنگال

کمیونسٹ پارٹی کا یہ نیا نعرہ اپنی پارٹی کی عورتوں کے لیے ہے۔ بنگال کے قحط کی قیامت خیز مصیبتوں اور نظام خانگی کی بربادی سے یہ سبق کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں نے حاصل کیا ہے۔ اور اپنی پارٹی کی عورتوں کو خانہ ویرانی کے بعد خانہ آبادی پر خاص طور پر متوجہ کرنا چاہا ہے"۔ (اسٹیٹسمین۔ ۱۲ جولائی ۱۹۴۵ء)

آزادی پسند بنگال پر یہ قحط ہی کی مار کیا کم تھی کہ اب اس پر ان نادانوں نے عورتوں کو خانہ نشینی و خانہ آبادی کے احکام دینے شروع کردیے ہیں! ان مجنونوں کی کیسی عقل ماری گئی ہے! بجائے حکم ہر قید و پابندی توڑ کر باہر نکلنے کا دیا تھا، یا اور انکو گھر کے اندر بیٹھنے کا، خانہ داری کا انتظام کرنے کا، گھر سنبھالنے کا، بچے پالنے کا اور کھانا پکانے کا! یہ مصیبت تو قحط سے بھی بڑھ کر نکلی!

تحفۂ خسروی

جناب مدیر صدق کی تقریباً ۲۵ سال قبل کی تالیف۔ حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علمائے اسلام و حکمائے یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ۔ ۴۰ ... کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگی۔

پتہ:- محمد ... خان - دریاباد - ضلع بارہ بنکی

اشتات

(مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ کے قلم سے)

بعض ... چیزیں ادھر مصر کے پرچوں میں نظر سے گزریں، ان ہی ... سے ایک قسط آج بھیج رہا ہوں۔

سندھی صاحب کی کتاب سے ... ملکہ سبا کی قوم کی بت پرستی کا حوالہ دیتے ہوئے فقیر نے لکھا تھا کہ باوجود سامی ہونے کے سندھی صاحب والی تنزیہی توحید ان میں کیوں نہیں پائی جاتی تھی۔ پوچھئے تو الوہیت ... ہے کہ ملکہ سبا کے متعلق تو بعضوں کا خیال ہے کہ وہ حبشیہ تھیں۔ تلمیحات سلیمان کے بعض اشاروں سے استدلال بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک مضمون "الہلال" مصری میں نظر سے گزرا۔ اُسکا ماحصل یہ ہے کہ

سبا دراصل ملک ہے جسے اب ... کہتے ہیں۔ اور یہ یمن کا ایک حصہ ہے۔ لکھا ہے کہ کچھ دن ہوئے پروفیسر "دیکمان" ایک علمی وفد کے ساتھ اس علاقہ کے آثار کی تحقیق کے لیے گئے تھے۔ کھدائی اور تحقیق و تفتیش کے بعد بعض مدفونہ مورتیاں انکے ہاتھ آئیں۔ جن میں ملکہ سبا کا بھی ایک مجسمہ ہے۔ اس مجسمہ کو دیکھ کر اور خال و خط کی خصوصیات کا اندازہ کرنے کے بعد پروفیسر "دیکمان" اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں، کہ ملکہ سبا اور ملکہ سبا کی قوم قطعاً سامی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ عربی میں انکے الفاظ یہ ہیں

ان ... ما وجد من التماثیل یدل علی ان ملکۃ سبا کانت سامیۃ مثل العرب والاسرائیلیین (ص ۶۰۷ الہلال مارچ ۱۹۲۹ء)	جتنی مورتیاں اور مجسمے اس علاقہ میں ملے سب اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ ملکہ سبا سامیہ تھی، اسی قسم کی سامیہ عورت جیسے عرب اور یہودی ہیں۔

اسی پروفیسر کے حوالہ سے یہ معلومات بھی درج کیے گئے ہیں کہ "سبائیوں کا دیوتا چاند تھا۔ جس کا نام انکے یہاں "ودّ" (محبت) تھا۔ اور اسی کو وہ "لہنیل" بھی کہتے تھے۔ اور یہ عربی لفظ "الہلال" ہی کا ایک تلفظ ہے۔

اسکے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

"نادر آثار اور مدفونات جو اس علاقہ میں دستیاب ہوئے ہیں، ان میں ایک مورتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سبا والے آفتاب کو اور سانپ کو بھی پوجتے تھے۔

مصر ہی کے دوسرے علمی رسالہ "المقتطف" میں اُن خشتی اور خزفی کتبات کا تذکرہ کرتے ہوئے جو عراق و عرب کی کھدائی کے سلسلہ میں ملے ہیں، یہ لکھا ہے کہ ایک "خزفی مکتوب" انھیں میں وہ بھی ہے جس پر سفینہ ... قلم سے ایک طوفانی قصہ درج کیا گیا ہے۔ کاتب کا نام

"ابہ شہ ..." (

سلسلہ ... کو ... کرکے ... مضمون ... شائع ...

پڑھا گیا ہے۔ عبارت جو قدیم کتابی یادداشت میں پائی گئی ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے

"چھ دن اور مسلسل چھ راتیں ہوا کے جھونکے چلتے رہے، سخت آندھی کی کیفیت پیدا ہو گئی، اور زمین پر طوفان چھا گیا۔ لیکن جب ساتواں دن نمودار ہوا اور آندھی بھی کچھ تھمی اور دریا بھی کچھ ساکن ہوا اور جو بگولے اٹھ رہے تھے، وہ دب گئے، وہی بگولے جو اس طرح گویا آدمی سے جنگ کر رہے تھے۔ جیسے آدمی آدمی سے لڑتا ہو، تب میری نظر زمین پر پڑی، اور میں نے روزہ رکھا کیونکہ جتنی کشتیاں تھیں وہ تالاب بن گئی تھیں، اور میں نے دریچہ کھولا، روشنی میرے چہرے پر پڑنے لگی ... تو ساتواں دن جب نمودار ہوا تو میں نے ایک کبوتر کو اڑایا، اڑ کر وہ کبوتر تمام گھومتا رہا، لیکن کوئی جگہ اسے ایسی نہیں ملی جس پر بیٹھ سکتا ہو۔ پھر میں نے ایک کوّے کو چھوڑا، وہ اڑا۔ بعض مقامات میں اترے ہوئے پانی کی جگہ اسے ملی۔ تب اس نے کھایا اور پیا اور کائیں کائیں کرنے لگا۔ اور پلٹ کر نہیں آیا"

(المقتطف۔ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء)

اسی مضمون میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مولد مبارک "اُور" اور اس کے پرانے شہر کے اُن بعض مدفونات کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو ادھر مسلسل نکل رہے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک خاص چیز یہ نظر آئی، کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے قریب قریب تین ہزار سال پہلے شہر "اُور" میں جو بادشاہ تھا اُس کا نام

"مس انی پدا"

لکھا ہے۔ اس لفظ کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا، اور میرا پرانا خیال کہ دکن کے باشندے اس ملک میں عراق اور مصر سے آئے ہیں، مگر قرائن کے ایک عجیب بات اسی کی تائید میں ملی، کیونکہ "پدا" کا لفظ اب بھی تلنگی زبان میں "الکبیر" یعنی "بڑے" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ بلکہ اس نام کے دوسرے اجزاء بھی تلنگی الفاظ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ دکن کے شہروں کے آخر میں عموماً "اُور" کا لفظ پایا جاتا ہے جیسے دیگلور، ننگلور، گنتور، منگلور، اور ایلور وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ آخر میں وہی "اُور" کا لفظ ہے جو عراق سے دکن پہنچا ہے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ تلنگی زبان میں اب بھی "اور" آبادی کو کہتے ہیں۔ ہندوستانی تہذیب و تمدن کے متعلق عموماً شمالی ہند کو مرکز بنا کر غلطی کی جاتی ہے۔ پچھلے دنوں کی تاریخ کے لحاظ سے ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ لیکن زمانہ قبل التاریخ کے متعلق میرا خیال ہے کہ اگر تفتیش و تلاش سے کام لیا جائیگا تو معاملہ ممکن ہے کہ بالعکس ثابت ہو۔

مصر سے جامعہ ازہر کے علماء کا وفد حیدرآباد جب آیا تھا تو اسی قسم کے معلومات اُنکے سامنے میں نے اپنی ایک عربی تقریر میں ظاہر کیے، تو وہ حیران رہ گئے، خصوصاً جب میں نے اُن سے کہا کہ اس علاقہ میں اب تک یہاں کے باشندے پانی کو "نیلو" کہتے ہیں۔ جو آپ کے دریائے نیل کی طرف سمجھا جائے تو اشارہ ہے۔ وہ بار بار پوچھتے تھے کہ کیا یہ واقعہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ

"نیلوفر"

کا عربی لفظ خود دکن ہی سے بظاہر عرب میں گیا ہے۔ یعنی

"پانی کا پھول"

"فر" پھول کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تو اور تعجب ہوا۔

الہامی زبان صرف عربی ہے

(از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب)

آج تک یہ بات مشہور ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل پر الہام عبرانی و سریانی میں ہوئے۔ اور اس کا استدلال بھی قرآن شریف کی ایک آیت سے جو اسی مضمون میں آگے آجائیگی کیا جاتا ہے۔ مگر جہاں تک تتبع و استقراء کا تعلق ہے یہ مسئلہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں اس امر پر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر نبی پر الہام عربی زبان میں ہوا۔ جس وقت نبی نے اپنی اس قوم کی زبان میں جس کی طرف وہ بھیجا گیا اس الہام کو اس زبان میں ادا کر دیا۔

جبکہ کسی الہامی کتاب نے سوائے قرآن مجید کے اپنی الہامی زبان بلکہ اپنی زبان نہیں بتائی تو ہم کس طرح یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اصلی الہامی زبان یہ ہے۔ البتہ قرآن شریف نے الہامی زبان کی تشریح فرمائی ہے جس سے قرآن کی الہامی زبان کا عربی ہونا اور الہام کا عربی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قرآن شریف کا اپنے متعلق تو یہ ارشاد ہے کہ بلسان عربی مبین مگر اس آیت پر غور سے نظر ڈالنے پر یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تمام انبیاء کو الہام عربی میں ہوا۔ فرمایا لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین (الشعراء) اس آیت کی تفسیر میں حضرات کرام نے ہود۔ صالح۔ شعیب۔ اسمٰعیل علیہم السلام کو شامل کر لیا ہے۔ مگر اس حصر کی وجہ؟ جب چار پیغمبر جو دیگر اقوام میں بھیجے گئے وہ شامل ہو گئے تو باقی کس طرح خارج ہو سکتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے انہ لفی زبر الاولین۔ بعض مفسر ضمیر کا مرجع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں مگر یہ واضح نہیں، بلکہ اس سے مراد قرآن ہی ہے۔ قیل الضمیر لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیس بواضح (ابو السعود علی ہامش الکبیر ص ۵۵ ج ۶) قرآن صرف معنی کا نام نہیں ہے بلکہ الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے ورنہ خلق قرآن کی بحث واقع ہو جائیگی۔ جب قرآن لفظ اور معنی کا نام ہے اور وہ پہلے زبر میں موجود تھا تو لازم ہوگا کہ پہلے زبر کی صورت اصلی (الہامی حالت) عربی ہو۔ اکابر نے بھی اس طرف توجہ فرمائی ہے جیسا کہ خرج ابن ابی حاتم عن سفیان ما نزل من السماء وحی الا بالعربیۃ وکانت الانبیاء علیہم السلام تترجمہ لقومہا۔

(قسطلانی شرح بخاری ص ۲۵ ج ۱۲)

ازالہ شبہ قرآن شریف میں ارشاد الٰہی ہے۔ ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اسکا ترجمہ فرمایا "ہم نے جو رسول بھیجا وہ اپنی قوم کی بولی بولتا تھا"۔ یہ آیت تو صرف اس قدر مقصد کو حامل ہے جس قدر مضمون نگار

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب نیوری مجلس علمی ڈابھیل)

نمبر (۵)

بہر حال حدیثی ابحاث میں محض اٹکل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا۔ نہ اس قسم کے وساوس سے عذر اسکے ہاں عذر ہو سکتا ہے۔ محدثین میں سے جس محدث نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہے وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اخبار احاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو اسکے یہاں تو "ضروریات دین" کے لیے صحیحین کے اخبار آحاد بھی کافی ہیں۔ آپ تلائیے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ضروریات دین کے لیے کیا ثبوت رہ جاتا ہے۔ کیا اسکے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قطعیت کے لیے سوا قرآن کے متواتر ثابت ہونی چاہیے اور وہ ہے نہیں! اللہ اللہ کیسے کام ہلکا ہو گیا۔ یہی تو فرقہ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً منکرین حدیث کا مآل بھی نکلتا ہے۔ بہر حال عقیدہ ضروریات دین کے لیے یا تو صحیحین کے اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر انکو ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کرکے ان ضروریات دین پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، اجماع مرکب باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم و انصاف عطا فرمائے۔ یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے۔ گویا آجکل اس فتنہ کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیونکہ "عقائد قطعیہ" کے لیے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جنکا مفید للعلم قطعی ہونا مسلم ہو۔ اور وہ صرف قرآن کریم کے وہ نصوص ہوں گے جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو۔ اور وہ ہے نہیں۔ یہی تو حضرات قرمطی اور انکے اتباع قرامطہ کا مسلک ہے۔ اب تلائیے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ جائیگی؟ بس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزول مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں۔ محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادۂ علم و یقین کے لیے یہ بھی کافی ہیں۔ اور اگر مدار تواتر اس پر ہو کہ قرن اول میں ان احادیث میں موجود ہے۔ اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بنا پر متواتر احادیث چاہییں تو لیجیے گذشتہ تحقیق و تفصیل سے یہ بات بھی بحمد اللہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ احادیث نزول مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں۔ اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ۔ جب احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدۂ نزول مسیح کی فرضیت و قطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اور جحود و انکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ کیا تعقل و اذعان کے ان مختلف جہات اور حیثیات کے بعد بھی اس عقیدہ کے ضروریات دین میں ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل۔

نزول مسیح علیہ السلام اور اجماع امت

... میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے انکی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے۔ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے۔ اگرچہ وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی و یقینی ہو جاتی ہے۔ اب غور کیجیے کہ کتب حدیث میں جو امہات و اصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لیکر مستدرک حاکم و سنن کبرے بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت قادحہ نہیں بیان کرتے۔ پھر ان ہی کتب حدیث و کتب تفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے، "ابعدہ" مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے۔ سب سے نزول مسیح کے بارے میں نقول موجود ہیں۔ پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں، بلکہ کسی امام دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اسکا خلاف کسی کتاب میں، کسی دور میں، کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا۔ کیا یہ اعلیٰ دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی و اتفاقی ہے۔ پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اسوقت ہم ذیل میں دو اہم ترین اسناد پیش کرتے ہیں:-

(۱) **"عقیدۂ طحاویہ"** جو امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، محمد، وغیرہ ائمۂ حنفیہ کے عقائد میں موثق ترین چیز ہے۔ اسکی عبارت ملاحظہ ہو:

ونؤمن باشراط الساعۃ من خروج الدجال ونزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام من السماء	خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) **"فقہ اکبر"**۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے۔ ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی .... جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:-

ونزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء وسائر علامات القیامۃ علی ما وردت بہ	آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اسکے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں،

ان علماء وقت میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی۔ کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لیے کوئی شبہ باقی رہتا ہے! کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ تواتر امت محمدیہ میں پہونچ چکے ہیں۔

اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ بیان سابق کی تصدیق و تائید ہو اور کسی طالب حق کے لیے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابو اسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین میں سے ہیں اور اپنا اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب "معانی الاخبار" میں فرماتے ہیں:۔

وقد اجمع اہل الاثر وکثیر من اہل النظر علی ان عیسیٰ علیہ السلام ینزل من السماء فیقتل الدجال ویکسر الصلیب اھ (معانی الاخبار [illegible] ص ۳۵)

کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے۔ دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف کسی کا ہو گیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں اور نہ یہ خلاف انعقاد ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جسکی تحقیق کتب کلام اور کتب اصول فقہ میں موجود ہے۔ نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے صحیح نہیں، جو کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

بہرحال یہ تو ہوئی نقل "اجماع" کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح۔ اب متاخرین اہل حدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

واما الاجماع فقد اجمعت الامۃ علی نزولہ ولم یخالف فیہ احد من اہل الشریعۃ وانما انکر ذلک الفلاسفۃ والملاحدۃ مما لا یعتد بخلافہ وقد انعقد اجماع الامۃ علی انہ [illegible] ویحکم بہذہ الشریعۃ المحمدیۃ اھ (شرح عقیدۃ سفارینیہ ج ۲ ص ۹۰)

رہا نزول عیسیٰ علیہ السلام میں اجماع! تو کل امت محمدیہ کا اہل شرع میں انکے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہونگے اور شرع محمدی پر عمل کریں گے۔ بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور انکا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں، مذہب حنبلی المذہب، نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں۔ نام محمد بن احمد [illegible] [illegible] کنیت ہے۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ (باقی)

علم عربی اور امر سلف زمانہ

نمبر (۸)

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر ضلع بستی)

غیر قوموں کے صدقات و خیرات

اخباری دنیا میں غیر قوموں کے صدقات و خیرات کا حال

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے اپنی قوم کے لیے چار لاکھ روپیہ ۱۹۳۷ء میں اکیلے دے ڈالا۔ اسی طرح محترم سر گنگا رام نے اپنی قوم کے لیے متعدد اسکول اور بیوہ خانے کھول دیے۔

یہ بھی اسی دنیا کا واقعہ ہے لارڈ نفیلڈ نے قوم و ملک کے لیے بیس کروڑ روپیہ دے ڈالا۔ پونا میں انگریزی تہذیب کے مطابق زنانہ یونیورسٹی قائم ہے۔ اسکے سلور جوبلی کے موقعہ پر پندرہ لاکھ کی رقم اکیلی مسز [illegible] نے دے ڈالی۔ دو کالج دو ہائی اسکول، بیسیوں درسگاہیں اسکی شاخیں ہیں (سچ الصدق - ۱۹ - مارچ ۴۲ء)۔ حضرات! اتنی بڑی رقم ایک عورت دیتی ہے۔ ہم اپنی پست ہمتی اور ذہنی حالت کا اندازہ لگائیں۔ ہم عاشق رسول ہیں اور ہم اصحاب الحدیث و القرآن ہیں۔ ہمیں مبارک ہو لیکن عام ذہنی پستی اور بد ہمتی کی بنا پر خسروؒ کا یہ عاشقانہ شعر گویا ہمارے ہی لیے تھا ؎

خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش
کاں برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

غرض یہ ہے کہ جس طرح اور قومیں اور دوسری جماعتیں اپنے ذاتی فوائد پر قوم و مذہب کے فوائد کو ترجیح دیتی ہیں، قوم من حیث القوم کی ترقی کی خواہاں رہتی ہیں اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ بڑی بڑی رقمیں لگا کر دین و ملت کی ضروریات کے لیے مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر کوئی تعمیری کام کر ڈالیں۔ یہ رقم انشاء اللہ ہرگز ضائع نہ جائیگی ایک ایک کے سو سو بلکہ اس سے زیادہ واپس ہونے کی امید رکھنی چاہیے۔ قرآن کریم میں یہ بشارت موجود ہے۔ مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء (پارہ ۳ رکوع ۴)

تہذیب الاسماء میں امام نوویؒ نے صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں انکے ٹھوس تعمیری کاموں کے ایسے حالات جمع کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا ریاست بھوپال و حیدرآباد جیسی ریاستوں کے مالک ہیں۔ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ پہلے چندہ میں چار ہزار روپیہ دیا، دوسری دفعہ چالیس ہزار، تیسری مرتبہ چالیس ہزار دینار، چوتھی دفعہ پانچ سو گھوڑے، پانچویں دفعہ پانچ سو اونٹ۔ اسکے بعد ایک باغ چار لاکھ کی قیمت پر فروخت کرکے اسلامی بیت المال کے حوالہ کیا۔ سیدنا طلحہؓ بن عبید اللہ

کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے لنگرخانہ میں ایک ہزار اشرفی کا روزانہ خرچ رہتا تھا۔ ساڑھے تین لاکھ اشرفیاں سالانہ خرچ فرماتے تھے۔ صحابہ کرام کے یہ مشہور واقعات گھر کا نصف سامان اور قوم آپ اللہ یا سارا اثاثہ حاضر کر دیا تو مشہور عالم ہے۔

آخر میں شعر حاضر کی علمی پستی اور سرد بازاری کا بھی گلہ کرنا

دینی تصنیفات کا قحط و کمی

یہ جو بازار تصنیف و تالیف کا ہمیں نظر آ رہا ہے ہم اگلوں کے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے انھیں کے باغ کے میوے کھا رہے ہیں ہم خود کوئی ایک پودا نہیں لگاتے کہ جس سے ہمارے بعد کی نسلیں مستفید ہو سکیں۔ کیا جماعتی طور پر کوئی ادارہ قائم ہے جہاں اہل قلم کی کتابیں اور چھوٹے بڑے رسالے شائع ہوتے ہوں، نوجوان مستند پڑھے لکھے ملک اور جماعت میں بفضلہ تعالیٰ کچھ لوگ مل جائیں گے۔ غرض موجودہ کمی اور قحط کا انتقام کیا جائے حالی رحمۃ اللہ علیہ گویا ہمیں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی ، نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہے باقی ، اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں کیونکر
بجھا کر اس چراغ کو

الغرض میدان تصنیف و تالیف خالی ہے۔ اس بیسویں صدی کے اہل علم کی طرح اگر اگلے اصحاب الحدیث بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے تو آج دنیا میں جو کچھ قحط رہتا اسکا قیاس آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھتے ہیں تو اسّی جلدوں میں قلم برداشتہ لکھ جاتے ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصانیف کی فہرست خود اپنے ہی ایک رسالہ شذرات الذہب میں پانچ سو شمار کرائی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے پرمغز تصانیف کا شمار پانچسو سے بھی اوپر ہے۔ ہمارے اسلاف میں تو علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی گزرے ہیں، انکی تصنیف کا حال سنیے کہ رات دن تصانیف کے لکھنے کے لیے جو قلم بناتے تھے اور اس قلم کا جو تراشہ حاصل ہوتا تھا اُسے محفوظ رکھتے تھے۔ اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشہ سے گرم کیا جائے۔ جو علم دین کی تصنیف کے سلسلہ میں میرے قلم کے تراشے ہیں۔ چنانچہ اُسی تراشہ سے پانی گرم ہوا اور پھر تراشہ بچ رہا۔ (دیکھو مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۲۰) امام طبری کے متعلق تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی کی روایت ہے کہ آپ کی تصنیفات کا اندازہ بعد وفات کے لگایا گیا تو ضخیم مجلدات کا چالیس ورق یومیہ کا اوسط نکلا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ ۲۶۹)

صرف علم حدیث کے سلسلہ میں اصحاب الحدیث نے کتنی کتابیں کتنے جوامع کتنی کتنی جلدوں میں تصنیف فرمائیں اور کتنے سنن کتنی کتنی جلدوں میں اور کتنے مسانید ضخیم مجلدات میں اور کتنے مستخرجات اور کتنے کتنے معاجم معجم صغیر و معجم کبیر وغیرہ اور کتنے کتنے امالی ـ امالی ابن حجر امالی ابن عساکر وغیرہ ۔ اور کتنے کتنے اجزاء و رسائل خاصہ جیسا ـ جزء رفع الیدین جزء قرأت وغیرہ اور کتنے کتنے صحاح صحیح البخاری و مسلم وغیرہ ، صحاح ستہ کے اور کتنے صحاح ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ ، صحیح ابن حبان وغیرہ کے کتنے کتب اسماء الرجال کے ، تہذیب التہذیب تقریب التہذیب میزان الاعتدال وغیرہ اور کتنے اصول حدیث کی کتابیں علامہ ابن الصلاح و علامہ عراقی وغیرہ اور کتنی کتابیں غریب الحدیث پر لغات کی مجمع البحار وغیرہ اور پھر کتنی کتابیں شروح کی صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی کتنی کتنی شرحیں اور پھر کتنی کتابیں احکام الحدیث کی بلوغ المرام عمدۃ الاحکام وغیرہ ۔ اور پھر کتنی کتابیں تخریج احادیث کی ، درایہ ، نصب الرایہ وغیرہ ، پھر کتنی کتابیں احادیث موضوعہ کے بیان میں ـ موضوعات کبریٰ علامہ ابن جوزیؒ کی تذکرۃ الموضوعات علامہ طاہر پٹنی کی ـ پھر کتنی کتابیں احادیث کے ناسخ و منسوخ ہونے کے متعلق پھر کتنی کتابیں احادیث کی تطبیق و توفیق کے متعلق مؤتلف مختلف وغیرہ ۔ الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان اصحاب الحدیث نے میدان تصنیف و تالیف میں طرح طرح کے بیشمار درخت لگائے تھے جنکا پھل آج ہم کھا رہے ہیں اور ہمارے بعد والے بھی جن سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے ـ تو غرض یہ ہے کہ ہمارے جن اسلاف کا علمی میدان میں یہ حال رہا آج ہم انھیں اسلاف کے نام لیوا اور انھیں کے مسلک و روش کے مدعی ہوکر اس طرح خاموش ہیں ـ ہماری تاریخ پڑھنے والے ہماری نسبت کیا فیصلہ کرنا چاہیے ـ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ،

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو ، پھر پسر لائق میراث پدر کیونکر ہو
ہماری نظر ہے نہ روایات کہ اپنی ہے ، تمکو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

دینی تصنیفات کے قحط و کمی پر مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح لکھا ـ فرماتے ہیں

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر ، کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر
چلی ایسی اس بزم میں باد صرصر ، بجھیں مشعلیں دین حق کی سراسر

ادارہ غیرادیان

دینی تصنیفات کے ساتھ ساتھ ملک میں ایک ادارہ غیر ادیان کا بھی قائم کرنا ضروری ہے ـ جس میں سنسکرت ، وید کی زبان اور عبرانی انجیل کی زبان پڑھائی جائے ـ اور یورپ کے مذہبی لٹریچر و سرلفات سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر انگریزی کا بھی انتظام ہو جسکی تفصیل میں نے اخبار المحدیث ۱۰ جون ۱۹۴۳ء میں کر دی ہے۔

الغرض ہماری گزارش دردمند اور با خبر امراء سے یہ ہے کہ امت مسلمہ کے علمی و قار کے خاطر مستعد ہو جائیے اور علم دین کے ترقی و عروج کے سبب بنکر امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُسکے سچے عشق کا ثبوت دیجیے ـ مولانا حالیؒ کے لفظوں پر میری اپیل ختم ہے ۔ ؎

بس اب علم دین کے وہ چھپایا زمانہ ، کہ نسلیں تمہاری بنیں جس سے انسان
[illegible] کو راہ ترقی ہو آسان ، امیر و رئیس [illegible] تعلیم پانا

کرو قدر اُنکی ہنر جن میں پاؤ | ترقی کی اور اُنکو رغبت دلاؤ
دل اور حوصلے اُنکے مل کر بڑھاؤ | ستوں اس کھنڈر گھر کے ایسے بناؤ
کہ تا قوم کی جن سے عزت بچالے | بٹھائیں اُنھیں سر پہ اپنے پرائے
کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزت | تو پاؤگے اپنے میں تم انکی جماعت
رہو جس قدر تم سے وہ آج لیگی | تو مثل اسکا کل تم کو وہ چند دیگی

حامیانِ ملت بیضا سے عرضِ حال

حضرات کرام! ان ہی جذبات و خیالات کے احول میں علم دین کے قیام و بقاء کی کوشش کے ثبوت میں مدرسہ مراج العلوم جھنڈے نگر کی پختہ و بلند عمارت بغیر کسی قومی چندہ کے دس ہزار روپیہ کی لاگت سے مع مسجد و تکانات مدرسہ تیار کرائی گئی تاکہ مدرسہ کو کچھ نہ کچھ استقلال حاصل رہے۔ چنانچہ الحمد للہ آج عرصہ تیس سال سے ملک کی صحیح دینی خدمات نیپال راج جیسے سنگلاخ علاقہ میں انجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ کے پاس کچھ زمینوں کے اوقاف ہیں۔ جنکا غلہ سال بسال وصول ہوتا رہتا ہے اور کچھ اس میں کرایہ کے مکانات ہیں۔ اس مدرسہ کا ایک تعارف نامہ بار ورقی شایع ہو چکا ہے۔ اصحاب خیر اگر تعارف کی ضرورت سمجھیں تو وہ تعارف نامہ طلب فرماکر ملاحظہ کریں۔ اس میں مخدومی مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تصدیق و مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تائید بھی موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس مدرسہ میں بادنی تفسیر و درس نظامیہ کی تعلیم کے لیے دو عربی مدرسین اور ایک درجہ حافظہ کے مدرس اور دو ماتحت مدرسین ہیں۔ تیس طالبعلموں کے خورد و نوش اور اساتذہ کی تنخواہ کا مدرسہ کفیل ہے۔ جسکا بیشتر حصہ اہل علاقہ کے عشری غلہ کی صورت میں ادا ہو جاتا ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ نقد و جنس کا میں اور رہیں سے ہمدرد چچا صاحبان ملاکر مدرسہ کو دیتے ہیں۔ بہرحال مدرسہ کا اندرونی نظام منتظمانہ طور پر انجام پاتا جا رہا ہے۔ جسکی تصدیق اتفاقی مشاہدہ سے ہو سکتی ہے۔ صرف ایک ضروری امداد کے لیے گذشتہ دو تین سالوں سے البتہ اپیل کی جا رہی ہے جو مدرسہ کی بالائی دو زمین پر بنوانی بے حد ضروری ہے۔ بعض صاحب درد اہل کرم کی امدادیں دو سو پچاس کی بذریعہ مولانا عبد الماجد صاحب اور بعض رقوم دیگر بزرگوں کے توسط سے پہونچی تھیں، ان سے کچھ تعمیر ہو گئی اور کچھ کے لیے رؤساء قوم و اصحاب خیر کے عطایا کا انتظار رہے۔ بقیہ تعمیر کے لیے کم از کم چار ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ معاونین کرام کی رقوم کی فہرست آخر میں بذریعہ صدق شایع کر دی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ علم عربی کو پروان چڑھائیں۔ عربی کے دینی اداروں کی بیش از بیش خدمتیں انجام دیکر جنت میں گھر بنوائیں۔ ان حقایق اور صحیح حالات کو زیر نظر رکھکر ملت کی دردمندی کا عملی ثبوت دیں۔ ہم نے زیر نظر مضمون کے اوائل میں ازدیاد بصیرت و عبرت کے لیے آپکے سامنے رکھدیا ہے۔ اب مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیش قیمت اپیل پر یہ معروضہ ختم ہے ؎

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو عزت | جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں عافیت ہو گنوانے کی عزت | جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
اُنھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

(بقیہ صفحہ ۴)

الاسواق - و کل الطعام - ہمارے نبی ہو جانے پر جس طرح اسکے ذاتی امور میں فرق نہیں آتا اسی طرح ترجمانی وحی میں بھی فرق نہیں آتا - اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر نبی پر الہام اسکی قومی زبان میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی جس قوم میں جاتے ہیں قوم کو خطاب ایسے وہ اسی کی زبان میں کریگا تاکہ انکو سمجھانے میں خواہ وہ اس قوم میں مبعوث ہو یا نہ - اگر آنحضرت کو غیر عرب لوگوں سے واسطہ پڑتا تو آپ اسی زبان میں بولتے - ان اللہ الملہم جمیع اللغات لکل رسول بیان لکل قوم منہم وان لم یثبت التکلم بالترکیۃ لانہ لم یتفق انہ خاطب احد منہم وہا و لو خاطبہ لکلمہ بہ - (تفسیر معانی ج ۱۲/۲ و جمل ج ۲ ص ۵۱۴) شیخ اسماعیل بروسوی کا قول ہے زالوی ابو السعود حیث قال الا ملتبسا بلسان قومہ متکلما بلغۃ من ارسل الیہم من الامم المتفقۃ سواء بعث فیہم ام لا (روح البیان ۹۵/۴۲)

اس آیت کی تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہو سکتی ہے جو جناب نے ایک حمیری مریض کو مخاطب کرکے فرمایا تھا - لیس من امبر امصیام فی امسفر - وہ من ابر الصیام کو نہ سمجھ سکتے تھے اس لیے انکی زبان کو جسے آنحضرت اسوقت خطاب فرما رہے تھے استعمال فرمایا - اسی آیت کی تفسیر میں امام کلبی تو یہ بھی فرما گئے ہیں کہ قومہ کی ضمیر کا مرجع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر نبی کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (عربی) سے بھیجا جاتا ہے۔

ائمہ تفسیر و حدیث کی ایک معتد بہ جماعت کا نظریہ یہی ہے کہ الہام عربی میں ہوا رہا یہ عقلی شبہہ کہ غیر عربی نبی عربی الہام کو کس طرح سمجھ سکتا ہے اسکے جواب کی ضرورت ہی نہیں رہتی جبکہ نبی کی حالت کا امتیازی اندازہ لگایا جاتا ہے جب نبی کے ہاتھوں کتنی امور خلاف عادت صادر ہوتے ہیں تو یہ کیا مستبعد ہے کہ وہ الہامی زبان کو سمجھ جائے - آخر علماء کرام یہی تو کہہ گئے ہیں کہ قبر میں ملائکہ کا سوال من نبیک ما دینک عربی میں ہوگا اور بندہ بھی جواب عربی میں دیگا - اور پھر جنت میں لسان اہل الجنۃ عربی ہی ثابت ہے۔ یہاں جو مسلم ہے وہ وہاں بھی ہے بلکہ جب اقوام سابقہ سے بنی کا خاص لفظ کے لفظ کا ارشاد ہوا تو نبی نے قوم کو اس عربی لفظ کے لفظ کا حکم فرمایا قولوا حطۃ کی تفسیر پر مفسرین اور اہل لغت کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ لفظ عربی ہے صرف ایک چیز کی شہرت پر اسے حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح الہامی زبان عربی ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی صاف ہے کہ قرآن غریب سارے کا سارا عربی ہے اس میں ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں۔

صدق - باہر کے کسی مضمون کے صدق میں چھپ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ادارہ بھی اُن نتایج سے متفق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب : حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
نرسنگھ آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی ہے/
بیرون ہند سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۲۹ | یوم سہ شنبہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

جولائی کا مہینہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے کھلنے اور نئے داخلوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے ایک اسکول میں خاندان کے دو لڑکوں کو داخلہ کرانا تھا معلوم ہوا کہ تاریخ، جغرافیہ، انگریزی زبان حساب وغیرہ کی طرح ایک لازمی مضمون راگ راگنی یا موسیقی بھی ہے! اور اس سے مستثنیٰ ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب لڑکے کے والدین سرپرست استثناء کی درخواست دے دیں! ——— معلوم ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں ہوا۔ یہ کیسے کہ بھولی ہوئی بات پھر تازہ ہوگئی۔ علم تو تین چار سال قبل ہی ہوچکا تھا۔ بلکہ ۱۹۴۱ء کے پرچوں میں چھوٹے بڑے متعدد مضمون اسی پر انھیں صفحات میں نکل چکے ہیں۔ اور جمعیۃ العلماء کے توجہ دلانے پر مراسلت صوبہ کے ڈائرکٹر و منسٹر محکمہ تعلیمات سے بھی کی تھی۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تعلیم لازمی نہیں، جسکا جی چاہے، والدین کی طرف سے درخواست ہوا کر اپنے کو مستثنیٰ کرا سکتا ہے! ——— گویا یہ جواب کافی تھا! کتنے سرپرست اس زحمت و طوالت کو گوارا کریں گے؟ کتنے طلبہ خود ایسے دلکش مضمون سے اپنے کو مستثنیٰ کرانا چاہیں گے؟ اور گویا میوزک ماسٹروں کی مرمیں کوئی جزو مسلمان طلبہ کی تفتیش کا شامل نہیں ہونے پاتا!

غرض یہ کہ یہ بدعت کئی سال سے صوبہ کے اسکولوں اور کالجیٹ اسکولوں میں جاری ہے۔ گانا بجانا کسی زمانہ میں محض تعلیم رہا ہوگا اب پیشہ تعلیم ہے ـــ کسی زمانہ میں منافی شرافت سمجھا گیا ہوگا۔ اب لازمہ شرافت ہے۔ اب گویّے ہونے میں ذلت نہیں، عزت ہے۔ شرمانے کی بات نہیں فخر کرنے کا موقع ہے ——— مسلمان لڑکے اپنے ہمسن ساتھیوں کو گانے بجانے دیکھ کر لطف غیر متاثر رہ سکتے ہیں؟ کتنے نیم سکھے اب گیتے سب تک بیٹھے ہیں؟ کتنے اپنے کو ان دلچسپیوں سے دور رکھ سکتے ہیں؟ ——— مسلمان اپنی آنکھوں سے اس تہذیبی (کلچرل) انقلاب کو دیکھ رہے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہونے! گویا ملی حمیت و غیرت کو حرکت میں لانے کے لیے یہ اتنا بڑا دھکا بھی ناکافی ہے، اور انتظار اس سے زیادہ زبردست ٹھوکر کا ہے! گویے کی تحقیر اسلامی شریعت نے آکر دنیا کے دلوں میں بٹھائی تھی، ہندی اور فرنگی تہذیبوں کے اتحاد نے پھر اسی مردہ کو زندہ اٹھایا! اور جو حقیر سمجھا جا چکا تھا، اُسے معزز بنا کر شریفوں کی محفل میں پھر سے لا بٹھایا!

صوبہ کے تعلیمی بورڈ میں مسلمان پانچ ہیں (کُل ممبروں کی تعداد شاید ۲۷ ہے)۔ ایک مسلمان ممبر کا بیان ہے کہ "ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ ہماری دال نہ گلی، اور ہم نے مخالف ووٹ دے کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ ۲۷ ممبروں میں ہم کُل پانچ ہی تو تھے" ——— خیر، کر تو مسلمان اس سے زیادہ سکتے تھے، اسی مسئلہ پر رکنیت سے مستعفی ہو جانا تھا۔ لیکن وہ تو جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اصل سوال مسلمان قوم، اُسکے لیڈروں اور اخبارات کا ہے۔ یہ سب حال سننے اور جان لینے کے بعد بھی سکوت قائم رہیگا؟ اور مسلم لیگ بھی خاموش رہیگی، اور جمعیۃ العلماء بھی کوئی مزید قدم نہ اُٹھائیگی؟ اسلامی تہذیب و تمدن پر یہ کھلا ہوا حملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمان بچوں کی نظر میں ایک معصیت کا یہ ہلکا کر دکھانا، بلکہ اُسے خوشنما صورت میں پیش کرکے اُس پر اُنہیں اور دلیر کر دینا

نہیں تو اور کیا ہے ؟ —— صوبۂ متحدہ کو صحیح یا غلط، بہرحال ابتک اپنی "اسلامی تہذیب" پر ناز تھا۔ یہ حال جب وہاں کا ہو! تو بہار، سی پی، مدراس، بنگال اور بمبئی کے علاقوں کی کوئی کیا کہے!

بزمِ فرنگ

ایک ولایتی جہاز کے مسافر کا خط نہر سویز کے قریب سے:

"سمندری سفر قریب ۱۴ دن کے رہا اور تفریحوں اور تکلیفوں دونوں کے تجربے ہوئے۔ شروع میں تو بحرِ عرب نے اچھا بڑا زور دکھایا۔ جہاز کے ہچکولوں سے مسافروں کو چکر آنے لگے۔ اور کھانا کھایا اُدھر متلی ہوگئی۔ جسے دیکھئے کوئی منہ پیٹنے پڑا ہے، کوئی سر دبائے بیٹھا ہے۔ بہتوں کے رنگ پیلے پڑگئے۔ جہاز پر لیڈیاں بھی تھیں۔ سمندر نے انکی نزاکتوں کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا اور سب سے زیادہ خیر حالت انہیں کی تھی۔ اب نہ "میک اپ" کا خیال تھا، نہ لباس سنوارنے کا ہوش تھا، نہ "لپ اسٹک" باقی تھی، نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی۔ جب جان پر آ بنتی ہے تو فیشن اور خود آرائی ایسے میں رخصت ہو جاتی ہے۔ قریب ۶ دن کے یہی رنگ رہا۔ غضبناک سمندر معلوم ہوتا تھا کہ جہاز کو تہ آب اتار کے چھوڑیگا، ایک طرف پانی کی اونچی اونچی ڈراونی موجیں، دوسری طرف تند ہوائے سخت تھپیڑے ... ، خدا کی خدائی نظر آرہی تھی۔ خیر خدا خدا کرکے ہم عدن پہونچ گئے۔ اسکے بعد موسم بدلا۔ جان میں جان آئی اور حواس درست ہوئے۔ اب پھر وہی بناؤ سنگار کا شوق اُچھلا اور اپنی انتہا کو پہونچا۔ شیطان نے اپنے جوہر دکھانے شروع کیے۔ گھوڑ دوڑ، تاش، تمبولا، بے بی شو، اور کتنے ہی اور کھیل تماشے ہونے لگے۔ حسن و عشق کی داستانیں شروع ہوگئیں۔ دن چھپتے ہی عجب عجب منظر پیش نظر ہو جاتے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کے کسی شہر کا ٹکڑا اُٹوٹ کر سمندر میں آگرا ہے۔ تفصیل لکھنے بیٹھوں، تو یہ عریضہ بالکل "نئے ادب" یا "ترقی پسند ادب" کی عریانیوں کا نمونہ بنجائے۔"

لیکن ولایتی جہازوں کے یہ مشاہدے اور تجربے کچھ نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ اسکے قبل بھی کتنے سیاح یہی دیکھ سن چکے ہیں، یہی لکھ پڑھ چکے ہیں۔ اور اس داستان کو شاید سب سے زیادہ دلچسپ انداز میں اور "نیا ادب" کا نمونہ بنائے بغیر تو اُردو کے مشہور و مشاق اہل قلم جناب قاضی عبد الغفار صاحب مرادآبادی ایڈیٹر پیام، اپنے دور تجدد سے قبل اپنے سفرنامہ "نقش فرنگ" میں سپرد قلم فرما چکے ہیں ۔—— جہاز تو خیر رندی و سرمستی کے مظاہروں کے لیے خاص طور پر بدنام ہیں، باقی وہ ریل ہو یا ہوائی جہاز، موٹر ہو یا لاری، "صاحب" کے عشرت خانے، "صاحب" کا ساتھ آخر کہاں چھوڑتے ہیں!

تو جدھر جائیگا نقشہ کوئی رہا ہوگا!

یہ مصرعہ انکی تہذیب و تمدن کے حق میں لفظاً بلفظ صحیح ہے!

جُوا جُوے کی غرض سے

الٰہ آباد- ۱۰ جولائی

آج ہائیکورٹ میں مسٹر جسٹس سنہا کی عدالت سے بارہ ہندو ملزمین کو جنھیں قمار بازی کے الزام میں مجسٹریٹ اور سشن جج کی عدالتوں سے سزا ملی تھی، اپیل میں بری کردیا گیا۔ جسٹس موصوف کا استدلال یہ ہے کہ یہ جُوا دیوالی کی رات میں کھیلا گیا تھا، جبکہ دیوالی کی رات کی طرح ہندو شگون کے لیے جوا کھیلا کرتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ قانون نے اسکی اجازت دے رکھی ہے اس لیے ملزموں کا عین جوا کھیلتے ہوئے ۱۲۰۰ روپیہ کی رقم کے ساتھ ایک مجسٹریٹ کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا اور ہندوؤں کے ساتھ غیر ہندوؤں (مسلموں) کا بھی شریک ہونا اثبات جرم کے لیے کافی نہیں۔ قانونی دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جوا نفع حاصل کرنے کے لیے کھیلا جائے؛ نہ کہ وہ جوا جو ایک تہوار کے دن محض جوے ہی کی غرض سے کھیلا جاتا ہے۔ سزا دلانے کے لیے ضروری تھا کہ استغاثہ جوے کی تجارتی نوعیت بھی ثابت کرتا۔ مجسٹریٹ اور سشن جج دونوں کا یہ کہنا کہ ملزموں میں ہندوؤں کے ساتھ غیر ہندو بھی تو تھے، کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب جوا ہونے لگتا ہے، تو ہر مذہب و ملت کے لوگ اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں۔ ان حالات میں کل ملزم جبکہ انکی نسبت کسی خلاف قانون عمل کی نقل ہی نہیں، جرم سے بری کیے جانے میں (لیڈر، الٰہ آباد، ۱۱ جولائی ۴۵ء)

انگریزی قانون کی یہ تشریح ایک ہندو جج عدالت العالیہ کے قلم سے ملک کے جواریوں کو مبارک ہو، کہ ہر جُوا جرم کا حکم نہیں رکھتا، اور جرم وہی جوا ہے، جو نفع کے لالچ سے کھیلا جائے! —— "ادب ادب کی غرض سے" "آرٹ آرٹ کی غرض سے" یہ ترکیبیں عرصہ سے رائج تھیں، آج اسی وزن و قافیہ میں یہ نقرہ ڈھلا ڈھلایا بھی خوب سننے میں آگیا کہ "جوا، جوے کی غرض سے"! ——

ہندی تہذیب اور افرنگی تہذیب کی ان باریکیوں، ان نزاکتوں کا خشک، کھُردے مسلمان کا دماغ پہونچ ہی کہاں سکتا ہے بد

جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج!

نفس کے سپاہی

مفتوح جرمنوں سے اجائی جارہ کے حکم ممانعت کی تشریح ایک بڑے اتحادی فوجی افسر کی زبان سے:

"اسکی ممانعت نہیں کہ سپاہی اپنی رات کسی جرمن عورت کے ساتھ بسر کرے۔ ممانعت اسکی ہے کہ وہ صبح اسکے ساتھ ناشتہ کی میز پر نہ دیکھا جائے۔" (لیڈر، ۱۲- جولائی ۴۵ء)

گنہگار سپاہیوں کا وہ جو برطانوی ساحلی شہروں پر کئی دن [illegible]

ایڈمنٹن ۔ ۵ ۔ جولائی آج رات کو پھر کنیڈین سپاہیوں نے بلوہ کرکے بڑا اودھم مچایا، اور چیزوں کو نقصان پہلے سے زیادہ پہنچایا او گھنٹے سے زیادہ تک وہ وسط شہر میں ہنگامہ مچاتے رہے، اور ان کے افسروں کی انھیں قابو میں لانے کی کوششیں بیکار گئیں۔ ... انکی ایک ٹولی ایک ہوٹل میں گھس گئی، اور شرابوں کا سارا ذخیرہ صاف کر گئی۔ ایک سڑک پر کسی کھڑکی کا ایک شیشہ سالم باقی نہ رہا۔ ایک بڑے ہوٹل کے نیچے کی منزل کی سازی کھڑکیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہیں (اسٹیٹسمین ۔ ۱ ۔ جولائی)

فوج کا ہر سپاہی اپنی جگہ پر جانباز و سرفروش ہوتا ہے۔ ان مہذب سپاہیوں کو تربیت اسکی پختہ کی ہے کہ وطن کے نام پر سخت سے سخت زخم کھائیں، یہاں تک کہ اپنی جان عزیز اس پر نچھاور کر دیں۔ ان غریبوں کو کبھی اس تعلیم کی کمی ہو الگی ہے کہ شراب خواری حرام ہے، زناکاری معصیت ہے، چوری اور پرائے مال پر دست درازی جرم ہے؟ انکے نصاب اخلاق میں کہیں بھی یہ سبق درج کیا!——

پھر اس پر حیرت کیوں کیجئے، کہ ہمارے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کے "وحشی" سپاہیوں کے بڑے سے بڑے جنگی کارناموں، فتح مصر، تسخیر ایران، جہاد عراق، فتح شام، تسخیر روم کے دفتر شراب خواری، زناکاری، رعایا کی لوٹ مار کی سیاہ سطروں سے خالی ہیں؟——
اللہ کے سپاہی اور نفس کے سپاہی قیامت تک ایک سطح پر آسکتے ہیں؟

عصمت کی قرباں گاہ

بنگال گورنمنٹ نے اعداد شایع کیے ہیں، کہ جب سے اس نے کلکتہ میں امراض خبیثہ کے لیے ایک مستقل اسپتال کھول دیا ہے، مریضوں کی تعداد میں خاطر خواہ ترقی ہو رہی ہے۔ ۱۰ مہینے کے عرصہ میں ۱۴ ہزار نئے مریض داخل ہوے اور اب اس میں مریضوں کی تعداد ۲۵,۲۸۸ سے الگنی بڑھ کر ۴۶,۶۷۶ تک ہو چکی ہے"۔ (اسٹیٹسمین ۔ یکم جولائی)

کیا کہیے، کہ جنگ ہی ختم ہو گئی، ورنہ گورے سپاہیوں کی فوج شہر میں اگر اور عرصہ تک رہ جاتی، تو شاید شہر کا شہر ہی ایک پورا شفا خانہ امراض خبیثہ بن جاتا!—— یہ پونے تین لاکھ سے اوپر کی تعداد صرف انکی ہے، جنکا داخلہ اس سرکاری اسپتال میں ہوا!

دو عطیے

ڈربن (جنوبی افریقہ) سے ایک صدق نواز نے تار کی ہے کہ عنایت کی کہ ۔۔۔ مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کو بھیج دیے جائیں اور ۔۔۔ مولانا محمد اسد واپس کے انگریزی ترجمہ صحیح بخاری کی اشاعت میں لگائے جائیں۔ بنک کا کمیشن اور دیگر محصول وضع کرنے کے بعد [illegible] کو رقمیں دونوں جگہ ارسال کر دی گئیں۔

سورہ بقرہ رکوع ۲۳

بسلسلۂ صدق ۔۔۔

اور اُسے تلاش کرو، جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔ ۱۸۲	وابتغوا ما کتب اللہ لکم

تعقیب حواشی نمبر سابق

۱۷۹ یعنی رات کو چھپ چھپ کر بیویوں سے صحبت کرتے تھے، اور جو حکم ممانعت رب کا تھا اُسے بار بار توڑتے رہتے تھے۔

۱۸۰ یعنی پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا، اور آیندہ کے لیے رمضان میں رات کو بیویوں کے ساتھ خلوت اور صحبت کی اجازت دیدی۔

۱۸۱ (اپنے معمولی طریقہ پر، جیسے رمضان کے علاوہ دوسرے زمانوں میں کرتے رہتے تھے۔)

باشروھن صیغۂ امر ہے۔ مراد اجازت ہے نہ کہ حکم۔
مباشرت سے مراد عورت سے صحبت کرنا ہے
کنایۃ عن الجماع (قرطبی) کنی بہ عن الجماع (بیضاوی)

۱۸۲ (یعنی صورت اولاد اور بطور میاں بیوی کی یکجائی کے قدرتی نتیجہ کے)

ما کتب اللہ لکم سے مراد اولاد، اور اولاد صالح ہے۔ عمل مباشرت میں اگر صحیح سن میں اور مناسب وقت پر ہو، تو بڑی گہری طبعی لذت بھی ہے۔ لیکن اسلام نے اس عمل سے اصلی مقصد افزائش نسل اور حصول اولاد رکھا ہے، کہ امت کی قوت اور کثرت برابر اضافہ ہوتا رہے، اور ذاتی لذت اجتماعی منفعت کا ذریعہ بنتی ہے۔ —— ٹھیک اسی طرح جیسے کھانے پینے کی لذت طبعی ذریعہ بنتی رہتی ہے فرد کی حیات و بقا کا، اور اسکی تقویت جسم کا۔

ما قضی اللہ لکم من ولد صالح (ابن عباسؓ) یعنی الولد قالہ اکثر المفسرین (معالم)، اور ابن کثیرؒ نے اسی معنی کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، انسؓ جیسے صحابیوں سے لیکر قاضی شریح، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ وغیرہ اکابر تابعین سب کا اجماع نقل کر دیا ہے

"لکھ رکھا ہے" یعنی لوح محفوظ میں۔ اپنی مشیت تکوینی سے۔ فی اللوح المحفوظ (معالم) ما اثبت فی اللوح من الولد (کشاف)

بعض نے وابتغوا سے مراد شب قدر کی تلاش اور ما کتب اللہ لکم کے معنی اسکے اجر و ثواب کے لیے ہیں، لیکن اہل تحقیق نے رد کر دیا ہے
ھو قریب من بدع التفاسیر (کشاف)

وابتغوا سے صاف اشارہ نکل رہا ہے کہ مطلب افزائش نسل ہے، نہ کہ ارادی ولادت یا عزل۔

میل ہوسی عن الغزل (کشاف) میل المنی من الغزل (بیضاوی)

منع حمل اور قطع نسل کی جس جدید تحریک کا اسوقت زور ہے اور جو ضبط تولید وغیرہ مختلف خوشنا ناموں سے پیش ہو رہی ہے، قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کردی۔ اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرتاً (طبعاً) نکلتا ہے، اسی کی توقع رکھنی چاہیئے اور اسی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ کلام تو عمدہ اور اصل عمومی یہی ہے۔ باقی اجتماع زن و شوہر کے قدرتی نتیجوں کو بلا وجہ خاص و بلا ضرورت شدید مصنوعی تدبیروں سے روکنا اور ربڑ وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا نتیجوں کو دور کرنا نہیں جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد و قوم دونوں کو نئے سے نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے۔

انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح "حمل روک" آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے۔

"اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابل اطمینان ہو۔ یعنی قطعی ہو، بے ضرر ہو اور سادہ ہو" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۶۵ طبع چہاردہم)

اور پھر اگر کوئی بے خطا اور مکمل تدبیر دریافت ہو بھی گئی، تو منع حمل کے جسمانی ضرروں کے تدارک کی کیا صورت ہوگی؟

"یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے، اور اسکے معز اثرات مرد و عورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں (ایضاً صفحہ ۶۵)

یہ اگر مان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرار حمل اور وضع حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے، تو بھی خود طب جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانۂ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے، نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی توجہ، یہ سب عورت کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کے تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بارہا مشاہدہ میں آچکی ہیں کہ پہلے تو انھوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کرکے اپنے اعضاء تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا، اور پھر آگے چل کر جب اولاد کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابق کی حرکتوں پر پچھتائے ہیں۔

یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ ہیں، باقی متعدد دوسرے ڈاکٹروں اور انھیں میں لیڈی ڈاکٹر بھی ہیں، اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لغویت اور بیہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے، اور اسکی طبی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں، مالک یورپ کے متعدد ملک تو اس تحریک کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد، آلا خر اس پر مجبور ہوئے، کہ ماؤں کے لیے انعام قرار دیں، اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! ——— جرمنی، اٹلی، وغیرہ سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہو گئی تھیں، اور اب روس، فرانس وغیرہ سے عین دوران جنگ میں آنے لگی ہیں! اور بالآخر بات اسکی سچی نکلی اور اسی کی بلند رہی، جس نے کہا تھا تزوجوا لود ود شادیاں کرو زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیوں سے!

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

نمبر (۴) بہ سلسلہ صدق ۴۷ء

(افادہ: مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

آخر قرآنی آیات

وآت ذالقربیٰ حقہ	اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو

یا

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ	والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور رشتہ والوں کے ساتھ،

وغیرہا سے جب والدین اور رشتہ داروں کی امداد کے وجوب کا قانون فقہ میں جب پیدا کیا گیا ہے۔ تو ان ہی آیات میں قرآن کی یہ مشہور آیت بھی تو ہے، یعنی سورۃ النساء میں

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ	والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور رشتہ داروں کے ساتھ۔

کے بعد آگے ارشاد ربانی ہے

والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔	اور یتیموں کے ساتھ مسکینوں کے ساتھ اور ہمسایہ جو رشتہ والے ہوں اور ہمسایہ اجنبی اور صاحب بالجنب کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور انکے ساتھ جنکے مالک تمھارے داہنے ہاتھ ہوئے ہیں یعنی غلاموں لونڈیوں کے ساتھ،

پس وہی حسن سلوک جسے والدین اور رشتہ داروں کے متعلق واجب سمجھا جاتا ہے، اسی کے دائرہ میں جب اتنی وسعت پیدا کی گئی ہے کہ جس ملک اور قوم میں جو بھی رہتا ہو، اس پر اس ملک اور قوم کے .... حقوق کو قرآن نے اسی طرح قائم کر دیا ہے جس طرح والدین اور اقرباء کے حقوق مسلمانوں کے مال میں قائم کیے گئے ہیں۔ کیونکہ گو مندرجہ بالا آیت کے الفاظ کی تفسیریں علماء سے مختلف روایتیں کتابوں میں منقول ہیں، لیکن ہم قرآن

---

[1] یہاں پر ترجمہ میں قرآن کے کینہ الفاظ اس لیے رکھ دیئے گئے ہیں کہ ترجمہ کر دینے کے بعد اردو کے الفاظ میں وہ وسعت اور گہرائی نہیں رہتی جو عربی الفاظ میں پائی جاتی ہے۔ میری غرض اسوقت صرف لفظ ہمارے ہاں عموماً پڑوسی اسی کو کہتے ہیں جسکا گھر کسی کے گھر سے ملا ہو لیکن

تھا میں پڑھتے ہیں۔ منافقین یہود کی اور جانی شرارتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان کو ان الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے

ثم لا یجاورونک فیہا الا قلیلا

پھر نہ جوار میں رہیں گے تمہارے مگر کم (مدت تک یا انکی کوئی تھوڑی سی مقدار)

جس سے مجاورت اور جوار کے الفاظ کی حقیقت متعین ہوئی ہے کہ کسی شہر یا ملک کے باشندے باہم ایک دوسرے کے ہم جوار ہیں، کیونکہ ان منافقین کو اسی کی تو دھمکی دی گئی تھی کہ اپنی حرکتوں سے اگر باز نہ آؤ گے تو پیغمبر کی مجاورت سے تم کو محروم کر کے جلا وطن کر دیا جائیگا اب ظاہر ہے کہ یہود کے یہ منافقین مدینہ و اطراف مدینہ کے سوا خیبر وغیرہ کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور بالآخر انکو اپنے کیے کی سزا اسی شکل میں بھگتنی پڑی کہ عرب کی سرزمین سے جلا وطن کر دیئے گئے۔

بہر حال یہ ایک طویل لمبی بحث ہے، خلاصہ یہی ہے کہ جوار کے جس حق کا اسلام میں ذکر کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تشریح کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

الجیران ثلاثة فجار له ثلاثة حقوق حق الجوار وحق القرابة وحق الاسلام وجار له حق الجوار المشرک (مصابیح)

ہم جوار لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک قسم کا جواری اور پڑوسی تو وہ ہے جو تین تین حق رکھتا ہے یعنی جوار کا حق، رشتہ داری کا حق اور اسلام کا حق۔

اور دوسری قسم وہ ہے جسے دو حقوق حاصل ہیں پڑوس کا حق اور اسلام کا حق، اور تیسری قسم وہ ہے جسے ایک حق حاصل ہے۔ یعنی مشرک پڑوسی۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان جس محلہ، جس شہر یا جس ملک میں رہتے ہوں وہاں کے عام باشندے خواہ ان سے رشتہ ہو یا نہ ہو، بلکہ وہ مسلمان ہوں یا مسلمان نہ ہوں، لیکن صرف وطنی تعلق مسلمانوں پر انکے حق کو قائم کر دیتا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ محلہ کے پڑوسیوں کے حقوق کو شہر والوں سے اور شہر والوں کے حقوق ملک کے عام باشندوں کے حقوق پر مرجح ہونگے۔ اسی طرح جنھیں حق قرابت و حق اسلام بھی جوار کے حق کے ساتھ حاصل ہونگے ان کو ایک دو حق رکھنے والوں پر ترجیح ہوگی، اور دو حق والے کو ایک حق والے کے مقابلہ میں برتری عطا کی جائیگی۔ بہر حال یہ مسائل تو بجائے خود بہت تفصیل طلب ہیں، یہاں انکے ذکر کرنے سے صرف اتنی غرض ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مالی مطالبات کا ایک سلسلہ اسلام میں باقی رہتا ہے۔ اسکا ثبوت جیسا کہ حافظ ابن حزم نے لکھا ہے اپنے الفاظ میں مجھے پیش کرنا تھا۔ انھوں نے ضحاک بن مزاحم کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے یعنی زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد مسلمانوں کے مال میں پھر کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، خود بھی یہ لکھا ہے

نیری فی المال حقوقا سوی الزکوٰة منها النفقات علی الابوین وعلی الزوجة وعلی الرقیق وعلی الحیوان والدیون والارش فظهر تناقضهم۔

(میرا مخالف) بھی تو اسکا قائل ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں حقوق ہیں جس میں والدین پر خرچ کرنے کا حق، بیوی کے نفقہ کا خرچ، غلام کے مصارف کی ادائیگی، حیوان (مویشی وغیرہ) پر خرچ، قرض اور تاوان (جو کسی کے عضو وغیرہ کو نقصان کرنے سے ادا کرنے پڑتے ہیں) یہ سارے حقوق مال ہی پر عائد ہوتے ہیں جو یقیناً زکوٰۃ کے سوا ہیں۔ اس سے ان لوگوں کا تناقض بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ نادار والدین کے مصارف کی ادائیگی جب اولاد کے سرمایہ سے قرآن کی مذکورۂ بالا آیات سے ضروری ٹھہرائی گئی ہے اور ان ہی آیتوں کی بنیاد پر فقہاء کا یہ فتویٰ ہے کہ

ان جمیع ما یجب للمرأة یجب للاب والام علی الولد من طعام وشراب وکسوة وسکنی (ص ۲۰۶ بحر الرائق - ج ۴)۔

بیوی کے نفقہ کے سلسلہ میں شوہر پر جو کچھ واجب ہوتا ہے وہی کچھ بیٹے پر اپنے (نادار) باپ ماں کے نفقہ کے سلسلہ میں واجب ہے یعنی کھانے پینے، کپڑے مکان کا نظم انکے لیے کیا جائے۔

قرآن نے والدین کے ساتھ "جار ذی القربیٰ" "جار جنب"[1] "صاحب بالجنب" کو بھی جب داخل کیا جاتا ہے، تو ان لوگوں کے متعلق بھی کیوں نہ سمجھا جائے کہ ملک کے سرمایہ داروں سے انکی ضرورتوں کے لیے اتنی رقم وصول ہو جائیگی جس سے ان قرآنی ارباب استحقاق کے اکل و شرب لباس و مکان کی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکتی ہو۔ جب والدین کے علاوہ عام طور پر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ

کل من وجبت علیه نفقة غیره یجب علیه له المأکل والمشرب والملبس والسکنی والرضاع ان کان رضیعا لان وجوبها للکفایة والکفایة تتعلق بالاشیاء

ہر وہ شخص جس پر کسی کا نفقہ واجب ہو جائے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ اس پر واجب ہے اسکا کھانا اسکا پینا اسکا لباس اسکا مکان، اور دودھ پلوانے کی ضرورت اگر شیرخوار ہونے کی وجہ سے ہو تو اسکا بھی نظم کرنا واجب ہوگا، کیونکہ ان چیزوں کے وجوب کے معنی یہی ہیں کہ اسکے لیے کافی ہو جائے اور ان چیزوں کے بغیر ضرورتوں کی چیز کیسے کافی ہوگی۔

[1] بات یہ ہے کہ آدمی جن لوگوں کے ساتھ کسی ملک میں زندگی گزارتا ہے ان چند ہی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ یا رشتہ دار ہوتے ہیں یا ایسے جن سے رشتہ نہیں ہوتا۔ پھر جن سے رشتہ نہیں ہوتا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے آدمی کی دوستی ہو جاتی ہے میں انھی لوگوں کو "صاحب بالجنب" سمجھتا ہوں، اور بعضوں سے نہ رشتہ ہوتا ہے اور نہ دوستی، لیکن مقام سکونت میں اشتراک ان سے ہی، یہی جار جنب کے مصداق ہو سکتے ہیں، جسکے معنی یہی ہے کہ جس سرزمین میں آدمی رہتا ہو، وہاں کے تمام باشندوں کا اس پر حق ہے کسی کا ایک کسی کا دو اور ان تیسروں سے قرآن کا اشارہ بھی حقوق کے مساوی وجوہ کی طرف ہے۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مجلس علمی ڈابھیل)

نمبر (٦)

السلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر السید ابو الفضل محمد علی ... مراغی الحنابلہ وغیرہ میں انکا مفصل ترجمہ اور حالات مذکور ہیں۔ الدرر میں انکو الشیخ الامام العلامۃ الحبر البحر العزیز و غیرہا جلیل القدر القاب سے ذکر کیا ہے۔ اور بہت سے مفاخر و مآثر لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ... وبالجملۃ فقد کان غرۃ عصرہ و شامۃ مصرہ لم یظہر لہ بعدہ ... صاحب الفراغ کہتے ہیں شمس الدین العلامۃ المسند الحافظ المتقن ... وبالجملۃ تالیفہ کلہا عقیدۃ مقبولۃ سارت بہ الرکبان و انتشرت فی البلدان و کان الامام متقنا جلیل القدر ... اہل عصرہ و قدوۃ اہل مصرہ ... سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی صاحب تاج العروس ... اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین ان کے تلمیذ ہیں۔ اب تو بخوبی ... نے مفاخر کو پہچان لیا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور کس پایہ کے ہیں۔ سفارینی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کل محدثین اور سب متکلمین ماتریدیہ اشاعرہ معتزلہ سب کے سب کا نزول مسیح علیہ السلام پر اجماع ہے۔ صرف ملحدین و فلاسفہ اسکے منکر ہیں۔

اس قسم کے تصریح میں جب اجماع کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے، اس سے اجماع ناطق ہی مراد ہوتا ہے۔ اجماع سکوتی کو کبھی بھی اس طرح تعبیر نہیں کرتے۔ جیسے پوری صاحب کو جیسے تواتر کے الفاظ ... ایسا ہی اجماع کے لفظ سے بھی ضد ہے۔ جہاں اجماع کا لفظ دیکھا جھٹ فرمانے لگے کہ یہ کوئی سکوتی اجماع ہوگا۔ ... منکرین ... اکرنے کے لیے بے اعتنائی کرکے بے دلیل ... یہ بات ہماری عالم کا شعار نہیں جب تک کوئی صریح دلیل اسکے خلاف قائم نہ ہو۔ اجماع سے یہی اجماع سے یہی اجماع صریح اجماع ناطق مراد ہوگا۔ اگر انکو اس پر اصرار ہے کہ یہ اجماع سکوتی ہے تو لائیں کوئی دلیل پیش کریں۔ ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔

نیز واضح رہے کہ تالیفی دور کے بعد اجماع کا نقل انہی تالیفات کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ جتنے مسائل اصول کے ہوں یا فروع کے جن میں اجماع نقل کیا جاتا ہے اسی طرح نقل ہوتا ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ آج تک تالیفی ... کل ارباب تالیف کا ... میں کبھی اور خلاف میں بھی یہی معمول چلا آرہا ہے۔ یہ کبھی نہ ہوا اور نہ ہوسکتا ہے کہ ... ہماری ... زید عمرو کو اسناد دی

اجماع پہونچ گیا ہو۔ اس قسم کے خیالات محض طفلانہ ہیں۔ اگر بات لمبی نہ ہوتی تو ہم یہاں پر ایسے نظائر پیش کرتے کہ جن امور میں اجماع نقل ہوا ہے اور امت کے نزدیک اجماع سے وہ درجہ قطعیت کو پہونچ گئے ہیں ان میں بھی اس سے زیادہ اجماع کا ثبوت نہیں کہ فلاں کتاب میں فلاں شخص نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور ناقل ثقہ ہے۔ اب تک تو امت محمدیہ نے اپنی تالیفات میں اس علمی امانت کو اچھے طریقہ سے ادا کردیا ہے۔ اب آگے اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں۔

خلاصہ بحث

اس طویل بحث کا خلاصہ حسب ذیل امور میں پیش کیا جاتا ہے:-

(١) نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ امت محمدیہ میں قرناً بعد قرن طبقہ بہ طبقہ متوارث چلا آرہا ہے۔ اور اسکو تواتر طبقی حاصل ہے۔ قطعیت کے لیے یہ توارث خود بخود مستقل دلیل ہے۔ جس کی تفصیل ... میں گزر چکی ہے۔

(٢) باوجود اس توارث کے قرآن مجید میں بھی اسکا ذکر موجود ہے۔ اکثر اہل علم اور صحابہ و تابعین کی تفسیر کی بنا پر نزول مسیح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

(٣) نزول مسیح کی احادیث باتفاق امت صحیح ہیں اور باتفاق امت انکی تلقی بالقبول ہوچکی ہے۔ اور بہ تصریح حفاظ حدیث وہ اصطلاحی متواتر ہیں اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی ان تینوں باتوں کی قطعیت میں کوئی شبہ نہیں۔

(٤) نزول مسیح کے بارے میں امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہوچکا ہے۔ قدماء محدثین .... اور متاخرین اس اجماع کو نقل کرتے ہیں اور آج تک کسی کتاب میں کسی کا اہل حق میں سے انکار یا خلاف منقول نہیں۔

(٥) غرض یہ کہ عقیدۂ نزول مسیح مختلف جہات مختلف اعتبارات سے قطعی ہے اور ضروریات دین میں داخل ہے۔ اور مسلم ہونے کے بعد صرف باطنی زیغ یا قلبی وساوس یا عقلی استبعاد کی بنا پر انکار کرنا اور انکار کے لیے حیلے تلاش کرنا اور چارہ جوئی کرنا مومن تائب کا شیوہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ضروریات دین کا اہم ترین جزء ہے۔ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات فرماچکے ہوں اور قطعی ذرائع سے ہم تک پہونچ جائے پھر اس کا ضروریات دین میں داخل نہ ہونا ایمان کا جزء نہ بننا بالکل غلط دعوے ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی تکذیب ہے۔ اگر تصدیق رسول ضروریات دین میں داخل ہے تو کوئی راستہ ماننے کے سوا نہیں۔ اسکی کیفیت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اگر فرشتہ آسمان سے اتر سکتا ہے اور بصورت دحیہ کلبی رضی متمثل ہوسکتا ہے تو ایک نبی کا آسمان پر چلا جانا اس میں کون سا

فعلی استبعاد ہے؟ "فتمثل لها بشرا سویا" اور "ولقد جاءت رسلنا ابراہیم بالبشریٰ" وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت انکی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے اس لیے انکے اجساد مبارکہ پر وہ حالی کیفیات بآسانی طاری ہو سکتے ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج نص قرآن کیسے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود و عروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے وہاں صعود و نزول آناً فاناً قابل انکار نہیں اسی طرح عیسے علیہ السلام کے رفع جسمانی پھر نزول آسمانی میں کیا چیز پیش آرہی ہے۔ تمام انبیاء کرام سے عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت زیادہ قوی تھی روح اللہ انکا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ کی تعمیل میں جذب نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہو تو اس میں کونسی حیرت کی بات ہے۔ آجکل مسمریزم اور اسپریچولزم کے عملیات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کرسکتا۔ خیر یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ و رسول کوئی بات ارشاد فرمائیں ہمیں بجز تسلیم کے کوئی مخلص نہیں۔ خود تعالیٰ کا فرمان (وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ) (اللہ و رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو ماننے نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا) عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع۔ اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول۔ یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں۔ جب نزول مانا جائیگا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑیگا۔ اس لیے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا۔ باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں، تھوڑی دیر کے لیے یا زیادہ دیر کے لیے رفع بحالت منام ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے۔ لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں متفق فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا۔ اسوقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا۔ اتنا عرض کر دیا گیا۔ اس پر کفایت کی جاتی ہے۔ توقع ہے کہ طالب حق کے لیے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

خلاصۂ مراسلات

(۱) مدرسہ عربیہ بدریہ - نگرام ضلع لکھنؤ

یہ مدرسہ درسگاہ عربی ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت گاہ بھی ہے اور بہا تن ... دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ ... سال سے ... پریشانیوں کا شکار رہے۔ غیر مستطیع طلبہ بھی اس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جو اہل خیر ماہ رمضان میں اس درسگاہ کی امداد کرنا چاہیں، مہتمم مدرسہ مولوی سید عبدالغفار صاحب قادری مجددی، مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام ضلع لکھنؤ کے نام ارسال فرمائیں۔

(۲) جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

اس درسگاہ کی خصوصیات یہ ہیں (۱) علوم دینیہ کی تکمیل تعلیم دورۂ حدیث شریف کی تعلیم بھی مکمل ہوتی ہے۔ (۲) صوبہ کے علوم مشرقیہ کے امتحانات سرکاری مثلاً مولوی، منشی، عالم، فاضل وغیرہ کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ (۳) ائمہ مساجد کی ٹریننگ کا کلاس قائم ہے۔ (۴) درجہ حفظ و تجوید قائم ہے (۵) چمڑے کا کام سکھایا جاتا ہے تاکہ طلبہ بوٹ سازی و چپل سازی وغیرہ کے ذریعہ حلال طور پر کسب معاش کرسکیں۔ (۶) اس غرض سے پارچہ بافی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ (۷) ادارہ کے تحت جمعیۃ الاسلام قائم ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس کے طرز پر ۵-۱ اضلاع اودھ میں تبلیغی کام کررہی ہے۔ (۸) ادارہ جابجا اسلامی مکاتب قائم کرا رہا ہے (۹) طلبہ کی تربیت دینی و اخلاقی اور ورزش جسمانی کا خاص انتظام ہے۔ (۱۰) اسلامی جلسوں میں مدرسہ کی طرف سے مقررین بھیجے جاتے ہیں

ادارہ بہت وسیع پیمانہ پر تبلیغی کام کرنا چاہتا ہے اور درسگاہ کے مسائل بھی زیر غور ہیں۔ لیکن مالی دقتیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

اہل خیر سے استدعا ہے کہ وہ مولوی محمد احسان الحق صاحب مہتمم مدرسہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے نام اپنی رقوم امداد ارسال فرمائیں۔

داستان ترکستان

ایک عبرت انگیز روداد

(از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب)

بعض مقامات کی رپورٹوں سے یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ جب ہمارے کارکنوں نے کسی مزدور طبقے کے اندر اشتراکی کارکنان کے پھیلائے ہوئے زہر کو نکالنے کی کوشش کی، تو اس طبقہ کے مسلمانوں نے انھیں جواب دیا کہ علماء تو ان اشتراکی کارکنوں کی موافقت کررہے ہیں اور انھوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ اشتراکیت سے ہمارے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ پھر آپ ہمیں کیوں ڈراتے ہیں کہ اشتراکیت ہمیں الحاد کی طرف لے جائیگی یا یہ کہ اشتراکیت اسلام کے خلاف ہے۔ درحقیقت ہمارے بعض علماء کرام ہندوستان میں یہ اسی قسم کی غلطی کررہے ہیں جیسی اس سے پہلے روسی ترکستان کے علماء کرچکے ہیں، اور اسکا افسوسناک انجام دیکھ چکے ہیں۔ روسی ترکستان کا اشتراکی انقلاب کوئی بہت پرانی چیز نہیں ہے، اسی

بیس پچیس سال کی مدت میں ہوا ہے اور وہاں اسکا یہ نتیجہ دنیا دیکھ چکی ہے کہ جو سرزمین ہزار بارہ سو سال سے اسلام کا مضبوط قلعہ بنی ہوئی تھی، جہاں سے بڑے بڑے ائمۂ حدیث، ائمۂ فقہ اور مشہور سلاسل صوفیہ (چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) کے پیشوا پیدا ہوئے وہاں آج اسلام برائے نام بھی باقی نہیں ہے۔ مسجدیں اور خانقاہیں کلبوں اور رقص خانوں اور تعلیم و تربیت کے مرکزوں میں تبدیل ہو چکی ہیں اور سابق مسلمانوں کی نسل سے پکے اشتراکی پیدا ہو رہے ہیں۔ جنکے نزدیک محمد بن عبد اللہ محض سرمایہ داروں کے ایک ایجنٹ تھے اور انھوں نے اپنے وقت کے معاشی نظام کو دینی اور اخلاقی بنیاد فراہم کرنے کے لیے وحی و رسالت کا ایک ڈھونگ رچایا تھا۔

عظیم الشان کامیابی اشتراکیت کو اس سرزمین میں حاصل ہو رہی جو آج سے پچیس سال پہلے تک پرانے طرز کی مذہبیت ہندوستان سے بہت زیادہ گہرا اثر رکھتی تھی۔ اور اسلام سے لوگوں کی عقیدت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پچیس سال کے اندر اس سرزمین میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی نہ پایا جائیگا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ اشتراکی مبلغین کو یہ کامیابی کیسے ہوئی؟ اسکا ذریعہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اشتراکیت کے مبلغ معصوم صورتیں لیے ہوئے دکھی انسانیت کے حامی بنکر علماء کرام کے پاس پہونچے اور سب سے پہلے انکا اعتماد حاصل کیا۔ ترکستان میں نئے زمانے کے تعلیم یافتہ مگر صحیح العقیدہ مسلمان بھی تھوڑے بہت موجود تھے انھوں نے علماء کرام کو آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ اشتراکیت کی تحریک فی الواقع اسلام کی نفی ہے۔ لیکن علماء اول تو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہوئے تھے اور انھیں جدید زمانے کی تحریکات کا کوئی درست

کوئی علم نہ تھا۔ پھر مزید برآں وہ ان روشن خیال مسلمانوں سے اس بنا پر بھی سخت نا راض تھے کہ یہ لوگ شرح جامی اور مطول جیسی کتابوں کو نصاب سے خارج کرکے نیا تعلیمی نصاب بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے شرح جامی کو منسوخ کرنے والے مسلمانوں کی بات ماننے کے بجائے اپنی ساری اخلاقی امداد ان ملاحدہ کے لیے وقف کر دی جو قرآن کو منسوخ کرنے اٹھے تھے۔ پھر جب علماء کے واسطے سے اشتراکیوں کو ترکستان کی عوام میں اعتماد و اعتبار حاصل ہو گیا تو دیکھتے دیکھتے انھوں نے عام باشندوں کو مٹھی میں لے کر ملک کے سیاسی نظام کا کامل تسلط حاصل کر لیا اور اسکے بعد سب سے پہلے جس گروہ کی خبر لی وہ یہی علماء و مشائخ تھے جنکے اعتماد سے انھوں نے اقتدار حاصل کیا تھا۔ اشتراکی انقلاب کی تکمیل کے بعد ترکستان کے طول و عرض میں جس طرح علماء اور صوفیہ کا قتل عام کیا گیا اور مذہبی طبقوں کو چیپے چیپے شدید مظالم کے ساتھ ختم کیا گیا اسکی داستان اتنی دردناک ہے کہ چنگیزی مظالم کی تاریخ بھی اسکے سامنے گرد ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسی بیس تیس سال کے دوران میں ہوا ہے اور اس سرزمین میں ہوا ہے جو سرحد ہندوستان سے پانچ سات سو میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لیکن ہمارے مذہبی پیشوا اس کی کچھ خبر بھی نہیں اور وہ آج ہندوستان میں پھر وہی سمرقند و بخارا کی تحریک دوہرانے کے لیے تیار ہیں۔ انکے بڑے بڑے اجتماعات میں اشتراکی لیڈروں اور اشتراکیت زدہ لوگوں کو استقبالیہ خطبے پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ انکے ذمہ دار آدمی اشتراکی کارکنوں کے ساتھ عوام میں کام کرنے جاتے ہیں اور اچھے اچھے مشہور علماء کی زبان سے یہ فقرے سننے میں آتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت میں اسکے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک میں خدا کا تصور ہے اور دوسرے میں نہیں ہے۔ حالانکہ اشتراکی نظام بالکل اسلامی

لاہور سے ایک مراسلہ

[ذیل کا مراسلہ جس صورت میں موصول ہوا ہے، بلا کسی ادنیٰ تصرف کے بجنسہ درج کیا جاتا ہے]

لاہور – ۱۵ – ۸ – ۱۳ –

میاں ماجد صاحب • السلام علیکم

میں نے صدق میں آپ کا وہ نوٹ پڑھا جو آپ نے مولانا آزاد کے متعلق لکھا ہے "دین و سیاست میں نہ سہی، بہرحال اردو ادب کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں"

بہت خوب! دین کی اجارہ داری تو تم ایسے الو کے پٹھوں نے سنبھال رکھی ہے، جو قرآن کی ایک آیت کو دوسری سے منسوخ کرکے رکھ دیتے ہیں، اور قرآن حکیم کی تفسیر میں عجیب و غریب لغویات شامل کرکے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کر رہے ہیں۔ آزاد بیچارہ تو مذہب کی الف، ب بھی نہیں جانتا!

آخری ہچکولے ہی سکتے۔ چند ہی روز ہوئے، ایک صاحب نے بتایا کہ اس دریابادی مفسر قرآن نے ہزاروں روپے لوگوں سے

خدا سے ڈر! اپنے پیٹ میں آگ مت ڈالو! بہتر ہو اگر تم خدا کے سامنے اس حال میں جاؤ کہ تمھارا دامن توبہ کے آنسوؤں سے دھلا ہو۔ مسلمانوں کو دھوکا دینا چھوڑ دو۔ جن لوگوں سے تم نے چندہ لے کر کھا لیا ہے انکی ایک ایک پائی واپس کر دو۔ کیونکہ ترجمہ تو آج تک نہیں چھاپ رہی ہے اور پیسے تم کھا گئے ہو۔

اگر تم نے یہ رقمیں لوگوں کو واپس نہ کیں تو میں اخبارات میں مفصل اعلان کرکے تم کو ذلیل کر دونگا۔ خود میرے ایک عزیز تمھارے دھوکے کا شکار ہو کر ایک معقول رقم تمھاری تجوری میں ڈال چکے ہیں۔

ایم ہارون الرشید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں	وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

سہ روزہ

صدق

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ [illegible] لکھنؤ
چندہ [illegible]
ٹیلیفون نمبر [illegible]

نمبر ۳۰ | یوم شنبہ - ۱۶ - رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۵ - اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

کسی نے سوال کیا [illegible] ایک مقدمہ آپ پر [illegible] ہوا تھا؟ ریل کے ایک تازہ سفر میں ایک عزیز ہم سفر نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک سفر زدہ دوست سے کہا [illegible] ابھی کچھ دن ہوئے [illegible] کوئی کسر تھوڑے ہی اٹھا رکھی تھی۔ لیکن اپنے خواجہ پر قربان جاؤں، میرے تو پشت و پناہ ہیں، [illegible] لیکر پہنچا اور درگاہ ہو گیا، چلہ باندھ کر بیٹھ گیا، جب تک معاملہ رفع دفع نہ ہوا وہیں جما رہا۔ [illegible] آپ کی دعا سے ہر طرح کا امن ہے۔ مقدمہ کی کارروائی داخل دفتر ہو گئی۔ بات بنی کی بنی رہ گئی، واہ رے خواجہ، دستگیری کرے تو ایسی کرے۔ ایک دفعہ پہلے کبھی ایسا ہو چکا ہے [illegible] بات [illegible] دو ایک کیل [illegible] جواب دینے والے پولیس کے ایک [illegible] تھے [illegible] دونوں مسلمان [illegible] مراد [illegible] اور انکی درگاہ [illegible] اور مقدمہ ان پولیس افسر صاحب پر [illegible] کا چلنے کو تھا، ایک بار پہلے بھی چل چکا ہے [illegible] یہ سب باتیں [illegible] کی آپس کی گفتگو [illegible] معلوم ہو گئیں۔

گویا خواجہ [illegible] رہ گیا [illegible] قانون کے سامنے [illegible] کا [illegible] ہوں [illegible] درگاہ پر پہنچیں اور بجائے توبہ و استغفار کے یا ندامت [illegible] کے، انکے مزار پر چلہ باندھ کر بیٹھ جائیں۔ قبر پر چادر چڑھائیں [illegible] کو کھلائیں پلائیں اور جس [illegible] چھوٹی یا بڑی [illegible] گرفت سے محفوظ و امون

[illegible] گھر واپس آ جائیں۔ کیا خوب قدر [illegible] کی گئی ہے۔ کیا خوب تعلق بزرگان دین سے پیدا کیا گیا ہے! —— اولیاء اللہ کا کام اللہ کے مجرموں کو اللہ کے قانون کی گرفت و مواخذہ سے بچانا! کیا خوب انکی ولایت اور اللہ کے [illegible] انکی مقبولیت سے [illegible] —— [illegible] دیتا ہیں، جنکا کام ایک قاہر معبود اعظم کے (نعوذ باللہ) پنجہ گرفت و مواخذہ سے مخلوق کو بچا لینا اور چھڑا لینا ہوتا ہے! —— اور [illegible] سب عقیدت [illegible] والے مسلمان [illegible] لاکھوں کی تعداد میں نہیں شاید کروڑوں کی تعداد میں!

اولیاء کے عرس [illegible] مناتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، بلکہ اس لیے کہ یہ ہمارے فریاد رس ہیں۔ انکی قبروں پر جو ہم جاتے ہیں تو چادریں چڑھانے [illegible] چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو اس لیے کہ [illegible] [illegible] یہی ہماری پشت پناہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] قانون [illegible] خواجہ [illegible] اپنے کرم و شفقت کا سایہ ڈالے رہینگے! [illegible] مسلمان ہیں جو [illegible] عجب میں [illegible] کا فرق [illegible] نصرانیوں سے کہیں زیادہ ہیں!

وحشیوں کا تمدن

[illegible]

علم الانسان (انتھراپالوجی) کے اُستاد ڈاکٹر آسبورن ہیں۔ انکی کتاب (EXPERIMENTS IN CIVILIZATION) کے عنوان سے مختلف قوموں کی تہذیب، تمدن اور اُنکے ارتقاء پر ایک مقالہ نظر سے گزری۔ اس میں جزائر سالومن کے وحشی قبائل پر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دولت وہاں بھی ہم لوگوں کی طرح ایک بڑائی کی علامت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اس وحشی آبادی میں آرام و آسایش کا جو معیار ہے وہ سب کے لیے ایک ہی ہے۔ ہر شخص کو ایک ہی قسم کا کام دھندا کرنا ہوتا ہے، ہر شخص کو ایک ہی قسم کا کھانا ایک ہی طرح کا پکا ہوا، ایک ہی قسم کے برتنوں میں ملتا ہے۔ ہر شخص کے سونے کے لیے ایک ہی طرح کی چٹائیاں ہیں۔ اس لیے دولتمند کو دولت کا بالواسطہ کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔ اسکا گھر ایک آدھ کے مقابلہ میں بیشک بڑا اور بہتر طریق پر بنا ہوا ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی بیویاں متعدد ہوں۔ لیکن بس اور کسی چیز میں فرق نہیں ہوتا۔ اُسے عزت و اقتدار جو حاصل ہوتا ہے، اس کی بنیاد یہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نفس پر صرف کرنے کے لیے دولت جمع کرتا ہے، بلکہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس دولت کو صرف یوں کرتا ہے۔ زندگی کے ہر اہم موقع پر، مثلاً والدین کی وفات پر، لڑکوں کی شادی پر، یا اسلاف کی روحوں کو سوغات بھیجنے کے موقع پر ایک دعوت دینی ہوتی ہے۔ اور جو کوئی جتنی زیادہ دعوتیں دیتا ہے اور جتنے تکلفات کے ساتھ کھانا کھلاتا ہے اُسی نسبت سے اُسکا اثر و اقتدار بھی قائم ہو جاتا ہے۔" (صفحہ)

سادہ و فطری تمدن کا یہ نقشہ تمدن اسلام کی ابتدائی سادگی سے کسقدر ملتا جلتا ہوا ہے — افرنگی تہذیب، اور یہی وہی نہیں، عجمی تہذیب، ایرانی و رومی تہذیب، ہر جاہلی مصنوعی تہذیب کاش اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھے اور شرمائے!

نمونۂ حشر

برلن والوں کا حال زار فتح برلن سے چند روز پہلے، سویزرلینڈ کے ایک اخبار کے برلنی وقائع نگار کے قلم سے:—

"اس ہلچل کے وقت سب سے زیادہ ابتر حال اُن جرمنوں کا ہے جو نازی پارٹی کے ممبر تھے یا نہ تھے، لیکن بہر حال اپنے حکمرانوں کی بات پر آمنّا صدقنا مذہبی خوش عقیدگی کے ساتھ کر رہے تھے، اور جن سے غلطی کا گویا امکان ہی اُنکے عقیدہ میں نہ تھا۔ اب جبکہ دشمن عین سر پر پہنچ گیا ہے، ان بیچاروں کی آنکھیں کُھلی ہیں۔ اس انتہائی یاس کے عالم میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، اور پہلی بار یہ سمجھے گئے ہیں کہ آج سے جو وعدے کیے گئے تھے وہ کیسے جھوٹے نکلے۔" (مانچسٹر گارڈین - لندن و مانچسٹر - ۲۱ - اپریل ۴۵ء)

خبر نے آنکھوں کے سامنے قرآن و حدیث کا کھینچا ہوا وہ نقشہ تازہ کر دیا، جب موت کے وقت اور قیامت میں اہل باطل کی آنکھیں کُھلیں گی، حقائق بے نقاب سامنے آ جائیں گے، اور انتہائی بے بسی کے ساتھ محسوس ہونے لگیگا کہ اب تک کیسے شیطانی نعماؤں اور مغالطوں میں پڑے ہوئے تھے! تیر کمان سے نکل چکا ہوگا، اور کوئی گریہ و زاری، کوئی آہ و بکا، کوئی حسرت و ندامت اُسوقت کام نہ آئیگی!

شرابیوں کا راج

امریکہ کے مشہور مصلح اور شراب دشمن "پسی فوٹ" (گربہ پا) جانسن جنکی وفات کی خبر ابھی چند ماہ ہوئے آئی تھی، اُنکے حالات کا خلاصہ ایک انگریزی اخبار سے:—

"جانسن کی اصلاحی زندگی تمامتر دشمنوں کے درمیان گھِر کر بسر ہوئی۔ بڑے بڑے شراب فروشوں اور شراب سازوں نے اور بڑے بڑے مشہور اخبار نویسوں نے جو انکے اشاروں پر اپنے نامی گرامی پرچوں میں مضامین و مقالات شراب کی تائید و حمایت میں لکھا کرتے تھے، اُسے رشوت دے کر رام کرنا چاہا، اور بڑی بڑی گراں قدر رقمیں اُس کی خدمت میں پیش کیں، جب ادھر سے مایوسی ہوئی، تو ایک زمانہ اُسکی دشمنی پر اُتر آیا، اور اُسے آزار پہنچانے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اسکی جان پر بار بار حملے ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک حملہ میں جبکہ وہ انگلستان میں اصلاحی دورہ کی مہم پر تھا، اسکی ایک آنکھ جاتی رہی، اور اسکی جان لینے کے لیے امریکہ کے بدمعاشوں نے ۳ ہزار ڈالر انعام کا اشتہار جاری کیا۔ اسکے رفیقوں میں سے آٹھ کی تعداد میں قتل کر ڈالے گئے، اور زخمی تو بہت سے کر دیے گئے۔ وہ جان پر کھیل کر راتوں کو ہیٹیوں، شراب خانوں وغیرہ کا پتہ لگاتا، بالکل دبے پاؤں گشت کرتا، اور اسی دبے پاؤں کی چال کی بنا پر اُسکا نام "گربہ پا" (بلّی کے سے قدم رکھنے والا) پڑ گیا۔"

یہ تھیں وہ قیمتیں جو اس بیسویں صدی کے مہذب ترین ملک میں انسداد شراب نوشی کی کوشش کرنے والے کو اُٹھانی پڑی ہیں! اصلاح کا نام لینا اور ترک شراب کا وعظ کہنا گویا جان سے ہاتھ دھونا ہے! — ہمارے ہاں کے بستے ہوئے شرابی، شرابی شہر و شراب نواز بادشاہوں کی بھی تاریخ میں کوئی مثال، کسی اور کی ملیگی؟

روشنی میں اندھیر

مسلم یونیورسٹی اور دوسرے ذرائع سے ... کالج، لکھنؤ کی پرنسپل صاحبہ کے مکتوب کا خلاصہ، ... ۲۰ - جولائی سے:

"لڑکیوں کے ساتھ کالجوں کے نوجوان طلبہ کی افسوسناک چھیڑ اور گندی شرارتوں کی شکایتیں برابر سننے میں آ رہی ہیں، اس سلسلہ میں دو باتیں لازمی طور پر اختیار کرنے کی ہیں۔ ایک یہ لڑکیاں تنہا باہر نہ نکلیں بلکہ اپنے کسی رشتہ دار مرد کو ساتھ لیکر ...

اور دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی ایسی ناگوار صورت پیش آئے تو لڑکیوں کو چاہیے کہ فوراً ہی قریب ترین پولیس کی مدد حاصل کرنے میں ذرا نہ جھجکیں۔"

پرنسپل صاحبہ یہ کیا فرما رہی ہیں! انھیں یہ بھی خیال نہ آیا کہ شدت اضطراب میں وہ تجدد کی بنیادوں ہی پر ہاتھ صاف کر رہی ہیں! ---- لڑکیاں، تعلیم یافتہ لڑکیاں اس قابل نہیں کہ تنہا باہر نکلیں، جب نکلیں تو مرد رشتہ داروں کی حفاظت و نگرانی میں نکلیں، اور قدم قدم پر اپنی عزت کے تحفظ کے لیے پولیس کی اور ... رہیں! ---- کوئی کٹر "*** سیتہ" بھی مساوات مرد و زن سے ... کی تردید، اور کامل آزادی نسواں ... کی تردید ... اس ... اور کچھ کر ... چاہتا ...؟

اسی جولائی کے ... میں ... کالجوں اور اسکولوں کے مشترکہ ... شروع ہونے پر اس قسم کے مراسلے ... میں متعدد نکل چکے ہیں، لیکن ... بھی تجویز ہوئے سب کے سب ... مقامی اور ... اسکول اور ... مسلم مردانہ ... کے نام خاص طور پر بدنام ہیں - حالانکہ اگر دیکھنے کے لیے آنکھیں سننے کے لیے کان، اور سوچنے کے لیے دل و دماغ ہیں، تو بالکل ظاہر ہے کہ مرض سطحی نہیں گہرا ہے، اور فتنہ مقامی نہیں، ہمہ گیر ہے - کیا لکھنؤ اور کیا دہلی، کیا لاہور اور کیا بمبئی، کیا شملہ اور کیا مسوری - جہاں جہاں بھی اسکولوں اور کالجوں کی برکتیں پہونچ چکی ہیں، یا سنیما، آپرا ہاؤس وغیرہ کے قدم جم چکے ہیں، کون سی جگہ اس گندگی سے پاک ہے؟ ---- اور مرکز و معدن تہذیب، امریکہ کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے نامہ اعمال پر جو کوئی نظر کرنا چاہے، وہ امریکہ ہی کے محقق اور مستند اہل قلم کی لکھی ہوئی کتاب SEX LIFE OF THE UNMARRIED ADULT پڑھ لے ---- روشنی میں اندھیر تو اس پر بدر روشنی کا خاصہ طبعی ہے - اس سے بچنا ممکن کیونکر ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"محقق الدین صاحب (منٹگمری) (۱) آپ کا مضمون ... سے متعلق انگریزی زبان میں موصول ہوا - آپ براہ کرم اسے اردو میں روانہ فرمائیں - تاکہ درست کرلی جائیں - اسکی شکریہ

(۲) پرچہ کا جو نمبر نہ پہنچا ہو اسکے لیے براہ راست دفتر لکھنؤ کے پتہ سے لکھیے - ایڈیٹر کے نام مراسلوں میں ضمناً اسکا ذکر کر دینا بالکل لاحاصل ہے -

گمنام کارڈ نویس صاحب (غالباً از گلبرگہ) صدق کی ظاہری حالت کے متعلق آپ نے جو توجہ دلائی ہے الله بالکل صحیح ہے - لیکن اسکے لیے بجائے ایڈیٹر کو لکھنے کے ایک مذرار خط منیجر صدق کے نام لکھنؤ کے پتہ پر لکھنا تھا -

بہ نسبت ہر پرچہ میں زیادہ ایڈیٹوریل پڑھنے کی خوگر ... یہ لکھ کر سمجھائیے کہ پرچہ ...؟

نئی کتابیں

(۱) **سراپائے رسول** - از مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی ضخامت ۱۲۶ صفحات - قیمت ... ملنے کا پتہ: کتب خانہ قدوسی، محلہ نام پلی، لال ٹیکری - حیدرآباد دکن -

رسالہ میں حضور رسول مقبول صلعم کے سرتاپا حلیۂ مبارک ہی کا ذکر نہیں بلکہ تقریباً سارے معمورات زندگی کا مختصر ذکر موجود ہے مثلاً یہ کہ آپ کس طرح چلتے تھے، گفتگو فرماتے تھے، آپ کے کھانے پینے کے آداب کیا تھے، نماز کیسی، کس وقت اور کس خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے، گھر والوں کس طرح ادا فرماتے تھے اپنے ... کے حقوق کا کتنا خیال رکھتے تھے - آخر میں وفات، تجہیز و تکفین، ازواج مطہرات و اولاد کا مختصر ذکر بھی شامل ہے۔

عربی و اردو کی مستند کتب احادیث و سیر سے مرتب صاحب نے یہ سب چیزیں اخذ کرکے سلیس اردو میں لکھی ہیں۔ مسلم نونہالوں کے لیے یہ کتاب خاص طور پر قابل قدر ہے، اور محافل میلاد میں بجائے مروجہ کتب میلاد کے اسکے مضامین پڑھ کر سنائے جائیں تو عجب نہیں کہ بہت سی بڑی عمر والے مسلمانوں کو بھی اخلاقی حالت کے سنوارنے میں بہت کچھ مدد ملے۔ رسالہ کے شروع میں پیش لفظ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے قلم سے ہے - (ع - ق)

(۲) **اسلامی نظام** - از حکیم مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی - ۱۰۳ صفحات - قیمت ... ملنے کا پتہ: دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ - مدینہ ... پلی - حیدرآباد دکن -

دنیا اپنی سیاسی و معاشی ابتریوں کے حل کے لیے بیتاب ہے اور مختلف نظاموں کی ناکامیوں کا مشاہدہ کرکے نظام کو جو اسکے درد کا درماں ثابت ہو ڈھونڈھ رہی ہے - رسالہ ہذا میں اسلامی نظام یا خلافت الٰہیہ کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے اور دلائل سے اسکی اہمیت ثابت کی گئی ہے - مؤلف نے علوم جدیدہ کی کتب کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور جا بجا اثبات مدعا میں اُن سے بھی کام لیا ہے لیکن انگریزی خواں طبقہ کے مذاق کے لحاظ سے عبارت میں اور زیادہ سلاست و حسن ترتیب کی ضرورت تھی -

اس کتاب میں انسان کی زندگی کو دو حصوں میں حیات طبعی و حیات عقلی میں تقسیم کرکے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دنیا میں اور جتنے نظام ہیں سب کے سب انسان کی حیات طبعی ہی سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ناکافی ہیں - بخلاف اسکے اسلام کا نظام حیات عقلی سے روشناس کراتا ہے جسے حقیقی معنی میں انسانی زندگی کہنا چاہیے اور اس لیے حیات عقلی کا مرکز انکا اسلام میں توحید کو بنایا گیا ہے - توحید کو ماننے سے انسان کی فکری و ذہنی زندگی میں انقلاب عظیم

...شامل ہوتا ہے اور پھر عملی زندگی پر اس کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے۔ جدید علوم و فن اگر اسلامی طرز فکر کے ماتحت رکھے جائیں تو اور زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں اور انکی مزید تجزیاتی پہلوؤں کا خاتمہ ہو سکتا ہے

اصول سے بحث کے بعد مؤلف نے اسلامی نظام خلافت کی تشریح کی ہے اور مختصر خاکوں کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ اگر کل دنیا میں بعض ہندوستان میں خلافت اسلامیہ صحیح معنی میں قائم ہو جائے تو اس سے دنیا میں کتنی اچھی تبدیلیاں ہو جائیں گی اور دنیا کی اسلامی فرقوں کی معاشی ناہمواری کا کس طرح سد باب ہو جائیگا۔

اس کتاب میں فاضل مؤلف اور مترجم صاحب کے انگریزی اصطلاحی الفاظ کے تراجم ساتھ ان الفاظ کو بھی قوسین میں بکثرت لکھے گئے ہیں لیکن بعض جگہ وہ بے ضرورت ہیں اور اکثر جگہ انگریزی الفاظ کی صحت ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔ ایک جگہ ترجمہ میں تسامح ہو گیا ہے یعنی INFFRIORITY COMPLEX کا ترجمہ "معاندانہ مرکب" سے (ص۶) کیا گیا ہے حالانکہ صحیح ترجمہ "احساس کمتری" ہے۔ COMPLEX کا لفظ یہاں "مرکب" کے معنی میں بالکل نہیں (ع - ق)

(۳) فیصلہ ہندوستان - مترجمہ سید القدوس صاحب ہاشمی ضخامت ۲۵۰ - قیمت عہ ملنے کا پتہ: ادارۂ اشاعت اردو - عابد روڈ حیدرآباد دکن

برطانوی صحافی بیورلی نکلسن کی معرکۃ الآرا VERDICT ON INDIA کا اردو ترجمہ ہے۔ اس برطانوی صحافی نے ایک سال سے زیادہ ہندوستان میں رہ کر یہاں کے سیاسی و معاشرتی حالات کا مطالعہ کیا۔ یہاں کے لیڈروں سے ملا۔ یہاں کے ادب، مصوری، صحافت، سنیما وغیرہ ہر چیز کو غور سے دیکھا۔ اسکے بعد اور مغربی صحافیوں کی طرح اپنے تاثرات کتاب کی صورت میں سپرد قلم کر ڈالے۔ ظاہر ہے کہ یہ تحریر مغربی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے کیونکہ اسکے سامنے حسن و قبح کا وہی معیار تھا۔ لیکن خاص چیز اس کتاب میں یہ ہے کہ عام طور سے جو غیر ملکی اہل قلم و صحافی یہاں آتے ہیں وہ ہندو ذہنیت پروپگنڈے سے متاثر ہو کر انھیں کو ملک کا نمائندہ سمجھتے اور مسلمانوں اور انکے اداروں کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں یا انکی مخالفت میں بہت کچھ لکھ جاتے ہیں۔ یہ کتاب اس کلیہ میں استثناء کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی وجہ سے ہندو پریس نے اس کتاب کے چھپتے ہی اسکے خلاف ایک طوفان بپا کر دیا تھا۔

اس کتاب کا مطالعہ ہمارے ان جدید تعلیم یافتہ اور انگریزی کالج کے زیر تعلیم طلبہ کے لیے خاص طور پر نافع ہے جو بالعموم روزانہ ہندو اخبارات و رسائل کے مطالعہ سے غیر شعوری طور پر سیاسی نقطۂ نظر میں ہندوؤں کے ہم خیال ہو جاتے ہیں۔

ہندوستانی صحافت کے بارے میں اس انگریز صحافی نے جو کچھ لکھا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ قابل مطالعہ ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"ہندوستانی ارباب صحافت تقریباً فاقہ کی زد میں ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہندوستان کے بہترین دماغ پیشۂ صحافت کی جانب مائل نہیں ہیں۔ ناکارہ افراد، ناکام بی اے اور گھرے آوارہ مزاج نوجوان یہ پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں نامہ نگاروں (و دانشمندان ہند) کو ملاقات کا موقع دینا مصیبت مول لینے کے برابر ہے۔ اکثر الفاظ کا املا تک بتلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشاہیر عالم میں سے جب کسی کی طرف تلمیح ہوتی ہے تو انکا رشتہ کھوئے گئے ہوتے ہیں۔ اس نااہل آدمی کا دوسرا خطرناک نتیجہ ناگزیر بد اخلاقی ہے۔ (صفحہ ۱۵۶)۔

کتاب کے حصہ سوم کے تین ابتدائی باب مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں جن میں گاندھی جی، انکے عقیدہ عدم تشدد، کانگریس، مسلم لیگ، پاکستان، اور مسٹر جناح کے بارے میں اس صحافی نے اپنے خیالات کا آزادی سے اعلان کیا ہے۔ مسٹر جناح کو اس نے ایشیا کا اہم ترین انسان قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"مسٹر جناح اس باب میں عدیم النظیر نازک اہمیت کے حامل ہیں، وہ اپنی مرضی سے جس طرف چاہیں جنگ کا رخ بدل سکتے ہیں۔ دس کروڑ مسلمان انکی چشم و ابرو کے اشارہ پر حرکت کرنے پر تیار ہیں یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہے، ہندو معنوں میں بھی یہ بات نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی چلے جائیں تو جانشین کے لیے نہرو ہیں، اچگوپال اچاریہ ہیں، پٹیل ہیں، ایک درجن اشخاص موجود ہیں۔ لیکن جناح کے بعد

کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد" (صفحہ ۳۲۹)

کتاب جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ایک مغربی کے قلم سے ہے اور باوجود متعدد چیزوں میں مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کرنے کے پردہ وغیرہ کے بارے میں اس نے جو لکھا ہے وہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اسی طرح طب آیورویدک کی مذمت میں جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ بعینہ طب یونانی پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔

بحیثیت مجموعی کتاب اس قابل ہے کہ سیاسیات سے دلچسپی لینے والے ہر مسلمان کے مطالعہ میں رہے۔ ترجمہ عمومی حیثیت سے اچھا اور رواں ہے لیکن کہیں کہیں کچھ مغلق ہو گیا ہے۔ (ع - ق)

(۴) داستان شہید کربلا - مرتبہ محمد عبد الرحمٰن صاحب سعید صدیقی صفحات ۵۶ - صفحات قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ: نفیس اکاڈیمی حیدرآباد دکن۔

اس مجموعہ میں حادثۂ کربلا کے بارے میں سات مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ مسز اینی بسنٹ آنجہانی (تحریک تھیاسوفی کی پرجوش کارکن) کے ایک پرانے لکچر کا جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ ایک ہمدرد غیر مسلم جس حد تک اسلام کی حمایت کر سکتا ہے وہ اس لکچر میں موجود ہے۔ مغربی اہل قلم و پادریوں کے اعتراضات

جو حضور کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں، انکے جوابات بھی مسز موصوفہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیے ہیں۔

غیر مسلموں اور انگریزیت میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ (ع - ق)

(۶) **پرانی اور نئی تعلیم مع دیگر مضامین خاص** - از محمد شمس الدین صاحب صدیقی مستعفی وظیفہ یاب - ضخامت ۹۲ صفحات قیمت و ملنے کا پتہ درج نہیں۔

اس مجموعہ میں محمد شمس الدین صاحب صدیقی مستعفی وظیفہ یاب (ریاست حیدرآباد دکن) کے ۲۰ مضامین جو مختلف اخبارات میں شایع ہو چکے ہیں شامل ہیں۔ چند عنوانات ملاحظہ ہوں۔ پرانی اور نئی تعلیم۔ انگریزی تعلیم کا مقصد۔ پردہ کے فوائد و نتائج آزادی۔ ہندوستانی عورت کے متعلق ایک مغربی مصنفہ کی رائے۔ اچھی تعلیم و تربیت کا نتیجہ۔ وغیرہ

ان مضامین میں خاص چیز یہ ہے کہ فرنگیت کے رسوم جاہلیت کے خلاف مضمون نگار نے اپنی ذاتی پوری سعی کی ہے، اور بے پردگی کے نتائج بد بتائے ہیں، اس دعوے کی شد و مد سے تردید کی ہے کہ انگریزی ہی والے بڑی کارگذاری اور بڑے عہدوں کی ذمہ داریاں بہ احسن وجوہ پوری کرنے کے لیے ضروری ہے۔ گناہوں میں مبتلا ہونے پر وقوع عذاب و عقاب خداوندی سے ڈرایا ہے اور قدم قدم پر آخرت کی یاد غافل مسلمانوں کو دلائی ہے۔ چونکہ یہ مضامین زیادہ تر دکن کے اخبارات میں شایع ہوئے ہیں اور اصل مخاطب وہیں کی پبلک ہے۔ اس لیے مثالیں بھی زیادہ تر مقامی ہی دی گئی ہیں (ع - ق)

مراسلہ

عالیجناب مکرم و محترم مدیر صدق جناب مولانا عبدالماجد صاحب ادام اللہ ظلکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، - مزاج مبارک

بہت دنوں سے "صدق" دیکھتا آیا ہوں، اسکی یگانگت بھی کچھ عجب ہے "قدامت پرستی پر ضرب" دیکھ کر بڑا تردد ہوا۔ کیونکہ میں نے قدیم نصاب درس نظامی میں بہت کچھ ترمیم و اصلاح کرکے (اگرچہ یہ کوئی آخری اصلاح نہیں) "جادۂ سلف" سے "انحراف" کا "اصلاحی جرم" کیا ہے - حد یہ ہے کہ کتب احادیث کے درس تعلیم کی ترتیب تک کو بدل دیا ہے ترمذی شریف جلد ثانی کی تعلیم پہلے اور جلد اول کی بعد میں، مسلم شریف پہلے اور ابوداؤد اسکے بعد - بالغ نظر دیکھنے والے حضرات تو شاید مباحث و مضامین کے لحاظ سے اسی ترتیب کو احسن کہیں مگر جو بزرگ پرانی ترتیب کو قدرتی اور منزل من اللہ سمجھتے ہونگے بھلا اصلاح کے اس "جرم" کو کب معاف کرینگے - ایک جگہ سات برس تک مقامات حریری کا درس دیا مگر اسکو اپنے یہاں نصاب میں جگہ دینے کی گنجایش نظر نہ آئی - سلم، حمد اللہ، قاضی مبارک، تصریح، شرح چغمینی، صدرا، اشارات کونسی کتاب اس میں ہے جسے پڑھا اور دو دو چار چار مرتبہ تکرار نہ کیا ہو۔ ممتحن کا خوف الگ دامنگیر رہتا کہ کہیں حاشیہ اور منہیہ سے نہ سوال کر بیٹھیں یہ کتابیں جنکا درد اور وظیفہ رہتا تھا - خدا معلوم انکی افادیت کیوں سمجھ میں نہیں آتی - انکو بھی داخل نصاب کرنے سے اپنے کو قاصر پایا۔ ابوالحسن علی صاحب نئے طرز پر کتاب لکھکر رد و چار ہو چکے ہیں - دیکھیے مجھے کیا حوادث پیش آتے ہیں علماء و فضلاء کے پاس اور بہت سے اداروں میں بھیجا جا چکا ہے آراء و خیالات کا انتظار ہے - آپکے پاس بھی نصاب گیا ہے، اصلاح کی ابتدائی کوشش سمجھ کر اپنی رائے بذریعہ صدق ضرور تحریر فرمائیے - بعد رمضان مدارس عربیہ میں تعلیم شروع ہو جاتی ہے - ابھی وقت ہے شاید کہیں کچھ اصلاح و ترمیم ہو جائے۔

چونکہ دارالعلوم کا نصاب جدید ہے اس لیے درس تدریس کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں اور بہت ساری نئی کتابیں خریدنی پڑینگی۔ ابوالحسن صاحب کی جو بہت افزائی ہوئی ہے معلوم ہو گئی، دارالعلوم کو تجربہ کرنا باقی ہے - خدا جانے قدامت کا بت کب ٹوٹے گا۔ پتہ ذیل سے نصاب جدید مفت طلب کیجیے اور ہو سکے تو ارسال فرمائیں۔

عبدالجلیل رحمانی ناظم دارالعلوم الہیہ پور
ڈاکخانہ بڑھنی پور - ضلع بستی - یو - پی

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

نمبر (۵)

(از جناب مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

اور بات اسی حد پر ختم نہیں کر دی گئی ہے۔ اسی فتوے کے آخری الفاظ یہ ہیں

فان کان للمنفق علیہ خادم یحتاج الی خدمتہ تفرض لہ ایضاً اذ ان کان من حاجۃ اللفاقۃ (بدائع الصنائع)

جسکے ضرورت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر وہ نوکر کی خدمت کا محتاج ہو تو نوکر کا مہیا کرنا بھی اس پر فرض ہوگا کیونکہ نوکر بھی تو انہی چیزوں میں داخل ہے ضرورتوں میں جنکا شمار ہو سکتا ہے جنکی حاجت ہے۔

شامی میں بدائع سے اس ضابطہ کو نقل کرنے کے بعد یہ بھی اضافہ کیا ہے

والمتبادر من خادمہ ان یکون بہ علۃ (شامی ج ۲ صفحہ ۲۲۳)

نوکر کی خدمت کی ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً صاحب نفقہ کو کوئی بیماری ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ یہ اور اسی قسم کے فقہی جزئیات کی روشنی میں ان کلیات کا مطالعہ اگر کیا جائے تو اغنیاء کے سرمایہ میں علاوہ زکوٰۃ کے جس حق کو اسلام نے ثابت کیا ہے اُسکے ذیل میں قیام طعام وغیرہ کے ساتھ طبی و تعلیمی بلکہ تفریحی مرافق کی تکمیل بھی آسانی داخل ہو سکتی ہے۔

باقی یہ سوال زکوٰۃ کے سوا ان حقوق کی تکمیل کے لیے اغنیاء کے مال سے لینے کا یہ حکم جو اسلام نے دیا ہے اسکی آخری حد کیا ہے؟

حافظ ابن حزم نے جو مواد اس سلسلہ میں اپنے اس مضمون میں جمع کر دیا ہے اور کتاب النفقات میں جو فقہی جزئیات ملتے ہیں، انکو پیش نظر رکھتے ہوئے اسکا جواب بھی متعین شکل میں دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً عام طور پر حنفی کتابوں میں امام محمد کا یہ قول نقل کیا جاتا ہے

ما یفضل عن کسبہ کل یوم حتی لو کان کسبہ درہما وکفیہ اربعۃ دوانق وجب علیہ الدانقان للقریب۔ (منحۃ الخالق و تکملۃ علی بحر الرائق)

روز کی کمائی سے جو کچھ بچ جائے اس حد تک اس سے لیا جا سکتا ہے (یہاں تک کہ اگر اسکی کمائی ایک درم روز ہو اور خود کمانے والے کی ضرورتیں چار پیسوں میں پوری ہو جاتی ہوں تو باقی دو پیسوں کو وہ اپنے قریب یعنی جسکا نفقہ واجب ہے اُسے دیدیا کرے۔

جس کا مطلب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا جو کچھ بھی اغنیاء کے پاس رہ جائے اگر ارباب استحقاق کے ضروریات کی تکمیل کے لیے اس کل بچے ہوئے سرمایہ کے لینے کی ضرورت پیش آ جائے تو اسلام اسکے لینے کو ہی نہیں کہ منع نہیں کرتا بلکہ ضرورت کے وقت لے لینے کا حکم دیتا ہے۔ ابن حزم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا جو ذکر کیا ہے جس میں آپ نے حکم دیا تھا کہ سواری کا زائد اونٹ جس کسی کے پاس ہو، وہ اپنے اس زائد از سواری اونٹ کو اُسکے حوالے کر دے جو سواری نہیں رکھتا، اور زاد راہ سے جو کچھ جسکے پاس رہ گیا ہو، وہ بچے ہوئے حصے کو اُسکے حوالے کر دے جو زاد راہ نہیں رکھتا۔ نبوت کے اسی طرز عمل کو دیکھ کر صحابہ نے فرمایا کہ

حتی اتنا رأینا انہ لاحق لاحد منا فی فضل

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے یہ سمجھا کہ ضرورت سے زائد جو چیز کسی کے پاس بچ کر رہ جائے اُس میں کسی کا ہم میں سے کوئی حق نہیں ہے (یعنی وہ غریبوں کا حق ہے)

یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ خیال کہ جو بات آخر میں سمجھ میں آئی اگر پہلے سمجھ میں آتی تو امیروں کے بس انداز سرمایہ کو لیکر میں غرباء پر تقسیم کر دیتا۔ ان تمام امور سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ضرورت سے زائد بچے ہوئے سرمایہ کے متعلق یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ اسلام زبردستی سرمایہ داروں سے اسکو چھین کر امارت اور غربت کے فرق کو مٹا دیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ ان تمام روایتوں کا یقیناً یہ اقتضاء بھی ہے کہ غرباء کی ضرورتوں کی تکمیل میں زائد از ضرورت بچے ہوئے کُل سرمایہ کی حاجت اگر کبھی پڑ جائے تو سرمایہ داروں کو اُسکے دینے سے انکار کرنے کا مذہباً کوئی حق نہیں ہے۔ آپ دیکھ چکے کہ ایک درم کمانے والے کے پاس ذاتی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے بعد دو دانق بھی اگر باقی رہ جائے تو حکم دیا گیا ہے کہ ارباب استحقاق کو اگر اسکی ضرورت ہو تو اسکے دینے سے بھی انکار نہ کرنا چاہیے۔ صاحب بدائع نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر جو نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے

لو اصاب الناس السنۃ لادخلت علی اہل کل بیت مثلہم فان الناس لم یہلکوا علی انصاف بطونہم (ج ۲ صفحہ ۳۶)

قحط کی مصیبت میں اگر لوگ مبتلا ہو جائیں تو میں یہ کرونگا کہ ہر خاندان والوں کے ساتھ انکے برابر لوگوں کو شریک کر دونگا۔ کیونکہ آدھا پیٹ

سلہ اخرف جسم کی پرورش کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ دودھ پلانے والی دایہ مہیا کی جائے تو روح و دماغ کی تربیت جس پر موقوف ہے یعنی تعلیم یقیناً اُسکا انتظام بھی واجب ہوگا۔ فقہ کی کتابوں میں اسکی تفصیلات مل سکتی ہیں ۱۲

کمانے والے کبھی نہیں مرسے ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مالداروں کے بچے ہوئے پس اندوختہ سرمایہ سے لینے کی اسلام اس حد تک اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس باقی بچ جائے سب کو لے لیا جا سکتا ہے۔ زائد از ضرورت سواری اور زاد راہ والی حدیث کا تعلق بھی جنگی سفر سے ہے۔ اور فقراء مہاجرین میں امیروں کے زائد از ضروریات مال کو خرچ کر دینے کا خیال حضرت عمرؓ نے بطور تمنا کے جو ظاہر فرمایا تھا اسکا منشا بھی یہی ہے کہ مہاجرین بیچارے اپنے موروثی جائدادوں کو چھوڑ چھوڑ کر مدینہ عموماً اس شکل میں پہنچے تھے کہ انکے پاس اپنا ذاتی سرمایہ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ انکے خاص حالات کا لحاظ کرکے حضرت عمرؓ نے اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا۔ حافظ ابن حزم نے اس سلسلہ میں مشہور فوجی واقعہ کو بھی یاد دلایا ہے یعنی

صح عن ابی عبیدة بن الجراح وثلثمائة من الصحابة رضی اللہ تعالی عنہم ان زادہم فنی فامرہم ابو عبیدة فجمعوا ازوادہم فی مزودین وجعل یقوتہم علی السواء (ص۱۵۸)

ابو عبیدہ بن الجراح اور تین سو دوسرے صحابیوں سے بصحت روایت صحیح یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زادراہ فوج کی ختم ہوگئی تب حضرت ابو عبیدہ نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے توشوں کو دو توشہ دانوں میں اکٹھا کریں۔ اور اسکے بعد لوگوں میں برابر برابر حصہ وہ بانٹتے رہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بھی وہی جنگ کی حالت ہے، ایسے مواقع پر اگر معاشی سطح سب کی برابر کر دی جائے تو جو وثائق اسلامی اسوقت تک پیش کیے گئے ہیں اُن سے یقیناً اسکی تائید ہوتی ہے۔

لیکن یہ یا اسی قسم کی بعض دوسری روایتوں کو پیش کرکے یہ نتیجہ پیدا کرنا یقیناً صحیح نہیں ہے کہ بنی نوع انسانی کے مختلف افراد مختلف قدرتی صلاحیتوں اور مناسبتوں کو لیکر جو پیدا ہو رہے ہیں اسلام اس مشاہدہ کا انکار کرکے انسانوں کو بھی پرندوں اور چرندوں پر قیاس کرکے یہ قرار دیتا ہے کہ جیسے ایک بکری کو گھاس چارے کی تغذیہ یا وہی مقدار دی جاتی ہے جو دوسری بکری کھاتی ہے، اسی طرح ساری انسانی آبادی بھی ایک ایسے یتیم خانہ کی شکل میں بدل دی جائے جس میں ہر یتیم طعاماً ولباساً وہی پاتا ہے جو دوسرے یتیم کا حصہ نظر آتا ہے۔ گویا افراد انسانی میں ذہنی وکسبی کمالات جو پائے جاتے ہیں انکی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی کی تقسیم میں مساوات کے قانون کو پسند فرمایا تھا۔ لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ افراد کے انفرادی کمالات وفضائل کی قیمتوں کا وہ اپنے اس طرز عمل سے انکار کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ بات آپ کے

اس پر ... ظاہر ... اعتراض کرنے والوں سے آپ ...

فرمایا۔ جسکا حاصل یہی تھا کہ تمہارے فضائل وکمالات کا منکر میں نہیں ہوں لیکن ان کی قیمت کا انتظار دوسری آنے والی زندگی میں کرنا چاہیے، اور یہ تو دنیا کی مختصر زندگی ہے، اس میں ان کمالات کی قیمتوں کو کیوں اہمیت دی جائے؟

بلاشبہ حضرت والا کا یہ خیال تھا کہ کوئی مذہبی حکم نہ تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں راہ بدل دی، اور ارباب کمال وفضائل کی قیمتوں کا کھلے دل سے عملاً آپ نے اعتراف فرمایا۔

بہرحال الآخرة کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی یہ گذشتنی وگذاشتنی زندگی جسکی نگاہوں میں حقیر ہو چکی ہو، اور اسی حقارت کی بنا پر سمجھا ترجیح کے اس نے مساوات وتساوی کے مسلک کو اختیار کیا، اُسکے طرز عمل کو سامنے رکھکر آخرت کے منکرین جو آج ناجائز نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، بجز زبردستی کے اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ سب کچھ یہی اور شکم سے نیچے تک والی زندگی ہے اس لیے زندگی کے لذائذ سے ہر ایک کے لیے متمتع ہونے کے مواقع ان غلط تدبیروں سے پیدا کرنا۔ کہاں حیات انسانی کا یہ تنگ، پست وذلیل نظریہ اور کہاں یہ خیال کہ سب کچھ چونکہ وہی زندگی ہے جو آئندہ ... ہر ایک کو ملنے والی ہے۔ اس لیے ان چند لمحات والی زندگی کو کوئی اہمیت نہ دینی چاہیے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت بھی ہے۔ قرآنی آیت

انظر کیف فضلنا بعضهم علی بعض وللآخرة اکبر درجات واکبر تفضیلا (بنی اسرائیل)

دیکھو تو بعضوں کو بعضوں پر ہم نے کیسی برتری بخشی ہے، اور قطعاً آخرت میں مدارج اور باہم ایک کی برتری دوسرے پر زیادہ بڑے پیمانہ پر نمایاں ہوگی۔

کو جو براہ راست جو خدائی قانون یقین کرتا ہو کیا کسی حیثیت سے بھی وہ ان سے راضی ہو سکتا ہے جو پرندوں اور چرندوں پر قیاس کرکے مدارج ومراتب کے تفاوت کے اس سارے قصے کو ختم کر دینے پر تلے ہوئے ہوں جو پیدائشی اور کسبی کمالات وفضائل کے لازمی نتائج کی حیثیت سے بنی نوع انسانی میں پائے جاتے ہیں۔

پس صاف اور سیدھی بات حافظ ابن حزم کے مسلک کی رو سے یہی ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی اغنیاء اور سرمایہ داروں کے مال میں غرباء کا حق ہے اور اس حق کا دامن اس حد تک وسیع ہے کہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں میں صرف ہو جانے کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس بچ رہا ہو، وہ غرباء کی ضرورتوں کے لیے لیا جا سکتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے صحابہ کے اس خیال کا کہ زائد از ضرورت مال میں ہم سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن بلا ضرورت محض اس خیال کو پورا کرنے کے لیے کہ سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے، اس لیے ... کو نسل انسانی کے ہر ہر فرد کو غریب بنا دیا جائے، قطعاً یہ اسلامی مسلک نہیں ہو سکتا۔

(۱) حافظ ابن حزم نے ... [illegible]

اغنیاء اور سرمایہ داروں سے غرباء کے اس حق کو حاصل کرنا حکومت کے فرائض میں ہے۔ انکے اپنے الفاظ یہ تھے

اور مجبور کریگا سلطان (حکومت) لوگوں کو	ویجبر السلطان علی ذلک

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہتے ہوئے تو کوئی چیز انکی طرف سے نہیں پیش کی گئی ہے، مگر اس سے انکے دعوے کی تائید ہوتی ہے لیکن جو مواد اس ذیل میں اُنھوں نے جمع کر دیا ہے، آسانی اسکی روشنی میں یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مسلمانوں میں پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم وقت اور بادشاہ کی بھی تھی۔ لیکن جنگ کے موقع پر آپ کا یہ فرمانا کہ زائد سواری اور زاد رکھنے والے ان لوگوں کو اپنی یہ زائد چیزیں دیدیں جنکے پاس وہ نہیں ہیں، یا حضرت عمرؓ کا قول قحط کے متعلق جو گزرا یعنی میں مالداروں کے ساتھ قحط کے زمانہ میں یہ کرتا کہ جتنے آدمی گھر میں ہیں اسی قدر آدمی ان میں اور اضافہ کردیتا۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ اس حدیث کا بھی ذکر کرتے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔	قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعام الواحد یکفی للاثنین اِلخ

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کا مطلب یہ قرار دیا تھا کہ حکومت اگر کبھی ضرورت محسوس کرے تو طعام الواحد یکفی للاثنین (ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہو سکتا ہے) کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر غرباء کی امداد کر سکتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کے امیر عسکر ہونے کی حیثیت سے یہ حکم دینا کہ ہر سپاہی اپنے زادراہ کو ایک جگہ جمع کردے اور جمع کرنے کے بعد امارت کے اسی اقتدار سے کام لیتے ہوئے فوجیوں میں اس جمع شدہ سرمایہ کو علی السویہ تقسیم کرنا؛ ان تمام باتوں سے یقیناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت اسلامی بادشاہوں کا یہ فرض ہے کہ غرباء کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل امراء کے بچے ہوئے پس ماندہ سرمایہ سے کریں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مشہور حدیث

لیا جائے ان کے امیروں سے اور بانٹ دیا جائے اُن کے غریبوں میں۔	تؤخذ من اغنیائھم وتقسم علی فقرائھم

کے اجمال کی یہ تشریحی صورتیں ہیں۔

حافظ ابن حزم نے اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو ائمہ کا وہ مشہور جزئیہ بھی یاد دلایا ہے، یعنی پیاس سے اگر کوئی مر رہا ہو تو جہاں کہیں سے پانی مل سکتا ہو اسے حاصل کرنا چاہیے۔ پانی والوں سے اگر اس سلسلہ میں لڑائی کی ضرورت ہو، تو لڑنا بھی چاہیے۔

حافظ نے اس جزئیہ کو نقل کرنے کے بعد پوچھا ہے

پیاس کی وجہ سے موت کا اگر اندیشہ ہو اس وقت لڑکر پانی لینے کو جو جائز ٹھہرایا گیا ہے، اور بھوک یا عریانی کی وجہ سے اگر موت کا اندیشہ ہو تو لڑائی اور قتال کو جن لوگوں کو منع کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں میں فرق کیا ہے!	فای فرق بین ما اباحوا له من القتال علی ما یدفع به عن نفسه الموت من العطش وبین ما منعوه منه من القتال عن نفسه فیما یدفع به عنها الموت من الجوع والعری (ص۱۵۹)

(باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ماہ ستمبر میں تمام ہوئی ہے۔ براہ عنایت چندہ جلد روانہ کر دیا جائے۔ ورنہ ۱۱۔ اگست ۴۵ء سے وی پی روانہ ہونگے۔ وی پی میں ۵ر فی وی پی زائد خرچ ہوتا ہے۔

خریدار نمبر ۲۰۱، نمبر ۲۳۰، نمبر ۲۳۵، نمبر ۲۲۹،
نمبر ۳۶۸، نمبر ۴۶۶، نمبر ۴۷۵، نمبر ۶۳۲،
نمبر ۶۵۴، نمبر ۶۶۳، نمبر ۶۷۴، نمبر ۷۱۷،
نمبر ۹۳۵، نمبر ۹۳۹، نمبر ۹۴۰، نمبر ۹۴۱،
نمبر ۹۴۶، نمبر ۹۴۷، نمبر ۹۷۴، نمبر ۹۸۰،
نمبر ۱۰۲۴، نمبر ۱۰۸۶، نمبر ۱۰۹۰، نمبر ۱۰۹۲،
نمبر ۱۱۰۴، نمبر ۱۱۴۳، نمبر ۱۱۸۲، نمبر ۱۱۸۷،
نمبر ۱۱۹۰، نمبر ۱۲۰۷، نمبر ۱۲۲۴، نمبر ۱۳۰۲،
نمبر ۱۳۰۶، نمبر ۱۳۰۹، نمبر ۱۳۱۰، نمبر ۱۳۱۲،
نمبر ۱۳۱۳، نمبر ۱۳۱۷، نمبر ۱۳۱۸، نمبر ۱۳۱۹،
نمبر ۱۳۲۱، نمبر ۱۳۲۲، نمبر ۱۳۲۴، نمبر ۱۳۲۵،
نمبر ۱۳۱۸، نمبر ۱۳۲۹، نمبر ۱۳۳۰، نمبر ۱۴۳۷،
نمبر ۱۴۳۹، نمبر ۱۴۴۰، نمبر ۱۴۴۲، نمبر ۱۴۴۳،
نمبر ۱۴۴۸، نمبر ۱۴۴۹، نمبر ۱۴۵۰، نمبر ۱۴۵۱،
نمبر ۱۴۵۲، نمبر ۱۴۵۵، نمبر ۱۴۵۶، نمبر ۱۴۵۷،
نمبر ۱۴۵۸، نمبر ۱۴۵۹، نمبر ۱۴۶۰، نمبر ۱۴۶۱،
نمبر ۱۴۶۲، نمبر ۱۴۶۳، نمبر ۱۴۶۵، نمبر ۱۴۶۹،
نمبر ۱۴۷۰، نمبر ۱۵۰۱

خادم - مہتمم صدق - لکھنو

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ..
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۱۳۲	یوم سہ شنبہ۔ ۱۹۔ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸۔ اگست ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام رضی اللہ عنہ از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد تا بہ فتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند آنکہ رویت بودہ بود و یکسال مستغرق آں بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارہ من فرستاد برحمت خلاصی ارزانی داشت۔

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے گیارہ سال تک نکاح کی مصیبت سے محفوظ رکھا۔ اسکے بعد تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ میں آزمائش میں پڑ گیا اور دل و جان سے ایک حسن نادیدہ پر گرویدہ ہو جاؤں، چنانچہ ایک سال میں اس کیفیت میں غرق رہا اور قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو کر رہے کہ حق تعالیٰ نے عین وقت پر اپنے لطف و فضل سے میری دستگیری کی اور اپنی رحمت سے مجھے اس سے خلاصی عطا کی۔ (کشف المحجوب، ص ۲۸۵ لاہور۔)

یہ حال کون اور کہاں بیان کر رہا ہے؟ بیان کرنے والے ہندوستان کے بہت قدیم اور مشہور و معروف بزرگ و مقتدائے طریقت، پانچویں صدی ہجری کے شیخ الشیوخ شیخ علی الہجویری الغزنوی (عرف عام میں داتا گنج بخش لاہوری) ہیں۔ تصوف کی اپنی مستند و مشہور عالم کتاب کشف المحجوب میں جابجا اپنی آپ بیتی بھی اپنے نام کی تصریح کے ساتھ لکھتے گئے ہیں، اور انھیں مقامات میں سے ایک مقام کا اقتباس یہ درج ہوا۔

کیا صوفیا و عالی مقام و بزرگان کرام بھی کسی انسانی حسن نادیدہ کی محبت میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ انکا ظاہر و باطن بھی کسی انسان کے خیال میں غرق ہو سکتا، اور سال سال بھر تک مستغرق رہ سکتا ہے؟ اولیاء اللہ بھی دین کو تباہ کر دینے والی معصیت کے قریب پہنچ سکتے ہیں؟ —— یا یہ ہے کہ خدانخواستہ مشائخ طریقت اپنے متعلق صریح غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں؟

وہ خوش عقیدہ گروہ ایسے کلمات کو سن رہا ہے؟ جسکے نزدیک بزرگی مقبولیت اور ولایت کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان بشریت کی حد سے گزر جائے، اور اگر ملائکہ کی طرح نہیں تو انبیاء کرام کے درجہ میں تو ضرور معصوم ہو جائے؟ اور گناہ کیا معنی، گناہ کا خیال بھی اسکے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور خیال معصیت کا بھی کوئی ادنیٰ مرتبہ فضائل سے فروتر اس سے سرزد نہ ہونے پائے!

انسان بہرحال انسان ہے، اور بشر بہرحال بشر۔ ابوالبشر کی سنت ہی اس سے لغزشیں (کم و بیش کا سوال الگ ہے) صادر ہوتے رہنا اسکے کمال اور بزرگی کے ذرہ بھر بھی منافی نہیں۔ اَنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کی مناجات آدم کی حرز ساری نسل آدم کے لیے ہے —— نَفْعَلُ وَنَسْتَغْفِرُ ہم کیے بھی رہتے ہیں اور استغفار بھی کرتے رہتے ہیں، قول تاج شریعت امام مالکؒ کا ہے۔

اشخاص اور مسائل

بی اے ایک گریجویٹ کا مکتوب:-

"حال میں مکاتیب مہدی نظر سے گزری۔ خطوط بنام سید سلیمان ندوی

ذیل نقاد ہی کے متعلق ایک روشن خیال ادیب کے خیالات کا عکس دیکھیے:
حضرت یہ تو بتائیے کہ آخر یہ مولانا محمد علی، شبلی، اور ابوالکلام آزاد باوجود اپنے تقدس کے اس مسئلہ خاص میں اختلافات کیوں رکھتے ہیں؟ ایسے ہی حضرات کے متعلق ہونے نے مسئلہ مذکور کو اتنا زندہ بنا دیا ہے اور سچ پوچھیے تو اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی انکی رائے کا احترام اس حد تک کرتے ہیں کہ شاید یہ — اور بات بھی تنہا یہی ہے کہ یہ لوگ بڑے دین اور عالم دنیا ہیں مگر العلمی پیچیدگی سے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا دلائل ہیں جنکی رو سے یہ حضرات تصویر کشی کو جائز قرار دیتے ہیں؟

مہدی حسن مرحوم کا محض ادبی آدمی ہونا اور مذہب سے مس نہ رکھنا ظاہر ہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ مولانا سید سلیمان صاحب اپنی پہلی تحقیق سے رجوع کر چکے ہیں۔ رہے مولانا محمد علی، تو انکا عظمت شناس اور انکا عاشق راقم سطور سے بڑھ کر اور کون ہوگا، لیکن ہر مرتبہ نہ ہر بار ہے۔ امت کے ہر خادم اور امت کے ہر رہنما کے لیے یہ تو ضروری نہیں کہ وہ جزئیات فقہ کا بھی ماہر ہو۔ محمد علی جیسے افراد ہی کی طرح بہت بڑے خادم ملت گزرے ہیں، لیکن فن تجوید کے مسائل یعنی قرآن کے لہجہ اور مخارج حروف کو اگر ان سے سیکھا جاتا تو یہ کتنی بڑی غلطی ہوتی! احکام فقہی کی بحث میں ان حضرات کا نام لانا بالکل ہی بے محل ہے۔ اور اس سے اتر کر یہی حال مولانا شبلی اور مولانا ابوالکلام کا ہے، اپنے اپنے فن کے ماہر ہیں، لیکن یہ فن انکا نہیں۔ —— بالغرض واقعتاً محض شخصیتوں کے نام سے فائدہ اٹھانا اسکا نام رجال پرستی ہے، حق جوئی نہیں۔

اور پھر سند میں ان حضرات کی تحریریں اور نمونے پیش کرنا چاہئیں نہ کہ محض عمل۔ مجرد عمل تو کسی بڑے سے بڑے مفتی اور فقیہ کا بھی حجت نہیں۔ —— اور مولانا ابوالکلام کا عمل بھی اس باب میں مضطرب ہے۔ الہلال جب دوبارہ نکلا ہے تو وہ سرے سے اپنا رجوع تصویر کشی سے شائع کر چکے ہیں۔

اور اگر یہی طریق ... اختیار کیا گیا تو پھر شاید بڑی سے بڑی بدعت بھی ایسی نہ ہوگی جسکی تائید بڑے بڑے عالموں، بزرگوں، سجادہ نشینوں کے نام یا بزرگ افراد امت سے نہ پیش کیے جا سکیں۔ تصویر کشی کا معاملہ تو کہیں بڑھکر ہے۔ مرتب اور محرم ... سب نے ... سجادہ نشینوں، مشاہیر کے نام انکی تائید میں پیش کیے جا سکینگے۔

درسِ تہذیب

لیمن انسٹیٹیوٹ (لندن، دہلی وغیرہ) ایک مشہور زبان آموز ادارہ ہے۔ جرمن آموزی کی درجۂ اعلیٰ، حصہ دوم (صفحہ ۵۳) میں جہاں اُستاد اور شاگردوں کی باہمی گفتگو درج ہے، وہاں کے ایک مقام کا ترجمہ ہے:

اُستاد: — رابرٹ اپنی بہنوں سے پوچھو کہ زیادہ تمہارے ساتھ رقص کرینگی، جب تم چاہو۔

رابرٹ (ہیلن اور لوبسا سے) تم میرے ساتھ ناچوگی جب میں چاہوں؟

ہیلن۔ ہم تو ضرور تمہارے ساتھ ناچتے، اور ناچ کر خوش ہوتے، لیکن تم خود ہی ہمارے ساتھ رقص نہ کروگے۔

رابرٹ۔ میں ضرور تمہارے ساتھ ناچونگا جب مجھے ناچ آ جائیگا، لیکن یہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ مجھے ناچ میں مہارت ہی نہیں"

کتاب رقص و سرود پر نہیں "فنونِ لطیفہ" میں سے کسی فن پر نہیں، صرف زبان پر ہے، زبان سکھانے کے لیے ہے، اور طلبا و طالبات کے لیے ہے۔ اس پر بھی درمیان میں کس بے تکلفی سے ذکر ناچ کا آگیا ہے، اور وہ بھی بچپن کے سن سے گزرے ہوئے سگے بھائی بہنوں کے درمیان! جیسے کھانے پینے پڑھنے لکھنے کا ذکر ہے۔ کسی مسلمان گھرانے میں اسکا تصور بھی آیا جا سکتا ہے؟

جس قوم کا جو تمدن ہوتا ہے، اسکے اجزا و عناصر کو قدرۃً وہ بچپن ہی سے اپنے افراد کے دل و دماغ پر جما دینا چاہتی ہے، اور اسکا لحاظ درسی کتابوں تک میں رکھ لیتی ہے۔ اور یہیں سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کا سب سے پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ اپنی تعلیم اپنے ہاتھ میں لیں، جامعہ ملیہ اپنی تعلیمی درسگاہیں خالص کرکے رہیں۔ ادر علیگڈھ اور جامعہ اور ندوہ اور دیوبند سب کہیں کا عربی، اردو، انگریزی نصاب ایسا رکھیں کہ اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب و تمدن کے سبق بچپن ہی سے ہر موضوع اور ہر فن کے ذریعہ سے ملنے لگیں، حساب، جغرافیہ، ادب، تاریخ، فلسفہ، سائنس سب کا رنگ اول سے آخر تک نیچے سے اوپر تک اسلامی ہی میں رنگا جانا چاہیے۔

یہی مکالمہ مثلاً اگر اسلامی ہاتھوں سے زبان کے کسی نصاب درس میں درج ہوتا تو یوں ہوتا:

استاد۔ (شاگردوں سے) غیروں کی جو ظاہر خوشنما اور حقیقۃً اخلاق سوز و خلاف تمدن رسموں سے ہمیں خاص طور پر بچنے کی ضرورت ہے وہ تمہارے خیال میں کیا ہیں؟

پہلا شاگرد۔ حضرت سب سے بڑھکر تو ان لوگوں کی بے حیائی اور بے غیرتی ہے، معاذ اللہ کسی ... حجاب جانتے ہی نہیں۔

دوسرا شاگرد۔ اور ... مرد مل کر ناچتے تک ہیں۔ توبہ توبہ۔ کیا تہذیب ہے!

تیسرا شاگرد۔ مرد و عورت سب ... سگے بھائی بہن الگ، دوسرے سے لپٹ کر اور اکثر شرابیں پی پی کر رات رات بھر ناچتے ہیں! یہ آدمی ہیں یا جانور!"

قیامت کے امکانات

"لندن۔ ۲۱ اگست۔ مشہور مصنف، جارج برنارڈ شا کا مراسلہ آج ٹائمس میں نکلا ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ "ایٹم" (جوہر فرد) سے جو ہم نے کھیل کرنا شروع کیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ریمی قوت ایک دن پھٹ کر دنیا کی فضا کو تاروں کی خاک کے ابر سے بھر دے، اور ساری دنیا کے لوگ اسی آگ سے

(باقی صفحہ ۸)

سورۂ بقر - رکوع ۲۳

سلسلۂ تصدق ۲۹

وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروهن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوہا	اور کھاؤ پیو اس وقت تک کہ تم پر صبح کا سفید خط سیاہ خط سے نمایاں ہو جائے۔ پھر روزہ کو رات ہونے تک پورا کرو۔ اور بیویوں سے اس حال میں صحبت نہ کرو جب تم اعتکاف لیے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے کے قریب بھی نہ جاؤ۔

یعنی طلوع صبح صادق تک کھانے پینے اور صحبت کرنے کی اجازت ہے۔

خیط الابیض - خیط الاسود - فجر کی سفید دھاری کا سیاہ دھاری سے ممتاز ہو جانا کنایہ ہے تاریکی شب کے دور ہونے اور سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے یعنی طلوع فجر سے۔

اسے بیاض النہار من سواد اللیل (راغب) یعنی بیاض النہار من سواد اللیل (معالم) خود شارع اسلام علیہ السلام سے بھی تفسیر مروی ہے۔ ہو سواد اللیل و بیاض النہار (بخاری)

خطوط سے یوں بھی کنایہ رنگ سے ہوتا ہے - اور یہاں رنگین خیط سے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ شروع میں وہ دھاریاں سی نظر آتی ہیں

خیط فی کلامہم عبارۃ عن اللون (قرطبی) الخیط الابیض ہو اول ما یبدو من الفجر (کشاف) سمیا خیطین لان کل واحد منہما یبدو فی الابتداء ممتدا کالخیط (معالم)

احادیث میں بڑی تاکید کے ساتھ ترغیب دلائی گئی ہے کہ روزہ دار کی رات بھی حتی الامکان ذکر و عبادت میں بسر ہونی چاہیے چنانچہ از بعد حضرت نے اپنے بال جو نماز تراویح پر اتنا زور دیا ہے، وہ بھی اسی منشاء نبوی کی تعمیل ہے۔

مشقت و راحت، تعب و لذت کی جو خوشگوار اور حکیمانہ آمیزش شریعت اسلامی کی ساری عبادتوں میں ہے، اسکا ایک نمایاں نمونہ یہ رمضان کے روزے ہیں - دن بھر صبر و ضبط کی مشق، کھانے پینے کا انتظار - جس سے کھانے پینے کا لطف اور بڑھ کر رہتا ہے۔ شام کے وقت فرحت و تفریح - پھر شام سے لیکر صبح صادق تک عبادتوں اور لذتوں کا ایک مجموعہ متسلسل - یہ اسلام ہی کے خصوصیات میں سے ہے۔

من الفجر - فجر شرعی سے مراد صبح کاذب نہیں، جب کچھ دیر کے لیے اُجالا شمال و جنوب میں معلوم ہونے لگتا ہے، بلکہ وہ نور کا تڑکا مراد ہے، جو صبح کاذب کے کچھ دیر بعد ہوتا ہے اور روشنی شرقاً غرباً پھیلنے لگتی ہے

قال الجمہور انہ الفجر المعترض فی الافق یمنۃ ویسرۃ - وبہذا جاءت الاخبار ومضت علیہ الامصار (قرطبی)

حدیث میں سحری میں تاخیر ہونے کی بڑی فضیلت آئی ہے - صحیح مسلم میں ہے سمرۃ بن جندب صحابی کی روایت درج ہے رسول اللہ صلعم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ بلال کی جو اذان کہ ہوشیار کرنے کے لیے ہوتی ہے سحری سے روکنے والی نہیں، اور نہ اُفق کی وہ روشنی ... یا محض شمالاً جنوباً ہے ... سحر کو ختم کر دو، بلکہ روشنی کے پھیل جانے کو یعنی وہی شرقی غربی سپیدہ کو معتبر جانو۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغرنکم اذان بلال ولا ہذا البیاض لعمود الصبح حتی یستطیر (کتاب الصیام، باب فضل السحور)

وعن الاسود قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعنکم اذان بلال من سحورکم فانہ یؤذن بلیل لیرجع قائمکم ویوقظ نائمکم (ابن العربی)

بلکہ نسائی کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور حضرات صحابہ بالکل صبح ہو جانے تک سحری سے مشغول فرماتے رہتے - بس اسکا لحاظ رہتا کہیں آفتاب ہی نہ نکل آئے۔

عن زید قال قلنا لحذیفۃ ای ساعۃ تسحرت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ہو النہار الا ان الشمس لم تطلع (کتاب الصیام باب تاخیر السحور)	زید سے کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حذیفہ صحابی سے دریافت کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلعم کے ہمراہ کس وقت تک سحری کھائی ہے؟ وہ بولے کہ صبح تک - بس اتنی کسر رہ گئی تھی کہ آفتاب طلوع نہیں ہو گیا تھا۔

دوسری روایتیں بھی ایسی ہیں تاخیر سحور کی تائید میں آتی ہیں۔

ایک گروہ ادھر گیا ہے کہ سحری اُس وقت تک درست ہے جب تک راستے اور مکانوں میں صبح کی روشنی نہ پھیل جائے۔

وقالت طائفۃ ذلک بعد طلوع الفجر وتبینہ فی الطرق والبیوت (قرطبی)

اور حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابیوں اور متعدد تابعین سے یہ منقول ہے کہ کھانے پینے سے احتیاط اُس وقت سے واجب ہے جب صبح راستوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ظاہر ہو جائے۔

ان الامساک یجب بتبین الفجر فی الطرق وعلی رؤس الجبال (قرطبی)

حالت جنابت میں اگر صبح ہو گئی اور ہنوز غسل کی نوبت نہیں آئی، تو روزہ بلا اختلاف جائز ہو گا۔

وفی تجویز المباشرۃ الی الصبح دلالۃ علی جواز تاخیر الغسل الیہ وصحۃ صوم من اصبح جنبا (ابو سعود)

والجمہور من العلماء علی صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وہو جنب (قرطبی)

نئی کتابیں

(۱) **قرآن مجید کی دوسری کتاب** - از مولوی عبد السلام صاحب قدوائی ندوی - ضخامت ۱۷۲ صفحے - مجلد - قیمت ۱۲ر پتہ: ادارہ تعلیمات اسلام - مقبرہ امین الدولہ پارک - لکھنؤ

سلسلہ کی پہلی کتاب اور اس سے بھی قبل کی تمہیدی کتاب جسے ان مفید قرآنی ریڈروں کی پر الفرکہنا چاہیے، یعنی عربی کے دس سبق ان دونوں پر ہمارے ان صفحات میں ریویو ہو چکے ہیں۔

کتاب یہ فرض کرکے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا سلسلہ کی پہلی دونوں کتابیں پڑھ چکا ہے، پارۂ اول کی منزل سے گزر چکا ہے، اور اب پارۂ دوم پڑھنے بیٹھا ہے۔ کتاب کے سولہ سبق ہیں۔ ہر سبق میں پارۂ سیقول کا ایک ایک رکوع آگیا ہے۔ رکوع کا ترجمہ نہیں، متن رکوع۔ اور اسکے بعد بعض مشکل الفاظ کے معنی دے کر، مشکل ترکیبوں کو سمجھا کر، اور رکوع کا ترجمہ متعلم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قواعد نحوی کی بابت مصنف کی کوشش ہے کہ مشق سے اور مثالوں کی کثرت سے از خود ذہن نشین ہوتے جائیں۔ — سارے قرآن مجید کو یوں پڑھا دینا اور سمجھا دینا آسان نہیں جوں جوں کام آگے بڑھتا جاتا ہے، قدرۃً متعلم کے لیے مشکلات بھی بڑھتی جاتی ہیں، اور انتشار دماغی پیش سے بیشتر ہوتا جاتا ہے۔ نئی زبان، اور پھر عربی جیسی باقاعدہ زبان کے اس بار کو سنبھالنا ابتدائی کے بس کی بات نہیں۔ اور مصنف جیسے فاضل منتہی کے لیے یہ ممکن بھی نہیں، کہ وہ اپنے کو متعلم کی نفسیاتی سطح پر اُتار لائیں۔

عربی زبان، خصوصاً قرآن مجید کو اب تک جتنا زیادہ دشوار سمجھا جاتا رہا ہے، اندیشہ ہے کہ اس افراط کا ردعمل اب تفریط کی صورت میں ہونے لگا ہے، اور اسے ایک ہلکا اور سہل سا کام سمجھا جانے لگا ہے، کہ طالب علم اگر اپنے دوسرے مشاغل زندگی کے ساتھ دن بھر گھنٹہ بھر بھی اسکے لیے نکال لے تو چند مہینوں کی مدت بالکل کافی ہو جائیگی — یہ حسن ظن تمامتر مبالغہ آمیز اور شاعرانہ ہے گو اس منزل کی طرف کوشش کا ہر قدم اجر اور حوصلہ افزائی ہی کا مستحق ہے۔

تشریح کے نام سے جو کچھ درج ہے، وہ انگریزی فوائد کے لیے ایک اچھی خاصی دلچسپ و کارآمد تفسیر ہے۔ گویا یہ ہے کہ کسی تفسیر پر بھی متفق علیہ کا اطلاق دشوار ہی ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ ہر سبق میں دوسری کتابوں کی عبارتیں بھی ترجمہ کے لیے درج ہیں۔ تفسیر بخاری و مسلم کی حدیثوں تک تو غنیمت تھا۔ (بشرطیکہ اُنکی عبارتیں آیات متعلقہ کی تفسیر و تشریح تک محدود تھیں) لیکن قرآن مجید سکھانے والی کتاب میں مستطرف یا سیرۃ عمر بن عبد العزیز وغیرہ ادب و تاریخ کی کتابوں سے اقتباسات دینا تو بڑی ستم ظریفی ہے۔ اسی طرح جو اور عبارتیں عربی ترجمہ کے لیے درج ہیں، اُن میں نارنگی، چنا، کشمش، پستہ، دہی، نارنگی، امرود، باز، شکرہ، چیتا، ہرن، بارہ سنگھا، اخروٹ، بادام، وغیرہ کے الفاظ لانا یا قواعد کے ذیل میں اس طرح کے معلومات درج کرنا کہ پہلے عربی میں ایک لاکھ کے عدد کے لیے مأۃ الف لاتے تھے، اور اب آجکل ملیون (۱۰ لاکھ) اور اسکی جمع ملایین سے کام لیتے ہیں" (ص۱۶۱) قرآن مجید کی تعلیم کے سلسلہ میں غیر مفید ہی نہیں، صریح مضر ہیں۔ اور پھر اردو کی عام مشق ایسی ایسی باتیں عربی ترجمہ کیلئے اس قرآن آموز کتاب میں بالکل ہی بے محل ہیں۔ یہ قرآن فہمی میں ذرہ بھر بھی معین نہیں۔ قرآن مجید پورے کا پورا بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے، بغیر اسکے کہ اردو سے عربی ترجمہ کی ذرا بھی مشق ہو۔ ضرورت کے مطابق عربی لکھنے اور بولنے کی صلاحیت (ص۳) پیدا کرانے کا خیال اپنی جگہ پر بہت اچھا سہی، لیکن اسکے لیے قرآن مجید کی نہیں، بلکہ "عربی زبان" کی پہلی اور دوسری ریڈروں کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔

(۲) **تاریخ جرم و سزا** - جلد دوم - از جناب امداد صابری صاحب - ۳۰۱ صفحے - مجلد مع گرد پوش - قیمت ۳ر، پتہ:- رائل ایجوکیشنل بک ڈپو - اردو بازار - دہلی۔

کتاب کی صرف جلد دوم تبصرہ کے لیے موصول ہوئی ہے۔ اغلب ہے کہ جلد اول کے ساتھ کوئی دیباچہ یا مقدمہ بھی ہو، اور اسی میں کتاب کے مقاصد، ترتیب بیان وغیرہ کا ذکر ہو۔ موجودہ جلد گرد پوش کی تصریح کے مطابق "اسلامی دور" پر ہے۔ یہ تصریح صحیح نہیں، حقیقۃً کتاب بعض قدیم قوموں اور عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے قوانین و تعزیرات سے متعلق ہے۔

کتاب دلچسپ و پُر معلومات ہے۔ تحتانی عنوانات بکثرت ہیں اور بعض بالکل اخباری انداز کے ہیں، لیکن تحقیق کا معیار ہر جگہ یکساں نہیں۔ اور بعض غلطیاں تو ایسی ہیں کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہ جاتی ہے (۱)۔ مثلاً توریت کا حوالہ دیتے وقت بجائے توریت کے بار بار "زبور" کا نام لینا۔

"زبور سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب عام طور سے ہر شخص پیتا تھا" (ص۱۱) "زبور کے نزدیک حضرت نوح بھی شراب پینے والوں میں سے تھے" (ص۲۳) "اس قتل کا تذکرہ زبور میں بھی ہے" (ص۲۱) زبور میں سدوم کی لواطت کا حسب ذیل واقعہ درج ہے" (ص۲۹) "زبور جیسا مقدس صحیفہ ہے، اُس میں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے" (ص۳۳) زبور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں زانیہ عورت کی سزا زندہ جلانا تھی" (ص۳۲) "زبور میں ہے" (ص۳۲) "چنانچہ زبور میں اسکے متعلق یہ واقعہ درج ہے" (ص۱۱) "شراب پینے کی زبور میں ممانعت کی ہے" (ص۹۵) "چنانچہ زبور میں اسکی تفصیل یہ ہے" (ص۹۹)

حالانکہ ان میں سے ایک مقام پر بھی اقتباس زبور کا نہیں، بلکہ ہر جگہ توریت ہی کا ہے۔ اگر اسے کتابت کی غلطی فرض کر لیا جائے،

(بقیہ ...)

ایک اسلامی معاشی نظریہ

حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(نمبر ۶)

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

واللہ اعلم ابن حزم کے اس سوال کا رُخ کن لوگوں کی طرف ہے، ورنہ ہمارے حنفی مذہب کے علماء نے تو پیاس اور بھوک وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ ابوبکر الجصاص اپنی تفسیر میں اسی مسئلہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں

من قد اجهده الجوع حتى يخاف عليه التلف فيلزمه ان يطعمه ما يسد جوعته (جصاص ج ۱ ص ۱۵۹)

بھوک سے جو اس درجہ مغلوب ہو کہ اپنے ہلاک ہو جانے کا خوف اُسے پیدا ہو جائے تو واجب ہو جاتا ہے کہ بھوک کا ازالہ جس سے ہو وہ اُسے دیا جائے۔

بہرحال ابن حزم نے اس مسئلہ کا ازالہ کے قریب قریب دوسرا مسئلہ جو ہے کہ مُردار یا شراب وغیرہ کے استعمال کی اجازت بقدرِ اضطرار اُس وقت تک کسی مسلمان کو نہیں مل سکتی جب تک کہ بقدرِ ضرورت کھانا کسی سے وہ حاصل کر سکتا ہو، حکم دیا گیا ہے کہ اگر بقدرِ ضرورت کھانا رکھنے والا دینے سے انکار کرے تو اُس سے جنگ کر کے اس کھانے کو حاصل کرنا چاہیے، ابن حزم نے لکھا ہے کہ

فان قتل فعلى قاتله القود وان قتل المانع فالى لعنة الله لانه منع حقا

اب اگر ضرورت مند اس لڑائی میں قتل ہو جائے تو قتل کرنے والے سے قصاص لیا جائیگا اور اگر ضرورت کی چیز سے انکار کرنے والا مارا جائے تو اُسکا ٹھکانا خدا کی لعنت ہے۔

اور اب اسی مسئلہ پر قیاس کر کے اُنھوں نے آخر میں اپنا یہ فیصلہ درج کیا ہے کہ غرباء کے حقوق خواہ زائد از زکوٰۃ ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر اغنیاء اور سرمایہ دار ان کے ادا کرنے سے گریز کر رہے ہوں۔ تو اُنکا فتویٰ ہے کہ

هو طائفة باغية

امراء اور سرمایہ داروں کا یہ طبقہ باغی قرار پائے گا۔

اور "طائفہ باغیہ" قرار دینے کے بعد حافظ نے قرآن کی آیت

فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله۔

یعنی مسلمانوں کا ایک طبقہ اگر دوسرے طبقے کے مقابلہ میں بغاوت کی راہ اختیار کرے تو بغاوت اختیار کرنے والوں سے لڑو۔ یہاں تک کہ بات خدا کے حکم تک واپس لوٹ جائے۔

کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے

ومانع الحق باغ على اخيه الذي له الحق وبهذا قاتل ابو الصديق رضی اللہ تعالی عنہ مانع الزکوٰۃ (ص ۱۵۹)

حق کا انکار کرنے والا اور اسکو روکنے والا باغی ہے یعنی اپنے اُس بھائی کے خلاف اُس نے بغاوت اختیار کی ہے جسکا اس پر حق ہے۔ زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے صدیقِ اکبر نے اسی لیے تو جنگ کی۔

جسکا حاصل یہی ہوا کہ زکوٰۃ کے بعد بھی غرباء کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے سرمایہ داروں کی زائد از ضرورت بچی ہوئی دولت سے اس حد تک لینے کی اجازت حافظ ابن حزم کے مسلک کی رو سے اسلام دیتا ہے، کہ ایک پیسہ بھی اس زائد از ضرورت دولت کا امراء کے پاس اگر باقی نہ رہے، تو اسکی پروا نہ کی جائیگی۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ غرباء کے حقوق امراء سے بزور حاصل کر کے غرباء تک پہونچائے۔ اور اس راہ میں جنگ و قتال کی بھی ضرورت پیش آ جائے تو مسلمانوں اور اسلامی حکومت کو اس سے اعراض نہ کرنا چاہیے، بلکہ غرباء کے حقوق سے گریز کرنے والوں کو باغی قرار دے کر قرآن کے حکم قرآنی خطاب کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خدا کے حکم کی طرف بات لوٹ نہ جائے۔

یہ تھا خلاصہ اُس مسلک کا جو حافظ ابن حزم نے اسلام کے معاشی نظریہ کی تشریح میں اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب میں مجھے پیش کرنا مقصود تھا۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اذا جوزنا له الوطء قبل الفجر ففي ذلك دليل على جواز طلوع الفجر عليه وهو جنب وذلك جائز اجماعا (ابن العربي)

الى الليل اى الى دخول الليل (ابن عباسؓ) فجعل الليل غاية الصيام ولم تدخل فيه (جصاص) فانه تعالى ذكره حد الصوم بان آخره وقت اقبال الليل (ابن جرير) كلمة الى لانتهاء الغاية فقط فههنا يقال ان الصوم ينتهي عند دخول الليل (كبير) الليل ليس من جنس النهار فيكون الليل خارجا من جنس النهار (كبير)

الليل - اور خود لیل کا اطلاق عربی میں دن کے خاتمہ یعنی غروب آفتاب پر ہو جاتا ہے۔ اور اعتبار صرف زوال آفتاب شمس کا کیا گیا ہے

الليل من مغرب الشمس الى طلوع الفجر الصادق (قاموس۔ تاج)

الليل عقيب النهار ومبدؤه من مغرب الشمس (لسان) اسلیے آیت کے معنی صاف یہ ہوئے کہ افطار عین غروب آفتاب کے ساتھ ہو جانا چاہیے۔

يقتضي الافطار عند غروب الشمس حكما شرعيا (ابن کثیر)

لاہوری مراسلہ نگار کا پتہ

صدق نمبر ۲۹ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ ص ۵ کی آخری سطر یہ ہونا تھی
ہارون الرشید۔ کلرک اکاؤنٹس برانچ این ڈبلیو ریلوے۔ لاہور

تصحیح صدق نمبر ۲۹ - صدق نمبر ۲۹ صفحہ اول۔ شذرہ دا اقتباسات موسومی میں شروع کے یہ الفاظ رہ گئے ہیں، "ایک صاحب علم بفضل کا سوال ہے

مُردوں کے انتفاع کا قرآنی قانون

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

قرآن ہی سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمن فی الارض یعنی زمین کے باشندوں کے لیے آسمانوں میں رہنے والے ملائکہ استغفار کرتے ہیں اور جو بیان والے ہیں انکے لیے تو مغفرت اور آمرزش کی درخواست بارگاہ الٰہی میں ملائکہ مقربین کا وہ طبقہ پیش کرتا رہتا ہے جو عرش الٰہی کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے ہے وہ بھی اور گرد پیش کے اسی طبقہ کے وہ فرشتے بھی جو عرش رحمن کے چاروں طرف پائے جاتے ہیں۔ آخر سورۂ شوریٰ کی آیت

والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم	اور ملائکہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اپنے رب کی
ویستغفرون لمن فی الارض	حمد کی اور مغفرت چاہتے ہیں انکی جو زمین میں ہیں

قرآن کی تلاوت کرنے والوں میں کس کی نظر سے نہیں گزری ہے۔

اسی طرح سورۂ مومن میں جو یہ ارشاد ہے کہ

الذین یحملون العرش ومن	جو اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور عرش کے
حولہ یسبحون بحمد ربھم ویومنون	ارد گرد جو فرشتے ہیں وہ برابر تسبیح و حمد کرتے
بہ ویستغفرون للذین آمنوا	رہتے ہیں اپنے رب کی اور ایمان لاتے

ہیں اللہ پر اور مغفرت چاہتے ہیں اُن لوگوں کی جو ایمان والے ہیں۔

کیا ان آیتوں کا صحیح مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے عمل اور فعل سے فائدہ پہونچنے کا قانون قرآنی قانون ہے۔ اور ملائکہ ہی کیا، قرآن ہی میں یہ بھی تو ہے کہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے اگر رسول کے پاس آئیں اور آکر خدا سے خود بھی مغفرت کے طالب ہوں اور رسول (علیہ السلام) بھی انکے لیے مغفرت کے خواہاں ہوں

لوجدوا اللہ توابا رحیما	تو پائیں گے وہ اللہ کو بہت بڑا توبہ قبول کرنے
(النساء)	والا اور بہت زیادہ مہربان۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآنی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے یعنی

یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا	کہتے ہیں کہ اے مالک ہمارے بخش دیجیے
الذین سبقونا بالایمان	آپ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو بھی

جنھوں نے ایمان لانے میں سبقت کی۔

تو کیا اسکا یہ کھلا ہوا نتیجہ نہیں ہے کہ ایک مومن کا عمل دوسرے مومن کے لیے بھی مفید ہو سکتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاں یہ قرآنی قانون ہے اسی کے ساتھ تو قرآن میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ پیغمبر کو خطاب کرکے یہ فرمایا گیا ہے کہ

سواء علیھم استغفرت لھم	انکے لیے برابر ہے خواہ تم انکی مغفرت چاہو
ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ	یا نہ چاہو اللہ تعالیٰ ہرگز انکی مغفرت
لھم (منافقون)	نہیں فرمائے گا۔

بلکہ سورۂ توبہ میں تو ان ہی لوگوں کا ذکر کرکے جنکے لیے مذکورہ بالا آیت میں پیغمبر کے اس عمل کے متعلق قطعاً غیر مفید ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہاں تک تصریح کر دی گئی ہے کہ

استغفر لھم اولا تستغفر لھم	مغفرت تم چاہو یا نہ چاہو اور اگر تم ستر
ان تستغفر لھم سبعین مرۃ	دفعہ انکی مغفرت چاہو گے تب بھی
فلن یغفر اللہ لھم	ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ انکو نہ بخشے گا۔

کون نہیں جانتا کہ پیغمبر کے عمل استغفار کے عدم افادہ کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان سے محروم تھے۔ خود اسی سورۂ توبہ کی مذکورۂ بالا آیت کے بعد عدم افادہ کی وجہ قرآن ہی نے ان ہی الفاظ میں بیان کر دی ہے۔ یعنی

ذلک بانھم کفروا باللہ	یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کا
ورسولہ	اور اسکے رسول کا

اور اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اسی سورہ میں ایک عام قانون کی حیثیت سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ

ما کان للنبی والذین آمنوا	نبی ہی کے لیے یہ درست ہے اور نہ
ان یستغفروا للمشرکین	ایمان والوں کے لیے کہ وہ مغفرت چاہیں
ولو کانوا اولی القربی	شرک کرنے والوں کی خواہ وہ قریب
من بعد ما تبین لھم انھم	کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (یعنی)
اصحاب الجحیم۔	اس بات کے بعد جب یہ کھل چکا ہے

مشرکین جہنم والوں میں ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ آدمی میں اپنے اعزہ اور اقربا کے گناہ بخشوانے اور ثواب پہونچانے کی جو عام خواہش ہوتی ہے، شرک کی حالت میں اس خواہش کی تکمیل سے لوگوں کو قرآن نے مایوس کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے اپنے مشرک باپ کے لیے استغفار کا جو عمل کیا تھا تو قرآن کو اسکی توجیہ میں یہ کہنا پڑا کہ صرف وعدہ کا وہ ایفا تھا۔ جسکا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آزر کو حضرت ابراہیم کے اس فعل سے نفع نہ پہونچیگا۔

نیز اس قصہ کی تفصیلات کو تو اپنی جگہ پر پڑھنا چاہیے۔ یہ اس موقع پر یہ کہنا ہے کہ غیر کے عمل سے استفادہ جب اس پر مبنی ہو کہ جسے فائدہ پہونچانے کا ارادہ کیا جائے وہ پہلے سے خود بھی ایمان اور توحید کی دولت سے سرفراز ہو ورنہ کفر و شرک کی حالت میں غیر کا عمل خواہ وہ پیغمبر ہی کا عمل کیوں نہ ہو مفید نہیں ہو سکتا۔ تو اسکا حاصل اسکے سوا اور کیا ہوا کہ در حقیقت ہر شخص کو جو کچھ بھی فائدہ پہونچتا ہے تو اپنی ایمانی جد و جہد اور توحیدی اعتقاد ہی کی بنیاد پر پہونچتا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کی مشہور آیت

لیس للانسان الا ما سعی	نہیں ہے آدمی کے لیے لیکن وہی جو
وان سعیہ سوف یری	اس نے سعی کی ہو اور اسکی سعی
(النجم)	بہت قریب ہے کہ دکھائی جائیگی۔

سے جو اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن کی رو سے غیر کے عمل سے کسی کو کسی قسم کا کسی حیثیت سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا

کس قدر عجیب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ قرآن کی اس آیت پر تو اُنکی نظر دوڑ جاتی ہے، لیکن ملائکہ و رسول بلکہ ایک مومن کے عمل سے دوسرے مومن کو فائدہ پہونچنے کا جن قرآنی آیتوں میں تذکرہ کیا گیا ہے ان سے چشم پوشی کیوں کی جاتی ہے۔ شاید انھیں قرآن کے اندر مختلف قانونوں میں تضاد یا تناقض نظر آتا ہے اس لیے اپنی غرض کے مطابق جو آیت ہاتھ آتی اُسے پیش کر دیتے ہیں اور جن آیتوں سے اُنکے مقصد پر زد پڑتی ہے اُن سے گویا انجان بن جاتے ہیں۔ حالانکہ میں نے جیسا کہ عرض کیا یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے۔

آخر جب غیر کے عمل سے اُنکا استفادہ اسوقت تک ممکن ہے جب تک کفر و شرک کرکے ایمان کی دولت اور شراب کو چھوڑ کر توحید کی روشنی نہ حاصل کی جائے تو یہ کہنا بھی قطعاً صحیح ہے کہ جسے جو کچھ بھی فائدہ پہونچا اپنی سعی اور اپنی کوشش سے پہونچا۔ اگر مرنے والے کی طرف سے ایمان و توحید کی سعی نہ ہوتی تو دوسروں کے کیا خود اپنے عمل کے منافع سے بھی آدمی کب مستفید ہو سکتا ہے

هل تجزون الا ما کنتم تعملون | بدلا دیے جاؤگے مگر اسکا جو تم نے عمل کیا ہو؟
کل امرء بما کسب رهین | ہر شخص اپنے کیے کے ہاتھوں گرو ہے

میں ان سب کا یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ عمل ہو یا خود اپنے اعمال سے استفادہ ہو سب خود اپنی ایمان اور توحید کی کوششوں پر مبنی ہے۔ بس جسے جو کچھ بھی فائدہ پہونچتا ہے درحقیقت اپنی سعی اور اپنے عمل ہی کا فائدہ پہونچتا ہے۔ منافقین اور کفار دوسروں کے عمل سے کیا، وہ تو خود اپنے اعمال کے فوائد سے بھی اگر محروم رہ جائیں گے تو اسی وجہ سے رہ جائیں گے کہ خدا کا رسول اُنکے پاس آیا، خدا کی کتاب آئی، لیکن اُنھوں نے نہ خدا کے رسول ہی کو پہچاننے کی کوشش کی اور نہ خدا کی کتاب کو سمجھنے کی سعی کی اس لیے کفر و شرک کی حالت میں مرگئے۔ دوسروں اپنے لیے ہو یا اعمال یا دوسرے اُن کے لیے اگر کچھ کریں، دونوں کے استفادہ کا دروازہ اُنھوں نے اپنے اوپر خود بند کر لیا۔

کیسی عجیب بات ہے مشہور و متواتر حدیث ہے

انما الاعمال بالنیات وانما | اعمال کی قیمت نیت کے ساتھ وابستہ ہے
لامرء ما نوی (بخاری وغیرہ) | اور ہر ایک شخص کے لیے وہی ہے جو

اُس نے نیت کی۔ گویا یہی تو بتایا گیا تھا کہ اپنے اعمال سے بھی فائدہ اُسی وقت پہونچ سکتا ہے جبکہ صحیح نیت سے اُسکا تعلق ہو بلکہ قرآنی آیت

ما کان الله لیضیع ایمانکم (البقرہ) | یقیناً اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان کو ضائع نہ کریں گے۔

کی جو تفسیر حدیثوں میں بیان کی گئی ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے والوں کے متعلق بعضوں کو شبہ ہوا کہ اُن نمازوں کا انجام کیا ہوگا۔ تو فرمایا کہ اصل چیز ایمان ہے۔ عمل نہ قیمت ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر تب اپنے عمل کی قیمت بھی اُنکا ساتھ وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے عمل سے استفادہ ایمان و توحید پر کیوں نہ موقوف ہوگا

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کے عمل سے فائدہ نہ پہونچنے کا آج جو ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، اگرچہ حقیقی محرک تو طبل نوازی کے اس نغمہ میں عصر حاضر کی مادی تنک ذہنیت ہے۔ یعنی انسانی زندگی کو آخرت سے مایوس بنا دینے کے بعد مذہب کو جن لوگوں نے بے قیمت قرار دے رکھا ہے، ور ایسوں کے لیے جنکی زندگی کے حدود شکم مادر سے لیکر شکم قبر تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اسکے سوا اور سوچا ہی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ان ہی لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مذہب کے عملی نظام سے دنیا میں امن و امان کا فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے اس لیے عمل کی حد تک فیاضی سے کام لیکر کہتے ہیں کہ مذہب کو اگر زندہ رکھا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ البتہ ایمان کی یہاں کوئی قیمت نہیں ہے۔ آدمی خواہ ایک خدا کا یا دس معبودوں کا قائل ہو، بلکہ سرے سے خدا کا منکر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اگر عمل اور سیرت میں وہ اچھا ہے، عام عرف میں جن کاموں کو اچھا سمجھا جاتا ہے کرتے ہیں، تو اُسے اچھا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ در اصل عصر حاضر میں عمل کے اتنے کہنے والوں کو آپ جو ہر جگہ دیکھتے ہیں اُسکا اصلی راز یہی ہے۔ چونکہ اصلاح عمل کی اس کوشش میں بعضوں کو یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں میں جہاں دوسری باتوں کو دخل ہے، انھیں میں انکا یہ اعتقاد کہ دوسروں کے عمل کا ثواب آدمی کو پہونچ سکتا ہے۔ ایک موثر وجہ ترک عمل کی یہ بھی ہے۔ فیضِ عمل کے عدم افادہ کا ہنگامہ جو آج مچا رہے ہیں، خواہ انکو اس کا شعور ہو یا نہ ہو لیکن میں جانتا ہوں اور انکو بھی مطلع کرتا ہوں کہ اس ہنگامہ کے حقیقی محرکات در اصل انکے اسی قسم کے مادی احساسات ہیں۔ اور اس زمانہ کے ہیجان زدہ عوارض میں ایک بڑا عارضہ یہ بھی ہے یعنی اصل مقصد پہلے کسی خارجی مصلحت کے زیر اثر پہلے طے کرا لیا جاتا ہے، دلائل بعد کو تلاش کر لیے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی چیز مطلب کے مطابق قرآن میں اگر انکو مل گئی، دیکھتے ہیں کہ جو مطلب ہم قرآن کا بیان کرینگے حدیثوں سے اسکی تردید ہو جائیگی تو عموماً حدیثوں کے انکار اور انکی بے وقعتی سے مضمون کو شروع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان ہی حضرات کو بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ حدیث تو حدیث عام تاریخی کتابیں مثلاً طبری، ابن اثیر وغیرہ میں بھی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے جس سے اپنے مقصد کے اثبات میں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو اُس وقت اُنکے پیش کرنے سے بھی یہ نہیں جھجکتے۔ خود حدیثوں کی تضعیف اور اُنکے عدم اعتبار کے متعلق جو مواد اُنکی طرف سے پیش ہوتا ہے، بجز چند گری پڑی پامال روایتوں کے دہرا دیا گیا ہے۔

بہر حال مسلمانوں کی عملی کمزوریوں کا مجھے انکار نہیں ہے۔ انکی عملی بیداری کی ہر کوشش کو میں زمانہ کی اہم ترین ضرورت یقین

کرتا ہوں۔ لیکن اسلام کے کسی ایک قانون کی تشریح کے لیے یہ کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ اسی کے دوسرے قانون کا وقتی مصالح کی بنیاد پر انکار کر دیا جائے۔ آپ مسلمانوں میں عملی بیداری ضرور پیدا کیجیے، ان میں ہر ایک کو غوث و قطب ابدال و اوتاد بنا کر دم لیجیے بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ بات کہ مومن جو ایمان و توحید کی دولت لے کر دنیا سے روانہ ہوا ہے، اگر عمل کی دنیا سے وہ اب خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اسلام نے اس بیچارے کے لیے فائدہ پہنچانے کا یہ دروازہ جو کھول رکھا ہے، یعنی جو لوگ ابھی عمل کی دنیا میں موجود ہیں، وہ چاہیں تو اپنے اعمال کے منافع سے تمتع کا موقعہ اُسے بھی دے سکتے ہیں۔

آپ بلا وجہ اس دروازہ کو اس غریب پر کیوں بند کرتے ہیں اور تماشہ تو یہ ہے کہ قرآن ہی کی آیتوں سے آپ اپنے اس غلط طرز عمل کی تائید میں ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بہر حال جب قرآن ہی سے یہ ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے ایمان والوں کو نفع پہونچ سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ اگر کوئی بیٹا جو ابھی اسی عمل کی دنیا میں موجود ہے، وہ اپنے اس باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرے جسکا تعلق عملی دنیا سے منقطع ہو چکا ہے، یا یہ کہ وہ کچھ پیسے یا کھانا پکا کر خیرات کر کے اُس ثواب کو جو خیرات کے اس عمل سے اُسے حاصل ہوا وہ اپنے مرحوم باپ کو پہنچا دے، یا قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب حق تعالیٰ سے عرض کر کے اُس کی طرف منتقل کرتا رہے۔ مانا کہ ان تفصیلات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن اسکے خلاف بھی تو کوئی بات قرآن میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اصولاً معلوم ہو چکا کہ غیر کے عمل سے افادہ کو قرآنی قانون کی حیثیت عطا کی گئی ہے۔ اب اسی اصول کے تحت حدیثوں میں جب تفصیلات کی صراحت موجود ہے تو آپ آخر ان حدیثوں کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ آخر جب یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جو شخص قرآن مجید کے لفظ الٓمّ کا تلفظ کرتا ہے تو اُسے ہر ہر حرف کے مقابلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یعنی الف میں دس حسنہ، لام میں دس حسنہ، میم میں دس حسنہ۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ حسنات کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنی سہولت سے کیا اور کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ان لوگوں کے لیے جن سے اگر کچھ نہیں ہو سکتا تو انکو یہی مشورہ دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیتیں ہی پڑھ کر انکے پڑھنے سے جو حسنات اور نیکیاں تمہیں حاصل ہوتی ہیں اُنھیں مرنے والوں تک پہونچا دیا کرو یا اگر توفیق ہو تو خیرات اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلا کے اسکا ثواب بخش دیا کریں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ کی اصل صرف اتنی ہے اور جیسا کہ معلوم ہو چکا، یہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت ہے۔ (الفرقان بریلی)

بقیہ صفحہ ۲

کو زیادہ ہو جائیں۔ اور اس طرح ہماری ساری مشکلات از خود

[illegible] (ڈیپوٹیشن ایڈیڈ اینڈ پریس آف امریکہ)

یہ کیا! اب تک تو "صاحب" کی زبان سے یہی سنا تھا کہ قیامت کا تخیل نرا او ہام ہی و ہم ہے، محض مذہب والوں کا ایک ڈھکوسلا ہے، اور یہ ڈھکوسلا ہمارے بوڑھوں اور بچوں سے نہ جانے کب سے سنا جاتا ہے یہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور اب خود "صاحب" ہی قیامت کے امکانات پر گفتگو کرنے لگے، اور اُن احتمالات کو پیش کرنے لگے کہ زمین شق ہو جائے، نظام کائنات کیا بہ یک درہم برہم ہو جائے، اور نسل انسانی بات کہتے فنا ہو جائے۔ — اکبر کی زبان میں،

صاحب سے سنی ہے اب قیامت کی خبر!

(بقیہ صفحہ ۴)

تو بھی اتنی بار اسی غلطی کی تکرار حیرت انگیز ہی ہے۔

(۲) اسی طرح متعدد مقامات پر مصنف نے ایک مخصوص اور جزئی واقعہ سے قاعدہ اور کلیہ استنباط کرنے میں بڑی جلدبازی سے کام لیا ہے۔ اسکی مثالیں دو ایک نہیں، خاصی کثرت سے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بعض جگہ جرأت یہ کی ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کو ایسے وسیع مفہوم میں آزادی کے ساتھ لے لیا ہے جسکے متحمل نہ الفاظ قرآنی ہیں نہ اکابر تفسیر ہی سے سند ملتی ہے۔ مثلاً ص۱۹۹ پر ایک عنوان ہے "تلبیس سکہ و اسٹامپ کی ممانعت"

حیرت ہوئی کہ قرآن میں "تلبیس سکہ" اور "تلبیس اسٹامپ" کا ذکر کہاں ہے، دیکھا تو نیچے یہ آیت درج تھی: "ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق" (بقرہ رکوع ۵)۔ یہ آیت حصہ ٔ جس سیاق میں ہے، اُسے سکہ اور اسٹامپ سے تو کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(۳) بعض عنوانات کے تحت میں جو آیتیں بہ غرض استشہاد پیش کی ہیں، اُنھیں اس مضمون سے کوئی تعلق ہی نہیں، مثلاً ص۱۹۱ پر عنوان ہے "خودکشی کی ممانعت" اور اسکے تحت میں یہ آیتیں درج ہیں: "ولا تقتلوا انفسکم" (سورۂ نساء، ع ۵)، "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ" (بقرہ ۲۴)، "ومن یعمل سوءً او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفوراً رحیما" (نساء ۱۵)۔ اس میں بجز پہلی آیت کے، اور آیتوں کو ممانعت خودکشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۴) بعض جگہ مسائل کے بیان کرنے میں قرآن پر اضافہ تک کی نوبت آگئی ہے، مثلاً ص۱۹۱ پہلے تو یہ مضمون درج کیا ہو کہ اگر چور چوری کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے کہ آیندہ یہ فعل نہ کرے گا، تو اسکے ہاتھ پیر کاٹنے کی ضرورت نہیں، اور اسکے بعد سورۂ مائدہ کی آیت السارق والسارقۃ نقل کر کے اسکا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:۔

فمن تاب من بعد ظلمہ و اصلح فان اللہ غفور رحیم	اگر چوری کے بعد چور توبہ کرلے اور وعدہ کرے کہ وہ آیندہ چوری نہ کریگا تو خواہ مخواہ اسکا ہاتھ کاٹنا

ضروری نہیں، بلکہ اللہ اسکو معاف کرتا ہے"۔ زیر خط حصہ تمام تر کیا زائد نہیں ہے؟

شروع میں بڑی مفصل فہرست مضامین کی طرح ماخذوں کی فہرست بھی طویل دی ہے، اور ۱۶ کتابوں کے نام گنا دیے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو مستند اور معروف ہیں، لیکن بعض غیر معروف ہیں، انکے پورے نام مع انکے مصنفوں کے دیے جاتے، اور بعض بہت کم درجہ کی ہیں جو ہرگز کسی علمی اور ٹھوس مقالہ کی فہرست میں شامل ہونے کے لائق نہیں۔ بعض کتابیں بجائے خود اور اپنے فن میں مستند ہیں، ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا، جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیز گار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلیس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی صرف
بیرون ہند ... سالانہ ...
قیمت فی پرچہ ... آنہ

(رجسٹرڈ ایل ۳۹۱)

نمبر ۳۲ | شنبہ - ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

نئی برطانوی پارلیمنٹ کے تشکیل کا افتتاح اسی ۱۵ اگست کے وسط سے ہوا۔ اُسی پارلیمنٹ کا جو اتنے شور و ہنگامہ کے بعد، چرچل کی ٹوری پارٹی کو کچلتی ہوئی، لیبر پارٹی کا جھنڈا لہراتی ہوئی منتخب ہوئی ہے، نئے اور کامیاب وزیر اعظم اٹیلی کی افتتاحی تقریر آپ نے پڑھی؟ بڑے اشتیاق سے نظریں اس پر پڑی ہونگی، کہ چرچل کی خوب خبر لی گئی ہوگی، نگاہوں نے ڈھونڈھا ہوگا کہ اس میں کیا کچھ سب و شتم چرچل کے حق میں ملیگا! —— لیکن ملا کیا؟ ملا یہ کہ

"ہماری فتح عظیم کا سہرا سب سے بڑھ کر میرے پیش رو مسٹر چرچل کے سر ہے۔ تاریخ میں انکا مقام محفوظ ہو چکا ہے۔ فتح بڑی حد تک اُنھیں کی تدبیر، ہمت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔"

کیا چرچل صاحب کے معتقد و مداح بھی اس سے زیادہ کچھ کہتے ہیں؟

اور پھر چرچل نے حزب المخالف (اپوزیشن پارٹی) کے لیڈر کی حیثیت سے کیا کہا اور کیا کیا؟ کیا یہ کہ ملک نے میرے ساتھ بڑی غداری کی؟ یا یہ کہ قوم بڑی احسان فراموش اور قدر ناشناس نکلی؟ یا یہ کہ مخالفوں نے "بے ایمانی" سے ووٹ حاصل کر لیے؟ اسکے برعکس پوری تقریر وقار و سنجیدگی کا نمونہ ہے۔ نہ مخالفین پر چوٹیں ہیں، نہ کسی پر ذاتی کیا معنی صفاتی حملے بھی۔ بس وہی ملک و قوم کی رائے عامہ کے آگے جو سر جھکا دینے کی عادت انگریز قوم کی رگ رگ میں بس چکی ہے، اسی کا مکمل مظاہرہ! نہ تاب تاب، نہ جھانک جھانک، نہ لعن نہ طعن، جیسا تک الکشن میں مقابلہ کا وقت رہا جی کھول کر مقابلہ کر لیا۔ اور جب قوم کا ایک فیصلہ ہو گیا، اپنے موافق یا اپنے مخالف، تو بس اُسی پر راضی و مطمئن، اپنے کام سے لگ گئے۔ نہ گلہ نہ شکوہ، نہ آوازے نہ پھبتیاں —— دونوں پارٹیوں میں صرف طریق کار کا اختلاف، منزل ایک، اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق۔ ... میں ہر فریق آزاد!

کوئی نسبت اس سے آپ کے ہاں کے "آزاد" اور "پُرجوش" لیڈروں اور نامی گرامی ایڈیٹروں کو ہے؟ جب تک بڑی سے بڑی دل آزار اور دل شکن بات دوسرے کے لیے نہ کہہ ڈالی، جی بھر کر اُس کی پگڑی ملک میں اُچھال کر نہ رکھدی، ہر طنز اور ہر طعن سے دل کے حوصلے نہ نکال لیے، تو بات ہی کیا ہوئی؟ محفل میں گرمی اور تحریر میں زور ہی کہاں پیدا ہوا؟

اللہ کے بندو! ڈسپلن، نظم، ضبط، سمع و طاعت کے ان نمایاں، بیّن، منضبط مظاہروں کے بعد بھی اس پر کچھ حیرت ہے کہ اپنی بیسیوں اخلاقی لغزشوں کے باوجود، بیسیوں اجتماعی مفسدوں کے باوجود، فسق و فجور کی گہرائیوں میں ڈوبے ہونے کے باوجود، یہی قوم آج بھی دنیا پر حکومت کر رہی ہے، میکاڈو کو پچھاڑ دیتی ہے، مسولینی کو ذبح کر ڈالتی ہے، ہٹلر کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے!

انگریزی تفسیر قرآن

جناب غضنفر علی صاحب (قطبی گوڑہ حیدر آباد دکن) سے لکھتے ہیں:-

"ترجمان القرآن۔ کے محرم و صفر ۶۴ھ (جنوری و فروری ۴۵ء) کا رسالہ جو مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی اڈیٹری میں نکلتا ہے اس میں آپ نے انگریزی ترجمۂ قرآن پاک کے بارے میں نہایت اچھی رائے لکھی ہے، اور آپ کے ترجمہ کو تمام موجودہ ترجموں پر فوقیت دی ہے۔ مگر آپ نے صدق میں لاہور کے ویسٹرن انگریزی رسالے اپنے ترجمہ کے بارے میں درج کرنے کہ اس کی انگریزی غلط ہے تا کہ جو بدگمانی عوام و خواص میں ترجمہ انگریزی ... اسے کم ... درج فرما کر جو بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اسکو دور کر دیجئے۔ اسکا دور کرانا فرض منصبی ہوگیا ہے۔ اڈیٹر صاحب "ترجمان القرآن" خود قرآن و حدیث، اور معلومات اسلامی میں بصیرت رکھتے ہیں اور اہل علم کی نظر میں انکی رائے قابل قبول ہوسکتی ہے۔ آپ نے محمد علی صاحب لاہوری کے ترجمہ پر کبھی اچھی رائے ظاہر کی ہے، حالانکہ انھوں نے اسکے خلاف رائے ظاہر کی ہے"

ترجمان کا تبصرہ تو خیر آپ کی تحریک ارشاد کے مطابق ان شاء اللہ گنجائش نکلنے پر نقل کر دیا جائیگا، لیکن آپ کو اس گرفت سے اتفاق نہیں کہ کسی مخالفت کی رائے کیوں درج کی گئی۔ کیا آپ کے یا کسی مخلص کے بھی خیال میں "صدق" کا کام صرف دوسروں کو ٹوکنا ہے، اور خود دیکھ سکنا نہیں؟ دوسروں پر تنقید و احتساب کرنا اور اپنے کو ان حدود سے ماورا ایسے نا سمجھ لینا، اور صدق کا یا مدیر صدق کی خودی کا پندار ایک اشتہار نامہ ہوا! ... اللہ تو الحمد انسان کو تو اپنے معاند کی بات بھی کان دھر کر سننا چاہیئے۔ شاید کہ کوئی کلمۂ حق اُسی کی زبان سے نکل آئے۔

ترجمہ کی حوصلہ افزائی سے متعلق حوالے جہاں پانیر (لکھنؤ) بمبئی کرانیکل (بمبئی)، کرنٹ ٹامس (مدراس)، لیڈر (الہ آباد)، آن ورڈ (الہ آباد)، ٹائمس آف انڈیا (بمبئی)، اسٹیٹسمین (کلکتہ)، اسلامک کلچر (حیدرآباد) کے دیئے گئے تھے، وہاں ایک آدھ حوالہ مخالفانہ رایوں کا بھی تھا کیا ناظرین صدق اتنی رایوں سے خیر متاثر رہے، اور اس ایک آدھ رائے سے متاثر ہو گئے؟ ۔ تو خود اُن سے بدگمانی قائم کرتا ہوں!

اگر یہ واقعہ ہو بھی، تو دوسرا نیک فریادوں سے محرومی اپنے ضمیر و تدین کا قیمہ ہے ... کیا درس رکھتی ہے؟ غریب صدق نویس یوں بھی جملہ بشری کمزوریوں میں مبتلا اور رذائل نفس کا محکوم ہے۔ کبھی خودی و خود بینی کو اور ہوا دیتے رہنا، اُسکے ساتھ حق دوستی ادا کرنا نہیں، اور دشمنی کرنا ہے۔

نشہ بازی کے حدود

"جام سرشار، ناول ... اخلاق"

تاریخ و سیاست کی کتاب نہیں، اُردو کے ایک پرانے مشہور افسانہ کا نام ہے۔ افسانہ نویس مسلمان نہیں، ایک غیر مسلم ادیب پنڈت رتن ناتھ سرشار (متوفی ۱۹۰۲ء) ہیں۔ اسکے حصہ تمہید کا اقتباس ملاحظہ ہو:—

"رسالہ تھیا سوفسٹ مطبوعہ جولائی ۱۸۸۸ء میں کسی انگریز کا ایک خط جو صاحب ممدوح نے ہندوستان میں کسی بودھ مذہب والے کے پاس بھیجا تھا، پڑھنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج لندن میں شراب خواری کی رسم و رواج گرم بازاری ہے کہ الامان و الحذر۔ چھوٹے بڑے پڑھے بے پڑھے غریب امیر ہر ادنیٰ و اعلیٰ سب کے ہاں شرابی موجود ہیں ...... اور لطیفہ سنیئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر دولاں کی شراب کی دکانیں اور بوتلیں ایک قطار میں ہوں تو ... میل جگہ اُنکے لیے چاہیئے۔ معاذ اللہ۔ توبہ توبہ"۔ (ص ۲۱۳)

یہ ۲۲ میل کا رقبہ ۱۸۸۸ء کی پیمائش میں تھا۔ کاش کوئی فاضل محقق ۱۹۴۵ء میں بتلاتے کہ ان ۵۶ سال کے عرصہ میں رقبہ کی وسعت سات دہائیوں سے بڑھ کر کتنے سیکڑوں تک پہونچی!

تجدد کی ناکامی

"اپنے کو مغربی بنالینے کے انقلابی جوش و خروش میں جمہوریہ ترکیہ نے ہر اُس رشتہ کو کاٹ ڈالنا چاہا جو کوئی بعید تعلق بھی دور مشابہت سے رکھتا تھا۔ قانون دیوانی میں سوئزرلینڈ کا ضابطہ دیوانی اختیار کر لینا، اور عادت سے کبھی بڑھ کر عربی کے بجائے لاطینی حروف کو قبول کر لینا سب اسی اُمید پر تھا کہ ملت جلد سے جلد اقوام یورپ کے دوش بدوش ہو سکیگی۔ ۲۲ سال یعنی تقریباً ایک پوری نسل کے تجربہ کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ ملت کے نوجوان اس نئی فضا میں پل کر بس وہی پیدا کر رہے ہیں جنکے لیے انگریزی زبان میں لفظ لیوانٹی (LEVANTINE) ہے۔ [جیسے پرانی اُردو میں "کرشان" یا انگریزی محاورہ میں بابو انگلش] نئی نسل قدیم خوبیوں سے تو البتہ بالکل محروم ہوگئی (وہ خوبیاں جنکی بنا پر ترکوں کو یورپ کا شریف ترین انسان کہا جاتا تھا) لیکن مغربیت کی خوبیاں بھی وہ پرانی نسل کے واسطے سے اپنے میں جذب نہ کر سکی۔ تجربہ سے نتائج وہ نہ نکلے جنکی توقع کی گئی تھی۔ اور اب مستقبل کے لیے سوال یہ رہ گیا ہے کہ آیا رد عمل ہو کر اس افراط کے مقابلہ میں تفریط تو نہ لوٹ پڑیگی؟ یا گھڑی کا لنگر دونوں سروں کے درمیان نقطۂ اعتدال پر آکر ساکن ہو جائیگا؟"

یہ الفاظ از کسی کے نہیں، کامریڈ مرحوم کے منیجر اور مارننگ نیوز (کلکتہ) کے اڈیٹر، عبد الرحمٰن صدیقی (آکسن) ایم ایل اے کے ہیں۔ انھیں رجعت پسند اور دقیانوسی قرار دینے کی ہمت شاید کوئی بمشکل ہی سے کر سکے! —— یہی رہ یاد اکبر مرحوم کے مصرعہ میں ہے:

کر دیا کعبہ کو گم اور کلیسا نہ ملا!

اُلٹی گنگا

کوئی صاحب نور عالم نامے منڈی بہاء الدین (پنجاب) کے ہیں۔ آپ کا ایک طویل مکتوب صادر ہوا ہے، جس میں "مدیر صدق کے" سینہ کے اندر بغض و حسد کے طوفان" اور "بہتان تراشیوں" اور "اہل حق سے عناد" کا بار بار ذکر کر کے ارشاد

فرمایا گیا ہے کہ اُسکو

(۱) "صدق کے امام" اور "تقویٰ و طہارت میں بے نظیر" مولانا ابو الکلام سے بغض و حسد ہے!

(۲) مولانا ابو الاعلیٰ مودودی سے دیرینہ تنازعہ ہے!

(۳) وہ حق کو صرف ایک مخصوص حلقہ کے اندر سمجھ رہا ہے!

گویا ان بزرگ نے التزام کر رکھا ہے کہ تین باتوں میں سے ایک بات بھی زبان سے سچی اور ٹھیک نہ نکلنے پائے! مولانا ابو الاعلیٰ اور مولانا ابو الکلام دونوں کے ساتھ مدیر صدق کا جو ذاتی اور پبلک تعلق ہے اُسکا حال تو خود تحقیق دونوں صاحبوں سے دریافت کیا جا سکتا ہے، البتہ جن بزرگوں کے معتقدوں کی فہم و دیانت کا یہ عالم ہو، خود وہ معتقد، ہرگز کسی رد و جواب کے مستحق نہیں، بلکہ اُلٹے ہمدردی، ہمدردی کے محتاج ہیں،

ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسماں کیوں ہو!

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

عصمت کی قتل گاہیں!

"لکھنؤ میں جشن [illegible] رات تھی جب حضرت گنج روشنی سے منبعِ نور بنا ہوا تھا، کالج کی متعدد لڑکیوں پر کالج کے لڑکوں نے دست درازیاں کیں۔ حکام سے معاملہ کی رپورٹ کردی گئی ہے، تحقیقات ہو رہی ہے، اور کہا یہ جا رہا ہے کہ ایسے مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دی جائینگی۔ اسکولوں اور کالجوں کے ذمہ دار عہدہ داروں کو بھی تنبیہ کردی گئی ہے کہ اپنے ہاں کے طلبہ پر سخت نگرانی رکھیں اور بیہودہ طلبہ کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کریں"۔ (پانیر ۲۴ - اگست)

آہ یہ اسکول اور یہ کالج! کتنے فتنے انکے اندر پوشیدہ ہیں، اور کتنے جرائم کی یہ پرورش گاہیں ہیں! سننے میں آیا ہے کہ ۸-۱۰ ماہ قبل اسی شہر لکھنؤ کے ایک ایسے ہی آباد محلہ، امین آباد میں دیوالی کی رات میں، اس سے بھی کچھ بڑھے ہوئے نظارے بھی اسکول کی لڑکیوں اور کالج کے لڑکوں کے درمیان پیش آئے تھے۔ اور یہ کوئی اتفاقی اور استثنائی حادثے نہیں۔ اسکول اور کالج تو ان شیطانی علوم کی مستقل درسگاہیں ہیں۔ اور اس پر یہ سلسلہ ہے کہ ہر روز نئے اسکول اور نئے کالج کھلتے رہیں، اور یہی "ترقیوں" کا پیمانہ ہے۔ آہ یہ دلوں اور دماغوں پر چند خوشنما الفاظ کی حکومت!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) چودھری عرفان حسین صاحب (لکھنؤ)
(۲) مولوی عبد الرؤف خاں صاحب (مہندیگل)

آپ سب حضرات کے محبت آمیز مراسلوں کا شکریہ۔ لیکن انکی اشاعت سے معاف فرمایا جائے۔ اُس مراسلہ کے کسی جزو پر بھی [illegible]

سورہ بقرہ رکوع ۲۳

بقیہ نوٹ ۶۷۴

اتموا ۔ صیغہ امر کا ہے، اور وجوب کے معنی دیتا ہے۔

امر یقتضی الوجوب من غیر خلاف (قرطبی) والامر بالاتمام ههنا للوجوب بلا نکیر

صوم وصال یعنی بلا افطار کئے دن اور رات کے مسلسل روزہ کی ممانعت بھی اسی آیت سے بہت سے فقہا نے نکالی ہے۔ اور حدیث میں اسکی ممانعت صراحۃً موجود ہی ہے

فیہ ما یقتضی النہی عن الوصال اذ اللیل غایۃ الصیام وقالتہ عائشۃ (قرطبی) فدل الآیۃ علی نفی کون اللیل محل الصوم وان یکون صوم الیومین صومۃ واحدۃ وقد استنبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہا حرمۃ الوصال (روح)

معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لئے ہر زمانہ، ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان کے ماہ مبارک میں یہ ممانعت اشد ہو جاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے، اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکم الٰہی کے احترام میں لذائذ نفس و طبیعت سے اجتناب میں بسر ہوتا ہی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں، رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں۔ پورے مہینہ بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ سپاہ اسلام کی روحانی پریڈ کا زمانہ ہے غفلت کسی لمحہ نہ ہونا چاہیے۔

سر ڈبلیو۔ ٹی۔ آرنلڈ مسلمان نہیں مسیحی ہیں تاہم حد درجہ انصاف پسندی و حق گوئی سے مجبور ہو کر بعد، مسیحی معترضین کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

"ماہ رمضان کے روزوں کے سلسلہ میں صرف اسقدر کہنا ہے کہ دین کا یہ رکن بجائے خود اس خیال کی تردید کے لئے کافی ہے کہ اسلام کی ترویج عیش پرستیوں کے جائز کردینے سے ہوئی ہے، کارلائل کے یہ قول، محمدؐ کا مذہب تن آسانی کا مذہب نہیں، سخت سخت روزے، طہارت کے ضابطے، عبادت کے سخت اور پیچیدہ طریقے، دن میں پانچ پانچ مرتبہ نماز، شراب کی حرمت، یہ احکام جس مذہب میں ہوں، اُسکی مقبولیت تن آسانیوں کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتی"۔ (پریچنگ آف اسلام، ص۴۱۹، طبع ثالث)

ملاحظہ ہو ضمیمہ ـــ سورہ بقرہ کے خاتمہ پر۔

۶۸۰ (یعنی کسی قسم کا بھی شہوانی میل جول اُن سے نہ رکھو)

ولا تباشروھن۔ لفظ مباشرت یہاں وسیع معنی میں ہے۔ یعنے عمل مجامعت کے علاوہ اُسکے مقدمات و دواعی بوس و کنار وغیرہ (۱) تمام ہیں۔

والمس والقبلة (ابن العربی) ولیس للمعتکف امرأته ولا یباشرها ولا یلتذ منها بقبلة ولا غیرها (ابن جریر عن مالک بن انس) المراد بالمباشرة انما هو الجماع ودواعیه من تقبیل ومعانقة ونحو ذلک (ابن کثیر)

- تفسیر حنفیہ و مالکیہ کے مسلک کے مطابق تھی۔ امام شافعی کے نزدیک یہ چیزیں اعتکاف میں کراہت پیدا کرتی ہیں، انہیں باطل نہیں کرتیں۔

المراد من الجماع من المباشرة کالمس والمس بالشهوة فمکروه لا یفسد به الاعتکاف عند اکثر اهل العلم وهو اظهر قولی الشافعی (معالم)

عاکفون۔ اعتکاف کے لغوی معنی ہیں اپنے کو کسی شے پر روک رکھنا یا لازم کر لینے کے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادت کے لیے مقید کر لینا۔

والاعتکاف فی المسجد علی سبیل القربة (راغب) اعتکف فی المسجد اقام به ولازمه وحبس نفسه فیه (تاج) الاعتکاف فی اللغة الملازمة وهو فی عرف الشرع ملازمة طاعة مخصوصة فی وقت مخصوص علی شرط مخصوص فی موضع مخصوص (قرطبی) الاعتکاف هو الاقامة علی الشیء والاعتکاف فی الشرع هو الاقامة فی المسجد علی عبادة الله (معالم)

معتکف کے لیے لازم ہے کہ ہر وقت مسجد ہی میں رہے، کھائے پیے، سوئے جاگے۔ اور بغیر حاجت یا شرعی ضرورت شدید کے مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔

یجب ان لا یخرج الا لما لا بد منه من حاجة الانسان وقضاء فرض کجمعة (جصاص) لیس للمعتکف ان یخرج من معتکفه الا لما لا بد له منه (قرطبی)

مدت اعتکاف کے زیادہ سے زیادہ ہونے کی کوئی حد نہیں۔ البتہ اقل مدت امام شافعی کے نزدیک ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے مسلک میں کم از کم ایک شب و روز ہونا چاہیے۔

واقل الاعتکاف عند مالک وابی حنیفة یوم ولیلة وقال الشافعی اقله لحظة ولا حد لاکثره (قرطبی) هو غیر مقدر عند الشافعی واقله لحظة وقال مالک وابو حنیفة هو مقدر بیوم ولیلة (ابن العربی)

فی المساجد اس سے استنباط یہ کیا گیا ہے کہ اعتکاف ہمیشہ مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔

اجمع العلماء علی ان الاعتکاف لا یکون الا فی مسجد (قرطبی)

البتہ عورتوں کا اعتکاف بجائے مسجد کے گھر کے کسی گوشہ میں بھی ہو سکتا ہے، جسے نماز و عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے۔ بلکہ مسجد میں عورت کے اعتکاف کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

وامّا المرأة تعتکف فی مسجد بیتها ولو لم یکن لها فی البیت مسجد تجعل موضعا فیه فتعتکف فیه (هدایه) والمرأة تعتکف فی بیتها (شرح وقایه) وکره فی المسجد ولا یصح فی غیر موضع صلاتها من بیتها (در مختار)

دوسرے دنیوی معاملات بھی مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا حالت اعتکاف میں جائز ہیں، بشرطیکہ ان میں کوئی پاپ (دیکھیے وغیرہ)

نئی کتابیں

(۱) نقش امروز۔ مجموعۂ کلام علی اشرف صاحب حیدرآبادی، ۲۰۲ صفحے۔ مجلد مع گرد پوش۔ قیمت عہ؎ پتہ:۔ عبد الحق اکیڈمی، آصف نگر، دکن۔ اشاعت منزل، حیدرآباد دکن۔

کتاب کا آغاز فہرست عنوانات کے بعد، نوشتۂ ملیح آبادی کے پیش لفظ اور قاضی عبد الغفار صاحب مراد آبادی کے مقدمہ سے ہوا ہے۔ اس لیے ذہن میں قدرۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر صاحب کوئی "ترقی پسند" قسم کے شاعر ہوں گے، مع تمام ترقی پسندانہ خصوصیات کے۔ لیکن کتاب کے سرسری ہی مطالعہ کے بعد یہ بدگمانی دور ہو جاتی ہے۔

اشرف صاحب یقیناً اُس معنی میں "ترقی پسند" نہیں جس میں یہ لفظ عام طور پر چل گیا ہے۔ نہ قدم قدم پر "بھوک" "پیٹ" "روٹی" کی تلقین ہے، نہ "جنسی بھوک" کی ناقابل ذکر و ناقابل نقل مرثیہ خوانی ہے، نہ سرمایہ دار پر دود کو کوسنے اور گالیاں، نہ مذہب اور حق تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں۔ اور جب یہ کچھ بھی نہیں، تو پھر آخر کوئی اس پر "ترقی پسند" کا اطلاق کیسے کر دے؟

کتاب دو حصوں میں تقسیم ہے۔ نظمیں اور غزلیں۔ نظمیں ۱۵۲ صفحہ تک آئی ہیں، اور باقی صفحوں میں غزلیں۔ دو ایک غزلیں نظموں کے حصہ میں بھی گھس آئی ہیں —— اشرف کی شاعری شریفوں کی شاعری ہے۔ کلام شریفوں کی محفل میں پڑھے جانے کے قابل۔ طرز و انداز میں وہ جوش سے نمایاں متاثر معلوم ہوتے ہیں (جوش کے الحاد اور بے نوازی سے نہیں، جوش کے شاعرانہ کمالات سے)۔ اور تغزل میں تو کہیں کہیں اُستاد جوش حضرت عزیز لکھنوی کا بالکل پرتو پڑ گیا ہے۔ مثلاً یہ شعر؎

اُٹھوا دیا تھا کل جسے محفل سے آپ نے
آج آ کے اُس غریب کی میت اُٹھائیے!

حسنِ نظم میں اگر تاریخیں پڑی ہوتیں تو بہت خوب ہوتا۔ مثلاً نظم بنگال (صلہ ۸۳) پر قحط بنگال کا سنہ درج ہونا ضروری تھا۔ نظم زمانہ (صلہ ۴۶–۴۹) میں جہاں یہ سب پیشگوئیاں ہیں کہ اب "زنجیر غلامی" کٹ جائیگی، اور طائر مجبور اب دام سیاست میں پر افشاں نہ رہیگا، اور آئندہ یہ "سلطنتِ عظمتِ سلطاں نہ رہیگا"۔ وہاں قطعہ کا آخری شعر یہ بھی ہے؎

ہو جائیگے دل جلوۂ عرفاں سے درخشاں
دنیا میں کوئی منکر یزداں نہ رہیگا

ایک نظم حسینؓ ابن علیؓ کی نذر ہے، اور ایک سلطان الہندؒ کے حضور میں —— دو نظموں، ایک دیوالی، دوسری شہنشاہ اکبر سے

ملاحت ذرا کم تھی۔ خدا کرے یہ دونوں اشرف کے بالکل ابتدائی دور کی یاد ہوں۔

زبان حتی الامکان بہت صحیح رکھنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی کہیں بعض ترکیبیں اور بعض محاورے نظر ثانی کے محتاج رہ گئے ہیں مثلاً

مجھ پہ ستم کیے ہیں زیادہ عبرت و اعتبار رہنے
اتنی بھی اب ہمت نہیں بار الم اٹھا سکوں

عبرت و اعتبار کا تم نہ سمجھ میں نہ آئے۔ یا مثلاً

میں ہوں گداے بینوا مجھ کو وہ جام ہو عطا
عقل سے بے خبر ہو جا سکوں ہوش میں پھر نہ آ سکوں

"ہوش میں آنا" تو ٹھیک ہے۔ لیکن عقل سے جانا" محل نظر ہے۔

ہمارے اشرف صاحب ہر طرح ہونہار ہیں اور ابھی دنیائے علم و ادب کے مالک۔ اس طرح کی خامیاں سب کے کلام میں ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ مشق و ذوق سے گھٹتی جاتی اور مٹتی جاتی ہیں۔ اقبال کے رنگ میں وہ ملت و امت کی بہترین خدمات انجام دے سکتے ہیں۔ اللہ کرے ان کا "فردا" انکے "امروز" سے بہتر اور روشن تر و مبارک تر ہو۔

تصحیح نئی کتابیں صدق نمبر ۳۰

(افسوس ہے کہ صدق ۲۹ میں نئی کتابوں کے تحت میں کتاب ۲ داستان شہید کربلا پر ریویو سہو کاتب سے رہ گیا اور داستان شہید کربلا کا نام دیتے لکھنے کے بعد اسکے بجائے دوسری کتاب جو نمبرہ پر تھی، یعنی اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں کا ریویو شائع ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس پرچہ میں ہر دو کتب پر ریویو از سر نو شائع کیا جا رہا ہے۔ (نائب مدیر))

(۲) **داستان شہید کربلا** - مرتبہ محمد عبد الرحمن صاحب سعید صدیقی - ضخامت ۲۵۶ صفحات - قیمت ۱۴/ ملنے کا پتہ: نفیس اکاڈمی - حیدرآباد دکن

اس مجموعہ میں حادثۂ کربلا کے بارے میں سات مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ چار مضامین مولانا ابوالکلام کے دور الہلال و البلاغ کے ہیں، ایک مضمون مولانا مناظر احسن صاحب کے قلم سے ہے، اور وہ بھی غالباً ۱۹۲۳ء میں پہلی بار اخبار سچ میں شائع ہو چکا ہے۔ دو مقالے ذکر حسینؓ از ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور شہادت کبریٰ از نواب بہادر یار جنگ مرحوم نسبتاً نئے ہیں، یعنی شہادت حسینؓ کی سیزدہ سالہ یادگار کے سلسلہ میں پڑھے جا چکے ہیں۔

مضامین سب کے سب اچھے اور قابل مطالعہ ہیں۔ واقعی شہادت کربلا سے اس دور کے مسلمان بھی بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں اور اسکی تکرار (بشرطیکہ وہ مراسم مروجہ سے خالی رہے) یقیناً نافع ہے۔ اس مجموعہ میں اتنی کمی رہ گئی کہ اتنے پرانے مضامین پر اگر انکے لکھنے والوں سے نظر ثانی کرا لی گئی ہوتی تو یقیناً مجموعہ کی افادیت بڑھ گئی ہوتی۔

" مجموعہ میں حضرت حسین کے ساتھ بجائے رضی اللہ عنہ کے "علیہ السلام" کا ہر جگہ التزام، طریق اہل سنت سے متجاوز ہے۔ (ع - ق)

(۳) **اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں** - مترجمہ جناب ضیاء الدین برنی بی اے - ضخامت ۲۸ صفحات قیمت ۲/ ملنے کا پتہ: غالباً مکتبۂ سلطانیہ، بھنڈی بازار، بمبئی نمبر ۳

مسز اینی بیسنٹ آنجہانی (تحریک تھیوسوفی کی پرجوش کارکن) کے ایک پرانے لکچر کا، جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ ایک ہمدرد غیر مسلم جس حد تک اسلام کی حمایت کر سکتا ہے، وہ اس لکچر میں موجود ہے۔ مغربی اہل قلم و پادریوں کے اعتراضات جو حضورؐ کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں، انکے جوابات بھی مسز موصوفہ نے اپنے ڈھنگ میں دیئے ہیں۔ غیر مسلموں اور انگریزی میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ (ع - ق)

(بقیہ صفحہ ۴)

احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔

رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے اور علائق دنیوی سے جو انقطاع یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا۔ اعتکاف مسنون بھی ہے، اور اسی کو فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کرلے تو ساری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائیگی۔ باقی نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہرحال استحباب و فضیلت کی چیز ہے۔

روحانی قوت و توانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اور سال بھر کے لیے ایمانی اور اسلامی پروگرام بنانے کے لیے اپنے کو ایمانی و روحانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر تر نسخہ اور ہو کیا سکتا ہے کہ عین اس زمانہ میں جبکہ بیس دن کے مسلسل طاعت و عبادت اور شب و روز کے ذکر الٰہی و فکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص و للہیت کی مشقوں کو دعاؤں، عبادتوں سے ذکر و فکر سے انتہا کے کمال پر پہنچا دے!

لیکن ہر کس و ناکس کی طرف اس مرتبہ کا تحمل نہیں ہو سکتا، عجیب عجیب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آجاتی ہیں (جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل عبرت تجربات ہو چکے ہیں)، مثلاً یہی کہ کھانے لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر میں لایا، اور معتکف بیساختہ اس پر برس پڑا۔ (دیکھیے ص ۳)

شریعتِ اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

ابھی ابھی صدق نے دو لفظی پہلے جب سرزمین ہند کے مسلمان تنہا فرماں روا تھے تو یقیناً ملک اس وقت بھی آباد اور رعایا شاد تھی، نہ ملک اس قدر آباد جتنی اب ہے۔ اور رعایا تو شاید اس سے بھی زیادہ شاد تھی جتنی اب ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت چاہئے آغوش میں صدیوں ...... نہیں ایک نصف درجنوں صدیوں کو پیٹے ہوئے ہے۔ کیا یہ باور کرنے کی بات تھی کہ حکومت کا یہ سارا زمانہ گزارا گیا جس میں نہ ملک ہی کسی دستور کا پابند تھا اور نہ حکومت ہی نے ملک پر کسی قسم کے آئین کو عائد کیا تھا؟ کیا واقعی مسلمانوں کی حکومت کا عہد بے آئینی کا عہد تھا؟ ایسی بے آئینی کا عہد جو صرف ان لاٹھیوں کے سایہ میں ختم ہوا جس میں ہنکانے والے اپنی بھینسوں کو جس طرح چاہتے تھے ہنکاتے چلے جاتے تھے؟ شاید کچھ یہ دیکھ کر کہ قانون وضع کرنے والی مختلف گوناگوں ناموں والی مجلسوں، گرم گرم تیز و تند پارلیمانی مباحثوں اور بحثوں، نیچے سے اوپر تک ترتیب قانونی نافذ کرنے والے مختلف محدود اختیارات رکھنے والے اداروں کے ذریعہ سے امن وامان کے جس نتیجہ کو آج بمشکل حاصل کیا جارہا ہے جب اُن میں سے کسی ایک چیز کا بھی مسلمانوں کے دور حکومت میں نشان نہیں ملتا تو کیسے باور کرلیا جائے کہ ان گذشتہ حکومتوں کا بھی کوئی آئین تھا، حالانکہ تو یہ ہے کہ محاصل کی تحصیل و وصول اور اسی قسم کی چند دوسری چیزوں کا ایک دفتر آئین اکبری (مولفہ ملا ابو الفضل) جو پایا جاتا ہے، اگر اس سے قطع نظر کرلیا جائے تو قانون کے نام سے ورق دو ورق کے کسی رسالہ کا بھی مسلمانوں کے زمانہ میں سراغ نہیں ملتا۔ پھر کیا امن وامان کا یہ پھل جس کا اسلامی عہد میں مشاہدہ کیا گیا تھا بغیر درخت کے قائم تھا؟ اس زمانہ کا مورخ ان سوالوں کو اٹھاتا ہے، اٹھاتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ شاید کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ جن دماغوں سے سوچنے کا عادی آج لوگوں کو بنا دیا گیا ہے ان سے سب کچھ سوچا جاسکتا ہے، لیکن جو چیز نہیں سوچی جاسکتی یا لوگ نہیں سوچنا چاہتے وہ بھی ایک اور صرف ایک ہی بات ہے، یعنی مذہب نے بھی دنیا کی کوئی خدمت انجام دی ہے، دین کا بھی آدم کی اولاد پر کچھ احسان ہے؟ دنیا اسکے سوچنے سے معذور بنائی جا چکی ہے۔ کمال کا انتساب مذہب کی طرف ناقابل برداشت حقیقت بن چکی ہے۔ بلکہ آج یہ چیز ذہنی نم عیاری کے لیے مذہب کی طرف کسی شے کا انتساب کافی ہے۔ عصر علم کا اتنا عظیم ...... چیز کی شبیہ جیسا کہ تاذہ ...... [illegible]

چند لمبے لمبے کرتوں اور لمبی لمبی داڑھیوں والے ملاؤں کی طرف اسے منسوب کردیا جائے؟ ایک احساس پیدا کردیا گیا ہے جو اس نسبت کے جواز سے منسوب کرنے والوں کو روکتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کا یہ باب گونگے کا خواب بنا ہوا ہے، جو دیکھ رہے ہیں وہ بول نہیں سکتے اور جو بول سکتے ہیں انھوں نے دیکھا نہیں یا دیکھنے سے انھیں روکا گیا ہے۔ چند سطر غیر واضح الفاظ میں کچھ لکھ بھی دیا جاتا ہے تو پڑھنے سے پہلے جو کچھ معلوم تھا، ان الفاظ کے پڑھنے کے بعد بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا، لیکن واقعہ یہی ہے واقعیت میں ظاہر ہے کہ کسی کے جاننے نہ جاننے کا تابع نہیں ہوتا۔ آنکھوں کے بند کرلینے سے بند اگر یہ سمجھتا ہے کہ سامنے پھن کھول کر لہرانے والے سانپ پر موت طاری ہوجاتی ہے، تو یہ سانپ کی نہیں، بند رکے احساس کی موت ہے نہ۔

پس سچی بات کھرے کھرے الفاظ میں یہ ہے اور یہی ہے کہ فقہ کے نام سے مذہبی علم جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اب مذہبی ہو لینے کی وجہ سے آپ چاہیں جتنا بھڑکیں بھڑکنے کا آپ کو اختیار رہے، لیکن واقعہ یہی تھا اور یہی رہیگا کہ ہندوستان کے باہر بھی جہاں کہیں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں تو صدی دو صدی تک ہی نہیں بلکہ ہزار اور ہزار سے بھی زیادہ مدت تک ان حکومتوں کا قانون فقہ کا یہی مذہبی علم تھا، ایسا قانون جو اتنی طویل و دراز مدت تک زمین کے اتنے بڑے رقبہ پر حکومت کے قانون ہونے کی حیثیت سے زندہ رہا ہے کہ مشکل ہی سے قانون کے نوزائیدہ عصری مجموعوں میں کوئی مجموعہ اپنی اتنی طویل اور عریض تاریخ رکھتا ہو۔

حکومتی مصالح اور ارباب اقتدار کے ذاتی اغراض کے دباؤ سے آزاد قطعاً آزاد ہوکر صداقت کی ان ہی بے لاگ اور عمیق اور گہری بنیادوں پر جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ملی تھیں ان ہی سے علماء اسلام کا ایک طبقہ، بڑا طبقہ، قانون پر قانون بناتا چلا جاتا تھا اور انکے نافذ کرنے میں مشغول و منہمک تھا۔ یہی فقہاء امت کا گروہ تھا۔

پھر ڈھونڈنے والوں کو قانون کے نام سے دستہ دو ورق کا رسالہ بھی اس زمانہ کے متعلق اگر نہ ملتا ہو تو نہ ملے لیکن فقہاء کے وضع کیے ہوئے ٹھیک ٹھیک الفاظ میں استنباط و اجتہاد سے نکالے ہوئے مسائل اساسی کتابوں اور روزمرہ پیش آنے والے حوادث و واقعات کے پیش آنے کی صورتوں میں واقعات، فتاویٰ، الحوادث، النوازل وغیرہ وغیرہ ناموں سے فطائر اور ذیلی قوانین کا جو دفتر تیار ہوگیا ہے، بلا مبالغہ اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ لاکھوں لاکھ اوراق میں بکھرا پڑا وہ

اب تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ المستعان اُس وقت تک محفوظ رکھنے کی کوشش سرگرمی سے جاری رہیگی جب تک پھر الآخر اُسی پر عمل درآمد کے لیے دنیا آمادہ نہ ہو جائیگی اور اسکو آمادہ ہونا ہی پڑیگا کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

اسلامی قانون کی تدوین کے اس کام میں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ باوجود نومسلم ہونے کے ہمارے کشور (ہند) کا بھی کافی حصہ ہے۔ غیر معروف چھوٹے بڑے متون یا رسالوں، شروح و حواشی کے سوا تغلقوں کے عہد میں آتارخانیہ جیسا مستند فتاوے ہندوستان ہی نے دنیا کی اسلامی حکومتوں کے سپرد کیا تھا۔ اسی طرح گجرات میں فتاوے حمادیہ کی ترتیب بھی ہندوستان ہی کی محنت کی رہین منت ہے۔ فتاوے ابراہیم شاہی کے نام سے جونپور کی حکومت شرقیہ نے بھی اسی کام کو اپنے وقت میں انجام دلایا تھا، اور بالآخر اسلامی قانون کی تدوین کا آخری کام فتاوے ہندیہ یا فتاوے عالمگیری کے نام سے اسی ملک کیلیے ازل سے مقرر تھا۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب انار اللہ برہانہ کے حکم سے مستند علماء اور وقت کے سربرآوردہ فقہاء کی ایک جماعت نے بظاہر ملا نظام برہان پوری کی نگرانی میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ براہ راست خود بادشاہ خدا آگاہ، معارف پناہ، عملی دلچسپیوں کے ساتھ اس اہم آئینی کام کے پرداخت خود نگراں تھے۔ دن میں جتنا کام مکمل ہو جاتا تھا شب کی خلوت میں ملا نظام سے براہ راست لفظاً لفظاً سب کو سنتے تھے، بیچ بیچ میں اپنی تنقیدی رایوں کو بھی ظاہر کرتے جاتے تھے۔ خیر یہ تو ایک طویل قصہ ہے[1]، میرا ارادہ ہے، خدا پورا کرے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون یعنی فقہ پر علماً و عملاً مختلف شکلوں سے جو کام ہوا ہے، اسکی داستان ایک مستقل کتاب ہی کی صورت میں مرتب کر دوں۔ اسوقت سردست اس کتاب ہی کی یادداشتوں سے اخذ کرکے بعض واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ ہند کی اسلامی حکومتوں پر اس شرعی قانون یعنی فقہ کا کسی زمانہ میں کتنا

کا اثر تھا۔

اب کہنے والوں کو کیا کہیے۔ میں شششدر و حیران ہو کر اب دن رہ گیا تھا، جب اور کسی نے نہیں "تاریخ ہند" کے ایک مسلمان استاد مسلم نے مجھ سے پوچھتے ہوئے کہا تھا کہ کیا فقہ کی کتابوں کے دینی مسائل پر حکومت کا کسی زمانہ میں عملدرآمد بھی تھا؟ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

مگر کیا آدمی عجیب ہے کہ اپنے پاس سے عجب یہ کہلوا جا رہا ہے تو باہر والوں کو شاید ہی جانتا ہے کہ کیا کچھ نہ باور کرایا گیا ہوگا۔ اسی فکر میں ڈوب گیا۔ کیسی عجیب بات!

اسلامی عہد میں نازک ترین وقت اس حیثیت سے اگر کبھی آیا بھی تھا تو اکبری عہد کا وہ نازک وقت تھا جب بادشاہ کے مزاج[1] کے مزاج میں کچھ انحراف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن تاریخ کی ان نازک اور کٹھن گھڑیوں میں بھی کیا ہوا تھا۔ نواب شاہنواز خان اورنگ آبادی مآثر الامراء میں رقمطراز ہیں:۔

قاضی بقطع معاملات اہل اسلام متعین گشت و برہمنے دانا بجہت فصل قضایائے ہنود قرار یافت (مآثر ۳۸۶ ج ۳ مطبوعہ کلکتہ)	مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کے لیے قاضی کا اور ہندوؤں کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے کسی دانا برہمن کا تقرر کرنا قرار پایا۔

اور یہ تو خیر زیغ اور انحراف کے وقت کا نقشہ ہے۔ وہ بھی جلال الدین محمد "اکبر بادشاہ" جب تک "جلال الدین محمد" ہی تھے جہانگیر اکبر بادشاہ نہیں ہوسکے تھے، تو مآثر ہی میں اس زمانہ کا حال یہ لکھا ہے

دراں وقت اکبر بادشاہ بترغیب شیخ (عبد النبی) در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی منکر فراواں اہتمامی نمود۔	اس زمانہ میں اکبر بادشاہ شیخ عبد النبی (صدر الصدور) کے اشارہ سے شرعی احکام کے جاری کرانے میں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں انتہائی کوششوں سے کام لیتے تھے۔

انتہا یہ تھی کہ بقول انہی کے

خود اذان می گفت و امامت میکرد حتی کہ بقصد ثواب مسجد جاروب می زد۔ صفحہ $\frac{٥٦}{٢}$	خود بادشاہ اذان دیتا تھا اور امامت بھی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ثواب لوٹنے کی غرض سے جھاڑو بھی مسجد میں خود دیتا تھا۔

(باقی آئندہ)

---

[1] خدا اپنی روشنی کو پوری کرکے رہیگا، خواہ کافر برا مانیں۔ اسلے اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں ۱۲

[2] ہندوستان میں اسلامی قانون کے جو یہ دو فتاوے کی کتابیں مختلف زمانوں میں مرتب و مدون ہوئی ہیں ان کے تفصیلی حالات ایک حد تک آپ کو میری کتاب "تعلیم و تربیت" میں مل سکتے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تعلیم و تربیت جیسے نام سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب دہلی کے نشری ادارہ ندوۃ المصنفین سے ملیگی۔

[1] بادشاہ کی طبیعت کی اس انتہا پسندی کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ لوگوں کو لوگوں کا ماتھا اسی وقت ٹھنکتا۔ جب دینداری میں وہ یہاں تک پہونچا ہے تو اس کیفیت کے ازالہ کے بعد اعتدال کے نقطہ پر شاہی مزاج باقی نہ رہیگا۔ اور یہی ہوا۔ اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ اکبر شاہ سے جو کچھ بھی سرزد ہوا یہ انکی غلو دادرانہ طبع کا نتیجہ تھا۔ انتہا پسندی ہی انکی فطرت تھی عہد دینداری میں بھی انتہا تک آخری حد تک اسی کے پیچھے

انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن

(از مدیر صدق)

"ترجمان القرآن" کی نظر میں

"محمد علی لاہوری کا ترجمہ و حاشیہ معنوی تحریفات سے بھرا ہوا ہے۔ زبان بھی پھیکی اور بے مزہ ہے۔ پکتھال نے ترجمہ کے بجائے تشریح کو پسند کیا ہے۔ مگر توضیحی حواشی کی کمی کے باعث اسکی افادیت کم ہو گئی ہے۔ عبداللہ یوسف علی کے ترجمہ میں زبان کا چٹخارہ بھی بہت ہے اور توضیحی حواشی بھی ہیں۔ مگر خود انکا دینی علم اتنا محدود ہے کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داری کے وہ اہل نہیں سمجھے جا سکتے۔ بہر حال اُس میں اتنی خوبی ضرور ہے کہ وہ ارادی تحریف سے خالی ہے۔ موجودہ ترجموں کی ان کوتاہیوں کے پیش نظر قرآن کریم کے ایسے انگریزی ترجمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو ان خامیوں سے پاک ہو جسے پورے اطمینان اور شرح صدر کے ساتھ نوجوانوں کے ہاتھوں میں دیا جا سکے۔ مولانا عبدالماجد کا ترجمہ اس کمی کو ایک حد تک پورا کرتا ہے۔ مولانا عبدالماجد ایک طرف راسخ العقیدہ اور ٹھیٹھ مسلمان ہیں۔ دوسری طرف یورپ کی نت نئی گمراہیوں اور فکری بھول بھلیاں پر خاص نظر رکھتے ہیں۔ نیز ترجمہ و تالیف کی مختلف منزلوں میں وہ وقت کے مستند عالموں سے برابر مشورہ بھی لیتے رہتے ہیں۔ اس لیے یہ توقع رکھنا بعید نہ ہوگا۔ ان کا ترجمہ نئی پود اور انگریزی دانوں کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہوگا۔ ترجمہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ عقائد کے بارے میں ٹھیٹھ اسلامی روش اختیار کی گئی ہے اور بعض نورشان عصر حاضر کی طرح خواہ مخواہ کی تحریف و تاویل سے اجتناب کیا گیا ہے۔ دوسری امتیازی چیز اسکے توضیحی حواشی ہیں، جو اکثر و بیشتر نہایت قیمتی اور مفید ہیں۔ بائبل اور یہودی اور عیسائی اہل علم کی دوسری مستند کتابوں سے بکثرت شواہد جمع کیے گئے ہیں۔ جنکی قدر و قیمت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھوں نے کبھی یہودیت کے متن سے شکر مع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن عربی مفردات کے لفظی ترجمے تشفی بخش نہیں معلوم ہوئے، اُنکی توضیح حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ اسی طرح حواشی گوناگوں لغوی۔ نحوی۔ تاریخی۔ اور جغرافی معلومات اور فوائد کا مجموعہ ہیں۔ البتہ ترجمہ میں بائبل کی زبان اور طرز اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں اختلاف کی گنجائش ہے اور اصحاب ذوق کی داد انہیں ہو سکتی ہے۔"

(۱۲۱)

"تفسیری کام اور چندہ"

(از عبدالماجد)

ایک لاہوری مہربان شیرپی ناؤں کا جو مراسلہ ۲۹ میں بلا کسی ردائی سمی جواب کے شائع ہو رہا ہے اُس سے بعض صاحبوں کو خیال جو پیدا ہو گیا ہے۔ کہ شاید تفسیری کام کے لیے کوئی عام چندہ کی اپیل کی گئی تھی! استغفر اللہ۔ صورت حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ تفسیر ذاتی یقیناً ایک پر مصارف شغل ہے۔ مثلاً عربی، انگریزی، عنتیم اور نیز بعض اردو کتابوں کی فراہمی، ٹائپ کی اُجرت، مبیضہ نویس کی تنخواہ وغیرہ۔ لیکن خود سے طلب کرنا الگ رہا، جن مخلصوں نے از خود کچھ شرکت کرنا چاہی اُن میں سے بھی سب کی امداد نہیں قبول کی گئی۔ متعدد منی آرڈر واپس کیے گئے۔ بعض کی پیش کردہ رقموں میں سے صرف ایک جزو کو قبول کیا گیا، اور صدق میں اعلان اُن معطی حضرات کے نام اور مفصل پتہ کے بغیر، اُنکے شکریہ کے بغیر، انکی رقموں کا اندراج مقصداً ان الفاظ کے ساتھ ہوتا رہا ہے کہ فلاں فلاں حضرات سے امداد قبول کی گئی۔ قبول امداد کا معیار صرف ان حضرات کا اخلاص کامل ہے، اور اخلاص کامل کا معیار شہادت قلب ہے۔ شرکت کی اجازت صرف اُن کو ہے جو محض اجر و رضائے الٰہی مقصود رکھتے ہوں۔ اور ساتھ ہی وسعت کم سواد و بے استعداد کے ساتھ حسن ظن اور اعتماد اس درجہ کا رکھتے ہوں، کہ اُنکے سامنے اگر رقم اٹھا کر دریا میں پھینک دی جائے، جب بھی وہ حساب و کتاب کا مطالبہ نہ کریں۔ یہ شرطیں اس کے قبل بھی درج ہو چکی ہیں کبھی صراحۃً کبھی کنایۃً اور آج ایک بار پھر انکے اعادہ کا موقع نکل آیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵)

تو انھوں نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ سمیت شدید عبادت (اعتکاف) کے اُسی طرح منافی اور ناقص ہے جس طرح نماز و طہارت کی ناقص جیسی نامایاں ربوائی برانا ہیں۔ المستکمعت اذا الی کبیرۃ فسد اعتکافہ لان الکبیرۃ ضد العبادۃ کما ان الحدث ضد الطہارۃ والصلاۃ قالہ ابن قومین معنداً: عن مالک (قرطبی) ویکرہ الدخول فیہ لمن یخاف علیہ العجز عن الوفاء بحقوقہ (قرطبی)

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف تقریباً ۲۵ سال کی) حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و حدیث کے احکام اور علماء اسلام و حکماء یونان کے بہترین اقوال کا مجموعہ ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوگی۔

پتہ۔ محمد تقی خاں۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے۔

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

〃 ششماہی عہ ر

بیرون ہند سے سالانہ دس روپیہ

قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۳۳ | یوم سہ شنبہ - ۲۶ - رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

مدت دراز کے بعد ابھی ایک دن لکھنؤ میں ملا انوار کے باغ کو جانا ہوا۔ "باغ"! نام کے ساتھ ہی خیال درختوں اور پھول پتوں کا آجاتا ہے، اور ذہن کے سامنے نقشہ سبزہ وچمن کا پھرنے لگتا ہے۔ یہاں باغ کے نام سے گھاس کی پتی تک نہیں۔ ایک چوڑا سپاٹ، لق ودق احاطہ، اندر ایک پورا محلہ آباد۔ اردگرد لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات، درمیان میں لمبا چوڑا قبرستان، ہر طرف قبروں، قبوں، اور مزارات کی آبادی۔ ایک گوشہ میں مسجد اور خانقاہ! —— آبادی کے اندر ویرانہ، یا یوں کہیے کہ ویرانہ کے اندر آبادی —— فرنگی محل کے ایک قدیم بزرگ ملا محمد انوار آئے ہوئے ہیں، انھیں کی جانب یہ محلہ منسوب ہے۔ ممکن ہے شروع شروع میں باغ ہی رہا ہو۔ کبھی شاید عام قبرستان رہا ہو، اب تو مدت سے صرف فرنگی محل والوں کا قبرستان ہے، اور انکا کے لیے وہ اجازت دیں

مدت کے بعد جانا ہوا۔ اور دل عجب اثر لیکر آیا۔ کیسی کیسی یادیں تازہ ہوگئیں، اور کتنے بچھڑے ہوؤں کی شبیہیں صورتیں نظر کے سامنے پھر گئیں! —— سامنے سفید وشفاف، سنگ مرمر کی آرامگاہ، فرنگی محل کے علم وشہرت کی آخری یادگار مولانا عبدالباری کی ہے۔ جس نفاست کے ساتھ حیات گذری، شاید وہی وہاں بھی ساتھ دے رہی ہے۔ اور پہلو میں سبز گنبد کے نیچے ان کے والد ماجد مولانا عبدالمجید وغیرہ۔ اور یہ کھلے ہوئے میدان میں اور فلاں

کے مجاور مولوی سلامت اللہ اور مفتی وشیخ الحدیث عنایت اللہ ہونہار مولوی محمد یونس (مترجم "روح الاجتماع") اور بزرگ مولوی عزت اللہ، انکے والد ماجد، اور اس نامہ سیاہ کے استاد مولوی عظمت اللہ، اور ایک کونے میں نیم پختہ و نیم خام تربت فرنگی محل ہی کے نہیں بلکہ ہندوستان کے محقق مولانا عبدالحی کی۔ کیا نور، رحمت اور کیسی کشش ہر ایک قبر پر ہے! اس جگہ سے اٹھنے کو جی نہ چاہے —— اور خدا معلوم کتنے بڑے اور چھوٹے، بوڑھے اور جوان، بچے اور سپاہی —— اور تو اور ایک صاحبزادی ...... زبان میں وہ اپنے وقت کی نامور امیرزادیاں۔ ایک رانی صاحب جہانگیرآباد، آہ! انکی وہ داد ودہش اور فیاضیاں! اور دوسری رانی قمر زمانی بیگم، آہ! وہ انکے دور شباب وشہرت کی داستانیں۔ پہلا عقد ایک راجہ سے اور دوسرا ایک رئیس سے۔ اور دوسری طلاق کے بعد تیسرا عقد اپنے ہی علاقہ کے ایک کارندہ سے! اور مقدمہ بازی کے سلسلہ میں لکھنؤ ہی کے ایک اخبار میں مدتوں "دور قمر" کے عنوان سے نوٹس! —— کیا کہیے، قبریں کیسے کیسے اعمال کے کن کن گوشوں کی نشان دہی، سب پر پردہ کر دیتی ہیں! خدائے ستار، آمرزگار سب کو اپنی رحمت ومغفرت کے پردے میں ڈھانپ لے!

دو قدم اور مغرب کی طرف بڑھیے۔ تو ایک چبوترے پر ڈھیر فقر وتقوے کے امام مولانا محمد نعیم کا ہے۔ اور انکے بازو پر انکے والد اور بھائی۔ اور نیچے دونوں بھتیجے۔ فرنگی محل کے "شمس العلماء" ابو الوفاء مولوی عبدالمجید اور ابو ...... مولوی عبدالحکیم ...... ایک معقولی، دوسرے منقولی۔ اور خدا معلوم اور کتنے ——

کوئی فہرست اور شمار تو شاید ہی مقصود ہے!

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا!

ہر طرف عبرت کا کارخانہ۔ حسرتوں کا خزانہ۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

حسرت دہلانی کے دیوان میں "شہر اولاد کا باغ" کے ردیف و قافیہ میں جو غزل ہے، اسکی تلمیح اسی عبرت گاہ کی جانب ہے۔ اپنے بھی دو چار عزیز قریب اسی خاک میں آسودہ ہیں —— اسمبلی اور لوکل والوں، چیف کورٹ اور گورنمنٹ ہاؤس والوں سب کی آخری منزل یہی ہے۔ کیوں نہ جیتے جی کبھی کبھی ان ویرانوں اور کھنڈروں کو جھانک لیا کیجیے اور قبل اسکے کہ یہاں لائے جائیے، کیوں نہ خود ہی کبھی بہ صحت عقل بسلامت۔ اس جہان کے خاموش پیام سن جایا کیجیے!

نئی روشنی پرانے حقائق پر

ٹائمس آف انڈیا (۲۶ اگست ۱۹۴۵ء) میں ایک مضمون جاپانیوں کے "دیوتاؤں کے فرزند" کے عنوان سے ہے۔ اس میں جاپانیوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے، کہ ہم لوگ عام انسانی مخلوق کی طرح نہیں، بلکہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں، اور اس لیے خود بھی نیم دیوتا اور تقدس مآب ہیں —— یہ عقیدہ صاف آواز بازگشت ہے یہود کے اس دعوے کی کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ (ہم خدا کی اولاد اور اسکے چہیتے ہیں)

ترجمان مقالہ میں شاہی محل کی بھی تصویر درج ہے جسکے آگے فوجی سپاہی پرے جمائے نیم رکوع کی حالت میں محل کی طرف رخ کیے، اسکی پوجا کر رہے ہیں۔ یہ ترجمان ہے انکے اس عقیدہ کا کہ میکاڈو (شاہ جاپان) اوتار ہوتے ہیں معبود اعظم سورج دیوتا کے! —— ٹھیک یہی عقیدہ جو اہل مصر کا فرعون سے متعلق تھا۔

تاریخ پر، جغرافیہ پر، واقعات حاضرہ پر نظر ہے تو قرآن مجید کے بیانات کی نظیریں اور تائیدی مثالیں قدم قدم پر ملتی جائیں گی۔ مفسر جدید کے لیے یہ علوم ناگزیر ہیں۔

پردہ اور پردۂ عصمت

ایک ہندوستانی "ماں" صاحبہ کا مراسلہ پائنیر (لکھنؤ) میں:—

"بڑی ہی شرم اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستانی شرفاء نے چاہے وہ طلبہ ہوں یا کوئی اور، اب تک اپنی عورتوں کی عزت کرنا نہیں سیکھا ہے۔ ہندوستان خود مختاری کے دروازہ پر پہونچ چکا ہے، اور ملک کی عورتیں پردہ سے باہر آکر مردوں کے شریک عمل ہونے کو ہر شعبۂ زندگی میں تیار ہیں، لیکن خود ہمارے نوجوان ہی راہ کی روک بنے ہوئے ہیں۔ سڑکوں اور شاہراہوں پر عورت کی توہین اور چھیڑ چھاڑ اس درجہ ہونے لگی ہے کہ مجبوراً پولیس کو جسکا کام بدمعاشوں اور گنڈوں کی گرفت دھکڑ ہے، اُسے اسکول اور کالج لڑکیوں کی حفظ ناموس کے لیے مستعد ہونا پڑا ہے۔"

لیکن محترم خاتون، یہ ارشاد ہو کہ قصور اب بھی تمامتر مردوں اور اور لڑکوں ہی کا رہا؟ آخر سیکڑوں ہزاروں عورتیں اور لڑکیاں ڈولی میں، پالکی میں اور بند گاڑیوں میں اور پردہ دار تانگوں میں اور پیدل برقعوں میں بھی تو اسی شہر کی سڑکوں پر، انھیں مردوں اور لڑکوں کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں، پھر آخر اسوقت ان آوارہ مردوں کی بدمعاشی اور "گنڈہ پن" کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا ان پر بھی دست درازی کی وارداتیں، اتنی نہ سہی، اسکی آدھی، چوتھائی بھی گزرتی رہتی ہیں؟ کیا انھیں بھی پیرما چھیڑنے کی ہمت کرتے ہیں؟ کیوں چھیڑیں؟ —— کسی نے بھی اپنی بہن اور بیٹی اور ان کو سرراہ چھیڑا ہے؟ لیکن جب آپ خود ہی پردہ اور برقع اور نقاب اور لباس ساتر اور نیچی نگاہوں اور شرم و جھجک کو اپنے ہاتھوں آگ لگا چکی ہیں، اور اپنے کو نیم برہنہ ایکٹرسوں ملکہ نیم بیسواؤں کی اداؤں سے آراستہ کر چکی ہیں، تو یہ کیونکر توقع کیے ہوئے ہیں کہ رستہ میں آپ کو بھائی اور بیٹے اور باپ ملتے رہیں گے؟ —— دیا یہ جھیلا آگ تو آپ نے خود لگائی ہے اور پھر شور یہ ہے کہ کپڑے جلے جا رہے ہیں!

افضل البشر

ایک صاحب خورد سو سے لکھتے ہیں:—

"اول ما خلق اللہ نوری۔ یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ پچھلی روایت کی نسبت سیرۃ النبی جلد سوم میں صاف مرقوم ہے کہ اسکے موضوع ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ دوسری روایت کی صحت کی بابت تذبذب تحریر ہے اور استدلال تذبذب میں اول ما خلق اللہ القلم بحوالۂ صحیح بخاری رقم ہے۔ تیسری روایت کے لیے ہدیۂ مجیدیہ (ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ) کید نمبر ۶۵ صفحہ میں بہت واضح لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی کچھ اصل نہیں۔

عوام میں مشہور و معروف ہے کہ آنحضرت صلعم کو اگر خلاق عالم نہ پیدا فرماتا تو زمین و آسمان وغیرہ کچھ نہ پیدا فرماتا — میلاد کی کتابوں میں بھی یہی پایا جاتا ہے۔ لیکن جن روایتوں سے استدلال کیا جاتا ہے، انکا حال اوپر عیاں ہے۔ اب جناب والا سے یہ عرض ہے کہ کہیں قرآن مجید میں اسکا اشارہ ہے، یا کوئی حدیث صحیح اسپر دال ہے؟ یا صرف واعظوں کی رنگین بیانی ہے اور بس۔

مجھے اس امر سے سخت نفرت ہے کہ بزرگان دین کی نسبت ایسی بات کہی جائے جو فی الواقع اُن میں نہ ہو۔ نہ کہ سرور عالم صلعم کی بابت۔ بس عرض ہے کہ میری تشفی فرمائیں۔"

:: سوال الگ الگ ہیں، اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہیں۔ ایک سوال یہ ہے کہ روایات بالا کس درجہ کی ہیں؟ دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلعم کو مقصود کائنات سمجھنا کہاں تک صحیح ہے؟

پہلے کا جواب یہ ہے کہ تینوں روایتیں بے ثبوت ہیں، بلکہ تیسری تو یقیناً موضوع۔ اسکے متعلق جو تحقیق سائل نے نقل کی ہے وہی صحیح ہے۔

لیکن اس سے دوسرے سوال کی نفی لازم نہیں آتی۔ ذیل کے دو مقدمے الگ الگ سمجھ لیے جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان خلاصۂ کائنات و اشرف خلائق ہے۔ آیات قرآنی انی جاعل فی الارض خلیفہ، و لقد کرمنا بنی آدم وغیرہا نیز احادیث نبوی ان الدنیا خلقت لکم و انکم خلقتم للآخرۃ وغیرہ اس پر ناطق ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم افضل البشر اور اشرف خلائق ہیں —— ان دونوں مسلم حقیقتوں کے ملانے سے اگر کوئی اس نتیجہ تک پہونچ جائے کہ آنحضرت صلعم کی ذات خلاصۂ کائنات اور مقصود اعظم آفرینش ہے، تو اس نے شاعری نہیں کی۔

رہا یہ سوال کہ آپ کی پیدائش نہ ہوتی، جب بھی اس آسمان و زمین کی آفرینش ہوتی یا نہ ہوتی، تو ظاہر ہے کہ مشیت کے امکانات پر کون بندہ اسے زبان کی جسارت کرسکتا ہے۔ البتہ یہ بھی یقینی ہے کہ اس درجہ مرتب و مکمل نظام میں جیسا کہ اس کائنات کی مشینری کا ہے، ایک ادنیٰ سے پرزے کا، رد و بدل بھی عظیم الشان، بلکہ زمین و آسمان کا فرق پیدا کرسکتا تھا، چہ جائیکہ ایسی ہستی کا عدم جو مخلوقات میں عظیم ترین مرتبہ رکھتی ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک خادم دین و ملت" (کلکتہ) یقیناً انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں اسلامی لٹریچر پھیلانے کی شدید ضرورت ہے لیکن مدیر صدق جتنا وقت نکال سکتا تھا، وہ تو انگریزی قرآن مجید کے کام میں اب بھی لگا ہوا ہے۔

ریاضی و انگریزی داں مدرس کی ضرورت

مدرسۂ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور میں شوال ۱۳۶۴ھ سے ایک ایسے مدرس کی ضرورت ہے جو ریاضی اور جغرافیہ و تاریخ کی اچھی طرح تعلیم دے سکتے ہوں۔ ایک ایسے انگریزی داں مدرس کی بھی ضرورت ہے جو کم از کم انٹرنس پاس ہوں اور طلبہ کو اچھی طرح انگریزی کی تعلیم دے سکتے ہوں۔

درخواستیں ناظم مدرسہ کے نام آنا چاہیے
تنخواہ بذریعہ خط و کتابت طے ہو جائیگی۔

المشتہر

ناظم مدرسۂ سعیدیہ — جامع مسجد شاہجہانپور

نئی کتابیں

(۱) **میخانۂ ریاض** — از تسنیم مینائی — ۲۸۰ صفحے، قیمت عہ؎ پتہ: دار الاشاعت اردو، عابد روڈ، حیدرآباد دکن۔

ریاض خیرآبادی مرحوم دور کے ایک نغز گو شاعر ہوئے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر و انشا پرداز بھی۔ یہ انکے حالات و کلام پر ایک دلچسپ تبصرہ انکے استاد زادہ یعنی امیر مینائی کے پوتے تسنیم مینائی کے قلم سے ہے۔ اصل کتاب ۱۶۵ صفحہ پر ختم ہو گئی ہے، باقی حصہ انتخاب کلام کے لیے وقف ہے، کسی تبصرہ و تشریح کے بغیر۔ تسنیم اچھے لکھنے والے ہیں۔ انکے بعض مضامین انکی ادبیت و حسن انشاء کے شاہد عادل ہیں۔ ریاض کی نثر و نظم پر لکھنے کا انھیں حق حاصل تھا۔ لیکن یہ کتاب اس معیار کی نہیں، جسکی ان سے توقع تھی —— اچھے مصنف ہونے کے لیے محض ذہانت اور زباں دانی کافی نہیں۔ خاصی محنت اور وقت صرف کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

اس کتاب کا حال یہ ہے کہ فہرست مضامین دینے تک کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ہے، اور مصنف نے اپنا تعارف اپنے قلم سے کرانے کے بجائے (مثلاً ص ۱۹ کی عبارت اس مقصود کے لیے کافی نہیں) یہ خدمت ناشر غریب کے سر ڈال دی ہے۔ جا بجا زیادہ تر دوسروں کے بڑے لمبے لمبے اقتباسات درج ہیں۔ اور بعض دفعہ مصنف کی رائے کو دوسروں کی رایوں سے ممتاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اس سارے حصہ میں اکثر اشعار کو بلا ضرورت جلی قلم سے لکھنے کی روش نے ایک طرف تو کتاب کو مصنوعی ضخامت دیدی ہے اور دوسری طرف مطالعۂ کتاب کی روانی میں سہولت نہیں دشواری پیدا کر دی ہے —— نتیجہ یہ ہے کہ مصنف کے حسن بیان کے باوجود کتاب اتنی دلچسپ نہیں رہی، جتنی موضوع اور مصنف کی شخصیت دونوں کے لحاظ سے ہونی چاہیے تھی۔ ص ۹۴ کے وسط میں لفظ "متلاشی" مصنف کے سنبھلے ہوئے قلم کے شایان شان ہیچ مدان کے سے؟ آیندہ ایڈیشن میں ہونہار مصنف کو زیادہ توجہ اور محنت وقت کا موقع مل جائے۔

(۲) **مرزا غالب کی شاعری** — از مرزا محمد عسکری صاحب بی، اے — ۵۴ صفحے — قیمت عہ؎ پتہ: — صدیق بکڈپو — امین آباد لکھنؤ۔

مرزا صاحب کا ایک فاضلانہ مقالہ ہے، جو ۱۹۲۶ء میں ہندوستانی اکادمی لکھنؤ میں پڑھا گیا تھا۔ ۲۰ سال کے بعد اب کتابی صورت میں شایع ہوا ہے۔ یہ ظاہر صرف ایک مقالہ ہے لیکن اسکے اندر غالب اور متعلقات غالب پر بہت کچھ آگیا ہے۔ غالب کا ماحول، غالب

کی شاعری کا نشو و نما، غالب کا نسب، غالب کا مذہب، یہ سب مباحث سامنے آتے ہوئے ملیں گے، خصوصاً غالب کے مذہب پر گفتگو بسط و تفصیل سے ہے۔ مقالہ شیدا ایمان غالب کے کلام کی جز ہے، اور اسکا بہترین، گو مختصر، حصہ وہ ہے، جس میں اشعار غالب کی شرح و ترجمانی کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل لکھنوی اصلاً اسی میدان کے مرد ہیں۔

ص۳ پر "فی الذہن الشاعر" میں "ذہن" سے قبل "ال" زائد چھپ گیا ہے۔

(۳) **تذکار الحج**۔ از مولانا ابو القاسم محمد عتیق بحر العلومی فرنگی محلی۔ ۹۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، ابو الکمال محمد حبیب الحلیم۔ آستانۂ حمیدیہ، ٹکسال، لکھنؤ۔

اسکا نام کتاب الادعیہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اس میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی دعائیں ملینگی۔ زیادہ تر احادیث سے ماخوذ، لیکن کچھ اسکے علاوہ بزرگوں سے بھی منقول۔ سفر حج اور واپسی، احرام و حرم، داخلہ حرم، کعبہ و طواف، سعی و عرفات، طواف وداع وغیرہ کی دعائیں تو ہونا ہی تھیں، انکے ساتھ ہی اور بھی دعائیں ہر موقع کی درج کر دی گئی ہیں، مثلاً سو لینے کے وقت کی دعا، رویت ہلال کی دعا، صبح و شام کی دعا، دفع خوف و دفع وحشت کی دعا، وغیرہا۔ اتنی دعاؤں کا جامع یقیناً اسکا مستحق ہے کہ خود اسکے حق میں دعائے خیر کی جائے۔

(۴) **حضرت ابراہیم علیہ السلام** (بچوں کی قصص الانبیاء) از تسنیم صاحب، ۳۶ صفحے۔ قیمت ۴ر، پتہ، مکتبۂ اسلام، نمبر ۳۷۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ۔

عربی کی قصص النبیین للاطفال، حصہ اول کا ذکر ان صفحات میں عرصہ ہوا آ چکا ہے، یہ اسکا شستہ و شگفتہ ترجمہ ہے۔ گویا خود ایک مستقل تصنیف، بچوں، بچیوں، جوانوں، بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، دلچسپ بھی اور سبق آموز بھی۔ پیش لفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے، جو صدق میں شایع بھی ہو چکا ہے۔

(۵) NATIONAL STATE & NATIONAL MINORITIES (قومی حکومتیں اور اقلیتیں) از پروفیسر محمد عبد الستار خیری، استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔ ۲۰ صفحات

(۶) THE COMMUNAL PROBLEM OF INDIA (ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ) از ڈاکٹر قاضی سعید الدین استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ صفحات ۱۶ صفحے

(۷) SOME ASPECTS OF PAKISTAN (پاکستان کے بعض پہلو) از جناب محمد جمیل الدین صاحب استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ۲۸ صفحات

(قیمت فی رسالہ ۸ر، ناشر، شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور)

مسلم لیگ کے خلاف جب شد و مد کے ساتھ انگریزی پریس میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسکے پیش نظر لیگی نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے والی انگریزی کتابوں کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ لیگ والوں کو احساس ہوا۔ مجلس مصنفین کا قیام ایک مبارک عملی قدم ہے۔ زیر نظر رسالے اسی مجلس کے زیر اہتمام شایع ہوئے ہیں، انگریزی کے آکسفورڈ یونیورسٹی کے پمفلٹوں کی طرح .... یہ رسالے اپنے محدود صفحات کے باوجود اچھے خاصے بصیرت افروز اور دلچسپ ہیں۔

(۵) پہلے رسالہ میں پروفیسر خیری نے اقلیتوں کے لیے تحفظات کے سوال پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دوسرے ملکوں کی مثالوں سے واضح کیا ہے کہ تحفظات، اقلیتوں کے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئے۔ خیری صاحب نے مسئلۂ قومیت کی حقیقت کو بھی خوب بے نقاب کیا ہے۔ مغربی سیاسی مفکروں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان ایک مستقل جداگانہ قومیت رکھتے ہیں اور اس لیے انکا مطالبۂ پاکستان بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے بالکل واجبی ہے۔

(۶) ڈاکٹر سعید الدین مشہور جغرافیہ داں ہیں۔ تقسیم ہند کے بارے میں انکی رائے لائق توجہ ہے۔ ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ انکے بے لاگ سیاسی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اعداد و شمار اور دلائل کی رو سے رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی بسنے والی قوموں کو آزاد خود مختار حکومتیں قائم کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ رسالہ کے پیش کردہ دلائل ارباب سیاست کی سنجیدہ توجہ کے مستحق ہیں۔

(۷) پاکستان کے بعض پہلو۔ جمیل الدین صاحب کے قلم سے ہے۔ پاکستان کے متعلق گو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پھر بھی ایک مختصر و جامع پمفلٹ کی ضرورت باقی تھی، یہ رسالہ اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے۔

تینوں رسالے صاف ستھری زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔ تینوں رسالے وقت کے اسلامی لٹریچر میں خوشگوار اضافے ہیں۔ مجلس مصنفین کے ارکین مستحق مبارکباد ہیں۔ (ح۔ ا۔ ق)

ملحد شاعر کا جواب

(عقیل جعفری خیرآبادی کی زیر طبع کتاب، جوش و ہوش کا مقدمہ)

از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ

جوش ملیح آبادی کے ملحدانہ کلام کے جواب میں عقیل خیرآبادی (زادکم اللہ غیرۃ علی الدین) نے کچھ نظمیں لکھی ہیں، جو اس مجموعہ میں جمع ہیں، اس سے اس مسلمان شاعر کی قوت شعری کے ساتھ ساتھ اسکی قوت ایمانی بھی ظاہر ہوتی ہے

شعر کو تاثیر کی جو قوت ملی ہے اسکا انکار کون کر سکتا ہے۔ اسی

یہ تا پکھٹر نے ہمیشہ اس آلہ سے کام نکالنے کی کوشش کی ہے، مگر حق نے بھی اسکے جواب میں اسی کارگر آلہ کو استعمال کیا ہے اور اس سے باطل کا استیصال کیا ہے ـــ خود اسلام کے دور نبوت میں کافر شاعروں کے جواب میں مسلمان شاعروں نے اس سے کام لیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے داد اور روح القدس کی تائید کی بشارت پائی ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور حضرت حسانؓ بن ثابت اور دوسرے شاعر صحابۂ کرامؓ نے اپنے سحر بیانی اور زور کلام سے جہاد بالسیف کے ساتھ ساتھ کفر کی بیخکنی کی بڑی ہی خدمت انجام دی ہے۔

جاہلیت کے اس عہد اور کفر و اباحیت کے اس دور میں باطل نے پھر شاعری ہی کی تاثیر سے عوام کے دلوں کو مسحور کرنا چاہا ہے، ضرورت ہے کہ حق کے حامی اب پھر شمشیر قلم کو علم کریں اور تیغ زبان کے جوہر دکھائیں

اس حیثیت سے جناب عقیل خیرآبادی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ملحد نو کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر باطل کے منہ پر وہ طمانچہ مارا ہے جس سے بھری محفل میں انکی رسوائی ہوئی ہے

جوش صاحب گو اپنی نظموں میں کبھی تو وطن پرست انٹرنیشنلسٹ کہیں اشتراکیت پسند اور سوشلسٹ، کہیں قیصریت اور سرمایہ داری کے دشمن اور مزدوروں اور کسانوں کے حامی معلوم ہوتے ہیں لیکن دوسرا ہی صفحہ الٹیے تو معلوم ہوگا کہ وہ خواہش کے بندہ، فواحش کے طلبگار، دولت کے پرستار، سرمایہ کے پجاری امیروں راجاؤں کے مصاحب، اور پنشن خوار، عیش شباب، اور شراب ناب کی تلاش میں تھیٹروں اور سنیماؤں کے زلہ ربا نظر آتے ہیں - اس دورنگی سے ظاہر ہے کہ ان کا فر کا کفر بھی ناتمام ہے۔

نے کافر مطلق درست نے مسلمان تمام

افسوس اُن مسلمانوں پر ہے جو ایسے ملحد کو اپنی محفلوں میں بلاتے اور اپنے ہاتھوں سے جام پلاتے ہیں اور اسکا کلام سنتے اور سناتے ہیں اور مشاعروں میں اسکے ملحدانہ کلام کی داد دے کر اس کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

عقیل صاحب ماشاء اللہ شعر و سخن کی گود میں پلے ہیں۔ ایمان کے نور سے منور ہیں۔ دین کی غیرت رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان نوجوان انکے اس کلام کو پڑھ کر جو ہلاہل زہر پیتے دیکھیں گے یہ تریاق پیش کریں گے۔

نولکشور پریس اور قرآن کریم کی توہین

(از مولانا شاہ محمد عبد الحامد صاحب قادری بدایونی)

نولکشور پریس لکھنؤ جو سابقہ زمانہ میں قرآن کریم کی کتابت و طباعت میں غیر معمولی حزم و احتیاط کرتا تھا جسکی وجہ سے مسلمانوں نے اُسکی مطبوعات وغیرہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن اس طرف تھوڑے عرصہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ یہی پریس قرآن کریم کی بے حرمتی اور اہانت کی طرف قدم اُٹھا رہا ہے۔

سب سے پہلی بات تو اسکے مطبوعہ قرآن پاک میں یہ ہے کہ وہ اغلاط سے لبریز ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کے سیپارے جو علیحدہ علیحدہ شایع کیے جاتے ہیں اُن پر بجائے لفظ ہدیہ طبع کرنے کے قیمت کا لفظ طبع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سیپارہ الم مطبوعہ ماہ مئی ۴۵ء اور سیپارہ ۱۵- اگست ۴۵ء پر لفظ قیمت ہی طبع کیا گیا ہے۔ اس درمیان میں ہمارے یہاں سے ۷- جولائی ۱۹۴۵ء اور ۱۱ اگست ۴۵ء کو منیجر صاحب نولکشور پریس کو مخصوص طور پر توجہ دلائی گئی، مگر انھوں نے اسوقت تک کوئی جواب نہ دیا۔ جسکے معنی یہی ہوسکتے ہیں کہ انکی نظروں میں اصلاح کا مطالبہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ ہم آخری بار اخبارات کے ذریعہ منیجر صاحب کو مطلع کرتے ہیں کہ وہ جلد اصلاح کریں ورنہ مسلمان مجبور ہوکر قانونی چارہ جوئی کرینگے۔

صدق - واقعات کا تو کوئی علم ادارۂ صدق کو نہیں، لیکن مراسلۂ بالا ایک ذمہ دار و معروف شخصیت کے قلم سے ہے۔ نولکشور پریس کی موجودہ بے اعتنائی اس لیے اور بھی حیرت انگیز ہے کہ اس پریس اور بکڈپو کے بانی منشی نولکشور صاحب اسکے برعکس اپنے اسلامی جذبات کے لیے ممتاز تھے۔

چائے اور شراب

(ایک انگریزی طبی مضمون کا ترجمہ)

گرم سیالات سے عام طور پر قبض اور خشکی پیدا ہوتی ہے مثلاً چائے کے استعمال سے اور اسکی کثرت سے تو آنتوں پر بہت ہی بُرا اثر مترتب ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر آرتھر ہرسٹ اپنی کتاب "قبض اور آنتوں کی خرابیاں" کے ص۹۲ پر لکھتا ہے "خشکی کرنے والی چیزیں خواہ وہ کھائی جائیں یا مقعد کے ذریعہ آنتوں میں پہونچائی جائیں، آنتوں کے غشاء مخاطی کو برابر نقصان پہونچائی جائینگی، ٹینن کے قابض اثرات خاص طور پر غریبوں کے حصہ میں زیادہ آتے ہیں، یہ لوگ کثرت سے گاڑھی چائے پیتے ہیں، جس میں چائے کی پتی دیر تک جوش کھاتی رہی ہے۔ اس قسم کی چائے جس میں ٹینن اس مقدار میں موجود ہو، جو کی شراب اور دیسی ٹھرے کو چھوڑ کر پینے کی چیزوں میں سب سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوئی ہے۔

لطف یہ ہے کہ باوجود علم و سائنس کی اس قدر ترقی و اشاعت کے ہمارے ملک کے امیر و غریب سب ہی ان نقصان رساں چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ بلکہ عادی ہیں۔ چائے اور شراب (ملاحظہ ہو

شریعتِ اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

(۲)

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جس شخص کے دل پر دین کا یہ اثر ہو۔ اگر اس کے ساتھ یہ لطیفہ پیش آیا ہو جیسا کہ ماثر الامراء ہی میں لکھا ہے[1] تو پھر اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے۔ لطیفہ یہ ہے ان ہی کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔

روزے بتقریب سالگرہ پادشاہی رنگ زعفران پوشیدہ بود شیخ (عبد النبی) برغضب شدہ بر سر دیوان بیساں عصا زد تا آنکہ بر دامن جامہ عرش آشیانی رسید شکستہ شد ص ۵۶۵

ایک دن سالگرہ کی تقریب کے موقعہ پر بادشاہی لباس پر زعفران کا رنگ چھڑکا گیا تھا۔ شیخ عبد النبی اس رنگ کو دیکھ کر غصہ میں جو آئے تو سر دربار اپنا عصا پھینک کر بادشاہ کی طرف اس طرح چلایا کہ شیخ کی عصا عرش آشیانی (اکبر) کے دامن تک پہونچ کر "ٹکڑے" ٹکڑے ہو گئی۔

لطیفہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا ہے۔ اکبر بادشاہ کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ شیخ کی بھرے مجمع میں یہ حرکت قدرتاً کچھ ناگوار گزری لیکن یہ جو ناگوار گزرنے کے جو وزن اسلامی قانون شریعت اور شریعت کے منتسبین کو مغل خاندان میں حاصل تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر نے بہ شکل اندر زنانہ میں جا کر اور وہ بھی اپنی ماں مریم زمانی سے بلکتے ہوئے کہا

بایستے کہ در خلوت شیخ منع می کرد

چاہیے یہ تھا کہ شیخ تنہائی میں منع کرتے

لیکن مریم زمانی نے اپنے اکلوتے لخت جگر کو جو تخت و ہند کا تنہا وارث تھا، جن الفاظ میں جواب دیا تھا، تاریخ نے اسکو نوٹ کر لیا۔ نواب شاہنواز خاں راوی ہیں کہ مریم زمانی (حمیدہ بانو، ہمایوں بادشاہ کی ملکہ) نے اکبر کو سمجھانا شروع کیا

بابا گراں خاطر نشوی باعث نجات آخرت است۔ تا قیامت خواہند گفت کہ ملائے مفلوک با بادشاہ چنیں حرکت کرد و سعادتمند تحمل شد ص ۵۶۶ ج ۲

بیٹا تم (میرے بیٹے) اس سے (ملا کی حرکت سے) گراں خاطر تمہیں نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ آخرت میں تمہاری نجات کا ذریعہ ہے اور قیامت تک لوگ تذکرہ کرینگے کہ ایک مفلوک الحال ملا نے وقت کے بادشاہ کے ساتھ ایسی حرکت کی لیکن اس سعادتمند بادشاہ نے برداشت کر لیا۔

شریعت کا یہ احترام ہمایوں کی ملکہ اور ظہیر الدین بابر کی بہو کے دل میں جو تھا "اندر کا یہ اثر" کیا باہر ہی کے احوال کا نتیجہ تھا سچ تو یہ ہے کہ مغل امپائر کے بانی و مؤسس خود شہنشاہ ابو النصر بابر بادشاہ کے متعلق اگر یہ روایت صحیح ہے جیسا کہ "طبقات اکبری" کے مصنف اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے

کتاب در کلام و فقہ حنفی بزبان ترکی بہ نظم در آوردہ کہ مبین نام کردہ اند (طبقات ص ۲۷ ج ۲)

بابر بادشاہ نے کلام اور فقہ حنفی کے مسائل کو ترکی زبان میں نظم کیا تھا اور اس کتاب کا نام مبین رکھا گیا تھا۔

تو "اسلامی قانون" فقہ کی اہمیت کے متعلق مغلوں کے زمانہ میں جو باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں ان میں شک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ آج بھی حکومتوں میں اپنے اپنے آئین و قانون کا بہت کچھ احترام کیا جاتا ہے۔ حکومتوں کے برگزیدہ اساطین اور سربرآوردہ ارکان کا قلم قانون کی کتابیں لکھ رہا ہے۔ لیکن خود بادشاہ وقت نے بلا واسطہ براہ راست قانون کی کوئی کتاب تصنیف کی ہو، مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ مغل حکومت کا بانی اول اگر فقہ کا ایک منظوم متن تیار کر رہا ہے تو اسی مغل حکومت کے آفتاب اقبال کو سمت الراس پر پہونچا کر چمکانے والا بابر ہی کا پوتا اورنگ زیب فقہی نظائر اور فتاویٰ کی تدوین میں جیسا کہ گزر چکا براہ راست خود حصہ لیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج دلوں کو اس واقعہ کی اہمیت نہ محسوس ہو لیکن جن دنوں میں ہندوستان کے آسمان کے نیچے ایسے واقعات گزر رہے تھے، ایک قاضی شیخ الاسلام نامی حج کے سفر سے سورت واپس آتے ہیں۔ دلی کے قاضی ہیں۔ عالمگیر ان دنوں دکن میں تھے۔ شاہی فرمان صادر ہوا کہ قاضی صاحب براہ راست اورنگ آباد پہونچکر بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ قاضی شیخ الاسلام اورنگ آباد آتے ہیں شاہی دربار میں جو آؤ بھگت انکی ہوتی ہے اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ماثر الامراء میں لکھا ہے کہ جب قاضی صاحب رخصت ہونے لگے تو براہ راست خاقان مکان (عالمگیر بادشاہ) اٹھتے ہیں اور

---

[1] عبد النبی عہد اکبری کی مشہور شخصیتوں میں ہیں انکا حال مفصل دربار اکبری میں پڑھیئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ سے نسبی تعلق رکھنے والے مشہور بزرگ و صوفی شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ جنکا شمار ہندوستان کے اساطین صوفیہ میں ہے، بابر اور ہمایوں سے حضرت شیخ کی مراسلت ہوتی تھی، شیخ عبد النبی ان ہی شاہ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔ عرب جا کر حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ اکبر شروع میں انکا بڑا گرویدہ تھا۔ انکے گھر جا کر حدیث پڑھتا تھا اپنے ہاتھ سے شیخ کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا لیکن اکبری دربار پر جب دوسرے طبقہ کے اہل علم کا تسلط چھا گیا تو شیخ کی عزت دن بدن گھٹتی چلی گئی۔ مکہ معظمہ جلاوطن کر دیئے گئے تھے لیکن پھر ہندوستان واپس ہوئے اور ہزار خرابی و رسوائی ہندوستان ہی میں وفات پائی۔ ابتداء میں صدر الصدور کے عہدہ پر سرفراز تھے ۱۲

کرد عطر یا ست مبارک پر جامہ اش می مالید۔ مٰاثر الامراء ج ۳ ص ۲۲۵ | دربار قاضی صاحب کے کپڑوں میں بہ نفس نفیس بادشاہ عطر ملتے جاتے تھے۔

واقعہ اُس زمانہ کے لحاظ سے اتنا ہی اہم تھا کہ تاریخوں میں اسکا تذکرہ کیا گیا، اور ان واقعات کا تعلق تو خود علماء فقہ اور قضاۃ کی ذات سے ہے، انکے عدالتی فیصلوں کو احترام و اعزاز کا جو مقام عالی مغل حکومتوں میں حاصل تھا۔ اگر اسکے واقعات و سوانح جمع کیے جائیں تو بلا مبالغہ ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ تاریخوں میں بنگال کے ایک غیر مسلم کے مقدمہ کا قصہ جو نقل کیا جاتا ہے میرے نزدیک تو اندازہ کرنے کے لیے وہی کافی و وافی ہے۔ پورے قصے کو تو تاریخوں میں پڑھیے، صرف اس جز کو یہاں درج کرتا ہوں۔ یعنی جب

قاضی محمد اشرف باجتماع فضلاء بحکم شرع بقتل بندرابن حکم کردند | قاضی محمد شرف زجو خانگیر ہدایت سے صوبہ بنگال کے قاضی القضاۃ مقرر ہو کر بھیجے گئے تھے، (عفو رہنے) دوسرے ارباب علم و فضل کے مشورہ سے بندرابن نامی ملزم کے متعلق قتل کا فیصلہ صادر کیا۔

تو لکھا ہے کہ بنگال کے اُس وقت جو صوبہ دار تھے، یعنے مؤتمن الملک علاء الدولہ (جعفر خاں ناصر جنگ)[1] نے چاہا کہ بندرابن کو اس سزا سے کس طرح بچایا جائے۔ ریاض السلاطین میں ہے کہ جعفر خاں نے

بدلے رہائی او از قاضی پرسید کہ ہیچ نوع این روا داشتن نجاتش می تواند شد۔ ص ۲۹۶ ریاض | اس امر کے متعلق قاضی سے دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا ذریعہ نکل سکتا ہے کہ اس مجرم کی جان بچ جائے۔

اور گورنر ہی نہیں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہزادہ عظیم الشان، جعفر خاں جنکی نیابت میں بنگال کی صوبہ داری کا کام کرتے تھے، لکھا ہے کہ

شاہزادہ عظیم الشان ہم سفارش بندرابن نوشت | شاہزادہ عظیم الشان نے بھی بندرابن کی سفارش میں لکھا۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بلا تخصیص مذہب و ملت عام رعایا کے ساتھ اسلامی حکام بالخصوص شاہی خاندان کو جو انتہائی ہمدردی و محبت تھی اسکا یہ واقعہ کتنا کھلا اور بیّن ثبوت ہے۔ جان رہے ہیں کہ قانون ایک شخص کو مستوجب سزا قرار دے چکا ہے اور صوبہ دار جیسا کہ انکے حالات سے معلوم ہوتا ہے، ایک دیندار پکے عقیدہ کا مسلمان ہے۔ یہی حال شہزادہ کا بھی تھا، لیکن اسلام ہی نے دوسری ذمہ داری اپنے حکمرانوں پر رعایا کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں جو سختی کے ساتھ عائد کر رکھی ہے، یہ اُسکا اقتضا تھا کہ ادنیٰ معمولی رعیت کے لیے سفارشوں پر سفارشوں کا ذریعہ مسلسل پہونچایا جا رہا ہے، خود صوبہ دار مضطرب ہے، شاہزادہ بے تاب ہے، چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس غریب کی جان بچ جائے۔

---

[1] "جعفر از بنگال و صادق از دکن" رسواے زمانہ میر جعفر نہیں بلکہ مرشد آباد شہر کے بسانے والے عہد عالمگیری کے مشہور امیر مرشد قلی خاں ہیں، جنھیں عالمگیری دربار سے مؤتمن الملک علاء الدولہ جعفر خاں نصیری ناصر جنگ کا خطاب ملا تھا، عام طور پر جعفر خاں کے نام سے مشہور رہے۔ عالمگیری عہد سے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے تک بنگال کے نظم و نسق کو چلاتے رہے۔ جب تک یہ صوبہ دار رہے بنگال میں نہ مرہٹے فساد برپا کر سکے اور نہ اُس زمانہ کے دوسرے فتنوں کا اثر بنگال تک پہونچ سکا۔ لکھا ہے کہ شائستہ خاں کے بعد عالمگیری امراء میں ان ہی کا پایہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ بنگال کی تاریخ ریاض السلاطین میں ہے "جعفر خاں در رواج اسلام و آئین دینداری و اشراف پروری و مظلوم نوازی و ظالم گدازی ثانی امیر الامرا شائستہ خان بود" ص ۲۴۵ - اسی کتاب میں ہے کہ انکی پنجوقتہ نماز کبھی قضا نہ ہوئی تھی، تین ماہ تک مسلسل روزے رکھتے تھے۔ ختم قرآن کا یہی نہیں کہ سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا بلکہ لکھا ہے کہ "از چاشت تا نصف النہار در کتابت مصحف (قرآن) مواظبت داشت" تمام مقامات متبرکہ (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ وغیرہ) بطور ہدیہ اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کو بھیجا کرتے تھے۔ یہ روایت کہاں تک درست ہے کہ دو ہزار یا نسو قاری انکے دربار میں اس لیے ملازم تھے کہ روزانہ ختم قرآن بھی کیا کریں اور انکے لکھے ہوئے قرآنوں کا مقابلہ اور تصحیح بھی [illegible] کے سوا ہے

[2] روزانہ باورچی خانہ خاص سے ان حفاظ و علماء و صلحاء کے لیے دو وقتہ کھانا بھیجا جاتا تھا۔ ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے ۱۲ تک ہر روز ضیافت و دعوت اکابر و مشائخ و علماء و فقراء و صلحاء می نمود، از اطراف طلب داشتہ باعزاز و اکرام تمام در مجلس می نشانید و تا فارغ شدن از طعام خود بہ ادب ایستادہ بخدمت می پرداخت"۔ میلاد مبارک کی مسرت میں "از ماہی نگر تا لعل باغ بر لب دریا روشنی بہ صنعتے تمام ترتیب می داد"۔ لکھا ہے کہ " از پرتو چراغان مساجد و منابر و اشجار و آیات قرآنی و اشعار از روے آب مردم می خواندند"۔ ریاض السلاطین میں ہے کہ ایک لاکھ مزدوروں سے چراغاں کرنے میں کام لیا جاتا تھا۔ چراغوں کے جلنے کا دستور یہ تھا کہ "ایک شلک توپ کہ برائے روشنی چراغان مقرر بود می شد، یکبارگی چراغان سیر شدہ می گردید کہ گویا چادرے از نور برکشید یا زمین کوکب سدہ" بجلی قمقموں کا وہ زمانہ نہ تھا، لیکن کیفیت وہی پیدا کی جاتی تھی۔ ایک لاکھ مزدور جن چراغوں کے جلانے پر مقرر تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چراغوں کی تعداد کیا ہوگی۔ سب سے عجیب و غریب بات جعفر خاں کے متعلق یہ لکھی ہے کہ "در ادرار خانہ سعی بود برسید است" [illegible] ان والاں کے اسی زمانے میں یہ طریقہ جاری کیا تھا کہ" ذخائر

لیکن ظاہر ہے کہ قانون تو قانون ہی کب باقی رہتا جب سفارشوں کے زور سے بدل سکتا ہو۔ اسی کتاب میں ہے کہ جعفر خاں کی سفارش پر شریعت کے قاضی نے جو جواب دیا وہ یہ تھا:-

ایں قدر مہلت و کشتن او	
می توانم شد کہ اول کسے	اتنی مہلت دی جا سکتی ہے کہ پہلے
کہ ادعائی او باشد کشتہ شود بعد ازاں	اس شخص کو قتل کر دیا جائے جو چھڑانے
او را بقتل رسانند ملا۔۔۔	کی کوشش کر رہا ہے پھر اسکے بعد
	مجرم کو قتل کیا جائیگا۔

یہ تھا قانون شریعت کا وہ زور جسکے متعلق آج یہ یاد کرایا جا رہا ہے کہ حکومت کے قانون کی حیثیت سے اسکا استعمال ہی غلط ہوتا تھا۔ بہرحال وہ تو وہی جو قانون کا فیصلہ تھا یعنی مجرم پر سزا نافذ ہوئی، وہ قتل کرا دیا گیا، اور اگر وزیر یا شاہزادہ کسی کی سفارش قاضی کے فیصلہ کو متاثر نہ کر سکی۔ اور قصہ یہیں تک ختم نہیں ہو گیا۔ آگے لکھا ہے کہ شہزادہ عظیم الشان نے اپنے دادا عالمگیر کو لکھا:-

قاضی محمد شرف دیوانہ شد	قاضی محمد شرف دیوانہ ہو گیا اور بیدار ابن
بیدار ابن را ناحق کشت	کو بلا وجہ اُس نے قتل کر دیا۔

شہزادے کی یہ رپورٹ شاہی دربار میں پہنچتی ہے۔ لیکن جو کچھ ہوا تھا، قانون کے تحت ہوا تھا۔ لکھا ہے

بادشاہ بر عرضی شہزادہ	بادشاہ (عالمگیر) نے شاہزادے کی
دستخط کرد کہ "ہذا بہتان	عرضی پر دستخط کرتے ہوئے لکھا"
عظیم" "قاضی خدا کی طرف"	"ہذا بہتان عظیم" قرآن کی آیت ہے
ص ۲۵۶ (ماضی)	حاصل یہ کہ قاضی پر یہ بہت بڑا

[illegible] اور افترا ہے۔ اسکے بعد اُردو کے الفاظ یہ تھے کہ "قاضی خدا کی طرف" جسکا مطلب یہ تھا کہ قاضی خدا کی طرف سے نمائندہ ہے اور اس نے خدا کے قانون کو نافذ کیا ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ واقع میں قاضی محمد شرف کا یہ فیصلہ کس حد تک حق بجانب تھا۔ قاضی حق پر تھے یا شہزادہ عظیم الشان لیکن شرعی قانون ۔۔۔ اس دور اور اثر کو دکھاتا ہے جو شخص حکومت میں ۔۔۔ اصل تھا اور اسکے لیے کیا اس سے بھی قوی تر ثبوت کچھ اور ہو سکتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص۔) یہ ستموں کی گزاشت "ہفتہ میں ایک دفعہ بازار کا نرخ نامہ اُنکے سامنے پیش ہوتا تھا۔ لکھا ہے کہ اگر ایک دام نرخ کی افزود پیدا بازاریان محتاط ارزان نکیالان (تولنے والے) را بانواع عقوبت سیاست کردہ تشہیر می نمود" اسی کا نتیجہ تھا کہ انکی گورنری کی پوری مدت میں ۔۔۔ بنگال میں چاول روپیہ میں چھ من عام طور پر بازار میں ملتا تھا۔" چنانچہ در عہد ایک روپیہ در ماہ بیاد و کلمہ ہر روز میسر و ۔۔۔ سے واقعات ریاض السلاطین سے اخوذ ہیں ۔۔۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے منشورات منتخبہ میں ہے۔

الغرض یہ بات کہ نقشہ ہے مسلمان حکومتوں کا واقعی ایک تھا، خود عالمگیر اور شہزادے کا طرز عمل کافی ثبوت ہے۔ آخر یہ قاضی اگر ایک مسلمان حاکم تھا تو جعفر خاں اور عظیم الشان بھی تو مسلمان ہی تھے اور کیسے مسلمان! بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ قاضی صاحب کی اتنی سختی رہنے کے بعد کہ خود جعفر خاں کو بھی انہوں نے قتل کی دھمکی دی۔ لیکن جعفر خاں پر قاضی کے کردار اور اخلاق کا جو اثر تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے جو اسی واقعہ کے آخر میں لکھا ہے کہ

بعد شنقار شدن عالمگیر (قاضی	عالمگیر کی وفات کے بعد قاضی محمد شرف نے
محمد شرف) استعفاء منصب	قضا کے عہدہ سے استعفا دے دیا
قضا کرد ہر چند جعفر خاں	جعفر خاں نے باوجود یکہ قاضی صاحب پر
تکلف ورد قبول نہ نمود۔	مجبور کیا لیکن قبول نہ کیا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

جسکے استعمال سے دیگر نقصانات الگ طرف، تمام نظام ہضم و دماغ کا ستیاناس ہو جاتا ہے ہماری گمنتی میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری قوم نے چند ہی سال سے ان چیزوں کا استعمال شروع نہیں کیا ہے، عرصہ دراز بلکہ صدیوں سے ان چیزوں کا عادتاً استعمال کرتی آ رہی ہے اور ہم کو تو انکے مضر اثرات کے نتائج اکثر و بیشتر حالات میں باپ دادا سے ورثہ میں ملتے چلے آئے ہیں اس پر مزید ہم اپنی کمائی کا اضافہ کرتے ہیں تاکہ آئندہ نسلیں اس ضروری ورثہ سے محروم نہ رہ جائیں۔ نہ معلوم ان قبیح و مضر اثرات کے توارث کا یہ سلسلہ کہاں تک پہنچیگا۔ اور ہمیں کب ہوش آئیگا کہ نفس کی اندھا دھند خواہشات کے چکر دار راستہ سے ہٹ کر عقل و سائنس کی سیدھی شاہراہ پر لگ جائیں۔ (صحت)

اعلان تعطیل

بوجہ عید الفطر آئندہ ہفتہ (۸ - اگست) کا پرچہ شائع نہ ہو گا - ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں -

(ناچیز مہتمم)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الذی جآء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبد الماجد

پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر کیساتھ کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ۸ روپیہ

ششماہی ۴ ؎

ممالک غیر سے ۱۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ؎

صدق

نمبر ۳۴ | یوم سہ شنبہ - ۴ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۱ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"مسٹر جناح کی پتلون ڈھیلی ہوگئی"۔

"سرکاری پٹھو جناح نے طاغوت پرستی کی حد کردی"۔

یہ "نیشنلسٹ" مسلم پریس نے گہرباری کی۔

"راشٹرپتی آزاد جی مہاراج نے بھوجن کیا"

"ہندوؤں کا غلام اور غدار ملت ابوالکلام اپنے وقت کا میر جعفر ہے"

یہ "قومی دینی" "مسلم لیگی" اخبارات نے گلفشانیاں کیں!

ایک کا دعوےٰ ہے کہ ہم ہندوستان کو "آزاد" کراکے رہیں گے۔ دوسرے کا نعرہ ہے کہ ہم پاکستان لے کر دم لینگے! —— دونوں کے سلاح خانہ میں گویا سب سے زیادہ موثر ذکا گر حربہ بدزبانی اور آتش بیانی کا۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!

مصرعہ میں لوگوں نے محبت کی آگ مراد لی ہے شاعر نے بھی یہی سمجھ کر کہا تھا - لیکن عداوت اور نفرت کی آگ محبت کی آگ سے سوزش میں کم نہیں، کہیں بڑھ کر ہے!

گویا قرآن مجید میں
لاتنابزوا بالالقاب | ایک دوسرے کے نام نہ دھرو

کا حکم موجود ہی نہیں! گویا احادیث نبوی میں اکرام و احترام مسلم کی تاکید اہانت و تحقیر مسلم پر سخت سے سخت وعیدیں وارد نہیں ہوچکی ہیں! گویا شریعت نے ہر کلمہ گو کو دوسرے کلمہ گو کا بھائی نہیں قرار دیا ہے

اور یہ اصول طے نہیں کر دیا ہے کہ اجتہادی اختلافات کا اثر اس بھائی چارے پر بالکل نہیں پڑتا! —— گویا دوسرے فریق کے لیڈر کو گالی دینے سے، اسکو کوسنے سے، اُس کی تحقیر و تضحیک سے اپنے مسلک کی خوبیاں از خود روشن و ثابت ہو جائینگی! اور گویا زیادہ سے زیادہ دلآزاریوں اور دل شکنیوں سے، وہ بھی زیادہ سے زیادہ رکیک لہجہ میں اپنے مسلک و عقیدہ کی تبلیغ خوب ہو جاتی ہے اور لوگ اسکی طرف زیادہ سے زیادہ کھنچ کر آنے لگتے ہیں —— کیا خوب یہ عقل اور کیا خوب یہ نقل ہے!۔ پروپیگنڈا ہی کرنا ہے تو کم از کم اسی کے طریقے اہل فرنگ سے سیکھ لیے ہوتے! بغیر سامنے سے حملے کیے ہوے، بغیر مخاطب کے جذبات کو ذرا سے بھی صدمہ پہنچائے ہوے، کس طرح خاموشی کے ساتھ اُسکے دل میں اندر ہی اندر جگہ پیدا کرلی جاتی ہے!

بھائیو اور دوستو، آخر شخصیتوں کو بار بار زیر بحث لانے سے حاصل کیا ہے؟ کام کی چیز اور بحث و غور کے قابل ہر پارٹی کا **مسلک**، ہر جماعت کا پروگرام ہے، یا فلاں فلاں شخصیتیں؟ زہر کا جام اگر کوئی متقی پیش کر رہا ہے، تو کیا اس سے زہریت میں کچھ کمی آجائیگی؟ دوا کا گلاس اگر کسی فاجر کے ہاتھ سے مل رہا ہے تو کیا اس سے دوا کی تاثیر شفا بخشی باقی رہیگی؟ معصوم ظاہر ہے کہ نہ کوئی ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ خوردبین لگا کر دیکھیے گا، تو ہر ایک کے عیوب اسکے واقعی عیوب سے اور سیکڑوں گنے زیادہ ہی نظر آئینگے خطاکار و غیر معصوم کارکنوں کی زندگی سے مقاصد کار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نظر میں صرف انکو رکھیے، اور ہر کلمہ گو کی عزت سے قلب میں صفائی

کرکے صرف یہ سوچیے! ایک مسلمان کی حیثیت سے اسکے لیے بہترین راہ کون سی ہے! ——— مختصر یہ کہ رہنما سے راہ کو نہیں، بلکہ راہ سے رہنما کو جانچیے!

آہ یہ اسپتال!

محمد ... صاحب ٹیلہ پہلے صدق ... ۱۸ اگست ۱۹۴۵ء کے شذرہ "نرس یا حیل نرس" کے حوالے سے ... سے تحریر کرتے ہیں۔—

"جب سر ضیاء الدین صاحب کی اس نرسنگ سکیم کا اعلان ہوا تو ڈان (دہلی) میں ایک خط اس مضمون کا نکلا کہ پردہ کا انتظام کیا رہیگا؟ اس پر کسی صاحب کا جوابی خط یہ نکلا کہ پردہ دقیانوسی باتیں ہیں، اور ایسے سچے خیال پس پشت ڈال کر قومی کاموں کو ترقی دینی چاہیے۔ خود ضیاء الدین صاحب نے بھی کچھ اپنی بات کو دوبارہ دہرایا۔ اور اپنی سکیم میں کسی تبدیلی کا امکان نہ بتایا۔ اب پھر ڈان میں جواب الجواب ظاہر ہوا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اخبار مذکور کا یہ نوٹ تھا کہ اس سلسلہ میں مزید خط وکتابت بند۔ میں بھی اس فکر میں تھا کہ آخر ہسپتالوں میں نرس کا عورت ہونا کیا فرض ہے؟ ممکن ہے کہ مغربی ممالک میں یہ فرض ہی ہونگے مگر ہندوستان جیسے کثیر آبادی ملک میں یہ کس طرح لابدی کیا جا سکتا ہے۔

میرا اس سلسلہ میں ایک ذاتی خیال ہے۔ وہ یہ کہ یہ بات ضیاء الدین صاحب اخبارات کے ذریعہ نہیں مانیں گے۔ (کیونکہ روشن خیال لوگ کچھ نہ کچھ موافق نکل ہی آئیں گے) آپ خود اُن سے بھی خط وکتابت کرکے اسکی برائیوں اور اسکے نعم البدل سے آگاہ کرکے سیل نرس پر آمادہ فرما دیں یا اگر آپ اس طرح نہ کر سکیں یا آپ کے نزدیک اس قسم کی خط وکتابت کا خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلتا دیکھیں تو پھر آپ اُن لوگوں کو بطور خاص توجہ فرمائیں کہ جو یونیورسٹی، کونسل یا کورٹ سے متعلق ہوں اور وہ لوگ اس شیطانی اسکیم کو ختم کرائیں ———

... اسکے زہریلے اثرات سے کون اندھا انکار کرسکتا ہے۔ الامان، الحفیظ۔ شیطان اپنے داؤں سے باز نہیں آرہا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مومن کتنا ہوشیار رہے! یہ بھی عرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اہمیت کے اعتبار سے یہ کسی سے بھی کم نہیں ہے۔ ایکٹرس بننے کی خواہش رکھنے والیوں کے لیے نرس بننا آسان بھی اور باعزت بھی! شیطان نے اسی فجور کی ایسی آسان اور دلفریب، نہ صرف دلفریب بلکہ مسلم نزیب راہ نکال ڈالی!!"

تشخیص صحیح ہے، علاج اسقدر آسان نہیں۔ کورٹ کے ممبروں کی اکثریت کے ذمہ دار افسروں کو اتنا احساس ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آنے لگی تھی۔ جن حضرات کی خوش عقیدگی فرنگی تہذیب سے بڑھی ہوئی ہے، وہ تو اس سارے تخیل ہی کو مضحکہ خیز قرار دیں گے۔ اور واقع میں یہ تحریک ہے بھی ایک حد تک انقلاب انگیز۔ ملت کے اکابر اور قوم کے اکابر دونوں کے دل میں یہ بات ڈال دینی آسان نہیں، کہ تیمارداری کے لیے لازمی طور پر عورت ہونے کا نظریہ ہی غلط ہے۔ یورپ میں نرسنگ کا یہ طریقہ باضابطہ طور پر کچھ اوپر سو برس یعنی ۱۸۴۰ء سے جاری ہے اور براہ راست مسیحیت اور کلیسا کا ایک تحفہ ہے۔ آہ یہ کالج اور یہ اسپتال! کتنوں کے دل سینما اور تھیٹر اور آرٹ کی نذر ہو چکے! اور کتنوں کے دین پر چھاپہ! اسکے کو بڑے سنجیدہ ناموں اور بڑی خوشنما نقابوں کے ساتھ کالج اور اسپتال موجود ہیں۔

برہمن کی پختہ زناری

مدراس کے ... جوان سہا رنگا چاری کا شمار ملک کے مشاہیر میں تھا۔ مرکزی اسمبلی کے بہت دیر سے ممبر اور اب نائب صدر رہے۔ سرکاری کمیٹیوں اور کمیشنوں میں پیش پیش۔ وفات ابھی ہوئی ہے۔ ایک انیق کار مسٹر ... ایس اینگار اپنے تعزیتی مضمون میں لکھتے ہیں:—

"سر ڈینس ... کی صدارت میں جو کمیٹی صوبہ سرحد کے سیاسی حقوق کی تحقیق سے متعلق بنی تھی، میں مسٹر رنگا چاری اسکے ایک رکن رکین تھے۔ جب ہندوستان کی سرحد ختم ہوگئی اور ہم آزاد قبیلوں کے علاقہ میں تھے، کہ صوبہ گورنمنٹ کی طرف سے ہمارا مہماندار ہوئی، اور دوپہر کا کھانا آیا۔ ایک شخص (ہم دوسری آدمی تھے) ایک وفادار ہندو سرحدی پٹھانوں کا لباس پہنے ہوا، سبزی ترکاری، روٹی وغیرہ لایا۔ رنگا چاری گھبرا کر بولے کہ مسلمان کے ہاتھ سے میں ترکاری اور روٹی کیسے کھا سکتا ہوں۔ اس شخص سے نام پوچھا، اور اس نے اپنا ہندوانہ نام بتایا۔ رنگا چاری کو اب بھی اُسکے ہندو ہونے کا یقین نہ آیا۔ اور مجھے سوالات پر سوالات کرنا پڑے۔ آخر کو اُس شخص نے اپنے کُرتے کے نیچے سے اپنا جنیو نکال کر دکھایا۔ یہ بالکل کافی ہوجانا چاہیے تھا۔ لیکن رنگا چاری اب بھی مطمئن نہ ہوئے۔ مجبور ہوکر میں نے اُس شخص سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ تمھیں سندھیا (ہندوانی نماز) بھی آتی ہے؟ اس پر اُس نے گایتری (یعنی ہندوانی دعا) فرفر پڑھ کر سنا دی۔ رنگا چاری، افغانستان کی سرحد پر ایک برہمن کو پاکر اور اسکی زبان سے گایتری سُن کر باغ باغ ہوگئے، اور اب کھانے پر جُٹ گئے"۔ (ہندو، مدراس، ۲۶ اگست ۱۹۴۵ء)

اقبال نے جو کہا تھا،

برہمن کی پختہ زناری کا نظارہ بھی کر!

رہا اسکے شعر کا دوسرا مصرعہ، تو وہ بے محل تو شاید کبھی اور کسی وقت بھی نہیں ہوتا۔

اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ!

تجدد کی بے مغزی

"دونوں جنگوں کے درمیانی زمانہ میں قومی ... پرستی کا جو زور نہ سکو، پلٹن اور ... میں رہا وہی انقرہ میں بھی رہا۔

اتاترک مصطفیٰ کمال جب تک زندہ رہے، ترکوں کی قومی زندگی کے ایک ایک گوشہ پر چھائے رہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسرے ملک کے آمروں کے مقابلہ میں تعمیری قوت کے لحاظ سے بہت پیچھے تھے۔ وہ اصلاً بس ایک سپاہی تھے۔ وہ فوج اور اسکی ضرورتوں سے خوب واقف تھے، لیکن ملکی زندگی اور دور اندیشی کی بنا پر اُنکی تعمیر تو اُنکے تخیل تشکیل ترکیہ میں دوسرے ہی درجہ پر تھی ...... اُنکے پیشروں کے پیش نظر اُنکی رہنمائی زیادہ تھی، ملت کا نفع کم۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ترکی ٹوپی اور نقاب اُٹھا دینے سے مشرق خود بخود مغرب بن جائیگا اور مغرب سے جو کچھ ترقیاں وابستہ سمجھی جاتی ہیں، وہ خود بخود لازم آجائینگی، وہ قوم کی نفسیت کو ابھارے اور یہ نہ سمجھے کہ قوم کی موجودہ نفسیت صدیوں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔"

یہ کون گستاخ اور بے ادب ہے، جو "لازوال سردار" کی دنیوی، مادی، و ملکی سرداری میں کلام اور قیل و قال کر رہا ہے؟ اور کہہ رہا ہے کہ وہ فوجی سالار جیسے بھی ہوں، بہ اعتبار انتظام سلطنت کے لحاظ تو کچھ یوں ہی سے تھے! — یہ کہنے والے ہیں کلکتہ کے انگریزی روزنامہ مارننگ نیوز کے ایڈیٹر (اور مولانا محمد علی کے کامریڈ کے سابق منیجر) جناب عبد الرحمن صدیقی ایم، اے، جن سے بڑھ کر ترکی کے اندرونی معاملات سے واقفیت کا دعوےٰ شاید مدعیان تجدد کو بھی نہ ہو!

"رسوائے عالم" گروہِ مولانا مودودی

[illegible]

نظامی صاحب بمبئی سے لکھتے ہیں:-

"ایک انگریزی مقامی ہفتہ وار "پیپلز وار" کا تراشہ بھیج رہا ہوں۔ اس میں مولانا مودودی کے گروہ کو جن الفاظ میں یاد کیا گیا ہے وہ نہایت ہی قابل اعتراض ہے۔ مذکورہ جریدہ کمیونسٹ پارٹی کا آرگن ہے۔ اسکا اہتمام تمامتر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر اشرف اور سید سجاد ظہیر اسکے کرتا دھرتا ہیں۔ علماء کرام کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا انتہائی گستاخانہ ہے۔ مہربانی فرماکر ضرور اظہار خیالات کیجیے۔"

تراشہ ایک انگریزی کتاب پر ریویو علی سردار جعفری صاحب کے قلم سے ہے۔ کتاب مسٹر بشیر احمد ڈار کے قلم سے اقبال کے فلسفہ پر لکھی ہے۔ (اے اسٹڈی ان اقبالس فلاسفی) ریویو نگار نے لکھا ہے کہ "مصنف ابوالاعلیٰ مودودی کے "رسوائے عالم" (NOTORIOUS) گروہ سے تعلق رکھتا ہے، جو اقبال کی تعلیمات کو اپنے رجعت پسندانہ اغراض کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یہ خواہی لیڈر، اپنے کو اسلام خالص کا داعی بتلاتے ہیں، اور کانگریس دونوں کے مخالف ہیں اور اقبال کو آلۂ کار بنا کر کمیونزم پر حملے کرتے ہیں" لیکن اس طرز تحریر میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ جو یہ طبقہ مودودی صاحب کو اور دوسروں کو جسقدر بھی برا، لیکن کمیونزم کی زیادہ سے زیادہ"

سورۂ بقرہ رکوع ۲۳

سلسلہ صدق —

تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس لعلھم یتقون

یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے نکلنے (کے قریب بھی نہ جانا) — اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے، عجب نہیں کہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔

ــــــــ

بہت ہی پرحکمت پیرایہ میں ذہن نشین کرایا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے جو اوپر مقرر کیے ہوئے ہیں، یہ احکام و ہدایات حکیم مطلق و حاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انھیں ظالمی انسانوں کے قانون و قاعدہ پر قیاس کر کے انھیں معمولی باتیں نہ سمجھنا۔

تلک سے اشارہ اُن سب جزئیات احکام کی جانب ہے، جو آیت میں مذکور ہو چکے

(روح)

اے ہذہ الاوامر والنواہی (قرطبی) اے الاحکام الستۃ المذکورۃ

یعنی جس طرح اس نے یہاں روزہ، اسکے حدود، اوقات، اعتکاف اور اُسکے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام و شرائع، انسان کے سود و بہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔

المراد انہ کما بین ما امرکم بہ ونہاکم عنہ فی ہذا الموضع کذلک یبین سائر ادلتہ علی دینہ و شرعہ (کبیر)

آیاتہ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں

اے امرہ ونہیہ (ابن عباس) اے آیاتہ الدالۃ علی بقیۃ شرعہ (بحر) اے العلامات الہادیۃ الی الحق (قرطبی)

(ان احکام الٰہی پر مطلع ہو کر)

احکام الٰہی کی علیٰ تعمیل ہی پرہیزگاری ہے۔

لعل سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اسکا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک و تردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی احکام کی تعمیل تمھیں یقیناً پرہیزگار بنا دیگی، عمل کر کے تجربہ کر لو۔

(اے اہل ایمان!)

لا تاکلوا — اکل یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف کھانا مراد نہیں بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔

ــــــــ

صحیح اسلام کے ایک داعی اور دین کے ایک مبلغ کے لیے، پہلے سوا توقع ہی کس قسم کی اظہار رشیاں کی تھی؟ — داعیوں اور مبلغوں کا فرض ہے ادھر سے برابر ہاتا ہے اور انکو نہ جانے کس سخت و سست سننا، نہ ذات اور سزا القاب کے لیے تیار رہنا چاہیے!

ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون ۔	اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اُڑاؤ۔ اور نہ اُسے حاکموں تک پہونچاؤ تاکہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھا جاؤ، درانحالیکہ تم جان رہے ہو۔

اکثر الکل من انفاق المال (راغب) عبر عن الاخذ بالاکل مجازاً (بحر)۔ اُردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں فلاں صاحب روپیہ کھاگئے، رقم ہضم کرگئے۔

بالباطل۔ باطل سے مراد ہے ہر ناجائز طریق۔

فاکل المال بالباطل صرفہ الی ما ینافی الحق (راغب) بالوجہ الذی لا یبیحہ اللہ تعالیٰ (بیضاوی) والمراد من الباطل الحرام وکل ما لم یاذن فی اخذہ الشرع (روح)

گویا دو مختصر لفظوں میں تقوی مالی کی ساری تعلیم آگئی۔ سرخیانت سے اجتناب کی تاکید اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ اور فقہاء نے اکل باطل کی جو تفصیل لکھی ہے۔ اس میں قمار، غصب، سرقہ، لغی، غصہ کے ساتھ ایک مد یہ بھی بڑھادی ہے کہ وہ مال بھی باطل ہی کے حکم میں آجاتا ہے جو

ما لا تطیب بہ نفس مالکہ او حرمتہ الشریعۃ وان طابت بہ نفس مالکہ (قرطبی)	اُس مال کے مالک سے بغیر اسکی خوشدلی کے حاصل کیا جائے یا مالک گو اسے خوش دلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت

نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو

اموالکم خطاب تمام مومنین کو ہے، اور حکم کے مخاطب افراد امت ہیں۔ اردو میں اموالکم کا صحیح مفہوم "اپنا مال" سے نہیں بلکہ "ایک دوسرے کا مال" سے ظاہر ہوگا۔ جیسے اقتلوا انفسکم سے مراد ایک دوسرے کا قتل کرنا ہے

والمعنی لا یاکل بعضکم مال بعض (بحر) والمعنی لا یاکل بعضکم مال البعض بغیر حق (قرطبی)

ڈاکٹر رابرٹ رابرٹس نے ایک کتاب قرآن مجید کے قوانین معاشری پر لکھی ہے۔ اُس میں اس آیت کو نقل کرکے لکھا

یہ آیت اس امر کی شہادت مزید ہے کہ محمد نے اپنے پیرؤوں پر کتنی تاکید باہمی حسن معاملت کے باب میں کی ہے (سوشل لاز آف دی قرآن، صفحہ)

بینکم کے دائرہ کی وسعت میں فقہاء نے ساری نسل آدم کو داخل کیا ہے، اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہیں رکھا ہے۔ مسلم ہو یا کافر کسی کا بھی مال دغا، فریب، ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں۔ صرف کافر حربی کے مال پر تصرف و تسلط جائز ہے، کہ اس سے تو اعلان جنگ ہو ہی چکا ہے، لیکن اس سے بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ فقہی خاص قیود و شرائط کے ساتھ درخشت، جیسا کہ فقہی جزئیات کا فر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں۔

ستلہ (کہ تم ناحق اور زیادتی پر ہو)

دنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو، اور کوئی حاکم عادل سے عادل ہو، ہرحال دنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں، رودادِ مقدمہ ہی کی بنا پر صادر ہونگے اور ان میں غلطی، لغزش، ناانصافی و دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے، کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہیگا، اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے پاس ناحق ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ حکام کا فیصلہ اُسکے برعکس ہی ہو۔ قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ ولحاظ کے قابل خود اُسکا ضمیر اور تقویٰ ہے۔

حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آچکی ہے اور مفسرین بھی اسے خوب صاف کرچکے ہیں

اعلم یا ابن آدم ان قضاء القاضی لا یحل لک حراماً ولا یحق لک باطلاً انما یقضی القاضی بنحو ما یری ویشہد بہ الشہود والقاضی بشر یخطی ویصیب (ابن جریر) ومن الاکل بالباطل ان یقضی القاضی لک وانت تعلم انک مبطل فالحرام لا یصیر حلالاً بقضاء القاضی لانہ انما یقضی بالظاہر وھذا اجماع فی الاموال (قرطبی) علی القول بھذا الحدیث جمہور العلماء وائمۃ الفقہاء وھو نص فی ان حکم الحاکم علی الظاہر لا یغیر حکم الباطن (قرطبی) رسول اللہ صلعم اصطفی الاطلاع علی الغیب بقبر امن لیکن لیبث بغیرہ من الخلق (ابن العربی)

نئے رسائل

(۱) بیداری۔ (علی گڑھ) جوبلی علیگڈھ میڈیکل کالج نمبر۔ مدیران، ملک حامد حسین ایم اے، ابو الخیر بی اے۔ ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت ۲ر، ملنے کا پتہ، علیگڈھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام بڑے پیمانہ پر میڈیکل کالج کا قیام عمل میں آرہا ہے اور اسکے سلسلہ میں مسلمانان ہند میں بہت سرگرمی کے آثار نمایاں ہیں۔ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نقیب "بیداری" نے اس پر اپنا ایک خاص نمبر شایع کیا ہے۔ بیشتر مضامین اس سلسلہ میں چندہ کی ترغیب اور میڈیکل کالج کے قیام کی ضرورت پر ہیں۔ دو تین مضمون علمی رنگ کے بھی اور خاصا قدر شناسی شفاء الملک حکیم عبد اللطیف کا مضمون "قدیم حکماء اور علم جراحت" اور سید محمد نور حسن صاحب نور کا مضمون "طب ابن سینا"۔ رسالہ میں وائس چانسلر اور بعض اساتذہ کی تصاویر و پیغامات بھی شامل ہیں۔ (ع۔ ق)

(۲) رسالہ بہارستان۔ مرادآباد (ماہ) جولائی ۱۹۴۵ء اڈیٹر محمد سلیم صاحب سلیم اد بیاتی، ضخامت ۴۸ صفحات۔ سالانہ چندہ عار، رسالہ کے نام سے خیال ہوتا ہے کہ یہ کوئی ادبی رسالہ ہوگا حالانکہ

یہ صوبہ کے محکمۂ تعلیم کا تعلیمی رسالہ ہے اور عرصہ سے نکل رہا ہے۔ زیر نظر رسالہ اس جلد کا نمبر ۱۸ پرچہ ہے۔

رسالہ اُردو اور فن تعلیم کی خدمت تو خیر کر ہی رہا ہے کہ یہ تو اسکے خاص موضوع ہی ہیں، لیکن خاص طور سے قابل داد چیز اسکی اسلامیت ہے۔ ابتدا چند قرآنی آیات کے اردو ترجمہ سے کی ہے دوسرے مضامین میں بھی جا بجا اسلامیت کی جھلک ہے۔ خصوصاً شہریت کی تعلیم سے مضمون میں جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شہریت کی تعلیم کے سلسلہ میں مسلمان طلبہ کو اسلامی تہذیب کی تعلیم دینا ناگزیر ہے۔ اقبال کے فارسی اشعار جنکا تعلق آزادی نسواں کی مذمت سے ہے مع ترجمہ کے درج کیے گئے ہیں اور آخر میں چند اردو کہاوتوں کی تشریح اور مشہور الفاظ کی جنکا تلفظ عام طور سے غلط کیا جاتا ہے تصحیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں سلسلے جو غالباً رسالہ میں مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں بہت کار آمد ہیں خصوصاً ایسے علاقہ میں جہاں اُردو کا چلن یوں بھی کم ہے۔ (ضیا۔ ق)

رسید کتب

(۱) **جوابات "حاضر و ناظر"** از مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی ضخامت ۲۸ صفحات۔ قیمت درج نہیں ملنے کا پتہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر، ڈاکخانہ رادھا گنج۔ ضلع بستی۔

حضور رسول مقبول صلعم کے "حاضر و ناظر" ماننے کا عقیدہ جو اہل بدعت نے اختیار کر رکھا ہے اور جس قسم کے سطحی دلائل انکی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، انکی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور انکے دلائل کا ضعف اور لغویت آیات قرآنی و احادیث نبویہ سے واضح کیے گئے ہیں۔ (ع۔ ق)

(۲) **سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی۔ ۱۹۴۲ء**

از سکریٹری انجمن۔ ضخامت ۱۱۶ صفحات۔ قیمت ۴ر ملنے کا پتہ، انجمن ترقی اُردو دریا گنج۔ دہلی۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اُردو نے جو جد و جہد ترقی اُردو کے سلسلہ میں کی، اسکے سکریٹری و دیگر کارکنوں نے جن جن مقامات کے دورے کیے، جہاں جہاں جلسے اور کانفرنسیں ہوئیں اور جن جن کتابوں کی اشاعت انجمن کی طرف سے ہوئی یا آئندہ ہونیوالی ہے انکی تفصیل اس رپورٹ میں درج ہے۔ ہر اُردو دوست کے مطالعہ میں یہ رپورٹ آنی چاہیے تاکہ اُردو کی ترقی کا اندازہ ہو سکے (سا۔ ق)

سدا سہاگن

(بنام ایڈیٹر صاحب پیام دکن)

پیام ۱۰۔ اگست کے صفحہ پر جاپانی مذہب سے متعلق کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ درج ہے۔ وہ سلسلہ میں جہاں وہاں کی "سدا کنواریوں" کا ذکر ہے آپ کے مترجم نے برٹیش کے انداز یا فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے "جیسے ہندوستان کی خانقاہوں میں سدا سہاگن"۔

یہ فقرہ اگر یوں ہوتا "جیسے ہندوستان کے مندروں میں دیو داسیاں" تو آگے کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن خانقاہ تو اسلامی اصطلاح ہے۔ اس لیے آپ کے مترجم صاحب کی اطلاع و واقفیت کے لیے عرض ہے کہ "سدا سہاگ"، یا "سدا سہاگن" تو شریعت سے آزاد "رسول شاہی" فقیروں کی اصطلاح میں اُن مردوں کو (نہ کہ عورتوں کو) کہتے ہیں جو اپنی مردانہ شکل قائم رکھ کر صرف زیور اور بعض صورتوں میں کسی قدر لباس کے ذریعے بھی اپنے میں نسائیت پیدا کر لیتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے کو خدا کی بیویاں ظاہر کرا چاہتے ہیں۔ داڑھی مونچھ بھی برابر قائم بعض اوقات خوب بڑی اور سفید داڑھی۔ البتہ ٹلکے ہیں تمام اور پیروں میں پازیب اور کبھی کبھی (لازماً ہرگز نہیں) زنار۔

یہ تھیں اور یہ عمل دونوں بھی اگرچہ قطعاً غیر اسلامی ہیں۔ تاہم یہ نام کے سدا سہاگ ہوتے ہر حال مرد اور پورے مرد ہی ہیں، عورتیں ہرگز نہیں۔

مناسب سمجھیے تو یہ تصحیح فوراً شائع کر دیجیے

عبدالماجد

(پیام)

مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ طیبہ

یہ مدرسہ خاص مدینہ طیبہ میں جوار حرم شریف نبوی میں واقع ہے۔ اسکے قیام پر ۲۴ سال گزر چکے ہیں اور اس مدت میں بہت سے حفاظ یہاں تیار ہو چکے ہیں اور بہت سے طلبہ فارغ التحصیل ہوکر اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ اس مدرسہ کو حضرت مولانا سید احمد صاحب مرحوم فیض آبادی نے قائم کیا تھا۔

چونکہ طلبہ کی تعداد روز افزوں ہے اس لیے مدرسہ کی موجودہ عمارت ناکافی ہو رہی ہے۔ روپیہ کی سخت ضرورت ہے تاکہ زمین خرید کر مدرسہ کی توسیع عمل میں آئے۔ زمین کی خرید و تعمیر عمارت میں ۵۰ ہزار روپیہ صرفہ کا اندازہ ہے۔ اسوقت الحمدللہ مدرسہ میں ۵۰۰ سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور معلمین و مدرسین کی مجموعی تعداد ۵۳ ہے۔ طلبہ سے کسی قسم کی فیس نہیں لیجاتی، بلکہ محتاج و مسکین طلبہ کے بہت سے تعلیمی و دیگر مصارف مدرسہ کی طرف سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اور وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ مدرسہ میں علاوہ علوم دینی کی تعلیم کے لیے علوم معیشت جغرافیہ، حساب وغیرہ اور بعض صنائع مثلاً معماری، سنجاری وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے

اس مدرسہ کی امداد ہندوستان میں حسب ذیل پتوں کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے (۱) مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، (۲) حکیم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب گوئن روڈ لکھنؤ (۳) کوٹھی حاجی علی جان صاحب محلہ چاندنی چوک دہلی۔ (۴) عبداللہ صاحب نی عبدالقادر بمبئی وغیرہ۔

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

نمبر (۳)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جیسا کہ شروع میں عرض کرچکا ہوں سردست ایک مختصر مضمون کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ اگر مغلی حکومت کے دوسرے واقعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا تو مختصر مضمون مقالہ بلکہ رسالہ ہی ہو جائیگا اس لیے مغلوں سے ہٹ کر اب ہندوستان کی چند دوسری حکومتوں کی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

یہی بنگال جہاں مغلوں سے پہلے خود مقامی بادشاہوں کی حکومت تھی، ان ہی بادشاہوں میں خواجہ حافظ شیرازی کا مشہور ممدوح بنگالی بادشاہ سلطان غیاث الدین جسکی طرف منسوب غزل میں حافظ کے دیوان کا یہ شعر

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

زبان زد عوام و خواص بھی ہے۔ اسی سلطان غیاث الدین کے کے متعلق جو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں بنگال کا مطلق العنان فرماں روا تھا، تاریخوں میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں ترجمہ کے ساتھ بعینہ فارسی کی عبارت درج کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے

روزے در حالت تیراندازی تیر سلطان غیاث الدین بہ پسر بیوہ زنے رسید۔ بیوہ زن پیش قاضی سراج الدین داد خواہ شد۔ قاضی متحیر شد اگر رعایت بادشاہ کنم در درگاہ خدا ماخوذ شوم و اگر نہ کنم طلبیدن او کار دشوار است۔ آخر بعد تامل بسیار پیادہ را بطلب بادشاہ فرستاد و خود درہ زیر مسند گذاشتہ در محکمہ نشست۔ پیادۂ قاضی چوں بہ دربار رسید و رسیدن پیش سلطان محال دانستہ اذان آغاز کرد۔ سلطان اذان بے وقت شنیدہ باحضار مؤذن فرمان داد۔ چوں صاحبان درگاہ او را احضار بردند سلطان موجب اذان بے وقت استفسار کرد گفت مرا قاضی سراج الدین تعین کردہ اند کہ بادشاہ را در محکمۂ شریعت برم۔ چوں رسیدن بحضور متعسر بود باین حیلہ خود را رسانیدم۔ حالا برخیزد و بمحکمہ حاضر شود پسر بیوہ زنے را از زخم تیر زدۂ مستغیثہ است۔ بادشاہ فی الفور برخاست و نیمچۂ شمشیرے زیر بغل پنہاں گرفتہ رواں شد۔ چوں پیش قاضی رسید قاضی اصلا با بادشاہ ملتفت نشدہ فرمود کہ استرضائے ایں ضعیفہ بکن۔ سلطان بہ طورے معاملہ داشت او را راضی ساخت۔ گفت ایہا القاضی اینک ضعیفہ راضی شد۔ پس قاضی رو بہ ضعیفہ کردہ پرسید کہ بداد خود رسیدی و راضی شدی۔ گفت بلے راضی شدم (آنگاہ) بشگفتگی تمام برخاست و تعظیم سلطان نمودہ بر مسند نشاند۔ سلطان شمشیر از بغل بر آورد و گفت اے قاضی من بحکم شرع در محکمۂ تو حاضر شدہ ام اگر یک موے از ادائے شرع خلاف از تو مشاہدہ می کردم بہ ہمیں شمشیر گردنت می زدم شکر خدا کہ خیر شد۔

(ملخص از ریاض السلاطین)

ایک دن تیراندازی کی حالت میں سلطان غیاث الدین کا تیر ایک بیوہ کے لڑکے کو جا لگا۔ بیوہ عورت قاضی سراج الدین کے اجلاس میں داد خواہ ہوئی۔ قاضی حیران ہوئے کہ کیا کیا جائے، اگر بادشاہ کی رعایت کرتا ہوں تو خدا کے پاس ماخوذ ہوتا ہوں اور اگر رعایت نہیں کرتا ہوں تو بادشاہ کا اجلاس میں بلانا بڑا مشکل کام ہے۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد پیادہ کو حکم دیا کہ بادشاہ کو بلا لائے، اور اپنی مسند کے نیچے درہ رکھ کر اجلاس میں بیٹھے۔ قاضی کا پیادہ جب دربار شاہی میں پہونچا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ تک پہنچنا نا ممکن ہے۔ اس نے اذان شروع کردی۔ بے وقت اذان سنکر بادشاہ نے حکم دیا کہ مؤذن کو حاضر کیا جائے۔ درباریوں نے مؤذن کو لاکر پیش کیا۔ بادشاہ نے بے وقت اذان دینے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ مجھے قاضی سراج الدین نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہے یعنی بادشاہ کو محکمۂ شریعت میں لیجاؤں چونکہ آپ تک پہونچنا دشوار تھا اس لیے یہ حیلہ میں نے اختیار کیا ہے اور آپ تک پہونچ گیا ہوں۔ پس اے بادشاہ اٹھئے اور محکمہ میں حاضر ہو۔ ایک بیوہ عورت کے لڑکے کو تم نے تیر سے زخمی کیا ہے بیوہ نے استغاثہ دائر کیا ہے۔ بادشاہ سنتے کے ساتھ کھڑا ہوگیا اور ایک نیمچہ (چھوٹی تلوار) کو بغل میں رکھکر روانہ ہوا۔ جب قاضی کے سامنے پہونچا تو قاضی نے بادشاہ کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ اس بڑھی عورت کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ بادشاہ نے جس طرح ممکن ہوا بڑھی کو راضی کرلیا۔ اور قاضی سے کہا کہ اے قاضی بڑھی راضی ہو چکی ہے قاضی نے بڑھی کو خطاب کرکے پوچھا کہ کیا تو واقعی راضی ہو چکی ہے جواب میں بڑھی نے کہا کہ ہاں میں راضی ہو چکی ہو چکی ہوں۔ قاضی تب انتہائی مسرت کے ساتھ اٹھے اور بادشاہ کی تعظیم بجا کر اپنی مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ نے بغل سے تلوار نکالی کہ اے قاضی شریعت کے حکم کے بموجب میں تمہارے محکمہ میں حاضر ہوگیا اگر بال برابر بھی یہ دیکھتا کہ تم نے شریعت کے حکم سے تجاوز کیا ہے تو تمہاری گردن اسی تلوار سے اڑا دیتا۔ خدا کا شکر ہے کہ خیر گزری۔

یہاں تک تو واقعہ کی جو صورت تھی اسے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ شریعت کے حاکم اور حاکم ہی نہیں شرعی محکمہ کے ایک پیر اسی کی ہمت و جرأت، اور اسکے ساتھ بادشاہ وقت کے دماغ میں جو بے پایاں لحاظ و پاس تھا اسکی کتنی واضح شہادت آپ کے

سامنے پیش ہو رہی ہے لیکن لطیفہ دلچسپ آگے کا یہ ہے کہ بادشاہ نے بغل سے تلوار نکال کر سب قاضی کے سامنے چمکائی اور وہ الفاظ کہے کہ "اگر برابر شرعی احکام نہ کو تاہی دیکھتا تو گردن اڑا دیتا" تو قاضی نے بھی جواب میں جو بات کہی وہ اس کچھ کم نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ اپنی مسند کے نیچے سے قاضی نے بھی اپنا درہ نکالا اور نکال کر بادشاہ سے کہنے لگا

اے سلطان، اگر امروز تو از ر تجاوز از شرع حاکم همی نمودم که بہ بینی درہ پشت تو سیاہ و سرخ همی کردم	یعنی اے بادشاہ، اگر تجھے دیکھتا کہ شریعت کے حکم سے تو نے کچھ بھی تجاوز کیا ہے تو اسی درہ سے تمہاری پیٹھ کو سیاہ و سرخ کیے دیتا

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر "سلطان خوشنود شد و قاضی را بہ انعام و اکرام نوازش ہا فرمود و خود راضی شاکر مراجعت فرمود"۔ یہ تھا بنگال کے ایک اسلامی بادشاہ کا قصہ۔ اب آئیے بنگال سے دور بہت دور گجرات چلے آئیے۔

سلطان محمود بیگڑہ جسے اس زمانہ کے مغربی سیاحوں نے اپنی مغرب نما داستانوں کی بنا پر بہت کچھ شہرت دے رکھی تھی ہندوستان سے واپس ہونے کے بعد اپنے اپنے سیاحت ناموں میں جو افسانے کہ یہ گروہ اپنے ارباب وطن کو جو عجیب افسانے سنایا کرتے تھے ان میں یہی تھا کہ ہندوستان میں ایک مسلمان بادشاہ محمود نامی ہے جو بکثرت سمیات اور زہریات کے استعمال کا عادی ہے۔ زہر کی کثرت استعمال کا نتیجہ ہے اسکے جسم پر مکھی اگر بیٹھتی ہے تو بیٹھتے کے ساتھ ہی مرکر گر جاتی ہے۔ اور یہ بھی مشہور کیا گیا تھا کہ محمود کی مونچھیں اتنی لمبی اور دراز ہیں کہ سر کے پچھلے حصہ کی طرف دونوں مونچھوں کو لیجا کر باندھ دیتا ہے۔ خیر یہ تو مغربی جہاندیدوں کے بیانات ہیں۔ مرآت سکندری جو گجرات کی معتبر تاریخ ہے اسی بادشاہ کے متعلق یہ قصہ اس میں درج ہے

زرگرے رباب مرصع بتکلف ساختہ بخدمت سلطان (محمود) می آورد در اثنائے راہ شریعت پناہ قاضی نجم الدین کہ منصوب بمنصب قضائے احمد آباد بود پیش آمد چوں نظر قاضی بر رباب افتاد از او پرسید کہ ایں چیست و از آن کیست گفت رباب سلطان ست فرمود بیار چوں قاضی رباب را دید آورد قاضی گرفتہ پارہ پارہ کرد جواہرش از ہم پاشیدہ بخاک یکساں گشت زرگر خاک بر سر کرد فریاد کناں پیش سلطان آمد و داد خواہی کرد کہ بدست پند اوست کہ حسب الحکم در ترصیع رباب اوقات صرف کردہ بودم امروز بخدمت می آوردم کہ قاضی نجم الدین از دست گرفتہ چنیں ضائع کرد۔ سلطان دم نزد و بعد زمانے بخاست و در خلوت نشستہ گفت "نیچی بیری سب کوئی جھورے" یعنی درخت کنار کہ پست است ہمہ کس ازوے ثمر برسد (ص ۱۱۲) مرآۃ سکندری	ایک سنار ایک دن جڑاؤ رباب جسے اس نے بڑے تکلف سے بنایا تھا لیے جا رہا تھا۔ بادشاہ (محمود) کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے، راستہ میں قاضی نجم الدین کا سامنا ہو گیا جو احمد آباد کے قاضی تھے۔ قاضی کی نظر رباب پر جب پڑی تو پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس کا ہے سنار نے کہا کہ بادشاہ کا رباب ہے۔ قاضی نے حکم دیا کہ میرے سامنے لاؤ لوگ دوڑے اور قاضی کے حوالہ کیا۔ انھوں نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جواہرات جو اس میں لگے ہوئے تھے ادھر ادھر بکھر گئے، وہ مٹی میں مل گئے۔ سنار روتا پیٹتا بادشاہ کے پاس پہنچا اور فریاد کرنے لگا کہ چند مہینوں میں بڑی محنت سے یہ رباب تیار ہوا تھا آج اسی کو خدمت شاہی میں لا رہا تھا کہ قاضی نجم الدین نے اسکو اس طرح ضائع کر دیا۔ بادشاہ یہ سنکر چپ ہو گئے اور دربار سے اٹھ کر خلوت خانہ میں چلے گئے۔ وہاں پہنچکر صرف یہ فقرہ بادشاہ کی زبان سے جاری ہوا "نیچی بیری کو سب کوئی جھورے"

یعنی بیری کا درخت چونکہ چھوٹا ہوتا ہے اس لیے ہر ایک کا ہاتھ اس تک پہنچتا ہے۔ ضرب المثل والا آخری فقرہ "نیچی بیری کو سب کوئی جھورے" جو ہندی زبان کا فقرہ ہے اور اس زمانہ میں ہندی زبان جو بولی جاتی تھی اسکی نوعیت کا گونہ پتہ چلتا ہے۔ خیر ہمارے مقصد کے اعتبار سے قابل غور نقطہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مقابل میں بڑے سے بڑا بادشاہ بھی اپنے آپ کو "نیچی بیری" قرار دیتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے اس زور اور قوت کا جو اسلامی حکومتوں میں فقہ اور اسکے مسائل کو حاصل تھا۔

اور یہ قصے تو خیر پرانے ہیں آپ کے سامنے ہندوستان کی آخری اسلامی حکومت جو الحمد للہ اب تک باقی ہے (حماہا اللہ تعالیٰ وحرسہا) اسکے بعض بادشاہوں کے بعض واقعات اسی سلسلہ کے پیش کرتا ہوں۔ سب سے پہلا قصہ تو حضرت آصفجاہ اول انار اللہ برہانہ وقدس سرہٗ وجنابہ نہ ہی کا ہے۔ عام کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں اخبار رہبر دکن مورخہ غرہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ کی اشاعت سے اس قصہ کو نقل کرتا ہوں۔ لکھا ہے، حاصل یہ ہے کہ

حضرت آصفجاہ اول کے عہد میں قاضی کریم الدین خاں نے کسی مقدمہ میں فیصلہ صادر کیا۔ حسب دستور رئیس وقت کے دستخط کی بھی اس فیصلہ پر ضرورت تھی۔ جب حضرت آصفجاہ کے پاس قاضی صاحب دستخط کے لیے آئے، تو کسی خاص وجہ سے اس وقت آصف جاہ نے دستخط کرنے سے احتراز کرنا چاہا، بظاہر قاضی کے فیصلہ سے راضی نہ تھے، لیکن قاضی نے اصرار شروع کیا، لیکن حضرت آصف جاہ انکار ہی پر مصر رہے۔ گفتگو ذرا تیز ہو گئی۔ لکھا ہے کہ قاضی کریم الدین کو غصہ آگیا۔ آصف جاہ نے انکی حالت دیکھ کر چاہا کہ دربار سے اٹھ کر چلے جائیں، لیکن قاضی نے دامن پکڑ لیا اور غصہ ہی کے لہجہ میں کہنے لگے کہ "انصاف کرکے جائیے گا"۔ تب آصف جاہ نے آہستہ ... [illegible]

قصر شاہی پہونچکر قاضی صاحب کی طلبی ہوئی، اُس وقت حضرت آصفجاہ نے قاضی کو مخاطب کرکے جو بات کہی وہ شرعی قوانین کے اس اقتدار و اثر کی تصویر ہے جو اسلامی حکومتوں میں انھیں حاصل تھا فرمایا "میرا قصور معاف کردو، میں نے سہواً کہا تھا، جو کچھ شرعی احکام ہیں ان تمام امور کے تم مختار رہو"۔

خانوادۂ آصفجاہی کے ایک دوسرے رکن نظام ناصر نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جسے مولوی نصراللہ خاں خورجوی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ دکن" میں نقل کیا ہے جو خود انھیں کے ساتھ پیش آیا تھا - خلاصہ یہ ہے کہ سالار جنگ اول کی وزارت کا زمانہ تھا - عدالتوں کی تنظیم جدید ہو چکی تھی - بجائے قضاۃ و محتسبین کے ناظم عدالت کے تقرر کا قصہ شروع ہو چکا تھا اور ان ہی جدید ناظموں میں مولوی نصراللہ خاں بھی ہیں - فوجداری بلدہ کی نظامت پر کوئی قادر غنی نامی بزرگ کی وفات پر انکا تقرر ہوا تھا - دستور اس زمانہ کا یہ تھا کہ فرمانروائے وقت کی خدمت میں جاکر نئے تقرر یافتہ ناظم نذریں پیش کیا کرتے تھے - نصراللہ خاں کو مقرر کرنے کے بعد سرسالار جنگ نے حکم دیا کہ پیشگاہ خسروی میں حاضر ہو کر مجرا بجا لائیں - حسب الحکم مولوی صاحب حاضر ہوئے - اب خود لکھتے ہیں کہ جب افضل الدولہ بہادر کے سامنے پیش ہوا تو نام، نوکری وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ان ہی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے

بدانید کہ شما بر مسند پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ اید باید کہ موافق حکم خدا و رسول بہ امانت مقدمات را فیصلہ کنید

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر تم بیٹھے ہو چاہیے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق فیصلے صادر کرو دیانت و امانت کے ساتھ

در دیوان را بکجی رسانید و بشنوانید عدل و انصاف شما او دولت راضی و خوش شوم و شما را طلب فرمودہ پیش خود بنشانم و با شما سخنہا کنم۔ (تاریخ دکن فضل)

اور لوگوں کو ان کے حق تک پہونچانے کی کوشش کیجیو، تاکہ تمھارے عدل و انصاف کا حال سن کر میں خوش اور راضی ہونگا اور تمھیں اپنے پاس بٹھاؤنگا، اور تم سے باتیں کرونگا۔

مولوی نصراللہ خاں نے لکھا ہے کہ یہ فرمانے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ہوئی - چند قدم آگے چلا تھا کہ پھر دوبارہ بلوایا گیا اور کہا کہ "جہاں تک ممکن نصیحت را اعادہ فرمودند" پھر اسی نصیحت کو دوبارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ تنظیم جدید نے حکومت آصفیہ کے آئین نظام کے آسمان و زمین کو بالکل بدل دیا تھا، لیکن غالباً نواب افضل الدولہ بہادر پر اب تک یہی اثر قائم تھا کہ نام خواہ کچھ ہی ہو لیکن کام شریعت کے مطابق ہی جاری حکومت میں انجام پا رہا ہے۔ فوجداری کے ناظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین وہ اسی بنیاد پر قرار دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق فیصلے کرنا - اس سے یہ معلوم ہوا کہ آخر آخر وقت تک ہمارے بادشاہوں پر قانونی حیثیت سے صرف فقہ اور فقہی مسائل ہی کا اثر تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ فقہ کے سوا بھی قانون کی کوئی دوسری صورت ہو سکتی ہے، اُن بیچاروں کے لیے یہ ایک ناقابل تصور بات تھی - (باقی آئندہ)

ایک خارج شدہ تصنیف

(از عبدالماجد)

الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ایم اے (اُردو) سے ابھی ملاقات ہوئی' ایم اے کیے ہوئے انھیں تین ہی چار سال ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ "آپ کی کتاب فلسفۂ اجتماع تو ہمارے کورس میں تھی - اسے خوب پڑھ چکا ہوں"! اِنّا للّٰہ - یہ کتاب میری بہت ابتدائی تصانیف میں ہے اور اب اسے چھپے ہوئے ۲۰ سال ہو چکے ہیں - انجمن ترقی اُردو نے اسے چھاپا تھا - دوسری تصنیفی خامیوں سے قطع نظر، کتاب الحاد و ضلالت کے مضامین سے لبریز ہے - کوئی ۱۵ سال ہوئے اسے اپنی تصانیف سے خارج اور اسکی اشاعت ممنوع قرار دے چکا ہوں - اس علم سے کہ اُسکی اشاعت اب بھی جاری ہے، بلکہ یہ یونیورسٹی کے اونچے کورس میں داخل ہے، جتنا صدمہ مجھے ہو سکتا تھا وہ بالکل ظاہر ہے! آٹھ دس سال ہوئے اسی قسم کی اطلاع پٹنہ یونیورسٹی سے ملی تھی، اور اُسی وقت وائس چانسلر کی خدمت میں اس کے متعلق مناسب عرض حال کی گئی تھی، اُسکے بعد اسی نوعیت کا یہ دوسرا صدمہ ہے۔

الہ آباد یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اُردو، نیز کتاب کے ناشر کو ابھی خطوط لکھ رہا ہوں۔

اِس اعلانِ عام سے دو مقصد ہیں:-

(۱) کتاب مذکور سے بیزاری و بے تعلقی کی تاکید مزید۔

(۲) اہل علم حضرات سے کتاب کے خارج کرنے کی استدعا۔

جو گمراہیاں متعدی قسم کی ہوتی ہیں، اُن سے پیچھا چھوٹنا بھی کسقدر دشوار ہوتا ہے! اور ان کا وبال کتنے دنوں تک اور کتنے طریقوں سے چمٹا رہتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

خریدار صاحب نمبر ۱۰۹۰ - آپ کا سوال ایک فقہ دان مولوی صاحب کے پاس جواب کے لیے ابھی بھیج دیا گیا ہے - جواب آنے پر شایع کر دیا جائیگا -

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے [illegible])

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگس گولا گنج - لکھنؤ

چندہ کا سالانہ [illegible]

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۳۶ | یوم سہ شنبہ - ۱۱ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ایٹم بم (ذراتی بم، جوہری بم، ترجمہ جس لفظ سے چاہیے کیجیے) کی حقیقت و ماہیت آپ سن چکے، سمجھ چکے؟ اور اس کی قیامت خیز اور لرزہ انگیز ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تو بہرحال واقف ہو چکے ہونگے۔ جزئیات و تفصیلات میں گئے بغیر، خلاصہ سائنس کے اس جدید ترین "معجزہ" کا یہ ہے کہ مادہ کے ہر ایٹم یعنی جوہر فرد، یا سالمہ، یا جزو لا یتجزی کے اندر بے پناہ قوت یا توانائی (انرجی) کا ذخیرہ محفوظ ہوتا ہے، اور وہ اس ذرہ کے پھٹنے سے بے تحاشہ نکل پڑتا اور ابل پڑتا ہے ——— ذرہ جو جسامت میں اس قدر حقیر اور ضخامت میں اتنا صغیر ہوتا ہے کہ آنکھ سے نظر ہی نہیں آسکتا، جب وہ پھٹتا ہے، تو قلعوں کو ہلا دیتا ہے، پہاڑوں کے در و دیوار کو جنبش میں لے آتا ہے، بیسیوں نہیں، پچاسوں بلکہ سیکڑوں میل کے رقبہ میں تزلزل پیدا کر دیتا ہے! سائنس نے قدرت کے حقیر سے حقیر اور صغیر سے صغیر فرد کے انشقاق کی بے پناہ قوت کا مشاہدہ کرا دیا۔

کیا عالم ہوگا اس وقت جبکہ ایک ذرہ نہیں، دس بیس، سو پچاس ہزار دو ہزار ذرے نہیں بلکہ ذرات کا مجموعہ، چاہئے اسے فضائے محض کہیے یا کوئی ٹھوس مادی جسم، بہرحال آسمان پھٹے گا؟ اور [illegible] شق ہو کر رہیگا؟ اس وقت کی بے اندازہ ہلاکتوں کا کوئی انسانی دماغ اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ اس وقت کے حساب و شمار ہی سے نہیں، وہم و گمان سے بھی باہر تباہیاں اور بربادیاں، کیا کسی بشری فہم و عقل کے احاطہ گرفت میں بھی آسکتی ہیں؟ "قیامت" کا اطلاق اگر اس ہنگامہ رستخیز پر اس طوفان موت و ہلاکت پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ ذرہ کے پھٹنے کا جب یہ عالم ہے تو آسمان کے پھٹنے کی ہیبت کا کیا حشر برپا ہو کر رہیگا! ——— اب جا کر کچھ روشنی پورے مسئلہ پر پڑی کہ قرآن مجید نے قیامت کی ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں کے سلسلہ میں آسمان کے لیے "پھٹنے" ہی کا لفظ کیوں بار بار استعمال کیا ہے! اذا السماء انشقت، اذا السماء انفطرت، وغیرہا۔ یہاں تک کہ انسان کی شدید مشرکانہ گستاخیوں پر بھی یہی لفظ لایا ہے تکاد السموات یتفطرن۔ اب کچھ کچھ روشنی "انشقاق" و "انفطار" کے معنی پر پڑی! ——— سائنس کے "معجزہ" نے طوعاً و کرہاً، قرآن کے معجزہ پر ایمان تازہ کر دیا!

کام کی رفتار

تاج کمپنی کے ہاں سے پارۂ دوم کے پروف کا ایک صفحہ ۸ - ستمبر کو پھر موصول ہوا۔ اس سے قبل اسی پارہ کے کچھ پروف مارچ میں آئے تھے! ابھی بھی وہی وعدہ خط میں تھا، کہ پارہ بس اب نکلا ہی چاہتا (?) ہے، جو چھ مہینے قبل بھی تھا، بلکہ اس سے قبل بھی! ——— مئی ۱۹۴۳ء کے بعد پارۂ دوم اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ڈھائی سال کے بعد، اگر نکلا بھی، تو اس ایک پارہ سے ظاہر ہے کہ خریداروں کی اشتہاء تشفی (?) کیونکر ہو سکیگی۔ کم از کم دو تین پارے ساتھ تو نکلنے تھے۔

امدادی رقمیں اس درمیان میں [illegible] وصول کی گئیں:-

یکم ستمبر۔ ایک مخلص خاتون (از بھوپال) عشہ (علاوہ سابق قسطوں کے)
۱۰ستمبر۔ ایک مخلص مقیم پشاور عہ (۲۴۵ ویں قسط)

سنیما مسیحؑ کے مولد میں

"بیت اللحم (فلسطین) کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہے کہ یہاں سنیما کھل رہا ہے۔ اس سنیما کے کھولنے والے مسیحی عرب ہیں" (ٹائمس آف انڈیا۔ ۸۔ ستمبر ۳۸ء)

یہ بیت اللحم مسیحیوں کے لیے شاید مقدس ترین مقام ہے۔ انکے نزدیک خدا کی پیدایش انکے خیال کے مطابق یہیں ہوئی تھی اور یہیں تھا اور تاریخ کی روایت ہے کہ حضرت داؤدؑ کا بھی مولد ہے) چھوٹا سا شہر، ہے، ایک معمولی سا قصبہ ہے، ہزار کی آبادی کا، یروشلم سے ۵-۶ میل جنوب میں واقع ہے۔ کاش آج مسیح علیہ السلام خود آکر دیکھتے کہ آپ کے نام لیوا ... عالیت کے ہر مظہر کے ظاہر داری مقامات انکے مولد و مدفن احترام کا حق کس طرح ادا کر رہے ہیں! ——— مسیحی تہذیب کی برکتوں سے مولد مسیحؑ بھی کب تک محروم رہ سکتا تھا!

تاکے لئے تیرے سے میدان چھوڑا زمانے نیا!

"صاحب" کی زندگی

انگریز ہوائی افسر شیرادی ایڈ اسے کا مراسلہ امریکی قربانت کے بعد:۔

"نیو یارک میں میرا قیام سات ہفتہ رہا۔ نیو یارک والوں نے خوب خاطر کی۔ مجھے یہاں سب سے بڑھ کر عام نیند کا نظر آیا۔ شہر کی اصلی زندہ دلی آدھی رات کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مجھے تو ا رہا اسی حالت میں صبح ہوگئی ....

تین بجے ناچ گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شمپین (شراب کی اعلیٰ قسم) یہاں پانی کی طرح بہ رہی تھی۔ انگریز بیرے نے مجھ سے چپکے سے کہا کہ ایک بوتل جیب میں ڈالے چلے جائیے۔ انگلستان میں ایسی شراب ناب کہاں ملیگی" (نیو ز کرانیکل انڈیا اسٹار رسگزین۔ بابت اپریل ۳۸ء)

یہ ہے دنیا کی سب سے زیادہ مہذب و متمدن، بااقبال و سر بلند زبوں کی زندگی کا نقشہ! ——— ظاہر کتنا دلکش! باطن کتنا گھناؤنا!

ترکی کا نیا اقدام

"انقرہ۔ یکم ستمبر۔ ملٹری اکاڈیمیا (فوجی درسگاہ) میں داخلہ کے جو نئے قاعدے شایع ہوئے ہیں وہ گورنمنٹ کی نئی پالیسی کے مظہر ہیں غیر مسلم ترکیوں کے بارے میں۔ اب تک غیر مسلموں کے لیے فوج میں افسری کے دروازے بند تھے۔ اب نئے قواعد کی رو سے ہر ترکی باشندہ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو ضروری شرائط پالئے جانے کے بعد اکاڈمی مذکور میں داخل ہو سکتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ رواداری کے میدان میں ترکی حکومت نے ایک اور صحیح اقدام کیا ہے۔" (رویٹر)

اس "صحیح اقدام" کے معنی یہ ہیں کہ مسلم و کافر کے درمیان جو ایک خفیف فرق و امتیاز اب تک حکومت کے شعبوں میں باقی رہ گیا تھا، اب ترکی نے اُسے بھی ختم کردیا۔

کردیا صاف کہ سینے میدان صداقت!

——— کیا ہوا جو اسلام سے اس برائے نام تعلق کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ "روشن خیال" حلقوں سے "صاحب" کی دانشگاہ سے داد تو "رواداری" کی جانب صحیح اقدام کی مل گئی!

سگرٹ نوش لڑکیاں

ایک "ہندوستانی" رنڈین اکاد مسلم لیڈر (الہ آباد) میں:۔

"میں ابھی آگرہ سے لکھنؤ جا رہا تھا۔ راستہ میں میں نے ہندوستانی لڑکیوں کی ایک پوری جماعت کو دیکھا جو سگرٹ پی رہی تھیں ساتھ میں جو ایک استانی تھیں، جب میں نے انہیں توجہ دلائی، تو وہ مسکرا کر بولیں "آپ جانتے نہیں ہیں یہ چھٹیاں منا رہی ہیں"۔ میں نے ... منظر اور اس جواب دونوں سے دنگ سا رہ گیا۔ سگرٹ نوشی مردوں ہی کے لیے ایک عذاب ہے، عورتوں کے لیے تو وہ سوگنا بڑھ کر ہے! خود ہندی مذاق اور اس ملک کی ... پر ... لڑکیوں کی سگرٹ نوشی ایک ... آخر ہم مغرب کی نقالی کہاں تک سے جائیں گے"۔

بیچارہ "ہندوستانی" ابھی تک سگرٹ نوشی ہی کو جرم عظیم سمجھ رہا ہے۔ کیا اسے خبر نہیں ہے کہ "آزاد" اور روشن خیال عورت اس عرصہ میں "ترقی" کی کتنی منزلیں سگرٹ نوشی سے آگے طے کرچکی ہے؟ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانا، اور نوجوان لڑکوں کے ساتھ ... اور پھر یہ توقع رکھنا کہ عورت کا معیار اخلاق و کردار نقاب پوش پردہ نشین عورت کے معیار کے مطابق رہیگا، حسن ظن کی عجیب و غریب قسم ہے!

مشاہدات مصر

ایک عزیز فوجی عہدہ دار، ملازمت کے سلسلہ میں مصر گئے ہوئے ہیں، انکے مکتوب کا اقتباس:۔

"مولانا عمران خاں صاحب ندوی کا تعارف نامہ کام آیا۔ صاحب جامع ازہر کی مسجد کے صحن میں مل گئے۔ تعارف نامہ دیکھ کر اپنے کمرے میں لیگئے۔ کمرہ کا خیال آتے ہی میز، کرسی، قالین اور دیوار پر تصویروں کا خیال آنا لازمی تھا۔ لیکن یہ کمرہ آکسفرڈ یا کیمبرج یا اور کسی ولایتی ادارہ کا کمرہ نہ تھا، یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ ازہر کی عمارتیں دیواروں کو گرویدہ اور نظروں کو خیرہ کرنے والی نہیں۔ ان میں اس بیسویں صدی میں دو سو سال پہلے کی یاد آتی ہے۔ قدامت کی شان ٹپکتی ہے۔ ازہر کے سارے شعبے ایک جگہ نہیں، دور دور ہیں۔ طلبہ بھی اسلامی دنیا کے ہر گوشہ سے آتے ہیں۔ ہوسٹل بھی ہر ملک کے الگ الگ ہیں۔ جاوا سماترا سے لیکر سسلی تک ہر ملک کے طلبہ یہاں ہیں۔ ان کی زندگی دیکھ کر حیرت و مسرت ہوتی ہے۔ کمرے میں کتابیں اتنی ہوتی ہیں کتب خانہ کا گمان ہوتا ہے۔ بیمار ہوئے تو پڑھتے ہی نہیں، کھانا پکانا اور کپڑے دھونا بھی انکی تعلیم کا جزو ہے۔ یہ میں نے اپنی آنکھوں سے

و گویا ان کاموں میں یہ کسر شان نہیں بلکہ اپنی آن سمجھتے ہیں۔ رمضان میں کسی نوکر، باورچی، دھوبی کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔

قاہرہ مشرق و مغرب کا مجموعہ ہے۔ مغربیت روز افزوں ہے، ترکی ٹوپی سرکاری لباس میں شامل ہے۔ اعلیٰ مصری مسلمان خواتین [illegible] باریک نقاب ڈالے رہتی ہیں، مگر زیادہ بے پردگی ہے۔ یورپ کے قریب قریب ہر ملک کے لوگ یہاں نظر آئے۔۔۔۔۔

قبرستان جو سرکار کی طرف سے [illegible] بنے ہوئے ہیں [illegible] مختلف کمرے ہیں۔ ان کمروں میں میت کفن [illegible] رکھ دی جاتی ہے جب دوسری میت آتی ہے تو اسی کے برابر فرش پر لٹا دیتے۔ قبر کھودنے کا یہاں رواج نہیں [illegible] اسی طرح رکھا رہتا [illegible] بو پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔ صاحب [illegible] واقعہ اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

[illegible] میت کو قبر کے اندر [illegible] کر کے [illegible] چھوڑ آنے کا دستور [illegible] دہلی کے علماء نے کیسے جائز کہا۔ کوئی صاحب جو مصر سے زیادہ واقف ہوں، براہ کرم اس روایت پر مزید روشنی ڈالیں۔

ریڈیو اور قرأت قرآن

دہلی سے ایک مراسلہ۔

"شیخ القراء مولانا قاری محمد یوسف صاحب ناظم جمعیۃ القراء دہلی نے ۷ ستمبر ۳۵ء کو جمعۃ الوداع کے دن آل انڈیا ریڈیو دہلی سے قرآن شریف کی دلکش قرأت اور عام فہم ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا کر ختم کیا۔ موصوف کی دس سالہ کوشش اور محنت ضرور اس قابل ہے کہ اسکی داد علی الاعلان دی جائے۔"

اب تو مدت ہوئی [illegible] ریڈیو سننے ہی کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن جب کبھی کبھی سن لیا کرتا تھا، تو اس میں شبہ نہیں کہ قاری صاحب کی قرأت ہر جمعہ کی صبح کو دہلی ریڈیو اسٹیشن سے بڑی ہی دلکشی رکھتی تھی۔ فن کے اعتبار سے نقد و تبصرہ تو اہل فن ہی کر سکتے ہیں، لیکن لہجہ کی دلآویزی اور آواز کی تاثیر کا اندازہ تو ایک عامی کو بھی ہو سکتا ہے اور خیر حسن قرأت کی توقع تو بہر حال کی ہی جا سکتی تھی۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز قاری صاحب موصوف کا نہایت شستہ اور سلجھا ہوا، کہیں تفسیری اور کہیں لفظی، ترجمۂ قرآن ہوتا تھا۔ [illegible] فسق اور باطل کی ہزارہا آوازوں کے ہجوم میں حق کی یہ چند صدائیں بہر صورت قابل قدر ہوتیں، لیکن تجوید و ترجمہ دونوں کی تبلیغی حیثیت نے ان خدمات کی قیمت کئی درجہ بڑھا دی۔

اپنے معاصرین کی خدمت میں

ہمارے جو معاصرین "صدق" کے مضامین اپنے زریں صفحات پر نقل کریں ان سے باادب التماس ہے کہ وہ حوالہ میں صرف "صدق" لکھنے کے بجائے "صدق۔ لکھنؤ" لکھا کریں۔ بکریماں کارہا دشوار نیست۔

مہتمم "صدق" لکھنؤ۔

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

(بسلسلہ صدق [illegible])

۱۹۴۔ یسئلونک عن الاہلۃ قل ہی مواقیت للناس والحج ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورہا ولکن البر من اتقیٰ	آپ سے (لوگ) چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات ہیں [illegible] اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے۔

(بقیہ نوٹ) [illegible] جو لوگ اپنی [illegible] سازی سے [illegible] ان پر علاوہ [illegible] اور فریق ثانی کی حق تلفی کے ایک مزید جرم یعنی عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوگا۔

تدلوا بہا۔ بہا کی ضمیر اموال کی طرف ہے اور یہ فعل ادلاء کا [illegible] ہے۔

تدلوا ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے اور پھر مجازاً کسی چیز کو کہیں پہنچانے یا اسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔

ادلیتہا اے اخرجتہا [illegible] الشیء (راغب) [illegible] (ابن جریر)

مطلب یہ ہوا کہ مال کو حکام تک پہنچنے کا، اپنی رسائی اور رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ و تحائف سے حکام پر اثر نہ ڈالو۔

اے لا ترشوا بہا (کبیر) اے تلقوا بعضہا الی حکام السوء علی وجہ الرشوۃ (مدارک)

اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی و فوجداری کا نفاذ ہونا تو خیر بڑی چیز ہے، قرآن مجید کی صرف اسی آیت پر اگر آج عملدرآمد ہو جائے، تو جھوٹے دعووں، جعلی کاغذات، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہلکاروں اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمت میں نذر نذرانوں، قیمتی ڈالیوں، شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی رہ جائے؟

بالاثم گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں، اس کے تحت میں آجاتی ہیں۔

اے بالظلم والتعدی (قرطبی) بشہادۃ الزور او بالایمان الکاذبۃ او بالصلح مع العلم بان المقضی لہ ظالم (مدارک)

فریقا۔ فریق کے معنی یہاں پارٹی یا گروہ کے نہیں، ایک حصہ یا۔

یا جزو کے ہیں

اسے نطفۃ و جزء [illegible] نطفۃ حیاتہ (روح)

سے [illegible] کر اس کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے ؟)

[illegible] ایک [illegible] بعض بعض

سوال [illegible] ہوتی تھی کہ

چاند کے صعود و نزول کی ابتدا یہ ہے کہ پہلے پہل چاند کا ظہور ہوتا [illegible]

[illegible] اسکا گھٹنا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] (ابن جریر)

چاند کے [illegible] تغیرات [illegible] سوال [illegible] سے

پیدا ہوتا ہے آفتاب کے تغیرات عام نظروں کے لیے غیر مشاہد رہتے ہیں۔

ملاحظہ (اور اس سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں)

قرآن مجید کا ایک [illegible] توحید کے علاوہ [illegible] شرک کی تردید

بھی ہے۔ دنیا میں شرک [illegible] قمر پرستی بھی بڑا رہی ہے

اور بعض ہلال پرستی بھی۔ [illegible] چاند کو دیوتا مان کر اسکی پوجا

کثرت سے کی گئی ہے۔ اور [illegible] چاند کو مبارک اور اترتے چاند کو منحوس

سمجھنے کا رواج تو آج [illegible] معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں موجود ہے

اور ہندوستان کی چھپی ہوئی مسلمانوں کی جنتریوں کو چاہیے آج اٹھا کر دیکھ لیجیے

اسکے کتنے خانے اس سے بھرے نظر آئینگے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے

لیے سعد ہے اور فلاں تاریخ نحس۔ قرآن مجید نے عروج و زوال

قمر کی یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہے (ہی مواقیت

للناس) ہلال پرستی اور اسکے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی

کاٹ دی ا --- احمق انسان، تو چاند کی کیا پوجا کر رہا ہے، چاند

تو خود تیری خدمت کے لیے ہے!

مواقیت جمع ہے میقات کی۔ اور اسکے معنی وقت کے بھی ہیں اور

منتہائے وقت کے بھی۔

جمع المیقات وھو الوقت وقیل المیقات منتہی الوقت (قرطبی)

مواقیت للناس۔ یعنی انکے معاملات دنیوی میں بھی اور حسابات

شرعی میں بھی۔

سنہ قمری میں [illegible] مہینوں کا حساب چاند کے

عروج و زوال سے ہوتے رہنا ظاہر ہی ہے۔

مفسر تھانوی نے یہاں یہ نکتہ خوب نکالا ہے، کہ جب اعمال شرعی

کا مدار حساب قمر ہی پر ٹھہرا، تو اس حساب قمری کا اہتمام و انضباط بھی

فرض کفایہ ہوا۔

جنھیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آپڑا

ہے، انکے لیے تو خیر کسی درجہ میں عذر بھی ہے، لیکن بلا ضرورت سنہ

ہجری قمری اسلامی کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کر لینا واقعی

بڑے افسوس کی بات ہے۔

والحج۔ قمری مہینے عام مواقیت انسانی کا تو کام دیتے ہی ہیں

اور اسکے علاوہ حج اور دوسری طاعتوں اور عبادتوں کے لیے بھی معیار و مدار

وہی ہیں۔ حج کا ذکر تخصیص کے ساتھ شاید اس لیے فرمایا گیا ہو کہ اسکی

اہمیت عرب کے ہر شعبہ زندگی میں بہت نمایاں تھی۔

۱۹۵ جیسا کہ مشرکین عرب اپنی سفاہت سے سمجھ رہے تھے)

جاہلی عرب جب احرام حج کی حالت میں ہوتے تو گھر میں جانے

کے [illegible] دروازے سے داخل ہونے میں نحوست اور بدشگونی سمجھتے، بلکہ

پشت کی دیوار میں [illegible] سوراخ پیدا کر دیتے، اور اسکے اندر

سے مکان میں داخل ہوتے، یا پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ جاتے

اور اس سے اتر پڑا کرتے، اور اسے [illegible] ایک کوئی بڑی عبادت

اور خانۂ کعبہ کی تعظیم سمجھتے۔

کانوا اذا احرموا فی الجاہلیۃ آتوا البیت من ظہرہ (بخاری)، کانوا

اذا حجوا ثم [illegible] من ابوابہا کانوا ینقبون فی ادبارہا (ابن جریر)

اذا احرم الرجل منہم نقب کوۃ فی ظہر بیتہ فجعل سلما یدخل منہا (ابن جریر)

بعض قبیلوں کے تو مسلم صحابی بھی [illegible] مبتلا ہوگئے۔

انھیں کی اصلاح خیال کے لیے آیت نازل ہوئی اور عقیدۂ جاہلی کی

تصحیح کی گئی۔

نزلت فی نفر من اصحاب النبی صلعم کانت الانصار و خزاعۃ کانوا یدخلون

بیوتہم فی الاحرام من [illegible] او من سطحہا [illegible] الجاہلیۃ (ابن عباس)

مفسر قرطبی نے بہت تفصیل سے لکھا ہے کہ انصار مدینہ جب حج یا

عمرہ کا احرام باندھ لیتے تھے، تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا

حائل ہونا تقوے اور آداب احرام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور وہ ایسی

میں اپنے مکانوں میں دروازوں سے نہیں داخل ہوتے تھے۔

وکان الانصار اذا حجوا وعادوا لا یدخلون من ابواب بیوتہم ...

وکانوا یرون ہذا من النسک والبر (قرطبی)

یہ رسم چونکہ حج ہی کے سلسلہ میں تھی اس لیے اسکا ذکر بھی حج

ہی سے متصل فرمایا گیا۔

۱۹۶ اور تقوی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی منع کی ہوئی اور حرام ٹھہرائی ہوئی

چیزوں سے ڈرا جائے، بچا جائے۔

اسے فرمایا [illegible] تجنب محارمہ [illegible] فرائضہ التی امرہ بہا (ابن جریر)

[illegible] سے یہ بات بھی صاف ہو گئی، کہ اصل نیکی تقوائے الہی ہے۔

یعنی احکام الہی کی خلاف ورزی کا خوف، نہ کہ اپنے کسی گڑھے ہوئے

دستور و رواج کا اتباع۔

تحفۂ خسروی

قولِ فیصل

مسئلہ نزولِ مسیح کے باب میں

(مسلک دیوبند کے ایک ممتاز عالم دین کے قلم سے)

مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح کے متعلق جو سلسلہ "صدق" میں جاری ہے، اس کے آخر میں مولانا میسوری اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے جو مفصل مضامین نکلے، بالاستیعاب تو ان دونوں کو نہیں پڑھ سکا، کیونکہ بعض پرچے "صدق" کے شاید ڈاک سے ضائع ہو گئے، اور نہیں پہنچے، اور ایسا اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ان دونوں کا اکثر حصہ غائبانہ مطالعہ میں آ گیا ہے۔ جس کے بعد دو باتیں عرض کرنا ضروری معلوم ہوتی ہیں، بڑی مشکل سے آج یہ وقت نکال سکا ہوں۔

(۱) مولانا بنوری کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو "نزول مسیح کے تواتر پر" بڑی اہمیت ہے، حالانکہ "تواتر معنوی" اور "تواتر قدر مشترک" کی حقیقت اگر سامنے رکھی جائے، اور روایات نزول مسیح جو رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح"[عہ] میں جمع کی گئی ہیں ان کو پیش نظر رکھا جائے تو اس مسئلہ کے "متواتر" ہونے میں کسی صاحب علم اور طالب علم کو شبہ نہیں رہنا چاہیے۔ ہاں یہ تواتر، تواتر اسنادی اور تواتر لفظی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا "تواتر معنوی" اور "تواتر قدر مشترک" ہے، اور دین کی بہت سی متواتر حقیقتیں اسی راہ سے متواتر ہیں، اور علماء نے "متواتر" کو جو عزیز الوجود کہا ہے، تو انکی مراد اس سے صرف تواتر لفظی اور تواتر اسنادی ہے۔ اور یہ بات انکے کلام ہی سے صاف ظاہر ہے۔

---

(۲) مولانا محمد یوسف صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "مسئلہ نزول مسیح" کو صرف قطعیات ہی میں نہیں بلکہ "ضروریات دین"[عہ] میں سے قرار دیتے ہیں، اور اس سے بھی بڑھ کر انکی بعض عبارات سے تو راقم کو ایسا شبہ ہوا ہے کہ وہ "قطعیات" اور "ضروریات دین" کو بالکل مساوی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ گویا "ہر قطعی" "ضروریات دین" میں داخل ہے۔ اگر یہ میری سمجھ کی غلطی نہیں ہے تو مولانا موصوف سے تعجب ہے کہ یہ مغالطہ انکو کیوں ہو رہا ہے — جیسا کہ خود مولانا کے اس مضمون سے ظاہر ہے "قطعیات" اور متواترات کی فہرست بہت طویل ہے۔ حتی کہ صحاح بالخصوص صحیحین کی بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جنکو اگرچہ اصطلاحاً "احاد" میں شمار کیا گیا ہے لیکن دیگر امور کے انضمام سے انکو قطعیت کا درجہ حاصل ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح بھی کی ہے اور خود مولانا بنوری نے بھی اسکو ثابت کیا ہے، تو کیا مولانا موصوف یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب "قطعیات" "ضروریات دین" ہیں — دین کا یہ مسلمہ ہے کہ ضروریات دین میں تاویل بھی دافع کفر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تمام "قطعیات" کی ہرگز یہ حیثیت نہیں ہے۔ الغرض ضروریات دین کی فہرست عام "قطعیات" کی بہ نسبت یقیناً مختصر ہے۔

اگرچہ بہت سے علماء اس طرف بھی گئے ہیں کہ ہر قطعی کا انکار کفر ہے، لیکن محققین نے اسکو اختیار کیا ہے کہ صرف "ضروریات دین" کے انکار سے آدمی کافر ہوتا ہے، اگرچہ اسکا یہ انکار بتاویل ہو۔ یعنی گرچہ وہ بظاہر اس نص کا انکار نہ کرے بلکہ اسکو مانتے ہوئے اس میں تاویل کرے۔ جسکی کھلی ہوئی مثال مسئلہ ختم نبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز سمجھنے والا یا کسی مدعی نبوت (مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی) کی تصدیق کرنے والا یا دعوے نبوت کے علم کے باوجود انکی تکفیر نہ کرنے والا بھی اسلام سے خارج ہو گا، اگرچہ وہ آیت "خاتم النبیین" اور ختم نبوت کی احادیث کا انکار نہ کرے بلکہ تاویل کرے، جیسا کہ قادیانی کرتے رہے —

الحاصل محققین کے نزدیک یہ حکم "ضروریات دین" کا ہے جملہ قطعیات کی حیثیت یہ نہیں ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کے پیش نظر "رسالہ اکفار الملحدین" تو ہے ہی، اس میں بھی چند عبارات اس دعوے کی صریح مؤید موجود ہیں کہ "قطعیات" اور "ضروریات دین" مساوی نہیں ہیں، بلکہ ان میں عموم خصوص ہے۔ اور تکفیر کے باب میں ان دونوں کے حکم میں محققین نے فرق کیا ہے، اور اکابر دیوبند کا بھی یہی طرز رہا ہے چنانچہ مکاتیب رشیدیہ سے ظاہر ہے نزول مسیح کے متاول انکار کی وجہ سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد کی تکفیر نہیں کی بلکہ تاویل کو مانع تکفیر قرار دیا، حالانکہ ضروریات دین میں تاویل مانع تکفیر نہیں ہوتی۔ لیکن جب مرزا صاحب قادیانی کی طرف سے نبوت کا بھی دعوے ہو گیا، اور ختم نبوت کے نصوص میں انھوں نے تاویلیں کیں، تب ان حضرات نے تکفیر کی، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔

الحاصل مسئلہ نزول مسیح کے باب میں صحیح مسلک اور اعتدال کی راہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ تواتر قدر مشترک اور تواتر معنوی اس مسئلہ کو حاصل ہے اور اس کی وجہ سے یہ قطعی ہے اور مرزانہ کے اور حق

(باقی صفحہ ۸)

عہ یہ رسالہ موصوف کی خدمت میں پہلے ہی بھیجا جا چکا ہے۔

عہ "ضروریات دین" ایک خاص فقہی اور کلامی اصطلاح ہے، جسکو اہل علم جانتے ہیں اور عام ناظرین کو تقریب فہم کے طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ کسی چیز کے دین میں قطعی الثبوت ہونے کی یہ سب سے اعلیٰ صورت ہے جسکو متقدمین نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ "ما علم الامۃ انہ من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم" مگر یہ الفاظ تو منع طلب ہیں، جسکا یہ موقع نہیں

تسڈل کا نیازی جواب

(مولوی ابوالفداء محمد عبدالقادر صاحب مبلغ اسلام حیدرآباد دکن)

جولائی کے نگار میں نیاز صاحب کا ایک مضمون بعنوان "ماخذ القرآن پر ایک مختصر گفتگو" شائع ہوا ہے جسکو گویا صاحب ڈاکٹر تسڈل کی کتاب ماخذ القرآن کا جواب تصور فرماتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نیاز صاحب نے ڈاکٹر تسڈل کے ایک اعتراض کا بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ شکست [illegible] کا مظاہرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر تسڈل کے اعتراضات کو ان الفاظ میں تسلیم کر لیا ہے کہ "جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن کے قصص و روایات یقیناً اسرائیلیات سے لیے گئے ہیں" یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ قرآنی قصص قدیم اسرائیلیات سے [illegible] نیاز صاحب [illegible] لیکن [illegible] بلکہ صرف دلوں میں [illegible] اور اسی لیے انکے ماخوذ ہونے [illegible] عقل ہونے کا سوال ہی سامنے نہیں آتا" [illegible] الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ جواب نہیں۔ ڈاکٹر تسڈل کا اعتراض بھی یہی ہے کہ قصص و تعلیمات قدیم اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں جسکو خود نیاز صاحب درست تسلیم کرتے ہیں تو پھر انھوں نے کتاب ماخذ القرآن کا جواب دینے کی تکلیف کیوں گوارا فرمائی۔ نیاز صاحب کا یہ ارشاد کہ "ماخذ القرآن کی بحث میں ہم کو صرف یہی نہیں دیکھنا ہے کہ ڈاکٹر تسڈل نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط کیونکہ نہ تسڈل اب زندہ ہے اور نہ عیسائی جماعت کو اتنی فرصت ہے کہ وہ اس پر توجہ کرے، بلکہ ہمیں اسکے علاوہ اس پر بھی غور کرنا ہے کہ تسڈل کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد خود ہمارے افراد کے دلوں میں جو ریب و شک کلام مجید کے الہامی کتاب ہونے کے متعلق پیدا ہو سکتے ہیں انہیں بھی دور کیا جا سکتا ہے یا نہیں" خود انکے جواب کی ناکامی پر دلالت کرتا ہے جبکہ تسڈل کی کتاب کا موضوع ہی یہ ہے کہ قرآن کریم (نعوذ باللہ) دیگر الہامی کتب سے ماخوذ ہے تو اسکے مطالعہ کرنے والے افراد کے دلوں میں بھی یہی ریب و شک پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نعوذ باللہ کتب سابقہ سے ماخوذ ہے۔ اس لیے جواب میں یہ چیز مقدم ہو جاتی ہے کہ ان اسرائیلیات اور تعلیمات پر علمی و تاریخی گفتگو کی جائے جنکو ڈاکٹر تسڈل نے قرآن کریم کا ماخذ بتایا ہے اور پھر یہ واضح کیا جائے کہ قرآن کریم نے ان قصص و تعلیمات کے بیان کا کیا مقصد ہے۔ کس انداز میں انکا ذکر آیا ہے۔ اور یہ بھی واضح کیا جائے کہ وہ ماخوذ نہیں۔ لیکن چونکہ نیاز صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآنی قصص "قدیم اسرائیلیات سے لیے گئے ہیں" اس لیے وہ مجبور تھے کہ اصل اعتراضات کا جواب نہ دیں بلکہ غیر ضروری اور بے تعلق گفتگو میں اصل بحث کو نظر انداز کر دیں چنانچہ انھوں نے [illegible] سے زیادہ صفحات یہ بیان کرنے میں صرف کیے ہیں کہ

انکے والد صرف مذہبی انسان تھے۔ انھوں نے نیاز صاحب کی تعلیم کا کیا انتظام کیا تھا۔ نیاز صاحب کا علماء سے تنفر اور انکی ناسلامی کی ابتداء اور انکے لیے فتوئے کفر و الحاد۔ اچھا ہوتا کہ نیاز صاحب اپنی سوانح حیات کے ان واقعات کو نگار کے جوبلی نمبر کیلیے محفوظ رکھتے جس میں انکے شائع ہونے کا امکان ہے لیکن ان واقعات کا تعلق ڈاکٹر تسڈل کے اعتراضات سے دور کا بھی نہیں۔ اور اسی طرح بہت سی غیر ضروری اور بے تعلق چیزیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً اس پرانی بحث کو چھیڑا گیا ہے کہ قرآن کریم [illegible] کا کلام ہے۔ شاید اسکا یہ مقصد ہو کہ قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات و تاثرات اور غور و فکر کا نتیجہ قرار دیکر ڈاکٹر تسڈل سے اپنی ہم خیالی کا ثبوت بہم پہونچایا جائے کہ قرآن کے قصص و تعلیمات قدیم اسرائیلیات سے لیے گئے ہیں۔"

اگرچہ کتاب ماخذ القرآن کا یہ موضوع ہے کہ قرآن کریم کو سابقہ کتب سے ماخوذ بتایا جائے۔ مگر پھر بھی ہمارے لیے یہ ضروری تھا کہ جہاں ہم یہ ثبوت دیں کہ قرآن کریم کی تعلیمات و قصص دیگر کتب سے نہیں لیے گئے ہیں وہاں یہ بھی ثابت کریں کہ قرآنی تعلیمات و قصص عقلی و علمی اور تاریخی نقطہ نظر سے صحیح اور انسانی زندگی کے لیے ضروری و مفید ہیں۔ لیکن نیاز صاحب نے جواب کے اس پہلو پر بھی اس قدر گفتگو نہیں کی جس قدر ضرورت تھی، صرف جنت و دوزخ اور جزا و سزا وغیرہ سے متعلق جستہ جستہ نظر ڈالی ہے۔ اگر نیاز صاحب کا یہ خیال ہے کہ کتاب ماخذ القرآن کا مطالعہ کرنے والوں میں صرف یہ شکوک و اوہام پیدا ہو سکتے ہیں کہ قرآن کے قصص اور تعلیمات خلاف عقل ہیں تو انکے لیے ضروری تھا کہ وہ ان تمام معتقدات و قصص پر علمی و عقلی گفتگو کرتے جنکا ذکر ڈاکٹر تسڈل نے اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن انھوں نے ایسا بھی نہیں کیا۔ انکا جواب اس حیثیت و لحاظ سے بھی ناکام رہا۔

ابھی سلسلہ میں نیاز صاحب نے ہمارے جواب کا بھی سخت و سست الفاظ میں ذکر کیا ہے جو ابھی مکمل طور پر شایع بھی نہیں ہوا ہاں اسکے دو حصے اپریل و جون کے نگار میں شائع ہوئے ہیں۔ ان پر بھی نیاز صاحب نے جو حاشیے لکھے وہ غیر ضروری اور ہمارے مضمون سے غیر متعلق تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہم کو رواداری [illegible] اکھاڑ دینے والا پیشہ ور مبلغ وغیرہ بھی لکھ دیا۔ ہم نے انکو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہمارے متعلق جو چاہیں لکھیں کیونکہ نگار کے صفحات اور سیاہی و قلم انکا ہے۔ ہم کو انکی گالیوں کی کوئی پروا نہیں لیکن نیاز صاحب کسی قدر سنجیدگی سے غور فرمائیں کہ کیا کوئی علمی گفتگو سخت و سست الفاظ اور گالیوں سے طے پا سکتی ہے۔ انکو شکایت تھی کہ لوگ انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ لیکن وہ خود اب اس غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ نیاز صاحب کی یہ قدامت پسندی اور انکے یہ رجعت پسندانہ الفاظ اس ترقی یافتہ دور [illegible] ٹھیک معلوم نہیں ہوتے اور نہ ان سے کوئی کام [illegible] اور نہ

اس دور میں ایسے طرز عمل سے کوئی بزرگ یا بڑا آدمی سمجھا جا سکتا ہے۔

ہم نے اپنے جواب میں دو ہی اصول اور طریقے اختیار کیے ہیں جو نیاز صاحب نے فرزندی و جیونری کے نگار میں مقرر فرمائے تھے کہ ان سابقہ قصص و تعلیمات سے بحث کریں جو ڈاکٹر سنڈل کی نظر میں قرآن کریم کا ماخذ ہیں۔ اور یہ واضح کریں کہ قرآنی قصص و تعلیمات سابقہ کتب سے ماخوذ نہیں اور تحقیقی نقطہ نظر سے وہ صحیح اور درست ہیں۔ [illegible] طریق یہ ہے کہ [illegible] پہلے اصولی گفتگو کی جائے اور [illegible] اصل [illegible] چنانچہ ہمارے بیان کردہ اصول کے متعلق [illegible] نیاز صاحب نے [illegible] مسلمہ تھا [illegible] [illegible] جزئیات کو [illegible] کا کیا جواب [illegible] [illegible] انھوں نے [illegible] کیا ہے تو بحث [illegible] ڈاکٹر سنڈل نے توریت، انجیل اور دیگر [illegible] قرآن کریم کا ماخذ بتایا ہے [illegible] یہ ضروری تھا کہ [illegible] کی حیثیت متعین کی جائے [illegible] یہ بھی بتایا جائے کہ تاریخی اہمیت [illegible] اس لیے بھی ضروری ہے [illegible] ڈاکٹر [illegible] جو توریت، انجیل اور دیگر کتب سے منقولات ہیں وہ بغیر ثبوت تاریخی ہو [illegible] غلط کو لیتے [illegible] اسکے بعد ہم نے اس سے بحث کی [illegible] کی تعلیمات اور قصص قرآن کریم [illegible] اور مقصد [illegible] ہیں۔ لیکن نیاز صاحب نے اس حصہ [illegible] کتب کی تحریف، تاریخی حیثیت سے [illegible] گفتگو [illegible] یہ حاشیہ لکھ دیا کہ یہ غیر متعلق گفتگو ہے۔ [illegible] میں الجھا دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے جواب کے [illegible] کے دو تین فقرات [illegible] شاید [illegible] دیتے تو خود بخود معلوم ہو جاتا کہ اصل مبحث سے اس کا کیا اور کسقدر گہرا تعلق ہے اور اسکی اہمیت و ضرورت کیا ہے۔ اپریل کے نگار میں نیاز صاحب ہم کو یہ ہدایت فرما رہے تھے کہ اصل ماخذ [illegible] سے بحث کرو جو ڈاکٹر سنڈل نے پیش کیے ہیں۔ لیکن جب حسب ضرورت ان سے بحث کی گئی تو اسی کو غیر ضروری اور غیر متعلق کہہ دیا۔ نیاز صاحب کے اس طرز عمل سے ہم کتاب ماخذ القرآن کے جواب کے سلسلہ کو غیر مکمل حالت میں نہیں چھوڑ سکتے۔ [illegible] [illegible] لکھیں گے۔ اگر نیاز صاحب [illegible] نگار میں شائع [illegible] صاحب کے مشورہ کے مطابق [illegible] [illegible] اور ہم ہر وقت اس پر آمادہ ہیں کہ نیاز صاحب کی [illegible] اور مشورہ کو اگر وہ علمی ہوں تو غور کریں۔ لیکن [illegible] تو اس کا جواب ہمارے پاس خاموشی کے سوا اور کچھ نہیں۔

براہ کرم

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھا کیجیے

(مینیجر)

ایک ندوی عالم دین کی وفات

(مرحوم کے عزیز قریب [illegible] ندوی کے [illegible] [illegible] کے قلم سے)

لکھنؤ میں ڈاکٹر سید العلی صاحب کا علاج تھا [illegible] افاقہ ہوا [illegible] [illegible] لیکن [illegible] خیال سے کہ [illegible] آگئے [illegible] لکھنؤ [illegible] ڈاکٹر سید العلی صاحب کی علاج [illegible] [illegible] پیدا ہو گیا [illegible] [illegible] انھوں نے علاج شروع کیا۔ [illegible] بڑھتا گیا۔ [illegible] لکھنؤ لے جا سکے۔ اور نہ کسی ڈاکٹر کو راستہ کی خرابی کی وجہ سے [illegible] [illegible] [illegible] لیکن [illegible] مرحوم کو [illegible] [illegible] بائیں جانب بیان [illegible] درد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انکی تکلیف لوگوں سے دیکھی نہ جاتی تھی [illegible] علاج کیا گیا۔ تین دن بعد یہ ہوا کہ بائیں جانب [illegible] [illegible] [illegible] یہ [illegible] اس کی [illegible] کے درد میں کمی کے بعد یکایک تنفس کی تکلیف پیدا ہوئی [illegible] کے لئے ہم ناتجربہ کاروں نے یہ سمجھا [illegible] کی شکایت ہے [illegible] تکلیف ہے۔

شب ۲۳ رمضان سے [illegible] [illegible] کہ مجھ کو اٹھا کر بٹھا دو۔ بٹھانے جاتے پھر لیٹ جاتے۔ والد صاحب نے دریافت فرمایا کہ بیٹے تم اپنی تکلیف [illegible] [illegible] اس قدر کمزور ہو چکا ہوں کہ اپنی تکلیف کو صحیح طور سے بیان [illegible] دن ختم ہوا رات آئی بے چینی میں اضافہ ہوا بار بار اٹھنے کی کوشش کرتے۔ اب یہ عالم تھا کہ بستر پر حرکت نہیں کر سکتے تھے اور یہ کیفیت ہوئی کہ اوپر سے حضرت اللہ [illegible] کہتے کہ ہم کو [illegible] ہم کو [illegible] بار بار پوچھتے کہ کیا وقت ہے؟ کہا جاتا کہ [illegible] [illegible] بجا ہے تو کہتے کہ ابھی دیر ہے۔

[illegible] رات سے [illegible] کا انتظار [illegible] [illegible] [illegible] نہ پا سکا۔ حالت [illegible] [illegible] انتقال سے [illegible] پہلے ایک بار لا الہ الا اللہ کہا اور چپ ہو گئے۔ پھر [illegible] لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم [illegible] استغفار [illegible] اور یہ آیت [illegible] استغفر اللہ [illegible] اتوب الیہ کہتے رہے [illegible] سلسل استغفار کرتے رہے [illegible] لیکن آنکھے [illegible] مسلسل [illegible] [illegible] [illegible] استغفار کی آواز آ رہی تھی [illegible] آواز گونج رہی ہے اسکے بعد خاموش ہو گئے اور قرآن کریم کی [illegible]

آہستہ سے پڑھنے لگے۔ وہ پوری آیت لوگ سمجھ نہ سکے، بس معلوم ہے کہ بار بار اسکی تکرار میں انّ اللہ، انّ اللہ کا لفظ نکل رہا تھا۔
اسکے بعد خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر کلمۂ طیبہ زور زور سے پڑھنے لگے اور مثل استغفار کے اسکی بھی رٹ لگا دی۔ جب آواز نے کام نہ دیا تو سب یہی ورد کرتے تھے۔ ایک عزیزہ جو انکے پاس بیٹھی ہوئی یٰس پڑھ رہی تھیں، انکا بیان ہے کہ لبوں کی جنبش میں کلمۂ طیبہ ہی کا ورد تھا۔ بہرحال کیا عرض کروں۔ میرا بھائی استغفار اور ذکر کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

مخدوما! کیا عرض کروں۔ میرے کوئی حقیقی بھائی نہ تھا اور نہ مرحوم کے کوئی حقیقی بھائی تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سمجھا۔ آگرام کے قرب و جوار میں انھوں نے جو تبلیغی کام کیا ہے اور خاندان کے تبلیغی اور اصلاحی طریقہ کو جس طرح سنبھالا تھا، کوئی دوسرا اسکا اندازہ نہیں کر سکتا ہے۔ گزشتہ جنوری اور فروری میں ہم دونوں نے سلطان پور کے دیہاتوں کا دور دراز تک دورہ کیا۔ ہم دونوں نے بڑے خیالات قائم کر رکھے تھے کہ اس طرح کام کرینگے، مگر افسوس! نہیں معلوم کتنے آدمیوں نے مرحوم کے وعظ کو سن کر شرک، تعزیہ، اور سود سے توبہ کی۔

ہم دونوں اکثر تنہائی میں عذاب قبر اور سکرات موت کے متعلق گفتگو کرتے۔ مرحوم بڑے زور سے کہتے کہ میرے خاندان میں ہمیشہ شرک کا رد کیا گیا ہے، اس لیے بحمد اللہ سب کا خاتمہ بخیر ہوا ہے اور مجھکو بھی یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ دنیا سے باایمان جاؤں گا۔ اللہ نے اپنے بندے کا ظن پورا کر دیا۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اس پر اجماع بھی رہا ہے، ان وجوہ سے اسکا انکار اگرچہ تاویلات بھی ہو تو زیغ و ضلال اور دائرہ حق سے خروج ہے، لیکن صرف اسکی وجہ سے قطعی تکفیر، محققین اور محتاطین کا مسلک نہیں، کیونکہ اسکو "ضروریات دین" کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہ کلام صرف مسئلہ "نزول مسیح" میں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کی تکفیر دوسری وجوہ سے ناگزیر ہے۔

یہ مباحث جنکی کافی چھان بین ہو چکی ہے، چونکہ ان پر زیادہ لکھنا اور زیادہ وقت خرچ کرنا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا ہے، اس لیے ضروری سمجھتے ہوئے صرف یہ سطریں لکھ دی ہیں۔ نام اس لیے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ نہ کریں کہ اسکا جواب دو، اور اسکا جواب دو۔ والسلام

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۲- ستمبر کو انشاءاللہ لکھنؤ سے بمبئی کیلیے روانہ ہونگا، جہاں ۲۸- ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰- ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچوں گا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ صرف خاص مبارک کے یہاں رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میرا پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک ایک خریدار کی امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔

— محمد عبد الرؤف عباسی۔ مہتمم "صدق"، لکھنؤ

مقالۂ علمیہ کے اشاعت کی درخواست

معزز ناظرین! "صدق" کے صفحات پر آٹھ قسطوں میں علم عربی کی حمایت میں میرا جو مقالہ "علم عربی اور امراء زمانہ" کے عنوان سے چھپتا رہا، اور آخر میں مدرسہ کے تعمیری پروگرام کی جو اپیل ہوئی، اسکے متعلق درخواست ہے کہ امراء کرام میں اہل فکر و صاحب نظر حضرات مقالہ کی اشاعت کے لیے بشکل رسالہ ۵۰۰ نسخوں کی طباعت کا خرچ ۱۱۲، دو سو دیں۔ اور اسی طرح تعمیری کام کے لیے مبلغ چار ہزار کے اخراجات کی جانب دردمندی سے متوجہ ہوں۔ اسکا صلہ حق تعالیٰ سے لیں۔

بیرون ہند سے ایک اعانت بذریعہ مولانا دریابادی آچکی ہے، اندرون ہند کے اہل نظر صاحب جود و سخا صبر آزما مدت تک خاموش رہ چکے ہیں۔ یہ موجب سرور حق ہے کہ اللہ و علا کی رضا کے لیے میری ہمدردی دینی درخواست پر "چیک" و "بیمہ" کی رقوم کے ساتھ توجہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

پتہ:- عبد الرؤف خاں رحمانی۔ نائب ناظم مدرسہ
جھنڈا نگر ڈاکخانہ رامت گنج - ضلع بستی
یا بذریعہ مدیر "صدق"

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

(...جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ہم المتقون) | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

مدیر — عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب — حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت مدیر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
رشید آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ: آٹھ روپیہ
" ششماہی ؎
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍

یوم شنبہ - ۵ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ہندوستان کے قدیم اور مشہور و مستند پیشواے طریقت، شیخ علی ہجویری، (متوفی [illegible]) صاحب کشف المحجوب گزرے ہیں جنھیں اجمیری شیخ کے متقدم۔ سماع کبھی کبھی کسی مصلحت سے سن لیتے تھے۔

ایک مرتبہ شہر مرو میں تھے،

وقتے من بمرو بودم۔ یکے از ائمہ اہل حدیث آنکہ معروف ترین ایشاں بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام۔ گفتم زہے مصیبت کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام لہوے را کہ اصل ہمہ فسقہاست حلال کرد۔ مرا گفت پس اگر حلال نداری تو چرا می کنی۔ گفتم حکم این بر وجوہ ست بر یک چیز قطع نتواں کرد۔ اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود، و اگر حرام بود حرام، و اگر مباح بود مباح۔ چیزے را کہ حکم ظاہرش فسق ست و اندر باطن حالش بر وجوہ است اطلاق آں یک چیز محال باشد۔ (کشف المحجوب ص ۳۱۶)

شہر کے نامور ترین اہلحدیث عالم سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تیار کر دی ہے۔ شیخ بولے یہ تو بڑا غضب کیا۔ لوگ جب دیکھیں گے کہ امام ہی نے ایسے لہو کو حلال کر دیا جو سارے فسق کی جڑ ہے تو دین میں بڑا رخنہ پڑ جائیگا۔ عالم صاحب نے کہا کہ آپ کے نزدیک اگر جائز نہیں تو پھر آپ خود کیوں سنتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ سماع کے باب میں احکام مختلف ہیں۔ کوئی ایک ہی حکم قطعی نہیں۔ اگر دل پر اسکا اثر حلال صورت میں ہو رہا ہو تو اسکا سننا حلال ہوگا۔ اگر مباح صورت میں ہو رہا ہو تو سننا بھی مباح ہوگا، اور اگر حرام صورت میں ہوگا تو سننا بھی حرام ہوگا۔ جو عمل کہ اپنی ظاہر صورت کے لحاظ سے فسق ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے اثرات مختلف رکھتا ہے۔ اس پر کوئی ایک ہی حکم ہر جگہ نہیں چلتا۔

روایت کسی اور راوی کی نہیں، شیخ کی خود بیان کی ہوئی ہے۔ اقبال کا مشہور مصرعہ،

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

بہت سے اہل مدرسہ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ عجب نہیں کہ شیخ کی اس حکایت سے مصرعہ کے اجمال کی کچھ تفصیل ہو گئی ہو ــــ جن چیزوں کی حرمت پر نص صراحت کے ساتھ موجود ہو، وہاں تو چون و چرا کی گنجایش نہیں، لیکن جو چیزیں استنباطی ہیں، اُنکے احکام برابر حالات کے تابع ہیں۔ اُنکی وسعتوں اور گنجایشوں کو تنگی سے بدل دینا دین کی اصل روح پر ظلم کرنا ہے ــــ کم از کم محققین طریقت و شریعت کا اسوۂ حسنہ ہم عامیوں اور عامیوں کے لیے یہی ہے۔

"صاحب" کے داؤ پیچ

ملک سیام، ہر اخبار بیں ایک جانتا تھا کہ امریکہ و برطانیہ کے دشمن جاپان کے ساتھ ہے، اور دشمن کے دوست کی حیثیت سے خود بھی اتحادیوں کا دشمن ہے۔ لیکن اب تازہ ترین خبر ملاحظہ ہو:-

"واشنگٹن - ۸ - ستمبر - آج امریکہ کے جنگی جہازوں کے محکمہ نے اس راز کا انکشاف کیا ہے کہ سیام کی گورنمنٹ گو بظاہر اتحادیوں سے اعلان جنگ کر چکی تھی، لیکن حقیقۃً وہ اتحادیوں ہی کی شریک و دمساز تھی۔ ملک سیام کے ریجنٹ، وزیر اعظم اور پولیس کے ناظم اعلیٰ

سب اتحادیوں سے ملے ہوئے تھے۔ امریکی افسر بلین ہائیٹ بینکاک میں جاپانیوں کی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے موجود تھے۔ اور سیامی ذرائع سے انھیں جو بھی اطلاعیں ملتی رہتی تھیں، وہ سب ریڈیو کے ذریعہ سے اپنی گورنمنٹ کو پہونچاتے رہتے تھے۔ ملک میں خفیہ تحریک اتحادیوں کی حمایت و شرکت کی اس درمیان میں امریکی افسروں کے زیر ہدایت برابر جاری رہی۔ سیامی اور امریکی برابر سیام سے باہر آتے جاتے رہے، اور ہوائی جہازوں کی مدد سے رسد وغیرہ حاصل کرتے رہے، اور جاپانیوں کو خبر تک نہ ہوئی"۔ (رائٹر)

اب تو جنگ خدا خدا کرکے ختم ہوئی ہے، رفتہ رفتہ دیکھیے گا کتنے ہی اس طرح کے راز سربستہ عیاں ہو ہو کر رہیں گے۔ اور چالاکیوں فریب کاریوں کے کیسے کیسے نقشے منظر عام پر آئیں گے! —— سچ کہا ہے دنیا کے سب سے بڑے سچے نے، کہ جاہلیوں کی جنگ (مسلمانوں کا جہاد دوسری چیز) تو نام ہی ایک مسلسل دھوکا دھڑی کا ہے! | الحرب خدعة

سگار کا زہر

پروفیسر جے۔ اے۔ ٹامسن احیاتیات (بیالوجی) کے ایک مشہور و مستند فاضل ابھی حال ہی میں گزرے ہیں۔ انکی ضخیم کتاب بیالوجی فار ایوری باڈی BIOLOGY FOR EVERY BODY پچھلے ہفتہ نگاہ سے گزری۔ اس میں تمباکو سے متعلق سطور ذیل پر نظر پڑی :-

"مخدرات (سُن کر دینے والی چیزوں) میں سب سے زیادہ کثیر الاستعمال اور اگر حد اعتدال کے اندر ہے تو شاید سب سے قلیل الضرر چیز یہی ہے۔ نکوٹین جو اسکا جوہر اصلی ہے، ایک ہلاک زہر ہے۔ ایک بڑے سگار بھر نکوٹین دو آدمیوں کو ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہے، لیکن اسکا بڑا حصہ جلنے سے ختم ہو جاتا ہے"۔ (جلد ۲۔ ص ۱۴۳۶)

سگار نوش، سگرٹ نوش بھائیوں اور (اب) بہنوں کو (بھی) اپنی اس زہر نوشی کی خبر ہے!

نمونۂ آخرت

"اوسلو (ناروے)۔ ۲۲ راگست۔ تاریخ آج پورے ۵ سال پیچھے لوٹا دی گئی جب غدار وزیر اعظم کوئزلنگ کا مقدمہ پیش ہوا۔ اور عدالت میں مجرم کو اُسی کی آواز سنائی گئی۔ جب اُسنے ۹۔ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء کو ریڈیائی تقریر میں ناروے والوں کو جرمنوں کے مقابلہ سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی۔ اور تقریر اُسی وقت گراموفون میں ریکارڈ کر لی گئی تھی"۔ (رائٹر)

۔۔ پانچ پانچ سال قبل کا زمانہ جب انسان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک بے جان مشین واپس لا سکتی ہے، تو خدائے قادر و توانا کے لیے کچھ بھی دشوار ہے، ممکن نہیں ہے کہ وہ جب چاہے' قیامت قائم کرکے، ہزاروں سال قبل کا وقت واپس لے آئے، اور انسان کے آگے اُسکے سارے اعمال و اقوال مجسم کرکے لا کھڑا کرے؟ —— فرنگی دماغ کی ہر ایجاد و اختراع کس طرح نادانستہ و غیر شعوری طور پر سہی، توح

قیامت و صدق آخرت پر ایک نادانستہ گواہی بنتی جاتی ہے!

تجدد کی ناکامی

"پرانی فرسودہ عثمانی شاہی کے بجائے جدید جمہوریہ ترکیہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو قائم ہوئی۔ ۲۲ سال کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ اسکے کارناموں کا جائزہ لیا جائے۔ ابھی حکومت کی مجلس کبیر (پارلیمنٹ) میں اب تک کوئی حزب الاختلاف (اپوزیشن پارٹی) نہیں۔ اور نہ ملک میں ایک آزاد پریس کا وجود ہے۔ مجلس وزراء بلکہ فرداً فرداً ہر وزیر کو اختیار ہے کہ جب اور جتنے دنوں کے لیے چاہے، بلا کسی وجہ کے اظہار کے کسی اخبار کی اشاعت روک دے۔ یہ محض امکان ہی نہیں بلکہ یہ اختیار برابر قوت سے فعل میں آتا رہتا ہے، اور اخبار نویسوں کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔ مجلس کبیر نے آج تک کبھی آزادی نہیں کی ہے۔ جمہوریت کے آغاز میں تو خیر اتنی احتیاط مناسب تھی مگر اب اس قید و بند کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ترکی آبادی ابتک ۸۰ فی صدی ان پڑھ ہے۔ انتظام ملک پر نکتہ چینی کی جرأت مجلس کبیر شاذ و نادر ہی کرتی ہے۔ ایک مرتبہ بجٹ کے موقع پر ۳۹۵ ممبروں نے گورنمنٹ کے موافق ووٹ دیا، صرف ۲ ووٹ مخالف آئے اور ان ۲ ووٹوں کا اختلاف بھی اس مجلس کی تاریخ میں ایک نئی چیز ہے۔ اس دقیانوسی چال سے ترکیہ ہرگز روس اور برطانیہ اور امریکہ کی ترقی یافتہ و ترقی پذیر حکومتوں کا ساتھ نہیں دے سکتی اور انکی سطح پر آنے کے لیے اسپین اور پرتگال کی طرح ترکی کو بھی اپنی اصلاح حال کرنی ہوگی"۔ (لیڈر۔ ۱۱ ستمبر بحوالہ اکنامسٹ لندن، ملخصاً)

لیجیے، ساری "ترقیوں" اور سارے تجدد و روشن خیالی اور فرنگیت مآبی کے باوجود، ترکی ابتک "صاحب" کی نظر میں دقیانوسی ہی چلا جا رہا ہے —— جمود پسند رجعت پرست! اللہ اور اللہ والوں کی نظر میں حقیر ہو کر کاش دنیا ہی کی نگاہ میں معزز و محترم ہو گیا ہوتا!

ہلا نہ دل نہ تیرگیِ شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں!

سچ ہے، ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم' اتباع ملتِ اغیار ابھی درجۂ کمال تک کہاں پہونچ پایا ہے!

بے خانمانوں کی آبادی

"سنہ ۱۹۳۹ء میں صرف ایک ایک کمرہ والے ۲ لاکھ ۴۰ ہزار مکانوں کے اندر ۸ لاکھ انسان گزر کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں انھیں مکانوں کے مکینوں کی تعداد بڑھ کر ۱۲ لاکھ تک پہنچی ہے۔ اور ان میں مرد بھی ہیں، عورتیں بھی، بچے بھی۔ کوئی کوئی گھر تو ایسے ہیں کہ ان ایک ایک کمرہ کے اندر ۱۲-۱۳ نفوس گھسے ہوئے ہیں"۔

(مرر سے۔ ٹائمس آف انڈیا، ۱۶ ستمبر)

...ذکر عروس البلاد بمبئی کا ہو رہا ہے! سینکڑوں اور ہزاروں، لکھ پتی اور کروڑ پتی تاجروں کے شہر کا! فلک بوس "کوٹھیوں" قصروں ایوان والے شہر کا! —— اسی شہر میں ۱۲ لاکھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کے پاس مع بیوی بچوں کے، رہنے سہنے، کھانے پکانے، سونے اور بیٹھنے، کھانے اور نہانے کے لیے کل ایک کمرہ! بڑی کوٹھری ہے! — اور لاکھوں کی تعداد تو ایسوں کی ہوگی، کہ ان غریبوں کو سر چھپانے کی اتنی جگہ بھی نصیب نہیں۔ ساری رات آسمان کی چھت کے نیچے، سڑک کی پٹریوں پر گزار کر صبح کر دیتے ہیں، گرتے پڑتے جاڑے میں بھی، اور موسلا دھار بارش میں بھی!

سرکاری کلال خانہ

خبر پرانی ہوگئی ہے، لیکن پھیکی اور بے مزہ اب بھی نہیں ہے:—

"پنجاب میں شراب نوشی، افیون، چرس نوشی اب سے ۱۹۳۹ء کے دیکھتے کم ضرور ہوگئی تھی، لیکن گورنمنٹ کی آمدنی ان مدوں سے اب کم نہ ہوگئی ہے

۱۹۳۹ء میں آبکاری کی آمدنی ایک کروڑ ہوئی تھی۔

۱۹۴۵ء۔ ۴۶ کے تخمینوں میں یہ آمدنی کچھ اوپر ۳ کروڑ رکھی گئی ہے۔

جنگ کے زمانہ میں شراب کی کشید صوبۂ پنجاب میں دوگنی ہوگئی۔ لیکن اسکی کل آدھی مقدار عام آبادی کے استعمال کے لیے ہے۔ اور باقی آدھی فوجیوں کی ضرورت کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے (اسٹیٹسمین کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے، اسٹیٹسمین ۹۔ فروری ۱۹۴۵ء)

اعداد کو پڑھ کر یاد صرف اتنا رکھیے کہ پنجاب کی سرکار تمام تر "صاحب" کی سرکار نہیں، بلکہ بہت کچھ ہمارے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ میں ہے!

سعدی از دستِ خویشتن فریاد!

یزید پر ایک سوال

"ہمیں کوئی ابوجہل یا ابولہب، عبداللہ ابن اُبی، یا یزید، یا فرعون یا ہامان! چنگیز کہہ تو دیکھے، ہم لٹھ لیکر اس پر جھپٹ پڑیں گے، لیکن اگر ہمارے خیالات اور ہمارے کرتوتوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اور یزید اور دوسرے مشہور زمانہ لوگوں کے فکر و عمل کے سارے اجزاء ملیں گے تھوڑے نہیں بہت بڑی مقداروں میں"۔ (ایک پرجوش مسلم معاصر)

یہ اگر شیعہ نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے، جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں۔ لیکن اگر اہل سنت کے عقائد کو ملحوظ رکھ کر ہے، تو اعتراض کی نیت سے نہیں، اپنے علم پر اضافہ کی غرض سے سوال ہے، کہ یزید کو ابولہب اور فرعون اور ہامان کی سطح پر رکھنا کس قرآنی شہادت، یا ابوجہل اور عبداللہ بن اُبی کی صف میں لانا کس حدیثی شہادت! چنگیز کے برابر کھڑا کرنا کس تاریخی شہادت کی بنا پر ہے؟

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۵)

(از عبد الماجد)

تتمۂ نمبر ۴۴ مطبوعۂ صدق ۲۶ مارچ کے نصف آخر میں سوال مع جواب نمبر مذکور میں نکل چکا ہے۔ اسی سوال کا دوسرا جواب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے قلم سے:—

"یہ صورت حال مسلمانوں کی بدنفسی یا غفلت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اصلاح صورت حال کی چاہیے نہ کہ شریعت کے مسائل کی۔ یہ بڑی کوتاہی ہے۔

پھر ایسے جلسوں میں شرکت ہی کی کیا ضرورت ہے جن میں فرائض نماز کی اہمیت اتنی کم ہو کہ نماز چھوٹے تو چھوٹے مگر جلسہ نہ چھوٹے۔ ہر مسلمان کو ایسے جلسہ میں جاتے وقت وضو اور نماز کا خیال پہلے ہی کر لینا چاہیے۔ تیار ہو کر جائے۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسے جلسہ میں شرکت کرے، جہاں سے پانی ایک میل پر ہو، تو تیمم جائز ہے۔"

س۔ حضرت والا نے اپنے عنایت نامہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ دوران نماز میں اللہ تعالیٰ یا کعبہ شریف کا تصور رکھنا چاہیے، مگر حقیر کی حالت یہ ہے کہ زیادہ تر حضرت والا ہی کا تصور نماز میں آجاتا ہے اور کبھی حضرت رسول دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی بندھ جاتا ہے۔

ج۔ خیال آجانا اور چیز ہے اور خیال لانا یا تصور قائم کرنا اور چیز۔ پہلا عمل بے اختیاری کا ہے، اس میں چاہے مجھ جیسے ننگ انسانیت انسان کا خیال آجائے، یا بھیڑ بکری، گھوڑے، گدھے کسی جانور کا، سب برابر ہے۔ لیکن ارادہ کرکے خیال کسی جاندار مخلوق کے لانے میں نفع سے زیادہ پہلو نقصان کے ہیں۔ بلکہ اپنے مرشد یا کسی اور بزرگ کے تصور میں یہ خطرہ اور زائد ہے۔ ارادی تصور حتی الامکان کعبۃ اللہ ہی کا رہنا چاہیے۔

س۔ حقیر کے دو دوست مولانا ... صاحب سے اصلاح لیتے ہیں۔ دونوں بہت نیک طینت اور پاکباز ہیں، ان سے حقیر تقریباً روزانہ ملتا رہتا ہے۔ جب کبھی یہ دونوں آپس میں گفتگو کرتے ہیں، تو حقیر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ اور خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ اتنے اچھے ہیں اور حقیر سرتاپا گنہگار۔

ج۔ بہت مبارک خیال ہے جتنے زیادہ قائم رہ سکے بہتر ہے۔ اپنے عجز و نااہلی، عبدیت کے مشاہدہ سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

س۔ بعض دفعہ نماز کے بعد جب حقیر یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ اپنے اس عاصی گنہگار، سرکش بندہ کو بخش دے تو بے اختیار رونا آجاتا ہے۔ خیال یکلخت اپنے تمام گناہوں اور کوتاہیوں کا آجاتا ہے، اور ایک عجیب اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ج - یہ اضطراب اور گریہ دونوں مبارک ہیں۔ اس عاجز کی طرف سے
ہم سیاہ تباہ کار کو بھی دعائے خیر میں شریک کرلیا جائے تو بڑی عنایت ہو۔

س - گریہ وقت دو دو ہنگامی ہوتا ہے۔ گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد پھر وہی پہلے والی دوری اور کجی طبیعت میں آجاتی ہے۔

ج - حضور والی کی نسبت و کاملین کو بھی مشکل سے میسر آتی ہے حضرات صحابہ تک خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنی یہی روداد بیان کرتے تھے۔

س - حضرت والا یہ بالکل سمجھ نہیں آتا کہ حقیر کو اپنی حالت کا شعور بھی ہے ۔ روتا بھی ہے مگر برائیوں کو ترک نہیں کرتا۔

ج - ایک انبیاء کی طرح بشر کو گناہوں خطاؤں سے بالکل پاک و صاف رکھنا شاید حکمت تکوینی کا مقصود ہی نہیں، فلم سبحانہ تعالیٰ۔ بشر کے لیے بس اتنی قدر کافی ہے کہ ہر تازہ لغزش پر تازہ توبہ اور ہر نئی خطا کی نئی تلافی و تدارک بہ قدر امکان کرتا رہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین، جس طرح ہمارے سب پرانے بزرگوں کا وظیفہ تھا۔ ہر دم ہمارے بھی وردِ زبان رہنا چاہیے ——— مقصود اصلی تعلق مع اللہ ہے وہ ان ہی حسرتوں اور ندامتوں سے ضعیف نہیں ہوتا، شاید قوی تر ہی ہوتا جاتا ہے۔

گناہوں سے اصل مانع حضور کامل ہے اور بنی آدم میں سے کس کو نصیب ہے؟ (انبیاء کی شخصیت یہاں زیر بحث نہیں)

قرآنی اصطلاح میں اسی بے ہوشی کا نام جہالت ہے۔ اور اسی سے فوری افاقہ پر توبہ کا حکم ہے۔ انما التوبة علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالة ثم یتوبون من قریب۔ فان تابوا و اصلحوا۔ اور اسی مضمون کی دوسری آیتوں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ البتہ ہر شخص کا مقام الگ الگ ہوتا ہے، اور اسی نسبت و لحاظ سے اس کی لغزشیں اور ہمتیں ہوتی ہیں۔

س - بعض دفعہ طبیعت چاہتی ہے کہ قرآن پڑھتے رہیے یا نوافل ادا کیجیے۔ مگر دفعتہً کسی کام کا خیال آجاتا ہے۔ جو بہت اہم معلوم ہوتا ہے۔ حقیر اس خیال کے آتے ہی قرآن اور نوافل سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کام کو ختم کر دے، لیکن قرآن اور نماز کے چھوٹتے ہی کام کی اہمیت تقریباً کچھ نہیں رہتی۔ حضرت والا اس بیماری کا علاج فرمائیں۔

ج - یہ عادت مطلق صورت میں تو بیماری نہیں، ہاں بعض صورتوں میں اس پر مرض کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

عبادت کا حصر تلاوت و نوافل پر نہیں۔ کوشش ایسی ہونی چاہیے کہ ہر عمل عبادت بن جائے۔ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، چلنا پھرتا، دوستوں عزیزوں سے بات چیت کرنا، بزرگوں، عزیزوں اور دوسروں کی خدمت کرنا، پڑھنا لکھنا، جائز کسب معاش کی مصروفیت، ضروری تفریح، یہ ساری چیزیں تھوڑی سی مشق و توجہ کے بعد خالص عبادت بن سکتی ہیں۔ اور ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف حسب ضرورت و موقع منتقل ہو جانے میں مضائقہ کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک ہی عبادت کے تسلسل سے طبیعت کا اکتا جانا امر طبعی ہے، کوئی معصیت نہیں۔

بہتر ہوگا کہ تلاوت شروع کرنے سے قبل ایسے تمام ضروری اور مشغولیت پیدا کرنے والے کاموں سے فراغت کرلی جائے۔ اسکے بعد درمیان میں اگر وہ بار بار یاد آنے لگیں، تو اسکی طرف بالکل اعتنا نہ کی جائے، بلکہ نفس کی تادیب و تنبیہ کے لیے بدستور اسی عبادت میں مصروف رہا جائے، خواہ دل ذرا بھی نہ لگے۔

س - حقیر جب بازار میں ہوتا ہے اور سڑکوں پر چلتا ہے تو بدنظری سے پرہیز کرتا ہے۔

ج - الحمد للہ۔ اسی عادت کو پوری طرح راسخ کر لیا جائے۔

س - لیکن کلاس میں جب لڑکیاں سامنے ہوتی ہیں تو پرہیز بن نہیں پڑتا۔ طبیعت چاہتی ہے کہ کسی کے چہرے کو، سینے کو، یا سارے کو دیکھ لیجیے۔ کبھی حقیر اس خواہش کو دبا تا ہے مگر بسا اوقات اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ حضرت والا بھی کوئی تدبیر بتلائیں۔

ج - بےشک کلاس میں ابتداءً نگاہ کی احتیاط سے دشوار تر ہے۔ لیکن یہ بدنظری بڑی ہی بے عقلی کی بات۔ نامحرم پر نظر کرنے سے وہ مل تو جاتی نہیں، پھر محض اشتیاق بڑھا لینے سے آخر نتیجہ اور حاصل کیا؟ یہ تو اور اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہوا۔ دوزہ دار کے لیے سمجھ کا راستہ کون سا ہے۔ آیا یہ کہ دن میں کھانے پینے کی مرغوب و لذیذ چیزوں سے دور ہی رہے یا برابر انہیں سامنے لا لا کر اپنی طبیعت کو للچاتا رہے؟ یہ تو اپنے کو مزید صبر و امتحان کے تعب میں ڈالنا ہوا۔

اس لیے عاصی کا جتنا صحیح و قوی استحضار رہتا جائیگا، طبیعت از خود ادھر سے ہٹتی جائیگی۔ اپنے ساتھیوں کے سامنے بدنظری کے عقلی نقصانات اور شرعی نتائج پر اگر گفتگو بھی وقتاً فوقتاً کی جاتی رہے تو اس سے بھی ہمت کی استواری میں ان شاء اللہ بہت مدد مل جائیگی اور نفس کو اپنے کہے کے خلاف کرتے ہوئے خود شرم آئیگی۔

کلاس میں ایک آدھ اپنے ہم خیال ضرور ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ ان سے معاہدہ ہو جائے کہ آپس میں جس کسی سے لغزش ہو جائے، دوسرا اسے اسی وقت متنبہ کر دے۔

یہ سب اہتمامات ان شاء اللہ کافی ہو جائیں گے۔ فکر و اہتمام خود ان امور میں بہت مؤثر ہے۔ عادت کے رسوخ کے بعد دقت ذرہ بھر بھی نہ رہیگی۔ لیکن ان سب سے مقدم و اہم خوف آخرت کا استحضار ہے۔ تجربہ ہے کہ یہ سخت پہرہ کا کام دیتا ہے۔

س - نماز تراویح میں خیالات بڑے پریشان رہتے ہیں اور یہی فکر رہتی ہے کہ اب بارہ رکعتیں باقی رہیں اب آٹھ اور اب چار، بہر حال ایک بیزاری کا اظہار ہوتا ہے اور صلاۃ سو جھائی ہی نہیں دیتا۔

ج - نفس بشری کا ہر قید و بند سے گھبرانا ایک امر طبعی ہے اگرچہ اسکے منافع و مصالح عقلی بھی پیش نظر ہوں۔ اور اسے بیزاری نہیں کہیے۔ بیزاری کے لیے عقلاً قبیح سمجھنا بھی ضروری ہے ——— دوا اگر کڑوی ہے تو مریض منہ ضرور بنائے گا، گو اسکے مفید ہونے پر یقین کامل رکھتا ہو۔

جدید فتنۂ تاتار

[صدق ۱۹۳۵ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے قلم سے ترکستان میں اسلام کی ہولناک بربادی کا نقشہ، ترجمان القرآن سے لیکر شایع ہو چکا ہے۔ اب اس سلسلہ میں مولانا نے مدیر صدق کے استفسار کے جواب میں اپنے مکتوب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی بجنسہ نذر ناظرین ہے۔ —— تاتاریوں کی مشہور قدیم چنگیزیت ہے، یہ جدید فتنہ کیا کچھ کم ہے؟]

ترکستان میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری، اسکے حالات کا عشر عشیر بھی کتابوں میں نہیں آیا ہے۔ روسی انقلاب کا دوسرا رُخ دیکھنے اور دکھانے والے اہل مغرب ہی ہو سکتے تھے اور انکو غیر کیا پڑی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا دردناک قصہ دنیا کو سناتے۔ اس لیے جو کچھ کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا اس سے اصل حالات کا کچھ بھی اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ مجھے تو اس داستان درد کا علم اُن ترکستانی مہاجرین سے ہوا جو بولشویکوں کے مظالم سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اس ملک میں انکی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ ان میں اچھے اچھے صاحب علم، فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ ہیں۔ ترکستان کے بڑے بڑے ذی عزت اور شریف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، کبھی خود اپنے ملک میں وہی حیثیت رکھتے تھے اور وہی پوزیشن رکھتے تھے جو اس ملک میں ہماری آپ کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ۱۹۲۴ء میں نکلے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے بولشویکوں کی قائم کردہ درسگاہوں میں پڑھا بھی ہے۔ بعض وہ ہیں جو خود اس نظام حکومت کو چلا رہے تھے جو زار کے خاتمہ پر ترکستان میں قائم ہوا تھا اور جسے بالشویکوں نے بزور ختم کیا۔ ان لوگوں کی زبانی جو حالات معلوم ہوئے وہ اتنے دردناک ہیں کہ انکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج کل انہی میں سے ایک صاحب میرے ساتھ رہتے ہیں اور میری کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ انکے والد ترکستان کے اکابر علماء میں سے تھے اور بولشویکوں نے انکو سخت عذاب دے دے کر قتل کیا۔ میں نے بارہا ان سے اصرار کہا کہ وہ اس انقلاب کی داستان لکھیں۔ چنانچہ میرے اصرار پر انھوں نے لکھنی شروع کی۔ لیکن چند روز کے بعد انھوں نے مجبوراً یہ کام چھوڑ دیا۔ کیونکہ جب وہ لکھتے تھے تو رنج و غم کے جذبات کا اُن پر اتنا غلبہ ہو جاتا تھا کہ کئی کئی روز تک بھوک اور نیند غائب ہو جاتی تھی اور راتوں کو جنگل میں جا جا کر پھرتے اور رونے لگتے تھے۔ انہی سے معلوم ہوا کہ یورپ اور ایشیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ترکستان سے نکلے ہوئے مسلمان مہاجرین موجود نہ ہوں۔ ہر جگہ ان لوگوں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں اور رسالے نکلتے ہیں۔ مگر سب یا تو ترکی میں ہیں یا فارسی میں۔ اس لیے ان بیچاروں کی فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو ہندوستان میں آئے تو یہ ستم ہوا کہ جب حضرات علماء کرام اور مسلمان لیڈروں سے مل کر انھوں نے اپنی داستان مصیبت سنائی تو بڑی بڑی جگہوں سے انکو یہ جواب ملا کہ تم لوگ انگریز کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو جنھیں کمیونزم کے خلاف تبلیغ کرنے کے لیے اُس نے بلایا ہے۔ اس سے بھی زیادہ سنگدلی کا برتاؤ انکے قدیم ترین ہمسایہ ملک افغانستان نے کیا۔ اور ایسا ہی رویہ ایران کا رہا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اگر کل خدانخواستہ ہندوستان میں ہم پر کوئی آفت آئے تو ہم کو اور ہمارے دین کو اس طرح بیان مٹایا جا سکتا ہے، کہ دنیائے اسلام کے نام سے جو ادارہ ہے مسلمی مشہور ہے، اُسکے کان پر جوں تک نہ رینگیگی، اور ایک ہلکی سی صدائے احتجاج بھی کہیں سے نہ اُٹھیگی۔

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اسے پیتا ہی چلا جائے۔

خیال رہے کہ ادا ہو جانے کے لیے صرف اُس پر عمل پیرا ہونا، بغیر کسی اعتراض عقلی کے کافی ہے۔ رہا یہ درجہ کہ نماز نفل میں لذت اتنی آنے لگے، کہ رکعتوں کی تعداد کا بھی احساس باقی نہ رہے، یہ ہم عامیوں اور عاصیوں کے نصیب میں کہاں؟

س۔ اپنے گزشتہ خط میں حقیر نے حضرت والا سے یہ عرض کیا تھا کہ کچھ ہدایت فرمائیں، تاکہ گناہوں کے ڈھیر میں حقیر کچھ تو کمی کرے۔

ج۔ یہ طلب اور یہ جذبہ فی نفسہ مبارک ہے۔ لیکن متعین سوالات کے جوابات میں جو کچھ گزارش کر دی جاتی ہے، بس کافی ہے۔ باقی ایک خط میں سب کچھ کہاں تک لکھا جا سکتا ہے، کوئی اسکے لکھنے پر قادر ہے؟

عام ہدایت تو بڑے اور چھوٹے، عالم اور عامی، زاہد اور فاسق، ہر کلمہ گو کے لیے ایک ہی ہے۔ فلا تموتن الا و انتم مسلمون۔ ایمان پر استقامت اور غیرت ایمانی کی ہر لحظہ طلب اور افزائش، جزئیات بیشمار ہیں۔ اصل الاصول یہی ایک ہے۔

صدق کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳۔ ستمبر کو انشاءاللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا جہاں ۲۸۔ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰۔ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچونگا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب وکیل لتاقعلہ اطراف بلدہ حضرت خاص مبارک کے یہاں خاص بلدہ میں ہوگا اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہو گی۔

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" لکھنؤ

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

نمبر (۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(بسلسلہ صدق ۳۴۶)

گذشتہ مضمون میں جس رسم پر نواب مرحوم نے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، اسکی تفصیل وہی ہے جیسے طباطبائی کے حوالے آپ سن چکے ہیں۔ یعنی وہی قضا و احتساب کے نظامات دستور کی طرف اشارہ ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں سے ان بے شرم و بے غیرت ننگ اسلام مسلمان سیہ کام نہاد قاضیوں اور محتسبوں نے مسلمانوں کے غریب عوام طبقہ پر عائد کر رکھا تھا۔ میں تو ان ہی وجوہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ احتساب و قضا کے ان نام نہاد عہدوں پر انگریزوں کی طرف سے قضا طاری کی گئی تو حق تعالیٰ کا ہندی مسلمانوں پر یہ فضل عظیم ہوا۔ یقیناً اسکے بعد بیگانوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو دور مغلوبیت و انحطاط میں ان نام کے یگانوں نے انتہائی قساوت قلبی، بیدردی و خدا ترسی کے ساتھ روا رکھا تھا۔ بلا شبہہ ایک بڑا عذاب تھا جو ان ظالموں کے ختم ہونے سے غریب مسلمانوں کے سر سے ٹل گیا۔

اگرچہ عدل و انصاف کا جو نظام اسکے بعد قائم ہوا اسکے نفی کی حد تک تو اسکے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے اور قانون سازی کی حد تک جن بڑے لفافوں میں یہ کام انجام پا رہا ہے اسکا کون انکار کرسکتا ہے، لیکن وہ آخری نقطہ جہاں قانون عمل کی شکل اختیار کرکے ملک کے عام باشندوں پر عائد ہوتا ہے یعنی عدالت کی عام کچہریاں اور محکمے، عجیب بات یہ ہے کہ آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے بلکہ شاید اس سے بھی پہلے یعنی جس زمانہ میں ہندوستان پر حکومت کمپنی بہادر کرتی تھی اسی زمانہ کے مورخ صاحب سیر المتاخرین نے اپنی کتاب کے آخر میں کمپنی کے اس جدید حکومت کے طور و طریق پر جو ایک دلچسپ تنقیدی مضمون لکھا ہے اسوقت کے لحاظ سے تو وہ ایک تنقیدی مضمون تھا لیکن ہمارے لیے اسکی حیثیت ایک تاریخی یادداشت کی ہے۔ اسی سلسلہ میں کمپنی بہادر کی طرف سے انگریزی عدالتیں جو اس ملک میں قائم ہوتی تھیں ان کے متعلق وہی لکھتے ہیں:-

بالفعل عدالت وجہ معاش بہر طبع منافع گردیدہ مردم آمدنی خدمت مذکور می نمایند بلکہ پیشکشہا دادہ سیلہا برانگیختہ می ستانند حاکم را اگر کسے رعایت منظور باشد این کار را و عنایت می کند چندے روز قبل از این در اینجا دیدہ شد و اتباع و عملۂ عدالت انجا مزاد تحصیل آن چہ از دو صاحب خدمت و عملہ سلوک و وعدہ اہالیان کام خود رسیدہ و زیر شدے خیلے اندوختند و کسے نمی پرسد کہ در عدالت در بہ تحصیلات نمی چیست۔ (ص ۴۲۹ سیر)

اب تو عدالت کا محکمہ نفع اندوزی کا ایک بہترین ذریعہ بنگیا ہے۔ لوگ اس خدمت کی آرزو رکھتے ہیں اور پیشکش پیش کرتے ہیں اور واسطے حائل کرتے ہیں اور اپنی خواہش کی تکمیل کرتے ہیں تاکہ عدالت کے محکمہ میں گھس جائیں۔ حکام بھی جسکے ساتھ چاہتے ہیں عدالت کی نوکریاں انکے حوالہ کر دیتے ہیں۔ پہلے عدالت کے ملازموں کی تنخواہ معمولی تھی، اور اب یہ حال ہے کہ چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عدالت کے ملازمین عملہ وغیرہ بڑی رقموں کے مالک ہو جاتے ہیں کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ عدالت کے محکموں میں روپیہ کمانے کی کیا صورت ہے۔

کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی، عدالتوں کا رنگ روپ کچھ نام بھی بدل گئے تھے اور مختلف ڈیپارٹمنٹ کے عدالت قائم ہو گئے اور کچھ بھی قائم کر دیئے گئے، یہ سب ہو چکا، لیکن نتیجہ کے لحاظ سے جو حال آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے کمپنی بہادر کی قائم کردہ عدالتوں کا تھا، دیکھنے والے اندازہ کرسکتے ہیں کیا اس میں سرمو فرق ہوا ہے؟ اسی مورخ کو اسلامی حکومتوں کے عہد حیات و شادابی کا دور اسکے بعد یاد آگیا ہے۔ جلے بھنے دل سے انہوں نے جو لکھا ہے جی چاہتا ہے کہ اُسے بھی نقل کر دیا جائے - وہی لکھتے ہیں:-

پیش تر مردم بادین و دیانت جرأت بہ قبول این کار کمتر نمودند کہ چوں حق الناس است مبادا پیش خدا مشغول الذمہ گردند امرا و سلاطین تجسس تمام متدینان را بہم رسانیدہ و کسانیکہ خدا ترس و صالح و حق شناس می دانستند بہ ساجت و ابرام می گماشتند و زیادہ از جمع مو دوری باب موکد می گذاشتند کہ اتلاف حقے نمی آید و بر کسے ازاں کہ ظلمے رود و چہ کار اسے متدین و ہوشیار را بکار گزاری سپردہ و انسداد طرق رشوت و ارتشا منظور داشتند و کسے را مرتشی گفتن بہ تر از فحش بود۔ بعضے از تقیدات و تربیت مردم نیک خصلت بہم رسیدہ و رشتی و دون از مراتب عظیم ۔۔۔

پہلے زمانہ میں لوگ جو دین و دیانت والے تھے اس کام کو (قضاء اقضا) عدالت کو کم قبول کرتے تھے۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ حقوق الناس کا اس سے تعلق ہے۔ خدا کے آگے ذمہ دار ہو جائینگے۔ اُس زمانہ میں امراء و سلاطین بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر متدین لوگوں کو اور ایسے آدمیوں کو جو خدا ترس، صالح اور حق شناس ہوں بڑی آرزو اور منت و سماجت سے ان عہدوں پر بحال کرتے تھے، حکومت کے تمام شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت اسی شعبہ کو دی جاتی تھی - یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کا حق مارا جائے یا کسی پر کوئی ظلم کرے ہر کام متدین ہوشیار کارگزار لوگوں کے سپرد ہوتا تھا، اور رشوت دینی یا رشوت خود ہی کو کسی طرح جائز نہ سمجھتے تھے - جو رشوت خوار کے نام سے مشہور ہو جاتا اس سے مراتب ۔۔۔

… اشاعت … اعمال از جلد … مجید و عمدہ ترین … آگرہ … (۲۹ …) … کیا جاتا ہے۔

عیوب میں ہوتا تھا بلکہ اکثر کے قریب قریب خیال کرتے تھے۔ لیکن اب تو اسکا شمار اچھے کاموں اور پاکیزہ ستودہ صفت …

لیکن اس کمین مورخ کو کیا معلوم تھا کہ آیندہ زمانہ جو آنے والا ہے اسمیں دین اور تدین، خدا ترسی، حق الناس و حق اللہ کے الفاظ تک اسی شعبہ کے لیے کافی قرار دیے جائیں گے کہ جو انکی طرف منسوب ہے۔ اسکو عدالت و حکومت کا کوئی کام سپرد نہیں کیا جاسکتا چونکہ تم نے "دینیات" کی تعلیم پائی ہے، اس لیے تم سے حکومت کے کسی شعبہ میں کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔ یہ ناطق فیصلہ صادر کردیا جائیگا۔ اسی مورخ نے آگے جو لکھا ہے،

بعض حکام و اتباع بزرگ ہیں اقسام مردم از دو … را کارگزار و ہوشیاری دانستہ … فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بعض حکام اور انکے ماتحتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے آدمی (جنھیں دین و خدا ترسی و اصلاح سے کوئی سروکار نہ ہو) انہی کو تلاش کرتے ہیں اور اسی قسم کے لوگوں کو کارگزار و ہوشیار خیال کرتے ہیں۔

یہ حال تو اسکے زمانہ میں "بعض" کا تھا، کاش وہ آکر دیکھتا کہ اب تو سبھی کا یہ حال ہے۔ اسکے عہد میں تو شاید بصر و بصیرت والے نفوس کچھ ہونگے بھی جنھیں عالم اضطراب میں حصول عبرت کے لیے وہ پکار رہا تھا۔ لیکن میں کن لوگوں کو پکاروں کہ

این خانہ تمام آفتاب ست!

تاہم پھر بھی میں مایوس نہیں ہوں، مذہب کے نام سے قلوب میں اگر نفرت پیدا کر دی گئی ہے تو نام سے قطع نظر کرکے اگر علماء اسلام کا کوئی طبقہ اسلامی قوانین کو … قوانین کی مانوس تعبیروں میں پیش کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسمبلیوں، کونسلوں … قوانین کی تشریعی مجلسوں میں بجائے اپنی اپنی خود ساختہ تجویزوں کے خدا ساختہ ضوابط و آئین کو غور و فکر کے لیے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسی طرح اور دوسرے ذرائع سے کام لیا جائے تو انسانوں کے خود ساختہ ناقص قوانین پر اگر خدا ساختہ کامل آئین کو غلبہ حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ … کے وہی طریقے جو اپنی اپنی شخصی تجویزوں کے منوانے میں لوگ ترویج کرتے ہیں، انہی طریقوں سے مذہب کے نام سے مذہبی عام قانون ہونے کی حیثیت سے اگر اسلامی قوانین کو پیش کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو اس سے علماء اسلام کو کون روک سکتا ہے۔ البتہ اسکے لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ جدید طریقہ بیان و استدلال اور عصری معلومات سے کافی مناسبت پیدا کی جائے۔

اور شاید آج ایک چھوٹے منہ کی یہ بڑی بات خیال کی جائے لیکن بقول … تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی علوم کی تعلیم کے سارے اداروں میں سے اس وقت کسی ادارہ کے خریجوں اور طلبا کے ساتھ امید پرور توقعات اگر وابستہ کیے جاسکتے ہیں تو وہ صرف جامعہ عثمانیہ کا وہی ادارہ ہوسکتا ہے جسکا نام "شعبۂ دینیات" ہے۔ کہ اسی ادارہ میں اسلامی علوم کا … عصری طریقوں پر جدید تعلیم اور علمی دنیا کی ایک بڑی سرمایہ دار زبان انگریزی کے ساتھ نہ صرف سرزمین ہند ہی میں بلکہ ساری اسلامی دنیا میں پہلی دفعہ وابستہ کیا گیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ آج "گاؤ پرواروں" کے مقابلہ میں جسے "اسپ لاغر" ٹھہرایا جارہا ہے، میدان کے روز وہی کام آئے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

شاہ عثمان زندہ باد۔ سعادت عہد عثمانی پایندہ باد

طالع دودمان آصفی تابندہ باد!!

(مجلہ عثمانیہ دکن)

پچھلا رمضان

(ایک ملازمت پیشہ حافظ قرآن کے تاثرات)

روزوں کا موسم اس سال سال گذشتہ کے مقابلہ میں سخت تھا لیکن بجز پہلے روزہ کے اور کسی دن کوئی قابل ذکر تکلیف نہ پیاس کی محسوس ہوئی نہ تھکن کی۔ بلکہ بارش ہو جانے سے تو بعض روزے بہت خوشگوار گزرے۔

تراویح میں کلام مجید سنانے کی سعادت امسال بھی نصیب رہی۔ مطلب کی روز افزوں مشغولیت اور دوسرے … اور ذاتی کاموں سے شدید اندیشہ تھا کہ کہیں ایسی تراویح کے معمول میں خلل نہ پڑ جائے، یا یہ کہ اس شب و روز کی مصروفیت کا بار کہیں صحت پر نہ پڑ جائے، لیکن الحمد للہ کہ یہ … اندیشے باطل ثابت ہوئے۔ خدا کے فضل سے روزمرہ کے … ایسے اتفاقی اسباب کی بنا پر، جنکا پہلے سے گمان بھی نہ تھا۔ تقریباً پورے ماہ تخفیف رہی اور قرآن مجید کی تیاری کے لیے پورا وقت ملتا رہا۔ رہی محنت، تو اس سے صحت پر برا اثر پڑنا کیا معنی، صحت پہلے کے مقابلہ میں کچھ ترقی ہی کر گئی!

دن میں تلاوت کی ایک بڑی برکت یہ محسوس ہوتی رہی کہ روزہ کی شدت گویا معلوم ہی نہ ہوئی۔ اس طرح اپنے روزمرہ کے دیگر مشاغل میں بھی برکت ہی معلوم ہوتی رہی۔ یعنی جتنی یکسوئی کے ساتھ … کے یہ کام رمضان میں انجام پائے اتنی یکسوئی غیر رمضان میں کبھی میسر نہ آسکی۔ البتہ جس دن کسی ایسے مشغلے میں پھنسنا پڑا جو روح صوم کے منافی تھا، مثلاً گفتگو یا مطالعہ کی نوعیت میں بے احتیاطی، اس دن ضرور روزہ میں کچھ گرانی محسوس ہوئی۔ اور جس دن خدا کے فضل سے کام آنے والے کاموں میں لگا رہا اس دن صورت حال برعکس رہی۔

بعض احباب ایسے بھی تھے جو روزہ تو رکھتے تھے لیکن روزہ کی شدت کا شکوہ کرتے تھے، انکے حالات سننے اور دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ لوگ نام کا روزہ تو رکھ رہے تھے، لیکن دن دن بھر کے مشاغل روزہ داروں کے سے نہ تھے، بلکہ بعض تو کھلی ہوئی معصیتوں میں … تاش و شطرنج کی بازیاں، غیبت و لغو بیانی کی صحبتیں، اور

(باقی [illegible])

[illegible]

روزہ تنہا بھی کتنا اکسیر تھا۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ملے جو روزہ رکھ کر بیمار ہو گئے تھے، انکے حالات کی چھان بین سے پتہ چلا کہ انکی بیماری کا سبب روزہ ہرگز نہ تھا بلکہ افطار و سحر میں ہر قسم کی بے اعتدالیاں و بے احتیاطیاں تھیں۔ ورنہ عام تجربہ میں تو روزہ بحالی صحت ہی کا باعث نہیں ہوا، بلکہ آیندہ کے لیے بھی بہت سے امراض سے بچانے میں معاون ثابت ہوا۔ یہ تجربہ صرف اسی سال کا نہیں، کئی برسوں کا اور ایک دو اشخاص کے بارے میں نہیں بلکہ بہتوں کے بارے میں ہے۔ بخلاف اسکے جتنے لوگ بھی ایسے ملے جو رمضان میں بیمار ہو گئے تھے، وہ سب کے سب کھانے پینے کی بے اعتدالی کا شکار رہے تھے۔ لیکن ان میں سے بھی جو تراویح وغیرہ کے پابند تھے، انکو ان بے اعتدالیوں کے باوجود بھی نقصان بہت کم پہنچا۔ رمضان کے علاوہ کسی اور زمانہ میں بدغذائی و بداحتیاطیوں سے جتنا نقصان ہو سکتا ہے اسکے مقابلہ میں رمضان میں نقصان کا تناسب بہت کم ہی رہتا ہے۔ ان سب چیزوں کو سوا رمضان کی برکت کے اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا تو مبالغہ ہے کہ روزہ سے کسل و تعب بالکل نہیں ہوتا، خصوصاً جبکہ اسکے ساتھ ہر شب کو بیس رکعت تراویح میں قرآن مجید سنا یا سنا جائے۔ لیکن یہ کسل و تعب شدید قسم کا ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ چند روز اسکا خوگر ہونے کے بعد، علاوہ روحانی فوائد کے (جو ہم جیسے خامیوں اور خامیوں کو اپنی ہی کوتاہیوں کے باعث بہت کم حاصل ہوتے ہیں) خود مادی و جسمانی اعتبار سے بھی ایک حظ آنے لگتا ہے۔ ضبط کے بعد بھوک خوب لگتی ہے۔ پیاس روکنے کے بعد پانی پینے میں حقیقی لطف آتا ہے اور تراویح کی محنت کے بعد بستر پر لیٹتے وقت ایک ایسا سکون محسوس ہوتا ہے جو کسی اور زمانہ میں مشکل سے ملتا ہے اور نیند بھی نہایت خوشگوار اور گہری آتی ہے۔

اور پھر ختم رمضان کے بعد ان معمولات کے ترک ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم چیز جو روزمرہ کے معمول کا جزو بن چکی تھی، اور طبیعت کو اس میں لطف آنے لگا تھا، چھوٹ گئی۔

تصحیح صدق نمبر ۳۵

صفحہ ۲ - عنوان اور نفس مضمون میں دونوں جگہ بجائے "مولانا نیوری" کے "مولانا بنوری" پڑھا جائے۔

طابع شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کر کے
دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر :- [عبد] الماجد
پتہ :- [دریا باد] ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین :- کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے :-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج ! لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴ ؎
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ؍
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

صدق

نمبر ۳۸ | یوم سہ شنبہ - ۱۸ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۵ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

... لاٹ ویول، کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اہل سیف ہونے کے ساتھ اہل قلم بھی ہیں۔ اور فن حربیات پر تو انکی ہر تحریر مرتبۂ استناد رکھتی ہے۔ حال میں ٹائمس آف انڈیا میں انکا مقالہ دو نمبروں میں "اچھا سپاہی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مضمون کے کاپی رائٹ ہونے کی سختی کے ساتھ تصریح ہو چکی ہے، ورنہ اس قابل تھا کہ پورے کا ترجمہ کیا جاتا —— بہر حال تین باتیں اس میں پتے کام کی ہیں۔ لارڈ موصوف نے انھیں زور کے ساتھ پیش کیا ہے،

(۱) سپاہی کو مشقت کا خوب خوگر رہنا چاہیے، اور سخت آرام طلبی سے کوسوں دور۔

(۲) روزانہ ڈرل (قواعد) محض ضابطہ پرستی نہیں، بڑی قیمتی شے ہے، اس سے ہرگز غافل نہ ہونا چاہیے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ سپاہی کو خشک اور بیجان مشین کی طرح نہیں بلکہ دل بجاں اور ولولہ کے ساتھ میدان جنگ میں آنا چاہیے۔ مقصد جنگ جتنا زیادہ سپاہی کے پیش نظر ہوگا، اتنی ہی ہمت و بیجگری سے وہ مقابلہ کریگا۔

اب تجربہ کار سپاہی کی ان تینوں باتوں کو اپنے اوپر چسپاں کرکے دیکھیے۔ آپ کو حکم یہ ملا تھا کہ سال میں کم از کم مہینہ بھر تو ضرور دن بھر بھوکے پیاسے رہیے۔ راتوں کو ... جاگ کر عبادت کرتے رہیے ... سال کے باقی دنوں میں بھی جتنے اور روزے رکھ سکیے اتنا ہی ثواب لیجیے۔ عمر میں کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور سفر کا گرم و سرد دیکھ کر حج کہنے آئیے۔ طرح طرح سے دل مارئیے۔ اور پھر اپنی آمدنی کا جتنا زیادہ حصہ دینی کے کام میں لا سکیے، لا کر اتنا ہی اللہ سے قرب حاصل کیجیے۔ اور کم از کم ... حصہ تو ضرور ہی نکالیے ... نفس و جسم دونوں کی مشقت کی ٹریننگ کے لیے اب اور کسی مجاہدہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

نماز کے لیے آپ کو ہدایت ہوئی تھی، کہ روزانہ پڑھیے۔ سال بھر بلا ناغہ پڑھیے۔ سفر میں پڑھیے، بیماری میں پڑھیے۔ خوشی میں پڑھیے، رنج میں پڑھیے، افلاس میں پڑھیے، امارت میں پڑھیے، عید بقرعید میں بھی نہ چھوڑیے، دن رات میں کم از کم پانچ وقت تو بہر حال پڑھیے، ہو سکے تو سات اور آٹھ وقت بلکہ اس سے بھی زیادہ پڑھیے۔ گرمی میں پڑھیے، سردی میں پڑھیے، خشکی میں پڑھیے، تری میں پڑھیے، کرۂ ہوائی میں پڑھیے، کھڑے ہو کر پڑھیے، بیٹھ کر پڑھیے، لیٹ کر پڑھیے —— کوئی فوجی ڈرل اس خدائی فوجی ڈرل کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہے؟

لڑائی کے لیے آپ کو بتایا گیا تھا کہ اپنے نفس کی بڑائی کے لیے ہرگز نہ لڑیے، اپنے نفس کی لذت کے لیے کسی کو مارئیے نہ ستائیے۔ اپنے وطن اور قبیلہ کی بے جا پچ اسنے کو ہرگز نہ لڑیے۔ ہاں لڑیے تو اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے خوب لڑیے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کو خوب لڑیے۔ جنت سامنے ہے، تنکے کی اوٹ پہاڑ ہے، اس میں داخل ہونے کے لیے، اس پر حق جتانے کے لیے خوب لڑیے —— کون سا مقصد (آئیڈیل) اس سے بلند تر ہو سکتا ہے؟ دنیا کی کون سی بڑی سے بڑی تشویق و ترغیب ... اس کے مقابلہ میں لائی جا سکتی ہے۔ کاش ہم کچھ نہ ہوتے، صرف مسلمان ہوتے! —— اور یہی ہونے سے سب کچھ ہوتا!

قرآن مجید اور قسمیں

حیدرآباد دکن سے ایک مراسلہ :-

"حضرت والا ۔ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں ۔ پھر قرآن مجید میں والشمس والليل ، والارض جیسی قسمیں کیوں آئی ہیں ؟ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ سے بہت حقیر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور برتری کی وجہ سے ایسی ہی قسمیں کیوں کھائیں ؟ بہر حال حقیر کی ناقص فہم پر یہ مصلحت ظاہر نہ ہوئی ۔ حضرت والا مناسب سمجھیں تو یہ نکتہ ارشاد فرمائیں"

آپ نے صدق کو شاید بالکل ہی حال میں پڑھنا شروع کیا ہے، ورنہ اس موضوع پر تو ایک مفصل مضمون، کئی کالم کا، اسی سال جلد ۱ نمبر ۲ (۵ ۔ فروری ۱۹۵۰ء) میں قرآنی قسمیں کے عنوان سے ایک باری مراسلہ نگار کے جواب میں نکل چکا ہے

ہر زبان کا ایک خاص اسلوب بیان ہوتا ہے ۔ دوسروں کو وہ کیسا ہی اجنبی معلوم ہو، مگر اس زبان میں وہی عین حسن سمجھا جاتا ہے، اور فصاحت و بلاغت کا جزو لاینفک ۔ عربی، انگریزی، فارسی، اردو، جرمن، یہ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ۔ ایک کے بہترین ادب و انشاء کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں اسی لیے جاکر پھیکا نظر آنے لگتا ہے ——— تاکید اور زور بیان کے موقع پر قسم کھانا عربی فصاحت و بلاغت کی جان ہے ۔ قرآن مجید نے جس طرح عربی ادب و انشاء کی اور ساری خصوصیات کو ملحوظ رکھا، اس خاص پہلو کی بھی رعایت رکھی ۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو سورتیں (یعنی مکی سورتیں) ادیبانہ و خطیبانہ زور بیان کا بلند تر نمونہ ہیں، انھیں میں قسمیں بھی آئی ہیں ۔ بہ خلاف اسکے جن سورتوں میں محض قانونی مسائل، حکایات و قصص، یا احکام عبادات و معاملات کا بیان ہے، وہاں قسمیں یعنی تاکید یا زور کلام کا یہ عنصر بھی نہیں ۔

قسم ہمیشہ عظمت ہی کا پہلو لیے ہوئے نہیں ہوتی ۔ مقصود اس سے استشہاد ہوتا ہے، وہ بڑی چھوٹی جس چیز سے بھی حاصل ہو ۔ اللہ تعالیٰ تو جس چیز کو بھی موقع شہادت پر پیش کریگا، وہ بہر حال اس کی ذات سے کمتر و فروتر ہی ہوگی ۔ وہاں عظمت و اہمیت صرف مخاطب کے اعتبار سے مقصود ہوگی نہ کہ متکلم کے ——— پھر اللہ تعالیٰ نے جن مخلوقات کے نام ایسے موقع پر لیے ہیں وہاں حقیقۃً اپنی ہی صناعی، قدرت، و حکمت پر استشہاد کیا ہے۔

½7 لاکھ بن بیاہیاں!

امریکہ کے مشہور پرچہ نیویارک ٹائمس میگزین میں امریکی خاتون مس لوسی گرین بام کے قلم سے ایک اہم مضمون شائع ہوا ہے، اور اس سے بمبئی کرانیکل (ہفتہ وار ایڈیشن ۔ ۱۶ ستمبر) میں نقل ہوا ہے ۔ اسکے دیے ہوئے کچھ اعداد :-

۱۹۴۰ء میں مردوں کی تعداد امریکہ میں بالغ عورتوں سے ۵ لاکھ کم تھی ۔

جولائی ۱۹۴۵ء " " ½7 لاکھ کم ہو جائیگی ۔

½2 لاکھ سے اوپر مرد تو لڑائی ہی میں کشتہ ہو چکے ہیں ۔

ہزاروں فوجیوں نے باہر شادیاں کر لی ہیں ۔

سیکڑوں اب دوسرے ملکوں ہی میں بس گئے ۔

واقعات و اعداد تو یہ تھے ۔ اب اگر یہ ½7 لاکھ بن بیاہیاں شادی کیلئے آمادہ ہوں، تو آخر کہاں کھپیں گی؟ تاوقتیکہ "مقدس فرنگ" اسی ابراہیم اور یعقوب اور داؤد اور سلیمان اور موسیٰ کلیم اور خاتم الانبیاء کے قانون ازدواج سے مدد نہ لیں؟ ——— وہی "صاحب" کی نظر میں قابل صد نفرت و بیزاری قانون!

اسی راوی کی یہ روایت بھی سن لیجیے، کہ امریکہ میں اس وقت طلاق حاصل کیے ہوئے جوڑوں کی تعداد ایک کروڑ ہے! ——— جنسی طلاق کی یہ کثرت "صاحب" کے صرف ایک وطن ہی میں ہے!

چاند پر تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے ۔ عوام کی اس مثل کو مادیات تک کیوں محدود رکھیے، معنویات میں اسکا ظہور کچھ کم ہو رہا ہے؟

بندوں کی خدائی

معزز ماہنامہ برہان (دہلی) کے ستمبر نمبر سے :-

سر راس مسعود مرحوم نے جاپان کے سفر سے واپس آنے کے بعد کہا تھا کہ ایک مرتبہ وہ جاپان کے وزیر اعظم سے گفتگو کر رہے تھے ۔ اسی اثناء میں خدا کا ذکر آگیا، تو جاپانی وزیر اعظم نے نہایت مغرورانہ انداز میں کہا، کیسا خدا؟ ہم کبھی اس خدا کو اپنے ملک میں نہ آنے دیں گے ۔ لیکن آج یہ کیا ہے کہ خود خدا نہیں، اُسکے حقیر ترین بندے جاپانی خداوندی کی شہنشاہی پر قبضہ کیے بیٹھے ہیں، اور یہ معبود باطل اور اُسکے تمام پُجاری بالکل دم بخود ہیں، یہاں تک کہ آزادی سے سانس بھی نہیں لے سکتے! ..... [جاپانیوں نے] نے اگر تمام نقصانات کے باوجود اگر صرف ایک چیز کا یقین حاصل کرلیا تو ہمارے نزدیک اُنھوں نے سب کچھ کھونے پر بھی بہت کچھ پا لیا ہے، اور وہ یقین اس بات کا ہے کہ خدا کبھی کوئی انسان نہیں ہو سکتا"

جی ہاں، بندوں کی خدائی کا یہی حشر، ہر سو برس دنیا کے ہر حصہ میں ہمیشہ ہی ہوتا آیا ہے ——— سر مسعود مرحوم کی اس روایت کے بعد دل ایک تازہ قوت ایمانی کے ساتھ گواہی دیتا ہے، کہ بیشک فرعون مصر نے ضرور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگایا ہوگا!

"قصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے!"

"یہ تحریر اس کمتری ذہنیت کی سو فی صدی آئینہ بردار ہے، جو شیعوں کو اس سرزمین پر زندہ رہنے کا حق اگر دیتی ہے تو صرف اپنا احسان عظیم سمجھ کر ..... [مولانا] کے میٹھے بولوں میں وہ خالص شکنی ذہنیت کارفرما ہے جسکو مٹانے کے لیے ہم نے اپیل کی تھی"۔ (لکھنؤ کے مشہور شیعہ روزنامہ کے طویل اداریے سے)

یہ کس "شکنی ذہنیت" کے مٹانے کے لیے اعلان جہاد ہو رہا ہے؟ وہی جسکا اظہار ابنا صدق ۱۹۲۷ نمبر ۲۰ میں شکوہ اور جواب شکوہ کے عنوان سے ہوا تھا؟ جس میں نیاز مندی کے آداب کے ساتھ عرض یہ کیا گیا تھا،

شیعوں نے تو پبلک زندگی میں سرسید کے وقت سے اب تک برابر ہر موقع پر شیعوں کو ساتھ رکھا ہے، اور تفریق تو اُنھوں نے نہیں کی، خود اُن سے کی گئی! ——— کیا اعلانِ اتحاد کا نام "احسانِ عظیم" ہے؟

نوٹ کی سرخی ملاحظہ ہو، "شکوہ و جواب شکوہ" گویا ہم نے ایک عبد ذلیل کی حیثیت سے اپنی کمزوریوں کے ساتھ بارگاہِ اہلبیت میں التجائیں پیش کی تھیں، جنکے جواب میں یہ لن ترانیاں سنائی جا رہی ہیں! گویا آج اگر کسی کو رستم کہہ دیا جائے، تو اسکے معنی یہ ہوے کہ وہ ہندوستان کا نہیں ایران کا باشندہ ہے، اور مسلمان نہیں مجوسی ہے، اور سہراب کا باپ اور زال کا بیٹا ہے! —— کیا سنیت کی تنگ نظری کے بھی حدود ہیں کہ ایسا علم معانی و بیان ختم کر دیا جائے! ——— یہ ظلم صدق پر ہو یا نہ ہو لیکن اداروں مذکور نے خود اپنے مذاق سخن فہمی پر تو یقیناً کیا ہے!

"گویا یہ (شیعہ) حضرات اپنی نااہلیتوں کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے اور مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہوے، بلکہ سُنیوں کے رحم و کرم کے نتیجہ میں، ہمیں معلوم ہے کہ مسٹر جناح نے لیگ کی میٹینگوں میں جب بھی اپنی کھلی کا رحجان ظاہر کیا تو تمام سُنی اکابر کانپ گئے، اور اُنھوں نے خوشامدیں کر کے جناح کو منایا..... کیا اس احسان کا بدلہ یہی ہے کہ آپ اُلٹا احسان جتائیں کہ ہم نے تمہیں بڑھا دیا۔ کیا احسان ناشناسی کی اس سے بدتر مثال کوئی ممکن ہے"؟ (ایضاً)

رجز خوانی کا جوش و خروش اپنی جگہ پر بالکل مسلم، لیکن بندہ پرور، عرض یہ ہے کہ صدق کے مقابلہ میں آستینیں چڑھانے کا یہ کون سا موقع تھا؟ روایت کی تحقیق سے یہاں غرض نہیں کہ لیگ کے جلسوں میں کانپ کانپ اُٹھنے والے صرف "سُنی اکابر" ہی تھے، یا شیعہ اصاغر بھی، اور جناح کی تنقیص کے علم میں اگر سُنی صفوں میں تھلکہ سا مچا تھا، تو کیا شیعہ صفوں میں فراوانی —— یہاں گزارش صرف اتنی ہے کہ صدق کی کس عبارت سے، کس لفظ سے یہ معنی "احسانِ عظیم" اور "احسان ناشناسی" کے اختراع کیے گئے؟ معنی آفرینی مانا کہ ایک صنعت ہے، مگر اس کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ لکھنؤ میں اُردو کے ادیب شیعوں میں ایک دو نہیں ماشاءاللہ متعدد موجود ہیں، چلیے اُنھیں پر فیصلہ چھوڑ دیجیے! ——— یا "مدحِ صحابہ" کے بعد خدانخواستہ اِس ذکرِ اتحاد کو بھی اپنی دوسری چڑھ بنا لینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ یہ ہے تو صاف صاف اسی کا اعلان فرما دیجیے،

فرمایئے تو ہاتھ اُٹھا لیں دعا سے ہم!

آخر میں ڈرتے ڈرتے، جان کی امان طلب کر کے سوال یہ ہے کہ "مدحِ صحابہ" جس سے اتنی بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، وہ نہ شیعہ حکومتوں میں کبھی ممنوع رہی، اور نہ آج کسی شیعہ رئیس کے ہاں ممنوع ہے، اُسکی نوعیت آخر آپ حضرات کے ذہن میں کیا ہے؟

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

(سلسلۂ صدق ۳۶)

(از عبد الماجد)

وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	اور گھروں میں انکے دروازوں ہی سے آؤ۶۸۵ اور اللہ سے تقوے اختیار کیے رہو، تاکہ فلاح پا جاؤ۶۸۶۔

۶۸۵ (جب نیا نیا آیا ہو، اور گویا رسوم شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوے) آیت سے فقہاء امت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے۔ جس سے صدہا ہزارہا اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شئے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سنت میں اسکی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اُسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اُسے بلا دلیل شرعی معصیت و محل ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں عقائد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔

هذا دليل على ان مسئلة من الفقه وهي ان الفعل بنية العبادة لا يكون الا في المندوبات خاصة دون المباح ودون المنهي عنه وهذا اصل حسن (ابن العربي) في هذه الآية بيان ان ما لم يشرعه الله قربة ولا ندب اليه لا يصير قربة بان يتقرب به متقرب (قرطبي) قال ابن خويز منداد اذا اشكل ما هو بر وقربة بما ليس هو بر وقربة ان ينظر في ذلك العمل فان كان له نظير في الفرائض والسنن فيجوز ان يكون وان لم يكن فليس ببر ولا قربة (قرطبي)

قرطبی نے ابن عباسؓ کی سند سے حدیث نبوی بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہو رہا ہے۔ دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں، اور انکی نذر مانی ہوئی ہے کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہونگے، اور کسی سے بات چیت نہ کرینگے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔

مروه فليتكلم وليستظل وليقعد وليتم صومه	وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں بھی رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں۔

اسلام نام صرف امتثالِ امر کا ہے اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیلِ احکام ہے، خود رائی اس راہ میں سر تا سر کج رائی ہے۔

۶۸۶ (دنیا اور آخرت دونوں میں)

تقوے (خوف خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کر رہی ہے اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاح دارین کا اصل الاصول تقوے ہے۔ خشیت الٰہی اور محبت اس سے درمیان سبب تسنا، تناقض، بلکہ تباین کی

۱۹۳۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔	اور اللہ کی راہ میں لڑو ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور حد سے باہر نکلو، کہ اللہ حد سے باہر نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بھی بالکل نہیں۔ بلکہ علاقہ توافق و مناسبت کا ہے۔ مخلوقات میں جس کسی چیز سے بھی خوف کیا جاتا ہے اُس میں خاصیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے سے بھگاتی ہے، ہٹاتی ہے، دور کرتی ہے۔ لیکن خشیت الٰہی میں تو اسکے برعکس ایک کشش ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف لاتی ہے، کھینچتی ہے، بلاتی ہے، اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔ اور اس طرح عملاً محبت الٰہی کے مرادف ہے۔

اہل تقویٰ اور صالحین سے جس خوف کی نفی کی گئی ہے، وہ "دہشت" کے مرادف ہے، اور وہ "وحشت" سے پیدا ہوتا ہے۔ خشیت الٰہی اسکے ٹھیک برعکس "احساس عظمت" سے پیدا ہوتی ہے، اور وہ رب عظیم و معظم سے تو قریب تر لانے والی ہوتی ہے۔

خوف خدا کی ترغیب اور خشیت الٰہی کی تاکید سے تو قدیم صحیفے بھی لبریز ہیں۔ مثلاً

"خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے" (امثال سلیمانی۔ ۱: ۷)

"خداوند کا خوف دانائی کا شروع ہے"۔ (" ۹: ۱۰)

"خدا سے ڈر، اور اسکے حکموں کو مان، کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے"۔ (واعظ کی کتاب۔ ۱۲: ۱۳)

[۵۹۵] قاتلوا۔ قتال کا یہ حکم ان مظلوم مسلمانوں کو مل رہا ہے، جو دو چار مہینے نہیں، پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد کو برداشت کیے، یہ گیے شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر، صبر کے امتحان میں پورے اُتر چکے تھے، اور اب وطن سے بے وطن ہو کر، گھر بار چھوڑنے پر بھی، مدینہ میں چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا تھا۔

اشد ترین تعصب نے کی، دیکھے لارڈ فاروق ہیڈلے انگریزی، نومسلم ہو کر بات پتہ کی کہ گئے ہے، کہ اسلامی غزوات کے تین ابتدائی اور اہم ترین غزوات کے جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو، کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی، اور چڑھائی کون کس پر کر کے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا، اور حفاظت خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا؟ مکہ کے جنگجو اہل فساد، یا مدینہ کے صابر شاکر مومنین؟

(۱) جنگ بدر۔ بدر میں ہوئی۔ مدینہ سے کل ۳۰ میل کے فاصلے پر۔

(۲) جنگ اُحد۔ اُحد تو مدینہ سے کل ۱۲ ہی میل ہے۔

(۳) جنگ احزاب۔ اُس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا!

غرض ہر دفعہ قریش مکہ یا اُنکے حلیف و مددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔

الذین یقاتلونکم۔ خود یہ لفظ کیا بتا رہے ہیں؟ دو باتیں بالکل صاف ہو جاتی ہیں:—

(۱) ایک یہ کہ جنگ کی ابتدا کرنے والے مسلمان نہ تھے۔ ابتدا

...سے صاف فرق کر رہا تھا

ای الذین یبدء ونکم بالقتال (ابن عباسؓ) ای تیاجزونکم القتال دون المحاجزین (مدارک) ای یکن لکم القتال الا من قاتلکم (قرطبی)

(۲) دوسرے یہ کہ قتال کا حکم صرف اُنھیں افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں، یا آج کل کی اصطلاح میں صرف محاربین (COMBATANTS) کے مقابلہ میں، غیر محارب (NON-COMBATANTS) آبادی کے سروں پر بم برسانے، پُرامن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے، اور ان پر زہریلی گیسیں چھوڑنے کے "مہذب ترین" آئین حرب سے اسلام کا قانون جنگ ناآشنا ہے۔

بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اپاہجوں، بیماروں، گوشہ نشینوں، غرض ایسے کل لوگ جو جنگ سے معذور ہوں، اُنھیں رسولؐ کے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو صراحت کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیا ہے، لیکن خود یہ آیت بھی تو اس استثناء کی جانب رہنمائی کر رہی ہے۔

لا تقتلوا النساء ولا الصبیان ولا الشیخ الکبیر ولا من القی الیکم السلم وکف یدہ (ابن عباسؓ) ای لا تقاتلوا من لا یقاتلک یعنی النساء والصبیان والرھبان (ابن جریر۔ عن عمر بن عبد العزیز) عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأۃ فی بعض مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولۃ فانکر رسول اللہ صلعم قتل النساء والصبیان۔ (بخاری، مسلم) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث جیشا قال اغزوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ ...... ولا تقتلوا امرأۃ ولا ولیدا ولا شیخا کبیرا (معالم۔ عن بریدۃ)

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اصل حکم میں تو کہیں درخت کو کاٹنے تک کی ممانعت ہے۔ آپ نے یہ حکم خلافت اسلامیہ کے پہلے سپہ سالار فوج (کمانڈر ان چیف) یزید بن ابی سفیانؓ کو دیا تھا۔ اور اُنکی مشایعت آپ نے پاپیادہ چل کر کی تھی۔ اس حکم نامہ کے الفاظ یہ نقل ہوئے ہیں:— وانی موصیک بعشر۔ لا تقتلن امرأۃ ولا صبیا ولا کبیرا ھرما ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرا الا لمأکلۃ ولا تحرقن نخلا ولا تغرقنہ (طبقات ابن سعد)

البتہ الذین یقاتلونکم سے یہ بھی مراد نہیں کہ جب دشمن واقعۃً سر پر آجائے، اور لڑائی شروع کر دے، جبھی تم قتال کرو۔ اسکے یہ معنی لیے جائیں تو اسکے معنی دینے ہونگے کہ آدمی جیت ہی نہ سکے، جیسا کہ اس زمانہ کی لڑائیوں میں برابر مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ بلکہ غنیم کا ارادہ و تیاری اور آمادگی ہی کافی ہے۔

فی سبیل اللہ۔ یہ قید کتنی اہم اور دنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جا رہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائینگی! لیکن کاہے کے لیے؟ زر کے لیے! یا زن کے لیے یا زمین کے لیے! زیادہ سے زیادہ یہ کہ قوم "وطن" کے لیے! خصوصیت صرف اسلامی جہاد "کا نام جو ہے" اسلامی جہاد کی ہے، کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو اللہ کی

راہ میں ہو، شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو، دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، خودی کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے، "آزادیٔ تجارت" کے لیے، "آزادیٔ سمندر" کے لیے، "نوآبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "بازار کی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، غرض نہ کسی اور گرانی کسی قسم کی بھی جاہلی عصبیت کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ کے۔

الجہاد لاعلاء کلمۃ اللہ واعزاز الدین (مدارک) اے جاہدوا لاعلاء کلمۃ واعزاز دینہ (بیضاوی) یعنی دینا واعزاز للکلمۃ (قرطبی) اے فی طاعتہ وطلب رضوانہ (کبیر)

قتال کا طریقہ دوسری امتوں سے کچھ امت محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بائبل میں اسکا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات ہو دے تو تاریخ کے دفتر کے دفتر رنگین ہیں۔ رہیں مسیحی قومیں، اور انکی خوں ریزیاں اور خوں آشامیاں، تو انکی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملیگی اعیاں راچہ بیاں؟ اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اسکا اعتراف تو خود مسیحی اہل علم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو

ص۲۴۳ - نیز

ص۲۱۷، ص۲۱۸

امام رازی نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں الحج اجر تقوی کی تاکید آچکی ہے، اب اسی مناسبت سے ذکر تقوی کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔

لما امر بالتقوے امر فی ہذہ الآیۃ باشد اقسام التقوی واشقہا علی النفس (کبیر)

ولا تعتدوا۔ اعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔

حد سے مراد حد شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش! فتحمندی کے زور میں بے تحاشہ غنیم کو مصافی وغیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے، انکے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں، میں آگ لگادی جائے، انکے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیے جانے لگیں، وعلی ہذا۔ قرآن نے دنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہو۔

حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وعدہ و پیمان شکن دشمن کو دیکھ کر کبھی خود بھی معاہدوں کی پروانہ کی جائے۔ اور عہد شکنی کی ابتدا اپنی طرف سے کر کے حملہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔

اے لاتعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاہد او المفاجاۃ بہ من غیر دعوۃ او المثلۃ او قتل من نہیتم عن قتلہ (بیضاوی) اے لاتعتدوا بوجہ من الوجوہ (روح)

اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔

اے لا تقاتلوا علی غیر الدین (ابن العربی) المعنی لا تعتدوا فی القتال بغیر وجہ اللہ کالحمیۃ وکسب الذکر (قرطبی)

غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے رتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اسکے لیے جمہور کی عقل، متانت اور قوت عدل و توازن آسودہ جواب دیدیتی ہے۔ اور کل کے مظلوم بے ساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیرووں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا، فرد امت کو حکمت و اخلاق نامتناہی کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دیتا ہے۔

اور پھر جب یہ یاد کرایا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے کہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ جنگ شروع کر دینگے، اور انکے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور اہتمامی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے!

پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول کے صحابیوں اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے!

جوش و عقیل

[عقیل خیرآبادی کی زیر طبع کتاب جوش و ہوش پر تعارف مدیر صدق کے قلم سے]

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ مذہب کا اصل مخالف فلسفہ یا معقولات تھا، لیکن زمانہ کے انقلاب کے ساتھ زمانہ کے اکھاڑے میں حریفوں کی جوڑیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ آج دین کے اختلافات میں دین پر حملہ زیادہ تر فلسفہ سے کہیں آگے بعض خاص قسم کے سیاسیات اور بعض خاص قسم کے ادبیات ہیں۔ قرآن مجید اپنے معنوی فضائل و کمالات سے قطع نظر خود ادب و انشاء کے لحاظ سے بھی بس اپنی نظیر آپ ہے اور دنیا کے ادبیات عالیہ میں سب سے بالاتر۔ چاہیے یہ تھا کہ ہر ادب عالی اسکا خادم ہوتا، شارح ہوتا، حلقہ بگوش ہوتا۔ ہوا یہ کہ شعر و ادب کے ہر غیر صالح، پست و ذلیل عنصر نے اس سے بغاوت ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور جنھیں [illegible]

ایک گمراہ کن فتوے

(از مولانا شاہ محمد عبد المجید صاحب قادری بدایونی)

(ذیل کا مراسلہ مراسلہ نگار کی شخصیت کے احترام میں شائع کیا جا رہا ہے ورنہ ان بحثوں کے لیے صفحات صدق موزوں نہیں، اور نہ ادارہ کا متفق ہونا ضروری ہے ۔ صدق)

اس میں شک نہیں کہ جناب مولوی ابوالکلام آزاد بہترین خطیب تھے، زبان و قلم میں زور الفاظ میں روانی ادبی و تاریخی مضامین نے ہندوستان میں انھیں مقام مرتفع پر پہنچا دیا تھا لیکن انکی مذہبی حیثیت ابتدا سے آخر تک اہل علم کے نزدیک وقیع نہ ہو سکی ... جس طرح زمانہ ماضی میں انھوں نے بہت سے مسائل میں لغزشیں کیں اسی طرح ۱۰ ستمبر ۴۵ء کو ریڈیو پر نشر کی ہوئی خبر پر عید منانے کا فتوے دے ڈالا اور حضرات علماء احناف کی طرف ایک ایسے فتوے کو منسوب کر دیا جس کا ثبوت وہ نہیں دے سکتے۔ اخبار خلافت مورخہ ۲ شوال مطابق ۱۰ ستمبر ۴۵ء میں جناب آزاد کا جو بیان شائع ہوا اسکا ایک حصہ حسب ذیل ہے

"حنفی فقہاء میں اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اگر کسی جگہ سے نئے چاند کی اطلاع مل سکتی ہو تو اس پر اعتماد کیا جائے اور جہاں یہ اطلاع پہنچے وہاں عید منائی جائے"[1] اول تو یہ بات محتاج تشریح ہے کہ نئے چاند کی اطلاع ملنے اور اس پر اعتماد کرنے کا طریقہ فقہاء کرام نے کیا تحریر فرمایا ہے اور رویت ہلال کی کونسی روایات شہادتیں تسلیم کیے جانے کے قابل ہیں۔ کیا ریڈیو کا نشریہ شرعاً شہادت کے دائرہ میں آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فقہائے کرام نے تو تار و خطوط کی اطلاعات کو بھی رویت ہلال کے لیے ناقابل تسلیم قرار دیا ہے۔ اسلامی قانون شہادت میں جو قیود ہیں وہ اپنی جگہ عدیم المثال اور ناقابل تغیر ہیں۔ کیا آج مغربی دنیا اور اسکی عدالتوں میں تار پر دیے ہوئے بیانات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

[1] مگر معلوم نہیں کہ مولانا کے اصل الفاظ کیا تھے ۔ یہ ... تو انگریزی خبر کا ترجمہ ہے ۔ اور انگریزی خبر بھی مولانا کے بیان کا شاید خلاصہ ... ہم کے فہم کے مطابق تھی (صدق)

حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانی مقامات سے تاربرقی کی اسی ۔۔ات کے ذریعہ جسقدر خبریں آتی ہیں اور جسقدر نشریات دنیا میں نشر کیے جاتے ہیں کیے جاتے ہیں انکا حال ہم شبانہ روز دیکھتے ہیں کہ خبروں میں ہر قسم کا تضاد ہوتا ہے۔ اور خبر کی تعریف ہی ہمارے یہاں یہ ہے کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب۔ یعنی خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہے۔ بس ریڈیو کے نشریات پر ہرگز فتوے جواز کا نہیں دیا جا سکتا۔

اب ہم ذیل میں چند احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی عبارات فقہیات کے تراجم درج کرتے ہیں تاکہ اخبارات و جرائد اپنے صفحات پر ان مضمون کو درج کر سکیں اور عوام مسلمان جناب آزاد صاحب کے بیان سے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں:—

۱۔ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم روزہ نہ رکھو جبتک تم چاند نہ دیکھ لو اور افطار نہ کرو جبتک چاند نہ دیکھ لو اور اگر ابر ہو تو مقدار پوری کر لو۔

۲۔ صحیحین میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے حضورؐ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر ابر ہو تو گنتی پوری کرو۔ درمختار اور ردالمحتار میں ہے اگر کچھ لوگ آکر یہ کہیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا بلکہ شہادت بھی دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں فلاں نے چاند دیکھا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں جگہ کے قاضی نے روزہ یا افطار کے لیے لوگوں سے کہا۔ یہ سب طریقے ناکافی ہیں۔ نیز اسی ردالمحتار میں ہے، ایک جگہ چاند ہوا تو صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے مگر دوسری جگہ کے لیے اسکا حکم اسوقت ہے کہ انکے نزدیک اس دن میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے۔ یعنی دیکھنے کی گواہی یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آکر خبر دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے اور وہاں کے لوگوں نے روزہ رکھا یا عید کی ہے۔ کتب فقہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ لہذا جبتک شہادت شرعیہ سے ثبوت رویت نہ ہو جائے خط غیر معتبر ہے اگرچہ مکتوب الیہ کاتب کے دستخط و تحریر کو پہچانتا ہو اور اسپر اسکی مہر بھی ہو۔ بس ان فتاوی کی روشنی میں تار اور ریڈیو

ایک عجیب تحفۂ عید

(از عبد الماجد)

عید میں اسے ابھی کوئی کوئی مہربان، میرے مذاق طبیعت سے ناآشنا، عید کارڈ بھیج دیا کرتے ہیں۔ اگلی عید کے موقع پر میرے ذاتی پتہ (دریاباد) پر نہیں، لکھنؤ کے دفتری پتہ پر جنوبی ہند سے، میرے غلط نام لیکن صحیح دفتری پتہ سے ایک رجسٹرڈ پیکٹ موصول ہوا، اور دفتر میں کھول لیا گیا۔ اور مجھے ۸ شوال کو ملا —— کیا عرض ہو کہ پیکٹ کس کی طرف سے تھا، اور پیکٹ کے اندر کیا کیا نکلا! ایک نفیس کارڈ، جسکے عین صدر میں ایک نامحرم خاتون کا سینہ تک فوٹو، ستیہ دکی پوری اداؤں اور نسائیت کے پورے مظاہرہ کے ساتھ! ——

یہی فوٹو گویا متن اور کارڈ کی شاعرانہ عبارت گویا حاشیہ! ایک ننھی سی ریشمی رومال عطر میں بسا ہوا، سبز ریشم سے بھیجنے والی صاحبہ کا نام کڑھا ہوا، اور رومال کے ایک طرف انھیں صاحبہ کا دوسرا فوٹو، کان اور پیشانی کے زیوروں کے مظاہرہ کے ساتھ چھپا ہوا!

بھیجنے والی خاتون کوئی گمنام ہستی یا کوئی ایکٹرس یا فلم ایکٹرس نہیں، ایک معلوم و معروف شاعرہ، مضمون نگار خاتون۔ قومی مجلسوں کی زیب و زینت!

اس سرفرازی کے لیے مدیر صدق جیسے خشک مزاج و بد مذاق ناقدرے کا انتخاب فرمانا ستم ظریفی میں اپنی مثال آپ ہے! نسائی آرٹ اور "تہذیب روشن خیالی" کے کمالات کی داد دینے والے اور قدر کرنے والے تو ابھی نگار (لکھنؤ) اور پیام (دکن) کی سلامتی کے صدقہ میں چشم بد دور بہت سے موجود ہیں!

[illegible]

سیرِ کائنات

(۱)

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے لدھیانوی)

ذیل میں ایک تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جو لاہور کے ایک مقامی مدرسہ کے طلباء کے سامنے کی گئی تھی:۔

عزیزو! انسان کا قد عام طور پر پانچ چھ فٹ ہوتا ہے۔ اسکے مقابلہ وہ کمرہ کافی بڑا ہے، جس میں بیٹھ کر تم تعلیم پاتے ہو۔ اور یہ صحن جس میں ہم آج جمع ہوئے ہیں، اور بھی بڑا ہے۔ اگر سارے مدرسہ کی عمارت کا خیال کرو تو وہ تمھارے قد سے کتنی بڑی ہے!

لاہور کا شہر اس مدرسہ کی عمارت سے ہزاروں گنا ہے اور پنجاب کے صوبہ میں لاہور جیسے بیسیوں شہر سما سکتے ہیں۔ اور ہندوستان کا عظیم بیسیوں پنجابوں کے مجموعے برابر ہے۔ اس سے آگے نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا کہ ایشیا کا براعظم کتنا بڑا ہے، اور پھر دیکھو کہ اس کرۂ زمین پر کتنے ایشیا آ سکتے ہیں۔

یہ کرۂ زمین جس پر ہم تم بستے ہیں کوئی ننھی سی گیند یا مارگی نہیں ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ جہاں تم بیٹھے ہو ایک سوراخ کیا جائے جو زمین کے مرکز میں سے گزر کر اسکے دوسرے سرے تک پہونچ جائے تو وہ کم و بیش آٹھ ہزار میل ہوگا۔ اور اگر تم میں سے کوئی لڑکا اس پشت والے دروازہ سے روانہ ہو کر سارے کرۂ زمین کا چکر کاٹ کر مدرسہ کے بڑے دروازہ سے پھر اپنی جگہ آ جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے کم و بیش ۲۵ ہزار میل کا سفر طے کر لیا ہے۔

آؤ اب ذرا زمین سے باہر کی دنیا کی سیر کریں۔ کسی چاندرات میں کرۂ قمر کی طرف نگاہ دوڑاؤ۔ اس کی روشنی کیسی سہانی معلوم ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ پر ہوں تو ہم اڑ کر چاند تک جا پہونچیں! لیکن یقین جانو کہ اگر تمھیں عقاب کے بازو اور باز کے پر بھی لگ جائیں تو چاند تک پرواز نہیں کر سکتے۔ جانتے ہو یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا فاصلہ خدا جھوٹ نہ بلائے کوئی ڈھائی لاکھ میل ہے۔ اسکے باوجود یہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ہماری ماں زمین کا بچہ ہے جو روٹھ کر آسمان پر جا بسا ہے۔

چاند کے بعد ہمارا سب سے بڑا محسن جو خداتعالیٰ کے حکم سے ہمیں روشنی اور حرارت ہم پہونچاتا ہے، سورج ہے۔ یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگاؤ کہ اگر تم میں سے دو بچوں کی شادیاں ہو جائیں اور وہ اپنی بیویوں سمیت سورج کی سیر کو روانہ ہوں، اور جس گاڑی میں وہ سوار ہوں وہ اتنی تیز رفتار ہو کہ ایک منٹ میں ایک میل طے کرے، اور انکے پاس کھانے پینے کا کافی سامان ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہوں اور گاڑی کا انجن بھی ایسا ہو کہ اس میں ایندھن وغیرہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے تو وہ دونوں دوست اور انکی بیویاں اور بچے — کیونکہ راستے میں انکے بچے ضرور پیدا ہونگے — لطیفہ بال بچوں کے بال بچے، اور انکے بال بچے اور خدا جانے انکی کتنی پیڑھیاں گزر کر ایک سو اسی سال میں سورج کے قریب پہونچیں گے!

لیکن چونکہ سورج میں کوئی ڈلہوزی کشمیر یا سوئٹزرلینڈ تو ہے نہیں جہاں یہ چند دن آرام کر لیں، اس لیے یقیناً فی الفور واپس آنا پڑیگا۔ اور واپسی سفر میں بھی ایک سو اسی سال لگ جائیں گے۔ گویا انکا ایک طرف ۱۸۰ + ۱۸۰ یا تین سو ساٹھ سال میں جا کر ختم ہوگا۔ اس عرصہ میں انکی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کتنی ہوگی اسکا حساب تم خود لگا لو۔ اتنا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ واپس آئیں گے تو ایک پورا پاکستان لے کر آئیں گے جو ہندوستان کے اوپر کے کرۂ ہوا میں بسانا پڑیگا۔

خیر یہ تو سورج کے سفر کا حال تھا۔ آؤ اب دیکھیں کہ سورج کا قد کتنا بڑا ہے۔

تم جانتے ہو کہ زمین بہت بڑا کرہ ہے۔ اسکی جسامت نکالی جائے تو ایک کھرب ۴۴ ارب ۶۶ کروڑ ۵۶ لاکھ مکعب میل سے کم نہ ہوگی۔ اس جسامت کے مقابلہ میں انسان کی جسامت کا یہ حال ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام انسان جمع کر لیے جائیں اور انھیں اتنے بڑے صندوق میں گاجر مولی کی طرح تہیں لگا کر بھر لیا جائے جو ایک میل لمبا، ایک میل چوڑا اور اتنا ہی اونچا ہو تو سب کے سب اس میں سما جائیں گے اور اگر اس صندوق کو بحر اٹلانٹک میں ڈبو دیا جائے تو اسکی سطح ذرا بھی اونچی نہ ہوگی۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ حضرت انسان کے نام کی کوئی فسادی مخلوق بھی اس کرۂ زمین پر بستی تھی۔

اتنی بڑی جسامت کی زمین کے مقابلہ میں سورج کتنا بڑا ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر سورج کے خطِ استوا پر ہماری زمین کے برابر زمینیں رکھی جائیں تو اس سے اس سرے سے دوسرے تک ایک سو ۹ زمینیں رکھی جائیں گی۔ اور اگر زمین کے برابر قد کے لڈو توڑ کر سورج جتنا لڈو بنانا ہو تو کم سے کم تیرہ لاکھ ۳۲ ہزار زمینیں توڑنی پڑیں گی!

سورج کے گرد ہماری زمین کے علاوہ آٹھ اور سیارے گردش کرتے ہیں۔ یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو۔ ان میں سے مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اسکا قطر ساڑھے ۸۶ ہزار میل ہے۔ حالانکہ ہماری زمین کا قطر صرف آٹھ ہزار میل ہے۔ باقی سیارے نسبتہً چھوٹے ہیں تاہم سب کا حجم مل کر بھی آفتاب کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ گویا کچھ ایسے کئی ہزار سیارے جمع کیے جائیں تو سورج بنے گا۔

غور کرو۔ اس آفتاب کے مقابلہ میں انسان کی کیا حقیقت ہے۔ **اسکے** باوجود جب یہ اکڑتا ہے تو اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اور حکومت کے نشہ میں فرعون کی طرح خدائی کا

سکا ہونے کر بیٹھتا ہے۔ سچ ہے، انہ کان ظلوماً جہولا۔ انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ سورج کے قد کے ساتھ اسکی حرارت کا بھی کچھ حال سن لو آج کل مئی کا مہینہ ہے۔ دھوپ میں کھڑے ہونا دشوار ہے۔ لیکن سورج کی کُل حرارت کے مقابلہ میں وہ کُل حرارت جو کرۂ زمین کو ملی ہے کتنی اربواں حصہ ہے۔ اس سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ سورج کی ساری گرمی کتنی تیز ہوگی۔ ایک سائنسدان نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر برف کا ایک ستون اتنا بڑا بنایا جا سکے جو زمین سے سورج تک پہونچ جائے یعنی ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل لمبا ہو اور ۲½ میل چوڑا ہو، تو اگر سورج کی ساری حرارت ایک لخت اس پر ڈال دی جائے تو وہ سارا ستون ایک سکنڈ میں پانی بن جائیگا۔ اور آٹھ سکنڈ میں بھاپ بن کر اُڑ جائیگا۔

تم جانتے ہو کہ پانی ۲۱۲ درجہ فارن ہائٹ پر کھولنے لگتا ہے اور لوہا پانچہزار درجہ فارن ہائٹ پگھل جاتا ہے۔ لیکن ہماری سخت سے سخت دھات کے پگھلانے کیلئے چھ ہزار سے زیادہ درجوں کی حرارت درکار نہیں۔ مگر سورج کی حرارت کا یہ حال ہے کہ اسکی سطح پر جو اسکے اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کے مانند سرد ہے، ۱۲ ہزار درجہ فارن ہائٹ کی حرارت ہے! یہ وہ حرارت ہے کہ اس پر کوئی معلومہ چیز ٹھہر نہیں سکتی۔

آؤ اب ہوائی جہاز میں سوار ہو کر نظام شمسی کی سیر کریں۔ فرض کرو کہ اس ہوائی جہاز کی رفتار پانسو میل فی گھنٹہ ہے۔ اس جہاز میں سوار سورج کی طرف روانہ ہوں تو ہم ۲۲ سال میں اپنی منزل مقصود پر پہونچیں گے۔ ہمارے نظام شمسی کا بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے، جو جنوری ۱۹۳۰ء میں دریافت ہوا۔ اسکا فاصلہ سورج سے پونے چار ارب میل ہے۔ ہمارا ہوائی جہاز اس سیارے تک آٹھ ہزار چار سو برس میں پہونچے گا۔ (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

بہنے سے عار ہوا اُنھیں پناہ شیطان ہی کے دامن میں ملی۔ طغیان و عدوان کے یہ علم بردار آج مختلف اسماء و القاب کے خوش رنگ نقاب اپنے چہروں پر ڈالے ہوئے طرح طرح کے روپ بھرے ہوئے ملک بھر میں چھوٹے ہوئے ہیں اور فسق کی فضا میں خوب خوب اپنا زور پرواز دکھا رہے ہیں —— اور آہ کہ ان میں کتنے ہی خود مسلمان گھرانوں کے چشم و چراغ ہیں! جنھیں اسلام کا سپاہی ہونا تھا، اُلٹے وہ خود غدار ہو کر دشمن سے جا ملے ہیں۔

اس ٹولی کے ایک ممتاز سردار اسوقت جوش ملیح آبادی ہیں۔ ایک معزز شریف خاندان کے رکن اچھے خاصے ذہین و ہوشیار۔ ابھی تک شعرگوئی کی خوشبوئیں پھیلا رہے تھے، آج جو دیکھا تو ارتداد و الحاد کی گند ہی ... نشر ... ہوئے ہیں۔

یہ اُن پر غصہ اور خفگی کا اظہار نہیں، دل کی کراہ اور اخلاص ... مندی کی پکار ہے! کاش وہ دن جلد سے جلد آنے کہ ...

نکلنے عالم سے نکل کر پھر اہل صحو کی بزم میں آئیں اور اپنی کھوئی ہوئی بصیرت کی بازیافت کا اعلان کریں۔

جوش کی دو اعقل و ہوش ہے۔ قدرت نے اپنے شفاخانہ جوش کی بے ہوشیوں کی اصلاح کے لیے ایک اسم بامسمٰی عقیل کو پیدا کر دیا ہے ہر فرعونے را موسیٰ۔

عقیل، ریاض کا لخت جگر اور وطن خیرآباد۔ یوں کہیے کہ پیدائش ادب و انشا کے آغوش میں ہوئی اور پرورش شعر و سخن کے گہوارے میں۔ طبیعت کی ذہانت اس پر مستزاد۔ جوش ہی کے حربوں کو جوش پر اُلٹ کے رکھدیا! وہی ردیف و قافیہ وہی زمین و آسمان۔ سخن گوئی کے میدان میں اُترے الحاد کے پہلوان کو سخن گوئی ہی کے داؤں پیچ سے دم کے دم میں چت کر دیا۔

تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ڈھائی تین ہزار سال قبل وقت کے ایک بڑے نامور سورما اور پہلوان جالوت کو حق پرستوں کی ساری ... شیعوں کے ایک نوعمر و نوآموز لشکری داؤد ... ناتی سے آناً فاناً خاک میں ملا دیا تھا۔

انصاف شرط ہے۔ سخن فہمی کا فیصلہ بالکل کافی ہے۔ جوش اور عقیل کے ایک ایک شعر کو سامنے رکھکر دیکھیے۔ طنز و استہزاء جو ملحد کا سب سے بڑا حربہ تھا، کیسا اُلٹ اُلٹکر خود اسی کے منہ پر جا پڑا ہے —— الحاد میں جان کہاں؟ صرف لفظوں کی صنعت گری تھی —— صنعت گری ہی اسکے حق میں وبال ہو گئی!

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳۔ ستمبر کو انشاء اللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا جہاں ۲۸۔ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچوں گا جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار اطراف بلدہ عرف خاص مبارک کے یہاں خاص بلدہ میں رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق" لکھنؤ

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک نیاز مند خدوی صاحب علم" اچھا کیا کہ آپ نے اپنا نام اور مقام مخفی رکھا۔ ایسے خطوط میں صداقت کا ثبوت ہی کیا ہے۔ موصوف ... کے ساتھ ... تو اب بھی شاید قائم ہی ہے! پہلے پیراگراف کے ختم پر جہاں آپ کا قلم بالکل بے قابو ہو گیا ہے، اللہ اس سے رجوع کرنے کی توفیق آپ کو ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس - گولہ گنج - لکھنو

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴ / ۸
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ /
(ٹیلیفون نمبر ۱۹۹)

صدق

نمبر ۴۰ | یوم سہ شنبہ - ۲۵ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ / اکتوبر (نومبر) ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"آپ کے آدمی نے کھانا کھا لیا ؟" "میں خود تو وہاں جا نہ سکا، آدمی بھیج دیا تھا"۔ "آدمی اب کم تنخواہ پر ملتا نہیں"۔ ایسے تمام فقروں میں آپ لفظ "آدمی" کس معنی میں بول رہے ہیں ؟ "انسان" کے معنی میں یقیناً نہیں۔ پھر کس معنی میں ؟ ملازم کے، نوکر کے مفہوم میں۔ اور یہ آپ کیا بول رہے ہیں، آپ کی زبان کا محاورہ ہی یہی ہے۔ جس تہذیب نے آپ کی زبان پیدا کی ہے، اُس نے آپ کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنے تنخواہ دار ملازم کو بے جان، بے حس مخلوق نہ سمجھ لینا۔ بیل ، گھوڑے ، بیل نہ سمجھ لینا، وہ بھی تم ہی جیسا آدمی ہے۔ آدمیت کے سارے حقوق رکھتا ہے —— زبان میں یہ لفظ رکھکر ملازم کے حقوق کی دائمی یاد دہانی، ہمہ وقتی نگہبانی کے لیے ایک زبردست پہرہ دار آپ کے دل و دماغ پر بٹھا دیا! —— اور خود "ملازم" کے لفظ کو آپ کیوں بھولے جا رہے ہیں - اسکے معنی بھی تو یہی ہیں کہ جس طرح آپ اُسکے لیے ضروری ہیں، وہ بھی آپ کے لیے "لازمی" ہے۔ اور آپ اُس کی مدد سے، کارگزاری سے، کسی وقت کسی حال میں مستغنی نہیں —— تو غرض یہ ہے کہ ایک نظام تہذیب، ایک آئین معاشرت ایسا ہے جس میں ادائے حقوق کی یوں قدم قدم پر تاکید ہے! اور اسی بول چال میں ایک لفظ "رعایا" یا "رعیت" بھی تو ہے، جسکے معنی ہیں کہ آپ کے حقوق کی نگہداشت کی جائے، نگہبانی رکھی جائے، نہ یہ کہ اُسے حقیر و ذلیل سمجھا جائے، اُسے گالیوں، کالات اور گھونسے اور جوتے کا نشانہ بنایا جائے!

———

اسی دنیا میں، اور آپ کی نظروں کے سامنے ایک تہذیب موجود اور بھی ہے۔ یہاں رعایا کے لیے لفظ ہے (SUBJECT) "سبجکٹ" کا، اور "سب جکٹ" کے معنی جس انگریزی ڈکشنری میں چاہے دیکھ لیجیے۔ جس لاطینی مادہ سے یہ ماخوذ ہے، اسکے معنی ہیں نیچے ڈالنے کے، قدموں کے نیچے ڈالنے کے، گویا رعایا وہ ہوئی جو پامال کیے جانے کے قابل ہے، پیروں سے روندنے اور کچلنے کے لائق ہے! —— اور آدمی یا ملازم کے لیے لفظ SERVANT "سرونٹ" جسکے معنی ہیں غلام، یا غلامانہ خدمت کرنے والے کے! درآنحالیکہ ہمارے ہاں خود اس بدنصیب زرخرید کے لیے بھی لفظ کتنے پیار کا ہے، یعنی "غلام"۔ جسکے معنی "لڑکے" کے ہیں!

غسل اور عمامہ آمد کا سوال بعد کا ہے - یہاں دونوں تہذیبوں کے چند ابتدائی اور بنیادی تصورات کا ذکر کر دیا گیا - ایک تہذیب، اسلامی نہیں، لیکن اسلام سے متاثر، یعنی مشرقی یا نیم اسلامی ہے دوسری تمام تر مغربی یا فرنگی —— دونوں کے راستے آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں -

———

اسلام سے باغی مسلمان

"حال ہی میں پنجاب کے اندر پنجاب کی ایک عدالت میں پنجاب کے ایک مشہور مسلمان لیڈر کے فرزند نے اپنی بہنوں کو باپ کے ورثہ سے محروم کرنے کے لیے جو بیان دیا ہے، وہ یہ ہے کہ میں رواج کے مقابلہ میں شریعت کو نہیں مانتا"۔

فقہاء کا مشہور فیصلہ ہے کہ ایک مسلمان شراب پینے سے کافر نہیں ہو جاتا بشرطیکہ وہ شراب کی حرمت کا قائل ہو اور اپنے آپ کو گنہگار اور خاطی تصور کرے۔ لیکن اگر شراب پینے والا اس بات پر مُصر ہو کہ شراب نوشی حلال ہے تو وہ اسکا تصور کیجئے ہی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے حلت و حرمت کے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اور خدائی قانون کو جھٹلا نے اور اسلام سے بغاوت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ اُس شخص کے متعلق کیا کہیئے، جو ورثہ کی خاطر دوسرے حقداروں کو اُنکے حق سے محروم کرنے کے لیے پوری شریعت الٰہیہ کا انکار کرتا ہے۔ اور انکار بھی خلوت میں نہیں، عدالت کے سامنے کھڑے ہوکر!..

شریعت سے انکار کرنے کی وبا پنجاب میں عام ہے۔ زمیندار، اور جاگیردار، رؤساء اور امراء، صرف چند خزف ریزوں کی خاطر اللہ کی دائمی شریعت سے برملا انکار کرتے ہیں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ اور شاید انہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ عدالت میں انکار کرتے ہی دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اور اُسی وقت سے اُنکی زندگی کافرانہ ہوگئی۔ جب سے انھوں نے ایمان سے دست برداری کی، اور عدالت کو گواہ ٹھہرایا کہ وہ شریعت الٰہی سے بیتابی ہوش و حواس بغاوت کا اعلان کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اسلام کی کسی دفعہ کی رُو سے ایسے لوگوں پر لفظ مسلم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں نے ایسے باغیوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے کیا قدم اُٹھایا ہے؟ افسوس اس کا جواب نفی میں ہے۔ ایسے باغی دندناتے پھرتے ہیں، اور کوئی اُن سے باز پرس نہیں کرتا۔ وہی خاندانی تعلقات ہیں، وہی آپس کی رشتہ داری، وہی میلا سا میل جول ہے، وہی قرابتداری اور وہی احترام، جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا کرنا چاہیے"۔ (مدنئے حرم - نومبر ۱۹۴۵ء)

معاصر موصوف نے جو کچھ لکھا، تمام تر حقیقت کی ترجمانی ہے لیکن یہ بلا تنہا پنجاب کے ساتھ مخصوص نہیں، ادھر یوپی میں یہ بلا بُری طرح پھیلی ہوئی ہے۔ جرم کے شدید بلکہ اشد ہونے میں ذرا کلام نہیں۔ عدالت میں اس طرح کا بیان دینا، صاف لفظوں میں یہ کہدینا ہے کہ میں احکم و آمر شریعت کو نہیں، اپنے خاندانی رسم و رواج کو سمجھتا ہوں، اور یہ کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ علانیہ ارتداد کی طرف اقدام ہے۔ اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ عام معاشرۂ اسلامی اپنے سکوت بے محل سے عملاً ایسے مجرموں کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی معاشرتی مقاطعہ ان سرکشوں کا شروع کر دیا جائے، ان سے میل جول، شادی بیاہ، صاحب سلامت ترک کر دی جائے، انکے بہشتی، انکے نائی، انکے خاکروب، انکے دھوبی بند کر دیے جائیں، تو یہ "دھیٹ" جرائم پیشہ اپنی ساری ڈھٹائی بھول جائیں ——— تحمل و رواداری کی بھی ایک حد ہونی چاہئیے، اور پھر رواداری تو صرف حامیوں اور خطا کاروں سے کی جا سکتی ہے غداروں، باغیوں، اور ارتداد کا علم بلند کرنے والوں کے ساتھ نہیں!

شیخ الازہر مرحوم کا ایک اقدام

شیخ محمد مصطفیٰ المراغی مرحوم شیخ الازہر جنکی وفات ابھی حال میں ہوئی ہے اُنکے حالات اُنکے ایک شاگرد جناب محمد حسن الاعظمی الازہری کے قلم سے روزنامہ انقلاب (لاہور) میں نکلے ہیں:

"شیخ مراغی عقائد و افکار میں نہایت وسیع النظر واقع ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے۔ چنانچہ جب علامہ محمد حسین آل کاشف الغطاء نجفی (شیعہ مجتہد اعظم) قاہرہ تشریف لائے اور ایک موقع پر امامت کے لیے کھڑے کیے گئے تو شیخ مراغی کو بے اختیار میں پایا گیا۔ اور ہمارے لیے یہ واقعہ نہایت مسرت انگیز اور اطمینان بخش تھا کہ عربی دنیا کا سب سے بڑا عالم اور مصر کا شیخ الاسلام شیعہ مجتہد کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اسی رواداری اور وسعت خیال کا نتیجہ تھا کہ ایک دوسرے موقع پر علامہ کاشف الغطاء نے شیخ مراغی کے پیچھے نماز پڑھی"۔

یہ اقدام ایسا تو نہیں کہ بلا تامل اسکی تائید و تحسین کر دی جائے، لیکن قابل غور ضرور ہے۔ ابھی کئی سال ہوئے لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کی دعوت پر عراق کے ایک مشہور و ممتاز شیعی فاضل مرزا عبدالکریم زنجانی آئے تھے۔ اُنکا قول تھا کہ میں برابر اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور بعد کو اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ خود اُنکے پیچھے قدس میں اہل سنت نے نماز پڑھی۔ اتحاد اسلامی کے علمبرداروں کو برابر یہ سوچتے رہنا چاہیے کہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہ کر بھی دوسرے فرقوں سے زیادہ سے زیادہ اتحاد و اشتراک کن طریقوں سے کیا جا سکتا ہے

مدح صحابہ شیعہ زبان سے

معاصر انقلاب (بمبئی) مجلس احرار کے نقیب و ترجمان کے حوالے سے سید مظہر علی صاحب اظہر بی اے، ایل ایل بی، ایڈوکیٹ پنجاب اور سکرٹری یا سابق سکرٹری مجلس احرار کی بابت ناقل ہے:-

"انھوں نے مجلس احرار کے نصب العین حکومت الٰہیہ کے متعلق بتایا کہ ہماری جماعت میں سب لوگ صحابہ کا احترام کرنے والے ہیں۔ جو شیعہ بھی احرار میں شریک ہیں یا ہونگے وہ صحابۂ کرام کی مدح پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اور یوپی، خصوصاً لکھنؤ کے [illegible] نے مجلس احرار کے اس مسلک کو ثابت کر دیا ہے۔ مولانا مظہر علی جو خود شیعہ ہیں، جب اُنھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اور بالکل بے لاگ الفاظ میں، مدح صحابہ کے حق کی حمایت میں دلائل پیش کیے تو ہزاروں مسلمان خوشی سے نعرے بلند کرتے تھے"۔ (۲۳- ستمبر ۱۹۴۵ء)

"صحابہ کرام کا احترام" "مدح صحابہ کا حق" "مدح صحابہ کے حق کی حمایت میں دلائل" یہ سب ایک شیعی لیڈر کی زبان سے!! لکھنؤ کی شیعی دنیا اگر اجازت دے تو قرآن مجید ہی کے الفاظ یہاں سنایا جا سکتا ہے اقرأ کتابک، کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے!

"مولوی ظفر الملک [illegible]

ایک مرنجاں مرنج ادیب اور ایک خالص ادبی رسالہ الناظر کے اچھے خاصے ایڈیٹر تھے۔ مگر اُن پر آگے بڑھتے ہوئے زمانہ کا ردِ عمل ایسی رجعت پسندی کی شکل میں ظاہر ہوا کہ اب انھوں نے شیعہ مذہب اور شیعہ فرقہ کو اپنی ادبی زندگی کا مشن بنا لیا ہے"۔ (لکھنؤ کے سعید روزنامہ کے اداریہ سے)

اس بحث سے قطع نظر کہ شیعہ عقائد سے اختلاف اور اُن سے اہلِ سنت کے تحفظ سے "شیعہ فرقہ کی مخالفت" کیونکر لازم آجاتی ہے، اصل گزارش یہ ہے کہ آخر کوئی تو بات ہے، جو اسی معاصر کے بقول مرنجاں مرنج ادیب اور خالص ادبی رسالوں کے ایڈیٹروں کو رفتہ رفتہ "شیعہ دشمنی" کی طرف لے آئی ہے! —— دوسروں پر دھاوا بولنے سے قبل کیوں اپنے ہی بیان کا جائزہ کبھی لے لیا جائے!

ایک عربی مدرسہ

مولوی محمد خیرالدین صاحب وکیل [illegible]

سرکار دکن حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں:-

"مدرسہ عربیہ خیریہ علاقہ حیدرآباد کی اپیل برائے تعمیر دارالاقامہ مرسل خدمت ہے۔ اس مدرسہ کی خدمت میں الحمد للہ میرا اکثر وقت گزرتا ہے، اور خود مولانا ابوالحسن سید علی صاحب نے اسکی امداد کے لیے ایک بیان جاری فرمایا ہے۔ جب کبھی جناب والا حیدرآباد تشریف لائیں تو انشاء اللہ ضرور تشریف آوری کی زحمت دی جائیگی۔ بلدہ سے صرف عمر کرایہ کے فاصلہ پر ہے۔ نواب ناصر یار جنگ اور دیگر تمام علم دوست حضرات وہاں جا چکے ہیں۔ براہ کرم اس اپیل کو صدق میں درج فرمائیے تاکہ جس کسی مسلمان کو بیرون ملک اسکی امداد کی توفیق ہو وہ اس مدرسہ کی امداد میں حصہ لے سکے۔ مدرسہ نظامیہ کے بعد اس ملک میں عربی کا واحد مدرسہ ہے"۔

مکتوب نگار بڑے پرانے صدق نواز ہیں۔ انکے مکتوب کی یہ مختصر عبارت مطبوعہ طویل اپیل سے زیادہ وقعت و وزن رکھتی ہے۔

غیر سودی بینک کا قیام

لکھنؤ۔ ۲۰ ستمبر۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے اپنی ریاست میں ایک ایسا کوآپریٹو بینک کھولا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں غیر سودی قرض دیگا۔ قرض دینے کا اصول یہ ہوگا کہ قرض لینے والا ایک عہد نامہ لکھیگا کہ وہ آئندہ کبھی سود پر کہیں سے روپیہ قرض نہیں لیگا۔ اس بینک کے اخراجات نکالنے کیلیے قرضداروں سے بہت تھوڑی رقم بطور فیس کے لے لی جائیگی۔ لیکن اس قسم کی فیسوں کی رقم مجموعی طور سے کبھی بینک کے کل اخراجات سے زیادہ نہیں ہوگی۔ موجودہ بینکوں کے طریقہ کے خلاف اس بینک کی خصوصیت یہ ہوگی کہ بینک میں روپیہ لگانے والے محض نفع ہی کے شریک نہیں ہونگے بلکہ نقصان میں بھی شریک ہونگے۔ اس تمام اسکیم کا مدعا یہ ہے کہ سود خواری کو ذلیل کیا جائے اور جو لوگ واقعی مستحق ہیں انکی مدد کی جائے۔ (اورینٹ پریس۔ تنویر)

نئی کتابیں

(۱) **چاند بی بی سلطان**۔ از وزیر حسن صاحب۔ ۲۷۰ صفحے، مجلد، سرورق مصور۔ قیمت قسم اول للعہ قسم دوم ۱۲ر۔ پتہ:- دکن اردو اکاڈمی۔ ادارۂ فخریہ، حیدرآباد دکن۔

چاند بی بی سلطان، دکن کی ایک نامور تاریخی خاتون گزری ہیں۔ یہ کتاب کہنے کو اُنکے حالات و سوانح میں ہے، اور اس لیے اسکا شمار سیرت یا سوانح عمری میں ہونا چاہیے، لیکن درحقیقت اُس پر اخلاق و موعظت، تاریخ و سیرت پر غالب ہے، اور ادب و انشاء، تاریخ و اخلاق دونوں پر غالب۔ مصنف کو جو کچھ کہنا تھا، سب اس جگ بیتی میں کہہ گئے، "جس طرح سنا تھا ہم بھی افسانہ کو بہو بیٹیوں کے حق میں آپ بیتی بنا کر سنا گئے"۔ معمار و دستکار کے ذہن میں اس "روضہ تاج" کا جو نقشہ تھا (پرانی اصطلاح میں "سبب تالیف") بہتر ہوگا کہ اسے اسی کی زبان سے سنتے چلیے:-

"چاند بی بی سلطان کی زندگی ایسی ہو سکتی ہے جو ملک کی بہو بیٹیوں کے لیے مثال بنے۔ خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اپنے معاشرہ کی جو بات آجکل اُبھر کر ہو کر سامنے آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے یہاں کی ہر اچھی چیز بُری اور دوسروں کے ہاں کی بُری چیز بھی اچھی دکھائی دینے لگی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے گھروں سے یہ البیلی فضا دور ہو، اور ہم محسوس کریں کہ ہم کل کیا تھے، آج کیا ہوگئے۔ پھر گھر ہی درحقیقت اساس تمدن ہوتا ہے۔ اس لیے بھی گھر کی رانی ہی کو پوری طرح ہاتھ بٹانا ہے، جو آج کی بیٹی، کل کی بہو، پرسوں کی ماں ہے۔ یہ خیال کرکے میں نے کتاب لکھنی شروع کی۔"

"عرض" کے بعد کتاب تین بابوں میں تقسیم ہے۔ "تمہید"، "نسبت" اور "بیاہ"۔ اس میں حالات چاند بی بی کی شادی تک آتے ہیں۔ باقی حالات کتاب کے دوسرے حصوں کے لیے اُٹھا رکھے گئے ہیں۔

کتاب اسلامیت کی تو نہیں، البتہ مشرقی تمدن، یعنی ہندو مسلم ملی جلی تہذیب کی ترجمان ہے۔ مشرقی اخلاق، مشرقی معاشرت، معاشرتی روایات —— فرنگیت کے بے پناہ سیلاب کے وقت اسلامیت نہ سہی، مشرقیت کی بھی اتنی حمایت بہت غنیمت اور لائق صد شکر و تحسین ہے۔ ادبی اعتبار سے کتاب معیاری مرتبہ کی ہے، دہلی کی صحیح نستعلیق، شستہ، بیگماتی زبان لکھنے والے اب بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ معنوی اعتبار سے کتاب آج سے دو صدی قبل کے اُس مشرقی تمدن کا پورا آئینہ ہے، جو کیا دکن اور کیا دہلی ہر جگہ کے شاہی خاندانوں اور امیروں وزیروں کے گھرانوں میں پھیلا ہوا تھا۔

(۲) **اقبال ایز اے تھنکر** IQBAL AS A THINKER مجموعہ مضامین۔ مرتب کا نام درج نہیں۔ صفحات ۳۰۰ صفحے۔ قیمت … پتہ:- شیخ محمد اشرف۔ انگریزی کتب فروش۔

کشمیری بازار، لاہور

اقبالؒ کی شہرت، علاوہ اپنے دور کے شاعر اعظم ہونے کے ایک بڑے فلسفی کی بھی ہے، اور یہ کتاب انکی زندگی کے اسی پہلو پر ہے۔

کتاب آٹھ مختلف مقالات کا مجموعہ آٹھ مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے ہے۔ یہ مقالے کہاں پڑھے گئے تھے، یا کہاں چھپے تھے، اسکا کچھ تذکرہ دیباچہ میں نہیں۔ مقالہ نگاروں میں سے اکثر ایسے ہیں جو ایک معروف و ممتاز شخصیت رکھتے ہیں۔ مثلاً نوبل پرائز پانے والے جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، خواجہ غلام السیدین، پروفیسر محمد شریف (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم وغیرہ اور مقالوں کے عنوانات اس قسم کے ہیں:

اقبال کا تصور زمان و مکان

فکر اقبال میں ترقی پسندی کے عناصر

اقبال کا تصور بارئ

رومی، نیٹشے اور اقبال

ہر لکھنے والے نے اقبال کو اپنی مخصوص عینک سے دیکھا ہے، اور اکثر خوب بال کی کھال نکالی ہے۔ شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد کی تصدیق صرف شعر ہی میں نہیں نثر میں بھی پوری طرح ہو چکی ہے اور ان اوراق میں ہو رہی ہے اقبال خود اپنے متن کی بعض تفسیروں سے یقیناً گھبرا اٹھتے تاہم پیام اقبال کی ترجمانی غیر مسلموں، خصوصاً اہل فرنگ کے سامنے رکھنے کے لحاظ سے کتاب مفید ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ اسکے نسخے زیادہ سے زیادہ تعداد میں یورپ اور یورپ زدہ ملکوں میں پہونچائے جائیں —— اسلام کی ناقص ترجمانی بھی تمامتر غلط یا مسخ شدہ ترجمانی سے بہرحال بہتر ہے۔

افسوس ہے کہ ناشر کو اقبال کے ایسے شارح و ترجمان جو فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ بحمد اللہ پختہ مسلمان بھی ہیں، مثلاً ڈاکٹر ظفر الحسن (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ) فضل الرحمٰن انصاری (مسلم یونیورسٹی) ظفر احمد صدیقی (پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ) زیادہ تعداد میں نہ مل سکے۔

تحفۃ المسلمین - مصنفہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی۔ مترجم مولوی محمد نظام شاہی بنوری - طبع جدید - ۶۰ صفحے ۲۰ × ۲۶ تقطیع۔ قیمت درج نہیں - پتہ: شروانی پرنٹنگ پریس، علیگڈھ

خاندان ولی اللّٰہی کی آخری یادگار دلی میں مولانا شاہ محمد اسحٰق تھے۔ وقت کے ایک مشہور و مستند عالم۔ آخر میں مکہ معظمہ ہجرت کر گئے - انکی کتاب مسائل اربعین اپنے زمانہ میں خوب چلی اور گھر گھر پہنچیں - شادی و غمی سے متعلق مروجہ بدعتوں کا رد ۴۰ سوالوں کے جواب میں ہے - تحفۃ المسلمین اسی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے - یہ ترجمہ بھی آج سے ۱۰۸ سال قبل سنہ ۱۲۶۱ھ میں ہو چکا تھا - اب حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے اہتمام کیا کہ ایک مزید دیباچہ اور فہرست مضامین کے اضافہ کے ساتھ از سر نو شایع کرایا - ولیمہ، نیوتہ، ختنہ، آتشبازی، زیارت قبور وغیرہ کے ضروری مسائل اس میں مسلک دیوبندی کے مطابق آ گئے ہیں۔

ترجمہ اگرچہ بہت پرانا ہو چکا لیکن زبان اب بھی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی - کتاب کا بیشتر حصہ مفید اور اشاعت عام کے قابل ہے۔

(۴) **مجموعہ مقالات علمیہ** - حیدرآباد اکاڈمی، نمبر ۷ ضخامت ۱۴۴ صفحے - قیمت درج نہیں - پتہ:- مجلس ادارت حیدرآباد اکاڈمی، حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد اکاڈمی ایک عرصہ سے مفید علمی اور ٹھوس کام کر رہی ہے اور مقالات علمی کے مجموعے شایع کرتی رہتی ہے۔ یہ اس سلسلہ کی ساتویں کڑی ہے - اس میں پانچ مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے حسب ذیل ہیں

۱ - حقائق حیات انسانی ـــ از مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب سابق صدر کلیہ عثمانیہ

۲ - اداروں جنگ کی معاشی توجیہ ـــ از مولوی عبد القادر صاحب

۳ - فارسی شاعری کا آغاز اور اس کی تاریخ ـــ از حکیم ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب قادری

۴ - اقبال کا نظریۂ عقل و عشق ـــ از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

۵ - تعلیمی تنظیم مابعد جنگ ـــ از مولوی محمد یوسف الدین صاحب

پانچوں مقالے غور و فکر سے لکھے گئے ہیں اور سنجیدہ حلقوں میں پڑھے جانے کے قابل ہیں - البتہ فارسی شاعری والے مضمون میں مضمون نگار نے فردوسی کی داد جن حدود تک دی ہے وہ خود شاعرانہ ہو گئی ہے۔ چوتھا مضمون، اقبال کے نظریۂ عقل و عشق پر، محقق کے نقطۂ نظر سے خاص طور پر قابل داد و توجہ ہے۔

(۵) **ہندوستانی معاشیات کے مبادی**- مع خصوصی تفصیلات مملکت آصفیہ - از شرف الدین صاحب بی اے۔ ضخامت ۲۵۰ صفحے پتہ: دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ - باغ عامہ، حیدرآباد دکن۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ اسکے قبل بھی چھوٹی بڑی ۱۲-۱۴ کتابیں علمی، فنی، ادبی عنوانات پر شایع کر چکی ہے - اور یہ اسکا تازہ ترین اضافہ ہے - کتاب مخصوص فن پر ہے، اور اس پر تبصرہ کوئی اہل فن ہی کر سکتا ہے - سرسری نظر میں ایک عامی کو بھی کتاب عجیب مفید اور پر معلومات نظر آئی - پیش لفظ ایک استاد فن کے قلم سے ہے اور یہ بجائے خود مضامین کتاب کے استناد کی کافی ضمانت ہے۔

(۶) **پردہ کشمری اینڈ اسلامک** (انگریزی) از سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ سیتاپور (اودھ) ۸ صفحے، مصنف ہی کے پاس سے ملیگا -

سید قبول احمد خیرآبادی اپنی انگریزی تعلیم اور ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے باوجود مولانا تھانویؒ کے راسخ مریدوں میں ہیں - غالباً خلیفۂ مجاز بھی - انکے قلم سے یہ مختصر رسالہ "پردہ، رواجی و شرعی" کی تحقیق میں ہے - مختصر ہونے پر بھی خوب ہے - مقالہ نگار لکیر کے فقیر نہیں - صحیح معنی میں روشن خیال ہیں - رواجی پردہ کو انھوں نے شرعی حدود سے بالکل الگ کر دکھایا ہے - رسالہ زیادہ سے زیادہ

استدراک

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۳۲ - صفحہ ۱ کالم ۱)

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری - مجلس علمی - ڈابھیل)

ابھی یاد آیا کہ اوائل رمضان کے کسی پرچہ میں حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" پر کسی سائل نے "اتفاقی موضوع ہونے" کا حکم لگایا تھا۔ اسنادی حیثیت سے قطع نظر کرکے آپ نے جو توجیہ فرمائی تھی، وہ پسند آئی تھی۔ اسوقت خیال آیا کہ حدیث مذکور کے متعلق کچھ عرض کیا جائے۔ لیکن یاد نہیں رہا۔ آج یاد آنے پر اجمالاً اتنا عرض کیے دیتا ہوں تاکہ بالکل یکطرفہ فیصلہ نہ ہو اور کسی قدر اسنادی اعتبار سے بھی حقیقت سامنے آجائے۔

۱- "لولاک لما خلقت الافلاک" کے لفظ سے تو حدیث نہیں ہے، البتہ اسکے ہم معنی الفاظ سے کتب حدیث میں موجود ہے۔

الف: مستدرک حاکم (۲-۶۱۵) میں ابن عباسؓ کی روایت ہے: قال: اوحی اللہ الی عیسی علیہ السلام یا عیسیٰ آمن بمحمد: أمر من ادرکہ من امتک ان یؤمنوا بہ "فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنۃ ولا النار" ..... حاکم ابو عبداللہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔ حافظ ذہبی اگرچہ فرماتے ہیں "اظنہ موضوعاً علی سعید" لیکن کوئی وجہ اپنے گمان کی تائید میں بیان نہیں فرماسکے۔ حافظ تقی الدین سبکی اپنی کتاب شفاء السقام میں اور شیخ سراج الدین البلقینی اپنے فتاویٰ میں حافظ ابو عبداللہ حاکم کی تائید میں اسکی تصحیح فرماتے ہیں: "ومثلہ لا یقال رأیا فحکمہ الرفع"۔

ب- نیز مستدرک حاکم (۲ — ۶۱۵) میں اور مجمع الزوائد (۸-ص ۲۵۳) میں بحوالہ طبرانی حضرت عمر فاروقؓ کا ایک طویل اثر ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا ہے: ولولا محمد ما خلقتک" حاکم نے اسکی بھی تصحیح فرمائی ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے، موضوع ہونے کا حکم پھر بھی مشکل ہے۔ عبدالرحمن بن زید ترمذی ابن ماجہ کے رجال سے ہے۔

ج: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر زرقانی شرح مواہب میں ہے: ان اللہ قال لنبیہ: من اجلک اسطح البطحاء وامرج الموج وارفع السماء واجعل الثواب والعقاب

۲- ان وجوہ کی بنا پر حدیث مذکور پر یہ حکم لگانا کہ موضوع ہے اور اتفاقی موضوع ہے کیونکر صحیح ہے۔ بیہقی ابو الشیخ اصبہانی وغیرہ نے بھی پہلے حدیث کی روایت کی ہے۔ غرض حدیثی اور اسنادی اعتبار سے مطلقاً موضوع کا حکم نہایت مشکل ہے۔ خصوصاً اتفاقی موضوع کا حکم۔ بہرحال یہ دونوں دعوے تحقیق و واقعیت کے خلاف ہیں۔ مزید بحث و تحقیق کے بعد ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ اسوقت صرف اجمالاً ہی عرض کرنا مقصود تھا۔

۳- عقلی حیثیت سے تو حدیث مذکور کی تصحیح و تائید میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ جسکی اسوقت حاجت نہیں۔ محدثین کی کتابوں میں کتنی حدیثیں ملتی ہیں جو اسنادی اعتبار سے یا کسی خاص لفظ کے اعتبار سے یا مرفوع ہونے کے اعتبار سے ضعیف و ساقط ہوتی ہیں لیکن معنوی حیثیت سے اور دوسری وجوہات سے وہ صحیح ہوتی ہیں۔ جسکی تحقیق و تفصیل کا یہ موقعہ نہیں

والسلام

درسگاہیں اور دوسرے ادارے

(از عبد الماجد)

عربی، دینی درسگاہوں نیز دوسرے ملی اداروں کے لیے جو امدادی اپیلیں وقتاً فوقتاً صدق میں نکلتی رہتی ہیں، ان سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ مجھے خود بھی ان سے پورا اتفاق ہے، یا یہ کہ میں اپنی ذمہ داری پر انکی سفارش کررہا ہوں، تاوقتیکہ میری طرف سے ایسی تصریح نہ موجود ہو۔ بیشتر صورتوں میں تو مجھے کوئی ذاتی واقفیت ان سے متعلق نہیں ہوتی۔ اس لیے جو صاحب کرم جس حد تک جسکی مدد کرنا چاہیں، وہ اپنی ذمہ داری اور محض اپنی ذاتی واقفیت و تحقیق کے بھروسہ پر کریں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

انگریزی خوانوں کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے

(۷) **مطبوعات ادارۂ تربیت جنسی** - از نمبر (۱) تا نمبر (۹) پتہ:- مہتم ادارۂ تربیت جنسی، پورا ابشیر باغ - حیدرآباد دکن

حیدرآباد میں حال میں ایک مفید ادارہ صحیح تربیت جنسی کی غرض سے سوشل ہائیجین ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہوا ہے۔ ادارہ مذہب و اخلاق کے حلقہ میں قدم نہیں رکھتا۔ صرف طبی اور سائنسی حدود تک محدود ہے۔ یہ حلقہ بھی اچھا خاصہ وسیع اور کام کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔ جو ۹ کتابچے اب تک موصول ہوئے ہیں، ہمارا نصب العین۔ حیات۔ ستاروں کا مقام، تربیت جنسی اور والدین کی ذمہ داریاں، آپ اپنے بیٹوں کی کس طرح رہبری کرسکتے ہیں، مائیں اپنی بیٹیوں کی کس طرح رہنمائی کرسکتی ہیں، امراض خبیثہ کے مسائل، جنسی تعلقات کے اخلاقیات، فحش کاری، ازدواج۔ پورا سلسلہ بہ حیثیت مجموعی بہت مفید ہے۔

ایڈیٹر شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

مُڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مُدلّل جواب

از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب ندوی سندیلوی۔ اُستاذ دارالعلوم ندوہ

(۱)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین جبسے دنیا میں اسلام کے ساتھ جو بغض و عناد ہے اسکا ظہور وقتاً فوقتاً اُنکی تحریر و تقریر، شمشیر تینوں ذرایع سے ہوتا رہتا ہے۔ جسکا نمونہ ڈاکٹر تسڈال کی کتاب اعجاز القرآن ہے۔ جسکا اُردو ترجمہ حال ہی میں رسالۂ نگار نے شایع کیا ہے۔ زیر تحریر سطور اسی کتاب کا جواب ہیں۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتاب اس اُمید کے ساتھ دیکھی کہ اس میں کوئی جدت و ندرت ہوگی، مگر باوجود تلاش و جستجو اس میں کوئی جدت و ندرت نظر نہیں آئی، بلکہ وہی پُرانے فرسودہ اعتراضات صورت بدل کر دوہرائے گئے ہیں جنکا شافی جواب دیا جاچکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مبلغ علم ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی بیخکنی کے لیے قلم اُٹھایا، مگر عام عیسائی مبلغین کی طرح اسلامی معلومات کا یہ عالم ہے کہ قصص الانبیاء اور عرائس المجالس کی ایسی ناقابل اعتماد کتابوں پر آپ نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ پھر اسی بنیاد پر عجیب و غریب اور دلچسپ دلائل و شواہد پیش فرمائے ہیں۔ ان دلائل سے تو ہم آیندہ صفحات میں بحث کرینگے، یہاں موصوف کے چند تحقیقات علمیہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جن سے انکا مبلغ علم ظاہر ہوتا ہے۔

ایک جگہ باب دوم میں فرماتے ہیں کہ اللات لفظ اللہ کی تانیث ہے۔ اس تحقیق عجیب کے لیے موصوف کو کسی لغت کا حوالہ دینا ضروری تھا، لیکن جس طرح اس کتاب میں آپ نے تاریخ کے متعلق قیاس سے کام لیا ہے، اسی طرح لغت میں بھی آپ نے قیاس کو ثبوت کے لیے کافی سمجھا۔ مزید لطف یہ کہ آپنے محض دعوے کو کافی سمجھا، دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اگر موصوف یہی غور فرماتے کہ مؤنث میں مذکر کے حروف اصلی مفقود نہیں ہو جاتے ہیں تو بھی اس قسم کے دعوے کی جرأت نہ ہوتی، اس لیے کہ ہاے ہوز لفظ "اللہ" میں اسکا حرف اصلی ہے۔ لفظ "حنیف" کی تحقیق میں بھی موصوف نے ایسی ہی عربی دانی کا ثبوت دیا ہے۔ موصوف کے نزدیک عبرانی زبان میں حنیف کے معنی ملحد و زندیق کے ہیں لیکن عربی میں اسکے کیا معنی ہیں؟ ممدوح کے نزدیک یہ چیز قابل اعتنا نہیں ہے۔ حالانکہ اہل عرب کی زبان عربی تھی، نہ کہ عبرانی۔ اگر ڈاکٹر صاحب "لسان العرب" ملاحظہ فرماتے تو اس شبہہ کی جسارت نہ فرماتے، اس لیے کہ اس میں صاف طور پر تحریر ہے کہ "حنیف" "حنف" سے مشتق ہے جسکے معنی میلان کے ہیں

یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف مائل ہونا۔ یہ لفظ اچھے معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور بُرے معنی میں بھی۔ "حنیف" کا میلان جس طرف ہوتا ہے اُس پر "لام" داخل کرتے ہیں۔ اور اسی کے حسن و قبح کے لحاظ سے اسکے معنی میں حسن و قبح پیدا ہوتا ہے مثلاً حنیف اللہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف مائل ہونے والا۔ جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو عموماً اچھے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

"تابوت" کے متعلق جو تحقیق نفیس آپ نے فرمائی ہے وہ بھی آپ اپنی نظیر ہے۔ اسی طرح "خلق قرآن" کی بحث کے متعلق بھی آپ کے ارشادات آپ کی قوت تحقیق کے آئینہ دار ہیں۔ نمونہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کی علمی تحقیق کے دو ایک نمونے پیش کر دیے گئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے معلومات نہ صرف اسلام کے متعلق بلکہ عربی زبان کے متعلق بھی کسقدر محدود و ناقابل اعتماد ہیں۔ پوری کتاب پر نظر کرنے سے اس قسم کے نمونے بکثرت ملیں گے۔

کُلّی جواب

انفرادی طور پر ہر ایک باب پر تنقید کرنے سے پہلے ہم ایک کلی جواب تحریر کرتے ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کی پوری کتاب کا مختصر اور جامع جواب ہے۔ اور جس سے اُنکے پورے استدلال و دعاوی کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ اعتراضات ڈاکٹر صاحب کے کل دعاوی اور دلائل کا ماحصل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ دعاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام نے کسی جدید چیز کی تعلیم نہیں دی بلکہ عرب ... جاہلیت، یہودیت، نصرانیت، صابئیت اور دیگر مذاہب و اقوام کی مختلف تعلیمات کا مجموعہ تیار کر دیا ہے۔ اسلیے اسلام الہامی مذہب نہیں ہے۔ دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۲) اسلام کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور اسکی تعلیمات و اخبار اور دوسرے مذاہب و اقوام کی تعلیمات و اخبار میں مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور موخر الذکر اقدم ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے مضامین انھیں سے ماخوذ ہیں۔

ڈارونی ذہنیت اس سارے استدلال کی تہ میں جو ذہنیت کام فرما ہے وہ ڈارون نے اہل مغرب میں پیدا کردی ہے کہ جہاں دو چیزوں میں مشابہت دیکھی اور ایک کو مقدم پایا بس فوراً یہ حکم لگا دیا کہ موخر مقدم سے ماخوذ ہے۔ یہ اصول اسقدر مہمل اور لغو ہے کہ اسکی غلطی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت و مطابقت کی یہی وجہ نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے سے ماخوذ ہے بلکہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں کا اصل منبع اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔

کل الہامی مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے دنیا میں جتنے بھی الہامی مذاہب

موجود ہیں یا فنا ہو چکے ہیں انکا اصل منبع ایک ہی ہے یعنی ذات حق سبحانہ تعالیٰ بلکہ دراصل وہ ایک ہی مذہب کے مختلف درجات ہیں۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کو متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم چند آیات نقل کرتے ہیں

(۱) شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ

(۲) قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربہم لانفرق بین احد منہم ونحن لہٗ مسلمون (بقرہ - پ ۱)

(۳) ما کان ابراہیم یہودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین۔

(۴) ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰہاً واحداً ونحن لہ مسلمون۔

ان آیات نے بتادیا کہ ان انبیاء سابقین کا مذہب تھا جسکی تبلیغ محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے کی اور اسی مذہب کا نام اسلام ہے۔ اسکے مختلف درجات رہے۔ اور آخری درجہ جو اسکی تکمیل کا درجہ ہے اسکی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ ان تمام مذاہب کی خوبیاں اسلام محمدی میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ اُن مذاہب کے متبعین نے جو خرابیاں ان ادیان میں داخل کرلی ہیں اور جو غیر دینی چیزیں ان ادیان کا جزو بنگئی ہیں انکو اسلام نے ان سے خارج کردیا ہے۔ اور اسلام ان سے بالکل پاک و مبرا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حقیقی موسویت اور حقیقی عیسویت اور حقیقی ابراہیمیت، غرض ہر نبی کی حقیقی تعلیم اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے اب اسلام کے ہوتے ہوے ان ادیان میں سے کسی کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اکمل کے ہوتے ہوے انقص کی طرف رجحان بالکل خلاف عقل ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ ان مذاہب کے متبعین نے اپنے مذاہب اور انکے مآخذ یعنی کتابوں کو مسخ و تحریف کرکے بالکل ناقابل اعتماد بنادیا ہے ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بیانات دیگر الہامی مذاہب و ادیان سے کسی درجہ میں مشابہت رکھیں تو یہ اسلام کے الہامی و ربانی مذہب ہونے کی دلیل ہے نہ کہ غیر الہامی ہونے کی۔

اسلام محمدی کے خصائص امتیازی

لیکن اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف مذاہب سابقہ کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کوئی جدت اور انوکھا پن نہیں ہے۔ یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط اور گمراہ کن ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام نے دین کی بنیادوں کو جس طرح مستحکم کیا اور اسکے اصول و فروع کو جس طرح درجۂ کمال کو پہونچایا۔ جس طرح ان کو کامل و مکمل اور جدید و مناسب شکلیں عطا کیں۔ جس طرح قیامت تک کے لیے مناسب، مفید اور ناقابل تغیر بنادیا جس طرح ان میں عجیب و غریب حکیمانہ نکتہ آفرینی اور باریک بینی، جامعیت اور نشو و نما کی ترتیب پیدا کی۔ یہ سب چیزیں صرف اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ ہیں۔ انکی نظیر ادیان سابقہ میں کہیں نہیں مل سکتی اور جس طرح دین عیسوی دین موسوی سے تفصیل کے درجہ میں ممتاز اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس طرح اجمال کے درجہ میں عیسویت اور موسویت میں وحدت ہے اسی طرح دین محمدی اور کل ادیان حقۂ سابقہ میں اجمال کے درجہ میں وحدت و یکرنگی ہے۔ اور یہ دلیل اسکی حقانیت و ربانیت کی ہے نہ کہ اسکے غیر الہامی ہونے کی۔

وحدت و اختلاف کا راز

ادیان حقہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اس لیے انکی تعلیمات میں اصولی و بنیادی اختلاف ناممکن ہے۔ ہر مذہب نے توحید کی تعلیم دی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کسی مذہب حق میں شرک کی تعلیم مل جائے۔ ہر مذہب نے عدل کو مستحسن اور ظلم کو قبیح کہا ہے۔ ہر دین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اچھا اور اس کی نافرمانی کو برا قرار دیا ہے بلکہ یہ چیزیں چونکہ فطری ہیں یعنی فطرت انسانی انکو پسند کرتی ہے اور اجمالی طور پر انکی تعلیم دیتی ہے اس لیے ان بنیادی اصول کو تو ادیان باطلہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ مثلاً ایک بُت پرست بھی توحید کو پسندیدہ کہیگا اور شرک سے اپنی برأت ظاہر کریگا حالانکہ بلاشبہ وہ مشرک ہے اور توحید کی حقیقت کو وہ سمجھا بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ اجمالی اصول عملی زندگی میں بنیادی اور اُخروی کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت ہے تفصیل کی۔ اسی تفصیل میں آکر ادیان میں باہم اختلاف ہوتا ہے اور اسی کے لحاظ سے ایک دین دوسرے دین سے امتیاز حاصل کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے مجموعی طور پر ذہن انسانی کی تربیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی اور انکے ارتقاء ذہنی کے مدارج کے لحاظ سے مختلف زمانوں میں مختلف مدارج میں مختلف درجات کی تفصیل انکے سامنے پیش فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ذہن انسانی اس درجہ پر پہونچ گیا کہ اس میں ان جدید اعلیٰ و مکمل تفصیلات کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہیں تو اسی کامل و مکمل دین کو اسکے لیے بھیجا گیا جو قیامت تک کے لیے کافی اور دائمی ہے اور جو بنیادی و اساسی اصول کے لحاظ سے بالکل وہی ہے جسکی تعلیم کل انبیاء و مرسلین نے دی ہے اور تفصیلات کے لحاظ سے بالکل جدید اور انوکھا ہے۔

بنیادی اصول کی وحدت کی وجہ سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مستقل دین ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی مضحکہ خیز ہے

جیسے کوئی شخص اربعہ متناسبہ اور کسور اعشاریہ کے قاعدوں کے متعلق یہ کہے کہ ان میں کوئی جدت نہیں ہے اور انکے موجدین نے کوئی کارنامہ نہیں انجام دیا، اس لیے کہ انکی بنیاد تو جمع تفریق کے قاعدوں پر قائم ہے جو بالکل بدیہی ہیں اور جنکو ہر انسان جانتا ہے۔ یا کوئی شخص حکیم اقلیدس کے فضل و کمال کی نفی اس بنا پر کرے کہ اس نے اقلیدس کی شکلوں میں جدت ہی کیا دکھائی ہے، اسلیے کہ اسکے اصول تو بالکل بدیہی اور عام طور پر معلوم ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی اصول کی بنا پر دنیا کی کوئی ایجاد و اختراع، ایجاد و اختراع رہتی ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اسکی بنیاد آخر کار کچھ بدیہی اصول پر قائم ہوتی ہے۔

اگر تعصب کو ترک کرکے دیکھا جائے تو اسلام کی یہ جدت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ توحید کی تعلیم اسلام بھی دیتا ہے اور موجودہ مسیحیت بھی اسکی دعویدار ہے مگر مسیحیت تثلیث پرستی کو توحید کے منافی نہیں سمجھتی اور اسلام اسکو توحید کے منافی سمجھتا ہے۔ ایک بت پرست باوجود بت پرستی کے توحید کا دعویدار بنتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بت پرستی اور توحید میں سراسر تناقض اور بعد المشرقین ہے۔ انہی سے ظاہر ہے کہ اگرچہ اصولی اور بنیادی حیثیت سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیگر انبیاء کی تعلیمات کے بالکل مطابق ہے۔ مگر ادیان کے ان متبعین نے موجودہ زمانہ میں انکی تعلیمات کو اسقدر مسخ کردیا ہے کہ اب اسلام اور ان ادیان میں بنیادی وحدت و یکرنگی بھی مفقود ہوگئی ہے اس لیے کہ اب انکے پاس اپنے انبیاء و کتب کی حقیقی تعلیمات بھی مفقود ہیں۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان ادیان کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کی ہے اس لیے کہ جن اصولی چیزوں کو خود مستحسن قرار دیتے ہیں مذہب ان سے خود انکا دامن خالی ہے۔ مثلاً وہ توحید کو مستحسن سمجھتے ہیں مگر توحید کی دولت سے محروم ہیں، وہ عدل کو بہتر سمجھتے ہیں مگر انکے یہاں عدل مفقود ہے، وہ عبادت کو اچھا کہتے ہیں مگر روح عبادت سے محروم ہیں۔ حقیقی توحید، حقیقی اصول اخلاق، حقیقی عبادت اور دوسری کل خوبیاں اور محاسن اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں اور کل ادیان عالم خواہ وہ عیسویت ہو یا یہودیت یا دہریت یا اور کوئی مذہب ان خوبیوں سے یکسر خالی اور ان دولتوں سے قطعاً محروم ہیں۔ اس لیے اسلام ہی حق ہے اور بقیہ کل ادیان و مذاہب موجودہ صورت میں قطعاً باطل اور غیر الہامی ہیں۔ اگر ہمارے اس دعوے میں کسی کو شک ہو تو بسم اللہ اسی معیار پر مقابلہ کرلے۔ یعنی جو محاسن مسلمہ فریقین ہوں عقل و حکمت کی روشنی میں انکو تلاش کرلیا جائے کہ وہ کہاں موجود اور کہاں مفقود ہیں۔ ہمارا یہ چیلنج ہر غیر مسلم کو ہے لیکن اسکا خصوصی رخ جناب ڈاکٹر رشید ل صاحب کی طرف ہے۔ دیکھیں ڈاکٹر صاحب اس چیلنج کو قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ (باقی آئندہ)

ایک جوانمرگ مسلم

ثناء الدین ابو الحسن مرحوم

[مرحوم کو اخبار صدق سے بہت دلچسپی تھی۔ صدق وہ برابر پڑھتے تھے۔ اور شاید اسی وجہ سے مذہبیت کا رنگ اچھا خاصا ان میں پیدا ہوگیا تھا۔ جسکا اندازہ ان وصیتوں سے ہوتا ہے جو مرحوم نے تحریری چھوڑی ہیں۔ ایک مختصر خاکہ مرحوم کے حالات زندگی کے متعلق آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ "صدق" کو دلچسپی سے پڑھنے والے اور اسکے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے والے کے حالات اس اخبار میں جگہ پائیں گے فقط نیازمند محمد سلیم قریشی آنریری جنرل سکریٹری مسلم کلب لکھنؤ"]

مرحوم کی ولادت ۲۰-دسمبر ۱۹۲۴ء بمقام قصبہ "مہالی" ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ ۴ سال تک ایک آنہ فنڈ اسلامیہ اسکول میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ۵ سال تک عربی، فارسی اور انگریزی تعلیم کے بعد سنہ ۱۹۴۲ء میں بغرض حصول طب "تکمیل الطب کالج" میں داخل ہوئے۔ چوتھے سال میں تعلیم پا ہی رہے تھے کہ مرض "دق وسل" میں مبتلا ہوگئے۔ باوجود مختلف طریقۂ علاج کے جانبر نہ ہوسکے۔ انتقال سے ایک ہفتہ قبل پنجشنبہ کو دعا کی "یا اللہ کل بلا لیجیے بہت اشتیاق ہے" مگر مشیت کہ بجائے اُس جمعہ کے دوسرے جمعہ کو انتقال کیا۔ تیسری شعبان ۱۳۶۵ھ کو ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر اللہ اللہ کہتے ہوئے سورہ یٰسین کے ختم پر ۲۱ ½ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ بعد نماز جمعہ عیش باغ میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم کو مسلم کلب سے خاص دلچسپی تھی۔ شعبۂ ادبیات کے سکریٹری تھے۔ کلب کے جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ حال کے میونسپل الکشن میں لیگ کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے بڑے جوش و خروش سے کام کیا کہ یادگار چھوڑ گئے۔

شدت مرض میں ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ اکثر یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم پڑھتے سورۂ یٰسین ایک قاری صاحب سے سنتے اور روتے۔ مندرجۂ ذیل تحریری وصیتیں چھوڑیں:—

"اللھم ارحم ابی وامی وعلی اخوانی واخواتی آمین یاکریم لاموجود الا اللہ لاشئ الا اللہ لا الہ الا اللہ

(۱) اگر وطن پہونچانا ممکن ہو تو غسل و کفن دینے کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب قبلہ سے نماز پڑھا کر لیجایا جائے۔ اگر وطن لیجانا ناممکن ہو تو پھر یہیں کسی بزرگ سے نماز پڑھا کر دفن کیا جائے۔

(۲) سیوم اور چالیسویں کی تقریب ہرگز نہ منائی جائے۔ (۳) ہمارے سب کے مغفرت کے لیے دعا کی جائے (۴) قبر خواہ کچی ہو، ایک کتبہ لگادیا جائے تو سبحان اللہ۔ کلمہ گو ہوں۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ بخیر کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ثناء الدین ابو الحسن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر:۔ عبدالماجد
پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:۔ حکیم عبدالقوی پھلے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
سرشتہ ادبیلیس، گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

نمبر ۴۱ | یوم شنبہ۔ ۲۹۔ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۶۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

اہلِ لکھنؤ سے

شیخ وقت حضرت مولانا عین القضاۃؒ یاد ہیں؟ یاد کیوں نہ ہوتے، کل ۲۰ ہی سال کی تو بات ہے اور کوئی بھولنا چاہے بھی، تو انکی زندہ یادگار، مدرسہ عالیہ فرقانیہ۔ خدمتِ قرآن، تجوید کے لحاظ سے شہر میں کیا معنی صوبہ میں، اور صوبہ کیا معنی، ہندوستان میں اپنے آپ اپنی نظیر۔ آپ خود کہو لیے ہیں کب دیکھا؟ کس پایہ کے عالم، فاضل و متقی تھے، اور کس مرتبہ کے عارف و مرشد! مولانا عبدالشکور صاحب کے اُستاد، اور مولانا ظفر الملک صاحب کے شیخ۔ نسبت فاروقی خاص طور پر غالب تھی۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے لحاظ سے ہونا بھی چاہیے تھی۔ لکھنؤ میں ۴۰ سال آدھر مظلوموں کو جو "چاریاری" نعرے بلند کرنا پڑے تھے، وہ حضرتؒ ہی کے سایۂ عاطفت میں —— مرقدِ مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے جو حاضری دیجیے، تو نظر لوحِ مزار کے کتبہ پر پڑے۔ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔ لیکن تاریخ کس کے قلم سے؟ لکھنؤ کے مشہور شاعر مرزا محمد ہادی عزیزؔ کے قلم سے! کیا ارشاد ہوا؟ مرزا عزیز؟ صاحبِ گلکدہ۔ و صحیفۂ ولا؟ —— جی ہاں وہی۔ مگر وہ تو کھلے ہوئے شیعہ تھے! جی ہاں وہی شیعہ شاعر! —— اور اکیلی تاریخ ہی نہیں کہی۔ مولانا کی وفات سُن رونے لگے تھے، اور ایک مرثیہ بھی پُر درد و موثر اُسی وقت کہا تھا! —— لکھنؤ کے تمدن کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس وقت تک نہ سے پہلے سب ہی کچھ ہوتا تھا۔ باہم اُستادی شاگردی بھی، دوستی اور رشتہ داری بھی!

—— —— ——

رجب ۱۳۴۴ھ کی ۱۹ اور جنوری ۱۹۲۵ء کی ۸ تاریخ ہے۔ بعد عصر مولانا اپنے بالاخانہ پر حسبِ دستور تشریف فرما ہیں۔ دو چار اہلِ حاجت اور مسترشدین بھی بیٹھے ہیں۔ دو نووارد صاحب علمی لباس میں داخل ہوتے ہیں۔ معمولی گفتگو کے بعد ایک صاحب ترنم کے ساتھ عربی کے چند آخری اشعار سنانا شروع کرتے ہیں مضمون عبرت کا اور توحید کا ہے۔ اور کلام منسوب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب ہے، (راز نادرانی، مناقب آل ابی طالب جلد ۲ صفحہ ۔ مطبوعہ بمبئی) مولانا پر حال کیفیت شروع ہو جاتی ہے۔ کلام کے اس ٹکڑے پر،

قد فتینا دار أبقی | ہم نے باقی رہنے والے گھر کو تو ضائع کر دیا
استوطنا دار أتفنی | اور مٹنے والے گھر کو اپنا گھر بنا لیا

مولاناؒ کے جسم میں رعشہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے

کلٌ موتًا کلٌ موتا | ہر ایک کو مرنا ہے، ہر ایک کو مرنا ہے

کی تکرار پر سجدہ میں جاتے ہیں، اور اسکے مابعد

کلٌ دفنًا کلٌ دفنا | ہر ایک کو دفن ہونا ہے، ہر ایک کو دفن ہونا ہے

کی آواز پر طائر روح نشیمنِ قدس کی جانب پرواز کر جاتا ہے!

یہ دونوں نووارد اجنبی، آپ سمجھے، کون تھے؟ دونوں مذہبًا شیعہ۔ ایک آقا سید اسد اللہ رشتی نجفی، دوسرے سید غلام حسین ڈھاکوی۔

اختلافات ہزار سہی، افسوسناک سہی، کلمہ کی وحدت، ہر کثرت پر بھاری، قبلہ کا اشتراک ہر اختلاف پر غالب۔

—— —— ——

دو تصویریں!

" لندن۔ ۲۵ ستمبر۔ ڈیلی میل کا نامہ نگار خصوصی جاپان سے۔ ... سے اطلاع دیتا ہے،

اب جاپانیوں نے آنا فیوں کے دلوں کو موہ لینے کی ٹھہرائی ہے، اور اب اپنے ملک کو وہ ایک بڑے پیمانہ پر سوئزرلینڈ بنا کر اجنبیوں کی تفریح وقیام کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ بیرونی فوجیوں کے لیے اب جاپانی مندروں کے دروازے کھول دیے گئے ہیں، اور انکی خاطر داری کے لیے ہر طرف شہر میں چکلے (یا قحبہ خانے) کھل رہے ہیں"۔ (۔ ا رڈر)

ایک تصویر تو یہ ہوئی — مدبر، نفس کے لیے کیسی لذیذ عقل کے لیے کیسی غلیظ!

دوسری تصویر ایک اور ملاحظہ ہو۔ — قدیم نفس کے نزدیک حقیر، عقل کی نظر میں عزیز:—

مسلمان سپاہی، خلافت راشدہ کے دور میں ایک دیوار کے پایۂ تخت میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں۔ مسیحی فوج ہتھیار رکھ دیتی ہے۔ امن قائم ہوتے ہی روشن خیال اور آزاد مسیحی خاتونیں بن ٹھن کر بالاخانوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ مسلمان سپاہی شہر میں گشت اور سیر کے لیے نکلتے ہیں۔ گھوم گھام کر واپس آتے ہیں، تو رومی افسر پوچھتے ہیں کہ کیسے شہر کو کیسا پایا؟ عورتیں کیسی ہیں؟" مسلمان عرب کیے وحشی سپاہی جواب دیتے ہیں "عورتیں دیکھنے ہی کب پائے۔ ادھر تو بے پردہ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ نظر اٹھانے کا موقع ہی کہاں تھا؟ جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس چلے آئے!"

انسان! گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان! جنت وجہنم دونوں کی راہیں تیرے لیے کل بھی کھلی ہوئی تھیں، آج بھی کھلی ہوئی ہیں!

کہفی زندگی کی طرف واپسی

"برلن۔ ۵۔ ستمبر۔ برلن اور فرینکفرٹ جس درجہ تباہ وبرباد ہوئے ہیں، انکے مقابلہ میں لندن کو تو صرف ایک خراش آئی ہے۔ میں نے برلن کے محلہ محلہ میں خوب گشت کرکے دیکھا، ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر، بڑی بڑی عالیشان عمارتیں سرنگوں، جرمن پارلیمنٹ (REICHSTAG) کی عظیم الشان عمارت، ہٹلر کا ایوان حکومت، گوبلز کا نقرۂ وزارت، سب گرے ہوئے۔ جابجا چھلنی ہوئے ... تعمیر صرف ہوائی پناہ گاہوں کی ہے ... گولوں کی زد سے محفوظ رہی ہے ... شہر کی ہزاروں ... عنقریب کوئی ... مستقبل قریب میں بظاہر تو ... اسکا امکان نظر آتا ہے ... زیر زمین ... سکونت اختیار کی جائے"۔ (لیڈر، ستمبر لیڈر کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے۔ ملخصاً)

... کی انتہا ہو چکی ہے۔ اور تہذیب کی ترقی اپنے منتہا کمال کو پہونچ کر پھر نقطۂ آغاز کی طرف واپس ہونے لگی! غاروں اور سرنگوں ہی سے یہ ... اور ... تہذیب نکلی تھی، اب ... کیوں ہے کہ پھر اسی طرف ... پہونچی۔ اصحاب الکہف والرقیم کے جو اصل معنی ہیں وہ اپنی جگہ پر ہیں۔ لیکن کیسا سچا ... حقیقت کے ساتھ اسکے ... اور ... پہلو

ہمیں پیش نظر نہیں!

نئی بلا

"مدیر ترجمان القرآن" ان صفحات میں جو کچھ نکل چکا ہے، اب اسی سلسلہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنے تازہ اشاعت میں تحریر فرماتے ہیں:—

"کوشش کر رہا ہوں کہ مہاجرین ترکستان سے انکی پوری داستان قلمبند کراؤں اور اُسے سلیس اردو میں لکھوا کر شائع کردوں۔ یہ بلا اب دوسرے مسلمان ملکوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔ طرابلس، ... اور ... پر اسکا دانت ہے۔ یوگوسلاویہ اور ... کے نظام میں وہ داخل ہو چکا ہے، فلسطین وشام میں کمیونسٹ ایجنٹ کام کر رہے ہیں، اور ایران پر اسکی گرفت مضبوط ہو رہی ہے۔ انگریزی اور فرانسیسی امپیریلزم نے جو کسر چھوڑ دی ہے، اب یہ تازہ بلا اُسے پورا کیا چاہتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ مسلمان ملکوں کی قوم پرستانہ تحریکیں اس ہمہ گیر انقلابی تحریک کے مقابلہ میں ٹھہر سکیں گی۔ اگر مسلمان ملکوں میں دعوت اسلامی کا علم بلند کرنے والی کوئی طاقت نہ اٹھی تو یہ فتنۂ دجال کسی کے روکے نہ رُک سکیگا"!

اُلٹی ترتیب

"اسکے بالکل برعکس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اصلی کارفرما طاقت وقت کا سیاسی نظام ہے، جب تک اسکی اساس تقویٰ پر نہ ہو اُسوقت تک لوگوں میں اولاً تو تقویٰ پیدا ہونا ممکن ہے اور اگر کسی طرح پیدا ہو جائے تو اسکا قائم رکھنا ناممکن ہے۔ اس وجہ سے ہم سب سے پہلے اس نظام فکر سے بغاوت ضروری سمجھتے ہیں، جس پر وقت کا سیاسی نظام قائم ہے، اور ہم سکو توڑ پھوڑ کر ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی اساس قائم کرنا چاہتے ہیں"۔ (ترجمان القرآن۔ رجب وشعبان نمبر)

لیکن "ہم" سے کیا مراد ہے؟ جو اس پُرقوت نظام فکر سے بغاوت کے لیے بڑھ رہے ہیں۔ نظام فکر وعمل دونوں کی بنیاد یقیناً ایمان ہی کی تحکیم پر ہونا چاہیے۔ لیکن اصل کارفرما طاقت یعنی وقت کے سیاسی نظام سے ٹکر لینے والے آخر کون لوگ ہونگے؟ یہی تو اصل سوال ہے۔ وہ زبردست نظام کیا محض مضمون نگاری سے ٹوٹ پھوٹ جائیگا؟ یا اسکے لیے اشخاص ورجال بھی اعلیٰ درجہ کے صالح ومتقی درکار ہونگے؟ اگر صرف پہلی چیز کافی ہے، جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں۔ لیکن اگر دوسری چیز بھی لازمی ہے، تو پھر مقدم تر اور اہم تر چیز کیا ٹھہری؟ ایسے اشخاص ورجال کی فراہمی یا انکے بغیر ہی باطل سے بغاوت؟ — بس یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے صدق کے راستہ ترجمان سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مقدم ترین اور اولین شے، باطن کی اصلاح، خود اپنی اصلاح، اور صالح ترین رجال کی تیاری ہے نہ کہ خارجی ماحول اور تکوینی حالات سے مقابلہ۔ مکی زندگی نہ کہ مدنی۔ غار حرا نہ کہ غزوۂ بدر، عبادت نہ کہ

حکیم الامت :

نقوش و تاثرات

نمبر (۱۶)

(از عبدالماجد)

مدینہ منورہ ہر سال ہزاروں حاجی حاضر ہوتے رہتے ہیں، اور اپنے اپنے ظرف و بساط کے لائق وہاں کے انوار و برکات سے بھی مستفید ہو کر آتے ہیں۔ اپنی کم نصیبی، کہ جب اسی سال مارچ ۱۹۲۹ء میں قبل حج حاضری ہوئی، تو بجائے کسی ایجابی نفع اور فرحت و انبساط کے ایک سلبی کیفیت محسوس ہوئی۔ یعنی اپنے ڈھکے چھپے عیوب سب اپنے پر کھلنے لگے،

"اور دل بے اختیار اپنے کو نفرین و ملامت کرنا چاہتا تھا، اور اپنی بدباطنی بلکہ بدعملی قدم قدم پر محسوس و مشاہد ہونے لگی ——
چھ مہینے بعد اسی کیفیت کا اعادہ تھانہ بھون کے قیام میں ہوا۔ معتقدین یہاں کے طرح طرح کے فضائل و عجائب بیان کرتے تھے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب تو یہاں تک فرماتے تھے کہ مجھے یہاں کی ہوا میں خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ ہوتی ہوگی۔ اپنا تجربہ سب سے مختلف، اپنی یافت سب سے الگ رہی۔ اپنے کو نہ انوار نظر آئے، نہ اسرار و عجائب کا انکشاف ہوا۔ ہفتوں کے طویل قیام میں بات ایک ہی ہاتھ آئی، چاہے جتنے مختلف عنوانوں سے بیان کیا جائے، اور وہ تھی اپنے نفس کی کدورت، اپنے اندر کی خباثت، کہ جیسے خود دیکھیے اور آپ اپنے سر آئے۔ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ

—— غالب نے جو بات ہولی کہا تھا ؂

اور میں وہ ہوں کہ گر جی میں کبھی غور کروں

غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے!

شاعری نہ تھی، اب جا کر کھلا کہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان آپ اپنی نظر میں چور ٹھہر جائے۔ اب تک نظر میں جو ہنر تھے، معلوم ہوا کہ وہ عیب ہیں، اور دوسروں کی جھولی میں جو کوڑا اور پتھر دکھائی دے رہے تھے، اب ثابت ہوا کہ وہ عین لعل و گہر ہیں۔ تکلفات، رسوم، تصنعات کی ایک دنیا کی دنیا نظر سے رخصت ہو گئی، اور اپنی جگہ حقائق کے لیے خالی کر گئی۔

خیال یہ تھا کہ یہاں صوفیوں کے سے دھوے ہونگے۔ مجذوبوں کے سے احکام جاری ہوتے ہونگے، کشف و کرامات کے چرچے اور تذکرے ہونگے۔ بازار خوابوں اور کیفیات کا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ اہمیت و اہتمام کے ساتھ ذکر و شغل کے حلقے ہوتے ہونگے —— مولانا کی تصانیف و مواعظ کے مطالعہ اور قبل کی مختصر صحبتوں اور ملاقاتوں نے اس خیال کو ذرا ضعیف ضرور کر دیا تھا، پھر بھی اچھی خاصی قوت اس میں باقی تھی۔ ایک طویل صحبت اور روزمرہ کی گفتگوؤں نے رفتہ رفتہ بتایا اور دل میں اتارا کہ اصل شے یہی احکام شریعت ہیں، یہی اتباع کتاب و سنت ہے۔ البتہ پورے اخلاص و تزکیہ قلب کے ساتھ۔ اللہ کے حقوق بقدر امکان ادا کیجیے۔ فرائض میں حتی الامکان غفلت نہ کیجیے۔ اللہ کے بندوں کے طرح طرح کے حقوق، باپ، بھائی، بیٹے، بیوی، شوہر، ماں، بہن، لڑکی، استاد، شاگرد، ملازم، آقا، پڑوسی، سب کے حق پہچانیے

بلا ضرورت دنیا کے جھگڑوں اور دوسروں کے قصے قضیے میں نہ پڑیے۔ بلا وجہ کسی کی ادنی سی دل آزاری، دلشکنی نہ کیجیے۔ احتساب نفس کرتے رہیے، اپنی اصلاح کی فکر میں رہیے، طاعت ارادی کو جانے نہ دیجیے، غفلت غیر اراری کی پروا نہ کیجیے۔ بس یہی عطر تصوف ہے اور یہی طریقت ہے۔ بیسیوں غیر ضروری مسائل جو تصوف میں گھس آئے ہیں، سب مجالس اشرفی کی برکت سے صاف ہو گئے —— ایک آدھ دفعہ کبھی اسی دوران میں ہوا۔ اور خوب ہوا۔ لیکن جو علوم و معارف روزمرہ کی بے تکلف مجلسوں میں سننے میں آتے رہے۔ انکی بات ہی کچھ اور تھی۔ گہری سی گہری باتیں، دلچسپ رنگ میں۔ ادبی لطیفے، مزاحی چٹکلے، لفظی مناسبتوں کے مظاہرے اس پر مستزاد۔ بڑا ہی ظالم بلکہ مفتری تھا وہ جس نے مولانا کو "خشک" مشہور کیا۔

ناقص قسم کے صوفیہ کی تعلیمات جو دماغ میں بھری ہوئی تھیں وہ تو تھیں ہی، اس سے بڑھ کر زہریلا مواد دل میں فقہ و فقہاء کے خلاف جمع تھا۔ اللہ بخشے مولانا شبلی مرحوم کو، اور بہت سی خوبیوں اور وسعت کے آدمی تھے۔ لیکن اس خاص آگ کو انکی تصانیف اور پھر طویل صحبت نے اور بھڑکا دیا تھا، اور جی میں یہ بات جم گئی تھی، کہ جیسے یہ پوری جماعت کی جماعت، احمقوں، کم فہموں، خشک مزاج لکیر کے فقیر کٹھ ملاؤں کا گروہ ہے ——

یہ زنگ بھی مجالس اشرفی ہی سے دور ہوا۔ مولانا ہی نے بار بار معقول، مدلل گفتگوئیں کر کے، کثرت سے مثالیں دے دے کر سمجھایا کہ شریعت کے نظام میں فقہ کا کتنا بلند مقام ہے، اور یہ فقہاء درحقیقت امت کے عقلاء اور ملت کے حکماء ہوئے ہیں۔ انھوں نے اگر کتاب و سنت کی روشنی میں، عقلی، منطقی، قاعدوں کے ماتحت، اور فطرت بشری کے روزانہ تجربوں کی مدد سے اگر اتنے جزئیات ہر شعبہ زندگی سے متعلق نہ مرتب کر دیے ہوتے، تو آج ہم لوگ خدا معلوم کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے ہوتے، اور امت منتشر ہو کر کیسی کیسی گمراہیوں میں پڑ چکی ہوتی۔ فقہاء و صوفیہ دونوں درحقیقت اسلام کی فوج کے دو بازو ہیں ——

وہ لسانی "بدنام کنندہ نکو نامے چند" ہونے، تو وہ ظاہر ہے کہ کسی گروہ میں نہیں ہوتے، یا نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ہر گروہ کے بہترین ہی نمائندہ اسا ...

قائم کرنا چاہیے [illegible] ہے:

بڑے گاؤں (ضلع بارہ بنکی) کے ایک بزرگ تھے، شیخ حسن الرحمٰن قدوائی (گھر کا نام محسن میاں) بڑے متقی، محتاط، عالم و طبیب بھی تھے۔ مولانا کے تو اگرچہ زمانۂ قیام کانپور میں رہ چکے تھے۔ اور ایک زمانہ میں لکھنؤ کے شیخ وقت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے بیعت بھی ہو چکے تھے۔ بڑی تمنا رکھتے تھے کہ اب تجدید بیعت مولانا کے ہاتھ پر کریں۔ گھر سے نکلنے اور اتنا بڑا سفر کرتے ہچکچا رہتے تھے۔ میں نے ہمت دلائی کہ میرے زمانۂ قیام میں آ جائیے، اور مجھے ہی اپنا رہبر لے۔ آ گئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ شام کو بعد مغرب دیکھا کہ مولانا اپنے ہاتھ پر نہایت خوشی سے بیعت کر رہے ہیں۔ نہ کوئی جرح نہ سوال و جواب —— مولاناؒ نے اب بیعت لینا بہت کم کر دی تھی۔ جس کسی کو مرید کرتے بھی تو بڑی قیل و قال اور بہت سی شرطوں کے پورا کرانے کے بعد۔ انکے لیے یہ کوئی بھی ضرورت پیش نہ آئی۔ آتے ہی ارکھٹ سے مرید ہو گئے۔ اس لیے کہ صلاحیت پوری طرح موجود تھی۔ شیخ نے اول نظر میں بھانپ لیا۔ اور کسی مزید جرح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسروں کے مذاق فاسد کی بنا پر ضرورت رد و قدح کی ہوتی ہے —— مولاناؒ تو قواعد و ضوابط کے محکوم نہ تھے۔ قاعدے اور ضابطے سب ضرورۃً اور سہولت کے لیے بنا لیے تھے، یہ نہ تھا کہ اپنے اور دوسروں کے ہاتھ باندھ دینے کے لیے خواہ مخواہ کچھ ضابطے عائد کر لیے ہوں۔ یہ واقعہ خاص اسی غرض سے درج کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ کو ایک گروہ ضابطہ پرستی میں بدنام کر چکا ہے۔ بدنامی تمامتر بیجا۔ — ایسے لوگوں نے قریب سے مولانا کو دیکھا ہی نہیں۔

یاد ہوگا کہ جولائی ۳۵ء میں میری بیعت ضابطہ سے مولاناؒ ہی کے حسب مشورہ مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ تفصیل سب اوپر گزر چکی ہے۔ تھانہ بھون کے قیام کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ مولانا کا مکتوب ذیل دیوبند سے موصول ہوا ہے:—

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ محررہ ۱۶ اکتوبر باعث سرفرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہونگے۔ خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے۔ آمین۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی — بیاد آر محبان بادہ پیما را

مجھکو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو شاغل حقیقیہ میں صرف فرمائینگے، جنکے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر محل پر عمل نہ فرمائیں۔ میں نے حسب ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اسوقت بیعت کر لیا تھا اگر حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بد احوالی و سیاہی، ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کناں ہوں اور سخت شرمندہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے، اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے خدا کے فضل و کرم سے انس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے، وللہ الحمد۔ اللھم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کر لیں مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو نہ ٹالینگے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب انکو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید اور کار آمد ہے۔ اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔

مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرما لیا کریں۔ نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔ ..

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند ۶ جمادی الاول سنہ ۱۳۳۸ھ

مکتوب آپ نے (کاتب کی اجازت کے بغیر) پڑھ لیا، تو خود مکتوب الیہ کی زبان سے کاتب سے متعلق بھی سنتے چلیے، اور سب کے لیے ذرا صبر و انتظار سے کام لیجیے کہ اس ارشاد کی تعمیل ہوئی یا نہیں، اور حکیم الامت نے اس کا کیا اثر لیا۔

مولانائے دیوبندی کے سیاسی خیالات جو کچھ بھی ہوں اور اجتہادی غلطیاں تو صحابہ کرام تک سے ہوئیں اور برابر ہوئی ہیں کہ مذہب اہل سنت کا دار و مدار ہی ایک بڑی حد تک غیر نبی کے غیر معصوم ہونے پر ہے۔ لیکن اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ جہاں تک تواضع، ضبط نفس، ایثار، رواداری، اور جذبۂ خدمت خلق کا تعلق ہے، مولانا حسین احمد مدظلہ کی ذات اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ ہاں خود انکے استاد شیخ الہندؒ کی نظیر ہو تو ہو، یا پھر انہیں کے بڑے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی مہاجر مدنیؒ تھے —— قوم جس افراط و تفریط کے مرض میں مبتلا ہے۔ کسی سے خوش ہوئے تو اسے پوجنے لگے، خفا ہوئے تو گالیاں دینے لگے، گویا انکا لیڈر فرشتہ ہو، اور اگر فرشتہ نہیں ہے تو پھر شیطان کے ادھر کوئی درجہ نہیں! توازن و اعتدال کا گویا قحط پڑ گیا ہے۔ اور اشخاص و رجال کو انکے صحیح مقام پر رکھنا ہم لوگ بھول ہی گئے ہیں۔ شیعیت و خارجیت دونوں اسی بے اعتدالی کی پیداوار ہیں اور اہل سنت کا مذہب جو بین بین اور سارے پہلوؤں کے درمیان ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ قائم ہوا تھا، افسوس ہے کہ وہ خود اب اسی بدبختی کا شکار ہوا جا رہا ہے!

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے [illegible] پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ سے شائع کیا)

تسدّل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحاق سندیلوی اُستاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نمبر (۲)

باب اول

باب اول میں ڈاکٹر صاحب نے تمہید کے طور پر اُن اصول کا تذکرہ فرمایا ہے جنکی بنا پر انہوں نے بحث فرمائی ہے اُن اصول کے قائم کرنے میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ موصوف نے یہ بات صحیح کہی ہے کہ قرآن مجید کو اسلام میں اولیت کا درجہ حاصل ہے اور حدیث کو ثانویت کا۔ لیکن اس اولیت و ثانویت کا پورا مفہوم ڈاکٹر صاحب نہیں سمجھ سکے۔ اسی لیے موصوف نے اپنے نزدیک ایک بہت صحیح اصول یہ پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی رسوم سے بحث کرتے ہوئے ہمارا دستور العمل یہ رہے گا کہ ہم کسی ایسی تعلیم یا رسم سے بحث نہ کریں گے جسکی بابت ظاہراً یا منشأ قرآن کا کوئی حکم موجود نہ ہو یا جسکا ذکر مستند احادیث میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے کئی غلطیاں کی ہیں۔

اول عقائد کا ماخذ قرآن مجید ہے یا احادیث متواترہ ہر مستند حدیث عقیدہ کا ماخذ نہیں ہو سکتی۔ محض عمل کا ماخذ ہو سکتی ہے۔

دوم۔ اسلام کی کوئی تعلیم رسمی حیثیت نہیں رکھتی ہے اس لیے یہ لفظ بالکل بے معنی اور غلطی پیدا کرنے والا ہے۔

سوم۔ قرآن مجید کے متعلق منشأ کا لفظ مبہم ہے۔ موصوف کے نزدیک اسکے کیا معنی ہیں۔ جب تک اس معنوی استنباط کا مفہوم متعین نہ ہو اسکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا ہے۔

چہارم۔ لفظ مستند احادیث بالکل مبہم ہے۔ جب تک اسکا مفہوم متعین نہ ہو اُس وقت تک ماخذ ہونیکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے مفسرین اور فقہا کے اقوال کو بھی اہم کہا ہے مگر نہیں ابہام کے ساتھ۔ انکو واضح کرنا چاہیے تھا کہ انکی اہمیت کس درجہ کی ہے۔ اور آپ ان سے کس درجہ میں استناد کرنا چاہتے ہیں۔ اصول میں یا فروع میں عقائد میں یا اعمال میں دعلی ہذا۔

دراصل اس ابہام و اجمال سے ڈاکٹر صاحب کا مقصود اسلام سے اپنی ناواقفیت کو چھپانا ہے لیکن ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے ۔۔۔ پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

ڈاکٹر صاحب کی ناواقفیت و لاعلمی قدم قدم پر ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ اپنی کوشش کتمان میں بالکل ناکام رہے ہیں اس باب میں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بحث کا آغاز نہیں کیا ہے بلکہ محض تمہید کے طور پر اپنے اصول بحث متعین کیے ہیں اس لیے درحقیقت اس باب کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ اگر اصول بحث غلط قائم کیے گئے ہوں تو انکی غلطی واضح کر دی جائے چنانچہ اس غلطی کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔

لیکن ڈاکٹر صاحب کو کم از کم اس باب میں غلط بیانیوں اور طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ یہ باب بحث کے لیے تمہید ہے یعنی اصول بحث متعین کرنے کے لیے ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے بقتضا ئے فطرت اس باب میں بھی بالکل بے محل طعن و تشنیع اور حجیبتے دینا ہے کا ایک مجموعہ پیش کر دیا ہے اس لیے ہم بھی ان غلط بیانیوں کے متعلق سلسلہ وار مختصراً کچھ عرض کرینگے۔

(۱) احادیث کے متعلق ارشاد ہے کہ "یورپین نقطۂ نظر سے انکی صحت بہت مشتبہ ہے" اسکی دلیل کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب یورپ کیا چیز ہے اور اُسکا نقطۂ نظر کیا ہے۔ یورپ کے (بقول خود) "مہذب حیوانات" کے اقوال ہمارے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی قدر نہیں رکھتے۔ خصوصاً جب ہم احادیث کی صحت کے لیے شہادتوں کا ایسا ذخیرہ رکھتے ہیں جسکا آپ اور آپ کے ہم مذہب، سارے یورپ اور سارے عالم کو رشک ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کی توراۃ و انجیل کی صحت کس نقطۂ نظر سے ثابت ہے؟

(۲) قرآنی سورتوں کی ترتیب کو بھی آپ نے بے اصول فرمایا ہے، جواب میں عرض ہے کہ ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

اسی دعوائے بے دلیل کو عربی کا معمولی طالب علم خاک میں ملا سکتا ہے بشرطیکہ آپ اس سے استفادہ گوارا کریں۔

(۳) فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض مقامات اس قدر مبہم ہیں کہ بغیر حدیث کے انکا سمجھنا دشوار ہے۔ گذارش ہے کہ حضرت آپ کا ادعائے بلا حجت سر آنکھوں پر بشرطیکہ آپ قرآن مجید میں ایک مقام بھی اس طرح کا دکھا دیں یہ مثال میں تو آپ نے ستم ہی ڈھایا ہے۔ ق سے مراد کوہ قاف کس مستند حدیث میں آیا ہے؟ براہ کرم اسکی عبارت نقل فرمائیے یا کم از کم مفصل حوالہ ہی دیجیے۔ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حروف مقطعات کے متعلق جمہور اہل اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انکے معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ انکا بیان نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں۔

آیت اسرا میں کیا ابہام ہے جسکو حدیث نے رفع کر دیا اور جسکی وجہ سے اسکا مطلب سمجھنا بہ قول آپ کے مشکل تھا؟ واقعہ صرف یہ ہے کہ ایک واقعہ کے کچھ اجزا کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور بقیہ اجزاء کو حدیث میں۔ مگر عقلا واقعہ قرآن مجید

بیان ہوا ہے وہ اپنی جگہ پر بالکل واضح ہے۔ اسکے سمجھنے کیلیے کسی روایت کو ماننے کی حاجت نہیں ہے

(۴) قرآن مجید کی بعض آیتوں اور سورتوں کے متعلق آپ نے ضائع ہونے کا دعوے کیا ہے، لیکن دلیل و ثبوت حسب عادت کچھ بھی نہیں محض یہ ارشاد ہوتا ہے "کہا جاتا ہے"۔ حضرت! کون کہتا ہے، اور کہاں بیان ہوا؟ آپ نے کہاں دیکھا؟ ذرا واضح تو فرمائیے ہمارا تو دعوے ہے کہ قرآن کا ایک شوشہ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اور ہم اسکے دلائل رکھتے ہیں۔ اگر تم کو اپنے دعوے پر اصرار ہے تو "ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین"

(۵) تاریخ قرآن بیان کرتے ہوئے موصوف نے ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں جو ایک معمولی طالب علم بھی نہیں کرسکتا ہے۔ ان میں سے بعض تو موصوف کی ناواقفیت اور کم علمی کو ظاہر کرتی ہیں اور بعض تعصب اور تنگ نظری کو۔ تفصیل فضول معلوم ہوتی ہے اس لیے نمونہ کے طور پر چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ بمصداق قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ بقیہ کو بھی انھیں پر قیاس کر لینا چاہیے۔

(الف) ایک جگہ جمع قرآن کو کمی بیشی سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب میں اور اسکے دوسرے حصہ میں بھی اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن مجید میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ پھر ان الفاظ کا استعمال محض دل آزاری، فریب دہی اور انتہائی تعصب و تنگ نظری نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

(ب) خلق قرآن کی بحث سے موصوف یہ سمجھے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی بحث تھی۔ حالانکہ ان دونوں بحثوں میں بہت فرق ہے جسکو ایک معمولی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اسلام میں جو شخص قرآن مجید کے الفاظ و معانی دونوں کو منزل من اللہ نہ سمجھے وہ باتفاق اہل اسلام کافر اور خارج از اسلام ہے۔

(ج) ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف قرأت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تغیر اور تبدل ضرور ہوا۔ لیکن حدیث کے الفاظ کیا ہیں اور ان سے نتیجہ کس طرح نکلتا ہے اسکے متعلق ڈاکٹر صاحب خاموش ہیں۔ بغیر ثبوت کے یہ الزام لگا دینا محض دل آزاری نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی طرح اسی باب میں ایک جگہ اور ڈاکٹر صاحب نے اختلافات قرأت کو غلطیوں کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جو محض تعصب اور بہتان عظیم ہے۔

(د) ایک جگہ ضمناً یہ دعوے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کے خلاف ہیں۔ لیکن حسب دستور ثبوت و دلیل سے گریز فرمایا ہے اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب خوب جانتے ہیں کہ وہ اور انکے اولین و آخرین مل کر بھی اسکا ثبوت قیامت تک نہیں پیش کرسکتے۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے قول پر اعتماد ہے تو بسم اللہ وہ اپنے قول کے ثبوت میں کوئی قرآنی آیت پیش کریں۔

نمونہ کے طور پر چند چیزیں پیش کر دی گئیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں دانستہ اور نادانستہ کس قدر غلطیاں کی ہیں اور کیسے پُرفریب اور خلاف اصول طریقوں کو اختیار کرکے ناواقفوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ بریں اس سے انکے مبلغ علم پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقیہ خرافات کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

باب دوم

اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عقائد و رسوم عرب جاہلیت سے حاصل کیے تھے۔ اس کی پہلی دلیل ڈاکٹر صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ لفظ اللہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں رائج تھا۔ اور وہ لوگ اللہ کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے۔ اس لیے توحید کا عقیدہ ان میں پایا جاتا تھا۔ اسی کی فضول تفصیل میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سا کاغذ صرف فرمایا ہے۔ حالانکہ اسکی کوئی ضرورت نہیں تھی، اس لیے کہ اسکا انکار کس کو ہے کہ "اللہ" کا لفظ اہل عرب میں بعثت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ سے پہلے بھی رائج تھا۔ بلکہ ہم تو اس سے ترقی کرکے کہتے ہیں کہ "اللہ" کا لفظ عربی زبان میں اُس وقت سے پایا جاتا ہے جب سے عربی زبان کا وجود ہوا ہے۔ ہم کو اس چیز کے تسلیم کرنے میں بھی پس و پیش نہیں ہے کہ اہل عرب اسلام سے پہلے "اللہ تعالیٰ" کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے۔ لیکن کیا اس سے اُنکا موحد ہونا ثابت ہوگیا؟ کیا توحید اسی چیز کا نام ہے؟ ڈاکٹر صاحب اُنکے موحد ہونے کے مدعی ہیں، لیکن آگے چل کر اپنے دعوے کی خود ہی تردید بھی فرما دیتے ہیں۔ ص ۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں "اور مختلف قبائل جو اپنے ادنیٰ درجہ کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے کہ یہ بُت اللہ کی درگاہ میں شفیع ہونگے" آگے فرماتے ہیں "اگر ہم اُس زمانہ کی شاعری سے اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ کے عرب چنداں پابند مذہب یا دیندار نہ تھے۔ اور زیادہ تر انھیں کم درجہ معبودوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے"۔

ڈاکٹر صاحب کی مسیحی توحید اس بت پرستی کے منافی ہو یا نہ ہو لیکن ہماری توحید تو اس بت پرستی کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی اسلیے کہ اہل عرب کی اس بت پرستی کا اقرار اور اسکے بعد انکو موحد کہنا اجتماع نقیضین ہے جسکی توقع صرف مسیحی سیلفین ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی دلیل کی کمزوری سے واقف ہیں، اس لیے اُنھوں نے ایک دوسرا پہلو بدلا اور فرمایا "مگر یہ عقیدہ (توحید کا عقیدہ) عربوں کے لیے کوئی نیا عقیدہ نہ تھا اور وہ کم از کم فطری طور پر ضرور اس عقیدہ کے قائل تھے" ہماری گزارش یہ ہے کہ اہل عرب نہیں بلکہ دنیا کا ہر انسان فطری طور پر توحید کا عقیدہ اپنے دل میں رکھتا ہے اور ہمیشہ سے رکھتا ہے

بیان ثابت کرے کہ ڈاکٹر صاحب بھی فطرۃً موحد ہیں گو باوجود اسکے شرک میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ فطرت تفصیلی رہنمائی سے قاصر ہے اور انسان خود یہی غلطی ہے یا ماحول کے اثر سے اپنی فطرت کو مسخ بھی کر لیتا ہے۔ اس لیے محض وجدانی اور اک توحید نجات و فلاح کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اسکے لیے اس تفصیلی توحید کی ضرورت ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو اسلامی توحید کی مطلقاً خبر نہیں ہے ورنہ انکو اس دعوے کی جسارت نہ ہوتی۔ اسلامی توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات میں ہر طرح سے یکتا و یگانہ سمجھنا اور ہر غیر اللہ سے اسکی ذات و صفات کی نفی کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی کسی کو اسکے شامل سمجھنا اسلام کے نزدیک شرک ہے۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ کر لیں کہ خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق اہل عرب مشرک تھے یا نہیں اور اسلامی توحید کا عقیدہ انکے لیے نیا تھا یا نہیں؟

ڈاکٹر صاحب کے استدلال کی حقیقت تو معلوم ہو چکی۔ اب اطمنیان کے طور پر "الغرانیق العلیٰ" والی بے اصل روایت کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا جسکو ڈاکٹر صاحب زور بیان میں ذکر فرما گئے ہیں۔ حالانکہ شاید ڈاکٹر صاحب کو اس روایت کے بے اصل اور غلط ہونے کا خود بھی علم ہے اس لیے آپ نے کسی مستند کتاب کا حوالہ دینے سے گریز فرمایا ہے۔ لیکن بحث کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس روایت کو نقل کرنے سے خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ اگر اس مہمل قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تعلیم دی تھی اس میں اہل عرب کے عقیدہ شفاعت اصنام کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لیے وہ اہل عرب کے لیے نئی چیز تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عرب جاہلیت کے بہت سے رسوم کو باقی رکھا۔ مثلاً حج و نکاح، ختنہ وغیرہ وغیرہ کے بہت سے رسوم و رواجات بدستور باقی رکھے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس دلیل سے انکا دعوےٰ ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اسکو ارباب انصاف خود سمجھ سکتے ہیں۔ محض بعض چیزوں میں اشتراک سے یہ استدلال کرنا کہ اسلامی مسائل انھیں مراسم سے ماخوذ ہیں ایک ایسا دعوےٰ ہے جسکو کوئی سنجیدہ شخص تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب یہ اشتراک تشابہ بھی محض صوری اور ظاہری ہو اور دونوں کی روح و حقیقت میں بُعد المشرقین ہو۔ بیشک حج کے طریقہ میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن پر عرب جاہلی بھی عامل ہے اور اسلام نے بھی انکو باقی رکھا۔ مگر نیت و مقصد نیز روح و حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت موضوع ہی نہیں ہے۔ مثلاً طواف خانہ کعبہ اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا لیکن اسکا مقصد نفس کعبہ اور اسکے اندر رکھے ہوئے بتوں کی تعظیم کرنا ہوتا تھا، اسلام نے بھی طواف کی تعلیم دی مگر اسکا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکے ساتھ اظہار تعظیم اسوۂ حسنہ کو قرار دیا نہ کہ کعبہ کی دیواروں کی تعظیم کو۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینے کا مقصد ہرگز خود اسکی تعظیم و پرستش نہیں ہے بلکہ اسکا مقصد محض ایک نبی کے کارنامہ کی یاد تازہ کرنا اور انکے آثار کی عظمت کا اظہار ہے۔عـــه علیٰ ہذا القیاس جسقدر امور میں عرب جاہلیت اور اسلامی تعلیمات میں تشابہ اور تماثل ملتا ہےعـــه۔ ان میں یہ چیز بھی مشترک ہے کہ عرب جاہلیت میں انکی روح دوسری تھی اور اسلام نے ان میں دوسری روح پیدا کر دی ہے۔ عام طور پر اس قسم کے سارے مراسم عرب جاہلیت میں محض رسمی حیثیت رکھتے تھے نہ کہ دینی، اور اسلام نے ان میں دین کی متحرک روح داخل کرکے انکو بالکل تبدیل کر دیا۔ ان ارواح کو معلوم کرنے کے بعد بھی دونوں کو ایک کہنا سراسر تعصب اور تنگ نظری ہے۔

(باقی آئندہ)

عـــه ڈاکٹر صاحب نے حجر اسود کی سیاہی کے متعلق جو روایت تحریر فرمائی ہے موصوف کو اسکے متعلق کسی مستند کتاب کا حوالہ دینا چاہیے ورنہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

عـــه ان امور کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ہم اسکو کل اسلامی تعلیمات کا ہزارواں حصہ بھی نہیں کہہ سکتے۔

ایک غلط بیانی کی تردید

(از مولوی محمد عبد اللہ سنیاسی صاحب)

لاہور ۳ ستمبر۔ لاہور اور امرتسر کے جلسوں میں مولوی ظفر علی صاحب نے قائد اعظم محمد علی جناح کے خلاف یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے سول میرج ایکٹ کے ماتحت ایک پارسی لڑکی سر ڈنشا پٹیٹ کی لڑکی رتن بائی سے شادی کی تھی اور عدالت میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے"۔ حقیقت یہ ہے کہ سر ڈنشا پٹیٹ کی لڑکی رتن بائی جسکے ساتھ مسٹر جناح کا نکاح ہوا تھا پہلے ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کر چکی تھی اور اس نے رحمۃ للعالمینؐ کی صاحبزادی خاتون جنت سیدہ پاک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت سے اپنے لیے غلام فاطمہ کا نام پسند کیا تھا۔ ایک روز جناح کے مطابق نکاح خوانی کی رسم رجسٹرار کی عدالت میں نہیں بلکہ بمبئی کی جامع مسجد میں شرفا و اکابر کے مجمع میں عین شریعت اسلامی کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ اور ناکح مسجد مذکور کے خطیب تھے۔ جو اصحاب اس تقریب میں شامل تھے ان میں سے بہت سے اب تک بقید حیات ہیں"۔

ان حالات میں کسی ایسے حلف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ مولوی صاحب اپنے "مواعظ حسنہ" میں بار بار فرما رہے ہیں۔ (انقلاب)

لیگی اور غیر لیگی

ہر پارٹی، ہر مسلک کے مسلمانوں سے دردمندانہ عرض

الکشن کی تاریخیں آگئیں اور قریب ہے کہ وہ طوفان خیز ہنگامے شروع ہوجائیں جن سے کسی کلمہ گو کی بھی عزت محفوظ نہ رہ جائے۔ بلکہ عجب نہیں کہ مال سے گزر کر نوبت جانوں تک کی آجائے!

ووٹ اپنی عقل، بصیرت وضمیر کے مطابق جسے چاہیے، دیجیے، لیکن

اپنی شرافت اور متانت بہرحال قائم رکھیے۔

نہ گالی دیجیے، نہ گالی کھائیے۔

ہر کلمہ گو کی عزت کو اپنی عزت سمجھیے۔

آخرت کی بازپرس کو یاد رکھیے۔

اشخاص و رجال کو ہرگز زیر بحث نہ لائیے

بحث و گفتگو صرف مسلک اور پالیسی پر کیجیے۔

آپ کا خادم، عبدالماجد مدیر صدق۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولا گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

نمبر ۴۲ | سہ شنبہ - ۲ - ذیقعدہ الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

آپ سے ملاقات کیجیے، آپ شہر ہی کے نہیں، صوبہ کے نامور ایڈوکیٹ ہیں - خان بہادر ہیں - کونسلوں اور کمیٹیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے منتخب ہوتے رہتے ہیں - بڑے ہمدرد قوم مشہور ہیں - ہر قومی تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں، چندہ بھی دیتے اور دلواتے رہتے ہیں - کسی انجمن کے صدر ہیں، کسی مجلس کے نائب صدر، اور ہم کے ایک مشہور تعلقہ کے مقدمہ کی پیروی میں آج کل مصروف ہیں - بہن نے تعلقہ دار صاحب پر اپنے حصۂ شرعی کا دعوٰی دائر کر دیا ہے - خان بہادر صاحب تعلقہ دار صاحب کی طرف سے وکیل ہیں — آپ نے جواب دعوٰی یہ تیار کر رکھا ہے کہ اول تو تعلقہ میں حصۂ شرعی کے کیا معنی؟ یہاں تو تعلقہ داری ایکٹ پر عمل ہوگا، جس میں تقسیم کا کوئی دفعہ ہی نہیں، نہ بھائی کے لیے نہ بہن کے لیے - مسلم علاقہ فرزند اکبر ہی کو ملیگا، اور پھر یہ بہن کا حصہ کیسا؟ خاندان کے مورث اعلیٰ تو مدت ہوئی اولاد دختری کو جائداد کے ہر جزو سے محروم کر چکے ہیں - یہ پشتوں کے بعد اب کا دعوٰی کیسا؟

وکیل صاحب اپنی ساری قانونی قابلیت اور اللہ کی بخشی ہوئی ذہانت صرف کرکے کھلی عدالت میں ثابت کردینگے کہ اللہ کا قانون ہم جانتے نہیں، محمد عربی کا لایا ہوا قانون ہم مانتے نہیں، وہ غریب ... ہوگا - ہم تو تعلقہ داری ایکٹ کو مانتے ہیں اور گورنمنٹ کے تیار کرائے ہوئے رواج کو جانتے ہیں! قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے، کہا کرے، اس میں جتنی تصریحیں ہیں، تاکیدیں ہیں، وعیدیں ہیں، ہوا کریں - ہم رواج خاندانی کے اپنے ہرگز کسی دوسرے قاعدے قانون کو نہیں پہچانتے! — مسلمان وکیل صاحب مسلمانوں کے نمائندہ، مسلمانوں کے لیڈر، مسلمانوں کے ہمدرد و غمخوار وکیل صاحب یہ سب کچھ مسلمان ہی گواہوں کی مدد سے ثابت کرکے رکھدینگے - اپنے اس کارنامے کے معاوضہ میں ہزاروں کی فیس وصول وصول فرمائیں گے! اور پھر بھی مسلمانوں کے مسلمان باقی رہینگے! عجب نہیں کہ اسی آمدنی سے حج بھی کر آئیں — برادری والے کنبہ والے، محلہ والے، بستی والے، سب کے سب مسلمان آپ سے اسی طرح بدستور ملے جلیں گے، نہ کوئی صاحب سلام ترک کرینگا، نہ کوئی کھانے پینے، شادی اور موت میں ان سے احتیاط و پرہیز کریگا، اور انکی مرجعیت و مقبولیت میں کسی فرق کا شائبہ بھی نہ آنے پائے گا!

صحیح اعتراض

اندھرا دیش (تلنگانہ) کے ایک فاضل ہندو، بی سبرامینیا شاستری کے قلم سے:-

" اندھرا دیش کی آبادی تقریباً ۳ کروڑ ہے، جس میں ۲۰ لاکھ سے زائد مسلمان ہیں - یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے تلنگانہ پر ۵۰۰ سال تک حکومت کی، لیکن تلنگی زبان میں انکے مذہب سے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی گئی - اسکے برعکس عیسائیوں کی

تعداد [illegible] ۲ لاکھ ہے۔ لیکن انجیل کا ترجمہ اب [illegible] زبانوں میں (پیشتر ۱۸۵۰ء) [illegible] میں ہو چکا ہے۔ اور اسکے بعد بھی [illegible] اشاعت کتنی [illegible] کتابیں ٹیلیفون [illegible] شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن اسلام [illegible] انگریزی زبان میں [illegible] ہی کی [illegible] ہیں۔ انکی تعداد [illegible] سے زیادہ نہیں۔ یکھی بات۔ اگر کسی مخالفت کی بھی [illegible] کر لینا چاہیے۔ [illegible] و تاثرات [illegible] کے [illegible] نئیمہ [illegible] سے [illegible] ان سے [illegible] کا [illegible] سے شروع ہو جائے!

"صاحب" کی رعیت

پانیر [illegible] ستمبر) ایک [illegible]

مراسلہ کا ملخص ترجمہ:—

"لکھنؤ میں جشن فتح کی رات میں مرد طلبہ کے ہاتھوں طالبات پر جو کچھ گزرا، اس کا [illegible] چکا ہے۔ [illegible] نوجوانوں کے ایک گروہ نے [illegible] کالج کی لڑکیوں سے [illegible] اور [illegible] میں خشت بازی شروع کر دی۔ اور سینکڑوں مردوں تماشائی [illegible] کھڑے [illegible] دیکھتے رہے۔ جن لڑکیوں نے ہمت کر کے [illegible] ساڑی کے کانٹوں سے کام اپنا شروع [illegible] [illegible] عشق باز بھاگ کھڑے ہوئے [illegible] آئی گئی انھیں بیچاریوں پر رسی جو [illegible] سے پھینکی چلائی رہیں۔ مجھے تو اصلی حیرت اور [illegible] ان شہدوں پر نہیں بلکہ پولیس کی بے اتفاقی اور تماشائی پبلک کی بےحسی پر ہے۔ یہ آخر [illegible] لکھنؤ کے ضمیر کو ہو کیا گیا ہے۔ سب کچھ دیکھ لیے اور [illegible] سے [illegible] اور لکھنؤ کی زنانہ انجمنیں کیوں ابتک خاموش ہیں؟

لکھنؤ کے طلبہ نے اس پر تو خوب پرزور احتجاج کیا کہ فلاں [illegible] صوبہ میں فوج والوں نے طلبہ اور طالبات کی کیسی توہین کی، لیکن یہ نہ ہوا کہ کوئی رزولیوشن اپنے شہر ہی کی بدتہذیبیوں پر پاس کر دیا جاتا۔

لیکن قصور کیا تمام تر لڑکوں ہی کا ہے؟ یہ کالجی لڑکیاں جو [illegible] کر نکلتی، اور اپنے جسم کے [illegible] کی [illegible] دکھلاتی پھرتی ہیں کیا وہ پوری طرح ان واقعات کی [illegible] نہیں؟ مرد بہرحال مرد ہے۔ اسکی طبیعت میں [illegible] ہیجان پیدا [illegible] کا یہی نتیجہ ہوا چاہیے۔ اگر لڑکیاں اپنی ان عادتوں کو بدلنے پر تیار نہیں، تو کم از کم ایک چھڑی یا [illegible] دار جوتی انھیں ضرور اپنے ہینڈ بیگ میں ایسے [illegible] اپنی [illegible] کی حفاظت کے لیے رکھنا چاہیے۔"

لیکن یہ صاحب بہادر بھی کچھ [illegible] پسندی ہی کا شکار ہو کر [illegible] گئے ہیں — اس تعلیم اور اس تربیت اور اس ماحول اور "جنسی آزادی" کے ان مطالبوں اور نعروں کے بعد آخر انھیں یہ کیا سوجھی ہے کہ وہ عصمت [illegible] [illegible] عصمت کی آج بھی وہی قیمت سمجھے چلے جاتے ہیں، جو کالجوں اور [illegible] اور سنیماؤں اور [illegible] کے دور سے قبل تھی!

تصوف پر لائبل

(۱) "ارباب خانقاہ اس بات کے قائل ہیں، کہ چاہے وقت کا سیاسی نظام کچھ بھی ہو [illegible] ہو یا شیطانی، آدمی اسکا دل و جان سے مطیع و فرماں بردار اور خدمتگزار رہ کر متقی ما [illegible] کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ انکے [illegible] طریقہ پر کچھ اعمال و وظائف کا پابند ہو جائے"۔

(۲) "یہ لوگ تقویٰ کا یہ مفہوم نہیں سمجھتے کہ آدمی زندگی کے تمام شعبوں [illegible] خدا ہی کا پابند ہو بلکہ انکے ہاں تقویٰ کے کچھ خاص اعمال ہیں۔ اگر آدمی انکا پابند ہے تو باقی امور میں اسکا جو حال بھی ہو اسکے تقویٰ میں کچھ فرق نہیں آتا"۔

(۳) "یہ حضرات تقویٰ کی تعلیم کیلئے [illegible] استدلال [illegible] تمام نہیں [illegible] بلکہ تو [illegible] تقویٰ کے [illegible] شیخ [illegible] انکے ہاں تقویٰ پیدا کرنے [illegible] اصلی [illegible] ہے"۔

(۴) "یہ حضرات تقویٰ [illegible] کتاب و سنت کے [illegible] نہیں۔ بلکہ انکا زیادہ تر [illegible] اپنے [illegible] حضرات کے تجربات پر ہے۔

(۵) انکے تقویٰ میں [illegible] دینی حیثیت سے [illegible] میں سے یہ لوگ [illegible] چیزوں [illegible] اہمیت نہیں دیتے جو دین میں نہایت بنیادی اور اصولی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور [illegible] دوسری چیزوں کو [illegible] دین میں بالکل ثانوی درجہ کی چیزیں [illegible] الاصول قرار دیتے ہیں"۔

یہ ملک کے ایک بہت بڑے [illegible] اور ایک اہم [illegible] دینی تحریک کے ترجمان نے اپنے اداریے [illegible] میں لکھا۔ اور اس [illegible] فقرہ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ

"ہماری بہتر سے بہتر خانقاہوں میں تقویٰ کی تعلیم انھیں خصوصیات کے ساتھ جاری ہے"۔

یہ نقشہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، ملک کے طول و عرض کی کن "بہتر سے بہتر خانقاہوں" کا ہے؟ کیا حکیم الامت تھانوی کی مشہور خانقاہ کا؟ کیا مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی کے [illegible] کا؟ کیا شیخ [illegible] مولانا حسین احمد کے مریدوں کا؟ کیا شاہ بدر الدین امیر شریعت صوبہ بہار یا انکے جانشین کی خانقاہ کا؟ کیا مولانا عین القضاۃ لکھنوی کے حلقہ کا؟ [illegible] تصویر کو [illegible] ایک ہو [illegible] تصویر کمال نہیں، کمال نقص، و تصویر کا کمال عجز ہے۔

اجازت ہو، تو سوالات ذیل پر آپ جواب پیش کیے جائیں:

(۱) یہ کس شیخ خانقاہ نے کہا یا لکھا ہے، کہ شیطانی نظام کا دل و جان سے مطیع و فرماں بردار ہو کر اور خدمت گزار رہ کر متقی [illegible] ہو سکتے ہیں؟

(۲) یہ کس شیخ طریقت کا ارشاد ہے کہ دین کے [illegible] بعض [illegible] کے قائم مقام ہو سکتے ہیں؟

(۳) یہ سلوک و طریق کے کس رہبر کی تعلیم ہے کہ تقویٰ کے [illegible] ذاتی اعمال و مجاہدات کے "توجہ اور تصرف [illegible]" کافی ہے۔ یا یہ کہ

... بعض تصرف ہے ؟

(۴) یہ اسلام نہیں، اوسط درجہ کے بھی کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ تقویٰ ...کے لیے ابتدا ہی کتاب و سنت کی ضرورت نہیں، بلکہ خود انکے اختراعی اعمال و احوال کافی ہیں۔؟

(۵) وہ کون کون سے بزرگ، کس کس سلسلہ کے ہیں، جنھوں نے شریعت کی مقرر کی ہوئی ترتیب کو الٹ پلٹ کر دینے کی اور فروع کو اصول بنا دینے کی جسارت کی ہے ؟

دین کے احیاء و تجدید کی یقیناً ضرورت ہے اور ہر سعی و اقدام اس باب میں مبارک ہے۔ لیکن یہ مقصد شاید اہل سنت ہی کے مسلک اعتدال و توازن پر قائم رہنے سے پورا ہو سکتا ہے۔ غلو و مبالغہ پسندی کی راہ اختیار کرنا خوارج کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ وہ بھی فخر کے ساتھ اپنے کو قاری کہتے تھے۔

یادِ اشرف

حکیم الامت مولانا تھانوی سے ایک مسترشد کا مکتوب:-

"حضرت علیہ الرحمۃ، سب خصوصاً زندگی کے قدم قدم پر یاد آتے ہیں۔ ...گی معاملات تک کے ادنیٰ ادنیٰ جزئیات عرض کر ڈالتا تھا۔ سب کی سماعت و رعایت فرما کر نہایت شفقت کے ساتھ دستگیری فرماتے۔ ایک دفعہ گھر کی مستورات نے مقاطعہ کیا، اور بھی طرح طرح کی کچھ اور پریشانیاں لاحق تھیں ... سب لکھ بھیجا۔ تحریر فرمایا کہ سفر سے معذور نہ ہوتا تو جواب کے بجائے خود ہی آ جاتا! بس کیا عرض کیا جائے کہ حضرت کیا تھے۔ ہزار ہا ہزار رحمتیں ہوں ان پر!"

بیشک مولانا کی ذات ایسی ہی تھی۔ اور جو لوگ ترتیب کا تجربہ حضرت ... سے رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ سے قطع نظر حضرت معاشرت و معیشت کے معاملات میں کتنے بہتر رہنما اور کیسے مخلص مشیر تھے!

بحث نزولِ مسیحؑ

(مولانا محمد یوسف بنوری کے قلم سے)

صدق ۲۵ ج ۱۱ میں مراسلہ پڑھا۔ حسب الحکم مختصراً جواب عرض ہے

(۱) عقیدۂ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام و نزول مسیح علیہ السلام جب قطعیات شرعیہ اور ضروریہ کا مفاد ہے حصول علم اور یقین کے بعد انکار یا جحود یا ... سب موجب تکفیر ہیں

(۲) احادیث خروج مہدی علیہ السلام صحت و تواتر و قطعیت تینوں امور ... احادیث نزول مسیح علیہ السلام کو نہیں پہنچتے۔ اس لیے انکار و جحود سے ... ہے۔ والسلام

"جواب قول فیصل" (صدق نمبر ۳۶) اسوقت صرف اتنا عرض ہے جو ما حسب ... ذکر سکا ہو: کہ احادیث نزول مسیح میں تواتر اسنادی ہے یا تواتر قدر مشترک ... تفصیل اور محاکمہ کا حق قطعاً حاصل نہیں۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۶)

(س علامت سوال کی ہے۔ ج علامت جواب کی۔)

س۔ ... تحریر کو اس حقیر نے حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ بھیجا تھا ... کی ۹ دن بعد ایک اور گزارش نامہ روانہ کیا ہے۔ یہ عجلت کہیں حضرت والا کی تکلیف کا باعث تو نہ ہوگی؟

ج۔ اپنا بس چلتا تو شاید سارا ہی وقت اس خدمت کی نذر کر دیا جاتا۔ لیکن اور بھی تو بہت سے کام ناگزیر ہیں۔ اور پھر اسی نوعیت کی خدمت کے لیے بھی تو بہت سے مخدوم پیش نظر ہیں۔ ایک ایک ہفتہ کے فصل سے اگر خطوط آتے رہیں تو یقین ہے کہ سہولت رہے۔ شاید فوری ضرورت کے سوالات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

س۔ ... نے کئی مرتبہ بعض گناہوں سے توبہ کی مگر کبھی استحکام نصیب نہ ہوا۔

ج۔ توبہ کرتے رہنا بہرصورت مفید ہے، خواہ ہر مرتبہ توبہ ٹوٹتی ہی رہے۔ توبہ کی حقیقت ہے معصیت سے بچنے کا عزم۔ اور یہ عزم مومن کو ہر بار کرتے رہنا چاہیے خواہ ثبات ایک بار بھی نصیب نہ ہو۔ لیکن جن گناہوں میں عملی تدارک کا موقع ہو وہاں عملی تلافی لازمی ہے۔ محض زبانی توبہ یا دلی ندامت کافی نہیں۔

س۔ توبہ کرتے وقت اسکا یقین رہتا ہے کہ آئندہ پھر کبھی یہ گناہ سرزد نہ ہوگا، مگر پھر ہو ہی جاتا ہے۔ اور جب ہوتا ہے تو طبیعت کو سخت قلق اور تردد ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جی یہ چاہتا ہے کہ اب کسی کو منہ نہ دکھایا جائے یا خود کو کوئی ضرب شدید پہنچا لی جائے یا خودکشی کر لی جائے؟

ج۔ خودکشی کا خیال تو سراسر بیجا اور تمامتر ایک نفسانی وسوسہ ہے۔ البتہ معصیت پر شدتِ انفعال و ندامت مبارک اور قابل تحسین ہے۔ سزا جسم کو نہیں نفس کو دینا چاہیے اور اسکا لحاظ رہے کہ سزا حتی الامکان جرم سے متناسب رہے، اس سے غیر متعلق نہ ہو۔ مثلاً اگر اپنے کسی زیردست پر بیجا غصہ آ جائے تو اسکی سزا یہ ہے کہ اس سے معافی مانگی جائے۔

س۔ حقیر کو اپنے والدین بالخصوص جب کوئی سخت بات کہ دیتے ہیں تو حد درجہ غصہ آ جاتا ہے اور گھر بار چھوڑ کر چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔

ج۔ غصہ تمامتر بے جا ہے، اور ماں باپ کے حقوق شرعی کے پیش نظر نہ رہنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اطاعت والدین پر امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ لیا جائے اور اسے برابر مستحضر رکھا جائے۔ حقوق والدین پر بالقصد گفتگو بھی دوسروں کے ساتھ کی جائے۔ "والدین کے سامنے اپنے کو بالکل مٹا دو" یہ تو ہدایت قرآن کی تعلیم ہے "واخفض

لما جنا ح الذل من الرحمۃ اُسکا تعلق مجاہدات صوفیہ سے نہیں ابتدائی فرائض اسلام سے ہے۔ غصہ آنا ہی اس موقع پر بیجا ہے، لیکن اگر تقاضائے طبعی سے آ ہی جائے، تو اس پر عمل تو قطعاً نہ جائز ہوگا۔

س - ذکر کی حقیقت کیا ہے؟ آج کل صوفیا بتاتے ہیں کہ صرف اللہ اللہ کا ورد کوئی دس پندرہ ہزار مرتبہ کرے۔ تو اس سے کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ذکر فرمایا کرتے تھے؟ صوفیا کے طرز میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں کوئی منافرت تو نہیں ہے؟

ج - صوفیہ کے ہاں کے مروجہ اذکار ان جزئیات وتفصیلات کے ساتھ قرون نبوی میں نہ ملیں گے البتہ انکی اصل مل آئیگی۔ صوفیہ نے ذہن سے یہ چیزیں اپنے اپنے تجربہ کی روشنی میں حاصل کی ہیں۔ جس طرح فقہاء نے سیکڑوں ہزاروں جزئیات مسائل علوم بنیت سے پیدا کر لیے ہیں۔ البتہ فقہ کا فن اسلوک نے مقابلہ میں مرتب، مدون، اور عام فہم زیادہ ہے۔

س - کیا حضرت والا حقیر کو کوئی ذکر کرنے کی ہدایت فرمائیں گے؟

ج - یہ اعلامی اور فنی چیزیں کسی باقاعدہ شیخ ہی سے سیکھنے کی ہوتی ہیں۔ جس سے شروع ہی میں معذوری ظاہر کی جا چکی ہے۔ ہاں یہ البتہ ممکن ہے کہ کسی کتاب سے نقل کرکے بھیجی ہی جائیں۔ مولانا تھانوی کی قصد السبیل میں کچھ چیزیں کام کی اس سلسلہ میں بھی مل جائیں گی۔ ان دقیق اور فنی چیزوں سے کہیں زیادہ اہم ومقدم کتاب وسنت کے صریح احکام کی تعمیل، معصیت سے بچنے اور اپنی اصلاح نفس کی کوشش ہے۔

س - ظہر کی نماز کا عصر سے ملا لینا اور مغرب کی نماز کا عشا سے ملا لینا تو بالکل جائز ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا عصر کی نماز کو بھی قبل از وقت پڑھ کر ظہر سے اور عشا کو قبل از وقت پڑھ کر مغرب سے ملا لینا بھی جائز ہے؟

ج - مدیر صدق کی بابت خوب سمجھ لیا جائے اور یقین کرا لیا جائے کہ وہ نہ مفتی ہے نہ فقیہ نہ صوفی۔ وہ محض ایک عامی گنہگار ہے۔ صرف بعض بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے اٹھنے کا کچھ موقع مل گیا ہے، اور تھوڑی بہت کتابیں بھی پڑھ پڑھا لی ہیں۔ بس وہ اپنے تجربہ کی روشنی میں اپنے ہی جیسے عامیوں اور گنہگاروں کو زندگی کے مختلف مرحلوں سے متعلق مشورہ دیتا رہتا ہے، اور ان سنی سنائی اور پڑھی پڑھائی باتوں سے بھی مدد لیتا ہے۔ اس قسم کے ٹھیٹھ فقہی سوالات جو فقہ کی ہر کتاب میں دیکھے جا سکتے، اور شہر کے عالموں سے پوچھے جا سکتے ہیں اس سے دریافت کرتے رہنا اس پر (اور کسی قدر اپنے پر بھی) ظلم عظیم کرنا ہے۔ آپ سوال کے جواب میں مختصراً عرض یہ ہے کہ خود سوال کی بنیاد ہی صحیح نہیں۔ جمع بین الصلوٰتین حنفیہ کے ہاں جائز ہی نہیں۔ نہ جمع تقدیم نہ جمع تاخیر۔ محدثین کے مذہب میں جمع تاخیر (یعنی ظہر کو کھینچ کر عصر سے اور مغرب کو کھینچ کر عشا سے ملا لینا جائز ہے) جمع تقدیم یعنی اُس وقت کے آنے سے قبل اُس نماز کو پڑھ لینا تو ان کے ہاں بھی صحیح نہیں۔

مراسلہ

قائد ملت کا جانشین

(از مولوی محمد خیر الدین صاحب وکیل، مہر پورہ، حیدرآباد دکن)

قائد ملت مرحوم کا حسن نیت اور اخلاص ایک بین وشواہد ہے کہ قوم نے انکے جانشین کا جو انتخاب کیا تو وہ بھی اپنی اور اسلامی اخلاق اور دیانت جیسی جواہرات کو وہ رکھتا ہے۔ مرحوم کی وفات کے بعد مجلس اتحاد المسلمین نے مولانا ابو الحسن سید علی صاحب ایڈوکیٹ کو مجلس ملکتی اتحاد المسلمین حیدرآباد کا صدر منتخب کیا اور مجلس شوریٰ نے جب پوری مملکت کے منتخب شدہ اشخاص آئے تو انھوں نے باتفاق آرا وصوف ہی کو منتخب فرمایا۔ اسکے بعد سال بھر لگاتار ہونے لیے مولوی صاحب موصوف صدر منتخب ہوئے۔ اور آج کے اخبار رہبر دکن میں اعلان ہوا ہے کہ پھر تیسری دفعہ بلا مقابلہ انکا صدارت پر انتخاب ہو چکا ہے۔ گزشتہ سال کے رجب، شعبان، رمضان ۱۳۵۸ھ میں ممدوح نے (۶) اضلاع ممالک محروسہ سرکار عالی کا دورہ فرمایا۔ اور ہر جگہ مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ وہ قرآن پڑھیں اور اسکو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ موصوف نے اپنی اکثر تقاریر میں مسلمانوں کو سمجھایا کہ صرف موجودہ تعلیم پر اکتفا کرنا اور حکومت میں عہدہ حاصل کرنا یا اسی قسم کی ترقی کرنا مسلمانوں کی درحقیقت ترقی نہیں ہے اور نہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہے۔ میرے خیال میں اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا کوئی دشمن ہے تو یہی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ ہے۔ انکے پاس نہ احکام وارکان اسلام اور غریب پابند اسلام مسلمانوں کی کوئی وقعت نہیں اور نہ وہ موجودہ زمانہ میں اسلام تعلیم کو ترقی کے لیے کار آمد سمجھتے ہیں، اور نہ انکو مسلمانوں کی یا اسلام کی تحقیق کرکے کوئی ضرورت۔ اس میں شک نہیں کہ گزشتہ ۵۰ سال میں مسلمانوں نے تعلیم میں ترقی کی اور انھوں نے دنیوی امور میں اپنے اپنے رہنے سہنے اور اخلاق تک کیا فیشن کے چند سلیقے قائم کر لیے اور اب وہ اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن یہ راہ انکو منزل مقصود کو نہیں پہونچا سکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اور ہماری مائیں اور بہنیں آپ اپنے گھروں میں اپنے بچوں اور بچیوں کو اسلام کی تعلیم انکی کم عمری میں دیں اور انکو اپنے عمل سے حقیقی اسلام کا سبق دیں۔ جب وہ بڑے ہو جائیں اور ماں باپ کے حقوق اور خدا ورسول کے حقیقی معنی میں ایمان لائیں اور اپنے عقیدہ میں پختہ ہوں تو پھر انکو ... میں بھیجنا چاہیے۔ ایک دفعہ مولوی صاحب ... [illegible]

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(۳)

(از مولوی حکیم محمد اسحٰق سندیلوی اُستاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

بعض اسلامی احکام کہ جو زمانۂ جاہلیت کے بعض مراسم کے ساتھ ظاہری مشابہت رکھتے ہیں اُنکے راز پر غور کرنے سے مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس راز کو سمجھنے کے لیے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ انبیاء کی تعلیمات کس طرح مسخ ہوتی ہیں اور حق کس طرح باطل سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء و مرسلین جب اپنے لائے ہوئے دین کو اپنے متبعین کے ہاتھوں میں چھوڑ کر چلے گئے تو ایک عرصہ تک وہ لوگ اس دین پر صحیح سمجھ کر عمل کرتے رہے۔ مگر رفتہ رفتہ غور و فکر کا عنصر تبدیل ہوتا چلا گیا اور اسکی جگہ عادت و رسم نے حاصل کرلی، اور دین کی روح رسم کے جامد جسم میں رہ کر فنا ہوگئی۔ تاریکی کمی اور جذبات کی قوت و شدت نے "بدعات" کی بنیاد ڈالی اور رفتہ رفتہ اُنھوں نے دین کے سرچشموں کو محرف کرکے اصل دین و بدعات کو اسقدر مخلوط کردیا کہ دونوں کو جدا جدا کرکے دین حقیقی کی روح کا پتہ لگانے کا کام نئے انبیاء و مرسلین کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ اس کلیہ سے اسلام مستثنیٰ ہے، اس لیے کہ اگرچہ اسکے متبعین نے بھی بدعات کی ایجاد میں کچھ کمی نہیں دکھائی اور دین کو رسم کی حیثیت دینے میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کو قیامت تک باقی رکھنا منظور ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ہے، اس لیے دین کے سرچشمے یعنی قرآن مجید اور سیرت نبوی آج تک محفوظ ہیں۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ہر بدعت کے علی الرغم ہر زمانہ میں ایک جماعت ایسے مسلمان اہل علم کی موجود رہی ہے جنھوں نے دین کی حقیقی روح کو سمجھا اور دین پر محض رسماً نہیں بلکہ غور و فکر کے ساتھ عمل کیا۔

سطور بالا پڑھنے کے بعد زیر بحث مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں ذریت مستقیمہ یعنی اولاد ابراہیم علیہ السلام موجود تھی جنکے پاس بعض ابراہیمی تعلیمات تھیں لیکن یہ جواہر آبدار بدعات کے خاکستر میں دفن اور دین کی روح سے محروم تھے۔ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے حقیقی سرچشمہ یعنی وحی الٰہی سے اُس روح اور روشنی کو حاصل کرکے دین کو بدعات سے الگ کردیا۔ بلکہ اس لا دینی کو دین سے بدل کر ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔

یہی وہ نقطہ ہے جو نہ سمجھنے کے باعث دوسرے انبیاء و مرسلین نے بھی

کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی کیا تھا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات موسوی تعلیمات کے مخالف ہیں؟ کیا دونوں نے توحید کی تعلیم نہیں دی۔ کیا ڈاکٹر صاحب اس چیز کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات یہودیت سے اخذ کی ہیں؟

مسئلہ زیر بحث میں ڈاکٹر صاحب نے غلط بیانی سے بھی کام لیا ہے۔ یعنی بعض چیزوں میں اسلام و جاہلیت میں مخالفت و اتفاق و تصادم ظاہر کیا ہے مثلاً کنپٹی کے گرد کے بال منڈوا کر بقیہ سر کے بال کتروا دینا شریعت نے اسکی کہیں اجازت نہیں دی ہے۔ بعض مسلمانوں کے طرز عمل سے استدلال نظر بالا سے غلطی ہے اس لیے کہ اسلام اصول کا نام ہے نہ کہ اشخاص کا۔ علاوہ بریں ڈاکٹر صاحب نے جس اصول کو اختیار کیا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہیں گے جو قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو۔ یہ اعتراض اس اصول کے بھی خلاف ہے۔

قصۂ عاد و ثمود کے متعلق کندی کی رائے بالکل بے محل نقل کرکے ڈاکٹر صاحب نے ایک عجیب فریب دینے کی کوشش کی ہے۔ عاد و ثمود اور دوسری متقدم اقوام کے متعلق عوام عرب میں بہت سے عجیب و غریب قصے مشہور تھے جو بالکل خلاف عقل و نقل تھے۔ انکے متعلق کندی کہتا ہے کہ وہ خرافات مجازی ہیں نہ کہ اُن عاد و ثمود کے واقعات کے متعلق جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ جناب والا! قرآن مجید کا تو اک اک شوشہ قطعی اور یقینی ہے۔ اگر کندی کو آپ مسلمان سمجھتے تو آپکو یہ بھی سمجھنا تھا کہ کوئی مسلمان قرآن مجید کی تکذیب کس طرح کرسکتا ہے؟ اور اگر مسلمان نہیں سمجھتے تو اسکا نقل کرنا ہی طول فضول ہے۔ کندی کی اصل تحریر دیکھکر ہر شخص ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش کی داد دے سکتا ہے۔

تیسرا باب

تیسرے باب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کا ایک حصہ صابیوں اور یہودیوں سے لیا تھا۔ صابیوں کے متعلق موصوف نے اپنے دعوے کی دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ پہلی دلیل تو وہی فرسودہ شے یعنی جزوی مشابہت کا استدلال ہے جو آپ کے کل اعتراضات و دلائل کا محور ہے اور جسکی غلطی اظہر من الشمس ہو چکی ہے۔ صابیت اور اسلام میں اگر اوقات صوم و صلوٰۃ اور اسی قسم کے بعض دوسرے امور میں مشابہت تسلیم بھی کرلی جائے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اسلام نے ان چیزوں کو "صابیوں" سے اخذ کیا ہے؟ اسی استدلال کی بنا پر کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دین کے بہت سے عقائد و اعمال یہودیوں سے حاصل کیے تھے جو اسلیے کہ اس قسم کی بہت سی مشابہتیں مسیحیت و یہودیت میں بھی موجود ہیں۔

صابیوں کے متعلق اہل تحقیق ... اور مغربی محققین میں

لوگ ستارہ پرست تھے اس لیے انکی سات نمازیں بجائے یادہ تر مناسبت سے ہوتی تھیں۔ نظریہ اور مقصود کے اس اختلاف کے باوجود کہ اسلامی نماز صابیوں کی نماز سے ماخوذ ہے سراسر بے بنیاد بات ہے۔ اس اختلاف کو ڈاکٹر صاحب نے خود بھی بیان کیا ہے۔ میرا مقصود اس عبارت سے ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے صابیوں کے اوقات نماز بیان کرتے ہوئے طلوعِ آفتاب کے وقت کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ناجائز ہے نہیں البتہ صابی دوپہر کو عین زوال کے وقت اور شام کو آفتاب کے غروب ہونے تک نماز میں مصروف رہتے تھے۔ جس سے مقصود کواکب پرستی تھی۔ اور ان دونوں اوقات میں بھی شریعت اسلامیہ میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ صابیوں اور مسلمانوں کے اوقات نماز کے اختلاف کے علاوہ نماز کے طریقے میں بھی اختلاف ہے۔ مثلاً وہ قطب شمالی کی جانب رخ کرکے نماز پڑھتے تھے اور مسلمان بیت اللہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر رکعت میں تین سجدے کرتے ہیں اور مسلمان دو۔ ڈاکٹر صاحب نے انکے متعلق بہت غلط بیانی سے کام لیا ہے انکے یہاں سات وقت کی نماز نہیں ہے بلکہ صرف تین وقت کی۔ روزہ کے معنی انکے یہاں محض رحمت کے ہیں۔ اس لیے کہ فاقہ کرنا انکے یہاں سخت ممنوع ہے۔[1]

"صابی" کا لفظ اہل عرب میں مرتد اور بے دین کے معنی میں مستعمل ہے ابتداءِ اسلام میں دشمنان اسلام نے مسلمانوں کو اسی نام سے پکارنا شروع کیا تھا اور اسکو شہرت دیدی تھی۔ اسی وجہ سے بنو جذیمہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان "صبأنا" (ہم صابی ہوگئے) کے لفظ سے کیا تھا نہ کہ صابیت اور اسلام کی مشابہت کی وجہ سے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو اس معمولی اور مشہور بات کی بھی خبر نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اور لٹریری ہسٹری آف پرشیا کا مطالعہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ انکے اس فرسودہ اعتراض کو اب انکے اہل مشرب بھی غلط سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا اعتراف کرتے ہیں۔ صابی توحید کے معترف نہیں تھے بلکہ کواکب کو مظاہر الٰہی سمجھ کر انکی پرستش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ستاروں وغیرہ مظاہر فطرت کی قسم کی تنقید کرکے دوسرے عنوانات انتیار فرماکر انکے ان عقائد کی غلطی کو واضح کیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو یہی تردید صابیت سے اخذ و استنباط کی دلیل نظر آتی ہے۔

اس باب میں ڈاکٹر صاحب کے دعوے کا دوسرا جزو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ یہودیوں سے اخذ کیا ہے۔ اپنے اس دعوے میں ڈاکٹر صاحب نے اس حد تک مبالغہ سے کام لیا ہے اور فرماتے ہیں "اب ہم یہودیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مذہب میں اتنا کچھ مستعار لیا ہے کہ اگر ہم اسلام کو یہودیت ہی کی بگڑی ہوئی صورت کہیں تو غالباً غلط نہ ہوگا"۔

اس مبالغہ آمیز دعوے کے ثبوت کے لیے ڈاکٹر صاحب کو چاہیے تھا کہ اسلامی اصول و فروع کے اکثر حصہ کو ذکر کرکے انکے یہودی مآخذ کو واضح کرتے۔ لیکن اسکے بجائے ڈاکٹر صاحب نے صرف چند قصص و حکایات پیش کرکے ان میں اسلام اور یہودیت میں مشابہت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اول تو مشابہت اخذ و استنباط کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ ہم ابتدا ہی میں ثابت کرچکے ہیں اور اگر بالفرض ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ قصص میں اس غلط بات کو تسلیم بھی کرلیں کہ اسلام نے یہ قصص یہود سے اخذ کیے ہیں، تو کیا اس سے انکا دعویٰ ثابت ہو جائیگا؟ کیا دین اسلام صرف ان چند قصص ہی کا نام ہے؟ ڈاکٹر صاحب! دین اسلام پوری زندگی کے نظام کا نام ہے۔ جو مثالیں آپ نے پیش کی ہیں وہ تو کل اسلام کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہیں۔ پھر یہ کہاں کا انصاف اور کونسی منطق ہے کہ چند چیزوں میں مشابہت دکھا کر آپ اسقدر مبالغہ آمیز دعویٰ فرماتے ہیں کہ "اسلام یہودیت کی بگڑی ہوئی صورت ہے"۔

(باقی آئندہ)

شیعہ سنی اتحاد، دفاعِ ملت کے لیے جائز ہے

(مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہ کے ایک تازہ فتوی کا اقتباس بحوالہ شرح السیر الکبیر از امام سرخسیؒ۔ جلد ۳ ص۲۴۱)

اور مسلم لیگ پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں شیعہ وغیرہ شامل ہیں اسکا جواب بھی شرح السیر کے اس قول میں موجود ہے جو اسکے بعد ہی مذکور ہے

وقال لا باس بان یقاتل المسلمون من اہل العدل مع الخوارج المشرکین من اہل الحرب لانہم یقاتلون الآن لرفع فتنۃ الکفر واظہار الاسلام فہذا القتال علی الوجہ المامور بہ وہو اعلاء کلمۃ اللہ تعالی بخلاف ما سبق فالقتال ہناک لاظہار ما ہو باطل من طریق الحق وہہنا لاثبات اصل الطریق اھ۔ ص۲۴۲ ج۳	اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اہل سنت مسلمان غیر سنی خوارج مسلمانوں کے ساتھ ہوکر حربی مشرکین کے ساتھ لڑیں۔ کیونکہ وہ خارجی مسلمان پھر بھی فتنہ کفر کے دفع کرنے اور اظہار اسلام کے لیے لڑتے ہیں۔ تو یہ جنگ حکم الٰہی کے مطابق ہے اور وہ اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے بخلاف سابق لڑائی کے (یعنی مشرکین کے لیے) کیونکہ وہاں کی لڑائی اصل طریق حق کے اثبات کے لیے ہے۔ (منشور)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔

غیر مناسب، غیر روادارانہ

انتہا پسندی کے زمانہ میں اعتدال پسندی اسقدر عنقا ہوگئی ہے کہ سنجیدہ دماغ بھی کچھ ایسے اُلجھ گئے ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں پر خود فروشی اور خود فراموشی کا شبہ ہونے لگا ہے۔ یعنی یہ پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ ہم مسلم لیگ کو کچل کر رکھ دینگے [illegible] کا کچھ اچھا مظاہرہ نہیں کیا اور یہ اندازہ [illegible] کانگریس کے لیڈر کی [illegible] لگایا جائیگا [illegible] ان کے شایان شان کس طرح ہو سکتا ہے [illegible] تلخ تجربات کے بعد بھی انگریز کو شہ لگانے میں تامل نہیں کرتے [illegible] سے ہزار اختلاف سہی پھر بھی وہ ایک جماعت ہے جسے ایک طبقہ کی حمایت حاصل ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ چالیس کروڑ کی آبادی میں کسی بڑی جماعت کو مخالفین اور منافقین سے پالا نہ پڑے اور کسی ایک ہی جماعت کو نیابت اور نمائندگی کا دعویٰ حاصل ہو جائے۔ اگر کانگریس بڑی جماعت ہے تو اسکا حوصلہ بھی بڑا ہونا چاہیے اور اسکی نمائندگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مخالف طاقتوں کو برداشت کرکے اپنی حوصلہ مندی کا ثبوت دے۔

ہمیں مسلم لیگ کے اصول اور طریق کار سے جائز اختلاف ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اختلاف کو اپنے حدود سے متجاوز نہ ہونا چاہیے۔ اگر ایک جماعت دوسری جماعت کو نظر انداز کرنے کی راہیں نکالتی یا سخت اور شدید حملوں سے اسکا مقابلہ کرتی ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اسکے اندر کوئی بنیادی کمزوری ہے اور اُسے خود اپنی کمزوری کا احساس ہے۔

کوئی جماعت کسی کے کچلنے سے کچلی نہیں جا سکتی، البتہ اس میں ضد پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر پنڈت نہرو کے بیان سے لیگ کے حلقوں میں بد مزگی پیدا ہوئی تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہیے (زمزم)

زوال فرانس

[illegible] جنگ کے اخلاقی نتائج کے سلسلہ میں ہندوستان ٹائمز کے نامہ نگار کا چشم دید بیان شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ غیر شعوری طور پر اپنی ذلت و کمتری کا احساس ایک بیماری ہے جو سیکڑوں اخلاقی بیماریوں کو جنم دیتی ہے اور [illegible] کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرانس کو دیکھو جنگ سے پہلے عالم [illegible]

[illegible] کے لیے شعور اور خودداری کے لیے ضرب المثل تھا۔ مگر جب اس نے شکست [illegible] اور جرمنی کی بیماری کے بعد اسیر انگریزی شکست کا زنگ چڑھا ہے وہ کہاں سے کہاں پہونچ چکا ہے۔ جنگ سے پہلے اسکے سپاہیوں کے چہروں پر شرم و حیا کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اب جو دیکھا تو پردوں کو بھی بے پردہ پایا۔ برہنگی اور [illegible] بازار [illegible] تماشے دیکھنے [illegible] بھی معیوب ہوتا تھا۔ گویا اس دوسری جنگ نے اخلاق کو تباہ کرنے اور انسان کو [illegible] سکتا ہے [illegible] کام کیلئے [illegible] ان کو مسخر کرنے میں اہم [illegible] کیا تھا۔ کیسا [illegible] کیسی [illegible] کیسی اصلاح عمل کی کوشش۔ پہلے [illegible] تھی۔ اب [illegible] زندگی کا پروگرام ہے! (حق)

البقیہ صفحہ ۵

[illegible] حیدر آباد میں ایک عورتوں کے [illegible] مناسب [illegible] اپنے بچوں [illegible] مسلمان [illegible] دیکھنا چاہتی ہیں اور اس جلسہ میں [illegible] قوم کو بھی [illegible] سب سے بہتر [illegible] اور پابند شریعت کی تعمیر [illegible] مسلمان بچپن ہی [illegible] ایک مذہب [illegible] بچے کی تعلیم کریں جو دینداری استہزا کرتا ہو [illegible] کی استہزا کرے تو اسکا [illegible] ایمان کی اسکی مدافعت پر آمادہ نہ [illegible] اسلامی تعلیم [illegible] طور پر کامیابی ہوتی ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیے اور اسکے بعد دوسری تعلیم کی۔ مسلمانوں کو ہر مقام پر ایسے دارالتعلیم قائم کرنے کی ضرورت ہے، جو [illegible] صحیح طرز پر اسلامی تعلیم و تربیت کا انتظام [illegible] اس [illegible] سید علی [illegible] صاحب اس جلسہ میں آئے اور وہاں لکھنؤ سے مولانا ناظر حسن [illegible] ناظم تعلیمات جامعہ عثمانیہ، مولانا محمد عبدالعزیز خاں صاحب [illegible] مولانا حبیب الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند و دیگر علماء و بزرگان قوم کو دیکھا [illegible] مدرسہ کے طلبہ کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے مدرسہ عربیہ [illegible] انتظامات اور [illegible] کی حالت دیکھی تو بہت اظہار مسرت فرمایا اور بہت پرجوش تقریر فرمائی کہ ایک عرصہ سے قوم کی تعلیم کا جو خواب دیکھ رہا تھا [illegible] اسکی تعبیر مجھ کو اب نظر آئی۔ اسی وقت مسلمانوں کو اس [illegible] سب سے پہلے ضرورت ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ابتدائی [illegible] اور [illegible] امور کی فکر کریں، ہر جگہ اسی قسم کے ادارے [illegible] اور [illegible] مسلمانوں کے قیام کی ضرورت ہے۔"

خاندان نعمانی کے حالات کی تلاش

مولوی قاضی خلیل الرحمٰن صاحب نعمانی [illegible] اشاعت العلوم [illegible] ریاست بھیند (پنجاب) سے لکھتے [illegible] ہیں کہ [illegible] خاندان [illegible] امام نعمان ابو حنیفہ کی اولاد میں [illegible] کا تذکرہ [illegible] خاندان کے بزرگ آپ تھے [illegible] جن حضرات کو اس قسم سے کچھ بھی معلومات ہوں وہ براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔"

بیمہ کی حقیقت

انشورینس کمپنیاں اپنے حصہ داروں کو انکی جمع شدہ رقوم سے زائد جو کچھ دیتی ہیں وہ کہاں سے آجاتا ہے؟ اور اُسے لینا کس بنا پر جائز ہے؟ اگر یہ کسی تجارت کا نتیجہ ہوتا ہے تو کبھی حصہ داروں کو ایک طے شدہ رقم نہیں ملنی چاہیے، بلکہ کمی و بیشی کے ساتھ نفع و نقصان دونوں کا امکان رہنا چاہیے۔ اگر یہ خیرات یا ہبہ ہے تو وہ خیرات دینے والا کون ہے جسکے خزانے ختم نہیں ہو سکتے۔ [illegible] ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ قرض ہے تو قرض دینے والا قرض واپس لیکر منافع لیتا ہے ---

آخر یہ دادو دہش کیسی ہے؟ یقیناً صرف دو ہی صورتیں ذہن میں آسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کمپنیاں روپیہ سود پر بڑھاتی ہوں اور اس میں سے ایک حصہ اپنے پالیسی ہولڈرز میں بانٹ دیتی ہوں یا بطور خود جمع شدہ روپیہ سے بزنس کریں اور اس میں سے ایک طے شدہ حصہ اپنے حصہ داروں کے حسابات میں جمع کرتی رہیں یعنی وہی سود --- کیونکہ طے شدہ منافع کی ادائگی ہی کا نام سود ہے۔

یا پھر دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پہلے کے حصہ داروں کو بعد کے حصہ داروں کا روپیہ دیا جاتا ہو۔ مگر اس "سمجھا بجھتی" کے لیے کیا وجہ جواز ہے؟ یہ قمار کی ایک لطیف شکل ہے جسکے عدم جواز کو محسوس کرنے میں دماغ صرف ہوتا ہے۔ مثلاً یوں سمجھیے کہ کمپنی بارہ سو ادا کرنے والے کو دس سال بعد دو ہزار دیتی ہے۔ اور فرض کیجیے کہ ۱۹۳۰ء میں سے کسی کمپنی کی حصہ داری ۱۰۰ افراد نے قبول کی تھی اور ایک سو سالانہ کے حساب سے ۱۹۳۹ء تک ایک ہزار افراد مزید پالیسی ہولڈرز بنے۔ اس حساب لگانے سے ۳۹ء کے خاتمہ تک دس سال کی مدت میں حصہ داروں کی کل جمع شدہ رقم ۶۶۰۰۰ روپے ہوگی۔ اس میں سے ۱۹۴۰ء میں سو حصہ داروں کو دو لاکھ روپیہ تقسیم ہو جائیگا حالانکہ انکا اصل جمع شدہ روپیہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار ہے۔ یہ اسّی ہزار روپیہ جو ادا ہو رہا ہے یہ "حلوائی کی دوکان نانا جی کی فاتحہ" کے اصول پر دوسروں کے حساب میں ادا ہو رہا ہے۔ [illegible] روپیہ ادھر کر دینے کے اصول کا دار و مدار ہے کمپنی کے کارکن اور ڈائرکٹر سمجھتے ہیں ... سوچیے کہ اگر ۱۹۴۰ء میں تمام حصہ دار ایک وقت اپنی رقوم واپس طلب کریں تو انھیں ملیگا کیا --- یہی ادا کردہ رقوم سے کئی گنا کم۔ کیونکہ ۸۰ ہزار تو گیا ۱۹۴۰ء کے حصہ داروں کی جیب میں اور کمپنی کے عملہ اور [illegible] کے خرچ [illegible] پھر ستم یہ کہ ۶ لاکھ ۶۰ ہزار کی رقم [illegible] دولت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی اور [illegible] کی منافعت یہی ہے کہ دولت کا انتقال بلا کسی جائز ذریعہ کے ادھر سے ادھر ہو جاتا ہے مگر --- دولت میں کوئی اضافہ نہیں ہونے پاتا۔ یہ خیال رہے کہ دوسری صورت محض مفروضہ ہے۔ درحقیقت رائج صرف پہلی شکل ہے [illegible]۔ پھر بیمہ کے جواز کا دارومدار سود کے جواز پر ہوا۔ اور خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا کون مسلمان سود کو جائز مانے گا؟ (کوثر)

پنجاب یونیورسٹی

پنجاب یونیورسٹی کے داخلی حالات کسی واقف کار سے مخفی نہیں ہیں۔ اس کی باگ اصلاً اور عملاً غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکے ایک مہینہ کے حالات آپ کو روزانہ سنائے جائیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ حالت کتنی خراب ہے۔ آج آپ یونیورسٹی کے پروفیسروں، ریڈروں، لکچراروں اور ڈیمنسٹریٹروں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں:-

شعبہ	مسلمان	غیر مسلم
نباتیات (باٹنی)	۱	۱۰
حیوانیات (زوالوجی)	۳	۴
کیمسٹری	۳	۱۲
ٹکنیکل کیمسٹری	۱	۳
اقتصادیات (اکنامکس)	۲	۱۲
ریاضیات	۱	۱۴
تاریخ	۲	۱۳
پولیٹیکل سائنس	۱	۸
طبعیات (فزکس)	۲	۸
میزان	۱۶	۸۴

بعض اساتذہ کے سینے میں مسلمان دس فی صدی سے بھی کم ہیں حالانکہ از روئے آبادی انھیں ۵۷ فی صدی ہونا چاہیے تھا۔ اور اگر حکومت پنجاب کے انتظامی تناسب کو پیش نظر رکھا جائے تو بس حالت میں بھی مسلمان ۵۰ فیصدی ہونے چاہیے تھے [illegible] ملازموں میں سے کم سے کم ۴۹ - لیکن وہ صرف [illegible] اور اگر انکی تنخواہوں کو پیش نظر رکھا جائے تو یقین ہے کہ انکا تناسب اور بھی درد انگیز ہوگا۔ (انقلاب)

تنویر (لکھنؤ)

پوری آب و تاب، دیدہ زیب کتابت، بہترین طباعت، تازہ ترین مضامین بصیرت افروز مقالات افتتاحیہ کے ساتھ مسلمانان ہند کے ممتاز رہنما اور صوبہ یوپی کے مشہور مفکر اور سیاست دان جناب چودھری خلیق الزماں صاحب کی ادارت خصوصی میں وسط اکتوبر سے شائع ہوگا۔ [illegible] روزانہ خصوصیات کا حامل ہوا کریگا۔ خریداران مشتہرین اور ایجنٹوں کو جلد توجہ کرنا چاہیے قیمت فی پرچہ [illegible] سالانہ ۳ روزانہ حجم ۲ صفحے سنڈے ایڈیشن ۸ صفحے - المشتہر محمد الیاس منیجر تنویر لکھنؤ

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۵
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲

صدق

نمبر ۴۴ | یوم سہ شنبہ - ۹ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

مسیحیوں کی تعداد آج اکیلے شہر کلکتہ میں ہزاروں کی ہے' اور سارے ہندوستان میں تو انکی آبادی کا ذکر ہی نہیں - ڈیڑھ سو سال قبل تو سرزمین کلکتہ پر شاید چند عیسائی بھی نہ تھے - پھر آخر اتنی مدت میں اتنے ایک کہاں سے نکل پڑے' یا برس پڑے؟ —— نہ آسمان سے برسے ہیں' نہ کسی غار سے اُبل پڑے ہیں' نہ زمین کے نیچے سے اُگے ہیں - بنا لئے سے بنے ہیں - انسانی کوشش اور تدبیر، مشنریوں کی سعی وتبلیغ کے کامیاب عملی نمونے اور نتیجے ہیں۔ ——

آج تک یں انکے سدہا گرجے ہیں' سیکڑوں اسکول اور کالج ہیں' شفاخانے ہیں' محتاج خانے ہیں' کئی کئی اخبار اور رسالے ہیں - ۱۷۹۹ میں انھیں کوئی جانتا بھی نہ تھا - لندن مشنری سوسائٹی کے نام سے ایک مسیحی انجمن اسی سال کے ستمبر میں قائم ہوئی - بعد کو اور جتنے مشن ہندوستان میں قائم ہوئے' تقریباً سب کی نقش اول یہی انجمن ہے - ہر پچاس سال کے بعد اپنی جوبلی مناتی رہتی ہے - ابھی ستمبر میں اپنی تیسری جوبلی کلکتہ میں دھوم دھام سے منائی، کلکتہ ہی اسکا اصلی مرکز ومستقر رہا ہے۔

"اُس جزیرہ میں تو بس اژدہے' سانپ اور کنکھجورے ہیں" یہ ایک سیاح نے آکر ایک مسیحی مشنری کو آگہی پر رپورٹ دی۔
"خیر انھیں ہونے دو - یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ انسان بھی ہیں؟"
"ہاں ہیں کیوں نہیں، لیکن سب کے سب نام وحشی، خونخوار ہیں کہ چلئے درمیان قدم رکھنے کا تو خیال بھی نہ کیجیے"
"بس معلوم ہو گیا' اتنی اطلاع کافی ہے - انسان جہاں کہیں بھی آباد ہیں مشنری کا وہاں پہونچنا ضروری ہے"۔

یہ خلاصہ ہے اُس گفتگو کا جو ایک سیاح اور لندن مشنری سوسائٹی کے درمیان ۱۸۷۱ء میں جزیرہ نیوگنی کے جنوبی ساحل پر ہوئی - سوسائٹی مذکور اسکے ۸۰ سال قبل ہی قائم ہو چکی تھی' اور اس نے ابھی اپنی تیسری جوبلی منائی ہے —— مسلمان آج ان روایتوں کو قصہ کہانی کی طرح سُن رہے ہیں - صحابہ کرام کے زمانہ میں اشاعت اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور تیز رفتاری کا راز بجز انکے اس بے پناہ جوش تبلیغ کے اور کیا تھا؟ —— جو چیز خاص الخاص اپنی تھی دیکھتے دیکھتے وہ کیسی پرائی' اور اپنے سے بیگانہ ہو گئی!

بیجا مطالبہ "لکھنؤ سنی الکشن بورڈ نے مولوی حاجی ظفر الملک صاحب کے زیر صدارت جلسہ کرکے فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ مرکزی اور صوبہ وار قانون ساز مجلسوں کے انتخاب میں کسی شیعہ کو نہ جانے دیا جائیگا' بلکہ ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائیگی' اور اسی طرح اُس سنی امیدوار کی بھی' جو مدح صحابہ کے حق کے لیے شیعوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہو" (خبر)

خبر اگر صحیح ہے تو مسرت انگیز نہیں' افسوسناک ہے - مدح صحابہ کا مسئلہ یقیناً ایک اہم مسئلہ ہے' لیکن اسی نوعیت اور درجہ کے اہم مسائل اور بھی بہت سے ہیں - اگر انھیں مسائل کو بیچ پر توحید و رسالت کے کسی دوسرے مسئلہ کو بنائے تفریق بنا لیا گیا' تو ایک بے پناہ اور غیر منقطع سلسلہ اُمت محمدی کے اندر شروع ہو جائیگا

اور یہ خانہ جنگی اس فریق کو بھی ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دیگی ۔

کیا جناب حاجی صاحب اس دن کو دور سمجھ رہے ہیں، جب یہ حربہ خود ان پر اور ان کی پارٹی پر اُلٹ پڑیگا، اور آج جو جذبات "رفض" کے خلاف مشتعل کیے جا رہے ہیں، کل وہی "وہابیت" کے خلاف بھی اسی آسانی کے ساتھ بھڑکا دیئے جا سکینگے، اور "امکان کذب باری" اور "خلق قرآن" اور "رسول کا علم غیب" اور "عرس و زیارت مزارات" اور "قیام میلاد" اور "عدم تقلید" اور خدا معلوم کتنے دبے دبائے فتنے از سر نو کُل پڑینگے؟

—— ظرافت و اعتدال کی رعایت تو تینوں سنت فاروقی ہے، اور موجودہ احوال میں یہ "الکفتنی" نعرہ بلند کرنا تو وہ اہل سنت کے لیے اتم دوستی و ہوا خواہی نہیں، دشمنی اور بدخواہی ہے ۔

تحریک خلافت کے وقت ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں بڑے غور و فکر کے بعد یہ طے ہوا تھا، کہ کفر کے مقابلہ کے وقت لفظ سواد تیں، یعنے اقرار توحید و رسالت کو تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بطور قدر مشترک کے رکھنا چاہیے ۔ اور اس سے زیادہ کسی چیز کا مطالبہ وقت کی فضا میں ہرگز موزوں و مناسب نہیں ۔ یہ فیصلہ جس طرح ۱۹۲۰ء میں صحیح تھا، آج بھی صحیح ہے ۔ اور اسی فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ تحریک خلافت جیسے مخصوص اہل سنت کے مسئلہ میں شیعہ برابر شریک رہے ۔ بہار کے سید خورشید حسنین، پنجاب اور بمبئی کے آغا محمد صفدر اور یوپی کے سید حسین وغیرہ کارکنوں کی صف اول میں تھے ۔

ایک صحیح طرز عمل

لکھنؤ سنی مسلم لیگ کے ایک کارکن لکھتے ہیں :-

" آپ اگرچہ مسلم لیگ کے ممبر نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اسکے ساتھ شامل ہے ۔ اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے، آپ کی ہمدردیاں ہر اسلامی نام کی انجمن و مجلس کے ساتھ رہتی ہیں ۔ آپ کی اطلاع کے لیے لکھتا ہوں کہ ۸ ر اکتوبر کی شام کو لکھنؤ میں ہمارے مخالف کیمپ والوں نے اپنا ایک جلسہ امین الدولہ پارک میں کیا ۔ بڑے بڑے مولوی صاحبان رونق بزم تھے ۔ اور اُنکے ہاں کے دوسرے لیڈر اور وہ کل لوگ جو کسی وجہ سے بھی مسلم لیگ سے خفا ہیں ۔ مجمع میں اکثریت ہماری ہی تھی ۔ لیکن ہم نے اس فریق کو پوری طرح بولنے اور تقریریں کرنے کا موقع دیا ۔ کہیں اُنکی تقریروں کے درمیان مزاحم نہیں ہوے ۔ لیکن ادھر اُنکی تقریروں کا ختم ہونا تھا، اُدھر ہم لوگوں نے "مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیے، مجمع چونکہ زیادہ تر ہمارا ہی تھا، ہماری آواز غالب رہی، اور مخالفین کو پورا اندازہ ہوگیا کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کس کے ساتھ ہے "

یہ اطلاع واقعی بہت غنیمت ہے ۔ اگر ہر فریق اپنے جذبات پر قابو رکھکر، سنجیدگی کے ساتھ، پُر امن طریقہ پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا کرے تو آئے دن مزید تفریق، تلخی و بدمزگی کی نوبت ہی کیوں آئے ۔ اور

تہمتوں، دسو اُگیوں، فوجداریوں اور مقدموں کا موقع ہی کیوں آنے لگے ۔ ۔ ۔ جذبات کیسے ہی شدید ہوں، بہرحال انھیں عقل و ہوش و عاقبت اندیشی کے ماتحت رکھ کر، نظم و امن کے ساتھ بھی کام کیا جا سکتا ہے ۔

ایک غلط اقدام

" میں نے بڑی تشویش کے ساتھ اس خبر کو پڑھا کہ سُنی بورڈ نے اپنے ہاں یہ تجویز پاس کی ہے کہ مرکزی اور صوبہ وار قانون ساز مجلسوں میں ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائے خواہ اسکا کسی پارٹی سے بھی تعلق ہو ۔ اس تحریک کی مذمت جتنے بھی زور دار الفاظ میں کی جائے کم ہے "

تاکہ سنی پبلک کے حق میں ناانصافی نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ سُنی بورڈ اپنا آئین اور اپنے ممبروں کے نام شائع کر دے، اور اُن لوگوں کے بھی نام جنھوں نے ایسی تجویز کو پاس کیا ۔ اس وقت اس سے بڑھکر نقصان رساں کارروائی مسلم مفاد کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ لکھنؤ میں شیعوں اور سُنیوں کے درمیان چند شعائر کے بارے میں جو اختلافات تھے، اُن سے یہ سیاسی فائدہ اُٹھایا جائے ۔

مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی صحیح الخیال شخص ایسے شرارت انگیز قسم کی انتخابی مہم کی ہرگز تائید نہ کریگا " (پانیر ۱۱ - اکتوبر ۴۵ء)

یہ سب کسی غیر ذمہ دار قسم کے "نیم رافضی" سُنی نے نہیں، بلکہ ایک پُر جوش مخلص سُنی، **اینٹی تبرا لیگ کے صدر** الٰہ آباد کے نامور ایڈوکیٹ چودھری نعمت اللہ صاحب (سابق جج الٰہ آباد ہائیکورٹ) نے اپنے تازہ بیان میں فرمایا ۔ اور بالکل صحیح فرمایا ۔ امید ہے کہ اس کی تائید وہ تمام اہل سنت کرینگے جو ہوش کو جوش پر اور آجل کو عاجل پر مقدم رکھتے ہیں ۔

ایک معاصر کی "سلور جوبلی"

روزنامہ رہبر دکن میں یہ پڑھکر بڑی مسرت ہوئی کہ معاصر موصوف اسی سال اپنی ۲۵ سالہ جوبلی منانے والا ہے ۔

" قارئین رہبر کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ کام میں زیادہ باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اب لندن کے مرکز صحافت، فلیٹ اسٹریٹ میں رہبر کا ایک مستقل دفتر قائم کر دیا گیا ہے ۔ اسکے علاوہ دنیا کے ۱۵ شہروں میں جن میں تمام براعظموں کے بڑے بڑے مقامات شامل ہیں، رہبر کی نمائندگی کے ابتدائی انتظامات طے پا گئے ہیں ۔ گذشتہ سال رہبر نے ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں بھی اپنا خصوصی نامہ نگار مقرر کیا ۔ خبروں کی فراہمی کے اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی تجاویز پیش نظر ہیں "

یہ اطلاع جتنی مسرت انگیز ناظرین رہبر کے لیے ہوگی اس سے زیادہ اسی قدر خوش آیند عامۂ صحافت میں بھی ثابت ہوگی ۔ کمتر لوگوں کو شاید اسکا علم ہو، کہ تمام اردو روزناموں میں، رہبر ہی ایسا ہے جو بلاناغہ

سورۃ البقرہ رکوع ۲۴

(بہ سلسلۂ صفحہ گزشتہ)

۱۹۴۔ واقتلوہم حیث ثقفتموہم واخرجوہم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل ولا تقتلوہم عند المسجد الحرام حتی یقٰتلوکم فیہ

اور انھیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا ہے تم انھیں نکال دو۔ فتنہ تو قتل سے (بھی) سخت تر ہے، اور ان سے مسجد حرام کے قریب قتال نہ کرو، جب تک وہ (خود) تم سے قتال نہ کریں۔

فان قٰتلوکم فاقتلوہم کذٰلک جزآء الکٰفرین

ہاں اگر وہ (خود) تم سے قتال کریں تو (تم بھی) انھیں قتل کرو۔ یہی سزا ہے کافروں کی۔

۱۹۵۔ فان انتہوا فان اللہ غفور رحیم

پھر اگر وہ باز آجائیں تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔

---

۶۸۹ واقتلوہم میں ہُم کی ضمیر انھیں لوگوں کی طرف ہے جو مسلمانوں سے لڑنے نکلے ہیں۔

والضمیر عائد الی الذین امر بقتالہم فی الآیۃ الاولی (کبیر)

حیث ثقفتموہم یعنی ان مقابلہ کرنے والوں کو جہاں کہیں بھی پاؤ اور جب کبھی ان پر غلبہ حاصل کر پاؤ، قتل کر دو۔ علم المقاتلہ من اہل مکۃ فامرہ تعالٰی بقتلہم حیث کانوا فی الحل او الحرم وفی الشہر الحرام (کبیر) ای حیث وجدتموہم من حل او حرم (ابو سعود)

واقتلوا کے صیغۂ جمع سے فقہاء حنفیہ نے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے کہ قتال و جہاد فریضۂ انفرادی نہیں ہے، امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود وجوب بطور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بطور اقتضاء النص کے، کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔

من حیث اخرجوکم۔ یعنی سرزمین مکہ سے۔

من حیث کے معنی "جہاں سے" کے علاوہ "جس طرح" کے بھی ہیں۔

واقتلوہم واخرجوہم مراد یہ ہے کہ سرزمین مکہ سے انھیں چاہے مار ڈالو چاہے نکال دو۔ جو بھی تمھیں اپنی قدرت و مصلحت کے مطابق نظر آئے۔

والمراد افعلوا کل ما تیسر لکم من ہذین الامرین فی حق المشرکین (روح)

۶۹۰ (اپنی مضرتوں اور مفسدوں کے لحاظ سے)۔

مفسر تھانوی نے خوب لکھا ہے کہ مشرکوں کی شرارت جسے یہاں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے زری تو اصل جڑ تھی اخراج، قتل وغیرہ سب کی، مزاجیں تو محض ذرہ پر ہوتی ہیں۔ الفتنۃ فتنہ سے مراد شرک یا اس کی ترغیب تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔

الفتنۃ الشرک باللہ وعبادۃ الاوثان (ابن عباس) الفتنۃ ام الکفار علی الکفر وعلی تخویف المومنین (کبیر) وروی عن جماعۃ من السلف ان المراد بالفتنۃ ہہنا الکفر وقیل انہم کانوا یفتنون المومنین بالتعذیب ویکرہونہم علی الکفر (جصاص)

کفر و ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خون غدر و بد امنی ہی کی طرف لے جاتا ہے۔

انما سمی الکفر بالفتنۃ لانہ فساد فی الارض یودی الی الظلم والہرج فیہ الفتنۃ (کبیر)

اشد من القتل۔ یعنی حرم میں قتل۔ ظلم سے بھی شناعت میں کہیں بڑھا ہوا، اور یہ اس مرکز توحید، ایمان میں شرک، اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا ہے۔ اشد من القتل فی الحرم (ابن عباس) ای شرکہم باللہ اعظم من القتل الذی تحل لہم منکم (مدارک) یعنی ان یارتدوا المسلمون ایکم بعید کم من المسجد الحرام اشد من قتلکم ایاہم فی الحرم (کشاف) یعنی کفرہم وتعذیبہم المؤمنین فی البلد الحرام فی الشہر الحرام اشد واعظم ماثما من القتل فی الشہر الحرام (معالم) دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کفار کی پیسلسل و غیر منقطع تعدیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں، اور بعض قدیم اکابر کی نظر بھی اسی پہلو کی طرف گئی ہے۔

ای المحنۃ التی یفتتن بہا الانسان کالاخراج من الوطن اصعب من القتل لدوام تعبہا وبقاء تألم النفس بہا (بیضاوی) ای المحنۃ والبلاء الذی ینزل بالانسان یتعذب بہ اشد علیہا من القتل (کشاف) الاخراج من الوطن لما فیہ من مفارقۃ المالوفات والاحباب وتنغیص العیش دائما (بحر)

ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ یہاں فتنہ سے مراد وہی عذاب آخروی ہے جو انھیں کفر کی سزا میں ملیگا۔ گویا ارشاد یہ ہے کہ وہ دائمی عذاب دنیا کی سزائے قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور عذاب پر اس معنی میں فتنہ کا اطلاق جائز ہے۔

المراد من الفتنۃ العذاب الدائم الذی یلزمہم بسبب کفرہم (کبیر) واطلاق اسم الفتنۃ علی العذاب جائز وذلک من باب اطلاق اسم السبب علی المسبب (کبیر) والکفر باللہ یقتضی العذاب دائما والقتل لیس کذلک (بحر)

۶۹۱ (کہ یہاں قتال کی ابتدا بلا وجہ اور بلا ضرورت کر دینے سے حدود حرم کی ہتک لازم آتی ہے)۔

عند المسجد الحرام۔ یعنی حرم شریف یا مسجد کعبہ کے نواح میں۔ کئی میل کا پورا علاقہ جو اصطلاح میں حرم کہلاتا ہے۔ اور اسکے احترام کے خاص آداب و قواعد ہیں۔

عندنا المسجد الحرام یقع علی الحرم کلہ (مدارک)

نزول آیت کے وقت مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان عارضی صلح کا معاہدہ تھا۔ یہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ علاوہ اس معاہدہ کے، مسلمانوں کے لیے یہ دوسرا مانع احترام حدود حرم کا بھی تو ہے۔

بعض تابعین اور فقہاء حنفیہ نے آیت سے یہ مستقل حکم نکالا ہے کہ مسجد حرام میں قتل، قتال نا جائز ہے، تاوقتیکہ وہ جواب مدافعت میں نہ ہو۔

قال مجاہد لا یجوز قتال احد فی المسجد الحرام الا بعد ان یقاتل وہو قال طاؤس وہو الذی یقتضیہ نص الایۃ (قرطبی) والیہ ذہب ابو حنیفۃ و اصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدہما انہ محکم قال مجاہد وابو حنیفۃ (ابن العربی)

۳۹۱ حفاظت خود (معتبر یہی حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردیگی۔

کذلک یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں: وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔

جزاء الکافرین یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔

کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام میں جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدہ میں ابتداء ناجائز ہے البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔" (تھانوی)

۳۹۲ (محض جنگ سے نہیں جسے انہیں نے شروع کیا تھا، بلکہ کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے)

اے عن الکفر والشرک وتابوا (ابن عباس) اے فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) عن قتالکم وکفرہم باللہ (ابن جریر) عن الشرک والقتال (مدارک) یعنی انتہوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاہد وغیرہ او عنہ وعن القتال (روح)

فان انتہوا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔

صرف تعقب نیت سے مراد ہے، جنگ شروع کرلینے کے بعد۔

جن مفسرین معاصرین نے انتہوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے، انھوں نے سخت غلطی کی ہے

۳۹۳ (اس لیے انکی توبہ قبول کرلی جائیگی، انھیں دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جائیگا، اور انکے اسلام کو لاحاصل اور بے قدر نہیں سمجھا جائیگا)

آیت کے اس جزو نے ان انتہوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفات مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہو سکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔

جو کفر سے تائب ہوگیا اسکے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آیندہ بھی اسکے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے قل للذین کفروا ان ینتہوا یغفرلہم ما قد سلف۔

غفور لمن تاب ورحیم لمن مات علی التوبۃ (ابن عباس) فان اللہ یغفرلہم جمیع ما تقدم ویرحم کلا منہم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) ولذلک علق علیہ الغفران والرحمۃ وہما لا یکونان مع الکفر (بحر)

فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو قتل عمد تو کفر سے خفیف تر ہے، اس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔

وفیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم اثما من القتل وقد اخبر تعالی انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ہذا یدل علی ان قاتل العمد لہ توبۃ اذ کان الکفر اعظم ماثما من القتل وقد اخبر اللہ انہ یقبل التوبۃ منہ ویغفرلہ (جصاص)

سنی الکشن بورڈ

لکھنؤ کے بعض سنی لیڈروں کے اس اقدام کو تمام دنیا تعجب کے ساتھ دیکھیگی کہ انھوں نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب میں مدح صحابہ کی بنیاد پر مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اور نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد ہم اس معقولیت کے قائل نہیں ہو سکتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات موجود ہیں۔ بعض شیعہ تبرے کو اپنا جزو ایمان خیال کرتے ہیں اور بعض سنی مدح صحابہ کے بغیر تکمیل ایمان کے قائل نہیں۔ لیکن یہ چیزیں ترقی پسند، سمجھدار اور مصالحت پسند شیعوں اور سنیوں کے لیے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں صرف ایک انتہا پسند اور متعصب طبقہ انکا قائل ہے۔ ایسی حالت میں مدح صحابہ یا تبرہ کی بنیاد پر اگر الکشن لڑنے کی وبا پھیل گئی تو پھر مدح صحابہ اور تبرہ کے علاوہ قیام میلاد، رفع یدین، آمین بالجہر، یا غوث اعظم مدد، مسجد و قبور کی بنیاد پر الکشن لڑنے جانے کو کون روک سکیگا۔ کیا موجودہ دنیا میں اس قسم کے جھگڑے کھڑے کرنا خود کو دنیا کی نظروں سے گرانے اور اپنی بدترین فرقہ پرستی کا تماشہ دکھانے کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ....

اگرچہ شیعوں اور سنیوں میں اختلافات ہیں، لیکن اسکے باوجود ہندوؤں کی ہوس اقتدار اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بننے میں دونوں برابر ہیں۔ ہندو صرف مسلمان کو جانتا ہے اور اسکو اکیلے اثر انگیزیت بنا دینا چاہتا ہے، وہ شیعہ سنی کے فرق کو نہیں دیکھتا۔ اگر دیکھتا بھی ہے تو اسی نقطۂ نظر سے کہ مسلمانوں کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام نکال لے۔ ایسی حالت میں شیعوں اور سنیوں کا فرض ہے کہ وہ برادران وطن کے مقابلہ میں اپنے قومی مفاد کے تحفظ کے لیے متحدہ محاذ پیش کریں۔ اور یہ محاذ صرف مسلم لیگ کی صورت میں قائم ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محاذ موجود ہے۔ شیعہ سنی، مسلمانوں کے عام مفاد کے لیے شانہ بشانہ چل رہے ہیں اور لڑ رہے ہیں۔ بہت اچھا ہے کہ انکا افتراق پسند طبقہ بھی قوم اور ملت کے مفاد کی خاطر اور اپنی عزت و عظمت کے تحفظ و بقا کے لیے مسلم لیگ میں آجائے۔ ہم صرف ان سے درخواست اور التجا اور خدا سے دعا کر سکتے ہیں کہ وہ مقلب القلوب انکے دلوں کو بدل دیگا، اور خدا اور رسول سے انکی رہنمائی ہو کر انکو وہیں لے آئیگی جہاں

اسلام اور سود

مصنفہ ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے پی ایچ ڈی کا مقدمہ

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

نمبر (۲)

غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اسلامی قانون کے شارحین یعنی فقہاء نے بھی فقہ کے معاشی ابواب کے ذیل میں "حرمت سود" پر عقلی بحث و تنقید کو ضروری خیال نہ کیا ہے۔ یہی ہی دنیا جس چیز کو مانے ہوئی تھی اس سے ناواقف نہ تھی کہ اسلام اسکو وہی منوانا چاہتا ہے تاکہ اس پر کہ خواہ مخواہ اسکے لیے استدلال و بحث کی الجھنوں میں لوگ پڑیں، اسے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ مابعد جو تو یہ ہے کہ قسط کی راہ میں جو ربوا کی عام مروج صورت کا تذکرہ صحیح معنوں میں گویا سیاہ کر دیا گیا ہے بلکہ قرآن و حدیث ہی کی تصریحات کو اسکے لیے کافی سمجھا گیا تھا۔ بحث کی بھی ہے تو اپنے دور اور زمانے کے جزئیات کے متعلق کی ہے جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے تھوڑا بہت سود یا ربوا کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور فرمان "دعوا الربوا والریبۃ" (یعنی سود کی جو حقیقی شکل ہے اسکو بھی چھوڑ دو اور ریبہ یعنی جس میں سود ہونے کا کچھ بھی شبہ ہو چاہیے کہ اسے بھی ترک کر دیا جائے) اس فرمان کی تعمیل میں اسلامی فقہاء نے تلاش کر کر کے ربوا کی معمولی معمولی اشتباہی شکلوں کا استنباط کر کے ان پر حرمت اور عدم جواز کا حکم لگایا۔ انتہا یہ ہے کہ ان فقہاء کی یہ ہے کہ بعض فقہی ائمہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ کے نیچے دھوپ سے پناہ لینے تک کو وہ ایک طرح سے فرضی سود کی شکل قرار دیتے تھے۔

لیکن زمانہ بدلا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ نے بتدریج مغلوبیت کا رنگ ہر اس جگہ اختیار کیا جہاں وہ غالب تھے۔ معیار بدل گیا۔ اسلام کی طرف کسی شے کا انتساب بھی اسکی خوبی کی دلیل تھی، یہ بات جاتی رہی۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا، اُدھر یورپ جسے مسلمانوں کی مغلوبیت کے بعد دنیا کا سیاسی اقتدار بخشا گیا تھا وہ کلیسائی آویزشوں کے سلسلہ میں بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ کلیسا کے ساتھ ساتھ قریب قریب اس نے مذہب کے اقتدار کا بھی انکار کر دیا۔ "سود" حالانکہ اس مذہب میں بھی کچھ اچھا فعل نہ تھا جسکا کلیسائی عہد میں یورپ پابند تھا۔ لیکن کلیسا اور مذہب کے اقتدار کے ختم کر دینے کے بعد صرف اس لیے کہ "سود خواری" مذہبی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ فعل ہے، قابل توجہ باقی نہ رہا۔ سوال اٹھایا گیا کہ مذہب سے قطع نظر کر کے خالص عقلی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ "سود" اور "ربوا" کی کیا حیثیت ہے۔ اسی عرصہ میں چونکہ یوں ہی "حکمت عملیہ" کی مشہور پرانی شاخ "تدبیر منزل" کا ایک خاص شعبہ "مال اور دولت" نے یورپ میں "علم معاشیات" کی ایک شکل اختیار کرنی شروع کی۔ "سود" بھی ظاہر ہے کہ اسی علم کا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ عقلی معاشیین نے اس پر بحث شروع کی۔ زیادہ مدت نہیں گزری کہ مباحث اور رد و قدح کا ایک کافی ذخیرہ فن معاشیات کی کتابوں میں جمع ہو گیا۔ اور انتہائی درازی کے بعد "جاہلی" عرب کی اسی مردود دلیل نے جسکا قرآن نے "انما البیع مثل الربوا" کے الفاظ میں ذکر کیا تھا، پھر کروٹ لی۔ اس جاہلی دلیل کو یورپ کے ارباب فکر و نظر نے نئے سرے سے پھر زندہ کیا اور اپنی اپنی نکتوں کو متاثر کر کے "سود خواری" کے کاروبار کو قانونی جواز کی سند عطا کی گئی۔ یورپ نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح حیرت انگیز انقلابی اقدامات کیے "سودی کاروبار" کے قصہ کو بھی نت نئی شکلوں میں منظم کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ اس دور سے پہلے سود خواری کے مواقع انہیں افراد تک محدود تھے جو براہ راست اس کاروبار کو کرتے تھے لیکن "سود خواری" کی جدید مغربی تنظیموں نے ہر اس شخص کے لیے سود خواری کے مواقع فراہم کر دیے جو اپنی آمدنی سے کچھ بھی پس انداز کر سکتا ہو، موقع دیا گیا کہ براہ راست اگر وقت نہیں دے سکتا ہو جب بھی اسکی پس انداز آمدنی کا سود بغیر کسی خرخشہ کے اسکے گھر پہونچا دیا جائیگا، اور اسکے سوا بھی دوسرے طریقوں لین دین کی دوسری راہوں میں بھی "سود" کو کچھ اس طرح جذب اور پیوست کر دیا گیا کہ اس زمانہ میں کسی قسم کا کاروبار کرنا یا مالی ذرائع کی کسی شاخ سے بھی تعلق پیدا کرنا سود لینے یا دینے کے بغیر قریب قریب ناممکن ہو گیا جسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے اور تفصیل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں جو بھی جی رہا ہے اپنی کھلی آنکھوں سے اس قصہ کو دیکھ رہا ہے۔ بعض مذہبی پیشگوئیوں میں اسکا ذکر پہلے بھی کیا گیا تھا کہ ایک وقت دنیا پر ایسا آکر رہیگا۔ بہرحال اسلامی ممالک میں جب مغربی تمدن کا اقتدار سیاسی اقتدار کی راہ سے قائم ہوا تو قدرتاً ان ممالک میں جو مسلمان رہتے ہیں انہوں نے حال کو دیکھ کر جیسا کہ چاہیے تھا سوالات اٹھانے شروع ہوئے خصوصاً ہندوستان اور مصر کہ سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مغربی تمدن کا دباؤ اسلامی ممالک کے سلسلہ میں انہیں دونوں ملکوں پر پڑا۔ ان دونوں اسلامی ملکوں میں مسئلہ ربوا اور سود پر بحثیں شروع ہو گئیں۔ مقالے شائع ہونے لگے، کتابیں لکھی گئیں، فتوے مرتب کیے گئے، اور اسکا سلسلہ اسوقت تک جاری ہے جو مواد اب تک اس سلسلہ میں لکھا جا چکا ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ "حرمت سود" یا "جواز سود" پر اسلامی ممالک میں اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے زیادہ تر کیا بلکہ بالکلیہ یہ سارے مباحث مذہب اور مذہبی روایات کی تنقید و تنقیح سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عقلی اور فنی حیثیت سے تو "حرمت سود" کا مسئلہ قابل بحث باقی نہیں رہا ہے۔ دوسرے

(باقی پر ۹)

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(۵)

(از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

قصص القرآن

(۱) اخبار و قصص میں اختلاف اُس وقت ہوتا ہے جبکہ بیان کرنے والے متعدد ہوں اور اُنکے قوائے علمیہ میں اختلاف ہو یا ذرائع علم مختلف ہوں یا اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے وہ صدق و صداقت کو کام میں نہ لائیں یا اور اسی قسم کے دوسرے اسباب ہوں۔ بلکہ اس قسم کے اسباب کی بنا پر ایک ہی شخص کے مختلف بیانات میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں جو واقعات و قصص مذکور ہیں وہ بعثت محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ سے بہت پہلے کے ہیں اور انکا تذکرہ کتب سابقہ میں بھی موجود ہے، اور چونکہ واقعہ بیان کرنے والے خود حق تعالیٰ جل شانہٗ ہیں اس لیے قرآنی بیان اور کتب سابقہ میں وحدت ہونا لازمی ہے البتہ اجمال و تفصیل اور مواقع و مقاصد ذکر میں اختلاف ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ توراۃ میں ایک واقعہ کے کل جزئیات کا تذکرہ ہو اور قرآن مجید میں اُسکے بہت سے اجزاء کو چھوڑ کر حسب موقع صرف بقدر ضرورت اجزاء کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اس لازمی تفاضل کی بنا پر ایک کو دوسرے سے ماخوذ کہنا ایک لایعنی بات ہے۔

اس قسم کے واقعات ہم تک پہونچنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے یعنی زبانی یا تحریری مشہور روایات۔ چونکہ ان روایتوں کے رواۃ میں مختلف اعتبارات سے اختلاف ہے، اس لیے انکے بیانات میں بھی اختلافات ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اسی قسم کی روایتیں بعض اُن کتابوں میں بھی پائی گئی ہوں جو منزل من اللہ تعالیٰ تو نہیں ہیں مگر کسی مذہب کے متبعین اُنکو یہی درجہ دیتے ہیں۔ اس لیے اُن میں اختلافات ہونا بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید میں کوئی قصہ محض قصہ ہونے کی حیثیت سے مذکور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب محض قصے و حکایات بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ قرآن مجید جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اسکے بیان کرنے سے اسکا مقصود قاری کو کسی نتیجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن مجید میں اخبار مقصود نہیں ہیں، بلکہ ہر خبر سے کوئی انشاء مقصود ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے قصص کو محض بقدر ضرورت بیان کیا ہے اور اسکے اجزاء میں ترتیب کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ایک ہی قصہ کے مختلف اجزاء مختلف مقامات میں بیان کیے ہیں۔ گر آن نے یہ بے نظیر خصوصیت رکھی ہے کہ قصص میں ہر جگہ ایک ایسی خاص روح پیدا کر دی ہے کہ اگر قصہ کے اجزاء میں کمی بیشی کریں تو اسکی روح میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس روح پر نظر کرنے سے قرآن مجید کے اخبار کی ایک امتیازی شان نمایاں ہوتی ہے جسکا تذکرہ ہم حسب موقع آئندہ صفحات میں کرینگے۔

(۳) چند سطور قبل ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید میں قصوں کا حصہ محض بقدر ضرورت ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی قصہ کے کل اجزاء کا تذکرہ کر دے۔ لیکن عموماً طبائع کو قصوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اس لیے بہت سے مفسرین نے ان قصوں کے بقیہ اجزاء کو بھی ذکر کر دیا ہے اور چونکہ ان میں سے بکثرت مفسرین ایسے تھے جو اسرائیلیات پر بھی عبور رکھتے تھے اس لیے انھوں نے بعض اوقات قصہ کے بقیہ اجزاء اسرائیلی روایات سے معلوم کرکے درج کر دیے۔

بعض احادیث میں بھی ان قصوں کے نتیجے بیان فرمائے گئے ہیں اور مفسرین نے مختلف مواقع میں انکو بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ قرآنی قصوں کے متعلق تین طرح کا مواد ہمارے سامنے موجود ہے۔ خود قرآن مجید کا بیان، احادیث نبویہ، اسرائیلیات، علاوہ بریں بعض وہ روایات بھی ہیں جو اہل عرب وغیرہ میں مشہور تھیں مگر انکی کوئی سند نہ تھی، نہ کوئی سلسلہ رواۃ تھا۔ بعض مفسرین نے اُن روایات کو بھی ذکر کر دیا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان واقعات کے متعلق مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں صحیح اور غلط قوی اور ضعیف کی اس طرح آمیزش ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن یا مشکل ہے ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ الحمد للہ کہ ہماری کتب دینی کے ذخیرے میں ایسے اصول و ضوابط اور بیانات و توضیحات موجود ہیں جن سے بڑے سے بڑے مفسر کی غلطی بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی، اور حق و باطل، قوی و ضعیف ایک دوسرے سے قطعی اور یقینی طور پر ممتاز ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا تقسیم کے بعد ہم ہر قسم کے درجہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جو کچھ آیا ہے وہ بالکل قطعی اور یقینی ہے اس میں شک و شبہہ کی ذرہ برابر بھی گنجایش نہیں ہے۔ احادیث میں جو کچھ آیا ہے وہ درجہ ظن میں صحیح ہے بشرطیکہ وہ روایت محدثین کے نزدیک قابل تسلیم ہو اور اُنکے اصول روایت و درایت پر پوری اترتی ہو۔ البتہ زید و عمرو کے قائم کیے ہوئے اصول روایت و درایت کا اعتبار نہیں ہے۔ محض انکی بنا پر کسی روایت کا رد کرنا جہل عظیم ہے۔

اسرائیلیات اور مشہور عام بازاری روایات کا کوئی بھی وزن نہیں ہے۔ ان پر اعتماد کرنا یا انکی بنا پر کسی معمولی سے معمولی فرعی مسئلہ کا استخراج کرنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ کسی عقیدہ کا۔ غرض یہ کہ یہ بالکل ناقابل اعتبار چیزیں ہیں۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

بلا ناغہ ہر روز کسی آیت قرآنی اور کسی حدیث نبوی کا سلیس ترجمہ اپنے صفحات میں درج کرتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں اپنے روزانہ معاصرین سے زیادہ مسائل وقت کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہے!

—— بیسویں صدی کا روزنامہ اور اس میں روزانہ قال اللہ و قال الرسول کے کالم! کیسی ناقابل برداشت دقیانوسیت!

سیاسیات اور نکاح نامے

"مسلمانوں کے ایک اجتماع عظیم کے سامنے مظہر علی اظہر جنرل سکریٹری مجلس احرار نے ایک طویل تقریر میں یہ سوال اُٹھایا کہ آیا مسٹر جناح مسلمان بھی سمجھے جاسکتے ہیں؟ آپ نے مسٹر جناح کی مطبوعہ سوانحعمری سے یہ بیان پڑھ کر سنایا کہ انھوں نے ایک پارسی عورت کے ساتھ سول میرج کی تھی۔ یعنی اُس قسم کی شادی جو لامذہبی کے اعلان کے بعد رجسٹرار کے سامنے ہوتی ہے۔" (خبر)

خبر پر معاصر پیام (حیدرآباد) کا دلچسپ تبصرہ:—

"معلوم ہوتا ہے کہ اب ہر لیڈر کو اپنے نکاح نامے سند لانی پڑیگی تب ہی تو معلوم ہوگا کہ وہ مسلمان ہے یا کافر!!

—— آخر کدھر جا رہی ہے یہ ہماری سیاست! ... نکاح کے بعد اور بھی بہت سے اعمال ہیں، جنکے متعلق صداقت نامے کی ضرورت ہوگی! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ لیڈروں کے لیے ایک دارالافتاء قائم کردیا جائے جسکے پرچۂ سوالات کا جواب دینے کے بعد ہر قائد ملت کو لیڈری کرنے کا اجازت نامہ ملا کرے!—— آخر کسی نے کبھی سوچا بھی کہ یہ بات کہاں سے کہاں پہنچے گی!!"

نکاح اور اسکے متعلقات پر تبصرہ و رائے زنی کا حق بھی قاضی صاحب کے اخبار سے زیادہ کس کو پہنچ سکتا ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

محقق الدین صاحب (مالدہ)

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے موضوع ہونے کی تردید میں آپ کے انگریزی سے لکھے ہوئے بائبل کے حوالہ (پیدائش ۴۹: ۱۰، دانیال ۵: ۲۴، حبقوق ۳: ۳) موصول ہوئے۔ لیکن حدیث کی صحت و عدم صحت پر گفتگو صرف فن حدیث و رجال کی رو سے ہو سکتی ہے، نہ کہ بائبل کی کسی عبارت سے۔

خلاصہ مراسلات

آفتاب الدین احمد صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو (لندن)، عزیز منزل، لاہور سے ایک انگریزی تحریر میں لکھتے ہیں، کہ گاندھی جینتی کے موقع پر امام مسجد ووکنگ کی زبان سے گاندھی سے متعلق مدح سرائی کی جو اطلاع رائٹر نے دی ہے، اول تو وہ روایت ہی ابھی تحقیق طلب ہے۔ اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ہم لوگ (یعنی ووکنگ مشن کے کارکن) ان خیالات سے اپنی بالکل بے تعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ عقلی دائرہ میں جاہلی عرب کے استدلال کی یہ حیثیت گویا مسلّم ہو چکی تھی کہ ... کر بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ مذہب جو اس میدان میں چت ہو چکا ہے اسکی طرف سے کوئی معقول "معذرت نامہ" دنیا میں پیش ہو سکتا ہے یا نہیں! ! ایسی کوئی صورت کیا نکالی جا سکتی ہے کہ "سود" کے مسئلہ میں عقل و علم سے مصالحت ہو جائے۔ اب تک اس سلسلہ میں جو کیا جا چکا تھا اسکا خلاصہ یہی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معاشیات کی تمام عقلی و فنی کتابوں میں بحث کرنے والوں نے صرف سود کے جواز ہی پر زور دیا ہے یقیناً بحث کرنے والے اس دائرہ میں مختلف باتیں کہہ رہے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں مغربی تمدن کے استیلاء کے بعد خود ان ممالک میں مسلمان علماء یا دوسروں نے جو کچھ لکھا تھا اسکا خلاصہ وہی تھا جو میں نے بیان کیا۔

لیکن ۱۳۶۳ھ کا سن یہ پہلا سن ہے اور جامعہ عثمانیہ پہلا ملک کا پہلا "سود" پر ایک مستقل مقالہ محض فنی اور عقلی نقطۂ نظر سے پیش کیا جا رہا ہے اور یہ وہی مقالہ ہے جسکا تعارف ان الفاظ سے فقیر کراتا ہے' یہ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے' پی ایچ ڈی' استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ کے قلم کا کارنامہ ہے۔'

لیکن میں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ ششدر و حیران ہو کر رہ گیا جب ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ "جواز سود" کے مسئلہ کا غیر مشتبہ ہونا تو خیر دور کی بات ہے۔ ماہرین معاشیات اب تک صحیح طور پر اسکے پتہ چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ "سود" کے "جواز" کی معقول وجہ ہے بھی یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان ارباب فن کی ان فکری قلابازیوں کا تماشا دکھایا ہے جن میں مسلسل یہ الٹ پلٹ رہے ہیں اور یہ ابتدائی سوال کہ "سود کی آمدنی لینے کا سود خوار کو اگر حقدار قرار دیا جائے تو کیوں دیا جائے؟" اس ابتدائی سوال کے جواب میں انکی سراغرسانیاں کسی آخری نتیجہ تک نہیں پہنچی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے سود حرام کیوں ہو؟ سمجھا یہ گیا تھا کہ اس سوال کا جواب مشکل ہے لیکن ورنہ سود کا جواز تو گویا ایک بدیہی مسئلہ ہے لیکن ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب کے اس مقالہ سے معلوم ہوا کہ

سود جائز کیوں ہو؟

اسکا کوئی عقلی اور فنی جواب تلاش کرنے والوں کو اب تک نہیں مل سکا ہے کوئی ایسی مشخص و متعین چیز لوگوں کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے جسے "سود" کا واقعی معاوضہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ پیش کرنیوالوں نے انتہائی [illegible] سے کام لے کر ڈھونڈنے کی کوششوں کو ختم کر دینے کے بعد جس زمانہ میں جس چیز معاوضہ کے اس سوال کے جواب کے بیان کی ہے' الٹی سیدھی رد و قدح کے بعد فن کے ماہرین نے اسکو ملتوی کر دیا ہے۔ تدریجی طور پر ٹٹول کی اس مہم نے جو منازل و مراحل اب تک طے کیے ہیں' ڈاکٹر صاحب نے عام فہم سلجھے ہوئے الفاظ میں انکا تماشہ پیش کیا ہے اور معاوضہ ہی نہیں اس سے بھی زیادہ دشوار جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے تعیین معاوضہ کا سوال ہے یعنی شرح سود کی کمی و بیشی تعیین میں کس معاوضہ کی کمی و بیشی کا خیال کیا جائے۔ یہ مسئلہ تو گویا معمہ کی صورت رکھتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے ان روشن خیالیوں کی طرف بیچ بیچ میں اشارہ فرمایا ہے جنکا اظہار بعض اسلامی علماء کی جانب سے اس مسئلہ میں پہلے بھی کچھ کیا گیا ہے اور آج بھی ہنس کی چال چلنے کے شوق میں بعضوں کی طرف سے اس تماشہ کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ اس منطقی مغالطہ کی بھی بحیثیت ایک ماہر فن کے انھوں نے قلعی کھول دی ہے جو سود کے جواز کی کوشش لفظ بینک کے نقاب کو اوڑھ کر کرنے والے کر رہے ہیں۔ یعنی بینک کے اضافہ سے چاہتے ہیں کہ وہ سود کو سود ہونے کے دائرہ سے خارج کریں۔ انھوں نے عقلی مباحث کے ساتھ درمیان میں اسلامی مستندات کے ان وثائق کو بھی موقع موقع سے اپنے اس مقالے میں درج کیا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

"سودی کاروبار" کی قطعی ممانعت کے بعد بھی دنیا کے تمام معاشی معاملات بہ احسن وجوہ بہترین نتائج کے ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اسکے امکانات بھی دکھائے ہیں' اور بتایا ہے کہ اسلام کا "معاشی نظام" اسکے لیے قطعی طور پر ہر لحاظ سے کافی و وافی ہے۔ بہر حال مضامین کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اصل مقالہ کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ میں آخر میں اسلام کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔

ایک مسلمہ پر اتہام

لاہور - ۲۲ - اپریل ۱۹۴۹ء - ۱۹۱۸ کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے چوتھے صفحہ کے چوتھے کالم میں "قبول اسلام" کے عنوان سے مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی تھی جو بغیر کسی تبصرہ کے ہے: بمبئی کے متمول اور نامی پیرن سر ڈنشا پیٹٹ کی اکلوتی بیٹی مس رتن بائی نے کل اسلام قبول کر لیا تھا۔ آج اسلامی شریعت کے مطابق ان کی شادی مسٹر جناح کے ساتھ ہو رہی ہے۔ (انقلاب)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق لکھنؤ سے شائع کیا)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک هم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین سب کے سب ہیں خود کتابت ایڈیٹر نے کیے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴ر
بیرون ہند ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴۵ یوم شنبہ - ۱۲ - ذیقعدہ سنہ ۱۹۳۵ء مطابق ۲۰ - اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء جلد ۱۱

سچی باتیں

بات بہت پرانی نہیں، ابھی کچھ ہی دن کی ہے۔ ایک صاحب الہ آباد سے جاکر ایک بڑے معزز، اپنے مرتبہ میں کہیں بڑے میزبان کے ہاں آکر اترتے ہیں۔ ساتھ میں ایک ملازم بھی ہے، معزز میزبان کی دعوت شب میں کہیں باہر ہے۔ مہمان کھانے وغیرہ سے فراغت پاکر سونے لیٹ جاتے ہیں۔ میزبان صاحب بارہ بجے شب کے بعد واپس آتے ہیں۔ موٹر کی آواز سے مہمان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کیا دیکھتے ہیں، کہ میزبان صاحب وہی چار رنٹ کے لب، وہی ڈنر سوٹ پہنے، اپنے ہاتھ میں ایک سینی لیے کوٹھی سے شاگرد پیشہ (ملازمین) کے مکانات کی طرف جارہے ہیں! ——— صبح سویرے کھوج لگانے پر معلوم ہوا کہ میزبان نے موٹر سے اترتے ہی دریافت کیا کہ مہمانوں کی مدارات میں کوئی کوتاہی تو نہیں رہ گئی، جواب ملا، کہ مہمان صاحب کا نوکر شہر چلا گیا تھا، اس لیے اسکا کھانا نہیں جا سکا۔ میزبان نے یہ سنتے ہی کھانے کی سینی اٹھالی، اور لوگوں کے ہاں ہاں کرنے پر یہ کہتے ہوے چلے گئے کہ نوکر دن بھر کے تھکے ہیں، یہ وقت انکے سونے کا ہے۔ یہ کام مجھے خود کرنا چاہیے۔ میرے مہمان محض وہ مہمان صاحب ہی نہیں، انکے ملازمین بھی میرے مہمان ہیں!

حکایت تمام ہوا ہی[1] صرف اتنا کہنا باقی رہ گیا، اور یہی حکایت کی بیان ہے، کہ یہ رات کو ۱۲ بجے کے بعد اپنے ہاتھ سے دسترخوان کھانا ایک معمولی خدمتگار کے لیے لے جانے والے، کوئی درویش خرقہ پوش کوئی ذکر و شغل کے حلقوں میں بیٹھنے والے اہل طریق نہیں، بلکہ منڈی ہوئی داڑھی رکھنے والے، سوٹ پہنا کرنے والے، کرسیوں پر بیٹھنے والے، انگریزی یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں، اور سرکار انگریزی سے "سر" کا خطاب رکھنے والے، الہ آباد ہائیکورٹ کے جج ہی نہیں، نامور چیف جسٹس سر شاہ سلیمان، بیرسٹر اور ال ال ڈی تھے! ——— سچ کہا جس نے کہا کہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست — اصل طریقت مخلوق خدا کی خدمت،
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست — کا نام ہے، ہاتھ میں تسبیح لے لینے سجادہ پر بیٹھ جانے، اور گدڑی پہن لینے کا نام نہیں!

——— اور یہ بھی سچ کہا جس نے کہا، کہ حقیر اور حقارت سے دیکھے جانے کے قابل کوئی ادنیٰ مسلمان بھی نہیں۔

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد ؟

مسلم بزرگوں اور مشائخ درویشوں کا ذکر نہیں، ٹھیٹھ "دنیاداروں" میں بھی کیسے کیسے اہل دل نکل آتے ہیں! ——— اللہ کی رحمتوں کو کھینچنے اور حاصل کرنے کے طریقے بیشمار ہیں۔

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں!

[1] اخذ از پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے کی نشری تقریر۔

کام کی رفتار

پانچویں پارہ اردو کی نظرثانی بحمد اللہ ختم ختم ہوگئی۔ اب بڑا مرحلہ ان پاروں کے مسودے کی صاف کاپی جو پریس میں جانے کے قابل ہو۔ جو اتا لیق اہل پیشہ خوشنویس ہیں، انکی اجرتیں بہت زائد ہیں۔ اور جو معمولی صاف نویس ہیں انکی

اجرتیں اگرچہ ہلکی ہیں، لیکن خود اُنکا دستیاب ہونا آسان نہیں۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح کام انھیں لوگوں سے چلایا جا رہا ہے گو قدرۃً اس میں وقت بہت ہی زائد صرف ہو رہا ہے۔ چھٹے پارہ کی نظرثانی کا مزید کام ابھی چند ہفتوں کے طویل وقفہ کے بعد ہی شروع ہو سکیگا۔

انگریزی پارۂ دوم کے شایع ہو جانے کا وعدہ "تاج کمپنی (لاہور) کی طرف سے اسی مہینے کے اندر ہے۔

اس ماہ میں یہ امداد رقم ذیل قبول کی گئی۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء ایک مخلص (از پشاور) عمر (۵۶ ویں قسط)

"صاحب" کی عدالت

لندن ۱۲ - اکتوبر - موسیو لاول (LAVAL) سابق وزیراعظم فرانس پر غداری کے الزام میں جو مقدمہ چل رہا ہے، اُس کی کارروائی نے فرانس کے پریس کو سخت بیزار کر رکھا ہے۔ عدالتوں کا جو طرزعمل جمعہ اور سنیچر دونوں دن رہا، اُس پر اخبارات میں خوب لعن طعن ہوئی ہے۔ سنیچر کو تو حاکم عدالت غصہ میں آ کر بالکل ہی آپے سے باہر ہو گئے، اور مجرم کو بار بار "سوٗر" کہکر پکارا!... اہل جوری نے چلا کر کہا، کہ "تیری کھوپڑی اس لائق ہے کہ اس میں بارہ گولیاں پیوست کی جائیں" (رائٹر)

یہ منظر بیسویں صدی کی ایک بڑی "مہذب" قوم فرنگ کی ایک اونچی عدالت کا ہے! کہ حاکم عدالت غصہ سے بیخود ہوئے جاتے ہیں، اور زبان پر بے تکلف گالیوں کے الفاظ چلے آ رہے ہیں۔ اور جوری صاحبان ہیں کہ بدزبانی میں شاید جج صاحب سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں!

یہ منظر "صاحب" کی عدالت کا تھا۔ آپ کی الماریوں میں بھی شاید کچھ پرانی دُھرانی کتابیں فقہ کی نکل آئیں۔ عجب نہیں کہ انھیں کتابوں میں باب آداب القضاء کے تحت میں یہ ہدایت بھی نظر آ جائے، کہ

حاکم پر لازم ہے کہ مقدمہ سننے وقت وہ غصہ میں نہ ہو۔	منہا ان لایکون غضبان وقت القضاء

آپؐ کے خلیفۂ راشد فاروق اعظمؓ بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں کہ

قاضی کو قضاوت کے وقت غصہ سے احتیاط لازم ہے۔	ایاک والغضب

اور وہ کیوں نہ کہتے، جبکہ اُنکے آقا و سردار کا یہ ارشاد موجود تھا، کہ

کوئی حاکم وقت غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔	لا یقضین الحکم بین اثنین وہو غضبان۔

"سائنس کا معجزہ"

لندن - ۳۰ - ستمبر - کیمبرج کے پروفیسر ایس، ڈی، ویڈرین کے زیر صدارت، ماہرین سائنس کی کمیٹی ایک ایسے آلہ کی ایجاد میں مصروف ہے، جو اندھوں کو یہ بتا دیگا کہ وہ دیکھ کیا رہے ہیں؟ "مطبوعہ عبارتیں اُنھیں سنا کیا رہی ہیں! کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر کلفرڈ پٹرسن نے ایک بیان میں بتایا ہے کہ برقی قوت کی مدد سے مطبوعہ عبارت کو راگ کی آوازوں میں تبدیل کر دینا بھی ممکن ہو جائیگا۔"

(گلوب)

خدا کرے یہ ایجاد جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے، اور کاغذ کی چھپی ہوئی کتابیں اسی عالم آب و گِل میں، مادی مشینوں کے ہاتھوں تو، بولنے لگیں، تاکہ اُس وقت "روشن خیالی" کی خدمت میں یہ سوال عرض کیا جا سکے، کہ فرمائیے، اب بھی آخرت میں جلد انسانی کا بولنے لگنا، "ناممکن" "محال" "خلاف قانون قدرت" بلکہ محض "مستبعد" بھی باقی رہا؟

ٹرکی کے بعد ایران

وارن (دہلی) ۱۰ - اکتوبر پر ارشد تھانوی صاحب کے قلم سے جدید ایرانی شاعری پر ایک طویل مقالہ ہے:-

"نئی قومی تحریک نے جو سارے ملک پر چھا گئی، ہر اس چیز سے بغاوت شروع کر دی، جو قومی خودداری کے منافی سمجھی گئی۔ چنانچہ زبان پر عربی کا جو اثر و تسلط تھا، اُسکے خلاف علم بغاوت پوری طرح بلند کیا گیا، اور باقاعدہ منظم انجمنیں اور مجلسیں قائم کر کرکے زبان سے عربی الفاظ اور ادب سے عربی تلمیحات چُن چُن کر علحدہ کر دیے گئے۔ ایک ادبی اکاڈمی فرہنگستان کے نام سے قائم ہوئی۔ اور جہاں عرب کے بہت سے الفاظ کا ذخیرہ داخل کیا گیا، وہاں عربی لفظوں اور محاوروں کے بجائے قدیم قبل اسلام والی زبان پہلوی کے الفاظ مروّج کی گئی۔ اور اب تلمیحات ادبی بجائے قیس و لیلیٰ کے بیژن اور منیژہ کی نظر آنے لگی ہیں...

یورپ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ایران سے بھی اب مذہب کا خیال منتقل ہو گیا ہے، اور اسکی جگہ نسلی تخیل نے لے لی ہے۔ اور اب فخر کا سرچشمہ زردشت کی ذات قرار دیا گیا ہے۔ ہر قسم کی برکت اُسی کے نام سے حاصل کی جاتی ہے، اور اُسی سے استمداد و استعانت کی جاتی ہے۔ چنانچہ عشقی ہمدانی کے آپیرا میں مناجات بھی زردشت ہی کے نام ہے۔ پوروداؤد، عارف قزوینی، اور شاعر اعظم بہار سب کے کلام میں برابر حوالے اب قبل اسلام والے معبودوں اور دیوتاؤں کے کثرت سے آنے لگے ہیں۔" (ملخصاً)

ایران جدید سے متعلق یہ خبریں نئی اور انوکھی نہیں۔ ٹرکی کے بعد ایران کے بارے میں بھی اسی نوعیت کی اطلاعیں برابر آ رہی ہیں۔ بہرحال ایران جدید کی یہ تصویر اگر صحیح ہے (اور صحیح کیوں نہ ہوگی) تو کس درجہ افسوسناک اور یاس انگیز ہے! —— کاش ایران ہمیشہ شیعہ ہی رہتا۔ غالی سا غالی شیعہ ہو جاتا۔ لیکن اس مجوسیت الحاد و ارتداد کی لعنتوں سے تو محفوظ رہتا! ہمارے قبلہ کا، ہمارے کلمہ کا، ہماری توحید و رسالت کا تو قائل رہتا! بدعت بڑی سے بڑی اور قبیح سے قبیح ہو، جب بھی شرک و الحاد سے اسکا کیا مقابلہ!

رسالہ "نگار" اور دکن

صدر مجلس علماء دکن کے ایک تار:

اجلاس کی تجویز:- "رسالہ نگار کی روز افزوں یاوہ گوئی اور بیباکی تو بہ تنگی کے باعث ضروری ہے کہ اُسکا داخلہ ممالک محروسہ میں

نئی کتابیں

(۱) حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور انکی دینی دعوت۔
از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔ ضخامت ۲۸۰ صفحات قیمت عہ/
پتہ: کتب خانہ الفرقان بریلی

بریلی کے مذہبی ماہنامہ الفرقان کی اشاعت خاص ہے جسے کتابی شکل میں شایع کیا گیا ہے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ ابھی تھوڑے ہی دن کی بات ہے کہ ہمارے درمیان موجود تھے آپکی تحریک دیکھتے ہی دیکھتے شروع ہوئی اور آپکے اخلاص نیت کی برکت سے پھیل پھول گئی۔ بعض بعض علاقوں (میوات وغیرہ میں) تو ایسا انقلاب اس تحریک کی بدولت جاہل و دین سے بے بہرہ مسلمانوں میں ہوا کہ جسکا نقشہ خیر قرون اسلام کے عہد کا تھا اس کی ایک ہلکی سی جھلک نگاہوں کے سامنے آگئی۔

اس کتاب میں مولانا ابو الحسن علی ندوی نے (جو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی ہی میں انکی اس تحریک کی ترجمانی بذریعہ تحریر و تقریر کرتے رہے تھے) اس تحریک کی مفصل تشریح اسکے آغاز کی تاریخ طریق کار اور اسکے نتائج محمودہ کو دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ آٹھواں باب اس تحریک کی توضیح پر مشتمل ہے۔ بقیہ ابواب میں حضرت مولاناؒ کی سوانح، مجاہدات، اخلاق وغیرہ کا ذکر ہے، مگر یہ ابواب بھی قدم قدم پر انکی تحریک کی تشریح کرتے جاتے ہیں۔ مولانا کی زندگی تو اس تحریک کے لیے وقف ہو ہی گئی تھی، انکا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سیر و سفر سب اس تحریک کے لیے تھا۔ حتیٰ کہ بستر علالت پر اور انتہائی اشتداد مرض تک انقطاع روح سے قبل بھی اسی کام کی دھن سوار رہی، اس لیے یہ ابواب بھی تمامتر اس تحریک ہی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

کتاب کا مطالعہ سب مسلمانوں کے لیے نافع ہے، لیکن اس عموم میں خصوص، علماء است اور طلبہ مدارس دینیہ (جو آگے چل کر مقتدائے قوم بننے والے ہیں) کو ہے۔ اور خود بانی تحریک کے پیش نظر زیادہ یہی دو گروہ تھے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حضرات جو وقت کی دیگر سیاسی تحریکات میں شامل ہیں جن سے دینی نفع کا تو ذکر ہی کیا، خود دنیا ہی میں امت و علماء امت کی فلاح کی کوئی سبیل اب تک نہیں نکلی اور نہ آیندہ نکلنے کی امید ہے، اس تحریک میں جو خالص اسلامی، خود ساختہ کی آمیزشوں سے پاک اور خیر القرون کے نقش قدم کی حیثیت رکھتی ہے، شامل ہو کر قلیل مدت میں مسلمانوں کی زندگی کی کایا پلٹ کر سکتے ہیں۔

یوں تو مولانا مرحوم کے ملفوظات و ارشادات سب ہی آب زر سے لکھے جانے کے قابل اور ہر مسلمان کے لیے باعث رشد و ہدایت ہیں لیکن شاید دور حاضر کے لیے یہ ارشاد سب سے زیادہ دقیع اور قابل عمل ہو:۔

"کوئی شخص اور کوئی مسلم ایسا ہرگز نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر انداز کرنے (اور ستر پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور انکے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں۔ اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے۔ مگر دستور اسکے خلاف ہے (ص ۲۱۱)

ایک اور جگہ مولانا نے ایک خط میں ارشاد فرمایا ہے:۔

مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو عظمت سے اسکی طرف نگاہ کی مشق کرو۔ (ص ۲۰۹)

اسلامی ہند کے زمانہ ماضی کے ایک اولو العزم مجاہد صاحب تحریک مولانا سید احمد شہیدؒ کی سوانح مبارک پر مولانا ابو الحسن علی صاحب کے قلم سے ایک مستند و محققانہ تالیف مکمل ہو چکی تھی۔ یہ انہیں کا حق تھا کہ حال کے ایک بزرگ و صاحب دعوت کے سوانح پر قلم اٹھائیں۔ (ع۔ ق)

(۲) رسول اللہ صلعم ۔ از مولوی محمد ایوب اصلاحی ضخامت ۱۲۸ صفحات قیمت عہ/ پتہ: موتمر المصنفین۔ کوچہ چیلاں ۔ بیت السعید ۔ دہلی۔

اس رسالہ میں سیرت نبوی کے ضروری واقعات سادہ اور عام فہم انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ سیرت نبوی کے واقعات مسلمانوں کے سامنے باربار اور مختلف راستوں سے پہونچیں۔ یہ رسالہ مفید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی معتبر و مستند کتب کا اتنا بڑا ذخیرہ اردو میں ماشاء اللہ آ چکا ہے کہ جب تک کوئی خاص اور امتیازی بات نہ پیدا کی جائے کسی جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہ تھی۔ تقریباً یہی سب چیزیں اس میں بھی ہیں جو اس ضخامت و معیار کی متعدد کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔ (ع۔ ق)

(۳) مقالات گارساں دتاسی (جلد اول) مترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب دیباچہ پروفیسر عزیز احمد صاحب۔ ضخامت ۴۰۶ صفحات قیمت غیر مجلد للعہ مجلد عہ، ملنے کا پتہ، انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج ۔ دہلی

مشہور فرنچ مستشرق گارساں دتاسی کا نام ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایسا نامانوس نہیں رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو اسکے مبسوط خطبات کا ترجمہ عرصہ ہوا شایع کر چکی ہے۔ بعض جگہ تو

وہ اُردو کے اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں اسکے چار سالانہ لکچروں کا (جو ۱۸۶۷ء تا ۱۸۷۰ء) ترجمہ ہے۔ شروع کے تین لکچروں کا ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اور آخری لکچر کا ترجمہ، عزیز احمد صاحب پروفیسر جامعہ مذکور نے فرمایا ہے۔ ترجمہ شگفتہ و سلیس ہے۔ اور کتاب اُردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ اس محقق نے ان لکچروں میں تفحص و دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور اُردو کی جملہ مطبوعات سالانہ (بہ شمول اخبارات و رسائل) کے ذکر کے ساتھ اس زمانہ کی انجمنوں اور تحریکوں کا، کہیں کہیں سیاسی چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے معمولی اور ادنیٰ درجہ کی کتب و رسائل بھی اس جائزہ سے نہیں بچ پائے۔ ایک غیر ملکی کی یہ محنت ہمارے ہم وطنوں کے لیے قابل رشک ہے کاش اسکے اتباع میں ہمارے محقق اہل قلم خصوصاً ریسرچ کے طلبۂ اُردو اٹھیں اور کم از کم اسی نہج پر یا اس سے ترقی یافتہ شکل میں سارے ملک کا نہ سہی تو کم از کم اپنے اپنے صوبہ کی ترقی اُردو کا جائزہ سال بسال لیکر کتابی شکل میں شائع کرتے رہیں۔ گارساں دتاسی کے زمانہ میں اُردو نے ایسی نمایاں ترقی نہ کی تھی، لیکن اب تو ماشاء اللہ وہ بہت آگے بڑھ چکی ہے، اور معلومات فراہم کرنے کے ذرائع بکثرت نکل آئے ہیں۔ اُردو ہندی کا جھگڑا گارساں دتاسی ہی کے سامنے شروع ہو چکا تھا۔ اس محقق نے ہر جگہ اُردو ہی کی تائید کی ہے۔ اسکا ایک اقتباس ملاحظہ ہو

"مختصر یہ کہ اگر صوبجات کی علٰحدگی کی وجہ سے جو رکاوٹ ہے وہ دُور ہو جائے اور ملک کے مختلف حصوں میں آزاد ذرائع آمد و رفت کا رواج ہو جائے تو اُردو ہی جو اسقدر صاف، سادہ، لطیف زبان ہے جو ہر طرح کی بات کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو اب بھی حقیقت میں ہندوستان میں ہندوستان کے بہت سے حصوں میں لنگوا فرینکا کا کام دیتی ہے ..... وہ بلاشک ایک ایسی زبان نظر آتی ہے جو جلد یا بدیر ہندوستان کی سب بولیوں پر سبقت لے جائیگی یا سب کی نہیں تو اکثر کی جگہ لے لیگی اور پورے آریائی ہند کو ایک متجانس اور مہذب بولی عطا کر دیگی" (صفحہ ۳۰۱-۳۰۲)

امید ہے کہ انجمن ان مقالات کی دوسری جلد کا ترجمہ جلد شائع کر دیگی۔

(ع - ق)

(۴) دُرجِ لُولُوئے فصاحت - یعنی کلیات منظوم نواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم رئیس ضلع علیگڈھ - ضخامت ۱۵۶ صفحات بلا قیمت - ملنے کا پتہ، محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی شروانی پرنٹنگ پریس۔ علیگڈھ

صوبہ کے نامور و مخیر رئیس نواب محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے متعلق کم لوگوں کو علم ہوگا کہ وہ شعر بھی کہتے تھے۔ اور وہ بھی زیادہ تر فارسی میں۔ زیر نظر مجموعہ میں انکے کلام کو مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے ردیف وار مرتب کرلیا ہے۔ دیوان کے ۱۵۳ صفحات میں فارسی کلام آیا ہے، بقیہ چار صفحوں میں اُردو، چند عربی اشعار اور ایک انگریزی قطعہ ہے۔

فارسی کلام میں تقریباً سب اصناف سخن پر نواب صاحب مرحوم نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ حمد و نعت والہانہ انداز میں ہے۔ اسکے بعد غزلیات، قصائد، رباعیات، قطعات تاریخ، مراثی ہیں۔ جنکے مطالعہ سے نواب صاحب کی موزونی طبع اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے۔ اگلے مشرقی رئیسوں کی شان ہی یہ تھی کہ وہ علمی و ادبی مشاغل بھی برابر جاری رکھتے تھے۔

[ناشر نے اطلاع دی ہے کہ یہ کتاب مثل تحفۃ المسلمین کے جسکا ریویو ایک پچھلے نمبر میں نکل چکا ہے، بلا قیمت ملیگی!] (ع - ق)

ذاتیات و سیاسیات

"آجکل بعض معاصرین کے صفحات اس بحث سے رنگے جا رہے ہیں کہ آیا قائد اعظم کا نکاح اسلامی طریقہ سے ہوا تھا، یا سول میرج ایکٹ کے ذریعہ سے۔ ایک طرف سے قائد اعظم کی تنقیص کے لیے یہ دعوے پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ ایک غیر اسلامی طریقہ کے مرتکب ہوئے لہذا ملت اسلامی کے قائد اور رہنما تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ اور دوسری طرف سے اس الزام کا رد ایک کانگریسی لیڈر کے ازدواج کا مسئلہ بنایا جا رہا ہے

.... اسلام کی تاریخ جب صرف ۴۰ سال اپنے گزرے میں جب پیغمبر اسلام کے بعد قائدین ملت کی شخصی زندگی عوام کیلیے ایک مثال اور دلیل ہوا کرتی تھی۔ اسکے بعد گذشتہ ۱۳ سو برس کے عرصہ میں وہ ۴۰ سال پھر کبھی واپس نہ آئے۔ اگر آج کوئی خالص "حکومت الٰہیہ" پھر قائم ہو جائے تو شاید پھر کسی گوشہ سے یہ دعوی کیا جا سکے کہ قومی قیادت کی کسوٹی شخصی زندگی کو ہونا چاہیے۔ لیکن جب تک "حکومت الٰہیہ" قائم نہیں ہوتی جماعتی اغراض یا ذاتی تعصبات کی بنا پر لیڈروں کی شخصی زندگی کو قومی سیاست میں گھسیٹ کرلانا حماقت اور بیہودگی کے سوا کچھ بھی نہیں! یہ کیا انصاف ہے کہ زید کی تمام قومی خدمات پر اسکی بعض شخصی لغزشوں کی وجہ سے خاک ڈالی جائے۔ اور صرف جماعتی تعصبات کے تحت اس قسم کے اخباری مباحث سے سیاسی مسائل میں انتشار پیدا کیا جائے؟ ہمارے ملک کی بدنصیبی ہے کہ سیاست پر اوسلے مذہبی تعصبات حاوی ہو گئے ہیں اور اب یہ صرف مسلم و غیر مسلم ہی کا سوال نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بھی فریقین کے ریانہ غلو کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم کسی لیڈر کے خیالات سے متفق نہیں ہیں تو ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ اس بات کا پتہ چلائیں کہ اس شخص نے نکاح اسلامی طریقہ کے مطابق کیا تھا یا نہیں! ....

چوروں کی طرح لوگوں کے گھروں کے اندر جھانکنے کا جو شیوہ ہماری صحافت نے اختیار کیا ہے اسکے لیے ہرگز قابل فخر نہیں ہو سکتا ......" (پیام)

فسٹڈل کے بے دلیل دعوے

اور انکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب استاد دار العلوم ندوة العلماء لکھنؤ)

(۴)

البتہ اسرائیلی روایات جو کتب مقدسہ مثلاً توراۃ و انجیل وغیرہ میں درج ہیں انکا درجہ قریب قریب وہی ہے جو کتب تاریخ میں درج شدہ واقعات کا۔ یعنی چونکہ ان کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور ان کا کوئی سلسلۂ سند موجود نہیں ہے نہ اسکے رواۃ کے ذوات و صفات کا کوئی علم ہے۔ اس لیے اُن روایتوں میں جو اسلامی اصول درایت پر پوری اترتی ہیں وہ درجۂ ظن میں بلکہ اس سے بھی کم درجہ میں قابل قبول ہیں اور جو ایسی نہیں ہیں وہ قابل رد ہیں، لیکن اگر مشہور عام روایات اور ان روایات میں تعارض ہو تو کسی ایک کو ترجیح قرائن کی بنا پر حاصل ہوتی ہے ورنہ مشکوک ہوتے ہیں۔ دونوں کا درجہ یکساں ہے۔ اس لیے کہ سلسلۂ سند مفقود ہونے کی حیثیت سے دونوں یکساں ہیں

(۴) جہاں قرآنی بیان اور اسرائیلی بیان میں تعارض ہو وہاں قرآنی بیان کو قطعی طور پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ ترجیح اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ہے اور عقلاً و اصولاً بھی اس لیے کہ قرآن مجید کے متعلق مخالفین کا بھی اقرار ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اور اسرائیلیات محرف ہیں۔ نیز اسکے بیان کردہ قصوں کی تردید اسرائیل کی جانب سے ثابت نہیں۔ حالانکہ اسکا خود دعویٰ ہے۔ ان ہذا القرآن یقص علیٰ بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون (نمل) اور اس دعوے کی تردید بھی منقول نہیں ہے۔

قصہ قابیل و ہابیل

اس قصہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے خود اقرار فرمایا ہے کہ "تاریخ" کی روایت میں اور قرآنی بیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اگر مماثلت بھی ہوتی تو اس سے ڈاکٹر صاحب کا مقصد ہرگز نہیں پورا ہو سکتا تھا جیسا کہ ہم اس بحث کی ابتدا میں پہلے اصول میں واضح کر چکے ہیں، تاہم ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنا ضروری تھا، اس لیے آپ نے "فزر" کی روایت کو اسکا ماخذ قرار دیدیا۔ لیکن اس اخذ کی دلیل کیا ہے؟ اسکا کوئی جواب ڈاکٹر صاحب کے پاس نہیں ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ قرآنی بیان اس روایت سے بھی بالکل مختلف ہے۔ ربی مذکور کی روایت میں ہے کہ کتے نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کا فن سکھایا اور قرآن مجید کہتا ہے کہ اس نے قابیل کو سکھایا۔ پھر بھی ثانی کو اول سے ماخوذ کہنا ڈاکٹر صاحب ہی کے ایسے دلیر انسانوں کا کام ہو سکتا ہے۔ موصوف اگر غور فرماتے تو انکو معلوم ہوتا کہ اس اختلاف کی وجہ سے جو موصوف کو بہت معمولی معلوم ہوتا ہے روح قصہ میں کسقدر عظیم الشان فرق ہو گیا۔ قرآنی بیان کی روح یہ ہے کہ قابیل کوے کے اس فعل کو دیکھکر اپنے گناہ کی خاصیت کا ادراک کرتا ہے یعنی اسکو مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس گناہ نے اسکے ذہنی قوتوں کو مضمحل کر دیا ہے۔ اور اسکے فہم عمومی کو بھی اس سے چھین لیا ہے۔ اس پیرایہ میں قرآن مجید گناہوں کی اس خاصیت کا بیان بھی کرتا ہے کہ انکا اثر کم و بیش اور مختلف صورتوں میں عقل و فہم پر بھی پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی فہم کو حیوانی فہم سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔ دوسری چیز جو قرآنی قصہ سے سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ انسانی فہم جب تشریعی مناہج کو چھوڑ دیتی ہے اور وحی کے مقرر کیے ہوے راستوں سے منہ موڑ لیتی ہے تو اسکو محض طبعی مناہج پر جانا پڑتا ہے۔ اور اس حالت پر پہونچکر اشرف المخلوقات اسقدر ذلیل ہوتا ہے کہ اسکو حیوانات کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے۔

اسرائیلی قصہ میں قرآنی قصہ کی اس روح کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان نے اپنی معاشرتی افعال و حرکات کو حیوانات سے سیکھا ہے۔ یہ بات نہ صرف غیر اہم ہے بلکہ کلیہ کی حیثیت سے مہمل اور غلط بھی ہے۔ اس خیال کی سرحد اگر غور سے دیکھو تو ڈارون کے لغو و لایعنی نظریۂ ارتقا سے ملی ہوئی نظر آئیگی۔ جو ان سب ادیان کے نزدیک واجب الرد ہے جو اپنے مذہب کو الہامی کہتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ربی کی غلط روایت یا جو اسرائیلی روایات اس بارے میں مشہور تھیں قرآن مجید نے انکی غلطی کو واضح فرما کر صحیح واقعہ بیان فرمایا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو یہ تردید و تصحیح اخذ و استنباط نظر آتی ہے۔ سچ ہے ؎

ہنر بہ چشم عداوت بزرگتر عیب است

اس آیت کا ربط ماقبل و مابعد کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ موصوف کے اس اقرار نافہمی پر ہنسی بھی آتی ہے۔ سوا اسکے کیا کہیں کہ ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

بہرحال ہمارا مشورہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی معمولی عربی کے طالب علم سے قرآن مجید کے اس مقام کو پڑھ لیں یا اگر دیکھ سکتے ہوں تو کوئی معمولی سی تفسیر دیکھ لیں تو انکی مشکل حل ہو جائیگی۔

تفسیر نادر میں موسیٰ کی عبارت نقل فرما کر ڈاکٹر صاحب بہت مسرور ہوے کہ لیجیے قرآن مجید کا یہ مضمون اس میں مل گیا اس لیے یہ اسی سے ماخوذ ہے۔ اس لغویات کا جواب تو گذشتہ صفحات میں بار بار دیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ کسی مضمون کا اشتراک اخذ کی دلیل نہیں ہے۔

اب اسکے اعادے کی حاجت نہیں ہے گر یہاں یہ بات عرض کر دینا

مشیت و رضا

(از جناب ابو احمد غلام دستگیر صاحب، گلبرگہ - دکن)

انسانی مادی ضروریات، دماغی لایعنی افکار اور دلی اضطراب کی پیدائش اس لیے ہوتی ہے کہ شعور و فکر کی قوتیں بیدار ہوں اور انسان حقیقت و معرفت کی جانب قدم بڑھائے۔ تکالیف و مصائب اور افکار کی بارش اس لیے ہوتی رہتی ہے کہ ان سے نجات کی کوشش کرتے ہوئے انسان اچھی طرح جان لے کہ مادی ذرائع کس حد تک اسکی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ مطلق مادی ذرائع کی کثرت اور جدید ضروریات کے لیے مصائب و آلام کے نئے نئے میدانوں کا اضافہ کرتی جا رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا جا رہا ہے کہ پھر اس دور کا اعادہ ہو کہ بندہ صرف ایک ہی ذات کی جانب اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ رجوع ہو جائیں۔ دماغی غلجان اور دلی اضطراب دور و پیچیدہ مسائل کرنے کا نام ہے۔ وہاں کوئی غلجان اور اضطراب نہیں جہاں سلسل ایک ہی ایک پیش نظر دل کی احتیاج اور اسکی پیاس اسوقت تک نہیں بجھتی جب تک کہ دل کی بے پناہ وسعتوں کو ربانی تجلیات نور و معمور نہ کر دیں۔

وہ جو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اُسی سے استعانت طلب کرتا ہے اُسکو اسکی قدرتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اپنی احتیاج اسکی عطا، اپنی بیکسی و بےبسی اور اُسکی قدرت و طاقت، اپنی موت و فنائیت، اُسکی حیات و بقا، اپنا جہل، نادانی و ظلم، اسکا علم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم بالا کا پاتا ہے۔ اسی سے دماغ کا غلجان، دل کا اضطراب دُور ہوتا ہے۔ وہ جو اسکی جانب رجوع نہیں ہوتا اور اس سے استعانت طلب نہیں کرتا۔ اسکو صفات و تجلیات کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف نفسانی خواہشات کی ہنگامہ آرائی کو دیکھتا ہے۔ اس لیے اسکو اپنی ہستی چند روزہ فانی نظر آنے لگتی ہے۔ اسکو بقا اور حیاتِ دوام سے محرومی ہو جاتی ہے۔ ازلی و ابدی نعمتوں اور ہزارہا عالم کی سیر سے محروم رہ جاتا ہے کیا ہی بدنصیبی ہے اور کیا ہی حسرت و الم!

جبر و اختیار، مشیت و رضا، خیر و شر، جزا و سزا، فنا و بقا، اسی قسم کے منطقی سوالات ہیں، جنکے حل کرنے کے لیے ہر دل انسانی کو مضطر رکھا جاتا ہے۔ یہ سوالات الست بربکم، قالوا بلیٰ کے منطقی و سادوں سے برسرِ پیکار رہنے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان سے دل بے چین اور مضطرب پیدا ہوا کرتا ہے۔ خود ہی کی غور و فکر اور عجز و دعا کے باعث بغیر کسی کجی دماغ اور زیغ قلب سے الہامی تعلیمات کی جانب صدق دل سے رجوع ہوں تو ان حالات مسائل کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور یہ اللہ ہی کے ذکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ہدایت متقین کے لیے ہے، صاف و پاک دل، عجز و انکساری سے رجوع ہونے والوں کے لیے ہے۔

مومن کے دماغ میں مشیت کے متعلق غلجان اُسوقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ بدی اور اُسکی آخری سزا پر غور کرتا ہے۔ سزا کے درد و تکلیف سے ڈرتا ہے۔ بدی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اطاعت میں تساہل اُس سے سرزد ہو جاتا ہے۔ تو اسکا دل متاسف اور ملول ہوتا ہے۔ وہ توبہ و استغفار کی جانب رجوع کرتا ہے۔ دل میں خشیت اور اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ بدی اور نیکی کی تمیز آ جاگر ہونے لگتی ہے۔ بندہ خدا کی مزید رحمتوں کا مستحق ہونے لگتا ہے۔ شیطان سے بھلا ان رحمتوں کا جوش میں آنا کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اُسکو اپنے عدول حکم پر اصرار رہے۔ وہاں گناہ کا اقرار کہاں۔ یہ بندہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہے۔ اللہ کی رحمتوں کا طلبگار بن رہا ہے۔ ایسے مومن کو شیطان توبہ و استغفار کی نعمتوں سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ مشیت کے غلط مفہوم سے گناہ پر اصرار کرانا چاہتا ہے۔ یہ عدو مبین کا ایک فریب ہے مشیت کے اس غلط مفہوم کو دور کرنا ہے تو اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ اور اُسی سے اس امر کی استطاعت طلب کرنی چاہیے کہ فہم نصیب ہو۔ اور یہی اللہ کا ذکر ہے اور انشاء اللہ اسی تسلسلِ ذکر، عبادت و استعانت سے دماغ کا غلجان اور قلب کا اضطراب دُور ہوگا۔ مشیت و رضا کے فہم کے لیے انسان کی عاجزی اور اسکی رحمتیں درکار ہیں۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ۔

مشیت کے متعلق مومن کے دل میں اُسوقت بھی اضطراب پیدا ہوتا ہے جب عذابِ دوزخ کے تصور میں ظلم کا شائبہ پیدا ہو جائے اسکی حکمت اور صفت عدل و رحم کو بندہ فراموش کر جائے اور اپنی اُس استعداد کی نفی کرے جسکا وہ مکلف کیا گیا ہے۔ اور جب وہ اپنے اختیارات کے حدود اور قانونِ دینی کے تحت پیدا ہونے والے واقعات جو عظیم تر کائنات کے اپنے مقصد کی طرف روانی میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملا دے۔ قلبی ایمان کے بجائے عقل تجزیہ و تفکر کرے۔ وہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا سے آگے مکلف نہیں ہے۔ ہر مومن کے دل کی دھڑکنیں اسکی وسعتِ نفس کا ہر آن پتہ دیتی رہتی ہیں۔ یہ کسی سے دریافت کرنے کا امر نہیں ہے، اپنا آپ محاسبہ ہے۔ اسکو اس امر کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ خشوعِ قلب سے ہر معاملہ کے فہم کے لیے اللہ ہی کی جانب رجوع ہو۔ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے اللہ ہی کی طرف دوڑے اور اسکی پناہ میں آ لے۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس۔ اگر قوت کے استعمال کے لیے یہ اپنے آپ کو دیکھیگا-

تو نفس کی طرف رجحان ہوگا، اللہ کی استعانت نہ ہوگی، بدی کی تلخی ہوگی، گناہ سے بچنا دشوار اور ناممکن ہوگا ۔ اسی دید اور عبادت کی طرف بلایا جارہا ہے ۔ الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اہدنا الصراط المستقیم ۔

کائنات جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اسکا رخانۂ عالم ایک خاص ترتیب و نظام اور اٹل اصول و قوانین پر چل رہا ہے ۔ ابتدائی وجود کے آثار وسیع تر زمان و مکان کے تخلیقی پردوں پر نمایاں کیے گئے ۔ پھر ان آثار وجود سے حیات، نشو و نما اور حرکت و ارادہ کی تخلیق کی گئی ۔ عالم جمادی، نباتی، حیوانی وجود میں آیا ۔ انکی تعمیر و تخریب، ترکیب و تحلیل، حیات و موت، ظلمت و نور کی گردشوں سے کسی فعال حق کے وجود کا اظہار کیا گیا ۔ کوئی ہوتا جلال و جمال اور قدرتوں و حکمتوں کو دیکھتا اور پیدا شدہ عالم سے اسکا پتہ چلاتا ۔ اسی دوسرے مقصد کی تکمیل کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ۔ اسکے رحم و کرم، عدل و انصاف اور صفات کی معرفت کے لیے ۔ اس انسان کو عقل و ارادہ کے ساتھ قدرت و اختیار کی بخشش ہوئی ۔ اب بندوں کی جانب سے شوق و اشتیاق اور خلوص و محبت کی پیشکش ہے ۔

قانون تکوینی کے تحت مخلوقات کے دو دائرے قائم ہوتے ہیں ۔ ایک وہ مخلوق جس سے خدا کے وجود، قدرت و طاقت، حکمت و کبریائی کی جلوہ نمائی ہوتی ہے ۔ یہ جلوہ نمائی اس مخلوق کی تسبیح و تحمید ہے ۔ یسبح للہ ما فی السموات والارض اور یسجد للہ من فی السموات والارض طوعا و کرہا ۔ دوسری مخلوق ہے جسکو اس پہلی مخلوق پر شرف حاصل ہے ۔ وہ جلوہ نمائی سے آگے جلوہ آرائی کو دیکھنے کی استعداد و صلاحیت رکھتی ہے اس استعداد رکھنے والے مختار انسان کا اسکی طرف آنا ذوق و شوق سے ہو، یہ اس پیدا کرنے والے کی رضا ہے ۔ وہ جلوہ آرا ہو اور دیکھ کر ذوق و شوق سے بڑھنے کی استعداد رکھنے والا اسکی جانب نہ بڑھے، یہ اسکے غضب کا باعث ہے ۔ اس کی بے نیازی اسکو پسند نہیں کرتی کہ کسی استعداد رکھنے والے کو جبراً بلایا جائے ۔ بس یہی وہ اجازت ہے جس سے عالم انسانی میں تمام معصیتی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں ۔ ولو شاء اللہ لجعلکم امة واحدة ولکن یضل من یشاء و یہدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون ۔ انسان کو استعداد دی گئی ہے، اس لیے وہ یہدی من یشاء ہے اور اسکی جانب سے اجازت ہے اس لیے یضل من یشاء ۔ وہ جو سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ چاہتا تو ہم بدی سے بچ کر نیکی نہ کرتے، درحقیقت اللہ کی صفت صمدیت و بے نیازی کا شکوہ کرتے ہیں، اور اپنے اختیار و تمیزی کو ناپسند کرتے ہیں ۔ گویا کہ وہ انسانی دنیا کے جذب و شوق اور اشتیاق و محبت کی ہنگامہ آرائی کی تخلیق کی شکایت کرتے ہیں ۔ اس طرح کائنات کے ان بلند مقامات کے حصول سے جو حیات، دوام اور ابدی مسرت کے لیے بنائے گئے ہیں اور جو عمل سے آگے صرف جذب و شوق اور محبت ہی کے میدان ہیں، محروم رہنا چاہتے ہیں ۔

بلندیوں کا راستہ قانون تکوینی کے تحت مصائب و آلام سے گزرتا ہے ۔ انسان میں انتخاب و اختیار کی قوتوں کی نشو و نما، جذب و شوق، عزم و ثبات، استقلال، عدل و شجاعت کی پیدائش ان ہی صبر و شکر اور تسلیم کے وسیع میدانوں میں ہوتی ہے ۔ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۔ اور ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات، کی آزمائشوں اور احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لا یفتنون، کے مقامات اسکی ترقی ہی کے لیے بنائے ہیں ۔ ترکیب و تحلیل، تعمیر و تخریب، حیات و موت، ظلمت و نور کی پوری گردشیں اسکے آگے انھیں صفات کی پیدائش کے لیے ہوتی رہتی ہیں ۔ اور وہ بھی جو اس دار العمل میں عمل سے آگے صرف جذب و شوق میں مصروف و سرشار رہا ہے، اسکی صورت گوشہ نشینی کی ہو جاتی ہے، بلند تر مراتب کے حصول کے لیے وسیع تر میدان میں جہاد کی ضرورت ہے ۔ سابقوا الی مغفرة من ربکم و جنة عرضہا کعرض السماء والارض ۔

انسانی دور کائنات میں ایک عبوری دور ہے ۔ اس میں تمام اختیارات کو اپنی ہی بھلائی کے لیے جبر و اکراہ کے دائرہ سے آگے اختیاری طور پر ذوق و شوق کے ساتھ قانون شریعت کے تحت اسکی رضا کے لیے تقسیم پیرو کر دینا ہوتا ہے اور اس عالم بالا میں داخل ہونے کے لیے پوری تیاری جد و جہد کرنی ہوتی ہے ۔ جو اس جد و جہد سے گھبرا جائے اور اسکی استعانت سے بے پروا ہو جائے اسکے لیے اس عالم بالا میں کوئی مقام نہیں ہے ۔ یہ بلند و بالا مقام ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کا مقام ہے، اور فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کا مقام ہے اور صرف متقین کے لیے ہے ۔ باوجود اختیار کے رضا کو حاصل نہ کرنے پر حسرت ہی حسرت افسوس ہی افسوس اور ذلت ہی ذلت ہے ۔

رحمت کس کو کہتے ہیں ؟ کونسی دنیا مجسم ٹھوس اور حقیقی ہے، اس حاسہ کے نہ رکھنے والے کو کیا بتلائیں جو دولت کی ڈھلتی پھرتی چھاؤں کو بلند بلند مکانات میں عیش و آرام کو، کھانے پینے پہننے کی لذتوں کو نفسانی تمنا و حرارت کی تکمیل کو مجسم اور ٹھوس سمجھتے ہیں اور دل میں اضطراب ہی اضطراب رکھتے ہیں ۔ رحمت کی دنیا دل میں مسرت، اطمینان اور نور کو بھر دیتی ہے جس سے دنیا والوں کے دل خالی ہوتے ہیں کون ٹھوس ہے، کون مجسم ہے، کونسی حقیقت ہے ؟ یہ اللہ والے ہی بتلا سکتے ہیں وہو معکم اینما کنتم ۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ ۔ اور الیس اللہ بکاف عبدہ کی مجسم و پر نور کائنات سے سرفراز ہیں انکی نظروں میں انما الحیوة الدنیا لعب و لہو و زینة و تفاخر بینکم و تکاثر فی الاموال والاولاد کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

غیر لیگی لیڈروں کی زبان

ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ جب علیگڈھ اور کشمیر میں بعض لوگوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف غیر مہذبانہ مظاہرے کیے تو ہم لوگوں نے انکے خلاف شدید الفاظ میں اظہار نفرت کیا۔ اس لیے کہ پبلک زندگی میں اگر اس قسم کی حرکات کو جائز یا حق بجانب قرار دیا جائے تو کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اسکے علاوہ مولانا ابوالکلام اپنی تحریر و تقریر میں بے حد شائستہ و محتاط انداز اختیار کرنے کے عادی ہیں) کہ انکے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف کبھی ایک دل آزار لفظ بھی استعمال نہیں کرتا۔ اسکی دل آزاری نہایت نامناسب اور کمینہ حرکت ہے۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض دوسرے غیر لیگی لیڈر اس قسم کی احتیاط ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک بزرگ نے اپنی بعض تقریروں اور بیانوں میں ایک دوسرے کے مسالک پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ "مسلم لیگ پاکستان کی قربان گاہ پر جان، مال، عزت اور مذہب کو قربان کر دینا ضروری سمجھتی ہے"۔ اسکا جواب جو کچھ دیا جائیگا وہ یقیناً دل آزار ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کے خیالات کے اظہار پر اصرار کریگا، اسکو بعض جوشیلے برا بھلا بھی کہہ گزریں گے۔ خاکساروں کے لیڈر علامہ مشرقی نے تو اس معاملہ میں بازاری غنڈوں کو بھی مات کر دیا۔ آپ نے امرتسر میں مسٹر جناح کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ قائد اعظم پر خدا کی لعنت۔ وہ جھوٹا اور مکار اور کافر ہے"۔ اب خود ہی انصاف کیجیے، اگر اسکا جواب بعض غیر ذمہ دار اور جوش میں بھرے ہوئے نوجوان لٹھ سے دیں، تو اس میں قصور کس کا ہے۔ مولوی مظہر علی اظہر نے مسٹر جناح کے خلاف نہایت زہریلی تقریریں کیں اور انہیں کافر تک کہنے میں تامل نہ کیا۔ حالانکہ ہمیں مولوی مظہر علی سے مشرقی صاحب سے زیادہ شائستگی کی توقع تھی۔ مسٹر جناح اور دوسرے ذمہ دار مسلم لیگی لیڈروں نے آج تک اپنی کسی تقریر و تحریر میں کسی کی دل آزاری نہیں کی۔ کسی کو گالی نہیں دی۔ کسی کو کافر نہیں بنایا۔ پھر انکو کیوں گالیاں دی جا رہی ہیں؟

حالات بہت نازک ہیں۔ اس لیے ہم ہر مسلمان جماعت کے لیڈروں اور کارکنوں سے بمنت التجا کرتے ہیں کہ وہ کسی حالت میں بھی (خواہ انہیں مشتعل بھی دلایا جائے) اخلاق اسلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اسی میں ملت اور اسکے اخلاق کی عزت ہے اور اسی میں ہر شخص اور ہر جماعت کی آبرو کا تحفظ مضمر ہے۔ (انقلاب)

سرشاہ سلیمان مرحوم

ناظرین سرشاہ مرحوم، علیگڈھ یونیورسٹی کے مستقل وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ ایسے قابل، بے لوث، اور ان تھک کام کرنے والے ہم میں خال خال ہیں۔ علی گڈھ یونیورسٹی کا کام خصوصیت کے ساتھ نہایت پیچیدہ، بے پایاں، اور مختلف النوع ہے۔ اس سے خاطر خواہ عہدہ برآ ہونا معمولی بات نہیں۔ سرشاہ ہمیشہ ہر اتوار کو یا جب کبھی فیڈرل کورٹ میں چھٹی ہوتی یا موقع مل جاتا، علی گڈھ چلے آتے، اور آنے کے ساتھ ہی یہاں کے کاموں میں منہمک ہو جاتے۔ آفس ہی میں قیام کرتے۔ ڈائننگ ہال سے خرید کر کھانا منگاتے اور آفس ہی میں سوتے۔ وہ یونیورسٹی کا ایک پیسہ اپنی ذات پر صرف نہ کرتے۔ بلکہ اس بارے میں وہ اس درجہ محتاط تھے کہ بعض گزرے زمانے کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ دن رات طلبا، اسٹاف، بیرونی معاندوں اور اکابر سے سابقہ رہتا۔ انکی سنتے، اپنی کہتے اور نپٹاتے۔ انہوں نے کسی سے کسی حال میں ملاقات کرنے سے گریز نہ کیا"۔ (پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ ایم اے)

(بقیہ صفحہ ۵)

ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس معاملہ میں بھی چوکے ہیں۔ "اسی وجہ سے آدم کو تنہا پیدا کیا گیا تھا تاکہ وہ تجھے سکھلائے"۔ ان الفاظ اور قرآنی الفاظ "من احیا نفسا فکانما احیا الناس" میں جو فرق عظیم ہے، وہ بلاغت و نفسیات کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ یہ اسرائیلی روایت تو محض یہ بتاتی ہے کہ یہ حکم ایک اخلاقی تعلیم ہے اور قرآن مجید اسکو ایک اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا فریضہ قرار دیتا ہے۔ دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ بریں اس اسرائیلی روایت میں آدم علیہ السلام کی تنہا پیدائش کا تعلق اس تعلیم سے بالکل غیر واضح ہے۔ حضرت آدم کی تنہائی کو بھلا اس تعلیم میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

"کی ادعائی مماثلت سے ڈاکٹر صاحب سے ڈاکٹر صاحب نے جو استدلال فرمایا ہے، اسکو دیکھ کر یہ مثل یاد آگئی "الغریق یتشبث بکل حشیش" یعنے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ بات اسقدر مہمل ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ جواب دے کر اسکی وقعت کو بڑھایا جائے۔ بس عرض یہ ہے کہ حضرت، بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے"۔

اچھا ڈاکٹر صاحب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "خدا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور اہل ہند کی قبل مسیح کی کتابوں میں بھی اسی لفظ کا مرادف لفظ استعمال ہوا ہے، تو کیا آپ تسلیم کریں گے کہ حضرت علیہ السلام نے اپنی تعلیمات ہندوؤں سے اخذ کی ہیں؟

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبد الماجد
پتہ - دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے لیے صرف خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجیے

چندہ اور اشتہارات وغیرہ
کے متعلق مراسلت اسی پتہ پر ہو -
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
” ششماہی ...
بیرون ہند سے سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۴۶ | سہ شنبہ ۱۶- ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۳- اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

”خاموش لمحہ“

لندن کا مشہور و معروف گھنٹہ گھر BIG BEN جب رات کو نو کا گھنٹہ بجاتا ہے، تو اُس وقت ایک منٹ کے لیے وہ گھنٹہ بھی خاموش ہو جاتا ہے، اور سرکاری طور پر ساری انگریزی عملداری پر کامل سکوت کا تسلط ہو جاتا ہے - انگریزی قوم جو سکوت اور سکون کو شاید جمود بلکہ موت کا مرادف سمجھتی ہے، اور مسلسل حرکت میں برکت خیال کرتی ہے، اس ایک منٹ کے لیے خاموش ہو جاتی ہے اور ہر فرد اُس وقت اپنے عزیزوں، دوستوں، اور قوم و وطن والوں کا خیال کرنے لگتا ہے - ۱۱- نومبر ۱۹۱۸ء سے یہ دستور چلا آتا ہے، اور اُس وقت یہ وجود میں اسی غرض سے لایا گیا تھا کہ جنگ کے زمانہ میں وطن والوں کو اپنے دور گئے ہوئے عزیزوں، دوستوں کی یاد تازہ رکھنے کا موقع ملتا رہے ---- قوم میں اجتماعی شعور پیدا کرنے کے لیے، افراد قوم میں اجتماعیت برقرار رکھنے کے لیے یہ نسخہ اکسیر پایا گیا، اور اب وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اپیل شائع کی ہے، کہ اس دستور کو مستقل کر دیا جائے، کہ یہ جنگ و امن دونوں حالتوں میں اجتماعی یکسوئی کے لیے بے نظیر ہے - انگریز اُس وقت دنیا کے کسی حصہ میں بھی ہو، عین اُس لمحہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ اسی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اتنا لندن اور فاتح برطانوی قوم کے اس ایجاد ”خاموش لمحہ“ سے لگا ہو! لیکن وحدت و یکجہتی کے اسباب میں بدرجہا موثر اور دلکش ”لمحہ“ آپ کے پاس بھی تو ہے، آپ کے ذہن کا گڑھا ہوا نہیں، آپ کے خدا کا سمجھایا ہوا، آپ کے رسول کا بتلایا ہوا! ---- وہ بولتا ہوا لمحہ وہی تو ہے، جس وقت آپ کی مسجدوں کی فصیلوں اور میناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے! کوئی مسلمان اُس وقت کہیں اور کسی حال میں ہو، کچھ کر رہا ہو، پڑھا رہا ہو، کھا رہا ہو، پی رہا ہو، چل رہا ہو، اسکول میں ہو، کالج میں ہو، دفتر میں ہو، دکان میں ہو، کچہری میں ہو، جیل میں ہو، ریل میں ہو، کھیت میں ہو، جنگل میں ہو، معاً اُس پر ذکر اللہ اور نماز کی طرف توجہ واجب ہو جاتی ہے، اور وہ دنیا دار آناً فاناً دیندار بن جاتا ہے! اور سب کے دل میں مادی علائق سے الگ ایک آن دیکھے خدا کی یاد، اور سمت قبلہ کی طرف رُخ کرکے دست بستہ کھڑے ہو جانے کی تحریک تازہ ہو جاتی ہے! ---- یہ نعمت آپ کو ہر روز ایک بار نہیں، پانچ پانچ بار حاصل رہتی ہے - اور وحدت آفرینی کے برقی اثر اور مقناطیسیت میں ہر انسانی اختراع اور ہر مصنوعی ذریعے سے کتنی بڑھی ہوئی! حیف ہے کہ ہم اصل کی قدر نہ کریں، اور اغیار کی ناقص اور ناتمام نقلوں کی طرف لپکیں، دوڑیں، اور انھیں کو غنیمت سمجھیں!

اسلام کا معجزہ

شا ڈسمنڈ کی نئی کتاب یسوع یا پولس JESUS OR PAUL پر اسٹیٹسمین (۱۴- اکتوبر ۱۹۴۵ء) کا تبصرہ:-

”کتاب کا عنوان ہے کہ پولس سے یسوع کی طرف: اس کے مصنف کا دعویٰ ہے، کہ اناجیل اور خطوط کی عبارات و اشارات دونوں سے اسکا قطعی ثبوت مل جاتا ہے کہ یسوع اور پولس کی دو بالکل مختلف

منصبیں تھیں، دونوں کی تعلیمات باہم متضاد، اور آج دنیائے مسیحیت کے جتنے کلیسا ہیں وہ پولوس کے تیار کردہ کہے جا سکتے ہیں۔ یہ راستہ جو تھا ہر جگہ ہی ... معلوم ہوتی ہے، لیکن ... مصنف کی تحقیق بالکل یہی ہے، اور اسکے لیے ... معتبر ... کے حوالہ دیے گئے ہیں۔ اور ... حیثیت یا تفسیر بھی پیش کیا ہے بہت سے جوا... حق حضرات کے لیے یہ امر باعث تشویش رہا ہے کہ مسیحی ... ایک غلط عقیدہ پر رواں ہے۔ یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے لیے سند نہ کلیسا ہے نہ پادری ہیں، بلکہ خود ... ہیں ......"

اصل کتاب کے مطالعہ سے ایک حد تک بے نیاز کر دینے کے لیے یہ تبصرہ کافی ہے۔ مصنف نے اگر یہی کچھ لکھا ہے، اس نے حق بیانی اور اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسلام اور مسیحیت کی یہی تو اصلی جنگ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت و پیام کی طرف واپس چلو، اور مسیحیت کو اصرار ہے کہ ہمارے لیے پولوس کی تعلیم بس ہے حق و باطل کے معرکہ کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے۔ شکر ہے کہ صدیوں کے بعد بھی، ایک آواز تو مسیحستان اور فرنگستان سے دین حق کی تائید میں بلند ہوئی ——— اسے اسلام کا معجزہ نہیں تو اور کیا کہیے!

طوفان زندگی

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (اٹک)

سے تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی زید مجدہم کے متعلق اخبارات میں پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ یہ تحقیر قوم کی خودرائی ہے۔ تحقیر ہی نہیں بلکہ فنائے قوم کا پیام ہے۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد تا دل ... ... بدردے ایذا نکرد

حضرت کا روحانی پیشوا ہونا اور شیخ اعظم ہونا مسلم ہے"

اسی ڈاک سے انجمن اصلاح الکلام (راندیر) کا رزولیوشن موصول ہوا ہے۔ جس میں سید پور (بہار) میں "وارث نبی" اور جانشین شیخ الہند کی توہین پر سخت ناگواری اور بیزاری کا اظہار ہے۔

توہین و تحقیر کسی کلمہ گو کی بھی بلا ضرورت شرعی جائز نہیں، بلکہ داخل معصیت ہے، چہ جائیکہ کسی مقتدا و پیشوا کی۔ اور اس لحاظ سے یہ آجکل جو کچھ بھی، اور جس فریق کی طرف سے بھی، جلسوں میں ہو رہا ہے، یا اخباروں میں لکھا جا رہا ہے، سب یکساں قابل مذمت و مستحق ملامت ہے۔ ایک دوسرے کی ہجو شائع کرنا، تحریر یا تقریر سے ایک دوسرے پر تعریض و طنز کرنا، نظم و نثر میں خواہ مخواہ ایک لیڈر کا دوسرے لیڈر سے تقابل و تفاضل اور پھر اسکے جواب و جواب الجواب کا سلسلۂ نامتناہی، جس سے ہر فریق کے دل میں دوسرے کی طرف سے نفرت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہی نہیں، بلکہ نامناسب اور خلاف مصلحت بھی ہیں۔ بجز اسکے کہ اس سے دوسرے فریق کو اشتعال ہو، اور امت کے اندر مزید تفریق پیدا ہو جائے، نفع نقد کو تو کیا ہوتا، کسی پارٹی کو بھی نہیں ہوتا۔ بلا ضرورت اپنے

د... تعداد میں اضافہ کرنا، تقاضائے عقل و مصلحت

کے ... لیکن دوسری طرف اخباری روایتیں بھی

قوا... ہوتیں۔ کثر لوگ ایسے ہیں، جو صداقت د...

دیانتد... جذبات پر قربان کر دیتے ہوں۔ لاگ گڑھتے ڈھم ہیں،

لیکن ان ... غلط نظر سے دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ صورت واقعہ بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایک بات مولانا مدظلہ کے مریدین و مخلصین کے، اور عام مسلمانوں کے بھی خاص طور پر سمجھ لینے کی ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کی ایک ہی حیثیت نہیں، متعدد و متنوع حیثیتیں ہوتی ہیں، اور کسی کی اگر ایک متعین و مخصوص حیثیت کا انکار کیا جاتا ہے، تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اسکی دوسری حیثیتوں سے بھی انکار ہے، بلکہ اتنا بھی لازم نہیں ... آتا کہ وہ دوسری حیثیتیں سرے سے زیر بحث آ سکیں۔ حسرت موہانی کے سیاسی مسلک سے اختلاف انکے شاعرانہ کمالات سے انکار کو ہرگز مستلزم نہیں۔ جناب جناح صاحب کی سیاسی قیادت سے انکی کے لیے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ وہ انہیں ایک کامیاب و نامور بیرسٹر بھی نہ سمجھتا ہو۔ مولانا ابوالکلام کی لیڈری سے انکار کا کوئی یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھتا کہ مولانا کی انشا پردازی و خطابت بھی زیر بحث آ گئی ہے —— یہ اصل جو عرض کی گئی بالکل صاف و صریح ہے۔ لیکن بحث اور جوش کی گرماگرمی میں ایسی موٹی باتیں بھی ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ مولانا کے مخلصین مطمئن رہیں، کہ یہ جتنے بھی مظاہرے مولانا کے خلاف ہو رہے ہیں، یہ انکے روحانی پیشوا، انکے شیخ و مقتدا اور نائب رسولؐ کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں ہو رہے ہیں۔ کسی نے نہ مولانا کے صاحب ارشاد ہونے پر جرح کی ہے، کسی نے نہ مولانا کے اذکار و اشغال پر گفتگو و بحث کی ہے، اور کوئی نہ مولانا کے مجاہدات کی تکذیب کر رہا ہے۔ مولانا کی ذات ان تمام حیثیات سے اسوقت قطعاً زیر بحث نہیں۔ یہ مظاہرے صرف اُن مولانا حسین احمد کے خلاف ہو رہے ہیں، جو ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ اور وقت کی سیاسی بحثوں میں ایک خاص فریق کے ساتھ ہیں۔ اس قسم کا اختلاف، شدید و ناشدید، امت میں آج سے نہیں، عہد صحابہ سے چلا آ رہا ہے، یہ اہل سنت کے خاص امتیاز و فخر کی چیز ہے، کہ انھوں نے اپنے اندر گنجایش دونوں متقابل ہی نہیں، متحارب فریقوں تک کی رکھی ہے ——— امیر معاویہؓ کو انکار سیدنا علیؓ کے نہ زہد و تقویٰ سے تھا، نہ علم و فضل سے، نہ کسی روحانی، اخلاقی کمال سے۔ اختلاف صرف انکی سیاسی رایوں اور ملکی اجتہادات سے تھا۔ اور اسی اختلاف سے نوبت حرب و قتال تک کی آ گئی۔ یہ واقعہ بہت ہی سبق آموز اور امت کے لیے ہر موقع پر کام آنے والا ہے۔ [نوٹ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ سیتا پور کے واقعات کی تفصیل اخبارات میں نظر سے گزری۔ معاذ اللہ۔ اتنی تندی کسی عامی اور ادنیٰ مسلمان کے حق میں بھی جائز نہیں۔ اور یقین نہیں آتا کہ ایسے سریح مظالم میں کسی بھی ذمہ دار مسلم لیگی کا ہاتھ ہو۔ لیکن یہ افعال ...

سورۃ البقرۃ - رکوع

سلسلۂ صدق نمبر ۲۴

(از عبد الماجد)

ترجمہ	آیت
اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد (عقیدہ) باقی نہ رہ جائے ۷۰۴ اور دین اللہ ہی کے لیے رہ جائے ۷۰۵۔ سو اگر وہ باز آجائیں ۷۰۶ تو سختی کسی پر نہیں بجز اپنے حق میں ظلم کرنے والوں کے	۱۹۳۔ وقاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتہوا فلا عدوان الا علی الظالمین۔

۷۰۳ (ان لوگوں پر یا سرزمین عرب پر)

قاتلوہم میں ہم کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس سے مقابلہ میں دیا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ دوسرے زمین کے عام کفار بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مشرکین عرب بھی سمجھے جا سکتے ہیں لیکن قتادہ و حنفیہ اور بکثرت تابعین نے مراد مشرکین عرب ہی سے لی ہے۔

ومن رآہا غیر ناسخۃ قال المعنی قاتلوا ہؤلاء الذین قال اللہ فیہم فان قاتلوکم (قرطبی) وہم کفار مکۃ والفتنۃ ہنا الشرک ولا یعین بہم سنۃ اہل الکتاب فی قبول الجزیۃ قال ابن عباس وقتادۃ والربیع والسدی (بحر) عطفت علی قاتلوا الذین یقاتلونکم یرید ان مشرکین العرب لیس فی حقہم الا الاسلام او السیف (روح) وہذہ الآیۃ خاصۃ فی المشرکین دون اہل الکتاب لان ابتداء الخطاب جری بذکرہم فی قولہ عز وجل واقتلوہم حیث ثقفتموہم واخرجوہم من حیث اخرجوکم وذلک صفۃ مشرکی اہل مکۃ الذین اخرجوا النبی صلعم واصحابہ فلم یدخل اہل الکتاب فی ہذا الحکم (جصاص)

حتی یہاں اظہار غایت کے لیے ہے اور کے یا الی ان کے مرادف ہے۔

وہذا البیان غایۃ القتال (روح) حتی بمعنی کے او الی ان (مدارک)

لا تکون فتنۃ۔ یعنی حدود حرم اور حدود عرب کے اندر شرک و کفر باقی نہ رہنے پائے۔ فتنۃ سے یہاں کفر و شرک کے مراد ہونے پر گویا کہ محققین امت کا اجماع ہے۔

اے شرک قال ابن عباس وابو العالیۃ ومجاہد والحسن وقتادۃ والربیع ومقاتل بن حیان والسدی (ابن کثیر) اے الشرک باللہ فی الحرم (ابن عباسؓ) اے حتی لا تکون شرک باللہ وحتی لا یعبد دونہ احد (ابن جریر) قال ابن عباس وقتادۃ ومجاہد والربیع ابن انس الفتنۃ ہہنا الشرک وقیل انما سمی الکفر فتنۃ لانہ یؤدی الی الہلاک کما یؤدی الیہ الفتنۃ (جصاص) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائیں تو ان کو اور کفار سے جزیہ دینے کے اقرار پر قتال سے دستکش ہونے کا حکم ہے، لیکن یہ خاص کفار جو کہ مشرکین عرب تھے

ان کے لیے قانون جزیہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے اسلام ہے یا قتل (تھانوی)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، جس کے لیے ضرورت تھی کہ اس کا ایک جغرافی مرکز و مستقر ہو۔ اور روئے زمین پر کم از کم ایک خطہ ایسا ہو کہ جو شرک و کفر سے قطعاً پاک اور اہل توحید کے لیے صحیح معنی میں پاکستان ہو۔ اور اس غرض کے لیے مولد رسول و مہبط قرآن سے بڑھ کر سرزمین اور کون ہو سکتی تھی؟ قدرتاً انتخاب اسی کے لیے سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے لیے صرف قتل کا قانون ہے۔ اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تھانوی)

۷۰۴ (اور کفر و شرک سرزمین کا زور ٹوٹ رہے)

ذکر وہی خطۂ عرب کی خالص اسلامی حکومت کا چل رہا ہے اگر کم از کم اس "پاکستان" میں کفر، ترغیبات کفر کے بے موقع ہی باقی نہ رہیں۔

ویکون الاسلام والعبادۃ للہ فی الحرم (ابن عباسؓ) اے یکون دینہ ہو الظاہر العالی علی سائر الادیان (ابن کثیر) خالصا لیس للشیطان فیہ نصیب (مدارک)

الدین۔ دین سے مراد اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت ہے۔

اما الدین الذی ذکرہ اللہ فی ہذا الموضع فہو العبادۃ والطاعۃ للہ فی امرہ ونہیہ (ابن جریر) الدین ہنا الطاعۃ اے لا یکون الا الانقیاد خالصا للہ (بحر) والدین الشرعی ہو الانقیاد للہ عز وجل والاستسلام لہ علی وجہ العبادۃ والطاعۃ (جصاص)

۷۰۵ (اپنے کفر کا اظہار سے اور ریاست اسلامیہ میں داخل ہو جائیں)

عن قتالکم ودخلوا فی ملتکم واقروا بما الزمکم اللہ من فرائضہ (ابن جریر) عن الکفر واسلموا (معالم)

۷۰۶ (جو اسی بے انصافی کی راہ سے اب تک دین توحید کے منکر ہیں)

اور جب یہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے، تو ظاہر ہے کہ اب اپنے حق میں ظالم باقی نہیں رہے، اور اب ان کے حق میں سزائے قتل وغیرہ کا حکم باقی نہ رہا۔

فلا سبیل لکم بالقتل (ابن عباس)

عدوان۔ اس کے لفظی معنی زیادتی کے ہیں، یہاں مراد ہے سزا سے قتل کے معنی میں ہے۔

والمراد من العدوان ہہنا المعاقبۃ والمقاتلۃ (ابن کثیر) اے العقوبۃ بالقتل (روح) عربی اسلوب بیان میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جزائے عمل کے موقع پر بعینہ وہی لفظ بول دیا جاتا ہے، جو خود اس عمل کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً مکر کے مقابلہ میں مکر ہی کا لفظ، کید کی سزا کے موقع پر لفظ کید کا استعمال، استہزاء کے معاوضہ میں وہی لفظ استہزاء وقس علی ہذا۔ اس صنعت کا نام مشاکلت ہے۔ اور قرآن مجید نے عربی بلاغت کی دوسری صنعتوں کی طرح اس کا بھی بار بار استعمال کیا ہے، چنانچہ یہاں سزائے عدوان کے موقع پر خود لفظ عدوان کا لانا اسی طرز پر ہے

ومن العدوان الذی ہو علی سبیل المجازاۃ قولہ فلا عدوان الا

حکیم الامت
نقوش و تاثرات
(۱۷)

از عبد الماجد

مشورہ ہو یا ارشاد، بزرگانہ نصائح ہوں یا مشفقانہ، سب کچھ سہی بہرحال ناقابل عمل تھا، اکتوبر ۱۹۳۵ء میں بھی اسی طرح ناقابل عمل جیسا کہ جولائی ۱۹۳۵ء میں۔ وہ گرامی نامہ حکیم الامت کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، ارشاد ہوا کہ "اسکا جواب میں لکھ دونگا۔ آپ کو لکھنے میں شاید دقت ہو۔ اس سے بہتر اور کیا چاہیے تھا۔ یہی مقصود ہی تھا ——

اصل مکتوب کے پڑھ لینے کے بعد اب جواب ملاحظہ ہو، اب سے پہلی بار شرف اشاعت ہو رہا ہے:-

مخدومی و مکرمی مولانا عبد الماجد صاحب دامت فیضہم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مولوی عبد الماجد صاحب کے نام جو گرامی نامہ آیا اس میں مشورہ تحویل بیعت کا پڑھا۔ گو اس دیدے کرتے اسکا مخاطب نہیں ہوں، اسلیے مجھکو جواب عرض کرنے کا استحقاق نہیں۔ لیکن چونکہ انکا تعلق اسکا مجھ سے ہے، نیز اس میں مجھ کو مخاطب بنانے کی یاد دہانی بھی ہے، اس سبب سے عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مجملاً تو وہی عذر ہے جو زبانی عرض کیا تھا۔ اور قدرے مفصلاً یہ عرض ہے کہ اس میں مولوی صاحب کا ضرر ہے۔ اسلیے امید ہے کہ اس مشورہ سے رجوع فرمائینگے۔ وہ ضرر یہ ہے کہ میری خشونت و سوء خلق تو مشہور ہے مگر مولوی صاحب کی یہ رعایت و دلجوئی جو کہ صمیم قلب سے وہ آپ ہی کے انتساب سے مسبب ہے۔ کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ وہ اس رعایت سے محروم کر دیے جائیں۔ دوسرے گو انکو مجھ سے موانست کافی ہے لیکن نفع کا مدار اعظم مناسبت ہے اور اسکو میں اول ملاقات میں طے کر چکا تھا۔ اور اسی بنا پر آپ نے میری سفارش کو قبول فرمایا جسکا میں شکرگزار ہوں۔ اور اگر ان دونوں بناؤں کو آپ ضعیف خیال فرمائیں تو میں بھی انکی تقویت پر زور نہیں دیتا۔ لیکن جب اول بار میں یہ قول خود میری خاطر منظور رکھی سو اب میری خاطر منظور فرمائی جائے، اور جس طرح سے کام چل رہا ہے چلنے دیا جائے کہ آپ انکے مخدوم رہیے اور مجھ کو خادم رہنے دیجیے۔ اس جدید تبدل میں میری اور انکی دونوں کی پریشانی مضمر ہے جسکا گوارا کرنا خلاق سامی سے بعید اور بہت بعید ہے۔ اور جب اسکا مجھ پر مدار ہے اور میری طرف سے محض انکار ہے تو مولوی صاحب کو ایسی بات کا حکم فرمانا جو انکی قدرت سے خارج ہے تکلیف الایطاق ہے جو ہر پہلو سے ممنوع ہے۔ والسلام

ناکارہ ننگ انام اشرف برائے نام از تھانہ بھون جمادی الاولیٰ

مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں حضرت تھانوی ... روشن ہو جاتا ہے تاریخ علم دونوں حضرات کے تعلقات اشدید کی اختلافات کے باوجود آپس میں کتنے شگفتہ اور مخلصانہ تھے، اور مضمون جواب کی جامعیت تو قابل دید ہے۔ ہر گوشہ کو گھیرے ہوے اور ہر پہلو کو سمیٹے ہوے ہے —

وہ جواب ایک لفافہ میں رکھا ہوا میرے پاس آیا، اور اسکے ساتھ ہی ایک رقعہ میرے نام بھی:-

"مکرمی سلمہ - السلام علیکم - میں نے یہ ایک مضمون مولانا کے جواب میں لکھ دیا ہے - ہر چند کہ بوجہ اپنے مخاطب نہ ہونے کے مجھکو استحقاق خطاب کرنے کا نہ تھا، مگر چونکہ آپ آزادی سے شاید انکی خدمت میں عرض نہ کر سکتے، میں نے بطور اعانت کے یہ خطاب کیا ہے - اب میری استدعا یہ ہے کہ آپ آزادی سے اس پر نظر فرماویں - اگر کسی ترمیم کی حاجت نہ ہو تو اسکو مع اپنے تائید کے مضمون کے روانہ فرماویں - اور اگر ترمیم مصلحت ہو تو اسکو بعینہ فرماویں اور ترمیم کا لحاظ اپنی تحریر میں فرمالیں، مگر میرے آئندہ بھروسہ کے لیے مجھکو ترمیم کی اطلاع فرمادیں، تاکہ آیندہ اسی لحاظ سے عرض معروض کیا کروں - والسلام - اشرف علی"

ترمیم کی کیا ضرورت بھلا کیا گنجائش تھی - بڑے شکریہ کے ساتھ بعینہ اس خط کو اپنے عریضہ کے ساتھ روانہ کر دیا۔ —— "بزرگی" کا جو عام تخیل دلوں میں بیٹھ گیا ہے کہ "بزرگ" اور اہل اللہ وہ ہے جو بس تسبیح پڑھتے رہنے کے اور کچھ نہ جانتا ہو، نہ اسکا کوئی شغل ہو، نہ وہ کسی معاملہ میں کوئی مشورہ یا رائے صائب دے سکے - محض بھولے بھالے قسم کا زاہد خشک ہو، مولانا کی بزرگی اس سے کتنی مختلف تھی! اور انھیں پہلوؤں کی تھوڑی سی بہت نقشہ کشی ان "نقوش و تاثرات" کی علت غائی ہے۔

دن گزرتے گئے، اور ہفتوں پہ ہفتے بیتتے گئے۔ سفر حج کو ستنے کرکے وطن سے باہر اتنے دور رہنے کا یہ اتفاق مدتوں کے بعد ہوا تھا۔ اپنی کیفیت عاشقانہ نہیں۔ یہ نہ تھا کہ وطن یاد نہ آتا ہو۔ وہاں کی ضرورتوں اور کاموں کی طرف خیال نہ جاتا ہو۔ یاد برابر ایک ایک چیز آ رہی تھی۔ ہر ہر ضرورت کا احساس تازہ تھا۔ طبیعت نہیں، عقلاً یہاں کے قیام کو سب پر ترجیح تھی۔ فطرت بشری عجب متضاد عنصروں کا مجموعہ ہے۔ انسان ایک ہی وقت میں مختلف سمتوں سے کتنا کشش میں رہتا ہے۔ عمر ہی اس کشمکش میں تمام ہو جاتی ہے۔ مبارک اور خوش نصیب ہے وہ جو کسی درجہ میں عقل کو حاکم اور طبیعت کو مغلوب رکھے۔ اکبر کے حکیمانہ مصرعہ

غافل نے ادھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا

یہ "ادھر" اور "اُدھر" سے اشارہ اسی طبیعت اور عقل کی کشمکش کی جانب ہے۔ اور پھر تھانہ بھون کی سی پر سکون فضا اور کہاں نصیب ہو سکتی تھی۔ راحت قلب اور تسکین خاطر کا ہر سامان موجود

پانچوں وقت مولانا کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ... ساتھی!
آہ، وہ جہری نمازوں کی لذت! فن تجوید میر ... فن والے
جائیں، لیکن آواز کی دلکشی اور تاثیر کو تو ... جہ سکتا۔
غضب کی دلکشی تھی۔ فجر کی قرأت خاصی طویل ... رحجا ہی کہتا
کہ بس سنتے جائیے!

عتاب کے منظر بھی اس مدت میں بارہا دیکھے، مولانا کے ہاں کوئی چیز راز کی یا پوشیدہ نہ تھی۔ یہ منظر اکثر ہی عید و برداری مجلس عام میں پیش آتے۔ مولانا بڑے ہی لطیف الحس و ذکی الحس تھے۔ کسی بے ڈھنگی اور بے قاعدہ بات کی برداشت نہ تھی۔ لوگ آتے، اور ذرا بھی بے قاعدہ باتیں کرنے کے مورد عتاب ہو جاتے۔ تکلف اور مصنوعی ادب وتعظیم تو گویا حضرت کی چڑھ تھی۔ لوگ عموماً اسی کے عادی۔ غیر مجلس پر جو گزرنا ہوتی گزر جاتی۔ لیکن اتنا تو ہر حال ہوتا کہ خود اسکو بھی آئندہ کیلئے سبق مل جاتا اور دیکھنے والوں کو بھی ہدایت وبصیرت ہو جاتی۔ مجذوب کے اس مصرعہ میں کہ

سینکڑوں کا محروم بھی محروم نہیں ہے

شاعری نہیں، واقعہ بیانی ہے۔ مجلس میں سب سے زیادہ دھیٹ اور بے لحاظ بھی ناسپاسی نہ تھا۔ بارہا عین عتاب کے وقت مجرم کی طرف سے کچھ عرض معروض کی جرأت کر گزرتا۔ حضرتؒ کا کمال حلم تھا کہ تبسم کے ساتھ، نرم لہجہ میں کچھ جواب ارشاد فرما دیتے——

برکتوں کے دن، فیض کی راتیں گزرتی گئیں۔ آغاز انجام کو پہونچا۔ مدت قیام ختم ہو گئی، اور نومبر کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ یہ مسافر اس آستانہ سے رخصت ہو گیا، نوازشوں اور عنایتوں سے مالامال، پھر بھی حسرتوں سے گرانبار۔ ع

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بہت کچھ پوچھ ڈالا، بہت کچھ بے پوچھے پاچھے سن لیا۔ لیکن جو پوچھنا اور سننا اور سیکھنا باقی رہ گیا، اسکی میزان اس سے بھی کہیں زائد!

... پہونچا، تو اپنے نامور ہمنام اور مخلص کرم فرما مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم کا دعوت نامہ حضرت مولاناؒ کے نام جلسۂ مخالف شاردا ایکٹ میں شرکت کے لیے اپنی ڈاک میں پایا۔ بات ابھی معمولی معلوم ہوتی ہو، اُسوقت معمولی نہ تھی۔ یہ شاردا ایکٹ کیا؟ اس کی مخالفت میں جلسہ کیسا اور کہاں؟ اور مولانا کی شرکت کی اس میں کیا اہمیت؟ ہر سوال ایک مستقل جواب چاہتا ہے—— اسی کی نشو شدہ سو جوں کو کوئی حال کی فضا میں کیسے ڈھونڈ لائے!

مرکزی اسمبلی میں ایک ہندو ممبر آنریبل ہر بلاس شاردا نے مسودہ قانون یہ پیش کیا تھا، کہ ہندوؤں میں نابالغی کی شادی بہت نقصان پہونچا رہی ہے، اسکی قانونی ممانعت ہونی چاہیے، اور لڑکی اور لڑکے کی شادی فلاں عمر سے قبل جرم قرار دیدینی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ قانون کا تعلق تمام تر ہندوؤں سے تھا۔ بعض ناسمجھ مسلمان ممبروں نے خواہ مخواہ اسکا دائرہ مسلمانوں کے لیے بھی وسیع کرا دیا۔ اب مسلمان چونکے، اور صحیح احساس کے ساتھ کہ یہ عمر ازدواج کی قید تو شریعت کی آزادی میں صریح دست اندازی ہے، لگے اسکی مخالفت میں جلسہ کرنے اور رزولیوشن پاس کرنے۔ خوش قسمتی سے تحریک کی رہنمائی کی باگ مولانا بدایونیؒ کے ہاتھ میں آگئی جو مذہب و سیاست کے صحیح امتزاج کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ اور مولانا شاہ عبدالماجد بدایونی مرحوم بھی وقت کی دوسری مفید اور ملی تحریکوں کی طرح اس میں بھی پیش پیش تھے۔ ۲۲۔ دسمبر کو کانپور میں مولانا محمد علی کے زیر صدارت ایک عظیم الشان مرکزی جلسہ اسی مقصد کیلئے قرار پایا! اور مولانا بدایونی کی طرف سے علاوہ عام مطبوعہ دعوت نامہ کے ذیل کا ذاتی اور خصوصی دعوت نامہ حضرت مولاناؒ کے نام اس فقیر کے توسط سے موصول ہوا:—

اللہ: الاسلام

ذو المجد والکرم عظیم القدر جناب مولانا شاہ اشرف علی صاحب مدظلہ

السلام علیکم۔ فقیر عبد الماجد القادری البدایونی عارض دعا ہے۔

ضروریات مذہب و حالات اسلامیہ کا تقاضا ہے کہ میں جناب سے گزارش کروں کہ ۲۲ دسمبر کو کانپور تشریف لا کر قانون خلاف شریعت کے انسداد و ہماری مجلس میں اپنے مذہبی و عالی خیالات سے ہماری امداد فرمائیے۔

میں سنتا ہوں کہ جناب سفر کے کم عادی ہیں۔ اور موسم بھی تلخ ہے۔ اور شاید مسافت بھی زائد، اور جناب کے حالات و اوقات بھی مشغول اور گھرے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اسکے مجھے جو امر داعی و باعث ہو رہا ہے وہ ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی خدمت تحفظ شریعت، اور اسکے لیے ہر طبقہ کے مسلمانوں کا ایک مرکز تحفظ شریعت پر مجتمع ہو جانا۔

یقین ہے اس امر کی اہمیت کا ممتاز لحاظ فرما کر اور فقیر کی تحریک کو درجۂ اختصاص وقبول دے کر محض دین و مذہب کیلئے باوجود مشاغل کثیرہ یا اعذار واقعیہ تکلیف سفر گوارا فرمائی جائیگی اور نوید تشریف آوری سے اطلاع بخشی جائیگی۔

میرا مسلک دعمل اس مقصد وحید کیلئے ہر مخلص و خادم شریعت اور مخالف قانون زیر نظر (شاردا ایکٹ) کو وسعت قلب کے ساتھ شریک کار و رفیق عمل و مشیر تدابیر بناتا ہے۔ اسکی اہمیت آپ کے ذہن و فکر میں بھی مجھ سے کم نہ ہوگی۔

اور یقین ہے کہ اس بار آپ غیر معمولی ہمت سے کام لیکر اپنے عزم مصمم اور شرکت کے وعدہ سے مطلع فرمائیں گے۔

مطبوعہ دعوت نامہ بھی حاضر کیا جائیگا مگر یہ عریضہ فقیر کے

سڈل کے خرافات

(مولانا ابو الجلال ندوی (عمر آباد، صوبۂ مدراس) کا مراسلہ نگار کے ستمبر میں) اتفاق سے دیوبند [illegible] کا نگار نظر سے گزرا۔ معلوم ہوا آپنے ڈاکٹر سڈل کی کتاب انجیل دی سورسز آف دی قرآن کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ براہ مہربانی آپ جس شرط سے بھیج سکتے ہوں ایک نسخہ میرے پاس بھیجیے اور اصل انگریزی کا پتہ لکھیے کہ کہاں ملتی ہے میں انشاء اللہ کوشش کرونگا کہ اسکے اُن عناصر کا جواب دوں جو خاموش مسلمانوں کے بے چین طالبان حق کو شبہ میں ڈال سکتے ہیں۔

ایک مذہب کا دوسرا [illegible] ہے مذہب کے خلاف جب دانش [illegible] مہم چلائی جاتی ہے تو ہوائی [illegible] شکوک پیدا کر دیتا ہے۔ غیر ضروری باتوں کو اتنی ہوا دے دیتا ہے کہ مخاطب کا ذہن الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اور اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی جواب دینے بیٹھے تو اسے اتنا لکھنا چاہیے کہ اُسے پڑھنے کیلیے بھی لوگوں کو فرصت نہ ملے۔ اس لیے [illegible] اتنی سی بات کہنا ہے کہ اگر لکھنے والے کو خود وہ اہم سمجھتا ہے لکھیں [illegible] چاہتے ہیں ایسی باتوں کا جواب دیا جائے جنھیں آپ اہم سمجھتے ہیں، آپ کے حاشیوں سے پڑھنے والے یہی سمجھا ہے [illegible] اگر آپکا خیال ہے کہ آپنے صحیح سمجھا ہے تو پہلے مہربانی کر نسخہ میں جو چیزیں میرے لیے بعض اہم مقامات پر نشان لگا دیجیے۔

[illegible] پر ایک صاحب مضمون نے ڈاکٹر سڈل کی عربی زبان سے [illegible] واقفیت کا ثبوت دیا ہے، لفظ او واقفیت پر آپ نے نشان [illegible] کر حاشیہ لکھا ہے کہ اس بحث میں اسکے اصل اعتراض کو سامنے رکھا جائے اور وہ یہ ہے کہ فارقلیط کا لفظ انجیل میں موجود ہی نہیں تھا اور [illegible] ایک یونانی لفظ سمجھ کر آمد رسول کی پیشین گوئی بنا کر دی گئی، کیا آپ اس اعتراض کو قابل توجہ سمجھتے ہیں؟ گو لوگ آپ کو بے دین کہتے ہیں، اور میں نہیں جانتا کہ انکا کہنا کہاں تک بجا ہے لیکن آپ سے اتنا حسن ظن رکھنے کا مجھے حق ہے کہ قرآن مجید کو اصلی ترتیب کے ساتھ نہیں تو بے ترتیب سہی اسکے ہر جملہ کو اللہ کا کلام نہیں تو کلام محمد ضرور مانتے ہونگے۔ اللہ تو خیر ایک بڑی ہستی ہے، ہمارے وہم و فکر سے بلند تر کون پڑھا لکھا آدمی ہے جو محمد صلعم اور انکی صداقت کو نہ جانتا ہو، حضرت مسیح کی زبان سے صاحب قرآن نے خواہ وہ خدا ہو یا محمدؐ، یہ فرمایا ہے کہ میں ایک رسول مبشر ہوں جسکا نام احمد ہے۔ اگر یونانی لفظ سمجھ کر کسی نے احمد رسول کی پیشگوئی بنا دی ہے تو یہ شخص نہ تو محمد ہو سکتا ہے نہ خدا۔ محمد صلعم یونانی سے واقف نہیں تھے، اس لیے وہ کسی لفظ کو یونانی سمجھ کر پیشین گوئی قرار نہیں دے سکتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ سورۂ صف کی [illegible] آیت قرآنیہ "مبشراً برسول یاتی من بعدی" پر ختم ہو جاتی ہے [illegible] قول مسیح کی مزید تفسیر ہے۔

[illegible] ہو خواہ خدا سے ہو یا محمد سے۔ اس نام کو الفاظ فارقلیط سے کرتا ہے، کلیسائی مناظرین نے [illegible] احمد اور فارقلیط کو دونوں لفظوں کو مترادف قرار دیا اور یہیں سے تصنیف آپ [illegible] کیا ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت؟

[illegible] حضرت محمد کا یہ فرمانا کہ مسیح نے اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی پیشین گوئی کی تھی، اُن عیسائیوں کے عقیدہ کی بنا پر باطل کر دیا ہے جس کی نیابت ڈاکٹر سڈل نے کی ہے" خاموش متکلمین کو جو کیساں تمام ادیان پر معترض ہیں، اس سوال وجواب سے مطلب؟

اناجیل میں روح قدس کے آنے کی پیشین گوئی کثرت سے موجود ہے اور کوئی عیسائی اس کا منکر نہیں، البتہ وہ ایک عجیب وغریب تخمین خیالی زبان کو جو کہ کتاب الاعمال کے بیان کے مطابق حواریوں کے اوپر آگ کی شکل میں اُتری تھی، اور جس کی بدولت اچانک دنیا بھر کی زبانیں وہ لوگ بولنے لگے۔ اس موعود روح القدس سے تطبیق دی جاتی ہے۔ بائبل میں روح کا لفظ بکثرت الہام اور صاحب الہام کے معنی میں آیا ہے، قرآن میں روح کا لفظ انسانی جان، فرشتہ، وحی اور کلام کے معنی میں آیا ہے ممکن ہے اسی پیشین گوئی کا قرآن میں حوالہ ہو، ایک موقع پر حضرت مسیح نے اپنے بعد آنے والے ایک شخص کو جہان کا سردار اصل عبرانی میں "اَدُون حَتُولہ" کا لقب دیا ہے جسکے معنی بادشاہ یا امیر ہو سکتے ہیں (اس وقت حوالہ یاد نہیں) عیسائی لوگ اس سردار جہان کو اپنے پر پیچ دلائل سے ابلیس قرار دیتے ہیں، ممکن ہے آیت مذکورہ میں اسی کا حوالہ ہو۔ ایک موقع پر حضرت مسیح نے اپنے بعد آنے والے ایک شخص کو "روح امت" کا لقب دیا ہے (یوحنا باب ۱۴- آیت ۱۶- اور باب ۱۵- آیت ۲۶) اور اس آنے والے کو یہ لقب دیتے ہوئے کتاب موسیٰ کا حوالہ دیا ہے (یوحنا باب ۱۵- آیت ۲۵) روح امت کا ترجمہ روح حق کیا جاتا ہے اور یہ ترجمہ اس لفظ کے غلط یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے۔ عبرانی ہے جو کبھی کبھی آخر میں واقع ہونے کے بعد ماقبل کی حرکت کے مطابق الف اور ی کی آواز دیتی ہے اور ت کی شکل سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اصل میں یہ لفظ روح امی (النبی الامی) تھا۔ کتاب موسیٰ کے موجودہ نسخے میں نہ تو روح امت کا ذکر ہے اور نہ روح امی کا لیکن قرآن میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک مرتبہ دعا کی تھی کہ ہمارے لیے اس دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ لے۔ اسکے جواب میں اللہ کی جو وحی ہوئی تھی اُس میں یہ بھی تھا کہ میں نے رحمت اُن لوگوں کے حق میں لکھ لی ہے جو "یتبعون الرسول النبی الامی" اسکے بعد وحی موسوی کی مزید قرآنی تفسیر ہے کہ "الذین یجدونہ مکتوباً عندہم فی التوراۃ والانجیل" انجیل کے متعلق قرآن نے دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ عیسیٰ مسیح کو وحی کی گئی تھی۔ اعراف کی اس آیت کو سورہ صف والی آیت کے ساتھ یوحنا باب ۱۵ والی پیشین گوئی پر نظر کرتے ہوئے میرا [illegible] یہ ہے کہ سورۂ صف میں جس کلام مسیح کا تذکرہ ہے وہ وہی ہے

جبکہ حوالہ ابھی ابھی اوپر دیا گیا ہے ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب مضمون نے ڈاکٹر ... سے جو واقفیت کا جو اعلان کیا ہے اُس میں آپ بر ... وہ عربی سے واقف تھا یا نہیں اس کا فیصلہ اس کے بعد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپکا یہ کہنا اگر ٹھیک ہے فارقلیط کا لفظ انجیل میں موجود ہی نہیں تو یا تو دانستہ جھوٹ بولتا ہے یا خود اپنے مذہب کے متعلق اسکا علم صرف تراجم پر مبنی ہے فارقلیط کا لفظ ایک جگہ نہیں یوحنا کی انجیل میں چار جگہ آیا ہے ۔ آپ کے پاس اگر عبرانی نسخہ انجیل کا ہو تو دیکھیے ۔ یوحنا باب ۱۴ - آیت ۱۶ و آیت ۲۶ و ... باب ۱۶ - آیت ۷ ... باب ۱۴ آیت ۱۶ کی اصل عبارت عربی خط میں ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

وِ اِنِی اَشْاَلَہ یَاٰبِی وِ ھَوا یِتّن لَکِم
اور میں مانگونگا اپنے باپ سے اور وہ دیگا تم کو

اَحَر اَشَر یشکون
فارقلیط دوسرا جو بسے گا

اِتّکِم لَنِصَح
تمہارے ساتھ نصیحت کرنے کو

آپ اگر عبرانی نہ جانتے ہوں تب بھی اس عبارت کو سمجھنے کیلیے آپ کی عربی دانی کافی ہے۔ اس جگہ فرقلیط کا لفظ بغیر حرف تعریف لکھا ہے، دوسرے مقامات پر اسکے اوپر حرف تعریف ھ لگا ہوا ہے یہ لفظ دو عبرانی لفظوں کا مجموعہ ہے - عربی نحوی اصطلاح کے مطابق اسے ہم مرکب ناقص کہہ سکتے ہیں، پہلا لفظ فر ہے جس کی اصل عبرانی اشتقاق کی رو سے ف آ ر (فار) اور ف ر آ (فرا) ہوسکتی ہے۔ اگر اسے فرا سے مشتق مانا جائے تو اسکے معنی رسول کے ہیں۔ بائبل میں اسکے مشتقات میں سے ایک ... (میں نے رسول بھیجا) کئی جگہ آیا ہے ۔ حضرت اسمٰعیل کا لقب بائبل میں فرآدم ہے جس کا ترجمہ عبری لغت کے مطابق نہیں عربی لغت کے مطابق عیسائی حضرات وحشی انسان یا گورخر انسان کرتے ہیں، جو محض بے معنی بات ہے۔ فار کے معنی نور کے ہیں، اسی سے فاران مشتق ہے اور فاران اس پہاڑ کا نام ہے جس کو عرب جبل النور کہتے تھے۔ قلیط، قلط، قولط اصطلاحاً عبرانی میں ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں خونریزی کی ممانعت ہو، عیسائی حضرات اپنے خود ساختہ عقائد کی مجبوری سے اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کے لیے تیار نہیں، کیونکہ حضرت مسیح کے زمانہ میں مکہ کے سوا کوئی جگہ فارقلیط نہیں تھی اسلیے انھوں نے اس عبرانی لفظ کے یونانی تلفظ کو اصل یونانی قرار دیدیا، اور ہر زمانہ میں اس لفظ کے بدلتے ہوئے ترجمے کیے۔ فارقلیط کے معنی رسول مکہ یا نور مکہ ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں ہوسکتے، جو لوگ اسے یونانی قرار دیتے ہیں وہ اس یونانی لفظ کی یونانی اصل کا سراغ نہیں دے سکتے ، لفظ فارقلیط کے دونوں عبرانی اجزا عبرانی لٹریچر میں ملینگے اور کون کہہ سکتا ہے کہ پیریکلیوتاس کے علاوہ اس قسم کا کوئی دوسرا لفظ یونانی میں مل سکتا ہے اور یہ بھی کون کہہ سکتا ہے کہ بائبل کے علاوہ ترجمہ بائبل سے قدیم کسی یونانی عبارت میں یہ لفظ مل سکتا ہے۔ آپ برہم ہونگے اگر ہم ڈاکٹر سنڈل کے ادعا کو محض بددیانتی پر مبنی قرار دیں۔ حضرت مسیح نے ... "معولم روح صداقت" اور لفظ فارقلیط کے آنے تک یروشلم کے ساتھ چپکے رہنے کی وصیت فرمائی تھی اس وصیت کے صاف معنی یہ تھے کہ فارقلیط کے آنے کے بعد یروشلم سے چپکے رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ فارقلیط کے شہر قلیط (مکہ) سے چپک جانا چاہیے

مشنری رہنمایان دین مسیح کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ خود اپنے دین پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اسکی اس طرح تردید کرتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے کے ذہن میں اصل اعتراض نہ آنے پائے لیکن اسکی بنیاد متزلزل ہو جائے ۔ فارقلیط کے لفظ پر جو بحثیں عیسائیوں نے چھیڑی ہیں اسکا آغاز مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوا آپ جانتے ہیں کہ مسلمان علما انبیاے سلف کے اقوال زیادہ تر کعب بن احبار، ربیع بن انس اور دوسرے ماہرین اسرائیلیات کی سند سے پیش کیا کرتے ہیں نہ کہ خود بائبل والوں کے حوالوں سے صرف پچاس ساٹھ برس ہوئے کہ بعض مسلمان علماء نے اصل بائبل اور تالمود وغیرہ پر نظر ثانی شروع کی، پچاس ساٹھ برس سے پہلے علما میں سے ابن تیمیہ کو چھوڑکر پوری اسلامی تاریخ میں کسی کو لفظ فارقلیط کا علم نہیں تھا - یہ شبہہ کہ فارقلیط سے رسول مکہ مراد ہے' خود عیسائیوں کو ہوا' اور بجاے اسکے کہ ایمان دار یہ کہتے کہ ہمارے مفکرین کا یہ شبہہ غلط ہے' انھوں نے خود رسول مکہ پر ایک بہتان گڑھ دیا کہ فارقلیط کو ایک یونانی لفظ سمجھ کر آنحضرت کی پیشین گوئی کر دی گئی" معلوم نہیں کہ یہ آخری فقرہ آپ کا ہے یا اصل مصنف ڈاکٹر سنڈل کا - اگر مصنف کا ہے تو وہ موجود نہیں اس سے اب کیسے کہا جائے، اور اگر آپ کا ہے تو فرمایئے کہ اس لفظ کو رسول کی پیشین گوئی سمجھنے کےلیے اس لفظ کی زبان معلوم کرنے کیا ضرورت ہے، لفظ آیا ہی ہے پیشین گوئی کے موقع پر، چاہے یونانی ہو چاہے عبرانی، بہرحال ہے رسول مکہ کی پیشین گوئی ——— قرآن مجید ہمارے علم و بصیرت کے مطابق چاہے خدا کا کلام ہو' یا مشککوں کے وہم و گمان کے مطابق محمد عربی کا کلام' بہرحال اس نے مسیح کی پیشین گوئیوں کا صحیح ماحصل پیش کیا ہے - اسمہ احمد کہکر قرآن نے اپنے صاحب کو موعود مسیح سے تطبیق دی ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

(بقیہ صفحہ ۲)

چونکہ منسوب اسی جماعت کی جانب ہے، اس لیے مقامی لیگ جس قدر جلد ایسی منافی سے اپنی بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کر دے، اسی قدر اس کی شرافت اور نیکنامی کے حق میں بہتر ہوگا، اور مرکزی لیگ کو تو سختی کے ساتھ ایسے اعمال کے خلاف احکام امتناعی جاری کر دینا لازمی ہے]

پرانے سکے

"بغداد - علاقہ شولیقیہ میں مقام مازرہ کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، کہ انہیں ایک بوتل ملی جسکے اندر سے خلیفہ بغداد مقتدر باللہ کے زمانہ کے چاندی کے سکے نکلے۔ اس قسم کے سکے مدت درازی کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ انکے ایک رخ پر خلیفہ گھوڑے پر سوار دکھائے گئے ہیں، اور دوسرے رخ پر زرعی دولت کی سی علامت معلوم ہوتی ہے۔" (انگلو ایجنسی، اسٹیٹسمین، ۱۴ - اکتوبر ۳۵ء)

خلیفہ مقتدر باللہ کا زمانہ سنہ ۲۹۵ تا ۳۲۰ھ کا ہے، عہد نبوت کے تین ہی سو برس کے اندر مسلمان کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے، اور بادشاہ کی تصویر علانیہ شاہی سکوں پر چھپنا شروع ہو گئی تھی۔ پھر آج کی تصویر پرستی کو کوئی کیا کہکر روئے! ---- وہ چاندی کے سکے اپنے زمانہ میں کتنے قیمتی ہونگے، آج دنیا کے بازار میں انکے لیے کہیں کوئی جگہ ہے بجز عجائب خانوں کے! یہ حال ہے اس دنیا کے سب سے زیادہ قیمتی ذخیروں، سونے اور چاندی کی ناپائیداری کا!

تصوف پر لائبل

اس عنوان سے جو شذرہ صدق نمبر ۔۔ میں نکلا تھا، ایک ندوی عزیز اسکے اور اسکے قبل کے ایک نمبر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:—

صدق کی قریبی اشاعتوں میں ترجمان القرآن کے شذرات پر جو نوٹ نکلے ہیں اسکو پڑھکر دل کی گہرائی سے دعا نکلی۔ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو عرصہ دراز تک قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ یہ بھی دعا ہے کہ حق اور اہل حق کی جانب سے اس دفاع کا صلہ دنیا سے زیادہ آخرت میں نصیب میں آئے۔ یہاں ترجمان پڑھنے کو مل گیا تھا، اور شذرات پڑھکر دلی کرب میں مبتلا تھا، الحمدللہ کہ صدق کے شذرات نے اس کرب کو دور کر دیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والآخرۃ۔ دعا کیجیے کہ شرح صدر ان حضرات کو بھی حاصل ہو جائے، جو اگر چاہیں تو دین کے بہترین خادم بن سکتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

خصوصی جذبات کا ترجمان ہے

فقیر عبد الماجد القادری الدریابادی

(از کانپور - ۔۔۔ - ترجمان استقبال بخدمت مولانا عبد ۔۔۔ صاحب)

بدایونی ایک بڑے خوش بیان مقرر اور نامور خطیب تھے، اسی طرح برابر دو مجلس فرما رہتے۔ اور ۔۔۔ خصوصی سفر فرماتے تھے۔ حضرت مولانا سے جو کچھ مناقشت تھی، اول تو عقائد میں ۔۔۔ بریلوی اختلافات دونوں سے (پشتوں سے) سد راہ بنا ہوا ۔۔۔ نوبت تکفیر تک کی آ چکی تھی۔ پھر ذاتی طور پر سیاسی اختلافات بھی شدید قسم کے حائل رہ چکے تھے۔ اس صورت میں حضرت مولانا کو مدعو کرنا بہت عالی ظرفی کا کام تھا۔ مولانا سے بدایونی کرگزرے۔ ادھر حضرت مولانا بھی غیر علمی سیاسی جلسوں میں تو کیا جاکر شریک ہونے، یوں بھی وعظ، تلقین یا اور کسی غرض سے سفر کرنا اب کئی سال سے ترک کر چکے تھے۔ اور آشوب چشم کے عذر سے اب وطن سے کہیں باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ ایک مطبوعہ معذرت اس باب میں شائع و تقسیم بھی فرما چکے تھے ---- مولانا بدایونی نے مجھ سے محض پوزیشن ہی معذرت نہیں لینا چاہی، بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اس دعوت نامہ کو اپنی سفارش کے ساتھ حضرت تک پہنچا دو ۔۔۔

ترقی پسندوں کی کانفرنس

ادھر پہلا وقت آیا، ادھر "ترقی پسند" مصنفین کی کانفرنس ہونے لگی! عجیب بات ہے جو زمانے وقت کا ساتھ دیتے ہیں، بغیر "ترقی پسند" کہے جاتے ہیں! مگر یہ "ترقی پسندی" ہے کیا؟ مہاتما گاندھی نے ایک مرتبہ "ترقی" کو "طرقی" لکھا تھا، اس اعتبار سے یہ "طرقی پسند مصنفین" کہلائے جائینگے۔ اور اگر ڈاکٹر سید محمود کی رسم الخط کی تحریک پر عمل کیا جائے کہ متعدد اور مختلف صورت حروف کی جگہ فقط ایک حرف لکھا جائے تو یہ "ترکی پسند مصنفین" کہے جائینگے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہ گوناگونی ترقی پسند ادب کی گوناگوں تعبیروں اور تفسیروں کے عین مطابق بھی ہے۔ شاید اسی مصلحت کے پیش نظر "ترقی پسند" مصنفین کی کانفرنس کے اجلاس بھی گوناگوں نظر آتے ہیں۔ چاہے صدر مجلس استقبالیہ ایک ہی کیوں نہ ہوں! اب یہ اور بات ہے کہ موخر الذکر کی مصروفیات کے کئی پہلو اور کئی رخ ہیں! کئی پہلو اور کئی رخ "ترقی پسند ادب" کے ہوں تو ہوا کریں۔ دل جلے تو "ترقی پسند" ادیبوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ نہ ترقی ہے اور نہ پسند ہے بلکہ وہ ادیب بھی نہیں! مگر "ترقی پسند" ہونے کے لیے بھلا ادیب ہونے کی کیا ضرورت! (رہرو کن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

احمد جلال صاحب (گنگوہی؟) — مراسلہ میں استدلال کے جتنے مقدمات قائم کیے گئے ہیں، وہی سرے سے غلط اور بے اصل ہیں، اس لیے نتائج بھی غلط ہی نکلے ہیں۔ پیمبروں کا اصلی اور اولین مطالبہ صرف توحید کا رہا ہے۔ فرعون ۔۔۔ کا بھی اصلی جرم یہی تھا کہ وہ موحد قوم کی راہ توحید میں طرح طرح کی ۔۔۔ ڈال رہا تھا، اور خود تو دشمن توحید تھا ہی۔ نمرود وغیرہ کے ۔۔۔ قصوں میں یہی بات ملیگی۔

۔۔۔ کے اندیشے جو آپ کے لفافہ پر آ رہیں ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ر
بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

(رجسٹرڈ نمبر ال ۳۴۹)

نمبر ۴۷ | یوم شنبہ۔ ۲۰۔ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ | مطابق ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

بیسویں صدی مسیحی کے شروع کا زمانہ ہے۔ فرانس میں ایک بیرسٹر نیا نیا نمودار ہوتا ہے، اور چند ہی روز میں ملک پر چھایا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ طبیعت کاروبار کی جانب مائل ہوتی ہے، کامیابی اور دولت یہاں بھی ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے۔ اور وہی نامور بیرسٹر اب اخباری کاروبار کا مالک اور ایک امیر کبیر تاجر ہو جاتا ہے۔ ۱۹۱۴ء میں، جو یورپ کی جنگ عظیم اول کا سال ہے، یہ اقبالمند شخص سیاسیات میں داخل ہوتا ہے، اور ابھی اسی پارلمنٹ میں، ابھی اسی پارٹی میں، روز بروز عروج وترقی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ لیجیے، اب وہ وزیر سلطنت ہو گیا۔ ابھی اس مہینہ کا، ابھی اُس مہینہ کا، کہ دیکھتے ہی دیکھتے وزیر اعظم! اور وزیر اعظم بھی ایک بار نہیں، دو بار! ——— ملک میں ایک ایک شخص اسکی خوش نصیبی اقبالمندی کا قائل ہے۔ معاصرین رشک کرکر اٹھتے ہیں۔ —— اس شخص کا نام؟ مسیو پیری لاوال! ۱۹۴۳ء میں فرانس کی کشتی کا ناخدا!

۱۵۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ ملک کا مشہور باغی اور غدار، ہر طرف سے بدنام ورسوا، مدت سے مفرور رہا۔ ملکوں ملکوں منہ چھپائے پھرتا تھا۔ گرفتاری کے لیے انعام جاری تھے، اشتہار نکل چکے تھے، برطانیہ، امریکہ، روس اور خود فرانس کی پولیس اور خفیہ پولیس مہینوں اس کی تلاش میں تھی۔ آخر میں پکڑ آیا۔ مقدمہ پیش ہوا، اور دوران مقدمہ میں ملزم کو انتہائی ذلتیں اور رسوائیاں .... بھی برداشت کرنی پڑیں۔ حکم سزائے موت کا سنایا گیا۔ آج صبح دو پولیس افسر اسی حکم کی تعمیل کرنے کے لیے مجرم کی کوٹھری میں داخل ہوئے۔ مجرم نے نظر بچا معًا زہر ہلاہل حلق میں اُتار لیا، اور فرش پر لوٹنے لگا۔ ڈاکٹر بھی دو رنہ تھے۔ فورًا زہر باہر کھینچ لیا گیا۔ وقت مقرر پر، جبکہ پیرس کی گھڑیوں کی سوئیاں ۱/۲ ۱۲ پر تھیں مجرم باہر لاکر ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ اور سپاہیوں کے دستہ کو حکم ملا کہ اس پر گولیوں کی باڑھ ماریں۔ قاعدہ کے مطابق مجرم کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مجرم نے اس سے انکار کیا، اور کہا کہ نہیں، میں کھلی آنکھوں جان دونگا، اور اپنے قاتلوں کو دیکھتا رہوں گا" آخری تمنا یہ پیش کی کہ "سپاہیوں کو فیر کرنے کا حکم میں خود دوں"۔ درخواست منظور ہوئی۔ اور مجرم کی زبان سے آخری فقرے نکل رہے تھے کہ

"دوستو، میں تمھیں معاف کرتا ہوں، لیکن گولی میرے قلب پر چلانا۔ زندہ باد فرانس!" کہ ادھر باڑھ پڑی، اور مجرم اسی لمحہ فرد تھا! لاش ایک چھ فٹ گہرے گڑھے میں ڈلوا دی گئی۔ اُس خطہ زمین میں جو قومی مجرموں اور ملکی غداروں کے لیے مخصوص ہے! —— یہ ذلیل ترین مجرم اور مستحق صد لعنت غدار، وہی خوش بخت واقبالمند لاوال ہے!

دنیوی جاہ وحشم کی بے ثباتی، عروج دنیا کی فنا پذیری کے نظارہ کے لیے، عبرتوں اور بصیرتوں کے لیے کیا ہمیں کچھ دور جانے اور ماضی بعید کے تاریخی ورق اُلٹنے کی ضرورت ہے؟ سامنے پیش آنے والے اور روزمرہ کے واقعات کیا کچھ کم ہیں؟

بمبئی کے مسلمانوں سے

ٹائمس آف انڈیا السٹریٹڈ ویکلی، ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء، پیش نظر ہے۔ صفحہ ۵ پر داہنی طرف صفحہ کے اوپری گوشہ میں، ایک جوڑے کی تصویر ہے۔ جوڑا میاں بیوی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نوجوان مرد، انگریزی فوج کا ایک انگریز سب لفٹننٹ ہے، اور نوجوان عورت آپ سنیں گے: مسلمان خاندان کی، اور خود بھی مسلمانوں کا سا نام رکھنے والی لڑکی ہے۔ تصویر کے نیچے درج جلی عنوان کے ساتھ ہے، کہ میرا لینڈ میں دو نرالی شادی، مسلمان لڑکی سے! اور اس کے نیچے یہ مزید تعارف بھی درج ہے کہ لڑکی بمبئی کے مشہور تاجر اے۔ ایچ۔ وسرام VISRAM مرحوم کی پوتی لڑکی ہے!

بے غیرتی اور بے حسی اب اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بمبئی کے ہزاروں لاکھوں معزز، نیچے اور شریف مسلمان اس حرام خوری کے مظاہرہ کو دیکھیں گے (کافر مرد کے ساتھ "شادی" شریعت اسلامی میں تمام تر حرام کاری ہی ہے) اور یہ دیکھ کر خاموش نہ ہو جائیں گے!

ہمارے نمائندے

ایک صدق نواز نے ذیل کا تراشہ لاہور کے ایک روزنامہ سے ارسال کیا ہے۔

"لاہور۔ ۵۔ اکتوبر۔ الکشن کمشنر پنجاب نے اعلان کیا ہے کہ سکھ ووٹروں کی ابتدائی فہرستیں مشتہر کر دی گئی ہیں، ترمیمی اور اعتراضی درخواستیں ۱۱۔ اکتوبر تک گزر جائیں۔ ہر درخواست دہندہ کو یہ تحریری بیان دینا ہوگا کہ میں سچا دھاری سکھ ہوں، نہ حقہ نہ تمباکو نہ سگریٹ نہ شراب پیتا ہوں اور نہ داڑھی کترتا ہوں نہ منڈواتا ہوں۔ ۲۱ سال سے زائد کا ہر شخص ووٹر ہو سکتا ہے"۔

ہمارے نمائندے بھی کوئی اس قسم کا بیان دینے کو تیار ہیں؟ ہماری سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی اس کی ضرورت سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ تو چاہئے یعنی پاسلمان تو ہو، اور اسکا علانیہ عہد کرے کہ میں نماز کا پابند ہوں، روزے رکھتا ہوں، شریعت کے احکام تمام تر واجب العمل سمجھتا ہوں، شراب سے، سود سے، جوئے سے، رشوت سے، جھوٹ سے، حرام کاری سے، دغابازی سے تائب و محترز ہوں! پارٹی کا اصل دین اور احکام دین پر مقدم کر دینا یہ آخر کس قسم کی خدمت اسلام ہے؟

"تو برائے وصل کردن آمدی"

آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کے روح رواں خان بہادر سید کلب عباس ایڈووکیٹ کی تقریر، اجلاس کانفرنس میں:—

"صاحبو! کیا ہمارے دل میں اسلام کا درد نہیں ہے؟ کیا ہم کلمہ گو نہیں ہیں؟ کیا ہم رسول کے ماننے والے نہیں ہیں؟ کیا ہمارا اُن کا قرآن ایک نہیں ہے؟ کیا ہم بھی اسی طرح توحید کے محافظ نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ محافظت آپ بھی کیجئے اور ہم بھی کریں، ہمیں بھی دربان بننے دیجئے مگر شرط یہی ہے کہ ہمیں ایسا رکھیے کہ ہم شیعہ رہ کر آپ کی محافظت کر سکیں" (سرفراز ۲۰۔ اکتوبر ۵۲ء)

جزاک اللہ۔ لیکن گزارش صرف اتنی ہے کہ اتحاد و اشتراک کے ان مقدمات سے کھلا ہوا نتیجہ بھی جو اتحاد و اشتراک ہی کا نکلنا چاہیئے اُسے چھوڑ کر آپ اختلاف و افتراق تک آخر عقل و نقل کی کس منطق سے پہنچے ہیں؟ نہ نفرت سے تو حمزہ عباس بنانے کے قابل تھے۔ حیرت اور صد حیرت ہے کہ ابتدا تو "وصل" کی تہنیت سنانے والا ہوا اور خبر ہا کی لکھے "فصل" کی تعزیت کی! ——— "دوستداران علیؓ" کا لقب اس کانفرنس کی کارروائی چھاپتے ہوئے آخر شیعوں کے لیے کیوں مخصوص کرا لیا گیا ہے؟ کیا اہل سنت حب علیؓ میں کسی سے کچھ پیچھے ہیں؟ سنیت کی تکمیل کے سبب تو حب علیؓ خود ایک لازمی عنصر ہے۔

سید صاحب کی صحت

تحریرات مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی کا تازہ مکتوب:—

"اب اچھا تو ہوں، مگر بیماری کی شدت نے دل و دماغ پر مستقل اثر چھوڑا ہے، قلب جو پہلے باطنی امراض میں مبتلا تھا، وہ اب جسمانی و مادی مرض میں بھی مبتلا ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ پھیل گیا ہے واللہ اعلم۔ دعا کا طالب ہوں جو دن ہیں غنیمت ہیں۔ مشاغل دیرینہ سے اب یکسوئی ہوا جا رہا ہوں، دارالمصنفین بھی چھوٹ رہا ہے۔

جس دن یہ تازہ کیجئے وہ دل نہیں رہا"

ضرورت ہے کہ حلقہ صدق کے سارے حضرات فاضل موصوف کی صحت کاملہ اور تقویت قلب کے لیے صمیم قلب سے دعا کریں گے۔ اُن کی زندگی تنہا اُن کی زندگی نہیں ہے پوری جماعت کی زندگی ہے، علوم اسلام کی زندگی ہے ملت اسلامی کی زندگی ہے۔

"کمی زندگی"

ایک فاضل بزرگ تحریر فرماتے ہیں:

"ترجمان القرآن کے تازہ نمبر میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ پندرہ لڑکے خود اپنے باپوں سے باغی ہو گئے ہیں، اس لئے لے 'کم زندگی کا آغاز' رکھا گیا ہے۔ آپ ہی نے تو ایک مرتبہ لکھا تھا، کہ پٹھان کوٹ اور قادیان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اللہ رحم کرے۔

اس پر ایک تاریخی واقعہ یاد آگیا۔ عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے پوتے طرفہ جو عدی بن حاتم کے بیٹے تھے خوارج کے تعلقوں سے متاثر ہو کر اپنے باپ عدی کے خلاف صف میں شریک ہو گئے، اور نہروان میں جو خوارج مارے گئے، ان میں ایک صاحب یہ بھی تھے۔ باپ حضرت علیؓ کی صف میں اور بیٹا زبان کے ان ساحروں کے ساتھ۔ طبری نے لکھا ہے کہ نہروان میں جب مقتولوں کا جائزہ لوگ لینے لگے تو بوڑھے عدی نے اپنے بیٹے کو تلاش کیا۔ لاشوں میں طرفہ کی لاش بھی تھی۔ الگ کر کے دفن کرنے لگے۔ اور کہتے جاتے تھے

الحمد للہ الذی ابتلانی بیومک علی حاجتی الیک شکر ہے کہ تیرے ساتھ اسی دن میری

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۷)

سن علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س - بغیر عمل کے کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا - اور خادم عملی دنیا سے کوسوں دور پڑا ہوا ہے - اللہ پاک ہی اپنے فضل و کرم سے عملی مسلمان بنا دیں -

ج - آمین - لیکن درجات عمل بھی ہمیشہ حالات تکوینی کے تابع ہوتے ہیں - اور ہر عامل کا معیار دوسرے سے الگ ہوتا ہے -

س - افسوس صد افسوس کہ منزل سلوک میں قدم رکھتے ہوئے کوئی ڈھائی سال ہوئے مگر افسوس کہ خادم نے اپنے اندر کوئی خاص تبدیلی نہیں پیدا کی - تیلی کے بیل کی طرح جہاں کا وہیں پڑا ہوا اپنی عمر برباد کر رہا ہے -

ج - لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سالک اور طالب کا ادراک بھی اس باب میں صحیح اور قوی ہو - بہر حال سوال اسکا نہیں کہ "نتائج" کا ادراک آپ کو کس حد تک ہو رہا ہے - اصل سوال صرف صحیح کوشش کا اپنے تکوینی احوال کے اندر ہے - طلب صحیح اور امکانی سعی سے زیادہ بندہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں -

س - گزشتہ خط میں حضرت قبلہ گاہی نے تحریر فرمایا تھا کہ زبان کو قابو میں رکھو - لغویات سے حتی الامکان بچو - اور تلاوت قرآن پاک پر زور دیا تھا،

ج - زبان پر قابو رکھنے کی ہدایت نہایت اہم ہے - لغویات سے بچے رہنا تقویٰ کی روح ہے - اور تلاوت قرآن کی برکتوں کا کیا پوچھنا -

س - حسب ارشاد حضرت قبلہ گاہی زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر کامیاب نہیں ہوا -

ج - کامیابی کا ذریعہ یہی لگاتار کوشش ہے -

س - اسکے علاوہ تلاوت پاک بھی پابندی کے ساتھ نہیں کر پاتا -

ج - جو امور اس پابندی میں مانع ہوتے ہوں، غور کر کے انکے دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں -

س - عید سعید دو ایک روز علی الصبح نیند سے ہوشیار ہوا تہجد ادا کی اور اپنے معمولات بھی الحمد للہ ادا کیے، لیکن دن بھر سارا بدن سست اور طبیعت کا ناقابل برداشت عذاب -

ج - سارا جواب تو اس لفظ "ناقابل برداشت" کے اندر خود ہی آ گیا - جب کوئی جسمانی معذوری اس درجہ غالب آ جائے تو اسکے بعد تو قوت طاعت میں شائبہ بھی معصیت کا باقی نہیں رہتا -

س - ہمت اور عزم بار بار کر لیتا ہوں، مگر نہ معلوم کیوں ناکام ہوتا ہوں -

ج - جو ناکامی ہمت و عزم کے بعد بھی ہو وہ تو نتیجہ کی ناکامی ہوئی، جو اختیار عبد سے باہر ہے - اجر تو اسی ہمت اور عزم پر موعود ہے، نہ کہ نتائج پر -

س - آج رات بعد عشاء ۸ رکعت نفل پڑھ کر یہ عزم کر لیا کہ انشاء اللہ علی الصبح تہجد اور معمولات ادا کروں گا، مگر نیند کا اتنا غلبہ ہوا اور غسل کی حاجت بھی پیش آئی اور اٹھ نہیں سکا - حتیٰ کہ نماز فجر بھی قضا ہو گئی - اب تک سارا بدن سست ہے -

ج - اس سارے قصہ میں ضرر کیا ہوا؟ کونسی چیز اختیار عبد کی تھی؟ شکست عزم کا مشاہدہ، اپنے عجز کا مشاہدہ تو بندہ کے حق میں خود ایک بڑی رحمت ہے — یہ ہرگز ضروری نہیں کہ بندہ کو ہر رحمت کا ادراک بھی رحمت ہی کی صورت میں ہوتا رہے

س - مدت دراز سے بزرگوں کی صحبت مقدسہ سے محروم ہوں - اور نہ معلوم ..... میں کوئی بزرگ مصلح ہیں کہ کم سے کم انکے پاس جا کر فیض باطن سے مستفیض ہو جاؤں - یہاں کے لوگوں کی زبانی صرف ایک نام گرامی معلوم ہوتا ہے، کہ مولوی قاضی ..... صاحب بڑے بزرگ ہیں - جہاں تک خادم کا خیال ہے اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے اندر صرف سادگی اور تقویٰ ہے - معلوم نہ ہو سکا کہ ... نہیں معلوم ہوتا افسوس کہ موصوف بزرگ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا -

ج - کسی متقی کی ہمنشینی بھی برکت سے خالی نہیں ہوتی گو محض برکت اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں -

س - چند روز پہلے خواب دکھائی دیئے کہ میلاد کا دن ہے - میں کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ہوں - ایک عالیشان ہال میں جلسہ میلاد منعقد ہو رہا ہے - خادم سیہ کار نے بھی اس جلسہ کے اندر شرکت کی - جب اس عالیشان ہال میں خادم داخل ہوا - اور مجمع کی طرف نظر کی تو قریب قریب سب میرے ہم وطن مسلمان دکھائی دیئے اور صدر جلسہ میرے ہم وطن ایک عالم شریعت مرحوم مولوی صاحب تھے - خادم نے سب کے سب اپنی جگہ تلاش کی اور خاموش بیٹھ گیا - صدر صاحب نے خاموش ہونے کو کہا اور خاموش ہو گئے - مگر اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عورتوں کا بھی بند و بست تھا - کچھ وقفہ کے بعد ایک ہی ایک آواز آنا شروع ہوئی - میں نے اپنے پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ آواز کس کی ہے - لوگوں نے کہا کہ کسی عورت کو شیطان آیا ہوا ہے - اور کہا کہ فلاں ملا

کے سامنے وہ شیطان ہر وقت رہتا ہے - جیسا آدمی آتا جاتا ہے تو
اسے ڈرایا کرتا ہے - میں نے کہا کہ میں بھی وہاں سے جایا کرتا ہوں
گیا: تم کو بھی ڈرانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ تم کو ڈرا نہیں سکتا
اس ہیبت ناک آواز کی وجہ سے میری نیند ٹوٹ گئی اور ہوشیار
ہوگیا - مگر دل ہیبت سے لرز رہا تھا -

ج - خواب دیکھنے والا اگرچہ بعض بدعتوں میں مبتلا ہے (مثلاً میلاد مروجہ) تاہم شریعت اور اہل شریعت کے ساتھ تعلق بھی مضبوط رکھتا ہے (مسند رہا ہے کا ایک متبع شریعت عالم ہوتا) اس لیے شیطان اسے اپنے قابو میں لانے میں کامیاب نہ ہوسکیگا انشاء اللہ -

س - دوسرے دن کا خواب - حضرت والا کی خدمت اقدس میں استادی مولوی ... صاحب نذری مدظلہ حاضر ہیں - حضرت قبلہ گاہی استادی کو دوبارہ تلقین کررہے ہیں اور استادی اپنی کوتاہیوں کا اقرار کررہے تھے - بس حضرت قبلہ کا خواب میں آنا ایک پہلا موقع تھا - گویا خادم نیم ملاقات سے فیضیاب ہوا - معلوم خواب کی حقیقت کیا ہے - اللہ ہی بہتر جانتا ہے -

ج - استاد علوم ظاہری کی مرشد باطنی کے سامنے ادب و احترام کے ساتھ حاضری کو ذرا اشارہ کررہی ہے کہ انشاء اللہ ظاہر پر معنویت و حقیقت کا رنگ چڑھتا جائیگا - اسناد خواب میں ایک ہلکی ملاقات کو دیکھ لینا اسکے ساتھ اپنے تعلق قلب و محبت کی دلیل ہے -

شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں

(مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تازہ ترین فتوے)

بخدمت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ

استفتاء

(۱) مسٹر محمد علی جناح صاحب فرقہ شیعہ ہیں آیا وہ مسلمان ہیں یا نہیں

(۲) مسٹر محمد علی جناح مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اسلامی میں اچھی طرح حفاظت کرسکتے ہیں بحیثیت مسلمان کے یا مسٹر گاندھی یا صدر کانگریس یا ہندو کانگریسی جنکی مجارتی کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہے -

(۳) مسٹر محمد علی جناح یا اور کوئی مسلمان یہ کہے کہ پہلے مسلمان بعد میں ہندوستانی یا صحیح ہے کہ پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان

(۴) مسٹر محمد علی جناح سیاست ہندو قانون کے ماہر ہیں کہ نہیں -

فقط محمد حنیف عفی عنہ

الجواب

(۱) مجھے مجملاً اس قدر معلوم ہے کہ مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں - اور شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں -

(۲) کوئی غیر مسلم بمقابلہ مسلم کے اسلامی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا -

(۳) یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی -

(۴) ان دو سیاست وقانون کے ماہر ہیں -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (دعوت)

صدق کی کانگریس نوازی"

جناب اڈیٹر صاحب - السلام علیکم - کافی عرصہ سے صدق کا مطالعہ کررہا ہوں - اور یہی بات میں کئی دفعہ فخر سے اپنے دوستوں کو بھی بتاچکا ہوں - جن میں سے کئی ایک صدق کے خریدار بھی ہیں - آپ کی وہ سچی باتیں واقعی دلچسپ اور عبرتناک ہوتی ہیں - اسکے علاوہ دیگر اسلامی مسائل پر بحث بھی بہت اچھی طرح کی جاتی ہے -

مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کا رجحان کانگریس کی طرف ہے - گو کئی دفعہ آپ مسلم لیگ کے ساتھ کانگریس کو بھی کھری کھری سنادیتے ہیں لیکن پچھلے چند ایک پرچوں میں اور خاص طور پر آخری پرچہ میں آپ نے کچھ اچھا نہیں کیا -

کیا آپ رسالہ کے ذریعہ بتا سکتے ہیں کہ مشہور کانگریسی اخبار "زمزم" سے مضمون "نقطۂ اعتدال" ۱۴ - اکتوبر ۱۹۳۸ء "صدق" میں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی[1] - یقیناً اگر آپ چاہیں تو آپ مسلم لیگ کے حامی اخبارات یا رسالوں کی کچھ خبریں بھی نقل کرسکتے ہیں مگر آپ کو تو زمزم وغیرہ کے سوا کوئی اور چیز سوجھتی ہی نہیں[2] -

میں نے اگر کچھ الٹی سیدھی باتیں لکھ کر آپ کو رنج پہونچایا ہو تو مجھے معاف کردیں - میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا[3] -

آپ کا عبدالرشید از دیرہ دون

---

[1] گویا یہ بھی اڈیٹر کے فرائض میں ہے کہ ہر نقل دانند سے متعلق وجوہ نقل بھی بیان کرکرکے ہر ہر پڑھنے والے کی تشفی و اطمینان کرتا رہے (صدق)

[2] اللہ آپ کے احساس ذمہ داری کو بیدار کرے! (صدق)

[3] کلمۂ حق کی عزت و وقعت کو اشخاص و رجال کی عزت و وقعت پر بالا رکھیے - (صدق)

لکھنؤ کا قضیۂ امرضیہ

جب کانگریس گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میلاد النبی کے جشن کے روز جلوس محمدی کے بجائے جلوس مدح صحابہ نکالا جائے تو سہنے اس سے سخت اختلاف کیا ، کیونکہ جشن میلاد النبی کے موقع پر جشن صحابہ منانا مناسب نہیں ، حمد و نعت کے ساتھ اگر خلفائے رسول کا بھی

نصرانی تہمتیں

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن)

ادھر ایک کتاب جسکا نام تاریخ اللغۃ السامیہ پر نظر پڑی۔ یہ کسی نصرانی عالم کی کتاب ہے، "اسرائیل ولفنسون" نام ہے۔ سلسلہ بیان میں ایک جگہ رینان کا ایک عجیب قول اس شخص نے نقل کیا ہے، ترجمہ یہ ہے کہ رینان نے پہلے تو یہ دعوے کیا ہے،

ہر چیز اور زندگی کے ہر شعبہ میں سامی نسلیں کاہل اور مرکز نظر آتی ہیں۔

اور دلیل میں جس چیز کو پیش کرتا ہے، وہی سننے کی بات ہے۔ مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ

رینان اپنے دعوے کے ثبوت میں سامی نسلوں کے عقیدۂ توحید کو پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ بنی اسرائیل میں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے توحید کا عقیدہ جو پایا جاتا ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی ان لوگوں کی خیالی قوت بہت پست اور ادنیٰ درجہ کی تھی، جس ایک بات پکڑ لی پکڑ لی۔ اس خیال میں حرکت نہیں ہے۔ بخلاف بت پرست قوموں کے انکے خیال میں وسعت اور حرکت معلوم ہوتی ہے۔ زور اور قوت کا پتہ چلتا ہے" ص۱۱

دیکھا آپ نے۔ یہی یورپ جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی سے دنیا کو اس شور و شغب سے بھر دیا ہے کہ اپنے عقلی ضعف کے زمانے میں آدمی مشرک اور بت پرست تھا، لیکن جوں جوں عقلی ارتقاء کی طرف اسکا قدم بڑھا، توحید کے عقیدہ کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اور ملاحظہ فرمائیے۔ اسی یورپ سے اب یہ آواز آتی ہے کہ توحید عقلی ضعف کا نتیجہ ہے، اور شرک و بت پرستی عقلی ارتقاء کی پیداوار ہے، اس لحاظ سے تو یہ بات صحیح ہے کہ توحید انسان کا ابتدائی مذہب ہے، کیونکہ مذہب خدا کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اور شرک بعد کو پیدا ہوا ہے۔ لیکن توحید دماغی ضعف کی پیداوار ہے یہ رینان صاحب کی اوپج ہے۔ میری غرض صرف اسقدر ہے کہ اپنی منہ زوری سے جو لوگ جب چاہتے ہیں جس قسم کا دعوے کر لیتے ہیں۔ انکی باتوں کے ماننے میں آدمی کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ایک دوسرا لطیفہ ملاحظہ ہو، فان فلوٹن کوئی جرمنی کے مستشرق ہیں، انکی ایک کتاب جو مسلمانوں کے عقیدۂ مہدی و دجال وغیرہ کی تحقیق میں لکھی گئی ہے۔ اسی کا ترجمہ مصر کے دو نوجوانوں نے عربی میں کیا ہے، دیباچہ میں کتاب کے متعلق مترجموں نے بڑے شاندار الفاظ لکھے تھے، لکھا تھا کہ

مولف نے بحث و تحقیق میں تحلیلی طریقے کو اختیار کرتے ہوئے بڑی دقت نظر سے اس کتاب میں کام لیا ہے، جس سے انکی نکتہ رسی

اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے"

یہ بھی ان ہی مترجموں میں سے ایک مترجم نے لکھا ہے، کہ ابتداءً اس کتاب کی طرف مجھے میرے" الاستاذ المرحوم السیر توماس ارنولڈ" نے اسوقت توجہ دلائی جب لنڈن یونیورسٹی میں ہم انکے لکچروں سے استفادہ کر رہے تھے۔ یہ" المرحوم السیر توماس ارنولڈ" کون ہیں؟ علیگڈھ کالج کے پرانے مدرس مولوی شبلی صاحب کے دوست مسٹر آرنلڈ ہیں پریچنگ آف اسلام کے مصنف ہیں۔ "المرحوم" کا لفظ تقریباً ہر جگہ مترجم صاحب کے قلم سے بے ساختہ نکلتا چلا گیا ہے میں نے اسکو بجنسہ باقی رکھا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استشراقی اساتذہ سے تعلیم پانے والے مسلمان نوجوانوں کے قلوب میں انکے متعلق کس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ غنیمت تو بیچارہ ہمارا ہندوستان ہے۔ ہمارے یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے قلم سے اس قسم کے غیر مسلم اساتذہ کے متعلق بجائے" المرحوم" کے "آنجہانی" یا اسی کے قریب قریب الفاظ نکلتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و اسلام کے متعلق اتنی بدتمیزی ان میں نہیں پیدا ہوئی ہے جتنی سادہ لوح مصریوں میں افسوس ہے کہ پیدا ہو گئی ہے۔ لوگوں نے اسکا نام رواداری رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ میرے نزدیک تو یہ کھلا ہوا نفاق ہے۔ اسلام سے انکار کرنے کے بعد بلا شبہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے لکھے۔ لیکن اس کا بھی اعلان کرنا کہ اسلام کی صداقت پر میرا ایمان بھی ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں لکھنی جن سے اس اعلان کی تردید ہوتی ہو، ایں تو اسکو ضمیر کی موت کی علامت سمجھتا ہوں۔ خواہ سمجھنے والے اسے جذبۂ رواداری کی زندگی ہی کیوں نہ قرار دیتے ہوں۔ ایک پوری قوم کی قوم کو دھوکے میں رکھنا کیا بلند کردار کا معیار یہی ہے؟

خیر بات کیا کہہ رہا تھا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ پڑھنے کے بعد کتاب میں تحقیقات رائقہ کا ایک دریا موج مارتا ہوا معلوم ہوا۔ جس میں سب سے زیادہ دلچسپ بات فلوٹن صاحب" فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں عرب مسلمانوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی "عجمی مسلمان جو موالی کہلاتے تھے، انکو فوج میں شریک ہونے کا اگر موقع بھی ملتا تھا تو صرف پیادہ فوج میں، سواروں میں بھرتی نہیں ہو سکتے تھے"

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے" ان عجمی مسلمانوں کو ادنیٰ درجہ کے ذلیل مکانوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا" اور آخری تحقیق جناب فلوٹن صاحب کی یہ ہے کہ" جو مسجدیں خاص عربوں کے ساتھ مختص تھیں، ان میں یہ عجمی مسلمان داخل بھی نہیں ہو سکتے تھے، بلکہ انکی مسجدیں عرب مسلمانوں سے علٰحدہ ہوتی تھیں، جن میں صرف وہی نماز پڑھ سکتے تھے" (کتاب السیادۃ العربیہ ص۳۹)

میں کیا عرض کروں، پڑھتا جاتا تھا، اور تحقیق کے نام سے یورپ کے استشراقیوں نے آنکھوں میں خاک جھونکنے کی جو مشق بہم پہونچائی ہے اُسے سوچ سوچ کر دل میں کہتا جاتا تھا کہ جو نہیں جانتے ہیں اُن بیچاروں کا کیا

مراسلہ

شرعی اور رواجی پردہ

[سید قبول احمد صاحب ایم اے ریٹائرڈ ڈپٹی مجسٹریٹ بہار کے انگریزی رسالہ پردہ پر مختصر تبصرہ صدق نمبر ۱۲ میں نکلا ہے۔ رسالہ مذکور پر موصوف کو ایک تنقیدی خط موصول ہوا۔ خط اور اسکا جواب سید صاحب موصوف کے قلم سے دونوں درج ذیل ہیں۔ صدق]

مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہیے تھا، تاکہ اردو داں طبقہ بھی جو نہیں پڑھ سکتے ہیں اسکو سمجھ سکتا۔ اور علماء کے سامنے بھی پیش کیا جا سکتا۔ یہ شاید آپ نے غور نہ کیا ہوگا کہ پردہ آج گھروں میں بھی کتنی سختی سے برتا جاتا ہے جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں اور مذہب کے حلقہ بگوش سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔ لیکن پردہ ایک نہایت اہم شعار اسلامی کی حیثیت سے برقرار رہنے دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گھر سے باہر لانے میں اور بے راہ روی کی گرفت اے مرد میاں تو معاف بھی کر سکتے ہیں، مگر بیوی کو ہرگز معاف کرنے والے نہیں۔ اُس کی عافیت اسی میں ہے کہ اُسکو تو [illegible] قید رکھا جائے اور مرد کو کھلا رہنے دیا جائے۔ اس رسالہ میں ازواج مطہرات کے عنوان سے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اور اس سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔ رسول کے اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ دراصل اُنکا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی احکام ممکن العمل ہیں۔ ازواج مطہرات کی زندگی بھی مسلمان عورتوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "وقرن فی بیوتکن" کے معنی بیان فرمائے ہیں "اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو" مودودی صاحب نے بھی یہی بیان فرمائے ہیں "اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو" دراصل "قرن" کے معنی بیان کرنے میں رسمی پردہ کا پورا پورا جواز قرآن سے ثابت کرنے کے لیے "قرن" کا یہ ترجمہ بالکل وہی مصلحت کے موافق تھا۔ آپ کا ٹھیٹھ ترجمہ یہ ہے "اور تم گھروں میں وقار سے رہو"۔

جواب مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اگر ممکن ہو سکا تو اردو میں بھی چھپوا دیا جاویگا۔ چونکہ اسکو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے لانا تھا اور ہندوستان کے ہر حصہ میں بھیجنا تھا اور بعض حصوں میں اکثر مسلمان اردو نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا یہ مختصر رسالہ انگریزی میں لکھا گیا۔ رہ گئے علماء، تو اُنکے سامنے یہ مباحث لانا [illegible] نہیں اگر بے سود۔

انگریزی تعلیم کے متعلق اُنکی رسالے میں ذرا بھی فرق نہ آیا گو امتداد زمانہ سے اُنکے فتاوے اوراق پارینہ کی طرح ایک طرف اٹھا کر رکھ دیئے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس جہاں کہیں ہوتا تھا یہ فتاوے دیواروں پر لگائے جاتے تھے اور تقسیم بھی کیے جاتے تھے اور لوگوں کو اُس میں شرکت سے بذریعہ ایک زبردست پروپیگنڈے کے باز رکھا جاتا تھا۔ میں ایک مرتبہ بچشم خود یہ نظارہ دیکھ چکا ہوں۔ یہی حال تعلیم نسواں کے متعلق ہو رہا ہے اور موجودہ پردہ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ ہم شرعی پردہ کی تبلیغ کرکے مغربیت نوازی کا دروازہ مسلمان عورتوں پر بند کرنا چاہتے ہیں، مگر اکثر علماء اور بہت سے تعلیم یافتہ حضرات لکیر کے فقیر رہ کر مسلمانوں کی قوت عمل اور قوت فکر کو مفقود کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس موجودہ اقتصادی کشمکش میں یا تو مسلمان پیچھے رہ جاتا ہے یا مذہب کو پس پشت ڈال کر اندھا دھند مغربی تقلید پر کمر باندھ لیتا ہے۔ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کے دروازہ کو بند کرکے انسانی ذہنیت کو معطل کیا جا چکا جسکا نتیجہ ٹرکی کی لامذہبیت میں سامنے آیا۔ اب تعلیم نسواں روکی جا رہی ہے مگر وہ بھی رکتی نظر نہیں آتی۔ عورتوں کو علمی قوت عطا کرکے اُنکی جائز آزادی اور جائز مطالبات سے نظر پھیر لینا محض اس وجہ سے کہ آپ سوسائٹی کی شیرازہ بندی اسلامی طریقے پر نہیں کرسکتے گویا عورتوں کو خود مغربیت کی طرف لے جانا ہے۔ اور یہی ہو رہا ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ "جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں وہاں بھی موجودہ پردہ برقرار رہنے دیا گیا ہے" اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمیشہ یہی لیل و نہار رہیں گے۔ جہاں کہیں یہ ہو رہا ہے اور یہ ضرور ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اسکو ہم DIEHARDISM (مریض سخت جان کی جانکنی) سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق جد و جہد شروع ہو گئی ہے۔ پچیس سال پہلے کے یونیورسٹیوں کے نتائج دیکھو جس وقت ایک مسلمان عورت کا نام بھی کامیاب امیدواروں کی فہرست میں نہ ملتا تھا اور مثال کے لیے گذشتہ سال کے نتائج دیکھو۔ بین فرق نظر آئیگا۔ پھر ان تعلیم یافتہ عورتوں کے خیالات اور عمل پر غور کرو یہ اسوقت ہو سکتا ہے کہ انگریزی اردو رسالے اور اخبارات تمہارے زیر نظر ہوں اور پھر غور کرو کہ مسائل آئندہ پچیس سال کے بعد کیا ہوگا۔ آپ کو "ورلڈ آرڈر" (موجودہ نظام دنیا) سے علحدہ رہ کر زندگی گذارنا مشکل ہے لیکن آپ کو مسلمان رہنا بھی ضروری ہے۔ جسقدر آپ کو جینا ضروری ہوگا۔ جسکے لیے کہ آپ کی زندگی دنیوی حیثیت سے مقتدر ہو لیکن اسلامی احکام کی مشعل ہاتھ میں لینا ہوگی۔ غیر مرد تو دنیاوی حیثیت سے ترقی کر رہے ہیں اور اسقدر آگے بڑھ رہے ہیں کہ اسلامی نظام کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ انکو اسلامی احکام کو مضبوط

۱؎ تعجب ہے کہ مجیب صاحب نے اپنے جواب میں اس دعوی کو گویا تسلیم کر لیا ہے۔

کیا پڑھنے کے لیے کچھ پیچھے آنا چاہیے - اور عورتیں اس موجودہ پردہ میں رہ کر دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتیں، انکو قدرتاً آگے بڑھنا چاہیے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ انکو آگے بڑھنے کا موقع دیں مگر اسلامی حدود کے اندر رکھکر جتنی قدر مردوں کے لیے ضروری ہے کہ دنیاوی لحاظ سے کسی قوم کے مردوں سے پیچھے نہ رہیں مگر اخلاقی لحاظ سے مسلمان رہیں، اسی قدر عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی قوم کی عورتوں سے جائز اور ضروری دنیوی ترقی میں پیچھے نہ رہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے مسلمان ہی رہیں - اگر آپ باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو آپ کو از سرِ نو اپنی سوسائٹی کی شیرازہ بندی انھیں اصولوں پر کرنا ہوگی - اجتماعی حیثیت سے بھی اور فرداً فرداً بھی - اگر آپ یہ نہیں چاہتے اور رفتۂ زمانہ کے حوالے پیش کرنا چاہتے ہیں تو اسکو شکست خوردہ ذہنیت کے نام سے موسوم کیا جائیگا اور یہ حجاب قوم کے لیے زہر ہلاہل ہے - مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے نوجوان کسی بڑی بات کو دیکھ کر جینا بہت آرام دہ خیال کرتے ہیں خود کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

میرے شرعی پردہ کی تبلیغ سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ میں عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں سمجھتا ہوں - میں انکی شاہراہوں کو جدا سمجھتا ہوں۔ مگر میرا یہ خیال ضرور ہے کہ موجودہ رسمی پردہ انکے لیے جائز فرائض ادا کرنے میں بےطرح حارج ہے - میں نے اپنے رسالہ میں یہ خیال کرکے کہ میں مغربی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ حضرات کے سامنے اپنا اظہار خیال کر رہا ہوں۔ کچھ اشارہ بھی ان فرائض کی جانب کیا ہے - اگر ضرورت سمجھی جا رہی ہے تو سننے کے بعد ان فرائض کی شرح کرنے میں سعی کیے جا سکتے ہیں۔

"کوتوال کو قید رکھنا اور چور کو کھلا رکھنا" عجیب ہی تشبیہ ہے۔ اگر تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے اور عورتوں میں موجودہ تعلیم کی رفتار کو خیال کرتے ہوئے ارباب بصیرت دانشمندانہ بدبختی نہ ہوگا کہ کوتوال عرصہ تک قید نہیں رکھنا - تم کسی پیدا شدہ قوت کو دبا نہیں سکتے - جہاں اسکو فائدے لگا سکتے ہو اور یہ انضباط جائز طریقے شرعی پردے سے ہو سکتا ہے ورنہ وہ قوت بےجا طریقے سے ضرور استعمال ہوگی - دب نہیں سکتی۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض بھی کر لیا جائے کہ کوتوال صاحب قید میں پڑے رہینگے تو چور تو چور ہی رہیگا، کوتوال صاحب کی نگرانی سے مستغنی ہو کر کسی دوسرے خانہ میں ہاتھ صاف کریگا - اور یہ ہو ہی رہا ہے - مسلمانوں میں "لوفرازم" (بدنظری) بےطرح موجود ہے - اپنی چیز کو محفوظ کرکے دوسروں کی چیز پر دال ٹپکاتے ہیں - یہ بات شرعی پردہ سے جا سکتی ہے - انکو یہ بھی یہ خیال ہوگا کہ اگر ہم کسی کی ماں بہن کو تکتے ہیں تو ہماری ماں بہن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جا سکتا ہے - شرعی پردہ سے عورت اپنے خاوند کے ہاں چلن کی اصلاح کر سکتی ہے اور خاوند اپنی عورت کی - کتنے خاوند ہیں جو گھر سے یہ کہکر جاتے ہیں کہ کسی دوست سے ملنا ہے اور دراصل آوارگی مقصود ہوتی ہے - اگر عورت شرعی طریقہ سے آزاد ہے تو وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ چلیے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں، یعنی جب تم اپنے دوست کے پاس بیٹھو گے ہم تمہارے دوست کی بیوی کے پاس بیٹھیں گے - یہ میں نے بطور مثال کے ایک بات پیش کی ورنہ سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں - یہاں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عورت اس آزادی سے بیجا فائدہ اٹھائیگی، کیونکہ ہم سوسائٹی کی نئی تشکیل اسلامی طریقہ پر کرنا چاہتے ہیں، جہاں ایسے مواقع بہت کم ہونگے۔ مگر ہم آپ پر آشوب ہائے غیر شرعی رہ سکتے کیونکہ آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ چور چور رہے گا - آپ کے ذہن میں نہ تو چور کی اصلاح کا خیال آتا ہے نہ کوتوال کی رہائی کا - یہی شکست خوردہ ذہنیت ہے جو ہمیں صدیوں کی غلامی سے ترکہ میں ملی ہے - اور اسی دیرینہ بیماری پر اور اسی دل کی نامکمی پر ہم ماتم کناں ہیں - (باقی آئندہ)

نیک مشورہ

"انیشی تبرا کمیٹی" کے پریسیڈنٹ سابق جسٹس چودھری نعمت اللہ نے ایک بیان میں تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے، "میں نے یہ خبر بڑی ہی تشویش کے ساتھ پڑھی ہے کہ سنی بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمام مرکزی صوبائی کونسلوں اور اسمبلیوں کے آیندہ انتخابات میں ہر شیعہ امیدوار کے خلاف خواہ وہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، مخالفت کریگا - یہ ایک تحریک ہے، جسکی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے"۔

آگے چل کر موصوف نے فرمایا ہے "اسوقت شیعہ سنی تنازعہ کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا اسلام کو نقصان پہونچانے سے کم نہیں ہے - گو کہ میں کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا لیکن تمام سنیوں سے اپیل کروں گا کہ ایسے تمام شیعہ امیدواروں کی پوری حمایت کریں جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ہیں"......

چودھری نعمت اللہ پریسیڈنٹ انٹی تبرا کمیٹی و مدح صحابہ کمیٹی کا یہ بروقت انتباہ ایک برمحل اقدام ہے - ہندوستان کے تمام سنی و شیعہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی ہر جماعتی تفریق سے بلند ہوکر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس انتخابی جد و جہد میں مسلم لیگ کی حمایت کریں - (انقلاب، بمبئی)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر و پبلشر نے ... پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

(بقیہ صفحہ ۴)

ذکر کیا جاتا تو کچھ بیجا نہ تھا، مگر ہماری بات کو کسی نے نہ مانا اور جلوس محمدی کے بجائے یوم میلاد النبی کو جلوس مدح صحابہ نکالنے کا فیصلہ ہوا۔ جس سے شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگڑی کہ انہوں نے تبرہ بازی شروع کر دی۔ حالانکہ وہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے تھے کہ مشرک جنکو اپنا دیوتا مانتے ہیں، مسلمان اُن پر بھی تبرہ بازی نہ کریں۔ مدح صحابہ اور تبرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنی شیعوں میں ایسا تفرقہ پڑا، جسکی مثال تاریخ اسلام میں نہیں مل سکتی۔ یہی نہیں کہ شیعوں نے سنیوں کا بائیکاٹ کر دیا بلکہ خون خرابہ ہوا۔ یہاں تک کہ گورنمنٹ کو بھی اپنے اصول کے خلاف اس مذہبی معاملہ میں مداخلت کرنا پڑی اور مدح صحابہ پر کڑی پابندی عائد کرکے مذہب اسلام کی توہین کی گئی۔ کیونکہ گورنمنٹ کو مذہب اسلام سے واسطہ تھا۔ مگر خون خرابہ ہوا اسکو روکنے کیلیے گورنمنٹ کو ایکشن لینا پڑا۔

اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ شیعہ بھی خدا کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں، قانون الٰہی یعنی قرآن مجید کو بھی مانتے ہیں اور خدا کی اطاعت لازم جانتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ جماعت قانون الٰہی کو نہیں مانتی مگر ہم اسکو باور نہیں کرتے۔ کیونکہ بڑے بڑے شیعہ علماء نے ہم کو یہ بتلایا کہ کوئی شیعہ قرآن سے انکار نہیں کر سکتا اور ہمارے قومی جرنیل مسٹر جناح جو شیعہ ہیں اپنے پیغام عید میں اس بات کو ظاہر کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے چاہے وہ کسی فرقہ یا طبقہ کا ہو۔ خدا کی بادشاہت کو ماننا اور اس کے حکم پر چلنا لازمی ہے۔ جس طرح سنی مسلمان پیر پرستی میں لگے ہیں۔

اسی طرح شیعہ بھی اپنے کو حضرت علی یا امام حسین کا بندہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن خدا کی بادشاہت کو ماننا اور قرآن مجید پر عمل کرنا ہر شیعہ کا فرض ہے۔ سنی علماء کی طرح شیعہ علماء نے بھی وہم و ظن کے شکنجہ میں گرفتار ہو کر شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگاڑ دی کہ وہ بھی قانون الٰہی پر غور و خوض نہیں کرتے اور خدا کے حکم پر نہیں چلتے۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ ملت اسلامیہ کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ مدح صحابہ کے جھگڑے شیعہ سنیوں میں پھوٹ ڈالی جاتی، اور وہ ایک دوسرے کو دشمن ہو جاتے۔ شیعہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے ہیں کہ ملت اسلامیہ میں پھوٹ نہ پڑنا چاہیے ورنہ انکی ہمت پست ہو جائیگی اور ہوا اکھڑ جائیگی۔ اب تو سب مسلمان علماء و مشائخ کی کرامت سے اس طرح فرقہ بندی میں لگے ہیں کہ برادران وطن اپنے آپس کے مذہبی اختلافات کے باوجود ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ہندو راج کے نصب العین کو پورا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی اختیار کر رہے ہیں۔

(ہمدم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجیے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی " "
بیرون ہندوستان سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ دو آنے
(ٹیلیفون نمبر ۴۶۱)

نمبر ۴۸ | یوم سہ شنبہ - ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۳۰ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

پریس کی خبریں اور کارٹون:-

"کانگریس نے دو کروڑ کے سرمایہ سے جمعیۃ العلماء اور دوسرے مخالفین لیگ کو خرید لینے کا تہیہ کیا ہے"

"ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے پاکستان کی تائید میں بیان شائع کیا ہے"

"جمعیۃ علماء، جمعیۃ علماء نہیں ہے - ابرار مکار ہیں، خاکسار خبیث ہیں"

اس طرز تحریر و انشاء کے بعد مصالحت و مفاہمت کے کون سے امکانات باقی رہ جاتے ہیں؟

غیر لیگی پریس کی خبریں اور اطلاعیں:-

"مسٹر جناح کو عنقریب بمبئی کی گورنری ملنے والی ہے۔ یہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ اسکے لیے کوشش کر رہے ہیں"

"جناح مرتد ہو گئے ہیں۔ مدت ہوئی ایک مجوسیہ سے شادی کے وقت وہ ترک اسلام کا اعلان کر چکے ہیں۔ اور مشرقی صاحب گواہ ہیں کہ وہ قرآن کو ایک فرسودہ کتاب ٹھہرا چکے ہیں"

"مسلم لیگ کے اکابر سرکار پرست و جاہ پرست امراء ہیں اور عوام جو اس میں شریک ہیں وہ غنڈے اور بدمعاش ہیں"

یہ گل افشانیاں مسلمانوں کی مسلم ذمہ داروں سے متعلق ہیں!

ہاں اور جمعیت جس پارٹی کی بھی ہو، بہر حال اس پر دونوں فریق متفق ہو گئے ہیں کہ شائستگی، دیانت، شرافت، انصاف و حق گوئی کو سب مل کر شکست دے کر رہیں گے!

انگلستان کے الکشن کو ابھی زمانہ کتنا ہوا - کل ہی کی تو بات ہے۔ کس زور و شور کا مقابلہ آپس میں ہوا ہے! کیسا زبردست پروپیگنڈا! کیسی کیسی دھواں دھار تقریریں، کیسی کیسی گرما گرم تحریریں! لیکن کسی نے ایک دوسرے کی ذاتیات پر بھی حملے کیے؟ کوئی ایک دوسرے کی شخصی توہین اور رسوائی کا بھی مرتکب ہوا؟ کسی نے ایک دوسرے پر گندگی اچھالی؟ کسی نے کسی کے خلاف شخصی منافرت اور بیزاری پھیلائی؟ اسکے برعکس سارا زور، سارا جوش، ایک فریق کا دوسرے فریق کے پروگرام کی کمزوریاں، اُسکے اصول و پالیسی کی خرابیاں، اسکی روش کی خامیاں، دکھانے اور واضح کرنے پر صرف ہوتا رہا۔ چرچل کی شخصی قدر و منزلت کا اعتراف قدم قدم پر رہا، چرچل کی شخصیت کے احترام میں ایک ذرہ فرق نہ آنے پایا، چرچل کو اپنا قومی محسن، اپنی قومی تاریخ میں شاید سب سے بڑا محسن، سب سے بڑا مشکل کشا، سب تسلیم کرتے رہے، لیکن چرچل کی اندرونی ملکی پالیسی کے پرخچے اڑا دیے۔ چرچل کی پارٹی کے پروگرام کو پرزے پرزے کر ڈالا! ——— یہ سیدھا سادہ سبق اگر ہم اپنے ماضی سے نہیں سیکھتے، تو کیا غیروں اور بیگانوں کے حال سے بھی نہیں سیکھ سکتے؟

آزادوں کی تنگ خیالی

"انجمن اتحاد المسلمین"

انگلستان کے مسیحی کلیساؤں کی طرف سے ایک محضر تمام ارکان پارلیمنٹ کے درمیان گشت کرایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسپین میں مذہبی آزادی مفقود ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ گرجے ملک میں بند کردیے ہیں اور نہ کوئی مذہبی جلسہ ہی پروٹسٹنٹوں کا ملک کے بڑے حصہ میں ہو سکتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر ستم یہ ہے کہ بجز رومن کیتھولک مذہب کے اور کوئی انجیل اسپین میں نہ طبع ہو سکتی ہے نہ شائع، بلکہ بہت سے نسخے ضائع بھی کردیے گئے ہیں ... پروٹسٹنٹ بچے رومن کیتھولک عقائد کے مدرسوں اور کنواری مریم مقدس کی مورتی کی پوجا پر مجبور کیے جاتے ہیں" انجمن نے وزارت خارجہ کو توجہ دلانے کے بعد سب ارکان پارلیمنٹ کو اس جانب متوجہ کیا ہے" (ڈیلی ہیرلڈ، لندن ۵۔ دسمبر ۱۹۴۴ء)

اچھا، تو اب کھلا کہ "تعصب"، "تنگ نظری"، "عدم رواداری" ایک مذہب کی دوسرے مذاہب سے نہیں، ایک فرقہ کی دوسرے فرقہ سے خود "صاحب" کے ہاں بھی موجود ہے! "موجود تھی" بمعنیٰ ماضی نہیں موجود ہے بمعنیٰ حال۔ اسی بیسویں صدی کے وسط میں! ابتک تو یہی سننے میں آتا تھا کہ یہ سارے الزامات مسلمانوں ہی کی فرد جرائم کے ہیں!

حق اہل باطل کی زبان سے

لندن ۱۱۔ اکتوبر۔ جارج برنارڈ شا نے اپنے ایک تازہ بیان میں لکھا ہے کہ انسان کا موجودہ اوسط عمر عقل و تجربہ کی پختگی تک اسے پہنچانے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ میں ۸۹ سال کا ہوں، لیکن سیاسی حیثیت سے بالغ کا، سچ پوچھیے تو ابتک نہیں پہنچا ہوں۔ پوری ایک صدی اور مجھے حکمرانی کے لیے مل جائے، تو البتہ میں ماہر فن کی حیثیت رکھنے لگوں، اور تین سو سال کی عمر میں کامل ہو جاؤں۔" (گلوب ایجنسی)

سو اور تین سو کی عمر میں پہنچ کر اپنے کامل ہو جانے کی توقع رکھنا تو اس پیر نابالغ کی محض خام خیالی ہے۔ انسان جوں جوں آگے بڑھتا جائیگا، اپنے عقل و تجربہ کی ناتمامی بھی اسی نسبت سے اس پر روشن ہوتی جائیگی، البتہ یہ بالکل سچ ہے کہ ستر اور اسّی، بلکہ نوّے اور سو سال کی عمر میں بھی عقل و تجربہ کو کمال پر پہنچانے کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ انسان کو مزید غلطیوں اور نادانیوں میں پڑنے سے، مزید ٹھوکریں کھانے سے بچانے کے لیے خدائے حکیم و رحیم نے ایک بالکل جداگانہ نعمت وحی کی انسان کو عطا کردی ہے، کہ جن گتھیوں کو وہ اپنی محدود عمر، محدود عقل و تجربہ کی مدد سے نہیں سلجھا سکتا، انھیں وہ وحی کی روشنی میں حل شدہ پالے۔ اب اس عظیم الشان و بے مثال نعمت کو ٹھکرانے اور اسکی طرف سے آنکھیں بند کرلینے کی سزا یہی ہے، کہ یہاں اور وہاں کہیں بھی عذاب سے نجات نہ پائے۔

شراب نواز سرکار

لارڈ رونالڈشے صوبہ بنگال کے مشہور سابق گورنر اور لارڈ کرزن کے سوانح نویس کا بیان ہے:-

"میں جب کہ بنگال کا گورنر تھا تو دسمبر ۱۹۱۷ء میں گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ میں مہمانداری کے سلسلہ میں شمپین شراب کی ۱۱۱۵ بوتلیں صرف ہوئیں" (ہندو، مدراس، ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

اللہ اکبر! یہ ہندوستان کے صرف ایک صوبہ کی گورنمنٹ اور اس کی شراب کا خرچ، صرف ایک مہینہ کا ہے! شراب کا بھی نہیں، اسکی صرف ایک قسم، شمپین شراب کا! کوئی ریاضی داں صاحب براہ کرم حساب لگا کر بتائیں، کہ کلکتہ اور بمبئی اور دہلی اور لاہور اور لکھنؤ اور الہ آباد اور پٹنہ اور ڈھاکہ اور نینی تال اور شملہ اور ناگپور کے کل گورنمنٹ ہاؤسوں میں، پورے ۱۲ مہینے میں شراب کی کل قسم کی کتنی بوتلیں کھلتی رہتی ہیں، اور جب سے "صاحب" کے قدم ہندوستان میں آئے ہیں، اسوقت سے ابتک کل کس تعداد میں کھل چکی ہیں؟ اور انکی قیمتوں کا میزان کہاں تک پہونچی ہے؟ ——— ایسی مے نواز سرکار کے سایۂ عاطفت کے بعد پھر حیرت اس پر کیوں کیجیے کہ ملک میں اتنے شرابی، اتنے افیونی، اتنے بھنگیڑی موجود ہیں۔ حیرت اس پر کیوں نہ کیجیے کہ باقی آبادی ابتک ہوش و حواس کیسے سنبھالے ہوئے ہے!

فطرت سے مقابلہ

"لندن ۱۹۔ اکتوبر۔ بلسن جیل کے جور و ستم کا مشہور مقدمہ جو لونبرگ میں چل رہا ہے، اس میں آج ایک پولینڈ کی ۲۰ سالہ خاتون دوما گریز جو ابتک حیرت انگیز استقامت کا ثبوت دے رہی تھی، کل جب اس کی چھوٹی بہن ۱۶ سالہ ہیلن گواہی دینے لگی اور اس نے اپنی دونوں کی بچپن کی خانگی زندگی بیان کی تو گریز ضبط نہ کرسکی، اور دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھکر بے اختیار رو پڑی"۔ (رائٹر)

مجرمین جنگ کے مقدمے تو برابر چل ہی رہے ہیں، اور متعدد کو سزائیں بھی مل چکی ہیں۔ کوئی گولی سے اڑا دیا گیا، کوئی کسی اور طریقہ پر مارا گیا۔ فرنچ، جرمن، اطالین، سب ہی قوموں کے لوگوں پر یہ گزر چکی اور گزر رہی۔ مگر یہ آخر کیا بات ہے کہ بے اختیار ہو کر رو پڑنا (اور وہ بھی فیصلہ سننے سے بہت قبل) صرف ایک عورت ہی کے حصہ میں آیا؟ اور عورت بھی کیسی، پختہ اور بڑی مضبوط جوان! ——— عورت لاکھ مردانہ بنائی جائے اور بنے، بہرحال عورت ہی رہیگی، اور اصل فطرت، عادت اور تربیت پر کبھی غالب آ ہی جائیگی!

شراب اور ادب

"مصنف" کے نام سے علیگڑھ سے ایک سنجیدہ علمی ماہانہ رسالہ کچھ عرصہ سے نکل رہا ہے۔ اسکے نمبر ۱۰ (اپریل ۱۹۴۵ء) میں ایک مضمون اردو شاعری میں خمریات کے عنوان سے نکلا تھا۔ مضمون نگار نے باوجود اسکے کہ خود ذاتی طور پر بہت پارسا ہیں اور شراب کے تو یقیناً قریب بھی نہیں گئے ہونگے، شاعرانہ خمریات کی اچھی خاصی داد دی تھی، اور ایک جگہ غریب ریاض خیرآبادی کی شراب نوشی کی روایت بھی بلا تردد درج کردی تھی۔ اڈیٹر کا نوٹ البتہ مضمون کی روح (شراب کی مناسبت سے یہاں "اسپرٹ" کہنا تھا) کی تردید میں تھا۔

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۴

(۲۔ سلسلہ مسلسل ۔ ۲۶)

۱۹۴۔ الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمٰت قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ مع المتقین ۔	حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینہ کے عوض میں ہوتا ہے[1] اور حرمتیں ما و منہ کی چیزیں ہیں[2]۔ تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اُس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے[3]

[1] یعنی اس مہینہ کا حرمت کی بنا و [illegible] پر۔ [illegible] دوسرا فریق اس کی حرمت [illegible] تو اس مہینہ کی حرمت [illegible] [illegible] یہ چیز [illegible] طرفین کے [illegible] [illegible]

الشہر الحرام کے لفظی معنی ہیں حرمت والا مہینہ۔ عرب کے قبائل مدتوں سے چلے آتے تھے۔ لیکن آپس میں بھی [illegible] تھی درسال میں چار مہینے جنگ بند رہتی اور [illegible] امن و صلح کے ساتھ گزر جاتے اور یہ چار مہینے یہ تھے:-

محرم۔ سنہ قمری کا پہلا مہینہ
رجب۔ سنہ قمری کا ساتواں مہینہ
ذی قعدہ۔ سنہ قمری کا گیارہواں مہینہ
ذی الحجہ۔ سنہ قمری کا بارہواں مہینہ۔

یہاں اشارہ ذی قعدہ سنہ ۶ھ کی جانب ہے۔ رسول اللہ صلعم بقصد عمرہ اس وقت صحابیوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہو رہے تھے، لیکن مشرکین آمادۂ قتال ہو گئے تھے، بلکہ تیر اندازی و سنگ اندازی شروع کر دی تھی۔ عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت، جنگجوئی کے لیے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام ہے۔ لیکن اسکے باوجود ان کی [illegible] لڑتے تھے اور باقی [illegible] حصہ امن و آشتی ہی کے مشاغل میں گزارتے تھے۔ —— یہ کمال تو جاہلیت جدید یا جاہلیت فرنگ ہی کے لیے اٹھا رکھا تھا کہ فرنگی قوموں کے بڑے بڑے سورما نہ اتوار و کرسمس نہ [illegible] نہ ایسٹر نہ گڈ فرائیڈے، نہ کوئی موسم نہ کوئی مہینہ، ہر روز اور ہر ہفتہ، ہر مہینہ اور ہر موسم میں توپیں اور ٹینک اور ہوائی بم میں گرا کے دوسرے کی جانیں لینے پر تلے ہوئے، ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے پر اڑے ہوئے ہیں ۔

[2] یعنی جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے، تم بھی اس سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو۔

قصاص کے لفظی معنی بدلہ کے ہیں، خواہ وہ معاوضہ قولی ہو یا عملی [illegible] ۔ اور یہاں عملی بدلہ مراد ہے۔ یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا، تم اس کے ساتھ کرو۔

قصاص [illegible] بدل [illegible] ابن عباس [illegible] القصاص [illegible] بالفعل او القول او البدن وہو فی ہذا الموضع من جہۃ الفعل (ابن قیم) [illegible] المساواۃ [illegible] [illegible]

یہاں کافروں پر تعریض ہے کہ خود تو ان مقدس [illegible] کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، اپنی ہر حرکت سے بھی باز نہیں رہتے، اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ انکے سارے ظلم اور زیادتیاں پر اس لیے خاموش رہیں کہ یہ مقدس مہینے ہیں!

[illegible] ان حرمۃ الشہر الحرام لا تمنعہم عن الکفر [illegible] فکیف [illegible] [illegible] یمنع المقاتل من شرہم [illegible]

[3] یعنی اگر فریق مقابل [illegible] [illegible] تو تم بھی [illegible] جواب دو۔ [illegible] مثلاً ایک زیادتی یہی کہ دشمن ان مہینوں کا احترام نہ کرے [illegible] جنگ شروع کر دے۔

فاعتدوا علیہ یہاں مسلمانوں کے اس جوابی اور دفاعی کارروائی کو [illegible] اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے [illegible] قرار دے لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں جو کارروائی یا جو سزا کی جائے اُس پر حقیقۃً زیادتی کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔ [illegible] زبانوں کے [illegible] [illegible] [illegible] پر حاشیہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ [illegible] صورت یہاں بھی ہے۔ [illegible] [illegible] کی بنا پر یہاں [illegible] [illegible] سے تعبیر دیا گیا ہے۔

اہل لغت اور اہل تفسیر دونوں کے [illegible] یہ تصریح منقول ہے

[illegible] بحسب اعتدائہ [illegible] [illegible] (راغب)
[illegible] المجازاۃ [illegible] لفظ [illegible] ان اختلف معنیاہا (ابن جریر)
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] الاول [illegible]
[illegible] العربیۃ [illegible] ابن العربی)

[4] ان سارے [illegible] و معاملات [illegible] اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں)

یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر [illegible] [illegible] سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش پر قابو ہر صورت رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ الٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوف خدا، بازپرس کا خیال، ہر وقت پیش نظر رہے۔ جو کچھ بھی ہو شدید اشتعال کے موقع پر بھی ہیجان نفس کے ماتحت نہیں، خشیت الٰہی ہی کے ماتحت ہو!

و [illegible] المؤمنین [illegible] [illegible] (ابن جریر)
[illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
[illegible] کسی [illegible]

[5] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے [illegible] میں بھی

اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عائد کی جا چکی ہے۔ اب [illegible] ہے کہ ان احکام سے کچھ [illegible] جانا اور پوش خیال کرنے لگنا [illegible] اور ان کے [illegible] اگر [illegible] تو یہ بات [illegible] ہے [illegible] رحمت و عنایت شامل [illegible] لوگوں کے رہتی ہے [illegible] خشیت و عظمت [illegible] اپنے [illegible] تقویٰ [illegible] نصرت [illegible] کے لئے ہے [illegible]

[illegible] تقیں [illegible] نصرت [illegible]

[illegible] العون (روح [illegible]) [illegible]

[illegible] امام رازی نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ حق تعالیٰ نہ [illegible] اور نہ کسی [illegible] کو گھیرے ہوئے ہے، جیسا کہ ہر جسم کسی [illegible] سے لبریز کر دیتا ہے۔

[illegible] الدلائل [illegible] لکان [illegible]

(بقیہ صفحہ ۲)

[illegible] کا مکتوب [illegible] خدمت [illegible] کیا گیا تھا جو مصنف نمبر [illegible] اکتوبر ۱۹۳۵ء [illegible] شائع [illegible] ہو گیا ہے۔

مضمون [illegible] شاعری میں [illegible] پر آپ کا نوٹ خوب [illegible] بہت [illegible] اس کی بڑی ضرورت تھی۔ آپ نے اپنی عاقبت [illegible] یہ خوب نیشن لکھا ہے اور آج سے نہیں [illegible] آ رہا ہے [illegible] اچھے [illegible] ایمان [illegible]

[illegible] کام آیا [illegible] بے حجاب ننگے ہو گئے۔ [illegible] اخلاق [illegible] بے شرمی پر شراب نوشی پر [illegible] خرافات پر کرنے لگے۔ اسلام [illegible] پر اور [illegible] گویا بس ایک [illegible] ہے [illegible] اسے پہن لیا، اور [illegible] مخلوع الطبع [illegible] اور [illegible] خواہ [illegible] جاہلیت سے آلودہ [illegible] امت کے حق میں ایک لعنت ہے [illegible] اگر [illegible] اسلام [illegible] انقلاب پیدا [illegible] تو اس فرسودہ ذہنیت [illegible] یقیناً جہاد کرنا ہوگا، خواہ اسکی [illegible] ادب [illegible] سے کچھ [illegible] سنت ہے۔ آپ نے [illegible] نوٹ لکھ کر حقیقۃً ایک کام کیا، اور دینی جہاد میں حصہ لیا۔

دین غریب کو صرف ملحدوں، منکروں ہی کا ہدف کب بننا پڑا ہے،
اپنوں کے وار، نادان دوستوں کے ظلم و ستم کیا کچھ کم رہے ہیں!

نصرانی تہمتیں

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ، دکن)

نمبر (۲)

خیال تو کیجیے، بنی امیہ کی حکومت کا یہی زمانہ ہے۔ اسی خاندان کے مشہور بادشاہ ہشام بن عبد الملک کے متعلق کتابوں میں نقل کرتے ہیں عطا راوی ہیں کہ

میں ہشام کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے مرکزی شہروں میں اس وقت جو علماء ہیں، کیا تم ان سے واقف ہو (مراد اصلی ان علماء کے متعلق تھی جو مرجع انام تھے) عطاء نے کہا کیوں نہیں۔ ہشام نے تب پوچھنا شروع کیا کہ اچھا بتاؤ مدینہ کا فقیہ اس زمانہ میں کون ہے۔ میں نے کہا کہ نافع جو ابن عمر کے مولی ہیں۔ اس نے کہا کہ اور مکہ کا فقیہ؟ میں نے کہا کہ عطا ابن رباح یہ بھی مولی (عجمی مسلمان ہیں) اس نے کہا کہ یمن کے فقیہ؟ میں نے کہا طاؤس بن کیسان، اور یہ بھی مولی ہیں۔ اس نے کہا کہ شام کے فقیہ؟ میں نے کہا مکحول (یہ سندھی غلام تھے۔ شام کی امامت اسکے زمانہ میں ان ہی کے ہاتھ میں تھی سندھی لہجہ زبان پر آخر وقت تک باقی تھا۔ کعب کو کاب کہتے تھے، اور بھی اس قسم کے لطیفے انکے متعلق نقل کرتے ہیں) ہشام نے پوچھا کہ الجزیرہ (جسے آجکل میسوپوٹامیہ کہتے ہیں، موصل وغیرہ جس علاقہ میں واقع ہے) اس کا فقیہ کون ہے؟ میں نے کہا میمون بن مہران، اور یہ بھی مولی ہیں۔ اس نے کہا کہ بصرہ کا فقیہ؟ میں نے کہا کہ حسن بصری اور محمد بن سیرین، اور یہ دونوں بھی موالی ہی ہیں۔ تب آخر میں اس نے پوچھا کہ کوفہ کا فقیہ؟ میں نے کہا کہ ابراہیم نخعی اور یہ عربی النسل ہیں۔ عطا لکھتے ہیں کہ یہ سنکر ہشام نے کہا

آخر میں تم اگر عربی کا لفظ اگر نہ بولتے	لولا قولک عربی لکادت نفسی
تو شاید میری جان ہی نکل جاتی	تخرقت (مناقب للامام الاعظم للکردی)

واقعہ یہ ہے کہ سلاطین بنی امیہ کی دوسری [illegible] یہ بڑی ضرورتی کہ عربیت و عجمیت [illegible] عرب کو [illegible] کیا تھا۔ وہ کچھ اسی عصبیت کو [illegible] کرنا چاہتے تھے لیکن عام مسلمانوں پر انکی کوشش [illegible] اثر لیا پڑا تھا۔ [illegible] اندازہ اسی ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ تمام [illegible] شہروں میں مسلمانوں نے اپنا امام عجمی مسلمانوں ہی کو بنا رکھا تھا۔ قرآن و حدیث، عقائد، فقہ کے مسائل ان ہی سے پوچھے جاتے تھے۔ خیال کرنے کی بات ہے جس امت نے عجمیوں کو امامت کا آخری مقام عطا کیا گیا ہو اسی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ عجمی مسلمانوں کو وہ اپنی مسجدوں میں گھسنے نہیں دیتی تھی۔ اور اسی وقت کیا؟ اسوقت تک اس باب [illegible]

مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ فقہ میں انکے سب سے بڑے اور اعظم امام ابو حنیفہؒ ہیں، اور حدیث کے سب سے بڑے امام بخاری ہیں۔ پھر اس سے کون ناواقف ہے، کہ دونوں حضرات عجمی مسلمانوں ہی سے نسلاً تعلق رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے تو جد امجد کا نام ہی زوطا یا زوط تھا۔ بعضوں کا تو خیال ہے کہ کابل یا پنجاب سے انکو تعلق تھا اور امام بخاری کے دادا کا نام ہم لوگ اب تک "بردزبہ" لکھتے ہیں، جو کوئی ترکی لفظ ہے۔ اور یہی دو حضرات نہیں ائمہ فقہ و حدیث و قراءۃ میں آپ کو اکثر بیعت زیادہ تر عجمی مسلمانوں ہی کی نظر آئیگی۔ خالص عربی قریشی مسلمات انکے مقلد تھے۔ اور یہ حضرات انکے ائمہ تھے بھی، اور اب بھی ہیں۔ لیکن زادہ تن کہتا ہے کہ عجمی مسلمانوں کو عربی مسلمانوں کی مسجدوں میں بھی آنے کی اجازت نہ تھی"۔ اور ایسی باتوں کو "تحقیق" کے نام سے پیش کیا جاتا ہے اور تحقیق ہی کے نام سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم جاہل مسلمان اس پر ایمان لائیں۔

تتوتن نے لکھا ہے کہ عجمی مسلمانوں کی مالی حالت گویا پست ترین تھی اور ادنیٰ درجہ کے مکانوں میں وہ رہتے تھے۔ تفصیل کے لیے تو دفتر درکار ہے۔ حال ہی میں میری نظر طبقات ابن سعد میں اس واقعہ پر پڑی تھی جسکا خیال آیا، کہ وہی محمد بن سیرین جو بصرہ کے امام تھے انکے والد سیرین حضرت انسؓ کے مولیٰ تھے۔ کتابت کے بعد آزاد ہوگئے تھے۔ انکے حالات میں ابن سعد نے جو باتیں نقل کی ہیں ان میں چند چیزیں اس موقع پر قابل سننے کے ہیں۔ لکھا ہے، کہ حضرت انسؓ انکے آقا نے مدینہ سے انکو لکھا

ان اقدم علی المدینۃ حتی ازوجک بنت اخی البراء بن مالک۔ ص۱۴۳

تم مدینے چلے آؤ۔ تاکہ میں اپنی بھتیجی یعنی براء بن مالک کی لڑکی سے تمہاری شادی کردوں۔

عرب مسلمان اپنے آزاد کردہ غلام عجمی کو اپنی بھتیجی عقد میں دینے کے لیے بلاتا ہے۔ یہ عقد ہوتا ہے اور جن عجمی مسلمانوں کی غربت کا حال تتوتن وہ بیان کرتا ہے۔ ان ہی عجمیوں میں سے ایک آزاد شدہ غلام کے تمول کا حال سنیئے

عن محمد بن سیرین قال ان اباہ سیرین اولم بالمدینۃ سبعۃ ایام فدعو اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۳

محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ انکے والد سیرین نے جب عقد کیا تو سات دن تک مدینہ والوں کی دعوت کرتے رہے اور ان میں صحابہ کو بھی بلایا۔

مدینہ اس وقت وہ مدینہ نہیں تھا جس وقت شروع شروع میں مسلمان آئے تھے، اب یہ دنیا کے ان شہروں میں تھا جسکی آبادی لاکھوں کے قریب پہونچی ہوئی تھی۔ ایسے شہر میں سات دن تک ولیمہ کھلانا کیا کوئی معمولی تمول کی دلیل ہے۔

بلکہ ان ہی سیرین کی ایک نشستگاہ کا بھی ذکر طبقات میں کیا ہے

عن بکار بن محمد قال رأیت مجلس سیرین الذی یاوہ بالجذوع بعث انا مہا اربعین جذعا کل جذع بدینار۔ ص۱۴۳

بکار بن محمد کہتے ہیں، کہ سیرین کی جو نشستگاہ تھی اسے میں نے دیکھا تھا شہتیروں سے بنائی گئی تھی۔ چالیس شہتیریں تو اسکی میں نے بیچی تھیں جن میں ہر شہتیر کی قیمت ایک اشرفی تھی۔

یہ تھا اس کا قصہ کہ سوائے کے ادنیٰ درجہ کے مکانوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

طبقات ہی میں جب میں نے اس واقعہ کو پڑھا تھا، تو تھوڑی دیر تک متحیر رہا، یعنی اس میں حضرت امام زین العابدینؓ کے حالات میں لکھا ہے کہ انکی والدہ محترمہ جنکا نام غزالہ تھا، ام ہی بی بی غزالہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اپنا عقد ثانی امام حسینؓ ہی کے ایک مولیٰ زبید سے کیا تھا، اور عبداللہ نامی ایک لڑکا بھی ہوا تھا۔ لکھا ہے کہ وہ امام زین العابدینؓ کا علیٰ بھائی کہلاتا تھا۔ یعنی ان دونوں کی ایک ہی ماں تھیں ص۱۵۶ ج۵ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو کس قدر عجیب ہے۔ لیکن عام طور پر چونکہ یہ مشہور ہے کہ حضرت امام زین العابدینؓ کی والدہ ماجدہ شہربانو یزدجرد شاہ ایران کی شاہزادی تھیں، اس لیے ابھی میں پوری تحقیق سے نہیں کہہ سکتا کہ ابن سعد کی یہ روایت کس درجہ کی ہے۔ لیکن اگر واقعہ ہے، تو جس سنت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا، یعنی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا پہلا عقد اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے فرمایا تھا۔ اسی سنت کے احیاء کی یہ شکل ہو سکتی ہے۔

ان کہنے والوں سے کون کہے۔ آپ نے دیکھا کہ سیرین ایک مولیٰ تھے۔ انکے کل مکان نہیں، صرف نشستگاہ شہتیروں سے جو بنی تھی، ان میں چالیس شہتیر صرف ایک صاحب نے ایک ایک اشرفی کے حساب سے دی تھی۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتنا روپیہ اس نشستگاہ کی تعمیر میں خرچ ہوا ہوگا۔

کھانے کے سلسلہ میں خیال آگیا اسی طبقات ابن سعد میں پڑھا تھا، کہ

کان الحسن یشتری لحما کل یوم بنصف درہم وقال ثم مرت مرقۃ قط اطیب ریحا من مرقۃ الحسن (ص۱۲۲ ج۷ ابن سعد)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ روزانہ نصف درم کا گوشت آپ کے یہاں خریدا جاتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت حسنؒ کے ... جیسا جو خوشبو ہوتی تھی، ویسی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی حالانکہ بڑے بڑے امیروں کے دسترخوان پر بیٹھنے کا موقع راوی صاحب کو ملتا تھا۔[1]

---

[1] غذا کی پاکیزگی اور نفاست کچھ صوفیہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔ اصحاب کہف کے قصہ میں بھی کہ جب طویل خواب سے یہ حضرات بیدار ہوئے اور طے ہوا کہ بازار کسی کو کھانا لانے کے لیے بھیجا جاہیے تو لانے والے کو جو ہدایت کی گئی کہ فلینظر ایہا ازکی طعاما (کہ چاہیئے کہ دیکھ

شرعی اور رواجی پردہ

از سید مقبول احمد صاحب ایم اے ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سیتاپور

نمبر (۲)

(سلسلہ صدق نمبر ۲۴)

اس قدر عرض کر دینے کے بعد میں اصل بحث کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے یہ عرض کر دینا ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اسلامی احکام ممکن العمل ہیں۔ بیشک میں آپ کی رائے سے متفق ہوں، لیکن اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ موجودہ رسمی پردہ ممکن العمل ہے تو یہ غلط ہے۔ زمانہ رسالتمآبؐ سے لیکر اسوقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں دکھا سکتے جس میں ہر مسلمان عورت یہ رسمی پردہ کر سکی ہو۔ ہمیشہ یہ پردہ کسی ایک طبقہ سے خاص طبقہ میں محدود رہا ہے۔ البتہ زمانہ رسالتمآبؐ اور صحابۂ کرام اور تابعین تک کوئی ایسی مثال آپ نہیں پیش کر سکتے جس میں شرعی پردہ پر ہر مسلمان عمل نہ کر سکا ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ شرعی پردہ کرنے یعنی ہاتھوں اور چہرہ کا کھلا رکھنا شامل ہے ... وہ حصہ جس سے عورت ... ملنے جلنے ... کھول کر عورت مرد کے برابر ... سکتی ہے ... پردہ مسلمان عورت کے لیے فرض ہے اور ممکن العمل ہے۔ چونکہ ... اور وجہ و کفین کا پردہ ہر عورت کے لیے ہر زمانہ میں ممکن العمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور اس لیے اسکو مسلمان عام سے طلب کرنا گویا اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ دین میں تنگی اور دشواری ہے جس کی نفی بآنگ دہل قرآن کر رہا ہے۔

اب صرف آپ کا یہ قول بحث طلب رہ گیا کہ رسول کے اسوۂ حسنہ ہر مسلمان کے لیے قابل تقلید ہیں اور ازواج مطہرات کی زندگی بھی مسلمان عورتوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا اور نہ کیا کوئی مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر یہ عرض کرونگا کہ کسی چیز کا قابل تقلید ہونا اور بات ہے اور واجب العمل ہونا اور بات ہے۔ واجب العمل چیز کا ترک باعث مواخذہ ہے کیونکہ واجب العمل چیز فرض ہے اور قابل تقلید چیز مستحسن ہے۔ اسکا ترک گو کسی درجہ میں بات سے محرومی کا باعث ہو مگر قابل مواخذہ نہیں، بالخصوص جب کسی دوسری دلیل یا نص سے اسکے ترک کی اجازت بھی ملتی ہو۔ پس اب یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا حضرات ازواج مطہرات کا پردہ یا بالفاظ دیگر وجہ و کفین اور چہار دیواری کا پردہ مسلمان عورت کے لیے واجب العمل ہے۔ تو اسکا جواب سوائے نفی کے اثبات میں ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔ ثبوت کے لیے صرف دو باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اول اس آیت کا سیاق جس میں ... ورقصت ... یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن الخ یعنی اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقوی اختیار کرو ... دوم

سورۂ نور کی آیت و قل للمومنات یغضضن من ابصارہن الخ جس میں زینت ظاہرہ کو مستثنیٰ کیا ہے اور زینت ظاہرہ کی تفسیر حضرت رسالتمآبؐ نے وجہ و کفین کی ہے اور اسکا عملی ثبوت یہ ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے دربار میں عورتیں چہرہ کھول کر بعد نزول حکم حجاب بھی حاضر ہوتی تھیں اور حضور نکیر نہ فرماتے تھے اور مسجدوں میں تو عام طور پر نماز میں چہرہ کھلا رہتا تھا۔ بس اسی قدر ثبوت قرآن اور حدیث سے ہر مسلمان کے لیے کافی ہے۔ اب اسکے آگے جو کچھ کہا جاوے وہ تفریع ہوگی۔ مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول کہ عورت کو وجہ و کفین کھولنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ لین دین وغیرہ اسکو مردوں سے کرنا ہوتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یا فقہائے حنفیہ کا متفقہ فتویٰ کہ عورت کا چہرہ عورت (یعنے چھپانے والی چیز) نہیں۔ الغرض اسی جگہ یہ بھی کہدینا چاہیے کہ چوتھی صدی تک عورت کو پوری آزادی وجہ و کفین کھول کر اپنا کام کرنے کی رہی۔ پھر اس صدی میں بعض علماء اسلام نے پولیٹکل وجوہات سے وجہ و کفین کے اخفاء کا فتویٰ دیا۔ لیکن اسی وقت بعض جید علماء نے اختلاف بھی پورے شد و مد سے کیا اسوقت سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو کر رہ گیا۔ امتداد زمانہ نے علماء کی عدم زمانہ شناسی نے، عوام کی قدامت پرستی نے اس چوتھی صدی والے فتویٰ کو غیر معمولی عظمت عطا کر دی۔ اور افسوس ہے کہ بعض تعلیم یافتہ مسلمانوں کے جذبات بھی عقل و فہم عامہ کو مغلوب کرکے اسی رنگ میں رنگ گئے۔

پس میں تو اپنی دانست میں یہ ثابت کر چکا کہ حضرات ازواج مطہرات کا پردہ تمام مسلمان عورت کے لیے واجب العمل نہیں اور جب واجب العمل نہیں تو اسکے ترک پر مواخذہ نہیں۔ البتہ بطور اسوۂ حسنہ کے قابل تقلید ہے۔ لیکن اسکو اسکا درجہ دینا چاہیے۔ اس بات کو مثال واضح کر دیگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضور کثرت نوافل فرمایا کرتے تھے حتی کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ یہ کہ حضور اپنے گھر کا اپنا کام خود کر لیتے تھے۔ مثلاً نعلین مبارک کی درستی، بکریوں کا دودھ دوہنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ حضور کے اسوۂ حسنہ ہیں اور قابل تقلید ہیں۔ اگر کوئی شخص ان باتوں میں حضور کی تقلید شوق سے کرے تو ہم اسکو کس نظر سے دیکھیں گے؟ ظاہر ہے کہ بہت عظمت اور عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ لیکن اگر ہم ان باتوں کو قانون کی شکل دیا لے آئیں اور زبردستی سب سے یہ کام کرائیں اور اگر کوئی نہ کرے تو اسے برا سمجھیں، تو یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ہماری زیادتی ہوگی۔ اور کیوں زیادتی ہوگی؟ اس لیے کہ ہم نے قابل تقلید چیز کو واجب کا درجہ دیدیا اور ثبوت یہ ہے کہ اسی قابل تقلید چیز کو اگر واجب کا درجہ شارع علیہ السلام کو دینا ہوتا تو وہ اسکو حکم یا قانون کی صورت میں پیش کرتے۔ یہی حال ازواج مطہرات ... کا ہے ... وہ حکم عام عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی

عورت اس پر عمل کرے تو ہم ضرور اسکی عظمت کریں گے اور وہ خود بھی قابل تقلید ہوگی۔ جیسے حضرت فاطمہؓ یا حضرت رابعہ بصریہؒ۔ لیکن اگر آپ سب عورتوں کو مجبور کریں کہ اس پر عمل کریں جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے کہ اگر کوئی عورت وجہ و کفین کا استفادہ کرے تو اس کو سوسائٹی میں ذلیل سمجھا جاوے۔ اور جیسا کہ آج عورت کو یہ پٹی پڑھا دی گئی ہے کہ رسمی پردہ فرض ہے تو ایسی حالت میں ہم ضرور آپ سے پوچھیں گے کہ آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے اور آپ سب کو کیوں مجبور کر رہے ہیں جبکہ یہ رسمی پردہ واجب اصل نہیں۔ اور جبکہ دوسری نص سے وجہ و کفین کے انکشاف کی اجازت ہے۔ آپ عورت کو اسکے فرائض منصبی سے دھوکا دیکر باز رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ اسکی جائز دنیوی ترقی میں حارج ہیں۔ جسکی وجہ سے قوم بحیثیت مجموعی ترقی نہیں کر رہی ہے۔ اور اسکو پردہ کا درجہ بتا دیں اور وہ اس پر عمل پیرا ہو سکیں تو پھر جو عورت حضرات ازواج مطہرات، حضرت بی بی فاطمہؓ اور حضرت رابعہ بصریہؒ کے نقش قدم پر چلیگی ہم اسکی حد سے زیادہ عظمت کریں گے اور ہم تو ابھی بھی کرتے ہیں۔ ہم اُن عورتوں کو اچھا نہیں سمجھتے جو رسمی پردہ میں بیٹھ کر اور خواہ نیچ اقوام کی عورتوں کو ازراہ تکبر کمینہ یا ذلیل سمجھیں اور گھر میں رہ کر بیکار وقت صرف کریں اور اندر ہی اندر فیشن پرستی میں منہمک رہیں گو ہمیں اُن پر رحم بھی آتا ہے کہ مردوں نے انکی راہ مار رکھی ہے اور وہ اُنکے ظلم کا شکار ہو رہی ہیں لیکن ہم ایسی پردہ دار عورتوں کی بڑی عظمت کرتے ہیں جو دن رات پردہ میں بیٹھ کر نماز، روزہ، کثرت نوافل، ذکر و شغل میں اپنا وقت صرف کریں۔ چنانچہ میری بھاوج صاحبہ اسی قسم کی نیک بی بی ہیں۔ میری شرعی پردہ کی تبلیغ پر وہ مجھ کو حد سے زیادہ گمراہ اور گنہگار سمجھتی ہیں۔ مگر میں انھیں طور انکو بہت بزرگ سمجھتا ہوں کیونکہ وہ گزشتہ بزرگ بیبیوں کے نقش قدم پر جا رہی ہیں۔ میں اُن سے عرض کیا کرتا ہوں کہ آپ مجھے جو چاہیں سمجھیں مگر مجھے آپ کی عظمت و بزرگی کا دل سے اعتراف ہے۔

جناب والا، حضرات ازواج مطہرات نے دنیا پر بالکل لات مار دی تھی۔ دنیا کی جائز خواہشوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ اے نبی اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تمھیں دنیا کی خواہش ہو تو آؤ میں تمھیں بہت کچھ دے کر رخصت کر دوں الخ تو اسکے بعد اُن حضرات نے ہر طرح کا ایثار دکھا دیا اور دنیا سے قطعی منہ موڑ لیا۔ نہ اُنکے پاس ترکہ تھا، نہ جائداد تھی۔ اُنکے ساتھ خدا نے خاص معاملہ کیا تھا۔ مال و متاع پر رات گزرنے نہیں دی جاتی تھی اور خرچ کر دیا جاتا تھا۔ وہاں فقر و فاقہ اختیاری تھا، اضطراری نہ تھا۔ انکا کوئی کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مردوں اور عورتوں دونوں سے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ اُن کے لگ بھگ بھی پہنچ سکے۔ جو عورتیں سب چھوڑ چھاڑ اُنکے نقش قدم پر چلنا چاہتی ہیں وہ بھی اُس حد تک نہیں پہونچ سکتیں تو تمام عورتوں کا تو ذکر ہی کیا — عام عورتوں کو تو

ہر قسم کے کام کرتی رہیں۔ دنیا کو حسب ضرورت حاصل کر لے۔ نفسانی دنیوی سے بقدر ضرورت بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ انقطاع کی کشمکش میں پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے دوسرے نص کے ذریعے اُن کو کچھ آزادی عطا فرمائی۔ البتہ اُنکو اس دنیاوی جد و جہد میں اپنے حقوق سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُن حضرات کو بطور آئیڈیل اپنی نگاہ کے سامنے رکھنا چاہیئے تاکہ کسی حالت میں بھی حدود شرعیہ سے خارج نہ ہوں۔

یہ بات کہ لفظ "قرن" قرار سے مشتق ہے یا وقار سے، اسکو مسئلۂ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسوجہ سے کہ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں میں حکم حجاب کو حضرات ازواج مطہرات کے لیے مخصوص سمجھتا ہوں۔ عام مسلمان عورتوں کے لیے پردہ کا وہ حکم ہے جو سورۂ نور کی آیت "و قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن" الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم اس لفظ "قرن" کے متعلق جو مجھے عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ قرن (بقاف مفتوحہ) کے معنی ہیں "قرار سے رہو"۔ قرآن مجید کے جس قدر بھی نسخے دیکھے گئے اُن میں قاف مفتوح ہی دیکھا گیا ہے۔ [illegible] روایت بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ حافظوں [illegible] آج تک کوئی ایسا نہ ملا جو قاف کو مکسور پڑھتا ہو۔ حضور اکرمؐ کی وہ حدیث بھی جو حضورؐ نے [illegible] حضرات ازواج مطہرات کو حج کرا دینے کے بعد فرمائی یعنی اپنے گھروں میں اپنی بوریوں پر نہایت طور سے جمی بیٹھی رہنا اس بات کی تائید کر رہی ہے۔ اگر اس لفظ کے معنی "وقار سے رہو" کے لیے جائیں تو "وقِرن" کی قرأت ہوگی یعنی قاف کسرہ کے۔ مگر تلاوت "وقَرن" ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

نقشند

لے لفظ قرن سے مذاق عجیب کی تحقیق صحیح نہیں لیکن اصل بحث اس تحقیق پر موقوف بھی نہیں۔ (صدق)

(بقیۂ حاشیہ صفحہ ۵)

ستھرا پاکیزہ کھانا بازار میں ملتا ہے، وہی لاسکے۔ اصحاب کہف کے قصہ میں صوفیانہ زندگی کے بہت سے اصول کا مجھے پتہ ملتا ہے۔ فتنہ کے زمانہ میں کنج زندگی اختیار کرکے ایمان کے بچانے کی کیا کیا تدبیریں ممکن ہو سکتی ہیں۔ ہم اس قصہ سے اُن تدبیروں کو مستنبط کر سکتے ہیں۔ غذا کے متعلق اسی اصول کا پتہ چلتا ہے۔ یعنی ازکیٰ کھانا ہونا چاہیے۔

شیعی عقائد و عمل

(آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے خطبۂ صدارت سے)

آپ تمام حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارا یعنی ہم شیعوں کا اسوقت سے وجود ہے جب سے حضرت علیؑ سابق الاسلام حضرت محمد مصطفیٰ کے روحانی جانشین ہوئے۔ اور ہمارا مذہب و عقیدہ ہمیشہ وہی رہا جو خدا کی کتاب اور اسکا برگزیدہ نبی لایا تھا۔ و نیز ان اصولوں کے ماتحت جو ہمارے اول امام حضرت علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور انکے جانشینان صحیح نے پیش فرمائے تھے۔ اسلئے ساتھ ساتھ ہمارے قوانین وہی رہے جنکی توضیح و تشریح ہمارے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائی جسے شریعت جعفریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ . . . . .

جب ۱۹۱۹ء میں عظیم الشان تحریک خلافت کا اس ملک میں اجراء کیا گیا جو بالکل ۱۹۱۴ء کے اغراض و مقاصد سے مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی مسلم آبادی کی حفاظت کے لیے جاری کی گئی تھی اور اسکے یکساں نوعیت رکھتی تھی، تو اس جدوجہد میں تمام شیعہ مسلم جماعت تہ دل سے شریک ہوگئی اور اس نے اس سلسلہ میں کسی قربانی سے بخل نہ کیا، نہ ان زیادتیوں کے سلسلہ میں جو تحریک خلافت کے سلسلہ میں کی جا رہی تھیں، ممکن ازالہ کرانے میں کوئی کوتاہی کی۔ یہ ایک نمایاں حقیقت ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ کسی جماعت یا طبقہ کے لیے جو خواہ شیعوں کا کتنا ہی دشمن ہو یا اب ہو جائے اس سے انکار نا ممکن ہے۔ (سرفراز)

صدق۔ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہی ہونا بھی چاہئے!

تفرقہ انگیز رزولیوشن

آل انڈیا شیعہ کانفرنس شیعہ بھائیوں کے کسی قابل ذکر گروہ کی نمایندہ ہو یا نہ ہو لیکن اس مجلس میں جو قرارداد منظور ہوئی (اور ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان ہے کہ بہت بڑی تعداد نے اسکے حق میں ووٹ دیے) وہ شرکا کے لیے کسی نقطۂ نگاہ سے بھی باعث عز و شرف نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسکا مفاد یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتیں بالخصوص آل انڈیا مسلم لیگ، اگر شیعہ حضرات کے تمام جائز آئینی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کا یقین دلاویں تو انکے ساتھ معاملہ کرایا جائے۔ ایک ترمیم پیش ہوئی تھی کہ مسلم لیگ کے ساتھ گفتگو جاری رکھی جائے۔ لیکن آیندہ انتخابات میں شیعہ حضرات لیگ کے نمایندوں کی امداد کریں۔ مسٹر حسین بھائی لالجی صدر کانفرنس نے [illegible] مخالفت فرماتے [illegible] قرار دے کر مسترد کر دیا۔

سید کلب مصطفیٰ صاحب نے بڑی دردمندی سے اپنے پُرجوش بھائیوں کے روبرو یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی کہ کانگریس مسلم لیگ کو چیلنج دے چکی ہے اور اسلام کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام اصحاب مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ لیکن اس صدائے درد کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا۔

ہمیں ان حضرات کے اس نہایت غلط اور از سر تا پا خلاف مصلحت طرز عمل پر دلی رنج ہے۔ شیعوں کے لیے مخصوص آئینی حقوق کیا ہیں جنکو اب تک کسی جگہ نقصان پہونچنے کا امکان پیدا ہوا؟ کونسا بڑے سے بڑا عہدہ ہے جس پر شیعہ فائز نہ ہوئے؟ مسلمانوں کی کونسی سیاسی تحریک ہے جس میں شیعہ حضرات کو سنیوں نے بالعموم پیش پیش نہ رکھا؟ یہاں تک کہ آج بھی مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کا قائد اعظم شیعہ ہی ہے، یعنی مسٹر محمد علی جناح۔ کیا سنیوں کی اس رواداری کی کوئی نظیر شیعہ حضرات پیش کر سکتے ہیں؟

انکے مذہبی حقوق کو کب کسی نے آج تک گزند پہونچایا؟ کیا وہ اپنے تمام تعزیتی ایام منانے میں ہمیشہ آزاد نہ رہے اور کسی سُنّی نے ان سے تعرض کیا؟ کیا انکی نمازوں یا مسجدوں یا امام باڑوں سے کبھی تعرض کیا گیا؟ اختلاف صرف تبرا ایجی ٹیشن پر ہوا۔ لیکن کیا دنیا کی کوئی جماعت، کوئی قوم، کوئی حکومت یا کوئی با اختیار ادارہ اتنا حواس باختہ اور عقل سوختہ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں شیعوں کو اجازت دے دے کہ وہ برسر عام ان بزرگ ہستیوں اور ان مقدس وجودوں کے خلاف اہانت آمیز کلمات استعمال کرکے خوش ہولیں جنکے لیے اس سرزمین کے کروڑوں افراد اور سطح ارضی کے ایک بہت بڑے حصہ کے دلوں میں انتہائی محبت و عقیدت کے جذبات موجزن ہیں؟ (انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ۱۴ نومبر میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت چندہ بہت جلد ارسال فرمایئے

خریدار ۲۲۶، و ۷۵۴، و ۲۸۶، و ۴۸۲، و ۹۸۲
و ۹۸۴، و ۱۳۵۰، و ۱۳۵۴، و ۱۳۵۵، و ۱۳۶۷
و ۱۴۴۱، و ۱۴۹۳، و ۴۹۴، و ۱۴۹۵، و ۱۴۹۶
و ۱۴۹۶، و ۱۴۹۷، و ۱۵۰۷، و ۱۵۰۸، و ۱۵۰۹
و ۱۵۱۲، و ۱۵۱۳، و ۱۵۶۷، و ۱۶۲۶، و ۱۶۳۲

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

صدق

مدیر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

قیمت فی پرچہ ۱؎

نمبر ۴۹ | یوم شنبہ - ۲۶ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ - نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

عدالتوں میں وکیلوں، بیرسٹروں، مختاروں، کو بحث کرتے آپ نے دیکھا ہے؟ ہر شخص جو تھوڑا سا بھی وقت نکال کر کچہری جا سکتا ہے، یہ نظارہ روز ہی کر سکتا ہے۔ فلاں اور فلاں وکیل صاحب آپس میں بڑے گہرے دوست ہیں۔ عزیز ہیں۔ بھائی بھائی ہیں، باپ بیٹے ہیں، لیکن مقدمہ کی پیروی کے وقت بالکل ایک دوسرے سے بیگانہ ہیں۔ ایک دوسرے کے دشمن ہیں، دوست صرف اپنے اپنے فریق کے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ وہ ہر طرح ہاریں، انکے دل سے لگی یہ ہے کہ انھیں سرا جلاس نیچا دکھا کر رہیں۔ کیسی مروت، کہاں کی دوستی اور رشتہ داری، انکی ہر ہر بات کا رد انکے ذمہ۔ انکے ہر سچے سے سچے قول کی تکذیب ان پر واجب ہے۔ دو اور دو چار بھی اگر وہ کہہ رہا ہے، تو یہ کہیں گے کہ چار نہیں، پانچ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مخالفت میں وہ جوش، وہ سرگرمی، وہ انہماک کہ معاذ اللہ۔ بعض اوقات غصہ اور سخت کلامی کی بھی نوبت — اور وہ بھر عدالت سے! ہو سکے کہ یہ سب گرماگرمی، خصومت، جوش و خروش کا ذرہ اب پھر وہی دوست، مخلص ہیں، عزیز ہیں، بھائی ہیں — یہ کیفیت کبھی کبھی کی، اور کہیں کہیں کی نہیں، ہر جگہ اور ہر روز کی ہے۔

ایسی صورت سے مشاہدہ میں، جاسکے آپ کے لیے کوئی سبق نہیں؟

یہ وکیل صاحبان کوئی متقی و پرہیزگار نہیں ہوتے۔ خصوصیت دنیادار ہی ہوتے ہیں۔ اس پر بھی یہ یہ اس ضبط نفس کے خوگر، کیا ذرا سبق ہم آپ ذرا سی کوشش کے بعد نہیں سیکھ سکتے؟ جن سیاسی خیالات و عقائد سے آپ کو اپنے لوگوں سے اختلاف ہے، ان اختلافات کو یقیناً زور شور سے ظاہر کیجیے، ایسوں کی موافقت میں دوست کسی کی مروت میں آکر ہرگز نہ دیجیے انکی سیاسی سرگرمیوں کی پُر زور مخالفت کیجیے۔ لیکن خدا کے لیے اس سارے ہنگامہ کو بس سیاسی مسلک ہی تک محدود رکھیے:— ان کی سیاسی غلط روی یا کج بینی سے آخر آپ ان نتیجوں تک کیسے پہونچ رہے ہیں کہ وہ ملحد و بے دین بھی ہے، یا ہندو یا انگریز کے ہاتھ بک گیا ہے، یا ملت کا غدار و خائن ہے؟ نسب پر حملہ آپ کر ڈالیں، مذہب پر حملہ کرنے میں آپ کو باک نہ ہو، اور اخلاق و کردار تو ذرا ایسی قابل عزت نہ رہ جائے، محض اس جرم میں کہ آپ کا بھائی سیاسیات میں اپنی بصیرت و نظر آپ سے الگ رکھتا ہے .... رائے اور اجتہاد کے اختلاف پر اتنا تشدد، اگر آخرت کے حق میں عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ ———

وکالت کا پیشہ شریعت اسلامی کے اعتبار سے ہرگز کوئی قابل فخر پیشہ نہیں، لیکن کیا سیکھیے، کہ اس معاملہ میں تو وہ خالص دنیادار بھی دینداروں سے افضل اور بہتر ہیں!

مصلوبیت مسیح

[illegible]

یہ مقبرہ کی کھدائی کے سلسلہ میں محکمۂ آثار قدیمہ والوں کو ایک ایسی تحریر ہاتھ آئی ہے جو تاریخ مذہب میں انتہائی اہمیت رکھتی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نوشتہ یسوع مسیح کی مصلوبیت کے کسی چشم دید گواہ کے قلم سے ہے۔ ایک پتھر کے تابوت پر، قدس سے بیت لحم جانے والے راستے میں ایک مقبرہ کے اندر، یہ تحریر یونانی زبان میں پائی گئی ہے، جس میں امانی لہجہ میں یہ درج ہے کہ فلاں اور فلاں (دو مجرموں) کے ساتھ یسوع مسیح کو سولی دی گئی۔ آثار یہود کے میوزیم کے ڈائرکٹر پروفیسر لاگٹ اس انکشاف کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں" (رائٹر)

خبر اگر صحیح ہے تو کچھ ایسے تعجب کی بات نہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہود اور رومی حکومت نے جس شخص کو سولی دی، اپنے خیال میں تو اسے یسوع ناصری سمجھ کر۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شخص دراصل کوئی اور تھا۔ اور عیسائی تو اس سے اب تک واقعۃً حضرت عیسیٰ ہی سمجھ رہے ہیں، اس لیے "اس قدیم نوشتہ میں اگر مصلوب شخصیت کا نام یسوع درج ہو" تو یہ عقیدۂ اسلامی کے ذرا بھی منافی نہیں۔ وہ لوگ تو یہ سمجھے ہی بیٹھے تھے۔ یہ تو قرآن مجید نے پانچ سو سال بعد آکر مصلوبیت مسیح کی قطعی تردید کی، اور واقعۂ مصلوبہ کو کفر ہمیشہ کے لیے باطل ثابت کر دی۔

البتہ خبر میں یہ ٹکڑا نوشتہ کے جو یونانی زبان میں ہونے کا ذکر ہے، یہ ذرا دل کو نہ لگا۔ حضرت مسیح کے زمانہ میں تو شام و فلسطین میں جو کہ عام زبان آرامی یا سریانی تھی۔ حضرت خود بھی یہی زبان بولتے تھے، اور عیسائی خود بھی مدتوں یہی زبان بولتے رہے، تا آنکہ مسیحیت حدود شام سے نکل کر دور دور کے رومی علاقوں تک پہنچ گئی۔ رہی "چشم دید گواہ کی شہادت" تو یہ ممکن ہے کہ محض ایک مبالغہ آمیز حسن ظن اور پادری صاحبان کا پروپیگنڈا ہو۔ چشم دید شہادت کا دعوے آج تک اس ۱۹ سو ۱۹ سو سال کے عرصہ میں تو کسی نے کیا نہیں ہے۔ انجیلوں میں مصلوبیت کا قدیم بیان انجیل مرقس میں ملتا ہے، جو زیادہ سے زیادہ انداز سنہ ۷۰ء سے یعنی واقعۂ مصلوبیت سے کوئی ۴۰ سال بعد، مرقس خود چشم دید گواہ نہیں، وہ پطرس کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن حواری پطرس خود بھی موقع پر موجود نہ تھے۔ وہ بھی دوسروں سے سن سنا کر روایت بیان کرتے ہیں، اور پادری صاحبان محض حسن ظن سے کام لے کر کہتے ہیں کہ چونکہ پطرس کی والدہ ماجدہ کے مکان پر اکثر معتقدین و حواریین مسیح کا مجمع رہتا تھا، اس لیے عجب نہیں کہ پطرس نے انھیں گواہوں سے سنا ہو! مسلمان تو قیاس بھی نہیں کر سکتا، کہ مسیحیت کے مرکزی عقیدہ کی بنیاد ہی کتنی کمزور، اور تمامتر ظن و تخمین کا مجموعہ ہے!

مشیت و رضا

ایک گریجویٹ دہلی سے لکھتے ہیں:-

"آیت شریفہ لا یرضی لعبادہ الکفر کا حقیقی منشا کیا ہے؟ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ہر شے کا خالق خدا ہے، تو کیا آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا تعالیٰ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے فعل (کفر) سے راضی نہیں"۔

محمد صفدر صاحب خورد شو سے حدیث السعید من سعد فی بطن امہ والشقی من شقی فی بطن امہ، اور بوستان سعدی اور سکندر نامۂ نظامی کے دو تین مناجاتی شعروں کو نقل کر کے، اور کل اناء یترشح بما فیہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ

"اب فرمائیے انسان کا کیا قصور ہے۔ جیسا بنایا گیا ہے وہ کرتا ہے۔ برتن کا کیا قصور، جو بھرا ہے وہ گرتا ہے۔ دودھ ہے تو دودھ، پانی ہے تو پانی"۔

جبر و اختیار، قضا و قدر کے مسئلہ پر صدق میں ایک دو بار نہیں بارہا گفتگو آ چکی ہے۔ مفصل مضامین بھی اور مختصر نوٹ بھی۔ تلاش راز کے عنوان سے مفصل مقالہ کسی کلام کا چچ سچ میں نکلا تھا، دوبارہ صدق میں شایع ہوا۔ افسوس ہے کہ بیچھے اچھے مخلصین اور پڑھنے والے صدق خواں بھی ان چیزوں کو نظر انداز کر دیتے یا بھول جاتے، اور بار بار ایک ہی سوال نئے نئے عنوان کے ساتھ سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔

کائنات کے اندر دو سلسلے صفات باری کے، بالکل الگ الگ جاری ہیں۔ ایک تکوینی یا [illegible] یعنی جو کچھ اور جیسا کچھ ہے، اور دوسرا تشریعی یا [illegible] "کیا ہونا چاہیے" اور "کیا واجب ہے" کا۔ پہلے کا تعلق محض علم، قدرت، حکمت سے ہے۔ دوسرے کا رضا و عدم رضا سے۔ محض وجودی اعتبار سے زہر و تریاق، فرشتہ و شیطان، صحت و مرض، پیمبر و کافر سب یکساں ہیں۔ احکام کے اعتبار سے دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

طبیب کی خواہش و مرضی تمامتر یہ ہوتی ہے کہ مریض کو شفا ہو جائے لیکن مہارت فن و تجربہ کے لحاظ سے وہ جانتا بھی ہے کہ بدپرہیز مریض اچھا نہ ہوگا، اپنے اس علم کو وہ بیان بھی کر دیتا ہے اس سے اس کی رضا کہاں لازم آئیگی۔ دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔ — حق تعالیٰ کا بھی بندوں کا تعلق اسی طرح دوگونہ ہے۔ ایک خالق و ناظر کائنات کا، یعنی تکوینی و طبیعی حیثیت سے مسبب الاسباب کا۔ دوسرا آمر و حاکم کا۔ بندہ مکلف صرف اسی دوسری حیثیت سے صفات باری سمجھنے کا ہے۔ اسکا کام صرف احکام پر عمل کرنا ہے۔ باقی صفات باری پر پہلی حیثیت سے غور و فکر کرنا، تکوینیات کے مصالح اور آخری حکمتوں کو سمجھنا اسکے قابل نہ اسکو عقل عطا کی گئی ہے نہ وہ اسکے درپے ہونے کا ذرا بھی مکلف کیا گیا ہے۔

اہل سنت کے اس عقیدہ کا کہ ہر شے کا خالق خدا ہے، مطلب صرف یہ ہے کہ وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی تکوینا کے آخری مسبب ہے، کوئی شے بھی اسکے ارادہ و ایجاد سے باہر نہیں۔ باقی راضی تو وہ صرف اپنے احکام کی تعمیل سے ہوگا —— اور پھر ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ "کفر" "شرک" "معصیت" "بدی" وغیرہ کو عالم خارج میں کوئی موجود و مشیت ہے، آگ، پانی، مٹی وغیرہ ایجابیات کی طرح سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں تو انسان کی صرف غلط روش کے نام ہیں، جو قوتیں اسے عطا ہوئے ہیں، انکے صرف بیجا استعمال کے مرادف۔

...شدہ فے صلاحیتیں اور استطاعت تو ہر قسم کی بندہ کو دیدی ہیں اور یہ اگر نہ ہو تو اختیار رہنے اعتدال کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ ساتھ ہی صحیح استعمال کے طریقے بھی بتا دیے ہیں۔ بندہ کا اختیار کو غلط استعمال کرنا ہی بدی اور کفر ہے۔

اس سیدھی سادی بات کے سمجھنے میں یہ ذہن کہ ہر زہر اثر یا نیکی کی ماوراء کی سی صلاحیتیں بالکل شروع سے موجود ہوتی ہیں جو آگے چل کر نمایاں ہوتی ہیں، آدمی میں صلاحیتیں خوشی سب موجود ہوتی ہیں جیسے تخم اور درخت کا معاملہ، کل دعاوی لا کچھ مزید ہیں ہے اور آیت قرآنی کا یہ حصہ لا یرضیٰ لعبادہ الکفر تو عین اصل کے مراد فرق کر دیتا ہے جو مشیت (یعنی قانون تکوینی) اور رضا (یعنی قانون تشریعی) کو ایک سمجھ بیٹھے، وہ دونوں کے درمیان خلط مبحث کیا کرتے ہیں۔ مثلاً صوفی شعرا میں اپنی بدکرداری کو زیادہ موثر بنانے کے لیے، وہ حق تعالیٰ کی صفت غفوریت کو مزا بخش بنانے کے لیے اس طرح کے عناصر سے آشنا ہیں، اصل عقائد کی بنیاد تو ظاہر ہے کہ کسی صوفی کا کلام ہونا تو کسی امتی کا کوئی بھی قول ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صرف قرآن مجید کے آیات محکمات ہی ہو سکتے ہیں۔

عمر خیام سنیما میں

"یہاں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ایرانی شاعر عمر خیام کی زندگی کی رنگین تصویر عنقریب پردۂ سیمیں پر پیش ہونے والی ہے۔ فلم کچھ ہندوستان میں اور کچھ ہالی وڈ میں تیار ہو رہی ہے اور اُس میں کام کرنے والے ہندوستان اور امریکہ دونوں کے ایکٹر ہیں"
(لیڈر ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء - وقائع نگار لندن کے قلم سے)

فرنگستان کو جس درجہ خیام سے گرویدگی ہے، اور جس طرح اہل فرنگ نے خیام کے جام و بادہ کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے، اسکے لحاظ سے تو اسے تھیٹر اور سنیما دونوں میں اس سے بہت قبل آجانا چاہیے تھا، حیرت اس پر نہیں کہ وہ اب کیوں آرہا ہے، بلکہ اس پر ہے کہ اب تک کیوں نہیں آیا تھا—— کیا خوب معیار قدر افزائی و قدر شناسی ہے، جس سے ناخوش ہوئے، اُسکی "رجعت پسندی" کا صور پھونک دیا۔ جس پر مہربان ہوگئے، اُسے سربازار گوا کر، نچا کر رہے! گلی گلی کوچہ کوچہ اُسکی تصویر جا بجا دی، پھیلا دی!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

..... (بستی) دانشمنداں (۱) یہ اشارہ ہو جاتا کہ اس نوٹ کے نقطۂ نظر میں اصول غلطی کیا تھی، تو نظر ثانی میں آسانی ہو جاتی۔

(۲) طویل و مبسوط مضمون سے مانع ہمیشہ قلت گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ بہت دفعہ قلت وقت بھی ہوتی ہے۔ محدود وقت میں تمام مسائل پر توجہ عملاً ممکن کیونکر ہے۔

گوشت خوری پر ایک نظر

(از غضنفر علی صاحب، کنڈل واڑی، علاقہ نظام دکن)

[مضمون نگار صدق کے ایک قدیم مخلص ہیں۔ مضمون محض انکے اصرار کی تعمیل میں مع حواشی درج کیا جا رہا ہے۔ ورنہ اپنی انتہائی بے مغزی کے باعث اشاعت کے قابل ہرگز نہ تھا۔ صدق]

عہد حاضر میں سائنس کی روشنی نے انسانی اور حیوانی تجربہ سے پایۂ ثبوت کو پہونچائی ہے کہ غذا میں گوشت کی ضرورت نہیں ہے[1]۔ ماہرین حیاتیات نے انسان کو نباتات کھانے والے جانداروں میں شمار کیا ہے[2]۔ سائنس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ہم بغیر گوشت ہی اچھی صحت، توانائی اور درازی عمر حاصل کرسکتے ہیں[3]۔ ابتدائے آفرینش میں انسانی غذا سخت پوست کے میوے، رس دار اور نرم جڑیں تھیں۔ انسان جب جنگل چھوڑ کر میدانوں میں آبسا تو بدلے ماحول سے مجبور ہو کر میوے اور سبزیوں سے منہ موڑ کر گوشت پر ڈال ڈیکی، عہد طلوع میں گوشت طور طبعی نہیں پائی جاتی تھی[4]۔ فطرت نے انسان کو گوشت چیرنے پھاڑنے کے قابل دانت نہیں عطا کیے ہیں[5]۔ معدہ کی غذائی انتڑی گوشت خور جانوروں کی چھوٹی ہوا کرتی ہے، تاکہ فضلہ میں سڑاند نہ ہوسکے۔ چونکہ وہ زیادہ عرصہ تک جسم میں نہیں ٹھہرتا، انسان کے معدہ کی انتڑی لمبی ہوا کرتی ہے[6]۔ اس لیے گوشت کا استعمال خلاف فطرت ہے۔ سب سے پہلے پھل ورندے بھی سخت پوست کے میوے

[1] ہمارا مطالبہ لفظ "ضرورت" میں ہے۔ گوشت خوری کو ہر انسان کے لیے ہر حال میں لازمی یا شرط زندگی تو کسی نے بھی نہیں قرار دیا ہے، نہ سائنس نے نہ مذہب نے، نہ عقل نے نہ نقل نے۔ البتہ مذہب نے اسے اچھا کھانا سمجھا ہے، اور طب جدید و قدیم دونوں اس کا شمار انسان کی مفید ترین غذاؤں میں کرتے ہیں۔ (صدق)

[2] یہ بیان صحیح نہیں۔ چند ایسے گنے "ماہرین" کہے جاسکتے ہیں جنھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ باقی بہت بڑی اکثریت انھیں ماہرین کی، اس رائے کے بالکل مخالف ہے۔ (صدق)

[3] صرف اتنا جزو صحیح ہے کہ گوشت لازمۂ صحت و حیات نہیں۔ اور یہ کوئی جدید انکشاف نہیں، ہمیشہ سے یہی مسلّم چلا آرہا ہے۔ (صدق)

[4] دعوے غلط در غلط ہے۔ نہ پہلے انسانی مسکن کے "جنگل" میں ہونے کا کوئی ثبوت ہے، نہ اسکے صرف سبزی خور ہونے کا۔ (صدق)

[5] خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے۔ (صدق)

[6] انسانی آنت صرف ان جانوروں کے مقابلہ میں لانبی ہے جو محض گوشت خور ہیں، لیکن جو محض سبزی خور ہیں انکے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے۔ (صدق)

اور چونکہ کھاتے رہے ہیں، ماحول کے بدل جانے سے گوشت کی عادت ڈال دی[7] گوشت کھانے والے جانوروں کی عمریں کم ہوتی ہیں اسکے مقابل ہاتھی، جو صرف پودوں اور نباتات پر گزر بسر کرتا ہے، چار سو سال کی عمر پاتا ہے[8]۔ گوریلا، جو دس آدمیوں کی اکٹھی قوت رکھتا ہے، سو سال اور زیادہ مدت جیتا ہے۔ اسکیمو جو بحر شمالی کے باشندے ہیں جو گوشت پر جیتے ہیں، ایک بھی سو سال نہیں جیتا۔ پچاس سال تک سال میں انکا چراغ زندگی بجھ جاتا ہے[9]۔

ڈاکٹر کیلاگ ایم۔ ڈی، جو امریکہ کے مشہور ڈاکٹر ہیں، ستر سال سبزیوں پر گزارا کر رہے ہیں۔ جنھیں صحت و توانائی حاصل ہے۔ انگلستان کے امور اہل علم برنارڈ شا جو نو سال میں عالم شباب میں دوڑ رہے ہیں، چاق و چوبند اور چابک خرام ہیں صرف دودھ، میوے، انڈے اور ترکاری کھاتے تھے[10]۔ انکا قول ہے کہ گوشت کھانا نعش کھانے کے برابر ہے[11]۔ گاندھی جی جو فطرت وصحت کے اصول کے پابند ہیں[12]، انھوں نے جوانی میں ایک دفعہ گوشت کا ذائقہ چکھا۔ انکا خیال تھا کہ گوشت ہی کی طاقت نے انگریزوں کو دنیا کی حکومت دے رکھی ہے۔ چونکہ انکے مذہب میں گوشت کھانے اور جانوروں کے مارنے کی ممانعت ہے، مگر انھوں نے جی پر رکھ لیا، اسکا تجربہ کیا جائے کہ اس سے کیا نفع پہونچتا ہے ایک دفعہ گوشت کھایا۔ ضمیر نے اس قدر لعن طعن کی، پھر منہ پر نہ رکھا[13]۔

سنہ ۱۹۰۰ء میں سائنس والوں نے ادھر کروٹ لی۔ پچاس سال سے سائنٹفک روشنی نے یہ بات ثابت کردی کہ ہم بغیر گوشت، مرغ، مچھلی کے صحت و ثبات پاسکتے ہیں[14]۔ ارونگ فشر نے بہت سی تحقیقات کرکے یہ بات بتلائی ہے کہ سبزی خور گوشت کھانے والوں سے زیادہ قوت برداشت رکھتے ہیں۔ یونانی حمال سوکھے انجیر، زیتون، اور موٹی روٹی پر، ریگستان کے عرب صرف روٹی، کھجور، ترکاریاں کھاکر، جنوبی امریکہ کے مزدور کیلے پر، عرب کے سپاہی کھجور، ترکاریاں، روٹی پر گزارہ کرکے حیرت انگیز طاقت و قوت برداشت کا ثبوت دیا ہے۔ مغربی انڈیز کی عورتیں صرف میوے، معمولی غذا پر پہاڑوں پر کتنا وزن بوجھ اٹھالے جاتی ہیں۔ اپنی عجیب و غریب طاقت سے دنیا کو ڈانگ و ششدر کر رکھا ہے[15]۔ ڈاکٹر ڈے، ڈینمارک نے کم پروٹین والی غذا کی تجربہ کرکے ظاہر کیا ہے اس سے بخوبی صحت کا قیام ہوسکتا ہے۔ گوشت کھانے سے دل، گردہ پر ضرورت سے زائد کام کا بوجھ آپڑتا ہے اور صحت پیدا ہوتی ہے[16] - پروفیسر نیوبرگ میچیگن یونیورسٹی نے خوبی سے ثابت کر دکھایا ہے تھوڑی سی مقدار کی گوشت کی بیس فی صدی قبل از وقت بڑھاپا، شریانوں کی تبدیلی اور گردہ کے بگاڑ کا سبب ہوا کرتی ہے[17]۔ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے ماہر علم حیوانیہ

ان مثالوں سے آخر کس مسلک کی تردید مقصود ہے؟ پھر امریکی ڈاکٹر کیلاگ تو کھلا ہوا ایک فریق ہے، یعنی خصوصی "سبزی خور" پارٹی کا لیڈر! (صدق)

---

۷ اول تو دعوے ثابت ہی نہیں۔ پھر اگر ثابت ہو تو جس مجبوری سے "بغیر خلاف فطرت" گوشت کھانا پڑا تھا، وہی مجبوری تو آج بھی موجود ہے۔ (صدق)

۸ اول تو یہ استقصاء ہی صحیح نہیں۔ گدھ وغیرہ کی درازی عمر کی مثالیں اسکے برعکس ہیں۔ بالفرض صحیح ہو بھی تو گفتگو تو انسان کی غذا کے باب میں ہے نہ کہ حیوانات کی۔ (صدق)

۹ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے! اللہ اکبر! اس ذرا سے مضمون کے اندر کتنے مغالطے موجود ہیں۔ اول تو سارے اسکیمو محض گوشت خور ہی نہیں۔ پھر اگر ہوں بھی تو انکی کوتاہی عمر کو آخر اسی سبب پر محمول کرنے کی کیا دلیل ہے؟ کیا اسکا سبب برفانی آب وہوا یا اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود انکی کوتاہی عمر کا دعوے کہاں تک صحیح ہے؟ کم از کم انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں تو جو مقالہ اسکیمو آبادی پر ہے، اس میں تو یہ تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ دنیا کے "تندرست ترین انسان" ہیں! (صدق)

۱۰ اس ساری گفتگو سے آخر حاصل کیا ہوا؟ کیا کسی نے یہ دعوی کیا تھا کہ انسانی صحت و حیات بغیر گوشت کے ممکن ہی نہیں۔ ان

۱۱ یہ قول طبی، اخلاقی، عقلی، مذہبی، آخر کس حیثیت سے حجت ہے؟ مجرد قول تو گوشت خوری کیا معنی، دنیا کے ہر صحیح مسلک و مذہب کی مخالفت میں بہ آسانی جمع کیے جاسکتے ہیں۔ (صدق) ۱۲ ؟ (صدق)

۱۳ یہ لعن طعن تو ہر جینی مذہب والے ہر بدھ مت والے، ہر آریہ سماجی کا ضمیر کیا کرتا ہے۔ کیا اب دنیا کے ہر گروہ کا ضمیر سند و حجت قرار پاگیا ہے؟ (صدق)

۱۴ یہی اگر "بھی" لے ساتھ ہے تو یہ تو "سائنٹفک روشنی" کے بعد سیکڑوں ہزاروں سال قبل سے مسلم ہے، اور کسی نے بھی غذا سے لحمی کو مدار حیات نہیں قرار دیا ہے۔ لیکن اگر "بھی" کے ساتھ ہے تو اس "سائنٹفک روشنی" کی کچھ کرنیں صدق کے صفحات پر بھی آتی ہیں۔ (صدق)

۱۵ ارونگ فشر واللہ اعلم کس پایہ اور مرتبہ کا روشن ہے، اور ہمارا معلوم اس کی یہ روایت کی بھی ہے یا نہیں۔ روایت کی صداقت تو اسی جزو سے ظاہر ہے کہ ریگستانی عرب صرف روٹی، کھجور، ترکاریوں پر بسر کرتے ہیں۔ ریگستان، اور ترکاریاں، کیا خوب! گویا اونٹ کا گوشت، بکری کا گوشت، بھیڑ کا گوشت، دنبہ کا گوشت، مرغ کا گوشت، گورخر کا گوشت، بٹیر کا گوشت، شترمرغ کا گوشت، یہ سب عرب کے لیے نامعلوم اور نامانوس رہے ہیں! (صدق)

۱۶ کیا کسی نے یہ دعوے کیا تھا کہ غذائے لحمی میں کوئی پہلو مضرت کا نہیں؟ اور آخر دنیا میں وہ کونسی غذا ہے، جو ہر شائبۂ مضرت سے خالی ہے؟ (صدق)

۱۷ اول تو روایت ہی خدا معلوم کہاں تک صحیح نقل ہوئی ہے۔ پھر اگر ہو بھی

پس ذرا سے ظاہر ہو گیا ہے کہ گوشت خوری کی ممانعت کی جانی چاہیے - چونکہ[۱۰]
ہر لقمہ سڑاندھ سے معمور ا قسام کے وکھ درد کے علاوہ زہر قاتل پیدا
کرتا ہے[۱۱] - جس سے گٹھیا، جگر، گردہ، دوسرے جسمانی اعضا کو
نقصان پہونچتا ہے - گوشت ایک غیر ضروری اور کم و بیش نقصان
رساں غذا ہے - درد سر، اعصابی کمزوری، رعشہ، رطوبت معدی،
خون کا دباؤ، شریانوں کی بیماریاں، سرطان، خون میں زہر، ان
زہروں سے باریک رگوں میں سدّے، معدہ و انتڑیوں میں فتور، دل،
مرارہ میں پتھریاں، مثانہ کے امراض پیدا ہوتے ہیں - گوشت سے
جسم میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے - اور حیاتین معدنیات سے خالی
ہے - دودھ میں اعلیٰ حیاتین اور متوازن غذا ہے[۱۲] - بعض صحرائے
عرب کے قبائل صرف اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں، عمر طبعی لاتا
وہ چست و چالاک رہتے ہیں[۱۳] - سنہ ۱۶۰ء میں جب اہل ہسپانیہ نے
جزیرہ لبنندوں کا کھوج لگایا، تو وہاں کے باشندوں کی عمریں
سو سو سال کی تھیں - انکی غذا میوے اور جڑیں تھیں[۱۴] - ہومر نے ذکر
کیا ہے کہ قدیم موسیشیا کے پہاڑوں میں ایک گروہ آباد تھا، گھوڑی کا
دودھ پیتے تھے - بڑی عمر پاتی تھیں[۱۵] - (باقی آئندہ)

۱۰ تو کیا ہر ڈاکٹر کا قول ہر غذا کے باب میں حجت قطعی ہے؟ (صدق)
۱۱ وہ کونسی "دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی" اور اسکے کون سے ماہر علم جراثیم ہیں؟ (صدق)
۱۲ تو کیا یہ سڑے ہوئے لقمے اور زہر قاتل ہی کھا کھا کر کروروں گوشت خور آج تک روئے زمین پر بسے ہوئے، تندرست و توی نظر آرہے ہیں؟ (صدق)
۱۳ کیا اسکی ضرورت ہے کہ دودھ کی منفعتوں پر الہامی قدیم و جدید نے جو کچھ لکھا ہے وہ نقل کردیا جائے؟ (صدق)
۱۴ اس سے نتیجہ گوشت کے غیر ضروری ہونے کا تو نہیں، بلکہ دودھ اور وہ بھی اونٹنی کے دودھ کے سوا ہر انسانی غذا کے غیر ضروری ہونے کا نکلتا ہے (صدق)
۱۵ کیا اسکا بھی کھوج اہل ہسپانیہ نے لگا لیا تھا کہ یہ درازی عمر نتیجہ جزیرہ کی آب و ہوا، اور باشندوں کی صحت بخش جسمانی عادتوں کا نہیں، بلکہ عدم گوشت خوری کا ہے؟ (صدق)
۱۶ اگر مضمون نگار نے ہومر کی کسی کتاب کو پڑھ لیا ہے، تو روایت سے نتیجہ یہ نکلیگا کہ بجز گھوڑی کے دودھ کے، اور ہر قسم کی غذا، بلکہ ہر قسم کا دودھ بھی غیر ضروری ہے - (صدق)

اپنے معاصرین کی خدمت میں

ہمارے جو معاصرین "صدق" کے مضامین اپنے ذریں صفحات پر نقل کریں اُن سے یہ ادب التماس ہے کہ وہ حوالہ میں صرف "صدق" لکھنے کے بجائے "صدق - لکھنؤ" لکھا کریں - بر کریماں کارہا دشوار نیست -

مہتمم "صدق" لکھنؤ

اقبال کا ایک شعر

(از غلام محمد صاحب بی اے - حیدرآباد دکن)

اقبال کی فلسفیانہ اور حکیمانہ حیثیت بہتوں پر ظاہر ہے لیکن نسبتہً بہت کم لوگ انکے صوفیانہ یا عارفانہ پہلو سے واقف ہیں — فلسفی اقبال نے جب بحر اسلام کا رُخ کیا تو نہ صرف یہ کہ ساحل سے چند خوبصورت اور چمکیلے سنگریزے اور صدف اٹھائے بلکہ غواصی بھی کی اور اصلی تہ سے بیش بہا موتی بھی نکالے یعنی نہ صرف شریعت اسلام کا علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا بلکہ اُسکو اپنے قلب کی گہرائیوں میں بھی محسوس کرنے کی کوشش کی - اس سلسلہ میں جس حیثیت سے جو چیز بھی ہاتھ لگی اُسے منظر عام پر پیش کردیا - اسی لیے اقبال کی متروکہ دولت میں کچھ خوشنما سنگریزے اور صدف (یعنی علوم ظاہری کے حقائق) بھی ہیں اور کچھ اصلی موتی (یعنی باطنی حقائق) بھی - اقبال کہیں صاحب حال، سالک ہیں، کہیں صاحب مقام ہیں، عارف ہیں - کبھی انکے قدم اقلیم قلب کی وادیوں میں ہیں، کبھی انکی نگاہیں فضائے روح کی بلندیوں میں، اس لیے انکی ہر بات کو محض فلسفہ کی نظر سے دیکھنا نامناسب ہے - قول کو سمجھنے سے پہلے صاحب قول کے مقام اور حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے — اکثر دیکھا گیا ہے کہ عام تعلیم یافتہ افراد بھی جب اقبال کے بعض صوفیانہ اشعار کی توضیح کرنے لگتے ہیں تو تشبیہ و استعاروں سے انکے لغوی معنی پیدا کرکے کہیں "مقید" کو "مطلق" اور "مطلق" کو "مقید" بنا دیتے ہیں، کہیں "عاجز" کی ناتوانی کو "قادر" کی قوتوں سے ٹکرا دیتے ہیں اور کہیں مقام عبدیت کو درجہ ربوبیت سے بڑھا چڑھا دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مقامات کو نہ پہچاننے اور راہ سلوک کی ناواقفیت کے باوجود قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں - ذیل میں ایسے ہی صرف ایک شعر کی توضیح کی جاتی ہے جو عام طور پر غلط سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے - شعر ہے :—

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ "

لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ میرے جنون کے صحرا میں جبریل کی حیثیت زبوں شکار کی ہے اے صاحب ہمت تو خدا کو اپنی کمند میں لے آ -

مطلب یہ ہوا کہ مومن کا مقام عشق کی فضا میں جبریل سے بھی آگے ہے، چاہے تو وہ مقام روح القدس سے آگے بڑھ سکتا ہے - چنانچہ معراج نے اس عقدہ کو کھول دیا ہے -

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (بال جبریل)

یعنی کہتے ہیں کہ تیرا مقام تو اتنا ارفع ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب کو بھی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ تیرے پاس عشق کی اعلیٰ کمند موجود ہو شعر کی وضاحت کیلیے بعض امور پیش نظر ہونے چاہئیں —

اس شعر میں تین تشبیہیں ہیں:۔ (۱) دشتِ جنوں یعنی راہِ سلوک (۲) جبریل مقامِ ملکوت (۳) کمند، مراد ذریعہ ترقی یا وسیلۂ قرب الٰہی [illegible] اصطلاح بھی ہے" ہمت"۔ صوفیہ کے اِن دو [illegible] "ہمت" و "عزیمت"۔ ویسے تو ہر کام عزیمت و ہمت ہی سے ہوتا ہے لیکن [illegible] کے لیے تو یہ دو بازو از بس ضروری [illegible] مراد [illegible] انسان مقامِ بندگی کے کمال (عبدیت کاملہ) کو حاصل کر لے [illegible] آبِ حیات بغیر ظلمات سے گزرے [illegible] مقام ارفع تک پہونچنے میں جو [illegible] کرنے کے لیے ایک قوت ضروری ہے اور [illegible] سے ہر کوہ گراں کو پاش پاش کیا جا سکتا ہے [illegible]

اب [illegible] اس آیت قرآنی کے لفظ پر غور کیجیے "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" یعنی [illegible] وسیلہ کے [illegible] کسی انسان کو ولی یا مرشد کو [illegible] فرشتہ یا برگزیدہ ہستی کو واسطہ بنانا؟ اگر مراد یہی ہے تو پھر ادعونی [illegible] (مجھ سے مانگو میں دونگا) کا کیا مفہوم ہے، اور "ادعونی [illegible] مجھے پکارو میں جواب دونگا" کا کیا منشاء ہے؟ معلوم ہوا [illegible] واسطہ تو چاہیے لیکن کسی غیر کے واسطہ کی حاجت نہیں۔ تو پھر کیا اس میں کیا تضاد ہے؟ یہ بھی ناممکن، تفسیر اٹھا کر دیکھو، حیرانی رفع ہو جائیگی [illegible] سرکار میں عرض نیاز کے لیے نہ شیخ کے وسیلہ کی ضرورت نہ کسی [illegible] کی حاجت، لیکن یہ تو ہر حال ضروری ہے کہ جب اتنی بڑی بارگاہ [illegible] پیش کی جا رہی ہے تو کم از کم اپنے حد امکان کی شائستگی اور سلیقہ تو برتا جائے۔ یہی سلیقہ واسطہ ہے کہ بغیر اس صفت کے درخواست شرفِ قبولیت نہ پائیگی۔ پس یہ صفت پہونچنے کا ذریعہ ہی تو بنی لیکن آخر یہ ہے کیا؟ مفسرین بتاتے ہیں کہ یہ ہے "عمل صالح" پاک دربار میں [illegible] اپنی پاکی ہی وسیلہ بن سکتی ہے۔

اب اصل شعر پر آئیے۔ اقبال یہ بتا رہے ہیں کہ مومن کی روحانی ترقی میں "ملکیت" کا درجہ تو ایک ابتدائی زینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے آگے "جبروت" تو "لاہوت" ہے۔ چنانچہ مومن کو بارہا "[illegible]" سے خطاب کیا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ مومن کی پرواز تو وہ ہے کہ جب وہ "عمل صالح" کی لطافت اور ہمت و عزیمت کے بازو لگا کر فضائے عشق میں اڑنے لگتا ہے تو ہر مقام سے گزرتا ہوا حق تعالیٰ کے قرب ذاتی کو حاصل کر لیتا ہے۔

اس پر بھی غور کیجیے کہ جب کسی چھوٹے کا کسی بڑے کے مزاج میں رسوخ بتانا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ (مثلاً) "ایاز نے محمود کو اپنی مٹھی میں بند کر لیا تھا اور نہ یہ بات اس سے کسی طرح بھی نکلتی ہے کہ ایاز کا رتبہ اس رسوخ کی بنا پر محمود سے بڑھ گیا" بلکہ حقیقتاً اس قسم کے محاورہ میں خود یہ چیز موجود ہوتی ہے کہ رسوخ پانے والا بہت چھوٹا اور غیر مقتدر ہے —— اقبال نے بھی اسی قسم کا ایک محاورہ

"یزداں بکمند آور" کا استعمال کیا ہے۔ اسکے معنی نعوذ باللہ یہ تو نہیں کہ واقعی کوئی تیر و کمان لیکر اللہ کو تھمکنے لگ جائے۔ ایسا محاورہ کو لغوی معنی میں استعمال کرنا کفر تو بہر حال ہے ہی لیکن [illegible] انسانی عقل کے اعتبار سے بھی کتنا لغو ہے؟ اگر اسکے معنی یہ بھی نہیں جیسا کہ بعضوں نے لکھ دیا ہے کہ "مقید ذات مطلق ذات کی تسخیر کرنے کی کوشش کرے"۔ فلسفیانہ انداز میں بات اتنی ہی عنقا جیسی ہے۔ منشاء صرف یہی ہے کہ مومن اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا اتنا مطیع و فرماں بردار بندہ ہو جائے کہ اسکی عبدیت کی ادائیں معبود کو بھانے لگ جائیں اور اس طرح "عبد کو رسوخ حاصل ہو کر "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" (اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی) کا مقام حاصل ہو جائے۔ یہاں پہونچکر بندہ جو چاہیگا اپنے آقا سے کروا لیگا۔ کیونکہ اب وہ کوئی ایسی بات چاہیگا ہی نہیں جو رضائے مولا کے خلاف ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ کا ایک بندہ کسی کام کرنے کی قسم کھا لیتا ہے تو ارحم الراحمین اُسے ٹالتا نہیں۔ —— یہی مقام عبدیت کاملہ" کا ہے جو مقامات قرب کا سب سے اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔

لہٰذا، مختصراً شعر کا مطلب یہ ہوا کہ راہ سلوک (یا راہِ عشق) میں ملکوت کا مقام ایک معمولی مقام ہے، اور اسکی حیثیت ایک سنگ میل کی ہے، اس لیے بندہ کو چاہیے کہ عمل صالح کو اپنا شعار بنا کر شریعت مصطفوی کو ظاہر و باطن میں جاری و ساری کر کے باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اصطلاح تصوف میں یہاں تک ارتقاء ہو کر سیر الی اللہ کے درجہ سے بڑھ کر سیر فی اللہ شروع ہو جاتی ہے جسکی کوئی حد و انتہا نہیں؛ اور یہ مقام صرف مومن ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ٧)

صاحب سوانح کے پاس رہنے سہنے کا موقع [illegible] ہے کہ رہا ہو۔ مراسلہ نگار یہ سن کر خوش ہونگے کہ ایک [illegible] حیات قائد ملت جامعہ عثمانیہ کے ایک نوجوان گریجویٹ کی [illegible] تیار ہو گئی ہے، اور اسوقت تک عجب نہیں کہ پریس میں پہونچ بھی گئی ہو۔ اس پر مختصر تبصرہ لفظ بلفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے۔ محمد علی کی ڈائری کی جب کوئی مدح و ثنا کرتا ہے تو دل شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ وہ تو صرف چند انتخاب یادداشتیں تھیں، ایک کتب فروش صاحب نے خواہ مخواہ اسی حالت میں انھیں "کتاب" بنا کر پیش کر دیا۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر پبلشر نے [illegible] پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

حیاتِ قائدِ ملت

مولانائے محترم! السلام علیکم

ابھی ابھی آپ کی تصنیف "محمد علی" کے مطالعہ سے فارغ ہوا ہوں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے تاثرات کو آپ تک پہونچا دوں۔

یوں تو کسی ہندوستانی کے دل میں مولانا محمد علی کی شخصیت اور مرحوم کی سیرت نے اپنے گہرے نقوش نہیں چھوڑے تھے، لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی اس تصنیف کا مطالعہ کرنے والا جذبات عقیدت و محبت سے بیقرار ہو کر تڑپ تڑپ جائیگا۔ اور مولانا محمد علی کی سیرت کے نقوش ہمیشہ کے لیے اُسکے قلب پر مرتسم ہو جائیں گے

آپ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے میں جگہ جگہ رُک جاتا تھا کہ یہ محمد علی کا تذکرہ ہو رہا ہے یا بہادر یار جنگ کا۔ بادر کیجیے کہ دونوں حضرات میں بے خوفی، خلوص، صداقت، بے پناہ صلاحیت کار، جذبۂ دینی، دیوانگی، تڑپ، جہادِ مسلسل، اور خاص طور پر مظلومیت ان دونوں میں اتنی گہری مشابہت ہے کہ اگر مولانا کی شہادت کے بعد بہادر یار جنگ

جنم لیتے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مولانا محمد علی جب جنت میں داخل ہوئے تو وہاں کی آب و ہوا انھیں راس نہیں آئی۔ شہد اور دودھ کی نہریں اُنکے حق میں خون اور زہر کے گھونٹ ثابت ہوئیں۔ ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے، حور و غلماں کی موجودگی یہ سب باتیں اُنکے لیے وبال جان ثابت ہوئیں۔ اُنھوں نے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ اے پروردگار میری قوم اب تک غافل و مدہوش اور خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ میں یہاں ان راحتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔ دعا قبول ہوئی اور ....

مولانا ایک بلند و بالا، حسین و خوشرو، مکمل مردانہ حسن کے ساتھ بہادر خان کے نام سے جلوہ افروز ہوئے۔ انھوں نے ہندوستان کے ایک زیر تربیت خطہ سے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

اس دفعہ اُنکے ساتھ "اعلیٰ انگریزی انشا پردازی" کا کمال نہ تھا۔ البتہ چند نئی خوبیاں اور رہنمائی کر لائے تھے۔ مزاج کے تیزی، چڑچڑاپن اور طبیعت کی وحشت کی جگہ سکون اور طمانیت قلب نے لے لی تھی۔ مخالفت کو اب وہ منہ توڑ دنداں شکن، سنسنی خیز اور مسکت جوابات نہ دیتے تھے بلکہ زیادہ تر خاموشی ہی اُنکا جواب ہوتا تھا۔ البتہ دیوانگی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

کام تو وہ حیدرآباد میں کیے ہی جا رہے تھے لیکن ہندوستان سے بھی غافل نہ تھے۔ چند دوروں ہی نے اُنھیں ہندوستان سے روشناس کرا دیا تھا۔ اور بہ قول عبد القادری جس مقام پر اُنکی ایک تقریر ہوئی وہ گویا اُنکا مفتوحہ علاقہ ہو جاتا تھا۔

اس طرح تقریباً چھ سال گزرے اور اس مدت میں اُنھوں نے وہ کام کیا جو اس سے دگنی مدت میں کسی نے نہ کیا تھا۔ مستقبل قریب میں جبکہ جناح کے پہلو بہ پہلو ہندوستان کی قیادت کرنے والے اور آزادی کی جد و جہد شروع کرنے والے تھے مشیت الٰہی جاری ہوئی کہ انھیں اچانک اپنے مرکز کو لوٹ جانا پڑا۔ اب اسکی حقیقی وجہ کہ وہ کیوں اس طرح "اٹھا لیے گئے" حشر ہی کے دن معلوم ہو سکیگا۔

مولانا عبد الماجد صاحب آپ کی کتاب کے مطالعہ سے بعد میں واقف ہو سکا کہ کیوں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ "بہادر یار جنگ میں اعلیٰ انگریزی انشا پردازی کے علاوہ تمام خوبیاں سابقہ مرحوم کی موجود تھیں" اور "گویا ۱۳ سال بعد آج دوبارہ مولانا محمد علی کی وفات ہوئی"۔

مولانا محمد علی کی کتنی ہی ناقدری کیوں کر کی گئی ہو، لیکن اس کے باوجود وہ اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ اُنکے صحیح مقام کو پہچاننے والے اور اُنکی قدر کرنے والے بھی موجود تھے۔

یہ اُنکی خوش قسمتی ہی تو تھی کہ آپ نے اپنی کتاب "محمد علی" تصنیف فرمائی جو مولانا محمد علی کی سیرت کو کتنے مکمل، واضح اور صحیح انداز میں ظاہر کرتی ہے۔ حفیظ جالندھری نے "ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح" کے عنوان سے نظم لکھی۔ جسے جب پڑھو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں

اور بہادر یار جنگ کی رحلت پر کیا ہوا؟ لوگوں نے شور و غل سے آسمان سر پر اُٹھا لیا کہ ہندوستان کا بہترین خطیب چل بسا۔ سحر بیان مقرر جاتا رہا، سیاست کا امام رخصت ہوا۔ اسکی وفات سے نقصان کو "عظیم الشان" اور "ناقابل تلافی" کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ لیکن یہ رٹے ہوئے اور فرسودہ الفاظ سے ہوتا کیا ہے؟ اسکی زندگی کی قیمت اور موت کے غم کا ہزارواں حصہ بھی تو واضح نہیں ہوتا۔

بہادر یار جنگ کو کوئی "عبد الماجد دریابادی" تو ملا نہیں تھا کہ وہ ہر جوش، پُر سوز اور دلگداز الفاظ میں اس دُرّ یتیم کو اس طرح کھول کر رکھ دیتا کہ آنے والی نسلیں اُسے پہچاننے میں غلطی نہ کر سکتیں۔ لیکن اب ...... ایسا معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی ہے کہ بہادر یار جنگ کو ایک بھی سمجھنے والا باقی نہ رہا۔

مولانا! یہ خط میں آپ کو اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ آپ اتنی دور ہوتے ہوئے بھی مظلوم بہادر یار جنگ کو اتنی اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ "محمد علی" کی طرح ایک کتاب "بہادر یار جنگ" بھی لکھیں، جس میں آپ سے اسکے ذاتی تعلقات اور مراسلت کا بھی ذکر آ جائے۔ کیا آپ اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں گے؟

میں نے اپنے خط میں بہادر یار جنگ کی ایک سب سے مشہور خوبی یعنی اُسکی خطابت کا کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا ہے کیونکہ میں اسکو مولانا محمد علی اور بہادر یار جنگ کی آخری خصوصیت قرار دیتا ہوں جسکا تذکرہ کیا جا سکے۔

خادم ..... (از یادگیر، گلبرگہ، دکن)

صدق – بہادر یار خاں کے مناقب جو کچھ مراسلہ میں بیان ہوئے، بالکل صحیح ہیں۔ لیکن سوانح حیات وہی لکھ سکتا ہے جسے

(بقیہ حاشیہ)

"روشن خیال" ہندو یونیورسٹی

آجکل تعلیم یافتہ ہندوؤں میں ذاتوں کی مساوات، شودروں کے ادھار اور اچھوتوں کے سدھار کا غلغلہ بلند ہے۔ اور تعلیم یافتہ ہندوؤں کا سب سے بڑا قدیم و جدید مرکز بنارس ہے۔ قدیم اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم کا پرانا گہوارہ ہے۔ اور جدید اس لیے کہ یہاں ہندو یونیورسٹی جیسا عظیم الشان دارالعلوم قائم ہے، جسکے "شیخ اعظم" یعنی ریکٹر پوجیہ پاد شری مدن موہن مالوی جی مہاراج ہیں۔

اب اسی بنارس یونیورسٹی کی ایک تازہ "روشن خیالی" کا قصہ سنیے۔ پنجاب یونیورسٹی کے معلم عربی، فارسی [illegible] پڑھانے کرم فرما "مولوی مہیش پرشاد" ہیں۔ آجکل وہ پروفیسر کہلاتے ہیں لیکن جب آج سے پچیس برس پہلے وہ لاہور میں تعلیم پا رہے تھے، تو ہم انہیں مولوی مہیش پرشاد ہی کہا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کی صاحبزادی کماری کلیانی دیوی کو سنسکرت ادب اور خصوصاً ویدوں کے مطالعہ سے بے حد شغف ہے۔ چنانچہ وہ تنہا لڑکی ہے جسنے سنہ ۴۲ء سے لیکر اب تک حکومت یو۔پی کے شعبۂ سنسکرت میں ویدوں [کا] امتحان پاس کیا اور اسکے بعد ویدوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بنارس میں داخل ہونے کیلیے درخواست دی۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ بنارس یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے کماری کلیانی دیوی کی درخواست نامنظور کردی۔ اور اس کی دو وجہیں بتائیں۔ اول یہ کہ وہ لڑکی برہمن نہیں ہے۔ دوم، وہ لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائی آپ نے ہندو دھرم میں علم کی مظلومی؟ اس بیسویں صدی میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو غیر برہمن کو وید پڑھانے کے حامی نہیں ہیں۔ اور غیر لڑکی کو تو کسی صورت میں بھی ہندوؤں کی الہامی کتاب کے مناں خانۂ اسرار میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکتی! (انقلاب)

ترقی پسند ادب

(ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس کے خطبۂ صدارت سے)

۱۹۳۶ء میں اس کانفرنس کی بنا پڑی۔ ترقی پسندی کی تحریک کے ساتھ ہی کچھ عرصہ کے بعد اس انجمن کی بنا پڑی تھی، اور اسے اپنے قیام سے لیکر اب تک بہت سی مشکلات اور مخالفات کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ مخالفین ادب میں ایسے محرکات کے قائل نہ تھے جو ہمیں زندگی سے قریب تر کرنے اور زندگی کے حقائق سے کافی طور پر آشنا کرنے کا مقصد رکھتے تھے۔ ان امور کے قطع نظر مخالفت [illegible] ترقی پسند [illegible] تحریک [illegible] اس [illegible] استعمال [illegible]

اس طرح معترضین کو مخالفت کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ اس قسم کا ادب جو ملک و قوم کے لیے زہریلا اثر رکھتا ہے یقیناً ترقی پسندوں کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ایسے ادیب اور شاعر دراصل ادب کے ذریعہ تجارت کا مقصد رکھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں، اور ان سے ترقی پسند ادیب اپنی بے تعلقی کا اعلان کر چکے ہیں۔

ادب اور زندگی میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا مقصد بہت صاف اور صریح ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور غلط فہمی کے بھی دور ہونے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ ترقی پسندی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص سیاسی عقیدہ اور رجحان ہی کو اپنے ادب پر مسلط کرلیا جائے کیونکہ ایسا طریقہ عمل ایک ذہنی غلامی کے مترادف ہوگا اور ادب کی اچھی صلاحیتیں اس طرح فنا ہو جائیں گی۔ (تنظیم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی تو پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی ۔ اے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضٰی بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۵ر
بیرون ہند سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۵۰	یوم سہ شنبہ - ۲۹ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ / نومبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

نئے وقت سے یا پرانے وقت سے؟" سوال ستمبر ۴۲ء سے ہزاروں نہیں، لاکھوں زبانوں پر، ہفتوں نہیں، مہینوں بعد تک آتا رہا، اور اب جا کر خدا خدا کرکے یہ ہوا تھا کہ وسط اکتوبر ۴۵ء کے بعد سے پھر چند روز کے لیے جاری ہوگیا۔ لیکن ابھی یہ عجب دلگی، کہ "نئے" وقت سے مراد وہ وقت جو منسوخ ہو چکا، ماضی بن چکا، اور "پرانے" وقت سے مراد وہ وقت جو چل رہا ہے، صیغۂ ماضی میں نہیں حال میں ہے! یعنی نام کا "نیا" اب پرانا ہے، اور نام کا "پرانا" اب نیا ہے!——

یہ وقت آخر ہے کیا بلا، کہ جب حکم ہوا بڑھا دیا، جب حکم ہوا گھٹا دیا! اور یہ نئے پرانے کا جھگڑا کیسا؟ اور آہ، یہ وقت گزر جانے کا احساس! یہ عمر گزرتے رہنے کا پُر حسرت احساس! یہ لڑکپن اور جوانی کے ختم ہو جانے اور ضعیفی کے آ جانے کا یاس انگیز احساس!—— کاش یہ گھڑیاں نہ چلتی ہوتیں! کاش یہ گھنٹے گھر نہ بجتے ہوتے! کاش ہم سوئیوں کے آگے پیچھے کر دینے کے فن سے ناواقف ہوتے! بڑا ہی موذی تھا وہ انسان، جس نے سب سے پہلے گھڑی کو ایجاد کیا! وقت کا حساب کرنا، گھنٹوں اور منٹوں کا شمار سکھا کر ہم کو خواہ مخواہ ایک عذاب میں پھنسا دیا! کیسے خوش قسمت، کیسے خوش و خرم، کیسے بے غم و بے فکر رہتے ہیں جنگل کے جانور، اور ہمارے چوپائے۔ نہ گھڑی نہ گھنٹہ، نہ منٹ نہ سکنڈ، مزے سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے چلے جاتے ہیں!

غافل انسان کیسے کیسے دھوکوں میں پڑا رہتا ہے! کیسے کیسے مغالطوں اور فریبوں میں اپنے نفس کو ڈالے رکھتا ہے! وقت کا احساس تو فطرت نے خود اس پر مسلط کر دیا ہے۔ یہ گھڑی کے موجد، اور جنتری کے مصنف پر غصہ اور جھنجلاہٹ سب عبث و لاحاصل۔ دنیا کی ساری گھڑیوں گھنٹوں کو چکنا چور کر کے بھی چین اور طمانیت اسکے نصیب میں کہاں ہے؟ آفتاب کے طلوع و غروب کو آخر وہ کیا کریگا؟ دن نکلنے اور چھپنے کو کیسے روک دیگا؟ چاند تاروں کے بلاناغہ ہر شب کے نور و ظہور کو کس طرح قابو میں لا سکتا ہے؟ موسموں کا چکر کب اسکے بس میں ہے؟ یہ جاڑے، گرمی، برسات کا دور و تسلسل کب کسی کے روکے رُک سکتا ہے؟

آہوئے لنگیم ما و شیر نر!

اور غریب و بے زبان جانور کب اس احساس سے خالی ہیں جو اُن پر رشک کیا جا سکے؟ کیا انھیں وقت کا پورا اور صحیح اندازہ نہیں ہوتا رہتا؟ کیا کوئے اور بیل اور بکری اور بھینس، سب غروب آفتاب سے پہلے ہی اپنے ٹھکانوں کا رخ نہیں کر دیتے؟ کیا سانپ اور بچھو اور جھینگر سب گرمی شروع ہوتے ہی زندگی کی انگڑائیاں نہیں لینے لگتے؟ کیا مینڈک اور کیچوے برسات کا شعور نہیں رکھتے؟ کیا مکھیاں اور مچھر اور بھڑیں جاڑے کی آمد کا صحیح اندازہ نہیں کر لیتیں؟ —— ذمہ دار انسان امانت الٰہی کے حامل انسان کے لیے وقت کا احساس مصیبت نہیں، نعمت ہے خزانۂ موجودات میں انسان کے لیے سب سے بڑھ کر بیش قیمت جوہر یہی ہے، کہ ہر نیکی ہر عمل صالح کا محل یہی وقت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جسے

[illegible] فرمایا اے اونٹ کے مالک! اگر تو چاہے تو یہ اونٹ صدقہ میں دے دے ورنہ ہم اسکا بدلہ دیں گے اور فرمایا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ [illegible] کا کسب [illegible] یعنی انکے ساتھ یہ ہی ہے کہ جو ہم سے پایا ہے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور ہم [illegible] بچانے والا ہے [illegible] ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹ کیا کہتا ہے فرمایا اسکے مالک اسے ذبح کرنے [illegible] جانا چاہتے ہیں اسلئے اس نے [illegible] تمہارے [illegible] جو ہم نقیض کرے [illegible] جب اونٹ نے اُنھیں دیکھا [illegible] اور اُن لوگوں نے [illegible] بھاگتا ہے [illegible] تھا [illegible] شکایت کرتا ہے [illegible] فرمایا یہ شکایت کرتا ہے کہ کئی سال تک یہ اس [illegible] پرورش پایا [illegible] میں گرم مقامات [illegible] جب وہ بوڑھا ہو گیا [illegible] تو تمہارے اسے [illegible] اور [illegible] اونٹ تھا [illegible] جب تروتازہ اور سرسبز سال آیا تو تمہارے [illegible] ذبح کرکے اس کا گوشت کھا لیں۔ انھوں نے عرض کی کہ یہ سب درست ہے یا رسول اللہؐ۔ حضرت نے فرمایا یہ سلوک صالح کی جزا نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے عرض کی اب ہم اسکو نہ بیچیں گے نہ ذبح کرینگے۔ حضرت نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو۔ اس نے تم سے فریاد کی اور تم نے اس کی فریادرسی نہیں کی۔ مجھے اس پر رحم کرنے کا استحقاق تم سے زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے رحمت کو منافقوں کے دلوں سے نکال دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں اسکو جگہ دی۔" پھر حضرت نے اکو سو درہم دیکر وہ اونٹ اُن سے خرید لیا اور اُس سے فرمایا اے اونٹ چلا جا۔ تجھے اللہ کے واسطے ہم نے آزاد کر دیا۔[ایہ]

حدیث۔ ایک آدمی نے کہا مجھے بکری ذبح کرنے پر رحم آتا ہے فرمایا اگر تو اس پر رحم کریگا تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کریگا[۲۷]۔ (حاکم)

ایک عورت نے منت کی اگر صحیح سالم منزل مقصود کو پہنچ گئی تو اسی اونٹ کی قربانی کرے گی جس پر منزل طے کی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اس خیال کی تضحیک کی[۲۸]۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگ صحت اور بے کاری کی حفاظت نہ کرکے گھاٹے میں رہتے ہیں[۲۹]۔ (بخاری شریف)

حدیث: معافی اور صحت کی خدا کے جناب میں دعا کرتے رہو، کیونکہ ایمان کے بعد صحت سے بڑھ کر کوئی نعمت بندوں کو نہیں دی گئی[۳۰]۔

نوٹ: فی صدی بیماریاں اور موتیں تو غلط غذا کا نتیجہ ہیں[۳۱]۔

(باقی آئندہ)

---

[۲۶] کیا رحم: بے رحمی بھی زیر بحث ہے؟ (صدق) [۲۷] [۲۸] [۲۹] [۳۰] [۳۱] (صدق)

شیعہ اور امت اسلامیہ

(آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے خطبۂ صدارت سے)

دوسرے مسلمان بھائیوں کے مقابلہ میں ہماری پوزیشن ہمیشہ یہ رہی کہ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے اُنکی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو، اور نہ ہم کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو مسلمانان ہند یا مسلمانان بیرون ہند کے جائز حقوق کی حفاظت کے راستہ میں روڑا بن سکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے اپنے حتی المقدور زندگی کے ہر شعبہ ترقی میں انکی امداد کی اور انکے مطالبات کی [illegible] بھائیوں کی طرح تائید کرتے رہے [illegible] ہمارا خیال اور فرض بھی رہیگا۔ اس زمانہ میں [illegible] میں مسلمانوں [illegible] کا رواج تھا اور آج بھی جہاں مسلمان [illegible] ہندوستانی والیان ریاست حکومت کر رہے ہیں ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ [illegible] کے سپاہی اور شہریوں کی حیثیت سے دوش بدوش کام کرتے رہے۔ میں نے اسکے قبل کہا ہے کہ ہم خلافت کے ایجی ٹیشن میں مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کی طرح یکساں طور پر شریک ہوئے۔ ۱۹۱۹ء کے قبل جب ہمیں معلوم ہوا کہ ترکوں اور عربوں کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے اور اکثر موقعوں پر اُن کے ساتھ ناانصافانہ سلوک ہوا۔ ایسی حالت میں بقدر امکان اپنے بھائیوں کے ساتھ رہے۔ پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم اور اسکے بعد آج بھی ہم اپنے تمام بھائیوں کے اس مطالبہ میں شریک وسہیم رہے کہ انھیں دنیا کے ہر گوشہ میں جائز حقوق ملیں۔

جنگ عظیم نے پلٹا کھایا شروع ہی کیا تھا کہ صورت حال میں تبدیلی پیدا ہوتے ہی کیا کیا برطانیہ اور اتحادی سلطنتوں نے بھی نگاہیں بدلنی شروع کر دیں اور اسلامی سلطنتوں کے ساتھ جو واضح مواعید کیے تھے ان سے اور خاص طور پر اُن وعدوں سے جو فلسطین کے عربوں سے کیے گئے تھے انحراف شروع کر دیا۔ درانحالیکہ جنگ عظیم کے سلسلہ میں جو تبدیلی پیدا ہوئی تھی وہ بھی اُنکی حمایت و تائید و قربانی کا ایک نتیجہ تھی جو دوسروں کے ساتھ مسلمانوں نے برطانیہ اور اتحادی اقوام کو [illegible] ہوئی۔

برطانیہ اور اتحادی اقوام کی اس روش پر تمام اسلامی جماعتوں نے سخت احتجاج اور اظہارات شروع کئے اور ہم بھی اس میں تمام اسلامی جماعتوں کے ہم آواز رہے۔

اب پھر دوسری بار ایک ایسا ہی موقع سر پر آگیا ہے اور پھر اسکی مدد جاری ہو رہی ہے کہ گزشتہ واضح مواعید اور ذمہ داری سے انحراف کیا جائے۔ اس صورت حال کی موجودگی میں ہم ہر ایک سے جو مسئلۂ فلسطین سے تعلق رکھتا ہے واضح طور سے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس کی جنگ میں جو حقوق حاصل کرنے اور وعدہ و مواعید برقرار رکھنے کے سبب ہماری ہے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

(سلسلہ صدق ۲۵۰)

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھے کام کرتے رہو۔ بیشک اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

واتموا الحج والعمرۃ للہ فان احصرتم فما استیسر من الھدی ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔ پھر اگر تم روک دیے جاؤ تو جو کچھ قربانی کا جانور میسر ہو (اسے بھیج دو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر پہنچ جائے اپنے سر نہ منڈاؤ۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ روزوں سے یا خیرات سے یا ذبیحہ سے فدیہ دے دے

... زا پاس۔

جان قربان کرو اسنے کا حکم تو قتال کے ذیل میں ... دیا جا چکا ... حکم ... مال کا مل رہا ہے۔

فی سبیل اللہ اس قید کا خوب خیال رہے۔ اسلام میں ... نفس انفاق یا صرف زبان ... مقصود نہیں، بلکہ صرف وہ جان و مال مقصود ہے جو خدا کی راہ میں ہو، بندگی دین کی خاطر ... اسی طرح مطلق ... کی ہرگز کوئی قدر و قیمت نہیں ... جو یا محض ... حق کی راہ میں ہو ... تکمیل کے لیے ... رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہو۔

یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے لیکن فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں، ہر دینی خدمت میں مالی امداد اسکے تحت آجاتی ہے

سبیل فی طاعۃ اللہ (قرطبی)

... جان یا مال میں بخل کرکے

قرآن مجید میں جب صیغۂ جمع حاضر آتا ہے، تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت۔ یہاں اصلاً مخاطبت امت سے بہ حیثیت مجموعی ہے اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد امت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی، اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا، تو نتیجہ لازمی طور پر ساری امت کی تباہی و بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

ولا تلقوا بایدیکم اصل تقدیر کلام یوں ہے ولا تلقوا انفسکم بایدیکم انفسکم (یا "اپنے آپ کو") محذوف ہے۔

قیل تقدیرہ ولا تلقوا انفسکم بایدیکم (کشاف) اے لا توقعوا انفسکم فی الھلاک (بیضاوی)

التھلکۃ۔ لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ امت کی ضرورت کے موقع پر بخل کرکے امت کو بربادی میں نہ ڈالو۔ وہی معنی ابن عباسؓ ... سے ... حذیفہ ... اور حسن اور قتادہ اور عکرمہ اور عطاء ... تابعین سے مروی ہیں ... اور محدث جلیل امام بخاری نے بھی یہی معنی اختیار کیے ہیں۔

... فی سبیل اللہ وھو قول حذیفۃ والحسن وقتادۃ وعکرمۃ وعطاء (معالم) ... قال حذیفۃ بن الیمان وابن عباس وعکرمۃ ... (قرطبی) ... فی سبیل اللہ

وان تنفقوا ... عطیۃ ... اتی ھذا ... وھب البخاری ... لم یذکر غیرہ ... الاقامۃ فی الاھل والمال وترک الجہاد (کشاف) ... عن ابی ... ان ... ی

بعض نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ بہت زیادہ خرچ کرکے اپنے کو تباہ و محتاج نہ کر دو۔

وقال الجبائی التھلکۃ الاسراف فی الانفاق (روح) اے بالاسراف وتضییع وجہ المعاش (بیضاوی)، قیل ھو الاسراف فی الانفاق حتی لا یجد ما ... (جصاص)

... قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی جانب ... والتفات، ... پسندگی و بیزاری کے ... صفات بارہا منسوب کیے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ کے لیے یحب المحسنین۔ ان سارے افعال صفات کے لانے سے ایک بڑا مقصود ان گمراہ قوموں کی تردید ہے جو وجود باری کی تو قائل ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کو صفات کمال و جلال سے معریٰ ایک طرح کا محض جامد، بیجان، بےحس، علۃ العلل سمجھے ہوئے ہیں۔ ... اسلام کا خدا، قرآن کا خدا، ہر معنی میں ایک زندہ خدا، بیدار، متحرک، فعال خدا ہے۔ خوش بھی ہوتا ہے ناخوش بھی۔ مخلوق کو محبوب بھی رکھتا ہے مبغوض بھی، صلہ بھی دیتا ہے اور سزا بھی۔

احسنوا یعنی جو کچھ بھی کرو، حسن نیت و اخلاص کے ساتھ کرو محض بیگار سمجھ کر بوجھ سا نہ اتارو۔ صحابیوں سے اسی قسم کے معنی مروی ہیں۔

اے احسنوا اعمالکم بامتثال الطاعات روی ذلک عن بعض الصحابۃ (قرطبی) احسنوا اعمالکم واخلاقکم (بیضاوی)

... یعنی جب یہ عبادتیں بجا لاؤ تو اللہ کی رضا جوئی ہی کے لیے بجا لاؤ۔ اخلاص نیت کے ساتھ اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کے ساتھ۔ تمام ممنوعات سے محترز رہ کر۔ یہ نہ ہو کہ کسی طرح الٹے سیدھے ادا کرکے ان عبادتوں کو بھی ناقص و فاسد بنا دو۔

اے افعل الحج والعمرۃ علی نعت الکمال والتمام (کبیر) وظاھر السیاق بالکمال افعالھما بعد الشروع فیھما (ابن کثیر) اے ادوھما تامین بشرائطھما و ... لوجہ اللہ تعالیٰ بلا توان ولا نقصان (مدارک)

حضرات صحابہ و تابعین سے متعدد تفسیریں نقل ہوئی ہیں لیکن سب سے جامع تفسیر مقاتل تابعی کی ہے کہ ان دونوں عبادتوں میں کوئی ایسی چیز نہ کرو جو ان عبادتوں کے غیر شایاں ہو۔

(قال مقاتل) ... اتموھما ... لا ... ینبغی لکم (قرطبی)

للہ کی تفسیر میں ایک نفیس استراحت المعرفۃ الکلی نے یہ نکتہ بحث

[illegible] تارہے کے اپنے اللہ کی جانب منسوب ہوتے ہی

[illegible] تفسیر سے

مقصد [illegible] کا قصد صد سلسلہ سمجھ کر [illegible] تفاخر

[illegible] کے ساتھ قرب

[illegible]

[illegible] مثلاً

[illegible] مستقلاً

[illegible] فرید

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور احرام کھول

[illegible]

[illegible]

تیار [illegible]

[illegible]

[illegible]

طریق [illegible]

[illegible]

[illegible]

المنع بالمرض [illegible] (جصاص)

چنانچہ فقہائے حنفیہ نے بھی اسی عام معنی کو لیا ہے۔ اور یہی معنی [illegible]

فقہاء صحابہ و تابعین سے منقول رہا۔ ومذہب الامام ابی حنیفۃ [illegible]

[illegible] روی عن ابن مسعود و

[illegible] ابی حنیفۃ وابی یوسف و محمد

[illegible]

[illegible]

الاحصار سلطانا (قرطبی) اسے سنتم ابی عذر کان قال مجاہد وقتادۃ وابو

حنیفۃ (ابن العربی)

البتہ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک احصار صرف دشمن کے

باعث ہو سکتا ہے۔

المراد من الاحصار ہہنا حصر العدو وعند مالک والشافعی (روح) وعند

الشافعی الاحصار بالعدو وحدہ (مدارک) اسے بالعدو خاصۃ قالہ ابن عمر

وابن عباس وانس والشافعی ہو اختیار علمائنا (ابن العربی)

[illegible] اور حالت احرام سے باہر

آجانے کی۔

محلہ یعنی موضع حرم۔ قربانی کی اصل جگہ وہی ہے۔ اسے رکھا۔

عذر یعنی تحقیق ... [illegible] تمام حج خود وہاں موجود پہنچنے

سے معذور ہو جاسکے۔ تو قربانی کا جانور وہاں بھیج دے۔ وہیں اس کی

قربانی کر دی جائیگی۔

[illegible] لفظی معنی محض اس شکل کے ہیں جو خانہ کعبہ کے لیے

[illegible] الہدی المختص بما یہدی الی البیت [illegible]

[illegible] حنفیہ [illegible] اسی عام معنی [illegible]

[illegible] مالک و

[illegible] فقال ابو حنیفۃ وابو یوسف

[illegible] الابل والبقر والغنم

[illegible]

[illegible]

[illegible] (بیضاوی)

[illegible]

[illegible]

[illegible] معذوروں کو اجازت [illegible] اور

[illegible] فدیہ دیا

[illegible] ففدیۃ

[illegible]

اور اس فدیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا روزے رکھ لیے جائیں یا مسکینوں کو

صدقہ دیا جائے اور یا قربانی کر دی جائے۔

من صیام۔ جمہور فقہاء کا مسلک احادیث صحیح کی بنا پر تین روزے

رکھنے کا ہے

جمہور فقہاء المسلمین علی ان الصوم ثلاثۃ ایام وہو محفوظ صحیح فی

حدیث کعب بن عجرۃ (قرطبی)

او صدقۃ۔ کھانا اگر دیا جائے تو چھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار

کے مساوی دیا جائے

علی ستۃ مساکین لکل مسکین نصف صاع من بر (مدارک) ...

نصف صاع من بر [illegible] ثلاثۃ آصع [illegible]

المساکین الذین یتصدق علیہم ستۃ بلا خلاف (جصاص)

او نسک۔ نسک سے مراد بالاتفاق ذبح ہے۔ یقال نسکت للہ

اے ذبحت للہ (ابن قتیبہ) یہ قربانی کم از کم بکری کی ہونی چاہیے۔ اور

اس سے بہتر یہ ہے کہ ایک گائے یا اونٹ کی ہو۔

ولا خلاف بین الفقہاء ان ادنی ما یجزی فی النسک شاۃ [illegible] البقرۃ

(جصاص) [illegible]

گزارش

براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری تحریر فرما دیا۔

گوشت خوری پر ایک نظر

(از غضنفر علی صاحب، کنڈل، علاقۂ نظام دکن)

(۲)

راک فلر بیولاجیکل انسٹی ٹیوٹ امریکہ کے مستند اور چوٹی کے نامور ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے بیشمار تجربات کی بنا پر یہ بات تسلیم کی ہے کہ انسانی بافتیں TISSUES فنا نہیں ہو سکتیں۔ بیرانہ سالی ایک بیماری ہے جو اسے کمزور کر دیتی ہے۔ انسان غیر فانی ہو سکتا ہے۔ گوشت کھانے سے جسم میں ایک فاسد مادہ پیدا ہو کر نظامات بند ہو جاتے ہیں اور موت مساقط ہو جاتی ہے۔ [۲۳]

قوم آج جو قدیم زمانہ کا بڑا سیاح ہے۔ ۱۹۲۳ء کے بعد ایران ممالک متوسط اور ہندوستان کو دیکھ ڈالا۔ جاوا میں ہی ہو گیا۔ وہ بیان کرتا ہے، یہاں دو سو برس سے عمدہ لیا تری شفاخانہ کی جگہیں ہیں۔ نادار الشفائیں بنی ہوئی ہیں۔ غریبوں کو دوا اور غذا دونوں ملتی ہیں۔ شراب کی دکان کا نام نہیں۔ شراب پینے یہاں کے لوگ بڑا گناہ جانتے ہیں۔ لہسن پیاز، سور، مرغ کا پتہ نہیں۔ گوشت سے ایسا پرہیز ہے کہ صرف چنڈال اسکو بیچتے ہیں۔ اور وہ بستی سے دور رہتے ہیں۔ اور جب بستی میں آتے ہیں تو ایک ناقوس بجاتے ہیں تاکہ لوگ پرے ہٹ جائیں، کہیں پرچھائیں ان پر نہ پڑ جائے۔ [۲۴]

پروفیسر لامرٹ رکن سائنس اکاڈمی روس نے بیان کیا کہ انسان کا پیمانۂ عمر ڈیڑھ سو سال سے اوپر ہونا چاہیے۔ ہندوستان اور ... سے زیادہ عمریں گھٹ گئی ہیں۔ درازی عمر کا راز یہ ہے کہ دماغی اور اعصابی نظامات کو تقویت دی جائے۔ جن ملکوں میں صحت و صفائی کی اصلاح ہوئی وہاں عمریں بڑھ گئیں۔ انسانی مشین مثل گھڑی کے ہے جس کی اصول اور کفایت سے چلائی جائے تو دو سال اور زیادہ عرصہ تک چل سکتی ہے۔ درازی عمر کے امیدوں کیلئے یہ راز ظاہر ہے کہ انسان کی عمر طبعی کم سے کم سو سال ہونا چاہیے۔ اسکے اندر آنکھ بند ہو جانا خلاف فطرت ہے۔ [۲۵]

پھلوں اور سبزیوں میں قدرت نے حیاتین اور معدنی نمکیات کی کافی مقدار رکھدی ہے۔ کارساز عالم نے لذت کے علاوہ ان میں صحت و شفا بخشی اجزاء رکھدیے ہیں۔ جراثیم کش اور مقوی بھی ہیں۔ اسکا استعمال نفع بخش ہے اور یہ صحت و قوت حیات کا خزانہ ہے۔ تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے۔ [۲۶]

حضرت عمرؓ نے فرمایا "بچو تم گوشت کھانے سے جیسے گوشت کی طلب ہوتی ہے، جیسے شراب پینے سے طلب ہوتی ہے" (امام موطا) [۲۷] حدیث میں آیا ہے دین اسلام آسانی کا نام ہے۔ (بخاری) صحت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان بیماریوں سے بچا رہے بلکہ اس میں رواداری، فیاضی کا جذبہ بھی ہو اور روح میں پاکی اور بلند پروازی بھی ہو۔ جیسا کہ حضرت محمد صلعم بانی اسلام نے اپنے قول و فعل سے ذیل میں پیش فرمائی ہے۔ [۲۸]

امام منذریؒ نے ترغیب و ترہیب میں ابن ماجہ سے نقل کیا کہ تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا اور حضرتؐ کے

---

[۲۳] اول تو یہ تحقیق ہی تمامتر غلط نقل ہوئی ہے کہ "انسانی بافتیں فنا نہیں ہو سکتیں"۔ اور پھر اگر یہ دعوی شمۂ صداقت بھی رکھتا ہے، کہ "انسان غیر فانی ہو سکتا ہے، گوشت کھانے سے جسم میں ایک فاسد مادہ پیدا ہو کر نظامات بند ہو جاتے ہیں اور موت مساقط ہو جاتی ہے"۔ تو آخر یہ تمام سبزی خوروں پر کیا حماقت مسلط ہے کہ گوشت چکھتے تک نہیں اور پھر بھی مرتے ہی چلے جاتے ہیں! —— انسان کسی دعوے میں اتنا غلو تو نہ کرے کہ بات بالکل مضحک ہو کر رہ جائے! (صدق)

[۲۴] اس قسم کے طویل اور بالکل غیر متعلق اقتباسات کے نقل کر دینے سے مدعا معلوم حاصل کیا ہے، بجز اسکے کہ صدق کی جگہ خواہ مخواہ گھرتی جاتی ہے! یہ نقل اگر صحیح بھی ہو، تو آخر اسکو اصل موضوع سے کیا تعلق ہے؟ (صدق)

[۲۵] ایضاً (صدق)

[۲۶] گویا میووں اور سبزیوں کی نفع بخشی زیر بحث ہے! (صدق)

[۲۷] حضرت عمرؓ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ آپ کثرت گوشت خوری سے منع فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ ہر شارح نے لکھا ہے۔ "امام موطا" کے نام سے کسی امام کا علم دنیا کو نہیں۔ دنیا کو علم امام مالکؒ اور انکی کتاب موطا کا ہے! (صدق) [۲۸] انا للہ۔ گویا مضمون نگار نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، کہ جو قول بھی انکے سامنے آ جائیگا اس سے بس وہ مخالفت گوشت خوری کی مخالفت کا کام لینے لگیں گے! آخر اس حدیث کا یہاں کوئی بھی محل تھا! اور پھر دین آسانی تو بیشک آپ ہی پیدا کر رہے ہیں کہ جن علاقوں میں صرف گوشت ہی بآسانی مل سکتا ہے وہاں اسے حرام قرار دیے جا رہے ہیں! (صدق)

[۲۹] لیکن پیغمبر حضرت بانی اسلام نے کب گوشت کو ترک فرمایا ہے۔ کب اسے حرام یا مکروہ بھی قرار دیا ہے؟ آپ نے تو الٹے گوشت خوری کی ترغیب دی ہے۔ ... ہیں۔ لحم کو سید الطعام (کھانوں میں سب سے افضل) کسی اور نے نہیں، حضورؐ ہی نے فرمایا ہے؟ اور سنن ابن ماجہ کا باب اللحم ملاحظہ ہو۔ اہل جنت کی غذا آپؐ نے لحم فرمائی ہے، اور جب آپؐ کی ضیافت گوشت سے کی گئی یا اسے تحفۃً پیش کیا گیا، تو آپ نے قبول ہی فرمایا ہے۔ وقس علی ہذا (صدق)

[۳۰] خدا آپ کو ہدایت دے۔ اس طویل حکایت کو آخر کوئی بھی تعلق گوشت خوری کے جواز و عدم جواز سے ہے؟ (صدق)

اس کی قدر کا اندازہ اور اس کی قیمت کا احساس ہے۔ زندان و مکان کے قیدیوں کے لیے یہ نعمت بہت بڑی نعمت ہے!

نمونۂ جہنم

"برطانیہ میں عقد مناکحت کی بندشیں روز بروز ڈھیلی ہوتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ پچھلے ہفتہ جب لندن میں طلاق کی عدالتیں کھلیں، تو ۴ ہزار سے اوپر مقدمے پائے گئے! اور چونکہ قانونی چارہ جوئی موقع پر کافی نہیں پائی گئی، اس لیے ایک الگ انجمن میریج گائیڈنس کونسل (مجلس ہدایات ازدواجی) کے نام سے قائم ہو گئی ہے، اور اس کا کام بھی برابر بڑھ رہا ہے۔ زوجین کے درمیان طویل جدائی ہمیشہ ہی ایک سبب نفاق و افتراق کا رہا ہے۔ اب اس کونسل کے ایک ممبر نے بیان کیا ہے کہ طویل مدت کی فوجی زندگی اس صورت حال کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار رہی ہے۔" (اسٹیٹسمین۔ ۱۹ اکتوبر ۳۶ء)

"صاحب" کا گھر نمونۂ جنت تو کبھی بھی نہ تھا، جنتیوں کی سی معاشرت نہ رکھنے والا گھر بھلا جنت کی شان پیدا ہونی ممکن ہی کیونکر تھی۔ لیکن اب تو کھلم کھلا نمونۂ جہنم بنتا جا رہا ہے! گھر والیاں گھر والیوں سے بڑھ کر باہر والیاں ہو چکی ہیں، اور مرد اور عورت دونوں نے مل کر بجائے فرض شناسی کے، اور ضبط و عصمت کے زندگی کا مستقل مقصد اور نصب العین ہی وقتی اور فوری لذت نفس کو قرار دے لیا ہے، بدچلنی اور حرام کاری کی بدترین صورتوں کو بھی کیسے خوشنما اور معزز لقب "خوش وقتی" کا دے کر! اور اس کے بعد قدرۃً

جو گنہ کیجے ثواب ہے آج!

یہ دور دورہ نو ہی جاتا ہے! — عدالت میں طلاق لینے یا دینے جاتا کون ہے، بجز اقل قلیل کے؟ زیادہ تر تو یوں ہی صبر کر کے بیٹھ رہتے ہیں۔ اور سب کو اتنی غیرت ہی کہاں باقی رہ گئی ہے جو برائی کو برائی محسوس کریں! آخر جانوروں کی اکثریت کو کس نے رشک و غیرت کرتے دیکھا ہے؟

"شرافت" کا شاہکار!

"آج جب میں یہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک، تمام و کمال پڑھ چکا تو گھڑی میں ½ ۴ بجے تھے۔ لاحول پڑھ کر کھڑا ہو گیا کہ میں نے یہ کیا لغو حرکت کی اور کیوں اتنا وقت اس فضول چیز میں برباد کیا"

یہ دہلی کے مشہور روزنامچہ نویس نے اپنے روزنامچہ میں لکھا (منادی ۲۲ اکتوبر و یکم نومبر ۳۶ء)۔ جس کتاب کے مطالعہ پر لاحول پڑھی گئی، اور جس کے مطالعہ کو "لغو حرکت" اور "فضول چیز" قرار دیا گیا، وہ آپ سمجھے کون سی کتاب مستطاب تھی؟ وہ انھیں بزرگ کی "نمونۂ جنگ صفین" ہے! — کتاب کے نام کے ساتھ کچھ عجب نہیں جو کچھ اور تلمیحیں بھی حافظہ میں تازہ ہو گئی ہوں۔ مثلاً ایک مذاق آدم پوسٹر "فریدیوں کا اخبار" "ختم خواجگان" وغیرہ!

بہرحال اس لاحول پڑھنے کے بعد

"یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بیگناہی کا ثبوت میری زندگی میں دکھا دیا، کہ مولانا محمد علی، و مولانا شوکت علی اور اُن کے وہ سب ساتھی اب دنیا میں موجود نہیں ہیں جنھوں نے میری عزت اور میری ہستی مٹانے اور میرے تبلیغی کام کو فنا کر دینے کی سر توڑ کوششیں کی تھیں، اور وہ دونوں بھائی اور اُن کے سب اتحادی ..... ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں!"

خوب ہے یہ مجرم جسے اپنی "بیگناہی" کا یقین عین اس وقت ہونے کے بجائے کہ جب فرد جرم لگ رہی تھی اور ثبوت استغاثہ پیش ہو رہا تھا، اب ۱۹ سال کے بعد بجائے ۲۶ء کے ۳۵ء میں ہوتا ہے، جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اب کوتوال اور سپرنٹنڈنٹ اور وکیل استغاثہ زندہ نہیں! — اور کتنا سچا ہے یہ بیان کہ فرد جرم بجائے "جاسوسی" اور "مخبری" کے "میری عزت" اور "میری ہستی" اور "میرے تبلیغی کام" پر لگی تھی! — اور کتنا دلچسپ ہے یہ دعویٰ کہ آج گویا مدینہ اور خلافت اور اتحاد اور صدق اور الامان اور زمیندار اور وحدت سب فنا ہو چکے ہیں، اور مولوی حاجی ظفر الملک اور ظفر عمر صاحب (کردار "مرزا بلگرامی" کے خالق) اور مولانا ظفر علی خاں اور عبد الماجد سب معدوم ہو چکے ہیں! — اور کتنا معقول و محققانہ ہے یہ معیار کہ جو زندہ رہ جائے وہ حق پر ہے، اور جو وفات پا جائے وہ باطل پر! گویا علی مرتضیٰؓ کے بعد ابن ملجم، اور حسینؓ بن علیؓ کے بعد یزید، اور عمر فاروقؓ کے بعد ابو لولو فیروز، اور سید الشہداء حمزہؓ کے بعد وحشی اور ہندہ، اور خود سرور کائنات کے بعد مسیلمہ زندہ رہ جانے والوں میں تھے — اور پھر سب سے بڑھ کر یہ شرافت و انسانیت کہ محمد علی شوکت علی جیسے محبوب ترین و مخلص ترین برادران ملت کی وفات کے سالہا سال کے بعد، بالکل بلا ضرورت اور خواہ مخواہ اُن کے ناموں پر غلاظت اچھالی جائے! — سچ کہا تھا مردم شناس اکبر الٰہ آبادی نے

حسن نظامی ہیں نیک بنیاد، مگر نہ کہیے کہ نیک نہاد ہیں!

روزنامہ "تنویر"

لکھنؤ سے نیا روزنامہ "تنویر" مسلم لیگی و سابق کانگریسی لیڈر چودھری خلیق الزماں صاحب کی ادارت و نگرانی میں نکلا ہے۔ اور ان سطور کی تحریر کے وقت تک صرف پہلا نمبر شائع ہوا ہے۔ اس نمبر میں حسب ذیل پیام مدیر صدق کے قلم سے ہے:—

"تنویر، نور سے مشتق ہے۔ مسلمان خود نور ہے اور اُس کا کلام نور علیٰ نور۔ اُس کا رسول نور مجسم، اُس کا خدا نور مطلق!

تنویر خدا کرے عالم انوار کا مطلع ثابت ہو، اور ہر کلمہ گو کے سینہ کو نورانیت سے منور کر دے!"

چودھری خلیق الزماں صاحب ملت و قوم کے سب سے زیادہ محبوب، اور سب سے بڑے مسلمان لیڈر مولانا محمد علی کی آغوش میں اپنی سیاسی آنکھیں کھولی ہیں۔ خدا کرے صحافت میں بھی ان کا دور اُن مرحوم کا صحیح جانشین ثابت ہو۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ...)

(بقیہ صفحہ ۲)

رفع غلط فہمی

صدق نمبر ۳۲ میں "گذشتہ زندگی" ... سے نکلا تھا، وہ تمامتر ایک "فاضل بزرگ" کی عبارت پر مشتمل تھا۔ مدیر کی طرف سے اس میں ایک لفظ بھی نہ تھا۔ لاہور کے ایک ایڈیٹر صاحب کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ اس کا بڑا حصہ مدیر صدق کے قلم سے ہے۔ اس تحریر سے مقصود اُنکی اسی غلط فہمی کو دور کر دینا ہے۔

ہندی دار الاشاعت

"لندن ۔ ۲۳ ۔ اکتوبر ۔ پروفیسر ... گنگولی، ہندوستان کے ماہر سیاسیات نے آج لندن میں ایک ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس (دار الاشاعت) کھول دیا ہے تاکہ برطانوی ناشرین کی تنگ نظری کے شکار نہ ہوں بلکہ ہندوستانی خود اپنا نقطۂ نظر پیش کر سکیں۔ پروفیسر گنگولی نے رائٹر کے نمائندہ سے کہا کہ ... پنڈت جواہرلال کی "مستقبل ایشیا" عنقریب چھاپنے والے ہیں، ... کئی کتابیں بھی ہمارے پاس ہیں، اور سلسلہ اُسکے لیے ہمارا ... پروگرام خاصہ وسیع ہے"۔ (رائٹر)

لندن میں کسی ہندوستانی کا انگریزی دار الاشاعت بڑھ جانے ... اور برطانوی ناشرین کی ٹکر لینا آسان کام نہیں، عزم و ہمت کا کام ہے۔ اس دوڑ میں بھی آخر سبقت ایک غیر مسلم بنگالی ہی کے حصہ میں آئی ——— ہمارے شیخ محمد اشرف، اور ہمارے شیخ ... اللہ (تاج کمپنی) اور ہمارے فیروز اینڈ سنز خبر کو سُن رہے ہیں؟

صدر مسلم لیگ کی ہدایات

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے سے ایک ملاقات میں کہا کہ مسلم لیگ آنے والے الکشن دستوری طریقوں سے اور قانونی طور پر لڑنا چاہتی ہے اور لیگ آزادانہ منصفانہ ... کے ذریعہ ووٹروں کا فیصلہ معلوم کرنا چاہتی ہے۔

آپ نے کہا میں نے وہ خبریں دیکھی ہیں جو بعض مقامات پر جمعیۃ العلماء، احرار، اور خاکساروں کے جلسوں کے متعلق آئی ہیں اور جن میں جھگڑے ہوئے ہیں۔ میں نے اسکے متعلق تحقیقات کی ہے اور میری اطلاع کے مطابق یہ خبریں بہت زیادہ مبالغہ آمیز ہیں اور بعض صورتوں میں غلط بھی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان جلسوں میں مسلم لیگ کو گالیاں دی جاتی ہیں اور مسلم لیگی لیڈروں کی ذات پر حملے کیے جاتے ہیں۔

بہرحال مسلم لیگیوں اور اُن مسلمانوں کے لیے جو لیگ کے ہمدرد ہیں صحیح طریقہ صرف یہ ہے کہ وہ ایسے جلسوں میں شریک نہ ہوں کیونکہ انھیں تو یہ معلوم ہی ہے کہ کون جلسہ کر رہا ہے اور کس کی تقریریں ہونے والی ہیں۔ اگر کوئی شخص جلسے میں شریک ہو اور اُسے یہ محسوس ہو کہ جو تقریریں کی جا رہی ہیں، ان میں گالیاں دی جا رہی ہیں اور وہ تکلیف دہ ہیں تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ لوگ ایسے جلسہ سے اُٹھ کر چلے جائیں۔

دینی حمیت

مجاہد فی سبیل اللہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی نسبت ایک واقعہ مشہور ہے، چونکہ اس واقعہ کا تعلق اسلامی غیرت و حمیت سے ہے اور شہید رحمۃ اللہ علیہ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی وہ یہی دینی حمیت تھی، اس لیے عین ممکن ہے کہ واقعہ صحیح ہو اور آپ نے موقع پر بھی اسی غیرت سے کام لیا ہو۔ آپ کے زمانہ میں ایک ہندو تیراک نے چیلنج دیا کہ کوئی ... ماہر فن تیراکی ہو تو اسکا مقابلہ کر کے دکھائے، وہ دریائے جمنا میں اسکے ساتھ ایک سانس میں دہلی تک جائے۔ اگر کوئی مسلمان اُسکے مقابلہ پر نہیں آئیگا تو یہ دہلی کے مسلمانوں کی شکست ہوگی"۔ حضرت شہیدؒ کے کانوں میں جب یہ آواز پہونچی تو مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے اور دریائے جمنا میں کود کر لال قلعہ سے پہلے اور دلدل کے ... پر جا نکلے۔ ہندو تیراک نے اس مہارت کا مشاہدہ کیا اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔ مولوی ... حضرت شہیدؒ سے عرض کیا کہ آپ کو بہت سے کام تھے، آپ اس چھوٹی سی بات کا مقابلہ کرنے کے لیے کس طرح تیار ہوگئے؟ پیکر اسلامی حمیت نے ... فرمایا کہ ہندو کی دعوت عام تھی، مسلمانوں کے لیے تھی ... لفظ مسلم کو شامل کر کے "مسلمان" کو شکست دینی چاہی تھی، اس لیے میری غیرت کا تقاضہ ہوا کہ "مسلمان" کی عزت پر حرف نہ آسکے اور اس مقدس نام کی سربلندی کے لیے پیشقدمی کی جائے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو یہی مشہور ہوتا کہ "مسلمانوں" نے ہندو کے مقابلہ پر شکست کھائی!

غور کرو! قیادت کی یہ کیسی دلچسپ؟ (الشمس ... تشریح ہے) یعنی قیادت کی حقیقی روح اور اسکی شرط اولیں اقدام اور پیشقدمی ہے تقلید اور نقالی نہیں۔ جو شخص قیادت کا مدعی بنکر حقیقی عمل میں اقدام اور رہنمائی کا ثبوت نہیں دیتا اسکی ہر قابلیت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن قائدانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا! (زمزم)

مطبوعات مصر و بیروت

(۱)	الافصاح فی اللغۃ (عبد الفتاح)	۶ عہ
(۲)	الف لیلہ و لیلہ جزء ۳ و ۴ — فی جزء	۳ عہ /
(۳)	ادلۃ الیقین (عبد الرحمن جزائری)	۱ /
(۴)	ادب الکاتب (ابن قتیبہ)	۲ /
(۵)	النحو الواضح جزء ۳	۲ /
(۶)	الامعان فی اقسام القرآن (فراہی)	۸ /
(۷)	تنبیہ الغافلین (نصر بن محمد)	۸ /
(۸)	تمرین الطلاب (زین الدین ازہری)	۸ /
(۹)	بصائر النصریہ	۳ /
	تاریخ حرب فرنسا و المانیہ	۳ /
	تعطیر الانام (ابن سیرین)	۳ /

ملنے کا پتہ: صدق بک ایجنسی۔ گولہ گنج لکھنؤ

قومی زبان کے لیے پریم چند کی کوشش

(از ... عبد الغفار)

پریم چند کے ترقی پسند ... کی خصوصیت انکے افکار کی اجتہادی قوت ہے۔ آج ہم اردو ہندی کے فرقہ وارانہ جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ لیکن انھوں نے ... ایک قومی اور عوامی زبان کے لیے اردو اور ہندی کا ... وسم الخط اختیار کرکے اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ ملک کے عوام کی زبان فی الاصل ایک ہی ہے۔ اس عوامی زبان کا جو آسان اور شستہ معیار انھوں نے قائم کیا وہ ایسا ہے کہ اگر زبان کے متعلق فرقہ وارانہ تعصبات سے قطع نظر کرکے اس معیار کو ہر فرقہ اختیار کرلے تو ہماری ملکی ... بہت بڑا الجھاؤ سلجھ جاتا ہے۔ ہندی اور فارسی کے آسان الفاظ کو جس طرح انھوں نے اپنی عبارتوں میں سمویا وہ انکا ایک قومی اور ادبی کارنامہ ہے۔ بہت سے ایسے ہندی الفاظ ہم انکی کتابوں میں دیکھتے ہیں جو اردو کی انگشتری میں نگینہ کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ منتھ کرنا، درشن دینا، بھنبھیا، پروان، دھن، دویا، سیوا، سیوک، پران، اچھا، تیاگ، بھگتی، رکھشا، وکشا، ان میں سے کوئی ایسا لفظ ہے جو اردو کے خاندان میں غیر اور اجنبی سمجھا جائے۔ خود انھوں نے قدیم اردو کی ترکیبوں کے پہلو بہ پہلو اپنے قلم سے عوام کی زبان میں عوام ہی کے یہ الفاظ بے تکلف چسپاں کئے ہیں۔

"پجاری کا کام پوجا کرنا ہے۔ دیوتا اسکی پوجا قبول کرتا ہے یا نہیں، یہ سوچنے کی اسے فرصت کہاں"

"صبر کا باندھ جب ٹوٹ جاتا ہے تو خواہش کا بہاؤ تابو سے باہر ہو جاتا ہے" دھن اور دیا کا جوڑ نہیں بیٹھتا"

اس ہندی کے ساتھ ساتھ وہ اردو کے قدیم انداز کو بھی ترک نہیں کرتے۔ بعض اوقات تو فارسی اور عربی کے اس قدر بے تکلف آمد ہوتی ہے کہ انکے فقرے ضرب المثل بنجاتے ہیں۔

"کثیف برتن سے صاف پانی بھی گندہ ہو جاتا ہے"

"اجڑا ہوا گاؤں کھویا ہوا اعتبار ہے"

"نفرت دلیلوں کی محکوم نہیں اگر وہ ارادہ ہمیشہ سوال اور دلیل کی آڑ لیا کرتا ہے"

اور انکی تشبیہوں پر تو اکثر فارسیت غالب ہوتی تھی۔ مثلاً "بجلی کی روشنی سے سارا میدان برق قائم بنا ہوا تھا" "اپنے سینے کے اندر ایک کرۂ نار دھکائے بیٹھا ہوں"

آزاد ... یات میں لکھا تھا کہ

"اور ... حالہ رنگ بدل رہی ہے کہ ایک مصنف اگر خود اپنے ایک ... تصنیف کا دوسرے سنہ کی تصنیف سے مقابلہ کرے ...

... [illegible]

زبان کے ارتقاء کی یہی رفتار الفاظ اور اسلوب بیان ہی تک محدود نہیں بلکہ خیالات پر بھی حاوی ہے۔ اور ان دونوں ... کا بہترین نمونہ پریم چند کی تحریریں ہیں جو ہندوستان کی قومی زبان کے ارتقا کا ایک شاندار نشان راہ ہیں۔ پریم چند نے ... دونوں کا رخ بدلا۔ اردو ہندی کے درمیان ایک ایسا پل بنا دیا ... اور جو مذہب کے علاوہ ... کی ناہموار قوت گزر سکتی ہے۔ (... عوام)

مولانا حسین احمد مدظلہ

(لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک پوسٹ گریجویٹ کے قلم سے)

انتخابات کے ہنگاموں ... وقتی سیاسیات نے سامنے ... مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی شخصیت خصوصیت کے ساتھ بعض اخبارات میں مورد ملامت بنی ہوئی ہے۔ میں ان اخبارات کے دیکھنے سے افسوس کے ساتھ یہ سمجھنے لگا تھا کہ مولانا اب تمامتر ایک سیاسی لیڈر ہوکر رہ گئے ہیں۔ جنکا اوڑھنا بچھونا کانگریس اور اسکے متعلقات ہیں۔ حال میں صوبہ کانگریس کمیٹی اور نیشنلسٹ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے جلسوں میں شرکت کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے۔ مقامی کانگریس کمیٹی نے انتخابی جلسوں میں حضرت ممدوح کی تقریر کا اعلان کیا۔ اب تو یہ خیال یقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور ایک بزرگ عالم کی اس قلب ماہیت پر تاسف ہوتا رہا۔

آپکے ناظرین کو یہ سنکر حیرت ... خوشگوار حیرت ہوگی کہ مجھے جب ایک سے زائد بار حاضری کا شرف حاصل ہوا تو مجلس کی فضا اچھی خاصی دینی پائی۔ اسی طرح کی جیسی آج سے چند سال قبل تھی۔ کم از کم میں تو جتنی دیر وہاں حاضر رہا، قلب دینی مسئلوں اور اخلاقی تذکروں ہی کی طرف راغب رہا۔ اور خود اپنے اوپر نظر ثانی کرنے کو بھی جی چاہا کیا۔ کہ ہم لوگ کن لایعنی دنیوی مشغلوں میں پڑے رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ مولانا ان صحبتوں میں تو ٹھیک اسی مقام پر تھے جہاں ان جیسے بزرگ و جید عالم دین کو ہونا چاہیے تھا۔

میں حاضر ہی تھا کہ نیشنلسٹ مسلم طلبہ کے فیڈریشن کے صدر اور سکریٹری مولانا کی خدمت میں فیڈریشن کے لیے پیغام لینے حاضر ہوئے۔ حضرت نے اسکے جواب میں ان لوگوں کو مسلم طلبہ کی مذہبی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ اور صحیح اسلامی جذبہ کے ماتحت اسلاف صالحین کے نقش قدم پر چلنے اور ملک و ملت کی خدمات انجام دینے کی تلقین فرمائی۔ مولانا کا اخلاق کریمانہ بدستور جوں کا توں تھا۔ حال کے نہایت شرمناک واقعات سے کسی قسم کا تکدر، انقباض مزاج و برتاؤ میں محسوس نہ ہوا۔

(شیخ ... حسین ... نے حسن ... سے ... "صدق" ... گر ... لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

ایڈیٹر — عبدالماجد

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب۔ حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد ولیس — گولہ گنج — لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی ۴/۸

بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲/

ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

نمبر ۵	یوم شنبہ — ۴ — ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء عیسوی	جلد ۱۱

سچی باتیں

۴۔ نومبر۔ آج دیوالی ہے، ہر سال ہندی مہینہ کاتک کے شروع ہی میں پڑا کرتی ہے۔ تاریخ کو پڑتی ہے۔ ہندو آبادی میں گھر گھر چراغ جل رہے ہیں۔ کھیتوں میں کٹائی ہو چکی ہے۔ یہ اُسی کا تہوار، اور جاڑے کے آغاز کا اعلان ہے۔ "تہوار" میں کیا ہوتا ہے؟ کسی دیوی دیوتا کی پوجا، اور گھر گھر نفس کی خوشیوں کا سامان۔ لیکن اب صرف دیویوں اور دیوتاؤں ہی کی کیوں — آج برہمن اور پنڈت اپنی اپنی کتابوں اور پستکوں کی پوجا کریں گے، اور چھتری اپنے ہتھیار اور ڈھال کی، اور جو ویش کہلاتے ہیں، یعنی ہر قسم کے تاجر اور بیوپاری اور دکاندار ہیں وہ چاندی کی پوجا کریں گے، اور جو کھیتی کسانی کرنے والے ہیں وہ گئو ماتا کی! اتنی پوجائیں ہندوؤں میں ہوتی ذاتوں کے لحاظ سے ہو چکیں، اور پھر سب ایک ساتھ لکشمی دیوی کی پوجا کریں گی۔ وہ دھن دولت کی دیوی ہیں۔ روپیوں کے خزانے انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ آج رات جسکو درشن دے جائیں، بس اسکے نصیب کھل گئے، وہ عمر بھر کے لیے مالامال ہو گیا۔ یہ تین دن ایام اعظم میں سے ایک یعنی تیسرا دن ہوتی ہیں۔ ہر ہندو گھر چھوٹا بڑا جگمگ جگمگ کرتا ہے۔ انہیں کی پیشوائی کے لیے ہے۔ جس گھر میں قدم رکھیں وہ خوب روشن ہو۔ اندھیرے سے انہیں نفرت ہے۔

جوا بھی خوب چلیگا، کئی کئی راتوں تک خوب چلا کریگا۔ یہ کوئی گناہ تھوڑے ہی ہے۔ یہ تو شگون یا "برکت" کے لیے ہے۔ اور بس ثواب ہے، ایک عبادت ہے۔ گورنمنٹ کی پولیس بھی آج جوئے کے حق میں نرم ہو جائیگی۔ دیکھیں، اور آنکھیں دوسرے پھیر لیگی۔ ہولی میں شراب اور فحش کلامی کی گرم بازاری بھی تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ خزاں کی آمد پر یہ، اور بہار کی آمد پر وہ! دیوالی میں جوا اور ہولی میں شراب اور فحش! — یہ ہیں ہمارے ہمسایوں، ہموطنوں، وطنی بھائیوں کے تہوار! حاشا کہ کسی مخلوق پر طعن مقصود نہیں۔ ان غریبوں پر غصہ نہ کیجیے، ان پر ترس کھائیے، ان سے ہمدردی کیجیے، انہیں راہ دکھانے کی کوشش کیجیے — ایک تہوار ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد آپ کے ہاں بھی آنے والا ہے۔ اُس میں کیا ہوگا؟ اُس میں بھی کوئی ناچ رنگ، شراب اور جوا ہوگا؟ یا اسکے برعکس نمازیں پڑھی جائینگی، غریبوں میں لذیذ و مفید غذا کی تقسیم ہوگی، اللہ کا ذکر بار بار بلند کیا جائیگا، اور نماز کے بعد ذکر الٰہی کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہیگا!

اس گئی گزری حالت میں بھی، جبکہ یہ نرہ حقیقت محض ایک مردہ رسم بنکر رہ گئی ہے۔ آپ کا اور غیروں کا کوئی مقابلہ ہے؟ توحید گر بھی ہو کیا بھی شرک کی سطح پر لائی جا سکتی ہے؟

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیالے کو!

خوش اقبالوں کا انجام!

کارلٹن ہاؤس کی جو عالیشان اور پرانی وضع کی عمارت مال روڈ کے کنارے واقع ہے، اسکے سامنے عظیم الشان

نیلام کا انتظام تین ہفتوں سے ہو رہا ہے۔ نمبر ۷، ۸، ۹ کے ملاقات سے ۹۵ لاریاں بھرکر سامان نیلام کے لیے آگیا ہے اور آج ہی کل یہ سامان قیمتوں پر نیلام ہو جانے والا ہے۔ اس سامان میں حسب ذیل چیزیں بھی ہیں:۔

ہٹلر کی قد آدم تصویریں	کئی درجن
ریڈیو سیٹ	کئی درجن
چین کی خوشنما پلیٹیں	
کانفرنس کے قابل عظیم الشان میز	ایک
اور اس کے ساتھ کی کرسیاں	۲۶
مختلف قسم کی اعلیٰ شرابیں	۱۰۰۰ بوتل

کوئی ۳ ہزار مختلف قسم کی چیزیں ہیں، اور یہ سامان کم از کم ایک لاکھ پونڈ (یا ۱۳ لاکھ روپیہ) میں تو ضرور لیا جائیگا۔ (اسٹیٹسمین ۱۴، نومبر ۴۵ء)

یہ اتنا اعلیٰ اور نفیس سامان، ۹۵ لاریوں میں لدا ہوا، کوڑیوں میں نیلام ہو جانے والا آپ سمجھے کس کا ہے؟ بدنصیب جرمنی کے مشہور و معروف لیکن بدنصیب وزیر خارجہ ربن ٹراپ کا! کل اسکے نام کا کیا طوطی بول رہا تھا، اور بڑے بڑے اقبالمند کیسے اسکی خوش اقبالی پر رشک کر رہے تھے! آغاز جنگ کے چند ہی روز ادھر یہی تو روس جرمنی کا حلیف بناکر میدان میں لے آیا تھا، اور اس پر سارے یورپ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔ لندن میں کچھ روز جرمن سفیر کی حیثیت سے رہ چکا تھا۔ اور یہ اسی کا لندنی اثاثہ لندن میں یوں لاوارث کے مال کی طرح جا رہا ہے! —— غریب کو یہ شاہانہ سامان جمع کرتے کبھی اسکے اور اپنے اس انجام کا وہم بھی آیا ہوگا؟ —— آغاز کیا تھا، اور انجام کیا ہو رہا ہے!

اور پھر یہ اعلیٰ اور نفیس شراب کی ہزار ہزار بوتلیں! —— جرمن قوم، فرنگی قوموں میں نسبۃً بہت محتاط اور پارسا تھی۔ یہ عالم یورپ کے محتاطوں اور پارساؤں کا ہے!

سینما کی نذر

واشنگٹن ۔ ۱۳۔ نومبر۔ ختم ماہ نومبر سے پہلے ہی پہلے ہندوستان کے لیے فلم سازی کا سامان ۹ لاکھ ڈالر (۳۳ کروڑ ۵۰ لاکھ) کی مالیت کا امریکہ سے روانہ ہو چکیگا، اور شروع ۴۶ء تک ۲۲۴ کمپنیاں اس سامان کو لیے ہندوستان کے گوشہ گوشہ، گاؤں گاؤں میں دورہ کرتی ہوئی پہنچ جائیں گی۔ یہ اطلاع حکومت ہند کے محکمۂ اطلاعات کے جائنٹ سکریٹری، مسٹر جے، ان تھاپر نے دی ہے۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس)

مبارک ہو ملک کے سارے "ترقی" پسندوں اور سنجیدہ قوانون کو، کہ قوم کی فلاح و ملک کی نجات کا وقت اب قریب، بہت قریب آگیا! ۴۴ کروڑ سے اوپر کی لاگت کا سامان امریکہ سے کھنچا ہوا ہندوستان چلا آرہا ہے، اور کوئی گوشہ اب سینما کی برکتوں سے محروم نہ رہنے پائیگا! —— گوشہ گوشہ اس ملک کا جہاں لاکھوں نہیں کروڑوں، ملک کے دانے دانے کو ترس رہے ہیں، اور کپڑے کی گرہ گرہ کو ہڑپ لیا!

اتاترک کے کارنامے

ایک غیر مسلم انگریزی روزنامہ کا مقالہ

مجاہد ترکی پر:۔

"جدید ترکیہ کی تشکیل کو آج پورے ۲۲ سال ہوگئے۔ جمہوریت کا اعلان ۲۹۔ اکتوبر ۲۳ء کو ہوا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب عثمانی اور آسٹریائی سلطنتیں دم توڑ رہی تھیں، یہ مصطفےٰ کمال ہی کی جرأت قابلیت اور سیاسی دوراندیشی تھی جس نے ترکوں کو ہلاکت سے بچا لیا تھا۔ اس مرد اعظم نے حسب موقع شناسی سے کام لیکر دنیوی طرز کی حکومت قائم کردی، جس نے خلافت کو منسوخ کردیا، کہ وہی مصطفےٰ کمال کے خیال میں اغیار کو بار بار مداخلت کا موقع دیا کرتی تھی۔ اسی نے مذہبی عدالتیں توڑ دیں، مذہبی درسگاہوں کو محکمۂ تعلیمات کے حوالہ کردیا، اور صوفیہ کی خانقاہوں کو ختم کردیا۔ اسی نے تقویم گریگوری کا جاری کرنا، ضابطۂ دیوانی کا اجراء، جدید طرز کے قانون فوجداری کا نفاذ، یہ سب نتیجہ ان اصلاحات کے تھیں، جو اس نے اس لیے چلائیں، کہ ترکی حکومت کو مذہبی طور طریقہ سے بعید ہو جائے۔ اس نے عورتوں کو باہر آنے کی آزادی دی، اور قانون، ڈاکٹری اور تعلیمات کے پیشے انکے لیے کھول دیے، اور ۲۷ء میں بینک کے نوٹوں پر اپنی تصویر چھاپ کر مذہبی حلقوں میں ناگواری بھی پیدا کردی" (لیڈر، ۲۰۔ نومبر ۴۵ء)

یہ سب کچھ موقع ہجو و ذم پر نہیں، محل داد و مدح پر ایک مداح کے قلم سے تحریر ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ان ممدوح مرد اعظم نے

(۱) ملک کی حکومت سے پہلی بار مذہب کو بے دخل کیا۔
(۲) خلافت رسول کے ادارہ کو ساڑھے تیرہ سو برس میں پہلی بار توڑا۔
(۳) مذہبی عدالتیں برخاست کردیں
(۴) مذہبی درسگاہوں کو غیر مذہبی محکمۂ تعلیمات کے ماتحت کردیا۔
(۵) خانقاہوں کو توڑ دیا۔
(۶) سنہ اسلامی کو ختم کرکے سنہ عیسوی کو رواج دیدیا۔
(۷) شرعی قانون دیوانی کے بجائے فرنگی ضابطۂ دیوانی کا نفاذ کردیا۔
(۸) شرعی قانون فوجداری کے بجائے فرنگی ضابطہ فوجداری چلا دیا۔
(۹) عورتوں کا شرعی قانون حجاب منسوخ کردیا
(۱۰) عورتوں کے داخلہ سرکاری محکموں اور پیشوں میں کرا دیئے۔
(۱۱) سودی بینک کے نوٹ ہی نہیں چلائے، بلکہ ان پر اپنی تصویر بھی چھاپ کر کئی کئی شرعی ضابطوں کی نافرمانی کی۔

کارناموں، عظیم الشان کارناموں کی اس فہرست میں سے غریب مسلمان کسی ایک کارنامہ پر بھی فخر کر سکتا ہے؟

عربی سے بے اعتنائی

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے یونیورسٹی میں عربی لینے والے طلبہ کے اعداد حسب ذیل لکھ کر بھیجے ہیں:

[illegible]	(سال اول)	میں	کل	۱	طالب علم
[illegible]	(سال دوم)	میں	"	۲	"
بی اے	(آنرز)	میں		۳	
ایم اے		میں		۵	

یعنی چھ سات سو مسلمان طلبہ کے درمیان عربی سیکھنے والے کل ۱۶ !!

صحیح ہے کہ ایک خاصی تعداد مضمون اسلامک کلچر کی طرف منتقل ہو گئی ہے، لیکن یہ اس لیے جائیں جب بھی تعداد قلیل ہی رہتی ہے —— بزرگان ملت کو کچھ اندازہ ہے کہ نئی نسل، خود فراموشی کی، اپنی ہر چیز کو بھول جانے کی منزلیں کس تیزی سے طے کر رہی ہے!

معقول روش

"آپ نے احرار کی سیڈر مولوی مظہر علی اظہر کی بہتان طرازیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے خلفائے راشدین کے متعلق اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا - اور حضرت علیؓ سے صحابۂ ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کوئی شیعہ کس طرح اور کس حجت کی بنا پر اصحاب ثلاثہ سے دل میں بغض رکھ سکتا ہے۔ آپ نے معتبر شیعہ کتب سے ثابت کیا کہ ان بزرگوں کو برا کہنے والا شیعہ نہیں رہ سکتا - آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو تو یہاں تک تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کفار کے بتوں کو بھی برا نہ کہیں، کیونکہ اسکے عوض میں تمہارے خدائے برحق کو برا کہینگے چہ جائیکہ کوئی بدبخت اصحاب ثلاثہ جیسے جلیل القدر بانیان اسلام کے خلاف لب کشائی کرے" (منشور، دہلی ۲ - نومبر ۴۵ء)

یہ مسلم لیگ (سیالکوٹ) کے جلسہ میں علانیہ مدح صحابہ کرنے والے اور اسلام سے اپنے رشتہ کی وابستگی کا کھلا ہوا ثبوت دینے والے کوئی سنی بزرگ نہیں، پنجاب کے ایک نامور شیعہ، خان صاحب شیخ کرامت علی ایم، ایل، اے ہیں! شیعیت کے بنیادی مسائل تو دوسرے ہی ہیں - البتہ عوام میں چلا ہوا سب سے زیادہ اختلافی [illegible] زیادہ اور سب سے زیادہ اشتعال انگیز مسئلہ یہی ہے - اگر لکھنؤ کے شیعہ حضرات بھی اس بارے میں ایسے ہی معقول و معتدل روش پر آ جائیں تو ٹوٹے ہوئے دل ابھی جڑ سکتے ہیں!

ایک مضمون کی تصحیح

(از جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، جامعہ عثمانیہ دکن)

مخدومی - سلام مسنون - آپ کے ایک تازہ پرچہ میں [illegible] کی کتاب [illegible] لکھتے ہوئے کوئی ابو الجلال صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ابن تیمیہ سے قبل نار تغلیط سے کوئی واقف نہ تھا - لیکن یہ لفظ سیرۃ ابن ہشام میں بھی ہے - دیکھیے باب "صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الانجیل"

(مطبوعہ یورپ) [جزو ثالث کا اختتام] جس کا متعلقہ جملہ یہ ہے "دہو بالرومیۃ البرقلیطس" - ابن ہشام کی وفات ۲۱۸ھ کی ہے - غالباً یہ تصحیح شائع کر دی جانی مناسب ہوگی - ورنہ [illegible] مفاسد ہیں۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۸)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س - (خلاصۃً) رویت ہلال کے موقع پر تقریباً ہمیشہ بڑا فتنہ ہوا کرتا ہے، اور غالب میں اکثر دو دو عیدیں ہوتی ہیں۔ حال میں مولانا ابو الکلام نے اپنے ایک بیان میں ریڈیو کی خبر کو ہر طرح قابل اعتماد فرما دیا ہے - اسکے بعد بھی یہاں اختلافات کا سلسلہ قائم ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ پر شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیجیے تاکہ کوئی قطعی فیصلہ ہو جائے اور سارے ہندوستان میں اگر نہیں تو کم از کم اس ریاست میں تو کسی مرکزی ادارہ کے قائم ہو جانے کے بعد ایک ہی دن عید ہوا کرے۔

ج - سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ میں نہ فقیہ ہوں نہ مفتی - محض ایک عامی مسلمان ہوں - اسلیے میرا اظہار خیال کوئی فتوی نہ سمجھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا ابو الکلام کے اپنے قلم کا کوئی بیان اس باب میں میری نظر سے نہیں گزرا - انگریزی اخبارات میں انکے خیالات کا خلاصہ، وہ بھی ترجمہ ہو کر چھپا تھا - جب تک انکی اصل تحریر سامنے موجود نہ ہو - کوئی شرعی حکم اس پر نہیں دیا جا سکتا۔

اب اصل مسئلہ پر مختصر گزارشیں ملاحظہ ہوں

(۱) شریعت نے وحدت پر یقیناً زور دیا ہے - لیکن وحدت پر بھی مقدم عامۃ الناس کی سہولت کو رکھا ہے - یہ بہت اہم اور دقیق ہے لوگ اسی کو بھول جاتے ہیں - عامۃ الناس کی سہولت اسی میں ہے کہ جہاں کے لوگ جب چاند دیکھیں، یا آس پاس کے مقامات سے سُن لیں، عید کر لیں۔

دور دراز کے مقامات میں اول تو مطالع ہی میں فرق رہتا ہے کلکتہ اور بمبئی ہی کے درمیان وقت کا فرق تقریباً ایک گھنٹہ کا رہتا ہے - چہ جائیکہ لندن یا نیویارک یا ٹوکیو کے وقت کا اعتبار دہلی میں کیا جائے -

حجاز اور ہندوستان کے وقت میں پورے ۲ گھنٹے کا فرق اس لیے عالمگیر وحدت بلکہ ہندوستان گیر وحدت کا خیال بھی اس معاملہ میں بالکل غلط ہے -

(۲) پھر تار، ریڈیو، وغیرہ کی خبریں کتنی مشینوں، کتنی اہلی کی صناعیوں، کتنے قیمتی اور پیچیدہ آلات کی محتاج ہیں - ان اختلافات کا مکلف شریعت نے ہرگز اپنے کسی حکم میں بندوں کو نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ایسے اختلافات میں سخت گیری کرنا شریعت کی اصل [illegible] کے منافی ہے۔

تیسری بات یہ ہے [illegible] ریڈیو، وغیرہ میں روزانہ کتنی [illegible]

خبروں کا بھی تجربہ ہوا کرتا ہے۔ جب تک مسلمان خاص اپنے نظام کے ماتحت معتبر و ثقہ خبر دینے والوں کو مقرر کرلیں، تار اور ریڈیو کے گمنام و مجہول الحال، فاسق بلکہ اکثر کافر خبر دینے والوں کا اعتبار شریعت کے معاملات میں کیسے کیا جا سکتا ہے؟

چوتھے نمبر پر ایک اور اہم بات ہے۔ لوگ "رویت" اور "رویت پر شہادت" کو خلط مبحث کر دیتے ہیں۔ یہ دو بالکل الگ چیزیں ہیں۔ رویت کا ثبوت تو جب ہوگا جب کم از کم دو گواہ مسلم، عاقل، بالغ، ثقہ، اگر قاضی کے سامنے اپنا مشاہدہ بر شہادت بیان کریں، اور قاضی کو ان پر ہر طرح جرح کا موقع حاصل ہو۔ بغیر اسکے رویت ثابت نہ ہوگی اور اسکا تحقق تو ظاہر ہے کہ تار اور ریڈیو کیا معنی، خط کے ذریعہ سے بھی نہیں ہو سکتا — اب دوسری شے ہے اس ثابت شدہ تحقق رویت کی محض خبر یا روایت دوسرے شہر تک پہنچانا، سو اسکے لیے البتہ خاص انتظامات کے بعد تار یا ریڈیو سے کام لیا جا سکتا ہے۔

س - ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ اپنے گھر والوں سے صرف سرپرستانہ تعلق رہے۔ مالی امداد کا تعلق نہ رہے۔ بلکہ ان سے امداد طلب کرنے کی نوبت نہ آئے۔ خدا سے ہر وقت یہ دعا کرتا ہے کہ اپنے اور غیروں کا محتاج و ذلیل نہ کر۔ ہمیشہ بہ قدر ضرورت رزق عطا فرما۔

ج - یہ آخری جزو تو عین سنت کے مطابق ہے۔ بہ قدر ضرورت رزق کی اپنے اور اپنے والوں کے لیے دعا کرتے رہنا شریعت اور عقل دونوں کا منشا ہے۔

اپنے میں اتنی خودداری اور غیرت ہونا کہ بھروسہ اپنی ہی کمائی پر رہے اور دوسروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے، یہ بھی ہمت و جوانمردی کا کام ہے، اور اخلاق حسنہ میں داخل ہے۔ لیکن اس خیال کو غلو کی حد تک نہ پہونچا دے، اس کارخانۂ کائنات میں ایک کا کام دوسرے سے اٹکا ہی دیا گیا ہے، اور یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کوئی بندہ دوسرے بندوں سے سرے سے بے نیاز رہ کر اپنا کوئی سا بھی کام چلا سکے۔ اصل لحاظ بس اسکا رہے، کہ کوئی معصیت والا تعلق، اللہ کی نافرمانی کرنے والا تعلق دوسرے بندوں سے نہ ہونے پائے۔ رشوت کا، خیانت کا غصب کا تعظیم مفرط کا، منافقت کا، وقس علیٰ ہذا۔

گوشت خوری پر ایک نظر

(از غضنفر علی صاحب کنڈل واڑی علاقہ نظام دکن)

(۳)

جرمن فلسفی شوپنہار نے کہا ہے: "دنیا کی بادشاہت، خوشیوں اور لذتوں کے لیے صحت کو کھونا سب سے بڑی حماقت ہے"[۳۷]

گوشت نہ صرف اقتصادی نقصان بلکہ قومی مفاد و صحت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ زرعی ملک جہاں ۸۸ فی صدی کی گذر بسر زراعت پر ہے۔ کھاد کے بغیر کھیتی نہیں ہو سکتی۔ کسان کی غربت و مصیبت تاریخ عالم میں بے نظیر رکھتی۔ زراعتی پیداوار امریکہ وغیرہ کے مقابل ہندوستان میں عشر عشیر بھی نہیں ہوتی۔ یہاں یا وجہ بے دردی سے مویشیوں کا ذبح کیا جاتا، زمینوں کی زرخیزی گھٹنا، ناقابل تلافی نقصان نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ زرعی ملک ہونے سے قدرتاً دنیا میں سب سے زیادہ مویشیوں کی تعداد یہاں ہونا چاہیئے تھی[۳۸]۔

یہ غلط نظریہ صدیوں سے چلا آتا ہے کہ گوشت کھانا صحت کے لیے نفع بخش ہے[۳۹]۔

سنانیکا جو قدیم روم کا بڑا عالم تھا، اس نے صدا لگتی کہی ہے کہ انسان مثل ریوڑ ایک کے پیچھے ایک لکیر کے فقیر منہ اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ دنیا نوسی رسم و رواج کے پجاری اور فرسودہ طور طریق کی غلامی اختیار کرلی ہے۔ علم و عقل و تجربہ کو دلیل راہ نہ بنانے ہی کے باعث نسل انسانی گمراہی میں بھٹک کر اصلی ترقی سے محروم، مرض بے وقت کی موت، جنگ و جدال، خود غرضی اور دیگر مصائب کا شکار ہوگئی ہے[۴۰]۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں حکم خداوندی ہے، اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اسکی پیروی کرو (اور خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لو) تو کہتے ہیں نہیں ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو چلتے دیکھ رہے ہیں (افسوس انکی بے دانشی اور جہالت پر) کوئی ان سے پوچھے اگر تمہارے بڑے بوڑھے عقل سے کورے اور ہدایت سے محروم رہے ہیں تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کر دوگے (قرآن پاک[۴۱])۔

---

[۳۷] گویا کسی سلطنت سے "حماقت" نہیں دانشمندی بھی قرار دیا ہے! (صدق)

[۳۸] بہتر ہوتا کہ کسی ماہر معاشیات سے مشورہ کے بعد یہ سطریں نوک قلم ہوئی ہوتیں! (صدق) [۳۹] گویا نظریہ کی غلطی صرف "غلط نظریہ" لکھ دینے سے ثابت ہو جائیگی! (صدق) [۴۰] گویا اس شرک کی سند کے بغیر یہ حقائق نامعلوم رہتے! (صدق) [۴۱] بیت الغزل یہی آخری پرچہ ہے! گویا حکم قرآن کے اتباع میں "قربانی" ناجائز ہے! اور قرآن نے ذبح گاؤ کے اور خلیل کے عمل ذبح گوسالہ (عجل حنیذ) کے جو تذکرے کیے ہیں، اور یہ سلسلہ حج اونٹ، بھیڑ بکری، گائے کے ذبح کے جو احکام دیے ہیں

...فہرست میں حلال جانوروں کی پوری فہرست درج کر دی ہے ان سے گوشت خوری کی ممانعت ہی ثابت ہوتی ہے! (صدق)

تذئیل

(گوشت خوری طبی نقطۂ نظر سے)

(از حکیم عبد القوی بی اے فاضل الطب المجربات سکریٹری انجمن طبیہ یو پی)

انسان کے دانتوں کی ساخت اگر دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تین حصوں میں تقسیم ہیں۔ قواطع۔ یہ شمار میں آٹھ اور پتلے ہوتے ہیں۔ سامنے کی جانب ایک کے بالکل نیچے ہوتے ہیں جب کوئی غذا منہ میں جاتی ہے تو اسے کاٹنے کا کام انکا ہوتا ہے۔ انیاب (CANINE) یہ گھڑے موٹے نوکدار شکل کے ہوتے ہیں۔ ریشہ دار غذاؤں مثلاً گوشت کو چیرنا پھاڑنا اور ٹکڑے کرنا انکا کام ہے یہ قواطع سے متصل دونوں جانب ہوتے ہیں۔ تعداد میں یہ چار ہوتے ہیں۔ اضراس۔ قواطع اور انیاب کے علاوہ تمام جبڑے میں جو دانت ہوتے ہیں۔ غذا کو چبانا پیسنا انکا کام ہے۔ انکی تعداد بیس ہے۔

انیاب کی موجودگی خود اصلی دلیل ہے کہ انکی ساخت بھی اسکے گوشت خوار ہونے کی بتاتی ہے۔ انسان کی آنتیں متوسط درجہ کی ہوتی ہیں حالانکہ سبزی خوار جانوروں کی آنتیں انکے جسم سے بہت طویل ہوتی ہیں مضمون نگار کا یہ فقرہ معنی و مفہوم سے بے نیاز ہے کہ معدہ کی اندرونی سطح ہوتی ہے۔ ایک سمجھ بھی جاتا ہے کہ معدہ اور آنت دو متصل اور بالکل مختلف اعضاء کے نام ہیں۔ غذا معدہ میں ہضم ہونے کے بعد آنتوں کی طرف مزید ہضم کے لئے جاتی ہے۔ فضلہ معدہ میں جمع نہیں ہوتا جیسا کہ مضمون نگار نے فرض کر لیا ہے۔ انسانی آنتوں کا متوسط جسامت کا ہونا تیسری طبعی دلیل انسان کے گوشت خور ہونے کی ہوئی۔ خود معدہ کی ساخت اگر علم تشریح میں کسی کتاب میں دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی معدہ کی ساخت، گوشت خور اور سبزی خور حیوانوں کے معدہ کے بین بین ہے سبزی خوروں کا معدہ متعدد پیچ دار تھیلیوں سے بنا ہوتا ہے اور گوشت خوروں کا معدہ سیدھی سادی تھیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ انسان کے معدہ کی ساخت بتاتی ہے کہ اسکی غذا مخلوط یعنی گوشت و سبزی سے مرکب ہوتی ہے۔ قدرت نے جسم کا کوئی حصہ بھی بیکار و بے مصرف نہیں بنایا ہے، اس لیے گوشت خوار جانوروں سے انسانی معدہ، آنتوں اور دانتوں کی اور جبڑوں کی مشابہت سب دلائل و شواہد اسکے ہیں، کہ گوشت خوری انسان کے لیے بالکل فطری ہے۔

گوشت خوری کے جو نقصانات مضمون نگار نے ادھر ادھر سے نقل کیے ہیں وہ نفس گوشت خوری کے نہیں بلکہ اس میں بے اعتدالی کے ہیں۔ بے اعتدالی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ دودھ میں اتنے فائدے ہیں، لیکن اسکے زیادہ استعمال اور بعد میں صاف نہ کرنے سے دانت بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ اس سے نفس دودھ کے استعمال کو مضر و مذموم نہیں کہا جا سکتا

یہ کہنا کہ عہد قدیم میں انسان گوشت خوار نہ تھا انتہا درجہ بے ثبوت ہے، بلکہ شہادتیں تو اس کی موجود ہیں کہ بہت قدیم زمانہ میں انسان جانوروں کا گوشت آگ پر پکائے بغیر کچا ہی کھا جاتا تھا۔ عرصہ ہوا کہ ایک مشہور ہندو محقق و صاحب فن ڈاکٹر راجیندر لال مترا کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوا تھا اس میں انھوں نے سبزی خوری کے مرکز اور گوشت خوری کے انتہائی نفرت کرنے والے قدیم "ہندو ہندوستان" میں گوشت خوری اور صرف گوشت خوری ہی نہیں، بلکہ بھس کے گوشت کھانے کا عام رواج تاریخی حوالوں اور مذہبی نوشتوں سے ثابت کیا تھا۔

بعض ماہرین علم غذا کا یہ دعوے کہ ہم بغیر گوشت و مچھلی کے بھی صحت قائم رکھ سکتے ہیں، گوشت خوری کے مضر صحت ہونے کے بارے میں بطور استدلال استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ گوشت خوری لازمہ حیات نہیں۔

عرب کے باشندوں کو محض کھجور اور ترکاری پر بسر کرنے والا کہنے کی جسارت حیرت انگیز ہے۔ وہ قوم جسکے شعر ملنے اونٹ اور دوسرے جانوروں کے گوشت کی تعریف میں ہزارہا اشعار کہہ ڈالے ہوں اور جہاں ضیافت کے موقع پر اونٹوں کی کثیر تعداد فخریہ ذبح کی جاتی ہو۔ اور جسکے لغت میں گوشت اور مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت کے لیے ایک دو نہیں درجنوں الفاظ موجود ہوں اسکو تارک لحم قرار دینا کتنی بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور پھر جو شخص حجاز کے جغرافیہ سے اور اسکے بیشتر حصہ کے بے آب و گیاہ ہونے سے واقف ہے، وہ کس طرح وہاں ترکاریوں کی اتنی پیداوار مان سکتا ہے کہ اس پر وہاں کے باشندے گزر کر سکیں۔

اسی طرح یہ دعوے کہ جو جانور گوشت خور ہیں انکی عمریں سبزی خور جانوروں کے مقابلہ میں ہوتی ہیں، صحیح نہیں۔ گدھ گوشت خوار جانور ہے۔ اسکی عمر یقیناً ہاتھی سے (جسکو مضمون نگار نے درازی عمر کی مثال میں پیش کیا ہے) زیادہ ہوتی ہے۔ اور پھر محض عمر کی زیادتی کو دلیل فضیلت کس قاعدہ سے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ دوسرے صفات بھی اسکے ساتھ دیکھنے چاہیے مثلاً شجاعت، ہمت، قوت، وغیرہ جس درجہ گوشت خوار جانوروں میں ہوتی ہیں، کیا اسکا عشر عشیر بھی سبزی خور جانور پیش کر سکتے ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک کی آب و ہوا پر اگر نظر ڈالی جائے تو فوراً نظر آ جائیگا کہ سرد ممالک کے باشندے بغیر گوشت کے بسر کر ہی نہیں سکتے۔

طب یونانی میں جید الغذا اغذیہ کی فہرست میں گوشت و انڈے کو خاص طور پر شامل کیا گیا ہے۔

تعلیم اسلامی زاویۂ نگاہ سے

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے)

ہمارے موجودہ مدارس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مذہبی تعلیم کو وہ مقام دیا جائے جسکی وہ مستحق ہے۔ اب کیا حالت ہے؟ اسکا تذکرہ ہمارے مدرسین کے لیے بیجا طور پر وجہ شکایت ہوگا تاہم اس سے اعراض کرکے ہم اس امر پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں تبدیلی کرکے کس حالت میں لانا چاہیے۔

مدارس اسلامیہ میں خدا کے فضل سے جملہ مدرسین مسلمان ہوتے ہیں اور طلبہ بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان مدرسین اپنے آقا یان ولی نعمت کے نقطۂ نگاہ میں کمل تبدیلی کا انتظار کریں۔ ہمارے خیال میں وہ اپنے محدود دائرے میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں جب تک وہ محض اس وجہ سے خاموش رہتے ہیں کہ انکے آقا یان ولی نعمت انکی رہنمائی نہیں کرتے۔ مدرسین کی تمام مشکلات کو سامنے رکھ کر بھی حتمی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مدرسین اپنے ان فرائض سے قطعاً غافل رہتے ہیں جو اُن پر خدا اور رسول کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسین صاحبان اپنے فرائض کو پوری طرح محسوس کریں اور انکی بجاآوری کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔

اگر مدرسین صاحبان اپنے زاویۂ نگاہ میں تبدیلی کرلیں تو وہ مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھیں

جس رات وہ اپنی تبدیلی کریں اس سے اگلے روز وہ اپنی جماعت میں جائیں تو اپنے آپ کو تلامذہ کے سامنے مسلمان کی حیثیت سے پیش کریں اور اُن سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمان شاگرد بن کر رہیں۔ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ہمیں کافی کوشش کرنی پڑیگی لیکن آخر کس چیز کے لیے کوشش نہیں کرنی پڑتی؟ اسکے بعد وہ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں اپنے تلامذہ کے دلوں میں اسلام اور اسلامیت کی محبت پیدا کرنی ہے اور مسلمان ہونے پر دلوں پر فخر پیدا کرنا ہے۔ وہ اپنے مضامین کی تعلیم و تدریس کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے پیش کریں اور اسی نقطۂ نگاہ سے اپنے طلبہ کے ذہن نشین کریں۔

مدارس اسلامیہ میں آجکل جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں وہ عموماً حسب ذیل ہیں:—

(۱) انگریزی (۲) ریاضی (۳) تاریخ (۴) جغرافیہ (۵) اُردو (۶) فارسی (۷) عربی (۸) ڈرائنگ (۹) طبیعات (۱۰) کیمیا (۱۱) وظائف الاعضا (۱۲) ڈرل

ہر ایک مدرس جو سبق دے وہ یہ سمجھ کر دے کہ میں اس مضمون کے ذریعہ سے معلومات علمیہ بہم پہنچانے کے علاوہ حساب کے قواعد سکھاتے وقت انھیں ہدایت کرے۔ مثلاً جب آپ شرح سود کے سوالات حل کرتے ہیں تو انھیں بتلائے کہ یہ چیز شرعاً حرام ہے۔ سود لینا شرعاً حرام ہے۔ ان سوالوں کو حل کرانے سے مقصود یہ نہیں کہ تم سود دینا سیکھو بلکہ یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی غریب شخص اس لعنت میں پھنسا ہو تو اسے کس طرح بنیے کے فریب ظلم سے بچا سکتے ہو۔

الجبرے کی تعلیم دیتے وقت بتلائے کہ یہ علم کس حد تک مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اسکی ترقی میں مسلمانوں نے کیا کیا کیا۔ اور مسلمانوں کی تصانیف کا تذکرہ کرے جو اس فن میں موجود ہیں۔

اقلیدس کی تعلیم کے ذیل میں بھی اشکال ہندسیہ کے مسلمان علماء کے حل پیش کرے اور دکھائے کہ اُنھوں نے اس فن میں کس قدر ترقی کی تھی اور اس نے کس قدر اعلیٰ کام لیے تھے۔

تاریخ ۔ یہ سراسر اسلامی علم ہے۔ مدرس بتلائے کہ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اسکے شرف روایتی اعتبار سے نہایت بلند مقام صداقت تک پہونچا دیا بلکہ اس سے وہ وہ فلسفیانہ موشگافیاں کیں کہ اہل یورپ اب تک اُن کے خوشہ چیں ہیں۔ تاریخ ہند کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے ادوار بھی پیش نظر رکھے اور ساتھ ساتھ بتاتا جائے کہ جن دنوں ہندوستان میں غلجی خاندان حکمران تھا۔ بغداد، قرطبہ اور دیگر ممالک اسلامیہ کا کیا حال تھا تاکہ مسلمان بچے کا ذہن وسیع ہو جائے اور وہ سمجھے کہ میں ایک طویل شاندار ماضی کا جزو ہوں جسے مستقبل پر پورا حق صرف تر ماندار ہو سکے۔

جغرافیہ ۔ اس مضمون کا مدرس جس ملک کا حال پڑھانا شروع کرے پہلے بتائے کہ مسلمان اس ملک میں کب آئے اور کیسے آئے اور اب انکی کیا حالت ہے اور ان ممالک کے چیدہ برگزیدہ مسلمانوں کے حالات بھی سنائے اور بتائے کہ تاریخ اور جغرافیہ کا گہرا اسلامی تعلق پیدا ہو جائے اور مسلمان بچے یہ سمجھنے لگیں کہ وہ جہاں ہیں وہاں اتفاقاً نہیں آگئے ہیں۔

اُردو ۔ اس مضمون کا مدرس اُردو الفاظ کی تاریخ بیان کرکے اسلامی اثرات کا کھوج بتا سکتا ہے اور دکھا سکتا ہے کہ اُردو محاورے کہاں تک اسلامی تہذیب کے رہین منت ہیں۔ پھر جن محاوروں پر ہندوانہ اثر ہوا اُنکے اثرات کو زائل کرنا بھی اُردو کے مدرس کا کام ہے۔

فارسی و عربی ان مضامین کی تعلیم کو اسلامی تعلیم کا کس قدر موثر جزو بنایا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ اُردو کی طرح ان مضامین کو بھی اسلامی خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنانا چنداں مشکل نہیں۔ صرف مدرس کے نقطۂ نگاہ کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ڈرائنگ ۔ اس مضمون کا مدرس اسے بھی اسلامی رنگ دے سکتا ہے۔ مثلاً خط مستقیم اور خط منحنی کی تعلیم دیتے ہوئے دکھائے کہ الصراط المستقیم کے کیا معنی ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان جو راستہ ہے وہ منحنی ہے یا مستقیم اور کیوں؟ اقلیدسی شکلیں کس حد تک مسلمانوں کی مساعی کی رہین منت ہیں۔ اور رنگ آمیزی میں مسلمان مصورین اور

...کی کیا کیا کمالات دکھلائے ہیں۔ دہلی۔ آگرہ۔ مالوہ۔ اردون۔ قیروان۔ مراکش اور قرطبہ کے اسلامی فنون کے نمونے دکھا کر مسلمان طلبہ کے دلوں میں بٹھانے اور دکھلانے کہ یورپ کا فن تعمیر کس قدر اسلامی فن تعمیر کا مرہون احسان ہے اور یہ کہ جس زمانہ میں مسلمان ترقی پر تھے مغربی کا کیسا بُرا احال تھا۔

طبیعیات اور کیمیا۔ ان علوم کا درس اسلامی تحقیقات کو پیش نظر رکھ کر طلبہ کے سامنے پھیلا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ یہ علوم ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسلام سے دور رکھنے جاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ اسلام کی تعلیم دینے والے علوم کوئی نہیں ہیں۔ اگر قرآن خدائے حکیم کا کلام ہے تو علوم طبیعیہ اسکے کام کا مظہر ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی ہو، اور جو حکیم ہے "لم تقولون ما لا تفعلون" وہ اپنے کلام میں کچھ کہے اور اپنے کارخانۂ قدرت میں کچھ کا کچھ کر کے دکھلائے۔ اگر قرآن پاک کی صحت کی ایک دلیل یہ ہے کہ "لو کان فیہا اختلافا کثیرا" تو یہ ناممکن ہے کہ خدا کے کلام اور اسکے فعل میں کسی قسم کا تفاوت پایا جائے۔ اس نے تو بار بار غور و فکر دی ہے اور متوجہ کیا ہے اسکی حکمت کی نشانیاں "فی الآفاق و فی انفسکم" موجود ہیں۔ الغرض ان علوم کا درس اسلامی نقطۂ نگاہ سے بتا سکتا ہے کہ مادہ کا خالق خدا ہے جیسا کہ آجکل کے علماء حکمیات نے تسلیم کر لیا ہے اور یہ کہ مادہ غیر فانی نہیں، جیسا کہ گزشتہ صدی کے حکماء نے بیان کیا ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے تقطیر، تصعید اور تیزاب سازی وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا۔

علم وظائف الاعضاء۔ اس علم کا درس اسلامی اطباء کی اطبا و تحقیقات بھی درس میں پیش کرے اور ساتھ ہی قرآن مجید میں جن حقائق علمیہ کا تذکرہ ہے اور تحقیق کے جن نازک مراحل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انکی طرف بھی طلبہ کی توجہ دلائے اور دکھلائے کہ یہ علم قرآنی آیات کی کہاں تک مؤید ہے۔ اور جہاں اختلافات نظر آئے وہاں قرآنی آیات کی صحت کا ثبوت دے اور مغربی تحقیقات کی تغلیط کرے۔

ڈرل۔ اگر چہ بظاہر "یہ مضمون" اسلامیات لیکن حقیقت میں اسکا اسلامی زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ۶-۷ سال تک ڈرل کرنے کے بعد بھی طلبہ مسجدوں میں اپنی صفیں سیدھی نہیں کر سکتے اور وہ انھیں مسجدوں سے باہر ٹیم ورک کر سکتے ہیں مسلمان کی ماشر اپنے مسلمان تلامذہ کی صحت کا ذمہ دار ہے۔ دیگر اساتذۂ مدرسہ کی مدد سے انکو وہ چیزیں سکھائے جو قومی تحفظ کی کفیل ہوں (زمزم)

(بقیہ صفحہ)

...نفس کا کوئی فقرہ کہیں منقول نہیں۔ لیکن حقیقۃ ان سے بڑھ کر نفسیات کا ماہر کون ہوا ہے؟

...سلمان مریض کے سامنے اس گندہ خیالی کو "شیطانی وسوسہ" سے تعبیر کرنا ...حقیقت اسکے صحیح عقیدۂ عصمت ہی کو توی و پُر زور بنا دیتا، اور لاشعوری کی مدد سے اُسکے شعوری عقیدہ کو خوب مضبوط کر دیتا ہے، اسی طرح زبان سے اسکا آں حضرتؐ کے فضائل و مناقب بیان کرتے رہنا خود آنزی (AUTO-SUGGESTION) جنکی اعلیٰ شکل ہے، اور کھوئی ہوئی خود اعتمادی کے واپس آنے کے بہترین نسخہ۔

یہاں تو خود ایک زمانہ میں فرائڈ (FREUD) یونگ (YOUNG) وغیرہ اور انکے سارے اسکولوں سے غافل رہ چکا ہے اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ انھیں لوگوں کی "تحقیقات" کا کیا جا چکا ہے۔ بحمداللہ جب اپنے ہاں کی چیزوں پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ اصلی حکمت تو ہمارے ہی ہاں ہے۔ یہ لوگ بیچارے محض سطحیات کے پھیر میں پڑے ہوئے صرف چند سطحی حقیقتوں سے واقف ہیں، اور دینی علاج نفسیاتی علاج سے الگ دیکھا نہیں، اس اعلیٰ قسم کا علاج ہے ہر مرض کے حشو و زوائد سے پاک۔ مراسلہ نگار انشاءاللہ ہر طرح ہونہار اور صالح الاستعداد ہیں، ان شاء اللہ ایک دن خود اس مقام پر پہونچ جائیں گے۔

حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی نے ایک مرتبہ اقبالؒ کو آج سے کوئی ۳۰ سال قبل ایک خط میں لکھا کہ "ماجد صاحب تو ہر وقت برگسان (فرنچ فلسفی) کی جیب میں رہا کرتے ہیں"۔ اقبالؒ نے برجستہ جواب میں لکھا کہ "عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ جیب برگسان انکی جیب میں رہا کریگا" خدا کرے کہ مراسلہ نگار ایسے ہونہار، مغربی علوم کے عالم و تعلیم یافتہ مسلمانوں کے حق میں بھی یہ پیشگوئی پوری ہو۔

ایک شیعہ پمفلٹ سے

افسوس ہے کہ آج کچھ ایسی جماعتیں اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں جو کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن درحقیقت مسلم لیگ کو زک پہونچانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ یہ جماعتیں مختلف عنوانوں سے مسلم لیگ پر حملہ کرتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے مسلم لیگ اسلام دشمن جماعت ہے تو کوئی سنیوں سے کہتی ہے کہ شیعہ رافضی ہیں انھیں جمہور اسلام سے الگ کرو۔ کوئی شیعوں سے کہتی ہے کہ تم کو رافضی کہا جاتا ہے لہٰذا تم جمہور اسلام سے الگ ہو جاؤ۔ بہر صورت یہ سب ایک ہی مداری کے مختلف کھیل ہیں جب تماشہ ختم ہو جائیگا سب ایک ہی پٹارے میں بند کر دیے جائیں گے۔

جائز مطالبات:۔ شیعیان ہند کے کچھ جائز مطالبات ہیں اور کچھ شکایات جنکے حصول کیلیے ہم جد و جہد کر رہے ہیں اور تا حصول تقاضا کرتے رہینگے لیکن اب جبکہ خود جمہور اسلام خطرہ میں ہے۔ ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ایسا ہرگز نہ ہونے دینگے جس سے یہ نتیجہ ہو کہ وہ شاخ ہی نہ رہے جس پہ آشیانہ تھا۔ اگر مسلم لیگ جو جمہور اسلام کا سب سے مستحکم محاذ ہے۔ کانگریس کے مقابلہ میں فنا ہو گیا تو شیعہ جو کہ اسی جمہور کے ایک رکن ہیں کب باقی رہ جائینگے لہذا ہم اپنے حقوق کے حصول کی جد و جہد کے ساتھ ساتھ جمہور اسلام کو مستحکم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر آپ ہندوستان میں بحیثیت مسلمان عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اس نازک وقت میں مسلم لیگ کا ساتھ دے کر

نفسیاتی علاج

(از: سید ... احسن ہاشمی صاحب ہاشمی ایم اے پی ایچ ڈی، استاد اردو لکھنؤ یونیورسٹی)

آج اتفاق سے ۱۵۔ ستمبر کا صدق نظر سے گزرا۔ اتفاق سے اس لیے کہ صدق ابھی تک آ سکا باقاعدہ خریدار نہیں ہو سکا ہوں۔ "مشورے اور گزارشیں" نمبر ۲۴ کے تحت پہلا سوال ایک صاحب کا ہے جس میں اُن صاحب کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات اقدس کے متعلق طرح طرح کے وسوسے پریشان کر رہے ہیں۔ آپ نے اسکا علاج بھی بتلایا ہے کہ شیطانی وسوسوں کی طرف سے کامل بے التفاتی برتی جائے نیز حضرت صدیقہ کے ام المومنین ہونے کا تصور دل میں پوری طرح جمایا جائے اور آپ کے فضائل اور مناقب پڑھ پڑھ کر انہیں اپنی زبان سے بھی ادا کیا جائے

محض یہ علاج کامیاب نہ ہوگا۔ کیونکہ اصل مرض کی بنیاد کچھ اور ہے۔ مریض کو حضرت صدیقہ کے تقدس کا پورا یقین ہے (جیسا کہ درج سوال ہے)۔ اس لیے محض اسکی تکرار چنداں سودمند نہیں ہوگی۔ یہ واقعہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کسی کو بخار ہو جائے اور معالج محض بخار کا علاج کرے، اور یہ نہ دیکھے کہ بخار کس وجہ سے ہے اور کس نوعیت کا ہے۔ یہ محض شیطانی وسوسہ نہیں ہے بلکہ ایک نفسیاتی مرض ہے جس میں مریض کی خود اعتمادی پہلے ہی ختم ہو گئی ہے اور اسی لیے وحشت اسکے بعد جنون کا حملہ ہو جانا اغلب ہے۔ بالکل ایک ایسا ہی واقعہ علی گڑھ میں میرے زمانہ میں ہوا تھا۔ ایک ذہین لڑکے کو حضرت علی اور پیغمبر مسلم ... کے تعلقات کے متعلق شیطانی وسوسے پریشان کرنے لگے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے سمجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن نہ کر سکا[1]۔ آخر کار ریل کی پٹری پر اپنا وحشی دماغ رکھ دیا۔ تاکہ اس کشمکش ذہنی سے نجات پائے۔ چنانچہ ریل نے اسکو اس وحشت سے نجات دلائی۔ ایسے واقعے بہت ہوتے رہتے ہیں۔

چونکہ میرا محبوب موضوع ایک زمانہ میں 'جنون' رہا ہے اور اسکے علاج سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ اسی لیے ... اس کی نوعیت سمجھتا ہوں۔ دینی علاج کے ساتھ اس مریض کا نفسیاتی تجزیہ بھی کرنا ہوگا۔ اور وہ اس طرح کہ کسی قسم کا جواب دینے سے پہلے خود اُس سے چند سوالات اور پوچھے جائیں اور وہ سوالات اس قسم کے ہونگے۔

۱۔ کیا مریض مجرد کامل ہے؟

۲۔ کیا اُسکو کسی سے سخت محبت ہے؟ اگر ہے تو کیا اپنے محبوب کی عصمت کے بارے میں کچھ افواہیں سُنی ہیں؟

۳۔ کیا اُسکے عزیز قریب بیوی (اگر ہو) ماں، بہن یا کسی دوسرے عزیز یا دوست کی عصمت کے متعلق کچھ افواہیں سُنی ہیں؟

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا تصور شاید اُسکے ذہن میں ... اسی قسم کی کوئی عورت اُس نے دیکھی ہو اور اس عورت کے متعلق اسے یا لوگوں کو کسی قسم کا شبہہ رہا ہے؟

جواب یا علاج جو کچھ اسکا ہوگا ان سوالات یا انہیں جیسے سوالات کے جوابات پر ہوگا۔ دراصل مریض کا مرض محض شیطانی ... نہیں ہے بلکہ اسکے دل میں اس طرح گھر کر گیا ہے کہ اسکی قوت ارادی اس شبہہ کے مقابلہ میں کمزور پڑ گئی۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب شبہے عقلی نہ ہوں بلکہ محض ذہنی۔ اور اب سوائے جنون ہو جانے کے اور کوئی صورت اسکی نہ ہوگی۔ اور لطف یہ کہ شبہہ اصلی نہیں ہے کیونکہ اسکا دماغ پوری طرح حضرت صدیقہ کے تقدس کا قائل ہے بلکہ دراصل اسکے تحت شعور میں واقعات کچھ اور ہیں جن کا اسکا اصلی شعور سامنا نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلی الجھن یا کشمکش روپ بدل کر دوسری صورت میں اسکو پریشان کرنے کے لیے جلوہ گر ہوتی ہے اور دوسری صورت یا مصنوعی صورت یہ شک و شبہہ ہے جو اسکے دل و دماغ میں حضرت عائشہؓ کے متعلق فرضی طور پر جاگزیں ہو گئی ہے۔ اگر اصلی مرض یعنی اصلی کشمکش کی نشاندہی کی جائے اور اسکا اصلی مرض پکڑ لیا جائے تو پھر علاج بیحد آسان ہو جائیگا اور یہ مرض خود بخود دور ہو جائیگا۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس سے قبل اس قسم کے کتنے مریضوں نے آپ سے رجوع کیا اور کہاں تک وہ صحتیاب ہوئے۔ لیکن اگر آپ دینی علاج کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا طریقہ (تحلیل نفسیاتی) بھی اختیار فرمائینگے تو مریض کو شفا کلی نصیب ہوگی۔ آپ کا بتایا ہوا طریقہ مفید ضرور ہے لیکن اُس وقت تک جبکہ آدمی اپنی خود اعتمادی کھو نہ چکا ہو لیکن یہاں مرض غیر معمولی (ABNORMAL) ہو گیا ہے۔ اس میں آپ کو اپنے فلسفہ سے بھی کام لینا ہوگا۔ ایک زمانہ میں میرا ارادہ تھا کہ اس قسم کے نفسیاتی امراض کے علاج کے لیے کسی طرح ایک باقاعدہ ادارہ کھولا جائے جس میں جدید نفسیاتی اصول اور دینی اصول دونوں سے فائدہ اٹھا کر علاج کیا جایا کرے لیکن میں خود اپنے جسم کا اتنا مریض رہتا ہوں کہ یہ سب ارادے خواب و خیال ہو کر رہ گئے ہیں۔

صدق ۔ مشوروں کا شکریہ۔ لیکن حقایق علوم اور ہیں اور مصطلحات علوم اور۔ جتنی باتیں اس مراسلہ میں بیان کی گئی ہیں، بحمد اللہ ان سب کا لحاظ صدق کے اُس مشورہ میں رکھ لیا گیا تھا، اصطلاحی اور فنی بحثوں کو لائے ہوئے بغیر اور مریض کو غیر ضروری ... میں ڈالے بغیر۔ لکھنؤ یونیورسٹی کالج کے ہمارے اُستاد فلسفہ (... پروفیسر) ڈاکٹر ... کہا کرتے تھے کہ شیکسپیئر نے نفسیات پر کوئی کتاب یا مقالہ نہیں لکھا۔ لیکن سب سے بڑا ماہر نفسیات نفس بشری کا وہ ہوا ہے ... ہمارے شیخ سعدی ...

---

[1] اصل غلطی اُس بیچارے سے یہی ہوئی کہ اپنی ذاتی کوششوں کو اس باب میں کافی سمجھا۔ (صدق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible] صدق [illegible] | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

صدق

مدیر [illegible] عبدالماجد دریابادی

[illegible] عبدالقوی بی اے

[illegible] ادیب کے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:- محمد عبدالروف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد ملیس گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی [illegible]
بیرون ہند [illegible]
قیمت فی پرچہ ۲ ر

جلد ۱۱	یوم سہ شنبہ ۷۔ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۳۔ نومبر ۱۹۴۵ء	نمبر ۵۲

سچی باتیں

سی، ای، جوڈ JOAD اس وقت برطانیہ کے ممتاز [illegible] میں [illegible] کی صف میں ہیں۔ حال میں اُنکی ایک کتاب نظر سے گزری۔ نام ہے (COUNTER ATTACK FROM THE EAST) مشرق کا جوابی [illegible]۔ برطانیہ میں اُنکی ہر تحریر وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور برطانیہ کی سنجیدہ رائے عامہ کے بڑے رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔ "مشرق" سے اُنکی مراد، کتاب کے مطالعہ سے [illegible] ہندوستان ہے۔ اور ہندوستان کی نمایندگی بھی [illegible] نے ایک [illegible] واحد میں محدود کردی ہے۔ وہ سر رادھا کرشنن ہیں بنارس ہندو یونیورسٹی کے چانسلر ہندوستان کے مشہور فلسفی، لنڈن، آکسفورڈ وغیرہ میں لکچر دیتے [illegible] کا [illegible] ہوئے۔ موصوف کی عظمت و شہرت سے کسی کو انکار ہے۔ برسہا برس سے ایمان فرنگ انکا لوہا مانے ہوئے ہیں۔ اور اب جوڈ جیسے نامور و ممتاز اہل قلم نے اُنکے فلسفہ پر نقد کر کے اُنکی عظمت کو اور کئی گنا بڑھا دیا ہے۔ کوئی مسلمان اتنا خوش نصیب کہاں ہو سکتا تھا۔

کتاب فلسفہ کے ساتھ ساتھ فلسفی کا بھی تعارف کرائی گئی ہے۔ [illegible] کام کی چیز صدق کی ہماری کے لیے مل گئی۔ سر رادھا کرشنن کی [illegible] کے [illegible] کھانے پر [illegible] کے علاوہ [illegible] ایک ماہر سائنس [illegible] اور سائنس [illegible]

مغرب کے [illegible] مسائل پر زور شور سے گفتگو جاری رہی اور سب بولتے رہے، مہمان سب سے کم بولا۔ اُس نے لذیذ نفیس کھانے گو نہ چھوئے تک نہیں۔ صرف پانی پیا۔ وہ بہترین بولنے والا ہے، باوجود اسکے بہت کم بولا۔ زیادہ تر سنتا ہی رہا، جب کبھی کچھ کہا، تو کام ہی کی بات کہی۔ حاضرین میں سب سے زیادہ اسکی [illegible] کرنے دیجیے۔۔۔

"۔۔۔ غرض یہ اثر پڑا رادھا کرشنن کا مغربی ذہنیت پر۔ وہ اپنے اوپر حاکم ہے۔ وہ یقین و اعتماد رکھتا ہے۔ وہ پورے سکون قلب کے ساتھ خود بینی اور ذلت نفس کے درمیان بداہ اعتدال پر قائم ہے۔ [illegible] سب کے باوجود وہ ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اپنی ہندیت سے دست بردار نہیں ہوتا" (ص ۲۳)

اسی ایک خط کشیدہ فقرے کی خاطر یہ سارا طویل نقل گوارا کی گئی ہے ــــ فرنگستان جسکی عظمت کررہا ہے، اسکی عظمت کا راز بھی آپنے فرنگیوں ہی کی زبان سے پالیا؟ یہ کہ وہ مہاتما ہندو ہے چوبیسوں گھنٹے ہندو ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں ہندو ہے، فرنگیوں کے مجمع میں بھی بے دھڑک اور بے جھجک ہندو ہے! (فرنگی دماغ میں "ہندو" اور "ہندی" کے درمیان فرق برائے نام ہی ہے) ــــ
کاش آپ بھی کسی ترکی اور ادبی شخصیت سے متعلق بھی یہی چوبیسوں گھنٹے مسلمان بنے رہنے کا تاثر اغیار سے لیکر اُٹھتے!

کتبہ مصلوبیت مسیح

مصلوبیت حضرت مسیح سے متعلق جو کتبہ حال میں [illegible] سے برآمد ہوا ہے اسکا ذکر اور اسپر تبصرہ ایک مرتبہ پچھلے نمبر میں نکل چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو چکا ہے

کہ کتبہ کی زبان کا یونانی ہونا خود کتبہ کی صحت کو مشکوک بنا رہا ہے
اب برطانوی مدرسہ اثریات کے صدر فریڈرک کینین (KENYON)
کی تنقید اسی کتبہ کے مضمون سے متعلق حسب ذیل شائع ہوئی ہے:۔
"کتبہ کے مضمون کا ناقص الفاظ سے شروع ہونا خود اس کی دلیل ہے
کہ کتبہ کا تعلق مصلوبیت مسیح سے نہیں ہو سکتا۔ مسیح کا تو صعود آسمان کی طرف
ہو چکا تھا۔ اور یہ صعود کا واقعہ عیسائی نقطۂ نظر سے تا حشر مسرت کی چیز تھی
نہ کہ ماتم کی" (ٹائمز۔ ۲۹۔ نومبر ۱۹۴۵ء)

مسیحیت کا وہ عقیدہ یاد کر لیجیے کہ مسیح کی نعش جمعہ کی شام کو سولی سے
اتار کر دفن کی گئی تھی، اور آپ اتوار کو اپنے جسد ظاہری کے ساتھ آسمان
کی طرف اٹھ گئے۔ اور آپ کی بجز عرش الٰہی پر داہنی طرف ہے۔ تو یہ واقعہ
صعود مسیحیت کی جان اور مسیحیوں کے لیے انتہائی فخر و مسرت کا باعث ہے۔

ایک قرآنی لفظ

مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب شمس آباد
سے لکھتے ہیں۔

امام راغبؒ نے اپنی کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ میں یہ بات
بہت خوب لکھی ہے کہ آیۂ کریمہ ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم
الکتاب والمیزان میں میزان سے مراد وہ علوم ہیں جن سے کتاب کی عبارت
اور معانی کی وضاحت ہوتی ہو۔
آیت سورۃ الحدید (پ ۲۷) کی ہے۔ الکتاب کی تفسیر تو امام رازیؒ
وغیرہ نے یہ لکھا ہی ہے کہ ایسی کتاب جو دلائل و بینات پر مشتمل ہے۔ اور
بینات سے تو پہلے ذکر سے یہ معنی لگتے بھلے ہی تھے۔ اس سیاق میں اگر
میزان سے یہی مراد لی جائے کہ ان دلائل قرآنی کو واضح و روشن کرنے والے
علوم تو کچھ بیجا تو نہیں۔ بات بہت لگتی ہوئی ہے۔ میزان کے لفظی معنی
(ترازو یا آلۂ وزن) سے ہٹ کر عدل و قسط کے معنی تو یہاں اور مفسرین نے
بھی لیے ہیں۔

چند خوشگوار آوازیں

"میں اپنے سنی دوستوں کو اطمینان
دلانا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں سب خلفاء کی عزت ہے۔ البتہ علی علیہ
السلام کو افضل جانتا ہوں"
یہ شیعہ و سنی کے کسی مخلوط جلسہ میں نہیں، خالص شیعہ جلسہ یعنی
آل پارٹیز شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے اجلاس میں شیعہ پلیٹ فارم سے ایک
نہیں، ایک سے زائد تعلیم یافتہ وکیل صاحبوں ("بعض وکلاء") نے فرمایا
(سرفراز۔ لکھنؤ۔ ۷۔ نومبر ۱۹۴۵ء)

سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پنجاب کے ایک
مقتدر شیعہ ایم۔ ایل۔ اے نے "افضلیت کا سوال ہی ختم کر دیا۔ اور خلفاء
اربعہ کو ہم مرتبہ کہتے ہوئے سب سے اپنی گہری عقیدت کا اعلان کیا" (ایضاً)
ایک شیعہ عالم (بعض عبا بردوش مدعیان علم) نے اخبار شیعہ (لاہور)
یکم نومبر میں مضمون زیر عنوان "پیغام شریعت" میں لکھا ہے، کہ
"امام حسینؑ نے یزید ایسے دشمن کو پیغام دلوایا تھا کہ سرحد اسلامی پر
آپ جاکر کفار سے جہاد فرمائیں گے اور حدود سلطنت یزید کی حفاظت کریں گے۔"
(ایضاً)

ان خوشگوار آوازوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ شیعوں سنیوں میں وہ
اجنبیت، بیگانگی اور ناگواری باقی رہ سکتی ہے، جس کا گھٹانا اور مٹانا ہر
اتحاد و اسلامی کے معتقد کا اولین فرض ہونا چاہیے۔

سکھ صاحبوں سے

اخبارات میں خبر گشت لگا رہی ہے کہ
لکھنؤ یونیورسٹی کی ایک مشہور سکھ طالبہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے ختم کے بعد ایک
نیشنلسٹ مسلمان (ہندوستان ٹائمس کے وقائع نگار لکھنؤ) کے عقد نکاح
میں اور آغوش اسلام میں آگئی ہے۔ اس پر سکھ حلقوں میں بڑی ناگواری
اور برہمی پھیلی ہوئی ہے، اور سکھ رہنما کانفرنس بنا مذہبی جلسہ کر کے
اس پر غور کیا ہے کہ آئندہ ایسے واقعات کا کیسے سد باب کیا جائے۔
سکھ قوم ایک موحد قوم ہے اور اسی لیے مسلمانوں سے قریب ترین
رشتہ رکھتی ہے۔ اسکے بانی گرو نانک جی کی تعلیمات توحید و معرفت سے
لبریز ہیں اور بڑی حد تک بالکل مسلمان درویشوں اور عارفوں کی سی۔ اگر سچ
سکھ سردار اگر کسی مسلمان کا مخلصانہ مشورہ سننے اور قبول کرنے میں ہچکی
ہچکچاہٹ نہ محسوس کریں، تو ان سے عرض ہے کہ ایک شریف کے ساتھ نکاح
ہو جانا تو بہرصورت ایک شریفانہ فعل ہے۔ اصل ناگواری کی اس پر
نہیں، بلکہ کالج کی لڑکیوں کی عام طرز زندگی پر ہونا چاہیے۔ کالج کی لڑکیوں
کی زندگی سے، خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی ہوں یا سکھ ہوں، یہاں تک کہ مسلمان
بھی، آج کون باخبر بیخبر ہے؟ پھر کسی کو اس کی اصلاح کی فکر پیدا ہے؟
بے پردگی ہی نہیں بے حیائی کے انتہائی مظاہرے، خلوہ نسوانی کے بیسوائی طور
طریقے، بالکل فرنگیوں کا سا اظہار رحجان زینت، شراب کی لت، ہوٹلوں
سینماؤں کی شبانہ سیر گانے بجانے ناچ میں کمال، کاک ٹیل پارٹی اڈانس
پارٹی میں روزانہ شرکت، "منع حمل" اور "ضبط تولید" کے پرشوکت ناموں
سے ہر حرام کو حلال بنا لینا، اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ناگفتنی چیزیں
آج کس کے لیے راز ہیں؟ بزرگوں، سرپرستوں، والدین میں سے کے صاحب
اور واقعات کی روک تھام کی طرف توجہ کرتے ہیں؟ ہاں جب کبھی کوئی
واقعہ تبدیلی مذہب کا یا باقاعدہ شادی و نکاح کا پیش آ جاتا ہے، تو سب
صاحب لعنت و نفرین کے لیے تیار ہو جاتے ہیں! آخر یہ کہاں کا انصاف
ہے؟ اور کس عقل و دانش کا فتویٰ ہے؟

ایک قابل قدر پیام

پیامات اور بیانات کی کمی پہلے بھی نہ تھی،
اور اب تو کہنا چاہیے کہ کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ہر زبان بولنے کے لیے تیار،
اور ہر حلق اُبل پڑنے کے لیے بیقرار۔ کوئی ان میں سے آدھے بیانوں کے
بھی پڑھنے کے لیے وقت کہاں سے لائے۔ لیکن اسی انبوہ و ہجوم میں کبھی
کبھی کوئی قابل قدر بیان بھی نکل آتا ہے۔ اسکی ایک تازہ اور بہترین
مثال ملک کے مشہور فاضل گرامی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا وہ پیام
ہے جو جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

از سلسلۂ صدق نمبر ۴۹

فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام واتقوا اللہ واعلموا ان اللہ شدید العقاب۔

لیکن جب تم حالت اطمینان میں ہو تو پھر جو شخص عمرہ سے مستفید ہو لے حج سے ملا کر تو جو قربانی بھی اسے میسر ہو وہ کر ڈالے۔ اور جب کسی کو میسر ہی نہ آئے تو وہ تین دن کے روزے زمانۂ حج میں رکھ ڈالے اور سات (روزے) جب تم واپس آ جاؤ یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔ یہ اسکے لیے (درست) ہے جسکے اہل مسجد حرام کے قریب نہ رہتے ہوں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ اللہ سخت گرفت کرنے والا ہے۔

بقیہ حاشیہ

وادناہ شاۃ۔ اعلاہ بدنۃ واوسطہ بقرۃ (معالم۔ عن الحسن وقتادۃ)

روزہ، صدقہ، قربانی، یہ تینوں صورتیں فدیہ کفارہ کی یکساں ہیں جو شق بھی پسند آئے اختیار کی جا سکتی ہے۔

الاخلاف انہ مخیر بین ھذہ الاشیاء والثلاثۃ ھدی یا یا شاء وذالک مقتضی الایۃ واد التخییر (جصاص) وعامۃ الاثار عن کعب بن عجرۃ وردت بلفظ التخییر وھو نص القرآن وعلیہ مضی عمل العلماء فی کل الامصار وفتواھم (قرطبی)

۔۔۔ یعنی اس حالت خطرہ مرض کے جسکا ذکر شروع آیت میں فان احصرتم میں آ چکا ہے۔ اور جس طرح وہاں ایک عام و جامع لفظ احصار آیا تھا یہاں بھی ایک عام و جامع لفظ امن آیا ہے۔ جو مرض کے دور ہو جانے پر بھی اسی طرح حاوی ہے جس طرح خطرہ دشمن کے دفع ہو جانے پر۔

اصل الامن طمانیۃ النفس وزوال الخوف (راغب) معناہ برأتم من المرض وقیل خوفکم من العدو قالہ ابن عباس وقتادۃ، وھو اشبہ باللفظ الا ان یحتمل الخوف من المرض فیکون الامن منہما (قرطبی) جاء بلفظ ۔۔۔ وھو عام فی العدو والمرض لیکون آخر الکلام علی نظام اولہ (احکام القرآن ابن العربی)

اذا شرطیہ ہے۔ اس سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ بعد حصر اگر وقت حج میں ارتفاع مانع ہو تو عاصی نہ ہوگا۔

امنتم۔ فقہاء کہتے ہیں کہ صحت کو بھی امن سے اس لیے تعبیر کیا کہ صحت اچھی ہو جانے پر بظاہر تو حج کی طرف سے اطمینان ہو جاتا ہے۔

۔۔۔ (اور اگر کسی نے صرف حج یا صرف عمرہ لیا ہو تو اس پر یہ قربانی واجب (۔۔۔) نہیں ہے)

فمن تمتع۔ تمتع کے لفظی معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں مراد حج اور عمرہ کے ملا لینے سے ہوتی ہے۔ یعنی زمانۂ حج میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور پھر دوسرے احرام سے حج بھی کر لیا جائے۔ اور دونوں احراموں کی درمیانی مدت میں حالت احرام کے ممنوعات سے پوری طرح نفع کیا جا سکتا ہے

۔۔۔ ابراہیمی کو چھوڑ کر عرب جاہلی جہاں اور بہت ۔۔۔ کرتے رہتے تھے وہاں ایک عقیدہ یہ بھی گڑھ لیا تھا کہ ۔۔۔ عمرہ ادا کرنا گناہ ہے۔

لان العرب فی الجاہلیۃ کانت لا تعرف العمرۃ فی اشھر الحج وتنکرہا اشد الانکار (جصاص) یروی عن ابن عباس وعن طاؤس ان ذالک عندہم کان من افجر الفجور (جصاص)

۔۔۔ (ان ایام حج میں بسبب نادری یا کسی اور معذوری کے ۔۔۔)

۔۔۔ تین زمانۂ حج میں اور سات زمانۂ حج کے بعد۔ یہ دس کی ۔۔۔ تصریح تاکید کی غرض سے ہے۔

کاملۃ توکید للکلام کما یقول القائل سمعتہ باذنی ورأیتہ بعینی (ابن جریر) وقیل ھو تاکید کما تقول کتبت بیدی وقولہ کاملۃ تاکید آخر (قرطبی)

اذا رجعتم۔ فقہاء حنفیہ اور بعض اکابر تابعین کے ہاں اس رجوع سے مراد اعمال حج سے فراغت ہے۔ خواہ واقعۃً کوئی وطن واپس ہو جائے یا ابھی وہیں مقیم رہے۔

ای بعد الفراغ من اعمال الحج وھو المراد من الرجوع المذکور فی الایۃ (معالم) قال ابو حنیفۃ المراد من الرجوع الفراغ من اعمال الحج (کبیر) ای نفرتم وفرغتم من اعمال (روح) قال مجاہد ۔۔۔

بعض دوسرے اکابر کے نزدیک کہ سے وطن کی واپسی مراد ہے یعنی الی بلادکم قالہ ابن عمر وقتادۃ والربیع ومجاہد وعطاء وقالہ مالک فی کتاب محمد وبہ قال الشافعی (قرطبی) اذا رجع الی اھلہ ومصرہ (ابن جریر)

۔۔۔ یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کا ملا لینا۔

ذالک۔ یہ اشارہ تمتع کی جانب ہے، جسکا ذکر ابھی فمن تمتع کے ضمن میں آ چکا ہے

ای التمتع بالعمرۃ الی الحج (ابن جریر) اشارۃ الی التمتع (مدارک)

یہ تفسیر امام ابو حنیفہ اور بعض تابعین کے مسلک کے مطابق تھی۔ جنکے ہاں حج میں تمتع اور قران (یعنی موسم حج میں عمرہ کے ساتھ حج کر لینے کی دو صورتیں) صرف آفاقیوں کے لیے درست ہیں نہ کہ اور جوار مکہ والوں کے لیے بھی۔

ای لا تمتع ولا قران لحاضری المسجد الحرام عندنا (مدارک) وقال ابو حنیفۃ ان قولہ ذالک اشارۃ الی الابعد وھو ذکر التمتع المفہوم من قولہ فمن تمتع عند ابی حنیفۃ (روح)

امام شافعی کے نزدیک ذالک کا اشارہ اصل حکم یعنی وجوب قربانی کی جانب ہے۔

۔۔۔ یعنی جو مکہ کے باشندے یا شہر مکہ سے بالکل متصل کے باشندے

نہ ہوں تاکہ حدود میقات سے باہر کے رہنے والے ہوں۔

میقات نام ان مقاموں کا ہے جہاں سے حرم کے حدود شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ہر آفاقی پر حج یا عمرہ کی نیت کر لینا اور احرام باندھ لینا واجب ہو جاتا ہے۔ ہر سمت سے آنے والوں کی میقات الگ الگ ہے۔

من لم یکن میں ... [illegible] ہے

اسے وجوب الدم علی ... من اهل مکة (قرطبی)

حاضری المسجد الحرام سے خاص اہل مکہ مراد ہونا اور انکے لیے تمتع کا ناجائز ہونا سب کو مسلم ہے۔

اجماع ... [illegible] ... لا متعة لهم (ابن جریر)

لیکن فقہائے حنفیہ اور بعض تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں مکہ کے علاوہ ... [illegible] ... شامل ہیں ... اور میقات کے اندر رہنے والے حاضری المسجد الحرام کے حکم میں داخل ہیں

... [illegible] ... (ابن جریر) ... [illegible] ... لا تمتع (ابن جریر) ... [illegible] ... (ابو ...)

امام شافعیؒ کے نزدیک مکہ سے قصر نماز کی مسافت تک رہنے والے اہل مکہ ہی کے حکم میں رہتے ہیں۔

المراد بالمسجد ... [illegible] ... عند الشافعی ... [illegible] ... مکة وراء المیقات عند ابی حنیفة (روح)

اور بعض مفسرین نے ... [illegible] ... اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے جو امام شافعی کا اختیار کیا ہوا ہے۔

واولی الاقوال بالصحة عندنا قول من قال ان حاضری المسجد الحرام من هو حوله ممن بینه وبینه من المسافة ما لا تقصر الیه الصلاة لان حاضر الشئ فی کلام العرب ... [illegible] (ابن جریر)

امکہ ... [illegible] ... نے قرآن مجید ہی کی متعدد آیتوں ... [illegible] ... قرآن میں البیت سے خانۂ کعبہ نہیں بلکہ ... [illegible] ... مراد لیا گیا ہے

... [illegible] ... اقرب من مکة وان کان خارج منها (احکام القرآن)

اور المسجد الحرام سے کبھی مراد مکہ اور مضافات مکہ لی گئی ہے

... [illegible] ... (احکام القرآن)

۱۹۶ (لانکی جو احکام الٰہی کی مخالفت کرتے رہتے ہیں اور تقوی الٰہی اختیار نہیں کرتے) لمن لم یتق ... (بیضاوی)

واتقوا اللہ یعنی اللہ سے ڈرتے رہو ان تمام احکام بجا آوری میں۔ اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں بس یہی تقوی الٰہی یا خوف خدا ہے۔ باقی تعبیر و تفسیر میں جزئی اختلافات تو اپنی اپنی فہم و بصیرت و فکر و نظر کے مطابق علماء فقہا شارحین و مفسرین میں ہوتے ہی رہیں گے

شدید العقاب بیان میں ... [illegible] ... آیت کے ... [illegible] ... نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ مقدس و متبرک مقامات میں جس طرح قبولیت و سعادت کے موقع بہت زیادہ ہیں اسی طرح گناہ و معصیت کا خطرہ بھی زیادہ لگا ہوا ہے۔

مراسلہ

رواجی پردہ

صدق میں تائیدی نوٹ اور سید ... احمد صاحب کا تعارف بحیثیت حضرت تھانویؒ کے مرید بلکہ مجاز کے پڑھ کر بندہ نے سید صاحب کا رسالہ رواجی پردہ اور اسلامی پردہ منگایا، لیکن پڑھ کر تعجب اور مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ سید صاحب برقعہ کو اور چہرہ ڈھانکنے کو رواجی پردہ اور قابل ترک سمجھتے ہیں۔ میرا اندازہ تھا کہ جناب کا یہ خیال نہ رہے، اور کم از کم یہ تو یقینی ہے کہ حضرت تھانویؒ کا یہ خیال نہ تھا۔ بڑی تعجب ہے کہ سید صاحب حضرت تھانوی کے مرید بھی ہیں اور ایک نہایت اہم شرعی مسئلہ میں اپنے نقطۂ نظر کے خلاف تبلیغ بھی کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ کیا جناب سید صاحب کے خیال سے متفق ہیں اور کیا سید صاحب واقعی حضرت تھانوی سے بیعت ہیں۔ صدق کے تازہ پرچہ میں سید صاحب کے ایک مکتوب کا جواب دیتے ہوئے اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ حضرات ازواج مطہرات کا اسوۂ حسنہ ساری امت کے لیے قابل تقلید ہے۔ والسلام

صدق - قابل ترک ہونا اور چیز ہے اور لازمی جزو نہ ہونا اور۔ ... [illegible] ... چہرہ ... (الوجه والکفین) کو شرعی پردہ کا جزو نہیں ... [illegible] ... کی موجودہ ... بلا ضرورت چہرہ کھول دینے کا بھی قائل نہیں۔

سید صاحب حضرت تھانویؒ کے قدیم مسترشدین میں تو یقیناً ہیں۔ اور خیال غالب یہ ہے کہ خلیفہ مجاز بھی ہیں، اپنے متعلق سوالات کے جوابات وہ خود تحریر فرما سکتے ہیں

البتہ مراسلہ نگار کی اس اصل سے صدق کو ہرگز اتفاق نہیں، کہ ہر شرعی و علمی تحقیق میں مرید کو لازمی طور پر اپنے شیخ ہی کا تبع رہنا چاہیے۔ خود حضرت تھانوی نے کتنے ہی مسائل میں اپنے اکابر و شیوخ سے الگ راہ اپنے لیے نکالی، اور یہ طریق سلف سے برابر اب تک چلا آ رہا ہے۔ دلائل مل جانے اور اپنے ضمیر و بصیرت کے اطمینان کے بعد بھی شیخ کے قول پر قائم رہنا، شیخ کو عملاً نبی معصوم کے درجہ پر پہنچا دینا ہے۔ عظمت و عقیدت اور چیز ہے اور تقلید جامد اور۔

اُردو زبان کی قومی حیثیت

(کرشن چندر صاحب کے خطبۂ صدارت سے)

یہاں تک تو مقاصد کا نقل تھا، اب ایک آخری بات رہ گئی ہے اور وہ ہے ترقی پسند مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت۔ چونکہ یہ اردو کے مصنفین کی کانفرنس ہے اس لیے میں اپنی زبان کے مسائل پر گفتگو کرونگا۔ یہاں یہ بات میں صراحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اُردو کو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا اور مجھے اسکے تاریخی ارتقاء کا مطالعہ بھی تک اس پر مجبور کرتا ہے کہ میں اسے صرف مسلمانوں کی زبان نہ سمجھوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زبان کے غالب حصہ پر مسلم قوم کی تہذیبی چھاپ ہے اور ہندوؤں نے اس کی ترویج و اشاعت میں بعض مسلمانوں سے کم حصہ لیا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلانے سے خود غرضی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اس امر کے باوجود اس بات کو بھی کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ ہندوؤں نے اور اس ملک کی دوسری قوموں نے بھی اردو کی اشاعت میں اسے پھیلانے اور بڑھانے میں اور اپنا لینے میں ایک معتد بہ حصہ لیا ہے۔ اور دوسری قومی زبانوں کی ترقی کے باوجود اور فرقہ وارانہ رجحانات کی افزائش کے باوجود اور موجودہ بدنصیب ملک کی کوتاہ سیاست کے باوجود مسلمانوں نے اور ہندوؤں نے اور سکھوں نے اور دوسری قوموں نے اسکی ترقی کے لیے اپنے بہترین اذہان کا صرف کیا ہے۔ لفظیت کی دنیا میں یہی وہ ایک پودہ ہے جس کی آبیاری ہم سب نے مل جل کر کی ہے اور اسے ایک ایسے پھول کی طرح، ایک معصوم جسم کی طرح، ایک مقدس گیت کی طرح عزیز جان جاکر رکھا ہے۔ اس لیے ایک ایسی زبان کو جسے ہندوستان کے مختلف فرقوں نے مل کر تخلیق کیا ہو کسی ایک قوم کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف کر دینا ایک بڑی تہذیبی اور تاریخی غلطی ہوگی۔ جسکی مثال دنیا میں مشکل سے ملیگی۔ اگر امریکہ اور انگلستان دو مختلف قومیں ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی ایک زبان رکھ سکتے ہیں اور اُسے اپنی تہذیبی روح کا مرکز بنا سکتے ہیں تو ہندوستان اور پاکستان ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی کیوں اُردو زبان کو اپنا نہیں سکتے۔ جسے اُنھوں نے خود تعمیر کیا ہے پھیلایا ہے آگے بڑھایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو حق خود ارادیت دینے کے باوجود ایک ایسی زبان کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے جو اس ملک کی تمام قوموں کی زبان بن سکے۔ میرے خیال میں اُردو اس ضرورت کو کما حقہٗ طور پر پورا کرتی ہے۔ اور ہمیں تمام پریشانیوں اور دقتوں اور مزاحمتوں اور سیاسی مناقشات کے باوجود اس کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنی چاہیے۔ اسکے دائرۂ اقتدار کو ایک ہی قوم تک محدود نہ کرکے یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہ ہندوستان کی تمام قوموں کی باہمی زبان بنجائے۔ اسکے لیے اگر ہمیں صوبائی زبانوں سے الفاظ لینے پڑیں تو لے لینے چاہیے۔ اسکے لیے اگر ہمیں دوسری قوموں کے تہذیبی عناصر کو جگہ دینا پڑے تو دینا چاہیے۔ ہمیں ہر نہج سے، ہر ڈھنگ سے، ہر ممکن کوشش سے اسے پورے ہندوستان کی اسکی ساری قوموں کی، انکے کلچر کی اور انکے تہذیبی کارناموں کی زبان بنانا چاہیے۔ میں اس میں اُردو کی ترقی دیکھتا ہوں اور اسی میں ہندوستانی کلچر کے ایک اعلیٰ تر امتزاج کی دنیا دیکھتا ہوں جو آگے چل کر پورے ایشیا کی تہذیبی ترقی میں برابر کی حصہ دار ہو سکتی ہے۔ (پیام)

افسوسناک کارٹون

"ڈان" مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب اس کے نگرانی میں شائع ہوتا ہے اور مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان تصور کیا جاتا ہے۔ اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک کارٹون شایع ہوا ہے۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پنڈت جواہر لال ڈگڈگی بجاتے ہوئے مسلمانوں سے ووٹوں کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ایک رسی دکھائی گئی ہے جس میں چار بندر بندھے ہوئے ہیں۔ ایک بندر پر "احرار مکار" دوسرے پر "بدذات کانفرنس" تیسرے پر علامہ مشرقی" اور چوتھے پر "جمعیۃ العلماء" لکھا ہوا ہے۔

اس طرح احرار، علامہ مشرقی، جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ معلوم کس اصول اخلاق کے ماتحت درست کہی جا سکتی ہے؟

عام مسلم لیگی اخبارات میں جب ہم گندہ دہنی یا کج طرازی دیکھتے ہیں تو ہمیں دکھ ضرور ہوتا ہے۔ مگر چونکہ انکی یہ حرکت انفرادی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ہم انکے لیے مسلم لیگ کو جوابدہ نہیں قرار دے سکتے، مگر "ڈان" کا معاملہ دوسرا ہے۔ ڈان مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ اسکی حیثیت ذمہ دارانہ ہے۔ اس لیے اگر ڈان میں اس قسم کی حرکتیں ہوں تو ہمیں ان پر دکھ بھی ہوگا اور مسلم سیاست کی گراوٹ پر حیرت بھی۔

ڈان ذمہ دار حیثیت کا اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اُسے مسلم لیگ کی سرکاری پالیسی تصور کیا جاتا ہے۔ کیا ہم یہ خیال کریں کہ اس قسم کے گندے کارٹون شایع کرنا بھی مسلم لیگ کی پالیسی کا ایک جزو اور یہ پروپیگنڈے کا ایک حربہ ہے؟ (قومی)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

نوازش احمد صاحب بریلی۔ آپکے بزرگ حکیم شمشاد علی خاں مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کر دی گئی۔ حج کی راہ میں کہ معظمہ میں موت مبارک موت ہے، ہر مسلمان کے لیے قابل رشک۔

اسلام اور جنگ آزادی

(از احمد جمال صاحب بی اے ۔ بریلی)

چند باتیں دریافت طلب ہیں، امید ہے کہ آپ میری ان الجھنوں کو اپنی قرآنی بصیرت سے صاف کریں گے ۔

(۱) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی بنیادی اور اولین غرض اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا ہے ۔ کیونکہ منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی، انھیں سب سے پہلے دربار فرعون میں بحکم ربّ جانا پڑا ۔ اور وہاں پہونچکر انھوں نے "انا رسول ربک" کے الفاظ سے اپنا تعارف کرایا، اور وہ پوزیشن واضح کی اور پھر فوراً آزادی بنی اسرائیل کا مطالبہ کر دیا ۔ ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ۔ اور یہی مضمون سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے ۔ رہا تبلیغ دین و دعوت ایمان سو یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے ۔ جنگ آزادی کے دوران میں اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے جیسا کہ سورۂ نازعات سے معلوم ہوتا ہے، مگر ہے بہرحال یہ ایک ثانوی درجہ کی چیز!

(۲) جب اولین غرض آزادی بنی اسرائیل قرار پائی تو یہ بات خاص طور سے نوٹ کرنے کی ہے کہ اسوقت ہندی مسلمانوں کا ٹھیک وہی حال ہے اور اسی غلامی میں مبتلا ہیں جس میں "انبیاء کی اولاد" فرعون کے زمانہ میں مبتلا تھی، اور وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے آزادی کا مطالبہ ہوا ۔ نہ ایمان کی دعوت، نہ عمل کی طرف بلاوا، نہ اور کسی چیز کی طرف توجہ، نہ تزکیۂ نفس کا انہماک، پھر کیا ہمارے لیے یہ مذہبی فریضہ نہیں ہے کہ ہم بھی پورے انہماک سے جنگ آزادی میں حصہ لیں؟ اگر "ایمان و عمل بحالت غلامی کا مطالبہ خدا کی طرف سے ہوتا تو پھر ضروری تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پہلے توراۃ دیے جاتے، پھر اپنی قوم کی سیرت کی تعمیر و تشئید کرتے ۔ پھر حالات اجازت دیتے تو اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کرتے؟

(۳) مصر میں رہتے ہوئے بنی اسرائیل غلام بنا لیے گئے تھے، کیا اس سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ اگر اپنے وطن سے کوئی قوم نکالی نہ گئی ہو بلکہ وہیں غلام بنا لی گئی ہو تو اسے پُرامن احتجاج اور موجودہ طرز کا سیاسی ایجیٹیشن ہی کرنا اتباع کی صحیح شکل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی "جنگ آزادی" میں "عدم تشدد" کی پالیسی اختیار کی اور آخری جد و جہد ہی آخر تک کرتے رہے ۔ اگر انھوں نے "تشدد" کا پروگرام بنایا ہوتا تو عدم تشدد کے سلحہ کا مطالبہ نہ کرتے، جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں، رب اشرح لی صدری الٰی آخرہ ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب اپنے وطن عزیز مکہ سے نکالے گئے، پھر مدینہ جا کر وہاں سے اسلحہ لیس ہو کر اپنے وطن کے سپاہ کر مکہ پر حملہ آور ہوئے اور بالآخر اسے آزاد کرا لیا ۔ کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جو قوم اپنے وطن سے بے وطن کی گئی ہو، اسکے لیے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے "تشدد" کے پروگرام پر عمل کرے ۔ (باقی آئندہ)

جوابات

(مولوی حکیم عبد القوی بی اے، فاضل ادب، صاحب تبصرہ کے قلم سے)

جواب سوال نمبر ۱ ۔ انبیاء علیہم السلام کی اصل غرض بعثت توحید و رسالت کی منادی ہوتی ہے، اور دوسری چیزیں ضمنی غرض بعثت رکھتی ہیں ۔ کلام مجید میں تقریباً جملہ انبیاء کرام کے ذکر میں یہی چیز ملحوظ رکھی ہے کہ اصل دعوت توحید و رسالت کے معاً بعد اس قوم کی سب سے اہم خرابی کی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے ۔ قوم حضرت شعیبؑ کاروباری خیانت کرتی تھی، قوم عاد تعمیری اسراف اور کبر کی وجہ سے خدا فراموشی میں مبتلا تھی، قوم لوطؑ نہایت گندے اخلاق میں مبتلا تھی ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم موحد ہو کر ایک مشرک کی غلامی کی مصیبت سہ رہی تھی ۔ اصلی غرض قرآن مجید کی ہر جگہ توحید و رسالت رہی ہے نہ کہ ضمنی و فروعی ۔ مراسلہ نگار آیہ کریمہ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے کہ اس سے تبلیغ دین و دعوت ایمان ضمنی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور آزادی کو اصلی حیثیت ۔ آیت میں لفظ رسول و رب کی تقدیم ہی انکے اس دعوے کو باطل کر رہی ہے ۔ فرعون سے پہلا مطالبہ اسکا کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے دعوے "انا ربکم الاعلیٰ" سے باز آئے اور قادر مطلق کی ربوبیت اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں کی رسالت کو مانے ۔ اسکے بعد دوسرا مطالبہ اسکے عمل کی اصلاح کا پیش کیا جاتا ہے کہ عقیدہ کی درستی کے ساتھ اپنے اس قبیح عمل سے باز آ، کہ تو نے ایک موحد قوم کو غلامی کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے، اور اس سے آزادی عبادت سلب کر رکھی ہے ۔

جس جس جگہ کلام مجید میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا ذکر ہے، وہاں ہر جگہ یہی چیز نظر آتی ہے ۔ سورۂ طٰہٰ میں آیہ فارسل معنا بنی اسرائیل کے بعد ہی یہ آیات ہیں ۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ انا قد اوحی الینا ان العذاب علیٰ من کذب وتولیٰ (اور سلامتی اسکے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، بیشک ہم پر وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہوگا جو (خدا کی آیتوں کو) جھٹلائے اور (اسکے حکم سے) سرتابی کرے ۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان سے یہ سنکر فرعون جو توحید و الوہیت کے عقیدہ ہی کا منکر تھا، پوچھتا ہے، قال فمن ربکما یا موسیٰ (پس تم دونوں کا کون رب ہے) ۔ حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں، قال ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اسکی بناوٹ عطا فرمائی پھر اسکو ہدایت کر دی) آخر ان آیات میں عذاب کی دھمکی کس چیز پر دی گئی ہے ۔ ظاہر ہے کہ توحید و رسالت ہی کی تکذیب پر دی گئی ہے ۔ پھر سورۂ شعراء (رکوع ۲) میں جہاں فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا مکالمہ درج ہے

وہاں حضرت موسیٰ نے خدا کے "رب السموات والارض" "رب المشرق والمغرب وما بینہما" "ربکم و رب آبائکم الاولین" ہونے کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے توحید و ربوبیت کے سوا اور کیا انکی غرض معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ جواب میں فرعون نے کہا ہے "لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنک من المسجونین" (اگر تو میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو میں تجھے قید کر دونگا) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل جرم جو حضرت موسیٰ پر عائد کرنے جا رہا تھا، وہ یہی توحید کی دعوت اور مذہب شرک کی مخالفت تھی۔

سورۂ یونس میں جہاں فرعون کی غرقابی کا ذکر ہے وہاں اسکی زبان سے یہ فقرے نکلے ہیں: "قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین" (سورۂ یونس ع ۹) (میں ایمان لایا اس پر کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس اللہ کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اس سے بھی یہی صاف نظر آتا ہے کہ غرقابی کے وقت اس نے حضرت موسیٰ کی اصل دعوت یعنی توحید کا اقرار کرنا چاہا تھا نہ کہ دوسری چیز یعنی آزادی بنی اسرائیل کا ۔

پھر اگر حضرت موسیٰ کے بارے میں مراسلہ نگار کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے کہ انکی دعوت توحید و رسالت کی نہ تھی، بلکہ آزادی بنی اسرائیل کی، تو ہر نبی کے لیے بھی یہی چیز کہی جا سکتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت لوط کا اصل مقصد اخلاقی خرابیوں سے قوم کو نجات دینی تھی۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم کی مالی خیانت اور تجارتی چالاکیاں کے سدباب کے لیے آئے تھے وغیرہ وغیرہ۔ مراسلہ نگار کی یہ بہت بڑی عبارت ہے کہ وہ یہ کہہ گزرے ہیں کہ "تبلیغ دین و دعوت ایمان، سو یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے۔ جنگ آزادی کے دوران میں اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے"۔ قرآن مجید کا اگر وہ ذرا بھی مطالعہ فرمائیں تو انھیں نظر آئیگا کہ حضرت موسیٰ کی اصل دعوت وہی تھی جو ہر نبی کی رہی، اور قرآن مجید میں ہر جگہ اسی کو اصل اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے

(۲) سوال ملے میں جو مقدمہ قائم کیا گیا، وہی سرے سے باطل ہے۔ یعنی اصل غرض آزادی بنی اسرائیل تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ اور اگر ہو بھی تو اس آزادی اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں سوا لفظ کے اور کوئی چیز مشترک نہیں۔ ہمارا سابقہ بر حق وحی الٰہی کی رہنمائی میں ایک موحد و مومن قوم کی آزادی عقائد و آزادی عبادت کے لیے کوشاں تھے، نہ کہ آزادی وطن کے لیے، انکے مطالبۂ آزادی کا یہ مطلب نہ تھا کہ فرعون ملک مصر بنی اسرائیل کے حوالہ کر دے، بلکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ انکی قوم کو ہجرت کی اجازت دی جائے جیسا کہ ان ارسل معنا بنی اسرائیل سے واضح ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے ملک میں پہنچکر آزادی سے دین توحید پر قائم رہ سکیں، اور اسکے بعد حضرت موسیٰ اور انکی قوم کا عمل بھی اس کا شاہد ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر گئے اور فرعون انکے تعاقب ہی میں ڈوبا۔

پھر حضرت موسیٰ نے دعوت بھی پہلے ہی دن شروع نہیں کی قرآن مجید ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انھوں نے تزکیہ نفس کیا۔ اسکے بعد جب مصر آئے ہیں تب آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی۔ اس لیے یہ ثابت ہوا کہ دعوت دینے والے کو بھی پہلے خود انتہائی پاکیزہ نفس بننا پڑتا ہے۔

ہندوستان کی حالت بالکل جدا ہے۔ یہاں تحریک آزادی کی قیادت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ جن میں سے بعض کھلے ہوئے معاندین میں اور انکے تخیل میں آزادی کا جو نقشہ ہے اس میں شریعت اسلامی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ نے مصر میں مستقل قیام فرما کر سعی آزادی نہیں فرمائی، بلکہ حکم الٰہی ملنے پر باوجود ظاہرا ناساعد حالات ہونے کے آپ نے ہجرت فرمائی۔ آیت رب اشرح لی صدری سے عدم تشدد کا استنباط تمامتر غلط ہے۔ اسے تشدد و عدم تشدد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ آیت تو اسوقت کی ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو نزول وحی میں رسالت مل رہی ہے، اسوقت آپ اپنے شرح صدر کی دعا مانگ رہے ہیں کہ آپ تبلیغ دین تام و کمال کر سکیں۔

آنحضرت صلعم اور انکے رفقاء نے تو مکہ معظمہ سے حکم خداوندی کی تعمیل میں ہجرت کی۔

اس سے استخلاص وطن" کا جذبہ نہیں ظاہر ہوتا، البتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اتنی بڑی دولت ہے، کہ اگر وطن میں رہکر اس پر عملدرآمد نہ ہو سکتا ہو، تو اس وطن کو بھی خیرباد کہا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول مقبول صلعم نے اسی چیز پر عمل فرمایا، اور مدینہ منورہ جا کر ایک خالص اسلامی آبادی اور اسلامی ماحول قائم کیا (جسے حقیقی معنی میں پاکستان کہا جا سکتا ہے) اسکے بعد جب قوت حاصل ہو گئی تو وطن کو شرک کی لعنت سے چھڑانے کے لیے وطن والوں کو توحید کا دوست بنانے کے لیے اور دین توحید کی اشاعت کے لیے، وطن پر حملہ فرمایا، اور اللہ نے اس میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس سارے واقعہ سے ہندوستان کی غیر مسلمانہ طرز تحریک آزادی اور غیر اسلامی عقیدۂ عدم تشدد کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ متین، مدلل، پرمغز، افراط و تفریط سے پاک، خواہ مخواہ کی شریفانہ نہیں، دوسروں کے لیے شرافت آموز۔ آخری حصہ ہر مستارزین اور صاحب ضمیر مسلمان کے پڑھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔

"امت مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ہر مفید تحریک کے پروان چڑھنے میں یہی خلیج آڑے آجاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار بلکہ بعض اوقات ناعاقبت اندیش ذمہ دار بھی اس خلیج کو پاٹنے کے بجائے اپنے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے جاتے ہیں جب الہ جناب یا قائد اعظم کو "کافر اعظم" اور الملعون، عیاء وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ لفظ تیر و نشتر بنکر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا

... ... اسلامیہ الارکہا جاتا
معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف انکے معتقدین بلکہ ہزارہا اُن مسلمانوں کے قلب دماغ
بھی مطمئن نہ جانتے ہیں جنکو ان حضرات کے سیاسی مسلک سے اختلاف ہے۔
تمام جماعتوں کے اعاظم و اکابر کا فرض ہے کہ پوری قوت اور عزم سے ایسی
رکیک حرکات کا انسداد کریں"

انجمن عربی صوبہ متحدہ (الہ آباد)

یا ذا المجد! الکرام و ادام مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ۔ تین چار
برس سے میرا ہر سال انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے یہ درخواست کرتا تھا
کہ وہ اپنے ... ... کو کم از کم ... سالانہ کریں۔
الحمد للہ کہ ابکی ... ... نے کرم فرمایا اور انجمن کی سالانہ امداد
... کردی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انجمن کو ... ... سے چار روپیہ
کے آٹھ روپیہ وصول ہوا ہے۔ ذٰلک فضل اللہ
... رسائل و وظائف پر ... ... سو روپیہ صرف کیا گیا تھا۔ اور
اللہ کے فضل و کرم سے اس سال ... ... سو روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے
مگر یہ خیال کرکے ... ... ہے کہ ہر سال کم از کم دس طلبہ ایسے
رہ جاتے ہیں جنکو باوجود انکے افلاس اور لیاقت فائقہ کے انجمن
وظیفہ نہیں دے سکتی اور وہ بیچارے مایوس رہ جاتے ہیں۔ بہرحال
اللہ ... سبب ہے اور اسکا شکر ہے کہ انجمن ہر سال بیش از بیش رقوم
وظائف ... خرچ کر رہی ہے و بہ التوفیق۔ علیہ التکلان۔ دعا فرمایئے کہ اللہ
اہل کرم کو انجمن کے حال پر مہربان کردے۔ والسلام۔ محمد نعیم الرحمٰن

صدق بک ایجنسی لکھنؤ

(۱) سفر حجاز (مولانا عبدالماجد دریابادی) ... (۲)
الکلام (مولانا شبلی) ... (۳) ہنگامہ بلقان (شبلی) ... (۴)
الفتوحات الالٰہیہ فی الصلوات الفضلیہ (عربی) ... (۵) رسائل
... ... (۶) عقائد اسلام (مولانا عبد الرحمٰن نگرامی) ...
(۷) خزائن الملوک (طب) ... (۸) محاسن یوسفی
(مولانا عبد الباری فرنگی محلی) ... (۹) یاد ایام (تاریخ گجرات)
... (۱۰) اصول حدیث ... (۱۱) عقد السحر شرح نقد الشعر
لابن قدامہ (عربی اردو) ... (۱۲) تاریخ طرز معاشرت ہندو
انگلینڈ (مولوی تراب علی) ... (۱۳) مقدمہ شعر و شاعری (مولانا
حالی) ... (۱۴) اکمل الفوائد ... (۱۵) سرخ افسانے
(از اسرار احمد ...) ... (۱۶) پیام تربیت ... (۱۷) نور الیقین
(فتاوی شیخ ... ...) ... اختری ایڈیشن
(مولانا ...)

ملنے کا پتہ: منیجر صدق بک ایجنسی گولہ گنج۔ لکھنؤ

کمسن بچے اور سینما

یہ امر واقعہ ہے کہ آجکل سینما بینی کا شوق ہر طبقہ اور
ہر کس و ناکس میں روز افزوں ہو رہا ہے۔ یہ شوق غریب طبقہ میں
بہ نسبت متوسط و بڑے طبقہ کے زیادہ ہے اس لیے کہ بڑوں کو
اور مصروفیات بھی ہیں اور مواقع تفریح و میل جول کے زیادہ حاصل
ہوتے رہتے ہیں اور غریبوں کو ایسا ماحول سوائے سینما کے پردہ
کے اور کہیں نظر نہیں آتا اس لیے وہ اسکی جانب زیادہ مائل ہوتے
ہیں۔ ... اپنے ظلم کو ... مرتبہ دیکھنا اور ... ظلم کا سخت انتظار کرتے
رہنا انکا عام مشغلہ ہے۔ اور ... کمائی کا ایک معتدبہ حصہ وہ
سینما ... اور سگریٹ نوشی وغیرہ پر صرف کر دیتے ہیں
ضروریات زندگی کے عوض تعیشات میں صرف کرتے ہیں جو نہایت
قابل افسوس و اصلاح کا محتاج ہے۔ مزدوروں کے علاوہ خود نیم
بھی ٹانگوں ... ... کے شوق ... ...
کے ساتھ چلی آتی ہیں۔

ہر طبقہ کے لوگ اپنے ساتھ اپنے خورد سال بچوں اور بچیوں
کو سینما دیکھنے کے لیے لے آتے ہیں جنکی ... ہی میں سینما بینی کا
شوق پڑ جائے تو آئندہ خدا جانے انکا کیا حال ہو۔ علاوہ ازیں
کمسن بچے تنہا یا پارٹیوں میں آکر "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش"
سے محظوظ ہوتے ہیں۔ جسکا اندازہ سینما کے باہر آپس کی گفتگو سے
لگایا جا سکتا ہے۔ حقیقت میں سینما کے ولولہ انگیز مناظر و ماحول
کے اثرات سے انکی صحت جسمانی اور اخلاقی حالت گری جا رہی ہے
اور اپنے شوق سینما بینی کی تکمیل کے لیے وہ طریقہ کام میں لاتے ہیں
جنکی اصلاح سماج اور حکومت دونوں کی محتاج توجہ ہے۔ یہ
شاید عوام کو معلوم نہیں لیکن حکومت کے ذمہ دار اشخاص خصوصاً
یورپ کے تعلیم یافتہ اشخاص کو ضرور معلوم ہوگا لیکن وہ اس طرف
توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ یورپ کے متمدن ممالک
ترقی یافتہ و تعیشات زدہ ممالک میں بھی کمسن و نابالغ بچوں کو تنہا
سینما دیکھنے کی قانوناً ممانعت ہے تاوقتیکہ وہ والدین یا اپنے
بزرگوں کے ساتھ نہ جائیں۔ حالانکہ انکا ماحول اور سینما میں زیادہ
فرق نہیں اور پردہ سیمیں پر جو مناظر پیش آتے ہیں انکے لیے
باعث تخریب اخلاق نہیں ہوتے۔ کیونکہ انکی زندگی میں ایسی
چیزیں عام چیزیں ہوتی ہیں۔ خواجہ محمد ریاض الدین (رہبر دکن)

اعلان تعطیل

چونکہ اگلی جمعہ کو عید الاضحیٰ ہے، اس لیے شنبہ (۱۱ ذی الحجہ)
کا پرچہ دفتر صدق میں تعطیل کی وجہ سے شائع نہ ہوگا۔ قارئین کرام
نوٹ فرمالیں۔
مہتمم صدق

جاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچا جانا یہی پرہیزگار ہیں۔

صدق

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

(رجسٹرڈ نمبر ۱۹۱۱ء)

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ :- سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی صہ

بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

(ٹیلیفون نمبر ۱۹۷۴)

نمبر ۵۲ | یوم چہارشنبہ - ۱۵ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ - نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

۷ نومبر ۴۵ء - آج کے کئی "انگریزی نیشنلسٹ" روزناموں کے صفحات پر ایک ہی تصویر نظر آئی۔ گروپ میں ایک بڑے میز کے سامنے ۱۰ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں، سب ہندوستانی بیرسٹروں اور ایڈوکیٹوں کی وردی میں۔ ڈاکٹر کاٹجو، بیرسٹر آصف علی، بیرسٹر بھولا بھائی ڈیسائی، سر تیج بہادر سپرو، سر دلیپ سنگھ (سابق جج پنجاب ہائیکورٹ) اور رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کے درمیان پنڈت جواہرلال! جواہرلال بھی اسی بیرسٹری کے لباس میں! سب کے سب انڈین نیشنل آرمی (ہند آزاد فوج) کے افسروں کی طرف سے صفائی پیش کریں گے، اور انگریزی قانون بغاوت کی ایک ایک بال کی کھال نکال کر رکھدیں گے ——— خیر، یہ کچھ بھی ہو، ذہن یہ گیا کہ جواہرلال، سر دلیپ اور سر سپرو کے ساتھ ایک میز پر، اور ان سے شیر و شکر! انکا اور انکا سیاسی فلسفہ کہیں سے بھی ایک ہے؟ کوئی مناسبت کہیں سے بھی ہے؟ جواہرلال کی شدید گورنمنٹ بیزاری اور سر دلیپ کی ہائی کورٹ کی ججی اور سر سپرو کی لامبری اور پریوی کونسلری سے ——— اس تضاد کے باوجود وہ اور یہ مشترک دلچسپی خدمات میں بالکل ایک! ——— یوں بھی کب کسی نے سر سپرو کو جواہرلال پر حملہ کرتے دیکھا ہے؟ کب کسی نے جواہرلال کو سر سپرو کو گالیاں دیتے ہوئے سنا ہے؟ یہ سارے کمالات تو آپ کے لیگیوں اور غیر لیگیوں، نیشنلسٹ اور غیر نیشنلسٹ، احرار و خاکسار، علماء و غیر علماء کے لیے اٹھا رکھے ہیں!

---

۲۰ نومبر ۴۵ء، سامنے اسٹیٹسمین ہے۔ اسکے پہلے صفحہ پر وزیر اعظم برطانیہ ایٹلی کی تازہ طویل تقریر ہے۔ چرچل سابق وزیر اعظم کے پرانے اور مشہور حریف۔ انکی تقریر میں بھلا چرچل کا ذکر کیوں آنے لگا تھا، اور خیر ذکر اگر ہوتا بھی، تو ذکر خیر تو بہرحال نہ ہوتا۔ لیکن نہیں، اسکے برعکس ذکر موجود ہے اور ذکر خیر! ایٹلی نے اپنے اس سب سے بڑے حریف کو داد دل کھول کر دی ہے! ——— ہمارے پُرجوش "مجاہدین" ایک دمیت خبر پر یقین بھی کریں گے؟

عوام کو چھوڑ دیجئے، کاش ہمارے علماء و اکابر ہی انگریزوں اور ہندوؤں کے اس عام معیار کے مطابق ہوتے! ایک فریق میں بجز ایک مولانا ابوالکلام اور روزنامہ انقلاب (بمبئی) اور چند جماعتی کارکنوں کے، اور دوسرے فریق میں بجز مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا عبدالرؤف دانا پوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے اور کتنے صاحب تہذیب، شائستگی و انسانیت کے اس معیار پر پورے اترینگے؟ ——— اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہر فریق بڑھ بڑھ کر گالی دیتا جاتا ہے، اور ساتھ ہی غل یہ مچاتا جاتا ہے کہ دیکھو ہم کیسے مظلوم ہیں، اور فریق ثانی ہم پر کیسی کیسی زیادتی کر رہا ہے!

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ!

بمبئی پریس میں ہندوستان کی مشہور و قدیم دینی درسگاہ مظاہر علوم کے علماء کے حوالہ سے، جناب محمود رنگونی صاحب (بمبئی ۸) کا حسب ذیل بیان آب و تاب سے شایع ہوا ہے :-

"ہم لوگ جمعیۃ علماء اسلام کے تاریخی جلسے دیکھی پر ...

مظاہر علوم سہارنپور کے علماء سے کہ اس سے زیادہ خیال۔ ایسے ٹھہرے جیسے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مولانا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی حضرت علامہ شیخ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی ... دلی میں حضرت علماء مظاہر علوم سے سیاسیات حاضرہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی ان حضرات نے قائد اعظم پر مجلس شوریٰ کا زور دیا، اور پاکستان کو اسلامی تحریک ثابت کیا، نیز جمعیۃ علماء ہند کو ملی سفر اور مسلمانوں کے لیے سم قاتل تجویز فرمایا کہ وہ مسلمانوں کی ہمہ گیر جماعت مسلم لیگ کو ترک کرکے من شذ شذ فی النار کے مصداق ہے کہ جو جماعت سے علیحدہ ہوگیا وہ دوزخ میں گیا۔ اور کانگریس ... کو شائع کرکے مسلمانوں کو شیرازہ کو پراگندہ منتشر کیا جا رہا ہے۔

مظاہر علوم کے علماء میں مولانا مفتی عبداللطیف اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا جیسے حضرات شامل ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تحریریں اس مکتب خیال کی تائید میں اس سے قبل ہی شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی اور مولانا عبدالرؤف دانا پوری وغیرہم کی تائید اسکے علاوہ ہے۔ اسی طرح دوسری طرف سے مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ، مفتی کفایت اللہ صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے فتوے اسی آب و تاب سے شائع ہو رہے ہیں۔ گویا اب مرکز بحث یہ ٹھہرا ہے کہ علماء کے ان دونوں فریقوں میں سے حق پر کون ہے! اور گویا یہ طے ہو چکا اور مسلّم ہو چکا ہے کہ حق بہرحال انھیں دونوں فریقوں کے درمیان دائر ہے!

بھڑکے ہوئے جذبات اگر سکون و تاب کے ساتھ غور و فکر کی اجازت دیں تو گزارش ہے کہ مسئلہ کا حصر علماء پر کر دینا، یہ ان غریبوں پر ظلم کرنا، اور دوستی کے پیرایہ میں انکے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ مسئلہ تمامتر سیاسی ہے، نہ کہ فقہی یا کلامی یا تفسیری! مسئلہ کا تعلق تمامتر تجربہ اور دنیوی بصیرت سے ہے، نہ کہ کسی آیت کی تفسیر ہے کسی حدیث کی شرح ہے، فقہ کے کسی جزئیہ سے۔ گفتگو جو کچھ بھی ہے، انکے انطباق و اطلاق STRATEGY میں ہے۔ فن حرب APPLICATION کو خالد بن ولیدؓ ہی سب سے بہتر سمجھتے تھے، گو علم و فضل میں زہد و تقوے میں، عبادات و ریاضات میں دوسرے صحابہ اُن سے کہیں بڑھ بڑھ کر موجود تھے۔

علماء دین کا نیاز مند مدیر صدق سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ لیکن وہ اسکا ہرگز قائل نہیں کہ "جو بھی جو تے" کھانے کے لیے بجا ہو جیسن

پارۂ دوم انگریزی

شدید انتظار کے بعد انگریزی پارۂ دوم بحمداللہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ شائع ہوگیا۔ صفحات حلقت سے ۱۲۰ تک سے یعنی پارۂ اول سے کسی قدر کم۔ تفسیری حاشیے چھوٹے بڑے سب ملا کر ۴۸۰ کی تعداد میں ہیں۔ کاغذ، چھپائی وغیرہ کے لیے تاج کمپنی کا نام کافی ہے۔ ترجمہ و تفسیر میں یقیناً بیسیوں نہیں سیکڑوں خامیاں ہوں گی۔ خدائے آمرزگار و ذرہ نواز اس حقیر و ادنیٰ خدمت کو قبول فرمائے!

جن صاحبوں کو خریداری وغیرہ کے سلسلہ میں مراسلت کرنا ہو براہ کرم براہ راست تاج کمپنی (لاہور) ہی کو یا صدق بک ایجنسی کو لکھیں۔ مدیر صدق کو ہرگز نہ لکھیں۔

کے فلاں فاضل دیوبند کو تکلیف دی جائے، اور کسی فلاں کا کام بحیثیت تو بعض صاحب کسی تجربہ کار کرنل کے حاضر و کسی ملازم کی خدمت میں دی جائے۔ سرجری کے تخت کسی ... آپریشن کی ضرورت ہو اور بجائے فرنگی محل کے کسی معقولی یا منقولی بزرگ سے کیا جائے! —— جس کام کے لیے علماء وضع ہی نہیں ہوئے ہیں وہ کی ذمہ داری بھی اُن پر رکھ دینا عقیدت مندی نہیں، علانیہ ستم ہے۔

[نوٹ پریس میں جا رہا تھا کہ زمزم میں مفتی عبداللطیف صاحب صدر مدرسہ مظاہر علوم کی طرف سے اعلان نظر پڑا جس میں محمود نگری! آپ کے اصل بیان ہی سے بیزاری دینا مقصود ہے! الحمد للہ]

وحدتِ امّت کے دشمن

"ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ الیکشن میں کھڑے ہونے والے شیعہ نے اپنی جوش پر اپنے کو شیعہ اقلیت کا وکیل و ترجمان بتاتے ہوئے یہ کہا کہ ہم شیعہ حقوق کے لیے اسمبلی جا رہے ہیں۔ یہ ہے حسین بھائی لالجی کی صداقت ضمیر اور اخلاقی جرأت اور کی زبان میں یہی ہے وہ ادا جس پہ ہم جان دیتے ہیں۔"

(شیعہ آرگن)

سنی الکشن بورڈ (لکھنؤ) کو مبارک ہو کہ آپ سے اپنی تقلید کے لیے غالی شیعوں کی جماعت مل گئی! —— وہ دن کیا کچھ دور ہے کہ جب "سنی الکشن" اور "شیعہ الکشن" کے پہلو بہ پہلو، "صوفی الکشن" اور "وہابی الکشن" "مقلد الکشن" اور "غیر مقلد الکشن" "اہلحدیث الکشن" اور "اہل قرآن الکشن" اور خدا معلوم اور کتنے ننھے ننھے "الکشن بورڈ" ایسے ہی ایسے جاذب نظر اسماء و القاب کے ساتھ اپنے اپنے پوسٹر اور جھنڈے لہراتے پھر نکلیں۔ اور وحدت امت جو کچھ بھی ٹوٹی پھوٹی باقی رہ گئی ہے وہ بھی اسی نیم جاہلی عصبیت کی یورش کے آگے پارہ پارہ ہو کر رہیگی!

فرزند اکبرؒ کی وفات

ڈپٹی سید عشرت حسین صاحب (خلف حضرت اکبرؒ الہ آبادی) بھی بالآخر اسی سفر پر روانہ ہوگئے جو سب کے لیے ناگزیر ہے۔ مدتوں ڈپٹی کلکٹر رہے تھے۔ پنشن کلکٹری سے لی تھی۔ سن ۶۴-۶۵ کا ہوگا۔ لیکن عام تندرستی اتنی اچھی تھی، کہ اس سے ۱۰-۱۲ سال کم کے معلوم ہوتے تھے۔ بڑے سادہ مزاج اور عجیب طبیعت کے تھے۔ اپنے والد ماجد کے کلام کے گویا حافظ تھے۔ اسی اپریل میں جب دو دن کے لیے الہ آباد جانا ہوا تو انھیں کی میزبانی، عزیزانہ میزبانی کا لطف حاصل رہا۔ کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ جب جاتی

ہوچکے تھے۔ انشاءاللہ بال مغفرت فرمائے۔ ان سے مل کر کچھ دیر کے لیے حضرت اکبرؒ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ افسوس ہے کہ محفل برخاست ہونے کے بعد یہ شمع رہی تھی سو وہ بھی گل ہوگئی ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک

حضرت اکبرؒ کے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ خدا کرے اسکی طبع و اشاعت کی توفیق مرحوم کے صاحبزادوں کو ہو جائے۔

مسلمان کی موت

ایک صدق نواز اپنے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:۔

"والد صاحب مرحوم (چودھری احسان حسین رئیس سیوہ ضلع بارہ بنکی) نے عصر کی اذان سنی۔ نماز باجماعت کی تیاری کر رہے تھے، کچھ گرمی محسوس ہوئی، پنکھے کے پاس بیٹھ گئے۔ پانی نوش فرما رہے تھے کہ حرکت قلب یک بیک بند ہوگئی، اور جان سپرد کردگار کردی۔"

نماز کی تیاری و اہتمام میں موت گویا عین نماز ہی میں موت ہے۔ اور نماز میں موت کے مرتبہ کا کیا کہنا! —— اللہ جسے چاہے رحمت سے نوازدے، اور اسکی مرحمت صرف متعارف متقیوں اور معروف بزرگوں تک ہرگز محدود نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اشربوا فی قلوبہم العجل" کی آیت اس سلسلہ میں بالکل بے محل ہے۔ یہ اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، وہ تو فرعون کی غلامی سے نجات کے بہت بعد کا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید ہی سے ظاہر ہے۔

(٦) جب آپ کے مقدمات و مسلمات ہی بے بنیاد ٹھہرے، تو آپ نے جو نتیجہ نکالنا چاہا ہے، وہ خود بخود باطل ٹھہر جاتا ہے۔ مسلمان کے لیے پہلی چیز مسلمان بننا اور احکام اسلام کی پابندی ہے۔ اس میں جو چیزیں فوری لازم آجاتی ہیں، اور تمامتر اسکے اختیار کی ہیں، انھیں فوراً ہی اختیار کرلینا۔ مثلاً نماز، روزہ، اجراء میراث، ترک شراب خواری، ترک ظلم، عصمت و عفت وغیرہا۔ اور جو چیزیں اجتماعی جد و جہد چاہتی ہیں، مثلاً نظام کفر سے خلاصی، انکے لیے بھی بقدر ہمت و استطاعت کوشش کرنا۔

(باہتمام شیخ شوکت حسین، نظر حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق واقع گولہ گنج لکھنؤ سے شایع ہوا)

مشورے اور گزارشیں

(۴۹)

(س علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی)

س۔ حقیر کو اپنے آخری خط مورخہ ۱۱ ستمبر کا جواب ۲۷ ستمبر ۵۰ء کو وصول ہوا۔ حقیر تو یہ سمجھتا تھا کہ اس تاریخ کے کوئی پندرہ دن بعد ایک گزارش نامہ روانہ خدمت کرے تاکہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق دو خطوں میں ایک مہینے کا فصل رہے لیکن علالت کی وجہ سے یہ خیال پورا نہ ہو سکا اور مدت بہت زیادہ ہوگئی۔

ج۔ کچھ مضائقہ نہیں، وہ مدت تو ایک عام اوسط کی طرح پر تجویز کی گئی تھی۔ حسب ضرورت کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔

س۔ حقیر فساد خون کی وجہ سے پھوڑے پھنسیوں کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ علاج جاری ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ کامل صحت عطا ہو۔

ج۔ علاج کا بڑا جز پرہیز و احتیاط ہے۔ یہ خاص طور پر یاد رہے۔ اکثر مریض اسی کو بھول جاتے ہیں۔

س۔ حضرت والا اس بیماری نے تو یہ ثابت کردیا کہ حقیر کے ایمان کی حقیقت کچے تاگے سے زیادہ نہیں۔ چار پانچ دن اٹھتے بیٹھتے نہایت درد ہوتا تھا تو کئی نمازیں قضا ہوگئیں۔

ج۔ معذوری کی بنا پر اگر کسی کی نمازیں ساری عمر بھی قضا ہوتی رہیں، جب بھی ضعف ایمان پر استدلال صحیح نہ ہوگا چہ جائیکہ چند نمازوں سے! ہاں معذوری صحیح اور واقعی ہونا چاہیئے۔

س۔ نمازیں قضا ہونے کی ایک وجہ تو بیماری ہے دوسری وجہ جو بہت زیادہ سمجھ میں آئی وہ یہ کہ حقیر نے ایک مدت مدید تک خط و کتابت حضرت والا سے نہ کی۔ حضرت والا کے فیض سے کئی بیماریاں حقیر سے دور ہوئیں۔ چند دن کے وقفہ نے ان بیماریوں کو پھر لوٹادیا۔

ج۔ توبہ توبہ۔ سراسر وہم نرا خیالی ہے۔ فوراً رجوع و توبہ لازمی ہے۔ ایسی اندھی عقیدت کسی واقعی بزرگ کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک مجھ جیسے دنیادار اور عصیاں شعار کے ساتھ!

س۔ ایسی صورت میں حضرت والا اگر حقیر کو بعجلت خط لکھنے کی اجازت دیں تو کرم فرمائی ہوگی۔

ج۔ یہ درخواست و خواہش فی نفسہ تو بیجا نہیں، لیکن اسکی جو بنیاد قائم کی گئی ہے، وہ سراسر لغو اور مہمل اور باطل ہے۔

س۔ حضرت والا کا وہ عنایت نامہ جو صدق نمبر ۳۰ میں چھپا ہے، جب وصول ہوا اسوقت حقیر نماز عصر کی تیاری کر رہا تھا۔ پہلے عنایت نامہ پڑھ لیا۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ دل بھر آیا، آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ نماز ختم ہوئی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھے، گریہ شدت سے طاری ہوا۔ حضرت والا کے لیے بہت زیادہ دیر تک دعا

ج - جزاک اللہ

س - اپنے لیے اور والدین کے لیے بھی اسوقت کچھ بارگاہ ایزدی سے مانگ لیا۔

ج - الحمد للہ۔

س - کوئی تین مہینے سے حقیر ہر نماز میں حضرت والا کیلیے دعا کر رہا ہے

ج - جزاک اللہ۔

س - حقیر کے اس سوال کے جواب میں کہ "حقیر کو اس کے والدین جب بلا وجہ کوئی سخت بات کہدیتے ہیں تو حد درجہ غصہ آجاتا ہے۔ اور گھر چھوڑ کر چلے جانے کو جی چاہتا ہے" حضرت والا نے ارشاد فرمایا "...... واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ۔ ان کا تعلق تجربات صوفیہ سے نہیں، تمام تر قرآن کریم اسلام سے ہے ....." منسلکہ عبارت کا ربط سوال سے کیا ہے ناظاہر نہ ہوا۔

ج - مقصد یہ تھا کہ والدین کی انتہائی اطاعت تو صاف منصوص قرآنی سے ثابت ہے اور وہ ہر فرض کی چیز ہے کوئی فضیلت، استحباب کی چیز نہیں جو صرف بزرگ سمجھا کرتے ہیں۔

س - کلاس میں بدنظری کی عادت ہو حقیر کو ہے اسکے متعلق حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا "کسی ہمخیال سے یہ معاہدہ کیے کہ وہ ایسی لغزشوں پر حقیر کو ٹوکے" ... کا لنا بہت مشکل نظر آتا ہے اب حقیر خود عزم کر رہا ہے اور اپنے آپ کو اس عادت قبیح سے بچائیگا۔

ج - یقیناً یہ عزم بھی قابل قدر ہے۔ لیکن کسی مخلص کی شرکت سہولت مزید کا باعث ہوتی۔

سالِ فیوراً کہ یہ خیال تھا کہ اسلامی ... کی تبلیغ کرتے رہنا، متعلقات ... تک پہونچانا اور انکی جانب راغب کرنا ... تو خود ایک مستقل ... ہے ... اس سے اپنی ہمت اور بڑھتی ہے اور اس لحاظ سے یہ اپنی اصلاح و تربیت کا بھی ایک جزو ہے۔ کچھ وقت اس میں ضرور لگیگا لیکن یہ وقت ضایع نہ ہوگا۔

ہمارے ناشرین

جوناگڑھ کے مشہور اہل قلم جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر نے اطلاع دی ہے

میری کتاب (Studies: Oriental & Islamic) شیخ محمد اشرف صاحب لاہوری نے چھاپ کر تیار کردی ہے۔ ۳۰۰ دو سو صفحات کی کتاب ہے۔ کاغذ اور طباعت بہت خوب ہیں۔ عنقریب کل آئے تو آپ کو ایک نسخہ بھیج دوں مجھے رائلٹی میں صرف پانچ نسخے ملنے والے ہیں۔

یہ ہے ہمارے ہندوستانی ناشرین کی قدردانی! ایک بلند پایہ عالم و ادیب کو اس کی عمر بھر کی جانکاری و عرقریزی سے لکھے ہوئے شاہکار دں ... جو ناشر صاحب کی نگاہ میں قابل اشاعت اور قابل فروخت بھی قرار پائے ہیں، صلہ صرف "پانچ نسخے" دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی گویا بڑا احسان فرمایا گیا ہوگا۔ ہمیں خود اس قسم کا ذاتی تجربہ ہے۔ لاہور کے ایک معروف پبلشر سے "حیات۔ لطف رحمت خاں" کا دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی گفتگو ہوئی۔ فرمایا "ہمیں اپنی یہ کتاب دو ہزار چھاپنے کی اجازت دیدیجیے"۔ عرض کیا گیا "ہمیں حق تصنیف کیا ملیگا؟" جواب دیا "صاحب آپ کا نام ہوگا، کیا یہ کم ہے کہ آپ کی کتاب کی اچھی طرح اشاعت ہوگی"۔ ہم نے کہا "کتاب کے سرورق پر جلی قلم سے نام تو آپ کا بھی چھپیگا۔ کچھ دام بھی دلوائیے، یا دو ہزار میں سے کم از کم ڈھائی سو نسخے ہی عنایت کیجیے"۔ جواب کا غور کرکے عرض کیا جائیگا۔ آپ کو اس لائن کا کم تجربہ معلوم ہوتا ہے" گفتگو ختم ہوگئی۔ آج دو سال گزر گئے۔ پبلشر صاحب غور فرما رہے ہیں اور ہم اس لائن کا تجربہ حاصل کر رہے ہیں۔

تجربہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی گرانی کے باوجود اگر کسی کتاب کی قیمت پبلشر صاحب ایک روپیہ مقرر کرتے ہیں تو اس پر لاگت زیادہ سے زیادہ چھ آنے آتی ہے اور دس آنے خالص منافع میں ہوتے ہیں۔

اسی زر اجب ترص اور نا انصافی کا نتیجہ ہے کہ خرابی مواد سے لیکر پروف ریڈنگ تک کے فرائض انجام دینے والے مصنفین تو ہمیشہ مفلوک الحال، اور دنیا بھر کے صرف چھاپ کر بیچنے والے کوٹھیوں اور بنگلوں کے مالک اور موٹر سوار نظر آتے ہیں۔

ہمارے ملک میں جوں جوں تعلیم بڑھ رہی ہے اور سیاسی بیداری پھیل رہی ہے، اخبارات و رسائل اور کتابوں کی مانگ میں بھی تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے۔ اس خوشگوار صورت حال کا اقتضاء تھا کہ ہمارے ناشرین اخبارات و رسائل اور تاجران کتب بھی ہمدردی و قومی زندگی سے کام لیتے اور مناسب منافع پر عمدہ سے عمدہ لٹریچر عوام کے ہاتھوں میں پہونچاتے مگر معاملہ برعکس ہے۔ ہمارے بیشتر رسائل اور کتابوں کی غرض صرف جاذب نظر نام اور خوشنما گرد پوش" تک محدود رہتی ہے۔ اور ان ہی کی گراں قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مثلاً کچھ عرصہ سے "کتاب خانہ دانش محل لکھنو" کی طرف سے مختلف اخبارات و رسائل میں کتاب "واجد علی شاہ" کا نہایت دھوم دھام کا اشتہار نظر سے گزر رہا تھا۔ اور عنوان کتاب بوجہ اس کی خریداری پر طبیعت کو مائل کر رہا تھا۔ چنانچہ کتاب منگائی۔ دو روپیہ میں پہونچی۔ اب جو کھولے دیکھا تو ایک صاحب مسٹر محمد تقی ایم اے کا نہایت سرسری طور سے لکھا ہوا ایک معمولی سا مقالہ تھا، جو شاید کسی "واجد علی شاہ ڈے" کے لیے انھوں نے اہم اور ضروری ماخذوں سے استفادہ کیے بغیر تیار کیا ہوگا۔

پبلشر صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کہ آخری تاجدار اودھ جان عالم واجد علی شاہ پر کوئی کتاب بازار میں نہیں ہے دبانی پر مش

اسلام اور جنگ "آزادی"

(از محمد [illegible] صاحب بی اے بریلی)

(۲)

(۴) مندرجہ بالا تقریر سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام مختلف مقاصد لے کر اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور طریق کار میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں، اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن عزیز عراق سے نکالے گئے تو انھوں نے استخلاص وطن کے لیے ہی تشدد کی پالیسی کے ماتحت مصر، شام اور حجاز کا دورہ کیا، تاکہ فوجی قوت حاصل کر کے اپنے وطن کو نمرود سے آزاد کرائیں؟ یہ الگ بات ہے کہ انھیں اپنی اس "قومی مہم" میں سوبھاش بابو سے بھی زیادہ ناکامی ہوئی، ناکامیابی اور کامیابی کا انحصار مختلف اسباب و عوامل پر ہوتا ہے!

(۵) ہم جس طرح یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے حکمرانوں کے پاس "سیاسی مطالبہ" لے کر گئے تھے، اس طرح قرآن کی روشنی میں [illegible] کے، البتہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آج ہمیں نہ صرف حکمرانوں ہی کے پاس موسوی طرز پر احتجاج کے لیے جانا چاہیے بلکہ حکمراں کی قوم سے بھی اس بارے میں سیاسی گفت و شنید کرنی ضروری ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "واذ نادی ربک موسیٰ ان ائت القوم الظالمین قوم فرعون الا یتقون" "ظالمین" اور "یتقون" کا کیا مطلب ہے؟ آخر انھیں ظالم کس لیے تو کہا گیا کہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو غلام بنا لیا تھا جو ظاہر ہے کہ ظلم کی انتہا ہے اور اسی لیے تو "انہ طغیٰ" کہا [illegible] جرم [illegible] "حد سے نکل جانے" کی سب سے بڑی صورت ہی تو تھی کہ اس نے یعقوب کی اولاد کو غلام بنا رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایسی قوم تھی کہ جب ان سے "ایمان باللہ" کے لیے کہا گیا تو کہہ اٹھے ہم اس وقت تک کیسے مان سکتے "جب تک خدا" کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور یہ [illegible] کہ انکا تصور جب کبھی جاتا تھا تو اللہ کے سوا غیر اللہ کی طرف جاتا تھا جیسا کہ "واشربوا فی قلوبھم العجل" اور "اجعل لنا الٰہا کما لہم آلہۃ" وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسوقت بنیادی سوال "رضائے مسلمین" ہے اور نہ ذہنی، علمی، معاشی اور معاشرتی، عملی اور اخلاقی اصلاح کا سوال ہی غور طلب ہے، اسوقت تو ان فروعی اور ثانوی درجے کے مسائل سے نظر ہٹا کر آزادی کے نصب العین پر جاد [illegible]؟ یہی اسوقت اسلام کا مطالبہ ہے اور اسی طریقۂ کار میں مسلمانان عالم کی نجات و فلاح مضمر ہے۔

(۶) اگر یہ بات ہے تو آپ کا اور دوسرے تمام مصلحین کا طریق کار باطل ہے۔ مولانا الیاس کی دعوت غلط ہے۔ مولانا مودودی کی دعوت باطل ہے، اور جملہ خانقاہی نظامہائے تزکیہ لغو ہیں، دارالعلوموں کا تعلیمی نظام - اگر وہ جنگ آزادی میں پورے انہماک سے حصہ نہیں لیتا - غیر مثمر اور بالکل بیکار ہے - ہمارے واعظین اور انکے مواعظ و عبر کس کام کے؟ یہ سارا دینی کاروبار آخر اس دور غلامی میں ہم جب جنگ آزادی اپنے مقصد کو پالے تو یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے اور ہر چیز ٹھیک ہو سکتی ہے۔ امید ہے کہ آپ ان الجھنوں کو دور کر کے تسکین [illegible] کا موقع دیں گے۔

جوابات

(حکیم عبد القوی صاحب دریابادی مدیر صدق کے قلم سے)

(۴) یہ دعوی ہی سرے سے ناقابل تسلیم ہے کہ "انبیاء علیہم السلام مختلف مقاصد لے کر اس دنیا میں بھیجے گئے" مقاصد سب کے ایک ہی یعنی توحید و رسالت کی دعوت۔

خدا معلوم مراسلہ نگار کو یہ معلومات کہاں سے ملیں کہ "حضرت ابراہیم اپنے وطن سے جب نکالے گئے تو استخلاص وطن کے لیے انھوں نے تشدد کی پالیسی کے ماتحت مصر و شام و حجاز کا دورہ کیا تاکہ فوجی قوت حاصل کر کے اپنے وطن کو نمرود سے آزاد کرالیں" یہ واقعہ نہ کلام مجید میں ہے، نہ حدیث میں نہ اسلامی، مسیحی، یہودی کسی تاریخ میں۔ اسی طرح یہ دعوی بھی سراسر غلط اور حیرت انگیز ہے کہ انکو اس قومی مہم میں سوبھاش بابو سے بھی زیادہ ناکامی ہوئی۔ قطع نظر اسکے کہ ایک کافر کو بزدلی طور پر بھی انبیاء کی سطح پر لانا ایک مسلمان کا ذوق ادب و احساس مرتبہ شناسی کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ نفس [illegible] تمثیل ہی سراسر غلط ہے۔ سوبھاش بوس جیب [illegible] مجرموں کی طرح فرار ہوئے، وہ جس قسم کی آزادی ہندوستان کے لیے چاہتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کس نفع کی امید تھی۔ یہ سب چیزیں بحث طلب ہیں۔ بخلاف اسکے حضرت ابراہیم کی دعوت کھلی ہوئی اور صاف ہے، یعنی وہی توحید و رسالت۔ ایک جگہ بھی انکے ذکر میں نہ تو استخلاص وطن کا بیان آتا ہے اور نہ انھوں نے کوئی سیاسی تحریک اٹھائی تھی۔ قرآن مجید میں حضرت خلیل کا ذکر کس کثرت سے آیا ہے۔ [illegible] کہیں ایک جگہ بھی ذکر "استخلاص وطن" کا [illegible] نہ صراحۃً نہ سہی، اشارۃً، تضمناً سہی۔

(۵) حضرت موسیٰ کوئی سیاسی مطالبہ لے کر نہیں گئے تھے، وہ محض [illegible] تبلیغ میں اتمام حجت کے لیے فرعون کے پاس گئے تھے۔ انھیں جو کچھ کامیابی ہوئی وہ مادی وسائل سے نہیں، غیبی و خدائی مدد سے ہوئی (معجزہ کی شکل میں فرعون اور اسکے لشکر کی غرقابی ہوئی، اور موقع دیا قوم بنی اسرائیل کو سمندر نے راستہ دیدیا)۔

کلام مجید میں طغیٰ، وغیرہ اس قسم کے جو الفاظ فرعون کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہر جگہ مراد یہی ہے کہ فرعون نے اسکے مقابلہ میں عصیان و طغیان سے کام لیا، اور اسکی سزا اسے [illegible] بڑی کہ مرتے وقت اسکا ایمان قبول نہ ہوا۔

(بقیہ بر صفحہ ۱۲)

علامہ عصر مولانا شبیر احمد عثمانی کا پیغام

جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں آپ کی کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا، اسکا افسوس ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیۃ العلماء ہند دہلی بھی اپنے شایع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اسکے اخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ جدید جمعیۃ علماء اسلام عملی لحاظ سے تجربہ کی کسوٹی پر کتنی کھری ثابت ہوتی ہے؟

بہر حال اگر وہ اپنے اعلانات کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راستہ پر گامزن رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ انصاف پسند اور حق پرست علماء اسکے ارادوں میں بیش از بیش تعاون اور شرکت نہ کریں۔ اسی امید کے ساتھ ہم اسکی اصلاح و ارتقا کی اولوالعزمیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اسوقت جاری ہے میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل نفرت اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ صحیح یا غلط طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرز تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے، اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیر جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیش نظر اللہ کے پیدا کیے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کر دی گئی جسکے احاطہ سے کوئی فرد بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے خالق ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اس کے مکمل اور آخری قانون کو اس کرۂ زمین پر رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے۔ وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے ایسا التزام نہیں کیا، اسکا نام کافر ہوا۔ ھو الذی خلقکم فمنکم مومن و منکم کافر۔ یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضور سے پہلے بھی تھی، لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اس لیے اسکی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیۃً مٹائے نہیں جاتے تھے۔

البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کی بعثت نے جو کسی ملک و خاندان یا زمان و مکان سے مقید نہ تھی۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کر دی جن کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت وکرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسے آپ یوں خیال کیجیے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا گنگا، جمنا، نربدا، اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں، مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہنچکر اپنی اپنی ہستیوں کو سمندر کی پہنا ہستی میں اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ وہاں انکا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اسی طرح دنیا میں وطنی، نسلی، لونی، لغتی، اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو سیکڑوں قومیتیں سہولت تعارف کے لیے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہوں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جو انکے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم کر دیتی ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشید
جہاں سر بہ جیب عدم درکشید

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رکبا بالروحاء فقال من القوم قالوا المسلمون فقالوا من انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم مصری طبع جدید ص۹۹)

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا۔ تم کون قوم ہو۔ جواب میں انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم حجازی یا نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں۔ اس سب سے زیادہ قبائلی تعصب و غرور رکھنے والے ملک میں انکا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ اسوقت تک انھوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت انکے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبہ فارسی کے قصہ میں جو آپ وانا الغلام الفارسی کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اس نے آپ کی تنبیہ کے موافق وانا الغلام الانصاری کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی اسکا راز بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالات دین پر ہونی چاہیے۔

اس اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی۔ اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنے میں بن سکے۔

لفظی توسعات سے ہم کو بحث نہیں، اسی لیے وہ معاہدہ جو صحابہ اور یہود مدینہ میں ہوا تھا۔ اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق قوم واحد کا لفظ نہیں محض امۃ واحدہ کا لفظ استعمال ہوا تو صاحب لسان العرب کو اس پر متنبہ کرنا پڑا کہ یہ اطلاق

سوا ہے۔ حالانکہ اگر اسکو بالفرض حسب زعم بعض نافہم قومیت متحدہ قرار بھی دیا جاسکے تو اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ (جسے عموماً استدلال کے وقت نظرانداز کیا جاتا رہا ہے) یہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہوگی تو آخری فیصلہ وہ ہوگا جو اللہ اور اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمادینگے۔ کیا قومیت متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لیے تیار ہیں؟

بہرحال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں۔ اس قوم کی وحدت و شیرازہ بندی کے لیے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اسلامی تحریکات و عزائم نشر ہو سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور اپنے اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بےروک ٹوک نافذ کر سکے۔ بلکہ اس بے مثال قانون عدل [illegible] کا عملی نمونہ قائم کرکے دنیا کو وہ مشعل ہدایت دکھا سکے جسکی اس وقت ہمیشہ سے زیادہ دنیا کو ضرورت ہے

اس نصب العین کا جتنا حصہ جس حد تک ہماری قدرت میں آسکے اور آتا جائے اس سے تغافل ہرگز نہ چاہیے۔

یہ حالات [illegible] جو [illegible] سیاست دنیا میں رائج ہیں اسکے ماتحت ہم صرف ان صوبوں میں اس مقصد کی کوئی قسط حاصل کر سکتے ہیں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

یہ بھی اللہ کی عجیب قدرت و حکمت کی نشانی ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس ملک میں مجموعی طور پر دوسری اقوام سے کم تعداد میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمی کو ملک کے تمام صوبوں میں مساوی نسبت پر تقسیم نہیں کیا، بلکہ بعض صوبوں میں جو جغرافیائی حیثیت سے اہم بھی ہیں۔ ہم کو دوسروں کے مقابلہ میں اکثریت عطا فرمادی

یہ گویا قدرت کی طرف سے پاکستان قائم کرلینے کے امکان کی طرف ایک غیبی اشارہ ہے۔ بہرحال اسکا نام پاکستان رکھدیا جائے یا حکومت الٰہیہ یا اور کوئی کچھ اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں، اور انکے لیے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے۔ جو اکثریت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہاں کی دونوں قوموں کے مناقشات کا حل بھی اسی توازن کے قائم کرنے میں ہے کہ دونوں کو اپنے اپنے مستقر اور مرکز میں پوری آزادی نصیب ہو اور اس طرح طبعی طور پر دونوں آزاد ریاستیں اپنی اپنی اقلیتوں کے تحفظ کا انتظام درست رکھنے پر مجبور ہوں، دونوں مل کر معاہداتی سسٹم کے ماتحت پورے ملک کو خوشحال اور پرامن رکھنے کی جدوجہد کریں اور باہمی تعاون سے ملک کی ہرجہتی ترقی دینے میں کوشاں ہوں۔

اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا اور یہاں کی اکثریت نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تنگ نظری، تعصب اور بدترین پست خیالی نہ چھوڑی تو ملک کے لیے آزادی کامل کی توقع رکھنا خود اپنے

نفس کو فریب دینا ہے۔ جذباتی لوگ جو چاہیں کہتے رہیں، حقیقت پسند جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسی امیدیں باندھنا شیخ چلی کے منصوبوں سے زیادہ [illegible]۔ الحاصل [illegible] مسلم قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھیے کہ وہ انگریز کی منتقلی اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل [illegible] اختیاری غلامی کو ترجیح دیگی

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں کھڑی ہوئی ہے۔ کل وہ جو کچھ بھی تھی مگر آج عامۃ المسلمین کی شرکت سے اسے اپنا صحیح موقف اور صحیح مقام نظر آرہا ہے اور وہ اسکے لیے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔ آخر کانگریس بھی تو اپنے آغاز میں جو کچھ تھی انجام میں وہ نہیں رہی۔

بلاشبہ مسلم لیگ اور اسکے قائد میں انسانی کمزوریاں ہیں اور انکی بہت سی باتیں ہمارے علماء کے نزدیک قابل اعتراض ہیں لیکن ضرورت ہے کہ عوام کو تیار کیا جائے اور اچھے اچھے پختہ کار علماء و زعماء عوام کی طاقت سے انکو مجبور کردیں کہ وہ امانت داری سے اپنے کو اس منصب کا اہل ثابت کریں جو جمہور کی طرف سے انکو تفویض ہوا ہے۔ جہاں تک میں اپنی بساط کے موافق اندازہ کرسکا ہوں، مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آجکل کی سیاست کے داؤپیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے۔

پھر نہ وہ کسی قیمت پر خریدا جاسکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے آگے سر جھکا سکتا ہے۔

میں زمانۂ دراز تک ان مسائل کی اطراف و جوانب پر غور کرتا رہا، نیز میں نے [illegible] سب اچھے برے پہلوؤں پر نظر کرکے آخر کار اس نتیجہ پر پہونچا کہ اسوقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدود شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اسوقت مسلم لیگ ناکامیاب ہوگئی تو شاید پھر مدت دراز تک اس ملک میں مسلمانوں کو پنپنے کا موقع نہ ملیگا۔ اس لیے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے زعمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصلی قومیت کی حفاظت کے لیے دیا ہے اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاء اللہ ایسے فاسد عناصر سے لیگ کو صاف کرکے دم لینگے واللہ الموفق۔

کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ انگریز کی حکومت و سیطرۃ سے آزاد ہونا اور آزادی دلانا نہیں چاہتی، بلکہ غیر ذات الشوکہ ہی کے پیچھے پڑی رہتی ہے اسکے برخلاف کانگریس کا مطمح نظر آزادی کامل ہے اور اسکے لیے وہ بڑی بڑی قربانیاں کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے۔ ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے جب قفس کا دروازہ کھولیے، تیزی سے نکل کر اڑ جانے کا خواہشمند ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گربہ مسکین گشت

لگا رہی ہے تو قفس کا دروازہ کھلنے پر بجائے باہر نکلنے کے الٹا قفس کی تیلیوں کو چمٹنے لگیگا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں اصلی زندگی ہی کا خاتمہ ہے۔

کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان آزادی کے طلبگار نہوں جیسا کہ کانگریس کی طرح مسلم لیگ بھی آزادی کامل اپنا نصب العین کہتی ہے۔ بلکہ کچھ تو پہلے سے اور زیادہ تر شملہ کانفرنس کے بعد مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہندو کانگریسیوں کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ ... کی حیثیت میں ... ہو کر آزادی کامل تو کیا حاصل کرتے اپنی قومی ہستی ہی کو ... نہیں رکھ سکیں گے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ ... قربانی ... لیے ... ۔ قربانی ... شک نہیں ذریعہ اور وسیلہ ہے اگر حصول مقصد ... ہو لیکن خلاف مقصد کو تقویت پہونچنے کا اندیشہ ہو تو ... قربانی ... کام کی ... بقول اکبر مرحوم سے

اچھی ہے سکوں تو ... کچھ نہیں — ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں

تو ... سے فقہائے حنفیہ نے امام محمد اور امام طحاوی سے لیکر علامہ ابن عابدین تک کسی نے اس ... سے انکار نہیں کیا کہ ایک قوم کے مقابلہ پر دوسرے کفار کی مدد دینا یا ان سے مدد لینا اسی وقت جائز ہے جبکہ حکم اسلام ظاہر اور غالب ہو ... یہ کہ مسلمانوں کی جانیں اور اموال ... ضائع نہ جائیں۔

صاحب ہدایہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ استعانۃ بالکفار علی الکفار ان سے معاہدہ کرنے کے بعد بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ انکے غدر سے کسی وقت بھی مسلمان مامون نہیں۔ علت یہ بیان کی ہے کہ لان العداوۃ الدینیۃ تحملھم علیہ کہ نفس مذہبی عداوت انکو غدر اور بدعہدی پر ابھاریگی آگے صرف حالت اضطرار کا استثنا فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اضطرار کا مطلب اسکے سوا کچھ نہیں کہ اسکے سوا کوئی اور رستہ باقی نہ رہے۔ اب آپ تمام حالات موجودہ کا جائزہ لے کر اندازہ فرمالیں کہ اسوقت ہم اس چیز کے لیے مضطر ہیں یا نہیں۔

میری غرض یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم سب مل کر الگ کا پاکستانی راستہ بھی اختیار کرکے دیکھ لیں۔ کیا بعید کہ سب مسلمان اگر مل کر اور یکزبان ہو کر اس چیز کا مطالبہ کریں تو اسی راستہ سے منزل مقصود تک پہونچ جائیں۔ اللہ کے فضل و رحمت سے امیدوار رہنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے اجتماعی مطالبہ میں قوت پیدا ہوگی اور فتح و نصرت شامل حال ہوگی۔ لیکن اس اجتماعی و اجتماعی طاقت کا فراہم ہونا ہی دقت طلب دشوار ترین مسئلہ بن رہا ہے۔ اور ملت مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ ... مفید تحریک کے ہر دن بڑھنے میں یہی خلیج ... جاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار لوگ بلکہ بعض اوقات ناعاقبت اندیش بھی اس خلیج کو پاٹنے کے بجائے اپنے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

جب ایک جانب سے قائد اعظم کی جگہ کافر اعظم اور ملعون وغیرہ ... دیئے جاتے ہیں تو انکھوں ... کے سیندور ہیں

... تیر و نشتر بن گئے ہیں، دوسری طرف اگر مولانا ابوالکلام آزاد یا مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کوئی گستاخانہ اور ناشائستہ معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف انکے معتقدین بلکہ ہزارہا اُن مسلمانوں کے قلب و جگر بھی چھلنی ہو جاتے ہیں جنکو ان حضرات سے اختلاف ہے کسی جماعت کے بڑے آدمی یا کسی عالم دین کو اس قسم کے ... کرنا یا اس پر خوش ہونا پرلے درجہ کی شقاوت و حماقت ہے اس سے ساری قوم کی ہوا خیزی، رسوائی، بے عزتی ہوتی ہے اور جو لوگ ... کسی طرف حصہ لیتے ہیں انکے لیے یہ چیز ناقابل برداشت حد تک ... ہو گئی ہے

پھر یہ منظر دیکھ کر بہت سے لوگ جو کسی طرف آنا چاہتے تھے وہ اپنے ارادہ سے رک جاتے ہیں اور اندر آئے ہوئے باہر نکلنے لگتے ہیں۔

تمام جماعتوں کے اعاظم رجال کا فرض ہے کہ پوری ... سے ایسی رکیک حرکات کا انسداد کریں۔ ... اس فرمان کو ہر وقت پیش نظر رکھیں۔ والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض الا تفعلوه تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اور ایسی ہی چیزوں کی آجکل مانگ ہے، مقالہ مذکور کو $\frac{30 \times 20}{16}$ کے سائز پر پاشان کتابت کراکے ایک سو سولہ (116) صفحات پر پھیلا دیا۔ اچھی اچھی لکھائی، چھپائی، دیدۂ زیب ... ہوئے مضمون اور نفیس کاغذ کی ضرورت نہیں۔ کتاب کا نام اور "گرد پوش" شائقین کے دلوں کو بے چین کرنے کے لیے کافی۔ ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصولڈاک قیمت مقرر کردی۔ اور شاندار اشتہار دینا شروع کردیا۔

اس قسم کا بیجا استحصال زر بھی اس زمانہ میں بہت ہو رہا ہے جسکا علمی و قومی مفاد کے پیش نظر سد باب ضروری ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ غریب مصنفین کی ہمت شکنی اور خریداروں کی جیبوں پر ناجائز قیمتوں کا بار ڈال کر ہمارے تاجران و ناشرین کتب "ہندی پرست ہندوؤں" سے زیادہ اردو دشمنی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (مصنف - علیگڑھ)

گزارش

ناظرین صدق براہ کرم اپنے خط و کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمادیا کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضیٰ آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی عہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲

نمبر ۵۴ | یوم چہارشنبہ - ۲۲ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸ - نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

۱۹۰۶ء ہے۔ مارچ کے ختم ہونے میں دو تین دن باقی ہیں۔ بوڑھا مریض اپنی زندگی کے آخری ایام آور مرض الموت کی سختیوں میں مبتلا بستر پر غافل اور بیہوش پڑا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں، کہ یہ نام کا مسلمان تھا۔ ایسے ہی اچھے جید علماء، اور ایک دو نہیں بہت سے اُسکے کفر کے فتوے دے چکے اور اسکے زندقہ پر متفق ہو چکے ہیں، اور اُسکے اقوال میں بھی کچھ ایسے ہی وحشت آفرینی ... سلب مرگ بوڑھا غفلت سے کسی کسی وقت ذرا کی ذرا چونکتا ہے، اور منٹوں کے لیے زبان حرکت میں آجاتی ہے، اُسوقت یہ بند ہوتی ہوئی زبان نام نہ کالج کا لیتی ہے نہ قوم کا نہ گورنمنٹ کا، اور نہ ذکر بیوی بچوں کا کرتی ہے۔ بلکہ لفظ ادا کرتی ہے تو بندوں کا نہیں، اللہ کے اس کلام کا ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اور اس اور اس حکم کی تلاوت کے معاً بعد خود ہی اسکی تعمیل میں اللھم صل علی محمد آخر تک پڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں آخری بار بند ہو جاتی ہے۔ ایک جوان عمر عالم و مصنف تیمارداری کو حاضر ہیں، وہی چشمدید گواہی اپنے ایک محبِ صادق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اس بوڑھے "زندیق" کو آپ نے پہچانا؟ مشہور نیچری اور ریفارمر سر سید احمد خاں تھے! جی ہاں، وہی سید احمد خاں، جنکی تکفیر پر بڑے بڑے ثقہ اور مستند علماء متفق ہو چکے تھے! اور روایت کے راوی مولانا شبلی تھے جو سرسید کے نہ سیاسی معتقد تھے نہ مذہبی معتقد! اُنھوں نے یہ روایت صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں شروانی سے بیان کی، اور فاضل شروانی نے اپنی علیگڈھ کے موقع پر ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کو اس نامہ سیاہ سے!

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی ایک بار اور تصدیق! عالم ہمیشہ سے بڑے محتاط اور زیادہ سے زیادہ باریک بیں سہی پھر بھی اللہ اور بندہ کے علم کا کیا مقابلہ! اور اسکے قانون رحمت ومغفرت کی ہمہ گیری کے آگے بیچارے مفتیوں اور فقیہوں کے ... اور قاعدوں کی کیا بساط! اعمال کیسے ہی ہوں ایمان حقیر سے حقیر مسلمان کا بھی قابلِ تحقیر نہیں۔ اور یہ ایک بڑی گہری اور اہم حقیقت ہے، جس کی شہادت ہماری آپ کی آنکھوں کے ... ایک مرحوم دل روشن کر دکھائی

ابلیس اور شیخ اکبرؒ

ایک مکتوب ... مخدومی گرامی علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے ... جلد ۲ صفحہ ۹۰ باب ۲۹۰ کے حوالے سے شیخ اکبرؒ کے یہ فقرہ

ویعلم ان کل جوھر فی العالم یجمع کل حقیقۃ فی العالم کما ان کل اسم الٰہی مسمی بجمیع الاسماء الالٰہیہ	عالم کا ہر ایک جوہر فرد اپنے اندر سارے عالم کے حقائق کو سمیٹے ہوئے ہے جس طرح ہر اسم الٰہی سارے اسماء الٰہی کا مجموعہ ہے۔

اور اسکے بعد کی کئی سطروں کی توضیحی عبارت کو نقل کرکے فرماتے ہیں:-

"آپ کی رائے سے امداد چاہتا ہوں۔ پہلا جملہ میں نے بار بار پڑھا۔ جب سے جوہر کی بے اندازہ اور بے پایاں طاقت کا انکشاف ہوا ہے، ہر پھر کر خیال اسی طرف جاتا ہے۔ شیخ کے نزدیک بھی یہ بہت ہی عجیب وغریب اور مہتم بالشان مسئلہ تھا۔ جیسکے لیے شیخ کو اس اہتمام سے اپنی کتاب کے قارئین کو متوجہ کرنا پڑا۔ آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ کا یہ جملہ کیا اس

[illegible] طبیعات کی جو نہیں بلکہ حیثیت ایک علم روحانی کا حیا کا ہوئی ہے۔ مجھے کئی مسائل میں یہ اندازہ ہوا کہ شیخ الحرمین ہی جستہ جستہ بعض حقائق کونیہ کی طرف جو اشارے کر جاتے ہیں، غالباً وہی اشارات ہوتے ہیں کہ جن پر جدید تحقیقات کی اساس قائم کر لینے کے بعد کچھ نکالتے ہیں۔"

مولانا نے شیخ اکبر کا یہ فقرہ واقعی خوب ڈھونڈ کر نکالا بیشک بس فرق یہ ہے کہ طبیعیات والے عارفین ان کو اپنی دکو بنر مظاہر کی تفصیلات میں گم ہیں بغیر بھی اپنے مراتب کی ان کے سامنے نا قابل التفات سمجھ کر ان پر سے سرسری گزرتے چلے جاتے ہیں لہٰذا جیسے اکثر اہل علم و فلسفہ اپنے مشاغل کے آگے بڑھتی ہوا ہماری گمرا کی اعلیٰ سے علمی متاعیوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں) اور خود مظہر و حقائق کی لذات میں غرق رہتے ہیں یا تن کے سلسلے ذات کی طرف کو یہ والتفات کی سماقت کو نام کہاں رہتے ہیں؟ ما و ق فرنگی کی نظر کے سامنے چونکہ کوئی اور دنیا نہیں، جو کچھ دنیا سارا وقت اور لہو انھیں مادیات کی توڑ پھوڑ، رکھ رکھاؤ، ترکیب و تحلیل میں صرف کرتا ہے اور اپنے اسی شغف و انہماک کے ثمرات عاجلہ بھی پا لیتا ہے۔ کلاً نمد ھؤلاء و ھؤلاء من عطاء ربک، وما کان عطاء ربک محظورا۔

سائنس کی درماندگی

"حیات پیدا ہوئی ہے مادہ سے"

یہ مال کے سب سے بڑے برطانوی ماہر طبعیات لارڈ رودرفورڈ نے کہا۔ (اسٹیٹسمین۔ ۹۔ نومبر ۱۹۴۵ء کے ایک سائنسی مقالہ سے)

اور پھر کہا کہ "مادہ بنا ہے ایٹم (جوہر فرد) سے" آخری بار تحقیق و تحلیل مادہ کے امام نے آخر بار کہا کہ "اور ایٹم کی ساخت ہوئی ہے بجلی (الکٹریسٹی) سے۔ بس اس سے آگے بڑھ کر یہ نہ پوچھو، کہ خود بجلی کیا ہے"! (ایضاً)

سائنس کی پرواز کا منتہا آپ نے دیکھ لیا؟ سلسلہ بہت چلا، مگر آخر کہاں تک؟ حیات مادہ سے پیدا ہوئی ہے، مادہ جوہر فرد سے بنا، جو ہر فرد کی تخلیق بجلی سے ہوئی، لیکن خود بجلی! آگے سائنس بھی اسی طرح خاموش و لاجواب ہے، جس طرح ہم آپ!

گشت راز دگر آں راز کہ افشا می کرد

ڈورا کہ لمبی سہی، لیکن سرا بھی تو آخر کہیں نہ ہو ہی گا! جی نہیں، سرا کہیں بھی نہیں۔ جتنا کھولتے جائیے، سلسلہ پھیلتا ہی چلا جائیگا۔ یہاں تک کہ فہم سلیم آپ کو مسبب غیر مسبب تک پہونچا دیگی۔ یہ قول اکبر، اخیر کیوں کا جواب تو ہے!

قانون زندگی اور لحم حیوانات

"گوشت خوری پر ایک نظر"

کے عنوان سے جو لمبا مضمون صدق کے تین نمبروں میں حال میں شائع ہوا ہے۔ اسکے پہلے نمبر کو پڑھ کر علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی حیدر آباد دکن سے تحریر فرماتے ہیں:—

پر صاحب ہر سے والوں میں ہیں۔ پہلے [illegible]

تھا آپکے لفظ "بے معنی" نے دیر تک ہنسایا، اور پھر خوشی کے کیا کہنے۔ فقیر نے بھی ان بزرگ کو بہت سمجھایا تھا۔ کیا جو عرض کیا تھا کہ کسی مذہب میں گوشت خوری کی ممانعت میرے خیال میں اسکی دلیل ہے کہ اس مذہب کا تعلق خداوند علام الغیوب سے نہیں بلکہ کسی جاہل انسان سے ہے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ موجودہ زندگی کا مدار ہی اس پر ہے کہ زندوں سے دوسروں کو زندگی عطا کی جاتی ہے۔ جیسے قدرت نے بعض چیزوں کو زندگی عطا کی اس لیے کی ہے کہ بنی آدم کے لیے زندہ غذا کا سامان ہو، وہ وہ نباتی زندگی ہو یا حیوانی، انسانی زندگی میں حیات کا پہلو کمزور ہوتا ہے اس لیے اس سے وہ زندگی حاصل نہیں ہو سکتی جو حیوانی زندگی کی قوت سے فراہم ہو سکتی ہے۔ اللہ کے ان بندے کو بہت سمجھایا، قرآن کی آیت پڑھ کر بار بار پوچھا کہ

آالذکرین حرم ام الانثیین ام اشتملت علیہ ارحام الانثیین نبئونی بعلم ان کنتم صادقین	کیا گذشتہ جانوروں یعنی بھیڑ بکری سے اونٹ کے نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا انکی ماداؤں کو یا جن بچوں پر مادہ کے

ارحام مشتمل ہوتے ہیں، خبر دو مجھے کسی علم کا اگر تم سچے ہو۔

یہ بھی عرض کیا کہ بھائی سورۃ الانعام اٹھا کر پڑھ لیجیے۔ ان ہی سوالات کو دوہرا کر اللہ میاں نے گوشت خوری پر حرمت کا حکم لگانے والوں سے پوچھا ہے کہ اللہ جب وقت انکو حرام کر رہا تھا اس وقت کیا تم موجود تھے؟ آگے یہ بھی ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے اور علم کے بغیر لوگوں کی راہ مارتا پھرے۔

کلمۂ خیر

"پونا ۲۰ نومبر۔ گاندھی جی نے اپنے تازہ بیان میں کہا ہے کہ انتخابات کے سلسلہ میں بعض نعرے میرے سننے میں ایسے آرہے ہیں جنھیں میں بالکل ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ مسٹر جناح ہوں یا کوئی دوسرے لیڈر، انکے خلاف غیر مہذب نعرے ہرگز نہ لگنے چاہییں مجھے اس سے دکھ ہوتا ہے۔ میں تمام پارٹیوں سے یہی درخواست کرتا ہوں" (خبر)

کاش یہ اچھی اور سچی بات کسی پارٹی کے مسلمان لیڈر کی زبان سے دوسرے مسلمان لیڈروں کے حق میں نکلی ہوتی! آج جو دوسروں کے حق میں بدزبانی اور ذاتیات اور سب و شتم شہہ دے رہے ہیں، وہ خود اپنے سر بھی مصیبت بلا رہے ہیں۔

سمندر میں آگ

واشنگٹن، ۱۲۔ نومبر۔ امریکی سینٹ کے ایک ممبر نے نہایت زور دے کر کہا ہے کہ جوہری بم کے بحری تجربہ کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، کہ کہیں سمندر میں ریڈیو ایکٹیو (RADIO-ACIVE) نہ پیدا ہو جائے، جس سے سلاری مچھلیوں اور ہر قسم کی سمندری حیوانات کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ ممبر موصوف نے کہا کہ اس شعاع ریزی سے جو آفت اور قیامت برپا ہو گی

حکیم الامت:

نقوش وتاثرات

نمبر (۱۸)

از عبدالماجد

جواب آیا، اور مولانا کی عام عادت کے مطابق فوراً آیا:

"از ناکارہ آوارہ اشرف علی عفی عنہ

بگرامی خدمت عالی درجت مخدومنا معظمنا ادام اللہ فضائلہم وافاضاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

باوجود میرے ناقابل خطاب ہونے کے جو مجھ کو خطاب سے سرفراز فرمایا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا کیا اور کس طرح شکریہ ادا کروں بجز اسکے کہ

از دستِ گدے بنوا آید ہیچ   جز آنکہ بصدق دل دعائے گوید

جب خدمت کے لیے مجھکو ارشاد ہوا ہے اول تو اسکا یعنی خدمت کا جو پیہ مزید برآں جناب کا فکر ہونا فی نفسہٖ کسی عذر کا محتمل نہیں لیکن اگر کوئی عذر حد عذر سے متجاوز ہو کر حد عجز تک پہونچ گیا ہو، غالباً اسکا پیش کر دینا نقض امر نہ ہوگا۔

اسی بناء پر چھپا ہوا عذر نامہ پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں اور بجائے شرکتِ جسمانی کے شرکتِ روحانی پر جسکا ظہور بصورت دعا ہو، اسپر اکتفا کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اور اس دعا کی اجابت کی دعا جناب سے چاہتا ہوں۔

اور علاوہ دعا لیے از مدارات متعلقہ کے متعلق شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کو اپنے کچھ بیٹے کا کاشف اور شفیع بناتا ہوں

آں را کہ عقل وہمت وتدبیر ورائے نیست   خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

والسلام   از تھانہ بھون ۲۴ رجب ۵۲ھ"

یہ ہے "خشک و درشت مزاج" مولانا تھانوی کا جواب ایک کم عمر اور اعتقادی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے ایک مخالف کیمپ کے مولوی صاحب کے نام! —

"خشک ... درشت مزاج"

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا!

وطن پہونچ کر سفر کا تبصرہ اور میزبان کا شکریہ لازم تھا۔ پہونچتے ہی جو عریضہ لکھا، وقت کے تازہ تاثرات کا ترجمان ہے۔ لیکن دل جھجکتا ہے کہ جو باتیں صرف سرگوشیوں میں کہنے کی ہیں، انھیں سرِ محفل کیسے بتا دیا جائے؟ — دوسری طرف مولانا کے افادات کے منافع ومصالح! انھیں چھپا کس طرح ڈالا جائے؟

اچھا تو فیصلہ یوں سہی، کہ مولانا کے ارشادات تو جوں کے توں نقل کردیے جائیں؛ رہے اپنے معروضات تو وہ کہیں نقل اور کہیں انکی محض نمونہ۔ — ایک کے لیے روایت باللفظ کا اہتمام؟ دوسرے کے لیے روایت بالمعنی کی گنجائش! — معروضات کے لیے "م" اور ارشادات اشرفی کے لیے "ا" کی علامت ذہن میں رکھ لیجیے، اور آگے چلیے:-

م- سیدی ومطاعی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ا- مشفقی مکرمی دام کرمکم عفی اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

م- وطن پہونچا   ا- الحمد للہ

م- لکھنؤ میں خواجہ [عزیز الحسن مجذوب] صاحب کے دو ملاقاتیں ہوئیں دونوں بہت پرلطف

ا- ماشاء اللہ۔ زادکم اللہ لطفکم علی الطف

م- اس کی تفصیل حاضری میں آنکھوں نے اور دل کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا کاش اسے دوسروں کو بھی دکھا سکتا۔

ا- کوئی چیز ہی ہنیر ہے جسکو کوئی دیکھے۔ یہ تمنا درحقیقت اہل نظر کے اہل وہم ہونے کی تمنا ہے۔ مگر جو محبتین اس وہم میں مبتلا ہیں میرے لیے تو وہ وہم حسن ظن ہے، جو میرے لیے ہر حال میں مبارک ہے۔

م- کتنے اعزہ واحباب غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے ہیں انکے لیے دل بے اختیار کڑھتا ہے۔

ا- یہ غلبہ ہے محبت کا ادراک پر۔ اور چونکہ میرا ادراک غالب بمحبت ہے میں اس سے مسرور ہوں کہ انکے خلاف دافع اعتقاد سے ذات محفوظ ہیں۔

م- مجھے جو نعمتیں حاصل ہوئیں انکا اظہار الفاظ میں کیونکر ہو۔

ا- یہ عدم اظہار اظہار سے ابلغ ہے۔

م- بڑی نعمت، بڑی حاصل ہوئی جو مدینہ منورہ کی حاضری میں حاصل ہوئی تھی یعنی قدم قدم پر اپنی پستی، اپنی نالائقی کا احساس اور سمجھا ہے وہاں کی برکات وانوار سے مستفید ہونے کے اٹھا یہ دھڑکا کہ کہیں یہ وجود نجس وہاں کی فضائے پاک کو گندہ نہ کردے

ا- حقیقت میں بڑی نعمت ہے۔ جس پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ نیستی ہی تو ہستی ہے۔

م- بس اسی قسم کا سبق تھانہ بھون کی حاضری میں ملا۔

ا- مگر اتنا فرق ہے کہ وہاں تو واسطہ محل کے تھا یہاں بلا واسطہ محل کے گو آپ کو محل کا گمان ہوا ہو جو باوجود خلاف واقع ہونے کے مضر نہیں۔

م- جتنی دیر حاضر خدمت رہتا تھا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب کے سامنے ایک ٹمٹما سا چراغ ہے۔ دل بار بار ندامت وخجالت سے گڑا جاتا تھا۔

ا- انشاء اللہ یہی تو بڑی دولت ہے کہ چھوٹوں سے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھا جائے۔

م- تفسیر، حدیث، فقہ سے متعلق بھی بہت سے امور میں آنکھیں کھلیں؛ لیکن تصوف یعنی اخلاق سے متعلق جو بیش بہا درس ملے ان کے بیان سے عاجز ہے۔

ا- یہی بات پھر کہنے کو دل چاہتا ہے کہ یہ سب غیر محل سے ملا۔

م- ان نیومن سنوبیوں کے علاوہ مادی حیثیت سے بھی بڑی راحت ملی گویا اپنے گھر میں تھا۔ اپنے اوقات و مشاغل میں پوری طرح آزاد۔

ا- اس جزو میں تو میں بھی بلا کسی تفصیل وتمادل کے موافق ہوں۔ لہذا اس کو خود بھی بارہا بطور تحدیث بالنعمۃ کے کہا کرتا ہوں کہ یہاں کسی پر کوئی گرانی نہیں ڈالی جاتی، نہ خیالی نہ واقعی۔

م- کاش ہمارے مولانا... بھی اسی طرح اپنے خادموں کو آزاد چھوڑ دیتے۔

ا- تو لطیفہ مجاہدہ جواب ہے لیے ہوتا۔

م- چند گھنٹوں کی حاضری میں بار بار لطائف اور مجاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔

ا- یہی مجبوری تو روح سے فنا کی۔

م- ایک خواب تھانہ بھون کے زمانہ قیام ہی میں دیکھا تھا۔ آج عرض کرتا ہوں۔ دیکھا کہ ایک بڑا سا مکان ہے جیسے کسی طبیب کا مطب۔ جناب وہاں کھڑے ہیں، اور پاس بہت ڈولی گھر اندر حضور کے محل صاحبہ تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں وہ باہر نکل آئیں، اور تخت پر تشریف فرما ہوئے میری طرف نسبت کے کچھ خانگی معاملات کا ذکر فرمانے لگیں، میں مسرور بھی کہ مجھ پر اتنا اعتماد فرمالیا گیا، ساتھ ہی دنگ و متحیر بھی کہ جناب جیسے محسنہ شریعت کے ہاں نامحرم سے مخاطبت کی اجازت کیسی؟

لیلیٰ تو ایک مثنٰی محبوب ہوتی ہے۔ میری نسبت محبوبیت اس شکل میں ظاہر ہوئی۔ اور نسبت محبوبیت سے یہ مراد نہیں کہ میں محبوب ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ میرے قلب میں طالبین کی جو محبت ہے۔ غرض وہ صفت اس شکل میں ظاہر ہوئی اور اس صفت کا آپ کی طرف متوجہ ہونا اشارہ ہے خاص نفع حاصل ہونے کی طرف ان شاء اللہ۔

م- وہاں کے دوسرے حضرات میں مولوی شبیر علی صاحب بہت بہتر نظر آئے۔ اللہ انھیں برکات دارین عطا فرمائے۔

ا- اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرمادیں۔

م- میرے ہمنام مولانا بدایونی ایک عریضہ خدمت والا میں، خدا معلوم میرے توسط سے کیوں ارسال کررہے ہیں، ملفوف ہے۔

ا- غالباً اس توسط کو موثر سمجھا۔ میں بھی اسی مصلحت سے اسی توسط کو اختیار کرتا ہوں کہ میرا عذر موثر ہو۔

ذکر یہ تو ذہن میں ہے نہ، کہ دسمبر ۲۵ء کا چل رہا ہے۔ صدق نقش اول سچ (ہفتہ وار) اس وقت ماشاء اللہ زور وشور سے نکل رہا تھا۔ دو بزرگ ایسے بھی تھے، جنکی خدمت میں انتہائی تعلق کے باوجود پرچہ نہیں بھیجا جاتا تھا۔ ایک اپنے سب سے بڑے محبوب مولانا محمد علیؒ، دوسرے اپنے سب سے بڑے مقتدا مولانا تھانویؒ دونوں کا رعب، ادب اور لحاظ اتنا غالب تھا کہ پرچہ نذر کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ خدا معلوم کس وقت کس مضمون پر کیا اعتراض کر بیٹھیں۔ اس وقت کچھ کہتے وھرتے نہ بنے گی۔ نہ اپنے ضمیر و ایمان کے خلاف چلنے پر عقل آمادہ ہوگی، اور نہ ان حضرات کے ارشادات کی عدم تعمیل کو دل قبول کریگا —— لیکن اب سچ کے سلسلہ میں ایسی صورت آئی، کہ حکیم الامت سے رجوع کرنا ناگزیر ہوگیا۔

بلکہ یوں کہیے کہ کوئی ڈیڑھ سال سے سچ میں ایک مسلسل مضمون ظہور مسیح و دجال اور خروج یاجوج ماجوج پر یورپ اور اسلام اور دوسرے عنوانات سے نکل رہا تھا۔ لکھنے والے حیدرآباد دکن کے ایک صاحب علم صوفی اور خانقاہ جیلانیہ مستعد پورہ کے شیخ، مولوی محمد شاہ صاحب قادری تھے، جنھوں نے کسی مصلحت سے اپنا اخباری نام "عبداللہ شاہ قادری" رکھا تھا۔ احادیث متعلقہ کی ایک نئے انداز پر تفسیر کرکے موصوف دکھا رہے تھے کہ پیشگوئی تمثیل و مجاز کے پردہ میں ہوتی ہے چنانچہ حدیث نبوی میں دجال اور یاجوج ماجوج سے مراد اقوام فرنگ ہیں۔ عام علماء کو اس تعبیر سے شدید اختلاف تھا۔ مضمون کے شروع میں ایڈیٹوریل نوٹ میں اگرچہ یہ لکھ دیا گیا تھا کہ مدیر کو نہ اسکے مطالب سے حرف بحرف اتفاق ہے نہ یہ انداز تحریر ہی زیادہ پسند ہے۔ اس پر جب مضمون کے بیسیوں نمبر نکل چکے تو اپنی ذمہ داری کا احساس زیادہ ہوا۔ اور اگست ۲۸ء سے دسمبر ۲۹ء تک پورے ڈیڑھ سال کے کل پرچے مولانا کی خدمت میں تنقید کے لیے ارسال کیے —— خط تنہا اس پیلک معاملہ کے لیے کیوں جاتا، دو تین باتیں ذاتی بھی عرض کردیں۔

(بقیہ صفحہ ۲)

برپا ہوکر رہیگی، اسکا ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ)

احتیاطی اور تدبیریں لاکھ کرلیجیے، لیکن بہرحال کسی نہ کسی دن تو اذا البحار سجرت و اذا البحار فجرت کی تقدیر ہے تو ہر تدبیر کو شکست کھانا ہی ہے۔

وعظ سائنس کی زبان سے

محمد علی نامی میں تقریر کے دوران میں ملک کے مشہور و معروف ماہر سائنس، سر سی، وی، رامن نے کہا کہ ہمارے ملک کی بعض فلمیں بہترین صنعت گری کا نمونہ ہیں، لیکن اخلاقی زہر سے لبریز۔ امریکی فلموں میں ۸۰ فی صدی کا تعلق جرائم، جنسی معاملات، عاشقی اور جنگ سے ہوتا ہے۔ اور جنسی معاملات میں مرد و عورت کا بے لگام تعلق شامل ہے۔ ہندوستان کی فلم ساز کمپنیوں کو امریکہ کی نقالی سے بچنا چاہیے۔" (لیڈر، ۱۰ر نومبر ۴۵ء)

سر سی، وی، رامن فن طبعیات کے ماہر ترین سہی، لیکن "آرٹ" کے ذوق سے کچھ کورے سے نظر آتے ہیں۔ امریکہ کی نقالی سے اور شہوانی فلموں سے ہندوستانی صنعت فلم سازی اگر آزاد ہوگئی، تو پھر سینما میں کشش ہی کیا رہی! اور کروڑوں لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ذریعہ ہی کیا رہ گیا؟

(سینٹر پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

ہماری زبان

ڈاکٹر تارا چند کی صدارتی تقریر۔ ترقی پسند کانفرنس حیدرآباد دکن میں

ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اور اسکے مسائل بھی بہت پیچیدہ ہیں جنکو حل کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور اگر ہم نے اس فرض کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا تو مجھے یقین ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ہم ایک نیا باب کھولینگے۔ زبان کا مسئلہ بھی بہت پیچیدہ مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ سامنے اُس وقت آیا جب ایک قومیت اور ایک سلطنت کا خیال پیدا ہوا۔ اور کل ہند زبان کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پہلے بنگال والوں نے بنگال والوں کے لیے قومی زبان ہونے کا دعوے کیا۔ وا پ ہندی والے اور اُردو والے الگ الگ ایسے ہی دعوے کر رہے ہیں۔ بعض لوگ اس ایک زبان کی ضرورت ہی کو فضول قرار دیتے ہیں اور اسکی مثال پیش کرتے کہتے ہیں کہ ایک سے زائد زبانوں میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ اگر ایک سے زیادہ زبانیں کل ہند زبانیں نہیں ہوسکتیں۔ اس کی مثال پر عمل کرکے ہمیں اپنے یہاں ہر علاقہ کی صوبائی زبان کو ترقی ضرور دینی چاہیے۔ لیکن ایک زبان صوبائی بھی ہونی چاہیے۔ جیسے کہ روس میں روسی زبانیں تین ہیں۔ امریکہ میں چودہ زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن انگریزی زبان سب سے زیادہ عام ہے گر ایک سے زیادہ زبانوں کو اعلیٰ تعلیم کی زبان بنایا گیا تو ایک اور سوال یہ پیدا ہوگا کہ جہاں قریب قریب ایک ہی زبانیں بولی جاتی ہیں مثلاً شمالی ہندوستان کے مشرقی حصہ میں پچھمی ہندی اور پنجابی وغیرہ بولی جاتی ہیں وہاں اعلیٰ تعلیم کی زبان کیا ہوگی۔ یو۔پی میں انٹرمیڈیٹ کے طلبہ اُردو ہندی میں امتحان کے پرچوں کے جواب لکھ سکتے ہیں۔ مگر یونیورسٹی کی "تعلیم" کے متعلق کئی سال سے بحث جاری ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی ہے کہ تحقیق کے لیے کونسی زبان اختیار کی جائے۔ تحقیق کرنیوالے کو ایسی ہی زبانیں سیکھنا پڑتی ہیں۔ اس پر مزید بار ڈالنا نامناسب ہوگا۔ اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمامی ہند کی زبان مقرر کردیجائے۔

تاریخ سے پتہ ملتا ہے کہ ہندی اور اُردو دونوں ایک ہی بولی کی ترقی شدہ صورتیں ہیں۔ یوپی میں کھڑی بولی کہلاتی ہے جو دہلی اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں بارھویں صدی سے آج تک بولی جاتی رہی ہے۔ اسے پچھمی ہندی کی شاخ کہتے ہیں۔ اور پچھمی ہندی خود پراکرت سے نکلی ہے۔ اسکے چاروں طرف راجستھانی، پنجابی، پوربی ہندی، سندھی، مرہٹی اور گجراتی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت یہ سب موجود تھیں۔ بارھویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک ان میں ترقی ہوئی اور یہ ادبی زبانیں بن گئیں۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور دہلی کے آس پاس رہے اس علاقہ پر جسے پراکرت کہتے تھے اور آریائی کھڑی بولی میں تبدیلیاں ہوگئیں۔ یہ تبدیلیاں محض ظاہری اور صرف اُن لوگوں کی ہوئی تھیں جو شمشیر لے کر آئے تھے بلکہ یہ بہت گہری اور اُن لوگوں کی پیدا کی ہوئی تھیں جو ہندوستان کی ذہنیت میں تبدیلی کرنا چاہتے تھے مثلاً خواجہ معین الدین چشتی اور دوسرے صوفی فقیر۔ انھوں نے ہندوستان کی ذہنیت پر گہرا اثر ڈالا۔ اور ہر مسلمان ہوتا تو اس پر فخر کرتا اس تبدیلی کا اثر آج میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کے آنے کے بعد ایک نئی زبان بننے لگی۔ یہ شروع میں محض بول چال کی زبان تھی۔ چودھویں صدی تک اس میں کوئی ادبی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ پھر جب مسلمان دکن گئے تو وہاں کے لوگوں کو اصول زندگی سکھلانے کے لیے انھیں ایک زبان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے پہل کھڑی بولی میں ادب کہا جانے لگا اور پندرھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک دکن میں یہ زبان خوب پھلی پھولی۔ گر زبان کو پھیلانے والے حکمراں نہیں بلکہ وہ لوگ تھے جو عام لوگوں کی ذہنیت پر اثر ڈالنا چاہتے تھے اس زبان کا بیشتر حصہ گھڑے الفاظ پر مشتمل ہے۔

اس زمانہ میں شمالی ہند میں مذہبی تحریکیں اُٹھیں اور کرشن بھگتی کا بول بالا ہوا۔ اسکے ساتھ اس خطہ کی بولی یعنی برج بھاشا نے ادبی صورت اختیار کرلی۔ اس میں سورداس نے سب سے پہلے لکھا۔ اور یہ زبان پچھمی ہندی کی شاخ کھڑی بولی سے بڑی مشابہت رکھتی ہے یہ پوربی ہندوستان تھا ہندوستان میں کبیرداس کا زمانہ تھا۔ جس کی نسبت ابھی تک تحقیق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ انھوں نے اُردو ہی زبان میں دوہے لکھے اور اسی زبان میں جائسی نے سب سے پہلے کتاب لکھی۔ جب سترھویں صدی عیسوی میں تلسی داس نے مثنوی کے طرز پر رامائن لکھ کر اُردو ہی زبان میں سنسکرت کے نامانوس الفاظ بھردیے۔ اور اسی طرح جب اٹھارویں صدی میں برج بھاشا پر سنسکرت کا اثر غالب آنے لگا تو زبان کی ترقی رک گئی اور تنزل شروع ہوگیا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا انھیں بھی مقامی زبان جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ کلکتہ فورٹ ولیم کالج میں انگریز افسروں کو سنسکرت، فارسی، عربی اور اُردو کی تعلیم دی جانے لگی۔ مگر اس فہرست میں ہندی کا نام کہیں نہیں ہے۔ لیکن جب انگریز حکمراں اور مورخین نے دیکھا کہ مسلمان انکے مخالف ہیں اس لیے ہندوؤں کو اپنی طرف ملانے اور عیسائی بنانے کے لیے انھوں نے ہندو اُستادوں سے اُردو زبان میں سے فارسی اور عربی الفاظ نکلوا کر سنسکرت کے الفاظ لکھوائے۔ اسکا نام انھوں نے ہندی تجویز کیا تاکہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔ یہ تفریق ۱۸۰۳ء سے شروع ہوئی۔ لیکن شروع میں ہندی زبان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ ۱۸۵۷ء تک اس ہندی میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں اگرچہ اُردو کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد

(باقی)

تصوف اور اسلام

(از: جناب بدرالدین صاحب بی اے، کلکتہ)

پہلے مجھکو ایک گزارش کہہ لینے دیجیے۔ موجودہ رسم کے لحاظ سے مجھے آپ کو مولانا کے لفظ سے مخاطب کرنا چاہیے تھا، مگر میں اصولاً پیغمبر اسلام کے سوا کسی شخص کو اس خطاب سے نہیں پکارتا۔ اور کم از کم تبع تابعین کے زمانہ تک جسکے اندر بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں، غالباً کوئی عالم اس خطاب سے نہیں پکارا گیا[1]۔ معنی کی رو سے بھی سرور کائنات کی ذات بابرکات ہی اس خطاب کے لیے موزوں ہے۔ میرے خیال میں ایک عالم کے لیے مولوی یا زائد سے زائد علامہ کا خطاب کافی ہونا چاہیے مجتہدین اور مشائخ طریقت کو امام اور شیخ کہیے۔ یہ تو ایک بڑی سخت بدمذاقی قوم میں پھیل گئی ہے، لوگ عموماً بغیر مولانا کہے اکہلائے خوش نہیں ہوتے۔ مگر مثل مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ تری کونسی کل سیدھی" قوم (ظاہر ہے کہ میں خود بھی اس میں شامل ہوں) کے کن کن معائب پر آج رو دیا جائے "پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد"

قوم کا آج یہ حال ہے کہ ملک کے ہر اس شہر، قصبہ، یا گاؤں کو جہاں کسی "ولی اللہ" کی قبر ہو، شریف کے خطاب سے ممتاز کرنے کو عبادت تصور کرنے لگی ہے۔ میں بجز مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور بیت المقدس کے کسی مقام کو شریف کے نام سے نہیں پکارتا۔ خواہ اجمیر ہو یا سرہند۔ حالانکہ مجھ کو ان بزرگوں سے اتنی عقیدت ہے کہ یہ گمان رکھتا ہوں کہ اگر نبوت کا سلسلہ سرور کائنات پر ختم نہ ہوجاتا تو انبیاء غالباً ان ہی بزرگ ہستیوں میں سے پیدا ہوتے۔

برادر عزیز! جس مسکین نے اللہ اور اسکے رسول کی محبت سے دین کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے (وہ واقعی ایک عزیز بھائی ہے) اسوقت دراصل جس موضوع پر آپ کو خط لکھنا چاہتا ہوں وہ تصوف اسلام سے متعلق ہے۔ اس پر آپ کی ایک تصنیف ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بھی یہی خیال ہے جو ایک قرن سے مسلمانوں میں رائج ہے کہ روحانی تعلیم ایک خاص جماعت (جو شیوخ طریقت کے نام سے مشہور ہے) کے توسل ہی سے (بصورت پیری و مریدی) حاصل کی جا سکتی ہے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے اور اسکی وجوہات یہ ہیں،

۱ قرآن اور حدیث میں اسکا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ سرور کائنات کے زمانہ اور نہ خلفائے راشدین کے عہدوں میں اس قسم کے سلسلۂ تعلیم کا وجود تھا۔ ملت کے مسلمان ظاہری اور باطنی تعلیم ائمۂ عصر کی مجلسوں میں حاصل کرتے تھے۔ ایک مسلمان کو روحانی علم تو بس اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اعمال کو خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق بنا لے اور عبادت و ریاضت کو اپنے اوپر لازم کرلے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مشائخ طریقت نے سلوک و ریاضت کے خاص خاص طریقے ایجاد کیے ہیں۔ جیسے جسمانی ورزش کے مختلف طریقے بنوٹ، کشتی، قواعد، ڈنڈ، وغیرہ ماہران ورزش نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ اگرچہ طرق کے سلسلوں کے موجد بذات خود عالم تھے اور انکی نیت اچھی تھی اور ایک حد اور مدت تک انکی تعلیم بہت سے لوگوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی ہوگی مگر بعد میں اس سلسلۂ تعلیم سے جو مہلک نتائج پیدا ہوتے گئے ہیں انکو مدنظر رکھتے ہوئے آج علماء کو چاہیے کہ اس پیری مریدی کی بدعت کو قطعاً حرام کردیں۔ اس بدعت نے توحید کا جو اسلام کی روح ہے خاتمہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ کی بات دوسری تھی آپ کا ہر حکم خدا کے حکم کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ ہر تعلیم دین و دنیا کی فلاح کی بنیاد ہوتی تھی۔ لہذا آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنا عین عبادت تھی۔ رسول اللہ کے بعد جو بیعت کی جاتی تھی وہ صرف خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر سیاسی وفاداری کی کی جاتی تھی۔ بھلا پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے کیا معنی؟ عارفان تو خود کو سب سے زیادہ گنہگار تصور کرتے ہیں۔ بعض تو ایسے گزرے ہیں کہ انکو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ انکی قوم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے کہیں انکے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے نہ ہوتی ہو؟ ایسے بزرگوں کو کبھی یہ نہ سوجھی کہ دوسرے مسلمانوں کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب بٹھا کر انکو "توجہ" دیں یعنی اپنے قلب کا انکے قلوب پر اثر ڈالیں! میں بہرکیف عرض کرچکا ہوں کہ بانیان سلسلۂ طریقت نہایت بزرگ ہستیاں تھیں مگر اسکے معنی نہیں کہ ان کا ہر فعل اور طریقہ سنت سمجھا جائے۔ خداوند تعالیٰ کی عادت کے برخلاف ہے کہ کسی ایک شخص کو ہر فن میں کامل علم عطا کرے۔ لہذا کسی بڑے سے بڑے عالم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی کل رائیں صائب صحیح اور غلطی سے مبرا ہیں، غلط ہے۔ بدعتوں (اگو بعض کو حسنہ کی کی نوعیت دی گئی ہے) کی ترویج یوں ہی ہوتی ہے کہ ہر ابتدا میں کسی بزرگ نے کوئی اجتہادی غلطی کی اور اسکے بعد انکے پیرو انکو خطاؤں سے مبرا سمجھ کر آنکھ بند کیے ہوئے انکے قول و فعل پر عملدرآمد کرتے گئے۔ یہی حال تصوف کا ہوا ہے کہ آج پیری و مریدی کے سلسلہ کو روحانی تعلیم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔ اور بعض مشائخ نے تو قرآن کریم کی ایک آیت کے معنی کو کھینچ تان کر پیری مریدی کو قرآن سے ثابت کرنے تک کی کوشش کی ہے۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ اس نام نہاد تصوف اور پیری مریدی کی رسم سے دین و ملت میں کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں،

---

[1] لیکن اسوقت تک تو یہ آجکل کے اصطلاحی القاب تھے ہی بہت کم۔ "مولانا" کا لقب ابھی آج سے ۳۰ سال قبل تک تو بڑے عالم کے مرادف تھا۔ جس طرح "مولوی" مجتہد عالم کے لیے۔ مذاق بگاڑ کرنے والے "مولانا" ظفر علی خاں صاحب کا کرم ہوں جنھوں نے اپنے زمانہ کے مشہور و کثیر الاشاعت روزنامہ زمیندار کے ذریعہ سے پہلے پہل اسکا استعمال ایک خاص عربی قسم کے اہل قلم رائٹ آنریبل سید امیر علی کے لیے کیا، اور اسکے بعد سے بلا تخصیص یہ لقب ہر قومی کارکن کے لیے چل پڑا! اردو محاورہ کے اعتبار سے بھی اب اسکے استعمال کو محدود کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ (صدق)

(۲) پیر کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے راہ کا حامل سمجھا جاتا ہے جو جماعت صوفیہ کے عقیدہ کی رو سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہل پیر مریدوں کو ایسے ایسے عقائد اور اعمال کی تعلیم دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف اور اکثر مشرکانہ ہوتے ہیں مریدوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور۔ علما کی تعلیم کو یہ کہکر بیکار کردینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرات غیر مقلد اور وہابی ہیں حالانکہ سرورکائنات نے یہ فرمایا ہے کہ عالم کی عابد پر اتنی فضیلت ہے جتنی مجھکو تم میں سے ادنی شخص پر ہے۔ بیچارے جاہل مریدوں کو اتنی سمجھ کہاں کہ اپنے ان مرشدوں سے پوچھیں کہ جن ائمہ کے آپ مقلد ہیں انمیں سے کب کہا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔

(۲) مرید اپنے پیروں کو مقدس سمجھتے ہیں بلکہ اکثر قابل پرستش تصور کرتے ہیں۔ اس گندے عقیدہ کے نتائج پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں صوبہ سندھ کی حُر جماعت کی تاریخ شاہد ہے

(۳) چونکہ پیر کو مقرب بارگاہ ایزدی سمجھا جاتا ہے۔ مرید خدا کے ساتھ اپنے تعلقات درست کرنے کی پروا نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ کوئی مصیبت ان پر نازل ہوگی تو مرشد کی توجہ سے وہ ٹل جائے گی

(۴) سلوک و طریقت کی آڑ میں قرآن اور احادیث کی تعلیمات پس پشت ڈال دی جاتی ہیں بلکہ نعوذ باللہ مشائخ کے مکتوبات و ملفوظات کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے بڑھ کر اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کے کلام کا زیادہ سے زیادہ احترام کیا گیا تو یہ کہدیا گیا ؎

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآں در زبان پہلوی

ذرا اس بدتمیزی کو ملاحظہ فرمائیے! جس قرآن کی عظمت کا خداوند تعالیٰ نے یہ کہکر اظہار فرمایا ہے کہ اگر میں اسے پہاڑ پر اُتارتا تو خدا کے خوف سے پہاڑ شق ہو جاتا، ہم اسکو ایک انسان کی لکھی ہوئی کتاب سے نسبت دی جاتی ہے یہ کہکر کہ یہ تو قرآن ہے، صرف یہ فرق ہے کہ بجائے عربی کے فارسی میں ہے۔ "بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!" اس بدتمیزی کے شعر سے میرے دل کو جو صدمہ پہنچا کرتا تھا وہ خدا بھلا کرے[۱] اس شخص کا جس نے یہ شعر کہا ہے ؎

ایں حدیث از صوفیاے شوم نیست[۲]
مثنوی مولوی روم نیست

کہ اسکے اس شعر سے ایک حد تک جاتا رہا اور میں خدا کا شکر بجالایا کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو مولوی روم کی پرستش نہیں کرتے۔

عارفین حق جو علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں انکو بیشک بڑے بڑے روحانی کمالات حاصل ہوتے ہیں مگر اول تو ان کمالات کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بالکل سچ کہا ہے کہ "کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد"۔ دوسرے یہ کمالات اس قسم کے نہیں ہوتے جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، مثلاً کسی پر ایک نظر ڈالی تو اسکو شیطان سے ولی یا جلا کر بھسم کردیا۔ ایسے کمالات تو کسی نبی یا رسول کو بھی عطا نہیں ہوئے تھے۔ صدیقین تک تو سب کے سب اپنی عاقبت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہا کرتے تھے۔ بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مشائخ طریقت ہی سے بزرگی اور کمالات اور کرامات کا کون مستحق ہوگا۔ مگر آپ کے خوف عقبیٰ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے روز خداوند تعالیٰ فرمائے کہ میں بجز ایک بندے کے سب کو جنت میں داخل کردونگا، تو مجھے گمان ہوگا کہ وہ بندہ شاید میں ہوں۔ اسی طرح اپنی حالت رجا کا بھی اظہار فرمایا۔ سبحان اللہ۔ یہ ہے خداوند تعالیٰ کی بے نیازی اور اسکے جبروت اور ہیبت کا سچا تصور۔

مشائخ طریقت کی جتنی کرامات عام طور سے کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں تقریباً سب کے سب لغو اور بے بنیاد ہیں جو انکے خلفا اور اولاد انکی وفات کے بعد مشہور کرتے گئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آخر اس قسم کی کرامات کیوں نہیں مشہور ہیں، اس لیے کہ انحضرات نے پیری مریدی کا سلسلہ قائم نہیں کیا تھا، اور نہ خلفا اور مریدوں کی کوئی جماعت چھوڑ گئے تھے، انکے خلفا تو بس انکے شاگرد ہوا کرتے تھے جو خود بھی سچے معنوں میں ہادیان دین متین ہوتے تھے اور حضور سرورکائنات کے قول کے بموجب انبیاء بنی اسرائیل کا درجہ رکھتے ہونگے۔

برادر عزیز۔ میں نے اس طویل تحریر سے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا، مگر اس امید پر ایسا کیا ہے کہ اگر آپ کو میرے خیالات سے اتفاق ہوگا تو آپ اس ضمن میں قوم کی اصلاح کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ میں نہ عالم ہوں اور نہ میرے پاس سردست اتنا وقت ہے کہ باقاعدہ کوئی دینی خدمت کرسکوں۔

خط کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آپ کے علم و فضل میں روز افزوں اضافہ فرمائے اور جو سب سے بڑی بات ہے علم کے ساتھ ہی ساتھ حکمت جسکا ذکر اللہ جل شانہ نے اکثر اپنے کلام میں علم و الحکمۃ کے ارشاد سے فرمایا ہے عطا فرمائے۔ علم تو انسان کسب سے حاصل کرلیتا ہے مگر حکمت رب العالمین کا ایک خاص عطیہ ہے اور

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صدق۔ مخلص مکتوب نگار کا جذبۂ ایمانی قابل قدر ہے، اور انکا مکتوب اسکا آئینہ۔ لیکن جوش اصلاح میں وہ ذرا دور سے

[۱] شعر کو لفظی معنی میں لیکر مومن کے دل کو صدمہ پہنچنا بالکل درست ہے، لیکن شاعر کی بھی یہ مراد یقیناً نہ ہوگی۔ مبالغہ شعری خود ایک مستقل فتنہ مدت سے مسلط ہے اور اسکی سند جواز بھی اسکی تہ میں مستعجب تصوف

[۲] اگر آپ کے علم میں اس شعر کا موقع و محل اور اس شاعر کا نام ہوتا تو توقع ہے آپ ... خوش نہ ہوتے۔ (صدق)

سرے پر پہونچے جا رہے ہیں۔ شریعت و طریقت میں حقیقۃً کوئی شائبہ تضاد و تنافض ہی نہیں۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے متمم و مکمل ہیں اور بعض عارفین وکاملین آج تک ہوئے ہیں، وہ رسماً سند یافتہ عالم ہوں یا نہ ہوں، بہر حال سب کے سب مغز شریعت کے حامل ہوئے ہیں۔

خوش عقیدہ معتقدین نے بےشک صوفیہ بڑے غلوسے کام لیا ہے، اب بھی کام لے رہے ہیں، لیکن انکی زیادتیوں سے مشتعل ہوکر اصل نظام طریقت کی تردید و تغلیط بھی دوسری انتہا ہے ———— کپڑے کو دھوبی تک دیجئے کہ داغ دھبے سیل کچیل دور ہوجائیں نہ یہ کہ خود کپڑا ہی تشریف لیجائے۔ خذ ما صفا و دع ما کدر بڑا حکیمانہ مقولہ ہے۔ یہ قرآن مجید کی زبان میں تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اصل صوفیہ تو توحید کے پتلے ہوئے ہیں۔ کمال کے ساتھ حال میں بھی عبد کامل بننے والے۔

مراسلہ

مخلصی مخدومی! تسلیم و آداب

صدق نمبر ۵ ابھی ملا ہے۔ مضمون "نفسیاتی علاج" پیش نظر ہے۔ اُس پر آپ کا نوٹ پڑھ کر نہ پوچھیے کسقدر مسرت حاصل ہوئی۔ آپ کے اس نیاز مند نے اس سلسلہ میں جو خیالات قائم کر رکھے تھے، آں محترم نے گویا انکی تائید فرمادی۔ تردد سے استحکام کی جانب کئی منزلیں یک لخت طے ہوگئیں۔

فاضل مراسلہ نگار پر ان الفاظ "وسوسہ، شیطانی وسوسہ، وغیرہ" میں جو حکمت پوشیدہ ہے اور انکی جو اہمیت ہے، معلوم ہوتا ہے پوری طرح واضح نہیں ہے۔ یہ طرز تعبیر تو اور زیادہ معقول نظر آنے لگتی ہے۔ پھر اس کے سہل الفہم ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہونا چاہیے! میرے ذہن میں مجملاً یہ خیال آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جارہا ہے کہ اس قسم کی بیماری کا علاج اس دنیا میں مذہب اور فقط مذہب ہی کے پاس ہے تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ورنہ بیان کرکے آپ سے تصحیح چاہتا۔ خیر۔

مراسلہ نگار صاحب جس خود اعتمادی کا ذکر فرما رہے ہیں وہ تو میرے خیال میں "اعتماد علی اللہ" کا لازمی اور ضمنی نتیجہ ہے اور بہ لحاظ افادیت شاید اسکے براہ راست حصول سے کہیں زیادہ بہتر۔ واللہ اعلم۔ مریض کو غیر ضروری الجھاؤ سے بچانے کے علاوہ مصطلحات کا استعمال اسوقت بھی مناسب نہیں ہے جبکہ آپ کسی رائج الوقت نظریے سے ذرہ برابر بھی ہٹ کر کوئی بات کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن اگر کوئی اصطلاح آپ کے خیالات اور آپ کے نقطہ نظر کا پورا ساتھ دے رہی ہو تو پھر اسکا استعمال بعضوں کے لیے یقیناً مفید بھی ہے۔ ایسے موقعوں پر ان سے یکسر اجتناب برتنا بھی میرے خیال میں مناسب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ کبھی کبھی انکا استعمال تو بہر حال ہو جاتا ہی بہتر ہے واللہ اعلم۔ اہل خانقاہ کی تسبیح و تہلیل پر استہزاء کرنے والے انکے بعض اصطلاحات و اصطلاحات پر اظہار ناگواری کرنے والے، پتہ نہیں یورپ اور امریکہ سے آئی ہوئی اس اصطلاح (خود تاثیری) سے متعلق کیا ارشاد دیتے ہیں؟

والسلام

خاکسار شفقت جمیل۔ از بستی دانشمندان

صدق — جدید اصطلاحات کے عمومی استعمال میں صدق کا تو مصالح پر بھاری ہے۔ بطور استثناء خاص خاص موقعوں پر قبول سے انکار بھی نہیں۔

بقیہ صفحہ ۵

انگریزوں نے مسلمانوں کو قطعی طور سے باغی مان لیا اور انھیں دبانے کی زوردار کوشش شروع کردی۔ چنانچہ بہار اور اڑیسہ کے گورنر کیمبل نے ہندوؤں سے کہا کہ تم اردو کیوں بولتے ہو؟ یہ تو دہلی کی طوائفوں کی زبان ہے۔ انگریز افسروں نے گرامر اور ڈکشنریاں لکھ کر ہندوؤں کو دکھایا کہ اردو کی کوئی زبان نہیں ہے۔ اور اصل میں مقامی زبانیں سب کچھ ہیں۔

یہ حکمت عملی ۱۸۵۷ء-۱۸۷۶ء تک جاری رہی۔ مسلمانوں کی تحریکیں بھی جیتی رہیں۔ اس اثنا میں لارڈ میکالے اور دوسرے انگریزوں نے جن میں ہنٹر کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمانوں کی تالیف قلب کی ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ ہندو کچھ کچھ سر ابھار رہے تھے۔ مسلمانوں میں سرسید احمد خاں کی تحریک شروع ہونے کا زمانہ بھی یہی تھا۔ لیکن انکی تحریک میں ہندو بھی شریک تھے۔ چنانچہ علیگڈھ کالج کے لیے ہندوؤں نے بھی چندہ دیا۔ لیکن جب غازی پور سے یہ آواز بلند کی گئی کہ ہندوؤں کی زبان ہندی ہے اردو نہیں، تو سرسید کی ذہنیت بدلنے لگی۔ انگریز افسروں میں سے کچھ نے سرسید کا ساتھ دیا اور کچھ ہندوؤں کی طرف آگئے۔ اس طرح ۱۸۸۶ء سے ہندی کی ترقی شروع ہوئی۔ اور آج یہ حال ہے کہ تھوڑے دنوں میں اردو بولنے اور سمجھنے والے ہندو ملنا بھی دشوار ہو جائیگا۔ دہلی جیسے شہر میں بیشتر ہندو لڑکے لڑکیاں اردو کے بجائے ہندی پڑھ رہے ہیں۔ میری اپنی ذات کے لوگوں یعنی کائستھوں کا بھی جو اردو سے بہت قربت رکھتے تھے یہی حال ہے۔ اردو اور ہندی دونوں آج قومی اور ملکی زبان ہونے کا دعوے کر رہی ہیں اور زبان کے مسئلہ پر فرقہ داری رنگ چڑھ رہا ہے۔ (پیام)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں تمام ہو چکی ہے براہ عنایت اپنا چندہ، سال آئندہ کے لیے، قریبی فرصت میں بھیج دیں۔ تاکہ وہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں دفتر کو وصول ہو جائے اور وی پی روانہ نہ کیا جائے۔

نمبر خریدار ۹۴ — ۴۱۹ — ۵۹۱ — ۱۱۳۷ — ۱۲۰۳

۱۲۰۶ — ۱۲۱۰ — ۱۲۱۱ — ۱۲۴۴ — ۱۵۳۰

۱۵۴۵ — ۱۵۷۸ — ۱۶۳۸

مہتمم صدق لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر:۔ عبد الماجد
پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:۔ حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے:۔
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
رشید بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ: آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند سے ... سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

نمبر ۵۵ — یوم شنبہ — ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۵ء — جلد ۱۱

سچی باتیں

حال میں ایک مسلسل نظم نظر سے گزری۔ صدق میں چھپنے کے لیے آئی تھی۔ پاکستان کے کسی جلسہ میں پڑھ کر سنائی گئی تھی اور اس میں خوب مقبول ہوئی تھی۔ نظم مخمس کی شکل میں تھی۔ ٹیپ کا مصرعہ تھا

"ہم لے کے رہیں گے پاکستان"

ساری نظم، جوش و خروش، اپنے قوت و غلبہ کے ذکر سے لبریز تھی۔ مخالفین کو ہر طرح کی دھمکیاں تھیں، ایک مصرعہ کا مضمون صاف صاف یہ تھا کہ "ہم شیر ہیں اور تم سیار (گیدڑ) ہو" دوسرے مصرعوں کے مضمون یہ تھے کہ تمہارا ڈرنا اور گھبرانا بالکل قدرتی ہے، دیکھو ہم تم کو کیسا ٹھیک بنا کر رہیں گے، وغیرہ! —— صدق کو ایک گونہ ہمدردی پاکستان کے تصور سے ہے۔ اس نظم کی اشاعت اس تصور کے ساتھ دوستی ہوتی ہوتی، یا دشمنی؟ کتنوں کی مخالفت اسکے بعد موافقت میں تبدیل ہو کر رہتی؟ کتنے دشمن اسکے بعد دوست بنتے؟ کتنے غیر پاکستانیوں کے قدم اسے سُن کر پاکستانیت کی طرف اُٹھنے لگتے؟ غصہ، بیزاری، نفرت، انتقام کا جذبہ، کتنوں کے دل میں پیدا ہوتا؟ اور کشش و میلان کتنوں کو ہوتا؟ تفریق اور ضد کچھ گھٹتی! یا کچھ اور بڑھ جاتی؟ بڑے جلسے نفرت و تفریق کی ... مگر جس سے نفرت ہو، وہ تفرق کرانا، یہ اصول بھی آخر کس آئین فہم و دانش کے مطابق ہے؟

ایک اور نظم اسی زمانہ میں ایک قابل و فاضل سنی شاعر کی ...

فرقۂ شیعہ کے رد و ہجو میں نظر سے گزری۔ یہ مطبوعہ نہ تھی، قلمی تھی، اور خدا نہ کرے کبھی بھی طبع ہوئی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک شیعہ کی زبان سے "معلوم ہے سب کو کہ ہم اثنا عشری ہیں" کے ماتحت وہ سب کچھ کہا دیا گیا ہے، جو شیعہ تاریخ کے لیے باعث توہین اور شیعہ عقائد کے لیے اشتعال انگیز ہو سکتا ہے —— شیعیت کے ساتھ دوستی اور ہوا خواہی ہوئی، یا اور اُلٹی دشمنی؟ کیے لطیفوں پر اسکا اصلاحی اثر کسی درجہ میں بھی پڑ سکتا ہے؟ اشتعال انگیزی اور بد زبانی دوسروں کو مبارک رہے، مسلمانوں خصوصاً اہل سنت کا طرۂ امتیاز یہ کب رہی ہے؟ ہم دنیا میں "وصل" کے لیے آئے ہیں یا "فصل" کے لیے؟ اپنے بھائیوں کو جو کلمۂ توحید میں، اقرار رسالت میں، استقبال کعبہ میں، ہمارے شریک ہو کر، پھر دوسری غلطیوں اور گمراہیوں میں پڑ گئے، انھیں راہ ہدایت پر بُلانے کے لیے اُنکے بھائی بن بن کر، اور اُنھیں کی ہوا خواہی کی غرض سے جانا مفید ہوگا، یا اسکے برعکس طنز و طعن، تحقیر و تمسخر کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر؟ —— اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ عقلیں کیسی مسخ ہو گئی ہیں، اور موٹی سی موٹی بات پر بھی پردے کیسے پڑ گئے ہیں!

سائنس کی قوت!

"ذہن اور اسکے اسرار" (TIME AND ITS MYSTERIES) کے عنوان سے سائنس کے ماہرین خصوصی کے نیویارک یونیورسٹی میں دیے ہوئے چار لکچروں کا مجموعہ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ... پہلا مقالہ "تصور وقت اور احساس وقت مہذب و غیر مہذب قوموں" کے عنوان سے، نیویارک یونیورسٹی کے ماہر طبیعات ڈاکٹر ڈی۔ ڈبلیو۔ ہیرنگ کے قلم سے ہے، جس میں ایک جگہ وہ ایک

دوسرے ماہرِ فن کا یہ مقالہ نقل کرکے کہ

"پہلے نفسیاتی کا کام غور و فکر کرنا اور طبیعیاتی کا کام ناپنا ہوتا تھا، اب نفسیاتی ناپنے لگا ہے، اور طبیعیاتی غور و فکر کرنے!

خود لکھتا ہے ۔

"یہ مقولہ ہے تو بہت خوب۔ لیکن اکثر کہاوتوں کی طرح، گو یہ صحیح یقیناً نہیں، لیکن تا ہم سر تا سر صحیح ہی صحیح نہیں۔ طبیعیاتی ناپ تب تو اب بھی لگا ہوا ہے، اور بڑے جوش و خروش اور تندہی کے ساتھ، لیکن اب اسے یہ نہیں معلوم رہا ہے کہ وہ آخر کس چیز کو ناپ رہا ہے! یا یہ کہ جسے وہ اپنے خیال میں ناپ رہا ہے، اسے وہ واقعی بھی ناپ رہا ہے! . . .

اسکا فلسفیانہ سکون خاطر رخصت ہو گیا ہے، اور اسکی طبیعیات مابعد الطبیعیات کی دھندلی دھندلکے درمیان گم سی ہوئی جا رہی ہے! خاص کر مسئلۂ اضافیت اور مسئلۂ زمان پر اسکے اثرات کے انکشاف کے بعد سے۔

طبیعیاتیوں کے ظنیات و قیاسات عالم کے مستقبل کی بابت، اس کی بربادی، اس کی فنا اور اسکی احیاء ثانی سے متعلق (اور زمان کے مسائل کو بھی لازمی طور پر شامل کرتے ہوئے) ایک سیلاب کی طرح ہم پر اُبل پڑے ہیں، اور انکا نام "ریاضیاتی شاعری" خوب پڑ گیا ہے۔" (صـ۱)

اس سائنس کا اتنا زور شور تھا؟ اسی کی "تحقیق" اور "قطعیت" سے ہمارے دل و دماغ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے؟ اسی کی زبان سے ہستی ذہنیت کے رد ابطال پر، دوزخ و جنت، جزا و سزا، حور و ملائکہ، وحی و معجزہ، نبوت و رسالت، توحید و الوہیت کا دار و مدار تھا، اسی پر "قوت حریف" کو ہوّا بنا کر مذہب کے مقابلہ میں لایا جا رہا تھا؟

بہی شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

اُسکی امان و جانداری کی بساط کُل اتنی ہی تھی؟ ۔۔۔ اسکے احکام، اسکے احکام و قطعیات نہیں، مسائل نہیں، نظریات بھی نہیں، محض ظنون و قیاسات SPECULATIONS ہیں، جو دنیا میں سیلاب کی طرح اُمنڈ رہے ہیں! اور انکے مجموعہ پر "ریاضیاتی شاعری" کا فقرہ چسپاں کرنے والے، ملا نہیں، خود ماہرین سائنس و ریاضیات ہیں!

نشاطِ زندگی۔

"ہوائی سواریوں کی زبردست رقابت کے باوجود امریکہ کی تین ریلوے کمپنیوں نے ریل گاڑیوں میں تفریح و تعیش کے حسب ذیل انتظامات کا تہیہ کر لیا ہے:—

(۱) غسل آفتابی (یعنی کامل برہنگی) کی جگہیں،
(۲) رقص خانہ (یا ناچ گھر)
(۳) شراب نوشی کے کمرے۔
(۴) زینت خانے
(۵) ریڈیو گھر

گرمیوں کے شروع میں یہ جدید گاڑیاں ۔۔۔ لاکھ ڈالر کے خرچ سے چلنے لگیں گی، کچھ سرد ممالک (یعنی لاری) والے بھی اس خصوص میں کچھ پیچھے رہ جانے والے نہیں، وہ بھی اپنے ہاں شراب خانوں کا، ناچ گھروں کا، اور زینت خانوں کا پورا انتظام کر رہے ہیں۔ ان تیاریوں و رقابتوں سے امریکی پبلک کو سفر میں وہ راحتیں ملنے لگیں گی، جنکا پہلے کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا" (ٹائمز آف انڈیا۔ بمبئی، ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

گویا امریکہ کی ہر چلتی پھرتی لاری، اور ہر دوڑتی ہوئی ٹرین ایک مکمل متحرک نشاط خانہ ہوگا! اور امریکہ کے ہر بڑے چھوٹے باشندے، ہر زن و مرد، ہر لڑکے اور ہر لڑکی کو سفر میں وہ وہ سامان عیش، ہر قسم اور ہر مقدار کے حاصل رہیں گے جو غریب مشرقیوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں! ۔۔۔ بیوقوف مشرق! "ترقی" کے صحیح مفہوم ہی سے ناواقف و جاہل مشرق! حرام و حلال، جائز و ناجائز میں الجھا رہنے والا مشرق! اتنی سی بات نہیں جانتا کہ زندگی نام ہی ہے دوام نشاط کا! تسلسل عیش کا!

ضعف بصارت اور سنیما

ایک پڑھی لکھی ہندو خاتون کا مراسلہ لیڈر (۹ نومبر ۱۹۴۵ء) میں:—

"اگر موجودہ سنیما سازی میں کچھ اصلاح ہو سکے تو میرے خیال میں چھوٹے لڑکوں کی خرابیِ بصارت کا مسئلہ کچھ حل ہو سکیگا، سنیما کی ارزاں ترین شرح اُن لوگوں کے لئے موزوں ہے جو پردے کے قریب ترین ہوتے ہیں، اور یہی شرح لڑکوں کے لیے آدھی کر دی جاتی ہے! چند خاص طور پر اعلیٰ سنیما ؤں کو چھوڑ کر عام طور پر یہی ارزاں نشستیں تو سخت مضر بصارت ہوتی ہیں"۔

سنیما بینی کے جسمانی نقصانات بھی ان نقصانات کی طرح کثیر ہیں، لیکن جنہوں نے بصیرت کے نقصانات کو خوشی خوشی گوارا کر لیا، وہ بصارت کے ان خطرات کو آخر کیوں محسوس کرنے لگے؟ اور جنہوں نے دل کی آنکھیں پھوٹ جانے کی کچھ پروا نہ کی، وہ جسم کی آنکھ کے ضعف کی کیوں پروا کرنے لگے؟

ایک مضمون پر گرفت

جناب بدر الدین صاحب بی اے کلکتہ سے تحریر فرماتے ہیں:—

"گوشت خوری پر ایک نظر کے عنوان سے ایک مضمون کئی ہفتوں سے قسط وار شایع ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کس مقصد سے صدق کے کالم اس مضمون سے بھرے جا رہے ہیں۔ کسی معتبر جریدہ میں اس معیار کا مضمون میری نظر سے بہت کم گزرا ہے۔ مضمون نگار کے دلائل کے نہ سر ہے نہ پاؤں۔ کہاں کی بات وہ کہاں لے جاتے ہیں۔ مجھے یہاں اس پر تنقید مقصود نہیں، آپ کے حواشی ہیں تو خود ہی مضمون نگار کے مطلب کا کافی سامان موجود ہے۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ایسا مضمون جو مسلمانوں کی شریعت و تمدن کے سراسر خلاف ہے، صدق میں

سورہ بقرہ رکوع ۲۵

(الاخبیرالماجد)

(بہ سلسلہ صدق بابت)

الحج اشہر معلومات فمن فرض فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی واتقون یا اولی الالباب۔

(ایام) حج — چند) مہینے معلوم ہیں جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج فرض کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پاتی ہے نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا، اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے، اللہ کو اس کا علم ہو کر رہیگا، اور زادراہ لے لیا کرو اور بہترین زادراہ تو تقویٰ ہے۔ سو اے اہل فہم میرا ہی تقویٰ اختیار کیے رہو

(۱) چونکہ وہ مشہور و معلوم ہیں، اس لیے قرآن کو انکی تصریح کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور وہ تین مہینے شوال ذی قعدہ و ذی الحجہ ہیں، اصل ارکان حج تو ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں ادا ہوتے ہیں، لیکن احرام حج شوال ہی سے بندھنا شروع ہو جاتا ہے۔

احرام اُس خاص پوشش کا نام ہے جو حدود حرم یا میقات میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی و زائر پر واجب ہو جاتی ہے۔ یہ پوشش اور کچھ نہیں صرف بے سلی ہوئی چادریں ہونی چاہییں۔

حنفیہ کے ہاں احرام جب چاہے باندھا جا سکتا ہے، گو قبل شوال ناپسندیدہ ہے۔ جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں، احرام رکن حج نہیں، صرف شرط حج ہے، جیسے وضو رکن نماز نہیں، صرف شرط نماز ہے۔

امام شافعی کے ہاں شوال سے قبل حج کا احرام باندھنا ناجائز ہے یہ اس لیے کہ شافعیؒ کے نزدیک احرام رکن حج ہے، اور کسی رکن حج کی ادائی قبل موسم حج درست نہیں

الحج۔ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت، معینہ عمر کے روزوں اور مال کے معین حصہ کی زکوٰۃ کی طرح حج بیت اللہ بھی اسلام کی اُن عبادتوں میں سے ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں بیگانوں کو بھی خاص طور پر متاثر کیا ہے اور "مستشرقین" کے رعب افگن نام سے فرنگی اہل علم و اہل قلم کا جو طبقہ ہے اُس نے تو اس کے ظاہری منافع اور اجتماعی مصالح پر بارہا کیا ہے اور اسے اکثر "عالم اسلامی کی سالانہ کانگرس" سے تعبیر کیا ہے۔

فمن فرض فیہن الحج۔ یعنی موسم حج میں اپنے حج کی نیت کر لے اور اسے اپنے اوپر واجب کر لے۔

اے اوجبہ علی نفسہ (ابن قتیبہ) فمن الزمہ نفسہ (کشاف) الفرض اصلہ وجوب الشیٔ (ابن قتیبہ)

لیکن اپنے اوپر واجب کر لینے کی عملی اور معتبر علامت کیا ہے؟ بعض ائمہ کے نزدیک صرف نیت کر لینا کافی ہے، لیکن حنفیہ نے بعض صحابیوں اور تابعین کی طرح اسکی علامت پوشش احرام کو قرار دیا ہے

الفرض الاحرام (ابن جریر۔ عن ابن عباسؓ) فرض الحج الاحرام (ابن جریر۔ عن عطاء و الحسن) ولزم علی نفسہ بالاحرام (مدارک) قال ابن عباس

وہو قول الحسن و ... فرض احرام (جصاص)

(بلکہ کہیں سارے ... مہینے کو عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رکھو) ایام موسم کی طرح حالت حج کو بھی اعمال خیر کے ساتھ مناسبت خاص ... اور جو چیزیں حرام ہیں وہ تو خیر ہمیشہ ہی حرام ہیں۔ باقی جو اور جائز و مباح ہیں، اُن میں بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ زمانہ صیام کی طرح حالت احرام میں دست بردار ہونا چاہیے۔

جملہ صورۃً خبریہ ہے۔ لیکن معنًی نہی ہے، اور وہ بھی تاکید کے ساتھ یعنی ان سب امور سے ممانعت کا قطعی حکم ہو رہا ہے۔ لفظ المنفی عنہا لانہ النہی عنہ جبلیۃ ان یکون مقتضیا غیر مفعول (جصاص) نفی الثلاثۃ علی قصد النہی مبالغۃ (بیضاوی)

فی الحج۔ یعنی اس زمانہ حج میں، حالت احرام میں۔

حج وقتہ لا فی موضعہ (قرطبی) اے فی الاحرام (روح)

فلا رفث۔ رفث کا مفہوم عام ہے، ہر قسم کی شہوانیت یعنی مباشرت کے دواعی و مبادی اس میں شامل ہیں۔

الرفث کلام متضمن لما یستقبح ذکرہ من ذکر الجماع ودواعیہ (راغب) الرفث کلمۃ جامعۃ لما یریدہ الرجل من اہلہ (قرطبی) وقال قوم الرفث الافحاش بذکر النساء وکان ذلک بحضرتہن ام لا (قرطبی)

یہاں مراد شہوانی تذکرے ہیں۔ تابعین اور بعض صحابیوں سے بھی مروی ہیں۔ فقہاء حنفیہ نے ... صحت کے ساتھ دواعی و مبادی مباشرت کو اسکے تحت میں شامل کیا ہے۔

قال ابن عمر وطاؤس وغیرہم الرفث للمرأۃ بالکلام (قرطبی)۔ قال ابن عباس ہو التعریض بالجماع (ابن جریر) الرفث العرابۃ والتعریض للنساء بالجماع (ابن جریر۔ عن ابن طاؤس) قال عطاء الرفث الجماع وما دونہ من قول الفحش (ابن جریر) الجماع ودواعیہ محظورۃ علی المحرم (جصاص) وقال الحسن المراد من کل ما یتعلق بالجماع (کبیر)

اللہ اکبر! ایک معیار یہ ہے عبادت میں طہارت و پاکبازی کا، یہ اسلام کا قائم کیا ہوا، کہ اشارۃً و کنایۃً بھی اس زمانہ میں جائز شہوانی خیالات زبان پر نہ لائے جائیں۔ اور دوسری طرف مشرک قوموں کے میلے ٹھیلے، تیرتھ یاترا، اور نمائشیں اور جلسے ہیں، جنکی گرم بازاری بھی فحش کاریوں اور شہوت انگیزیوں سے ہے! اور پھر عرب جاہلیت کے تو ارکان حج تک میں فحش داخل تھا!

ولا فسوق۔ اسکے تحت میں بڑے چھوٹے ہر قسم کے گناہ کی ممانعت آگئی۔

قال بعضہم الفسوق ہی المعاصی کلہا (ابن جریر۔ عن محمد بن کعب القرظی)

قال المفسرون معاصی کلہا (ابن جریر) یعنی جمیع المعاصی کلہا قالہ ابن عباس وعطاء والحسن وکذٰلک قال ابن عمر ومجاہد (قرطبی) والمراد من الفسوق الخروج بارتکاب المحظورات (روح)

حالتِ احرام میں جب متعدد جائز مشاغل مثلاً شکار کرنا ناجائز ہو جاتے ہیں، تو جانا چھوڑ دو کسی قسم کی معصیت کی گنجائش ظاہر ہے کہاں نکل سکتی ہے، یہاں یہ حکم محض تاکید کے لیے ہے۔

ولا جدال۔ جدال اپنے عام و وسیع معنی میں ہے۔ ہر قسم کا لڑائی جھگڑا، زبانی حجت و تکرار، جو از قسم مناقشت اور منافرت کے مواقع پر ہوتی ہے، سب احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

قال محمد بن کعب القرظی الجدال ان تقول طائفۃ حجنا ابر من حجکم ویقول الآخر مثل ذٰلک (قرطبی) وقیل حکی الجدال کان فی الفخر بالآباء (قرطبی) لا خصام مع الخدام والرفقۃ (روح) لا مراء مع الرفقۃ والخدم (مدارک) الجدال فی تقریر الباطل وطلب المال والجاہ (کبیر)

حج کے موقع پر دنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آجاتی ہیں۔ ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش، ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ بوڑھے بھی، جوان بھی، بچے بھی، بڑے تیز مزاج اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی، حریص و طامع بھی، حسین و نوجوان عورتیں بھی۔ پھر تکلیفیں اور صعوبتیں بھی راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں۔ بڑے بڑے حلیم بھی دامنِ صبر چھوڑ بیٹھتے ہیں، رشک و منافست، بدنظری و بدکاری، نزاع و جدال کے موقع قدم قدم پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں ——— حکیمِ مطلق کی حکیمانہ شریعت نے رفث اور فسوق اور جدال، سب کی تصریحًا اور تاکیدًا ممانعت کرکے مزدور بندوں کے حق میں کیا خوب انتظام کر دیا ہے!

محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ نفی کے آخری، یعنی فی الحج میں بجائے ضمیر کے اصل اسم لایا گیا ہے جو مزید تعظیم کے لیے ہے۔

الاظہار فی مقام الاضمار لاظہار کمال الاعتناء بشانہ (روح)

۳۲۳ اور اسی کے مطابق مسئلہ بھی ہوگا۔

حاجیوں کے اعمالِ خیر کی تشویق و رغبت افزائی کے لیے یہ بہترین و موثر ترین پیرایۂ بیان ہے۔ اللہ کے عالمِ کل و عالمِ جزئیات ہونے کا پورا استحضار رکھو، اہلِ جاہلیت کی طرح کہیں اس تذبذب میں نہ پڑ جاؤ کہ ہمارے فلاں فلاں عملِ خیر کا صلہ ملے یا نہ ملے۔ علمِ الٰہی میں وہ آنے بھی پائے یا آنے سے رہ جائے۔ مومن کے لیے تو بڑی سے بڑی ہمت میں اس عقیدہ کا استحضار مدد کر سکتا ہے کہ خفی سے خفی، باریک سی باریک نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں!

اطبا و یونانی موسم بہار میں مصفیات پلاتے ہیں، اور جاڑے کے زمانے میں مقویات کا استعمال کراتے ہیں، کہ ان موسموں کو ان دواؤں کے ساتھ خاص مناسبت ہے ——— رمضان کا مہینہ اور حج کا موسم کا بھی روحانیات کے عالم میں اپنی صحت بخش آب و ہوا کے لیے ممتاز ہیں، اور

جب حقیقی ان موسموں میں اعمالِ خیر کی طرف خصوصی توجہ کرتے ہو اور اللہ (جب ارادۂ حج سے نکلا کرو)

اس ہدایت کی قدر اس وقت ہوگی جب جاہلی قوموں کے دستور جاہلیت پر نظر ہو، خصوصًا جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ آج بھی ہندوستان میں کتنی ہی قومیں ایسی ہیں، جو تیرتھ جاترا کے وقت گھر سے مفلس و تہیدست نکلنا ہی اپنی روحانیت کا کمال سمجھتے ہیں! راستہ میں مانگتے ہوئے جائیں گے، کوئی دوسرا انھیں کھلا پلا دیا کرے گا، یہ اپنے فقیر ہونے پر فخر کریں گے۔ اس قسم کے سارے تخیلات و اوہام اسلام نے مٹا دیے۔ اور حکم دیا کہ جب گھر سے حج و زیارت کے لیے نکلو تو ضرورت بھر کا روپیہ پیسہ لے کر نکلو۔ راہ میں دوسروں پر بار بننے کی کوشش نہ کرو۔

عرب جاہلیت میں یہ مرض اور زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ اگر بعض گدا گری نہ کرتے تو یہ تھا کہ احرام پہننے کے بعد جو کچھ سرمایہ ہوتا بھی، اُسے بھی پھینک دیتے!

کانوا یحجون بغیر زاد وکان بعضہم اذا احرم رمی بما معہ من الزاد (ابن جریر) کان اہل الیمن یحجون ولا یتزودون ویقولون نحن المتوکلون واذا ہو کذٰلک سألوا الناس (بخاری۔ عن ابن عباسؓ) لطائفۃ من العرب کانت تجئ الی الحج بلا زاد ویقول بعضہم کیف نحج بیت اللہ ولا یطعمنا فکانوا یبقون عالۃ علی الناس (قرطبی)

اسلام ایسے دستور کا جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا، اور ایک طرف شخصی غیرت و خودداری کے بھی منافی تھا اور دوسری طرف معاشیاتِ اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا، کیسے روادار ہو سکتا تھا، اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا۔

تزودوا کے صیغۂ امر سے فقہاء نے نکالا ہے کہ زاد راہ لینے کا وجوب آیت سے بقاعدہ عبارۃ النص ثابت ہے۔

فقہاء نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے، کہ آیت اُن "توکل پیشہ" صوفیہ کے مذہب کی بھی تردید کر رہی ہے، جو کسب معاش کو چھوڑے بیٹھے ہیں، اور اسے کوئی بڑا روحانی کمال سمجھ رہے ہیں۔

ہذا یدل علی بطلان مذہب المتصوفۃ الذین یسمون بالمتوکلۃ فی ترکہم التزود والسعی فی المعاش (جصاص) ہم المتصوفون عن درجۃ التوکل الغافلون عن حقائقہ (ابن العربی)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

غضنفر علی صاحب کنڈل واڑی

ضخیم جوابی ستاروں کا تسلسل قائم ہے، اور اس وقت تک تین کی تعداد میں پہنچ چکے ہیں۔ صدق سے یہ حسن ظن رکھنا صحیح نہیں کہ وہ مسلسل اسی خدمت کے لیے وقف رہیگا۔

چند تاریخی حقائق

(از علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

عبد الملک جس قسم کا بادشاہ تھا معلوم ہے۔ دو تین دن ہوئے ایک کتاب میں اس واقعہ پر نظر پڑی۔ ابتداءً اسلامی دار الضرب کی بنیاد کیسے قائم ہوئی اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے، اصل قصہ بڑا طویل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مصر میں جو کاغذ بنتا تھا اس پر رومی حروف میں کچھ لکھا جاتا تھا۔ عبد الملک نے کسی سے اسکو پڑھوایا تو معلوم ہوا کہ باپ، بیٹا، روح القدس کا نام رموز میں لکھا جاتا ہے۔ یہ معلوم کرکے عبد الملک نے فرمان صادر کیا کہ آئندہ کاغذوں پر بجائے اس کے کلمۂ توحید و شہادت کو درج کیا جائے۔ اس کی خبر قسطنطنیہ قیصر تک پہونچی۔ آگ بگولا ہوگیا۔ لیکن تو اس نے کچھ خوشامد اور تملق سے کام نکالنا چاہا۔ قیمتی تحفوں کے ساتھ تین دفعہ اس نے عبد الملک کو لکھ بھیجا کہ اس فرمان کی منسوخی کا اعلان کر دیجئے، اور جو کچھ پہلے لکھا جاتا تھا اسی کے لکھنے کی اجازت کاغذ بنانے والوں کو دیجئے۔ لیکن عبد الملک نے تمام تحائف جو لاکھوں روپے کے تھے واپس کر دیے اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب قیصر نے دھمکی کی راہ اختیار کی اور لکھ بھیجا کہ تمہارے ممالک محروسہ میں دراہم و دنانیر (روپے اور اشرفیاں) ہمارے یہاں کی ٹکسال سے ڈھل کر جاتے ہیں۔ اگر تم اپنے حکم کو منسوخ نہیں کروگے، تو میں بھی ٹکسالوں میں حکم جاری کر دیتا ہوں کہ ہر درہم اور دینار پر تمہارے پیغمبر کے نام سب و شتم، گالی اور دشنام کے الفاظ طبع کیے جائیں۔ بس یہی بات عرض کرنے کی ہے۔ ابراہیم بیہقی نے کتاب المحاسن والمساوی میں نقل کیا ہے اور میں زکی مبارک پاشا کی کتاب [illegible] سے نقل کر رہا ہوں۔ یعنی قیصر کا یہ خط جس وقت عبد الملک کو ملا تو لکھا ہے

صعب ذلک علی عبد الملک و غلظ و ضاقت به الارض

عبد الملک پر یہ بات بہت گراں گزری اور سخت تکلیف ہوئی زمین اس پر گویا تنگ ہوگئی۔

سننے کا فقرہ اسکے بعد کا ہے جو انہیں مورخین نے لکھا ہے کہ اسی پریشانی اور بدحواسی کی حالت میں عبد الملک کی زبان پر باربار یہ فقرہ جاری تھا

اصبحت اشأم مولود فی الاسلام لانی جنیت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں خیال کرتا ہوں کہ اسلام میں مجھ سے زیادہ منحوس اور بدبخت آدمی کوئی پیدا نہیں ہوا، کیونکہ اس کافر کی دشنام دہی جو مدت دراز تک باقی رہیگی، اس گناہ کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں میری ہوگی۔ (ص ۵۶۵)

بعد کو پھر خود اسلامی دار الضرب کی تجویز حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے طے کی گئی اور اسلامی سکے بننے لگے۔

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگر سلاطین سب کے سب [illegible]،

لیکن ہے کوئی غیر مسلم پادشاہ یا راجہ جو قیصر کی اس دھمکی کے بعد اپنے آپ کو بنی آدم کا منحوس و بدبخت ترین آدمی قرار دینے پر تیار ہوگا؟ مسلمان بہر حال مسلمان ہی رہتا ہے۔ سلاطین نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کتنے ہی چست ہوں، اگر اپنی بخشایش کی آس لگائے ہیں، تو آخر ان بیچاروں کے لیے خدا کی رحمت کیا باقی نہ رہیگی۔ دوسروں پر تنقید کرنے والے کاش تنقید سے پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لے لیا کریں تو شاید انکا قلم اتنا بے لگام نہ ہو۔ اور میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ خلفاء کو سلف سے نکالنے اور ذلیل کرنے کا رویہ اس زمانہ میں جو بعض لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے، آخر اسکا نفع کیا ہے

مجھے تو کبھی کبھی اس قسم کا خطرہ بھی ہوتا ہے کہ ہمارے بعد والے امیر معاویہ سے لاکھ گرے اور شستہ ٹھیلائے ہوں۔ لیکن آج اگر یہ مشہور ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص جیسے کیوں نہ ہوں، تو اپنی آنکھوں کو متبرک کرنے کے لیے شاید شیعہ بھائی اگر سنیوں سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہ رہیں گے۔

حضرت واعظ نہ دیکھیں گے یہی ہے دیکھنا
سامنے محفل کے ان کو بے نقاب آنے تو دو

ادھر دو عجیب نئے انکشافات ایران کے متعلق ہوئے

(۱) یعنی ابن حوقل جو چوتھی صدی کا مصنف مورخ و سیاح ہے وہ اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں اپنی چشم دید یہ شہادت نقل کرتا ہے، بجنسہ عربی الفاظ اسکے درج کرتا ہوں۔

والبیوت النیران لا تخلوا مدینة ولا ناحیة بفارس الا وفیها من بیوت النیران والمجوس اكثر المحل بها (ص [illegible])

لیکن فارس کے آتشکدے سو اس ملک کا نہ کوئی ایسا علاقہ ہے نہ شہر جو آتشکدوں سے خالی ہوں الا یہ کچھ تھوڑی آبادی (یعنی اس آتشکدے نہیں ہیں) اور فارس کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ آبادی مجوس (پارسیوں) کی ہے۔

حالانکہ مدت سے ہمیں یہی سنایا جا رہا ہے کہ صحابہ نے ایران پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی پارسیوں کو ایران سے نکال باہر کیا۔ مارے بھاگے لوگ کچھ ہندوستان میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ تو سنایا جا رہا ہے، اور دیکھنے والا یہ دیکھ رہا ہے، کہ ایران کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ آبادی پارسیوں کی ہے۔ اسی وجہ سے بجز چند قلیل کے اسے ہر شہر اور ہر علاقہ میں مجوسیوں کے آتشکدے جو تھی صدی تک نظر آئے۔

(۲) براؤن نے اپنی مشہور تاریخ ادبیات ایران میں ایک مستند مخطوطہ سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ تبریز میں جب شاہ اسمٰعیل صفوی (بانی خاندان صفویہ جو مغلیہ ہند کے ہمعصر تھے) یہ حکم جاری کیا کہ خطبوں سے خلفاء ثلثہ کا نام نکال دیا جائے۔ تو بادشاہ کے پاس خود علماء شیعہ کا ایک وفد آیا اور اس نے عرض کیا

قربانت شوم دویست سی صد ہزار خلق کہ در تبریز ست
آں ہمہ سنی اند و از زمان حضرات تا حال این خطبہ اسکے

بر ملا نخواندہ ، می ترسیم کہ مردم گویند پادشاہ شیعہ نمی خواہیم و
نعوذ باللہ اگر رعیت برگردد تدارک دریں باب نتواں کرد"

براؤن نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسوقت تک یعنی دسویں صدی ہجری تک جو شاہ اسماعیل صفوی کے اقتدار کا زمانہ ہے، دو ثلث آبادی صرف تبریز کی سنی تھی۔ براؤن ص۵۶

جسکا مطلب یہ ہوا کہ ہزار سال کے قریب قریب تک ایران میں شیعوں سے زیادہ سنیوں کی آبادی تھی اور موجودہ صورت حال بالکل آخر زمانہ کی بات ہے۔ جسمیں صفویوں نے جبر و ظلم سے کام لیا۔ خود براؤن نے بھی لکھا ہے، اور ایک یوروپین سیاح کی چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے جو مظالم ڈھائے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ نیرو (ظالم روم) کے وقت سے لیکر اب تک ایسا جلاد بادشاہ نہ پیدا ہوا ہوگا" (ص۵۳)

بہر حال مجھے شاہ اسماعیل صفوی کے مظالم سے بحث نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایران کے متعلق عام طور پر کہنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ فطرتاً اُس میں شیعیت کی صلاحیت تھی، اور اسکے اسباب یہ تھے اور وہ واقعات سے یہ بھی کتنی بعید بات ہے۔

اس سلسلہ میں جناب محقق اعظم براؤن صاحب جنکی ہر بات مستشرقین میں "حجت بالغہ" کی حیثیت ارباب استشراق و استغراب[1] کے نزدیک حاصل کیے ہوئے ہے، واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں ایک مشہور سنی عالم قاضی حسین میبذی کو بھی ترکی دربار کے سفراء کے سامنے شہید کیا گیا۔ ص۹۲

اسکے بعد قاضی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے داد تحقیق دیتے ہیں کہ آپ ہی کی کتاب "ہدایہ" درس میں داخل ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہدایہ کے مصنف تو علامہ مرغینانی ہیں۔ قاضی حسین میبذی نے البتہ ہدایۃ الحکمت مصنفہ اثیر الدین ابہری کی شرح کی ہے اور "میبذی" ہی کے نام سے وہ درس نظامیہ کے فلسفہ کی کتابوں میں شریک ہے۔ بیچارے کو ہدایت الحکمت کی شرح اور ہدایہ فقہ کی کتاب میں اشتباہ ہوگیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اسی قسم کے کارناموں پر آج اعتماد کی جو حالت ہے کیا وہ اسکے مستحق ہیں۔؟

امیر شکیب ارسلان نے ابن خلدون کے مقدمہ پر ایک مقدمہ لکھا ہے، دراصل ترکی سلطنت کی تاریخ ہی لکھ ڈالی ہے۔ ایک موقعہ پر سلطان سلیم کے تذکرہ میں اسکا ذکر کرتے ہوئے، کہ سلیم نے چاہا تھا کہ جتنے عیسائی ممالک محروسہ ترکی میں آباد ہیں انکو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام قبول کرلیں، یا ملک سے باہر ہو جائیں (معلوم ہوتا ہے کہ ایران کو دیکھ کر سلیم کو سارا اسکا خیال آیا ہو) یہی ہو رہا تھا کہ یہ جبر لوگوں کا دین چھڑایا جا رہا تھا، لیکن جیسے علمائے مذہب شیعہ نے اسماعیل صفوی کو روکنا چاہا (اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد یہی) اسی طرح لکھا ہے کہ سلیم سے اُس زمانہ کے مفتی جمال آفندی نے جا کر کہا،

"نطقاً تمہارے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا ہم مسلمان صرف اوسے دو ہی چیزوں کا جزیہ ادا کرسکتے ہیں، حکومت کی اطاعت (یعنی غداری نہ کریں) دوسرے فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے جزیہ لیں" مفتی صاحب کی بات سلطان نے مان لی اور اپنے ارادہ سے باز آگیا'

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امیر نے لکھا ہے کہ سلطان سلیم کے متعلق یہ قصہ کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے اور زبان زد عام بھی ہے پھر انھوں نے موجودہ احرار ترکوں کے اس طرز عمل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ عیسائیوں کو یہ جبر ملک سے جو نکالا گیا اسکا الزام جو تو اسلامی پر دھرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام ہماری حکومت کا مذہب اگر نہ ہوتا تو ملک میں عیسائیوں کو ان دسیسہ کاریوں کا موقعہ نہ ملتا جنکی بدولت ہم آج اس حال تک پہنچے ہیں۔ امیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ برسراقتدار آتے ہی ترکان احرار نے جنگ عظیم کے بعد عام قانون نافذ کردیا کہ "ترکی علاقے سے سارے نصاریٰ نکل جائیں" اسی کا نتیجہ ہے کہ قسطنطنیہ کے سوا اب ترکی علاقہ میں کہیں عیسائی نہیں باقی رہ گئے ہیں۔ کیونکہ لوزان کانفرنس میں دول یورپ قسطنطنیہ کے نصاریٰ عیسائیوں کے متعلق راضی نہیں ہوئی۔ اسکے بدلے میں تراقیہ میں جو یونانیوں کے قبضہ میں تھا، مسلمانوں کو رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امیر نے ان چیزوں کو نقل کردینے کے بعد کتنی اچھی بات لکھی ہے، کہ واقعات بتا رہے ہیں کہ سلطنت عثمانی کے زمانہ میں مذہب اسلام ہی نے عیسائیوں کو اسوقت بچا لیا اور انکی حفاظت کی جب سلیم کے زمانہ میں انکے ساتھ جو کچھ کیا جاسکتا تھا، لیکن آج وہ وطنی یورپ والے اسلام سے ناراض اور دنیا سے اسکے مٹانے کی فکر میں رہتے ہیں حالانکہ اسی اسلام سے ممالک اسلامیہ میں ان عیسائیوں کی تعداد دس ملین کے قریب قریب تھی، تمام انسانی حقوق سے استفادہ کرتے ہوئے یہ عیسائی خوشی و خرمی کی زندگی اسلام کے زیر پناہ گزار رہے تھے۔ مگر پھر بھی یورپ والے ترکان احرار کی لا مذہب حکومت پر راضی ہیں حالانکہ ان ہی لوگوں نے عیسائیوں کو انکے وطن سے جلا وطن ہونے پر مجبور کیا وہ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کے تعصب کی یہ انتہا ہے وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہیں خواہ اسلام انکی حفاظت ہی کیوں نہ کرے اور زوال اسلام پر راضی ہیں خواہ انکا زوال ہی اسلام کے زوال سے کیوں نہ ہو۔ یا للعجب!

(ص۱۷۸ تعلیقات بر ابن خلدون)

---

[1] استغراب، استشراق کے مقابلہ میں لفظ بنایا گیا ہے۔ مغرب کے باشندوں میں مشرقی چیزوں سے دلچسپی لینے والوں کو مستشرق اور انکے طرز عمل کا نام استشراق، کہا گیا ہے، تو مشرق کے باشندوں میں مغربیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو مستغرب اور انکے طریقہ کار کا نام استغراب کیوں نہ رکھا جائے۔ ۱۲ منہ [اس لفظ کے وضع کرنے میں مولانا کو مدیر صدق سے توارد ہوا ہے۔ صدق]

قرآن مجید دنیا کی ہر زبان میں

ایک ضروری مراسلہ

(از مولانا عبدالرحیم صاحب، صاحب تفسیر تعلیم القرآن، مغل پورہ، حیدرآباد دکن)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ایک صاحب خیر اور اسلامی درد بھرا دل اپنے پہلو میں رکھنے والے بزرگ چاہتے ہیں کہ دنیا کی ان تمام اہم زبانوں میں جن میں قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہوا ہے، ترجمہ مرتب اور شائع کریں۔ اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس کام کا نہ صرف آغاز فرما دیں بلکہ اپنی آنکھوں سے اسکو تکمیل شدہ حالت میں دیکھ لیں۔ اور وہ اسکی تکمیل کی خواہش میں اسکے لیے روزانہ اُنھوں نے کہا کہ دعا بھی کیا کرتے ہیں۔

لہٰذا میں اُنکے ایما پر جناب والا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس اہم اور مفید ترین کام کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس با خدا بزرگ کو اپنے فضل و کرم سے کافی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اسکو صرف بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے روپے کی کمی نہیں ہے، صرف طریق کار تا کہ جلد سے جلد یہ مقصد پورا ہو سکے۔ اسکے لیے جناب والا کی مفید تجاویز اور بیش بہا رائے کی ضرورت ہے کہ اولاً کن زبانوں میں ترجمہ کیا جائے (۲) (آ) یا صرف ترجمہ کافی ہے یا ضروری تشریح نوٹ اور تفسیر بھی۔ (ب) بصورت ثانی کن محترم بزرگ کی توضیحات اور تفسیر کا ترجمہ کرایا جائے، یا مترجم ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے (۳) دنیا کی کُل زبانوں کی فہرست کہاں سے ملیگی (۴) دنیا کی کتنی زبانوں میں اب تک ترجمۂ قرآن مجید ہو چکا ہے اور وہ کہاں سے مل سکتا ہے (۵) جو زبانیں صرف بولی جاتی ہیں اور لکھی پڑھی نہیں جاتیں اُنکے لیے کیا انتظام کیا جائے۔ (۶) مترجم صاحبان کن کن زبانوں میں ایسے دستیاب ہو سکتے ہیں جو عربی و علوم شریعت کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے پوری طور پر واقف ہوں۔ اس امر کے اطمینان کے لیے کہ وہ مطابق حقیقت اور اہل السنۃ والجماعۃ ہی کے عقائد صحیحہ کے موافق اور حالات حاضرہ اور اس زبان کے بولنے والے حضرات کے خیالات و افکار کے لحاظ سے تشفی بخش طریقہ پر تحریر فرمائینگے۔ کیا طریقہ اختیار کیا جائے اگر زبان عربی اور علوم شرعیہ سے واقف نہ ہوں تو کیا اسکا ترجمہ اردو یا انگریزی میں بھی جسکے جاننے والے علما حیدرآباد میں موجود ہیں کرا کے اطمینان کرا لیا جائے یا ہر زبان کے اچھے ادیب کو عربی اور علوم شرعیہ سے واقف کرایا جائے (۷) اگر ایسی درسگاہ قائم کی جائے تو کن زبانوں میں اولاً ایسے اصحاب تیار کیے جائیں۔ (۸) اس کام کی تکمیل کے لیے وقت ضرورت حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کے کن منتخب بزرگوں سے مشورہ لینا مناسب ہے۔ (۹) اس کام کے لیے جناب کے خیال مبارک میں کس قدر رقم اور مدت درکار ہوگی۔

اگرچہ جناب والا کے مشاغل نہایت اہم اور کثیر ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بھی ایک نہایت مفید اور بہترین کام ہے اس لیے میری استدعا ہے کہ از راہ کرم بطور خاص امور مندرجہ بالا جو باتیں اسکے لیے ضروری ہیں کُن سے جناب ابتدا اس فرصت میں مطلع و ممنون فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اجر بے حساب حاصل فرمائیں تو کرم ہوگا۔ اگر بعض امور کے جوابات مکمل نہ مل سکیں تو جس قدر فوری طور پر ممکن ہوں اُن سے سرفراز اور ما قبل بقیہ امور سے آگاہ فرمائیں کیونکہ وہ صاحب آج کل شدت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہیں اور بعجلت ممکنہ خواہاں آغاز و تکمیل ہیں۔

صدق — مراسلہ مدیر صدق کے پاس ذاتی حیثیت سے آیا تھا۔ لیکن مکمل جواب تنہا اسکے بس کا کسی طرح بھی نہ تھا۔ مکتوب کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ واقفکار اور اہل الرائے حضرات اپنے اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں۔

جن چند سوالوں کا جواب بن پڑا، وہ مکتوب نگار کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔

خلاصۂ مراسلات

روحی پردہ

سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سیتاپور صدق ۲۲؍ میں ایک شایع شدہ مراسلہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) "میں چہرہ ڈھانکنے کو داخل پردہ ضرور سمجھتا ہوں اور چونکہ عملاً یہ قانون بنگیا ہے لہٰذا جد و جہد کر کے اسکو توڑنے کا زبردست مؤید ہوں۔ لیکن برقع کے استعمال کو شرعی پردہ کا جزو لازمی سمجھتا ہوں۔

(۲) اعتراض ۵ کے سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں کہ

" اگر ازواج مطہرات کے پردہ کی کامل تقلید عام عورتوں کے لیے لازمی سمجھی جاتی اور عام طور پر یہ ممکن ہوتی تو خداوند رسولؐ عورتوں کے لیے وجہ و کفین کا استثناء نہ فرماتے"

مدیر صدق کے آخری نوٹ کو درج کر کے سید صاحب لکھتے ہیں

" میرا خیال ہے کہ چہرہ کھولنے کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ بوقت ضرورت کھولا جا سکتا ہے یا بلا ضرورت نہ کھولا جائے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ان الفاظ کو استعمال کر کے ہم چہرہ کھولنے کی اجازت یا رخصت کو عملاً حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں اور ... پردۂ مروجہ کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی نہیں پڑتی"

صدق :- خلاصہ درج ہو گیا۔ سید صاحب نے اب جو توضیحات کی ہیں اور جن غلط اصول پر اُنھیں چہرہ کی بے پردگی پر اصرار ہے۔ یہ اگر شروع سے ظاہر ہو گئی ہوتیں تو صدق انکی تائید اور ہمت افزائی ہرگز نہ کرتا۔ چہرہ کا پردہ ضروری نہ ہونا، اور اسکے کھلے رہنے پر اصرار، دونوں میں عظیم الشان فرق ہے۔ کھلے رکھنے کی مصلحتیں

ایک پر مغز خطبہ صدارت

(از مولانا عبد الرؤف دانا پوری مدظلہ صدر جمعیۃ علماء اسلام، کلکتہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد - حضرات علماء کرام و حاضرین - آج جس مقصد کے لیے ہم سب جمع ہوئے ہیں وہ بہت اہم ہے اور بعض حیثیت سے یہ اپنی نوعیت کا بالکل نیا مقصد ہے۔

اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ علماء ہند کی ایک جدید آل انڈیا جمعیۃ قائم کی جائے۔ حالانکہ علماء کی ایک آل انڈیا جمعیۃ پہلے سے موجود ہے اور اس میں جناب مولانا سید حسین احمد مدنی اور جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے بلند پایہ علماء شریک ہیں - یہ حضرات مسلم لیگ کے نزدیک بھی دینیات کے مستند اور ماہر علماء میں سے ہیں اور اسی لیے مسلم لیگ نے اس جمعیۃ کی دینی قیادت کو ایک تحریک کے ذریعہ تسلیم کرلیا تھا لیکن باوجود اسکے ایک اہم اجتہادی اور سیاسی مسئلہ میں جمعیۃ مذکورہ نے جو روش اختیار کی ہے وہ مسلم لیگ کے اراکین و علماء کے نزدیک غلط اور مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے لیے بہت نقصان دہ۔ اس روش کی وجہ سے اس جمعیۃ کی طرف سے مسلمانوں میں برابر برافروختگی بڑھتی جا رہی ہے، اور اب بہت سخت ناگوار صورت اختیار کر رکھی ہے۔

حضرات علماء، بڑی ضرورت ہے کہ اس سیاسی اختلاف کی نوعیت کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ اسکے بعد آپ رائے قائم کرسکیں گے کہ آیا محض اس سیاسی اختلاف کی بنا پر علماء کی دوسری جمعیۃ قائم کرنا مناسب ہے یا نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ اپنی نوعیت کا نیا مقصد ہے علماء کا مذہبی نئی چیز نہیں ہے نہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا نئی چیز ہے۔ مگر سیاسی خیال کی بنا پر علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا یا صرف سیاسی اغراض کے لیے دو جمعیتیں بنانا بلا شبہہ نئی چیز ہوگی۔

آپ حضرات واقف ہیں کہ ہندوستان کے باشندے اس وقت ایک بڑی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ خلافت تحریک کا زمانہ آپ نے خود اپنی نظروں سے دیکھا ہے۔ ہندو مسلمان اور ہندوستان کی ساری قومیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی تھیں اور ہندوستان کی آزادی کے لیے متفقہ طور پر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھیں۔ مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد اور قومی افلاس کے باوجود اس وقت ایثار و قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جو اپنی نظیر آپ تھا۔ اکثر ارباب سیاست فرماتے ہیں کہ خلافت تحریک سے پہلے کانگریس پچاس کی ایک بے جان جماعت تھی۔ مسلمانوں کے جوش عمل اور ایثار و قربانی کا یہ اثر تھا کہ وہ ملک کی بے انتہا موثر سیاسی جماعت بن گئی اور اسکے ساتھ مسلمان رہنماؤں کی بے لوث خدمت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مسلم رہنماؤں کو ملک میں بڑی مقبولیت ہو گئی۔

مسلمانوں کی مقبولیت اور مسلم رہنماؤں کا عملی تفوق ہندو برداشت نہ کرسکے۔ غیر ملکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بجائے وہ پہلے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ترکیبوں میں لگ گئے۔ بڑے بڑے کانگریسی لیڈروں نے ہمراہ اپنے نام علیحدہ پلیٹ فارم بناکر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کردیں اور سارے ملک میں بے علم اور بے مایہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کا کام جاری کردیا گیا۔ ہندو راجہ اور امراء نے اسکے لیے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیا اور بے حساب دولت صرف کی جانے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوؤں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کو فوراً فرزندان توحید سے خالی کرالیا جائے۔ سارے ملک میں طوفان بے تمیزی برپا ہوگیا۔ مگر کانگریس اور نیشنلزم کے دعویداروں نے اسکی کسی طرح عملی مخالفت نہ کی۔ بلکہ درحقیقت کانگریس ہی کے تجربہ کار رہنما دوسرے نام اور دوسرے پلیٹ فارم سے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اسکے علاوہ انھیں ایام میں کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں نے ترک موالات کے خلاف کانگریس کے اندر سوراجیہ پارٹی بنائی۔ اور کونسل میں جانے کے لیے انتخاب میں کھڑے ہوگئے۔ اور یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انکی طرف سے بڑے بڑے پوسٹر شایع ہوے جن میں گائے کی تصویر تھی اور اسکے نیچے لکھا تھا کہ اگر گئو ماتا کو بچانا چاہتے ہو تو فلاں صاحب کو ووٹ دو۔ یہ فلاں صاحب بڑے پایہ کے کانگریسی اور نیشنلسٹ تھے۔ (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

شایع کرتے رہنا ہی مناسب ہے۔ مانا کہ آپ تردید بھی فرماتے جاتے ہیں، پھر بھی گمراہ کن خیالات کی اشاعت تو فی نفسہ مضر ہے۔ خصوصاً ہمارے ان نوجوانوں کے لیے جنھوں نے خود کو قوم پرست طبقہ کے نام سے مشہور کر رکھا ہے

مکتوب میں اور بہت کچھ بھی اسی سلسلہ میں تھا۔ صرف ایک حصہ اوپر درج ہوا۔ اور یہی ایک مراسلہ نہیں اسی قسم کی ملامت مختلف اور حلقوں کی طرف سے بھی تحریری اور زبانی موصول ہوچکے ہیں۔ مضمون کی انتہائی کمزوری کا ذکر تو آغاز مضمون ہی میں کردیا گیا تھا مضمون کی اشاعت پا جانے سے یہ ہمیشہ لازم نہیں آتا کہ مضمون مدیر کی نظر میں کافی وقعت بھی رکھتا ہے۔ کبھی کبھی دوسری مصلحتوں کا بھی نظر رکھنی ہوتی ہے۔ پھر یہ تاثر درست نہیں کہ ایسے مضمون مضر ہی سمجھے گئے تھے، جواب میں جتنی مفید چیزیں اشاعت پذیر ہوگئیں، از خود غالباً نہ ہوتیں۔

مدیر شیخ شوکت حسین پرنٹر پبلشر نے پریس لکھنؤ میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ جانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی ایم ـ اے ـ بی ـ ٹی

مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق اس پتہ پر مراسلت کیجیے

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

دربار آرٹ پریس ـ گولہ گنج ـ لکھنؤ

چندہ کا سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی صہ

بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ سالانہ

قیمت فی پرچہ ۲ر

ٹیلیفون نمبر (۲۹۱)

2 DEC 1945

صدق

نمبر ۵۶ | یوم چہارشنبہ ـ ۲۹ ـ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ ـ دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

عربی کی تعلیم و اصلاح تو عالموں فاضلوں کے لیے چھوڑیے، لیکن عربی کے علاوہ فارسی بھی تو اب تک ہمارے بچے بچے مکتبوں، مدرسوں میں جاری ہے۔ اور مکتبوں، مدرسوں کے سوا، ایف اے اور بی اے، اور ایم اے کے اور منشی اور منشی فاضل اور مولوی اور عالم اور دبیر اور دبیر کامل وغیرہ کے بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری کورسوں میں بھی تو شامل ہے۔ لیکن ان نصابوں میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں؟ وہی قصائد بدر چاچ، قصائد قاآنی، قصائد عرفی، وہی یوسف زلیخا، وہی بہار دانش وغیرہ جو آج سے صدیوں پیشتر بالکل مختلف احول میں، بالکل مختلف ضرورتوں اور مقصدوں کے لیے تیار ہوئی تھیں۔ آج وہ شاہ پرستی کی فضا کہاں باقی ہے؟ آج امراء کے درباروں میں اُن قصیدوں کے واسطہ سے رسائی پیدا کرنے کی ضرورت کسے ہے؟ پھر کے اُس مذاقِ طبیعت، اُس معیار اخلاق کے برقرار رکھنے پر آخر آج کیوں اصرار کیا جائے؟ اس کئی سو سال کی مدت میں گویا دو چار بھی نہ اچھے شاعر پیدا ہوئے نہ اچھے ادیب! اس سارے عرصہ میں نہ کوئی شخص غالب نامی گزرا ہے، نہ کوئی اقبال!

—— کیا یہ بھی کوئی دینی مذمت ہے، کہ ہر قدیم چیز جوں کی توں قائم رہنے دی جائے؟ کیا دین خدانخواستہ قدامت پرستی اور جمود کے مترادف ہے؟

مثنوی مولانائے روم، گلستان سعدی وغیرہ دو چار ایرانی کتابوں کو چھوڑیے کہ وہ بیشک ہر ملک اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔ باقی اور اس صدیوں قدیم عجمی ادبیات میں آخر کیا رکھا ہے، کہ ہندی نوسنتوں کی طرح ہم نے عملاً اس کی پوجا اختیار کر رکھی ہے؟ عجمی مبالغہ کی کوئی حد ہے؟ دلیری جو مضامین سراسر بے حیائی اور عریانی کے ان میں بھرے پڑے ہیں، کیا کوئی حق انھیں آئندہ زندہ رہنے کا ہے؟ یوسف زلیخا جیسی عریانی اور ایک پیغمبر برحق کی شان میں گستاخانہ کتاب، اگر آج شریعت کی حکومت ہوتی، تو نذرِ آتش ہونے سے بچ سکتی تھی؟ ملا جامی کے نام کے تقدس کا سہارا خدا و رسول کی عدالت میں کیا کام دیگا؟ ——

پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ، بالِ جبریل، ارمغانِ حجاز، ضربِ کلیم وغیرہ میں کیا کوئی اس قابل نہیں، کہ ہمارے نصاب سازوں کی توجہ اپنی طرف مائل کر سکے؟ قومیں زندہ وہی رہتی ہیں، جنکے لڑکے اور نوجوان کتابیں بھی زندگی بخش و حیات پرور پڑھتے رہتے ہیں۔

غالیوں میں اتحاد

کسی شیعہ کو ووٹ ہرگز نہ دو، اور چونکہ مسلم لیگ اس اصول کی قائل نہیں، اس لیے اسکے شیعہ و سُنی ہر امیدوار کی مخالفت کرو۔ شیعہ امیدوار کی تو اس لیے کہ وہ شیعہ ہے، اور سُنی امیدوار کی اس لیے کہ وہ اثنا عشری شیعہ نہیں۔ یہ لکھنؤ کے سُنی الکشن بورڈ نے کہا!

سُنی لیگی کو ووٹ ہرگز نہ دو، اس لیے کہ وہ اثنا عشری نہیں۔ یہ شیعہ پولیٹکل کانفرنس کے صدر نے کہا!

مبارک ہو لیگ کو کہ اسکی ضد میں غالی شیعہ اور غالی سنی متحد ہوگئے!

—— یورپی تاریخ میں ایک اصطلاح HOLY ALLIANCE (مقدس یا پاک اتحاد) کی آئی ہے کاش اسکے مقابلہ میں کوئی اصطلاح UNHOLY ALLIANCE (غیر مقدس یا ناپاک اتحاد) کی بھی ہوتی!

"صاحب" کی چھوت چھات

"ولایتی اخبارات جو ملک میں موصول ہوئے، ان سے معلوم ہوا کہ برطانیہ کے اندرونی ملک میں بھی خاص نسلی تعصب دفعۃً ابھر رہا ہے۔ ہوائی کشتیوں کے جو "افسر" ہوتے ہیں اور ہوائی کشتیوں کے جو "سارجنٹ" (حولدار) ہوتے ہیں ان تک کا قاعدہ یہ ہے کہ دونوں ایک جگہ کھانے پینے نہیں بیٹھ سکتے۔ پارلیمنٹ میں اس پر سوال ہوا کہ جب دونوں ایک ہی ہوائی کشتی پر سفر کرتے ہیں، دونوں موت کے منہ میں یکساں جاتے ہیں، اور وہاں افسری ماتحتی کا سوال نہیں پیدا ہوتا، تو کھانے کی میز پر کیوں [illegible] جواب ملا کہ [illegible] ہے۔" لیڈر

یعنی [illegible] قوم ایک، زبان ایک، رنگ ایک، [illegible] ایک محکمہ میں چھوٹے بڑے ہونے پر افسری ماتحتی کا فرق [illegible] ان ساری [illegible] اور چھوٹے عہدہ داروں کی مجال نہیں کہ بڑے عہدہ داروں کے ساتھ کھانا کھا لیں، ایک میز پر بیٹھ سکیں! [illegible] "صاحب" کی مساوات [illegible] چھوت چھات، قابل [illegible] مضحکہ چھوت چھات اس سے کچھ بڑھ کر ہے؟

سرسید کا حسنِ خاتمہ

نمبر ۲۰۵ میں جو بیچ باتیں درج ہوئی تھیں، انکے حوالہ سے شیخ ظفر احمد صاحب صدیقی ایم، اے، پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے مولانا [illegible] کے حوالہ جو کچھ تحریر فرمایا ہے، میں نے اسکا ذکر اپنے دیرینہ سال منیجر صاحب (مولوی بشیر الدین صاحب) سے کیا۔ انھوں نے بھی اسکی تائید فرمائی اور فرمایا کہ یہ سلسلہ تو انتقال کے کئی روز قبل سے جاری تھا۔ اور سرسیدؒ کو جب ذرا ہوش آتا تو قرآن کریم کی آیات اور قرآنی دعائیں ہی زبان پر ہوتی تھیں۔

ایک دوسری روایت انھوں نے یہ بھی بیان فرمائی (اور میں یہ کارڈ اسی غرض سے لکھ رہا ہوں) کہ وہ مشہور معروف بزرگ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادیؒ کے صاحبزادے احمد میاں صاحب نے ان سے بیان کیا کہ کسی نے ان سے بیان کیا کہ کسی نے مولاناؒ سے مرزا غلام احمد قادیانی اور سرسید دونوں کی بابت دریافت کیا، تو حضرتؒ نے قادیانی کے متعلق تو بہت بری رائے ظاہر کی تھی (الفاظ منیجر صاحب کو یاد نہیں ہے) لیکن سرسید کے متعلق فرمایا کہ گو ان سے غلطیاں بہت سی ہوئیں لیکن انکی نیت بخیر تھی، خاتمہ انکا بہت اچھا ہوا۔"

سرسیدؒ کے حسنِ خاتمہ کی شہادت یعنی مرض الموت میں برابر آیات قرآنی پڑھتے رہنے کی روایت تو حالی کی حیاتِ جاوید میں بھی درج ہے۔

مدلل دعوے

"شیعوں کا یہ طرز عمل" (جس کا اشارہ قریب ایک شیعہ کانفرنس کے بارہ میں طرز عمل کی جانب ہے) شیعوں کی روایات اور انکی ائمہ کی سیرت کے اخلاقی ہے۔

یہ لکھنؤ کے ایک ممتاز شیعہ ایڈیٹر سید کلب مصطفیٰ صاحب نے کہا۔ اور دوسری سطر میں اپنے اس دعوے پر دلیل بھی قائم کر دی:

"حضرت علیؓ کا طرزِ عمل خلفاء ثلاثہ کے ساتھ اتحاد بین المسلمین کی خاطر نہیں تو اور کس لیے تھا؟ معاویہ کے خلاف حضرت کے اقدام کا مقصد افتراق بین المسلمین کی سرکوبی نہیں تو اور کیا تھا؟ کیا حضرت سید الشہداء کا شام اور کوفہ کی راہ میں تمام زحمتوں کے برداشت کرنے کے بعد اور بربریت کی انتہا کے باوجود سر نہ اٹھانے والے مسلمانوں سے جنگ نہ کرنا شیعوں کے لیے اسوۂ حسنہ کا مرتبہ نہیں رکھتا؟ اور کیا موجودہ وقت میں جب کہ ہر طرف سے اسلام کی اہانت کی کوشش کی جا رہی ہو شیعوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سواد اعظم کا ساتھ دیں" (سرفراز از سید کلب مصطفیٰ۔ ایڈیٹر، لکھنؤ، [illegible])

سب سے مستحکم کی یہ عبارت اور:

"یا تو دوست ترو پر کہا جا سکتا ہے کہ سلامتی پسندی، معاشرتی، تعلیمی، اخلاقی اور اقتصادی نقطۂ نظر سے شیعوں کا حال سنیوں ہی کا سا ہے اور [illegible] مسلمانوں کے لیے نفع یا نقصان رساں ہوگی شیعوں پر بھی اسی طرح اثر انداز ہوگی جیسے سنیوں پر بلکہ غیر مسلم کے ہاتھ کی ترتیب اور آنکے دھوکے ہوئے لیڈروں کی سیاست کا خیال شیعوں کو عام مسلمانوں سے الگ نہیں کر سکتا۔" (ایضاً)

چشمِ بصیرت کا صحیح رہنا اور کج نظری سے محفوظ رہنا خواہ وہ ماضی سے متعلق ہو خواہ حال سے، اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔

ایک تہنیت نامہ

ایک بزرگ دوست کا مخلص عزیز کا مال و زر انکے ہاتھ سے نکل گیا تھا، ایک مدت کے بعد اب انھیں واپس ملا ہے۔ خبر سن کر ذیل کا مکتوب انکی خدمت میں روانہ کیا گیا:

"دلی مسرت اس خبر سے ہوئی کہ گئی ہوئی دولت پھر واپس آگئی ——— زیادہ مسرت اسوقت ہوگی جب اس دولت کا استعمال بھی بہ نہج شرعی اور عقلی محل پر ہوگا، ان شاء اللہ۔

دولتِ دنیوی بھی زندگی اور صحت ہی کی طرح اللہ کی بڑی نعمت ہے، اور ساتھ ہی اللہ کی امانت بھی۔ اللہ کے دین کو اسوقت ہندوستان اور دولتمندوں کی ضرورت ہے۔ کسی ایک ہی قسم نہیں، امیروں، غریبوں، سب ہی طبقوں سے ——— اور یہ ضرورت آج کیا معنی، ہمیشہ ہی رہی ہے۔ شروع ہی سے اگر ایک طرف ابوذرؓ، ابوالدرداءؓ ایسے تہیدست و نادار تھے، تو دوسری طرف عثمان غنیؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے امیر کبیر بھی۔

بندہ کسی حال میں رہے اور رکھا جائے، یہ فیصلہ اسکے بس کا نہیں، اسکے مالک کے ہاتھ میں ہے، کہ وہ فقر و غنا ہر حال میں اپنی حالت کا حق کس طرح اور کس حد تک ادا کر رہا ہے ——— ساری بزرگی اور درویشی کا لب لباب بھی صحیح ادائے حقوق ہے"

(بقیہ پر صفحہ [illegible])

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۵۰)

س علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی

س - حضور سے پاک سے دعا فرمائیں کہ اس خادم سیہ کار کو علم کی، توفیق اور تہذیب مسلمانانہ زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

ج - آمین

س حضرت مرشدی قبلہ کا ہدایت نامہ موصول ہوا۔ حضرت [illegible] نے تحریر فرمایا کہ بغیر ہمت کے کوئی کام نہیں بنتا۔ ہر کام میں ہمت سے کام لینا چاہیے [illegible] معلوم کرنے سے کیا فائدہ

ج - بالکل صحیح فرمایا

س خادم سیہ کار [illegible] مرکز بارہ [illegible] دعائیں کرتے [illegible] اس خادم [illegible] بیٹے [illegible] حضرت مرشدی کے خط کو بار بار پڑھتا ہوں تاکہ ہمت اور [illegible] پیدا ہو کر عمل میں جذبہ پیدا ہو جائے۔ الحمدللہ خدا [illegible] حضرت مرشدی قبلہ کا ہدایت نامہ موصول ہوا [illegible] خادم سیہ کار [illegible] معمول مقرر کر رکھے ہیں لیکن [illegible] خدا آج [illegible]

ج - الحمدللہ

س - افسوس صد افسوس کہ اب تک خادم اصلاح نفس کر نہ سکا۔ ابتدا سے خادم کا یہی خیال ہے کہ اپنی اصلاح کر دوں اور اچھے اخلاق حسنہ پیدا کروں - خدا کے فضل و کرم سے بزرگوں کی سرپرستی نصیب ہوئی - مگر بزرگوں کی سرپرستی ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر اخلاق پیدا نہ کر سکا -

ج - اصل شے طلب صادق ہے - نتائج کی کامیابی یا ناکامی نہیں - اب اگر صدق و اخلاص کے ساتھ ہے تو یہ ان شاء اللہ کافی ہو جائیگی -

س - معاشرتی طور پر سب اب تک پریشانیاں اٹھانا پڑ رہا ہے اپنے ذریعۂ معاش سے مطمئن نہیں ہو سکا - میرے سامنے مجھ سے چھوٹے ہزاروں بیٹے اور خادم وہی پرانی حالت میں ادھر ادھر پھر رہا ہے - بعض اوقات انکے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے -

ج - اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے - مالی حالت ہر شخص کی کیساں کیسے ہو سکتی ہے؟ فقر و تنگدستی تو بڑے بڑے کاملین کا طغرائے امتیاز رہی ہے - البتہ اگر جائز جد و جہد میں اپنی طرف سے کوتاہیاں رہی ہیں تو شرمندگی اس غفلت کا [illegible] اور بے تدبیری پر ہونا چاہیے - نہ کہ تنگدستی پر -

س - خصوصاً ہمیشہ خادم کو اپنے [illegible] لینی پڑے بھائی اور گھر والوں سے دل پریشان رہا ہے - وجہ یہ کہ گھر والوں کی اور میری طبیعت میں بہت فرق ہے [illegible] دنیا کی [illegible] وکھ سے [illegible] اور خادم اپنی اصلاح کا خواہاں - خدا کے فضل و کرم سے بڑے بھائی کا کاروبار اچھا رہا ہے اور ایک [illegible] کچھ کما لیا ہے - اب انکے سامنے میری حالت جو ہے وہ آپ کو بھی معلوم ہے - ایسی حالت میں خانگی معاملات میں مجھے بہت پریشانی اٹھانا پڑتی ہے -

ج - لیکن یہ پریشانی تو خود اسی [illegible] مرعوبیت کا نتیجہ ہے - جس سے ابھی تین سطر اوپر اظہار تحریر ہو چکا ہے - طبعی پریشانی کا مضائقہ نہیں - لیکن سمجھ بوجھ کر اپنے کو اس بنا پر پریشان رکھنا نہ جائز ہے نہ مناسب اور عقلاً درست نہ شرعاً

س - بعض اوقات بہت الجھنوں میں گھرنا پڑتا ہے خانگی معاملہ میں جب ہم وزن نہیں ہوتے تب [illegible] اپنی پوزیشن بحال رکھنا مشکل ہوتا ہے - علاوہ ازیں آج کی دنیا صرف پیسہ پیسہ جبکہ پاس دولت ہوگی اسکی بات کا اثر رہیگا اور [illegible] دولت والا اگر حق بات بھی کہے تو اسکا مذاق اڑایا جائیگا -

ج تو یہ غلطی تو دوسروں کی ہوئی اپنا اس سے کیا ضرر؟ فکر تو صرف اپنی رکھنی چاہیے - اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حصول دنیا کی جائز جد و جہد چھوڑ دی جائے - مقصد تو صرف اسقدر ہے کہ ناکامی کی حالت میں غیر متعلق اور بعید از کار خیالات لا لا کر خواہ مخواہ طبیعت کو مزید پریشانی میں نہ ڈالا جائے - دوسروں کی نادانیاں اور نافہمیاں ہرگز اپنے ذمہ نہیں -

س - عزت اور بزرگی کا معیار صرف دولت ہے - دولتمند آدمی کی [illegible] ہوتی ہے - احترام ہے وہ دولت لائق سے لائق تر بھی ہو تو وہ قابل نفرت اور استہزاء کے قابل - اس تاریک دور میں آدمی چاہتا ہے کہ اپنی زندگی شریفانہ طور پر بسر کرے - ایسے حد کا امکان ہوتا ہے [illegible] اپنے گھر والوں سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور اسی شرمندگی کی بنا پر خادم کو دن ہر وقت مضطرب رہتا ہے -

ج - اثر جبلی [illegible] زیادہ ہے جب تک خود اپنے عقیدے میں مزوری [illegible] ہے - اگر خود اپنا یہ خیال مضبوط ہو جائے کہ عزت و وقعت کا یہ معیار ہی سرے سے خود باطل ہے تو دوسروں کے تضحیک و استہزاء کی پروا بھی زیادہ نہ رہیگی -

س - یہ فطرت رہی ہے کہ کسی کی ادنیٰ ترچھی نگاہ خادم کے لیے ناقابل برداشت - عزت اور اپنی پوزیشن کا ہر وقت لحاظ - خانگی معاملہ میں یہ خیال مقدم رہا کرتا ہے - نہ معلوم یہ خیال میرے حق میں مفید ہے یا مضر -

ج - حد کے اندر رہے تو سراسر مفید - لیکن انسان عموماً ان حدود سے قدم رکھنے لگتا ہے - باریک بینی اور بہت غور و فکر کے ساتھ اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے -

س - ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اپنے گھر والوں سے صرف سرپرستانہ لگاؤ اور تعلق رہے - مالی امداد کا تعلق نہ رہے بلکہ ان سے امداد طلب کرنے کی نوبت نہ آئے - خدا سے ہر وقت یہ دعا رہا کرتی ہے

کہ اپنے اور غیر کے سامنے محتاج و ذلیل نہ کر، ہمیشہ بقدر ضرورت رزق عطا فرما۔

ج ۔ اصل سوال اسی بقدر ضرورت پر راضی و قانع ہونے کا ہے۔ ہر شخص نے (الا ما شاء اللہ) اپنی ضرورتیں اسقدر بڑھالی ہیں کہ نمایاں و بیّن "اسراف" کو بھی "ضرورت" ہی میں داخل کرنے لگا ہے۔ محض ضرورت پہ اگر قناعت ہو جائے تو آج دنیا کی آدھی مصیبتیں ختم ہو جائیں اور زر و جواہرات دونوں ایک بڑے عذاب سے نجات پا جائیں۔

س ۔ لکھتے لکھتے بہت سا لکھ گیا، شاید حضرت والا کو تکلیف کا باعث ہو۔ معاف فرمائیں، یہ دلی تاثرات تھے جو آپ کے سامنے پیش کر دیے تاکہ کوئی صحیح کام کی شکل آئے، خادم عمل کرنے کے قابل ہو جائے۔

ج ۔ سب جو ابات اوپر آچکے ہیں۔ تھوڑی حد تک فکر و تعب، شفقت تو لازمۂ زندگی ہیں، ان سے مفر کسی حال میں اس عالم آب و گل میں نہیں، لیکن ان میں غلو کرنا، بس یہی زیادتی ہے۔

س ۔ حضرت والا گزشتہ خط میں خواب کی تعبیر کے ماتحت تحریر فرمائے تھے کہ خواب دیکھنے والا بدعتوں میں مبتلا ہے، اگر اہل حق سے تعلق مضبوط ہونے کی بنا پر مشغلۂ منہیّہ ہو تو پا سکیگا۔ پریشان ہوں کہ بدعتوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کروں۔

ج ۔ چھٹکارا حاصل کرنے کی راہ تو وہی ہے اچھی صحبت، اچھا مطالعہ۔ ان سے بصیرت بھی اپنے امراض سے پیدا ہوتی ہے۔ خضوع و خشوع سے دعائیں بھی بہت معین ہو جاتی ہیں۔ لیکن خود خواب کی تعبیر کو بھی یقینی سمجھ لینا صحیح نہیں۔ محض ایک ظنی و تخمینی چیز ہے۔

س ۔ کونسی بدعتیں خادم کے اندر ہیں

ج ۔ تفصیل کا علم یا خود آپ کو ہو سکتا ہے یا پھر ہر وقت کے ساتھ دینے والے بے تکلف ہمنشیں کو۔

س ۔ اگر رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آجائے، تو کیا اسی وقت روزہ افطار کرلینا جائز ہوگا؟

ج ۔ روزہ کا افطار رات کے شروع ہونے سے قبل جائز نہیں، اتموا الصیام الی اللیل۔ اور ظاہر ہے کہ شب کا آغاز غروب آفتاب کے بعد ہی سے ہوگا نہ کہ اُسکے قبل سے۔ اس لیے دن چھپنے سے قبل، ۳۰ رمضان کو محض چاند دیکھ کر افطار کرلینا جائز نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲)

آپ کے دو امتحان (زرداری اور ناداری) کے پہلے ہو چکے تیسرے امتحان کا دور اب شروع ہو رہا ہے۔ پیمبر برحق (تو بہ تو بہ) بھی ایک وقت پر جلاوطن سب کچھ چھین گیا تھا۔ مدتوں پھنسا رہا۔ پھر سب کچھ واپس بھی مل گیا۔ مرتبہ نبوت میں فرق نہ زرداری نے پیدا کیا، نہ ناداری نے۔

... سلمہا کا مسرت نامہ پہونچا تھا۔ اس دعانامہ کو وہ بھی پڑھ لیں اور .... سلمہ بھی، اور انکی والدہ ماجدہ بھی سن لیں بہرحال اللہ سب کو مبارک کرے۔

لیجیے دو سطروں کا تہنیت نامہ دو صفحہ کا وعظ نامہ بن چلا۔ جی نہ مانا، اور آپ لوگوں کے اخلاص اور شفقتوں کی بنا پر جی نہ مانا کہ میراثیوں کی طرح خالی خولی مبارکباد کی صدا لگا کر بات ختم کر دی جائے۔"

مذہب اور حفظانِ صحت

حال میں انگلستان کی ایک تعلیمی رپورٹ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں ایک موقع پر ان امور کی تفصیل بیان کی ہے جنکی پابندی کے بغیر کسی بچہ کو پرائمری اسکولوں میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ منجملہ دیگر پابندیوں کے رپورٹ میں ایک خاص پابندی کے متعلق لکھا ہے:

"ختنہ پر [illegible] اسکولوں میں بچوں کے داخلہ کے لیے ضروری [illegible] قرار دیا گیا ہے [illegible] ہو، کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی میں [illegible] لکھنے کا طریقہ ختنہ [illegible] نہیں ہو سکتا۔ جن اسکولوں میں داخلہ کی یہ شرط نہیں ہے وہاں حفظان صحت کے بعض اہم اصولوں کی رعایت کرنے کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی اور بچے ان امراض کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے جو ختنہ نہ کرانے کا لازمی نتیجہ ہیں۔"

دنیا میں صرف مسلمان اور یہودی تنہا دو قومیں ہیں جن میں ختنہ کرانے کا رواج ہے اور اسے سنت ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ آج سائنس و حکمیات کی جدید تحقیقات سے ختنہ کی افادیت ظاہر ہوئی اور ان مقننین کی صداقت بھی ثابت ہو گئی جنہوں نے طبی اصولوں کے بغیر محض باطنی اور الہامی تحریک سے اسکی تعلیم دی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بذیل "ختنہ" لکھا ہے

"تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کسی بڑے عقلمند اور دوراندیش قانون ساز نے ختنہ کا منصوبہ علم دیا ہے جبکہ جاری کرنا بہت سے فوائد کا حامل ہے"

ختنہ کی معمولی رسم پر اسلام کے اہم قوانین کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور ایک جویائے صداقت پر بصیرت کی بہت سی راہیں کھل سکتی ہیں۔ (ندائے حرم)

لاہور میں نیا کعبہ

... غضب یہ ہے کہ جو چیزیں اسلام میں شعائر اللہ کے حکم میں داخل ہیں وہ بھی ہماری دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اسلام کا حکم تھا کہ ذی استطاعت مسلمان عمر میں ایک بار حرم مقدس میں ضرور حاضری دیں اور وہاں جاکر اسلام کے مرکز سے اپنی وفاداری کا اظہار کریں۔ مگر مسلمان کو اس پر صبر اور قناعت کہاں! جب

ایک خدا کے مقابلہ میں ہر ولی اور فقیر کو خدا بنا سکتا ہے تو اس سے بعید نہیں ہے کہ اس ہندوستان میں دوسرا بیت اللہ، دوسرا کعبہ، دوسرا حرم قائم کرے؟ چنانچہ سندھ میں لواری کا حج مشہور ہوا اور باوجود [illegible] گورنمنٹ کی مزاحمت کے وہاں اب تک مصنوعی حرم [illegible] اور شیاطین اسکا طواف کرنے میں مشغول!

جب ہم نے سنا تو ماتم کرلیا کہ شہر لاہور میں حضرت علی ہجویری کے مزار کو بیت الحرم اور میدان عرفات میں بڑے اطمینان سے تبدیل کر دیا گیا ہے اور دونوں مسلمانان زمین "حج" کرنے کے لیے جا رہے ہیں اور حج کا تصور اس قدر غالب ہے کہ کوئی مسلمان عورت یہ نہیں کہتی کہ وہ دربار داتا صاحب میں دینے گئی تھی بلکہ کہتی ہے کہ وہ حج کرنے گئی اور حج کرکے واپس آئی! یہ فتنہ تو دیکھو [illegible] کہ لاہور کے مسلمان فرا[illegible] کی بغیر کہ [illegible] اسلامی کعبے کے لیے [illegible] ہجویری کی [illegible] میں سے جا سکتے ہیں [illegible] وہاں حجاج کرام [illegible] لگے ہیں۔

[illegible] ہزار [illegible] اور غیر اللہ کی [illegible] میں پہلے ہی [illegible] تھا۔ اب [illegible] بیت الحرم بھی گھڑ لئے [illegible] کر دیئے ہیں اور کعبے بھی کام کے نہیں تاکہ ان [illegible] حج کر سکنا [illegible] ہے کہ [illegible] کعبے ہیں۔ آج کعبے گڑھے جا رہے ہیں [illegible] گزر جائے گا! اسلام میں شرک مسلمانوں کا یہ وہ فتنہ ہے جس کا مقابلہ ڈیڑھ ہزار سال کا کوئی فتنہ نہیں کرسکتا۔ سوال یہ ہے کہ لاہور کے علماء کرام [illegible] اس شرارت کا علم ہے اس سلسلہ میں کیا کر رہے ہیں؟ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، یہ دین فروش علماء جہلاء کے در پر [illegible] مانگنے والے خطیب اور عالم نما جاہل واعظ اس فتنہ کے خلاف ایک حرف منہ سے نہیں نکالتے۔ کعبہ بن رہا ہے، حج کا سلسلہ جاری ہے، مگر دین فروشی کی لعنت نے علماء و خطباء کے لبوں پر مہر لگا رکھی ہے! آمین بالجہر اور رفع یدین پر ہر طوفان اٹھنے کے لیے تیار رہے لیکن حرم مقدس کی حرمت کے لیے کبھی غیرت کی آگ نہیں بھڑکتی اور مصنوعی کعبوں اور جعلی حجوں کے ملعون فتنہ کے خلاف کسی کی زبان ماتم سرائی کے لیے وقف نہیں ہوتی!

یہ فتنہ جو اسلام کی مرکزیت کے لیے ڈائنامیٹ کا حکم رکھتا ہے۔ اس طرح آسانی سے برداشت کیا جا رہا ہے کہ گویا یہ بھی کوئی اختلافی مسئلہ ہے جسے اہمیت نہ دینی چاہیے! افسوس! ائمہ مساجد، واعظین اور خطباء نے دین فروشی کی دکان سجا رکھی ہے اور مشرکین خاموشی سے بیت خلیل اور میدان عرفات کو لواری اور لاہور میں نصب فرما رہے ہیں! ہم نے اپنا فرض ادا کردیا ہے، اب دیکھیں گے کہ علماء کرام اس فتنہ پر کب بیدار ہوتے ہیں!

(زمزم)

[illegible] ہو رہا ہو جیسے کسی زہریلے ناگ نے روح کے نازک حصہ میں اپنے دانت گھونپ دیئے ہوں۔

والسلام

ابو یوسف [illegible] ادارہ تفسیر القرآن - نانڈیڑ - دکن

مراسلہ

بہادر خاںؒ اور قرآنی دنیا

اگر آج عشق کی لامحالہ آوازوں سے شکستہ خاطر دنیا کے سامنے قرآنی حقائق پیش کیے جائیں تو تسلیم الفطرت انسان پکار اٹھیں گے کہ [illegible] تمدنی [illegible] روح کی تدریجی [illegible] کا صحیح جواب اور اس کے اپنے [illegible] جمالی [illegible] آمادہ ہے [illegible]

[illegible] قرآن کریم نے خود کو "ذکر" [illegible] مستقل [illegible] ہر [illegible] وقت [illegible] خود [illegible] مستقل [illegible] حیات [illegible] ہر [illegible] پھر اس سوال [illegible] دنیا [illegible] رہبری میں ایک [illegible] اقوام [illegible] اور [illegible] کی خدمت انجام دیتے رہے [illegible] دکن کی سرزمین کو ان معنوں میں خوش نصیب سمجھنا ہو کہ اسکی آغوش میں بہادر خاںؒ جیسا [illegible] اور بیدار دل والا پیدا ہوا۔ جس کا ضمیر محبت دین کی دلولہ انگیزیوں اور عشق قرآن کی جنون نوازیوں سے تیار ہوا تھا۔ جس کی پُرتاثیر صداؤں اور آتشیں نواؤں نے ایک آن میں سب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے قرآنی نغموں سے دشت و جبل گونج اٹھے اور مسلمانان دکن اس سرچشمہ حیات سے اپنا [illegible] استوار کرنے لگے جس کو علماء اور مُلّا [illegible] کا گلدستہ بنا کر فرزندان توحید نے اپنی سطوت کھو دی۔ اس تلملاہٹ [illegible] کھینچی اور [illegible] رہبر کی صحبت نے عجیب کیمیائی اثر پیدا کیا، دلوں کی دنیا بدل دی اور بہت سی ایسی روحیں کہ جو خدا کا نام لیتے ہوئے شرمندہ ہوتی تھیں تسکین کا ذریعہ "تلاوت قرآن" بنکر رہ گیا۔ مجبوراً [illegible] کی سیاسی سرگرمیوں اور اصلاحی کارناموں کی صحیح داد تو ہندو دکن کے آئینی انقلابات کے مورخ کا قلم ہی دے سکیگا۔ مگر قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی جو ناقابل فراموش خدمت انجام دی ہے اس کی عظمت زمانہ [illegible] دلوں میں [illegible] فرما رہی [illegible] زندگی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی اکثریت آج حقائق قرآنی سے بہرہ اندوز [illegible] نفس کی حیات آفریں [illegible] رہبری میں ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس میں کلام نہیں کہ پہلے بھی اس طبقہ میں بعض مستثنیات ایسی تھیں جن کی قرآن کریم سے والہانہ شیفتگی قرآن سے غافل مسلمانوں کے لیے سرمایہ عبرت سے کم نہیں ......

لیکن اس قسم کے اتفاقات جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے مستثنیات کی حیثیت رکھتے ہیں جو یورپ کی سکر آلود فضا میں بھی اسکی دین حنیف والی فطرت اسکو ہر قسم کے فتنوں سے مامون رکھ کر ایسا ٹھوس کردار بخشتی ہے مختصر یہ کہ عام تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن مجید سے وابستگی اسی [illegible] سعی کا ثمرہ ہے جو اگرچہ شہادت کی لطیف پردوں میں روپوش ہوچکا ہے مگر اس کی یاد دکن کے ہر مسلم فرزند کے [illegible] میں موجود اور اسکی جدائی کا سوز ہنکر رس رہا ہے۔ مجلس [illegible] [illegible] کا سالانہ جلسہ [illegible] میں قائم ہو رہا ہے۔ سالانہ جلسہ کی یاد رزم کو ہرا کر رہی ہے [illegible]

ایک پُر مغز خطبۂ صدارت

(۱)

(مولانا عبدالرؤف دانا پوری ناظم صدر جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ)

غرض ملک میں ایسی فضا پیدا ہو گئی جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ ہندو لیڈروں نے لڑائی کا رستہ اپنا لیا ہے ۔۔۔ پہلے ملک میں راج قائم کرنا چاہتے ہیں - اسوقت مسلمانوں نے طے کیا کہ جنگ آزادی سے پہلے ہم کو اپنے تحفظ اور مدافعت کا انتظام کرنا ضروری ہے تاکہ عین معرکے کے وقت مسلمان دھوکہ میں نہ رہ جائیں جیسا اس سے پہلے الحمد پور بہ ہندوستان میں تحریک کے بعد ہو چکا ہے - اسی لیے کانگریس سے علیحدہ اپنا پلیٹ فارم مستحکم کرنے کا خیال پیدا ہو گیا - اسوقت مولانا محمد علی مولانا شوکت علی و علماء جمعیۃ العلماء تمام دیوبند، علماء فرنگی محل اور قدیم و جدید خیالات کے سب مسلمان کانگریس کے طرز عمل سے نا واقف تھے - اور مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی تھے - کانگریس کے ساتھ بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے -

مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد جمعیۃ العلماء نے پھر کانگریس کی تائید شروع کر دی - جسکی وجہ سے اسوقت کانگریس اور حکومت کے خلاف مسلمانوں کا محاذ نہ بن سکا بلکہ ایک نیا اختلاف مسلمانوں کے اندر لیگ اور جمعیۃ کی وجہ سے پیدا ہو گیا - جمعیۃ علماء ہند پہلے علماء ہند کی واحد سیاسی انجمن تھی اور ہر خیال کے علماء اس میں شریک تھے - جمعیۃ نے جب عام مسلمانوں کی سیاسی انجمن مسلم لیگ کے خلاف کانگریس کی امداد شروع کی تو اسکا اثر مسلمانوں میں انتشار کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا -

نتیجہ یہ ہوا کہ بہت مسلمان اسوقت لیگ سے اس لیے جدا ہو گئے کہ ہمارے علماء لیگ سے علیحدہ ہو گئے ہیں - بات یہ نہ تھی، مگر جمعیۃ کی جدائی کا مطلب یہی سمجھا گیا - اور اسی طرح بہت سے علماء جو جمعیۃ کے شامل تھے اس لیے علیحدہ ہو گئے کہ جمعیۃ ہندوؤں سے مل گئی ہے - لیگ کے اندر بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو تحریک خلافت کے وقت آزادی کے لیے سرفروشانہ خدمات انجام دے چکے تھے - اور وہی جوش و ولولہ ان میں موجود تھا - ایسے لوگ لیگ میں سرکاری آدمیوں کی کثرت تعداد کو پسند نہ کرتے تھے - مگر بہر حال مسلمانوں کی تقویت و تنظیم ضروری سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ بغیر سرکاری آدمیوں کو ساتھ رکھے مسلمانوں کی تنظیم ممکن نہیں ہو سکتی - اور کانگریس بھی پہلے سرکاری آدمیوں کے اثر میں پل کر جوان ہوئی ہے -

مولانا محمد علی مرحوم اسی آخری جماعت کے ہمخیال تھے - وہ مسلمانوں کو منظم کر کے حکومت اور کانگریس کے مقابل مسلمانوں کا ایک متحدہ قومی محاذ بنانا چاہتے تھے - وہ جمعیۃ العلماء کے خلاف تھے مگر مسلمانوں کو صحیح راستہ پر منظم کرنے کے لیے علماء کی ایک متحدہ قوت مسلم لیگ کے ساتھ رہنا ضروری سمجھتے تھے - اس لیے انکی کوشش سے ایک دوسری جمعیۃ العلماء اسی وقت بن گئی - جس میں علماء فرنگی محل، بدایوں، رامپور، اور کانپور وغیرہ شامل ہوئے - اور اس اختلاف کے بعد علماء اہلحدیث عملاً دونوں جماعتوں سے علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے - اور جمعیۃ العلماء کی وہ اجتماعی قوت باقی نہ رہی -

وہ زمانہ مسلمانوں کے اضطراب و پریشانی کا زمانہ تھا - ہندوؤں کے طرز عمل سے پریشان ہو کر متحدہ قومیت والے کانگریس سے جدا ہو گئے تھے اور اپنی تنظیم علیحدہ کرنا چاہتے تھے - مگر سرمایہ کی قلت اور تجربہ کار رہنماؤں کی کمی کی وجہ سے تنظیم کی بہت سی اسکیمیں ناکام رہیں - اور ہندوؤں نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیا جائے - دھمکی، لالچ، اور خوشامد دونوں ذریعوں سے مسلمانوں کو جماعت سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی - غلط پروپیگنڈے کے ذریعہ مسلمانوں کو مسلمان رہنما سے جدا رکھنے کا اہتمام کیا گیا - ہندو حکام نے ازراہ تعصب بے انصافیاں کیں - ہندو زمینداروں نے مسلمان رعایا پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے - قربانی اور مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا بہانہ بنا کر ملک میں فسادات برپا کر دیے گئے بہت سے مسلمان قتل کر دیئے گئے، بہت سے زخمی کر دیے گئے - بہت سے خاندان تباہ کر دیے، بہت سی مسجدیں برباد کر دی گئیں یا ان کی بے حرمتی کی گئی - شاہ آباد کے پورے ضلع میں قیامت برپا کر دی گئی اور مسلمانوں کی سیکڑوں بستیاں برباد کر دی گئیں، مظالم اتنے سخت اور اتنے زیادہ ہوئے کہ کمزور مسلمانوں کو مایوس اور ساکت کر دینے کے لیے کافی تھے - مگر ہندوستان کی بائیس کروڑ ہندو آبادی کی طرف سے کبھی کسی عالم میں نہ ظالم ہندوؤں پر ملامت کی گئی نہ مسلمان مظلوموں کے ساتھ صرف لفظی ہمدردی کا اظہار ہی کیا گیا - حکومت کانگریس کی طاقت سے مرعوب تھی یا حکومت کی مشینری حکومت کے اختیار سے باہر تھی - شاہ آباد، بہار، دربھنگہ اور بھاگلپور وغیرہ کے فسادات نے ثابت کر دیا ہے کہ لا اینڈ آرڈر کی موجودہ مشینری ملک کے منظم فرقہ وارانہ فسادات کو روک دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی - خود مسلمان فسادات کی جگہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور غیر منظم بھی تھے کچھ نہ کر سکے -

افسوس یہ ہے کہ ان تمام مظالم کے بعد بھی مسلمان اپنی تنظیم سے اور اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غافل رہے - تنظیم کے نام سے کمیٹیاں قائم اور ٹوٹ گئیں کچھ نہ کر سکیں - مولانا محمد علی مرحوم نے جمعیۃ علماء قائم کی تھی - مگر اسکا کہیں پتہ بھی نہ رہا - جمعیۃ علماء ہند بڑے بڑے ذی اثر تجربہ کار علماء کی پرانی جماعت ہے - اسکے اراکین خود مشق ستم رہے ارتداد کے میدان میں انکو خود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - باوجود اسکے نہ انھوں نے مسلمانوں کو منظم کرنے کی پرواہ کی نہ ہندوؤں کا ساتھ چھوڑا -

میں ان حضرات کو اپنا پیشوا سمجھتا ہوں، مگر اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غفلت کی جائے - آزادی کے لیے مقدم

شرط یہ ہے کہ اپنی جماعت کے حقدار مستحکم کیا جائے - جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وقت ہجرت کی اس وقت مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے - آپ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے قبائل سے معاہدات کیے اور یہی خطرات تھے جن نے پاس تھے کہ یہی قینقاع، بنی نضیر و بنی قریظہ کے بعد دیگرے معاہدات کی خلاف ورزی کی - آپ نے انکی پرواہ نہ کی کہ ابھی قریش اور دوسرے قبائل کا خطرہ باقی ہے - آپ نے ان قبائل سے قطعاً فیصلہ کر لینا ضروری سمجھا - قریش اور دیگر قبائل کا بڑا خطرہ موجود تھا - وجہ یہ کہ معاہد قوموں کی عہد شکنی سے جو نیا خطرہ پیدا ہو گیا تھا - آپ نے اسکو مٹا دیا -

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپ نے معاہدات کی پابندی اور ... آپ کو یہ ... کر ... معاہدہ پر اعتماد کر کے اپنی اسلامی طاقت کو جمع کرنے میں کبھی آپ نے غفلت نہ کی - ہمارے تمام مصائب کا اصلی سرچشمہ یہی ہے کہ ہم نے اس سنت صحیحہ کی پیروی نہ کی - نہ اپنے پڑوسی اقوام سے کوئی معاہدہ کیا - نہ اپنی قومی قوت کو مجتمع کر سکے - جس کی محرومیت پر ان کو دشمن اقوام کے شر سے مسلمان محفوظ رہ سکیں اور ان کی عزت ... کر سکیں

اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ مولانا محمد علی آزادی ہند کے سب سے بڑے فدائی تھے - ان پر تو اسکا وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر ملکی طاقت کی نظر عنایت کی کوئی تمنا دل میں پوشیدہ رکھتے تھے - وہ آزادی ہند کے سب سے زیادہ متمنی اور متفقہ ہند کے بڑے لیڈر تھے - مگر انھوں نے شدھی سنگھٹن، مالوی جی اور مونجے کی علانیہ سلام دشمنی اور کانگریسی ہندوؤں کی اندرونی ریشہ دوانیوں سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ہندو مسلم اتحاد و اسوقت تک مستحکم نہیں ہو سکتا، جب تک ہندو مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر انکو دبا لینے کی آرزو دل میں پوشیدہ رکھیں گے - اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی ناممکن ہے -

یہ جذبات تھے جنہوں نے انکو مجبور کیا کہ کچھ روز کانگریس کے پُرشور پلیٹ فارم سے جدا ہو کر مسلمانوں کو منظم کر کے طاقتور جماعت بنا دیں تاکہ ہندو مسلمانوں کو لالچ یا خوف سے دبا لینے کی امید سے مایوس ہو کر مساویانہ معاہدہ کے لیے مجبور ہو جائیں - اور اسکے بعد علی برادران نے یہی کیا - آزادی کے سب سے بڑے داعی ہونے کے باوجود وہ کانگریس کے پُرشور پلیٹ فارم سے جدا ہو گئے - اور اپنی ساری قوت و طاقت مسلمانوں کو منظم کرنے کے لیے وقف کر دی -

علی برادران نے میرے خیال میں سنت صحیحہ کے موافق صحیح راہ عمل کو اختیار کیا تھا اور مسلمانوں کو صحیح راستہ پر ڈالنے کی کوشش کی تھی افسوس کہ بے وقت کی موت کی وجہ سے انھوں نے اسکے ثمرات نہ دیکھے - لیکن جب بھی ہندوستانی مسلمان منظم و طاقتور جماعت بنیں گے اسکا اجر انشاء اللہ ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہیگا - ان اللہ یؤید الدین بالفجار - مولانا محمد علی مرحوم کے انتقال کے بعد مسلمانوں کی تنظیم و تقویت کا خواب بظاہر بے تعبیر معلوم ہوتا تھا - مسٹر محمد علی جناح اس

وقت بھی تھے - انکی صلاحیت و قابلیت جس کو دوست اور دشمن سب کے نزدیک مسلم تھی - مگر اسکے ساتھ انکی امارت، راحت طلبی اور بعض پسندی سے بھی ہر شخص واقف تھا - کس کو امید تھی کہ امت مرحومہ کی خدمت کے لیے وہ اپنا وقت دینا گوارا کریں گے - مگر

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

مسلم لیگ بھی نئی انجمن نہیں ہے - مسٹر جناح بھی اسکے نئے ممبر نہیں ہیں - لیکن اولوالعزم علی برادران کے ایثار و قربانی اور اسلامی خدمت کے جذبہ نے مسٹر جناح کا رنگ بدل دیا - مولانا محمد علی مرحوم کی وفات کے بعد مسٹر جناح نے مسلمانوں کو منظم کرنے کا ذمہ پوری طرح اپنے سر پر لے لیا - اور وہ کیا جس کا ثمرہ دوست دشمن سب دیکھ رہے ہیں - ابھی پوری طرح تنظیم مکمل نہیں ہوئی ہے مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو مایوسی شدھی اور سنگھٹن کے زمانہ میں مسلمانوں پر چھا گئی تھی، وہ اب نہیں رہی - اپنی کمتری کا جو احساس مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا - ہندو حکومت کے زمانہ میں سرکاری آدمیوں کے مکانات میں، فسادات کے موقع پر اور تاجروں کی کوٹھیوں میں ہر جگہ مسلمانوں کی زندگی کے آثار پائے جانے لگے - اور خدا کی رحمت سے امید پیدا ہو گئی ہے کہ اگر مسلمانوں نے اندرونی مناقشات کی خرابیوں کو سمجھ لیا اور متفقہ طور پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی متحدہ طاقت کو غیروں کے مقابلہ میں منظم کرنے کی ضرورت محسوس کر لی تو انشاء اللہ وہ زمانہ جلد آ جائیگا کہ ہندی مسلمانوں کا شمار دنیا کی طاقتور قوموں میں کیا جا سکے گا -

حضرات! میں مسٹر جناح کو متقی اور دیندار نہیں سمجھتا لیکن اسلام یا و بہر مسلم قوم کی تنظیم و تقویت کی جو کوشش انھوں نے کی اور اس میں جسقدر کامیابی انھوں نے حاصل کی اسکا اعتراف نہ کرنا بھی بڑی بے انصافی ہے - صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان مفید کاموں میں جو وہ مسلم قوم کی تقویت کے لیے کر رہے ہیں - انکی پوری طرح مدد کی جائے اور خدا سے دعا کی جائے کہ اللہ پاک اس محسن قوم کو اسکی توفیق عنایت فرمائے کہ جس طرح وہ مسلم قوم کے لیے طاقت اور اتحاد کو ضروری سمجھتے ہیں اسی طرح خدا کی عبادت کا شوق اور رسول کی اتباع کا جذبہ بھی ان میں پیدا ہو جائے جس طرح وہ مسلمانوں کی دنیا درست کرنے میں منہمک ہیں اسی طرح مسلمانوں کی نجات کے لیے بھی بیتاب ہو جائیں -

حضرات علماء کرام! ارباب لیگ کی دینی اصلاح بھی خدا کے فضل و کرم سے بعید اور ناممکن نہیں ہے - آپ کو معلوم ہوگا کہ جب علی برادران قومی خدمت کے لیے مستعد ہوئے تھے اس وقت وہ اسلامی تہذیب، اور اسلامی شعائر و اعمال سے بالکل ناآشنا تھے - قومی خدمت کے انہماک ہی نے انکا قلب و دماغ اور ظاہر و باطن سب کچھ بدل دیا - جو حضرات اس امت کی بھلائی کے لیے صداقت کے ساتھ کوشاں ہیں انشاء اللہ خداوند پاک انکی نجات کا سامان بھی ضرور کریگا -

(باقی آئندہ)

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

ایک موثر دعا

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

رات کو طبیعت پر خاص کیفیت طاری تھی۔ اضطراب سا تھا، بےچینی اضطراب سا تھا، بےچینی سی تھی۔ اُٹھا۔ میز پر حضرت مخدوم سیدنا شاہ شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ کے مکتوبات کا نسخہ رکھا ہوا تھا۔ کھول کر دیکھنے لگا۔ عجیب مکتوب تھا۔ کھولنے کے ساتھ ملا، دیر تک متاثر رہا۔ اسی وقت طبیعت کا تقاضا ہوا، کہ آپ ہوتے تو ذکر کرتا۔ مسئلہ دعا سے اس کا تعلق تھا۔ خواجہ حازم اوج نامی کسی بزرگ کا حوالہ دیتے ہوئے اس میں انکا ایک فقرہ نقل فرمایا گیا ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں

"محروم گشتن از دعا بر من سخت تر از حرمان اجابت ست"

کیا بات زبان سے نکل گئی، اللہ اکبر یہ ہے کہ مناجات کے مقام سے محرومی سے بڑھ کر اور کوئی دوسری محرومی کیا ہو سکتی ہے۔ مجھ پر اسکا بڑا اثر ہوا۔ بڑی اچھی تعبیر ہے۔ پھر مشہور بزرگ فرید الدین رازی کی مناجات حضرت نے نقل فرمائی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ صدق کی برادری تک اسکا ترجمہ پہونچا دوں۔

"پروردگار! تجھے میں کیسے پکاروں کہ پاپی ہوں، سیہ کار ہوں۔ اور کیسے نہ پکاروں کہ کرم کرنے والے آپ ہی ہیں۔

پروردگار! عدالت کی نیام سے تلوار کی تہہ آپ نکالینگے، تو پیغمبروں اور مقربین درگاہ بھی ہستی کے لباس کو چھوڑ کر نیستی میں گم ہو جائینگے۔

پروردگار! آپ کے رسولؐ کی پیروی میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھنے کی اگر مجھے توفیق نہیں ہوئی، تو پروردگار! مخالف بن کر تیرے رسول پر پتھر پھینکنے سے تو بچا لیا گیا ہوں [اکبر مرحوم کا شعر اس وقت یاد آیا

گو دعوے تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں

بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں]

میرے مالک! آپ کے منکروں سے تو دنیا بھری پڑی ہے، پھر اقرار کرنے والوں کی سرزنش کیوں کیجیے، بڑے بڑے سرکشوں کو پال رہے ہیں جنھوں نے آپ سے جنگ کا اعلان کر رکھا ہے، پھر جو ایمان کے ساتھ صلح پر آمادہ ہوں سے دور رہے نہ، معتکار

اُف! میری ساری وحشت آپ کی بے نیازی سے ہے لیکن پھر ساری امیدوں کا ملجا اور ماوٰی بھی آپ ہی کی بندہ نوازی ہے، سر جھکا لینے والے شرمندہ ہیں، انھیں نہ در بخشیے، گنہگار دکھ میں مبتلا ہیں انکے زخم پر مرہم رکھیے، سینہ بسمل، میرا ہاتھ پکڑ لیجیے۔ سنبھلنے سے مجھے پامال نہ کیجیے، بخش دیجیے گوشمالی نہ کیجیے۔ خداوندا! اگر آپ تابعین میں سے ہیں کہ آپ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میری سفارش فرمائیں تو آپ کا کیا دوزخ کی آگ سے مجھے نہ بچا لیگا، پروردگار! مردوں کی طرح جہاد کی صفوں میں تلوار چلانے کی توفیق اگر مجھے نہیں ہوئی، تو کیا تیرے آگے پانچ وقت اپنا سر زمین پر نہیں رکھتا ہوں۔ میرے گناہوں سے زیادہ گناہ کسی کا آپ نے اگر بخشا ہے، تو مجھے بھی بخش دیجیے۔ کہتا ہوں کہ باوجود اگر کسی کی طاعت آپ نے قبول فرمائی ہے تو میری اس کھوٹی ناقص طاعت کو بھی مسترد نہ فرمائیے، میرے منہ پر اسے نہ دے ماریے۔

آپ ساتھ نہ دینگے، تو دنیا کے اس طول طویل سفر کو میں طے کیونکر کرونگا آپ کا رحم و کرم شامل حال نہ ہوگا، تو بدبختوں کے قدم جو شدہ بھا نام کیسے کٹ سکتا ہے"

اور بھی فقروں پر فقرے بے ساختہ نکلتے چلے گئے ہیں۔ ... مناجات کے ان الفاظ کا کہ

"اگر برموافقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو سنگ بر شکم نہ بستم

در مقام مخالفت سنگ بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ انداختم"

اور دوسرا فقرہ

"منکران داری سیاست جبروت خویش بر مقراں چہ رانی"

ایک فقرہ مکتوب کا اور سنیے۔ مجھ پر تو بڑا اثر ہوا

بترس از مرگ درین سرائے	اس دنیا کی موت سے ڈر، قبل اس کے
پیش از انکہ آنجا مرگ را	کہ اُس دنیا میں تو داخل ہو جس میں موت
آرزو کنی و نیابی	کی آرزو کریگا اور نہ پائیگا۔

اکبر مرحوم کا مصرعہ ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں

بلاشبہہ موجودہ زندگی بھی ڈرنے ہی کی چیز ہے، لیکن اسکا بہرحال خاتمہ موت پر ہے تو، لیکن اُس زندگی کی مصیبت کا کیا ٹھکانا ہے جس میں موت مانگی جائیگی، اور نہ ملیگی۔ "لا یموت فیہا ولا یحییٰ" اللھم انا نعوذ بک منہا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد پیلس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی [illegible]

بیرون ہندوستان سالانہ [illegible]

قیمت فی پرچہ [illegible]

ٹیلیفون نمبر (۱۴۹)

صدق

نمبر ۵۰ | یوم چہارشنبہ - ۶ - محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ڈاکٹر [illegible] ایک نامور جرمن سائنٹسٹ تھے۔ جنگ سے قبل ہی امریکہ منتقل ہو آئے تھے۔ اسوقت انکی تازہ کتاب "[illegible] فضائے ناپیدا سے آگے کے سفر کا مستقبل" ROCKET: THE FUTURE OF TRAVEL BEYOND STRATOSPHERE کے [illegible] ہے کہ [illegible] کے محدود [illegible] تک پانچ [illegible] پہنچ [illegible] ہو جائیگا، جسکا [illegible] ۲ ہزار اور [illegible] ۵ [illegible] اسکے درمیان ہے، بلکہ مریخ تک بھی پہنچ جانا [illegible] ہو جائیگا، جسکا فاصلہ [illegible] ۳ کروڑ میل ہے [illegible] ہے کہ زمین کی قوت کشش کی مزاحمت [illegible] ایک خاص فاصلہ تک رہیگی - اسکے بعد ایک منزل ایسی آ جائیگی جہاں سے چاند کی قوت کشش اپنا عمل شروع کر دیگی - اور انسانی ہوائی [illegible] انتہائی تیزی سے اسکی طرف بڑھنے لگیگی، چنانچہ کل مسافت کو [illegible] گھنٹوں یعنی [illegible] سے بھی کم میں طے ہو جائیگی [illegible] میں فلاں فلاں دقتیں ضرور ہیں، لیکن فلاں فلاں طریقے انکے حل کرنے کے بھی ہیں ——— غرض یہ کہ سنہ ۱۹۵۳ء میں انسان کے قدم ہونگے اور چاند کی سطح اور اسکے بعد دوسرے ستاروں کی تیزیں!

یہ تو ہوئیں [illegible] ترقیاں اور [illegible] بدترقیوں کے قدم

اس سے تیز تر ہو گا، اور انسان اپنی [illegible] ترقیوں کے سہارے [illegible] میل [illegible] کے دم میں طے کر کے رکھ دیگا ——— خدا کرے یہ پیشینگوئیاں جلد [illegible] ہماری آپ کی زندگی ہی [illegible] ہو جائیں، کہ اسوقت مروج جسمانیت کے "روشن خیال" منکرین [illegible] کہ فرمائیے اب اسکے [illegible] والی [illegible] ایک خیالی ہی ہے [illegible] آج تو ہمیں قرآن [illegible] خود کس [illegible] ہو رہی ہے [illegible] سے [illegible] ان سے اور صرف ان ست [illegible] والا ہو گا، حضور نے اپنی [illegible] علمی [illegible] کو [illegible] لفظ "روشن خیالی" کا اگر [illegible] ہے اور [illegible] سے انکار پر اڑے ہوئے ہیں، [illegible] کرہ [illegible] ہوائی سے انسان کے [illegible] ہونے کو ہر قانون طبیعی کے لحاظ سے ناممکن بتا رہے تھے!

اسلام کی حقیقت و صداقت کا یہ ایک مستقل معجزہ ہے کہ مادی علوم جتنے بھی انکشافات، ایجادات، اختراعات [illegible] بڑھتے جاتے ہیں کسی نہ کسی پہلو سے اسلام ہی کے حقائق کی تصدیق کرتے رہتے ہیں۔

بے پردگی کے نتائج

"لاہور کی آزادی نسواں کی داستان آج سے ۱۰۵ سال قبل سے شروع ہوتی ہے۔ اسکی تاریخ "لاہور [illegible]" سے وابستہ ہے۔ شروع شروع میں [illegible] کام [illegible] تھا - [illegible] پردہ [illegible] والی عورتیں پردہ نشینوں کو اپنا [illegible] رکھتی تھیں [illegible] مریم [illegible] بیان کیا، کہ [illegible] وقت [illegible] [illegible]

کہ بیگمات موٹروں سے بھی بات کہتے شرماتی تھیں۔ تقریبات میں جب کبھی ملتی جلتی تھیں تو یہ بات خیال میں نہیں آتا تھا کہ کیا گفتگو کریں۔

پردہ کلب کے ابتدائی جلسے خفیہ جلسے ہوتے تھے۔ بیویاں اس کلب کی اپنی ممبری چھپاتی تھیں۔ بدنامی سے ڈرتی تھیں۔ اب ڈرنے اور جھجکنے کے بجائے اس کلب کی ممبری ایک فخر و اعزاز کی چیز بن گئی ہے۔ کلب کی ایک آنریری سکریٹری لیڈی سر چھوٹو رام تھیں۔ ... صدر لیڈی ... سر ... لفٹنٹ گورنر پنجاب کی میم صاحبہ۔ کلب اب لارنس روڈ کی ایک خوبصورت عمارت میں ہے۔ ... ایک زنانہ کانفرنس ۱۹۳۲ء منعقد ہوئی تھی۔ اس میں اخباری رپورٹر پردہ کے باہر بیٹھے تھے۔ ... پردہ ... کافی حد تک معدوم ہو گیا ہے۔ اور اسی سے صوبہ پنجاب میں آزادی نسواں کی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ (انقلاب ۹۔ نومبر ۱۹۴۵ء)

یہ ساری داستان اور معتبر سفرنامہ کی زبان سے۔ دلچسپ بھی ہے اور بصیرت افروز بھی۔ شیطان جب اور جہاں کہیں اپنا قدم جماتا ہے، یوں ہی اور اسی طرح چپکے ہی چپکے جماتا ہے۔ اور اسی پیچ کے ساتھ پردہ کلب کو "بے پردہ کلب" میں تبدیل کر دیتا ہے!! —— اور یہ عشرتی لیڈیاں اور صوبے کے گورنر یا لفٹنٹ گورنر یا کمشنر کی بیویاں ہی ہر جگہ سب سے پہلی علمبردار، ہر جگہ زنانہ تحریک اور اصلاح نسواں کی ہوتی ہیں! ——

کاش کوئی صاحب یا صاحبہ ہمت کرکے "ہندوستان میں بے پردگی کی تاریخ" پر ایک مبسوط مقالہ تحریر فرمانے کا وقت نکال سکیں! بہت سے راز پردے سے باہر آ جائیں گے!

دو تہذیبیں

"گاندھی جی کی روانگی بنگال کے وقت نارد دھا کے مہیلا آشرم (زنانہ ہندو اسکول) کی لڑکیوں نے اُن کی خدمت میں ایک ساڑی اور کھادی کی کئی دھوتیاں پیش کیں .... لڑکیوں کے گربھا ناچ کو دیکھ کر گاندھی جی نے کہا کہ یہ گربھا ناچ دنیا میں مشہور رقص ہے، لیکن یہ وقت ایسے ناچ رنگ کا نہیں۔" (زمیندار ۲۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

مسلمانوں کے اخبار معترض ہیں کہ گاندھی جی نے ناچ بہرحال دیکھا تو۔ اور ناچنے والیوں کی ہمت افزائی کی تو، گو اس خاص وقت میں ان تماشوں کو نامناسب بتایا! —— لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ مسلمان اپنا ہی ایسا مذہب دوسروں کا بھی سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے اکابر کو اپنے اکابر پر قیاس کرتے ہیں۔ گانا اور ناچ یہ دونوں تو معیوب ہونا کیا معنی عین جزو ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے ہیں، اور ان میں اتنی دلچسپی لینا گاندھی جی کی "مہاتمائیت" کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُن سے بڑے بڑے رشی، سادھو، مہاتما، بلکہ دیوتا اب خود گا چکے ہیں اور ناچتے رہے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور تو اپنے زمانے کے پرانے تھے۔ اور مہین اور مرد ڈنگ کے بجانے والوں میں تمام ہندوؤں کے مقدس نوشتوں میں نارد، ستی، سرسوتی دیوی، اور اندر دیوتا بلکہ خود "مہا... اعظم" شیو جی کے آتے ہیں! —— کاش ہندو تہذیب اور اسلامی تہذیب ... کو ایک یا یکساں سمجھنے والے ... ان نظموں سے کام لیں!

بمبئی کا الکشن

"حادثہ بمبئی" کی داستان، شیعہ پولیٹیکل کانفرنس (لکھنؤ) کے جنرل سکریٹری کے قلم سے:—

"الکشن کے صرف تین روز قبل بمبئی کی ہر جماعت کے مقتدر حضرات کثیر تعداد میں حسین بھائی لال جی کے پاس تشریف لائے اور اس امر پر زور دیا کہ موصوف الکشن نہ لڑیں اور مسٹر جناح کے حق میں دستبردار ہو جائیں۔" (شیعہ آرگن ۲۰۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

گویا منظر یہ پیش نظر تھا، ع

خلقے بجنت یک طرف آں شوخ تنہا یک طرف!

"ہمارے خلاف طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلائی گئیں، غلط بیانیوں کے طومار باندھے گئے۔ ہمارے کارکنوں کو دھمکایا گیا، طرح طرح سے ڈرایا گیا، قتل کر دیے جانے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔"

"دنیا دیکھ رہی تھی۔ ایک ایسی دہشت انگیز کہ جس کو جمہوریت سے تعبیر کیا جا سکتا تھا، فراہم کی گئی تھی، جلسے اور جلوسوں کا کیا ذکر، کنونسنگ میں بھی وہ تمام حربے استعمال کیے جا رہے تھے جو بدترین فسطائیت بھی بمشکل روا رکھیگی۔"

"ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا شخص تھا جو اپنے مینی فسٹو میں شیعی حقوق کی محافظت کا اعلان کرکے میدان میں اُتر آیا تھا۔" "جس طرح ہندوستان کی تاریخ میں حسین بھائی لال جی کا الکشن دینی شیعی نقطۂ نظر سے اپنی مثال آپ تھا اُسی طرح اس شخص کا جن رکیک حربوں سے مقابلہ کیا گیا، وہ بھی اپنی جگہ بے نظیر تھے"۔

"خدا خدا کرکے رات کٹی۔ اور وہ صبح آئی جب الکشن لڑا جانے والا تھا .... ہم لوگ ½ ۷ بجے پہونچ گئے تھے۔ دیکھا کہ بلڈنگ کے بہت وسیع احاطہ میں چپہ چپہ پر مسلم لیگ کے والنٹیروں اور کارکنوں کا قبضہ ہے۔ اس عظیم الشان اجتماع کا پہلا لازمی نتیجہ تو یہ ہوا کہ ہمارے والنٹیر اور کارکن احاطہ میں داخل ہی نہ ہو سکے، ہم دونوں آدمی تو کسی نہ کسی طرح پہونچ گئے، اور ½ ۱۲ بجے تک حسین بھائی کے کیمپ میں بیٹھ کر انتہائی فسطائیت اور بربریت کا مظاہرہ دیکھتے رہے۔ کسی ووٹر کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ ہمارے کیمپ میں داخل ہو سکے"۔

مظلومیت کی ماتم انگیز، دیدہ و دہری، دہری چو کالمی سرخیوں کے ساتھ اخبار کے پورے ½ ۶ صفحوں میں آئی ہے۔ کچھ زیادہ مبالغہ نہ کیا اُس پڑھنے والے نے جس نے پڑھ کر یہ کہا کہ شاید ساری شیعی تاریخ میں حادثۂ کربلا کے بعد یہ دوسرا المی حادثہ اب پیش آیا ہے!

تاریخ ادبیات

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (ضلع اٹک) سے لکھتے ہیں:— عزیزہ القرآن جلد سوم کی کتابت مجمد اللہ شروع کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے ان ادبا کی تاریخ کی ضرورت ہے جو قرآن ... اگر صدق میں اس کا ذکر آ جائے تو ممکن ہے ... اہل علم اور اصحاب ذوق ... کر سکیں۔" —— "قرآن ... ... خود ... ہے۔

سورہ بقرہ رکوع ۲۵

از عبد الماجد

۲۵
(بہ سلسلۂ صدق ...)

۱۹۸ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم، فاذا افضتم من عرفٰت فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام، واذکروہ کما ھدٰکم، وان کنتم من قبلہ لمن الضالین ۔	تمہیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو [۷۳۴] پھر جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو، اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا ہے [۷۳۵]، اور اس کے قبل تم یقیناً (محض) ناواقفوں میں تھے [۷۳۶] ۔

(حواشی ابتدا سابق)

۷۲۵ (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے احتیاط) ای اتقوا الاستطعام وابرام الناس والتثقیل علیھم (کشاف) فان خیر الزاد التعفف عن سؤالھم من السؤال (کبیر) ای الاتقاء عن الابرام والتثقیل علیھم (مدارک)

زائروں اور حاجیوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا۔ اس لیے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لیے یہ تصریح اور بڑھا دی۔ ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارف سفر کا انتظام کر کے چلو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعث گرانی نہ بننا پڑے!

فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ قاعدہ اشارۃ النص سوال کرنے کی ممانعت بھی اسی آیت سے نکل آئی۔ تزودوا واتقوا الاستطعام وابرام الناس والتثقیل علیھم فان خیر الزاد التقوٰی (مدارک)

التقوٰی ۔ لفظ تقوٰی جامع ہے۔ وسیع مفہوم میں ہر قسم کے ممنوعات سے بچنا اس میں آ گیا۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زادِ راہ اور زادِ عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے لما احتملت الاٰیۃ الامرین من زاد الطعام وزاد التقوٰی وجب ان یکون علیھما اذ لم تقم دلالۃ علی تخصیص واحد منھا (جصاص)

۷۲۶ ان احکام کی تعمیل کے باب میں)۔

اہم حکم کے بعد تقوٰی الٰہی کی تاکید اسکی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو۔ جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ

۷۲۷ (بہ سلسلۂ سفر حج) اسلام جس طرح فلاح اخروی کا ضامن ہے فلاح دنیوی کا بھی داعی ہے، اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل عیاں اور ظاہر ہوتی ہی ہے۔ وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ، حج سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں؟

یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہا ہے۔ حج کا منزل درمنزل سفر، بحری و بری طویل سفر، اور امت کے مختلف طبقوں کا، دنیا کے ... کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت ... محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں۔ فرد و ملت دونوں کے لیے۔ یعنی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہیے ۔ حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو زندگی داغوں کے لیے آسان نہیں۔ لیکن اس "بین الاقوامی سالانہ کانگریس" سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی فائدے وابستہ ہیں اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، انکا اندازہ اور انکا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔

یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر و اجتماع کے معاشی و تجارتی پہلو پر دلائی ہے۔ اور جو رکاوٹ ایک خالص دیندار شخص کو ان فوائد کے حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے، اُسے دور کر دیا ہے۔

فضلاً ۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔

یعنی المال والمکسب (راغب) ھو النفع والربح بالتجارۃ (کشاف)

لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منٰی اور مکہ کے بازاروں کے لیے جاتے، یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ مزدلفہ، عرفات، و منٰی کے لیے لے جاتے، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا، کہ جہاں تجارت آ گئی وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا؟

قرآن مجید نے اس مغالطۂ عامۃ الورود کی تردید کر دی۔

نزلت ردًّا علی من یقول لا حج للتجار والاجراء والجمالین (کبیر) فی ہذا دلیل جواز التجارۃ فی الحج للحاج مع اداء العبادۃ ولا یخرج بہ المکلف عن رسم الاخلاص المفترض علیہ (ابن العربی) یدل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ہذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ہذا فی مواسم منٰی ومکۃ فی ایام الحج (جصاص)

ابن عباسؓ صحابی سے لے کر حسن، عطاء، مجاہد، قتادہ، وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے۔ روی نحو ذلک من جماعۃ من التابعین منھم الحسن وعطاء ومجاہد وقتادۃ ولا نعلم احدًا روی عنہ خلاف ذلک (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے لیکن محققین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ ظاہر قرآن و اجماع عام دونوں کے منافی ہے۔ ہذا قول شاذ خلاف ما علیہ الجمہور و خلاف ظاہر الکتاب (جصاص)

تِ رکم ۔ یعنی حسب تقدیر الٰہی۔

بات میں بات پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے ۔ یہ [illegible] لفظ لا کر [illegible] یاد دلا دیا کہ اس نفع و تجارت کو بھی اپنی قوت بازو کا [illegible] سمجھو [illegible] جو کچھ بھی حاصل ہوگا سب تو کارساز حقیقی ہی کے لطف و کرم کا ثمرہ سمجھو [illegible] نفع تجارت و کاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر [illegible] رہے [illegible] عمل لے [illegible] کی کوئی [illegible] سی [illegible] [illegible] باقی رہ سکتی ہے [illegible] اگر [illegible] وت نہیں [illegible] تو آخر کیا ہے۔

۲۲۸ ۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات میں [illegible] اور [illegible] [illegible] کے بعد)

حج کے اعمال (واجبات، سنن، مستحبات) تو بہت سے ہیں [illegible] فرض تین ہی ہیں ۔ احرام پوشی، ۹ ذی الحجہ کو [illegible] میں [illegible] [illegible] ان تینوں ارکان میں بھی اہم ترین رکن [illegible] وقوف عرفات ہے ۔

[illegible] کے لفظی معنی [illegible] واپس ہونے کے [illegible] و [illegible] بکثرۃ (راغب) [illegible] کثیرۃ [illegible] اصطلاح فقہ میں اِفاضہ عرفات سے مزدلفہ کے سفر کو کہتے ہیں۔

عرفات ۔ [illegible] سے جو سڑک [illegible] کی جانب طائف کو [illegible] اس پر مکہ سے کوئی ۱۲ میل کے فاصلہ پر کئی میل کا رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے ۔ اور اس کا نام عرفات ہے ۔ اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے، سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اس کی پوری کسر نکل آتی ہے ۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور [illegible] سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے ۔

حاجیوں کو [illegible] ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ سے [illegible] آجانا چاہیے اور [illegible] صبح کو بعد اشراق [illegible] کے لیے روانہ ہو جائیں، تاکہ ۸-۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے لیکر آخر وقت عصر کو [illegible] اسی میدان میں دینا چاہیے اور اسی کا اصطلاحی نام وقوف [illegible] [illegible] حاضری اعمال حج کی جان ہے، اور [illegible] وقت تو بہ و استغفار [illegible] [illegible] ہی میں صرف ہونا چاہیے ۔

قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کے لیے [illegible] ہونا چاہیے اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدۂ تقدیم) عرفات [illegible] [illegible] ملا لی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدۂ تاخیر) آج عشا سے ملا کر اس وقت پڑھی جائیگی، جب قافلہ مزدلفہ پہنچ جائیں ۔

۲۲۹ المشعر الحرام ۔ مشعر کے لفظی معنی علامت یا نشانی کے ہیں ۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس [illegible] اس کی تعظیمی صفت ہے ۔ نام اُس [illegible] مقام کا ہے جو [illegible] [illegible] [illegible] کے درمیان ہے، اور [illegible] سارے مزدلفہ کو بھی مشعر [illegible] کہہ سکتے ہیں ۔

لم [illegible] اہل العلم [illegible] المشعر الحرام ہو المزدلفۃ (جصاص) [illegible] المشہور [illegible]

ان المشعر مزدلفۃ کلہا (روح)

مزدلفہ مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے ۔ منیٰ سے عرفات کے جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے [illegible] ۹ [illegible] راستے ہیں ۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ذرا گھوم کر ہے، اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے ۔ حاجیوں کا قافلہ شب ۱۰ کے اول حصہ میں یہاں پہونچ جاتے ہیں اور رات یہاں تسبیح و تہلیل [illegible] [illegible] میں [illegible] [illegible] سکے وہ بہتر ہے۔

فقہیں یقف علیہ [illegible] [illegible] مشعر [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ([illegible])

[illegible] المشعر [illegible] [illegible] کے گرد و پیش خصوصیت کے ساتھ [illegible] تو سارا مزدلفہ [illegible] [illegible] [illegible] معتبر اور محترم ہے ۔

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مزدلفۃ الا [illegible] کلہا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ([illegible])

[illegible] [illegible] لئے یاد دلا دیا [illegible] [illegible] [illegible] رلیاں منانے کی نہیں جا رہے، قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح [illegible] [illegible] [illegible] کے لیے نہیں، خواب غفلت میں پڑے رہنے کے لیے نہیں، [illegible] قصیدوں اور شعر و شاعری میں صرف کرنے کے لیے نہیں، ذکر و عبادت الٰہی کے لیے

۲۳۰ ولیتی [illegible] کے ذریعہ [illegible] اپنے اختراعی طریقوں سے بچو) الحاد [illegible] سے بچ کر [illegible] مذہب [illegible] [illegible] میں آ جانے کے بعد پھر جو خطرہ اہل مذہب کو شیطان کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر در پیش رہتا ہے وہ بدعات [illegible] کا ہے ۔ انسان اپنے دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت و ذکر الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انھیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے ۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع اللہ کی طرف سے پہونچا ہے ۔ یا اپنے [illegible] [illegible] یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یاد الٰہی میں لگے رہو تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، بلکہ اللہ کے رسول کے [illegible] [illegible] ہوئے ہوں ۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لیے ہے

[illegible] الامر [illegible] [illegible] ([illegible]) [illegible] [illegible] [illegible] الامر [illegible] [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا حکم [illegible] [illegible] ذکر کرتے رہنے کے لیے ہو اور دوسرا حکم اہتمام اخلاص کے لیے ہو ۔ قیل الاول امر بالذکر عند المشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی)

۲۳۱ [illegible] (ذکر الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالّین ہمیشہ گمراہ ہی کے معنی میں نہیں آتا [illegible] [illegible] کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے [illegible] بھی ہو سکتی ہے ۔ الضلال [illegible] ضلال فی العلوم النظریۃ و ضلال فی العلوم العملیۃ کمعرفۃ الاحکام الشرعیۃ التی ہی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے ۔ و المراد من الضلال الجہل بالایمان و مراسم الطاعۃ (روح)

اِن یہاں اِنّ کے معنی میں تحقیق و توثیق کے لیے ہے اور بعض [illegible] کہتے ہیں کہ قد کے مرادف ہے ۔ [illegible] و انکم کنتم (روح) [illegible] ہنا عند البصریین [illegible] المخففۃ من الثقیلۃ (بحر) من قبلہ من ضمیر ہُدیٰ کی طرف راجع ہے جو ہداکم

نئے اخبارات

(۱) **تنویر (لکھنؤ)** چیف ایڈیٹر چودھری خلیق الزماں۔ قیمت فی پرچہ ار سالانہ للعلہ رپیہ۔ روزنامہ تنویر لکھنؤ

اخبارات کثرت سے تو ایسے ہیں جو اپنے ایڈیٹر کو لیڈر بنا دیتے ہیں، لیکن کبھی لیڈر کو بھی لیڈری کے آسمان سے ایڈیٹری کی زمین پر اُترنا ہوتا ہے۔ گاندھی جی کی ہریجن کی اُس قوت بیان! اور ان کی اخباروں کو کیا نسبت ہے! مولانا محمد علی کی شہرت سے ہمدرد کی تعداد اشاعت کا کیا تناسب نہ فرمایا؟ تنویر کی یہی خصوصیت یہی ہے کہ وہ بھی ایک مدبر لیڈر کا آموز سیاست کا ہے، بلکہ مسلمانوں کے ایک ... مشہور لیڈر چودھری خلیق الزماں کی ایڈیٹری میں نکلنا شروع ہوا ہے۔

چودھری صاحب کا شمار تحریک خلافت کے مشہور مخالفوں ... کیونکہ زیادہ چلتا ہے۔ کامیاب وکالت چھوڑ کر تنویر ... ایک لمبی مدت اسی زمانہ میں کاٹنی پڑی تھی۔ اور کانگریس کے حلقوں میں انکی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ گذشتہ ۱۹ء میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے بعد کانگریس کی آل انڈیا ڈکٹیٹر بھی نامزد ہوئے تھے۔ ان کا سیاسی تجربہ اور ان کی سیاسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور انکی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔

لکھنؤ میں ایک اچھے اور بلند اردو روزنامہ کی ضرورت مدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ خواہ وہ پرچہ کسی خاص پارٹی ہی کا ہو۔ اور الحمد للہ کہ یہ ضرورت تنویر سے ایک حد تک پوری ہونے لگی ہے گو پرچہ کی پالیسی قدرتاً مسلم لیگ ہی کے مسلک کی ترجمانی ہے۔

تنویر کی خبریں عقبت (نیوز سروس) نامہ نگاروں کی بھی ہیں۔ علاوہ اورینٹ پریس اور ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا اور رویٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ جیسی عالمی نیوز ایجنسیوں سے بھی براہ راست خبریں لیتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس میں خبروں کا ذخیرہ ... زیادہ ہوتا ہے، اور اسے انگریزی روزناموں کے توسط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اندرون ہند میں بھی اسکے وقائع نگار کثرت سے ہیں اور ملک بھر میں (اپنے صوبہ بھر میں علی الخصوص) پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک ضمنی لیکن لازمی نتیجہ تنوع ہے۔ اداریے اور مقالے سطحی اور سنسنی خیز نہیں، پُر مغز اور پُر معلومات ہوتے ہیں۔ ایک ہلکی سی جھلک ہمدرد مرحوم کی دکھا دینے والے ... مسئلہ ایران وغیرہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے عام ناظرین کی سیاسی تعلیم و تربیت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے ——— شعور ملی کی بیداری کے بعد یہ مقصد بھی اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں۔

ہندوؤں کے ہاتھ میں جو نیوز ایجنسیاں ہیں، انکی خبریں غیر جانبدارانہ نہیں، بلکہ ایک "نیشنلزم" کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اور اُن کے اونچے انگریزی روزناموں میں تو مدراس کے ہندو کو شاید مستثنیٰ کر کے باقی پرتاپ، ملاپ، نیشنل ہیرالڈ، ہندوستان ٹائمز وغیرہ سب کے سب جرنلزم و صحافت سے کہیں زیادہ پروپیگنڈا و مشاغبہ ہیں۔ فن کے ماہرین، خصوصاً انکے "اسپیشل کارسپانڈنٹس" وقائع نگاران خصوصی) حضرات اس حُسن و صنعت گری کے ساتھ، خبر کے اندر "رائے" (وینیوز) لاتے رہتے ہیں، کہ مدتوں پڑھنے والا خود جھوم جھوم جاتی ہے، تنویر اس رنگ میں آیا نہیں۔ اس "علاج بالمثل" پر کبھی کبھی عمل کر لیتا ہے۔ یہ سوال الگ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ "سیاسی ہوشیاری" کہاں تک جائز ہے۔ یہاں ذکر صرف اسکا ہے کہ حریف کا جو کامیاب ترین و موثر ترین حربہ ہے، تنویر نے اس دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ لیا ہے! ——— "مطالعے تو بہانے ہیں" کا ایک ایک دلچسپ و پُر لطافت نوشتہ۔

سب سے بہتر اردو کی عام اخباری سطح سے اب بلند ہے، نمائش لیڈر تو رہنے کی ہے۔ مسلمان کے طنز کی تلوار مسلمان پر چلتے دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ بیشک خلیفہ برحق تھے، لیکن ام المومنین کی ... فوج پر انکی تلوار کے اٹھنے سے ناخوش ہونا ایک امر طبعی ہے۔

ایک خصوصیت اور۔ اب تک جتنے پرچے نکلے ہیں اشتہارات حصہ ... اشتہارات کی بدذوقی سے ... موجودہ فضا میں غیر اہم نہیں، اہم ہے۔

مراسلہ

سرسیّد کا حُسنِ خاتمہ

صدق نمبر ۴۵ میں آپ نے "سچی باتیں" کے زیر عنوان، سرسید کے متعلق جو واقعہ درج فرمایا ہے اُسکو پڑھنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ حیات جاوید میں مولانا حالی نے سرسید کو جو محبت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اُسکا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اور اُنکے کچھ اشعار بھی اُس میں درج کیے ہیں۔ ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے ؎

مدا دارم دلِ پر یاں ز عشق مصطفیٰ دارم
ندارد ہیچ کافر سامانِ تو سامانے کہ من دارم

اُن کی آخری حالت کیا عجب ہے کہ اسی محبت قلبی کا نتیجہ ہو۔ دلوں کا حال وہی خوب جانتا ہے جو "علیم بذات الصدور" ہے۔

نیازمند حافظ محمد عبد اللہ وکیل ناظر پور

صدق۔ حیات جاوید میں سرسید کے حسن خاتمہ کا بھی ذکر موجود ہے۔

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ۔ باہتمام شیخ ...)

خانقاہ و خلافت

سیاسیات کا تعلق روحانیات سے

(از مولوی شاہ ابو احمد غلام دستگیر صاحب - گلبرگہ - دکن)

تقوٰی عملی طور پر وہ قلبی کیفیت اور صلاحیت ہے جو نفسانی خواہشات سے علیحدہ ہوکر کسی انسان کو نیکی کی طرف رجوع ہونے کیلیے آمادہ کرتی ہے - تقوٰے کا ادنٰی درجہ اسی فطری صلاحیت کے کسی نہ کسی درجے میں موجودگی کا نام ہے، جو باوجود ماحول کی گندگی، در سالہا سال کی بداعمالی کے ختم اللہ علیٰ قلوبہم سے قبل فنا نہیں ہوتی - تقوٰے کی تدریجی بلندی اسی کیفیت و صلاحیت کی قوت حاصل کرتے ہوئے تمام نیک و بد حدود الٰہی کی نگرانی کرتا ہے - اس قوت کا تدریجی حصول ایمان، عبادات اور عمل صالح پر منحصر و موقوف ہے - حصول فلاح کے لیے ہدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون - کی شرط لگائی گئی ہے - اس تقوے سے مراد یہی محمل اور کمزور درجہ کی صلاحیت ہے اور بتدریج بلندی پر اولٰئک علیٰ ہدًی من ربہم واولٰئک ہم المفلحون کی بشارت دی جاتی ہے -

یہ تقوٰے کی فطری قوت و صلاحیت انسان کو پس پردہ عالم سے ملائے رکھتی ہے - اس کی پہلی منزل یومنون بالغیب میں قدم رکھنا اور پس پردہ عالم سے آنے والے پر ایمان لانا ہے - ہر حاضر دربار ہونے والا تقوٰے کی صلاحیت فطری کی بنا پر آپ کی دعوت الی اللہ میں آپ کی سیرت و کردار میں، آپ کے اخلاق و صفات حسنہ میں آپ کے عدل و انصاف میں آپ کی مساوات میں، آپ کے عفو و کرم اور آپ کی شفقت میں، آپ کے عزم و ثبات اور استقلال میں، آپ کے چہرہ پر پر برسنے والے انوار میں، ایمان و ایقان سے معمور نظر ڈالتا ہے اور یتلوا علیہم آیاتہ کی تفسیروں کو پاتا ہے - انہی آیات بینات کے تسلسل و تکرار سے حاضر ہونے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے - پھر وہ قرآن و حکمت کو پاتا ہے - لا یمسہ الا المطہرون، تنزیل من رب العٰلمین الم نشرح لک صدرک اور انا اعطینٰک الکوثر کے انوار سے ہر مومن فیض پاتا ہے - صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ - رسول برحق کے رنگ میں رنگ جاتا ہوا اور ہر صحابی کا دیکھنے والا اور رسول برحق کا اقرار کرنے والا سیرت صحابہ سے فیضیاب ہوتا ہے - اصحابی کالنجوم اقتدیتم اہتدیتم - قرآن و حکمت سے منازل ترقی پر گامزن ہوتا ہے -

اس عالم کے صفحات پر خاتم النبیین کے اخلاق حسنہ، سیرت و کردار اور سراپا انوار مجسم اور منقش ہیں، اور قرآن کی تعلیمات انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، کلی طور پر محفوظ ہیں - قرآن سیرت و کردار نبوی کی تصدیق کرتا ہے - اور سیرت و کردار نبوی عملی طور پر اسکی تفسیر ہیں - ہر طالب حق، قرآن و سیرت ہر دو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقوے کے ادنٰے درجے سے بلند مدارج کو پا سکتا ہے - نفوس قدسیہ سیرت و کردار نبوی کے بافضل ترجمان ہوتے ہیں - اس لیے انکی صحبتوں سے فیض پہونچتا ہے -

مجرد فہم و ادراک اور شعور و فکر کا تعلق عالم مادی سے ہے - احساسات و تجربات سے انکی نشو و نما ہوتی ہے - انسانی کلام انہی احساسات کی شکل صوت آواز ہے - تعلیم و تعلم ان تمام احساسات انسانی کے ہزارہا سال کے پیدا کردہ محفوظ تجربات ہیں -

تقوے کا تعلق عالم باطن سے ہے اور عبد و رب کا تعلق اسی تقوے سے ہے - ان تعلقات کی وضاحت آفاق و انفس میں اللہ کا کلام ہے - ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ہدًی للمتقین، اللہ کا کلام عالم [illegible] کے تعلق سے بصورت نطق و آواز ہے - اس کلام سے مخاطب بہ اندازہ استطاعت و استعداد عبد و رب کے تعلقات روشن ہوتے ہیں - اسی علم ہی کے تحت فہم انسانی و جذبات انسانی کی صحیح تربیت نشو و نما ہوتی ہے -

کلمات بصورت کائنات انسان کو تغیرات ارضی و سماوی سے اسباب و علل کی کڑیوں میں پرو دیتے ہیں - اور اللہ کا کلام ہم [illegible] اسباب و علل کے راستوں کی اندرونی و بیرونی و اختیاری قوتوں کو عالم باطن کا انکشاف کرکے تقویت پہونچاتا ہے - استغفار، توبہ و دعا و استجابت و مغفرت اسی راست تعلق رحمت کا اظہار کرتے ہیں یہاں اسباب و علل اور تدریجی ارتقاء کی تمام نظر آنے والی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور مجرد عقل والے یہاں حیران و سرگرداں ہیں - انبیاء کی نبوت کسب نہیں ہوتی - یہ فطری صلاحیتوں کی جاگزیں شدہ طاقت نہیں - یہ وہ قوت نہیں جو سوتی ہے اور پھر بیدار ہوتی ہے وہ بیدار ہی بیدار ہے - کذٰلک اوحینا الیک روحًا من امرنا ماکنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولٰکن جعلنٰہ نورًا نہدی بہ من نشاء من عبادنا - یہی روح اور نور ہے جو اللہ اور اسکے رسول سے ایمان لانے والے پاتے ہیں - اومن کان میتًا فاحییناہ وجعلنا لہ نورًا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا -

تزکیہ بالقرآن قوتوں کا باطن سے محفوظ شدہ کیفیات اور مسلسل طاری ہونے والی کیفیات سے آگاہ ہوجاتا ہے - اس مقام پر علم الیقین، باطن سے حق کی عطاء کو پاکر توانا ہوتے ہیں کائنات پر حاکم اور متصرف نظر آتا ہے - ماورائیات سے آگے لا تعداد توانا ہستی اس کائنات پر حاکم و متصرف نظر آتی ہے - یہ فکر اور دید ذکر مسلسل ہے - الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلٰی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ہٰذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار - عبد و رب کے ان تعلقات کی ہمواری اور تزکیہ سے تمام نفسانی خواہشات جاہ و دولت و حکومت مٹ جاتے ہیں - وہ الہٰکم التکاثر حتّٰی زرتم المقابر سے بچ جاتا ہے -

انسانی نظروں کے آگے اس عالم کی رنگا رنگی اور نفوس انسانی کا ایک طوفانی سمندر موجزن ہے - اندرونی قوتوں کی بیداری کے بعد اس عالم مادی سے ان جاگزیں شدہ قوتوں کا تقابل ہوتا ہے - دل سے اٹھنے والا [illegible] نفوس انسانی کو

باطل کی تاریک گھٹاؤں سے نور اور حق کی طرف لانا چاہتا ہے۔ سراج منیر ہے جو عالم مادیات میں عالم انوار کی پیدائش کا سامان کرتا ہے

انسان صرف وحدت ہی کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اسکے آگے کثرت ہے۔ اشیاء کائنات کے خواص و صفات اور نفوس انسانی کے مدارج ہیں۔ ان مدارج میں بلند ترین مدارج رسالت و خلافت کی معرفت اور دید ہے۔ یہ اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک بندہ اللہ کے نور کے پھیلانے میں جہاد و جدوجہد نہ کرے۔ اسی جہاد و جہد سے نفس انسانی کا وہ تزکیہ ہوتا ہے جس سے انسانیت کے بلند مدارج اس پر کھلتے ہیں۔ انہیں مدارج کی کشادگی سے نبوت کے مقامات ملتے ہیں۔ بغیر اس جہاد و جہد کے کسی انسان پر رسالت و خلافت کے مدارج بلند کا انکشاف نہیں ہوتا۔ ان ہی اسرار کا انکشاف حکمت ہے۔ ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

تزکیہ کی ابتدا نور سے ہے۔ ولقد انزلنا الیکم آیات مبینات ومثلا من الذین خلوا من قبلکم وموعظۃ للمتقین۔ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔ اس نور کا نہ پانا اور تاریکیوں میں رہ جانا کظلمات فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراہا ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور۔ اس نور کو پا جانے کے بعد مقامات بلند کو پانے کے لیے حکم ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تتبعوا خطوات الشیطن ومن یتبع خطوات الشیطن فانہ یامر بالفحشاء والمنکر ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا ولکن اللہ یزکی من یشاء واللہ سمیع علیم۔ جو اس تعمیل حکم اور اس کی توفیق و فضل سے محروم رہا اس کے لیے واتل علیہم نبا الذی آتینہ آیاتنا فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطن فکان من الغوین۔ ولو شئنا لرفعنہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ہوٰہ فمثلہ کمثل الکلب، ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث کی وعید ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

اسلام بنی نوع انسان کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں فطرت انسانی کے مطابق قلب کا تزکیہ کرتا ہے جس سے وحدت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور کثرت کی طرف اسی نور میں عقل کو متوجہ کرتا ہے۔ عقل و نور کے اس امتزاج سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

انسان میں اسرار کائنات کو آشکارا دیکھنے کے لیے جذبات اور تمناؤں کا ایک طوفان پوشیدہ ہے۔ ان ہی اسرار کے کھلنے پر انسان نور میں چلتا ہے اور نور کی طرف دوڑتا ہے جس سے دنیوی مال و منال اور محبت غیر چھوٹتی جاتی ہے۔ یہی ایثار و قربانی ہے۔

اور مومنین کی خوشی اسی نور کے پھیلانے اور باطل کے بجائے نور کے پھیلائے جانے میں ہے۔ تشریحات اور توضیحات ذہن انسانی کی بیداری کے لیے ہوتے ہیں۔ اور انکے ذریعہ ملحدانہ رویہ سے بچا جا سکتا ہے لیکن جذبہ و شوق کی پیدائش اور ایثار و قربانی نور ہی کی بنا پر ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس اور تقویٰ کے اسباب، عقل اور قوانین طبعی اکثر حدود عقل کے مطابق نہیں نظر آتے، جس سے کائنات غیر مقصود کی طرف رواں معلوم ہو۔ قل الحمد للہ سیریکم آیاتہ فتعرفونہا۔ انتظار تنہا ایسا ہی ہوتا ہے جسکو آخرت کی خبر نہ ہو۔ جب دین اللہ جو کامل دین ہے دنیا میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان میں یہ بات داخل کر دی کہ جس طرح اولیت انکے ہاتھوں میں ہے اسی طرح آخرت بھی انہیں کے ہاتھوں میں رہیگی۔

اسلام کے انوار زندگی کی ہر شاہراہ پر رچ بس گئے ہیں اور اسلام میں ہر داخل ہونے والا ان قوتوں کو پا جاتا ہے۔ علماء، حکماء، متقین اور نفوس قدسیہ ان انوار کو پھیلا رہے ہیں۔ تمدن و تہذیب کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں اسلام ہی مساوات انسانی کا، حسن اخلاق کا، سیاسی و معاشی اصول قوانین و ضوابط کا، ایثار و قربانی کی تعلیمات کا، توحید کا، رسالت کا، معاد کا علمبردار ہے۔ کلمۂ توحید نے عالم انسانی سے اپنی مسلسل سعی و تبلیغ میں کروڑہا کروڑ نفوس چن لیے۔ تعلیم و تزکیہ سے نفوس کو تہذیب اسلامی سے آراستہ کیا، اخلاق حسنہ سے سنوارا۔ سیرت و کردار کے اعلیٰ نمونے تیار کیے، صفحۂ عالم پر انسانیت کے وہ درخشاں نقوش منقش و مرتسم کیے کہ ہر نفس انسانی غیر شعوری طور پر ان ہی راہوں کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اور راہوں کو متعین کرنے کی سعی کرتا ہے۔

قوانین الٰہی کے تحت کوئی قوم کسی دوسری قوم پر مسلط ہو جاتی ہے تو مغلوب و شکست خوردہ قوم آہستہ آہستہ اجتماعی وسیع دائروں سے محدود دائروں میں گرفتار ہوتی جاتی ہے۔ اسکا نظریہ حیات جو قوم کی قوم کو تھامے رکھتا ہے معاشی حدود کی طرح سکڑتا ہوا محدود حلقوں میں مقید ہو جاتا ہے۔ یہی مقید نظریہ حیات مکرر انقلابی دور کا پیدا کرنے والا اور حیات تازہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

اسلامی نظریۂ حیات اور تزکیۂ نفس کا پہلو جو وسیع تر اجتماعات میں ہر پہلو پر حاوی تھا، سکڑتا ہوا محدود دائروں اور رستوں میں مقید ہوتا گیا۔ بہت سے حلقے آہستہ آہستہ شیطان کے مکر و فریب سے اخلد الی الارض واتبع ہواہ کے تحت شکار ہو گئے۔ لیکن جنکے پاس آیات بینات اور قرآن و حکمت ہے وہ لا تتبعوا خطوات الشیطن سے مکرر انقلاب کے علمبردار ہونگے۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا۔

علمائے کرام اور سیاسیات حاضرہ

ایک بیجا اعتراض کا جواب

مولانا عبد الماجد دریابادی نے "صدق" کی ایک قریبی اشاعت میں لکھا تھا کہ موجودہ سیاسی مسئلہ کا حصر علماء پر رکھنا ان عزیزوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس لیے کہ مسئلہ تمام تر سیاسی ہے نہ کہ فقہی یا کلامی یا تفسیری۔ نہ اس کا تعلق کسی نحو یا صرف اور علم بلاغت سے ہے نہ کسی تفسیریت۔

اس حقیقت سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مولانا کے ارشاد کا منشا یہ نہ تھا کہ جو علمائے دین دور حاضر کے دستوری مسائل سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، انکی سیاسی رائے کو محض اس لیے بے وقعت سمجھ لیا جائے کہ وہ علمائے دین ہیں۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کی زندگیاں کتاب و سنت کے اور ان کے مطالعہ کے لیے وقف رہیں اور مروجہ دستوری مسائل کے متعلقات سے واقفیت حاصل کرنے کا انھیں موقع نہ ملا، انکو اس بارے میں سند بنانا مناسب نہیں۔

علماء کا دائرہ

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا عبد الماجد نے کتاب و سنت میں مشغولیت کا احترام ملحوظ نہیں رکھا تھا اور مروجہ دستوری پیچیدگیوں کے جاننے والوں کی ستائش فرمائی تھی۔

اگر کوئی معاملہ تعزیرات ہند یا دوسرے مروجہ قوانین سے تعلق رکھتا ہے تو اسکے متعلق مشورہ کے لیے کسی قابل بیرسٹر اور قانون داں ہی سے رجوع کیا جائیگا، علمائے دین سے مشورہ نہیں کیا جائیگا۔ آپ موجودہ وکالتوں اور عدالتوں کے متعلق جو چاہیں فرمائیں، لیکن معاملہ محض ایک چیز سے آگاہی اور خبرداری کا ہے۔ خواہ وہ امر کتنی ہی نادرست ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار پڑیگا تو کسی طبیب ہی سے رجوع کیا جائیگا، علمائے کرام کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا جائیگا۔ اور اس رجوع کی بنا پر یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جائیگا کہ دیکھیے دین و سیاست میں علیحدگی کا فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ علمائے کرام فقہ و تفسیر و حدیث کے ماہر ہو سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہر علم اور ہر دائرہ میں ان کی حیثیت مسلّم مان لی جائے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی مثال

مولانا عبد الماجد نے محض برسبیل تذکرہ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ نبی [illegible] سب کو خالد بن ولید ہی بہتر سمجھتے تھے، گو علم و فضل، زہد و تقوے اور عبادت [illegible] دوسرے صحابہ ان سے برتر تھے۔ اور یہ نکتہ بھی [illegible]

[illegible] کتنی لغزش ہوئی

فاروق اعظمؓ سے [illegible] حضرت خالدؓ بن ولید کو سپہ سالاری سے ہٹا کر امین امت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سپہ سالار بنا دیا اور علم و فضل اور تقوے کو فن حرب پر ترجیح دی۔"

لیکن معزز معترض صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس تعریض کی زد براہ راست حضرت صدیق اکبرؓ پر پڑتی ہے جنھوں نے حضرت ابو عبیدہ کے علم و فضل و تقوے پر حضرت خالد کے مہارت فن حرب کو ترجیح دی۔

حضرت ابو عبیدہ کا مقام

مولانا عبد الماجد کا مدعا ہرگز یہ نہ تھا کہ صحابہ کرام کے پورے مجمع میں حضرت خالد بن ولید ہی ماہر فن حرب تھے، باقی تمام بزرگ اس فن سے ناآشنا تھے۔ نہ ان کا مدعا یہ تھا کہ معاذ اللہ حضرت خالد علم و فضل و تقوے سے نادار تھے۔

اور میرے معزز معترض کو کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبیدہؓ محض صاحب علم و تقوے تھے اور فن حرب نہیں جانتے تھے۔ خود عہد مبارک نبوی میں حضرت ابو عبیدہ کئی مرتبہ سالار لشکر بنے۔ مثلاً غزوۂ ذات السلاسل جسکی فتح کا منصب سالاری انھیں کو حاصل تھا۔ سریہ "سیف البحر" (۸ھ) میں تین سو صحابہ کے سرخیل وہی تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں شام پر جو لشکر بھیجا گیا تھا اُسکے سپہ سالار بھی حضرت ابو عبیدہ ہی تھے۔ اس زمانہ میں حضرت خالد عراق میں تھے۔ البتہ بعد میں ملک شام کی ساری فوجوں کا سالار اعظم حضرت خالد کو بنایا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ منصب حضرت خالد کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کے حوالہ کر دیا گیا نہ محض علم و تقوے کی بنا پر بلکہ فن حرب کی بنا پر بھی۔

افضل و مفضول کی بحث

باقی رہی افضل و مفضول کی بحث تو غزوۂ ذات السلاسل کی فتح میں حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ حضرت ابو عبیدہ کے تابع تھے جبکہ یہ لشکر حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس پہونچا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس طرف بھیجا تو سارے لشکر نے حضرت عمرو بن العاص کی سالاری قبول کی حالانکہ کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ باعتبار علم و فضل و تقوے حضرت صدیق، حضرت فاروق یا حضرت ابو عبیدہ عمرو بن العاص سے افضل نہیں تھے۔ غرض مولانا عبد الماجد نے جو کچھ فرمایا تھا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں تھی نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً

فن حرب اور مقاصد

فن حرب یقیناً ایک عام فن ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر صاحب علم و فضل و تقوے اسکا ماہر ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر فاسق و فاجر و کافر اس سے محروم ہو۔ نپولین [illegible] تقوے کیا مسلمان بھی نہیں تھا لیکن اسکی مہارت فن حرب سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے البتہ قابل توجہ امر مقاصد جنگ ہیں۔ دنیاداروں کے مقاصد یقیناً وہ نہیں ہو سکتے جو دینداروں کے پیش نظر رہتے ہیں لیکن حضرت خالد اور حضرت ابو عبیدہ کے مقاصد میں کوئی فرق نہ تھا۔ بیشک حضرت ابو عبیدہ زیادہ صاحب تقوے تھے، لیکن یہ

الذین آمنوا ... اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین [illegible]

ایڈیٹر: عبد الماجد

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے: محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق، مرشد آباد پلیس، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی [illegible]

بیرون ہند سے [illegible] شلنگ سالانہ

قیمت فی پرچہ [illegible]

ٹیلیفون نمبر (۳۹۱)

(رجسٹرڈ نمبر ال ۳۹۱)

صدق

نمبر ۵۹	یوم چہار شنبہ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق ۹ ۔ دسمبر ۱۹۵۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

ابھی اسی نومبر کے آخر میں [illegible] صوبہ [illegible] میں [illegible] پڑھنے [illegible] اخبار [illegible] [illegible] گزر [illegible] نہ تھی ۔۔۔ کراچی بندرگاہ [illegible] طرف آیا [illegible] ۱۰۰ میل نیچے [illegible] کی لمبی ساحلی پٹی [illegible] سمندر [illegible] ہزار انسان [illegible] اور [illegible] اور خانہ بدوش [illegible] ہوگئے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] والے رہتے تھے۔

[illegible] کے [illegible] اور [illegible] کا [illegible] سمندر [illegible] زمین [illegible] نہ تھا [illegible] اس زور کی پیدا ہوئی [illegible] کا فور کے پودے [illegible] سننے لگے! جاگتے ہوؤں نے [illegible] سوتے ہوؤں [illegible] لیکن [illegible] [illegible] پانی [illegible] زمین سے [illegible] آیا [illegible] [illegible] انسان [illegible] اور [illegible] انسان، حیوان، مکان اور درخت [illegible] گراتا ہوا [illegible] ہوا بہتا چلا گیا! [illegible] مردوں اور عورتوں اور بچوں کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا! اللّٰہم احفظنا۔ جو بچ گئے انھوں نے اپنے گرد و پیش لاشوں کا انبار پایا۔ کچھ سسکتی ہوئی اور کچھ بالکل مردہ! پینے کے پانی کا ایک قطرہ بھی اب کہاں تھا۔ کوئی پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا، اور کسی نے سمندر کا نیم زہریلا پانی پی پی کر جان دیدی ۔۔۔ اگر قوموں پر عذاب الٰہی نہیں آتے، اور انسان کی ساری خدا فراموشیوں کے باوجود بھی نہیں آتے، تو کیا نمونۂ عذاب سے بھی ہم بیفکر و محفوظ ہو گئے ہیں؟

[illegible] ہوا [illegible] تھے [illegible] [illegible] یقین [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ایک خواب

ایک صاحب جو سرکاری ملازم ہونے کے باوجود دیندار [illegible] اور روحانی تعلق حضرت شیخ سنوسی [illegible] اپنا ایک تازہ خواب [illegible] لکھ بھیجتے ہیں:

"۔۔۔ نے ۔۔۔ شنبہ ۹ ۔ ذی الحجہ کو بوقت سہ پہر خواب میں دیکھا کہ ایک ۔۔۔ آباد جگہ میں جہاں کہ سبز گھاس ہے، کھدر کی قنات لگی ہوئی ہے ۔۔۔ ۔۔۔ کے اندر فرش ہے، اور چار مرد شمان ۔۔۔ رہی ہیں ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ صلعم کا دربار ہے۔ ۔۔۔ مولانا حسین احمد مدنی ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ حضور انور ۔۔۔ اپنا اپنا نظریہ پیش کر رہے ہیں ۔۔۔ ۔۔۔ آواز ۔۔۔ آ رہی ہے، لیکن میں سمجھ نہ سکا۔ معلوم نہیں کسی نے کہا کہ ۔۔۔ رسول اللہ صلعم ۔۔۔ مسٹر جناح کو قائل کر دیا۔ میں فوراً ۔۔۔ ہوگیا ۔۔۔ ۔۔۔ جاری تھا، دربار دیکھنے کی حسرت تھی ۔۔۔ قریب ۔۔۔ تھا۔ مجھے حضور انور کی زیارت نصیب نہ ہوئی، لیکن کسی طرح ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ اور آگے سامنے مولانا حسین احمد ۔۔۔ موٹی ۔۔۔ حضور ۔۔۔ میں ہیں، مولانا ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ زرد عبا پہنے بیٹھے ہیں اور سامنے کی لائن میں ۔۔۔ ۔۔۔ کھدر ۔۔۔ ٹوپی کا سوٹ پہنے بیٹھے ہیں۔ امید ہے کہ تعبیر سے مطلع فرمایا جائے گا۔"

تعبیر ایک مستقل فن ہے، اور اس خواب کی بھی تعبیر کوئی صاحب فن ہی دے سکتا ہے۔ ایک عامی کی حیثیت سے صرف اتنی گزارش کی گنجائش ہے کہ خواب مبارک بہر صورت ہے۔ دربار نبوی کی حاضری گو محض دور سے ایک تماشائی کی حیثیت سے سہی بجائے خود ایک نعمت ہے۔ دربار میں فریقین کی حاضری اور مکالمت اس اصل حقیقت کی ترجمان ہیں، کہ اختلاف جو کچھ ہے، دو اجتہاد اور بصیرت کا ہے۔ ضلالت محض اور بے دینی میں کوئی فریق بھی مبتلا نہیں۔

باقی یہ ظاہر ہے کہ خواب شریعت میں کوئی حجت نہیں، مولانا کا عالمگیرین دنیا میں ہونا ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ان کے سیاسی مسلک و اجتہاد کا صحیح ہونا ۔۔۔ ۔۔۔ لازم نہیں آتا، اجتہادی غلطیاں بڑی سے بڑی، صحابہ تک سے ہوئی ہیں (جن سے بزرگ تر ہستی امت میں کسی کی ممکن نہیں) لیکن ۔۔۔ اہل سنت کے عقیدہ میں ان کے شرف صحابیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

سربمہر لفافہ

"لندن ۲۷ اکتوبر۔ مشہور برطانوی سائنٹسٹ سر آلیور لاج جو ایک مشہور "روحانی" لیڈر اور سائکیکل ریسرچ سوسائٹی کے صدر بھی تھے، اگست ۱۹۴۰ء میں جب ان کا انتقال ہوا ہے، تو وہ ایک بند لفافہ جس کے مضمون کا علم بجز ان کے کسی کو نہیں، سربمہر کر کے نامور سائنٹسٹ لارڈ ریلے کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اور کہہ گئے تھے کہ جب چند اہل حال حلقہ بنا کر بیٹھیں گے اور ان میں کوئی میڈیم (واسطہ) بھی ہوگا، تو میں اس لفافہ کا مضمون دوسرے عالم سے القا کر دونگا، اور اس میں کوئی سال بھر تک کی مدت لگیگی۔ مسٹر برل، سوسائٹی مذکور کے موجودہ صدر نے کہا کہ اب سر لاج کی موت کا بہت زمانہ گزر چکا، اور ابھی تک کوئی پیام ادھر سے لفافہ کھولنے ۔۔۔ موصول نہیں ۔۔۔ ہوا اب ہم خود ہی اسے کھولنے ۔۔۔ کر رہے ۔۔۔

(نیوز آف دی ورلڈ، لندن ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ بات یقیناً عام طور پر معلوم نہ ہوگی کہ یورپ میں مدت سے ایک گروہ عالم برزخ کے مشاہدات و مکاشفات سے متعلق تحقیق میں لگا ہوا ہے، اور اس کے لیے اپنی ذہنیت اور مذاق کے لحاظ سے طریقہ "سائکیکل ریسرچ" کا اختیار کر رکھا ہے۔ بعض بڑے بڑے نامور سائنٹسٹ بھی اس تحریک میں، اور سر آلیور لاج اس تحریک کے زبردست علمبردار تھے — روحانیت کی طرف متوجہ یہ لوگ ہوئے تھے، جب بھی اسی مادیت کی آلودگی میں ۔۔۔ ۔۔۔ نقش ۔۔۔ وغیرہ مادیات کی سطح سے کبھی اونچے نہ ہو سکے!

[illegible]

"لکھنؤ سے ایک عالم دین کا خط جنرل الکشن سے ذرا قبل (۲۷ نومبر کو):

"آج الکشن کا دن ہے۔ ۔۔۔ کا ۔۔۔ سیدان ۔۔۔ آزمانہ ہوگا، ایک فریق ۔۔۔ ۔۔۔ کا مظاہرہ کر رہا ہے، دوسرا فریق اپنی اقلیت ہی کو دلیل حق بنائے ہوئے ہے ۔۔۔ سیاسی اختلافات کو مذہبی اختلافات کی حد تک پہونچا دینا، اور اس پر فریقین کی طرف سے کیسی غیر شریفانہ گالی گلوچ خاص مسلمانوں کے اندر ۔۔۔ کیسے کتنے رونے کی بات ہے۔"

اختلافات کے بھی حدود ہیں اگر اس پر جوش فضا میں فریقین کی سمجھ میں آجائیں، تو پھر رونا کس بات کا ہے، اور رنجیدہ سب دشنام کی نوبت ہی کیوں آنے لگے! بڑی مصیبت ہے کہ جو دین کے حقائق ہیں، جو احکام ۔۔۔ شریعت کی جانب ہیں، ان کی طرف سے تو کیسر غفلت، جمود، تساہل ۔۔۔ ہے۔ اور جن چیزوں کا تعلق اصلاً دین سے نہیں، بلکہ محض تجربہ و بصیرت کی چیزیں ہیں، ان پر زور و شور، اور ان میں تشدد ۔۔۔ ۔۔۔!

جانب ابا سی

لندن ۱۰ اکتوبر۔ غسل سمندری کا ۔۔۔ لباس ۔۔۔ ۔۔۔ جہاں پہونچا ہے، اس نے سارے ملک آسٹریلیا میں شدید بیزاری کی ۔۔۔ ۔۔۔ ہے۔ سڈنی کی حکومت نے اس کا پہننا پہلے ہی جرم قرار دیا، اور اب پرسیبن کی عدالت میں ایک ۱۹ سالہ عورت کا مقدمہ پیش ہوا ہے ۔۔۔ اسے پہن کر سڑک پر نکلی تھی۔ چورا ہے پر مجمع لگ گیا، اور پولیس والے اسکے لیے چادر اور کوٹ لے کر دوڑے" (نیوز آف دی ورلڈ، لندن ۲۸ اکتوبر)

جس "ترقی" کے قدم ہندوستان سے بہت آگے آسٹریلیا پہونچ گئے اسے ہندوستان کے اندر قدم رکھنے اور قدم جمانے میں ہی کیا لگ سکتی ہے؟ اور پھر یہ عدالت و پولیس کی قید و بند کے دن ہے؟ ——— اور صیغۂ مستقبل میں کیوں رکھیے؟ اب کب، صیغۂ حال میں یہ ترقیاں، ہندوستان سے دور و بیگانہ ہیں؟ کم از کم لاہور اور بمبئی کے دیکھنے والے تو کچھ ایسا ہی بیان کرتے ہیں!

بلا تبصرہ

لندن کے ایک مشہور روزنامہ کی ایک ہی تاریخ کے پرچہ سے دو خبریں بلا کسی تبصرہ اور حاشیہ کے:-

"شمپین (اعلیٰ قسم کی شراب) کے ۱۲-۱۲ بوتلوں والے ۳ ہزار بکس فرانس سے ... بندرگاہ نیوکاسل پر پہونچ چکے ہیں۔ یعنی ۳۶ ہزار بوتلیں ... اور باقی اور آنے والے ہیں۔ کل بکسوں کی میزان ... ہزار ہے۔ یعنی ۴ لاکھ ۸۰ ہزار بوتلوں کی" (ڈیلی اکسپریس ۳۰ اکتوبر ۴۵ء)

"لندن کے ایک اہل قلم کے قلمی معاوضہ کی بڑی رقم ایک فرانسیسی ... کے ذمہ باقی تھی۔ کمپنی مذکور نے اب وہ معاوضہ بجائے نقد کے ... (شراب) کی بوتلوں کی شکل میں دینا شروع کیا ہے" (ایضاً)

قصۂ لیلیٰ و مجنوں

دکن سے ایک صدق نواز لکھتے ہیں:-

"حال میں روزنامہ پیام میں فلم لیلیٰ مجنوں پر جو تبصرہ دو کالم کا ایک گریجویٹ خاتون کے قلم سے نکلا ہے۔ معلوم نہیں آپ کی نظر سے گذرا یا نہیں۔ ان خاتون نے اصل فلم پر تبصرہ تو برائے نام ہی لکھا ہے زیادہ تر توجہ لیلیٰ مجنوں کے اس قصۂ عشق و محبت کا ہے۔ اور ان ... کی پاس اور ... پر "خوبی محبت" کو ... ہے۔ عبارت میں رنگینی قدرتی آگئی ہے۔ اور پیام پر کسی فلمی پرچہ کا دھوکا ہونے لگا ہے۔ کیا آپ خود اس تبصرہ کو بلا تبصرہ رہنے دیں گے؟"

آپ نے بھی کہاں ہی کیا۔ "آرٹ" اور "فن لطیف" کی بحثوں میں ایک خشک اور ... مذاق قلم کو الجھا کر آپ اس سے کچھ سنوانا چاہتے ہیں؟ تبصرہ کے لیے صفحات پیام کا انتخاب تو سر تا سر قابل داد اور ناقدہ کے حسن ذوق کی دلیل ہے نہ کہ اس کے برعکس کی۔ لیلیٰ اور مجنوں دونوں پر حق اس کے سوا ان "ذاکری نہیں" اور "خطوط نگار" سے بڑھ کر اور کس کا ہو سکتا ہے؟

عرفت ربی بفسخ العزائم

ناظرین صدق کو پورے ایک ہفتہ بلا کسی پیشگی اطلاع کے پرچہ نہ پہنچنے سے جو تکلیف ہوئی ہوگی اس کے لئے انکی معذرت میں ... معافی طلب کی جاتی ہے۔ ادھر مسلسل ایسی اصطلاعی دشواریاں پیش رہیں کہ پرچہ شائع نہ ہو سکا۔ اب یہ پرچہ دو اشاعتوں کا کر (یعنی چہارشنبہ ۶ محرم اور چہارشنبہ ۱۳ محرم کا ساتھ ملا کر) کل ۱۶ صفحہ کا شائع کیا جا رہا ہے۔ درمیان میں ۹ محرم کا پرچہ بھی نکلنا چاہیے تھا۔ پہلے دفتر صدق کا ارادہ تعطیل محرم لینے کا نہ تھا۔ لیکن پریس کی خرابیوں کے باعث یہ تعطیل لینی بھی ناگزیر ہو گئی۔ امید ہے کہ ناظرین صدق دفتر کی معذوریوں کو پیش نظر رکھ کر اس تاخیر کو معاف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ آئندہ پرچہ کی اشاعت میں تاخیر نہ ہونے پائیگی اور پرچہ حسب معمول شنبہ اور چہارشنبہ کو (سہ شنبہ کے ...) شائع ہوتا رہیگا۔

مہتمم صدق

نئی کتابیں

(۱) حبیب خدا - از الیاس مجیبی صاحب تقطیع خورد ضخامت ۱۰۴ صفحات، قیمت ... پتہ: بچوں کا بکڈپو - کلاں محل - دہلی۔

بچوں کے لیے سہل زبان اور دلچسپ انداز میں سیرت نبوی و احوال صحابہ پر مجیبی صاحب اس سے قبل بھی لکھ چکے ہیں۔ زیر نظر ... ایسا جو سیرت نبوی کی ... پڑھنے لگے ... ساتھ ... معلوم کرنے والا ہے ... مختصر تذکرہ اور ... باتوں کے عنوان سے ... کا ترجمہ ...

(۲) الطریقۃ الجدیدۃ ... از ... ناظم ندوی ... صفحات ... پتہ: ادارہ تعلیمات اسلام ... لکھنؤ

یہ رسالہ ۳۰ سبقوں پر مشتمل ہے ... طلباء کے لیے اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ بغیر قواعد کے مسائل کا ذکر کیے ہوئے ... ہر سبق میں کسی نہ کسی قاعدہ کی مشق کرا ... ہی جاتی ... کے سبقوں میں متفرق جملے ہیں اور آخر کے سبقوں میں مسلسل عبارت اور حکایات۔ رسالہ ان طلبہ کے لیے خاص طور پر نافع ہے جو عربی ... براہ راست عربی ہی زبان میں حاصل کرنا ...

(۳) محمد علی جناح - اے پولیٹیکل اسٹڈی ... مرتبہ ... سید مطلوب الحسن - با تصویر - ضخامت ۴۲۹ صفحات قیمت ... پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب انگریزی کشمیری بازار - لاہور

مسلم رہنمایان قوم کے سوانح و سیاسی کارناموں کے متعلق جیسی اردو ہی میں کتابیں اس قدر کم ہیں تو انگریزی میں اس ... کا کیا رونا جا سکتا ہے۔ ہندو لیڈران جواہر لال ... گاندھی جی وغیرہ کے بارے میں ایک دو نہیں متعدد کتابیں ... ہزاروں کی تعداد میں شائع اور فروخت ہوتے رہتے ہیں ... ہندوستان کے ... اور ... کے باہر ... مولانا محمد علی کی سی عظیم المرتبت شخصیت کا ... سوانح حیات انگریزی میں موجود نہیں، پھر اوروں کا کیا ذکر۔ لیکن اب مسلم لیگ کی جد و جہد نے مسلمانان ہند میں وسیاسی شعور پیدا کر دیا ہے، اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ... مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد اور ان کے قائدین کے ... دونوں میں کتابوں کی اشاعت شروع ہو گئی ہے۔ شیخ ... انگریزی مسٹر جناح کی تقاریر کا مجموعہ اس سے قبل ... کر چکے تھے۔ موجودہ کتاب جو مسٹر جناح کے سیاسی کارناموں کا

دستاویزی ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب اُنھوں نے اسے آب و تاب کے ساتھ شایع کیا ہے۔ یو۔پی کے ایک نوجوان [illegible] کتاب کو مرتب کیا ہے۔ [illegible] تفصیلی [illegible] حیثیت رکھتی ہے۔ [illegible] کہ اس میں وہ سب کچھ آگیا ہے جسکے [illegible] کی موجودہ سیاسی حالت میں انکو ضرورت ہے۔

[illegible] مسٹر جناح کے چند خطبات صدارت مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کے [illegible] وغیرہ شامل ہیں اور ایک اشاریہ (انڈکس) شامل ہیں۔ [illegible] خواجہ ناظم الدین سابق وزیر اعظم بنگال [illegible] مسٹر جناح کے [illegible]

[illegible] کے مندرجات کے استناد کے [illegible] ترتیب ایک ایسے شخص نے کی ہے جو عرصہ تک مسٹر جناح کا معتمد علیہ اور پرائیوٹ سکرٹری رہا ہے۔ اور ظاہری خوبیوں کے لیے شیخ محمد اشرف صاحب ناشر کا نام کافی ہے۔ (غ ۔ ق)

(۴) **اسرار حیات** ۔ از ڈاکٹر ایشور اٹو پا (ڈی فل) [illegible] ۱۷۱ صفحات ۔ قیمت درج نہیں ۔ ملنے کا پتہ اتگو اکاڈمی حیدرآباد دکن۔

جنوبی ہند کے صوبہ آندھرا میں ایک صوفی منش غیر مسلم ویما نامی گزرے ہیں جنکو جنوبی ہند میں غالباً وہی حیثیت حاصل ہے جو شمال میں کبیرداس کو حاصل رہ چکی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام ۔ جیسا کہ بعض ریسرچ کرنے والوں کا خیال ہے ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں [illegible] جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ایک فاضل ڈاکٹر ایشور اٹو پا [illegible] اس سے قبل بھی چند محققانہ کتابیں لکھ چکے ہیں) نے اردو زبان میں پہلی بار ویما کے کلام اور پیام سے اردو خوانوں کو واقف کیا ہے۔ باوجود شاعر کے غیر مسلم ہونے کے جا بجا کلام کی باتیں اس مجموعہ میں ملتی ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۵ پر، جہاں اُس نے پتھر کی مورتیوں کی پرستش کو بُرا کہا ہے۔

شاعر کے منتخب کلام کی تشریح و توضیح، فاضل مرتب نے مختلف عنوانات مثلاً انسانی تہذیب کا راستہ، انسانی امارت اور عزت زندگی کے بندھن، خدا پرستی اور انسان وغیرہ) قائم کرکے سلیس اردو میں کی ہے۔ علمی دلچسپی رکھنے والوں کے حلقہ میں ڈاکٹر صاحب [illegible] کی یہ کوشش یقین ہے کہ عزت [illegible] سے دیکھی جائے [illegible] (ع ۔ ق)

ایک شیعہ ایلکشن پمفلٹ

میں نہایت لجاجت سے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ رافضی و خارجی و منافق جیسے بیہودہ اور قابل اعتراض الفاظ شیعوں کے لیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں نہ ایسے الفاظ کی کسی اسلام کے دوسرے فرقہ کے لیے اجازت ہونی چاہیئے اور اس طرح مسلمانوں کے تمام فرقوں میں آیندہ اتحاد و اتفاق پیدا ہو [illegible] (مسلم لیگ [illegible]) کو ایسے الفاظ [illegible] استعمال [illegible] ایسے الفاظ [illegible] اسلام کے مختلف فرقوں [illegible] کو دوسرے [illegible] کرتا ہے اور اسلام [illegible] پیدا کرتا ہے [illegible] بھائی بھائی نہیں ہیں۔ لیکن [illegible] میں کہیں اور کسی وقت بھی ایسے گالی کے الفاظ کو نہیں چھوڑا [illegible] اس لیے کہ ان الفاظ سے اُنکے دل میں گہرے زخم پڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ رستے رہتے ہیں۔ جیسا نقصان ہو رنگین لوگوں کے ایشیا والوں کو نگر [illegible] کہنے سے ہوتا ہے جو سفید قوموں کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو سیاہ فام کہتے ہیں۔ اُس سے کہیں زیادہ نقصان شیعوں کو رافضی، خارجی، اور منافق کہنے سے پیدا ہوتا ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اس نصیحت کے لیے مجھے معاف کیا جائیگا مگر میں ایسا کرنے میں [illegible] بجانب ہوں اس لیے کہ ہر مسلمان مطالبہ [illegible] کو ظاہر کرے [illegible] ایمانداری کے ساتھ یقین رکھتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں خود اور میرے دوسرے بھائی ذاتی طور پر گزشتہ الکشن کے موقع پر نقصان اٹھا چکے ہیں جیسا کہ عدالت مجاز سے ثابت بھی ہو چکا ہے۔ نہ صرف مجھے اور میرے [illegible] دوسرے الکشن میں کھڑے ہونے والے امیدواروں کو رافضی [illegible] کہا گیا بلکہ تمام شیعہ جماعت کو رافضی و منافق کہا گیا اور انکو [illegible] کہا گیا کہ یہ لوگ ہماری کتاب مقدس یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے (معاذ اللہ) ایسی ہی بلکہ اس سے [illegible] چیزیں [illegible] کرنا میں مناسب نہیں خیال کرتا، الکشن کی جنگ زرگری کے زمانہ میں پروپیگنڈا کے طور پر بعض ایسے غیر ذمہ دار امیدواروں نے کہیں، جو الکشن کو صرف الکشن کی حیثیت سے نہ لڑ سکتے تھے، اور اس لیے وہ اپنے مدمقابل کے مذہبی اعتقادات پر اُتر آئے، اور ووٹروں کو گمراہ کیا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ سے شایع کیا

حضرت یوسفؑ اور غیر اسلامی حکومت کی رکنیت

(از جناب ذکاء اللہ خاں صاحب بریلی)

"ترجمان القرآن" بابت مارچ و اپریل ۱۹۴۵ء میں "رسائل و مسائل" کے عنوان کے تحت کسی صاحب کا استفسار اور مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی طرف سے اس کا جواب شایع ہوا تھا۔ استفسار یہ تھا کہ

"قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ملکی فرمانروائی عطا فرمایا گیا ۔ وہ دائرۂ حکومت میں ایک ممتاز حیثیت سے شریک ہوگئے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول ایک غیر الٰہی نظام حکومت کا شریک و کار کس طرح رہا؟"

مولانا مودودی صاحب نے جواب اس استفسار کا دیا تھا وہ اتفاق کر سکنے سے نزدیک کلام پاک کی آیات کی غلط تاویل و تفسیر پر مبنی تھا، اس لیے راقم الحروف نے ایک مختصر سی تنقید مولانا مودودی کے جواب پر تحریر کی اور ترجمان القرآن میں اشاعت کو بھیج دی۔

میں مولانا مودودی کا مشکور ہوں کہ موصوف نے میری وہ تنقید مع اپنے مفصل جواب کے ترجمان القرآن بابت جنوری و فروری ۱۹۴۵ء میں شایع فرما دی۔

مولانا نے موضوع پر بحث سے پیشتر ایک نہایت طویل تمہید تحریر فرمائی ہے، جس میں کلام پاک میں تناقض اور تضاد نہ ہونے کی بحث چھیڑ دی ہے، اور جس میں حملہ تا آر کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے جملہ علماء اسلام کو یہی نہیں کہ شرع اسلامی سے کلی طور پر نابلد و ناواقف قرار دیا ہو، بلکہ شرع اسلامی میں دیدہ و دانستہ "مداہنت اور غیر مناسب ترمیمات کرنے کا انکو مرتکب" گردانا ہے۔

مولانا مودودی صاحب کا اس عاصی پر الزام یہ ہے کہ سورۂ یوسف کی ان آیات کی جو تفسیر و تاویل میں نے کی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے فرعون کی حکومت کی رکنیت اختیار کی تھی سو اس تفسیر و تاویل کو ماننے سے خدا کے کلام میں تناقض لازم آتا ہے۔ اور خدا کا کلام چونکہ تناقض سے پاک ہے، اس لیے یہ تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی۔

اس تناقض کے الزام سے تو آیندہ بحث کی جائیگی اور انشاء اللہ ثابت کیا جائیگا کہ خدا کے کلام میں نہ تناقض ہے، نہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ البتہ اگر تناقض ہے تو مولانا مودودی کے ذہن میں ہے۔ اور اس غلط نظریہ کا نتیجہ ہے جو اسلامی آئین میں مولانا مودودی صاحب نے قائم کر رکھا ہے۔ لیکن اگر [illegible] تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے نعوذ باللہ خدا کے کلام میں تناقض ہے۔ تو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تناقض کے الزام کا یہ عاصی کیوں جوابدہ اور موردِ الزام قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

"تم جو تفسیر اور تاویل آیاتِ زیر بحث کی کرتے ہو اس تفسیر و تاویل سے کلام پاک میں تناقض لازم آتا ہے۔"

اس غلط الزام کا جواب یہ ہے کہ میں نے تو آیاتِ زیر بحث کی تاویل اور تفسیر میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا یعنی اپنی طرف سے نفسِ آیت کے مضمون پر نہ اضافہ کیا نہ کمی کی۔ میں نے ان آیات کی اپنی طرف سے کوئی تفسیر یا تاویل نہیں کی۔ میں نے تو محض ان آیات کا وہ ترجمہ پیش کیا ہے جو عربی لغت اور نحوی قاعدہ کی رو سے ان آیات کا صحیح ترجمہ ہے اور وہ بھی اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کے الفاظ میں۔ پیش کر دیا ہے۔ اور مولانا شیخ الہند کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) وقال الملک ائتونی به استخلصه لنفسی فلما کلمه قال انک الیوم لدینا مکین امین (یوسف)

(ترجمہ) اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں پھر (اپنے کام میں کے الفاظ غور طلب ہیں) جب بات کی اس سے کہا تحقیق تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر (ہمارے پاس جگہ پائی کے الفاظ توجہ کے مستحق ہیں)

(۲) قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منها حیث یشاء (یوسف)

(ترجمہ) یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر، میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں، جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا"

(۳) ما کان لیاخذ اخاه فی دین الملک الا ان یشاء الله"

(ترجمہ) وہ (یعنی یوسف) ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے، مگر جو چاہے اللہ"

پس میری گزارش تو صرف اس قدر تھی اور ہے کہ اس ترجمہ کی رو سے ان آیات کا جو مفہوم ہے وہ اختیار کیا جائے۔ اب یا تو مولانا مودودی صاحب یہ کہیں کہ ان آیات کا جو ترجمہ پیش کیا گیا ہے وہ غلط ہے (اور جو انکے نزدیک صحیح ترجمہ ہو وہ پیش کریں) یا اس ترجمہ کی رو سے ان آیات کا جو مفہوم ہے اسکو قبول فرمائیں۔ اسکے سوا مولانا موصوف یا کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے (اور وہ مفہوم بلا کسی تفسیر و تاویل کے یہ ہے کہ

"جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت فرعون مصر اپنی سلطنت پر تنہا متصرف تھا۔ وہ اپنی سلطنت سے دستبردار نہیں ہوا تھا نہ کسی دوسرے طریقہ سے اسکے اختیارات سلب ہوئے تھے۔ اسی کے یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام اسکے پاس آئے [illegible]

مطالبہ کرتے ہیں کہ تو مجھ کو اپنے خزائن پر متصرف کر دے۔ فرعون مصر آپ کے اس مطالبہ کو منظور کرتا ہے اور آپ اسکے خزائن پر متصرف ہو جاتے ہیں۔"

پس اب کیا کوئی شخص دیانت اور امانت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مذکورہ بالا صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام فرعون[1] مصر کی حکومت کے رکن نہیں بنے؟ فرض کر لیجئے اس قصہ کے ہیرو حضرت یوسف علیہ السلام نہ ہوتے، بلکہ کوئی اور شخص زید، عمرو، بکر ہوتا اور فرعون کہتا کہ "لاؤ زید کو میرے پاس تاکہ خالص کر رکھوں اپنے کام کو" پھر جب وہ بات کرتا زید سے تو اس سے کہتا "واقعی تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر" اس کے بعد زید فرعون سے مطالبہ کرتا کہ مجھ کو اپنے خزانوں پر متصرف کر دے" اور فرعون زید کے اس مطالبہ کو منظور کرتا اور اسے خزانوں پر اسکو متصرف کر دیتا" یہ الفاظ بکر زید اور فرعون کے درمیان بعینہ وہ معاملہ پیش آتا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ زید فرعون مصر کی حکومت کا ایک رکن بن گیا؟ اگر زید کی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں کیوں صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ کسی فقرہ یا کسی عبارت کا مفہوم لغت اور نحوی قواعد کی رو سے ایک ہی ہونا چاہیے خواہ اس میں جو فاعل [illegible] ہے وہ زید ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت کا مفہوم اصلی وہی ہو سکتا ہے جو لغت عرب کی رو سے اس کا صحیح مفہوم ہے (اگر وہ آیت قطعی الدلالۃ ہے) بلا لحاظ اس امر کے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے مفہوم سے تناقض پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" کے عربی لغت کے لحاظ سے ایک متعین معنی ہیں، یعنی "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد و نصرت چاہتے ہیں" اس آیت کے ہمیشہ یہی معنی رہیں گے، خواہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے معنی سے بظاہر تناقض پیدا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یوسف علیہ السلام [illegible] متعلق جو آیات قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں [illegible] وہی مفہوم اختیار کیے جو لغت عرب کی رو سے انکے صحیح معنی [illegible] مفہوم [illegible] اپنی طرف سے نہ تو کوئی لفظ اور نہ کوئی نقطہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے اور نہ ایسا کرنے کا اس عاصی کو کوئی حق تھا، اور نہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مجتہد کو یہ حق ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت میں وہ لفظاً یا معناً کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے۔ یعنی لفظی یا معنوی تحریف کا وہ ارتکاب کر سکے۔

اسکے برعکس مولانا مودودی صاحب کو کلام پاک کے معانی میں تغیر و تبدل، کمی اور بیشی کرنے میں کبھی باک نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایسا کرنے سے انکے کسی نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے آیت کریمہ "قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض" کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے پہلے مضمون میں فرمایا تھا کہ

"خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلی اختیارات کا تھا، اور ملے بھی کل اختیارات ہی"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ آیت کریمہ زیر بحث میں "کلی" کا لفظ کہیں نہیں ہے اور یہ اس آیت کی تفسیر میں "کلی" کا لفظ بڑھانا آیت کی معنوی تحریف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تنقید میں اس معنوی تحریف کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میرے اس احتجاج کا مولانا پہ اتنا اثر ضرور ہوا کہ موصوف نے اپنے موجودہ مضمون میں "کلی اختیارات" کے الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے مگر دوسرے الفاظ اور دوسرے پیرایہ میں بڑے ہیر پھیر کے ساتھ اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف سورۂ یوسف کے زیر بحث مقامات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت یوسف کی دعوت کا خلاصہ سورۂ یوسف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے، جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ وہ بلاوا ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف نہیں تھا (خدا کا رسول ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف بلاوا دے ہی کیسے سکتا ہے؟ ناقد) بلکہ ایک رب کی بندگی کی طرف تھا ...... یہ تبلیغ وہ قید خانہ ہی میں کر رہے تھے (میں نے خود اپنی تنقید میں یہی عرض کیا ہے، ناقد) اسکے دوران میں یکایک یہ صورت پیش آئی کہ دیانت اور تقوے اور حکمت اور بصیرت کے جو غیر معمولی نشانات انکی ذات سے ظاہر ہوئے تھے (کلام پاک کی روایت کے مطابق اس وقت تک آپ کے جو صفات ظاہر ہوئے تھے وہ صرف اسی قدر تھے کہ زلیخا کی دعوت الی الاثم کے مقابلہ میں آپ ثابت قدم رہے، اور آپ نے اپنے دو ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی تھی، جن میں سے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں تو صحیح ثابت ہو چکی تھیں لیکن فرعون کے خواب کے صحیح یا غلط ثابت ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان روایات سے جتنا کچھ تقوے اور بصیرت یوسف علیہ السلام کا ثابت ہے اسکا اتنا تو ہم پر فرض ہے، مگر اس سے زیادہ کو فرض کر کے استدلال کرنا ناجائز ہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے تقوے اور بصیرت پر دال تھیں لیکن وہ ایسے معمولی [illegible] یا معجزے [illegible] بادشاہ فرعون نے اپنی سلطنت کا سب سیاہ و سفید حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنے کے لیے

[1] اس ساری بحث میں بہتر یہ ہوتا کہ فریقین بادشاہ مصر کے لیے لفظ "فرعون" نہ استعمال کرتے۔ قرآن مجید نے "فرعون" کی اصطلاح صرف عہد موسوی کے مصری تاجدار کے لیے استعمال کی ہے، اور اسی کا اتباع بہتر تھا۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں قرآن مجید برابر لفظ "ملک"

تنہا رہ جاتا - (ناقد) فرماں روائے مصر یا "بادشاہ مصر" کے الفاظ بھی درست کرنے کے قابل ہیں - (ناقد) اس سے متاثر ہو گیا[1] - اور اس حد تک متاثر ہوا کہ انھیں یہ توقع ہو گئی کہ اگر وہ سلطنت کے پورے اختیارات اس سے مانگیں تو وہ انھیں دینے پر آمادہ ہو سکتا ہے - [illegible] وہ مکمل اختیارات والی بات لوٹ پھیر کر پھر آگئی - اگرچہ آیت زیر بحث میں مکمل اختیارات طلب کرنے یا دیے جانے کا شائبہ تک نہیں ہے علاوہ بریں یہ سب [illegible] کی قیاس آرائیاں ہیں کہ [illegible] متاثر ہو گیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ توقع ہو گئی [illegible] وہ توقع پوری ہو گئی تھی ورنہ ایسا کسی واقعہ کی روایت کرنے [illegible] روایت میں کسی قسم کی رنگ آمیزی جو اس روایت کے مفہوم کو [illegible] کو بھی ضعیف بنا دے [illegible] ہرگز جائز نہیں ہے [illegible] مضامین کا [illegible] خود [illegible] اب یوسف علیہ السلام [illegible] دو راستے تھے [illegible] راستہ یہ کہ [illegible] انقلاب کے لیے [illegible] عام [illegible] کشمکش اور [illegible] کے طویل عمل کو [illegible] اختیار کریں [illegible] حالات میں اختیار کرنا پڑتا ہے - دوسرا راستہ یہ کہ اس[2] قدرت کو جو اللہ تعالیٰ کی [illegible] سے ان کے ہاتھ آگیا تھا استعمال کریں اور حسب تمنا بادشاہ سے جو اختیارات مل رہے ہیں (خود مولانا کا یہ فقرہ یعنی "حسب تمنا بادشاہ سے جو اختیارات مل رہے ہیں" غور طلب ہے - جس کے معنی [illegible] صاف ہیں یعنی اختیارات ابھی تک بادشاہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اختیارات تفویض کرنے پر تیار ہی نہیں ہے بلکہ دراصل تفویض کر بھی دیتا ہے، اس سے زیادہ کھلی [illegible] کسی شخص کے کسی حکومت کے رکن بننے کی کیا ہو سکتی ہے ناقد) نہیں لے کر (اسی فرعون مصر سے ؟ ناقد) ملک کے نظام فکر، اخلاق اور نظام تمدن کو بدلنے کی کوشش کریں - حضرت یوسف نے دوسرے راستے کو مفید تر سمجھا اور اختیار کر لیا[3] یہ غیر اسلامی حکومت کی نوکری نہیں [illegible] جو پیٹ پالنے یا ذاتی جاہ و منزلت کے لیے یا نظام فاسد کے اندر جزوی مصالح کے لیے کی گئی ہو بلکہ یہ ایک تدبیر تھی جو اسی مقصد کے لیے اختیار کی گئی تھی جس کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت یوسف بھی مبعوث ہوئے تھے"۔

مولانا مودودی صاحب کی اس طویل تاویل اور تفسیر کو جس میں انھوں نے کلام پاک کے مضامین میں اپنی طرف سے بہت کچھ کمی بیشی کر [illegible] باوجود ماننے ہوئے بھی اگر کوئی شخص دیانت اور امانت سے آیت [illegible] پر غور کرے تو وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان اختیارات کو قبول کرنے کی بنا پر [illegible] کے کلی حکومت کے رکن نہیں بنے [illegible] رکن بننے کے لیے ان اجزائے ترکیبی کی ضرورت [illegible] ہے کہ اس نظام حکومت میں کوئی شخص (بلا چند ناتھ [illegible]) [illegible] اقتدار اعلیٰ [illegible] اقتدار ابھی [illegible] اسباب [illegible] ہوتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات سے دستبردار ہوا ہے، نہ اس [illegible] اعلیٰ سے کچھ اختیارات طلب کرتا ہے وہ مقتدر اعلیٰ [illegible] وہ اختیارات [illegible] ہے کہ وہ اختیارات لینے ہوا [illegible] کوئی [illegible] کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نہ اس [illegible] کے فرعون کی حکومت میں اسکے خزائن پر متصرف ہونے کی صورت میں ہوتا۔

(باقی [illegible])

(بقیہ صفحہ ۸)

[illegible] محمد میاں کے قول کے مطابق عالمگیر اعظم کے عہد کا دارالاسلام بنانے کی سعی ہے - پھر کیا ہم یہ مان لیں کہ گاندھی اور نہرو اور پٹیل عالمگیر اعظم کے عہد کا احیاء چاہتے ہیں، جن کی غیر مشروط تائید ہمارے متقی اور پرہیزگار علماء دین فرما رہے ہیں ؟ یا کیا ہم یہ مان لیں کہ دارالحرب کو دارالاسلام بنانے کا معاملہ صرف انگریزی اقتدار کے خاتمہ تک محدود ہے اور مسلمانوں کے لیے استقلال حاصل کرنا ضروری نہیں ؟

بتائیے اس انداز فکر و نظر کو [illegible] قابل قبول سمجھ لیا جائے کہ جن حضرات کے [illegible] ہیں وہ علم دین اور عمل و تقویٰ میں بڑے بلند مرتبت ہیں ؟

باقی رہا احکام کا معاملہ تو ہر مسلمان کے نزدیک یہ حقیقت مسلم ہے کہ ہر امیر کی اطاعت صرف معروف سے وابستہ ہے، منکرین کی اطاعت نہیں اس لیے کہ مدار کار لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر اور اس میں متقی اور غیر متقی دونوں قسم کے امیر ایک حیثیت رکھتے ہیں غیر مشروط اطاعت کا حقدار کوئی بھی نہیں، نہ متقی امیر اور نہ غیر متقی حاکم - اطاعت احکام کتاب و سنت سے مشروط ہے نہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ غیر متقی امیر اگر مسلمانوں کو نماز کا حکم دے، معروف کی اطاعت کا پابند بنانے تو محض اس وجہ سے اسکی مخالفت کی جانے کہ تقوے میں اسکا درجہ بلند نہیں ہے - اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک متقی اور پرہیزگار امیر کے غیر مناسب احکام اس وجہ سے مان لیا جائے کہ حکم دینے والے کا علمی درجہ بہت بلند ہے۔

(انقلاب - لاہور)

---

[1] توریت کے بیان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے (اور قرآن مجید سے بھی یہی [illegible] ہوتا ہے) کہ بادشاہ حضرت یوسفؑ کے تقوے سے کہیں زیادہ ان کی پیش بینی یا غیب دانی سے متاثر ہوا تھا، اور انھیں اپنی ماتحتی میں ناظم سلطنت بنا دیا تھا وہ انکے "عاقل و دانشور" ہونے ہی کی بنا پر - (صدق)

[2] لیکن قرآن مجید میں تو بجز انتظام غلے کے، حضرت یوسف کی کسی [illegible] اصلاحات کا ذکر عقائد و اخلاقیات و سیاسیات کے [illegible] نہیں - (صدق)

التزام جماعت اور ذاتی اطاعت امیر

ایک اصولی بحث

(از ... [illegible])

مولانا غلام مرشد نے شاہی مسجد لاہور میں مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا:-

ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم ہے اگرچہ وہ غیر مستحق ہو، ظالم ہو، کوئی ہو۔ بشرطیکہ مسلمان ہو، اور صریح کفر سے اس کا دامن پاک ہو۔

اور یہ علم کے نزدیک ایک امر مسلم ہے ... اور ... میں یہ پوزیشن بالکل مسلم ہے۔ اسلام ... ہے کہ مسلمانوں کو ... اور فاجروں کی ... اطاعت ... لیکن اگر یہ ... کتاب و سنت کے خلاف نہیں ... تو مسلمان انہیں بے چون و چرا مانتے رہیں ... یہ مطلب ہے کہ اگر کسی موقع پر ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ قیادت کی باگ باعتبار علم و عمل افضل کی جگہ مفضول کو مل جائے، اور اس مفضول کے بعض ذاتی اعمال اعلیٰ اسلامی معیار سے ہٹے ہوئے بھی نظر آئیں تو التزام جماعت اس وقت تک مقدم ہے جب تک اس قائد سے کفر صریح کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ جماعت دو دن بھی قائم نہیں رہ سکتی اور مسلمان افضل و مفضول کی بحثوں میں پڑ کر مدۃ العمر خانہ جنگی میں مبتلا رہیں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کی مثال پیش کرنا اہل علم کے نزدیک بالکل بے معنی ہے۔ حضرت امام حسینؓ اس وقت خلافت کے دعویدار نہ تھے۔ جب یزید کی امارت مسلم نہیں ہوئی تھی، اور عراق کے مسلمان حضرت امام کو بیعت کے لیے خطوط بھیج رہے تھے لیکن جب کہ مکہ معظمہ اور کوفہ کے درمیان حضرت امام کو معلوم ہوا کہ اہل کوفہ سے بھی بالجبر بیعت لی جا چکی ہے، تو حضرت امام نے کوفی فوج کے افسر کے سامنے تین صورتیں پیش فرمائی تھیں

(۱) مجھے واپس جانے دیا جائے

(۲) سرحد پر جنگ کے لیے جانے دیا جائے

(۳) یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔

لیکن ابن زیاد نے ان میں سے کسی صورت کو بھی منظور نہ کیا اور اسکی شقاوت و سنگدلی کے باعث کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین خلافت کے دعویدار نہ تھے، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر قرار دے کر اسکی بیعت سے انکاری تھے۔ بلاشائبہ ریب وہ یزید کے مقابلہ میں باعتبار حسن عمل بدرجہا افضل و برتر تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یزید کو جب حضرت امام حسین کی شہادت کی اطلاع ملی اور اہل بیت کا مصیبت زدہ قافلہ دمشق پہونچا تو محقق مؤرخین کے بیان کے مطابق یزید کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اس نے اس واقعہ ہائلہ پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ فاسق و فاجر یزید کی بیعت کرنے والوں میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے مقدس بزرگ شامل تھے، جنکے زہد و تقوے اور پاسداری شعائر دین کے متعلق کسی سلیم العقل مسلمان کو ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ عند اللہ اکرمکم کے معنی صاف یہ ہیں کہ ثواب اخروی کے اعتبار سے اکرمیت زیادتی تقوے پر مبنی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جب امارت و قیادت کا سوال آئے تو مسلمان کو پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عند اللہ اتقیٰ کون ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تقوے لازماً ہر شخص کو ہر منصب کا حقدار نہیں بنا دیتا۔ حضرت سیف اللہ المسلول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں اتقا نہ تھے کہ انکو مختلف اوقات میں فوجوں کی سالاری کا منصب حاصل رہا بلکہ انکی مہارت حرب اس منصب جلیل کے لیے اولیں خصوصیت تھی۔

اسی طرح آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے دور حاضر کے اصول آئین سازی کے مطابق ایک دستور بنانے کا سوال درپیش ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں ہزاروں مسلمان باعتبار علم و تقوے سے ... افضل ہوں۔ لیکن اس مخصوص کام میں قیادت کا فرض جس احسن طریق پر وہ انجام دے سکتے ہیں مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ یا مولانا احمد سعید یا مولانا حفظ الرحمن یا مولانا محمد میاں نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جنگ کی ضرورت پیش آ جائے تو محض ذاتی اعمال میں تقوے یا کتاب و سنت کے احکام و علوم کی مہارت میں برتری کو معیار انتخاب نہیں بنایا جائیگا۔ بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائیگا کہ فنون جنگ میں قیادت کا فرض احسن طریق پر کون انجام دے سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موزوں سپہ سالار افواج کے مقابلہ میں سیکڑوں مسلمان زیادہ متقی اور زیادہ دیندار ہوں۔ لیکن انکو اگر فوجوں کی قیادت کا سلیقہ نہیں ہے تو انھیں سالار بنا دینے کا نتیجہ اسکے سوا کیا ہوگا کہ مسلمان قتل ہو جائیں یا خواہ مخواہ ہلاکت میں پڑ جائیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ صاحب یا انکے ہم خیال بزرگوں کے علم دین اور زہد و تقوے کو مسلم مانتے ہوئے بھی انکی سیاسی رائے کو کس بنا پر قبول کر لیا جائے درآنحالیکہ امت کی کثرت پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ یہ رائے سراسر غلط اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ہر اعتبار سے نقصان رساں ہے۔ یہ بزرگ بزعم خود آزادی کے لیے کانگریس کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ جس شے کے لیے یہ کوشاں ہیں اسے زیادہ سے زیادہ آزادی ہنود کہا ... آزادی ہند نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں کامیابی کا نتیجہ ... یہ ہو سکتا ہے کہ انگریزی استبداد کی جگہ ہندو استبداد لے لے۔ ... اسی زنجیر میں ... مدت العمر ... [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجیے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
سے متعلق مراسلات اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ۸ روپے
" ششماہی ۴ روپے
بیرون ہند ۸ شلنگ - ۱۰
قیمت فی پرچہ ۲ ار
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۳۹۱

نمبر ۶۰ | شنبہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"بھوپال کے مشہور بڑے میاں (پولیس کے پنشنر) نے بالآخر ۱۲۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آخر وقت تک اچھے خاصے تندرست رہے"۔

"اسکاٹ لینڈ کے ایک پیر مرد نے ۱۱۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ موت سے کچھ ہی عرصہ قبل تک چلنے پھرنے کی عادت قائم تھی"۔

یہ دو محض تازہ نمونے ہیں۔ وقتاً فوقتاً اس طرح کی خبریں شائع ہی ہوتی رہتی ہیں۔ فلاں کی عمر اتنی ہوئی اور فلاں کی اتنی۔ سنکر سنکر حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی آخر یہ کس تدبیر سے سو سو برس سے اوپر تک جیے ——— انسان، زندگی کا حریص، دماغ میں حیرت پیدا ہونا، اور زبان پر ایسے سوال آنا بالکل قدرتی۔ لیکن اصل شے ذہن میں رکھنے کی یہ ہے کہ جس زمانہ میں ان لوگوں نے آنکھیں کھولیں، وہ آج کا نہیں، آج سے سو سوا سو برس قبل کا تھا! اُسوقت احوال کے لیے خیال ہی ۱۹۴۵ء کا کیوں کیا جاتا ہے۔ خیال تو ۱۸۲۵ء ۱۸۳۰ء کے احوال کا کرنا چاہیے۔ حیرت خود بخود کم ہو جائیگی

اُسوقت یہ "ترقیاں" کہاں تھیں۔ اُسوقت یہ بجلی کے جگمگاتے ہوئے قمقمے کہاں تھے! یہ بجلی کے پنکھے کتنے گھروں میں تھے؟ یہ ریڈیو ہر وقت کہاں بولتے رہتے تھے! یہ ملوں، کارخانوں، ریلوں کا دھواں کہاں پھیلا رہتا تھا؟ یہ موٹروں، موٹر سائیکلوں، لاریوں، ہارنوں، بھونپوؤں، سیٹیوں کا شور و شغب ہر وقت کہاں برپا رہتا تھا! ہوا کو گرد و غبار بنا دینے والی سواریوں نے کب انسان کے قدرتی اعضاء نقل و حرکت کی جگہ لے لی تھی؟ یہ گلی گلی آئس کریم اور ملائی کی برف کہاں بک رہی تھی؟ یہ لیمونیڈ، جنجر، بلیٹر اور اون کی گرم بازاری کب تھی؟ بیڑی، سگرٹ، سگار، ہر ایک کے لب آشنا کب ہوتے تھے؟ یہ غذا و دوا کے قسم سے ہر چیز نقلی، گھی نقلی، شکر نقلی، دودھ نقلی، کب ایجاد ہو چکے تھے؟ یہ رات رات بھر سینما اور تھیٹر کہاں ہوا کرتے تھے؟ ——— سادہ زندگی تھی۔ سادہ کھانا، سادہ قدرتی پانی، سویرے سونا، سویرے اُٹھنا، اپنے ہاتھ پیرسے پورا کام لینا، جسمانی محنت کوشی سب کا معمول تھا۔ کان، آنکھ، معدہ، قلب، دماغ، جگر، ہر ہر عضو کو تھکا دینے والے، بُرے مشتعل کر کرکے اُس پر بار ڈالنے والے مشغلے کب فیشن میں داخل تھے؟ اُس ماحول میں پلنے اور بڑھنے والا اگر سو سوا سو برس تک جی گیا، تو اس میں اتنی زیادہ حیرت کی بات ہی کیا ہے؟ آج بھی دیہاتیوں کا اوسط عمر کیا ہے، اور شہریوں کا کیا؟

کام کی رفتار

تاج کمپنی کی اطلاع ۹ دسمبر کے مکتوب میں:-

"پارۂ سوم پریس میں جا چکا ہے، لیکن کمپوزیٹر دستیاب نہ ہونے سے کمپوز کرنے کا کام ابھی رُکا ہوا ہے"

پارۂ دوم (انگریزی) اسکے طبع و شائع ہو جانے کی اطلاع کئی ہفتہ قبل انھیں صفحات میں نکل چکی ہے۔

اردو تفسیر کا کام سر دست رُکا ہوا ہے۔ پارۂ دوم سے پارۂ پنجم تک کا مسودہ نظرثانی کے بعد پریس میں جانے کے لیے صاف ہو رہا ہے۔

[illegible] تو [illegible] ہو گئی

[illegible] ایک عالم مقیم پشاور [illegible]

شہرت کی لعنت

"دن کا سفر تو خیر جوں توں کٹ ہی گیا۔ رات کے [illegible] اسٹیشن گھسنے والوں نے ہجوم سے تنگ کر [illegible] اور اُنکے [illegible] آکر اپنی سیٹ پر چوڑ [illegible] بیٹھ گئے اور اپنے کانوں میں انگلیاں [illegible] گران [illegible] جب رات [illegible] آتا تھا [illegible] بچے تشنے [illegible] گئی ہی رات [illegible] بستر سے [illegible]

[illegible] کی [illegible] (لیڈر۔ ۱۱۔ دسمبر ۱۹۳۵ء) ——— شہرت و ناموری کے [illegible] اور کچھ [illegible] خوشگوار [illegible] جب تک نہیں حاصل ہوئی، اسکی تاب و ہوس ستاتی رہتی ہے اور جب پوری طرح حاصل ہو گئی، تو ایک مستقل عذاب جان بن کر رہتی ہے!

ایک شیعہ کی نصیحت

ہوش یار جنگ بہادر بلگرامی کا بیان محرم

سرفراز محرم نمبر میں:۔

"[illegible] حسینؓ ہی نے [illegible] کشتی کو [illegible] لگا [illegible] حسینؓ نے خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ [illegible] میں نے تو سب کچھ [illegible] اور [illegible] کی حیات [illegible] کیا [illegible] ہم تو کچھ کر رہے ہیں [illegible] حسینؓ کی صداقت کے [illegible] پڑھ سکتا ہے اور [illegible] کی [illegible] وہ صرف ظاہر داریوں [illegible] اپنے مرکز سے [illegible] اور نہ کرنا چاہیے [illegible] آنسوؤں [illegible] چھینے [illegible] کو بچانے [illegible] آیا تھا۔۔۔

[illegible] حق کو اپنا رستہ سمجھیے، باطل کو ٹھکرا دیجیے، [illegible] تمیز کیجیے۔ اگر ان بیشمار صفات میں سے کسی ایک پر بھی [illegible] تو حسینؓ کی شہادت کا مقصد [illegible] ہر سال پورا ہو سکتا ہے۔ [illegible] کوئی مخلص [illegible] کیا اس سے کچھ بھی بہتر [illegible]

[illegible] شیعہ [illegible] مخلص [illegible] کے پیام پر عمل [illegible] کے درمیان اتنی گہری خلیج باقی [illegible] اختلافات جو آج نظر آ رہے ہیں [illegible] کے ماتحت طبعی طور پر پیدا ہوئے۔ [illegible]

کی آگ [illegible] بڑھاتے بڑھاتے یہاں تک پہنچا دیا! ——— [illegible] کی تاریخوں میں تو یہ آج تک لکھا چلا آتا ہے کہ خلیفہ عمر فاروقؓ کو اپنی زندگی میں [illegible] زیادہ عزیز و محبوب حسین و حسن ہی تھے، اور آپ اپنی اولاد پر انکو ترجیح دیا کرتے تھے۔

شیعی مدح صحابہ کا حشر!

"[illegible] کے دن مدح صحابہ کی اُن سات قیدیوں کو رہا کر دیا، جو ۱۰ ستمبر کو قیصر مصطفےٰ (فرزند مولوی مظہر علی اظہر) کی سیادت میں مولوی گنج کی مسجد میں مدح صحابہ پڑھنے [illegible] گرفتار [illegible] تھے۔ [illegible] کہ "مرکزی [illegible] کے وقت اس تحریک سے جو شورش پھیلا [illegible] اور تحریک بالکل ختم ہو چکی ہے۔"

([illegible] ۱۴ ستمبر ۱۹۳۵ء)

[illegible] سرکاری اعلان کہ تحریک بالکل ختم ہو چکی ہے۔ سننے والوں میں [illegible] بے ادبی [illegible] کی۔

ٹوپی اور ترقی نسواں!

کلکتہ۔ ۱۰ دسمبر۔ [illegible] (دو [illegible]) کا زنانہ دستہ، کھدر پوش جب کھدر کی ٹوپیاں پہنے ہوئے [illegible] کے سامنے آیا، تو مسز [illegible] نے اُن سے کہلا بھیجا، اپنے سروں سے ٹوپیاں اتار دو، مجھے یہ سخت ناپسند ہے۔ انھوں نے تمہیں بدشکل بنا دیا ہے۔" (اسے۔ پی۔ اے)

یہ ٹوپی پوش لڑکیاں یقیناً نا تجربہ کار تھیں۔ ورنہ آسانی سے عرض کر سکتی تھیں، کہ "محترمہ، ایک تو آپ [illegible] اور پھر اب بزرگی کے سن کو پہنچ چکیں۔ یہ مردانہ وضع و پوشش آپ سے داد تحسین لینے کے لیے اختیار ہی کب کی گئی ہے؟" ——— خوب ہے ترقی نسواں کا یہ تخیل، کہ عورت اپنے ظاہر میں اور باطن میں زیادہ سے زیادہ [illegible] مرد بنا جائے!

غلاموں کی خوش نصیبی!

[illegible] کے بعد [illegible] کبھی [illegible] تہذیب و معاشرت میں ایک نیری تھی، جس کسی کو انگریزی سوسائٹی کا کچھ بھی تجربہ ہے، یہ اس پر روشن ہے۔ [illegible] ادھر جو [illegible] اخبارات برطانیہ اور امریکہ کے اکتوبر اور نومبر والے موصول ہوئے، تو ان میں اچھا خاصہ تذکرہ [illegible] ایک امریکی حوالہ لکھتا ہے کہ "[illegible] اگر [illegible] کی آڑ رہے، تو اب سوسائٹی میں [illegible] کر لینے [illegible] نہیں۔ (۷ اکتوبر ۱۹۳۵ء) ——— خوش قسمت [illegible] جب "صاحب" کی میز پر پہونچ گئی، تو عجب کیا کہ اب ہندوستانی صاحبوں کی میز پر بھی عنقریب آجائے! اور پھر [illegible] صاحب کے گلے میں بھی ایک ڈھسے [illegible] نظر آنے لگے، جیسے آج بعض جنٹلمین [illegible] ہندوستانیوں کے گلے میں نظر آتی ہے!

باہمی تبصرہ

کمیونسٹ آرگن نیا زمانہ (سابق قومی جنگ) بمبئی کے وقائع نگار لکھنؤ کے قلم سے:

"لکھنؤ میں ۲۷۔ نومبر کو میں نے ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔ ایک ہندو طالب علم اور ستھری شیروانی میں اچھی طرح جانتا تھا، ترنگا ٹوپی پہنے اشتراکیہ کے نعرے لگاتا ہوا ایک پولنگ اسٹیشن کے سامنے سے گزرا۔ اس کے پیچھے ہندو طالبعلموں کا ایک چھوٹا سا جلوس تھا۔ وہ سب بھی یہی نعرے لگا رہے تھے۔ اور مسلمانوں سے اپیل کر رہے تھے کہ مسلم قوم پرست امیدوار حافظ ... کو ووٹ دیں۔ ... ایک پولنگ اسٹیشن پر ... ہوئے ... مسلمان ... کو ووٹ دینے گئے تھے۔"

ایک عرضی

الحمد للہ کہ مدرسہ ... کا تعمیری کام تقریباً پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا ہے۔ اور طلبہ اس میں منتقل ہو گئے ہیں۔ اب مسجد میں بود و باش کی ضرورت نہیں رہی۔ اب مستقل چار دیواری اور ... کی تعمیر کا کام ان اہل اللہ کی نظر کرم کا منتظر ہے جو غریب اداروں کی امداد لوجہ اللہ کرتے ہیں، اور اجر و صلہ کو فرد ... یوم الجزاء پر اٹھا رکھتے ہیں۔ پس ہم بحکم تعاونوا علی البر والتقویٰ ان مخلصین و محسنین اسلام سے پانچ ہزار اعانت کی اپیل کرتے ہیں، جو کسی کارگزار مگر غیر معروف ادارہ سے اس لیے کنارہ کشی نہیں فرما سکتے کہ یہاں کوئی شہرت یا اپنے عطیہ کی داد نہیں ملیگی۔ ہم جناب مکرم غلام محمد صاحب حیدرآباد دکن کی عنایت نامہ کے لیے اللہ سے اجر و صلہ کی درخواست کرتے ہیں اور من انصاری الی اللہ کی دعوت ناظرین صدق تک پہونچا کر نیک توجہ کی توقع رکھتے ہیں۔ پتہ:

مولوی عبد الرؤف خان، نائب ناظم مدرسہ سراج الاسلام
جھنڈا نگر۔ ڈاکخانہ رادت گنج۔ ضلع بستی

ارشادات اشرفیہ

(از سید غلام رسول صاحب معتمد ادارۂ دعوت الحق نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۱۱)

(۱) دوسری اقوام کی روش اختیار کرنا اور انکی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنانا اور ان سے کسی قسم کی امداد چاہنا مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۲) حدود شریعت سے تجاوز کرکے اور احکام اسلام کو پامال کرکے جو ترقی و کامیابی حاصل ہوگی وہ بے دینی اور ملحدوں کی ترقی کہلائیگی نہ کہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی۔

(۳) اسوقت جو لوگ شریعت مقدسہ کے احکام کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ قوت و طاقت پاکر احکام اسلام کا تحفظ کرینگے

(۴) موجودہ تحریکات اصول اسلام اور احکام اسلام کی بنیاد پر نہیں اس لیے انکے خیال ہی سے قلب پر ظلمت و کدورت محسوس ہوتی ہے۔

(۵) جو عالم لیڈروں کا تابع ہو، بجائے اسکے کہ شریعت کا تابع ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق ہے۔

(۶) خدا و رسول کے احکام کا اتباع اور ان کی بتائی ہوئی تدابیر اختیار کرنے کے بجائے کوئی انگریزوں کی بغل میں جا کر گھستا ہے اور کوئی ... اور کوئی ... ہے اور اس سے ... مصالح شریعت اختیار کرتا ہے کہ ... اسکے پاس جا کر ... ہندوؤں کے ساتھ ہیں اور کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا کر گھستا ہے اور انکی خاطر احکام اسلام تک کو پامال کرتا ہے اور ... سمجھتا ہے کہ انکے ساتھ رہنے میں ہماری کامیابی ہے کیونکہ ... پسند کیا ... ہندوؤں نے کچھ دیا۔

زمانہ مسلمانوں کو سامان سے غلبہ نہیں ہوا کرتا، غلبہ ہوتا ہے قوت ... سے اور قوت قلب میسر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق ... سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے اس کے احکام کی اتباع کرنے اور اسکی بتائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے۔

ہمارا محرم

وہ تمام باتیں جو دنیائے اسلام کے کسی حصہ میں دیکھنے میں نہ آتی ہوں، اسلامی ہند کے شہروں، قصبوں اور ... کی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ضرور ہوتی ہیں وہ اسی مبارک مہینہ میں ظہور پذیر ہو کر رہتی ہیں۔ تعزیے نکلتے ہیں، علم اٹھتے ہیں، ماتمی جلوس منظم ہوتے ہیں، اکھاڑے جمتے ہیں، شربت کی سبیلیں لگتی ہیں اور حسب ... تاشے اور باجے بجتے ہیں۔ ہاتھوں اور زنجیروں سے سینہ کوبی ہوتی ہے اور جس شخص سے جتنا ممکن ہے مظاہرۂ غم اور ماتم کرتا ہے۔

راقم الحروف کا قیام کئی ماہ تک افغانستان کے پایۂ تخت کابل کے محلہ چنداول میں رہا۔ اس محلہ میں ۹۹ فی صدی شیعہ آبادی ہے۔ کابل کے شمال مغرب میں "مزار علی" واقع ہے جہاں عاشورہ کے دن ہزاروں انسانوں کے ہجوم نے مزار کو دیکھا ... ہندوستان کے صوبہ ہزارہ کے شیعہ حضرات کے بھی ہجوم دیکھے۔ مگر ان سب باتوں کے دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ ... ہندوستان میں ماتم حسین کا مفہوم ہی جداگانہ ہے۔ چنداول کے شیعہ صرف رات کی شائستہ مجلسوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ مزار علی کے سجادہ نشین مجلس کو پکار کر کہتے ہیں ... ہر ... "... حسین ..." ... ہاتھ ... اصحاب مجلس نذر پیش کرتے ہیں اور ایک

سورۂ بقرہ ۔ رکوع ۲۴

بسلسلۂ صدق ۵۵

از عبد الماجد

۲۰۲ ثم افیضوا من حیث افاض الناس واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم	ہاں تو تم وہاں جاکر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں۔ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۳۲ یعنی عرفات سے۔

قریش مکہ کے گڑھے ہوئے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ حج میں عرفات تک جانا ... اور ... ساتھ جانا ہماری خاندانی شان کے منافی ہے، ہمارے لیے مزدلفہ تک جانا کافی ہے۔

کانت قریش ومن دان دینہا یقفون بالمزدلفۃ وکانوا یسمون الحمس وکانت سائر العرب یقفون بعرفات (صحیح بخاری۔ عن عائشہؓ)

کانت قریش ومن کان علی دینہا وہم الحمس یقفون بالمزدلفۃ یقولون نحن قطین اللہ (ابن جریر۔ عن عائشہؓ) کانوا یقولون لا تخرج من الحرم

وکانوا لا یشہدون موقف الناس بعرفۃ معہم (ابن جریر) کانوا یقولون نحن قطین اللہ فینبغی لنا ان نعظم الحرم ولا نعظم شیئا من الحل (قرطبی)

آیت اسی غلطی کی اصلاح کے لیے ہے۔ الناس سے مراد جنس انسان ہے۔

المراد من الناس الجنس کما ہو الظاہر (روح)

ثم یہاں تاخیر زمانی کے لیے نہیں، بلکہ فصل کلام کے لیے ہے۔ یعنی ایک بات ختم ہوئی، اب دوسری روایت سنو۔ جیسے اردو میں ایسے موقع پر "اچھا تو" یا "ہاں تو" کہتے ہیں۔

ثم لیست فی ہذہ الآیۃ للترتیب وانما ہی لعطف جملۃ کلام ہی منہا منقطعۃ (قرطبی)

ثم للترتیب فی الذکر لا للترتیب فی الزمان الواقع بہ الافعال (ابن ...)

۲۳۳ استغفروا اللہ ۔ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کیے جاتے ہوں۔

حج کا بیان یہاں سے شروع ہوا ہے دیکھنے آیے تزکیۂ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف ہنوز میلوں دور ہے ابھی منزلوں فاصلہ پر ہے کہ ساری عمر کا الوف، مانوس لباس جسم سے اتر گیا، اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے، نہ کسی قسم کی پگڑی صافہ، اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبا نہ قمیص ۔ شاہ و گدا، رئیس و رعایا، حکام و محکوم سب کے سب دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی دو چیزیں تمام زیب و آرائش کی ہیں، جو ہمیشہ حلال تھیں اور فی نفسہ جائز ہیں۔ ایک خاصی طویل مدت کے لیے بالکل ممنوع! کتنی ہی مرغوبات سے دو ...

۲۰۳ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا۔	پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کی یاد کرو جیسے اپنے باپ دادوں کی یاد کی طرح، بلکہ یہ یاد اس سے بھی بڑھ کر ہو۲۳۴

سے اس درمیان میں دستبرداری کرلی پڑتی ہے!

یہ سب بھی کافی نہیں ۔ گھڑی گھڑی لبیک کہتے رہو، اللہ کے دربار میں حاضری بولتے رہو، مسلسل ذکر الٰہی کرتے رہو، اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو، سیہ کاریوں کو یاد کر کر کے اللہ سے معافی چاہتے رہو! ـــــ اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے، اللہ والے حج کو ... سے دنیا جہان کے میلوں ٹھیلوں، جت پرستانہ، ... پرستانہ "تہواروں" اور میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پالنے کو!

لیکن اس طرح ظلم وہ اہل قلم خود اپنی عبارت و تعبیرات پر کرتے آئے ہیں، جو رسوم و دوسرے ادیان و مذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں!

غفور ۔ آیت کے آخر میں یاد دلایا کہ تمہارے رب کی صفت غفر بہت بڑی ہے ۔ اس سے مغفرت طلب کرو، دیکھو تو ۔ ... مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا۔

رحیم ۔ اور ساتھ ہی اس کی صفت رحمت بھی تو بے پایاں ہے ۔ طالبان مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ کیوں نہ کرے گا؟

۲۳۴ (یا ... ابھی منیٰ سے منتشر نہ ہوئے ہو)

عرفات و مزدلفہ سے واپسی کے بعد منیٰ میں قیام ۳ دن ۱۰ ۔ ۱۱ اور ۱۲ کو لازمی ہے، اور بعض ائمہ کے نزدیک ۱۳ کو بھی

اذا کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہاں حکم ادائے مناسک کے بعد کے لیے مل رہا ہے ۔ اذا ہمیشہ بعد کے لیے نہیں آتا ہے ہمزمانی کے موقع پر بھی قرآن مجید میں آیا ہے ۔ مثلاً فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا جس کے معنی ہیں کہ جب تم نماز پڑھ رہے ہو نہ یہ کہ جب تم نماز ختم کر چکو) یا اذا طلقتم النساء جس کے معنی ہیں کہ جب تم طلاق دینے لگو نہ یہ کہ جب تم طلاق دے چکو) اسی طرح یہاں بھی معنی یہ ہیں کہ جب تم ادائے مناسک کر رہے ہو۔

مناسککم ۔ مناسک شعائر حج کو کہتے ہیں۔

ہی شعائر الحج (قرطبی)

قضیتم ۔ قضا کے معنی کسی عبادت کے ادا کر چکنے یا بجا لانے کے ہیں۔

قضیتم ہنا بمعنی ادیتم وفرغتم (قرطبی) قضاء المناسک ہو فعلہا علی التمام (جصاص)

۲۳۵ قومی عظمت، قومی خودداری، نسلی مفاخرت جس طرح جدید جاہلی تہذیب کا عنصر اعظم ہیں، عرب کے دور جاہلی کے بھی رکن اعظم تھے۔ عرب جب منیٰ میں جمع ہوتے تو ہر ہر قبیلہ اپنے قبائل کی جے پکارتا اور اپنے بزرگوں کے مفاخر و مناقب کے پرزور بیان سے دلوں کو گرماتا۔

فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وما له فی الآخرة من خلاق ۔ ٨	اور بعض لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے تئیں دنیا ہی میں دے دے - اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں

کان اہل الجاہلیة یکثرون بعد قضاء المناسک من الدعاء [illegible] (ابن عباس) کان [illegible] فی جاہلیتہم یعتبرون [illegible] ویسألکم [illegible] (ابن جریر)

کیونکر آیا دنیا - مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حج میں جو کچھ وہ [illegible] اللہ [illegible] [illegible] لوگوں کی دعائیں [illegible] عقبہ [illegible] [illegible] زمانوں میں ادا [illegible]

یعنی [illegible] کے مفہوم دے رہا ہے - مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ بلا واسطہ [illegible] اس درجہ کا تو رکھو جتنا اپنے خاندان، اپنے قبیلہ، اپنی قوم کے ساتھ رکھتے ہو اگر بہتر تو یہ ہے کہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہو!

قبل بمعنی بل (بحر)

او اشد ذکرا - مولانا روم نے اسی کو اپنی شاعرانہ و عاشقانہ زبان میں یوں ادا کیا ہے ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوے گشتن بہر او اولیٰ بود

٤٢٢ دنیا میں ایسی بھی قومیں ہیں جو خدا کی قائل ہوتی ہیں، اسے معبود اعظم سمجھتی ہیں، لیکن حشر و نشر، جزا و سزا کی قائل نہیں، ایسے لوگوں کی دعائیں، التجائیں، تمنائیں قدرۃً اسی مادی دنیا کی ترقیوں تک محدود رہتی ہیں۔ مشرکین عرب کے عقیدے بھی اسی قسم کے تھے - اور یہ لوگ جب دعا بھی مانگتے تھے، تو تمامتر سامان دنیوی اور دشمن پر فتح و نصرت وغیرہ کی۔ ابن زید، سدی وغیرہ تابعین سے یہی معنی مروی ہیں۔

المراد المشرکون، قال ابو وائل والسدی وابن زید کانت العرب فی الجاہلیة تدعوا فی مصالح الدنیا فقط فکانوا یسألون الابل والغنم والظفر بالعدو ولا یطلبون الآخرۃ (قرطبی)

من یقول سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ دعائیں بالکل انھیں الفاظ کے ساتھ کی ہی گئی ہوں - قول کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے - تمنا کرنا، زبانِ حال سے کہنا، دل میں خیال لانا، سب اس میں شامل ہیں -

٤٢٣ وہی آخرت جسکے تسلیم کرنے سے عمر بھر انکار کرتا رہا -

ای ملاذ. لا یعرفونه ولا یومنون به (قرطبی)

دعوتِ مدح صحابہؓ

نوجوانانِ امامیہ (سہارنپور) کی جانب سے

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

یہ اور اسی طرح سلام [illegible] کانگریسی وزارت کے ہنگامہ خیز دور میں جب تحریک مدح صحابہ [illegible] تحریک [illegible] کے اسباب و علل پر غور مطالعہ نہیں فرمایا - آپ حضرات کا معلوم ہو جانا چاہیے کہ شیعہ ہرگز صحابہ کرام کی مدح سرائی اور [illegible] کے مخالف نہیں - چند خود غرض شیعہ اور کچھ مطلب پرست [illegible] کے موجد ہیں - لکھنؤ کے شیعوں میں مدح صحابہؓ کے مخالف اور تبرا کے لیڈر رشید ظہیر صاحب ہیں - جو آج قوم پرست مسلمانوں (احرار، جمعیة - کانگریس) کے شریک کار ہیں۔ اور مدح صحابہ کے علمبردار انجمن ناموس صحابہ اور احرار اسلام کے کارکن ہیں - ان لوگوں کا ہمیشہ [illegible] ساز رہتا ہے - یہ حضرات اپنی لیڈری چمکانے اور الیکشن میں کامیابی حاصل کرنے کیلیے مدح صحابہ اور تبرا کی آڑ لیتے ہیں اور اس طرح غریب سنیوں اور شیعوں کا خون بہاتے ہیں -

شاید آپ کو اسکا علم نہیں کہ حکومت یو۔پی نے دوران جنگ میں یہ اعلان کیا تھا کہ ۱۲ ربیع الاول کو مدح صحابہ کا جو جلوس لکھنؤ میں نکالا جاتا ہے وہ اختتام جنگ تک نہیں نکالا جائیگا - کیونکہ حکومت اسکے انتظامات کرنے سے قاصر ہے - چنانچہ ایسا ہی ہوا - [illegible] جلوس حکومت کے حکم سے بند رہا - [illegible] اس وقت احرار اسلام کے [illegible] خاموش رہے آج انتخابات کے لیے یوم مدح صحابہ منایا جا رہا ہے -

ہمیں انکی اس فتنہ انگیزی سے کوئی سروکار نہیں - نہ صرف شیعان سہارنپور بلکہ شیعان لکھنؤ بھی، ماسوا اُن لوگوں کے جو علی ظہیر صاحب کے ساتھی ہیں اور جو آج قوم پرور مسلمانوں کے ساتھی ہیں، مدح صحابہ کے مخالف نہیں ہیں۔

ہم اعلان کرتے ہیں کہ سنی بھائی جب چاہیں اور جس مقام پر چاہیں، مدح صحابہ کر سکتے ہیں - بلکہ اگر وہ چاہیں تو انکے لیے ہمارے امام باڑے، اور مساجد موجود ہیں، شوق سے وہاں صحابہ کرام کی تعریف کریں"

الداعیان :- سید جعفر عباس جعفری آنریری مجسٹریٹ سہارنپور - سید سبط حسن زیدی - سید کفیل حسین بقلم خود - سید شکیل حسین جعفری - سید مرتضیٰ حسین - مفتی سید ظہور حسین - سید علی عباس - ایں - سید اکبر عباس - سید اصغر عباس - سید انصار حسین بقلم خود - سید جمیل حسین بقلم خود - مرزا ذی شان بیگ محلہ خواجہ زادگان

(منشور)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

حضرت یوسفؑ اور غیر اسلامی حکومت کی رکنیت

(۲)

(جناب ذکاء اللہ خاں صاحب - بریلی)

یہ بات کہ کوئی شخص کسی مقصد کے لیے اختیار کی گئی؟ نفس رکنیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اور اگر ایسی رکنیت فی نفسہ ناجائز اور حرام تھی تو وہ مقصد کے خیر ہونے کی وجہ سے محمود قرار نہیں دی جا سکتی۔ چوری ایک مذموم فعل ہے۔ اگر ایک شخص چوری کرے اور یہ سمجھے کہ جو مال اس چوری سے حاصل ہو گا اس کو کسی مسجد کی تعمیر میں لگاؤں گا تو اس کے اس مقصد کے محمود ہونے کی وجہ سے اس چوری کا فعل جائز اور محمود نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جن الفاظ کے ساتھ کلام پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ ان الفاظ سے عربی لغت اور محاورہ کی رو سے جو معنی ہو سکتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے اس امر کو تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کی حکومت کا رکن بننا اختیار کیا۔

کلام الٰہی میں تناقض

اب رہا یہ سوال کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرح فرعون مصر کی حکومت کا رکن بننے سے کلام الٰہی یا خدا کے احکام میں آیا تناقض پیدا ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ فی الواقع کہیں بھی کوئی تناقض نہیں ہے۔ اگر تناقض ہے تو مولانا مودودی صاحب کے ذہن میں ہے۔ اور مولانا موصوف کا مزعومہ تناقض خود ان کے اس غلط اصل نظریہ پر مبنی ہے کہ "اگر کوئی مسلمان کسی زمانہ اور ملک میں کسی غیر اسلامی یا فاسد نظام حکومت کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرتا ہے اور اس کا رکن بننا اختیار کرتا ہے جیسا کہ جمعیۃ العلماء کی اجازت اور فتوے سے چند سال پہلے ہندی مسلمانوں نے حکومت ہند کا رکن بننا اختیار کیا تھا تو گویا وہ مسلمان شرک فی الذات یا شرک فی الصفات کا مرتکب ہوتا ہے۔" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہر نبی اور رسول کسی نہ کسی مدت کے لیے کفر کے سیاسی اقتدار کو لازماً تسلیم کرتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر نبی اور رسول کفر کے ماحول میں پیدا ہوتا ہے۔ وہیں پلتا ہے بڑھتا ہے۔ اور بعد بعثت بھی اسی ماحول میں رہتا ہے۔ اور وہیں اپنی تبلیغ کا کام شروع کرتا ہے۔ اور اسی دوران میں ظاہر ہے کہ کافرانہ نظام حکومت کے سیاسی اقتدار کو لیڈر اس حکومت کے ایک شہری کے تسلیم کرتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس کا فرض ...

تکملہ: یہ نکتہ بہت صحیح ہے۔ اور بحث کی گرا گرمی میں یاد رکھنے کے قابل ہے۔ صرف صحیح صورت یہ ہے کہ آیا مسلمان کے لیے کسی حال میں غیر اسلامی حکومت کا جزو بننا جائز ہے؟ کسی ادنیٰ یا اعلیٰ مقصد سے" کا سوال بالکل الگ ہے۔ (...)

حکومت کے سیاسی اقتدار کو چیلنج کرنے کے بغیر وہ اس دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں بمقام بیت اللحم ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ فلسطین کی آبادی اس وقت زیادہ تر یہود پر مشتمل تھی مگر فلسطین اور اس کے نواح کے ممالک تحت سلطنت روم یا ROMAN EMPIRE کے سیاسی اقتدار کے ماتحت تھے۔ آپ وہیں پلے، بڑھے اور جوان ہو کر مبعوث ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی رسالت کے زمانے میں آپ نے رومیوں کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کیا۔ آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ اس قدر زور شور سے کی کہ یہود کے اشتعال پر عیسائیوں کے قول کے مطابق آپ کو سولی پر چڑھنا پڑا اور مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق آپ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ باوجود اس کے کہ آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ اس قدر جانفشانی سے کی مگر پھر بھی چار انجیلوں میں سے کسی ایک سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ رومن امپائر کے سیاسی اقتدار پر براہ راست آپ نے کوئی چوٹ لگائی ہو یا چوٹ لگانے کی کوشش کی ہو۔ اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ماحول کے کافرانہ اقتدار سیاسی پر براہ راست حملہ کیے بغیر اس دنیا سے اٹھ گئے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ اپنے ماحول کے کافرانہ نظام سے ساز باز کر لیا تھا۔ اور اس باب میں اپنی رسالت کے فرض کی ادائیگی میں انہوں نے چشم پوشی کی تھی؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد سلطنت روم کے سیاسی اقتدار کو زائل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ تو خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ پس جب ان کو اس میں کامیابی ہوتی تو سلطنت روم کا سیاسی اقتدار خود بخود زائل ہو جاتا۔ چنانچہ وہ زائل ہو ہی گیا۔ اگرچہ آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد زائل ہوا۔

خود نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں ۱۳ سال تک خدا کے پیغام کی تبلیغ کی۔ ظاہر ہے کہ مکہ میں قریش مکہ ہی کو سیاسی اقتدار حاصل تھا۔ قریش مکہ کے اس سیاسی اقتدار کو حضور انور اپنی اس ۱۳ سالہ مکی زندگی میں تسلیم کرتے رہے۔ اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور نے ان ۱۳ سال میں قریش کے اس سیاسی اقتدار پر براہ راست حملہ کیا ہو۔ اس کے برعکس روایات سے یہ تو ثابت ہے کہ قریش اکٹھے ہو کر آپ کے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور شکایت کی کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے باپ دادا کو گمراہ بتلاتا ہے۔ ہمیں نادان ٹھہراتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ، مگر کہیں ...

ثابت نہیں ہوتا کہ قریش نے ابو طالب سے یہ شکایت کی ہو کہ "تمہارا بھتیجا ہماری سرداری چھیننا چاہتا ہے یا ہمارے سیاسی اقتدار کو توڑنا چاہتا ہے"۔ اس سلسلہ میں قریش عتبہ نامی ایک سردار کو حضور کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور عتبہ آکر آپ سے اس طرح کہتا ہے کہ

"اے محمد! قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اگر تمہیں مکہ کی سرداری چاہیئے تو وہ حاضر ہے، اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی چاہتے ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر دولت چاہتے ہو تو ہم اسکے بھی تیار ہیں"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کی تبلیغ کے دوران میں قبائل کے خیموں کے آگے کھڑے ہو کر اکثر فرمایا کرتے تھے یا ایہا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا (ترجمہ لوگو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یہ اقرار کرو کامیاب ہو جاؤ گے) اسکے بعد ابو لہب آپ کے پیچھے کھڑا ہو جاتا اور ان الفاظ میں وہ آپ کی مخالفت کرتا کہ اے لوگو! یہ شخص تم کو اس امر کا دعوت دیتا ہے کہ تم اپنی گردنوں سے لات و عزیٰ ... من الجن (ترجمہ) لوگو! اسکی دعوت یہ ہے کہ تمہیں لات و عزیٰ اور ان معبودوں کا طوق اپنی گردنوں سے اتار کر پھینک دو جو تمہارے سرپرست ہیں"

ان تینوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی مکی زندگی میں حضور کی تبلیغ کا لب لباب کیا تھا؟ اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم اس زمانہ میں قریش کے سیاسی اقتدار پر حملہ کرنا حضور کی تبلیغ کا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ لیکن اگر قریش کے سیاسی اقتدار کو توڑنا حضور کی بعثت کا مقصد اولین ہوتا جیسا کہ مولانا مودودی صاحب کا دعویٰ ہے تو ظاہر ہے کہ سب سے اول قریش کے سیاسی اقتدار ہی پر چوٹ لگائی جاتی۔ بہرحال یہ تو ثابت ہوا کہ حضور انور کم از کم تیرہ سالہ مکی زندگی میں قریش کے سیاسی اقتدار کو برابر تسلیم کرتے رہے۔ اگر ایسا کرنے سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو (نعوذ باللہ) قریش کو خدا کی خدائی میں شریک نہیں بنا لیا؟

جنگ احد اور خندق کی لڑائیوں میں بھی قریش ہی مدینہ پر چڑھائی کر کے آئے تھے۔ مسلمان مکہ پر چڑھائی کر کے نہیں گئے تھے۔ اسی طرح خود کلام پاک میں سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں انبیاء علیہم السلام اور انکی قوموں کے بہت سے قصے مذکور ہیں، کسی میں سیاسی اقتدار سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا تھا ... یہ مذکور ہے کہ انکی قوموں نے ان پر یہ الزام لگایا ہو کہ تم ہم سے ہمارا سیاسی اقتدار چھیننا چاہتے ہو۔ لیکن اگر کفار کا سیاسی اقتدار توڑنا انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اولین ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اور انکی قوموں کے مکالموں میں اسکا ذکر ...

پہلے ذکر ہوتا۔ نیز یہ کہ کلام پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار ہر قسم کے الزامات لگاتے ہیں کہ آپ (معاذ اللہ) شاعر ہیں، مجنون ہیں، ساحر ہیں، کسی عجمی غلام سے کلام پاک کی آیتیں سیکھ لیتے ہیں مگر یہ الزام کہیں نہیں لگاتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا سیاسی اقتدار چھیننا چاہتے ہیں۔

علاوہ بریں غیر اسلامی نظام حکومت کو بطور ایک شہری کے تسلیم کرتے ہیں، اور اس نظام حکومت کا ایک افسر یا رکن بنتے ہیں دونوں میں اور مراتب کا کچھ فرق ہے لیکن نفس کیفیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں اس مشین کے چلانے میں کچھ نہ کچھ مدد کرتے ہیں۔ ایک شہری اس طریقہ سے کہ اس حکومت کو ٹیکس ادا کرتا ہے اور افسر یا رکن اس طرح کہ وہ اس کے شعبے میں کام کرتا ہے اور ... اور اگر اس نظام حکومت کے چلانے میں کسی قسم کا مددگار ہونا گناہ ہے یا شرک ہے تو اس گناہ اور شرک کا مرتکب نہ صرف اس نظام حکومت کا رکن یا افسر ہی قرار دیا جا سکتا ہے، نہ ایک شہری، کہا جا سکتا ہے کہ ایک شہری اس کا شرعاً نظام حکومت کے سیاسی اقتدار کو تسلیم تو ضرور کرتا ہے مگر وہ ہر وقت اسکے توڑنے کی تاک میں لگا رہتا ہے تو اسکے افسر یا رکن ایسا نہیں کر سکتے؟ کیوں نہیں؟ کسی نظام حکومت کا افسر افسر ہوتے ہوئے بھی اس نظام حکومت کے توڑنے کی فکر میں رہ سکتا ہے بلکہ موجودہ نظام حکومت میں ... حکومت کا شہری جس قدر دور رہتا ہے اس حکومت کی مشینری پر قابض ہونا جائیگا اسی قدر وہ مشینری کو توڑنے کے زیادہ قریب ہوتی جائیگی۔ آج موجودہ حکومت بھی رفتہ رفتہ گورنمنٹ کے ساتھ رعایا کے اختیارات کم کرتی جا رہی ہے اور رعایا کی سب جدوجہد اور جنگ و جدل اسی لیے ہے کہ بیرونی سیاسی اقتدار گھٹتے گھٹتے صفر کے برابر رہ جائے اور ملک کے باشندوں کا ملک کی حکومت میں اختیار سو فی صدی کی حد تک پہونچ جائے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۲۰

... سے ... لیکر چلے جاتے ہیں۔ ہزاروں شیعہ بستی کے کسی چوراہے پر دو چار جمع ہو کر غم کی لے میں ستار کے ساتھ نوحہ درد الاپ رہے تھے۔ لیکن ہندوستان میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ایران و عراق میں بھی نہیں ہوتا۔ جو ہندوستان کے شیعہ بزرگوں، مجتہدوں اور علماء سے ممکن نہیں۔ انکو یہی کرشمہ ہے اور امام معصوم کی بارگاہ عالی میں اجر و ثواب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ وہ روتے ہیں اور اتنا روتے ہیں کہ زمین روتی ہے، آسمان روتا ہے، فضا روتی ہے اور ساری کائنات رونے کو اپنا نصب العین بنا لیتی ہے۔ دنیا تک کا ماتم اور سے نطرت ہے۔ (باقی آئندہ)

(یہ ... شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

سکھ اور مسلمان بھائی بھائی

(از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب، شمس آباد)

سکھ مذہب کی تاریخ پیدائش اور ارتقاء جاننے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ سکھ مت کا تعلق اور اس کی نسبت اسلام سے بہت زیادہ ہے، ہندو دھرم کے ساتھ اسکا کوئی تعلق اور نسبت نہیں ہے، بلکہ سکھ مت کی مخالفت میں ہندو دھرم کے پیروؤں نے سر سے ایڑی تک زور لگایا۔ گورو نانک صاحب کو کوما پیا وغیرہ کا خطاب ہندوؤں کی طرف سے ملا۔ دوسرے گورو گورو انگد صاحب اور سری گورو ارجن صاحب اور گورو تیغ بہادر کشن صاحب کے مظالم اور انکی شہادتیں غور و فکر کرنے پر ہندوؤں کی سازشات کا نتیجہ اور باعث معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اسکے برخلاف مردانہ صاحب کا گورو نانک صاحب کا خاص مخلص، ہم مجلس و ہم سفر ہونا اور پھر گورو ارجن صاحب کی سکھی پنتھ کی مقدس دیا پرکت عمارت کا سنگ بنیاد جناب میاں میر صاحب قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں رکھوانا۔ گورو گوبند سنگھ صاحب کی نظروں میں سائیں بھیکن شاہ اور سائیں بدھو شاہ صاحبان کا عزت اور مرتبہ حاصل ہونا یہ سب چیزیں میت پیچیدہ تمام اور ایک اور ایک خاص معنی کی مالک ہیں۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مسلمان اور سکھ اصل کل یعنی توحید ذات باری تعالیٰ کے مقصد اصلی پر بالکل برابر کے شریک ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان ہر دو موحد اقوام میں سے کسی نے اتحاد و اتفاق کی کوشش نہ کی۔ اگر کلمۃ سواء کے لحاظ سے عیسائی اقوام کو جناب شارع اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دے سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان موحد بھائیوں کو دعوت اتحاد نہ دیں۔ اگر دیگر اعمال معاشرت و تمدن میں غور کیا جائے تو سکھوں اور مسلمانوں کے کئی رشتے اتحاد اور مودت کے موجود ہیں مثلاً

(۱) سردار کا لفظ فارسی مسلمان لائے صاحب سکھوں نے بھی لا کر لیا۔

(۲) سکھوں کا لمبا کرتا اور پاجامہ ہے

(۳) اکالیوں کا سیاہ لباس بھی سید کا شعار رہے۔

(۴) سکھ داڑھی رکھتے ہیں

(۵) پاٹیاں بنا کر سفر کرتے ہیں۔

(۶) وضو کرتے ہیں

(۷) سکھ گوشت کا استعمال کرتے ہیں بلکہ گیانی شیر سنگھ صاحب لائل پور کی تقریر میں فرما چکے ہیں کہ "اگر ہم برسر حکومت ہو گئے تو یہاں گوشت کھانے کا جبری قانون بنا دیا جائیگا"۔

(۸) سکھوں میں کثرت نکاح کا رواج اور طرز عمل ہے۔

(۹) سکھ تمباکو اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔

(۱۰) سکھ ہتھیار پہنتے ہیں

اسکے برخلاف ہندوؤں اور سکھوں میں کسی قسم کا اتحاد نہ اصلی ہے اور نہ فرعی۔ بلکہ ان میں پورا پورا تضاد اور تناقض ہے جسکا زیل نقشہ میں اس کی تصدیق موجود ہے:۔

اصول	سکھ عقیدہ	ہندو عقیدہ
گرو منتر	واہگورو	اوم
منگلا چرن	اک اونکار ستگرو پرساد تھا	اوم شری گنیشائے نمہ وغیرہ
ملاقات کے وقت	واہگورو جی کا خالصہ واہگورو جی کی فتح	رام رام، جے شری کرشن وغیرہ
دھرم پستک	سری گرو گرنتھ صاحب	وید، گیتا، پران، رامائن وغیرہ
تیرتھ	پانچوں تخت صاحبان، گوردوارے	گنگا، جمنا، ہردوار وغیرہ
پوجنے کی طرف	چاروں طرف	مشرق
پاٹھ	نت نیم کی پانچوں بانیاں اور آسا دی وار وغیرہ	[illegible]

غرضکہ تمام اصول و فروع میں ہندو اور سکھ آپس میں مخالف ہیں۔ ہندوؤں کے پاس صرف الکشن کی دلیل رہ جاتی ہے کہ جسکے سہارے پر وہ سکھوں کے استقلال کو ختم کرنے کا دعوے کرتے ہیں۔ سکھ ہندوؤں سے ہیں۔ مگر اسکا جواب ہندو سکھ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ "کروڑ ہندو مسلمان اور انکو کلمہ پڑھا کر بیٹے، اگر کچھ ہندو سکھ بنیں گے تو اس میں مشکل کیا ہے"۔

صدق:- سب سے بڑی چیز توحید کا اشتراک ہے۔ افسوس ہے کہ خود ہمارے علماء و اکابر نے بھی اس قدر اہم رشتۂ اتحاد کے باوجود بھی سکھوں کو اپنانے کی طرف توجہ نہ کی۔

صدق بک ایجنسی

سفر حجاز (مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)	عار
تصوف اسلام (")	عہ
تصوف و مسائل (")	عمر
مبادی فلسفہ ۲ جلد (") فی جلد	عہ
بہشتی زیور (مولانا تھانوی) اختری ایڈیشن	صعہ
اصول حدیث - مولانا حکیم ویس ندوی	۱۰ر
یاد ایام (مولانا حکیم سید عبد الحی مرحوم)	عمر
الکلام (مولانا شبلی نعمانی)	عمر
خزائن الملوک (طب) مکمل	صہ
تفسیر غایۃ البرہان - جلد اول و دوم	عیر

منیجر صدق بک ایجنسی۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلات اس پتہ پر ہوں:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج — لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صہ
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۶۱ | چہارشنبہ - ۲۱ - محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از صاحب معارف مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی مدظلہ)

عجیب بات ہے کہ لڑائی ہوئی تو عیسائی قوموں میں، مگر اس لڑائی کے خاتمہ پر اسکا خمیازہ مسلمان قوموں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ترکی سے ارمنستان کے دو شہر اور ایران سے آذربائیجان کا باقی صوبہ روس کو چاہیے۔ جاوا اور سماترا کے مسلمان انگریزی سنگینوں کے زور سے ہالینڈ کے تابع بنائے جا رہے ہیں۔ فلسطین میں امریکہ اور انگلینڈ کی مدد سے یہود کی ریاست کا انتظام درپیش ہے۔ شام اور لبنان میں فرانس پھر سے اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ شمالی افریقہ میں آزادی خواہ عربوں کو قید و بند اور پھانسی کی سزائیں مل رہی ہیں۔ افریقہ میں انجیریا کی اسلامی ریاست اصلاحات کے مطالبہ سے بھی محروم رکھی جا رہی ہے، مصر ابھی تک انگریزی فوجوں سے خالی نہیں ہوا ہے۔ کیا یہ صورت حال ہر سمجھدار مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں؟

آجکل مسلمان اہل سیاست میں علماء کو برا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علماء جمعیۃ علماء اسلام نے ہمت کرکے انکی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گزشتہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہوگی؟ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہوگا، کہ اس کا زیادہ دلچسپ مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو۔

فساد کی جڑ

"فلسطین دنیا کے تین مذہبوں مسیحیت، یہودیت اور اسلام کے لیے ایک ارض مقدس ہے، محمد کے اعجازی سفر آسمانی کا راستہ چونکہ یروشلم ہی سے ہو کر تھا، اس لیے یہ شہر مسلمانوں کے لیے بھی دنیا کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ اور یہی ایک بڑی وجہ ہے اس حقیقت کی کہ فلسطین کا معاملہ تاریخ کے ہر دور میں بہت نازک رہا ہے، اور یہی ... اور اس مسئلہ کے ساتھ ہی بہتوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، زائر بیت المقدس کو یہ دیکھ کر حیرت ہی ہوتی ہے اور رنج بھی، کہ تینوں مذہبوں کے لوگ ایک ہی مقام کو مقدس بھی کہے جاتے ہیں اور پھر اسکے متعلق لڑے جاتے ہیں۔ کاش تینوں مذہبوں کے موجودہ پیشوا و سردار دوستانہ طور پر مل کر آپس میں میل مصالحت کا کوئی راستہ نکال لیں!" (آبزرور، لندن، ۲۸ - اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سیاسی و آئینی مصالحت کی صورت تو جو کچھ بھی ہو، دینی مصالحت تو اسی سے ظاہر ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور موسیٰؑ پیمبران یہودیت کی بھی عزت و احترام کرتا ہے، اور عیسیٰؑ و یحییٰؑ پیمبران مسیحیت کی بھی تصدیق کرنا لازمی سمجھتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں یہود اور نصرانیوں کا طرز عمل پیمبر اسلامؐ سے متعلق کیا ہے؟ بجز عناد اور سب و شتم کے اور بھی کچھ ہے؟

"مشرقی" افلاس

"زندگی کے جس ابتدائی دور کی طرف جرمنی کو واپس آنے پر جنگ نے مجبور کر دیا ہے، اس میں اور مشرقی ممالک کے غریبوں کی زندگی میں بہت بڑی مشابہت و مماثلت ہے۔ مشرق میں کوئی چیز کیسی ہی ردی اور بوسیدہ ہو، غریبوں کے کام کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتی

ہے۔ والی پچھلی طرف ان گو یہ کہ ہندوستان کے دیہاتی بازاروں میں کسی بنیے والے یا لوہار کے ہاں پہونچ جائیگا اور اسکی دوکان کا ایک مال بن جائیگا! جرمنی میں بھی اب یہی نوبت آگئی ہے، غالباً ڈیڑھ سو برس ان لوگوں کے لیے قیمتی ہو گیا ہے جو کھانے پکانے کے برتنوں سے محروم ہیں۔ اور بیڑ مل کا نمائی انتشر تو گھر میں پانی رکھنے کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔ اتنی چیزیں جن سے کوئی ادنیٰ سا ادنیٰ کام بھی نکل سکے اب لاکھوں روپیہ سے بیچے ہر قسم سے بڑھ کر ایک دولت ہے۔ (آبزرور کارسپانڈنٹ، ۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

غنیمت ہے کہ مشرق کی مفلسی اور ہندوستان کے ننگے پن کا یقین "صاحب" کو اب تو آیا۔ ورنہ اب تک تو ضرب المثل کی حیثیت مشرق کے افلاس کی نہیں، بلکہ مشرقی دولت اور مشرقی اسراف کی تھی!

ایک "اسلامی" کمیٹی

لکھنؤ سٹی کانگرس کمیٹی نے آئندہ انتخابات کے سلسلہ میں ایک سب کمیٹی مسلم رابطۂ عوام کی غرض سے بنائی ہے۔ ممبران کے نام حسب ذیل ہیں:۔ مسٹر رضا، ہردوئی، مسٹر محمد اسلم، مسٹر عبد الرشید، مسٹر ہر پرشاد سکسینہ، مسٹر رادھاکرشن کھنہ، مسٹر بالمکند باجپئی، مسٹر راج نرائن کھنہ اور مسز اس نرو۔ (ہیرالڈ)

بہت خوب! کمیٹی "مسلم" اغراض کے لیے، اور کمیٹی کے ۸ ممبران میں سے ۵ غیر مسلم! ——— گویا مسلمان، خالص مسلم کاموں کے لیے بھی اب کانگرس کو تلاش کیے نہیں ملتے!

تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

اعلان سلیمانی

ماہنامہ معارف کے تازہ نمبر میں فاضل محترم مولانا سید سلیمان صاحب کے قلم سے:۔

" مجلس دار المصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے اکھاڑے سے پاک رکھا جائے۔ اور اسکو علمی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے۔ خطا و صواب اپنی اپنی جگہ پر، لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اسوقت جب اس میں بعض مصالح اسلامیہ کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ اور ایسا ہی دوسرا فریق بھی اپنے نظریہ کے متعلق بھی خیال رکھتا ہے، اور فریقین اپنے دلائل پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔"

مولانا کی ان تصریحات نے ہوا خواہان و مخلصین دار المصنفین کے ایک بڑے گروہ کے دل سے ایک بڑا بار ہلکا کر دیا۔ بعض ذمہ دار اور بعض غیر ذمہ دار، دونوں قسم کے اخبارات مولانا کا نام بے تکلفی سے کانگریسی علماء کی معیت میں لے رہے تھے، اور دار المصنفین کے ایک رفیق کی کانگریس آمیزی کو تو ہندو پریس نے خوب ہی اچھالا تھا۔ اس اُلجھن کو دور کرنے کے لیے مولانا کے اس بیان کی ضرورت تھی۔ یہی سلیمانی سے انکی بے تعلقی، اور ساتھ ہی امت کی اکثری سیاست کے ساتھ انکی ہمدردی، یہ دونوں باتیں انکے اعلان سے بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ ملت کی اکثریت کے لیے یہ اعلان یقیناً بہت کچھ تسکین و اطمینان کا باعث ہوگا ——— سچ ہے وما کفر سلیمان، ولکن الشیاطین کفروا۔

امن کی "برکتیں"!

۱۳۔ لندن۔ کم از کم بارہ وارداتیں سرقہ بالجبر اور ایک قتل کی۔ یہ پیرس میں ہر شب کے جرائم کا اوسط ہے۔ یہ خلاصہ ہے جرائم کی اس رَو کا جو اسوقت پیرس میں پھیلی ہوئی ہے۔ اخبارات لکھ رہے ہیں کہ اس رَو کا ایک باعث تو فوجی بھگوڑے ہیں اور دوسرا خونریزی کی وہ عادت جو پانچ سال تک بہ یاب کی پڑ چکی ہے۔ لیکن ایک تیسرا سبب گرانی اشیا بھی ہے۔" (گلوب ایجنسی)

" نیویارک۔ ۲۱۔ اکتوبر۔ نقاب پوش مہیب جرائم پیشہ ڈاکوؤں کا وہ گروہ جو امریکہ بلکہ ساری مہذب دنیا میں کوکلکس کلان (رکے رکلے سکہ) کے نام سے خوب شہرت حاصل کر چکا ہے، اور اپنی سفاکی میں ضرب المثل بن چکا ہے، اور ۱۹۲۵ء سے ناپید ہو گیا تھا، وہ اب پھر ابھر رہا ہے۔ اور اسکی تاخت و دستبرد سے رعایا پھر تھرانے لگی ہے۔ گروہ میں کہا جاتا ہے کہ ۲۰ ہزار افراد شامل ہیں۔" (ٹائمس، لندن، ۲۲، اکتوبر ۴۵ء)

" برطانیہ کو اس وقت جرائم کی عظیم ترین رَو سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور برطانیہ کی پولیس نے عاجز آکر تمام پبلک سے استدعا کی ہے کہ وہ وقت نکال کر بطور اسپشل کانسٹبل کے قیام امن میں مدد دے۔ ہوم گارڈ کا ایک پورا دستہ بطور "ہوم گارڈز" کے تیار ہو رہا ہے۔ لیکن ان کوششوں اور انتظامات کے باوجود جرائم کی رفتار کم نہیں ہوئی ہے۔ کچھ زیادہ ہی ہے۔ اور جرائم کے انسداد کے بجائے انکا اضافہ ہی ہو رہا ہے اسی اکتوبر کے مہینہ میں رہزنی، چوری، اور حملہ کی وارداتیں برطانیہ میں ۹۰ ہزار کی تعداد میں ہوئیں، اور یہ عدد اکتوبر ۴۴ء کے مقابلہ میں تقریباً دوگنے ہیں۔" (لیڈر، ۱۴۔ دسمبر ۴۵ء، وقائع نگار خصوصی لندن کے قلم سے)

مفتوح، شکست خوردہ، ادبار زدہ جرمنی پر جو کچھ گزر رہی ہے، اُسے چھوڑیے۔ یہ حال فاتح دیار اقبال، برطانیہ، امریکہ و فرانس کا ہے بس ——— جنگ میں جو کچھ جس پر بیتنا تھی، بیت گئی۔ حالت امن کی روئداد ملاحظہ ہو! ——— یہی تہذیب، یہی تمدن، یہی معاشرت ہے، جس کی دعوت "صاحب" دے رہے ہیں، اور جسکی طرف صاحب زدہ مشرقی غریب لپکتا، دوڑتا چلا جا رہا ہے!

تصحیح عنوان شذرہ

افسوس ہے کہ صدق ۵۸ کے آخری شذرہ کا عنوان غلط چھپ گیا ہے۔ صحیح عنوان "تاریخ ادیان" ہے نہ کہ "تاریخ ادبیات"

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

(۱۹)

از عبد الماجد

جو اپنی ارشادات [علامت "ا"] مع میرے ملخص معروضات [علامت "م"] کے ملاحظہ ہوں :-

م- سچ بیابت سے ایک مضمون علامت زبان پر کل رہا ہے۔ کل پرچے یکجا کرکے ارسال خدمت ہیں - اگر حسب فرصت ان پر ایک نظر کرلی جائے تو مجھے استفادہ کا بہت موقع مل جائے۔

ا- مشکل سے آج کچھ وقت ملا - خیال تھا کہ آج ہی روانہ کردوں گر ایک صاحب بیچ میں آگئے اس لیے کامیاب نہ ہوسکا - انکے جانے کے بعد ڈاک تمام کا وقت نہ رہا -

[یہ واقعی حاقت تھی کہ اتنا بڑا پلندہ مولانا کی نہایت درجہ مشغولی کا خیال کیے بغیر روانہ کردیا تھا - مولانا آج کا کام کل پر رکھنا جانتے ہی نہ تھے - فرط اخلاق سے ضروری کاموں کا حرج کرکے ادھر متوجہ ہوگئے۔ یہ جملۂ معترضہ تھا - اب آگے انہی ارشادات پھر نقل ہو رہے ہیں]

ا- مفصل دیکھنا تو مشکل تھا لیکن کل مطالعہ بھی غالباً مفصل مطالعہ کی طرح کافی ہوگیا - میں نے نہایت مختصر اصولی جواب لکھ دیا ہے اب ضرورت اسکی ہے کہ کوئی صاحب علم اصل مضمون کو مطالعہ کریں اور میری مختصر عرضداشت ذہن میں رکھیں، تو امید ہے کہ کوئی جزو بلا جواب نہ رہا ہوگا -

اسکا ضرور قلق ہے کہ اخبار سچ کے عموماً لوگ معتقد ہیں - اس میں شایع ہونے سے مضمون کو سچ ہی سمجھے ہونگے اور باطل میں مبتلا ہوگئے ہونگے - اسی لیے میں نے پہلی یا دوسری ملاقات میں زبانی یا تحریراً عرض کیا تھا کہ کوئی مضمون دینی بدون ملاحظہ مولانا حسین احمد صاحب کے شایع نہ کیا جائے - معلوم نہیں، کب تک اس سے قلق رہیگا - اصل سبب اس توسع کا مذموم نہیں، یعنی حسن ظن - لیکن ہر شے کے حدود ہوتے ہیں - حسن ظن کی بھی ایک حد ہے - اس سے تجاوز ایسا ہے جیسے غذا سے لطیف و مقوی کی مقدار معقول سے تجاوز کرکے تخمہ کا سبب بنجاتا ہے - چنانچہ شیخ شیرازی نے جہاں گلستاں میں حسن ظن کی تعلیم فرمائی ہے ؎

هر کرا جامہ پارسا بینی پارسادان و نیک مرد انگار

وہاں بوستاں میں اس کی حد بتانے کو یہ بھی فرمایا ہے ؎

نگہ دار آں شوخ در کیسہ دُر که داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

یعنی قبل تجربہ و امتحان سب کے ساتھ معاملہ احتیاط کا کرے - اسی طرح

ہر شارح :

ہر مصلح صورت عالم نام کا ادب و عظمت تو ضروری ہے مگر اسکی تحریر و تقریر کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرنا جسکا اثر اپنے نفس پر یا دوسروں کے نفس پر ایسے رنگ میں ہو جو بڑی خطرناک ہے یہ حد سے تجاوز ہے الا ان یشہد لعصمۃ من کان موثقاً سے بدلیل صحیح -

میرا یہ معروضہ اگر موجب ثقل ہو معافی کے بعد بے تکلف مطلع فرمایا جائے تاکہ آیندہ صرف دوستی کا علاقہ رکھوں اور مشورہ میں قدم نہ رکھوں - والسلام - اشرف علی - اور کاٹلٹ لگاکر پرچہ خدمت میں مرسل ہیں -

---

مولانا کی اصل تنقید تو آگے چل کر آئیگی، سردست داد مکتوب کی جامعیت و بلاغت کی دے لینے دیجیے - تبلیغ کی تبلیغ اور پھر اتنی نرم و شیریں زبان میں ! ——— حق، کون کہتا ہے کہ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے ؟ ——— تنقید مضمون نگار کے اصل مضمون پر جو ہوئی وہ تو ہوئی، باقی خود ایڈیٹر کی تنبیہ بھی بہت برمحل رہی - اُسے بتادیا گیا کہ ایڈیٹر کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے - ہر رطب و یابس کو چھاپ دینا اسکا کام نہیں - مضامین اگر گمراہ کن ہیں تو اشاعت باطل کی ذمہ داری سے وہ بچ نہیں سکتا - اور "دلالت علی الخیر" پر جب اجر و صلہ موجود ہے تو "دلالت علی الشر" پر کیوں نہ وعید موجود ہو ؟ مولانا کو اپنے اس نیازمند کی خاطر بہت عزیز تھی، اور یقیناً وہ اسکے معاملات میں بڑی رعایت اور مروت کو دخل دیتے تھے اس سے بہت ہی رواداری برتتے تھے - تاہم اصلاحی شان سب پر غالب تھی - اور اپنے مخلصوں، نیازمندوں، خادموں کو وہ ضرورت کے موقع پر اور ضرر دینی سے بچانے کے لیے نہ ٹوکنا، تدین و آئین صداقت کے خلاف، اور بیجا طور پر خلاف سمجھتے تھے ——— طبیب کی دوستی اور خیر اندیشی یہی ہے کہ وہ مریض پر نہیں، مریض کے مرض پر نظر رکھے !

خط میں دو باتیں اور بھی عرض کی گئی تھیں - اور وہ تمامتر ذاتی تھیں - ایک سوال یہ تھا کہ جہری نماز پڑھانے میں بڑا تکلف ہوتا ہے، سہو کثرت سے ہونے لگتا ہے، خصوصاً جب یہ علم ہو کہ نمازیوں میں کوئی حافظ یا نیم حافظ موجود ہے - اسکا کیا علاج ہے ؟ جواب آیا :-

" ضعف قلب و ضعف دماغ اسکا سبب ہے - اسکے دو علاج ہیں، ایک قرأت طویل نہ پڑھنا، دوسرا علاج حق تعالیٰ کی طرف یا خانہ کعبہ کی طرف توجہ رکھنا "

پہلے علاج یعنی اختصار قرأت پر عمل تو پہلے ہی سے تھا - دوسرے علاج میں جو شق ثانی ارشاد ہوئی، یعنی خانہ کعبہ کی طرف مرکزیت توجہ یہ حکیم الامت کے مخصوصات میں سے ہے - اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہم دنیے عامیوں کے حق میں یہی مشورہ بہترین ہے، خاص کر ان لوگوں کے لیے جو زیارت بیت اللہ سے مشرف ہوچکے ہیں :- ایک مادی صورت و صورت، شاہد کعبہ کا تصور تیار [illegible]

آسان ہے بہ مقابلہ اسکے کہ ایک غیر مادی اور منزہ اور ورا الورا ہستی کو تصور کی گرفت میں لایا جائے!

صحبت بابرکت کی ایک خاص برکت یہ تھی کہ اپنی وکوتاہیاں اپنے عیوب اپنے گناہ مشاہدہ میں آجاتے تھے اور بغیر اسکے کہ مولانا خطاب خاص سے مخاطب فرمائیں، یا صراحۃً کسی کو اُسکے کسی عیب پر توجہ دلائیں معلوم ایسا ہوتا کہ جیسے غفلت کے پردے نگاہوں سے از خود ہٹتے جاتے ہیں، اور عمر بھر کی عادتیں بے نقاب نظر آنے لگتی تھیں ——— ۴۰

روزنامہ قیام نے ایک سوال یہ وارد کیا ہے کہ میں ملا جملا کار خانہ چل رہا ہے، زمینداری وغیرہ تو بحمد اللہ تقسیم شدہ ہے۔ لیکن گھر کا اثاثہ تو بھائیوں میں مشترک ہے، ایک کے اُٹھ جانے کے بعد ترکہ کی تقسیم شرعی کی کیا صورت ہوگی۔ یہی کیونکر متعین ہوگا کہ اُٹھ جانے والے کا جائداد تھی کتنی؟ خط میں تیسرا سوال یہی تھا۔ اسکا جواب حسب ذیل ملا۔

"جائداد سے مراد غالباً یہی اثاثہ البیت ہے۔ اگر یہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ دونوں کو مساوی شریک سمجھا جائیگا۔ بس نصف اثاثہ کا اُسکو مالک قرار دے کر میراث جاری کی جائیگی"۔

مشائخ اور بزرگوں کی صحبت کا حاصل لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ کچھ وظیفے سیکھ لیے، یا بہت سے بہت یہ کہ کچھ ذکر و شغل کی مشقیں کرلیں۔ خانقاہ اشرفیہ سے متعلق دوسروں کا تجربہ جو کچھ بھی ہوا اپنا تجربہ یہ تو یہ ہوا کہ طالبین کو مرض کا احساس بیدار ہو جاتا ہے، اور جہل خواہ باقی رہ جائے لیکن جہل مرکب سے نجات ہر حال مل جاتی۔ مریض کو اپنے تندرست سمجھنے کا پندار باقی نہ رہ جاتا۔ اور جہاں تک ذاتی زندگی کا تعلق ہے دین اور دینداری کا ہر شعبہ بیدار ہو جاتا ——— ملکہ یادداشت صوفیہ کی اصطلاح میں جو معنی بھی رکھتا ہو، اسکی صحیح اور اصلی تعبیر یہی لینی چاہیے۔ اور دین سے مراد دین ہی ہے، شریعت کا دین۔ صاحب شریعت کا لایا ہوا اور بتلایا ہوا دین۔ کوئی بعد کا اختراعی نظام آئین مراد نہیں۔

لیجیے باتوں میں شاخیں نکلتی آئیں اور اصل موضوع یعنی معمولات و حال پر حضرت مولانا کی تنقید لکھتی چلی گئی ——— اب وقت آگیا کہ اُسے سکینہ مولانا ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیا جائے ——— اس نمبر میں نہ سہی، اسکے مابعد والے نمبر میں!

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر

خدا نے حکمت کو خیر کثیر فرمایا ہے اور جہاں کہیں خیر دیکھو اُسے حاصل کرو

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدۂ بیدار شو

دشمن سے ڈرنا چھوڑ دو اپنی سوئی ہوئی قوت کو جگاؤ"

(ابنا زمانہ - بمبئی)

ہند اور اقبال
ایران جدید کی نظر میں

(ڈاکٹر شرا اقبال کا قصیدہ - انڈو ایرانین کلچرل ایسوسی ایشن تہران کے افتتاحی جلسہ میں)

دل اسیر حلقۂ زنجیر ہند
جاں فدائے رنگ دلگیر ہند

میرا دل ہندوستان کی محبت میں گرفتار ہے میری جان اسکی دلکشی پر فدا ہے

بس ملاحت دارد آں خاک دہ ہست
ہند را کان تو گوئی نمک خواہند دہ ہست

اسکی مٹی میں اتنا سلونا پن ہے کہ اسکو ہندوستان اگر نمک کی کان کہیں تو بجا ہے

آں نمک زارے کہ از نقش عنبر است
خار او چیبا خستش نیلو فر است

اور ایک نمک کی کھیتی ہو جس کی کھیتی عنبر اسکے کانٹے چینی اسکے تنکے نیلوفر

نگار ہا رنگیں و رنگیں خوست
رنگ رنگ ہے جلوہ ہا ہر رو ہے ما

اسکا شور اور گداز رنگین ہے (مزاج) اسکے چہرے اپر پھیلا رنگ برستا ہے

ہند و ایران آشنایان ہند
گر شہ ہم رنگ اندر ایک عالم ہند

ہندوستان و ایران میں ظاہری مناسبت نہ سہی دونوں کی حالت ایک ہے اور دونوں ایک دوسرے

گرچہ امروز آں جلال و جاہ نیست
ہیچ کس از راز دہر آگاہ نیست

صحیح ہے کہ آج ہندوستان کا وہ جاہ و جلال نہیں، لیکن دنیا کے نشیب و فراز کا حال کسے معلوم

غالبے آمد اگر شد طالبے
شبلیے ہست ار نباشد غالبے

جب طالب (فارسی کا ایک شاعر) غالب چلا گیا تو اسکی جگہ غالب نے لی اور غالب کی جگہ شبلی آگئے۔

بترلے گرد رفت اقبالے رسید
بیدلاں را نوبتے حال رسید

[illegible] بیدل گیا تو اقبال آئے اور بیدلوں کی، ہر کا فرزند شناسا

فرا ہماز خامۂ اقبال گذشت
وا ہمے کاز صد ہزاراں برگذشت

یہ دور دراصل اقبال کا عہد ہے اس ایک ذات نے سیکڑوں کی اکیلی پورا کردیا

طوطیان ہند را گوئیم سلام
مابازاء گا نم سن دام

ہم اس بازار کے پرانے نغمہ خواں ہیں ہندوستان کے بلبلوں کو ہمارا اسلام

گوئیم اے ہند گرامی شاد زی
سال و ماہ از بند غم آزاد زی

ہمارا پیام ہے کہ اے عظیم ہندوستان شاد رہ اور اپنے ماہ و سال کو غم کے بند شوں سے آزاد کر۔

زیں قناعت پیشگی پرہیز کن
مرکب ہمت بجولاں تیز کن

اس قناعت اور بے عملی سے پرہیز کر اور مرکب ہمت کو تیزی سے آگے بڑھا

فقر و درویشی تباہت می کند
در دو عالم روسیاہت می کند

فقر اور درویشی تجھے تباہ کرتے ہیں اور سارے دنیا میں بدنام کرتے ہیں

صنعت و علم و امید و اتحاد
کسب کن تا وارہی از انفراد

صنعت، علم، عمل اور اتحاد حاصل کرنا کہ تجھ کو تنہائی کی ناطاقتی سے نجات ملے

شرح گوئیم در استقبال تو
ایں سخن گویم کہ گفت اقبال تو

میں تیری تعریف میں جو کچھ کہتا ہوں وہ بہت کم ہے یہ کلام میرا نہیں بلکہ تیرے اقبال کا ہے

زندگی جہد است استحقاق نیست
جز بہ علم انفس و آفاق نیست

زندگی جہد سے حاصل ہوتی ہے اُس پر کسی کا حق نہیں ہوتا وہ ذات اور کائنات کے جاننے سے عبارت ہے۔ (بقیہ کالم اول پر دیکھیے)

علوم فارسی

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب نائب ناظم مدرسہ عربیہ انگریز گنج ضلع بستی)

صدق ۵ دسمبر ۱۹۵۰ء میں مروجہ منشی کامل و دبیر کامل کے فارسی تعلیم و تکمیل پر حضرت مولانا دریا بادی مدیر صدق کا ایک اداری نوٹ دیکھ کر میرا پرانا خیال تازہ ہو گیا۔

میں عرصہ سے فارسی کے موجودہ نصاب تعلیم میزان منشعب، صرف میر، نحو میر وغیرہ کو دیکھ کر یہ حیرت کرتا تھا کہ آخر ہمارے اس نظام تعلیم میں فارسی زبان کب تک صالح اور مفید عنصر سمجھا جاتا رہیگا۔ اگر یہ کتابیں اردو میں منتقل ہو جاتیں تو کم از کم اس حیلہ سے اردو زبان کی اہم خدمت ہو جاتی اور ایک نیم دو کاج کا مضمون پیدا ہو جاتا۔ سوچیے کہ عربی زبان تو اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ہمارے مذہبی تعلیمات اور اسلام کا اصلی سرچشمہ موجود ہے اور اردو اس لیے کہ ہندوستان میں ہماری یہ قومی اور ملکی زبان ہے اور تفاسیر و احادیث و مسائل دین کا بہت بڑا سرمایہ اس میں منتقل ہو چکا ہے۔ پس عربی کی قدر باعتبار مذہب کے اور اردو کی ضرورت باعتبار خدمت ملک کے ایسا بدیہی واقعہ ہے کہ اسکا انکار مکابرہ ہے مگر آخر فارسی کس مرض کی دوا ہے۔ اور طلبہ یوسف زلیخا اور فوائد بدر چاچ، رقعات مرزا قتیل، دیوان نظیری وغیرہ میں مکرکر پرانی شاعری اور تغزل کے مذاق سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ یہ زبان مذہبی ہے نہ خود حکومت کی دلپسند ہے۔ پھر ایسی زبان میں عمروں کو اور قیمتی وقتوں کو گنوا دینے سے کیا حاصل؟ الحمد للہ کہ ہمارے مدرسہ سراج الاسلام میں بعض گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی تک حکایات حکمت و نصائح کے پیش نظر تعلیم دی جاتی ہے اور میزان، پنج گنج، نحو میر کی جگہ پر اردو میں مولانا مشتاق احمد صاحب چرتھاولی کی جدید و مفید کتابیں تعلیم دی جاتی ہے

پھر یہ تاریخی حقیقت بھی نہ بھولیے کہ حکومت انگریزی نے فارسی تعلیم کو تو خود دفع الوقتی کے طور پر رائج کیا تھا۔ سر سیدؒ نے لکھا ہے کہ جب انگریزی تعلیم کی قدر دانی سے عام طور پر رجحان انگریزی کی طرف ہونے لگا تو شروع شروع میں عہدے تو خوب ملے لیکن بعد کو انگریزی خوانوں کی بیکاری ہونے لگی۔ اس لیے انگریز مدبرین نے حمایت علوم مشرقی کے حیلہ سے لوگوں کو ادھر ملتفت کرنے کے لیے اسکے بھی اسکول کھول دیے۔ چنانچہ سر سید نے اپنے شکایت نامہ میں بھی اسکو صاف لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۴۲۔

ہر حال مقصود یہ ہے کہ اگر حکومت کو دبیر کامل اور منشی فاضل کی پالیسی کو نباہنا ضروری ہے تو حضرت علامہ اقبالؒ کی علیا نہ کتابیں پیام مشرق، زبور عجم وغیرہ کو مولانا دریابادی کے خالص دیانتدارانہ و مخلصانہ رائے کے مطابق نصاب فارسی میں قطعی ڈال دینا چاہیے اور مدارس و مکاتب سرکاری و غیر سرکاری کو گذشتہ صدیوں کے لایعنی طومار بندیوں کے دفاتر سے مروجہ نصاب کو پاک و صاف کر دینا چاہیے۔

شیعیان مدینہ

اس سال جو حاجیوں کا قافلہ مکہ اور مدینہ کی زیارت سے واپس آیا اس میں ہماری آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے ممبر سید اکبر حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ بھی واپس آئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ خاص مدینہ میں تقریباً چار ہزار شیعہ ہیں جن میں زیادہ تر وہ ہیں جنکا تعلق اہلبیت علیہم السلام کی خدمت کرنے سے غلامانہ حیثیت سے تھا، بہت تھوڑے سے ایسے گھر شہر کے بہت تھوڑے سے ایسے گھر کے شہر کے قریب اور مضافات میں ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ سابق عہد کے مخالف ظلم سے بچنے اور اپنی جان و ایمان کے تحفظ کے لیے دیہاتوں میں کچھ دور جا کر آباد ہو گئے ہو گئے اور وہ نسل بنی ہاشم سے ہیں۔ مدینہ کے سنیوں سے اور دیگر فرقہائے اسلام سے انکو ملنے کا اتفاق ہوا۔ شیعوں نے قصابی، ترکاری فروشی وغیرہ کے قسم کے پیشے اختیار کر لیے ہیں۔ ایک صاحب جو قصابی کا پیشہ کرتے ہیں، شب کو انکے مکان پر انھوں نے عربی زبان میں ایک مجلس پڑھی۔ (سرفراز)

صدق۔ یہ اعداد اور یہ حالات خدا معلوم کس حد تک صحیح ہیں۔ نقل اسی امید پر شائع کی جاتی ہے کہ باخبر ناظرین سے عجب نہیں کہ روایت کی پوری تحقیق ہو جائے۔

دوائے دیمک

(از عبد الماجد)

پچھلے دنوں مکان میں دیمک پیدا ہو گئی۔ پہلے معمولی بات سمجھ کر کچھ زیادہ فکر نہ ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے خود مکان اور مکان کے اندر کی تمام چیزوں کا صفایا شروع کر دیا۔ تنہا کتابوں ہی کا نقصان سیکڑوں تک کا کر دیا۔ بیسیوں نئی اور پرانی، قیمتی سی قیمتی کتابیں بیکار کر دیں۔ تارکول، ہلدی کا پلاسٹر، سرکہ، ہرہر کا خون، گائے کے چھیچھڑے، وغیرہ جتنی دوائیں علم میں آئیں، سب کر دیکھی گئیں۔ تقریباً سب بے نتیجہ رہیں۔ مہینوں گزر گئے، اور مصیبت بدستور رہی۔ حال میں ایک انگریزی دوا تجربہ میں آئی، اور خدا کا شکر ہے کہ وہ پوری طرح کامیاب و موثر ثابت ہوئی۔ کئی ہفتے ہو گئے۔ اور جہاں جہاں وہ دوا چھڑکی گئی، وہاں دیمک کا اب تک پتہ نہیں۔ یہ مصیبت چونکہ عام ہے، خلق خدا کی منفعت کے لیے دوائے مذکور کا نام و پتہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قیمت معہ پچکاری۔ نام: Cowo's White Ant Exterminator

پتہ: Be... & Co. 80 Radice Road Lucknow

حضرت یوسف اور غیر اسلامی حکومت کی رکنیت

(۱۲)

(از ڈاکٹر اسرار احمد خان صاحب بریلی)

اس وقت تو ملک کے باشندوں کی طرف سے ملک کے کلی اختیارات حاصل کرنے کی بابت جد و جہد اور "ہوا ہو" جاری ہے۔ پس ملک کے سیاسی اختیارات میں سے جو کچھ بھی اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسکو نہ لینا ہی نہیں کہ بڑی سفاہت ہے بلکہ گناہ عظیم بھی ہے۔

فرعون مصر اپنے ملک میں مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اسکے نظام حکومت کے رکن بننے کی بابت ایک مسلمان کو تردد ہوتا اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنی سنت سے اس عمل کو جائز قرار نہ دیدیتے۔ لیکن موجودہ گورنمنٹ کی مشینری کا رکن بننا محض جائز ہی نہیں بلکہ لازم ہے۔ کیونکہ یہ ایک تدریجی ذریعہ ہے اس گورنمنٹ کی مشینری کے توڑنے اور ختم کر دینے کا۔

حب غیر و بندگی غیر

ترجمان القرآن کی جس اشاعت میں میرا مضمون مع مولانا مودودی صاحب کے جواب کے چھپا ہے اُسی اشاعت میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون "عبادت و عبودیت" کا کچھ اقتباس بھی چھپا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں حب غیر و بندگی غیر" کے تحت میں امام موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اگر کسی مسلمان کو کوئی کافر ظلمًا قید کرلے اور کوئی فاسق اُس کو زبردستی غلام بنالے تو یہ چیز اُسکے دین و ایمان کے حق میں کچھ بھی مضرت رساں نہیں۔ بشرطیکہ اس قید و غلامی میں بھی اپنی مقدرت کے مطابق وہ واجبات دینی ادا کرتا رہے۔ اسی طرح اگر ایک مسلمان واقعۃً کسی کا غلام ہے اور وہ اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کے حقوق بھی تو اُسکے لیے اللہ کے یہاں دوہرا اجر ہے۔"

پس اگر کوئی فرد اپنے دنیوی آقا کے احکام کی خواہ وہ کافر ہی ہو بسا نہ ہو تعمیل کرتا ہے اور ایسا کرنے سے اُسکے ایمان میں کوئی فرق نہیں آتا تو جو مسلمان کسی غیر اسلامی نظام حکومت میں رہتا ہے اور اس نظام حکومت کے سیاسی اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے اس حکومت کے نظام کا کارکن بنکر کچھ کام کرتا ہے تو وہ کیوں مورد الزام قرار دیا جا سکتا ہے۔

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے پورے طور پر واضح ہوگیا ہوگا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فرعون کے دربار سے تعلق کے متعلق جو مسلک راقم الحروف نے اختیار کیا ہے اور جو فی الحقیقت آیات قرآنی کے لغوی ترجمہ پر مبنی ہے اسکے اختیار کرنے سے کلام ربانی میں یا احکام عدا و ندی میں کسی قسم کا کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا۔

— البتہ اگر مولانا مودودی صاحب کے مسلک کے مطابق اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام [illegible] کا رکن بنتے اسنے منشا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعون کی بیو دینی قبول کرلی تو کلام ربانی اور احکام ربانی میں کھلا ہوا تناقض ضرور پیدا ہوتا ہے۔

مولانا مودودی صاحب اور علماے اسلام

سورۂ یوسف کی آیہ زیر بحث اور حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت سے استدلال کرنے کے علاوہ میں نے اپنے مضمون میں علماء متاخرین میں سے بعض برگزیدہ نفوس کے اقوال سے بھی استناد کیا تھا اور اس باب میں میں نے شاہ عبد العزیز صاحب مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی، حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور جمعیۃ علماء ہند کے اقوال وامثال بطور شہادت کے پیش کیے تھے۔ مولانا مودودی صاحب میری ان شہادتوں کو جھٹلا تو سکے نہیں نہ ان حضرات کا نام بنام ذکر کرکے یہ لکھنے کی جرأت کرسکے کہ اس باب میں جو فتاوے ان حضرات کے ہیں وہ غلط ہیں۔ بلکہ صرف اسقدر کہنے پر اکتفاء کیا کہ "خان بہادر صاحب بڑے بڑے نام لیکر ہم کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں" مولانا مودودی صاحب نے اپنی طویل بحث میں یہی نہیں کہ علماء متاخرین کو شریعت حقہ میں اختراع و ایجاد، حیلے اور رہبانے تراشنے کا مجرم گردانا ہے بلکہ حملہ جاری رکھتے وقت سے اسوقت تک کے جملہ علماء کو اس جرم کا مجرم قرار دیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ

"اور کہیں یہ گمان نہ کیجیے کہ دین میں یہ ترمیم آج کچھ نئی ہوئی ہے [illegible] پر مسلط ہوئے تھے (ہلاکو خاں نے خلافت عباسیہ کا تختہ الٹ دیا تھا اور دار الخلافہ بغداد میں قتل عام کیا تھا، غالبًا تاتار کے تسلط سے یہی واقعہ مراد ہے۔ ناقد) یہی نہیں کہ نظام کفر میں اسلامی زندگی کا نقشہ پہلی مرتبہ اُسی دور کے علماء نے مرتب کیا تھا بلکہ اگر کسی زمانہ میں بڑے بڑے علماء و صلحاء نے خود نظام کفر کی خدمتگزاری اختیار کی تھی اور ان میں کثرت وہ لوگ تھے جنکی کتابیں پڑھ پڑھ کر آج ہمارے مدارس عربیہ میں علماء دین اور مفتیان شرع متین تیار ہوتے ہیں۔ (اس طنز کو ملاحظہ فرمائیے غالبًا ان علماء و صلحاء سے امام غزالی اور امام رازی مراد ہیں۔ بہر حال ناظرین ترجمان القرآن کے ساتھ انصاف کا اقتضا تو یہ تھا کہ ان صلحاء و علماء کے ناموں کو پردۂ خفاء میں نہ رکھا جاتا، تاکہ ناظرین کو اس بات کے طے کرنے کا موقع مل جاتا کہ وہ مولانا مودودی صاحب کی بات کو مانیں یا ان علماء و صلحاء کے اجتہاد کو تسلیم کریں۔ ناقد) اس قدامت کی وجہ سے یہ غلطی ایک مقدس غلطی بن چکی ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر ہمارے زمانے کے فقیہ اور محدث اور مفسر سب اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ (یہ سب فقیہ، محدث اور مفسر تو غلطی پر ہو سکتے ہیں مگر مولانا مودودی صاحب کا غلطی پر ہونا امکان سے باہر ہے۔ ناقد) لیکن یہ ظاہر ہے کہ غلط بات

...اس دلیل سے صحیح ہو سکتی ہے۔

[illegible] یہاں آن ہے ... اسکو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ ... ہوئے ہیں۔ حق کا اثبات ... ہو سکتا ہے تو ... کتاب ... یا سنت ... سے ہو سکتا ہے [...] ... مولانا مودودی صاحب ... حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت ہے ... سمجھ ... آپ ... (۱۰۰)

ادھر کے اقتباس میں مولانا مودودی صاحب ... تحویل سے چلا ... ہو گیا کہ علماء اسلام ... ہے کہ ... غیر اسلامی حکومت کی رکنیت ... ثابت ... وہی ہے جو ... سے لیتی ہے کہ ایک رکنیت ... اپنا ... کرام کو اختیار رہے کہ وہ اس مسلک کو اختیار کریں جو علماء کا متفق علیہ مسلک ہے اور جو ایک نبی یوسف علیہ السلام کی سنت سے ثابت ہے یا مولانا مودودی صاحب کے نئے مسلک کو۔

علماء اسلام کا جو مسلک اس باب میں رہا ہے اور اس پر جو تنقید مولانا مودودی صاحب نے فرمائی ہے اس کا بھی تھوڑا سا نمونہ ... مولانا کی تنقید سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علماء اسلام کا جو مسلک اس باب میں رہا ہے وہ اجتہادی غلطی پر مبنی نہیں ہے بلکہ بدنیتی اور ... پر مبنی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی کی تنقیدات میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) "مسلمان اپنے اصل مقصد زندگی کو بھول کر اور اپنے ... کو چھوڑ کر جب دنیا پرستی میں مبتلا ہو گئے اور دینداری سے معنی جب ان کی نگاہ میں صرف یہ رہ گئے کہ عبادات اور معاشرت میں چند شرعی طریقوں کی پابندی کی جاتی رہے خواہ نظام اجتماعی کی زمام کار صالحین کے ہاتھ میں ہو یا فساق کے ہاتھ میں، تو ان غفلت کی سزا اللہ کی طرف سے اس شکل میں دی گئی کہ ان کی بڑی بڑی آبادیاں کفار کی تابع فرمان ہوتی چلی گئیں (کم از کم پچھلی دو تین صدیوں میں مسلمانوں کی آبادیاں جن کفار کے تابع فرمان ہوئی ہیں وہ سب عیسائی اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ سو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان عیسائی اقوام کو دنیا پرستی، عبادت اور ... ہونے میں ہم مسلمانوں سے کم نہیں ہیں۔ کس اسلامی خدمت کے صلہ میں انکو یہ انعام دیا گیا کہ ہم مسلمانوں کی آبادیاں انکے تسلط میں چلی گئیں۔ ناقد) لیکن انھوں نے اور انکے علماء نے اسے سزا سمجھنے اور اسکی تلافی کرنے کے بجائے الٹی یہ سوچنا شروع کیا کہ نظام کفر میں اسلامی زندگی کیسے بسر کی جا سکے۔ چنانچہ "اضطرار" کے بہانے سے اس غیر شرعی اور اسلامی زندگی کا ایک نیا ... کیا گیا

جو غیر شرعی اور غیر اسلامی نظام کے اندر بسر کی جا سکے۔" (دو ملت ... "اضطرار" کا جو مسئلہ علماء اسلام نے کتاب و سنت سے مستنبط کیا وہ ... سے اس کا ... کوئی ... نہ تھی بلکہ دیدہ و دانستہ غیر شرعی ... ہے ... (ناقد)

(۲) "پھر اس "اضطرار" کے مفروضے کو ... انھیں تنہا ... شروع کیا گیا۔ "اضطرار" کے نتیجے ... "حرمت" کا تصور ... موجود رہتا ہے ..... اس لیے مسلمانوں کو اس "اضطرار" کے ختم کرنے کی فکر ہوئی۔ لیکن پہلے سے ... انحطاط جو مسلمانوں میں چلا آتا تھا اس نے ان کے ذہن کو اس قدر ست ... نہیں ہونے دیا کہ اپنے اس غلط نظریہ پر نظر ثانی کرتے جو نظام ... اسلامی زندگی کے امکان کی بابت انھوں نے ابتدا قائم کیا تھا (مولانا مودودی صاحب اور انکی جماعت اسلامی نظام کفر میں اسلامی زندگی کے امکان کی بابت بہر حال کوئی نہ کوئی نظریہ ضرور رہے۔ نظریہ کیا معنی! مولانا مودودی صاحب اور انکی جماعت اسلامی کے افراد حقیقۃً ایک غیر اسلامی نظام حکومت ہی کے ماتحت رہتے ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں، کھیتی اور تجارت بھی کرتے ہیں شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، غالباً نسل کشی سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ نظام کفر ... جو ٹیکس عائد کرتا ہے وہ بھی بلا چون و چرا ادا کرتے ہیں۔ نظام کفر کی حدود سے ہجرت کرنے اور نظام کفر کے ... بظاہر کوئی عملی اقدام انکی طرف سے ابھی تک نہیں ہوا اس لیے آپ کا بھی تو نظام کفر میں اسلامی زندگی کے امکان کی بابت آخر کوئی نظریہ ہوا ہی پھر آپ میں اور ان متقدمین میں جن پر آپ ... کرتے ہیں کیا فرق ہوا؟ ناقد) اسکے برعکس دینی انحطاط کی رفتار انھیں جس رخ پر بڑھا لے گئی وہ یہ تھی کہ سرے سے "اضطرار" کے بہانہ کو ختم کر دیں تاکہ جو حرمتیں نظام کفر میں ترقیات اور آسائشوں کے دروازے ان پر بند کیے ہوئے تھیں وہ ٹوٹ جائیں۔ اور اباحت ملت میں تبدیل ہو کر رہیں۔ اس غرض کے لیے دین کا ایک نیا نظریہ قائم کیا گیا کہ اسکا تعلق صرف عقائد اور عبادات اور چند معاشرتی امور مثل نکاح و طلاق ... سے ہے۔ اگر ان معاملات میں کوئی نظام حکومت مسلمانوں کو ... دے لے۔ تو اسلامی زندگی کا اصل مدعا حاصل ہو جاتا ہے۔ ... کے بعد دار الکفر دار الامن ہے اور اسکی قانونی اور انتظامی مشینری کے چلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن معاملہ صرف عدم مضائقہ اور اباحت و حلت پر ہی نہیں رکا بلکہ دار الکفر میں مسلمانوں کی ضروریات نے انھیں مجبور کرنا شروع کیا کہ اپنی نئی نسلوں کو خدمت کفر کا شوق دلانے کی کوشش کریں تاکہ ان نقصانات کی تلافی ہو جائے جو اول اول کچھ مدت کے ... نے انھیں پہنچایا تھا اس لیے ایک آخری ... "تصنیف در تصنیف" کا لفظ ملاحظہ ہو کہ ان امور میں علماء اسلام کا کوئی اجتہاد نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے، ناقد) ... گئی کہ مسلمانوں کی ترقی اور ... بعض حالتوں میں انکی زندگی کا ... ہی اس بات پر ہے کہ ... کفر کی عدالتی، تشریعی، انتظامی

[footnote] مولانا پر یہ ایراد صحیح نہیں۔ مولانا کتاب الٰہی اور سنت انبیاء کے حجت قطعی ہونے کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح ساری امت اسلامی۔ البتہ انھوں نے اپنے اجتہاد سے جو تعبیر اس مسئلہ میں کتاب و سنت کی کی ہے وہ صحیح نہیں (صفدر)

فوجی، صنعتی غرض تمام شعبوں میں زائد سے زائد حصہ لیں۔ اس دلیل سے بیک جنبش قلم جس چیز کو جو کل تک صرف "مباح" کے مقام پر تھی، فرض کفایہ کے درجہ پر پہونچا دیا۔ دین میں بھی ترمیم (دین میں یہ ترمیم تھی، علماء کا دیانتداری کے ساتھ اجتہاد نہ تھا، ناقل) تھی جسکی بدولت بڑے بڑے متقی دیندار حضرات شعبوں کو گردش دیتے ہوئے ذکات وصنعت کے پیشوں میں داخل ہوئے"۔

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کی تنقید علماء اسلام کے ان فتاویٰ کی بابت، وقتاً فوقتاً صادر فرمائے۔ ان میں سے کوئی فتوے مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ایک جائز شرعی اجتہاد کا درجہ نہیں پاتا، بلکہ یہ سب فتاویٰ حیلے اور بہانے ہیں یا شرع اسلامی میں ناجائز ترمیمیں۔

میں نے "حکومت وقت" کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے کیونکہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے نزدیک خلفائے راشدین کی حکومتوں کے بعد جملہ اسلامی حکومتیں بھی حکومتہائے فاسدہ تھیں۔ اس لیے ان سب کی رکنیت یا نوکری بھی ایک مسلمان کے لیے اسی طرح ناجائز تھی جس طرح کہ ایک کافرانہ نظام حکومت کی نوکری۔

امام ابو یوسفؒ جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی بغداد تھے وہ بھی اسی زمرے میں داخل سمجھے جائیں گے۔

مولانا کی مذکورہ بالا تنقید سے یہ نتیجہ صرف نکلتا ہے کہ جملہ علمائے اسلام "علماء سوء" تھے۔ اس لیے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی زندگی میں خلافت راشدہ کے تیس سال کو چھوڑ کر کچھ علماء حق بھی پیدا ہوئے یا نہیں؟ اگر پیدا ہوئے تو انھوں نے ان علماء سوء کے ناجائز فتاوے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں؟ اور اس اور تحریک کی بابت مولانا مودودی صاحب کے سفینۂ شہود پر آنے سے پیشتر ایسے فتاوے صادر فرمائے یا نہیں جو شرعاً حق اور جائز وصحیح ہوں؟

معاملہ کے یکسو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مولانا مودودی صاحب علماء کی نہیں تو ان میں سے سربرآوردہ علماء کی ایک فہرست "ترجمان القرآن" میں شائع فرما دیں جنھوں نے فاسد نظام حکومت میں مسلمانوں کی زندگی بسر کرنے کے متعلق وہ بہانے اور حیلے تراشے ہیں اور وہ ترمیمیں کی ہیں جیکا حوالہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی محولہ بالا تنقید میں دیا ہے۔ نیز ان علماء حق کی بھی ایک فہرست شائع فرما دیں جنھوں نے ان علماء سوء کے قول کی تردید کی ہو۔ فقط والسلام

صدق ۔ مولانا مودودی کی تحریک کا نقطۂ آغاز بالکل صحیح اور قابل قدر ہے۔ امت میں غیر اسلامی نظام حکومت بلکہ پورے ماحول سے متعلق جو بے حسی اور جمود کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور اس پر بالکل قناعت کر لی گئی تھی، اسے ضرور توڑنا تھا۔ مسلمان کا صحیح نظر (آئیڈیل) تو بہرحال حکومت اسلامی ہے اور یہی ہونا چاہیے اور اسکے لیے اپنے اپنے ظرف، استعداد، وسائل، ہمت کے موافق کوشش بھی ہر فرد امت پر واجب ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا اس میں غلو کر کے اس نظریہ تک پہونچ گئے کہ غیر اسلامی حکومت وماحول سے اشتراک عمل ہر صورت اور ہر حال میں، اور ہر درجہ میں حرام ہے۔ اور اسکے لیے بعض آیات قرآنی کی تفسیر سیرت رسول اور تاریخ امت کی ایسی ایسی تاویلیں بعض اوقات کرنی پڑنے لگیں، جو مسخ کر دینے کی حد تک پہونچ جاتی ہیں۔ ان جیسے زبردست اور سلیم الفکر صاحب قلم کا اہل حق کی صف سے نکل جانا، ملت کی بدقسمتی ہے۔ اللہ میں اب بھی قدرت ہے کہ مسلک حق ان پر واضح کر دے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

صادق علی خاں صاحب (حیدرآباد دکن)

ہر پرچہ کا ایک خاص سیاسی اور ایک خاص موضوع ہوتا ہے۔ آپ کا مراسلہ صدق کے لیے موزوں نہیں۔ آپ نے اپنا پتہ لکھ دیا ہوتا تو مراسلہ آپ کی خدمت میں واپس بھیجدیا جاتا۔

ایک مضمون نگار صاحب کے اسم گرامی کی تصحیح

صدق ۱۳ میں قصبوں اور اسلام کے نام سے جو مضمون شائع ہوا ہے اسکے مضمون نگار کا اسم گرامی بدر الدین صاحب ہے۔

ضرورت معلم

قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں ایک معلم کی ضرورت ہے جو اردو فارسی کے علاوہ ابتدائی عربی اور انگریزی کی بھی تعلیم دے سکیں۔ علاوہ ازیں مسجد میں امامت کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شائقین اسکے بارے میں بذریعہ خط وکتابت گفتگو فرمائیں۔

حکیم عبد القوی ۔ قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی

تحفۂ خسروی

حاکم ومحکوم کے تعلقات پر قرآن وحدیث اور علمائے اسلام وحکمائے یونان کے اقوال کا مجموعہ۔ اڈیٹر صاحب صدق کی ایک نہایت قدیم دو سال قبل کی تالیف۔ ساڑھے چار آنہ بھیجنے پر ارسال ہوگا۔

ملنے کا پتہ:- محمد تقی خاں ۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ - باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کی مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ ۔ گوئن روڈ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴ /
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ /

نمبر ۶۲	شنبہ ۔ [illegible] محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

اپنی فلاح و بہبود کی دعا ہم نے ، آپ نے ، کس نے نہیں کی ہے؟ اور بار بار نہیں کی ہے؟ لیکن فلاح و بہبود سے عموماً مراد کیا رہی ہے؟ وہی روپیہ ، پیسہ ، دولت ، رزق کی وسعت کے لیے ، معیشت کی فراخی کے لیے ، گھوم پھر کر الفاظ کچھ لائیے ، لفظ و عبارت میں جو کچھ چاہیے اور دل سے کام لیجیے ، مغز و مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ جو کچھ اب مل رہا ہے ، اُس سے زیادہ ہی ملنے لگے! ——— دعائیں بارہا قبول بھی ہوئیں ۔ آرزوئیں بارہا بر بھی آئیں ۔ سو والے کو ہزار ملنے لگے ، اور ہزار والے کو ہزاروں نصیب ہو گئے ، لیکن تجربہ نے سبق کیا سکھایا؟ عملاً نتیجہ کیا حاصل ہوا؟ کبھی کسی کی پیاس بجھی؟ کبھی کسی کو قرار آگیا؟ کہ بس اس سے زیادہ نہ ملے؟ یا برعکس اسکے ہوس کی آگ اور بھڑکتی گئی؟ طلب و خواہش کی پیاس اور بڑھتی گئی؟ ——— سیکڑوں اور ہزاروں اور لاکھوں کیا ذکر ہے ، جنھیں بڑی سی بڑی بادشاہتیں مل گئیں ، اُن کی طلب و خواہش کا دامن بھی اسی طرح پھیلا ہوا ، اُنکے اندر کی آگ بھی ویسی ہی شعلہ زن!

ہم چنان اندر پئے اقلیم دگر!

روحیدرآباد واشنگٹن برطانیہ پر ۔ برطانیہ کے دانت امریکہ پر لگے ہوئے!

کیوں نہ اتنے تجربوں کے بعد ایک بار ذرا ان کوششوں اور خواہشوں کا رخ بدل کر دیکھیے ۔ اور بجائے دولت ، دولت کی رٹ اور پکار کے ایک بار دولت قناعت کو طلب کیجیے ——— کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک حکیم گزرا ہے ، سب داناؤں سے بڑھکر دانا ، اور سارے عاقلوں سے زیادہ حقیقت شناس ۔ اب وقت ہے کہ اُس کی بتائی ہوئی دعا بھی کبھی وردِ زبان کر لیا کیجیے :-

اللھم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیہ ۔	اے اللہ تو نے مجھے جو کچھ بھی دیا ہے اُسی پر مجھے قانع کر دے ، اور اُسی میں میرے لیے برکت رکھ دے!

اور سنا جاتا ہے اور معتبر روایتوں میں یہ دعا بھی تو اُسی کی سکھائی ہوئی ہے:

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک ۔	اے اللہ حرام رزق سے بچا کر اپنے حلال رزق ہی کو میرے لیے کافی کر دے! اور اپنے فضل کے سوا سب کی طرف سے مجھے بے نیاز بنا دے!

آمدنی میں اضافہ کے سیکڑوں ہزاروں ذریعے سوچتے رہنا ، دن رات تنخواہ میں ترقی ، کاروبار میں ترقی ، "دستِ غیب" میں ترقی ، کی فکر اور اُدھیڑ بن میں پڑے رہنا اچھا ، یا سب پر لات مار کر قناعت اور بے نیازی کی دولت سے سرفراز ہو جانا اچھا ہے ——— دل کے چین اور مسرت کا چشمہ دل کے اندر سے اُبلتا ہوتا ہے ، یا اُسے لانے کے لیے کہیں باہر جانا اور ہاتھ پھیلانا ہے؟

آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد!

---

۸۸ سال کا نوجوان!

نیوز کرانیکل (لندن) نے خبر دی ہے کہ کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ پر پہنچنے کی تازہ کوشش (جو ساتویں کوشش ہے) عنقریب شروع ہو گی ، اور یہ مہم ۱۹۴۶ء میں عملی شکل حاصل کر سکیگی ۔ محققین کا مختصر سا قافلہ چھ ارکان پر مشتمل ہوگا ، اور قافلہ کے سالار ایک مشہور انگریز کوہ پیما ارک شپٹن ہونگے ، یہ ۲۹ ہزار فٹ تک ہمالیہ پر چڑھ چکے ہیں ۔ انکی عمر اس وقت ۸۸ سال کی ہے ، ۱۹۴۶ء تک پورے ۹۰ سال کے ہو جائیں گے ○ (۱۸ - دسمبر ۱۹۴۵ء)

شہر میں ہمارے آپ کے کام کی چیز سالارِ قافلہ کی عمر ہے۔ ۸۰ یا ۹۰ سال! اسی عمر میں اور یہ حوصلہ! ایورسٹ کی چڑھائی کوئی معمولی کارنامہ ہے؟ اچھے اچھے مضبوط اور آزمودہ کار جوانوں کی بھی ہمتیں جواب دے جائیں گی۔ اور پھر نِری چڑھائی ہی نہیں، مہم کی ساری انتظامی اور عملی سرداری بھی! یہ ہیں زندہ قوموں کے زندہ کارنامے۔ ہمارے ہاں کے پچاس سال بلکہ پینتالیس اور چالیس سال کی بھی عمر والے آتا جگر رکھتے ہیں! ——— دنیا میں اگر سربلندی حاصل کرنا اور "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" کا مصداق بننا ہے، تو محض تلاوت و تسبیح ہرگز کافی نہیں، محنت اور تحمل، مشقت کے امتحان قدم قدم پر دینے ہونگے۔

"صاحب" کی "رواداری"

ٹوکیو۔ جنرل میک آرتھر کے تازہ فرمان کے بموجب جاپان کا سرکاری مذہب شنتو ازم آج سے ختم ہوگیا۔ اب اسکا حکومت اور کاروبارِ سلطنت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ میکاڈو (شہنشاہِ جاپان) کی الوہیت پر بھی آج سے مہر لگ گئی۔ اب وہ دیوتا یا اوتار نہیں، عام لوگوں کی طرح معمولی انسان ہیں" (خبر)

شنتو دھرم، جاپان کا قومی اور ملکی مذہب، ایک ذکیہ مذہب تھا۔ جس میں حلول کے واسطے سے الوہیت کا درجہ شاہِ جاپان کو حاصل رہتا تھا، یہ توحید کے نقطۂ نظر سے اچھا ہوا کہ ۔۔۔ سال کے بعد اس شرکِ جلی کا وجود مٹا۔ لیکن ازراہِ کرم تاریخ سے دریافت کرکے یہ ارشاد ہو کہ مسلمانوں نے دورِ خلافتِ راشدہ سے لیکر اسوقت تک کن کن مذہبوں کو مٹا کر رکھا؟ یہود، مسیحی، مجوس، ہندو، جین، بدھ، سب ہی انکے زیرِ حکومت، انکی رعایا رہے ہیں، ان میں سے کسی کے مذہب کو بھی انھوں نے مٹایا؟ ——— اس پر بھی مسلمان ظالم تھے، سفاک تھے، وحشی تھے! اور برطانیہ و امریکہ "روشن خیال" ہیں، رواداری کا مجسمہ ہیں، اور مذہبی تعصب و تنگ خیالی سے منزلوں دور ہیں!

حکومتِ جاپان ظاہر ہے کہ اب اس مذہب پر ایک پیسہ خرچ نہ کرسکیگی، لیکن حکومتِ ہند کا محکمۂ مذہبی ECCLESIASTI CAL DEPT) جو بے دریغ لکھوکھا روپیہ ہر سال تثلیث اور مسیحیت کی تبلیغ، ترویج اور تقویت پر صرف کررہا ہے، اسکے جواز کی کوئی دلیل "روشن خیال" اور "روادار" برطانیہ کے پاس ہے؟

"مسلم" کلچر

شیعہ آرگن کی شکایت:—

"مسلم لیگ نے اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے راجہ صاحب محمود آباد اور مسٹر جناح کو اپنے ظلِّ عاطفت میں جگہ دے رکھی ہے۔ ورنہ عام طور پر لوگ اسکو سُنّی لیگ خیال کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے زیادہ تر شیعہ اس سے الگ ہیں ۔۔۔۔ شیعوں کا کلچر، مذہبی حقوق اور بہت سی مخصوصیتیں ایسی ہیں، جنکی امتیازی وجہ سے شاید انکو کافر اور غیر مسلم یعنی ہندوؤں کے اچھوت سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے"

لیکن مسلم لیگ کے پروگرام میں تو شاید سب سے بڑی اور اہم دفعہ مسلم کلچر ہی کی حفاظت کی ہے، اور دور رسالت سے زیادہ زور دیا جارہا ہے۔ مگر وہ یہ مسلم کلچر کیا ہے بجز اصلاً و نسلاً شیعہ کلچر کے! اچھے اور بُرے سے یہاں بحث نہیں، بحث نفسِ واقعہ سے ہے۔ واقعیت کے لحاظ سے کس کو اس سے انکار ہوسکتا ہے کہ ہمارے تمدن، ہماری معاشرت، ہمارے آداب و رسوم، ہماری زبان و ادب، سب پر سب سے زیادہ نمایاں اثر شیعہ عقائد، شیعہ اخلاق، شیعہ مراسم ہی کا ہے۔ اور موجودہ مسلم کلچر کا تحفظ درحقیقت شیعہ کلچر کا تحفظ ہے! ——— غریب مسلم لیگ! شیعہ کلچر کے تحفظ کا یہ صلہ خود شیعہ حلقوں سے! وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بیچے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لُٹاتا نہ گھر کو میں!

ایک نئی گالی

"سرسید کی اولاد جو علیگڈھ کے زیرِ سایہ پل رہی ہے ۔۔ ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے، جنھوں نے مولانا [ابوالکلام] کے ڈبہ میں داخل ہوکر اپنی پتلونیں اتار دیں اور اپنی شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا ۔۔۔۔ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالمِ دین کی بےحرمتی کرنے میں سرسید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ انکی ٹوپی جلا دی گئی، انکی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا"

(تقریر مولانا عطاء اللہ بخاری۔ سندر بیہ زمزم وہند)

جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے، اُسکے ستو صحیح ہونے سے قطع نظر کیجیے، اسے بھی جانے دیجیے کہ جسوقت "ولا تقف ما لیس لک به علم، ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنه مسئولا" کی تعمیل علم کی بابت پُرسش ہو رہی ہوگی، اُسوقت اس خطیبِ اعظم کے پاس کیا جواب ہوگا۔ یہاں داد صرف اسکی دیجیے، کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ہاتھ آگئی۔ "سرسید کی اولاد"! ——— "بچۂ شتر"، "اولادِ حرام"، "ذریتِ شیطان" ۔۔۔ "ابلیس" کے قبیلہ کے الفاظ کو سیار کب ہو گئے تھے، انھیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنایت سے خوب مل گیا!

پاپیوں کا راج

"۱۸۔ دسمبر۔ لندن۔ سرکلاڈ آکنلک کی درخواستِ طلاق لیڈی آکنلک کے خلاف کل عدالت سے منظور ہوگئی۔ اور سرموصوف کو ڈگری مع خرچہ کے مل گئی۔ مسٹر ۔۔۔ مدعا علیہ ہوائی سپہ سالارِ ہند چیف مارشل سر چارلس پیرز تھے۔ ۔۔۔ کا بیان یہ تھا کہ سر چارلس جب ہندوستان میں اس عہدہ پر تھے اُسی زمانہ میں لیڈی آکنلک سے اُنکے دوستانہ تعلقات قائم ۔۔۔ اور جب وہ ہندوستان سے واپس ہوئے تو برائٹن ہوٹل کے ایک ۔۔۔ میں میاں بیوی کی طرح ٹھہرے" (رائٹر)

"۱۸۔ دسمبر۔ لندن۔ سابق وزیرِ اعظم مسٹر چرچل کے لڑکے میجر رانڈولف چرچل کے خلاف طلاق کی جو درخواست ۔۔۔

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۴

بہ سلسلہ صدق ۲۰۶

(از عبد الماجد)

۲۰۴۔ ومنهم من يقول ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار	اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھ[۲۳۸]

۲۳۸ یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے مومنین کی دعائیں، مناجاتیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔

حسنۃ وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے' اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی

ان حسنة نكرة في سياق الدعاء فهو محتمل لكل حسنة من الحسنات على البدل (قرطبی)

والحسنة الكاملة في الدنيا ما يشمل جميع حسناتها (روح)

دنیا میں حسنۃ توفیق خیر ہوئی' اور آخرت میں حسنۃ ثمرۂ خیر

والذي عليه اكثر اهل العلم ان المراد بالحسنتين نعم الدنيا والآخرة وهذا هو الصحيح فان اللفظ يقتضي هذا كله (قرطبی)

ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول صلعم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔

كان اكثر دعوة يدعو بها النبي صلعم يقول اللهم اتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (بخاری و مسلم۔ عن انس)

مال، اولاد، صحت، اطمینان، وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہو سکتی ہیں' خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ محض دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔

آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ آتنا کا مفعول صرف حسنۃ ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جا رہی ہے وہ حسنۃ یا بہتری ہے، في الدنيا اور في الآخرة صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے۔ وہ دنیا میں ہو تو بھی' اور آخرت میں ہو تو بھی'۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں یہ اعمال خیر عنایت ہوں اور آخرت میں ثمرات خیر۔

۲۰۵۔ اولئك لهم نصيب مما كسبوا والله سريع الحساب	یہ وہ لوگ ہیں جنھیں حصہ ملے گا[۲۳۹] بوجہ اسکے کہ جو انھوں نے عمل کر رکھا ہے اور اللہ حساب بہت جلد لے لیگا[۲۴۰]

بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے بلکہ قرآن خود طلب دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! ——— تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ منا الله کی غلطی اوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلب دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمت اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے!

۲۳۹ (دونوں جہانوں میں۔ اور یہ گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے)

۲۴۰ (اور یوم حساب خود ہر لمحہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اُس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل و دانش نہیں)

مما کسبوا میں من سببیہ ہے۔

اے من اجل ما كسبوا (بحر) من اجله (بیضاوی)

سریع الحساب اُس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرنے یا بندوں کو اُنکے اعمال کی جزا دینے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

اے سریع المجازاة للعباد باعمالهم (قرطبی)

جاہلی قوموں نے اس وصف خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

۲۴۱ یعنی ایام تشریق میں' زمانۂ قیام منی میں۔

منی مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت ہی پختہ اور عالیشان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔ صاحب حیثیت حاجی انھیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پُر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آ جاتی ہیں

تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات و مزدلفہ سے واپسی میں ۱۰ کو صبح یہاں پہونچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہر حال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات و سنن و مستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اتارنا۔

واذكروا الله اوپر حج کا ذکر بیان آیا، اور ذکر الٰہی کی تاکید

۲۰۶ - ۞ اذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقی واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون

اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر) یاد کرتے رہو۔ جو شخص[۲۴۱] (ان) دو دنوں میں جلدی کر بیٹھے اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں[۲۴۲] (یہ) اُسکے لیے ہے جو ڈرتا رہتا ہے[۲۴۳] اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اُسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے[۲۴۴]

...پھر شروع ہو گئی۔

تکبیر کی کثرت قیام زمانہ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے۔

ایام معدودات اس پر صحابہ و تابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانہ تشریق ہے۔

خلاف بین اہل العلم ان المعدودات ایام التشریق و قد روی ذالک عن علی وعمر وابن عباس وابن عمر وغیرہم (جصاص)

۲۴۲ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں - اب اگر کوئی شخص ۱۰ کے بعد صرف دو دن قیام کر کے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے، اور جسکا جی چاہے ۱۳ تک وہیں ٹھہرا رہے، جب بھی درست ہے۔

امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۲ کو وہیں ٹھہرا ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کر لے - اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ تک ٹھہرا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کر ڈالے۔

فلا اثم علیہ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے۔ گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں - یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل و مفضول نہیں - اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں - فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ کا قیام افضل ہے۔

۲۴۳ یعنی یہ سب احکام نافع اُسی کے حق میں ہو سکتے ہیں جو دل میں خوف خدا و خشیت الٰہی رکھتا ہو۔

تقوے الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بیکار نہیں۔ مومن کے دل پر تقوے کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے - وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو!

۲۴۴ (اور اُسی کے سامنے سارے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا)

یہ یاد دہانی حفظ اعمال میں کس درجہ موثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔

معذرت

نہایت افسوس ہے کہ اس نوٹ کی سطور بیشتر سے اڑ گئی ہیں - اتنے حصہ کو صدق کے آیندہ پرچہ میں انشاء اللہ شائع کر دیا جائیگا -

۲۰۷ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وہو الد الخصام

اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ[۲۴۵] اس کی گفتگو دنیوی غرض سے تجھے اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اسکے دل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ شدید ترین دشمن ہے۔[۲۴۶]

۲۴۵ (اس کی چرب زبانی کی بنا پر، اسکے ادعائے اسلام و حُبّ اسلام کے باعث) - اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا - آخرت کے قائلین و معتقدین کا اور آخرت کے معتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا - اب ذکر تیسری قسم، اور منافقین کا ہوتا ہے - اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے۔

ومن الناس لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو - ایک بھی ہو سکتا ہے، بہت سے بھی ہو سکتے ہیں -

اشارۃ الی بعضہم فیصح الواحد ویحتمل الجمع (کبیر)

فی الحیوۃ الدنیا ۔ فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود اُسکے محض حصول دنیا ہوتی ہے، طلب آخرت نہیں -

یطلب بہ حظا من حظوظ الدنیا (کشاف) لطلب مصالح الدنیا (کبیر)

فی ' باب میں، یا ' دوبارہ ' کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے - اس صورت میں معنی ہونگے کہ " دنیوی امور سے متعلق "۔

ای یقولہ فی امور الدنیا واسباب المعاش (بیضاوی) در باب تذکاری دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی)

شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص خوش منظر و خوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا - مجلس رسولؐ میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان و اسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا - لیکن جب مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی حیلہ سازیوں میں لگ جاتا۔

تولت فی رفقس من غزوۃ تبوک (ابن جریر) کان رجلا حلو الکلام منہا انظر (معالم) کان منافقا حسن العلانیۃ خبیث الباطن (کبیر) مگر شان نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود رہے، بلکہ جہاں کہیں بھی وہ صفات پائے جائیں گے، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہو گی۔

القول الثانی فی الآیۃ وہو اختیار اکثر المحققین من المفسرین ان ہذہ الآیۃ عامۃ فی حق کل من کان موصوفا بہذہ الصفات المذکورۃ (کبیر)

وغیرہ (اللہ کے دین کا اللہ کے رسول کا)۔

<u>یشہد اللہ</u> ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے۔ قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرتا ہوا ہے۔

یقول لا تبلک ویحلف باللہ علی ذلک (معالم)

رسول سے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے ملتی ہے۔

منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کراتا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپ اُسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری جنوری سنہ ۴۶ء میں ختم ہو رہی ہے۔ براہ عنایت قریبی فرصت میں اپنا چندہ بھیجدیں۔ ورنہ جنوری سنہ ۴۶ء میں وی پی روانہ ہونگے۔ اور وی پی میں خرچ زائد ہوتا ہے:-

۱۲۲۴	۱۲۷۸	۱۵۴۷	۱۵۹۹
۱۶۰۹	۱۶۱۱	۱۶۲۱	۱۶۲۲
۱۶۲۳	۱۶۲۴	۱۷۲۸	۱۷۳۸
۱۷۷۵	۱۵۴۲	۱۵۲۱	۱۳۸۰

مہتمم صدق لکھنؤ

دلائل ہستی باری تعالیٰ

یہ کتاب صانع عالم حق تعالیٰ کے وجود اور وحدت کے اثبات پر لکھی گئی ہے، جو روشن خیالوں" دہریوں کی تردید کے سلسلہ میں مستند دلائل واضحہ پر مشتمل ہے۔ طلبۂ کرام کے علاوہ تمام ناظرین کرام اُردو، ان حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے۔ صدق ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء میں مولانا دریابادی مدظلہ نے اس پر ایک تقریظ بھی لکھی ہے۔ قیمت فی نسخہ علاوہ محصولڈاک آٹھ آنے ہے ۔ ٹکٹ بھیجکر طلب کریں۔

پتہ:- (۱) دفتر اخبار اہلحدیث۔

(۲) مدرسہ جعفریہ ڈاکخانہ ستارگنج ضلع بستی

عبدالرؤف رحمانی

قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تعلق

(جناب مولوی عبد الرؤف خاں صاحب سراج العلوم جھنڈا نگر کے قلم سے)

قرآن کریم کی نسبت ہمارا وہی اعتقاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لیے خود ہی تجویز فرمایا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے "وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومہیمنا علیہ" ۔ ہم نے تیری طرف سچی کتاب اُتاری ہے جو پہلی کتاب کی مصدق ہے اور علاوہ مصدق کے اس پر خبرگیر بھی ہے۔ اس آیت میں پہلے کتابوں کی تصدیق کرکے اُنکے بعض مضامین کے مخلوط اور محرف ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اسی سبب اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کو ان کے مضامین کا مہیمن (محافظ و نگراں) قرار دیا ہے۔ پس قرآن مجید کے دو لقب ہیں۔ ایک مصدق ۔ دوسرا لقب مہیمن ۔ اب دیکھیں کہ قرآن شریف کے مصدق ہونے کی وجہ وعلت خداوند تعالیٰ نے خود واضح فرما دی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن شریف محض مصدق کتاب ہو تو ایک نئے لقب کے ساتھ اسکے نزول کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پس اس شبہہ کے دفع فرمانے کے لیے خداوند تعالیٰ نے اسکے متصل ہی فرمایا کہ علاوہ تصدیق کرنے کے مہیمن بھی ہے۔ یعنی قرآن مجید کا نزول اس لیے ہوا کہ اگلی کتابوں (انجیل، توراۃ وغیرہ) میں جو نقص اور حوادث اور معانی کم وبیشی پیدا ہو چلی۔ اور وہ مراد الٰہی تعلیم خداوندی کے کیسر منافی تھی۔ ان میں اپنے نزول اجلال اور فیصل الخطاب سے اصلاح کرے۔ اور اس کی غلطیوں کو واضح اور آشکارا کر دے۔ شیخ سعدیؒ نے خوب لکھا ہے۔

ز ازلات و عزی بر آورد گرد ۔ کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

ہمیں اس موقع پر قرآن کریم کے مصدق ہونے سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم نے اُن عقائد و اعمال میں کیا کیا اصلاحیں کی ہیں۔ اور وہ یہ کہ کتنی اہم اور ضروری تھیں۔ باوجود ان اصلاحی کارناموں کے جنکی فہرست ہم بعد میں لکھیں گے قرآن کریم کو بعضوں نے بائبل وغیرہ کی عین نقل بتلایا، اور اسی سے ماخوذ کہا ہے۔ چنانچہ رسالہ ہمارا قرآن صفحہ ۳۰ پر پادری سلطان محمد خاں صاحب نے لکھا ہے "اگر ہم ان اقتباسات کو جنکو ہم نے مقابلۃً انتخاب کیا ہے، اپنا حق کہکر قرآن مجید سے علیحدہ کر لیں تو قرآن مجید میں کیا باقی رہیگا" اور اس سے بڑھکر بعضوں نے قرآن کو بلا ضرورت کہدیا اور قرآن کریم کے مصلح ہونے سے انکار کر دیا۔ اور بعضوں نے عدم ضرورت قرآن پر مسئلۂ نسخ کو بے بنیاد کہکر اعتراض کیا۔ ان میں سے ہر ایک خیال کی ہم الگ الگ تردید کریں گے۔

پادریوں کا شبہہ اول

زمانۂ قدیم کے پادریوں نے بھی اور زمانۂ حال کے پادری سنڈل

محرّم

اسلامی تعلیمات کے نقطۂ نظر سے ماہ محرم کی کوئی اہمیت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے عہد میں یہ ایک مہینہ تھا دوسرے مہینوں کی طرح۔ البتہ عرب میں سال کے چار ماہ جن میں جنگ و قتال حرام تھا، یہ مہینہ بھی ماہ حرام تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے بھی اس حرمت کو قائم رکھا۔ کیونکہ اس کی منزل تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی پورے سال جنگ و جدال سے الگ رہے اور خدا کی زمین پر کامل امن و امان قائم رہے۔ لیکن ۶۱ھ میں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دشتِ کربلا میں واقع ہوئی تو جو لوگ حبِ اہلبیت کے نام سے امت میں تفرقہ، خانہ جنگی اور قتل و ہلاکت جاری کرنے کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو تبلیغ مقاصد کا ذریعہ بنا لیا۔

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی بعض نہایت الم انگیز سانحات پیش آچکے تھے۔ مگر چونکہ اسلام کا مزاج ماتم گساری اور سینہ کوبی سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ اسکے نزدیک زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مسرت کا ہو یا غم کا، زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اور زندگی مسرت اس لیے ہے کہ خدا کی راہ میں کام آئے۔ اس لیے مسلمانوں نے واقعاتِ شہادت کو غم انگیزی اور ماتم آرائی کا ذریعہ بنانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بڑی اندوہ آفریں اور جگر گداز تھی مگر ایک وقتی حزن و ملال کے علاوہ جو ہجر و فراق کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے جو غالباً تمام انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی سانحۂ الیمہ ہے۔ اسکو بھی اسلامی تاریخ کا کوئی مستقل عنوانِ غم نہ بنایا گیا۔ بلکہ اللہ کے رسول کے حقیقت آشنا دوستوں نے داماد رسول اور پیروانِ حق کے امیر و امام کے جنازے کو اندوہگیں قلوب اور پرنم آنکھوں کے ساتھ کندھا دیا، جنت البقیع میں اُسے پہونچایا، اُنکی میت کو سپرد خاک کرکے دعائے مغفرت کی اور قصہ ختم کر دیا۔

فی الحقیقت پوری انسانی تاریخ میں ——— صرف اسلامی تاریخ ہی میں نہیں ——— شہادتِ حسینؓ کے غم آفریں سانحے کو جو شکل و نوعیت دیدی گئی اسکی مثال کہیں نہیں ملتی۔ سانحہ بہت المناک تھا۔ ایک مردِ حق کا اپنے تمام کنبے کے ساتھ مصیبت و تکلیف کے انتہائی ماحول میں بیکسی کے ساتھ جان دیدینا معمولی واقعہ نہیں، مگر اس واقعہ کا جو استعمال محبانِ اہلبیت نے کیا وہ نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ غیر شریفانہ اور غیر انسانی بھی ہے۔

سب سے پہلے تو اسکو صرف غم و اندوہ کا سامان بنایا گیا۔ گویا اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ سینہ کوبی کی جائے اور صرف چند آنسو بہا لیے جائیں۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کا جو عظیم الشان کارنامہ سرانجام ... [illegible] ... نہ صرف یہ تھی کہ ماتم و سوگواری کی ایک مستقل یادگار قائم کر دی جائے، تاکہ امت میں ایک رونے رلانے والا گروہ پیدا ہو جائے جسکے نزدیک نجاتِ اخروی کا مدار ہی غمِ حسینؓ پر چند آنسو گرانا ہو۔

دوسرے اس واقعۂ شہادت کو شتمِ صحابہ اور سبِ صلحا کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ گویا حسین رضی اللہ عنہ کو میدانِ کربلا میں کوفیوں نے قتل نہیں کیا تھا جو چند روز پیشتر حامیانِ حسینؓ تھے، بلکہ صدیق و فاروق اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تلوار چلائی تھی۔ اور کسی واقعہ کی اتنی غلط اور بیہودہ تعبیر سے انسانی تاریخ یکسر خالی ہے۔

تیسرے شہادت کی جو اصل غرض و غایت تھی اور اسکے جو حقیقی اسباب تھے، اُن پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اور اسے سیاسی پروپگنڈے کے لیے آلۂ کار بنا لیا گیا، جسکا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت و امارت کے خلاف گروہ بندی کی جائے اور بالآخر جب بنی امیہ کا اقتدار ختم ہو گیا اور منصور و سفاح کے ذریعہ بنی عباس برسرِ حکومت آگئے تو پھر اُنکی جڑیں کھودنے میں واقعاتِ کربلا کو آلۂ کار بر آری بنایا جانے لگا۔ یہاں تک کہ امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اور خانہ جنگی کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو جائے کہ اسلام کی سطوت و طاقت بالکل ختم ہو جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی حقیقی صورت نہیں کہ انھیں دشتِ کربلا میں اعزہ و اقربا کے ساتھ شہید کر دیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ اُن کے مقصدِ شہادت کا نقشہ بگاڑ دیا گیا۔ اور انکو انسانی تاریخ میں ایک طالبِ حکومت جنگ آزما شخص کی حیثیت میں جگہ دیدی گئی۔ جس نے حریف کے سامنے بیکسی سے اپنی جان دیدی۔ غور فرمایئے کہ اگر حقیقت اتنی ہی ہے تو کردارِ حسینؓ میں کونسی عظمت باقی رہ جاتی ہے؟

لیکن حاشا و کلا شہیدِ کربلا کی زندگی اس قسم کی پست اغراض و مقاصد سے بالکل پاک ہے۔ حقیقت میں اُن کی زندگی کی ساری جد و جہد اسلام کے چند بنیادی اصولوں کی حفاظت پر مرکوز رہی اور بالآخر اسی راہ میں انھوں نے شہادت پائی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس مرحلے پر امت کی تاریخ کے پردے پر نمودار ہوئے ہیں وہ اپنی نوعیت میں نہایت نازک تھا۔ اُس وقت اسلام مشرق و مغرب اور ایران و روم میں پھیل چکا تھا اور اسکی تہذیب کی ٹکر جاہلی تہذیبوں سے ہو رہی تھی۔ اس ٹکر کا سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اسلامی اسٹیٹ کا نظم صرف ان اصولوں پر قائم ہو کہ اسکی بنیاد صلحائے امت کے مشورے پر ہو یا قیصر و کسریٰ کے رسم و رواج کے مطابق ولیعہدی، جانشینی اور نسلاً بعد نسل ملوکیت کے نظام و اصول پر۔ بدقسمتی سے ایک طبقہ خلافتِ راشدہ کے آخری دور کے واقعات سے اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ امت میں اب صلحا کی اتنی تعداد اور اسکا اثر اتنا نہیں رہا کہ کشت و خون کے بغیر امارت و خلافت کا فیصلہ ہو سکے۔ بعض نے دیکھا کہ روم کی عیسائی سلطنت میں ایک بادشاہ مرتا ہے اور اُسکا بیٹا چپکے سے تختِ حکومت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے اور خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں ٹپکتا۔ ...

یہی غلط خیال ہے جس میں مبتلا ہو گئے کہ جانشینی اور ولیعہدی کا نظام سیاست ہی
اسوقت کا تقاضا اور مفید مطلب نظام ہے۔ یزید اسی غلط خیال کی پیداوار
تھا اور اسکی خلافت وامارت اسی غلط مفروضہ پر مبنی تھی۔ اسوقت ضرورت
تھی کہ ایک مرد حق اُٹھے اور اس جاہلی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھدے۔
اور جبین عالم پر اپنے خون گرم سے روشن حروف سے یہ لکھ دیا جائے
کہ اسلام میں ملوکیت اور اس پر قائم ہونے والے نظام سیاست کے
لیے کوئی گنجائش نہیں —— حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے
اسلام کے اس تقاضہ کو پورا کیا اور اپنی جان اس غرض کے لیے قربان کر دی
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی عظمت کا اندازہ
لگانے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجیے کہ واقعہ شہادت پیش ہی
نہیں آیا۔ شہید کربلا کے واقعات زندگی کو تاریخ میں سے نکال دیجیے
اور پھر بتائیے کہ اسلامی سیاست کے اس پہلو کو ثابت و ظاہر کرنے کے
لیے کوئی سامان موجود ہے؟ —— اس سوال کا جواب ایک کامل
نفی میں ملیگا۔ اسلام کی تاریخ مابعد میں سلاطین جابر کے سامنے کلمۂ
حق کہنے اور اسلامی نظام سیاست کے شورائی پہلو کو واضح کرنے
کے لیے حضرت حسین کی عزیمت ایک ناگزیر شے ہے۔ ایک طرف رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ حضور اپنا جانشین کسی شخص کو مقرر
نہیں کرتے۔ مہاجرین و انصار کا طریق کار ہے کہ وہ اسلامی ریاست
کا رہنما منتخب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منتخب کر لیتے ہیں۔
اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اولاد میں سے کسی کو
نامزد کرنے کے بجائے اپنے بعد بہترین شخص کو مقرر کرتے ہیں اور
حضرت عمرؓ ایک کابینہ سا بنا دیتے ہیں، تاکہ اسکے ارکان اپنے
میں سے کسی شخص پر اتفاق کریں۔ اور اپنے بیٹے کو اس کا رکن
نامزد کرنے کے باوجود خلافت کی امیدواری سے محروم کر دیتے ہیں۔
اور دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ خلیفۂ اسلام اپنے بیٹے
کو ولیعہد نامزد کرتے ہیں۔ کیا ایسے وقت میں اس بات کی
ضرورت نہیں تھی کہ حقیقت کو قائم کرنے کے لیے کوئی شخص میدان
میدان میں نکلے —— اور ایسا شخص اسوقت حسینؓ کے سوا
اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن امت کی بدنصیبی دیکھیے کہ جس غرض کے
لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دے ڈالی اُسکے
بالکل برخلاف نظریہ پیش کیا گیا، اور کہا گیا کہ یہ سارا قصہ محض اس لیے
پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد امت
نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ کے عمزاد بھائی ہونے
کی بنا پر جانشین رسول نہ بنایا۔ گویا بات وہی صحیح تھی جسکو حضرت
معاویہؓ نے اختیار کیا۔ اسلامی ریاست کا اصول جانشینی ہی کا ہے
فرق صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اصول حق کے لیے میدان
میں نکل نہ سکے بلکہ وہ "تقیہ" کرکے اپنی جان سلامت لے گئے۔
اور اُنکے فرزند گرامی نے اپنی جان دے ڈالی۔ اگر اس نظریہ کو
تسلیم کر لیا جائے تو فرمائیے اسلام اور اس کی تاریخ کے دامن میں
کیا باقی رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نظریہ بالکل غیر اسلامی ہے۔ اس کی تعبیر غیر اسلامی ہے
اسکا فلسفہ غیر اسلامی ہے، اور حق وہی ہے جس پر اصحاب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہے اور جسکو قائم کرنے کے لیے حضرت علی
رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل سے اور حضرت حسینؓ نے جہاد و شہادت
سے کام لیا۔ اور محرم کے نام سے آج جو بدعات و خرافات امت کے
مختلف فرقوں میں پائی جاتی ہیں اس سے اسلام کو کوئی تعلق
نہیں۔ انکی بنیاد صرف سیاسی پروپگنڈے پر ہے۔ جسکا آج
کوئی مصرف نہیں اور نہ ضرورت ہے۔ اب نہ یزید ہے نہ اُسکے
نام لیوا ہیں۔ نہ مسئلۂ خلافت ہے اور نہ اُسکے امیدوار۔ اب تو
اسلام کے سامنے اور ہی مسائل درپیش ہیں۔ آج قضیۂ خلافت
نہیں پورے اسلام کو از سرنو دنیا پر قائم کرنے کا سوال امت کے
سامنے ہے۔ دین باطل نے ہمہ گیر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ضرورت
اُن پیروان حسینؓ کی ہے جو اقامت دین حق کے لیے اُٹھیں اور
باطل کی فوجوں سے ٹکرا جائیں۔ (کوثر)

(بقیہ صفحہ ۲)

مسز چرچیل کی طرف کی سے بیوفائی کی بنا پر گزری تھی وہ آج
منظور ہو گئی۔ اور مسز چرچیل کو طلاق مل گئی۔ شادی ۱۹۳۹ء
میں ہوئی تھی۔" (رپورٹر)

شوہر، انگریزی قانون میں بیوی سے افتراق جب ہی حاصل ہوتا ہے
جب بیوی پر جرم بدچلنی ثابت ہو لے۔ اور "شریک رما علیہا" سے
قانونی اصطلاح میں مراد وہ شخص ہوتا ہے جس سے بدچلنی پائی
جائے۔ سپہ سالار افواج ہند، سپہ سالار ہند شعبۂ ہوائی بیجر چرچل۔
ان سے بڑھ کر سوسائٹی میں معزز افراد اور ممتاز عہدہ دار اور کون
ہو سکتے ہیں۔ اس مرتبہ کے معززین و شرفاء کے ہاں بدچلنی و حرام کاری
کے واقعات ہمارے دور تہذیب میں بھی کبھی پائے گئے تھے؟ دور
عروج ہی نہیں، دور انحطاط تک میں؟ —— قصور اشخاص و
افراد کا اتنا نہیں، جتنا اخلاق سوز ماحول، عصمت کُش تہذیب، بےحیائی
پرور تعلیم کا ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

شفقت جیلانی صاحب۔ (ضلع جالندھر) اگر مناظرہ و مباحثہ کی گنجائش
باقی ہوتی تو سردست ہی کیوں دستبرداری اختیار کی جاتی۔

بزم ہمدردان صدق

(۱) داؤد محمد صاحب (ڈربن، جنوبی افریقہ) ۵ ۔

(مہتمم صدق)

(بقیہ صفحہ ۵)

نے بعض یہ شبہ کیا ہے کہ قرآن کریم۔ بائبل (انجیل و توراۃ وغیرہ) سے ماخوذ ہے اور انہیں کی نقل ہے۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ تو محض نقل ہے۔ اور اصل کے ہوتے نقل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ پادری عماد الدین نے تحقیق الایمان صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے۔ وہ سب احکام جو محمدی تعلیم میں مذکور ہیں سب موسیٰ علیہ السلام ہی کی شریعت اور توراۃ سے لیکر قرآن میں لیے گئے ہیں

جواب قرآن شریف اگر واقعی نقل مطابق اصل ہے تو پھر اسلام کوئی جداگانہ چیز نہیں۔ بلکہ یہ اس لحاظ سے تو ہم اسلام کو میں عیسائیت یا یہودیت قرار پائیگی۔ کیونکہ تمہارے بقول شما، درحقیقت نقل محض ہے۔ المائدہ کے قرآن کی تفسیر کا مجموعہ ہمارے پاس ہے۔ اس میں قرآن کو بائبل سے ماخوذ بتایا ہے۔ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۵ پرچہ مائدہ میں ملاحظہ ہو۔

دوسرے یہ اعتراض وارد ہوگا کہ جب قرآن شریف توراۃ و انجیل کی نقل ہے تو پھر اسلام میں اور ان فرقوں کے درمیان اسقدر اختلاف کیوں پیدا ہوا کہ انکا جدا جدا نام اور ان میں جدا جدا احکام تجویز ہوا۔ اور پھر یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بانی اسلام کا اسقدر سخت سے سخت مقابلہ کیوں کیا۔ حتیٰ کہ خون کی ندیاں بہ گئیں؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ حقیقت درست ہے کہ قرآن شریف مجموعۂ بائبل کی ایک نقل ہے تو پھر اس اعتراض کے کرنے کی سب سے اول حقدار صدر اول کے یہودی اور عیسائی تھے جنکے روبرو قرآن شریف تئیس سال برابر اترتا رہا۔ کیونکہ وہ اہل کتاب خصوصاً یہودی اسلام اور کتاب اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ جان اور مال سب اسلام کے خلاف قربان کرنے کے لیے نہ صرف تیار تھے بلکہ تمام جنگوں اور لڑائیوں اور تکلیف و ایذارسانی کے یہی لوگ بانی ہوئے تھے پس ان یہودیوں اور عیسائیوں میں سے کسی کا یہ اعتراض نہ کرنا کہ قرآن شریف بعینہ نقل توراۃ یا انجیل ہے، ہرگز نظرانداز کردینے کے قابل نہیں ہے۔

اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کو توراۃ یا انجیل کی تعلیمات کے عین بعین اور اصل کی نقل سمجھتے تو حضور سے بجائے منافرت اور حسد کرنے کے حضور کی پوری مالی و جانی امداد کرتے یا کم از کم اچھی نگاہ سے دیکھتے۔ کیونکہ انکو انکے مذہب کی اشاعت کیلیے مفت کا ایک ایسا آدمی مل جاتا جو حسن اتفاق سے سارے قوم میں ہردلعزیز تھا اور امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ جس سے اشاعت کا فرض بخوبی ادا ہوتا۔

قرآن کریم تو انکا قول نقل فرماتا ہے ماسمعنا بھذا فی الملۃ الآخرۃ ان ھذا الا اختلاق (سورہ ص) اسکا مطلب یہی ہے کہ وہ سمجھتے کہ یہ انکی ساختہ باتیں ہیں۔ کیونکہ ایسا بیان آج تک ہم نے اگلے وقتوں میں دیکھا نہ سنا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضور کو کہتے تھے آیت

بقرآن غیر ھذا او بدلہ یعنی ائے محمد اس قسم کا قرآن نہیں چاہتے یا تو کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اگر پہلے ہی قرآن رکھنا ہو تو کم از کم اسکے مضامین بدل دو۔ علاوہ اسکے اس شبہ کو بے حقیقت قرار دینے کے لیے یہ خود کافی ثبوت ہے۔ جو آج تعلیمات انجیل اور قرآن کریم میں فرق موجود ہے۔ ہم اس جگہ تمثیلاً قرآن کریم کی ایک جامع آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ہے الجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ (مائدہ) یعنی زخموں کا بدلہ لیا جا سکتا ہے۔ اس سے توراۃ اور انجیل کی تردید صاف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ توراۃ کی تعلیم صرف بدلہ لینے کی ہے چنانچہ حکم ہے۔ دانت کے بدلے دانت۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ (توریت گنتی باب فقرہ)

انجیل کی تعلیم مطلقاً نہ بدلہ پر ہے۔ حکم ہے کہ شریر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو بلکہ جو تیرے داہنے گال پر تمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیردو۔ جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لیجائے تو اسکے ساتھ دو کوس چلا جا۔

(انجیل متی باب ۵ آیت ۳۹)

ظاہر ہے کہ جس طرح یہ نہیں درست ہے کہ کسی حالت میں بھی جذبۂ انتقام سے کام نہ لیے جائے۔ بلکہ بعض حالات میں اسکی ضرورت تھی کہ شریر آدمی کو اس کی شرارت کی سزا دی جائے تاکہ وہ سرتابی اور ایذائے خلق سے باز رہے۔ اسی لیے سلطنتیں قوانین و تعزیرات مقرر کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ اسکے ہر قصور پر سزا بھی ضرور دی جائے بلکہ بعض صورتوں میں اسکے قصور کا نظرانداز کر دیا جانا یا معاف کر دینا ہی انسب و برمحل ہوتا ہے۔ اسی لیے مصلحین قوم کہتے آئے ہیں

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الیٰ من اسا

اب جبکہ بہ شہادت عقل انسانی و فطرت بشری ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ نہ ہی توراۃ کی یہ تعلیم درست ہے اور نہ ہی انجیل کی۔ کیونکہ ان میں ایک ہی ایک شق کا حکم دے کر دوسرے کو رد کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ دونوں کی اجازت کی ضرورت ہے۔ اسی لیے کلام معجز نظام میں فرمایا جزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلھا، فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ اور ارشاد ہوا والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ (مائدہ) جسکا مطلب یہ ہے کہ بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف و درگزر بھی کیا جا سکتا ہے بالکل اسکے برعکس مثل مقامی میں قرآن کریم کا ارشاد، تعلیم انجیل حتی کہ توراۃ کے بالکل مخالف ہے۔ پس ان دو نظیروں سے قرآن مجید میں اپنے نئی تعلیم اور جدید حکم کا ہونا ثابت ہوا۔ جو انجیل اور توراۃ کی تعلیم سے یکسر مخالف ہے، تو پھر یہ ادعا کہ قرآن اپنی تعلیمات کے لحاظ سے انکی کتابوں کی نقل ہے، صراحتہً باطل و بے حقیقت ٹھہرا۔ کما لا یخفیٰ۔

(باقی آئندہ)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی (یوپی)
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت کا پتہ:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی [illegible]
بیرون ہند ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲
(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

نمبر ۴۳ | یوم چہارشنبہ ۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

ہمارے اخبارات

برطانوی صحافت کی نظر میں

[نیوز آف دی ورلڈ (لندن) اسوقت برطانیہ کے نہیں سارے یورپ بلکہ دنیا کے اخبارات میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا پرچہ ہے، تعداد اشاعت ۴۰ لاکھ سے اوپر ہے! اسکا ایک نمائندہ خصوصی ہیری ڈٹن (DITTON) کچھ روز سے ہندوستان میں تھا، اور اخبار مذکور کا ایک مخصوص ایڈیشن فوج کے لیے تیار کرتا رہتا تھا۔ اسکا ایک مختصر سا مضمون ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں 'ہندوستان کے انگریزی اخبارات' پر نکلا ہے، اور اپنی دلچسپی کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس پر تبصرہ کا حق آیندہ کے لیے محفوظ رکھکر، فوراً اسے اردو میں منتقل کردیا جائے۔]

میں اب ہندوستان سے کوچ کرنے والا ہی ہوں۔ تین مہینے کے مختصر قیام کی بنا پر یہ تو ہونے سے رہا کہ میں "تفصیلۂ ہندوستان" لکھ ڈالنے کے قابل ہو جاؤں - یا اسکے لکھ ڈالنے کی جسارت ہی کر گزروں۔ ہاں تو چند باتیں اپنے عوام کے لیے لکھے بھیجتا ہوں، جو سیاسیات میں خاص ذوق نہیں رکھتے، اور جنکی دلچسپی تو سیاسی کھیل سے کہیں زیادہ اپنے ایسوسی ایشن فٹ بال میں ہے! ——— ہندوستان کے اکثر انگریز بھی جن سے میں ملا ہوں، اسی قبیل کے ہیں۔ جو عظیم الشان ہلچل یہاں مچی ہوئی ہے، اور جسے کانگریسیوں کی آتش زبانیاں اور ایک غیر ذمہ دار قسم کا پریس برابر ہوا دے رہا ہے اس سے ان لوگوں کی بے تاثری اور انکا اطمینان قلب دیکھ کر میں تو دنگ رہ گیا!

رائے عامہ کے بنانے میں بڑا دخل اخبارات کو ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان میں، دو ایک مستثنیات کو چھوڑ کر، دنیائے صحافت کا سب سے زیادہ غیر ذمہ دار پریس ہے۔ جو معلوم و معروف معیار ہیں، انکے لحاظ سے انھیں اخبارات کہنا ہی نہ چاہیے۔ ان میں خبریں بھی کچھ نہ کچھ نکل آتی ہیں۔ خاص کر اینٹی برٹش جنگ کی، لیکن اصلاً وہ محض سیاسی پروپیگنڈہ نامے ہوتے ہیں، تحریف میں، تلبیس میں، اور صریح جھوٹ میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے۔ یہی اخبارات ہیں جو ہندوستان میں رائے عامہ کو تیار کرتے ہیں۔ اور انکا بس چلے تو ہندوستان کو تو سلف گورنمنٹ بغیر کشت وخون کے حاصل ہی نہ ہونے پائے! ہٹلر تک نے اس سے بڑھ کر مجنونانہ جوش والی نسل نہیں تیار کی تھی جیسی یہ ہندوستانی لیگ والے اخبارات آج تیار کر رہے ہیں!

اگر آپ کو ان میں سے کوئی سا اخبار خریدنا پڑ جائے تو آپ کو نظر آجائے گا کہ گوری قوم کے خلاف تیز قسم کا نسلی زہر اسکے کس کس صفحات پر موجود ہے! آسٹریلیا کے "سروس مین" [illegible] یہاں ایک غیر سرکاری ٹسٹ میچ کھیلا تھا۔ ہندوستانی پریس میں ان کی وہ وہ توہین ہوئی کہ اگر وہ اپنا دورہ منسوخ کر دیتے تو اس میں حق بجانب ہوتے۔ اتنی سی بات پر، کہ ٹسٹ سے قبل کے ایک چھوٹے سے میچ کے موقع پر آسٹریلیوں نے ایک ہندوستانی کی میز پر بیٹھ کر کھایا، ایک اخبار نے یہ افسانہ تراش لیا، کہ آسٹریلین ٹیم کے آدمی [illegible] پورا آدھا [illegible] سگرٹ نوشی کے نام سے [illegible] روز [illegible] اور لکھا، کہ [illegible] آسٹریلیوں کو یہ رقم اسلیے نہیں دیتے کہ وہ جلدی تو یہاں [illegible] کریں!

یہ ایک سنجملہ اُن بیسیوں نو ہینوں کے ہیں جو آسٹریلیوں کی کی گئی ہیں۔ میچ کے دوران میں بعض ہندوستانی تماشائیوں کا طرزِ عمل اس درجہ ناخوشگوار تھا کہ ایک مرتبہ تو کھیل روک ہی دینا پڑا تھا! ٹسٹ میچ کے بعد جب سابق آسٹریلین کھلاڑی ڈاکٹر، جیرڈ سن سے سوال کیا گیا کہ آپ کے خیال میں ہندوستان کو آسٹریلیا میں کھیلنے کے لیے دعوت نامہ ملنے کا کہاں تک امکان ہے؟ تو اس نے بڑی حکمتِ عملی سے جواب دیا کہ "آسٹریلیا سے کھیلنے کے لیے تو اتنے زائد ملک تیار ہیں کہ ہندوستان کو دعوت نامہ ملنے کی باری تو کہیں مدت ہی میں آئیگی"۔

ہندوستان میں جیتنا ابھی بہت سی خرابیوں کا دور ہوتا ہے۔ لیکن عجب نہیں جو ہندوستان کے لیے سب سے بڑی مصیبت اُسکا پریس ہی نکلے! جب تک اسکی اصلاح نہیں ہوتی، اور جب تک یہاں خبریں دیانت کے ساتھ نہیں پیش کی جائیں گی، ہم ہندوستانیوں کو ہزار سمجھنا چاہیں، وہ ہرگز ہمیں نہ سمجھ سکینگے، اور نہ ہماری نیک نیتی کے قائل ہونگے!

کام کی رفتار

انگریزی پارۂ دوم کی طبع و اشاعت کی اطلاع پچھلے مہینہ درج ہو چکی ہے۔ پارۂ سوم کے سلسلہ میں تاج کمپنی کا تازہ مکتوب:-

" انگریزی کام کا جلدی کرانا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ دوسرے ہاتھوں کا کام ہے۔ ہم روپیہ خدا کے فضل سے لگا سکتے ہیں۔ کتابت اور بلاک سازی جلد سے جلد کرا سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی مضمون کی کمپوزنگ ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ جس دن پارۂ دوم چھپ کر آیا، اُسی دن ہم نے تیسرا پارہ دیدیا۔ منت کی۔ خوشامد کی۔ انھوں نے پہلے اور دوسرے پارہ سے دوگنا نرخ بتایا۔ اُسے منظور کر لیا۔ لیکن آج تک پروف کا ایک صفحہ کا بھی نہیں آیا۔ فون پر روزانہ جھاڑ جھپاڑ کرتا ہوں، لیکن چکنے گھڑے والا معاملہ ہے"۔

جن چیزوں میں ہم مغربی قوموں سے ابھی بہت پیچھے ہیں، ان میں سے یہ وقت کی پابندی، بات کا پاس، اور مستعدی و کارگزاری ہے۔ اور اہلِ مطبع اور ناشرین تو خاص طور پر اپنے تساہل اور بدعہدیوں کے لیے بدنام ہیں۔ پارۂ اول سنہ ۱۹۴۳ء میں نکلا تھا، کہاں اندازہ یہ تھا کہ ڈھائی سال میں پورے تیسوں پارے شائع ہو جائیں گے، اور کہاں اب تک کُل دو پاروں کی نوبت آئی ہے!

"نئی دنیا" کی دنیا

" نیو یارک ۲۴۔ نومبر۔ ہمارے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے:-

ستمبر کے مہینہ سے نیو یارک پر جرائم کی شدید ترین دوڑ چلی ہے، اس شہر کے پانچ حلقوں میں سے صرف ایک حلقہ منہاٹن میں، ۷ دن کی مدت میں رہزنی، سرقہ بالجبر، اور حملوں کی وارداتیں ۲۹۲ تو صرف قتل ہی ہو چکے ہیں! اور نیو یارک کی اسپیشل پولیس کے ۲۱۲ ماہرینِ فن تازہ زمانہ

کو تازہ حکم ملا ہے کہ وہ ٹھگوں کو مار کر ہلاک کر دو۔ "شہر کا ایک ایک پولیس مین ڈیوٹی پر بُلا لیا گیا ہے، اور سب کو کچھ دیر روزانہ زائد کام چلانا پڑ رہا ہے۔ مسلح پولیس کے نئے دستے خاص طور پر بھرتی کیے گئے ہیں، دورے گشت دن رات ہوا کرتے ہیں۔ پیدل، اور بیں غیر معمولی قوت کے انجن والے موٹروں پر، نوّے میل فی گھنٹہ کی رفتار رکھنے والے، ان سب کے پاس رائفلیں بھی ہوتی ہیں، اور مشین گنیں بھی، اور بیسیوں پستول نشانہ بازی میں انعام پائے ہوئے پولیس مین ہیں۔ ان سب کا ریڈیائی سلسلہ شہر کی ہر پولیس چوکی سے ملا رہتا ہے، اور ہجوم، ریڈیائی موٹریں ہر وقت گشت میں رہتی ہیں۔ پولیس کمشنر کا بیان ہے کہ یہ ساری جنگی اور حربی تیاریاں شہر کے خونیوں، قاتلوں، رہزنوں، اور رگنڈوں کے مقابلہ کے لیے ہیں، جنھوں نے اسکا بیڑا اُٹھایا ہے کہ جنگ کے پہلے سال میں جو ۴۲ ہزار سنگین جرائم ہوتے تھے، اُس ریکارڈ کو بھی اسوقت مات دیدیں گے"۔ (نیوز آف دی ورلڈ، لندن۔ ۲۵۔ نومبر ۱۹۴۵ء)

گویا ۱۹۱۸ء میں جنگِ عظیم اول سے دنیا کو ترکہ اگر ہلاکت خیز انفلوائنزا، نمونیا، وغیرہ وباؤں کا ملا تھا، تو اس جنگِ عظیم ثانی کا ترکہ ۱۹۴۵ء میں، علاوہ گرانی و قحط کے، قتل، سفاکی اور عام بدامنی ہے!

—— خدا اور خدائی قانون سے بے نیاز رہنے والی، اور اُس بے نیازی پر فخر کرنے والی حکومتیں، آخرت تو خیر، دنیا کو بھی کیا کچھ سنبھال رہی ہیں! دنیا کو بھی کیسے کیسے انعاموں سے سرفراز کر رہی ہیں! ——

محمد علی جوہرؔ

عقبیٰ تو کجا واں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک
اُس کا قُربِ نیفس سے دل تو بھی لگا دیکھو!

دھوکے کی ٹٹّیاں

" ہمارے نقلی ہوائی اڈوں نے برطانیہ میں جو اہم خدمت انجام دی، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دشمن کے ۴۴۳ ہوائی حملوں سے کُل ۲۳ کے نشانے ہمارے اصلی ہوائی اڈے ہو سکے! ہماری وزارتِ صیغۂ ہوائی کے تازہ بیان سے اعلان کیا ہے کہ ہم نے برطانیہ میں ۵۰۰ نقلی مقامات بنا رکھے تھے، اسٹیشن، شہر، کارخانے، ہوائی اڈے، وغیرہ۔ اور بارہا ایسا ہوا کہ اصل مقام بالکل بچ گیا، اور اس کی نقل پر بار بار حملہ ہوا۔ وزارت کا اندازہ ہے کہ ان مقامات نے ۲½ ہزار انسانوں کو مرنے سے اور ۳ ہزار کو زخمی ہونے سے بچا لیا۔ اور کُل بموں میں سے صرف ۵ فی صدی برطانیہ کی آبادی پر پڑ پائے"۔ (ڈیلی میل۔ لندن، ۲۴۔ نومبر ۱۹۴۵ء)

ابھی کیا ہے۔ ابھی اور رفتہ رفتہ کتنے "کمالات" صاحب کے اسی طرح کے کھلیں گے۔ اور جب سچے نے جنگ کو حیلہ و مکر بتایا تھا (الحرب خدعۃ) اُسکی بات کی تصدیق ساڑھے تیرہ، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد تو اور زیادہ ہو گی۔

"جون فلک" صاحب کی زبان سے

لندن کے مشہور ہفتہ وار

آبزرور (۵۔ نومبر ۴۶ء) میں ایک مقالہ سوا کالم کا طویل ڈوروتھی ٹامسن کے قلم سے ہے، جو امریکہ کی مشہور، صف اول کی اہل قلم صحیفہ نگار اور اخبار نویس ہیں۔ مقالہ کے نقل و ترجمہ کے حقوق قانوناً محفوظ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ نے باوجود جنگ میں سب سے کم نقصان اٹھانے کے، اپنی روح کو مجروح، اور اپنے اخلاق کو داغدار کر چکا ہے۔ اور اسراف وغیرہ کی لعنت میں بری طرح مبتلا ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے "بہترین دور، بدترین دور"۔ اور خاتمہ پر مشہور برطانوی ناول نویس ڈکنس کا یہ فقرہ درج ہے کہ "یہ بہترین زمانہ بدترین تھا"! ——— کون کہتا ہے کہ زمانہ کی شکایت، اور جور فلک کا شکوہ مشرقیوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ دل میں چبھن جس کسی کے بھی ہو، وہ مشرقی ہو یا مغربی، ایرانی ہو یا امریکی، زبان پر نالہ و فریاد بہرحال آکر رہیگا۔ اور مصیبتیں اور پریشانیاں، فرنگی دنیا کے اقبالمند فاتحین کی بھی اب حد و ضبط کی حد سے گزر چکی ہیں۔

قول اور عمل

"رامپور ہاٹ۔ بیربھوم ۔ ۲۲۔ دسمبر۔ آج گاندھی جی نے اپنی ہندوستانی تقریر میں ۶۰ کانگرس کارکنوں کے سامنے کہا کہ ہندو مسلم اتحاد تو صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی بے لوث خدمت، سیاسی اغراض سے الگ ہوکر کیجائے"
(ایسوشی ایٹڈ پریس)

خبر میں یہ درج نہیں کہ تقریر کے اس جزو کا اثر گاندھی جی کے خاص الخاص ماننے والوں نے، شیدائیوں نے، پرستاروں نے، ہونے والے جانشینوں نے کیا قبول کیا! اس تعلیم پر عمل اگر کسی درجہ میں بھی ہوتا، تو آج ملک کی فضا کتنی بدلی ہوئی ہوتی؟ ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ کی کچھ ہوتی!

خلاصۂ مراسلات

(از جناب قدرت علی صاحب بھوپال) ۱۳۔ دسمبر۔ جمعرات مطابق ۶، محرم کو منشی راحت علی صاحب انصاری رسولوی وکیل ۸ بجے صبح وظیفہ سے فارغ ہوتے ہی اچانک حرکت قلب بند ہونے سے رحلت کرگئے۔ بڑے دیندار، ہر دلعزیز تھے۔ صدق کے بہت پرانے خریدار سچ کے زمانہ سے تھے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم اور ۲۰ سال کی پرانی تالیف)

حاکم و محکوم کے تعلقات پر احادیث و قرآن اور حکمائے یونان کے اقوال سے بحث۔ ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر بھیجی جا سکتی ہے۔ پتہ محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نئی کتابیں

(۱) **قرآن اور تصوف** ۔ از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ۔ دکن۔ ضخامت ۳۷۲ صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت عہ مجلد سے ر پتہ:۔ ندوۃ المصنفین، دہلی، قرول باغ۔

تصوف پر اردو میں اب تک بہت کچھ آچکا ہے، بعض اچھے اچھے اہل نظر کے قلم سے بھی۔ پھر بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور اسی ضرورت کے پورا کرنے والوں میں ایک امتیازی مقام صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کو حاصل ہے۔ اسکے قبل بھی وہ اس قسم کے مضامین پر متعدد بار قلم اٹھا چکے ہیں۔ انکا یہ تازہ ترین افادہ شاید انکا بہترین افادہ بھی ہے۔

تصنیف کا صحیح تعارف خود مصنف کی زبان سے سننے کے قابل ہے:۔

"اس کتاب میں حقیقی اسلامی تصوف کا صاف و واضح بیان ہے جسکا مقصود حصول مقام عبدیت مع الالوہیت و دریافت شہود حق ہے جسکا نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود خلق و حق ہے۔ اس تصوف کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم ہے۔ اسکو شاید پہلی مرتبہ اس وضاحت و منطقی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے۔ راقم الحروف کو اسکے اہم مقامات کی لسانی تعلیم عارف تام الوقت حضرت مولانا محمد حسین صاحب نایاب سے ملی ہے۔ اس مقالہ کی ہر سطر مستند بالکتاب و السنۃ ہے۔ اسکو اکابر اولیاء دین کی تائید حاصل ہے۔ گو ہر مقام پر انکی کتابوں کا حوالہ دینا ضروری نہیں خیال کیا گیا، اس سے وہی شخص مستفید و مستریح ہو سکتا ہے جسکو تفقہ فی الدین کی نعمت عطا کی گئی ہے جس نے اپنی عقل کو علم اللہ کے تابع کر دیا ہے، اور کتاب و سنت کو معیار حق و باطل قرار دے لیا ہے" (ص ۲۴-۲۵)

ایک مفصل و مبسوط مقدمہ کے بعد کتاب کے ابواب حسب ذیل ہیں:۔ عبادت و استعانت۔ قرب و معیت۔ تنزلات ستہ۔ خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود۔

ان میں سے دو باب پہلے بھی ملک کے علمی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ باب اول قرآن کا فلسفۂ مذہب کے عنوان سے! باب دوم خلق و حق کے نام سے۔ اور باب سوم

کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسکی متحمل نہیں، کہ اس کے مباحث کے خلاصے درج کیے جائیں یا کتاب کے چند اقتباسات سے کام چل جائے۔ کتاب سے لطف و نفع حاصل کرنے کے لیے کتاب ہی کا مطالعہ کرنا ہوگا، وہ بھی شروع سے آخر تک ——— کتاب کے مباحث مربوط ہی ایک دوسرے سے ایسے ہیں ——— البتہ ناظرین یہ اطمینان رکھیں کہ مطالعہ پر جو وقت صرف کیا جائیگا وہ ضائع کسی طرح نہ ہوگا۔ مصنف کے قلم اور کتاب کے دقیق سے دقیق مباحث میں بھی جان موجود ہے۔ اور مصنف چونکہ تصوف کے علاوہ،

فلسفۂ مغربی، شعر ادب، اور قرآن مجید، حدیث، اور کلام و فقہ وغیرہ دوسرے علوم شرعیہ میں بھی دخل و درک، بلکہ بعض میں کمال رکھتے ہیں، اس لیے کتاب عام اہل علم کے لیے بھی اچھی خاصی دلچسپ اور پُرمغز ہوگئی ہے۔

کتاب تصوف سے زیادہ فلسفۂ تصوف پر ہے۔ اور عام، کم استعداد ناظرین کے قابل نہیں۔ سمجھنے کے قابل صرف انھیں لوگوں کے ہے، جو خود بھی تصوف و سلوک سے کچھ تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے علمی شبہات بھی بہت سے دور ہو جائیں گے، اور عملی تعبیریں بھی بہت کچھ حاصل ہو جائینگی —— جن لوگوں نے قبر پرستی، اور ذات پرستی، اور دوسرے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے، وہ کتاب کو چھو میں بھی نہیں۔ مصنف کو ایسے عالم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ انکے صفحات پر شروع سے آخر تک زور توحید پر ہے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو صرف ایک جگہ حرف رکھنے کی ملی۔ صـ... کے حاشیہ میں غزالیؒ کا جو قول بلا سند و حوالہ، "اپنے ایام بطالت" سے متعلق نقل کیا ہے، اس سے مفہوم یہ پیدا ہوتا ہے کہ علوم شرعی کی تدریس و افتاء میں وقت صرف کرنا ہی عمر برباد کرنا ہے! اس لیے یا تو یہ قول ہی غلط نقل ہوا ہے، یا پھر اسکی کوئی معقول و لطیف توجیہ کردینی تھی۔

حیدرآباد میں، مولانا محمد حسین، بہ ظاہر دنیا دار، ایک خاص طرز و رنگ کے ایک صوفی بزرگ تھے۔ گفتگو کی ایک ایک نشست میں خدا جانے کتنے نکات معرفت بیان کرجاتے تھے۔ مقدر یہ ہو چکا تھا کہ انکی تعلیمات کا ایک بڑا اور اہم جزو یوں ایک "یورپ رسیدہ" ڈاکٹر آیت فلاسفی کے قلم سے محفوظ ہو جائے!

(۲) **قصص النبیین للاطفال** - الجزء الثالث (عربی) از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۵۱ صفحے - قیمت عہ پتہ:- مکتبۂ اسلام - ۳۷ گوئن روڈ - لکھنؤ۔

کتاب کے حصہ اول و دوم دونوں پر تبصرہ اسکے قبل نکل چکے ہیں۔ بڑے شکر اور مسرت دونوں کی بات ہے کہ تیسرا حصہ بھی شائع ہوگیا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ کے قصے اُن حصوں میں آچکے تھے۔ اس تیسرے حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پورا قصہ درج ہے۔ اور شروع میں تکمیل سلسلہ کے لیے حضرت یوسفؑ کا بھی باقی قصہ آگیا ہے۔ یعنی حضرت یعقوبؑ و اولاد یعقوبؑ کا کنعان سے مصر منتقل ہو آنا، اور وہیں رہ پڑنا۔

کتاب کی زبان اور مضمون دونوں درجۂ توصیف سے مستغنی ہیں۔ انداز بیان نہایت سلیس و سادہ، زیادہ تر قرآنی زبان میں۔ اور جزئیات و افادات کی تکمیل تاریخ اور توریت سے کرتے گئے ہیں —— کتاب مبتدیوں کے لیے عربی سیکھنے کے لحاظ سے بھی بے نظیر اور بہ حیثیت قصص الانبیاء کے بھی ہر طرح مستند و معتبر۔

کتاب میں جا بجا نقشے اور عمارتوں وغیرہ کی تصویریں بھی ہیں، اور شروع میں مولانا مسعود عالم ندوی کے قلم سے مقدمہ۔

اب بعض مشورے طبع ثانی کے لیے عرض ہیں:-

(۱) فہرست مضامین کے ساتھ نقشوں کی فہرست بھی شروع میں ہوتی۔

(۲) اعراب کی تصحیح پر مزید توجہ لازم ہے، غلطنامہ کافی نہیں۔

(۳) صفحہ ... پر اس کی تصریح کردینی تھی کہ بنی اسرائیل اُس وقت ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے، سامنے سمندر ہے، اور دو طرف پہاڑوں سے۔ صرف ایک ہی سمت کھلی تھی۔ اور اُدھر فرعون کا لشکر آگیا۔

(۴) صفحہ ... وسط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ [illegible] بعید ہے۔ واقعہ اسکے برعکس ہے۔

(۵) صفحہ ... پر جو تفصیلی کیفیت تابوت کے برآمد کرنے کی درج ہے، وہ محل گفتگو ہے۔

(۶) صفحہ ... پر فرعون کا جو اصلی جرم بیان ہوا ہے اُس میں نمایاں پہلو اُسکے نسلی غرور کا نکل رہا ہے۔ حالانکہ اسرائیلیوں کا اصلی جرم اسکی نظر میں یہ تھا کہ وہ سرکاری مذہب کے باغی اور مصری عقائد کے منکر تھے۔

(۷) عہد موسوی کے سنین اب حد الیقین تک متعین ہو چکے ہیں۔ انکا ذکر کردینا تھا۔ تقریبی و تخمینی حیثیت سے سہی۔

(۳) **تصویر علم و عقل کی روشنی میں** - از مولانا محمد اسحق سندیلوی و مولانا ابوالاعلیٰ مودودی - ۴۸ صفحے - قیمت ۶ر پتہ:- مکتبہ نشأۃ ثانیہ - چیچل گوڑہ - حیدرآباد دکن۔

کتاب دراصل دو مختلف مقالات کا مجموعہ ہے - پہلا مقالہ اسی عنوان سے مولانا محمد اسحق سندیلوی کے قلم سے ہے جو ... میں آیا ہے، اور "دیندار" رسالہ الفرقان کے دو نمبروں میں شایع ہوا تھا۔ آخر کے دو صفحوں میں مولانا ابوالاعلیٰ کا ایک مطبوعہ مضمون فوٹو کا مسئلہ کے عنوان سے شامل ہے۔

پہلا مقالہ ماشاءاللہ ہر طرح مکمل، مفصل، مدلل ہے - اور سارے تعلیم یافتہ گروہ کے مطالعہ کے قابل۔ محض فقہی فتوے نہیں، بلکہ نفس مسئلہ اور اُسکے اطراف و جوانب پر ایک پُرمغز مقالہ۔ حکیمانہ و نفسیاتی حقائق سے لبریز۔ مولانا مودودی کا مضمون بھی اپنے اختصار کے باوجود جامع و قاطع ہے۔ ضرورت ہے کہ دونوں مقالوں کی اشاعت پڑھے لکھوں میں زیادہ سے زیادہ ہو۔

اخبارات

(۱) سرفراز - محرم نمبر - ۷۶ صفحے - قیمت عہ پتہ:- دفتر روزنامہ سرفراز - ناداں محل روڈ - لکھنؤ۔

شیعہ روزنامہ سرفراز نے حسب معمول اب کی بھی سالانہ محرم نمبر شایع کیا ہے - اشتہارات کا حصہ نکال دینے کے بعد بھی اچھا خاصہ ضخیم۔ مضامین نظم و نثر تقریباً سب، شیعہ نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں، اگرچہ بعض سُنی ناموں سے بھی ہیں - نسیم امروہوی کا مرثیہ شاعری کے اعتبار سے

خوب ہے ۔ کاش یہی بات اُس کی صوت معنوی سے متعلق بھی کہی جا سکتی!
اور یہی حال غالب کے سلام کا بھی ہے ۔ پیا موں میں جوش یار جگ بجا
اُس کا پیام قابل قدر ہے ۔ متعدد مضمون ایسے ہیں جنھیں پڑھنے
میں اہل سنت تکلیف محسوس کرینگے ۔ حالانکہ تھوڑی ہی سی توجہ و احتیاط
سے تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی تھیں —— حسینؑ کا نام
اس قدر آشفتگی سے لینے والے بھی یہی حیثیت سے کتنے دور ہیں!

(۲) **قومی آواز** ۔ روزنامہ ۔ اڈیٹر: ۔ حیات اللہ صاحب انصاری لکھنوی ۔ قیمت ماہانہ ۸ روپیہ فی پرچہ ۱ / ۔ پتہ: ۔ منیجر قومی آواز ۔ لکھنؤ ۔

لکھنؤ سے شام کو شایع ہونے والا یہ کانگرسی روزنامہ حال میں نکلنا شروع ہوا ہے اور اس وقت تک اسکے کل پانچ نمبر نظر سے گزرے ہیں ۔ اڈیٹر صاحب لکھنے والے اچھے خاصے ہیں اور رسالہ اُردو میں اُنکے مضامین انکے ذوق علم کے بھی شاہد ہیں ۔ لیکن یہ جو کچھ اب تک کے نمبر اُنکی شہرت میں کچھ اضافہ کر رہے ہیں اور نہ کانگرس جیسی ذمہ دار و اہم جماعت کے معیار سنجیدگی ہی کے مطابق ہیں ۔ اڈیٹوریل مضامین اور شذرات (اوسط درجہ کے ہیں) گو ان میں بھی اصل رُخ گورنمنٹ سے زیادہ مسلم لیگ کی جانب ہے ۔ لیکن "گلوریا" کے زیر عنوان "معاہیں" کے نرے زنانی زبان اور زنانہ لب و لہجہ میں جو کچھ اب تک نکلا ہے اسکی رکاکت وابتذال ایک لیڈرانہ روزنامہ کے لیے باعث فخر نہیں باعث شرم ہے ۔ حیرت ہے کہ اڈیٹر صاحب کے ذوق سلیم نے اسے گوارا کیسے کر لیا ۔ اور اس سے بڑھ کر حیرت پرچہ کے سرپرست جناب رفیع احمد قدوائی اور پنڈت جواہر لال پر ہے (بشرطیکہ پنڈت جی ایک اُردو پرچہ سے اس درجہ باخبر ہوں)! معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ پرچہ کا مقصد آزادی ملک کی دعوت اور اتحاد ہند کی تبلیغ ہے یا خلیق الزماں اور حسن ریاض کی شخصی تضحیک! انگریزی میں اسی کے ساتھ نیشنل ہیرلڈ بھی تو نکلتا ہے، وہ اپنا رُخ بالکل سچا طور پر گورنمنٹ کی جانب رکھے ہوئے ہے، اور لیگ پر جب لکھتا بھی ہے تو ذاتیات کی اتنی پست سطح پر بہرحال نہیں اُترتا ۔ صحیح سیاسی تعلیم و تربیت کی اُردو خوانوں کو بہت شدید ضرورت ہے اور معاشی، اخلاقی، معاشرتی، تعلیمی، تہذیبی حیثیتوں سے اس وسیع ترین موضوع پر سیکڑوں صفحات میں مقالات کی گنجائش ہے ۔ جیسا کہ رسالہ جامعہ نے اپنا مسلک رکھا تھا، اور متعدد جامعی بحمد اللہ اب بھی اس رنگ کو نباہ رہے ہیں، شوق کانگریس کی حمایت میں سہی، آخر نیاز ہم کے انداز کی بھی ہو سکتی ہے، گو یہ بھی سچ ہے کہ ہر شخص قاضی عبد الغفار نہیں ہو سکتا ۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق ۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

تذییل تفسیری (صدق ۲۲ ۔ درق)

بہ سلسلہ سورہ بقرہ ۔ رکوع ۲۴ (صدق ۲۴۳)

(مندرجہ ذیل سطریں گذشتہ پرچہ میں چھپنے سے رہ گئی تھیں)

سہ شنبہ ۸ ۔ اپریل ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ) کو تفسیر کا مسودہ اول یہاں تک پہونچا تھا، کہ سہ پہر کے وقت دنیا میں سب سے زیادہ عزیز و مکرم ہستی یعنی والدۂ ماجدہ کی شدید علالت کی خبر نصیب آباد سے آئی ۔ پہلی ٹرین سے گیا، رات میں پہونچا ۔ جتنی بن پڑی آخری خدمت کی ۔ کیشنبہ ۱۳ ۔ اپریل ۱۹۴۷ء (مطابق ۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ) کے سہ پہر کو بعد نماز عصر عالم نزع طاری ہوا ۔ مسز ماجدہ سیلہ نے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی ۔ دوسرے اعزہ کلمۂ طیبہ پڑھتے اور ماشاء اللہ کہتے رہے ۔ عصر کا وقت آخر ہو چکا تھا، اور آفتاب غروب ہو رہا تھا، کہ اس نیک اور تہجد گزار بندی کی زندگی کا آفتاب بھی تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں غروب ہو گیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ نعش وطن لاکر دوشنبہ کی دوپہر کو خاندانی مسجد کی عین پشت پر حسب وصیت مرحومہ سپرد خاک کی گئی ۔ تفسیر کا کام دو ڈھائی ہفتہ رکا رہا ۔ اب کل ۲۷ ۔ اپریل (۲۹ ۔ ربیع الاول) سے ان شاء اللہ پھر شروع ہوگا ۔

ناظرین سے التجا ہے کہ اس مومنۂ مرحومہ کے حق میں دعاء خیر کہکے خود بھی اجر حاصل کر لیں!

سنیما اور بچے

بچوں کی فطرت ہے کہ وہ ہر اُس شے کی نقل کرتے ہیں جسکو وہ دیکھیں ۔ اور اُنکی اسی فطرت کے مظاہرہ کا اندازہ اُنکی بات چیت، انکے کھیل کود اور اُنکی زندگی سے لگایا جا سکتا ہے ۔ مثلاً ریلوے ملازمین کے بچے جب کھیلیں گے تو وہ جمع ہو کر ریلوے ٹرین گارڈ اور ڈرائیور وغیرہ بننے کی کوشش کریں گے ۔ تاجر پیشہ لوگوں کے بچے مصنوعی گاہک اور دوکاندار بنتے ہیں ۔ کاشتکاروں کے بچے بات چیت میں زمین کی باتیں (؟) نقل کرتے ہیں ۔ چنانچہ آج ہم ہر گلی اور ہر گھر کے اندر اگر کوئی (؟) بھی وہ تھے بھی وہ "ہماری گلی آنا" "کالے بادل گھر گھر آئے" وغیرہ عشقیہ گانے گاتے ہوئے سنتے ہیں تو اسکی وجہ ہندوستانی سنیما اور اُن میں دکھائی جانے والی فلمیں ہیں ۔ کیونکہ بچے اگر سنیما دیکھیں گے تو وہ اپنی فطرت کے باعث سنیما میں گائے جانے والے گانے اور دکھائے جانے والے سین کی نقل کرنے کے لیے مجبور رہیں ۔ اس میں انکا کوئی قصور نہیں ۔ سنیما کے ان اثرات، اور ان اثرات سے پیدا شدہ ملک کی آیندہ نسل کی تباہی کا خیال کرتے ہوئے مناسب تو یہ تھا کہ والدین اپنے بچوں کو سنیما کی فضا سے بالکل الگ رکھتے، تاکہ اُنپر یہ برے اثرات نہ ہوتے ۔ مگر وہ لوگ اپنے بچوں کے کیرکٹر کی پروا کیا کریں، جو خود اپنے کیرکٹر کی پروا نہ کرتے ہوں اور جھوٹ بولنے اور بد دیانتی کو سنت اور انسانیت سے محروم ہونے کو ایک آرٹ اور قابلیت سمجھتے ہوں ۔ بچوں کو برے اثرات سے بچانے کی صورت تو صرف ایک ہی ہے ۔

قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تعلق

(جناب ملا عبدالرؤف خان صاحب جھنڈے نگر کے قلم سے)

(۲)

ایک وہم کا ازالہ اس موقعہ پر کردینا چاہیے کہ قرآن مجید جنت اور نیز جہنم جنت اور ملائکہ وغیرہ امور میں انجیل و توارات سے مشترک ہے۔ پس اس سے ایک ظاہر بیں کے نگاہ میں یہ بات ضرور وزن رکھیگی کہ چونکہ قرآن متاخر ہے اور اہل کتاب کی کتابیں متقدم ہے۔ اس لیے متاخر کا مضمون متقدم سے مطابق ہونے کی وجہ سے اس شبہ سے بری نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے ماخوذ ہے۔

الزامی رنگ میں جواب ویدوں کی نسبت دیباچہ بھومکا میں پروفیسر ولسن صاحب وغیرہ کے اقوال کا اقتباس کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اہل یورپ کی رائیں ویدوں کی نسبت گیارہ ہزار برس قبل مسیح سے ۲۵۰۰ برس قبل تک شائد ہزار برس سے کے۔ الگ الگ ہوں گی (دیکھو دیباچہ بابو نوال سنگھ مندرجہ بھومکا صلہ)

اب دیکھو کہ وید بلحاظ تاریخ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سیکڑوں ہزاروں برس پہلے سے موجود ہے، اور اس میں یہ حکم ہے کہ اے انسانو! تمھارے توپ بندوق وغیرہ آتشگیر اسلحہ اور تلوار وغیرہ میری عنایات سے مضبوط و فتح نصیب ہوں۔ تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دے کر انھیں روگردان اور پسپا کردو۔ تمھاری فوج جرار اور کارگزار نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمھاری عالمگیر حکومت قائم ہو، اور تمھارا حریف نامنجار شکست یاب ہوا اور نیچا دیکھے۔ (رگ وید اشٹک اول ادھیائے ۳ - بحوالہ رگ وید بھومکا گلاں ۲۲۹)

اب اسلحہ جنگ کی درستی کے متعلق مسیح کی ہدایت کو انجیل لوقا میں پڑھیں۔ اب جسکے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جسکے پاس نہیں وہ اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے (لوقا باب ۳۶)

ہماری غرض اس عبارت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حکم جہاد و درستی اسلحہ دونوں میں مشترک ہے۔ اب عیسائی حضرات بتلائیں جو اس خیال کے موجد ہیں کہ وید دھرمیوں (آریہ ساجیوں وغیرہ) کا یہ کہنا کہ چونکہ وید بائبل پر مقدم ہے اور بائبل کے وہ مضامین جو وید کے مطابق ہیں وید ہی سے ماخوذ ہیں۔ کیا اسے آپ تسلیم کرینگے۔ اور کیا اعتراف کرینگے کہ بائبل وید کا خوشہ چیں ہے۔ اگر نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔ تو پھر ایسی چند سرسری مطابقت کی بنا پر قرآن کو انجیل کا خوشہ چیں سمجھتے ہیں۔ آنچہ بر خود نہ پسندی بہ دیگراں مپسند۔

ایک اور وہم کا ازالہ پادری بشیر احمد الہ آبادی نے اظہار حقیقت میں لکھا ہے۔ خود قرآن ہی سے ثابت ہے کہ قرآن میں وہی کچھ ہے جو پہلے کتب مقدسہ میں تھا۔ جیسا کہ ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم و موسیٰ فرمانے سے ظاہر ہے۔

الجواب پوری آیت یہ ہے والآخرۃ خیر و ابقیٰ، ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ، صحف ابراہیم و موسیٰ۔ یعنے آخرت بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے، بیشک یہ مضمون (آخرت کا بہتر ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔ یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ پس قرآن ہرگز یہ نہیں کہتا کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ اگلی کتابوں کا مضمون ہے۔ بلکہ اس میں تو صرف یہ خبر ہے کہ قیامت اور آخرت کی بابت پہلے صحیفوں میں خاصکر ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں یہ بات بیان کردیا گیا تھا۔ قرآن نے ان دونوں صحیفوں میں اسی اختیار کیا خصوصیت سے اسلیے ذکر کیا کہ رب قرآن کو یہ معلوم تھا کہ آخر ان دونوں صحیفوں کا پتہ نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو اس میں معاد و آخرت کا ذکر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی امر واقع ہوا۔ کہ بائبل کے عہد عتیق موسیٰ کی کتابوں سے شروع ہوتی ہے مگر موسیٰ کی ساری کتابوں میں قیامت اور طریق نجات کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ اور یہودیوں نے ابراہیمی صحیفے گم کردیے کہ ساری بائبل میں کہیں اسکا پتہ نہیں۔ ومن اظلم فعلیہ البیان۔

باہمی اشتراک مضامین پر عیسائیوں کے اعتراض کی تردید

اگر عیسائیوں کا یہ نظریہ صحیح ہو کہ عہد جدید کی جتنی باتیں عہد عتیق سے ملتی جلتی ہیں وہ سب عہد عتیق سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً استثنا باب ۲۶ کے فقرہ ۱۶ میں ہے۔ سو تم اپنے سارے دل اور سارے جان سے ان پر عمل کرنا۔ اور متی باب ۲۲ فقرہ ۳۷ میں یہی مضمون ہے کہ اپنے خدا سے سارے دل اور ساری جان سے محبت رکھو۔ اسی طرح سیکڑوں مثالیں ہیں۔ اب مضمون متی پر استثنا کا سرقہ و خوشہ چینی کا الزام لازم آتا ہے۔ ماہو جوابکم فہو جوابنا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ تقریباً ہر رائج الوقت مذہب کی تعلیم یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو۔ چوری نہ کرو۔ ناحق خون نہ کرو، زنا، بدکاری وغیرہ نہ کرو۔ اپنا یہ تعلیم ہے۔ ماں باپ کی عزت کرو۔ اساتذہ کا ادب کرو۔ ہمسایہ کا حق پہچانو۔ لڑکے کو تعلیم دلاؤ، وغیرہ۔ پس کیا اس اشتراک کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض بعض کی نقل ہے اور ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ پھر کسی کتاب کو ہم اس الزام سے بری نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ قرآن مثلاً بائبل سے ماخوذ ہے تو بائبل وید سے اور وید زردشت نرتہ والوں کی کتاب ژند پاژند (استا) سے ماخوذ ہے وہکذا۔

سوامی جی اس نکتہ کا خیال نہ کرکے ادعاء باطل تک پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ انکا قول ستیارتھ پرکاش و بھومکا میں موجود ہے کہ جو سچائی بھی کسی کتاب میں ہے وہ وید ہی کی سچائی سے نکلی ہے اور اسی سے ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ادعا محض خوش عقیدگی ہے ورنہ

وہ حقیقت کچھ نہیں۔ کیونکہ اس طرح وید ژند سے ماخوذ ہوگا۔ وید کا ژند پاژند سے ماخوذ ہونا اس طرح پر ہے کہ نورالدین ۵۳ میں یہ تحقیق لکھتا ہے کہ مجوس اپنی کتابوں (ژند پاژند) کی مدت قدامت بیان کرتے ہیں۔ ہمارہ سنکھ کے آگے اور سترہ صفر بڑھاتے ہیں اور ہنود اپنی کتابوں کی مدت ویدوں کی مدت سے بھی کئی گنا زیادہ بتلاتے ہیں۔ ہر فریق مدعی قدامت ہے۔ پس یہ طریق کتابوں کی الہامی اور اصلی ہونے کا گمان اٹھا دینے کا باعث ہوگا۔ فما ہو جوابکم فہو جوابنا۔

الحاصل قرآن مجید کے بعض مضامین سے متوافق ہونے پر سرقہ اور اخذ و نقل کا الزام کرنا محض فاسد کاسد گمان ہے جو ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح سائل اگر آریہ ہے اور بائبل کے اشتراک مضامین کی بنا پر قرآن کی عدم ضرورت کا قائل ہے تو اسکو جواب دیا جائیگا کہ تمہارے مسلمات کے روسے یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ چاروں ویدوں (رگ، یجر، سام، اتھروید) میں سے ہر ایک وید میں ایک ہی طرح کے مضامین ہیں مثلاً اگر رگوید کرم کانڈ (عمل) اور گیان کانڈ (علم) اپاسنا کانڈ (عبادت) و گیان کانڈ (معرفت) کا بیان ہے تو اسی طرح یجر وید میں بھی چاروں کانڈ کا بیان ہے اسی طرح سام اور اتھروید میں بھی۔ چنانچہ یجوید کا اردو کے حاشیہ میں بابو خال سنگھ مترجم یجوید نے لکھا ہے:-

یہ مراد نہیں ہے کہ رگوید میں محض گیان کانڈ ہے کرم یا اپاسنا کانڈ نہیں ہے۔ یا یجر وید میں صرف کرم کانڈ ہے اپاسنا گیان کانڈ نہیں ہے بلکہ ہر وید میں سب ہی مضمون ہے۔ (صفحہ ۱۴۲)

پس اگر اشتراک مضامین کے باوجود وید چار رہ سکتے ہیں اور ان پر کچھ اعتراض نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ وید ایک دوسرے سے ماخوذ یا دوسری کی نقل ہیں۔ تو اسی طرح قرآن شریف پر بھی بعض مضمون میں مشترک ہونے سے کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہو جانے سے دوسری کی نیستی ضروری ہے ایک وید کے سوا باقی ویدوں کا انکار ضروری ہوگا۔ پس اس اعتراض کا لایعنی ہونا ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اگنی کی پوجا میں یا ہون میں آتشکدہ فارس کی عبادت سے جو مشابہت ہے اسکے پیش نظر اس طریق کو زردشتی اصولوں کی نقل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا آریہ حضرات اس اشتراک کی بنا پر اس خیال کو صحیح سمجھیں گے؟ اگر نہیں تو بھی نظر انصاف ہر جگہ قائم رکھیں

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

پادریوں کا شبہ ثانی

اہل بائبل کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمان قرآن کریم کو خوشہ چینی کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لیے قرآن کریم کی اصلاحی آیات پیش کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اس میں کلام آخر کا کلام اول کے لیے مصلح و ناسخ ماننا لازم آئے گا حالانکہ خدا کے لیے نسخ جائز نہیں کیونکہ پہلے حکم کو اٹھانا اسکے ناتجربہ کاری اور لاعلمی پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ حکام سلطنت کسی حکم و قانون تجویز کرتے وقت نہیں ہوتا۔ اور یہ امر خدا تعالیٰ کی شان علم کے خلاف ہے کیونکہ خدا علام الغیوب ہے پس نسخ کا عقلاً نادرست ہونا مقتضی ہے کہ آخری کتاب مصلح ہونے کی حیثیت سے نہ آئے۔ ایک نقلی روایت کو بھی اصحاب انجیل بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ یعنی اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہی حضرت مسیحؑ نے توراۃ کے متعلق فرمایا ہے۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں توراۃ کا ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلیگا۔ (انجیل متی باب ۵ درس ۱۷) آسمان و زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے (لوقا ۱۶/۱۷) پھر کیونکر ممکن ہے کہ احکام توراۃ وغیرہ احکام قرآن سے منسوخ ہوں۔ پس جبکہ حکم خداوندی کا منسوخ ہونا ہر دو دلیل سے ثابت ہوا۔ تو لامحالہ قرآن کا ناسخ اور مصلح ہونا بھی غلط ٹھہرا۔ لہذا نتیجہ کہنا پڑا کہ قرآن کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

ہماری زبان

(ڈاکٹر تاراچند کے خطبۂ صدارت کی آخری قسط)

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر بنایا ہے تو انھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زبان کیوں بنائی گئی۔ اس کی غایت یہی تھی کہ دونوں مل کر رہ سکیں۔ زبان کلچر کی حامی ہوتی ہے۔ اور اگر زبان ایک ہے تو کلچر بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اگر اردو زبان کے مشترک ہونے پر زور دیا جاتا ہے تو اسکے نتائج سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

ہندوؤں سے میں کہوں گا کہ اردو ملک میں چندرھویں صدی سے آج تک برابر جاری ہے۔ اسکا نام چاہے جو ہو۔ یہ کسی غیر ملکی ملک کی زبان نہیں ہے۔ ہم سب کو اس پر فخر کرنا چاہیے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زبان سدا ایک ہی نہج پر نہیں رہتی۔ نظامی کی زبان ولی کی زبان سے مختلف ہے۔ ولی کی زبان سودا کی زبان نہیں ہے۔ سودا کی زبان آتش کی زبان سے الگ ہے اور آتش و ناسخ کی زبان آج کل کی زبان نہیں تھی۔ اگر ہندو اپنی زبان مان کر اس میں دکھنی کی طرح اور الفاظ رائج کرنا چاہیں تو انھیں کوئی روک نہیں سکتا۔ زبان کے طرز الگ الگ ہوتے ہیں۔ شمالی جرمن لکھنے والے جنوبی جرمن نہیں سمجھتے۔ اور جنوبی جرمن بولنے والے پروشیا کی زبان نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اردو کے بھی مختلف طرز ہو سکتے ہیں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتنا غلط ہے کہ ہندو تہذیب کے خیال اردو سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ مذہبی کتابیں

اُردو میں موجود نہیں بہت سے ہندو نیت پران اور سمرتی کے اُردو ترجموں ہی سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اُنکی مذہبی زبان عربی ہے۔ بنگال کے مسلمان ہندوؤں کی طرح بنگالی بولتے ہیں۔ مثلاً وہاں مصدر کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ سمباتی جوالے کہتے ہیں۔ میں ابھی مدراس سے آ رہا ہوں۔ وہاں مسلمان اساتذہ تامل تو فرانے سے بولتے ہیں مگر جب اُردو میں بات کرتے ہیں تو اس پر ہنسی آتی ہے۔

زبان کا مسئلہ پیچیدہ ہوتے ہوئے بھی کوئی زیادہ دشوار نہیں ہے۔ اُردو، ہندی اور ہندستانی، لسانی حیثیت سے ایک ہی ہیں۔ زبان کے علمی اعتبار سے تین پہلو ہوتے ہیں۔ صرفی، حرف، نحو اور الفاظ کی بناوٹ جہاں تک پہلے اور دوسرے پہلو کا تعلق ہے ان تینوں زبانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ (خ) (ذ) (ض) اور (ق) کی آوازیں ایسی ہیں جنھیں ادا کرنے میں پورب والوں کو دشواری ہوتی ہے مگر آوازیں کھڑی بولی میں شامل ہیں۔ البتہ ہندی لکھنے والے اب بعض آوازیں استعمال کرتے ہیں جنکے استعمال کا انھیں کوئی حق نہیں ہے اسلیے کہ سنسکرت کی سب آوازیں کھڑی بولی میں نہیں رائج ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں (ریت) کے بجائے (رِت) اور (رُت) کے بجائے (رِشٹ) بولا جاتا ہے۔ ہندی والے ان پرانے الفاظ کو جگا کر اپنی زبان کی خوبی بڑھانے کے بجائے اسے نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ اس ہندی کے شعر زبان پر نہیں چڑھتے اور اُردو کے شعر غیر ارادی طور پر زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہندی ایک نئی زبان ہے۔ یہ انیسویں صدی میں پیدا ہوئی۔ اور اس میں اُردو کی ایسی صفائی اور ستھرائی نہیں ہے۔ اگر ہندی والے سنسکرت کی آوازیں اور ترکیبیں ترک کر دیں اور اُردو والے بھی عربی اور فارسی ترکیبیں چھوڑ دیں تو دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب آ سکتے ہیں۔

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ ہماری علمی اور اعلیٰ کتابیں کس زبان میں لکھی جائیں، انکے لیے اصطلاحات کہاں سے لائی جائیں جنکے لیے ایک طرف سے عربی اور فارسی کو پیش کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سے سنسکرت کو دونوں میں کافی وزن ہے۔ لیکن بیچ کا راستہ سب سے اچھا ہوگا۔ بہتر یہ ہوگا کہ علوم کو کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بعض علوم ایسے ہونگے جن میں اصطلاحی حصہ بہت زیادہ ہے۔ اسکے لیے ہمیں انگریزی کی مروجہ اصطلاحات لے لینی چاہیے البتہ انکی آواز کو ہندستانی بنانا پڑیگا اس لیے انکے قاعدے مقرر کر لینے چاہییں۔ کچھ علوم ایسے ہیں جن میں بیانیہ حصے اصطلاحی حصے سے زیادہ ہے مثلاً فلسفہ ان علوم کی اصطلاحات بھی ایک ہوں تو اچھا ہے لیکن اگر مشترکہ اصطلاح نہ مل سکے تو دو اصطلاحات بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ اسکے بعد تاریخ اور اس قسم کے دوسرے علوم آسکتے ہیں۔ ان میں سب کو آزادی ہونی چاہیے۔ نہیں اُردو اور ہندی کی آسان شکلیں قریب قریب یکساں رہیں گی۔ جہاں تک خالص ادب کا تعلق ہے اس میں کوئی پابندی کسی پر نہیں لگائی جاسکتی۔

ہمیں کوئی نئی زبان بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ زبان ہمارے پاس پہلے ہی سے موجود ہے۔ صرف نئے الفاظ کی ضرورت ہے اور ہماری زبان میں نئے الفاظ کے لیے گنجایش موجود ہے۔ پچھلی جنگ میں جرمنی نے فرانسیسی الفاظ نکال لیے۔ اسی طرح انگلستان میں جرمن نام اور الفاظ نکال دیے گئے۔ مختصر یہ کہ اگر ہمارے دلوں میں یہ جذبہ ہے کہ اس ملک کے لوگ ایک ہی گروہ میں ہیں تو ہمیں اس سوال کو حل کرنا ہوگا کہ اُس گروہ کی زبان کونسی ہو۔ اور میرے خیال میں وہ زبان وہی ہو سکتی ہے جسے میں ہندستانی کا نام دیتا ہوں۔ (پیام)

(بقیۂ صفحہ ۵)

قانون اور قانون کے ڈنڈے کے ذریعہ معصوم اور بے گناہ بچوں کو بچایا جائے۔ اور اسکا طریقہ صرف ایک ہی ہے، کہ بچوں کیلیے اُن تمام فلموں کا دیکھنا والدین اور مالکان سنیما کے لیے قانوناً جرم قرار دیا جائے جو فلمیں بچوں کے ذہن پر بُرے اثرات پیدا کر سکتی ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں قانونی پوزیشن یہ ہے کہ نابالغ بچے عام فلموں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اگر عام فلموں کو دکھائے جانے کی صورت میں کوئی بچہ سنیما میں داخل ہو تو بچے کے والدین اور مالک سنیما کو سخت سزا دی جاتی ہے۔ اور بچے صرف وہی فلمیں دیکھ سکتے ہیں جو بچوں کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ اور بچوں کے مذاق کے مطابق دلچسپ ہوتی ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ ہند کا فرض ہے کہ وہ ہندستانی بچوں کی موجودہ تباہی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے۔ اور چاہے گورنمنٹ کے انتظام میں ہو یا فلمسازوں کو مجبور کیا جائے، بچوں کے لیے علٰحدہ فلمیں تیار کی جائیں اور ان فلموں کے تیار ہونے کے بعد ایک قانون نافذ کیا جائے جسکے مطابق بچوں کے لیے سوائے بچوں کی فلم کے دوسری فلمیں دیکھنے کی سخت ممانعت ہو۔ اور اس قانون پر سختی سے عمل کرکے ہمارے بچوں کو عام فلموں کی فضا سے دور رکھا جائے۔ ضرورت ہے کہ گورنمنٹ اس اہم مسئلہ پر فوراً توجہ دے۔ (ریاست)

گزارش

ناظرین صدق براہِ کرم خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب ایڈیٹر حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر کی جانب

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرتضیٰ آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۶۹ | چہار شنبہ - ۱۸ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۳ - جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

سنہ آج سے ۳۰ سال قبل ۱۹۱۶ء کی بات ہے۔ پیرس میں آل یورپین میوزک اگزیبیشن "عالمی نمایش موسیقی" ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے مشہور شوقین رئیس اور ایڈوکیٹ، جو آگے چل کر نامور لیڈر بھی ہوئے، پنڈت موتی لال نہرو ایسے جلسہ کو کیسے چھوڑ سکتے تھے، ہندوستان سے سفر کرکے پیرس پہنچے ہیں، اور ہندوستان کے ایک مشہور رائے، استاد فن کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہندوستان غریب کو وہاں کوئی کیوں پوچھنے لگا تھا، لیکن پنڈت جی کی دوڑ دھوپ آخرکار رائیگاں نہ رہی، اور ہندی گویئے کے لیے بھی بہ مشکل چند منٹ کا وقت جلسہ کے بالکل آخری دن، ۱۲ بجے رات کے وقت نکل آیا۔ استاد ڈائس پر وقت مقررہ پر آ تو جاتے ہیں، لیکن پیرس کے جلسہ کو شاید لکھنؤ کی بزم نشاط پر قیاس کیے ہوئے ہیں، جو اس وقت کا کوئی احساس ہی نہیں۔ ۵ منٹ، ۱۰ منٹ بجائے ۲۰ منٹ گزر گئے اور استاد خاصدان سے گلوریاں نکال نکال کر چباتے جاتے، اور ہاتھ سے ساز ملاتے جاتے ہیں۔ اہل محفل اسی پر لوٹے جاتے ہیں، اور تحسین و آفرین کی تالیوں کے ساتھ تقاضہ ہر طرف سے ہونے لگتا ہے، کہ اصل مجرا شروع کیجئے، اب دیر نہ کیجیے۔ استاد کراست اللہ خاں بصد معذرت کرکے الاپ کی دھن شروع کرتے ہیں، اور [illegible] —— کام شروع کرنے سے پہلے نام [illegible] لیتے۔!

قصہ کار راوی اس جزئیہ کو خاص طور پر نوٹ کرتا ہے، اور یہی ہمارے آپ کے کام کا ہے بھی۔ راگ، راگنی کا ہماری شریعت میں کوئی درجہ ہی نہیں، اور گانے بجانے کو بطور پیشہ اختیار کرنا کھلی ہوئی اور یقینی ایک صورت فسق کی ہے۔ محفل بھی ظاہر ہے کہ تمام تر اہل غفلت ہی کی تھی۔ لیکن مسلمان فاسق عین حالت فسق میں بھی اپنے اللہ سے انقلاب تعلق [illegible] باغی نہیں ہو سکتا کہ اسکا نام تک بھول جائے! ناسمجھی سے سہی، حماقت سے سہی، بہت ہی بے محل سہی، لیکن بہرحال وہ نام اب بھی اُسی کا جپے جاتا ہے۔ عمل معصیت کی پرسش اور سرزنش بالکل اپنی جگہ پر، لیکن دوسری طرف اللہ کے ساتھ یہ کمزور سا لگاؤ، یہ ہلکا سا لگاؤ، یہ تمرد و بغاوت سے بچاؤ، کیا سرے سے بیکار ہی رہیگا؟ کیا طلب رحمت کے یہ بہانے، بہانے کا کام بھی نہ دے سکیں گے؟ —— شریعت کے ایک ایک جزئیہ کی پابندی کا اہتمام و انتظام یقیناً پوری شدت اور پوری قوت کے ساتھ کیجیے، لیکن نظر رحمت ہمیشہ گنہگاروں پر، فاسقوں پر بھی رکھیے۔ انھیں منکروں، باغیوں کے درجہ پر نہ پہونچا دیجیے —— ایمان و اقرار کا ہلکے سے ہلکا درجہ، ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ بھی، اللہ کہ قابل تحقیر نہیں، "کل" کیا خبر، کسے خبر، کہ کتنا قیمتی نکل آئے، کیا پُر وزن ثابت ہو جائے!

شراب کی نہریں

لندن - ۱۲ - جنوری - ہر امکانی کوشش اس کی جا رہی ہے کہ [illegible] سے وسکی شراب کی برآمد ہندوستان کے لیے مقدار میں دگنی ہو جائے۔

ششماہی مختتمہ ستمبر ۱۹۴۴ء میں اسکی مقدار ۷۰ ہزار گیلن تھی
" ۱۹۴۵ء میں یہ مقدار نصف رہ گئی

شماری مختتمہ ۶۲ء میں یہ مقدار ایک لاکھ ۲۰ ہزار ٹن تک پہنچ گئی تھی ہر ممکن کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ اس ششماہی میں یہ مقدار اگر ۶۲ء سے دوگنی نہ ہو سکے تو کم از کم ۶۱ء والی مقدار کے تو ضرور برابر آجائے"۔ (ریویو نمبر ۱)

اعداد میں اسکا ذکر نہیں کہ یہ "نعمت عظمیٰ" "صاحب" کے حصہ میں کتنی پڑتی ہے، اور خوش نصیب کالوں کو کتنی نصیب ہوتی ہے!
—— اس دور سے قبل اس آسانی اور اس ارزانی کے ساتھ کب جام گردش میں رہتا تھا؟ اعداد صرف ولایتی شراب کے ہیں اور اسکی بھی صرف ایک خاص قسم کے ہیں!

ذکر اشرف

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک ایم اے لکھتے ہیں:۔

"ریل کے ایک تازہ سفر میں ایک مسلمان فوجی عہدہ دار (صیغۂ ہوائی) کا ساتھ ہوا۔ دوران گفتگو میں عورتوں کے پردہ کا ذکر آیا، اور ضمناً نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی نور اللہ مرقدہ کا میری زبان پر آیا، اس پر وہ صاحب بولے کہ "مولانا کی ذات تو عجب بابرکات تھی۔ تھانہ بھون بھی حاضری کا اتفاق ایک بار ہو چکا ہے۔ نہ پوچھیے کہ دل پر کیا اثر ہوا۔ باتوں باتوں میں مولانا نے سب ہی کچھ ارشاد فرما دیا۔ نصیحتیں بھی تھیں اور حکایتیں اور ہدایتیں بھی تھیں۔ اس صدی میں اتنی پاکیزہ اور اس درجہ باشریعت زندگی بسر کرنا مولانا ہی کا حصہ تھا"۔ خیر ادھر تو ہم لوگ یہ باتیں کر رہے تھے، ادھر دوسری بنچ پر ایک پنڈت جی بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ آخرکار بول اُٹھے، کہ "مولانا صاحب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں تو اُنھیں بھگوان سمجھتا ہوں۔ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مدتوں میں تھانہ بھون میں رہ چکا ہوں۔ بارہا مولانا صاحب کے درشن کیے۔ ہمیشہ اچھی باتیں بتاتے تھے۔ ایسے لوگ اب کہاں؟"
اس تذکرہ سے آپ سے بڑھ کر خوش ہونے والا اور کون ہے، اس لیے یہ مختصر روداد سفر آپ کی خدمت میں لکھے بھیجتا ہوں"۔

بیشک مولانا کی ذات ایسی ہی تھی۔ عقائد اسلام پر پختگی، اور احکام شریعت کی پابندی ہرگز اسکے منافی نہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی معاملہ فراخ دلی اور حسن سلوک کا رکھا جائے۔ اور مولانا کی زندگی اس کی ایک جیتی جاگتی مثال تھی۔ ہمدردی و ہمسایگی کے حقوق بھی تو آخر شریعت اسلام میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

حکومت اسلامی

ایک کانگریسی معاصر میں سوالات:۔

"اسلامی حکومت۔ اس ایک لفظ میں نہ جانے کتنی دلربائیاں چھپی ہوئی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھیں اس حسین لفظ کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ دل بے اختیار اسکی طرف کھنچا جاتا ہے اور دماغ تھوڑی دیر کے لیے اس نام کی لذت سے سرشار ہو کر معطل ہو جاتا ہے۔ ذرا دیر کے بعد یہ سوالات اُٹھتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کیسی ہوگی؟ حجازی قسم کا، یا عباسی قسم کی یا ہندی مغلی قسم کی؟ پھر یہ سوالات اُٹھتے ہیں کہ وہاں سنی فقہ چلیگی یا شیعہ فقہ؟ اور سنی فقہ حنفی ہوگی یا حنبلی؟ اسی طرح کے بہت سے سوالات"۔

الزامی جوابات (مثلاً یہ کہ سوراجی حکومت کس کے خیالات کے مطابق ہوگی؟ گاندھی جی کے اصول کے یا پنڈت جواہرلال کے نقشہ کے یا سوبھاش چندر بوس کے نظریات کے مطابق؟ وقس علی ہذا) سے اگر قطع نظر کر لی جائے جب بھی پیش کردہ سوالوں کا جواب بہت ہی آسان ہے ——— اسلامی حکومت اپنی بدتر سے بدتر شکل میں، اور کسی فرقہ کی نقشہ کے مطابق ہی سہی، بہرحال ہر کافرانہ حکومت سے بہتر و قابل ترجیح ہوگی؛ صحت کمزور سے کمزور ہی بہرحال بیماری کی ہمسطح تو نہیں ہو سکتی! روشنی جیسی سے ویسی سہی، بہرحال تاریکی سے تو غنیمت ہی رہیگی۔

فسق کا عروج

بمبئی کرانیکل (۱۲ جنوری) ص ۱۳ پر صدر جمہوریہ امریکہ کی قد آدم تصویر درج ہے۔ صدر صاحب کچھ پڑھ نہیں رہے ہیں لکھ نہیں رہے ہیں، تقریر نہیں کر رہے ہیں بلکہ سامنے پیانو رکھا ہوا ہے اور صدر صاحب یہ باجہ ہاتھوں سے بجا رہے ہیں! نیچے تصریحات درج ہیں کہ صدر صاحب بڑے ماہر پیانچی ہیں، اس مزے سے بجاتے ہیں کہ سننے والے جھوم جاتے ہیں، اور چشم بد دور گھر بھر گانے بجانے میں بڑھا ہوا ہے خصوصاً صاحبزادی جنکا نام مارگیرٹ ہے، باپ بیٹی ساتھ مل کر گاتے بجاتے ہیں۔ اور صدر کے سرکاری مکان میں تین پیانو، تین مختلف کمروں میں رکھے ہوئے ہیں! ——— ہم اور آپ یہ سب سنتے ہیں اور خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ اب یہ ارشاد ہو کہ ہمارے ملوک و سلاطین میں جو نیک نام ہوئے ہیں، اُنکا ذکر نہیں، جو بدنام ترین گزرے ہیں اُنکی عیش پرستیاں اور رنگینیاں ضرب المثل کی حد تک پہونچ چکی ہیں، اُن میں بھی کسی کے متعلق یہ ضعیف روایت بھی منقول ہے کہ بادشاہ دیوان خاص میں بیٹھ کر طبلہ بجایا کرتا تھا، شہزادی صاحبہ گایا کرتیں، اور بادشاہ صاحب ساز ملاتے رہتے اور تال دیا کرتے؟ "صاحب" اور اُنکے سارے لوازم زندگی سے مرعوبیت کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیے

شیعہ سنی اشتراک عمل

شیعہ روزنامہ سے:۔

"ہمارے سامنے ایک طرف سنی اکثریت ہے تو دوسری طرف ہندو اکثریت، تیرہ سو برس کی پچھلی تاریخ پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ آسان نہیں کہ ان دونوں میں سے کون اکثریت ہمارے لیے قابل ترجیح ہے یعنی ان میں سے کس نے ہم کو شیعہ سمجھتے ہوئے ہمارے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا ہے، اور کون صدیوں کی معاشرت میں بہتر رفیق و ہمسایہ ثابت ہوئی ہے"۔

کیا سنی الکشن بورڈ جب شیعوں کی مخالفت میں کچھ کہنا چاہتا ہے، تو اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت اسے باقی ہے؟ ——— "ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو!"

"یعنی نہ گاندھی سے مطلب نہ ابوالکلام سے سروکار۔ ہمارے لیڈر کا نام

[illegible] ہے، ہر بہ حیثیت شیعۂ علی کے اپنے کو منظم و مستحکم کرینگے"۔

[illegible] اک اللہ - تو بہتر ہوگا کہ سب فیصلہ میں اپنے انھیں لیڈر بنا رکھیے، [illegible] آپ کے نہیں؟ اہل سنت کے بھی اسی قدر محترم لیڈر اور پیشوا ہیں [illegible] کیا نعوذ باللہ انھیں بھی گاندھی جی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے [illegible] درمیان "تذبذب و تردد" تھا؟ کیا خدانخواستہ تاریخ کی ساری شہادتوں کو بالکل جھٹلا کر رکھ دیا جائیگا؟ کیا نہج البلاغۃ کے اوراق خدانخواستہ دنیا سے ناپید ہوگئے ہیں؟ کیا علی مرتضیٰؓ کا ربط و اتحاد صدیقؓ و فاروقؓ کے ساتھ تاریخ کا کوئی چھپا ڈھکا واقعہ ہے؟ کیا صدیقؓ کی وفات پر، نیز زندگی میں بہترین مدح و توصیف کے الفاظ مرتضیٰؓ کی زبان سے منقول نہیں!

"اگر شیعوں کو پاکستان میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے تو کیا مسلم لیگ بھی پاکستان کا کوئی حصہ شیعہ فرقہ کو نماز ادا کرنے کے لیے عنایت کریگی"؟

لیگ کیا کریگی اس کا جواب تو کوئی لیگ ہی کا ممبر دے سکتا ہے، البتہ اس سوال کو پڑھ کر چند اور سوال خیال میں آگئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں، کہ تبرے وغیرہ پر جو کچھ بھی جھگڑے ہوتے ہوں نماز سے متعلق تو اب بھی کوئی جھگڑا شیعہ سنیوں میں نہیں؟ کیا علیگڈھ (مسلم یونیورسٹی) میں ایک ہی مسجد میں سنی اور شیعہ، دونوں اپنے اپنے اماموں کے پیچھے اپنی اپنی نمازیں سالہا سال سے پوری آزادی کے ساتھ، بلاشائبۂ کشمکش پڑھتے نہیں چلے آرہے ہیں؟ کیا عراق میں، ایران میں، مصر میں، فلسطین میں، شام میں، حجاز میں، نماز پر بھی کوئی خاص ہنگامے شیعہ سنیوں کے درمیان ہوے ہیں؟ کیا خود لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کے مکان میں سنی شیعوں نے مل کر نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ کیا حیدرآباد کی کسی مسجد میں شیعہ عہدہ داروں نے اہل سنت امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ —— اور اودھ کے ایک شیعہ رئیس نے (نام بھی ظاہر کیا جا سکتا ہے) کم از کم ان سطور کے راقم آثم کے ساتھ تو سنی جماعت میں کھڑے ہو کر اپنے طریق پر نماز ایک بار نہیں، دس بیس بار تو ضرور ہی پڑھی ہے۔ بہ جبر و اکراہ نہیں، بطیب خاطر و انشراح قلب کے ساتھ۔

چکّی کے پاٹوں کے درمیان

"امریکہ کا VASSAR کالج زنانہ تعلیم گاہ کی حیثیت سے دنیا میں ایک بہترین و مشہور ترین درسگاہ ہے .... یہاں رقص جسمانی تعلیم کا ایک اہم عنصر ہے اور یہاں کی لڑکیاں خاص کمالات فن کے بہت اونچے مرتبہ پر ہیں" (بمبئی کرانیکل - ۱۲- جنوری)

"کل سہ پہر کو بھارت بالیکا ودیالہ (لڑکیوں کی تعلیم گاہ) نرہی، لکھنؤ کے سالانہ تقسیم انعام کا جلسہ مسٹر سمپورنا نند سابق وزیر تعلیمات یوپی کی صدارت میں ہوا ۔۔۔ تقریروں کے بعد بڑا دلچسپ پروگرام لڑکیوں کے گانے اور ناچ کا پیش ہوا۔ مختلف صوبوں کی لڑکیاں رنگ برنگ پوشاک پہنے ہوے وطنی ترانہ گاتی ہوئی آئیں، اور انکے رقص و سرود نے سماں باندھ دیا" (پاینیر - ۱۴- جنوری)

مسلمان لڑکیاں اب تک بڑی حد تک بچی ہوئی سہی، لیکن آخر کب تک، فرنگی تہذیب اور ہندو تہذیب کی اس دوہری مار کے بعد بچی ہوئی رہ سکیں گی؟ ماحول میں جب معیار عزت یہی ٹھہرا تو کب تک اپنے کو ماحول سے متاثر ہونے

گے نہ بچیں؟ جاہلی تہذیب، دونوں طرف سے بلکہ چاروں طرف سے اپنے لشکر لاتی ہوئی فسق و معصیت کے جھنڈے اڑاتی ہوئی، لذات نفس کی رشوتیں پیش کرتی ہوئی مسلمانوں کو گھیرتی ہوئی چلی آرہی ہے، مسلمان اپنا تقوٰی لئے، درجہ ادنیٰ میں بھی کب تک محفوظ رہ سکتا ہے؟

حکیم الامتؒ :

نقوش و تاثرات

نمبر (۲۰)

از حکیم الامتؒ

[خوب خیال کر لیا جائے، مقالۂ حکیم الامت کی یہ بیسویں قسط، بہ قلم عبدالماجد نہیں، بہ قلم حکیم الامت ہی ہے]

م۱ نصوص کا اپنے ظواہر پر محمول کیا جانا اجماعی منقولی مسئلہ ہے اور معقولی بھی۔ ورنہ تمام نصوص اور تمام قوانین سے امن مرتفع ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی معارضت ہو تو بضرورت غیر ظاہر پر محمول کر لیا جاویگا مگر معارضت کا محض خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں، ورنہ ہر فرقہ قرآن و حدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہو سکتا ہے۔ اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ان معانی کے مدلول نص ہونے کے مدعی نہیں بلکہ اصل مدلولات کو قبول کر کے ان مدلولات کے مشابہ کو بطور اعتبار کے ظاہر کرتے ہیں۔

م۲ احادیث متضمنۂ خروج دجال و یاجوج ماجوج کو جو صحیحین میں بھی مذکور ہیں، جو شخص خلو ذہن کے ساتھ پڑھیگا اسکے ذہن میں بلا تکلف جو معانی آوینگے وہی ان احادیث کے مشہور اور صحیح معنی ہیں۔

م۳ ان معانی کا امتناع نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت اور نہ کسی دلیل نقلی سے۔ مثلاً کسی دوسری ایسی ہی صحیح حدیث میں اسکے خلاف آیا ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے خروج کا کوئی زمانہ معین فرمایا ہو اور وہ زمانہ گزر گیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا بلکہ ایک صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کو دجال کے متعلق یہ بھی احتمال تھا کہ شاید میرے ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

م۴ پھر وہ مجاز بھی بعض قلیل عبارات میں جاری کیا گیا ہے۔ اور جو عبارات اس مجاز سے بھی خالی چھوڑ دی گئیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ مضمون مذکور کی تاویلات کو احادیث پر منطبق کرنے سے واضح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک عبارت بالمعنی پیش کرتا ہوں۔ کہ ان دونوں واقعات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہونگے جس میں ایک واقعہ ختم ہوگا اور دوسرا شروع بھی اور ختم بھی ہوگا۔ اور حدیثوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ نبی اللہ بھی آیا ہے۔ اس لیے اس کی کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی کا دل چاہے شکوٰۃ کے یہ ابواب ان مدعی صاحب کے سامنے لیکر بیٹھ جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ کتنی جگہ گاڑی اٹکیگی۔

۵ اسی لیے علماء امت میں سے خصوصاً سلف خیر القرون میں سے کسی کو ایسے معانی کا احتمال بھی نہیں ہوا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ وقوع سے پہلے حقیقت سمجھ میں نہیں آتی۔ اول تو یہ بات غلط ہے جب حقیقت واضح ہے۔ سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اسی میں کلام ہے کہ جسکو وقوع کہا گیا ہے یہ وقوع ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ وقوع اسی طور پر ہو جیسا مدلول متبادر ہے۔

۶ پھر اگر علماء یا صحابہ نہ سمجھے ہوں تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ احتمال نہیں۔ پھر جب بعض صحابہ کا متبادر معنی پر محمول کرنا آپ کو معلوم ہوا تھا، آپ نے اسکی نفی کیوں نہ فرمادی، اس معنی کی تقریر کیوں فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہہ ہوا تو حضورؐ سے اُسکے قتل کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہو سکتے، اگر وہ نہیں ہے تو اسکا قتل کرنا اچھی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ یہ دجال ہو سکتا ہی نہیں، کیونکہ دجال شخص واحد کا نام نہیں، خاص قوم کا نام ہے، اس لیے یہ دجال نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ وہ اس قوم میں بھی نہ تھا۔

۷ پھر اگر ایسی ہی تاویلات کا باب مفتوح ہو تو اسکی کیا دلیل ہے کہ جو اسوقت سمجھا گیا وہی مراد ہے۔ ممکن ہے دوسری قوم اور دوسرے واقعات مراد ہوں جو واقع ہو چکے ہوں یا آیندہ واقع ہوں اور اس حالت میں مرزا کی تاویل پر بھی حتی کہ دعوے نبوت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی تحریر میں اُس نے بھی ایسی ہی تطبیق کی کوشش کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دونوں تطبیقوں میں تعداد احادیث کی کمی و بیشی کا تفاوت ہو۔

۸ کسی مدعا کے اثبات میں زیادہ کوشش کرنا کوئی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ اہل باطل اپنے آراء و اہواء کے اثبات میں اس سے زیادہ کوشش کی ہے۔ قرآن کے باب میں یہ ارشاد ہوا ہے الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔ اور ارشاد ہوا ہے لا یألونکم خبالاً۔

۹ اسی طرح دعا کے بعد رائے نہ بدلنا کوئی شرعی دلیل نہیں۔ مرزا نے بھی ایسے دعوے کیے ہیں۔ شرعی ادلہ متعین ہیں یہ اُن میں سے نہیں۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض دعا شرائط سے خالی ہوتی ہے۔ اس لیے قبول نہیں ہوتی۔

۱۰ پھر غضب پر غضب یہ ہے کہ بلا دلیل اپنے دعوے اتنا جمود ہے کہ مخالف پر جسکے پاس شرعی دلیل بھی ہے طعن و استہزا و استخفاف بلکہ سب و شتم بھی کیا گیا ہے۔ کیا یہ مجاز ایسا ذی رائج ہو گیا کہ حقیقت کا قائل تمسخر و ابطال کے قابل ہو گیا۔

۱۱ مدیر صاحب کی یہ شکایت ہے کہ قبل تحقیق اسکو شائع کر دیا۔ خدا جانے کتنی امت محمدیہ غلطی میں مبتلا ہوئی ہوگی اور جو عند الاشاعت کا لکھ دیا ہے محققین علماء سے استفتاء کرلینا چاہئے کہ وہ عند اللہ عذر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تا وقتیکہ اس مضمون کے بطلان کی اور اشاعت کے خطا ہونے کی تصریح شائع نہ کی جاوے۔

[میرا ذاتی خیال اُسوقت بھی تھا، اور اب تو اور زیادہ جزم و وثوق کے ساتھ ہے کہ جس طرح حقیقی دجال کا اطلاق آخر زمانہ کی کسی ایک متعین شخصیت پر ہوگا، اسی طرح مجازی و صفاتی دجال خدا معلوم کس کثرت سے پیدا ہو چکیں گے، افراد بھی اور اقوام بھی۔ چنانچہ اسی خیال کی وضاحت کے لیے ذیل کا نوٹ بھی ... کے مضمون کے نیچے شائع ہوا]

سچ - حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہٗ اسوقت علماء امت کے اُن گنے چنے افراد میں سے ہیں، جنکی رائے ہر مسئلہ دین میں خواہ وہ ہم عامیوں کی سمجھ میں پوری طرح آئے یا نہ آئے، بہر حال پورے عزت و احترام، توجہ و التفات کی مستحق ہوتی ہے۔ مضمون "یورپ اور اسلام" اور اسی سلسلہ کے دوسرے مضامین کے بہت سے نمبر پچھلے ماہ وہیں مولانا موصوف کی خدمت میں بغرض اظہار رائے گرامی بھیجدیے گئے تھے۔ مولانا نے کمال عنایت وقت نکال کر انھیں ملاحظہ کیا اور اپنے ذہن و تحقیق نے اس پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بجنسہ درج کر دیا گیا۔ امید ہے کہ ہمارے کرم جناب مولوی عبد اللہ شاہ صاحب قادری حیدرآبادی اسی انتقاد کی روشنی میں اپنے مقالہ بحث کو آئیندہ اور زیادہ منضبط و مدلل بنانے کی کوشش کریں گے۔ انتقاد اگر تحقیق و حسن نیت کے ساتھ کیا گیا ہے تو بہر صورت مفید ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک سچ (مدیر سچ) کے ذاتی عقیدہ کا تعلق ہے جیسا کہ ان صفحات میں بارہا اس سے پیشتر بھی عرض کیا جا چکا ہے، دجال کے وجود ذاتی اور ظہور صفاتی میں اُسے کوئی تناقض نہیں نظر آتا۔ بلکہ اسکے فہم ناقص میں یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے کے مصداق اور ایک دوسرے کے مکمل و متمم ہیں۔ اور سچے رسول کی پیشین گوئیوں کی پوری عظمت بھی حقیقت یوں ہی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مجازی اور حقیقی، لفظی اور معنوی، ذاتی اور صفاتی ہر رنگ سے پوری ہو کر رہیں۔ اگر آج ان صفحات میں موجودہ فرنگی تمدن کو شیطانی تمدن سے یا موجودہ فرنگی حکومتوں کو فرعونی حکومتوں سے تعبیر کیا گیا ہے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ابلیس کی کے شخصی وجود یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کی تاریخی شخصیت سے انکار ہے۔ ٹھیک اسی طرح موجودہ تمدن یا فرنگی قوموں کو دجالی قرار دینا اسکا مستلزم نہیں کہ آئیندہ کسی شخصی دجال کے ظہور سے انکار ہے۔ آج صفاتی حیثیت سے بے شمار دجال اور بے شمار مہدی موجود ہیں (دیکھ

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامہ عصر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا خطبۂ صدارت
لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے - اور فرمایا لئن ادرکتہم لاقتلنہم قتل عاد وثمود - اگر میں نے انکو پایا تو عاد اور ثمود کی طرح انکا استیصال کردونگا - اور ہم شرار الخلق وہ بدترین خلائق ہیں اور ابغض الخلق الی اللہ تعالی وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں - اور قد کانوا مسلمین فصاروا کفارا، پہلے یہ مسلمان تھے پھر کافر ہوگئے اور فاینما لقیتموہم فاقتلوہم۔ تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہے - اس کی جان و مال سب حلال ہے -

خیال کیجیے کہ آج اس عقیدے کے موافق کتنے آدمی مسلمان رہ گئے

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حال میں کہتے ہیں۔

یستحلون دماء المسلمین ویکفرون الصحابۃ - وہ مسلمانوں کے خونوں اور انکے اموال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ العیاذ باللہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر کہتے ہیں -

اب خیال فرمایئے کہ ایسے فرقہ سے کس طرح کے تعلقات رکھنا یا اور مدد کرکے انکی شوکت کو بڑھانا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں اور کفار مجاہرین سے ہوجائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار و مشرکین کے مقابلہ میں انکی مدد کریں کیونکہ وہ اسوقت کفر (صریح) کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کے لیے لڑرہے ہیں - یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں اور اسوقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا انکا مقصد ہے خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی اس سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس لیے کھلم کھلا کلمۂ اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں انکار کرنے والوں کے مقابلہ پر انکا لڑنا محض اسلام کے نام اور اسکے کلمہ پر لڑنا ہے، لہذا انکی مدد کی جاسکتی ہے - غور کیجیے کہ خوارج کی یہ امداد کیا انکی تقویت کا سبب نہ بنیگی۔ مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نفس اسلام سے چڑھتے ہیں اور کلمہ سے علانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں - جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کیلیے ایک آئینی جنگ اُن کفار و مشرکین سے مقابلہ پر کررہے ہیں - جو مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کے نسبت عشر عشیر بھی نہیں -

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم لیگ اس بات کا فتوی دے رہی ہے کہ وہ کل آدمی جو لیگ میں شامل ہوں اللہ کے نزدیک مومن و مسلم ہیں۔ اس نے اپنے دستور میں اعلان کردیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ ان میں شریک ہونے والا اسلام کا دعوی رکھتا ہو اور اسکا کلمہ پڑھتا ہو۔ کیونکہ مسلم لیگ کوئی نبیوں کی جماعت نہیں علماء کے فتاوے اپنی جگہ پر قائم رہینگے صرف غیر کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قدرے توسع کردیا گیا ہے - گو واقعۃً اس قدر توسع بھی مستحسن نہ ہو۔ تاہم مسلم لیگ سے کنارہ کشی کے لیے یہ عذر نہیں بن سکتا - اب اسکے بعد تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح سب ... آچکے تھے اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اسی چیز کی اصلاح کریں - اور فاسد عناصر سے اسکو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں، نہ یہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہو کر دشمن کے کیمپ میں شامل ہوجائیں۔ اگر آج تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آجائیں تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑیگا - اور اس طرح تمام ہندوستانی مل کر آپس کے معاہدات کے ماتحت بیرونی طاقت کی غلامی سے تھوڑے وقت میں بآسانی نجات حاصل کرلیں گے۔

آج ادھر لیگ کے موجودہ رہنما اور قائدین جو غلطیاں علماء اسلام کے نزدیک دین سے بیخبری یا لاپروائی کی بنا پر کرچکے ہیں یا کررہے ہیں انکے تدارک کی بھی واحد صورت یہی ہوسکتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اثر اور رسوخ لیگ میں بڑھائیں - میں یقین کرتا ہوں کہ عامۃ المسلمین اور بہت سے اونچے طبقہ کے حضرات کی طاقت ایسی اصلاحی آواز کی پوری قوت کے ساتھ تائید کریگی۔

اب میں آخر میں بطور اتمام حجت اور بمقتضائے الدین النصیحۃ[1] مسلم لیگ کے ممتاز اور ذمہ دار قائدین کو ایک خادم دین کی حیثیت سے نہایت خلوص قلب کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتا ہوں

ذمہ دار قائدین لیگ سے خطاب

مسلم قوم کی تنظیم، نصب العین کی وحدت، ہندی مسلمانوں کی قومی و سیاسی استقلال اور انکی مرکزیت کو مضبوط تر بنانے کیلیے آپ حضرات نے جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں وہ یقیناً لائق تبریک و تحسین ہیں ہر فرد مسلم جسے اس نازک ترین دور میں ملت کی اجتماعی ضروریات کا صحیح احساس ہے - آپ کے لیے جذبات امتنان اپنے قلب میں موجزن پاتا ہے - اس کے ساتھ اس نازک موقع پر جبکہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ علماء ربانیین سے لیگ کی دستگیری اور حمایت کی پُرزور اپیل کررہے ہیں - چند اہم امور کی طرف

[1] دین خیر خواہی کا نام ہے۔

ہر وقت آپ کی توجہ منعطف کرانا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ علمائے کرام کی ایک مستند جماعت نے خصوصاً جمعیۃ علمائے اسلام کے اجلاس کلکتہ منعقدہ نے مسلم لیگ کے اصل مطمح نظر کو تقویت پہونچانے کے لیے جو آواز بلند کی ہے اُس کا مقصد نہ آپ کو خوش کرنا ہے اور نہ محض لیگ کے بڑھتے ہوئے اقتدار میں حصہ دار بننے کے لیے اسکے ساتھ اپنے دامن کو وابستہ کر دینا ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اصول کی تائید و حمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے۔ مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ بلکہ فرض کر لیجیے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے آج اس نے اختیار کر رکھا ہے، تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اُسے غلط کہنے لگیں۔ حق کہنے والے کو اکیلے رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئینگے جنکا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی ہونگے۔ بلکہ بعض وہ ہوں گے جنکے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ وہ حق پر نہ تھے۔ بہر حال آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں حق کے لیے حق سمجھ کر تائید کر رہے ہیں۔ جس سے بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے کامیابی عطا فرمادے اور پاکستان قائم ہو جاوے، تو آپ اور قائدین لیگ اپنے حسب ذیل مشہور اعلانات کے صدق سے پابند رہیں

لیگ کے سب سے بڑے قائد مسٹر محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی سے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا

مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔

"آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقع پر انھوں نے ہزارہا مسلمانوں کی موجودگی میں نہایت تاکید سے فرمایا تھا کہ

قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت و پناہ ملجا و ماویٰ اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں"

اسی طرح کی نصیحتیں علیگڈھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور، وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ پھر ستمبر ۱۹۴۵ء گذشتہ عید کے موقع پر جو پیغام آنجناب نے دیا وہ بہت ہی مفصل و مشرح تھا۔ اس کا ایک جملہ یہ ہے کہ "ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرے۔ تاکہ احکام الٰہی سے واقفیت ہو، اور ان پر عمل کرنے دنیوی معاملات میں خیر و برکت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔"

ابھی حال میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے بمقام پشاور بموجودگی ارکان عہدہ داران مقتدین عالی اعلان فرمایا کہ "پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

چنانچہ انھیں اعلانات سے متاثر ہو کر جناب ارباب عبد الغفور خاں صاحب خلیل مع جملہ افغانان تہکال سرحد مسلم لیگ شامل ہوگئے۔ مذکورہ بالا اعلانات کی روشنی میں مجھے کہنے دیجیے کہ قرآن حکیم کی ہدایات و احکام پر عمل کرنے کے لیے کچھ قیام پاکستان کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سچ پوچھیے تو پاکستان کا ملنا احکام شرعیہ اور تعلیمات قرآنیہ پر استقامت کے ساتھ عملدرآمد رکھنے کا ثمرہ ہوگا۔

فرض کیجیے پاکستان ملے یا نہ ملے، جلد ملے یا دیر سے ملے، قرآنی احکام تو کسی وقت بھی معطل نہیں ہو سکتے۔ تاحد استطاعت ہم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمہ وقت احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے۔ خصوصاً ارکان خمسہ (کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا التزام۔ اور شراب۔ سود، زنا، قمار غرض تمام منکرات و فواحش سے اجتناب و احتراز ہر صورت لازم ہے۔ اور ان چیزوں کا لزوم جس قدر عامۂ مسلمین کے حق میں ہے اُس سے زیادہ موکد علما اور قائدین کے حق میں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اُنکے ذاتی افعال و اطوار کا اثر دوسروں تک پہونچتا ہے۔ اور اُنکے صلاح و تقویٰ سے قوم کا مزاج درست ہوتا ہے۔ اور اس طرح پوری قوم حق تعالیٰ جل شانہٗ کی نصرت و حمایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ پھر بزرگ و برتر قدوس کی نصرت اگر حاصل ہو جائے تو تمام مخالف مغلوب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں (ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المومنون)

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے ؎

اُنکے مضبوط جہازوں کی مدد گار ہے آگ | میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام
خوب حق الفت احمد کو نہ چھوڑے اکبر | منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

(باقی آئندہ)

ریڈیو اور لاوڈ اسپیکر

کے احکام شرعی کے متعلق ایک فاضلانہ و مبصرانہ فتوی

(از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حجۃ مفتی فرنگی محلی - مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۲)

مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، ہر مقام کے لیے وہاں کی رویت و عدم رویت پر وہاں کے لوگوں کا روزہ رکھنا اور نہ رکھنا کافی ہوتا ہے۔ کسی مقام کے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مقامات کی رویت و عدم رویت سے اپنے کو باخبر رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ دوسرا امر ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے مقام کی خبر رویت "بطریق موجب" الکول ہو جائے تو اسکا اعتبار کریں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جب شریعت اسلامیہ نے کسی عبادت میں سہولت قائم کی ہے تو ایسا انتظام کرنا جس سے اجتماعی طریقہ سے اس سہولت کی گنجائش نہ باقی رہے "التزام ما لا یلزم" کی وجہ سے بالکل غیر مناسب ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی بھی مقصود نہیں اور اندیشہ ہے کہ چند دنوں کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں یہ راسخ ہو جائے کہ شریعت کی طرف سے اس میں سہولت نہیں۔

"ب"۔ شوال اور دوسرے مہینوں کے ثبوت رویت کے فیصلہ کے لیے محض خبر رویت بغیر اسکے کہ وہ بطریق شہادت ہو کافی نہیں، اس لیے اگر غیر اسلامی مداخلت کے بغیر کوئی مناسب انتظام بھی کر دیا جائے (جیسا کہ "الف" میں مذکور ہوا) اور ریڈیو کیس سے سنی ہوئی آواز بولنے والے ہی کی اصل آواز قرار دی جائے تب بھی ریڈیو سے "نشرشدہ خبر" ثبوت رویت کے فیصلہ کے لیے کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ شہادت کے لیے ضروری ہے کہ شاہد اُس شخص کے مواجہہ میں شہادت دے کہ جو شہادت پر فیصلہ کرنے والا ہے۔

البتہ شرعی شہادت کی بنا پر ثبوت رویت کا جو فیصلہ ہوا ہے اُس فیصلہ کی خبر معتبر ہونے کے لیے چونکہ "خبر بالشہادۃ" ضروری نہیں اسلیے غیر اسلامی مداخلت کے بغیر اگر اس فیصلہ کے نشر کا معقول انتظام ہو جائے تو فیصلۂ ثبوت رویت ہلال رمضان کی خبر کی طرح (اُن حدود کے ماتحت جو نمبر الف میں مذکور ہوئے) اس نشر شدہ خبر کے اعتبار کی بھی گنجائش پیدا ہو سکیگی بشرطیکہ جس مقام پر فیصلہ کی خبر سُنی گئی ہو وہاں کے قاضی کا فیصلہ اسکے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ جو شہادت کی بنا پر ہو، دوسری جگہ کے قاضی کے لیے حجت نہیں۔ اور مقامی قاضی کے فیصلہ کے خلاف عمل کا جواز مشتبہ ہے۔

لیکن جیسا کہ نمبر الف میں مذکور ہوا اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، اور غیر مناسب بھی ہے جبکہ شہادت پر رویت کا فیصلہ کرنے والے عموماً اصلی معنوں میں قاضی نہیں ہوتے بلکہ ضرورۃً انکا فیصلہ قاضی کے فیصلہ کے حکم میں قرار دیا گیا ہے اور اسکے فیصلہ کے قبول کرنے کے لوازم میں سے یہ نہیں کہ ریڈیو کے ذریعہ فیصلہ کی خبر بھی نشر ہو، یہاں تک کہ کہا جائے کہ (الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ) بغیر اسکے بھی باسانی کام چل سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲) یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ نماز بخشوع و خضوع ادا ہونا چاہیے (نماز میں خشوع و خضوع کے منافی حالات کم از کم کراہت سے خالی نہیں ہوتے) اور اعمال نماز کے علاوہ نماز کی حالت میں کوئی عمل نہ ہونا چاہیے (تسبیح و تہلیل اور قرآن وغیرہ کے علاوہ نماز پڑھنے والے کی زبان سے جو ایسے الفاظ ادا ہوں کہ جو حقیقۃً یا حکماً کلام الناس کے تحت میں آئے ہوں ان الفاظ کا ادا ہونا "عمل کثیر" جو افعال نماز میں سے نہ ہو، اسی طرح کھانا پینا ان سب کو مفسدات نماز میں سے شمار کیا جاتا ہے) اور نماز پڑھنے کی حالت میں حقیقی تکلم جیسے "بات چیت" کرنے بھی جائز نہیں، خواہ یہ تکلم ایسے ہی نماز پڑھنے والے اور خارج نماز شخص کے مابین ہو، البتہ وہ امور کہ جو اگرچہ حقیقۃً تکلم نہیں مگر عرف کے لحاظ سے وہ تکلم ہی سمجھے جاتے ہیں (مثلاً کسی شخص کے پکارنے پر جواب دینے کے بجائے جس چیز کے پڑھنے میں مشغول تھا اُسے زور زور سے پڑھنے لگنا تاکہ پکارنے والے شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نماز پڑھنے کی وجہ سے جواب نہیں دیتا، یا کسی شخص کے کسی حکم دینے پر اُسکے موافق عمل کر لینا، یا اشارۃً کسی امر کو منع کرنا یا اشارۃً سلام کا جواب دینا یا کسی کے چھینک لینے پر "یرحمک اللہ" کے مثل الفاظ ادا کرنا وغیرہ ذلک) تو ان میں سے بعض کے متعلق احادیث و اقوال علماء سے صراحۃً جواز کا حکم ملتا ہے اور بعض کے متعلق ممانعت کا بایں طور کہ نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم ہے یا نماز کے مکروہ ہونے کا اور بعض کے متعلق جواز بلا کراہت کا اور بعض کے متعلق استحباب بلکہ لزوم کا۔

بناءً بریں نہ تو کلیۃً یہ کہا جا سکتا ہے کہ خارج از نماز شخص کے قول یا فعل سے نماز پڑھنے والے کا اثر قبول کرنا اور اُس سے اعمال نماز میں تغیر و تبدل کر دینا نماز کو فاسد یا مکروہ کر دیتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ جب مسافر امام ہو اور وہ اپنی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اپنی نماز سے فارغ ہو جائے اور مقتدیوں سے کہے کہ تم لوگ اپنی اپنی نماز پوری کر لو اور اُسکے اس کہنے کے بعد مقتدیین اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اُنکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ نماز کا فاسد یا مکروہ ہونا تو درکنار امام کا اس طرح کی تلقین اور مقتدیین کا اس تلقین کو قبول کر کے اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنا ہی (یعنی مقتدیین کا تلقن) طریقۂ شرعیہ ہے، اسی طرح لازم آتا ہے کہ آنے والے کی آہٹ پا کر (جبکہ آنے والے کی شخصیت معلوم نہ ہو) رکوع میں طول دینے والے کی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ بھی نہیں۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اگر کوئی پکارے (مثلاً باپ یا ماں) اور وہ اس امر کو جتلانے کے لیے کہ میں نماز میں مشغول ہوں تکبیرات انتقالات کو بالجہر ادا کرے یا بالجہر سبحان اللہ کہدے تو اُسکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے

ہر نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز میں تخفیف کر دینے سے بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جانی چاہیے حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس پر تھا کہ آپ تخفیف فرماتے تھے۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے زمانہ میں جو نماز پڑھائی اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کو تشریف لا چکے تھے وہ انکی نماز فاسد یا مکروہ قرار دی جائے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو محسوس کر کے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (جو اس وقت نماز میں شریک تھے) اشارہ پاکر وہ اپنی جگہ ہی پر قیام پذیر رہے۔ کیا کوئی فقیہ اسکی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ یہ کہدے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ نماز فاسد یا مکروہ ہوگئی (تھی) بعض علماء کے قول میں خصیصۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اسکا تعلق بھی اس واقعہ سے نہیں ہے ورنہ علماء اس واقعہ سے تبلیغ خلف الامام کے جواز کا استنباط نہ کرتے۔ خصیصہ کا تعلق صرف طریقۂ اقتداء سے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اشارۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اثر پذیر ہونے سے خصیصہ کا تعلق لائق تسلیم نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا محض ارادۂ قلبی تھا کہ اگر ایسا ہوتا اور عمل سے اسکا اظہار نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنے ملکۂ نبوت سے اس امر قلبی کو معلوم کر کے اشارۃً منع کیا ہوتا تو روایت حدیث میں بازرہنے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو نہ بیان کیا جاتا جبکہ راوی حدیث خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں، اور راوی اس علم کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہیں کرتا، فلیفہم) اور نہ یہی کلیۃً کہا جا سکتا ہے کہ نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی ورنہ لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اگر خارج از نماز شخص لقمہ دے (قرآن شریف پڑھنے میں جو غلطی کی ہے اسے بتائے) اور وہ اسے قبول کرلے (بتانے کے مطابق صحت کرے) تو اسکی نماز فاسد نہ ہو۔ حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر سلام کا جواب زبان سے دے تو نماز فاسد نہ ہو، حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے ومثل ذالک۔

اور جب خارج از نماز شخص کے قول یا فعل سے نماز پڑھنے والے * اثر پذیر ہونے کے متعلق کلیۃً نہیں کہا جا سکتا اگرچہ اس سے اعمال نماز میں مدد بھی ملتی ہو، کہ اس سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے۔ جبتک کہ یہ اثر پذیری خشوع وخضوع کے خلاف نہ ہو یا اس سے نماز کی حالت میں اعمال نماز کے علاوہ کسی عمل میں مشغول ہونا لازم نہ آتا ہو۔ اسی وجہ سے نماز کی حالت میں مصحف سے دیکھ دیکھ کر تلاوت قرآن سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے، لیکن اگر مکتوب پر نظر پڑ جائے تو نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی، اگرچہ نظر پڑنے کے ساتھ ہی مکتوب کے الفاظ یا معانی بھی ذہن میں آجائیں۔ درمختار میں ہے (ولا یفسد نظرہ الی مکتوب وفہمہ) ولو مستفہما وان کرہ۔ علامہ شامی "ولو مستفہما" کے تحت تحریر فرماتے ہیں، اشار بہ الی نفی ما قیل انہ لو مستفہما تفسد عند محمد فی البحر والصحیح عدمہ اتفاقا لعدم الفعل منہ ولشبہۃ الاختلاف الخ اور "وان کرہ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں ای لاشتغالہ بما لیس من اعمال الصلوٰۃ واما لو وقع نظرہ بلا قصد وفہمہ فلا یکرہ۔

اور مذکورۂ بالا کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آلۂ کبر الصوت کے ذریعہ امام کی آواز سن کر مقتدی اگر رکوع وسجود کریں تو نماز فاسد یا مکروہ ہوگی۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آلۂ کبر الصوت کے ذریعہ جو آواز سنی جاتی ہے وہ بولنے والے کی اصل آواز نہیں ہوتی، آواز کے مماثل ہوتی ہے (جیسے مماثلت کہنا چاہیے) کیونکہ یہ امر نہ خشوع وخضوع کے خلاف ہے اور نہ یہ حقیقۃً یا حکماً تکلم مع الغیر ہے (جبکہ مماثل آواز کسی بازار کی آواز نہیں ہوتی) اور نہ اسکی وجہ سے نماز میں اعمال کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں نماز کا مشغول ہونا لازم آتا ہے (اور نہ یہ وہ تلقن من الخارج ہے جو مطلقاً نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ یعنی اس تلقن کا تعلق تکبیرات سے نہ کہ قرأت قرآن سے) اور نہ خود اسکے متعلق کتب فقہ میں کوئی جزئیہ موجود ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے اور نہ اسکے مماثل کسی صورت کے متعلق نماز کے فاسد یا مکروہ ہونے کا کوئی جزئیہ موجود ہے (سجدہ والی آیت کی سماعت سے سجدۂ تلاوت کا واجب نہ ہونا دوسری چیز ہے اور نماز میں کسی مماثلت سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے نماز کا فاسد یا مکروہ ہو جانا دوسری چیز ہے مماثلت کا اصل حکم میں نہ ہونا صرف اس امر کو مستلزم ہے کہ لاؤڈ اسپیکر والی آواز نماز سے ایک خارج چیز ہے، لیکن ہر خارجی امر نماز کو فاسد یا مکروہ نہیں کرتی۔ کلام سیاق میں اس کا یہ کہنا تمہیداً جزئیہ تھا) اور اصل عبادت میں صحت بلاکراہت ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نماز کی حالت میں خارجی امداد سے نماز کے فاسد یا مکروہ ہونے کے جو جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہیں تقریباً وہ سب ایسے ہیں کہ انکا تعلق اس خارجی امداد سے ہے کہ جو نماز کی حالت میں نماز پڑھنے والا حاصل کرلے یعنی بالقصد والارادہ امداد لینے کا عمل اور وجود نماز کی حالت میں ہو۔ اگر نماز شروع ہونے کے پہلے ایسا خارجی سامان کر دیا جائے کہ جس سے نماز پڑھنے والے کو نماز کے دوران میں بغیر اسکے قصد وارادہ کے امداد ملتی رہے تو کیا اس امداد سے بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائیگی؟ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

آئندہ کیا عجب ہے کہ کسی شخصیت کے اندر دجال کامل اور کسی ایک شخصیت کے اندر مہدی کامل کا ظہور ہو جائے۔ غرض سچ تو اپنے نزدیک علما و سنت کے عام وسیع عقیدہ اور مولوی عبد اللہ شاہ صاحب کے عقیدہ کے درمیان مطلقاً کوئی تناقض وتعارض نہیں پاتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں فریق ایک ایک پہلو پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔

تصحیح نمبر ۶

۵ پرک کے وسط میں، اور ک۲ کے ثلث اول میں دو جگہ کتابوں پر ریویو کے سلسلہ میں (کتاب نمبر ۲ و کتاب نمبر ۴ کے آخر میں) ایلوپیتھی کے دستخط مرموز چھپنے سے رہ گئے ہیں۔ دونوں جگہ (ع - ق) پڑھا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ ہندوستانیہ [illegible]
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ [illegible]
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

نمبر ۷۰ | شنبہ - ۲۱ - صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶ - جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"کراچی - ۱۴ جنوری - گورنمنٹ کے اس تازہ حکم کا کہ پانسو اور ہزار، اور دس ہزار کے نوٹ یک بہ یک منسوخ سمجھے جائیں، ایک اثر یہاں یہ ہوا کہ ۴۰ کی عمر کا ایک پنجابی بنیا جس کے پاس ایک ایک ہزار کے نوٹ ۔ ۱۱ لاکھ کے نذر وخفتہ تھے، اُنکی حرکتِ قلب اس ناگہانی صدمہ سے دفعۃً رک گئی، اور وہ ختم ہوگئیں۔" (اے، پی، آئی) دوسری خبر اسی طرح کی مرگ ناگہانی کی الورہ یا مینی تال سے بھی موصول ہوئی ہے، بہت ممکن ہے کہ اور بھی ہوئی ہوں، جنکی خبر کسی خبر رساں ایجنسی کو نہ پہونچی ہو - اور نیم مردہ تو خدا معلوم کتنے ہی لوگ ہو چکے - اخباروں میں بکثرت روائتیں چھپ رہی ہیں، کہ بمبئی، کلکتہ، کراچی، کانپور، دہلی وغیرہ ہر تجارتی مرکز کے کاروباری حلقوں میں تہلکۂ عظیم برپا ہوگیا ہے، اور کتنے لوگ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہیں! —— یہ نفع خور اور سٹہ باز اور صحیح معنی میں "سرمایہ دار" اور مہاجن اور ساہوکار، جس دولت پر تکیہ کیے ہوئے تھے، وہ سہارا کیسا بودا نکلا! —— سارے عیش کا سہارا، اندر کا اطمینان، باطن کی راحت نہ تھی - خارج کی آرزوئیں تمنائیں، امیدیں تھیں، وہ کیسی کچی کیسی بے ثبات، کیسی کمزور نکلیں! لکھ پتی اور کروڑپتی، دم کے دم میں مفلس قلاش ہوگئے -

بنے ہوئے گھر گر گئے - اونچے اونچے محل فرش زمیں پر آرہے، افسانوں اور کہانیوں میں نہیں، واقعات کی ٹھوس مجسم دنیا میں! —— دنیا میں کسی تاجر، زاہد، صالح کو بھی کبھی کسی نے یوں مرتے، بایں طور مٹتے، دیکھا ہے؟ اسکے لیے بھی کبھی اس کا کوئی امکان، کوئی خطرہ ہے کہ حکومت ایک جنبشِ قلم سے اُسے اسکے دل کی ریاست سے محروم کردے؟

بڑا ناز اور پورا اطمینان اپنی جن کمائیوں پر تھا، وہ تو بیوٹی کوڑی نکلیں! اور اپنی بڑی سی بڑی چالاکیاں اور طراریاں حسرت نصیبوں کی اس گھڑی کے ٹالنے میں ذرا بھی نہ کام آسکیں! —— دل نے کہا کہ آج جن جن کمائیوں پر یہاں بہت ناز ہے، جس قال اور جس حال کو، جن عقائد اور جن اعمال کو آج قابل قدر، قابل فخر سمجھا جارہا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ "کل" خدانخواستہ، حاکم اعلیٰ کے سامنے، میدان حشر میں بھی کھوٹے سکے اور جعلی چیکے ثابت ہوں، اور اُنکی بھی وہاں کچھ قیمت نہ ٹھہرے! کیا حال ہوگا اُس بدنصیب کا اُس گھڑی جب بڑی بڑی مشقتوں اور کاوشوں اور بڑی بڑی تدبیروں سے حاصل کیے ہوئے اپنے زرق برق کارنامے وہاں بے اصل اور بے حقیقت نکلیں گے! —— لفظ وعبارت کی کوئی کوشش اُس یاس وحسرت کے جذبات کا نقشہ کھینچ سکتی ہے؟ کیوں نہ اپنے ان قیمتی اور بھاری نوٹوں کی "آج" ہی کی فرصت میں خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کر رکھیے!

ایک آیت کے معنی

ایک دینی درسگاہ کے فاضل اور معلم قرآن اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"سورۃ الانبیاء کی آیت: لواردنا ان نتخذ لھوا لاتخذنہ من لدنا کے متعلق خاص طور پر دریافت کرنا تھا کہ جناب نے اس آیت کا ترجمہ اختیار فرمایا ہے۔ آیت بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان سمجھنے والوں کو کیا کہا جائے۔ یہاں تو ہر قدم پر گاڑی رکتی ہے۔"

قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان کہنے والے بس وہی لوگ ہیں جو معنی اور حقیقت کو سمجھے بغیر محض لفظ بول دینے کے عادی ہیں۔ قرآن مجید کے اشکالات کا اندازہ تو کچھ وہی کر سکتے ہیں، جنھیں تجربہ عربی کلاسوں میں قرآن پڑھانے کا یا قرآن کے تفسیر و ترجمہ کرنے کا ہو چکا ہے۔ اور یہ دشواریاں اس وقت ہیں، جب اس کثرت سے تفسیریں اور تشریحیں پہلے سے لکھی ہوئی چلی آ رہی ہیں۔ یہ ذخیرہ نہ موجود ہوتا، تو ہم لوگ تو شاید چند سطریں بھی نہ حل کر پاتے۔

آیت کا پورا سباق و سیاق یہ ہے:-

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لٰعبین، لواردنا ان نتخذ لھوا لاتخذنہ من لدنا ان کنا فٰعلین۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون۔ (سورۂ انبیاء ع ۲۔ آیت ۱۶-۱۸)	اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے، اسکو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں، اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم کوئی مشغلہ ہی کر بیٹھیں تو ہم اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بنا لیتے، اگر ہم کو یہ کرنا ہی تھا (لیکن یہ ہمیں منظور ہی نہ ہوا) بلکہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں، تو وہ اسکا بھیجا نکال دیتا ہے، سو وہ (باطل) نابود ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے تو بڑی کمبختی ہے اس سے کہ جو تم گھڑتے رہتے ہو

اوپر سے ذکر نافرمان اور مشرک قوموں کا چلا آتا ہے جو بالآخر عذاب سے ہلاک ہوئیں۔ انکے عقائد شرکیہ کی تردید میں ارشاد ہوا ہے کہ اس کارخانۂ عالم کو حقیقت سے معرّی اور معنی و مقصد سے خالی نہ سمجھو، یہ "ایشور کی لیلا" یا خدا کی تماشہ گاہ نہیں، جسے خدا نے یونہی بغیر کسی غرض و مقصد کے محض اپنی تفریح و تماشہ کے خاطر رچا دیا ہو۔ آسمان اور زمین اور ساری مخلوقات کی خلقت بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے۔ بالفرض ہمیں تفریح، تماشہ، مشغلہ (لہو) ہی مقصود ہوتا، تو اسکے لیے ہم مخلوق کے محتاج نہ تھے۔ بلا واسطۂ مخلوقات ہم اپنے براہ راست اپنی ہی ذات سے متعلق (من لدنا) کسی چیز کو اختیار نہ کر لیتے۔ مثلاً اپنی ہی صفات کمال کا مشاہدہ کیا کرتے۔ ذی شعور و صاحب اختیار مخلوق کو اس جھگڑے میں کیوں ڈالتے۔ لیکن یہ تو جب ہوتا، جب ہماری مشیت تکوینی یہ ہوتی۔ (ان کنا فٰعلین)

لیکن یہ تو سرے سے ہماری مشیت ہی نہیں۔ تم مشرکوں نے خواہ مخواہ ایک عیب خالق کائنات سے متعلق گڑھ لیا بلکہ ہم نے تو یہ کائنات بجائے تفریح گاہ یا تماشہ گاہ کے ایک جنگ گاہ یا معرکہ گاہ کے پیدا کی ہے، جہاں ہر وقت حق و باطل، نور و ظلمت، صدق و کذب، خیر و شر کی کشمکش جاری رہتی ہے۔ اور ہم کذب و باطل کو پاش پاش کرتے رہتے ہیں۔ سو تم جو اور دین اور مشرکین کے اس باطل نظریہ میں گرفتار ہو کر عالم، حقیقت و معنی سے معرّی، ایک کھیل ہی کھیل ہے، سو اپنی باطل پرستی کا مزہ خود چکھو گے۔

آیت سے ضمناً کلام اور سلوک دونوں کا یہ مسئلہ بھی نکل آیا، کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع و مصلحت کے لیے ہے۔ سچ کہا مردم عارف نے ؂

من نکردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگاں سودے کنم

ایک خواب پر مزید روشنی

صدق ۵۹ میں ایک خواب لیگ کی بحث سے متعلق شائع ہوا تھا، اس کے سلسلہ میں شیخ الحدیث علامہ گیلانی حیدرآباد، دکن سے لکھتے ہیں:-

"گیلانی سے ابھی ابھی واپس پہونچا ہوں۔ صدق کے کئی پرچے جو وہاں نہیں دیکھے تھے، یہاں دیکھنے کو مل گئے۔ سنوسی الطریقہ صاحب کے خواب کو دیکھ کر خیال آیا کہ جناح صاحب کے قائل ہو جانے کی خبر صاحب خواب کو ایک مجہول الاسم و الصفات راوی کے ذریعہ سے ملی ہے۔ اس قسم کی روایت جب بہ حالت بیداری مجہول روایت سمجھی جاتی ہے، تو خواب کی ایسی مجہول روایت مجہولیت کے جس درجہ میں ہوگی ظاہر ہے۔ الا من نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ نص محکم ہے۔ اسکے بعد بیداری و سانحے کے القاء میں جو شکوک وہ بھی بہ حالت خواب پیدا ہو سکتے ہیں، محل غور و تامل ہے۔ اور اصلی بات تو یہی ہے کہ اسلام میں رؤیا سے حجت ہی نہیں۔"

غیروں کی نظر میں

کلکتہ کے ایک مشہور یورپین کے قلم سے

روزنامہ مارننگ نیوز (کلکتہ) میں:-

"میں مذہب اسلام کے اس نظم و تنظیم کے نظارہ کو کبھی بھول نہیں سکتا، جو میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اس وقت پایا، جب میں نے ایک مصری کو اہرام مصر کے قریب شارع عام پر نماز پڑھتے ہوئے مشاہدہ کیا تھا۔ میں دنگ رہ گیا کہ اسلام میں کس درجہ نظام ہے، درآنحالیکہ دوسرے مذہب اس سے خالی ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی عمومیت و جمہوریت بھی کس درجہ کی، کہ ایک ہی جانماز پر بادشاہ کے پہلو بہ پہلو ایک گداگر بھی کھڑا ہو۔" (ڈان ۱۹- جنوری ۱۹۴۶ء)

کاش ہم خود بھی وہ دیکھ سکتے جو دوسرے ہم میں دیکھ رہے ہیں! نماز جماعت کے پُر اثر منظر سے غیروں کے تاثر کی یہ پہلی مثال نہیں۔

نیا رجز

مشرقی صاحب کا اعلان جہاد "اور تازہ خبر":-

"میں نے اور خاکساروں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ پنجاب بھر میں مسلم لیگ کا کوئی جلسہ نہ ہونے دینگے۔ ہم مسٹر جناح کا پیچھا کریں گے اور

چاہیں تو کہیں کہ بھی ان کو وہ آنے دیں گے۔

اس مقصد کے لیے اگر ہمیں سیکڑوں اخلاص کار بھی بہانا پڑے، تو ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔ ہم مسٹر جناح کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں، ہم دیکھیں گے کہ اب مسٹر جناح زندہ کس طرح رہ سکتا ہے۔ خاکسار سپاہی جانباز ہوتا ہے"

(س۔ ت۔ مرورس، بحوالہ انقلاب، لاہور)

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

یہ آخر ہے کیا! کچھ ان بزرگ پر جنون سوار ہو گیا ہے، یا یہ کہ موسم گل سے قریب تماشہ جنوں ہے؟ لیکن ابھی تو موسم بہار کے شروع ہونے میں عرصہ ہے! ——— ہر حال جو کچھ بھی ہو، ایسے بیانات اب نکلتے کہاں ہیں؟

استنے دلچسپ، اتنے شستہ، اور اتنے سبق آموز!

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند کہ سر اڑ جائے
جلاد سے لیکن وہ کہے جائے کہ ہاں اور!

ایک عالم دین اور بعض مسائل حاضرہ

ایک ممتاز

عالم دین جو تحریک خلافت کے زمانہ میں جیل جا چکے ہیں، اور جن کی ہمدردیاں آج لیگ سے کہیں زیادہ کانگریس کے ساتھ ہیں، اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"میں لیگ و کانگریس کے معاملہ میں ذہنی حیثیت سے آپ کے خیال کے بالکل مخالف ہوں۔ لیگ کی سیاست کو فرقہ کلاس کی سیاست سمجھتا ہوں اور نفرت انگیز بھی۔ لیکن اب چونکہ اسی شر سے خیر پیدا ہوتے دیکھ رہا ہوں اس لیے اس مخالفت میں بھی بہت کمی ہو گئی ہے۔ اور عملی حیثیت سے بالکل بے تعلق جانبین سے ہے۔ مسئلہ خالص سیاسی ہے، اسے مذہبی رنگ دینے والے سخت مجرم ہیں۔ مولانا مدنی کی سیاست اصولی حیثیت سے تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن عملی حیثیت سے نہایت درجہ غلط ہے۔ مولانا آزاد کی اصولی اور عملی دونوں سیاستیں اپنی جگہ پر ہیں۔ ...... چودھری خلیق الزماں صاحب کے معاملہ میں مولوی ظفر الملک صاحب کے سلسلے سے کچھ ہی پیچھے ہوں۔ خوب پر لکھ چکا ہوں لیکن اگر چودھری صاحب امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوں، تو ظفر الملک صاحب کے برعکس میری ہمدردی چودھری صاحب کے ساتھ ہوگی، کہ اسکے وہ ضرور اہل ہیں۔"

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری فروری سنہ ۴۶ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت اپنا چندہ فوری خدمت میں بھیجدیں، تا کہ آپ کی وی پی نہ روانہ کیا جائے جو آغاز فروری سے روانہ ہوں گے۔

۱۵۶۹ ، ۱۶۲۵ ، ۱۶۲۶ ، ۱۶۲۷
۱۶۳۸ ، ۱۶۲۴ ، ۱۷۸۳

خادم مہتمم صدق۔ لکھنؤ

سورہ بقرہ رکوع ۲۶

بسلسلہ صدق [illegible]

از عبد الماجد

۲۱۸ یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمی والمسکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم	آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ [۷۷۴] آپ کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہیں مال سے خرچ کرنا ہے [۷۷۵] سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا، [۷۷۶] اور جو بھی نیکی کرو گے، اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے۔ [۷۷۷]

۷۷۴ (اور کن موقعوں پر)

سال المؤمنون رسول اللہ صلعم این یضعون اموالہم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان حصرتہ ای شئی ہو (کبیر۔ عن القفال) مرادہم من قولہم لیس ہو طلب الماہیۃ بل طلب المصرف (کبیر)

سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اس کی بابت نہ تھا۔

الاکثرون علی ان الآیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ہی فی التطوع (مدارک)

قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اسکے اندر رکھتے ہیں۔

۷۷۵ خیر کا مفہوم، علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنی کے، محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔

المال من وجہ محمود (راغب)

اور یہاں یہی مراد ہے۔

۷۷۶ مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اسکی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے! سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، انکی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آ گئے ——— شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے ——— پھر امت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا تقریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علٰحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔

۲۱۶ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔	تمہارے اوپر قتال فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں گراں ہے۔ لیکن کیا عجب کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خیر ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم علم نہیں رکھتے۔

قریش اور دوسرے معتقدادا و تلی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر "فٹ" ہوئے! مقصود شریعت یہ ہرگز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو، اور ہم سہے بے خبر چندہ لکھوا رہے ہوں، چینی ریلیف فنڈ میں!

۷۸۰ (اور اس سب کا اجر بھی پورا حاصل کر لے گا)۔

خیر عام ہے۔ بدنی، مالی، بڑی، چھوٹی، کسی قسم اور درجہ کی نیکی ہو، سب کو شامل ہے۔

آیت میں تنبیہ ہے کہ گمراہ قوموں نے اپنے دیویوں، دیوتاؤں سے متعلق جو عقیدے گڑھ لیے ہیں، اُن پر قیاس کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسلام کے خدا کا بھی علم ناقص یا محدود ہے، یا جزئیات یا تفصیلات پر محیط نہیں۔

۷۸۱ (جب اُسکے شرائط کا تحقق ہو جائے، اے مسلمانو!)

قتال کے آداب، شرائط و قواعد کچھ پہلے اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں، کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے۔ غیر حربی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے اُسکو پیش نظر رکھ کے، ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو، ایسی کتاب سے، جو یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک مقدس ہے:

"سو اب تو جا، اور عمالیق کو مار۔ اور جو کچھ اُنکا ہے بالکل ختم کر، اور اُن پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت ننھے بچے، اور شیر خوار اور بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر" (۱۔ سموئیل ۔ ۱۵ : ۳)

۷۸۲ (جیسا کہ بالکل قدرتی اور طبعی ہے)

اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اور اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار قدرۃً جھجکتا اور گھبراتا ہے۔ پھر کہاں کے غریب مہاجرین جو ابھی ترک وطن کر کے مدینہ میں آکر بسنے پر مجبور ہوئے تھے، روپیہ پیسہ، ساز و سامان میں، تعداد میں، غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے ہم مقابل نہ تھے۔ ان خستہ دلوں، شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ و قتال پا کر اگر طبعی گرانی محسوس ہوئی ہو، تو یہ اُنکے مرتبۂ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

شاق علیکم کرہ طبعاً (بیضاوی) کرہٌ بالطبیعۃ (بحر) ہو الکرہ من حیث نفور الطبع عنہ لما فیہ من مؤنۃ المال ومشقۃ النفس وخطر الروح لا انہم کرہوا امر اللہ تعالیٰ (معالم)

وھو کرہ لکم آیت پوری تردید کر رہی ہے اُن بے غیرت "مستشرقین" کی، جنہوں نے یہ لکھ ڈالا ہے کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاقِ جنگ رہتے تھے!

کُرہٌ لفظاً مصدر ہے، معنی مفعول کے ہے، جیسے خُبز سے مراد ہو جاتی ہے روٹی اور نقض سے مراد منقوض۔

اس تعداد میں قلیل اور قوت و شوکت میں ضعیف و مضمحل مسلمانوں کو اور قتال پر آمادہ کرنے کے لیے قرآن مجید کو اس تفصیل و اہتمام سے کام لینے کی ضرورت پیش آ رہی ہے، اُنکی بابت اسلام کا مشہور و معروف "خدا ترس" اور سچی دنیا کے نامور مورخ و سیرت نویس پروفیسر مارگولیس کا یہ قول کس قدر "سچائی" اور "دیانت" سے لبریز ہے کہ (نعوذ باللہ)

"محمد نے اپنے شورش پسند پیروؤں کو مشغول رکھنے کے لیے اُنھیں جہاد میں لگا دیا"!

گویا کمزوروں کا زورآوروں کے سامنے اپنی جانیں دینے کے لیے آنا، شکار کی قسم کا کوئی مشغلۂ سیر و تفریح تھا! ——— دین کے دشمنوں پر یہ بھی اللہ کی کیسی پھٹکار ہے، کہ عقلیں بھی مسخ ہو جاتی ہیں!

شیئاً صیغۂ نکرہ میں ہے، اور اس سے یہ اشارہ نکل آیا، کہ یہاں کوئی کلی قاعدہ نہیں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ہر طبعی محبوب و مرغوب کا شر ہونا اور ہر طبعی مکروہ و مبغوض کا خیر ہونا لازمی نہیں۔

۷۸۳ یعنی اللہ ہی کا علم کامل اور ظاہراً و باطناً ہر پہلو کو محیط ہے۔ اس لیے اسکے احکام ہمیشہ بیشمار حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انسانی علم اسکے برخلاف کسی چیز کا بھی کامل و جامع نہیں ہوتا۔ اس لیے خود انسان کی فلاح و مصلحت اسی میں ہے کہ احکام خداوندی کی تعمیل بے چون و چرا کیا کرے۔

جوش و ہوش

ایک مفید زیر طبع کتاب

مخدومی الاکرم ۔ السلام علیکم ۔

آپ "جوش و ہوش" کے سلسلہ میں یہ خبر سن کر غالباً مسرت محسوس فرمائیں گے کہ اس قحط الرجال میں بھی بعض دردمند مسلمان گوشۂ گمنامی میں ایسے موجود ہیں جو بغیر تحریک محض حسبۃً للہ خاموشی سے وہ کام کر جاتے ہیں جسکی بادی النظر میں بعض اوقات بڑے بڑوں سے امید نہیں ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ جوش کے مقابلہ میں میری بعض تردیدی نظمیں دیکھ کر جناب مجتبیٰ حسین صاحب ایوبی وارث بلڈنگ سیتاپور نے قبل طباعت عام مسلمانوں کو مفت تقسیم کرنے کے لیے ۲۵ کاپیوں کی پیشگی پیش کش کی۔ خداوند تعالیٰ انکے اس جذبۂ خلوص کو قبول فرمائے اور "جوش و ہوش" کو مقبول کرے۔ آمین۔

عقیل احمد جعفری ۔ از فیض آباد

صدق ۔ بہتر ہوتا کہ ان کتابوں کے بجائے نفس رقم ہی کی تصریح کر دی گئی ہوتی، یا کم از کم اسکی کہ فی نسخہ قیمت کیا تجویز ہوئی ہے۔ بہرحال جو بھی قیمت تجویز ہوئی ہو، ۲۵ مزید نسخوں کی خریداری کے لیے ایک اور مخلص اس مراسلہ کی اشاعت سے قبل ہی آمادہ ہو گئے ہیں۔

ازدواجی زندگی اور درازی عمر

بیوی کی اہمیت شباب میں اور ادھیڑ سن میں اور بڑھاپے میں

(از ڈاکٹر محمد حبیب محمد خاں صاحب ایم۔ آر۔ سی۔ ایس۔ ڈی۔ ایس (لندن)

ازدواجی زندگی آیا راحت آرام کا ذریعہ ہے؟ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسی زندگی مسرت و شادمانی کی انتہا ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ازدواجی زندگی دوزخ نہ سہی کم از کم جنت کا نمونہ تو نہیں کہلا سکتی۔ ذاتی طور پر میں یہ کہوں گا کہ اس واسطے یا دنیا کہ شادی نے بہت سے لوگوں کو خوش رکھا ہے کافی شہادت موجود ہے بلکہ ایسی شہادتیں موجود ہیں جہاں شوہر کے مرجانے سے بہت سے آدمیوں کو اپنے متوفی شریک زندگی کا ماتم کرتے وقت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ازدواجی زندگی کو منقطع ہوئے ایک عرصہ کیوں نہ گزرا ہو۔

بے شک شادی دوسری اور صورتوں کی طرح ازدواجی زندگی میں راحت و سکون پیدا کرتی ہے۔ فکروں اور پریشانیوں سے دور رکھتی ہے جن سے ہر شخص متاثر رہتا ہے اور قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ازدواجی زندگی درازی عمر کا سبب بن جاتی ہے۔ غم کا حصہ ہوا تو غم بھی آدھا ہو گیا۔ اور ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ دنیا کے مصائب و آلام کا حصہ دار ہوا تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اسکے سر کی گٹھری بھی ہلکی ہو گئی۔ یہ امر بھی صحیح ہے کہ انسانی زندگی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک "بہتر نصف" اسکے ساتھ نہ ہو۔ جسمانی ساخت اور ترکیب کے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے نسوانی سیرت مرد کی سیرت سے کچھ ایسی مختلف ہے کہ ان دونوں کے امتزاج سے مرد اور عورت کی سیرت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے ازدواجی زندگی دونوں کو فائدہ پہونچاتی ہے۔ اس قسم کی زندگی سے صرف یہی ایک فائدہ ہو پھر تو ظاہر ہے شادی بڑی نعمت ہے۔

ازدواجی زندگی سے جنسی خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ان خواہشات سے اگر روکنے کی کوشش کی جائے تو ہر مرد اور عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور انکو اگر بے ہنگام چھوڑ دیا جائے تو گناہ کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بقائے شباب کے لیے ازدواجی زندگی کا مشورہ دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس میں اعتدال سے کام لیا جائے اس وجہ سے کہ جنسی تعلقات انسانی نسل کے پھیلانے کے لیے ہیں شہوانی خواہشات کی تکمیل اسکا مقصد نہیں ہوتا۔

ازدواجی زندگی گھریلو زندگی کی ضامن ہوتی ہے۔ کوئی مرد یا عورت ازدواجی زندگی میں منسلک نہیں ہے اس کو گھر کے آرام اور سکون سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ مجردین کی زندگی ہوٹلوں میں بسر ہوتی ہے اور موت شفاخانہ میں واقع ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں انکی غذا کا ایسا بے ضابطہ انتظام رہتا ہے کہ انکا شفاخانہ پہونچ جانا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ غرض وہ لوگ جو تنہا رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اکثر ایسے اثرات قبول کر لیتے ہیں کہ انکی زندگی کے دن پورے ہونے نہیں پاتے۔

ہم اس سے واقف ہیں کہ درازی عمر کا ایک ذریعہ اعتدال ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک آدمی ازدواجی زندگی کو مجرد زندگی پر ترجیح دے۔

کرگھے کی صنعت

ہندوستان کی چند مایہ ناز صنعتوں میں سے یہاں کی پارچہ بافی کی صنعت تھی۔ یہ صنعت قدیم تو اتنی ہے کہ چھ سات ہزار سال پرانی ممیاں جو مصر کے مقبروں سے برآمد ہوتی ہیں، انکے بدن پر جو کپڑا لپٹا ہوتا ہے وہ ہندوستان کا بنا ہوا ہے۔ یہ قدیم صنعت رفتہ رفتہ ترقی کرکے اتنی بلندی پر پہونچ گئی تھی کہ اس نے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اس کی ایک شاخ ڈھاکے کی ململ تھی، جسکے بیس بیس گز کے تھانوں کا وزن ڈھائی تولہ تک ہوتا تھا۔ کپڑا کیا مکڑے کا جالا ہوتا تھا۔ اس طرح ہندوستان کی شالیں، قالین، زربفت، کمخواب، یہ سب صنعتیں اتنی ترقی کر چکی تھیں کہ انکے معمولی معمولی نمونے بڑے بڑے شاہوں کے لیے تحفے سمجھے جاتے تھے۔

جب یہاں انگریز آتے ہیں تو انکو کرگھے کی صنعت کی بہتریاں ایک آنکھ نہیں بھاں، کیونکہ یہاں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں انکی مشنوں کی پیداوار ماند تھی۔ اور وہ سستا اتنا ہوتا تھا کہ لوگ اسے انگلستان لے جاکر فروخت کرتے تھے تو وہاں کی ملوں کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں سستا اور اچھا رہتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی سے بھلا دیسی صنعتوں کے ان نمونوں کو کب معاف کر سکتی تھی۔ اس نے ٹیکس پر ٹیکس، محصول پر محصول بڑھائے، درآمد و برآمد پر پابندیاں لگائیں، ذرایع حمل و نقل میں دشواریاں پیدا کیں، اور جب اس سے بھی کامیابی نہیں ہوئی، تو وہ تاریخی جلادی عمل میں آئی یعنی کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ ڈالے۔

ان حادثوں کے بعد اس صنعت کو ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن اسکے وارث ایسے جری اور مستقل مزاج نکلے کہ سب کچھ جھیلے پھر بھی ہندوستان کے ہر صوبہ کی کمائی کو نہ ٹوٹنے دیا۔ چنانچہ ابتک وہ باقی ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے، پھر بھی باقی ہے۔ صنعت دانوں کی کمائی کا زیادہ حصہ بیچ کے لوگوں کی جیبوں میں چلا چلا جاتا ہے پھر بھی وہ باقی ہے۔

کرگھے کا وجود آیندہ ہندوستان میں ضروری ہے کیونکہ ہم کروڑ ننگوں کو کپڑا پہنانے کے لیے جتنی مشینوں کی ضرورت ہے وہ ہم سردست مہیا نہیں کر سکتے اور اتنی کیا اسکا دسواں حصہ بھی مہیا نہیں کر سکتے اور وہ تو مہیا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر ہندوستان کو ننگا نہیں رکھنا ہے تو کرگھے کو ترقی دینا چاہیے۔ قومی حکومت کا تو یہ پہلا فرض ہوگا، لیکن موجودہ حکومت کا بھی فرض ہے۔ اگر وہ کچھ اور نہیں کر سکتی

قرآن کریم و بائبل کا باہمی تعلق

(۲)

(از مولانا عبد الرؤف خاں صاحب مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر)

اناجیل کی کثرت اور انکی بے اعتباری پر ایک اور بیان

جب ہر جگہ جھوٹی اور سچی انجیلیں لکھی گئیں تو نیقیہ کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء میں جو پہلی کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جتنی بھی انجیلیں ملیں سب گرجا کے صدر مقام پر رکھدی گئیں اور بزرگان عیسویت نے بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں مستند ہوں وہ اوپر رکھی رہیں اور جتنی غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ پس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ مسترد کردی گئیں اور جو اوپر رکھی رہیں واجب العمل مانی گئیں۔ کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ بعد انعقاد کونسل کے زمانہ میں مرگئے۔ کونسل کی کارروائیوں کے استناد کے لیے ان دونوں کے دستخطوں کی بھی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جاکر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کر دیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پاوے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو جاکر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے (حوالہ کے لیے مسیح و مسیحیت مصنفہ مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم ص۱۶۶ دیکھیے)

حیرت و استعجاب یہ ہے ان اناجیل کے معتبر و مستند ہونے کی وہ عجیب و غریب داستان کہ جس میں نہ تواتر کی ضرورت ہے نہ سلسلۂ اسناد کی، اسی طرح نہ سند متصل ہے نہ کوئی جرح کا موقع۔ یہ ہے وہ خوش عقیدگی کہ ایک رات کی تاریکی اور محض دعا، مسلوں پر دستخط کرا لیتی ہے اور غیر مستند انجیلوں کو مستند کرا کے چھوڑتی ہے۔ اگر اناجیل کے مستند کرانے کے لیے مرے ہوئے پادریوں کی دستخط، محض دعا کی تاثیر سے کرائی جا سکتی ہے تو سخت تعجب و حیرت ہے کہ خود زندہ مسیح کی دستخط بھی دعاؤں کے ذریعہ کیوں نہ حاصل کرلی گئی جو سب کے لیے حجت قطعی ہوتا۔ (ارباب کونسل کے اس طریقۂ کار کی کیا کوئی موشگافی کی جا سکتی ہے یا اس زمانہ عجائب کے لیے محض خوش عقیدگی کافی ہے؟

موجودہ اناجیل ناقص ہیں ناظرین کرام موجودہ اناجیل کے نا تمام ہونے کی اندرونی شہادت یہ ہے۔ انجیل یوحنا باب ۱۶ فقرہ ۱۲ میں ہے۔ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم اسکی برداشت نہیں کر سکتے" اس سے صاف ظاہر ہوا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے تمام باتیں بندوں کو نہیں پہونچائیں۔ اسی طرح یوحنا باب ۲۰ فقرہ ۳۰ میں ہے۔ سب معجزات اس کتاب میں نہیں لکھے گئے۔ اگر وہ ساری لکھی جائیں تو جو کتابیں اُن سے تیار ہوتی وہ دنیا جہان میں نہ سما سکتیں۔

بائبل کے غیر محفوظ ہونے پر اندرونی شہادتیں ناظرین کرام اب تک بائبل کے غیر محفوظ و غیر معتبر ہونے پر تاریخی روشنی میں تباہی و بربادی کے حالات اور نیز اُسکے زمانۂ تصنیف کی تعیین و قدیم نسخوں کی گمشدگی اور مدار علیہ قدیم نوشتہ کے تلف و لاپتہ ہونے کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم اندرونی شہادت سے بہت سی کتب سماوی کے معدوم و لاپتہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:—

۱۔ عہد نامہ موسیٰ لاپتہ ہے۔ اس کتاب کا حوالہ خروج باب ۲۴ فقرہ ۷ میں ہے

۲۔ جنگنامہ خدا کی لاپتہ ہے اسکا حوالہ گنتی باب ۲۱ فقرہ ۱۴ میں ہے

۳۔ کتاب الیاسر لاپتہ ہے اسکا حوالہ یوشع باب ۱۰ فقرہ ۱۳ میں ہے

۴۔ کتاب اعمال سلیمان لاپتہ ہے اسکا حوالہ سلاطین باب ۱۱ فقرہ ۴۱ میں ہے

اب عہد جدید کے غیر محفوظ اور ناقص ہونے کا حال سنیے۔

(۱) یوحنا کی انجیل باب ۲۱ فقرہ ۲۵ میں ہے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ اُن سے جو کتابیں بنتیں وہ دنیا میں نہ سما سکتیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ انجیل بھی نا تمام ہیں۔

(۲) پولس مقدس کا نامہ اول کا نامہ اول لاپتہ ہے۔ اسکا حوالہ قرنتیون باب ۵ فقرہ ۹ میں ہے۔

جبکہ کئی کمل کتابیں اور کئی مجموعے کا کھو یا جانا بائبل کے اندرونی شہادت سے ثابت ہے تو اس بائبل کی بربادی و غیر محفوظ اور محرف ہونے کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا دیا جا سکتا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ بھول چوک اور غلط فہمیوں اور بشری کوتاہیوں کے بنبر طمع دنیا اور بعض دیگر اغراض کے ماتحت قصداً کمی و بیشی کی گئی۔

تحریف جدید کے تازہ امثلہ (۱) انجیل متی امریکہ والی مطبوعہ ۱۹۲۰ء میں یہ الفاظ ہیں "ایک شخص آیا اور اُس نے (یسوع سے) کہا اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں۔ اس نے جواب میں کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک تو کوئی بھی نہیں۔ مگر ایک یعنی خدا۔ انجیل متی امریکن۔ باب ۱۹ فقرہ ۱۶-۱۷۔ لیکن بائبل کے انگریزی نسخہ مطبوعہ آکسفورڈ۔

(۲) یونیورسٹی ۱۹۲۱ء کے متی باب ۱۹ فقرہ ۱۶ (تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے) کے الفاظ حذف کر دیے گئے۔ (المحدیث ۶ اگست ۱۹۳۱ء) ان الفاظ کے اُڑا دینے کی غرض یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کو نیک اور معصوم ہونا ثابت کیا جائے کیونکہ بقول عیسائیاں حضرت مسیحؑ کا بقیہ تمام انبیاء کے برخلاف معصوم اور نیک ہونا ہی کفارہ کے لیے وجہ وجیہ ہے۔

(۳) انجیل متی باب ۱۷ فقرہ ۲۱۔ مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا و روزے کے نہیں نکالے جا سکتے۔ (ملاحظہ ہو انجیل مطبوعہ لندن ۱۸۵۵ء یا انجیل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۸۳ء۔ اسکے بالمقابل برٹش فارن بائبل سوسائٹی لاہور کی انجیل مطبوعہ ۱۹۰۳ء۔ متی کے باب ۱۷ کا

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامۂ عصر مولانا شبیر احمد صاحب کا خطبۂ صدارت لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۳)

میں نے جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کیا، اجمالی طور پر دو آیتیں ہماری انفرادی و اجتماعی کامیابیوں کے لیے کافی ہیں۔ انہیں کی تفصیلات قرآن کریم کے بہت سے مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک آیت و فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرا لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ہم المفلحون (التغابن پ۲۸)

دوسری آیت واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم ... (انفال پ۱۰)

حق تعالیٰ کی شفقت و حکمت کو دیکھیے کہ دونوں جگہ استطاعت کی شرط کی تصریح فرما دی ہے، تاکہ استطاعت کی حد تک تو کوشش میں بندے کمی نہ کریں، اور جو تیاری دائرۂ استطاعت سے باہر ہو، اس کے فقدان سے بددل اور مایوس نہ ہوں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے یکسوئی کی ساعتوں میں غور فرمائیں گے تو منکشف ہو جائیگا کہ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو بعد پاکستان کے لیے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف اُن امور کا خوگر بنانا ہے جو پاکستان حاصل ہونے کے بعد ہم کو زیادہ منظم اور زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہونگے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض (یعنی اسلامی حکومت) کی کیا غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ سنیے، الذین ان مکنّاہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ اگر ابھی سے ہم نے ان چیزوں کی عادت نہ ڈالی تو اُس وقت ہمارا نظام کیسے درست ہوگا۔ اگر ہم آج ہر شعبۂ زندگی میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے کشادہ دلی سے گردن ڈالنا نہ سیکھیں گے تو کل کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم دوسروں کو ان فیصلوں کی طرف دعوت دیں گے تو لوگ ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ ہم اُس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں، کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہیگی بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا۔

کیا آپ حضرات اپنے ایک مخلص بھائی کی استدعا پر توجہ فرمائینگے۔ خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے عملاً قرآنی احکام کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کر دی تو موجودہ تحریک میں بے حد و بے حساب زور پیدا ہو جائیگا، اور رفتہ رفتہ قرآنی دعوت انشاء اللہ کی مدد سے سب روڑے دور ہوتے چلے جائینگے۔ قرآنی احکام کا لفظ استعمال کرتے وقت یہ واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع اور آپ کے ارشادات گرامی کا امتثال بھی اسی لفظ کے تحت میں آ جاتا ہے۔ بلکہ سلف صالحین کے طور و طریق کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایسی چیز پر نظر اور ایسی چیز کی تلاش کرتے تھے کہ کسی قسم کے پیش آنے والے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا۔ کیونکہ وہ حضور کے مبین و شارح قرآن ہونے کی حیثیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پھر یہ چیز بھی محالات عادیہ میں سے ہے کہ کسی معاملہ میں قرآن کا کوئی حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تفریع صدیاں گزر جانے پر بھی تمام امت مرحومہ کی سمجھ میں نہ آئے اور مرور دہور کے باوجود امت کے تمام اہل علم اور ائمہ مجتہدین باوجود انتہائی جد و جہد اور غایۂ تفحص و احتیاط کے ساتھ اس کی صحیح مراد سے (معاذ اللہ) جاہل رہیں۔ کسی حکم شرعی کے متعلق جس پر عمل پیرا ہونے کی امت کو ہدایت ہو ایسا خیال کرنا گویا قرآن مبین کو چیستاں بنا دینا ہے۔

بنا بریں اس موقع پر میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک ادنیٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پُر زور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سراً و علناً پابندی فرمائیں اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنانے کی اجازت نہ دینگے جو ہمارے پرسنل لا اور شرعی معاملات کے بارے میں علمائے اسلام کے طے کردہ فیصلہ کے خلاف ہو۔ اور اس طرح کی غلطیاں نہیں کی جائیں گی جو اُمنی میں احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپرواہی کی بنا پر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ ایسی غلطیوں کا صدور رہا تو یہ چیز عامۂ مسلمین کے لیے ناقابل برداشت ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو مقصد لیگ کی حمایت اور اسکے حق میں ووٹ دینے کا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔

بہر حال ہم سب کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس سلسلہ میں ہم عند اللہ و عند الناس ماخوذ نہ ہوں۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ ایک بے لوث مخلص کی گزارش پر اسی اسپرٹ میں نظر کریں گے جس میں وہ پیش کی گئی ہے۔ قال اللہ مخاطبا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

خاتمۂ کلام پر ایک اور ضروری چیز پر متنبہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیے اور ساتھ ہی اسکے نام کی لاج رکھیے۔ دیکھیے مسلم لیگ ہے؟

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (مسلم وہ ہے کہ جسکے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں) جو لوگ آپ کے سیاسی افکار کے مخالف ہیں، اُن سے بھی آپ کا معاملہ شرافت، صبر، تحمل اور حسن اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ گو دوسری طرف سے بھی زیادتی اور اشتعال انگیزی بھی کی جاتی۔ بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے اگر اسکے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں تو میں اظہار بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو انکا علم و فضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لیے انکی عزیمت و ہمت اور ان تھک جد و جہد ہم جیسے کاہلوں کے لیے قابل عبرت ہے۔

اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے انکے ایمان اور بزرگی میں شبہ نہیں۔ کیا کروں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مومن کا اپنے ایمان میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ اس لیے بہر حال اپنے ایمان میں تردد تو نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی سیاہ کاریوں کے پیش نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا ؎

گو دعوے تقوے نہیں درگاہ خدا میں
بُت جس سے ہوں خوش، ایسا گنہگار نہیں ہوں

اب میں آپ حضرات کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ اور دعا پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ

یہ بالکل سچ ہے کہ اطاعت بلا محبت اور محبت بلا معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کسی اسٹیشن پر رات کی اندھیری میں باپ کا بستر بھی اگر بغل میں لگا ہے اور میں نے نہیں پہچانا تو اس عدم معرفت سے محبت نہ ہوئی۔ اور جب محبت نہ ہو سکی تو اطاعت یعنی اُنکی خدمت کا جذبہ بھی دل میں نہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح اطاعت الٰہی کے لیے محبت الٰہی اور محبت الٰہی کے لیے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے اس لیے میں نے باری تعالیٰ کے ساتھ معرفت و یقین کامل کی وابستگی پیدا کرنے کے لیے ۷۰ صفحات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اس میں ائمہ دین کے دلائل اور روشن خیالوں اور دہریوں کی تردید کما حقہٗ کی گئی ہے۔ قیمت مع محصول ۱۲ر ہے

پتہ :- مولانا عبد الرؤف خاں رحمانی - نائب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر - ڈاکخانہ دادا گنج - ضلع بستی

بقیہ صفحہ ۳

کا یہ فقرہ اڑا دیا گیا ہے۔ (بحوالہ اہلحدیث ۷ جون ۱۹۴۳ء)

یہاں اس عبارت کے حذف کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس میں کفارہ کا بطلان موجود ہے کیونکہ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اعمال سے نجات نہیں کفارہ یعنی مسیح پر ایمان لانا ہی موجب نجات ہے۔ اور الفاظ مذکورہ میں عمل کی ضرورت، نماز روزہ پر رتبہ علائی کھلی ہے جو عقیدہ کفارہ پر ضرب کاری ہے۔

(۴) قاضیوں کی کتاب باب اول آیت ۱۱ میں ۱۹۳۰ء کی بائبلوں میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سسر لکھا ہے۔ اور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سالا بتایا ہے۔ یہ تحریف اس لیے کی گئی ہے تاکہ تعدد ازدواج موسیٰ کا ثابت نہ ہو سکے۔

(۵) اسی طرح ۱۹۳۰ء پہلے کے نسخوں میں احبار باب ۸ فقرہ ۳۰ میں صاف مذکور ہے "تم میرے حکموں پر چلو اور میرے قانون کو حفظ کرو" لیکن مطبوعہ انارکلی لاہور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں یہ عبارت بالکل اڑا دی گئی ہے۔ اسکی جگہ "تم میری شریعت کو مانتا" لکھا ہے۔ اس تحریف سے انکا یہ فائدہ ہے کہ کوئی اہل بائبل سے یہ نہ کہے کہ تم کو بموجب آیت مذکورہ حفظ کرنے کا حکم تھا اور خود تمہاری کتاب میں یہ حکم موجود ہے۔ پس جب تم نے حفظ نہیں کیا اس لیے تحریف کی کمی و بیشی بآسانی راہ پا گئی۔ پس مثل مشہور کے مطابق کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ عبارت ہی (حفظ کرو) کا حذف کر دیا کہ نہ وہ عبارت رہے نہ الزام دیا جا سکے۔

(۶) کتاب استثنا باب ۱۳ فقرہ ۴ کی عبارت ۱۹۳۱ء کے قبل والی تمام قدیم نسخوں میں موجود ہے مگر ۱۹۳۱ء میں نہیں ہے۔ یہ تحریف اس لیے کی گئی ہے تاکہ مسلمان اہل بائبل کو الزام نہ دے سکیں۔

(۷) گنتی باب ۲۳ فقرہ ۱۹ میں ہے کہ خدا آدمی نہیں کہ پشیمان ہو ۱۹۳۱ء کے بائبل میں (کہ پشیمان ہو) کا لفظ اڑا دیا اور اسکی جگہ یہ مندرج ہے کہ اپنا ارادہ بدلے۔ ارادہ بدلنا، جو کچھ چاہا کر گزرنا کمال قدرت کی دلیل ہے اور پشیمان نہ ہونا ندامت نہ اٹھانا کمال علم کی دلیل ہے۔ کیونکہ ناقص علم والا بعض باتوں کے انجام سے بےخبری کی بنا پر پچھتاتا ہے۔ اب یہ تحریف اس لیے کی گئی تاکہ کتاب پیدائش کا تعارض نہ باقی رہے۔ کیونکہ پیدائش میں خدا کی خلقت کی گنہگاری کو دیکھ کر پچھتانے کا صاف ذکر ہے۔ چنانچہ یرمیاہ پیغمبر کو خود اقرار ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، تم کیونکر کہتے ہو کہ خدا کی شریعت تمہارے پاس ہے۔ دیکھو لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ (یرمیاہ باب ۸ فقرہ ۸) دوسری جگہ فرماتے ہیں! تم نے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ باب ۲۳ فقرہ ۳۶) یحرفون الکلم عن مواضعہ (مائدہ) کی آیت کریمہ انکے اس مصدقہ حرکت کی شہادت پر ہے

(باقی آئندہ)

بزم ہمدردانِ صدق

(۱) جناب ذکاء اللہ خاں صاحب بریلی ۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٓئک ھم المتقون || اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

صدق

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق،
مرشد آباد پیلس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۵ر
بیرون ہند ۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۱۷ | یوم چہارشنبہ - ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۰ - جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ڈیلی میل، لندن کا مشہور و معروف اخبار، اپنے ایک تازہ نمبر میں لکھتا ہے، کہ ہم (اہل برطانیہ) میں ایک وصف ایسا ہے جس کی تقلید دوسری قوموں کو کرنا چاہیے۔ وہ یہ کہ ہم وقت پڑنے پر آپس کے سارے اختلافات اور نزاعات بھلا کر، بالکل ایک ہو جاتے ہیں۔ اور سوال ہمارے سامنے یہ بالکل نہیں رہ جاتا کہ کسی پارٹی کو کیا حاصل ہو رہا ہے، بلکہ صرف یہ رہتا ہے کہ ملک و قوم کے نفع کا تقاضا کیا ہے ——— جنگ کے اس چھ سال میں کس نے جانا کہ ٹوری کون ہے اور لیبر پارٹی والا کون اور لبرل کون؟ نہ کوئی سرمایہ دار تھا نہ کوئی سرمایہ بیزار، سب کے سب صرف انگریز تھے ——— یہ جگ بیتی ہوئی۔ اب فرمائیے، "آپ بیتی" کیا ہے؟ آپ کبھی تو صرف مسلم اور محمدی بنیں کبھی تو برادری پر، فرقہ پر، اپنی سیاسی ٹولی پر، دین کو اور اسلام کو مقدم رکھیں!

رائٹ آنرایبل سر تیج بہادر سپرو کی سالگرہ ابھی حال ہی میں منائی گئی تھی، اور اتفاق سے اسی زمانہ میں پنڈت مدن موہن مالوی جی کی بھی۔ مبارکباد دینے والوں میں، آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پیش پیش کون تھے؟ ——— کوئی اور نہیں، پنڈت جواہر لال نہرو، خلوص قلب کے ساتھ مبارکباد دیں دیں، مرحبا مضمون لکھے، دونوں کی خدمات کو سراہا، دونوں کے کارناموں کی داد دی ——— اس سوشلسٹ اور برطانیہ بیزار جواہرلال کو سرمایہ دار، خطاب یافتہ اور برطانیہ دوست سپرو سے، اور لمحہ و آزاد خیال جواہرلال کو ٹھیٹھ اور پختہ ہندو مالوی جی سے کوئی بھی مناسبت ہو سکتی تھی؟ جواہرلال اور ان دونوں کے درمیان بجز ہندوقومیت کے اور کونسی چیز مشترک ہے؟ ——— ایک آپ ہیں کہ اپنی پارٹی، اپنی ٹولی سے باہر کسی خوبی کا وجود فرض بھی نہیں کر سکتے اور دو چار بھی کوئی کہے، اور وہ کہنے والا آپ کی پارٹی سے باہر ہو تو شاید اسکی تردید بھی آپ واجب سمجھیں!

انگریز کو چھوڑیے کہ وہ تو آپ سے بہت آگے ہیں، ہندو ہی کو لیجیے، کہ وہ تو آپ ہی کی طرح محکوم ہیں، پابند ہیں اس نے اتنا "ڈسپلن" اپنے اندر کہاں سے پیدا کر لیا ہے۔ نظم و انتظام، فرق مراتب کا احساس، اختلاف و اشتراک کے حدود کا تعین کہاں سے سیکھ لیا ہے؟

ایک آیت پر سوال

قرآن مجید کے ایک مسلم و متعلم کا سوال:-

"سوال سورۂ یوسف کی آیت کذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث میں لنعلمہ کا محل کیا ہے۔ اب تک اس کا جواب میں شرح صدر نہیں ہو سکا ہے"

جہاں تک آیت کے مفہوم کا تعلق ہے، بحمد اللہ وہ صاف و بے غبار ہے۔ وکذلک یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو انکے دشمن بھائیوں کے شر سے نجات دی تھی، قتل سے بچا دیا تھا، اندھیرے کنوئیں سے رہائی دلائی تھی، اسی طرح

کذلک مکنا لیوسف فی الارض اب ہم نے یوسف کو مصر میں قدم جمانے کی جگہ دیدی، اور اسکے لیے گویا زمین تیار کر دی، کہ وہ آئندہ اچھے سے بہتر

نیوی انعام کے مورد ہوسکیں [آیت کی تقریبات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام باوجود زرخرید ہونے کے عزیز کے گھر میں بڑی خاطر کے ساتھ رکھے جاتے تھے، اور قرآن مجید کے الفاظ اکرمی مثواہ بھی اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں]

ولنعلمہ من تاویل الاحادیث ۔ اور یوسفؑ کو سخاوت دلانے اور اس مرتبہ پر پہونچانے میں ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم انھیں تعبیر خواب کی تعلیم دیں، اور وہ لوگوں کو مادی و روحانی برکتوں سے سرفراز کریں۔

اصل معنی و مفہوم میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اب سوال صرف ترکیب کا رہ جاتا ہے۔ سوالِ تفسیر نہ رہا، جیسا کہ سائل پر خود روشن ہے، اسلئے نحو و عربیت کے ماتحت اسکی مختلف صورتیں اختیاری ہیں، مثلاً یہ کہ واؤ زائد ہے یا یہ کہ اسکا معطوف مکنّا کے متعلق محذوف ہے، اور مکنا اصل میں لنمکنہ تھا۔ یا یہ کہ واؤ مستقبہ ہے اور تقدیر کلام یوں ہے۔ مکنا یوسف فی الارض لیفعل، وفعلنا ذلک ۔ اور جب قواعدِ زبان ان سب ترکیبوں کی اجازت دیتے ہیں، تو سوال صرف ترجیح کا رہ جاتا ہے، نہ کہ جواز و عدمِ جواز کا ——— حرفِ واؤ کے ترجمہ میں ہم ہندیوں کے لیے جگہ جگہ دشواری پیش آتی ہے، اور بناء اسکی یہ ہے کہ ہم لوگ ہر جگہ اسکے بجائے اردو کا "اور" رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ عربی کے اسلوب بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جگہ اسکا ترجمہ سرے سے نظرانداز کر جانا ہی صحیح ترجمانی ہے۔

آمدنی کا ٹیکس

"آج ہندوستان کے باشندے اُس سے اٹھ گنے سے زیادہ ٹیکس دے رہے ہیں، جتنا وہ ۱۹۳۸ء میں دیتے تھے! اور پھر بھی اس مالیہ سے مرکزی حکومت کے خرچ صرف ۶۷ فی صدی پورے ہو جاتے ہیں، درانحالیکہ ۱۹۳۸ء کے مالیہ سے ۹۹ فی صدی پورے ہو جاتے تھے، ..... یہ تو آج ہے، اور کل کیا ہوگا؟ اسکے جواب میں سرکاری اعلان شائع ہو چکے ہیں، کہ ٹیکسوں کی کمی کی کوئی امید نہ قائم کی جائے، اس لیے کہ ملک کی ترقی کی جو اسکیمیں ہیں، اور جنکے لیے لکھوکھا ٹرینڈ افسروں، ڈاکٹروں، انجینیروں، ماسٹروں وغیرہ کی ضرورت ہوگی، وہ بغیر اتنے سرمایہ کے چل سکتی نہیں" (ٹائمس آف انڈیا، بمبئی، ۱۲ جنوری کے لیڈنگ آرٹکل سے)

ماہرینِ فن کہتے ہیں کہ ٹیکس میں اضافہ جب ہی ممکن ہو جب پیداوار میں اضافہ ہو لیکن خود پیداوار میں اضافہ کیونکر ہو جب رعایا ٹیکس کے بار سے اس درجہ لدی ہوئی ہو؟ ——— غرض یہ کہ جنگ کے زمانہ میں جو بپتا تھی وہ تو بیت ہی چکی اب امن کے زمانے میں جو کچھ گزر رہی ہے، یا گزرنے والی ہے، یہ اس سے کچھ کم ہے؟ ——— خوب ہوتی ہے "صاحب" کی بھڑکائی ہوئی جنگ، اور خوب تر ہے "صاحب" کی لائی اور پھیلائی ہوئی امن!

"صاحب" کی رجعت پسندی!

نوجوان لڑکیوں کا فوجیوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط ہمارے ہاں کے کم سنوں کی جرائم پیشگی کا ایک بڑا باعث ہے۔ لیکن اسکی ذمہ داری فوجیوں پر اتنی نہیں عائد کی جاسکتی، جتنی خود ان نوجوان لڑکیوں کی مریضانہ ذہنیت پر، جسکے باعث وہ آپ فوجیوں پر گری پڑتی ہیں۔ نوجوان طبقہ اپنے اوقاتِ فرصت کو بھی بے انتہا غلط استعمال کر رہا ہے۔ آج کل کی پھیلی ہوئی بے [illegible] شغل گاہوں اور رقص خانوں پر اُسی طرح پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے جس طرح شراب پر عائد کی گئی تھیں۔ وزارت کو اس میں کامیابی کی توقع نہ ہو کہ ۱۸ سال سے کم عمر والوں کا رقص خانوں میں داخلہ ممنوع ہو جائے تو بہرحال ۱۶ سال سے کم عمر والوں کے لیے تو ضرور ہی غور کیا جائے"

یہ سب کچھ حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک مزدور ممبر مسٹر آسٹن نے اپنی ایک پارلیمنٹی تقریر میں کہا! اور کہتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ اسکے بعد تہذیبِ فرنگ کیسی مفلس و تہی دست ہو کر رہ جائیگی! شراب پر بندش، مرد و زن کے آزادانہ اختلاط پر بندش، سنیما پر بندش، رقص خانوں پر بندش، اتنی بندشوں کے بعد پھر اس تہذیب میں مزہ ہی کیا رہ جاتا ہے! اور پھر آخر وہ رسوا و بدنام "اسلامی" ہی تہذیب کیا بُری ہے؟ پوری نہ سہی، لیکن ہر آدھی تہائی، کچھ اس سے آ ہی جاتی ہے!

گاندھی آشرم کی دعائیں

"گاندھی آشرم کی پرارتھنا (دعا) کی تشریح کے ضمن میں خود گاندھی جی نے لکھا ہے ——

... سادھو کیشر ہیں تھے جب بی بی ریحانہ طیب جی کچھ دنوں کے لیے یہاں آگئی تھیں ..... بی بی ریحانہ گانے میں بہت مشاق ہیں اور اُنکے پاس ہر طرح کے بھجنوں کا خزانہ بھرا ہے۔ وہ روزانہ یہاں گاتی تھیں، اور قرآن کی شیریں آیتیں بھی سناتی تھیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ یہاں بھی کسی آدمی کو جو سیکھ سکتا ہو کچھ آیتیں سکھاتی جاؤ۔ وہ خوشی سے اسکے لیے تیار ہو گئیں، یہاں آنے والے اور لوگوں کی طرح ریحانہ بھی سب کے ساتھ شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ وقت ختم ہو جانے پر ریحانہ چلی گئیں، لیکن اپنی ایک چھوٹی سی یادگار چھوڑ گئی ہیں۔ یعنی سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص جو آشرم کی پرارتھنا میں شامل ہو گئی ہیں" (مضمون مندرجہ قومی آواز، لکھنؤ)

آشرم کی غیر اسلامی عبادات میں اسلامی عبادات کی آمیزش، اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص یا اُنکے ترجموں کی روزانہ تلاوت یقیناً غیر مسلموں کے لیے باعثِ برکت و موجبِ مسرت ہے۔ لیکن خود مسلمانوں کے لیے ایسی مشترک و مخلوط دعاؤں میں شرکت کس حد تک مفید و مناسب بلکہ جائز بھی ہے؟ اس سے بھی قطع نظر، ایک مسلمان خاتون کا یہ وصف کہ وہ بڑی مشاق گانے والی ہیں، اور بھجن خوب گاتی پھرتی ہیں، یہ اُنکی مدح ہوئی یا عین ہجو و ذم؟ ——— نقطۂ نظر یا ایمانیات کا بنیادی اختلاف بھی انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتا ہے!

جرائم کی ترقیاں

۱۹۳۸ء کے مقابلہ میں ۱۹۴۵ء میں جرائم کا اضافہ:—

دوکان تو ڑ کر گھس آنے کے واقعات میں	۶۲	فی صدی کا اضافہ
ڈاکہ، رہزنی، حملہ آوری "	۱۰۶	"

موٹر کار کی چوری کے واقعات میں ۲۵ فیصدی کا اضافہ
مکانات کے اندر سرقہ " " ۱۰۰ "
جیب کی چوریاں " ۶۱ "

(آبزرور، لندن، ۱۶ دسمبر ۱۹۴۵ء)

جرائم کی تعداد میں یہ سو سو گنے، ڈیڑھ ڈیڑھ سو گنے اضافے، افریقہ کے جنگلوں میں نہیں، ہندوستان کے دیہات میں نہیں، آسٹریلیا کے وحشی علاقوں میں نہیں، خاص الخاص لندن اور اُس کے مضافات کے ہیں! — اور یہ فہرست بھی ظاہر ہے کہ صرف چند گنے چنے جرموں کی ہے۔ کُل کا قیاس، اس جزو پر کر لیا جائے! — تشخیص یہ کی گئی ہے کہ ہندوستان کے امراض کی علت یہاں کے باشندوں کی جہالت ہے، اور سب کا علاج تعلیم ہے، تو کیا "فرنگستان جنت نشان" میں بھی تعلیم کی کمی ہے؟ کیا لندن کا علاقہ بھی جاہل اور حرف ناشناس ہے؟ اسکولوں، کالجوں کی وہاں، کچھ بھی کمی ہے؟ — — حجاز اور نجد کا بدوی غریب اپنی "ترقی" و فلاح کے لیے اسی تعلیم، اسی تہذیب، اسی نظام معاشرت کا محتاج ہے؟

تفاوت راہ

"وہ آشرم کے ہر کام میں گرمجوشی سے حصہ لیتے۔ وہ ایک قابل تقلید ہستی تھے۔ وہ اپنے اصولوں میں بہت ثابت قدم تھے۔ روزانہ صبح شام گھوم گھوم کر ڈھول بجاتے، اور منتر پڑھتے نظر آتے تھے...... جب پولیس بلا کسی اطلاع کے انھیں گرفتار کرنے آئی، تو وہ اپنا پسندیدہ منتر پڑھ کر رخصت ہو گئے، وہ اپنی ڈھول میرے ہی پاس چھوڑ گئے"!

یہ گاندھی جی نے اپنے ممدوح ایک آشرم نشین غیر مسلم کی مدح میں کہا۔ فقروں کی نقل سے مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ عبادت کے بارے میں اسلامی اور غیر اسلامی تخیل میں کتنا فرق عظیم ہے! "صبح و شام ڈھول بجا بجا کر گھومتے رہنا" اسلامی نقطۂ نظر سے کسی درجہ کی بھی عبادت ہے؟ کوئی شائبۂ عبادت بھی اپنے اندر رکھتا ہے؟ — کیا ظلم صریح ہے کہ ہندو مسلم کلچر کو ایک کہا جاتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

جناب سردار احمد (پیلی بھیت) آپ کے مضمون کے لیے کوئی روزنامہ موزوں و مناسب ہوگا۔

بعض مضمون نگاروں سے (۱) مضامین، مراسلات یا خانگی مکتوبات میں دفتری و انتظامی امور سے متعلق لکھنا، کاتب و مکتوب الیہ دونوں کا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ (۲) صدق روزانہ نہیں سہ روزہ ہے۔ پھر گنجایش محدود، اپنے ہر چھوٹے بڑے مضمون کے لیے یہ توقع رکھنا کہ وہ چھپ ہی جائیگا اور فوراً چھپیگا اور اس توقع کی بنا پر جلد جلد تقاضا نامہ بھیجتے رہنا، — بہت ہی بیجا قسم کا حسن ظن ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع ۲۷

بسلسلۂ صدق نمبر

(از عبد الماجد)

۲۴۰ یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام	اور آپ سے حرمت والے مہینہ کی بابت (یعنی) اُس میں قتال (کی بابت) دریافت کرتے ہیں[۸۲۵]، آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے[۸۲۶]، اور اس سے کہیں بڑے (جرم) اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روک دینا۔

۸۲۵ الشهر الحرام بالشهر الحرام کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی۔

الشهر الحرام سے یہاں مراد ماہ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ھ ہجری تھا یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہوگیا، اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں اکثر ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ۲۹ کا ہوگیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لیکر پہاڑ بنا دیا، اور طعن و اعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں!

ان محمدا بعث سرية فلقوا عمرو بن الحضرمي آخر ليلة من جمادى و اول ليلة من رجب وان اصحاب محمد صلعم كانوا يظنون تلك الليلة من جمادى وكانت اول رجب ولم يشعروا فقتله رجل منهم واحد (ابن جرير۔ عن ابن عباس)

لقي واقد بن عبد الله عمرو ابن الحضرمي اول ليلة من رجب وهو يرى انه من جمادى فقتله (ابن جرير۔ عن مقسم)

قتالٌ فيه ترکیب میں بدل ہے الشهر الحرام سے۔

بدل اشتمال من الشهر الحرام (بیضاوی) وهذا يسمى بدل الاشتمال كقولك اعجبني زيد علمه ونفعني زيد كلامه (کبیر)

۸۲۶ (جبکہ دانستہ یعنی ماہ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو۔ اور یہ جرم مسلمانوں سے سہواً سرزد ہی نہیں ہوا)۔

وما وقع من الصحابة عليهم السلام كان من باب الخطا في الاجتهاد وهو معفو عنه (روح)

فقہاء و مفسرین میں ایک بڑی بحث اسکی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے

واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ والفتنۃ اکبر من القتل	اور مسجد الحرام سے روک دینا اور اس سے اسکے والوں کو نکال دینا ۳۵۴ ہے اور فتنہ قتل سے (کہیں) بڑھ کر ہے ۳۵۵ ۔

مذہب کا درس زمانہ میں قتال شروع کر دیں، تو مسلمان کی حیات کی حفاظت کیلیے دفاعی وجوابی قتال تو بہرحال جائز ہے ۔

لا خلاف فی جواز القتال فی الشہر الحرام اذا بدأ (زاد المعاد فصل احکام قرآن غیرہ)

گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی اس میں ابتدا جائز ہے؟

انما الخلاف ان یقاتل فیہ ابتداء (زاد المعاد)

سو امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد اور جمہور فقہاء اسکے قائل ہیں کہ قرآن ہی کی دوسری آیتوں سے یہ حکم حرمت کالعدم ہو گیا ہے اور اب جہاد ان مہینوں میں شروع بھی ہو سکتا ہے

فالجمہور وجوزوہ وقالوا تحریم القتال فیہ منسوخ وہو مذہب الائمۃ الاربعۃ (زاد المعاد) قال سائر العلماء ہی منسوخۃ (ابن العربی)

روی سلیمان بن یسار وسعید بن المسیب ان القتال جائز فی الشہر الحرام وہو قول فقہاء الامصار (جصاص) لیکن عطاء تابعی اور بعض اور اکابر اسکے قائل ہیں کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی ہے ۔ بلکہ عطاء تو اپنے فتوے کی صحت پر حلف اٹھا لینے کو تیار رہتے ۔

مذہب عطاء وغیرہ الی انہ ثابت غیر منسوخ وکان عطاء یحلف باللہ ما یحل القتال فی الشہر الحرام (زاد المعاد) کان عطاء یحلف انہا ثابتۃ لان الآیات التی بعدہا عامۃ فی الازمنۃ وہذا خاص والعام لا ینسخ الخاص باتفاق (ابن العربی) قالت طائفۃ محکمۃ وانہا لم ینسخ وممن قال ذلک عطاء بن ابی رباح (جصاص)

۳۵۴ (سو بالفرض وہ جرم مسلمان سے سرزد ہوا بھی ہوتا، جب بھی اپنے شدید بلکہ اشد جرائم کے مجرموں کو کیا حق ہے ایک اتفاقی واقعہ قتل پر اعتراض و احتجاج کا !)

صد عن سبیل اللہ ۔ اللہ کی راہ سے مراد اسلام ہے اُس سے روکنا، یعنی اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا، اُن پر ظلم و ستم توڑنا ۔

سبیل اللہ ای الاسلام او ما یوصل العبد الی اللہ (بیضاوی)

کفر بہ ۔ یعنی اللہ سے کفر اختیار کرنا ۔

اللہ کے دین و شریعت کو نہ قبول کرنے، اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہی ہے

والمسجد الحرام ۔ مسجد کعبہ خاص اہل توحید ہی کا معبد و مرکز ہے ۔ اسکا ہر وقت اللہ کے پرستاروں کے لیے کھلا رہنا اسلامی حکومت کے فرائض اولین میں سے ہے ۔

المسجد الحرام کا عطف ترکیب میں سبیل اللہ پر نہیں بلکہ تقدیر کلام یوں ہے وتصدون عن المسجد الحرام ۔

ولا یحسن عطفہ علی سبیل اللہ (بیضاوی) تقدیرہ وتصدون عن المسجد (عکبری) واختار ابو البقاء انہ متعلق بفعل محذوف دل علیہ المصدر ای ویصدون عن المسجد الحرام (روح)

اخراج اہلہ منہ ۔ دونوں ضمیریں المسجد الحرام کی طرف ہیں یعنی رسول اور مومنین کو ہر طرح تنگ و پریشان کر کر کے مسجد الحرام سے نکال دینا، وہاں انکا داخلہ بند کر دینا ۔

مومنین اہل اس لیے کہا گیا کہ یہی لوگ تو اس حرمت والی مسجد کے حقوق ادا کرنے والے تھے ۔

وانما کانوا اہلہ لانہم القائمون بحقوقہ (روح)

گویا کافروں کے اعتراض کے جواب میں دو باتیں ارشاد ہوئیں ۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً زمانہ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا ۔ دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی، تو تمہارے ایسے سنگین و شدید جرائم سے اسکا کیا مقابلہ ۔

۳۵۵ (اپنے مفاسد اور اپنی مضرتوں کے لحاظ سے) ۔

الفتنۃ سے مراد وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ــــــ اُس دین کی راہ میں جسکا مقصد ہی دنیا کو راہ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے امن دلانا ہے ۔

اے ما یفتنون بہ المسلمون ویعذبون بہ لیکفروا (روح) والمعنی عند جمہور المفسرین الفتنۃ التی کانت تفتن المسلمین عن دینہم حتی یہلکوا (بحر) الفتنۃ ما کانوا یفتنون المسلمین عن دینہم تارۃ بالقاء الشبہات فی قلوبہم وتارۃ بالتعذیب (کبیر)

فتنۃ کے معنی یہاں مطلق کفر کے بھی کیے گئے ہیں، لیکن زیادہ چسپاں نہیں ہوتے ۔ یہ قول امام رازیؒ کے نزدیک ضعیف (کبیر) قول محقق وہی ہے جو اوپر درج ہوا ۔

اکبر کی تفسیر ابن عباسؓ صحابی اور تابعین کے قول میں اشد سے آئی ہے من القتل ۔ یعنی اُس خاص واقعہ قتل سے ۔

مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں، تدبیروں، ترکیبوں سے روکتے ہیں، وہ حقیقۃً دنیا کو امن، عدل و عافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں، اور اس لیے وہ نوع و نسل انسانی کے مجرم ہیں ۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خود غرضیوں اور فریب کاریوں، ظلم و جور، شورش و بد امنی کو دور کرنا ہے ۔ جو احمق اسکو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں، وہ جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر

کے احکام شرعی کے متعلق ایک عالمانہ و بصیرانہ فتوے

از مولانا محمد شفیع حجت اللہ فرنگی محلی - مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۳)

اگر کلیۃً ایسا ہی ہے تو پھر جانماز یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنے سے بھی نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور مسجد میں جلو کا؟ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بھی نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور مکبرین کے لیے جو "مکبرے" بنائے جاتے ہیں (جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد میں ہے) اور مکبرین اُن "مکبروں" پر کھڑے ہو کر نماز میں تکبیریں ادا کر کے مقتدیوں کو امام کے انتقالات کی خبر دیتے ہیں تو امام سے بہت دور جو مقتدی ہوں وہ محض اُن تکبیروں کی سماعت سے (جن میں مکبرہ کو دخل ہو۔ اس طور کہ اگر "مکبرہ" نہ ہوتا تو اُن تک مکبرین کی بھی آواز نہ پہنچتی، اور آخری صورت میں تو ایک خارجی چیز یعنی "مکبرہ" تلقن میں اثر انداز ہے - علاوہ اسکے بظاہر یہ صورت بدعت سیئہ العبادۃ المقصودۃ ہے اور اس سے "تسویۃ الصفوف" اور "اتصال المناکب" کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے) اگر رکوع و سجود کریں تو انکی بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جانی چاہیے وغیرہ وغیرہ کہ ان سب صورتوں میں نماز پڑھنے والوں کی نماز کے ارکان بآرام و سہولت ادا کرنے میں امداد ملی - ولا یلیق بعاقل ان یتفوہ بہ - صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق تو یہ مروی ہے کہ وہ سجدہ کو بہ آرام ادا کرنے کے لیے تپتی ہوئی زمین پر سجدہ کی جگہ کچھ رکھ لیا کرتے تھے تاکہ پیشانی جھلس نہ جائے۔ آلۂ مکبر الصوت کا انتظام نماز کے دوران میں نہیں ہوتا، نماز شروع ہونے سے قبل اس کا انتظام کیا جاتا ہے (اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ امام اپنے بدن کے کسی حصہ پر آلۂ مکبر الصوت لگا لیتا ہے اور یہاں بحث جہاں یہی صورت ہے) تاکہ نماز کے دوران میں نمازیوں کو متابعت امام کے لیے اس سے امداد ملی جس میں کسی غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل کبھی نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو امام کی آواز کا (جو لاؤڈ اسپیکر والی آواز کے سلسلہ کی ابتدا کر رہی ہے) اور اُسکے ساتھ ایک جمادی چیز مثلاً بجلی یا ہوا یا اثیر کا اور ہماری خارجی چیزوں کے دخل کے بغیر یوں بھی کوئی مقتدی امام کی اصل آواز کو نہیں سن سکتا - خلاصہ یہ کہ "مدد لینا" اور "مدد مل جانا" ان دونوں کے مابین فرق ہے، نماز کو فاسد یا مکروہ کر دینے والی اُس خارجی مدد کو اگر کہا جائے کہ جو نماز پڑھنے والا نماز کی حالت میں بالقصد والارادہ "حاصل کرے" تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز پڑھنے والے کو نماز کی حالت میں اگر خارجی مدد مل جائے تو اس سے بھی نماز فاسد یا مکروہ قرار دی جائے جبکہ یہ خارجی مدد نہ تو خشوع و خضوع کے خلاف ہو (جیسے اپنے ملازم کو حکم دینا کہ میں جب نماز پڑھوں تو میرے پنکھا جھلتے رہنا، اور وہ اس حکم کی تعمیل کرے - اور نماز پڑھنے والے کو اس سے آرام ملے یا بلا ضرورت لکڑی یا دیوار کے سہارے نماز میں کھڑے ہونا کہ یہ امور خلاف خشوع و خضوع ہیں اس لیے انہیں مکروہ کہا جا سکتا ہے اگرچہ کراہت تنزیہی ہو) اور نہ اعمال نماز کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونا لازم آتا ہو (جیسے دیواروں پر منقوش قرآن کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا) اور نہ یہ امداد عرفاً تکلم مع الغیر کے تحت میں آتی ہو (جیسے کسی خارج از نماز شخص کی قرأت یا تکبیر سن کر نماز پڑھنے والے کا اپنی قرأت میں یا اپنے انتقالات نماز میں تغیرات کر دینا) قطع نظر اس سے کہ کسی جزئیہ کا قیاس دوسرے فقہی جزئیہ مجتہدہ پر کہاں تک درست ہے (خصوصاً جبکہ علت حکم بھی مجتہد سے منقول نہ ہو) کہا جا سکتا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ تکبیر سن کر رکوع و سجود کرنے کا قیاس قرآن شریف سامنے رکھ کر اُسے دیکھ دیکھ کر پڑھنے پر (جیسا کہ بعض حضرات کے کلام میں کیا گیا ہے) قیاس مع الفارق ہے - کیونکہ نماز میں قرآن پاک اپنے نقش ذہن سے پڑھنے کا حکم ہے (شروح ہدایہ میں سے عنایہ اور فتح القدیر میں اور دیگر معتبر کتب فقہیہ میں جس تلقن عن الخارج کو مطلقاً مفسد نماز قرار دیا گیا ہے اُس تلقن کا تعلق صرف "قرأۃ قرآن" سے ہے ورنہ کلیہ کے خلاف خود اپنی کتب میں جزئیات موجود ہیں) اسی وجہ سے نماز میں شریک شخص کے لقمہ دینے سے پڑھنے میں تغیر کر دینے کو بھی بعض متشدد علماء مفسد نماز قرار دیتے ہیں جبکہ بقدر مفروض قرأت ہو چکی ہو۔ دوسرے علماء اگرچہ مفسد نماز نہیں کہتے لیکن کراہت سے خالی نہیں قرار دیتے (تراویح کا بضرورت تحفظ قرآن دوسرا حکم ہے) حالانکہ شریک نماز کی تکبیروں کے ذریعہ امام کے انتقالات کا حال معلوم کر کے رکوع و سجود کرنے میں کوئی حرج نہیں - علاوہ اسکے ایک خارجی چیز سے امداد لینا لازم آتا ہے جو اس امر کو مستلزم ہے کہ نماز پڑھنے والا اعمال صلوٰۃ کے علاوہ ایک عمل یعنی بالقصد "نظر الی المصحف" اور "نظر فی المصحف" میں مشغول ہو، بخلاف آلۂ مکبر الصوت والی صورت کے کہ اس آواز کے سننے میں (جسکی وجہ سے اعمال نماز میں امداد ملتی ہے) مقتدی کے دوران نماز کے کسی عمل اور فعل کا دخل نہیں ہوتا - کما مر فاتذکر - اسی طریقے اسکا قیاس اُس مبلغ کی تکبیرات انتقالات پر بھی جس نے تکبیر افتتاح محض بغرض اعلام بغیر قصد احرام ادا کی ہو درست نہیں - کیونکہ مقیس علیہ میں حکم کی علت "اقتداء بالغیر" بتائی گئی ہے (دوسرے لفظوں میں "تکلم مع الغیر عرفاً" بھی علت حکم قرار دی جا سکتی ہے) اور مقیس میں اقتداء بالغیر (یا تکلم مع الغیر عرفاً کا) وجود نہیں کیونکہ آلۂ مکبر الصوت میں "مقتدیٰ" بننے کی صلاحیت نہیں (اور اسکی آواز میں غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل نہیں کہ "تکلم" کا عرفاً تحقق ہو سکے) صاحب فتح القدیر نے قرأۃ المصحف والے مسئلہ میں "حی معلم" یا "غیر حی معلم" کے جس قیاس کا ذکر کیا ہے وہ نظیر میں نہیں پیش کیا جا سکتا، کیونکہ وہاں "وصف جامع" موجود ہے یعنی قرأۃ قرآن کے بارے میں تلقن عن الغیر (تلقین کا وجود صاحب فتح کے نزدیک غیر موثر ہے) اور قرأۃ قرآن کے بارے میں تلقن عن الغیر مطلقاً مفسد نماز ہے (کیونکہ نماز میں قرأۃ قرآن نقش ذہنی سے ہونا چاہیے) اور یہاں "وصف جامع" موجود نہیں کیونکہ مقیس علیہ میں علت حکم "اقتداء بالغیر" (یا حکماً تکلم مع الغیر) ہے اور اقتداء کا (اور تکلم مع الغیر کا) وجود بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا مقتدا ہو اور تکلم

مع الغیر کے وجود کے لیے دوسرا کوئی متکلم ہو یا تکلم کی صلاحیت رکھتا ہو) اور لاؤڈ اسپیکر میں مقتدی بننے کی صلاحیت نہیں (اسی طرح متکلم ہونے کی بھی) کہ اسکے لیے ذی روح ہونا ضروری ہے - بنا بریں آلۂ کبیر الصوت والی آواز سن کر رکوع و سجود کرنے میں "اقتداء بالغیر" کا (اور "تعلم من الغیر" کا) وجود نہیں پایا جاتا - یعنی قراءۃ قرآن کے بارے میں غیر کی اثر پذیری مفسد نماز ہونے کے لیے کافی ہے (کیونکہ قراءۃ قرآن نقش ذہنی سے ہونا چاہیے) غیر کے فعل اور عمل کا قبول صاحب فتح القدیر اس "مفسد نماز ہونے میں" کوئی خاص اثر نہیں (اسی وجہ سے اس غیر کا ذی روح ہونا ضروری ہے)

اور تعلم من الغیر میں (اسی طرح تکلم من الغیر میں) محض اثر پذیری کافی نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قراءۃ قرآن کے علاوہ صورتوں میں بھی جب نماز کی حالت میں خارج سے اثر پذیری ہو تو نماز فاسد ہو جائے - حالانکہ جزئیات اسکے خلاف موجود ہیں - کالامر -

آلہ کبیر الصوت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کا رواج دینا کوئی ضروری امر نہیں - چونکہ آلۂ کبیر الصوت کے متعلق خطرہ رہتا ہے کہ وہ کام کرتے کرتے کبھی اپنا کام نہ چھوڑ دے اس لیے نماز میں اگر اسکا رواج ہوگا تو مکبرین کا انتظام نہ باقی رہنے کی وجہ سے (جیسا کہ عادۃً اسکا لزوم ہے) مقتدیوں کو امام کے رکوع و سجود کی اطلاع نہ ہو سکیگی - اگر دوران نماز میں لاؤڈ اسپیکر فیل ہو جائے (آلۂ کبیر الصوت اپنا کام چھوڑ دے) اس لیے شرعی طریقے سے مناسب یہی ہے کہ نماز میں اسکا رواج نہ دیا جائے -
خطبہ کے الفاظ کا ہر شخص کے کانوں میں پڑنا (خصوصاً جبکہ اسکے معنی بھی سمجھ میں نہ آتے ہوں جیسا کہ ہندوستان میں خطبوں کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے) کوئی لازمی چیز نہیں جسکے لیے آلۂ کبیر الصوت کا انتظام کیا جائے ، علاوہ اسکے اندیشہ ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والے اپنے گھر ہی سے خطبہ سنتے رہنے کی وجہ سے خطبہ کے وقت مسجد میں آنا چھوڑ دیں (جو منشاء شریعت کے خلاف ہے) علاوہ اسکے لوگوں کو اگلی صف میں جا کر بیٹھنے کا شوق جاتا رہے گا - حالانکہ اسکے فضائل حدیثوں میں مروی ہیں - اس لیے عام طور سے خطبہ کے لیے بھی اس قسم کا انتظام غیر مناسب ہے - لیکن اگر کسی وقتی ضرورت کی وجہ سے آلۂ کبیر الصوت خطبہ کے وقت کام میں لے آیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی - قباحت رواج دینے میں ہے -

خطبہ میں خطبہ کے الفاظ کا ہر حاضر شخص کے کانوں میں پڑنا ضروری نہیں اور نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کا ادا کرنا بہ اتباع امام لازم ہے یعنی رکوع و سجود میں امام کی پیروی لازم ہے جو امام کی آواز تکبیر کی سماعت کے بغیر متعذر ہے اس لیے دونوں کے مابین جواز و عدم جواز مناسب و غیر مناسب کے لحاظ سے اور مناسب و غیر مناسب کے مراتب اعلیٰ و ادنیٰ کے لحاظ سے تفارق کیا جا سکتا ہے - بنا بریں خطبہ میں آلۂ کبیر الصوت کے نفس استعمال (قطع نظر از عوارض) کا جواز حقیقۃً ظاہر ہے نماز میں اسکا جواز اس قدر ظاہر نہیں جبکہ بعض معتبر لوگوں کی تحقیق یہی ہے کہ آلۂ کبیر الصوت والی آواز بعینہ بولنے والے کی آواز نہیں ہوتی

مقتدیوں آلۂ کبیر الصوت سے جو آواز سنتے ہیں وہ بعینہٖ امام کی آواز نہیں ہوتی، امام کی آواز کی حکایت ہوتی ہے جسکے لحاظ سے مقتدیوں کا رکوع و سجود کریں تو اس کا جواز محض حکماً ہے کہ اس طرح عملاً رکوع و سجود میں امام کی اتباع حاصل ہو جاتی ہے جو اصل مقصود ہے جو کچھ فرق ہے وہ امام کی حالت کے ذریعہ علم میں ہے جو مقصود اصلی نہیں اس لیے نماز میں بہ نسبت خطبہ کے زائد احتیاط کی ضرورت ہے - واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم -

امور مذکورہ بالا سے قطع نظر کرتے ہوئے اسلامی عبادات کی عبادات کی سادگی اس امر کی مقتضی ہے کہ خطبوں اور نمازوں میں اور بہ سلسلہ رویت ہلال رمضان اور عیدین میں آلۂ کبیر الصوت یا ریڈیو کے انتظامات سے کنارہ کشی کی جائے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی متصور نہیں خصوصاً ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے معاملات کسی شرعی حکومت کی نگرانی میں نہیں اور آلۂ کبیر الصوت اور ریڈیو وغیرہ قسم کی چیزیں غیر اسلامی حکومت کی نگرانی میں ہیں ان چیزوں کا استعمال اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین اور ہدایات کے ماتحت ممکن ہے - واللہ اعلم بالصواب -

---

جسم کے حقوق

آپ کا جسم صرف قوت کی پیداوار کا کارخانہ نہیں - بلکہ محنت کی بچت کی بھی ایک حیرت انگیز مشین ہے - تھوڑے سے خرچ سے یہ کارخانہ بہت بڑی پیداوار دیتا ہے - آپ دس فی صدی توجہ دیکر اپنے جسم سے نوے فی صدی قوت حاصل کر سکتے ہیں - اس کارخانہ کو اچھی حالت میں رکھنا آپ کا اولین فرض ہے - جسم ایک خدائی امانت ہے جو آپ کو نہایت درست اور کارگزار حالت میں سونپا گیا ہے - اسکو بے پروائی اور بے احتیاطی سے کمزور کر دینا اور تندرست نہ رکھنا جرم اور بد اخلاقی ہے -

جسم اس لیے کمزور نہیں ہوتا کہ آپ اس سے کام لیتے ہیں بلکہ اس میں فرسودگی اور کمزوری صحت کے قدرتی قوانین اور آپ کی بے پروائیوں اور بیجا خواہشوں کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے - زیادہ کھانا، بے وقت کھانا، ناقص غذائیں اور محرکات کا استعمال کرنا، بے قاعدہ سونا اور جاگنا، روشنی اور ہوا سے دور رہنا جسم کی اندرونی اور بیرونی صفائی کا پورا خیال نہ رکھنا، اس قسم کی بہت سی بے احتیاطیاں ہیں جنکا مقابلہ جسم زیادہ دن نہیں کر سکتا اور انکی وجہ سے تندرستی خراب ہو جاتی ہے - آپ اس سے بچنا چاہتے ہیں تو زندگی کے طبعی اصول اور صحت کے قدرتی قوانین جیسے ذکر کیا ہے بلکہ اپنے جسم اور صحت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیجیے اور ان سے فائدہ اٹھائیے

موجودہ زمانہ میں جسمانی قوتوں کو ایک بڑا خطرہ عیاشی سے

سے لاحق ہو گیا ہے اور آجکل کی بڑھی ہوئی جنسی ہوس صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا رہی ہے۔ مگر عیاشی کی حد یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہر وہ جنسی خواہش جس میں عقل کی رہنمائی شریک نہ ہو اسکے سامنے سر ڈال دینا عیاشی کے حکم میں داخل ہے اور جسمانی قوتوں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ سو اگر آپ تندرستی اور زندگی کی کامیابی چاہتے ہیں تو ان تمام عیاشیوں اور بے اعتدالیوں کو ترک کر دیجیے جو قوتوں کو زائل کرتی ہیں یا انکو بے موقع خرچ کر دیتی ہیں اور اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کارآمد بنانے میں لگ جائیے۔

(صحت عامہ)

سکھ مذہب اور معاصر صدق لکھنؤ

صدق ۱۵۔ دسمبر ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں ایک مضمون "سکھ اور مسلمان" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے:۔

"یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ سکتی ہے کہ مسلمان اور سکھ توحید ذات باری تعالیٰ کے مقصد میں بالکل برابر کے شریک ہیں مگر افسوس ہے کہ ان ہر دو موحد اقوام میں سے کسی نے اتحاد و اتفاق کی کوشش نہ کی۔ ... اگر دیگر اعمال معاشرت و تمدن میں غور کیا جائے تو سکھوں اور مسلمانوں کے کتنے رشتے مودت کے موجود ہیں"۔ اس مضمون پر معاصر صدق رقمطراز ہے:۔ "سب سے بڑی چیز توحید کا اشتراک ہے۔ افسوس ہے کہ خود ہمارے علما و اکابر نے بھی اتنے گہرے رشتۂ اتحاد ہونے کے باوجود بھی سکھوں کو اپنانے کی طرف توجہ نہ کی"۔

مضمون نگار نے انتہائی تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ اور محترم مدیر صدق جیسے باخبر بزرگ کے نوٹ پر بھی ہمیں سخت تعجب ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس طرف سب سے پہلے توجہ حضرت امام عصر مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مبذول فرمائی۔ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان توحید کے اشتراک کو واضح کیا اور اس موحد قوم میں اسلامی تبلیغ کے لیے میدان تیار کیا۔ اور بعد میں آپ کے متبعین نے سکھوں میں تبلیغ اسلام کو عملی طور پر جاری رکھا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے ایک قابل مشنری شیخ محمد یوسف صاحب گرمکھی اس کام کے لیے وقف ہیں اور حال ہی میں آپ گورمکھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ قادیان سے اخبار نور تقریباً ۳۳ سال سے سکھوں میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہا ہے اور محترم مدیر نور نے گورمکھی میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ گورمکھی زبان میں آنحضرت صلعم کی سیرت شائع کی اور سکھ مذہب کے متعلق اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیدا کیا۔ غرضیکہ حضرت امام عصر مجدد کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ سکھوں اور مسلمانوں کے توحید کے اشتراک کو نمایاں کر کے اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کریں اور انھیں اسلام کے قریب لائیں۔ چنانچہ معاصر صدق کے مضمون نگار نے جماعت احمدیہ کے مہیا کردہ لٹریچر سے ہی استفادہ کیا ہے اور اسکے مضمون کا سارا مواد اسی لٹریچر سے مستعار ہے جس کام کی طرف معاصر صدق نے توجہ دلائی ہے اس کی بنیاد آج سے پچاس سال پیشتر رکھ دی گئی تھی۔ تعجب ہے کہ اسکا علم نہ معاصر صدق کو ہے اور نہ معاصر متذکرہ کے مضمون نگار کو ہے۔ ہم ان حقائق کو معاصر صدق کے نوٹس میں لاتے ہوئے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہ کام آجکل کے علماء کا نہیں بلکہ علماء ربانی کا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ تجدید دین کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔

پیغام صلح ۔ لاہور

ایک اپیل

پاکستانی کوششوں سے متعلق

(از مولوی عبدالرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ معینیہ اگرہ ... ضلع ...)

میرے خیال میں ملک و قوم کی صلاح و فلاح کے لیے پاکستانی تجویز نہایت مناسب ہے۔ دونوں قوموں مومنین و مشرکین کا الگ الگ رہنا تو خود تعلیم نبوی کے مطابق بھی ہے۔ علامہ سیوطی خصائص میں لکھتے ہیں کہ جنوں کا وفد آیا اور بڑا شور و غل برپا ہوا۔ جب یہ سب آوازیں بند ہوئیں تو صحابہ کرام کے دریافت پر آپ نے فرمایا کہ یہ جنوں کی جماعت تھی انکا آپس میں آبادی کے متعلق جھگڑا تھا میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی جماعت پہاڑوں اور دیہاتوں میں رہے اور مشرکوں کی جماعت نشیبی زمین اور وادیوں کے پاس رہیں۔ (خصائص۔ جلد ثانی ص...)

اسی طرح دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لا تتراءی نارا ہما دونوں جماعتوں کی آگ اکٹھی نہ دیکھی جائے۔ اس سے ایک حد تک پاکستانی اصول کے مطابق دونوں جماعتوں کی حدود کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ مسلمانوں اور غیر قوموں کے مخلوط الگ الگ رکھنے کے سلسلہ میں وہ فتنہ و فساد جو خود مسلمانوں کی جماعتوں میں انفرادی طور پر برپا ہے اسکا نہایت افسوس و قلق ہے۔ صدق کے تازہ پرچہ ۵۔ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں کسی صاحب نے مصالحت کی کوشش کے لیے پُردرد طریقہ سے لکھا ہے مولانا دریابادی کا معروضہ اسکے جواب میں صحابہ کے باہمی مشاجرات و تنازعات کے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرکے یہ ہے کہ جب عہد صحابہ کرام میں مصالحین کے باہمی مفاہمت کی کوششوں کے باوجود جو کچھ ہونا تھا ہوتا رہا تو اب کیا سہارا کیا جائے بحالیکہ متعدد بار تازہ کوششیں عملاً ناکام رہیں۔ در اصل بات یہی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے خواب میں بھڑکتے ہوئے آگ کو دیکھ کر تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے اُس فتنہ کی طرف جو میرے بعد واقع ہونگے۔ صحابی نے پوچھا حضور وہ فتنہ کس طرح کا ہوگا آپ نے فرمایا یشتجرون حتی تصیر دم المومنین احلی من شرب الماء یعنی مسلمانوں میں اسقدر کشیدگی و تنازعات ہونگے کہ مسلمان کا خون نہ صرف یہ کہ پانی کی طرح بہایا جائیگا بلکہ حسد و کینہ کی پیاس بجھانے کے لیے پیاسے پانی سے مسلمان کا خون شیریں معلوم ہوگا۔ (خصائص۔ جلد ثانی ص...)

پس تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ پاکستان کا اصول جس قدر صحیح ہے اسی قدر

محرکات کا استعمال

ڈاکٹر اشرف رفیق کے تاثرات

بعض آدمیوں کو چاء کافی - کوکو - تمباکو اور دیگر محرکات کے استعمال سے ایک خاص قسم کی تقویت ہوتی ہے اور دماغی کام کرنے کے لیے بالخصوص وہ انکے استعمال سے پہلے زیادہ تیار ہو جاتے ہیں لیکن ہم انکا استعمال عام طور سے جائز نہیں سمجھتے -

بعض ڈاکٹروں نے ان اشیاء کو بہت ہی مضر بتایا ہے اور انکے نزدیک یہ چیزیں زہریلی ہیں - لیکن ہمارا مقصد خاص طور پر یہی ہے کہ مبالغہ اور تنگ نظری سے بچکر ایسی تو اتیں پیش کریں جو زندگی کے لیے عموماً بہترین ثابت ہوں - . . .

چاء کے خاص اجزاء حسب ذیل ہوتے ہیں - تھیئین جو کافی کے کیفین سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور اسٹیری تیل ٹینین اور اکسٹرا کٹیوس - سبز چاء میں بمقابلہ کالی چاء کے ٹینین اسٹیری تیل اور ٹینک ایسیڈ زیادہ ہوتے ہیں چاء کی ایک پیالی پینے کے بعد طبیعت کو بہت فرحت محسوس ہوتی ہے - تکان دور ہو جاتی ہے اور جسم ہلکا معلوم ہونے لگتا ہے - یہ اثر تھیئین اور اسٹیری تیل کی وجہ سے ہوتا ہے - بعض حیثیتوں میں ٹینک ایسیڈ کا اثر بھی مفید ہوتا ہے اثرات کے لحاظ سے کافی اور چاء ایک دوسرے سے مماثل ہیں پھر بھی ان میں تھوڑا فرق ہے اگرچہ کیمیاوی حیثیت سے دونوں ایک ہیں - کافی اور چاء دونوں کے استعمال سے ہم دماغی اور جسمانی کام زیادہ دیر تک کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں - لیکن بعض لوگوں کو بمقابلہ کافی کے چاء سے اعصابی تشنج زیادہ پیدا ہو جاتا ہے جیسکی وجہ سے نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے - چاء کے مقابلہ میں کافی پیشاب آور ہوتی ہے - کمزور معدہ والوں کو دونوں سے پرہیز کرنا لازمی ہے - جب کوئی شخص انکو کثرت سے استعمال کرنے لگتا ہے تو شدید اعصابی خرابیوں کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں مثلاً طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے - نیند بہت کم ہو جاتی ہے - اختلاج قلب اور درد شروع ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات زہریلی علامات نمایاں ہونے لگتی ہیں - گردوں کے لیے چاء اس قدر مضر نہیں ہے جتنی کہ کافی - اسکے استعمال سے خواہش پیشاب بڑھ جاتی ہے شراب کی طرح چاء اور کافی کے استعمال میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے - بچوں کے لیے تو کمزور سے کمزور چاء یا کافی بھی نقصان ثابت ہوتی ہے - کافی میں بہت زیادہ جزو کیفین ہے جو ... سے الگ ہوتی ہے - جب کافی ابالی جاتی ہے تو اس میں سے خوشبودار تیل نکلتے ہیں - اور انھیں کی وجہ سے اس میں اسقدر عمدہ خوشبو پیدا ہوتی ہے - کافی قلب کو بھی قوت پہونچاتی ہے اور اعصابی سسٹم کو بھی مفید ہے - گردوں پر جو اسکے مفید اثرات ہوتے ہیں انکا بیان ہم کر چکے - جب کافی پی جائے تو بہترین صورت یہ ہے کہ تیز ہو اور اس میں بالائی یا دودھ ملا ہوا ہو . . . .

تمباکو بہت سے لوگوں میں ایک قسم کی فرحت پیدا کرتا ہے اور اسکے عادی سگریٹ پینے کے بعد زیادہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں - ایسی صورت میں انھیں دماغی کام کرنے کو تمباکو میں زہریلا مادہ اسکا قلیل سا نکوٹین ہوتا ہے وہ لوگ جو اسکے عادی نہیں ہوتے انکے لیے اسکی تھوڑی مقدار بھی نشہ پیدا کردیا کرتی ہے - لیکن جو لوگ عادی ہوتے ہیں انکو زیادہ مقدار استعمال کرنے سے نشہ ہوتا ہے تمباکو کھانے یا پینے سے جو نکوٹین جسم میں داخل ہوتی ہے اسکے سبب سے مضر نتائج مترتب ہونے کا اندیشہ ہے اس لحاظ سے سگریٹ سب سے زیادہ مضر ہوتے ہیں - نکوٹین کے داخل ہونے سے آنکھوں کے اعصاب اور دیگر اندرونی عضوں پر مہلک اثر ہونے کا امکان ہے اور اعصابی نظام پر بھی اسی قسم کا اثر ہوتا ہے - لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکے استعمال سے سب سے زیادہ نقصان قلب و معدہ کو پہونچتا ہے - شروع شروع میں قلب کی حرکت بے قاعدہ ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب کی حرکت بالکل بند ہو گئی - اگر ان علامات کے باوجود تمباکو کا استعمال ترک نہ کیا گیا تو معدہ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے - غالباً یہ مرض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ گلا و گردہ پر نکوٹین کا برا اثر ہوتا ہے -

(صحت عامہ)

ہمدردان صدق سے

(از (حکیم حافظ) عبد القوی (بی اے) نائب مدیر)

ماہ دسمبر ۳۵ء میں صدق کی آمدنی ۲۴۰ یعنی ۸ ہوئی اور مصارف کی میزان ۳۵۰ تک پہونچی - ماہ جنوری ۳۶ء میں یہ تناسب حسب ذیل رہا

میزان آمدنی ۱۶۳

میزان مصارف ۲۴۰

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ آمد و خرچ کے اس تناسب کے ساتھ پرچہ کا مستقبل کیا اور کیسا رہیگا ؟

آمدنی میں سابق کی بہ نسبت یقیناً اضافہ ہوا ہے اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے - لیکن جب تک یہ اضافہ اتنی معقول مقدار میں نہ ہو کہ خرچ پورے کا پورا نکل آئے، مسئلہ بدستور لا ینحل رہیگا -

صورت یہ ہے کہ تدابیر اگر فوراً ہی نہ کی گئیں ، تو جو نتائج نکلنے والے ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی صہ
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۴۳ | چہارشنبہ ۳- ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۶- فروری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

راجپوتانہ کے ملک میں ایک قدیم خود مختار ریاست سروہی کی ہے، راجپوتوں کا چوہان خاندان حکمراں، وسیع لیکن زیادہ تر غیرآباد رقبہ، قریب دو لاکھ کے آبادی، ۱۵ ضرب توپ کی سلامی - ۲۴ جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی ایک غیرمسلم مشہور نیوز ایجنسی خبر دیتی ہے کہ مہاراج نے ۵۰ سال کی عمر میں کل ۲۳ جنوری کو وفات پائی - اہلکاران ریاست چاہتے تھے کہ جلانے پھونکنے کے لیے (ہندو مذہب کے مطابق) نعش کو سروہی لے جائیں، لیکن متوفی کا وصیت نامہ نکل آیا - اس میں یہ درج تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور میری تجہیز وتکفین مسلمانوں کی طرح ہو - نعش اسی بحث وگفتگو میں کل سے آج تک پڑی رہی، اور آج دہلی میں بالآخر مسلمانوں ہی کے قبرستان میں دفن کی گئی ——— انا للہ وانا الیہ راجعون - اللھم اغفرلہ وارحمہ -

---

واقعہ اپنی نوعیت میں بالکل نرالا اور بے مثال نہیں - ملتی جلتی صورتیں اور بھی پیش آچکی ہیں - پیش آتی رہتی ہیں - مولانا تھانویؒ مولانا محمد قاسمؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) کے حوالہ سے روایت فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار خواب میں اپنے وطن کے ایک مہاجن (ساہوکار) کو جنت میں دیکھا - حیرت ہوگئی - خواب ہی میں میں نے اس سے پوچھا کہ تم ہندو تھے، یہ تو جنت ہے، تم یہاں کیسے؟ اس نے جواب دیا! میاں صاحب آپ لوگوں کو پتہ نہ چلا، میں نے اسلام قبول کر لیا تھا، مسلمان ہوکر ہی جنت پہونچا ہوں" ——— حکیم عبدالکریم خاں برہم مرحوم (ایڈیٹر مشرق گورکھپور) روایت ایک عرب کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ انکو جنت کا دورہ ہوا - اور اسی میں انھیں ایک محل منشی نول کشور ہندی (مالک مطبع نول کشور) کا دکھایا گیا، منشی جی اسوقت [illegible] عرب صاحب یہ دیکھ کر انکی زیارت کے مشتاق ومعتقد ہوکر ہندوستان، پھر لکھنؤ آئے - منشی جی تھے تو مسلمان علماء وصالحین کے بڑے ہی معتقد وخدمت گزار، اور اشاعت قرآن وعلوم قرآن کے عاشق، کلام مجید وغیرہ کی طباعت کا کام صرف مسلمان پریس مینوں سے لیتے، اور انھیں بھی باقاعدہ وضو کراکر- عجب کیا جو درپردہ قبول اسلام کرکے ہی انتقال کر چکے ہوں -

---

مسلمان کی موت بھی کیسی قابل رشک موت ہوتی ہے! زندگی تو خیر مومن وکافر سب کی ایک سی ہی ظاہری یکسانیت کے ساتھ کٹ جاتی ہے، اور جو آنکھیں صرف سطحی نظر رکھتی ہیں، انھیں دونوں زندگیوں کے درمیان کوئی خاص فرق ہی نظر نہیں آتا، لیکن مسلمان کی موت تو ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے - کیسے خوش قسمت ہیں وہ انسان جو دنیا میں جس طرح بھی جیے، لیکن بہرحال رخصت ہوئے اللہ کے علم میں مسلمان ہی ہوکر، انکی روح اسکی شہادت دیتی ہوئی، انکی زبان اسکے نام کا کلمہ پڑھتی ہوئی!

مذہب کے نام پر!

ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر کے قلم سے:-

"کئی سال کی بات ہے - میری تعیناتی ایک بڑے شہر میں تھی

مکان کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ ایک روز سہ پہر کو میں اپنے برآمدہ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ کسی بچہ کے خوب ہنسنے کی آواز آئی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو ایک ہندو عورت تھالی میں چڑھاوا لیے مندر کو جا رہی تھی، اور اُس کے ساتھ ایک پیاری سی بچی خوب اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ کچھ دیر بعد دیکھتی کیا ہوں کہ اس مندر سے نکلی ہوئی چلی آ رہی ہے، اور اُس کے پیچھے وہی پیاری بچی چیختی چلاتی آسمان سر پر اُٹھائے دوڑتی ہوئی آتی ہے۔ ماں تو اپنی راہ چلی گئی۔ اور بچی مندر میں زبردستی روک لی گئی۔ میں متاثر ہوکر اس سے بول پڑی، کہ جس مقصد سے بچیاں یہاں چھوڑی جاتی ہیں، اُسے جان بوجھ کر پھر اپنی بچی یہاں چھوڑے جاتی ہو! ماں بولی، کہ خوب جانتی سمجھتی ہوں لیکن نہ کروں تو کروں کیا۔ ابھی پارسال کی تو بات ہے کہ لڑکا سخت بیمار پڑا تھا، اور یہیں پنڈتوں نے کہا تھا کہ لڑکا اچھا ہو جائیگا مگر اس لڑکی جب سات برس کی ہو جائے، تو اُسے لاکر اس ٹھاکر دوارہ کی نذر کرنا ہوگا! —— بیٹے کی جان کی خاطر بیٹی کی عزت قربان ہو رہی تھی!

دو برس بعد کا ذکر ہے کہ ایک معزز ہندوستانی دو حسین بچیوں کو لے کر میرے مطب میں آئے، اور بولے کہ یہ دونوں دیوداسیاں ہیں، ایک ۱۱ سال کی عمر کی، اور دوسری ۹ سال کی۔ لیکن یہ ابھی کام میں نہیں لائی گئی ہیں، آپ انکے باکرہ ہونے کا سرٹفکیٹ دے دیجیے، تو میں انھیں شرمناک زندگی سے نجات دلاکر کسی اچھی جگہ پہونچا دوں۔ میں نے معاینہ کیا، تو پایا کہ دونوں میں سے کوئی بھی باکرہ نہیں۔ سرٹفکیٹ کا اصرار اب بھی مجھ سے جاری رہا۔ میں نے بالکل ہی معذوری ظاہر کی۔ اور یہ بھی جتا دیا کہ ایسے سرٹفکیٹ آپ کو شہر میں دآسانی اور بکثرت مل جائیں گے۔ جواب ملا کہ آپ کے سرٹفکیٹ کی ساکھ بہت اونچی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ساکھ اُسی وقت تک ہے جب تک میری طرف سے احتیاط قائم ہے۔" (اسٹیٹسمین۔ ۱۳ر جنوری سنہ ۴۶ء)

دیوداسیوں (یعنی دیوتاؤں کی کنیزوں) کا رواج ہندو مذہب اور دوسرے مشرکانہ مذہبوں کے لیے کوئی نیا نہیں۔ قدیم مذہبوں میں کثرت سے اسکی مثالیں ملینگی۔ مسلمان غریب کا ذہن بھی یہاں تک پہونچ سکتا ہے؟

پہلی آواز

"سورت۔ ۲۱۔ جنوری۔ مسٹر مرارجی ڈیسائی، جو کانگریسی حکومت کے زمانہ میں صوبۂ بمبئی کے وزیر مال تھے، آج انھیں سورت کے چیمبر آف کامرس (ایوان تجارت) کی طرف سے ایڈریس دیا گیا ایڈریس کے جواب میں اُنھوں نے فرمایا:۔

لکھوکھا آدمی ہندوستان میں بھوک اور فاقہ سے تڑپ تڑپ کر مر گئے، درانحالیکہ جنگ یہاں چھڑی تک نہیں۔ یہ سب اندھیر اس لیے کہ یہاں کے کاروباری لوگ نفع بٹورنے کی دُھن میں لگے رہے، اور غریبوں کا کسی نے خیال بھی نہ کیا۔ آیندہ ایسا نہ ہو سکے گا۔ ہمارے کاروباری طبقہ والے اسے خوب سن رکھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کاروباریوں کے اشتراک عمل کے بغیر کوئی سی بھی حکومت نہیں چل سکتی، لیکن آیندہ کاروباریوں کو ملک کا قوم کا خادم بنکر رہنا ہوگا۔ ہندوستان کو ہندوستانیوں کے ہاتھ سے تو تاجروں ہی نے کھویا۔ یہ لوگ اپنی ذات کے لیے نفع اندوزی میں لگے رہے اور ملک کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا! ...... یہ کاروباری طبقہ اگر یہ سمجھے ہوئے ہے کہ قومی حکومت اُن پر ٹیکس نہ لگائیگی یا انکی چالوں پر اُنھیں یوں ہی چھوڑے رہیگی، تو یہ انکی بڑی غلط فہمی ہے" (اے پی آئی)

ریونیو منسٹر صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں! آج تک کسی نے فرمایا تھا؟ —— یہ مہاجن اور بیوپاری، سیٹھ اور ساہوکار۔ لوگ بھی قصوروار ہیں، گویا آج تک ہر طرح کا قصوروار اور ملک کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار بجز انگریز اور انگریزی حکومت، یا پھر زمیندار، اور تعلقہ دار کے کوئی دوسرا بھی ہوا ہے! —— سیٹھوں، ساہوکاروں، مہاجنوں، لہسکے مالکوں کا کام تو اب تک شاید صرف یہ تھا، کہ وہ بڑے بڑے نذرانے اور بھاری تھیلیاں بڑے بڑے لیڈروں کے آگے پیش کردیا کریں، اور اسکے صلہ میں اُنکے تمام گناہ دُھلتے رہیں!

ہمنامی کا جُرم

"امروہہ میں عمر فاروق کا نزول!"

اِس عنوان کے ساتھ شیعہ روزنامہ میں ایک فریادی اداریہ مراسلہ آگے کے اقتباسات :۔

"ہم ارکان مسلم لیگ کو اس جسارت اور بہادری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے .... کتنی مناسبت رکھتی ہے امروہہ کے شیعوں کی لگام عمر فاروق کے ہاتھ میں!.... اچھا شیعیان مسلم لیگ ذرا امید ان میں آئیے، اور دو چار نعرے لگائیے۔ تمھارے قائد عمر فاروق، تمھارے نمایندہ عمر فاروق، تمھارے لیڈر عمر فاروق! اب تو حمیت مذہبی بیدار ہو گی"۔

دنیا میں ہم عقیدگی و ہم خیالی کے ساتھ ساتھ ہموطنی اور ہم جنسی تو خیر اب بھی غلط یا صحیح، بہر حال کہیں نہ کہیں جرم سمجھی گئی تھی، لیکن ہمنامی کو جرم قرار دینا، دنیا کی تاریخ تعزیرات میں شاید بالکل پہلی مثال ہے! —— شیعہ حکومتیں دنیا کے مختلف حصوں میں صدہا سال سے قائم ہیں اس "انصاف" کی نظیر انھوں نے کبھی اور کہیں پیش کی ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

خریدار ۱۹۰۰۰ آپ نے شاید صدق کو لیگ کا ترجمان یا نقیب سمجھ کر اس مضمون کی فرمائش کی ہے۔ مدیر صدق نہ لیگ کا ممبر ہے، نہ اُس سے پوری طرح متفق، نہ اُسکے جلسوں میں شریک ہوتا ہے (جس طرح جمیعۃ وغیرہ کے جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتا)۔ البتہ موجودہ حالات میں اسکے نظریہ کو دوسرے سیاسی نظریوں کے مقابلہ میں اسلام اور خدمت مسلمین سے قریب تر پاتا ہے

حاجی عبد الکریم ولی محمد صاحب (امراؤتی) آپ کا مرسلہ مطبوعہ پمفلٹ تمامتر کسی دل لگی باز کا محض مذاق معلوم ہوتا ہے، اگرچہ لغو قسم کا مذاق۔ بعد تحقیق اگر کچھ اصلیت معلوم ہوگی تو ان شاء اللہ مزید کارروائی کی جائیگی۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۵۲)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س ۔ نماز کی سنت رکعتیں اگر دیدہ و دانستہ نہ پڑھی جائیں تو کیا کوئی گناہ لازم آتا ہے؟ کیا اس طرح نماز نامکمل رہتی ہے؟ جب قضا نماز پر سنتیں چھوڑ دی جا سکتی ہیں، اور سفر کی نمازیں بھی، تو نماز کی تکمیل کے لیے سنت رکعتوں کا لازمی طور پر پڑھا جانا تو ضروری نہ ہوا۔ اور پھر سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا فرق کیا ظاہر کرتا ہے؟ اس فرق سے اتنا تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ ایسی سنتیں بھی ہیں، جو چھوڑی جا سکتی ہیں۔ پھر سب کو چھوڑ دینے میں کیا ہرج ہے؟

ج ۔ یہ ہرج کچھ کم ہے، کہ رسول کے محبوب عمل سے بالکل بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے؟ نماز سنت کی حقیقت بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہ نماز رسول صلعم کو محبوب تھی، اور آپ نے اس پر مستقلاً یا اکثر عمل فرمایا ہے۔ تو اسکے عادۃً ترک کرنے کے معنی بھی رسول کے پسندیدہ عمل کے عادۃً ترک کے ہوئے۔ اور اس سے تعلق رسول میں، عظمت رسول میں، اقتدائے رسول میں، محبت رسول میں جیسا کچھ فرق پڑتا ہے، بالکل ظاہر و صریح ہے ——— باقی تفصیلی فقہی رنگ کا جواب، شامی اور عالمگیری کے حوالوں کے ساتھ، اگر مقصود ہے، تو ظاہر ہے کہ اسکے لیے مخاطب ادارۂ صدق کو بنانے کے بجائے، دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل، وغیرہ کے دارالافتاء کو لکھنا چاہیے۔ پھر فقہی حکم تو وہاں سے معلوم ہو جائیگا، لیکن یہ ضرور نہیں کہ حکم کی علت و حکمت سے متعلق جو سوالات کیے گئے ہیں، انکا جواب بھی وہاں سے ملے۔

کسی عارض (مثلاً سفر) کی بنا پر سنت نماز کے ترک کی اجازت اسکی دلیل تو نہیں بن سکتی کہ بلا عارض بھی اسے ترک کر دیا جائے، اور پھر اجازت ترک میں بھی فقہاء کے ہاں تفصیلات ہیں۔ یہ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ سنتوں کے ترک سے فرض نماز میں نقص لازم نہیں آتا، البتہ فرائض کی تکمیل۔ بلحاظ اجر و ثواب سنن و نوافل سے ہوتی ہے۔

س ۔ اِدھر چند دنوں سے پھر طبیعت کچھ بے کیف سی رہنے لگی ہے۔ اس بے کیفی کے عالم میں پھر ایک دفعہ ان تراشوں اور اقتباسوں کی طرف رجوع ہوا جنکا ایک آدھ بار پڑھ لینا ہی سرسبے سکون قلب کا باعث ہوتا ہے۔ شیخ حبیب اللہ کی یاد اور انکا تصور رکھنا چاہیے کہ دماغ میں بس گیا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں کہ اس تصور میں کتنا سکون اور کتنی آسودگی ہے۔

ج ۔ الحمدللہ۔ صدق میں کثرت سے ایسی چیزیں، شارع عام سے ہٹی ہوئی، علماء و فقہاء، صوفیہ و مشائخ، سب کے طریق سے الگ، جو درج ہوتی رہتی ہیں، اسکا مقصد بھی یہ ہوتا ہے کہ عامیوں اور فاسقوں کی جس سطح پر صدق نویس خود ہے، اسکے طبقہ اور برادری والوں کو کچھ نہ کچھ تسکین و تسلی حاصل ہوتی رہے۔

جن طبائع پر افسردگی و یاس غالب رہتی ہے، انکے لیے غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، اور کیمیائے سعادت کے ان ابواب کا (اور صرف انھیں ابواب کا) مطالعہ مفید ہوگا، جن میں رحمت و مغفرت کی بشارتیں ہیں اور جو کتاب الرجاء وغیرہ کے تحت میں مل جائیں گے۔ حکیم الامت تھانوی کے مواعظ اور انکے مرشد و شیخ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات بھی اس اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں۔ طالب اور سائل کو مایوس تو وہ کسی حال میں ہونے ہی نہیں دیتے۔ اقبالؒ کی نظمیں بھی طبیعت میں جوش اور امنگ پیدا کرنے میں بہت معین و موثر ہیں۔

سائل کو اپنا نقطۂ نظر بھی اشخاص و معاملات سے متعلق قصداً اہتمام کر کے کسی قدر بدلنا چاہیے۔ یعنی بجائے تاریک رخ کے، روشن پہلوؤں پر نظر رہے۔ اور جسے انگریزی میں CHARITABLE VIEW کہتے ہیں حتی الامکان ہر شخص اور ہر شے سے متعلق وہی لیا جائے۔ مخلوق کی کمزوریوں اور عیوب پر بھی نظر اس سے کم کی جائیگی۔ اور دنیا اسکے بعد نظر میں اتنی مبغوض اور نفرت انگیز نہ رہ جائیگی ———

دنیا کی محبت اور دنیا کی طرف رغبت کا غلبہ جس طرح ایک عیب و مرض ہے اسی طرح مردم بیزاری بھی ایک دوسرا مرض ہے، اور طبیعت میں افسردگی و یاس بھی لازمی طور پر تو نہیں لیکن اکثر اسی مردم بیزاری سے پیدا ہو جاتی ہے۔

مجرد انسان کے لیے شادی کر لینا اور تاہل کی زندگی بسر کرنا بھی عام حالات میں سکون قلب اور دفع وحشت و یاس میں معین ہے۔ طبی، اخلاقی، روحانی، ہر نقطۂ نظر سے۔

س ۔ ہاں تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ اسی الٹ پلٹ میں ایک انگریزی تحریر دو ڈھائی سال پرانی نظر پڑی، دیکھا تو ریڈرس ڈائجسٹ کے ایک مضمون کی نقل نکلی۔ پوری نقل خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ دعا کے متعلق اس سے پہلے بھی جناب سے استفادہ کر چکا ہوں، اور اب اس انگریزی تحریر کے پیش نظر صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک غیر مسلم کا دماغ دعا کے باب میں جب یقین کے اس درجہ تک پہونچ سکتا ہے مسلمانوں کی دعا کی شان امتیازی کیا ہوئی؟

ج ۔ اقتباس میں کئی فرنگیوں کے اقوال دعا کی اہمیت سے متعلق ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ انبیاء کی لائی ہوئی صداقتوں کی آواز بازگشت بارہا منکرین کی زبان و منہ سے آئی ہے۔ عرب جاہلی کے اشعار میں بہت سے کام کے اور سچے مضمون مل جاتے ہیں۔ اور یونان، ہند، روم کے حکماء اور فلاسفہ کی زبان و قلم سے بہت سی ازلی و ابدی حقیقتیں ادا ہوئی ہیں۔ دیانت، عفت، راستبازی وغیرہ پر زور تو دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں ملتا ہے۔ یہ سب وہی انوارِ انبیاء کی پرچھائیں ہیں ——— آفتاب کی روشنی سے متاثر

لطیف چیزوں کے علاوہ کثیف چیزیں بھی تو ہوتی ہیں۔

پھر مسیحیت تو بہرحال اصلاً ایک صحیح دین اور خدائی ہی مذہب ہے۔ ہزار تحریف اور لاکھ تصحیف کے بعد بھی موجودہ انجیلوں میں بہت سی بیش قیمت تعلیمات و ہدایات مل جاتی ہیں۔ اور انھیں میں سے ایک مسئلہ دعا بھی ہے۔ انجیلوں میں اس کی بڑی تاکید موجود ہے۔ اور اسی کے اثر سے مسیحی پادریوں اور کلیسائی سرداروں نے اس کی بڑی اہمیت جتائی ہے۔ پڑھے لکھے مسیحیوں کے لیے ایسی حالت میں بالکل ضروری ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر کی تائید کریں۔ خصوصاً جبکہ اپنا ذاتی تجربہ بھی کچھ ایسا رہا ہیں۔

س۔ میری بڑی مصیبت ایک یہ بھی ہے کہ عہد قدیم سے متعلق کوئی کتاب از قسم تاریخ و سوانح وغیرہ مطلق نہیں پڑھ سکتا۔ "ہمہ ہیچ" کا نقش اتنا جلد دماغ پر چھا جاتا ہے کہ پھر میں کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ کل ہی مولانا شبلی کی "المامون" نے یہ کیفیت پیدا کر دی۔ بالآخر کتاب چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا۔ کرب کی یہ کیفیت کتاب کا زمانہ جتنا قدیم ہو اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ ورنہ یوں تو حیات جاوید اور یادگار غالب بلا خوف و خطر گھنٹوں پڑھ سکتا ہوں۔ اس کا کیا علاج کروں؟

ج۔ کیفیات عبرت سے متاثر ہونا تو ایک نعمت ہے۔ اس کا رخ بہت مفید کاموں کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ دنیا حقیقۃً بالکل بے ثبات اور باطل محض ہے، اگر دنیا بجائے خود مقصود ہے۔ لیکن وہی دنیا نہایت درجہ پائدار اور حقیقی ہے، اگر وہ مقصود بالذات نہ ہو، بلکہ آخرت کا ذریعہ یا زینہ ہو۔ اس فرق کو اگر خوب ذہن نشین کر لیا جائے، تو ان شاء اللہ بڑے مفید سبق ہر تاریخ و سوانح حیات سے ملنے لگیں گے، اور قدرۃً ان میں دل بھی لگنے لگیگا ——— فلاں فلاں دنیوی سردار نے، غیر مومن بادشاہ نے، بے دین سپہ سالار نے اپنی اتنی فتوحات، اتنی تعمیرات، اتنے کارناموں کے باوجود، اپنی عمر کیسی ضائع کی؟ فلاں پیمبر نے، فلاں صحابی نے، فلاں دیندار نے اپنی محدود عمر میں کتنے مفید کام کر ڈالے، کتنے اجر کا ذخیرہ جمع کر ڈالا، ابدی راحتوں پر اپنا کتنا حق قائم کر لیا، وقس علیٰ ہذا۔ اس نقطۂ خیال کے راسخ ہو جانے کے بعد ان شاء اللہ مطالعہ بامقصد بن جائیگا، لاحاصل نہ رہیگا، اور اس لیے بطور نتیجہ و ثمرہ کے وہ مطالعہ دلچسپ بھی ہو جائیگا، اور اس سے جی اُچاٹ نہ ہوگا۔

مزید احتیاط یہ بھی کر لی جائے کہ یکبارگی بڑی کتاب کے مطالعہ کا قصد نہ کیا جائے۔ رسالوں یا چھوٹی چھوٹی کتابوں سے عادت ڈالی جائے۔ یا اگر کتاب بڑی ہی ہو، تو اسکے مطالعہ کو بھی چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔

معاصر "صدق"

معاصر "صدق" میں "الفرقان" کے حوالہ سے ذیل کی عبارت نقل کی گئی ہے:-

اس "الکشنی کذب آفرینی" کا نشانہ یہ عاجز راقم سطور خود بھی بن چکا ہے ۲۶- نومبر کے انگریزی روزنامہ پانیر میں میرے متعلق یہ اطلاع درج ہے کہ میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر جمعیۃ علماء میں شامل ہو گیا ہوں۔ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے۔ نہ میں نے استعفا دیا ہے نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی مولانا محمد منظور نعمانی مسلم لیگ سے مستعفی نہیں ہوئے بلکہ بدستور اُسکے ممبر ہیں اور جمعیۃ علماء کی ممبری تو اُنکے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی، مگر جب ہم نے اصل رسالہ "الفرقان" کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں آخری فقرہ اس طرح پایا گیا:-

"حالانکہ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے۔ میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا، نہ میں نے استعفا دیا نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی معاصر "صدق" میں خط کشیدہ الفاظ اڑ گئے! مبارک ہو مدیر "الفرقان" کو کہ "الکشنی کذب آفرینی" میں آخر کار "صدق" و سداد کا پیوند لگ ہی گیا! "صدق" کے مدیر محترم سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس نمایاں فروگزاشت پر اپنی پہلی فرصت میں توجہ فرمائینگے۔ (زمزم)

صدق۔ مبارک کسی اور کو ہو یا نہ ہو، لیکن صدق کے عملہ کتابت، طباعت، و تصحیح کو تو ضرور ہی مبارک ہو کہ مدت کی آرزو پوری ہوئی اور صدق کو "الکشنی کذب آفرینی" کا سرٹیفکٹ ایک مسلمان معاصر کی زبان سے عنایت ہو گیا! معاصر موصوف کو تو پورا حق حاصل تھا کہ عنوان ہی کو بلا تکلف "صدق کی کذب آفرینی" رکھ دیتے!

ارشادات اثیر

(از سید غلام رسول صاحب معتمد ادارۂ دعوت الحق، حکیم بازار کوچہ مکانس منڈی حیدرآباد دکن)

(۱۲)

(۱) حکومت حاصل کرنے کا اصلی مقصد اقامت دین ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں طاقت بخش دیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم کریں گے اور منکر سے منع کریں گے۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (سورہ حج - ۶)

اگر حکومت سے اقامت دین مقصود نہ ہو جیسا کہ آجکل کی حالت (یعنی سیاسی جدوجہد) سے ظاہر ہے تو ایسی حکومت پر لعنت ہے۔

(۲) خدا و رسول کے احکام کی پابندی کے بغیر حکومت یا سلطنت حاصل کرنا ایسا ہے جیسا کہ وضو کے بغیر نماز پڑھنا یا منتر جانے بغیر سانپ پکڑنا۔ جس کا انجام ہلاکت ہے۔

(۳) کسی تحریک کی طرف اولاً اہل دنیا کا مائل ہونا اسکے خالص اسلامی نہ ہونے کی دلیل ہے اور کسی تحریک کی جانب اولاً اہل دین

مراسلہ

حضرت یوسفؑ پر ایک سوال

مخدومی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

"صدق" نظر سے گزرتا رہتا ہے۔ آپ کے بعض شذرے پڑھ کر بارہا یہ خیال ہوا کہ کچھ عرض کروں۔ پھر اس خیال سے رک گیا کہ حقیر طالب علم کی یہ جسارت بے ادبی نہ شمار کی جائے۔ مگر ابھی خان بہادر[۱] مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کے مقالے کے حاشیہ میں یہ نوٹ:-

"لیکن قرآن مجید میں تو بجز انتظام قحط کے حضرت یوسفؑ کی کسی انقلابی اصلاح کا ذکر عقائد، اخلاقیات و سیاسیات کے باب میں نہیں" (صدق، ۹ ص) پڑھ کر حیرت[۲] ہوئی اور ایک ڈیڑھ ہفتہ کے تردد کے بعد یہ سطریں لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ سیدنا یوسف (علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام) کا پیغمبرانہ کارنامہ[۳] صرف قحط کا نظم و نسق ہی ہے؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو حسب ذیل آیات و مطالب کی تشریح کیا ہوگی[۴]؟

(۱) یوسف ایہا الصدیق افتنا فی الآیۃ۔ یہ "صدیق" کا لقب کن کارناموں کی بنا پر دیا گیا[۵]؟

(۲) قید خانے میں آپ نے دو ساتھیوں (صاحبی السجن) کو جو تبلیغ کی، کیا جیل کے دوسرے قیدی اور کارکنان "دعوتِ توحید" سے محروم رہے ہوں گے؟ کیا ایک جلیل القدر پیغمبر کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ قید خانے میں دعوت و تبلیغ کے فرض سے غافل رہے[۶]؟

(۳) "دو ساتھیوں" کو تبلیغ کے سلسلہ میں قول ربانی (بزبان حضرت یوسفؑ) "..... ان الحکم الا للہ، امر ان لا تعبدوا الا ایاہ، ذلک الدین القیم....." کے معنی کیا ہوں گے؟ کیا "ان الحکم الا للہ" کی دعوت دینے والا خود مصری حکومت کا ایک جزو بنا گوارا کر سکتا ہے[۷]؟ ایسا ہی زیادہ سے زیادہ جیسے ایک کلکٹر صوبجات متحدہ کی حکومت میں ہو سکتا ہے؟ یا زیادہ سے زیادہ سر جوالا پرشاد سریواستو فوڈ منسٹر کی حیثیت کا[۸]؟؟

(۴) آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے صرف قحط کا نظم کیا تھا؟ اور کہ "بادشاہ حضرت یوسف کے تقوے سے کہیں زیادہ انکی پیش بینی یا "غیب دانی" سے متاثر ہوا تھا اور انھیں اپنی اتحتی میں حاکم مطلق جو بنا دیا تھا وہ سلسلہ "عاقل دانشور" ہونے ہی کی بنا پر (صدق) — تو "یتبوأ منہا حیث یشاء" اور "کذلک مکنا لیوسف فی الارض" کا مفہوم کیا ہوگا[۹]؟ اور اگر "تمکین فی الارض" سے صرف "فوڈ منسٹری" ہی مقصود ہے تو پھر یہ کون سا بڑا انعام تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے "نصیب برحمتنا من نشاء" فرمایا[۱۰]!

(۵) اور اگر یہ انعام صرف "فوڈ منسٹری" اور قحط سالی کے نظم و نسق تک محدود تھا تو آخر حضرت یوسف نے شکریے میں گراں قدر فقرے کیوں ارشاد فرمائے[۱۱]۔

(۶) اچھا اگر حضرت یوسف (علیہ السلام) نے قحط سالی کے نظم کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا تو فرعون کی کابینہ، شوریٰ یا اسمبلی یا ان میں آل فرعون کے ایک مردِ مومن نے جو موثر تقریر فرمائی ہے اس کے اس ٹکڑے کے کیا مطلب ہوں گے؟:

وقال رجل مومن من آل فرعون ....

ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ہلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا ... (المومن)

[۹] کیا اس نصب کا تعلق دورِ وزارت سے ہے؟ یا آپ جیل دورِ وزارت کے بعد گئے ہیں؟ (صدق) [۱۰] ملاحظہ ہو حاشیہ [۸] [۱۱] اقتداری، الوہیت، ربوبیت، معبودیت کو سیاسی اقتدار کے مرادف سمجھ لینا آپ کی تفسیر ہے، قرآن کی تصریح نہیں (صدق) [۱۲] "کلکٹر" "فوڈ منسٹر" اور سب سے بڑھ کر "سر جوالا پرشاد" سے اقتباس انشا کے کمالات یقیناً ہیں۔ قرآن فہمی کے دلائل نہیں [۱۳] یہ صدق نے اپنی طرف سے نہیں لکھا تھی بلکہ محض توریت کی تصریح اور قرآن کے سکوت کو پیش کر دیا تھا [۱۴] "تمکین فی الارض" اور "آزادانہ نقل و حرکت" ان دونوں میں کسی چیز کو یا دونوں کے مجموعہ کو آپ اختیارات وزارت کے منافی قرار دے رہے ہیں؟ اور پھر آیت کا بجنسہٖ یہی ٹکڑا جو اسی سورت میں ذرا قبل وہاں آیا ہے، جہاں حضرتؑ کو ایک مشرک آقا کے گھر میں صرف پناہ خادم کی حیثیت سے ملی ہے، کیا وہاں بھی آپ تمکین فی الارض کی یہی تفسیر کریں گے کہ حضرتؑ خود مختار بادشاہ بن گئے تھے۔ (صدق) [۱۵] انتظام سلطنت اور کفیت حکومت تو بڑی چیز ہے اللہ نے تو اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ انعام کو بھی اپنی جانب منسوب اور اپنے فضل و رحمت میں شمار کیا ہے۔ (صدق) [۱۶] پیغمبر کا سر تو اس سے بھی کہیں ہلکے انعام پر سجدۂ شکر میں جھک جاتا ہے (صدق) [۱۷] "البینات" کی یہ تفسیر کہ حضرتؑ نے زمانۂ وزارت میں سیاسی انقلاب ضرور ہی کیے قرآن کی تصریح نہیں۔ (صدق) [۱۸] قرآن مجید یا اسکی تفسیر آپ کو کہیں مل گئی ہو تو آپ اسے پیش کرنے میں کیوں بخل فرما رہے ہیں؟ (صدق) [۱۹] شک انھیں چیزوں میں جن میں ہر مشرک قوم کو ہوا کرتا ہے۔ یعنی توحید، معاد، رسالت کے بنیادی عقائد (صدق)

[۱] نام کے ساتھ "خان بہادر" کا اضافہ ارادی ہے یا اتفاقی؟ (صدق) [۲] ہاں، حیرت ضرور ہونی چاہیے۔ اگر حضرت یوسف نے بحیثیت مشیر و وزیر سلطنت کے کسی اور عملی اقدام کا ذکر قرآن مجید میں ہے تو اسے قرآن کے الفاظ میں پیش کر دینا تھا، اور اسی پر بحث کا خاتمہ تھا۔ (صدق) [۳] کیا یوسفؑ مشیر سلطنت اور یوسفؑ پیغمبر آپ کے خیال میں ہر جہت سے مرادف ہے؟ کیا حضرت سلیمانؑ سے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے اپنے عہد حکومت میں فلاں فلاں تعمیر کرائی، یا فلاں فلاں علاقے فتح کیے، تو اس قرار کا صحیح ہوگا؟ کہ کیا حضرت سلیمانؑ کے "پیغمبرانہ کارنامے" کل اسی قدر ہیں؟ [۴] ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ سیاق میں ذکر صرف انتظام سلطنت کا تھا۔ (صدق) [۵] یہ عجیب منطق ہے کہ بجائے براہ راست کوئی دوسرا کارنامہ وزارت پیش کر دینے کے دوسری آیتوں کی تفسیر آپ دریافت کر رہے ہیں؟ (صدق)

آخر وہ کیا بینات لے کر آئے تھے؟ اہلِ مصر کو کس بنا پر شک تھا؟

(۱) ۲ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے تقوے سے کہیں بڑھ کر ان کی پیشینگوئی یا "غیب دانی" موثر ہوئی تھی — قرآن کریم کا طالب علم یہ دریافت کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "بینات" لے کر آنے والے یوسف جلیل القدر پیغمبر میں تقوے کا حصہ ان کی علمیت اور تعبیرِ خواب کی صلاحیت سے کم تھا؟ اس سلسلہ میں سب کچھ عرض کیا جا سکتا ہے لیکن جناب کی منصفی سے یہ عرض کرنا آفتاب کو شمع دکھانا ہے۔ خان بہادر صاحب کا خطاب جیسا خواہ مخواہ کی "تنقیص" کرنے والوں سے بحث کرنا ہمارا شیوہ نہیں اور نہ یہ کسی طرح مفید ہے۔

یہ نیازمندانہ "شبہات" مدیر صدق کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں — ہاں! اگر یہ مراسلہ "صدق" میں شائع فرما کر اسی میں جواب عنایت کیا جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ البتہ یہ گزارش ضرور ہے کہ اس عریضہ میں کسی قسم کی کتر بیونت نہ ہو۔(۳) امید ہے کہ ان چند معروضات پر غور فرمایا جائیگا

والسلام۔

عاجز مسعود عالم ندوی

صدق — مراسلہ نگار ندوہ کے ایک ممتاز "فارغ" صاحب علم اور علمی حلقوں میں معروف اہل قلم ہیں۔ افسوس ہے کہ تعجب کے جوش میں انکے قلم نے یہ تین صفحے کا مراسلہ لکھ ڈالا۔ محض سوال مقصود ہوتا، تو تین سطریں بھی بالکل کافی تھیں۔ اور ان جیسے فہیم و ذکی صاحب علم پر یہ تو بالکل روشن ہونا چاہیے تھا کہ حضرت کی جب ایک مشرک کے ہاں غلامی بھی حضرت کی صدیقیت و مرتبہ تقوے کے منافی نہ ہو سکی تو وزارت تو ہر حال اس سے کہیں اونچا مرتبہ تھا۔ یہ تو محض آپ لوگوں کا ایک اختراع کیا ہوا عقیدہ ہے کہ غیر مسلم حکومت سے کسی حال میں، کسی درجہ کا اشتراک عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کو تو ثابت کرنا ہے، اور الٹے اسی مفروضہ کو آپ بطور ایک مسلّم اصل کے دلیل میں پیش کر رہے ہیں ——— اہل منطق کی مشہور اصطلاح مصادرۃ علی المطلوب تو یقیناً ذہن میں مستحضر ہو گی۔

---

(۱) بہ ہر حال ایک صاحب علم کے قلم سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ حضرت کے تقوے کے حصہ کے کم یا زیادہ ہونے سے صدق نے کب بحث کی تھی؟ جب اس کی جانب اشارہ بھی کر سکتا تھا؟ سوال صرف یہ تھا اور ہے کہ وہ مشرکین مصر کس چیز سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے؟ عام مشرکین اگر ایسے ہی سلیم الفطرت ہوا کرتے، تو کسی پیمبر کو بھی بجز اخلاق و تقوے کسی مادی معجزہ کی ضرورت ہی کیوں پڑتی؟ مشرکین کے تاثر کی ذمہ داری صدق یا کسی مسلمان کے سر ڈال دینا عجیب منطق ہے۔ (صدق)

(۲) خانہ یہ خطاب "خان بہادری" کا اعادہ اور "کشو حبیق" کا اضافہ قابل داد ہیں! (صدق) (۳) یہ فرمائش بلا ضرورت تھی، بہرحال کر دی گئی۔ (صدق)

قدرت کا ایک طمانچہ

(از مولانا عبد الرؤف صاحب حقانی نائب ناظم مدرسہ حنفیہ اکرم ضلع بستی)

سودی کاروبار اور ناجائز طریقوں سے پیدا کرنے والوں کو ایک عارضی نگاہ دنیوی عزت اور عروج پر دیکھ سکتی ہے لیکن اگر غور کیجیے تو تاریخ سے معلوم ہوگا کہ ظلم پیشہ کبھی سر سبز نہیں ہوتے۔ اس قسم کی مثالیں ہر ایک بستی اور ہر ایک زمانہ میں بکثرت ملیں گی۔ اس جگہ ایک تازہ واقعہ سنیئے!

گورنر جنرل نے ایک آرڈیننس جاری کر کے اعلان کر دیا ہے کہ ۱۲ — جنوری ۱۹۴۶ء سے ایک سو روپیہ سے زیادہ مالیت کے کرنسی نوٹ منسوخ کر دیے گئے ہیں — ناظرین کرام! دیکھیے، قدرت کے مخفی ہاتھ نے اس زمانہ میں بھی بلیک مارکیٹ سے آمدنی پیدا کرنے والے تاجروں اور سپلائی افسروں کی سود و رشوت خوری کا کس آسانی سے گلا گھونٹ دیا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے "یمحق اللہ الربٰو ویربی الصدقات" یعنی اللہ تعالیٰ سود اور رشوت کے ظالمانہ نفع اندوزی کو طرح طرح سے مٹائے گا اور صاحبان خیرات کو طرح طرح سے بڑھائے گا!

وائسرائے ہند نے ایک سو سے زیادہ مالیت کے نوٹوں پر کنٹرول کر کے دراصل قدرت کا منشا پورا کیا ہے۔ قدرت نے دنیا کو بتلا دیا ہے کہ ظالموں کی تمام نئی نئی چالوں اور نت نئے اندازوں کے مقابلہ میں میرا قانون محق اپنے وقت پر کام کرے گا۔

کل تک رشوت خوری و سود خوری کا بازار کیسا گرم تھا، صبح کے خالی جیب افسروں کی شام کو کس طرح گرما گرم ہو جاتی تھی — اور ان بیوپاریوں کے کیسے کیسے گرم گرم منصوبے باندھے گئے تھے — اور اب آج یہ حال ہے کہ پانچسو اور ہزار کی مالیت والوں پر ایک مصیبت کبریٰ وارد ہے — نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مضمون ہے — نہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ حساب صاف نہیں، نہ مخفی رکھ سکتے ہیں کہ کچھ فائدہ نہیں — سچ فرمایا، لا الیٰ ہؤلاء ولا الیٰ ہؤلاء — قدرت کا ارشاد تازیانہ ہے فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین — یعنی خود نظر کرو ظالموں کا خاتمہ کیسا ہوا ہے
کسی نے کیا خوب کہہ دیا ہے ؎

ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

بس اصل عزت صاحبان خیرات کے لیے ہے۔ کیا اس دنیا میں کیا اس جہان میں، اصل ترقی اور برکت انھیں کے لیے ہے۔ "اللہ بس باقی ہوس"۔

صاحب تم مسلم

(ایک دیندار مسلمان کے قلم سے)

بات پرانی ہو گئی لیکن آج بھی اس کی یاد تازہ ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ آپ سے ضرور عرض کروں۔ اسی سال وسط مارچ سے لیکر وسط اپریل تک ایک ماہ سرکاری کام کے سلسلہ میں شہر ... میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ پولیس لائن کی مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ ایک صاحب

ڈاڑھی گھنی گندمی ہوئی مونچھ ترشی ہوئی، آدھیڑ عمر کے، سفید سادہ دو پلی ٹوپی، ٹخنوں سے اونچا پائجامہ، شیروانی پہنے ہوئے، کبھی کبھی محض قمیض ہی پہنے ہوئے فجر، عصر، مغرب، عشا میں بہت اول وقت باوضو مسجد میں آتے تھے، اور کبھی کبھی ظہر میں بھی۔ سلام علیک کے بعد پہلا سوال اذان کے متعلق ہوتا تھا۔ اگر معلوم ہوا کہ اذان نہیں ہوئی تو بڑے شوق سے غسل خانہ کی چھت پر جس میں کہ زینہ بھی نہیں ہے، بدقت وہاں پہونچنا ہوتا ہے، وہ پہونچے اور اذان دے دی۔ اسکے بعد نفل و سنت پڑھتے رہے۔ اور با جماعت نماز پڑھکر واپس جاتے تھے۔ اگر مسجد میں فرش بچھایا جا رہا ہے تو سب میں پیش پیش آپ بڑے شوق و ذوق میں بچھا رہے ہیں۔ اتفاق سے ایک روز ایسا ہوا کہ نماز عصر ہو چکی تھی، نمازی و امام مسجد سے چلے گئے۔ تنہا میں مسجد میں موجود تھا کہ وہ صاحب مسجد میں آئے اور مجھ سے یہ معلوم کر کے کہ جماعت ہو چکی ہے بہت افسردہ و ملول بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ جماعت ہو چکی ہے اب کیا انتظار ہے؟ تو فرمایا کہ اگر کوئی صاحب آگئے تو جماعت سے نماز پڑھ لونگا۔ جمعہ کے روز ایک دن بعد نماز جمعہ امام صاحب و چند ملازمان پولیس صحن میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے میں بھی موجود تھا۔ ایک کانسٹبل اپنی بیوی کی علالت کا تذکرہ کر رہے تھے، وہ صاحب نفل پڑھنے کے بعد اسی مجمع میں بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور مریضہ کی حالت دریافت کرکے فرمایا کہ "افسوس مسلمانوں میں قرآنی تعلیم کا عمل چھوٹ گیا۔ قرآن پاک میں شہد کی تعریف ہے، میں خود اپنے یہاں عرصۂ دراز سے ہر مرض میں مریضوں کو صرف شہد دیتا ہوں اور اسی سے بفضلہٖ تعالیٰ شفا ہوتی ہے۔ میرے پاس اس وقت بھی شہد خالص ہے۔" اُن کانسٹبل سے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں آپ کو شہد دونگا، مریضہ کو استعمال کراو۔ اُس سے انشاء اللہ شفا ہوگی۔" وہ کانسٹبل ان صاحب کے ساتھ چلے گئے۔ اسوقت میں نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ ...... صاحب آئی۔ سی۔ ایس، ڈسٹرکٹ سشن جج ہیں جو آجکل صوبہ گورنمنٹ کے لیگل ریممبرنسر ہیں"۔ نام سنا تھا، دیکھا کبھی نہ تھا۔ یقین نہ آتا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہاں سے ایک فرلانگ کے قریب کرایہ کی شاندار کوٹھی میں رہتے ہیں۔

راستہ میں اگر کہیں ملاقات ہو جاتی تو سلام میں سبقت کریں دو مرتبہ سوٹ وہیٹ میں ایک مرتبہ کار میں اور ایک مرتبہ تانگہ میں بیٹھے ہوئے راستہ میں دیکھا جب بھی سلام میں خود ہی سبقت کی۔ کیسے کیسے اللہ کے بندے ہیں کہ با ایں شان و شوکت، با ایں جاہ و حشم سچے مسلمان جب ظاہر میں یہ کیفیت ہے تو باطن میں نہ معلوم اللہ سے کیا تعلق رکھتے ہوں گے۔ ہم جیسے روسیاہوں سے جو ظاہر میں مسلمان صورت رکھتے ہیں۔ بدرجہا اپنے سے افضل و بہتر ان صاحب کو سمجھتا ہوں۔ آج بھی ان صاحب کا جب خیال کرتا ہوں، قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی پوزیشن کے آدمی کو اتنا سادہ و منکسر المزاج پابند نماز نہیں دیکھا۔ دست بہ دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکے مراتب و مدارج میں ترقی عطا فرمائے اور انکے صدقہ میں اس گنہگار کا بھی خاتمہ بخیر ہو۔ آمین! آپ بھی میرے لیے دعا فرمائیں۔

صدق — صدق کا مسلک تو اللہ کے فضل سے یہی ہے کہ امت کے اخیار و صالحین معلوم نہیں کن کن لباسوں میں، کیسے کیسے پیشوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ انکے محض ظاہر کو دیکھ کر یا انکی بعض کھلی ہوئی کوتاہیوں پر نظر کرکے انھیں رحمت حق سے دور یا عند اللہ مردود سمجھنا شامت نفس کی روح پر ظلم کرنا ہے۔

بہرحال مراسلہ بالا انھیں صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا جنکے متعلق وہ ہے۔ اس پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی اس قابل ہے کہ اسے بھی ناظرین تک بجنسہ پہونچا دیا جائے:—

...... صاحب کے خط کی نقل پڑھکر مجھ کو عبرت ہوئی۔ انکو مسجد بھر کے نمازیوں میں سے ایک ہی نمازی قابل تعریف معلوم ہوا اس لیے کہ اتفاق سے وہ نمازی سرکاری عہدہ دار تھا۔ انگریزی محاورہ میں جسے INFERIORITY COMPLEX یا "احساس کمتری" کہتے ہیں وہ ایک روحانی سقم ہے۔ اور جو شخص دل سے الحمد للہ رب العالمین کہتا ہو، اُس میں یہ روحانی سقم باقی نہ رہنا چاہیے۔ جس نے سب تعریف اپنے پروردگار کے لیے مخصوص کردی، اُسکو پھر کسی بندہ کی دنیوی عزت یا کمال یا دولت یا خوف سے مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ اُسی مسجد میں بہت سے نیک اور دیندار بندے پابندی سے با جماعت نماز پڑھتے تھے لیکن آپ کے مراسلہ نگار صاحب پر اُنکی دینداری کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ مثلاً ایک بہت ضعیف اور ضعیف بسکٹ والا تھا، جو خالص حلال سے گزر اوقات کرتا تھا، اور مسجد میں نہایت پابندی سے اپنا تو کرا لیے ہوئے نماز پڑھنے آتا تھا، مجھ کو تو اُس بوڑھے کی دینداری خاص طور پر قابل تحسین معلوم ہوئی۔ کچھ پولیس والے بھی آتے تھے جن میں نور ایمان کی شان تھی۔

چند سال قبل

جن دنوں سر سکندر حیات خاں اور علامہ اقبال (رحمہا اللہ) زندہ تھے ایک دفعہ پنڈت جواہر لال نہرو لاہور تشریف لائے۔ اُس زمانہ میں پنڈت جی اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ مسلم لیگ کے قائد اعظم کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کریں۔ اور ہم نفس سمجھا کے کانگریس کے ساتھ صلح کر لینے کی ترغیب دیں۔

لاہور پہونچکر اُنھوں نے سر سکندر حیات خاں سے ملاقات کی اور انھیں رو غن قاز ملنے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے کہا کہ سردار صاحب اگر مسلم لیگ کے لیڈر آپ ہوتے تو کانگریس کے ساتھ کبھی کا تصفیہ ہو چکا ہوتا۔

کیا انجام ہوگا؟ بہتر یہ ہے کہ آپ کانگریس اور مسلمانوں کے تصفیہ کے لیے کوئی فارمولا تیار کریں۔ اور میں کانگریس کے لیڈروں کو آپ سے بات چیت کرنے پر آمادہ کرتا ہوں۔

سر سکندر حیات خاں یہ سن کر مسکرا دیے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی! آپ تو صوبہ کا لیڈر اور وزیر اعظم ہوں۔ مجھ سے پنجاب کے متعلق کچھ دریافت فرمائیے تو اس کا جواب دینے کی کوشش کروں۔ آپ آل انڈیا لیڈر ہیں۔ آپ کا تصفیہ آل انڈیا لیڈروں ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور ملک بھر کے مسلمانوں کا نقیب میں نہیں ہوں مسٹر جناح ہیں — اُن سے بات چیت کیجیے اُن کا کیا ہوا فیصلہ بالکل منظور ہوگا

جب پنڈت جی نے دیکھا کہ سر سکندر ہنسنے سے صاف الگ ہیں۔ تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے آگے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ دوسرے دن آپ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انھیں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر صاحب۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے آدمی ہیں مسلمان آپ کے نام پر قربان ہوتے ہیں۔ اور دوسری قومیں بھی آپ کی بے حد تعظیم کرتی ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ نکالیے جس سے کانگریس اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تصفیہ ہو جائے تاکہ ملک آزادی کے رستے پر گامزن ہو سکے۔

علامہ اقبال مسکرا دیے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی! یہ آپ کیا باتیں کرنے لگے۔ میں تو درویش آدمی ہوں اور طالب علم۔ میرے ساتھ آپ فلسفہ۔ ادب۔ اور شعر کی بات کیجیے۔ یہ آل انڈیا سیاسیات ہیں آپ جانیں، اور مسٹر جناح۔ ہمیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے اپنا سیاسی مسئلہ مسٹر جناح کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ سیاہ و سفید جو چاہیں کریں۔ مسلمانوں کی طرف سے کچھ کہنا انھی کا حق ہے ہمارا کوئی حق نہیں۔

پنڈت جی ہکا بکا رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ سر سکندر اور علامہ اقبال نے ایک ہی قسم کا جواب دینے کی کوئی سازش تو نہ کی تھی۔ بلکہ معاملہ حقیقت میں یہی تھا کہ دونوں کے نزدیک مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ اور مسٹر جناح ہی کو حاصل تھا لہذا دونوں نے ہی اپنی جگہ یہی ایک جواب دیا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو ناکام ہو کر لاہور سے چلے گئے۔ (انتخاب)

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اہل تقویٰ کا متوجہ ہونا اسکے خالص اسلامی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) صوفیاء کی اصطلاح میں ہر وہ چیز طاغوت ہے جو حق تعالیٰ کی اطاعت میں مخل ہو۔

(۵) کسی ایک مسئلہ یا معاملہ میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا متفق ہو جانا اسکے اجماعیہ ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس سے کسی ایک معتبر عالم کا اختلاف کرنا قادح اجماع ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ ہی کیلیے خالقیت (امر تکوینی) اور آمریت (امر تشریعی) مخصوص ہے جیسا کہ ارشاد ہے الا له الخلق والامر ان دونوں باتوں میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۷) کسی دینی و دنیوی کام کے مشاق کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے اور کسی چیز کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام قرار دینا امر تشریعی کا[illegible]

(۸) مارنے و جلانے، پیدا کرنے و پرورش کرنے وغیرہ کا اختیار امر تکوینی کہلاتا ہے۔

(۹) مسلمانوں پر کفار جو حکومت کر رہے ہیں اور حقیقت ان میں کوئی اہلیت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی نااہلی کی وجہ سے ان پر کفار کو مسلط کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ اپنی نااہلی کو دور کر دیں تو پھر ان ہی کو ساری دنیا پر غالب کر دیا جائیگا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق مرشد آباد ہاؤس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
برقی آرٹ پریس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ [illegible]
" ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے [illegible] سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۲۷ | شنبہ - ۶ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ - فروری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا

اے اللہ ہمیں اپنی خشیت کا حصہ دے مگر اتنا ہی جو حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں [ورنہ اس سے زیادہ خوف الٰہی کا تحمل کس بشر سے ہو سکتا ہے؟] اور اپنی عبادت کا بھی ہمیں حصہ دے، مگر اتنا کہ تو اسکے ذریعہ سے ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دے [ورنہ جو حق عبادت ہے، وہ کون بندہ ادا کر سکتا ہے؟] اور اپنے یقین و ایمان سے بھی ہمیں حصہ دے، مگر اتنا کہ اس سے ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔

رسولؐ کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں [illegible]، اور ایسی جامع و بلیغ ہیں، کہ اگر بالفرض کوئی بھی دوسری دلیل موجود نہ ہوتی تو تنہا آپ کی دعائیں ہی آپ کے صدق و اعجاز کی شاہد عادل تھیں۔ انھیں جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے۔ ضعف بشری کی ایسی ایسی دقیق رعایتیں بجز نبی کے اور کوئی لحاظ رکھ ہی نہیں سکتا — دعا کا ایک ٹکڑا یہ ہوا، باقی کے لیے آگے چلیے۔

ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا

اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں کارآمد رکھ، اور ہماری قوت بھی جب تک تو ہمیں زندہ رکھے [کہ قوت جسمانی خصوصاً کان اور آنکھ کا کام زندگی بھر رہتا ہے] اور اسکی خیر کو ہمارے بعد بھی باقی رکھ - اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لے [کہ بندہ کو ظلم کی سزا حاکم حقیقی ہی دے سکتا ہے] اور جو ہم سے دشمنی کرے، اسکے مقابلہ میں ہمیں مدد دے — دعا کا ایک ایک جزو کیسا حاجت انسانی کے مطابق، اور نفسیات بشری کا حقیقی ترجمان ہے! — اسی دین کو بعض ناسمجھ والے "خشک" اور "دشوار" فرماتے ہیں!

اہم دعا کا اہم ترین حصہ اب آتا ہے۔

ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

اور ہمارے لیے مصیبت ہمارے دین میں نہ پیدا کر دینا [دنیا والی مصیبتیں تو پھر بھی جھیلی جا سکتی ہیں لیکن فرائض دینی کی ادائی میں اگر دشواریاں پیش آ گئیں، تو کیا علاج؟] اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا دینا، اور نہ ہمارے علم کی معراج اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور نہ ہم پر مسلط کر، جو ہم پر نامہربان ہو!

ساری دعاؤں، بلکہ سارے دین کی کلید یہی خط کشیدہ عبارت ہے۔ لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا، ایسا نہ ہو کہ ہماری ساری کوششوں، سارے ولولوں، سارے حوصلوں کا محور و مرکز، منتہا بجائے رضاء الٰہی یا طلب آخرت کے، یہی دنیا اور اسکی چمک دمک ہو کر رہ جائے! — آج ایک اسی ہدایت کے بھولے رہنے سے ہم سب کتنے بہک چلے، بھٹک چلے ہیں! جنت (رضاء الٰہی کا محل) اور اسکی نعمتیں آج کس کا مطمح نظر ہیں؟ جو دین کے منکر ہیں، انکا ذکر نہیں، جو فی الجملہ مذہبی احساس اور درد رکھتے ہیں انکا بھی مطمح نظر بجز اسکے اور کیا ہے، کہ کوئی اچھی سی نوکری مل جائے، تنخواہ میں ترقی ہو جائے۔ یا زیادہ سے زیادہ کہ مسلمان قوم کو جاہ و مال زیادہ ملنے لگے!

بولتے ہوئے اعداد

فرنگستان کے مشہور روشن متمدن شہر ڈبلن (آئرستان) سے متعلق کچھ اعداد اور واقعات :-

سنہ ۱۹۳۱ء میں	ناجائز بچوں کی تعداد	۲۱۹ تھی،
سنہ ۱۹۴۲ء میں	"	۳۶۴ تک پہنچی۔
سنہ ۱۹۴۱ء میں	آتشک کے نئے مریضوں کی تعداد	۰۰ تھی،
سنہ ۱۹۴۲ء میں	"	۵۰۰ سے اوپر پہنچی

عورتوں کی تعداد اس مرض کا شکار ہونے والی روز افزوں ہے - پہلے عموماً صرف خانہ دار طبقہ کی لڑکیاں اس کا شکار ہوتی تھیں - اب کاروباری لڑکیاں بلکہ یونیورسٹی کی لڑکیاں کثرت سے اس میں مبتلا پائی گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۴۳ء میں آتشک کے زیر علاج مریض	۲۰۰۰ تھے	
سنہ ۱۹۴۴ء میں " "	۳۴۰۰ ہو گئے	

یہ سرکاری اعداد تھے، غیر سرکاری تخمینہ کے مطابق انکی ۴۵ ہزار ہے "

(نیوز آف دی ورلڈ - لندن، ۲۳ دسمبر سنہ ۴۶ء)

اتنے نہ سہی، اس سے کچھ کم سہی، اس سے ملتے جلتے سہی - اعداد ریاض (نجد) کمہ (حجاز) صنعاء (یمن)، غرض کسی بھی مشرقی، نیم متمدن یا غیر متمدن شہر کے ہیں، جہاں "صاحب" کے قدم اب تک نہیں پہنچے ہیں؟ ——
اللہ کے بندو، کبھی تو سوچو، کہ جگمگاتے ہوئے "ملکوں والا تمدن" "مخلوط تعلیم" والی تہذیب "سنیما" والی معاشرت آخر کدھر لیے جا رہی ہے؟

غیروں سے سبق

" کلکتہ - یکم فروری - یہاں کے ایک مشہور بینک نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں ایک فارم بھیجا ہے کہ آپ اپنے نمونہ کے دستخط کر دیں، اس لیے کہ ایک گمنام شخص نے انکے نام پر بینک میں دو لاکھ کی رقم جمع ہونے کو بھیج دی ہے " (یو، پی، آئی)

۲ لاکھ کا نذرانہ، وہ بھی بالکل گمنام! —— ایک یہ قوم ہے اور اسکے لیڈر - اور ایک آپ کی قوم ہے، اور آپ کے لیڈر! یہ تو دو لاکھ ہیں، کسی نے محمد علیؒ غریب کو اسکا دسواں حصہ بھی یوں نذر کر دیا تھا؟ نام نہ سہی نام کے اظہار و اعلان کے ساتھ تو سہی - الٹی دھمکیاں بات بات میں کہ چندہ کا حساب لاؤ، جو کچھ چندہ ملا ہے، اسے کھا گئے ہو، اسکا حساب کتاب دکھاؤ -

قابو زبانیں

مسلم لیگ کے ایک ممبر لکھنؤ سے لکھتے ہیں :-

" پرسوں یہاں سٹی مسلم لیگ کی نشرگاہ سے وہ خواب مع تعبیر نشر ہوا قائد اعظم جناح اور مولانا حسین احمد صاحب سے متعلق کسی ذاکر شاغل نے دیکھا تھا اور جو صدق ۵۹ میں شائع ہو چکا ہے - لیکن اس سلسلہ میں ناشر صاحب نے یہ بھی فرما دیا کہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے خواب کے اسنے جزو کو کہ "مولانا حسین احمد صاحب نے فائل کر دیا" کو شیطانی قرار دیا ہے - تقریر کے اسنے جزو سے بڑی حیرت ہوئی - صدق میں تو یہ کہیں بھی درج نہ تھا - معلوم نہیں ناشر صاحب کو یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ صدق کے مطالعہ کی زحمت انھوں نے گوارا نہیں فرمائی "

نعوذ باللہ من شرور انفسنا - یہی زیادتیاں، دریدہ دہنیاں، غلو تو ہے، جیسے باعث لیگ (اور تنہا لیگ کیا معنی ہر سیاسی پارٹی) سنجیدہ اور دینی ذمہ داری محسوس کرنے والے طبقہ میں بدنام ہو رہی ہے - صدق کی وہ چھپی ہوئی عبارت تو آج بھی با آسانی دیکھی جا سکتی ہے - وسوسۂ شیطانی قسم کی کوئی لفظ و عبارت اسمیں یا اس پاس کہیں نہ تھی - —— خوف آخرت اور اپنے قول و فعل کی مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس دلوں سے کیسر نکل گیا ہے، اور ہر فریق کو دوسرے کے مقابلہ میں گویا ایک سادہ چلبلا اقتضا ملی ہے، کہ جو کچھ جی میں آئے اپنے بے تکلف زبان سے بک دیا ہے

—— خوب ہے یہ قوم و ملت کی خدمت!
جو گناہ کیجیے ثواب ہے آج!

اعلان صلح

شیعہ روزنامہ سے :-

" ایک پروپگنڈا یہ ہے کہ ہم شیعہ سنی اختلافات بڑھانا چاہتے ہیں، در آنحالیکہ اس سے زیادہ غلط بات کوئی اور نہیں ہے - شیعہ سنی اختلافات بڑھانا کیسا، ہم تو سے بالکل ختم کر دینا چاہتے ہیں ···· ہماری لڑائی اہل سنت والجماعت سے نہیں ہے، بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ سے ہے، جس میں وہ تمام شیعہ و سنی شامل ہیں جو شیعہ حقوق اور واجبی مطالبہ سے انکار کرتے ہیں ···· مسلم لیگ کے باہر بھی جو شیعہ سنی کے تعلقات ایسے خاصے ہیں، اور اچھے خاصے رہیں گے - ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے ہیں اور کام آئیں گے - ہم انکے ساتھ عزیز بھائی کی طرح رہنے پر تیار ہیں - لہذا ہماری تحریک کو شیعہ سنی لڑائی کہنا بالکل غلط ہے "

الحمد للہ! —— سنتے ہیں لکھنؤ میں ہر سال کوئی قضیہ مدح صحابہ کا شیعہ سنیوں کے درمیان ہوا کرتا ہے - اور اس کا زمانہ اب آ ہی رہا ہے - یہ اعلان صلح خوب وقت سے نکل آیا! امید ہے کہ اسکے بعد اب مجالس مدح صحابہ وغیرہ پر ہمارے ان عزیز بھائیوں کو کوئی اعتراض نہ رہیگا - اور جنگ کا رخ بجائے اہل سنت کے تمام تر مسلم لیگ ہی کی طرف پھر کر رہے گا -

عقل کی بات

ڈاکٹر سید محمود (سابق وزیر تعلیمات صوبہ بہار) کا مضمون قومی آواز میں :

" میں نے بارہا کہا ہے کہ باوجود سیاسی اختلاف کے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو ان باتوں میں جن میں اختلاف نہیں ہے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہیے - سیاسی اختلاف تو صرف ایک بات کا ہے - باقی ۹۹ باتیں ایسی ہیں کہ جن میں اتفاق ہے - تو ان باتوں کو سلجھانے کے لیے ہم ایک پلیٹ فارم پر کیوں نہ جمع ہوں، اور آپس میں مل کر کیوں نہ

سورۃ البقرۃ رکوع ۲۷

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ...)

از عبد الماجد

ولا یزالون یقاتلونکم حتی	اور یہ لوگ تو تم سے ہمیشہ لڑتے
یردوکم عن دینکم ان استطاعوا	ہی رہیں گے تاآنکہ اگر ان کا بس چلے
ومن یرتدد منکم عن دینہ	تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ ۲۱۹
فیمت وھو کافر فاولٓئک	اور جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے
حبطت اعمالھم فی الدنیا	اور اسی حال میں کہ وہ کافر ہے مر جائے تو یہی
والاٰخرۃ واولٓئک اصحاب	وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں
النار ھم فیھا خٰلدون۔	غارت گئے۔ ۲۲۰ اور یہ اہل دوزخ ہیں اسی میں (ہمیشہ) پڑے رہنے والے۔

۲۱۹ یہ بیان ہے اس کا کہ مشرکین عرب اسلام سے کس درجہ بیزار اور حق کے کس قدر دشمن تھے۔

ولا یزالون یقاتلونکم میں اشارہ انھیں دشمنان حق کی جانب ہے۔ ایک انگریز مترجم قرآن، کیمبرج یونیورسٹی کے استاد عربی پروفیسر پامر ہوئے ہیں۔ اس موقع پر طنز و تعریض کا نشتر یوں چلاتے ہیں:-

"اب اسلام نے تو فوراً ہر چہار طرف سے دھاوا بول دیا۔ دھاوا ایک طرف سے یقیناً بول دیا گیا تھا، لیکن اس مبحث میں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ دھاوا اسلام کا نہ تھا، خود اسلام پر تھا!

حتی کے معنی یہاں "تاکہ" کے ہیں، اور غرض و مقصود کے اظہار کے لیے ہے۔

حتی للتعلیل (بیضاوی) یجوز ان یکون معنی الی (عکبری) لے الی ان یردوکم وقیل المعنی لیردوکم (کبیر)

ان استطاعوا میں اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین سے ہٹنا اور کافروں کا انھیں اپنی کوششوں سے ہٹا لینا کچھ آسان نہ تھا۔

استبعاد لاستطاعتھم (کبیر) اشارۃ الی تصلبھم فی الدین وثبات قدمھم فیہ کانہ قیل: انّی لھم ذلک

۲۲۰ حبطت ... الاٰخرۃ - حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے کو ہر ساعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائیگا۔ اور دنیا میں اس کا ظہور یوں ہوگا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے، نہ مسلمانوں کی میراث میں اسے حصہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔

شریعت یہود میں ارتداد ہی نہیں بلکہ سعی ارتداد و ترغیب ارتداد کی بھی سزا سنگساری ہے۔ توریت میں ہے:-

"اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے

۲۲۱ ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجٰھدوا فی سبیل اللہ اولٓئک یرجون رحمت اللہ واللہ غفور رحیم۔	بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ۲۲۱ تو یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھ سکتے ہیں ۲۲۲ اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے۔

تجھ کو پوشیدہ میں پھسلا دے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور نہ تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے .... تو تو اس سے موافق نہ ہونا، اور اس کی بات نہ سننا۔ تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا، تو اس کی رعایت نہ کرنا، تو اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اسے سنگسار کرنا، تاکہ وہ مر جائے" (استثناء ۱۳: ۶-۱۰)

اور نصرانیوں کے ہاں بھی

"... ارتداد ناقابل تلافی گناہ ہے قتل اور زناکاری کے درجہ کا" (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۶ صفحہ ۶۲۳)

چنانچہ انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرھویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دین نصرانیت کو ترک کر دیا تھا، تو اسے آکسفورڈ میں ۱۰- اپریل ۱۲۲۲ء کو جلا دیا گیا (ایضاً - صفحہ ۶۲۴)

فیمت وھو کافر "اسی حالت کفر ہی میں اس کی موت آ جائے" یہ فقرہ بڑھا کر گویا یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا، تو اب بھی موقع ارتداد سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آ جانے کا باقی ہے۔

امام شافعیؒ نے اس فقرہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ محض ارتداد سے اعمال کا حبط نہیں ہو جاتا جب تک کہ مرتد کی موت بھی ارتداد پر نہ ہو۔

وبھا احتج الشافعیؒ علی ان الردۃ لا تحبط العمل حتی یموت علیھا (مدارک) تقید الردۃ بالموت علیھا فی احباط الاعمال کما ھو مذھب الشافعی (بیضاوی)

لیکن حنفیہ کے پاس جواب ہے کہ یہ مسئلہ تو خود قرآن ہی نے صاف کر دیا ہے، اور ایک دوسری آیت میں صاف حبط عمل کو نفس ارتداد پر معلق کر دیا ہے۔ ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ اور یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے

قال مالک یحبط بنفس الردۃ (ابن العربی)

یرتدد باب افتعال سے ہے۔ اور افتعال میں ایک مفہوم تکلف کا بھی نکلتا ہے۔ بعض اہل معانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل کے اسی باب میں لانے سے اسی عمل ارتداد کے استبعاد پر توجہ دلائی ہے

وبابہ افتعل ھنا بمعنی التفعل والتکلف لانہ تکلف ومن باشر دین الحق سیبعد ان یرجع عنہ (بحر)

عن دینہ - دین سے یہاں کھلی ہوئی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔

خالدین - خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا اکیفیات پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے تا دیر باقی رہنا۔

الخلود بقاء الاشیاء علی الحالۃ التی علیہا من غیر اعتراض الفساد (راغب)

اس تصریح نے اور صاف کر دیا - ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے - وہاں کی ہر سزا اور ہر جزا تا وقتیکہ موقت و محدود نہ کر دی جائے یوں ہمیشہ والی و بقا والی ہوتی ہے - شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو واضح کر دیا ہے -

ایشان دراں جاوید اند (شاہ ولی اللہ دہلوی)

وہ نت اسکے ہمیشہ رہیں گے - (شاہ رفیع الدین دہلوی)

الذین ہاجروا دین کی حفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع وہاں کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آ جانے کا نام ہجرت ہے۔

الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب)

جاہدوا - جہاد کے معنی شدید کوشش اور جد و جہد کے ہیں - اس میں سب طرح کی لڑائیاں اور تکلیفیں آ گئیں، وہ اسکی بڑی فرد قتال ہے۔

فاطر کائنات کے قانون میں، ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں، ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اسکے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہو جائیں، تو اسکے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے!

نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے -

فی سبیل اللہ - یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی مجاہدے سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، و بن خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہیگی —— وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مل جائینگے، سب فی سبیل اللہ اور الذین آمنوا کے وصف سے خالی!

اکبرؔ نے خوب کہا ہے —

ثواب جب ہے کہ ناخوش ہوا س بنا پر تم
دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں

نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز
ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں

تکملہ اس میں بشارت و تسلی ان مومنین کے لیے ہے جنکے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو (بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے) ہو گیا تھا۔

تکملہ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے

غفور - سو وہ اپنی صفت غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو و خطا کو معاف کریگا۔

رحیم - سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے جو کچھ مرحمت کرے گا۔

(باقی آئندہ)

مراسلہ

ملاقات شاہ مصر و ملک الحجاز

(از قول ایک مرحوم دوست کے) —— اسلام علمی حیثیت سے سمٹ سمٹا کر پھر اسی مرکز پر جمع ہو گیا ہے، جہاں سے وہ نور افشاں ہوا تھا۔ عرب کی سرزمین کا وہ خطہ جہاں عربوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے، بفضلہ ابھی تک اسلام پر بڑی حد تک عامل ہے، جہاں عجم نے افراط کی حدود کو بھی توڑ دیا، اگر عرب تفریط سے اتفاق کریں تو یہ رد عمل ہے اور ضروری دور میں تفریط زیادہ ناگوار اور خطرناک نہیں - حبشہ کے بعد مصر ہی پہلا ملک تھا جس نے آنحضرت ﷺ کے نامہ مبارک کا معقولیت سے جواب دیا تھا - حضرت عمر الفاروقؓ اور عمرو بن العاص نے اسے آغوش اسلام میں لیا۔ اب بھی کچھ ایسی ہی مشابہت حجاز و مصر میں پائی جاتی ہے - حجاز کا بادشاہ مصر کی طرف رخت سفر باندھے ہوئے ہے - ارادے نیک ہی ہیں - حجاز و مصر کا باہمی تعامل بھی وہی ہے - ایک اسی گمنامی وادی غیر ذی زرع کی صورت، جدید تمدن کی رنگینیوں سے کوسوں دور، صرف توحید کی امانت کو سینوں میں محفوظ کیے ہوئے - اسی دولت ایمانی پر قانع ہے - ابرہہ کو حسد صرف اس لیے تھا کہ کیوں حرم معظم عرب میں واقع ہے - اسی طرح عرب پر حرص و آز کی نگاہیں پڑ رہی ہیں کہ کیوں یہ خطہ تیل وغیرہ کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہے - اپنی بقا اور سب کی بقا کے لیے باہمی میل جول ضروری تھا اور تعلقات استوار کرنا لابدی تھا - نامہ جات روانہ کیے گئے تھے، حق ظاہر کیا گیا تھا - الحمد للہ کہ شاہ فاروق نے بصیرت فاروقی کا ثبوت دیا - مصر کو کیا کہا جائے، اس زمانہ میں بھی یونانیوں کا مرکز تھا - اور اب بھی باوجود مشرقی ہونے کے مشرق کے "پیرس" سے موسوم کیا جا سکتا ہے - اور سچ پوچھیے تو اسکے بعض کوچے پیرس سے بھی زیادہ دلکش ہیں۔ اور اب تو پیرس کا نام ہی نام باقی ہے۔ اس ماحول میں رہنے کے باوجود اپنے معزز کی خاطر ان اوقات میں ایسی مصروفیات سے اجتناب کریں گے - محافل میں موسیقی رقص و سرود نہ ہوگا - اس طرح اس ذرا سی تبدیلی سے ان مجالس کی ہیئت ترکیبی میں بڑی بھاری تبدیلی ہو جاتی ہے - اگر ذکر اذکار سے یہ محافل پر نہ ہوں تو کم سے کم مصروفیات اور اشتغال کی نوعیت بھی حسب سابق نہ ہوگی - ممکن ہے مصری اس تبدیلی کو بڑی حد تک محسوس کریں اور ایک خلا سا محسوس کریں -

اب اگر اس خلا کو اسلامی ماحول میں پرورش پائے ہوئے

(باقی آئندہ)

جماعت اسلامی اور موجودہ انتخابات

(از جناب ذکاء اللہ خاں صاحب سول لائن - بریلی)

(۱)

یہ بات غالباً کسی ذی ہوش انسان کے ذہن میں آئی بھی نہ ہوگی کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسی ہو سکتی ہے جو موجودہ انتخابات میں حصہ لینے سے اجتناب کرے یا ایسے حصہ کو ناجائز قرار دے لیکن ذیل کے استصواب اور اس کے جواب سے جو رسائل اور مسائل کے زیر عنوان ترجمان القرآن بابت رمضان و شوال ۱۳۶۴ھ میں شائع ہوا ہے ناظرین کرام کو واضح ہوگا کہ ایسی جماعت واقع میں موجود ہے اور اپنے چند عقائد کی بنا پر اپنے کو حق پر اور ہندوستان کی جملہ دیگر جماعتوں کو باطل کا پیرو سمجھتی ہے۔ وہ استصواب اور مولانا مودودی صاحب کا اس کا جواب حسب ذیل ہے :-

استصواب اس وقت مسلمانان ہند دو فتنوں میں مبتلا ہیں۔ اول کانگریس کی وطنی تحریک کا فتنہ جو واحد قومیت کے مفروضہ اور مغربی ڈیموکریسی کے اصول پر ہندوستان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنا چاہتی ہے۔

دوم مسلم نیشنلزم کی تحریک جس کو مسلم لیگ چلا رہی ہے ......

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے مطالعہ سے یہ بات ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ یہ دونوں تحریکیں اسلام کے خلاف ہیں لیکن حدیث میں آیا ہے کہ انسان جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو چھوٹی بلا کو قبول کرلے۔ اب کانگریس کی تحریک تو سراسر کفر ہے ..... اس کے مقابلہ میں لیگ کی تحریک اگرچہ غیر اسلامی ہے لیکن اس سے یہ خطرہ نہیں ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی ہستی ختم ہو جائے۔ لہذا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیگ سے باہر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔

اس وقت ہندوستان میں انتخابات کی مہم درپیش ہے اور یہ انتخابات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف تمام غیر لیگی عناصر مل کر مسلم لیگ کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کی وطنی تحریک مسلمانوں پر زبردستی مسلط ہو کر رہ جائیگی۔ دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں ..... ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں ؟

جواب آپ نے جو سوال ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس کے متعلق میں دو باتیں واضح طور پر عرض کیے دیتا ہوں

(۱) اول یہ کہ ہماری جماعت کے مقصد قیام کو اچھی طرح سمجھ لیجیے اس کے بعد کچھ اور کہنا غیر ضروری تفصیل ہے کہ یہ جماعت کس لیے بنی ہے (ناقل)

(۲) دوسرے یہ کہ ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا نتیجہ خواہ کچھ اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو ہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم اُن اصولوں کی قربانی کرنا گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ اور اسمبلی کو قائم کریں اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے۔ برخلاف اس کے ہم جس عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔ اگر ہندوستان کے علماء اور عامۃ المسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہیں اور وقتی مصلحتیں ان کے لیے مقتضیات ایمانی سے اہم ترین گئی ہیں تو اس کی جواب دہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے کریں گے۔ آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ہم انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں۔ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کو شرک قرار دیں، اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے اُن لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں' جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لیے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں ..... ہمارے لیے اس معاملہ میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کریں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے اور قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونا چاہیے جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے"

جیسا کہ اوپر کے کسی قدر طویل اقتباس سے ظاہر ہوگا سائل کا استصواب بہت سیدھا سادہ تھا اور اس کا جواب بہت مختصر ان چند الفاظ میں ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ (۱) جماعت اسلامی کے ارکان کو لیگ کے حق میں ووٹ دینا یا دلوانا چاہیے (۲) جماعت اسلامی کے ارکان کو خاموش بیٹھ رہنا چاہیے۔ (۳) یا خود اپنے نمائندے کھڑے کرنا چاہیں۔ اس مختصر جواب کی تائید میں جو کچھ دلائل لانا ضروری ہوتیں وہ دلائی جا سکتی تھیں۔ مگر مولانا مودودی صاحب نے اپنی عادت کے موافق بہت طویل اور غیر ضروری تمہید کے بعد جواب دیا ہے۔ اس جواب کا خلاصہ

یہ ہے کہ چونکہ موجودہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو ..... اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز ہو ..... ہمارے نزدیک کتاب اللہ سے آزاد ہو کر قانون سازی شرک ہے اس لیے ان انتخابات میں ہم کسی قسم کی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے"۔ بالفاظ دیگر مولانا مودودی صاحب ارکان جماعت اسلامی کو ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ ان انتخابات میں سائل نے جو تین شقیں پیش کی تھیں ان میں سے دوسری شق کو اختیار کریں یعنی خاموش بیٹھے رہیں اور الیکشن کے میدان میں جو جماعتیں لڑ رہی ہیں ان میں سے کسی کے حق میں نہ ووٹ دیں نہ دلوائیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب کی یہ ہدایت محض ارکان جماعت اسلامی ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کل مسلمانوں کے لیے ہے۔ یعنی ہندوستان کے جملہ مسلمانوں کے لیے ان انتخابات میں حصہ نہ لینا ان انتخابات کی کسی سیٹ کے لیے کھڑا ہونا اور کسی امیدوار کے لیے رائے دینا یا دلوانا شرعاً حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے مسلمان مولانا کے اس فتوے کو اگر مان لیں اور اس پر عامل ہو جائیں تو مسلمانوں کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا مولانا مودودی صاحب پر لازم تھا کہ اسکو بھی ظاہر فرما دیتے اور اس پر بھی حکم لگاتے کہ وہ شرعاً مذموم ہے یا ممدوح، مگر مولانا نے ایسا نہیں کیا اس لیے مسلمانوں کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا اس کو میں عرض کیے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان ان انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے لیکن انتخابات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ انتخابات رک نہیں جائینگے۔ غیر مسلم اقوام ان انتخابات میں حصہ لینگی اور وہ منتخب ہو کر کونسلوں اور اسمبلیوں میں پہنچ کر حکومت پر آ جائینگے ان صوبوں میں جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور نیز ان صوبوں میں جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور غیر مسلم اقوام بلا شرکت غیرے اور [illegible] مسلمانوں پر حکومت کرینگے اور مسلمان ان غیر مسلم اقوام کی رعایا اور انکے محکوم بن کر رہیں گے باوجود اسکے کہ مسلمانوں کو یہ قدرت حاصل تھی کہ ان انتخابات کے ذریعہ سے بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور بعض صوبوں میں بطور اکثریت کے حکومت کی مشینری پر قابض ہوتے اس لیے مسلمانوں کے لیے مودودی صاحب کے عقیدۂ توحید کی رو سے یہ امر تو ناجائز اور حرام ہے کہ وہ موجودہ انتخابات میں حصہ لیں اور حکومت کی مشینری پر بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور بعض صوبوں میں بطور اکثریت کے قابض ہوں، لیکن اس عقیدۂ توحید کی رو سے مولانا مودودی صاحب کے نزدیک مسلمانوں کے لیے یہ بالکل جائز ہی نہیں بلکہ ایک فعل محمود ہے کہ مسلمان اپنے ترک فعل کے ذریعہ سے غیر مسلموں کو حکومت کی مشینری پر مسلمان اقلیت اور اکثریت دونوں قسم کے صوبوں میں بلا شرکت غیرے قابض ہو جانے دیں اور مسلمان سارے ہندوستان میں ہندوستان کے غیر مسلموں کے محکوم ہو جائیں۔

(یہ کہنا واضح رہے کہ جو لوگ مسلم لیگ کی پاکستانی اسکیم کے حامی ہیں وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت میں کوئی ایسا مرکز ہو جس میں غیر مسلم اکثریت ہو اور یہ مرکز صوبوں کی حکومتوں پر اپنا جائز یا ناجائز اثر ڈالتا ہے اس لیے اس پاکستانی اسکیم کی رو سے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہی اکثریت سیاسی اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوگی) کیا مولانا مودودی صاحب اور دیگر ارکان جماعت اسلامی اس نتیجہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، اگر نہیں ہیں تو کیا میں امید کروں کہ مولانا مودودی صاحب اپنے فتوے کو واپس لینگے اور ارکان جماعت اسلامی کو اپنی صوابدید کے مطابق موجودہ انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دیں گے۔

(۲) اب رہا مولانا مودودی صاحب کا وہ استدلال جس کی بنا پر وہ انتخابات میں حصہ لینے کو مسلمانوں کے لیے ناجائز قرار دیتے ہیں اور وہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ کو منتخب کرے اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جو مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کے منافی و متناقض ہے۔ اس کی بابت صرف اس قدر عرض ہے کہ اس باب میں اگر مولانا مودودی صاحب خود فریب میں مبتلا نہیں ہیں تو ضرور مسلمانوں کو دیدہ دانستہ فریب دینا چاہتے ہیں۔ مولانا کا یہ جواب اس غلط مفروضہ پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات کی قائل ہیں کہ مسلمانوں کا جمہور جو اس وقت کوئی حکومت قائم کرتا ہے یا آئندہ کوئی حکومت قائم کرے وہ ایسا جمہور ہے کہ اس کو شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے اور وہ ایسی قانون ساز جماعت ہے کہ خدا کے اتارے ہوئے قانون کو منسوخ کر کے جیسے چاہے ویسے قوانین وہ جمہور یا اس کا منتخب کردہ پارلیمنٹ بنا اور جاری کر سکتا ہے۔ ان جماعتوں کے ارکان یا ان جماعتوں کے ارباب حل و عقد کی کوئی تقریر یا تحریر یا ان کا کوئی قول نقل کیے بغیر ان جماعتوں کی طرف اس قسم کے نظریہ کو منسوب کرنا سراسر افترا و بہتان نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے خیال میں تو مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے کہ جو اس بات کی مدعی ہو کہ مسلمانوں کے جمہور کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کہ وہ شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ کر کے جیسے قانون چاہے جاری کر سکتی ہے۔ اس بات کا بار ثبوت مولانا مودودی صاحب پر تھا اور ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کریں کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات کی قائل یا مدعی ہیں کہ مسلمانوں کا جمہور اس بات کا اہل ہے کہ شریعت حقہ میں جو ترمیم یا تنسیخ وہ چاہے کر سکتا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب نے اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا اس لیے جس بنا پر مولانا ممدوح نے اپنا فتوے صادر فرمایا تھا جب وہی منہدم ہو گئی تو مولانا کا فتوے بھی کالعدم ہو گیا کسی نظام کا جمہوری نظام ہونا اس بات کو ہرگز مستلزم نہیں ہے کہ وہ خدا کے ساتھ بغاوت پر مبنی ہو۔ (باقی آئندہ)

ایک مراسلہ

حیدرآباد دکن۔ ۲۰۔ صفر ۱۳۶۸ھ

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قبلہ

سلام نیاز۔ حق کی حمایت کرنے میں آپ کا قلم اور آپ کا اخبار صدق بہت پیش پیش رہتا ہے۔ روزنامہ جامعہ عثمانیہ کی مخلوط تعلیم کے متعلق "رہبر دکن" بابت ۲۲ صفر کی طالبہ ایک مراسلہ کی نقل روانہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ میں صحیح اسلامی جذبہ ہوگا تو آپ ضرور نا ظریہ حسنٰب کی تحریک کی مخالفت اپنے اخبار میں کریں گے ورنہ صدق کے خلاف یہ مضمون کسی اخبار میں شائع کروں گا

ایک ہمدرد

صدق۔ رہبر کا وہ مراسلہ نہ ایک دوسرے مراسلے کے صدق میں نقل ہونے کے لیے دفتر کو روانہ کیا جا چکا تھا۔ کہ اس گمنام کارڈ کے موصول ہونے کے بعد آ سکا۔ وکیل دنیا میں مناسب معلوم ہوا۔ کارڈ نویس اب بصرف تمام صدق کی مخالفت میں قلم اٹھا سکتے ہیں۔ صدق میں اس مراسلہ کہ بجائے اب رہبر سے ہی میں نقل ہو رہا ہے۔

جامعہ عثمانیہ اور مخلوط تعلیم

یہ اطلاع ملک میں بڑے افسوس اور ہیجان کے ساتھ پڑھی گئی کہ مجلس رفقائے جامعہ عثمانیہ کے آئندہ اجلاس میں جو ۵ فروری کو منعقد ہو رہا ہے یہ تحریک بغرض منظوری پیش ہوگی کہ جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کر دی جائے۔ یہ امر اور زیادہ افسوسناک بلکہ الم ناک ہے کہ یہ تحریک جو بیسیوں مفاسد کا پیش خیمہ ہے، امیر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ الحاج ڈاکٹر نا ظر یار جنگ کی جانب سے پیش ہوئی ہے اس تحریک نے نہ صرف مجلس علماء دکن اور اس کے دیگر بہی خواہ اور درد مند حلقوں کو انسدادی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا ہے بلکہ خود طلباء اور طالبات میں بھی، جن کی بڑی اکثریت بفضلہ تعالیٰ مذہبی اور مشرقی روایات کو اپنی عزیز ترین متاع تصور کرتی ہے، مخلوط تعلیم کی اس تحریک سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا ہے، اور وہ رنج و افسوس کے ساتھ یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان کے پُرسکون ماحول میں کیوں اختلال پیدا کیا جا رہا ہے اور ایسی تحریک کیوں پیش کی جا رہی ہے جس کا انجام بہ تدریج یہ ہوگا کہ کلیہ اناث اور دیگر نسوانی تعلیمی اداروں کو برخاست کر کے ملک میں مخلوط تعلیم عام کر دی جائے۔ اور نتیجۃً ساری معاشرت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔

مخلوط تعلیم اور اس کے مفاسد اتنے عیاں اور مسلّمہ ہیں کہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جن ممالک اور جن اداروں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے وہ خود اب اس سے نالاں ہیں اور مفاسد سے گھبرا کر صورت حال کی اصلاح کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرت کی خرابیاں ان کالموں میں واقعات و حقائق کی روشنی میں اس کثرت سے پیش کی جا چکی ہیں کہ ہر صاحب فہم و صاحب کردار شخص کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ یورپ، امریکہ اور دوسرے ممالک کا حال چھوڑیے جہاں اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ غیر شریفانہ افعال ہی کو شرافت کی دلیل تصور کیا جانے لگا ہے خود ہندوستان کی بعض جامعات میں مخلوط تعلیم کے باعث جو تعلیمی اور اخلاقی زبوں حالی پیدا ہو گئی ہے وہ صدقت سے منظر عام پر آ چکی ہے۔ اور لکھنؤ، لاہور اور دوسرے مقامات کے حالیہ افسوسناک واقعات ان خرابیوں کے تازہ شواہد ہیں۔ ان شرمناک واقعات نے بہ طالوی ہند کی جامعات کو داغدار بنا دیا ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی تحریک کر کے نہ صرف ان سارے مفاسد کا دروازہ یہاں بھی کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ اس کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ کہیں یہ جامعہ جو اپنے رفیع المرتبت بانی سابق کے اسم گرامی سے انتساب کی سعادت رکھتی ہے، مذا انخواستہ کل کے روز اپنی امتیازی نیک نامی و شہرت سے محروم ہو کر انگشت نمائی اور حرف گیری کی مورد نہ بن جائے۔

مخلوط تعلیم، تعلیمی اداروں میں ڈراموں، ناچ گانے اور اور اس قبیل کی چیزوں کی نسبت اہل ملک کے جذبات کی ترجمانی ان کالموں میں بارہا کی جا چکی ہے اور ان جذبات کا ایک شدید مظاہرہ کئی سال قبل کلیہ اناث کے ایک مخلوط مشاعرہ کی تجویز کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ ان جذبات کی شدت کو صدر اعظم وقت سر اکبر حیدری مرحوم اور اُن کے رفیق کار مولوی عبدالعزیز صاحب سابق صدر المہام امور مذہبی نے محسوس فرما کر عین وقت پر اس مخلوط مشاعرہ کو منسوخ اور ایک سخت ہیجان کا ازالہ فرما دیا تھا۔ اب بھی ضرورت ایسے ہی تدبر اور صحیح طریقۂ کار کی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بغیر بھی ہمارے یہاں کے تعلیمی اداروں میں بعض خرابیاں فوری اصلاح طلب ہیں۔ تعلیمی اداروں میں اب بھی ڈرامے اور رقص و موسیقی کے مظاہرے ہوتے ہیں اور ارباب مدارس کی اسی بے راہ روی کے اثرات طلباء و طالبات پر پڑتے ہیں۔ "ترقی پسندی" طلباء و طالبات میں بھی آہستہ آہستہ سرایت کرتی جاتی ہے اور ان کے اس غلط نظریۂ حیات کا اظہار ان کے اعمال سے ہونے لگا ہے۔ اس وا سے تعلیمی اداروں اور خصوصاً نسوانی تعلیمی اداروں کو محفوظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر جناب امیر شعبۂ دینیات کم از کم جامعہ کے تحت کے تعلیمی اداروں کے ان امور پر توجہ فرماتے، مواد فراہم کرتے، اس کا بنظر غائر مطالعہ فرماتے تو یہ آپ کے معزز اور ذمہ دارانہ منصب کے شایاں ہوتا اور ملک اور خود طلباء و طالبات آپ کی اس خدمت کے لیے ممنون و شکرگزار ہوتے۔ اس کے برعکس جامعہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کی تحریک پیش کر کے آپ نے اس منصب کے حق اور اہمیت سے

گوارا فرمائی۔

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اب ضرورت معاشرہ کو صالح بنانے اور تعلیمی اداروں کی وساطت سے صالحین اور صالحات کی جماعت تیار کرنے کی ہے۔ اسی مقصد کے تحت ضرورت اس کی نہیں ہے کہ جامعہ میں مخلوط تعلیم کے جو آثار ابھی پائے جا رہے ہیں انہیں پروسعت کے ساتھ پھیلایا جائے۔ طالبات کے لیے ایسی تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں کہ انہیں مرد ٹیچروں سے تعلیم پانے اور جامعہ کے احاطہ میں آنے کی احتیاج نہ رہے۔ یہ عمل جامعہ اور طالبات جامعہ دونوں کی نیکنامی اور وقار کے مطابق ہوگا۔ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۲)

کیوں نہ کام کریں۔ مثلاً مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سوشل خرابیوں اور اصلاحات کا مسئلہ ہے۔ مسلمان پیشہ ور جماعتوں کی اقتصادی حالت کا مسئلہ ہے۔ شیعہ سنی کا جھگڑا ہے، غرض ایک سیاست کو چھوڑ ۹۹ ایسے مسئلے ہیں، جن میں ہم بہ حیثیت مسلمان کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ان مسائل کے متعلق متفقہ اور متحدہ کوشش کر سکتے ہیں۔"

عقل کی بات، جس کسی کی بھی زبان سے نکلی ہو، ہر حال قابل قبول ہوتی ہے۔ بڑی شامت ہم سب کی یہی ہے، کہ ہر شخص کی نظر مابہ الاشتراک سے کہیں زیادہ مابہ الاختلاف پر پڑنے لگی ہے، اور کھلی ہوئی مشترک چیزوں کو نظرانداز کر کے اختلافی اور نزاعی مسئلے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے جا رہے ہیں!

قادیانی مشنری

رائٹر ایجنسی نے ایک تھوڑے لیے تار میں اطلاع دی ہے کہ ۱۲ احمدی مشنریوں کا دستہ ابھی ۱۶ جنوری کو لندن پہونچا ہے۔ یہاں زبان وغیرہ کی ٹریننگ چھ مہینے حاصل کر کے یہ لوگ یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیل جائیں گے، اور وہیں تبلیغ کیا کریں گے۔ تین تین سال کے بعد ان کی جگہ نیا دستہ کارکنوں اور مبلغوں کا آ جایا کرے گا۔

تار میں جتنا جزو پروپیگنڈہ کا ہے، اُسے نظرانداز کر دینے کے بعد قادیانی مبلغوں کا یہ جوش اور ان کی یہ تنظیم یقیناً ہم سب کے لیے باعث رشک اور ہمارے لیے ایک سبق ہونا چاہیے۔

مراسلہ

"الصدق ینجی: الکذب یہلک"

بجناب صاحب السعادت مدیر الصدق لا زالت اوقاتہ روشنۃ بالصفاء و شمسۃ الکریمۃ نائلۃ من ایجع الثناء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد ۱۶ جنوری نمبر ۲۷ جلد ۱۱ کے صدق میں حضرت والا نے مولانا منظور نعمانی صاحب کی عبارت جو الفرقان میں سے نقل فرمائی

ہیں، حضرت والا سے یہ جملہ چھوٹ گیا۔ "وہ پچھلے برسوں میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا" جس کی وجہ سے عام لوگ یہ سمجھینگے کہ مولانا موصوف لیگ میں داخل ہیں۔ حالانکہ مولانا انکار کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ حضرت والا تصحیح فرمائیں گے۔ کیونکہ واعظ کا تب الا ہیپلے ویبقی الدہر ما کتبت یداہ فلا تکتب بکفک غیر شیء یسرک فی القیامۃ ان تراہ ان ارید الا الاصلاح والسلام وما علینا الا البلاغ

کاتب الحروف ... انیس الدین

صدق - اسی مفہوم کا ایک مراسلہ سب سے پہلے کسی ڈاکٹر صاحب (جلیہ آفیسر) کا آیا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ، یا بارے لکھے جانے میں ڈاک میں ضائع ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۴)

سلطان ابن سعود کی شخصیت پر کردے۔ اور اس خلا میں اسلامیت جاگزیں ہو جائے تو خدا کی رحمت سے کیا بعید ہے۔ اس تین ہفتہ کی صحبت میں کیا سادگی اور صفائی ستھری پاکیزہ اسلامی عادات اس نوجوان کے دل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔ قلب و نظر کی تبدیلی اگر تائید ایزدی شامل ہو تو صرف چند لمحوں کی بات ہے۔ بہر حال مواقع تو پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر حضرت فاروقؓ کی زندگی چند لمحات میں تبدیل ہو سکتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کلیم پوش ہو سکتے ہیں، تو خدا کی ذات سے ہم کو تو اُمید مند صحیح ہے کہ فاروق اول کے ہاتھوں اس مغربی سیلاب کو جو مشرق پر اُمڈا ہوا ہے، جس کا پہلا شکار خود مصر ہی ہوا تھا، اب مصر ہی سبقت کر کے اُس کا رُخ پھیر دیگا۔ اگر اس ملاقات سے مسلم فرماں رواؤں کی شخصی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ تبادلۂ خیالات اتحاد و اتفاق پر منتج ہو تو اسلامی وحدت پیدا ہو گی۔ ابن خلدون کا خیال ہے کہ سلطنتوں کی حالت میں کم و بیش دو سو سال بعد انقلاب آتا ہے۔ عالمگیرؒ کو انتقال کیے ہوئے، ترکی کا بیڑہ ڈوبے ہوئے، اور عام طور پر مسلمانوں کی پسپائی اور شکست کو شروع ہوئے دو صدیاں گزر گئیں۔ گزشتہ چند سالوں سے انحطاط رکا ہوا ہے، آثار ترقی ہویدا ہیں۔ خدا کرے یہ نیا دور حق و صداقت کا ہو۔ فاران سے نکلے، ہر دمیں اُبھرے اور عالم پر چھا جائے۔ ہو المراد۔ السعی لنا والاجر الیہ۔

سید عبد القدیر۔ کریم نگر، دکن۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

علی احمد خاں صاحب (ضلع جالندھر) ۳۵ء مرتب ہو چکا تھا جب آپ کا سوال نامہ موصول ہوا۔ کوشش کی جائیگی کہ اسکے لیے جگہ ملے۔ یا ۳۶ء میں نکل سکے، گو وعدہ کسی نمبر کے لیے بھی کرنا مشکل ہے۔ دوسرے مضامین کئی کئی ہفتہ سے آئے ہوئے پڑے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جسے اس نے سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی ملک ایم اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو: محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد، امین آباد پارک، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ، ششماہی صعہ، بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ سالانہ، قیمت فی پرچہ ۲/

(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

صدق

نمبر ۶۷	شنبہ - ۱۳ - ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ - فروری ۱۹۴۶ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

ریوٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس دونوں نے خبر دی ہے کہ ۵- فروری کی رات کو پیرس ریڈیو نے ایک عجیب و غریب ڈرامہ اپنے یہاں سے نشر کیا۔ قصہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ریڈیم کا جو ذخیرہ امریکہ میں ایٹم بم کے لیے محفوظ تھا، وہ دفعۃً قابو سے باہر ہو گیا، اور اس نے ہر طرف موت و ہلاکت پھیلا دی ہے۔ پورے جغرافیہ کا رخ بدل گیا ہے، سمندر خشکی کو نگلنے لگا ہے اور اب خود فرانس اور پیرس کی باری آ رہی ہے۔ وہ دیکھیے آسمان میں لپک ہونے لگی اور لوگوں کے جسم پر تشنج شروع ہو گیا وغیرہ۔ یہ سب کچھ بطور افسانہ کے نہیں، بطور خبر کے بیان ہونا شروع ہوا۔ لب و لہجہ، طرز بیان، ہر چیز ایسی تھی کہ سننے والے اسے افسانہ نہیں بلکہ اطلاعی اناؤنسر کی زبان سے خبر کا اعلان سمجھے۔ اور خبر بھی کیسی؟ قیامت خیز، محشر انگیز، ہولناک ترین! نقل کو ذرا دیر کو اصل سمجھ لیجیے، نتیجہ کیا ہوا؟ جو کچھ ہوا، اسے بھی انھیں نیوز ایجنسیوں ہی کی زبان سے سنیے۔

شہر پر ایک کہرام مچ گیا۔ [illegible] سے [illegible] تک لرزہ برپا ہو گیا۔ [illegible] چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے، کاروبار بند ہو گیا۔ خلقت پناہ کے لیے [illegible] گرجاؤں پر ٹوٹ پڑی۔ دل دھڑکنے لگے۔ ایک کو غش آیا، دوسرے پر عصبی دورہ پڑ گیا، یہاں تک کہ شور ہے کہ دو شخصوں کی موت حرکت قلب بند ہو جانے سے واقع ہو گئی! دوسری صبح اسپتالوں اور ڈاکٹروں کے مطب پر ہجوم تھا، اور لوگ غصہ میں آ کر ریڈیو اسٹیشن پر انتقام لینے کے لیے چڑھ دوڑے، پولیس گارد کو اس کی حفاظت کے لیے آنا اور روکنا پڑا!

خبر یا خبر نما افسانہ کا لب لباب کیا تھا؟ بس یہی نا کہ موت سر پر آ گئی! اس کے سوا اور کیا تھا؟ —— تو کیا قرب موت کا احساس ایسے ایسے اہل عقل کو بھی چوکنا کر دیتا ہے؟ بڑے بڑے بدمستوں کو چونکا دیتا ہے؟ روشن خیالوں اور عقلیت مآبوں کو بدحواس کر دیتا ہے! اور جو خدا کے نام سے بے حس رہتے ہیں، موت کا ذکر ان کے حق میں بھی تازیانہ ثابت ہو جاتا ہے! —— اب بارے کچھ سمجھ میں آیا! کہ قرآن نے جو اس کثرت سے موت اور متعلقات موت کی تکرار کی ہے وہ تنہا عرب کے بدوؤں کے لیے نہیں، پیرس کے [illegible] مہذب آزاد مزاج روشن خیالوں کے لیے بھی ہے!

لامذہبی کا فیشن

نومبر ۴۵ء کا [illegible] فیبر اینڈ فیبر [illegible] کا ایک نشریہ لندن کی نشرگاہ سے ہے:

"پہلی جنگ عظیم کے بعد اور دوسری جنگ عظیم سے پہلے سیاسی اور مذہبی ہر چیز میں تشکیک کا [illegible] ادب میں تشکک ہوا اور فیشن میں داخل تھا۔ اسی سب سے زیادہ مقبول فلسفیانہ لٹریچر میں ملتے تھے۔ اب سب آثار تبدیلی کے نظر آ رہے ہیں۔ جنگ کی ہولناکیوں نے بہتیرے ذہنوں سے تشکیک کو دور کر دیا ہے۔ اب لوگ سنجیدہ اور [illegible] مذہبی مسائل پر غور و اعتراض کے ساتھ نہیں، ہمدردی کے ساتھ [illegible] مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے پروفیسر

اے، ڈی، جوشی کا نام لیتا ہوں، جو اڈنبرا یونیورسٹی میں متعلق دخلیات کے اُستاد ہیں۔ انکی کتاب سویلزیشن، سائنس اینڈ ریلیجن (تہذیب، سائنس اور مذہب) ملاحظہ فرمایئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے مان لیجیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کی کتاب جنگ سے قبل کوئی فلسفی نہ لکھتا!" (لندن ریڈیو کا ہفت روزہ لنڈن کالنگ نمبر ۳۰۹)

دیکھیے "صاحب" کی تقلید میں اب ہندوستانی "صاحبوں" کا کفر کب ٹوٹتا ہے اور وہاں لا مذہبی کے بجائے مذہب کا فیشن کب داخل ہوتا ہے ——— مذہب بطور فیشن کے بھی بہرحال لا مذہبی سے تو بہتر ہی ہے۔

بے حجابی کے بعد

"ہالی وڈ (امریکہ) لباس کی بہترین ماہرِ تراش خاتون نے پیشگوئی کی ہے کہ اب بعد جنگ امریکہ میں زنانہ لباس کا جو نیا فیشن چلنے والا ہے، اُس میں سینہ بالکل برہنہ رہا کرینگے۔ جس طرح کہ ۱۹۱۸ء والی جنگ کے خاتمہ پر اسکرٹ (سائے) اتنے اونچے اٹھ گئے تھے کہ گھٹنے نظر آنے لگے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آخر رومی شہنشاہی کے آخر زمانہ میں بھی تو سینے کا لباس بس ایک شفاف ریشمی ٹکڑا رہ گیا تھا" (اے، پی، اے)

تاریخ کی بحث چھوڑیے۔ آج بھی وحشی اور جنگلی قبیلوں کی عورتوں کا لباس، خواہ ہندوستان اور عام طور پر مشرق میں کیا ہے ——— بے حجابی کے بعد تو لازمی طور پر نمبر بے ستری کا آنا ہی تھا، اور وہ دن دور یقیناً نہیں ہے جب بے ستری کے لحاظ سے امریکہ کی سب سے زیادہ "اپ ٹو ڈیٹ" خاتون افریقہ کی سب سے زیادہ وحشی عورت کی سطح پر آ جائے!

نیتوں پر حملے

زمیندار میں معافی نامہ چھپ رہا ہے۔ معافی نامہ ایڈیٹر اور مراسلہ نگار، دونوں کی طرف سے، کہ اسکے قبل زمیندار میں دو لدھیانوی مولوی صاحبان کے خلاف جو یہ الزام چھپا تھا، کہ وہ کانگرس سے یا ہندوؤں سے تنخواہ پاتے ہیں، وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔ معافی نامہ نہ پیش کر دیا گیا ہوتا، تو پرچہ کو لدھیانہ کے مجسٹریٹ کے اجلاس سے ہتک عزت کی دفعہ میں سزا ہو گئی ہوتی۔

زمیندار پنجاب کا ایک قدیم، مشہور اور معزز پرچہ ہے۔ اس کی سزایابی ہرگز باعث مسرت نہ ہوتی۔ اس کی معافی طلبی قابل عبرت ہے۔ کسی مسلمان پر بھی، چہ جائیکہ کسی دیندار مسلمان پر، رشوت خواری اور غداری جیسے کریہ الزامات عائد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ بالفرض تھوڑا بہت ثبوت موجود ہوتا، جب بھی کیا ضرورت تھی؟ کون سی دلیل بغیر اسکے ناتمام یا کمزور رہ جاتی؟ اختلاف شدید سا شدید، اور اعتراض سخت سے سخت بھی کیا، ور نہیں ہو سکتا جب تک شخصیت کو بھی زیر بحث نہ لے آیا جائے؟ گویا رائے کی غلطی، عقل و فہم کی کجی، بصیرت کی کمی کوئی چیز ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اس کی محرک نیت یا طینت کی خباثت ہی ہوگی؟ یہ آخر ہم پر کیا شامت سوار ہے کہ ہم کسی کی ایسی ایسی صواب دید سے اختلاف کر ہی نہیں سکتے، جب تک اُسے بے ایمانی، بددیانتی، بدنفسی کے ساتھ متہم نہ کر لیں! کاش اب بھی ہم سب کی آنکھیں کھلیں اور ایک دوسرے کی عزت کا پاس و احترام کرنا سیکھیں!

بلا تبصرہ

"میرٹھ۔ ۱۵ فروری۔ آج صوبائی انتخابات کی نامزدگی کی آخری تاریخ تھی۔ تمام جماعتوں کے امیدوار اپنے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لیے کچہری میں جمع ہو رہے تھے۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے حلقہ غربی دیہات میں مسلم لیگ کے امیدوار نواب حافظ محمد [illegible] خاں کے خلاف مسٹر محمد الیاس (وکیل) نے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی کوشش کی۔ اس پر سید احمد اشرف صاحب بیرسٹرایٹ لاء نے اعتراض فرمایا کہ محمد الیاس صاحب مسلمان نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں میں شامل ہو کر یہ کاغذات نہیں داخل کر سکتے اور نہ مسلم نشست کے لیے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ اس پر مسٹر محمد الیاس نے اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کرتے ہوئے کاغذات خود ہی واپس لے لیے۔ واضح ہو کہ مسٹر محمد الیاس اس سے پہلے بھی عدالت کے سامنے خدا کے وجود سے انکار کر چکے ہیں، مگر پھر بھی جمعیۃ العلماء اور نام نہاد مسلم مجلس کی رکنیت کا سہرا اُن کے سر ہے۔"

[خبر کی تصدیق لیڈر وغیرہ کے نامہ نگار بھی کر چکے ہیں]

یہ امریکہ!

امریکہ کے متعلق چند شائع شدہ اعداد:—

۱۹۴۵ء۔ ایک سال کے اندر ۸ ہزار مقدمات طلاق کے دائر ہوئے

۲۰ اور ۴۴ سال کی عمر کے درمیان — ۷۰ لاکھ مرد بن بیاہے بیٹھے ہیں، اور ۴۰ لاکھ عورتیں بن بیاہی بیٹھی ہیں۔

(ڈیلی میل، لندن، ہفتہ وار ایڈیشن، ۱۲۔ جنوری ۱۹۴۶ء)

مس میو اسی امریکہ کی تھیں؟ یہی امریکہ ہندوستان اور مشرق کی زبوں حالی پر سب سے زیادہ کتابیں، مقالات، مضامین شائع کرتا رہتا ہے؟

بیگمات فرنگ!

"نو دن کے عرصہ میں شہزادی الزبتھ کل دوسری بار ویسٹ اینڈ کی ایک نمائش گاہ میں اور ریجر بنگانیل کے مشہور ناشتہ خانہ میں اپنی پارٹی کے ساتھ تشریف لے گئیں، جہاں آپ نے شب کے کھانے کے بعد رقص کیا۔" (ڈیلی میل۔ لندن۔ ہفتہ وار ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

"برطانیہ کے نامور سابق وزیر اعظم مسٹر چرچل کی صاحبزادی مس جے چرچل، ۳۱ سال کی عمر میں، فوج سے واپس آکر پھر تھیٹر کی ایکٹرسوں میں شریک ہو گئی ہیں۔ پہلے تماشہ میں سارا خاندان آپ کے ساتھ گیا۔ اور مجمع اتنا تھا کہ پولیس کو خاص انتظام کرنا پڑا۔" (ڈیلی میل ۲۲۔ دسمبر ۱۹۴۵ء)

اس دل گردہ کی شاہزادیاں اور وزیرزادیاں کبھی دقیانوسی مشرق، خصوصاً خشک اور بے رنگ مسلمان سلطنتوں کو بھی نصیب ہوئی تھیں؟ ——— آہ بدنام بیگمات اودھ!

کلمۂ حق

ذیل کی خبر کراچی کے روزنامہ حیات میں شایع ہوئی ہے، جو لیگ کا نہیں بلکہ سید گروپ کا ترجمان ہے:-

"کراچی۔ ۵- فروری۔ مسلم طلبہ کے ایک وفد نے حضرت مولانا آزاد سے ملاقات کی۔ ایک جوشیلے نوجوان نے لیگیوں کے غنڈہ پن کی شکایت کرتے ہوے کہا کہ آیندہ ہم بھی اس غنڈہ پن کا جواب تشدد سے دیں گے۔ اس پر حضرت مولانا نے طالب علم کو ٹوک کر فرمایا کہ "یاد رکھیے، بدی کو بدی نہیں مٹا سکتی، بلکہ اُسکو اور مستحکم کر دیتی ہے۔ بدی کو صرف نیکی ہی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ لیگی ہمارے بھائی ہیں، اُنکے ساتھ بھائیوں ہی کا سلوک ہونا چاہیے۔ آپ کا فرض ہے کہ لیگی بھائیوں کے سامنے صحیح نقطۂ نظر محبت اور خلوص کے ساتھ پیش کریں، وہ ضرور اسکو قبول کرینگے۔ مولانا نے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی کسی بد اخلاقی پر رحم و ہمدردی کے جذبات پیدا ہونے چاہیے نہ کہ غصہ کے۔"

کاش یہی چیز سیاسی اختلافات کے وقت عام ہوتی، ہر سیاسی پارٹی میں نہ سہی، کسی ایک ہی پارٹی میں بھی یہی ہوتا تو آج اس قدر تلخی ناگوار بغض و عداوت کی نوبت ہی کیوں آتی!

شرافت و سیاست

"اسمبلی کی زنانی مسلم سیٹ کے لیے بیگم بشارت حسین کے مقابلہ سے ہٹ جانے سے اب بیگم مولانا محمد علی کے لیے انتخاب کا راستہ بالکل آسان ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بیگم بشارت حسین رفیع احمد قدوائی صاحب کی تحریک پر مقابلہ سے ہٹ گئیں۔" (پاینیر- ۲۰ر فروری سنہ ۴۶ء)

مولانا کی شخصیت کے احترام میں اُنکی بیگم صاحبہ کو بلا مقابلہ اسمبلی میں جانے دینا یقیناً دلیل شرافت ہے۔ اور یہ پہلی مثال نہیں، جناب رفیع احمد قدوائی صاحب نے سیاسی کشمکش میں بھی شرافت کا معیار قائم رکھا ہے۔ خود لکھنؤ شہر کی مسلم سیٹ کے لیے کسی نیشنلسٹ یا کانگریسی ٹکٹ پر امیدوار کا مسلم لیگ کے لیڈر کے مقابلہ میں میدان میں نہ آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے — اس سے قدوائی صاحب کی عزت دلوں میں گھٹی نہیں، بڑھ ہی گئی ہے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم ۲۵ سالہ تالیف)

عالم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن و حدیث اور حکماء یونان کے اقوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۲ کے ٹکٹ بھیجنے پر ارسال کی جاتی ہے۔

ملنے کا پتہ:- مولوی محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

سورۂ بقرہ- رکوع ۲۷

سلسلہ صدق ۴۵ء

۲۱۹ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا.	(لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں ۹۹۰ آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے ۹۹۱ اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں ۹۹۲ اور انکا گناہ اسکے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے ۹۹۳

۹۹۰ یعنی ان کے حکم شرعی کی بابت۔ اسکے جواز و عدم جواز کی بابت۔ والمعنى يسألونك عما في تعاطيهما بدليل (کشاف) ول تخصيص الجواب على ان ذلك السوال كان وانما تامرة لمقر العقل (بوحیب)

الخمر خمر و میسر یہاں دونوں اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے اسم لكل مسكر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسكر من عصير كل شئى (تاج) سميت لكونها عن العقل والكرمة (کبیر) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کر لیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔

الخمر خامر العقل (بخاری عن ابن عمرؓ) الخمر كل شراب خمر العقل فستره وغطى عليه (ابن جریر)

المیسر بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوے کے تمام اقسام پر شامل ہے

كل شئى فيه قمار فهو من الميسر (تاج)

علماء شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے

الميسر هو القمار (ابن کثیر) الميسر القمار (معالم)

وفي حكم الميسر انواع القمار والنرد والشطرنج وغيرها (مدارک)

شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوے ہیں، اور دلیل عزت و شرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اکیلے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روے زمین پر پھیلے ہوے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرف رسالت کے تعلق سے مشرف تھیں، انکی روک تھام نہ کر سکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ قانون ہے، جس نے آکر انکی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔

یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم

[illegible]

نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیلے مشروبات کے لیے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لیے ہیں، عرق عنبری، ماء الاکسیر وغیرہا۔ لیکن نام کے بدل دینے سے حقیقت اور حکم شرعی نہیں بدل جایا کرتا۔ نشہ آور چیزیں بہر حال حرام ہیں۔ علامہ کا سال وفات ۱۲۷۰ھ ہے۔ گویا آج (۱۹۴۳ء) سے ایک سو سال قبل کے عراق میں آپ کو یہ حسرتناک تجربے ہو چکے تھے۔ آج مرحوم کو کیا [illegible] کے اثر سے [illegible] عراق ہی نہیں، بلکہ مصر [illegible] ترکی [illegible] اور کن کن شکلوں [illegible] اور خمر کیا کیا [illegible] کیسے کیسے نئے اور خوشنما [illegible] کے ساتھ [illegible] تہذیب و تمدن کا جزو بن چکا ہے، اور کتنے [illegible] ہو چکا ہے!

۲۹۲ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ)

اثم کا لفظ عربی میں [illegible] جو [illegible]

[illegible] الاثم

اسم للافعال المبطئة عن الثواب [illegible]

اثم کا [illegible] حرام قرار [illegible] کے لیے کافی ہے

الاثم [illegible] محرم [illegible]

[illegible] اثم [illegible]

اثم کبیر ہی سے نقہاء نے نکالا ہے کہ شراب کی مقدار قلیل بھی حرام ہے

والا عدعلى تحريم القليل منه (جصاص)

اور اس لحاظ سے قرآن مجید ان دونوں کے حق میں لفظ اثم بہت خوب لایا۔ معاشرہ میں آج [illegible] جتنے فسادات شراب تو اسی سے پیدا ہو چکے ہیں، اظہر من الشمس ہے۔ گالی [illegible] بکواس [illegible] پھیلانے [illegible] کی طرف یہ لائے، ابوسے، دنگے یہ اور دسے، چوری، ڈکیتی یہ یہ آمادہ کرے، قتل کی نوبت یہ لے آئے [illegible] طہارت سے، پاکیزہ نفسی سے یہ روک دے، اور [illegible] تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔

اور قمار بازی کی لائی ہوئی مصیبتیں کچھ کم ہیں؟ فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ مونٹے کارلو Monte Carlo میں ہر سال کتنی بیشمار دولت لٹ ہوتی رہتی ہے؟ دیوالی اور جگمگ [illegible] کی راتوں کو ہندوستان کے اندر کیا کچھ نہیں ہوتا؟ اور پھر جوے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنیوں کے جوے، گھوڑدوڑ کے جوے، چٹھیوں کے (لاٹریوں) کے جوے، سٹے، وغیرہ کو کوئی کہاں تک شمار کرے!

سچ کہا ان مفسرین نے جنھوں نے کہا کہ ان دونوں مشغلوں کے اندر بڑی [illegible] ہے۔ فی تناولهما ابطاء عن الخيرات (راغب)

من حيث ان تناولهما مؤد الى ما يوجب الاثم وهو ترك المامور وفعل المحظور (روح)

بعض صحابیوں نے بشمول حضرت عمرؓ و حضرت معاذؓ کی بابت منقول ہے کہ انہوں نے شراب اور [illegible] کی بابت رسول اللہ صلعم سے از خود دریافت کرنا

کر دینے والی چیز اُس کے باب میں کیا حکم ہے؟

كان المسلمون يشربونها ... [illegible] ان عمر ومعاذ ونفراً من الصحابة قالوا يا رسول الله افتنا في الخمر فانها مذهبة للعقل مسلبة للمال (کبیر)

صحبت رسولؐ کی برکت سے اگر قلوب میں از خود اتنی جلا پیدا ہو گئی ہو تو اس میں حیرت ہی کیا ہے؟

۲۹۳ (ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر)

حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں سرے سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو کسی نہ کسی پہلو سے نفع و مصلحت سے خالی ہو، کوئی شے موجود ہی نہیں۔ جیسا کہ شراب نوشی اور قمار بازی جیسے گندے مشغلے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ مثلاً شراب سے بعض بیماریوں کا علاج ہو سکتا ہے۔ بعض شرابیں خوشبو رکھتی ہیں، شراب سے فوری لذت و سرور حاصل ہوتا ہے، بعض قوتوں میں عارضی طور پر تحریک پیدا ہو جاتی ہے، وقس علی ہذا۔ یا اسی طرح جوے میں جو جیتتا ہے اُسے بلا مشقت و تعب تھوڑی ہی سی دیر میں آمدنی ہو جاتی ہے۔ وقس علی ہذا۔

اے بلا مشقة الفرح في الخمر و اصابة المال بلا كد في الميسر (جلالین)

مفسرین نے آیت کے اس جزو کے تحت میں شراب کے بہت سے منافع و مصالح اپنی اپنی بصیرت و دائرۂ علم کے لائق گنائے ہیں۔ اور یہیں سے ایک اور نکتہ نکل آیا — کسی حرام اور ناجائز شے کے جزوی منافع و مصالح بیان کرنا اس کی حرمت کے منافی اور اس کی حرمت سے انکار کے مرادف ہرگز نہیں!

آج جو "اسپرٹ" ملی ہوئی انگریزی دوائیں کثرت سے چل پڑی ہیں، یہ عموماً تیزاب کے قسم کی ہوتی ہیں۔ اور فقہاء نے انھیں زہر کے حکم میں رکھا ہے۔

۲۹۴ اس لیے عقل سلیم کے لحاظ سے یہ دونوں چیزیں قابل ترک اور واجب الاحتراز ہیں۔

فقہاء نے کہا اور بالکل صحیح کہا ہے کہ حرمت خمر پر دوسری آیتیں اس سے صریح تر نہ موجود ہوتیں، جب بھی خود یہ آیت حرمت کے لیے کافی تھی۔

هذه الآية قد اقتضت تحريم الخمر لو لم يرد غيرها في تحريمها لكانت كافية مغنية (جصاص)

یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ سے اپنے حدود مملکت سے کہنا چاہیے کہ ان خباثث کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اور اجتماعی نہ افراد کی کارستانیوں سے قطع نظر، اُمت کی نظر میں بہ حیثیت مجموعی لفظ 'شرابی' اور لفظ 'جواری' دونوں کو انتہائی تحقیر و ذلت کا لقب ٹھہرا دیا۔ یہ اسلام ہی کا اعجاز ہے کہ اُس نے اپنے پیرووں کو، جہاں تک ان انسانی نجاستوں کا تعلق ہے، پاکیزگی اور ستھرائی کے اُس بلند مقام پر پہونچا دیا، جہاں تک باوجود علم و فضل، فہم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے، آج تک نہ کوئی "ٹمپرنس ایسوسی

بعض سوالات مع جوابات

(۱) کیا تخلیق کائنات کے بعد بھی اب بھی نظام عالم کا ہر کام خالق کے علم سے ہوتا ہے یا ابتدائے تخلیق کے اثرات بطور نتیجہ کے مرتب ہوتے ہیں؟

جواب - شق اول صحیح ہے۔

(۲) موت پر انسانی مشیت کیوں نہیں حاوی ہے یا کیا اس کی مشیت کے خلاف انسان کی غلطی سے موت نہیں ہوتی۔

جواب - دونوں شقوں میں کوئی تضاد نہیں - انسان کی غلطی بھی مشیت ہی کے ماتحت ہوتی ہے۔

(۳) کیا شداد - نمرود - فرعون - ابوجہل سب کے کام مشیت کے خلاف تھے اگر خلاف تھے تو کیوں ہوئے۔

جواب - سوال مشیت کے معنی نہ سمجھنے سے پیدا ہوا - مشیت کے معنی مرضی یا رضامندی کے نہیں بلکہ مشیت بمعنی اسباب کی قوت تخلیقی یا تکوینی کے ہیں - اسکے بعد ظاہر ہے کہ کوئی فعل مشیت سے باہر ہو ہی نہیں سکتا۔

(۴) اگر مشیت سے موافق اور مخالف دونوں طرح کے کام ہوتے ہیں تو امتیاز کیسے ہوتا ہے

جواب - مشیت سے باہر تو ہو ہی نہیں سکتا - مشیت و مرضی مترادف نہیں۔

(۵) کیا وہ چاہتا ہے کہ تمام عالم ایک سچے مذہب پر ہو - اگر ایسا ہے تو اسکے خلاف کیوں ہے

جواب - "چاہتا ہے" اگر اس کی رضا کے معنی میں ہے، تو یقیناً وہ یہی چاہتا ہے - لیکن اس نے انسان کو مجبور نہیں بنایا ہے، فاعل مختار رکھا ہے - اور گمراہی اسی لیے پھیلتی ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام نہیں لیتا۔

(۶) کیا مذہب کی اشاعت کے لیے انسان کی اخلاقی حس کافی نہیں ہے - اگر کافی ہے تو پیغمبر کی کیا ضرورت

جواب - سوال کا مفہوم واضح نہ ہوا۔

(۷) کیا اس کو آواز کے ساتھ بولنے کی قدرت ہے - اگر ہے تو الہام اور وحی کی کیا ضرورت۔

جواب - یہ سوال تو ظاہر ہے کہ اسی قوت کے ساتھ بلا استثناء اسکے ہر اظہار قدرت پر وارد ہو سکتا ہے، وحی کرنے پر بھی اور وحی نہ کرنے پر بھی۔

(۸) کیا تمام دنیا بھر کے کام اسکو پسند ہیں - اگر نہیں ہیں تو کیا انکے روکنے کی قدرت ہے - اگر ہے تو کیوں اسکے خلاف ہوتا ہے۔

جواب - سوال صورت کے پیش کیجیے - جزئیات کے جوابات کہاں تک ہو سکتے ہیں - بدی کو قدرت سے روک دینے کے معنی

(۹) دعا مانگنے کا فائدہ کیا ہے جب وہ اپنی پسند سے دعا قبول کرتا ہے۔

جواب - دعا ایک عبادت ہے - اور ہر انسان پر بحیثیت عبد کے واجب ہے۔

(۱۰) کیا بلا دعا کے وہ کچھ نہیں دیتا - اگر ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے دیتا ہے تو دعا کی کیا ضرورت۔

جواب - اور اگر مصلحت دعا کے بعد دینے کی ہو تو؟

(۱۱) کیا انسان اپنی سرشت بدل سکتا ہے - اگر نہیں تو جزا و سزا باطنی اعمال یعنی نیت پر کیوں ہے

جواب - سوال کے دونوں حصوں کے درمیان کوئی ربط نہیں۔ جزا و سزا صرف انہیں اعمال پر ہے جو انسان کے اختیار کے اندر ہیں۔

(۱۲) کیا انبیاء پر جو مصائب آتے ہیں وہ امتحان ہیں یا سزائیں ہیں یا قانون قدرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہیں۔

جواب - کسی نہ کسی "قانون قدرت" کی خلاف ورزی تو ہر صورت ہر مصیبت کے پس منظر میں ہوتی ہے، اور یہی اس کا سبب قریب ہوتی ہے - امتحان یا سزا کا سوال تو بہ لحاظ غایت یا مقصود کے ہے اور اس کا تعلق اسباب قریبی و مادی سے نہیں - مسبب حقیقی یا مسبب الاسباب سے ہے - سزا اور امتحان کے درمیان فرق مختلف قرائن و علامات سے کیا جا سکتا ہے

(۱۳) کیا قوانین قدرت اس کے ماتحت ہیں اگر ایسا ہے تو اسکے خلاف کی قدرت کیوں نہیں ہے

جواب - سوال بالکل گنجلک ہے - "اس کے" سے مراد اگر ذات باری ہے، تو ظاہر ہے کہ ہر خدا پرست کے نزدیک قوانین قدرت اسکے ماتحت ہی ہیں - اسکے بعد سوال کا دوسرا جزو از خود حذف ہوا جاتا ہے۔

(۱۴) نیکی کی ترغیب کے لیے قدرت نے کیا انتظام رکھا ہے - اگر نہیں، تو اسکے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

جواب - پیغمبروں کی بعثت - پیغمبروں کا ہر ملک اور ہر زمانہ میں آنا اگر نیکی کی ترغیب کے لیے نہیں، تو اور کس غرض سے ہے؟ —— یہ کس نے کہہ دیا کہ نیکی کا نتیجہ ہمیشہ اور ہر حال میں فوری راحت ہے؟

(۱۵) مذہب کے ذریعہ سے کیوں انسان کی اصلاح کی جاتی ہے کیا یہ اسکے اختیار سے باہر ہے۔

جواب - عجیب و غریب سوالوں میں یہ سوال عجیب ترین ہے "مذہب" کے معنی نہ معلوم کیا فرض کر لیے گئے ہیں - جو بھی ذریعہ اصلاح کا اختیار کیا جاتا، اسی کا نام مذہب پڑتا - اگر سوال یہ ہے کہ سرے سے کوئی ذریعہ ہی کیوں اختیار کیا گیا تو پہلے اس کا جواب عنایت ہو جائے کہ خدا خدا ہی کیوں ہوا؟ کیا خدا ہونے پر اسے کوئی مجبوری تھی؟

(۱۶) کیا تخلیق کے لیے اس کو کوئی مجبوری تھی کہ بلا اسکے کام نہیں چل سکتا تھا یا تخلیق بے اختیارانہ طور پر ہوئی۔

جواب - "مجبوری" اور "بلا اختیاری" میں فرق کیا ہوا؟ یعنیہ ایک ہی بات کو دونوں شقوں میں دہرا دیا گیا ہے۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ تخلیق اضطرار سے نہیں، اختیار سے ہوئی ہے۔

(۱۷) دعا کے لیے شرائط کیوں ضروری ہیں۔ کیا بلا شرائط کے دعا کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیا وہ کسی قانون کے ماتحت اسکے لیے مجبور ہے۔

جواب - سوال اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا صبر آزما ہے۔ وجود شرائط اگر "مجبوری" کے مرادف ہے تو پھر دعا ہی کی کیا قید ہے کائنات کی ہر شے پر بعینہ یہی سوال وارد ہو سکتا ہے کہ اسکے لیے شرائط و اسباب کیوں ہیں؟

(۱۸) کیا اعمال کی جزا و سزا دنیا میں بھی ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو مصائب اور خوش حالی کس کا نتیجہ ہیں اگر قوانین قدرت کے موافق اور خلاف کا نتیجہ ہیں تو اس میں اسکے علم اور امتحان کے کیا معنی ہیں؟

جواب - سائل کا انتشار ذہنی پوری طرح سوال میں نمایاں ہے - جزا و سزا دنیا میں بھی ہو سکتی ہے، اور جزواً کبھی ہو جاتی ہے، لیکن اصلاً دار الجزاء اس دار العمل کے بعد ملیگا۔

(۱۹) کیا عقبیٰ کی جزا و سزا اسکے اختیاری ہے یا قوانین قدرت کے ماتحت ہے۔

جواب - خدا معلوم سائل نے ہر جگہ قانون قدرت اور اقتدار کے درمیان تناقض کیوں فرض کر لی ہے؟ جزا و سزا بالکل ظاہر ہے کہ تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے، خواہ وہ اپنے جس قانون کے ماتحت چاہے دے۔

ایک اور سوال نامہ

السلام علیکم۔ خان بہادر نواب ذکاء اللہ صاحب نے مولانا مودودی کے مضمون پر جو تنقید "صدق" میں کی ہے، وہ اور اس پر آپ کے نوٹ، نیز "صدق" نمبر ۶ ص ۲ پر "خیالات باطل اور اسلام" کے تحت ایک سوال کے جواب میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے اسی سلسلہ میں مندرجۂ ذیل سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ سوالات مع جواب "صدق" میں شائع کیے جائینگے:-

(ا) عقیدۂ توحید کا تعلق آیا زندگی کے کسی خاص شعبہ یا شعبوں سے ہے یا اس کا تقاضا پوری زندگی کو اللہ کے امر شرعی کے تحت کر دینے کا ہے؟

جواب - ہر شعبہ سے لیکن، الاقدم فالاقدم کے اصول کے ماتحت اہم ترین شعبہ سے تعلق بھی اہم ترین، اسکے بعد درجہ وار۔

(ii) آیا وہ (عقیدۂ توحید) صرف انفرادی زندگی کو تابع امر رب کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے یا اجتماعی زندگی کو بھی؟

جواب - انفرادی زندگی کو اصالۃً اور براہ راست۔ اجتماعی زندگی کو ضمناً و بالواسطہ۔ یہ جواب سوال کی شقوں کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اصل سوال کی یہ تشقیق ہی صحیح نہیں۔

(iii) آیا سیاست اور انتظام ملکی اور نظم معیشت اور نظم عدالت و قانون عقیدۂ توحید کے اس مطالبہ کے اندر ہے یا باہر؟

جواب - براہ راست اور مطالبہ قریب کے لحاظ سے باہر۔ بالواسطہ اور مطالبۂ بعید کے لحاظ سے اندر۔

(iiii) اگر یہ تمام امور عقیدۂ توحید کے حدود کے اندر نہیں ہیں۔ بلکہ جزوی طور پر ان میں سے کچھ امور سے ہی توحید کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو فرمایا جائے

(ا)- زندگی کے کون کون سے پہلو توحید کے دائرۂ مقتضیات کے اندر ہیں اور کون کون سے اسکے باہر؟

جواب - اللہ کی یکتائی پر یقین رکھنا، ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ سمجھنا، آمر و متصرف ... خالق و فاطر صرف اسی کو سمجھنا، یہ اقل قلیل مطالبۂ توحید ہے، نجات کے لیے کافی۔ اس سے زائد عملی احکام کا اتباع حالات اور ہمت و وسعت کے تابع ہے۔

(ii) - اس تقسیم دوائر کی دلیل کیا ہے

(iii) - اگر یہ تقسیم دوائر درست ہے تو پھر اسلامی حکومت کا نام لینا اور نبی صلعم کا ایک مذہبی حکومت قائم کرنا اور صحابہ کرامؓ کا روم ایران و مصر وغیرہ پر حملہ آور ہونا اور ان حکومتوں کو پاش پاش کر کے انکی جگہ اسلامی حکومت قائم کرنا یہ سب العیاذ باللہ دائرے سے تجاوز قرار پائے گا جن تک آپ کے نزدیک دین کا دائرہ محدود ہے!

جواب - اگر یہ سب چیزیں یکساں درجہ میں ضروری تھیں، تو خود رسول اللہ صلعم نے انکے لیے سالہا سال کا کیوں انتظار فرمایا۔ اور بعض اجزا کا تکملہ تو آپؐ کی حیات مبارک بھر بھی نہ ہو سکا تو کیا آپ بھی نعوذ باللہ مقتضیات توحید کو پورا نہ کر سکے؟

اگر آپ مقتضیات توحید کی کلیت کے قائل ہیں، تو

(ا) منصب نبوت جن کاموں کا براہ راست مقتضی ہے انکی فہرست سے آخر اجتماعی زندگی کے اہم ترین اور موثر ترین پہلو یعنی نظام حکومت کو آپ کس بنا پر خارج کرتے ہیں؟

جواب - خارج ہرگز نہیں قرار دیا گیا۔ صرف انکے لازمۂ توحید ہونے سے انکار ہے۔ اور انکار پر دلیل علاوہ نصوص قرآنی و حدیثی کے خود انبیاء کرام (بہ شمول رسول اللہ صلعم) کا تعامل ہے۔ جوں جوں حالات اجازت دیں، یقیناً حکومت اسلامی ہی قائم کرنا چاہیے۔ اور اسکی تمنا تو ہمہ وقت دل میں رکھنا چاہیے، بلکہ بہ قدر وسعت و ہمت کوشش بھی اس کی کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن یہ جزو صحیح نہیں کہ جب تک یہ نہ ہو سکے اس وقت تک عبادات لا حاصل اور ایمان کالعدم ہے۔ یہی جزو دین میں غلو کا ہے۔

(ii) - اگر توحید کا اقتضاء انسانی زندگی کو اسکے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ بندگی رب کے تحت لانا ہے، تو آپ کو

قرآن کریم و بائبل کا باہمی تعلق

بسلسلہ صدق عصے

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب نائب ناظم، سراج العلوم جھنڈے نگر)

(۸)

یہ ہوا ہم قدرتی انتظام (متعلقۂ بائبل و قرآن) کی نسبت یہ وجہ وجیہ بیان کرتے ہیں۔ اس قرآن کے لانے والے نبی آخر الزماں تھے جنکے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ اور سوء اتفاق سے کوئی تحریف و تبدیل آنے والا نبی اسکی اصلاح و تکمیل کر دیتا اس لیے خدا نے اس قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی، تاکہ نہ تحریف و تبدیل ہو اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت پیش آئے۔ چونکہ تورات و انجیل کے بعد قرآن کا نزول اور حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علم الٰہی ازلی میں مقرر تھی۔ اور اس طرح اس کا تدارک جو تورات و انجیل کے عدم حفاظت کے سبب وقوع میں آسکے ممکن تھا، اس وجہ سے خدا نے قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور تورات و انجیل کی حفاظت تورات و انجیل کی حفاظت تورات و انجیل والوں کے ذمہ ڈالی جیسا کہ شہادت اسکی خود ان کتابوں میں موجود ہے لیکن وہ مختلف اسباب و حوادث کی بناء پر اسکی حفاظت نہ کر سکے۔ اور نتیجۃً اس دین موسوی و عیسوی کی اصلاح کیلیے نبی آخر الزماں کا ظہور اور قرآن جیسی اکمل الکتب کا نزول ہوا۔ اگر اس جواب سے تشفی نہ ہو تو ہم ایک اور طریقہ سے عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر سائل مسلمان ہے تو وجہ مذکور (حفاظت قرآن بذمہ خویش و عدم حفاظت بائبل) کو قرآن میں دیکھ لے۔ اور اس وجہ کی وجہ خدا سے پوچھے۔ اور اگر وہ عیسائی ہے تو تورات کی کتاب استثناء اور عہد جدید کے مکاشفات ملاحظہ کرے (جہاں تورات و انجیل کی حفاظت خود انہیں پر عائد کی گئی ہے) اور اپنے خدا سے یوں سوال کرے کہ اے آسمانی باپ تو نے تورات و انجیل کو ہمارے سپرد کیوں کیا تھا؟ اور اسکی حفاظت کو اپنے ذمہ کیوں نہیں لیا تھا؟ جس طرح کہ مسلمانوں کے خداوند عالم نے قرآن کی حفاظت کو اپنے ذمہ لیا اور اسکو پورا کر کے دکھلا دیا۔

ازالۂ وہم یہ وہم کیا گیا ہے کہ مقتضائے حکمت کا یہ نہیں ہے کہ جو کتاب روح القدس کی تائید سے دی گئی ہو اسکو ایسا محرف اور نیست و نابود کر دے کہ پھر کسی کے ہاتھ نہ آسکے اور اگر وہ انسان کی تربیت کے لائق ہی نہ تھی تو انکو پہلے ہی کیوں دیا تھا؟

الجواب کسی کتاب کے معدوم ہو جانے سے حکمت الٰہی میں کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک ہی کتاب انسان کی ہر حالات کی تربیت کو کافی ہوتی تو اولڈ ٹسٹامنٹ (عہد نامۂ قدیم تورات) کے بعد نیو ٹسٹامنٹ (عہد نامۂ جدید انجیل وغیرہ) کی حاجت کاہیکو ہوتی اور دین موسوی میں کچھ تغیر و تبدل کا دخل نہ ہوتا تو حضرت عیسیٰ انجیل کیوں لاتے اور تکمیل تورات کا دعویٰ کیوں کرتے۔

الغرض جس طرح علم الٰہی میں تورات کے بعد انجیل کا آنا مقرر تھا اسی طرح انجیل کے بعد قرآن کا نزول ازلی علم الٰہی میں مقرر تھا۔ چنانچہ سلسلہ اس حکمت حقہ کے مطابق ظہور میں آیا۔ تورات ناکافی ثابت ہوئی تو انجیل کو نازل کیا گیا۔ اور جب تورات و انجیل دونوں بگاڑ ہو گئیں تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو بھیجا۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کا آنا لکھا نہیں ہے اگر ہوتا تو قرآن میں نقصان واقع ہوتا اور اس میں تحریف ہوتی اور اسکی اصلاح کیلیے اسی اصول کے مطابق کوئی نبی مبعوث ہوتا۔ مگر چونکہ یہ آخری کتاب تھی اور یہ نبی بھی آخری نبی تھے اسلیے خداوند کریم نے اس مصلحت عظمیٰ کی رعایت سے قرآن کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے لیا اور یہ اعلان کیا ان اللہ لا یخلف المیعاد اس وعدہ کو پورا فرمایا اور فرماتا ہے اور فرماتا رہیگا۔

پادریوں کا شبہۂ ناس اگر قرآن شریعت محمدیہ مقدسہ تورات و انجیل کے لیے مہیمن و مصلح قرار دیا جائے تو یہ کتابیں ہدایت و نور کے خطاب سے محروم ہو جائینگی۔ حالانکہ خود قرآن کریم نے تورات و انجیل کو ہدایت و نور قرار دیا ہے۔ جیسے کہ آیت کریمہ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدًی للناس (آل عمران) دوسری جگہ فرمایا و اٰتیناہ الانجیل فیہ ھدًی و نور (مائدہ) یعنی تورات و انجیل میں لوگوں کیلیے روشنی و ہدایت کا سامان ہے۔ پس اب یہ کہنا کہ بائبل تحریف و تبدیل کی بناء پر قابل استناد نہیں ہے خود قرآن کی ان آیات کریمہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ آیتیں تورات و انجیل کو ہدایت و نور کہتی ہیں۔ پس ان میں قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نہ تحریف کا قول درست ہے اور نہ پھر قرآن کے مصلح بننے کی کوئی حاجت رہ جاتی ہے۔

معقول جواب اسکا یہ ہے کہ تورات موسیٰ پر اور زبور حضرت داؤد پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل کی گئی تھی۔ اسکا ماننا ہر مسلمان کا ایمان ہے ارشاد ہے کل اٰمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ (بقرہ) پس ان کتابوں پر اور انکے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اب جو کتابیں یہودونصاریٰ کے ہاتھ میں انجیل و تورات کے نام سے موجود ہیں انکی حیثیت کیا ہے اور آیا یہ اصلی وہی ہیں یا محرف ہو چکی ہیں؟ اور ان میں تحریف و الحاق موجود ہے یا نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ یہودی مسلمانوں کو عربی میں ترجمہ کر کے عبرانی تورات کا مطلب سمجھاتے تھے اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو خدا کی طرف سے اتارا گیا۔ امام احمد نے ایک روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کا ترجمہ کسی نے پڑھا تو حضور کا چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا تم اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھا کرو۔ وہ خود گمراہ ہو گئے ہیں تم کو کیا

روایت کی گئی ہے - دینی کتابوں میں تحریف کے وقوع سے قرآن مجید نے خود خبر دی ہے ارشاد ہے - قد کان فریق منہم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وہم یعلمون (سورۂ بقرہ آیۃ ۷۵) اسی کے ساتھ دوسری جگہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا، فویل لہم مما کتبت ایدیہم وویل لہم مما یکسبون (بقرہ) دوسری جگہ یہودیوں کا حال اس طرح بیان فرمایا و ان منہم لفریقا یلوون السنتہم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ہو من الکتاب ویقولون ہو من عند اللہ وما ہو من عند اللہ - (آل عمران) یعنی اللہ کی کتاب کو پڑھ کر اس طرح پڑھتے ہیں کہ وہ سے اللہ ہی کی کتاب سمجھا جائے لیکن وہ اللہ کی کتاب نہیں ہے - چنانچہ مختلف اغراض و مقاصد اور تحصیل دنیا کے پیش نظر ہر طرح کی ترمیمات اور الحاق و اخراج کا کام یہود کی ناقلوں نے خوب کیا - جس کا اعتراف یرمیاہ نبی کو بھی ہے - وہ اپنی کتاب کی کمی و بیشی کر دینے کا اقرار کرتے ہیں - چنانچہ بائبل میں یرمیاہ نبی کا قول ہے "تم نے زندہ رب الافواج ہمارے خدا کی باتوں کو بگاڑ ا ہے" (یرمیاہ باب ۲۳ فقرہ ۳۶) اور "۲ تھسلنیکیوں کے پہلے باب میں ہے کہ دوسری قسم کے لیے نامناسب باتیں سکھلا کر بعض گھرانوں کو زیر و زبر کرتے ہیں) - اور نامہ گلتیوں کے پہلے باب فقرہ ۶ میں ہے کہ میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہو چکے تھے - جسکے کچھ لوگ مزید ادعی ہو گئے تھے - دیکھیے بائبل کو خود تحریف کا اقرار ہے -

پس خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن کریم نے بیشک توراۃ و انجیل کی تعریف فرمائی ہے، لیکن اسی قرآن شریف نے ان کتابوں کی تحریف و تبدیل کو بھی ظاہر فرما دیا ہے - جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اصل نسخے توراۃ و انجیل کے جو انبیاء پر بلا شبہ براہ راست اتری تھیں وہ بلا شبہ ہدایت و نور تھیں - لیکن بعد میں یہود و نصاریٰ کی جو گمراہیوں نے ان میں مختلف اغراض و مقاصد کے ماتحت تغیر و تبدیل کو داخل کر دیا - اس لیے قرآن کریم نے انکے محرف ہونے کا اعلان بھی کر دیا - علاوہ ازیں ہم مسلمان اس انجیل کو نور و ہدایت بموجب ارشاد ربانی سمجھتے ہیں جو براہ راست عیسیٰ پر اترا تھا نہ اس انجیل کو جو حواریوں نے بقول عیسائیان مسیح کے آسمان پر چلے جانے کے بعد مدتوں بعد مرتب کیا تھا - پادری عماد الدین اپنی کتاب تحقیق عرفانی میں لکھتے ہیں - یہ عقیدہ مسلمانوں کا ہے کہ انجیل منجانب خدا یسوع پر نازل کی گئی ہم عیسائی اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے - ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حواریوں نے مسیح کے آسمان پر جانے کے بعد بالہام الٰہی چاروں انجیلوں کو مرتب کیا (اسی وجہ سے یوحنا کی انجیل - مرقس کی انجیل - لوقا کی انجیل - متی کی انجیل کہتے ہیں) چنانچہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی ایک اور شہادت انسائیکلو پیڈیا میں ملتی ہے - جس میں لکھا ہے یہ مجموعہ انجیل کا حواریوں کے بعد بلا ارادہ دفعتاً تیار ہو گیا (انسائیکلو پیڈیا

برٹانیکا جلد ۲ ص ۱۸۰ بحوالہ ... الصدق کیم اپریل ۱۹۵۸ء) اسکے بالکل برخلاف مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انجیل صحیفہ خود حضرت عیسیٰ کو عطا ہوئی تھی - قرآن کریم میں جا بجا اس کے متعلق ارشاد ہے وآتیناہ الانجیل فیہ ہدی و نور [illegible] خود حضرت عیسیٰ کا اقرار ہے اتانی الکتاب وجعلنی نبیا (سورۂ کہف) انکے بیان کے مطابق ایک مسلمان اس کے لکھنے تیار نہیں جو حضرت عیسیٰ پر نہیں اتری - اور جسکو حواریوں نے مدتوں بعد تیار کیا - پس مسلمانوں کو مقاصد [illegible] موجودہ انجیل کے متعلق نور و ہدایت کا عقیدہ تسلیم کرانا محض البد فریبی ہے -

امر تعلیل اصل یہ ہے کہ توراۃ و انجیل کا موجودہ طرز یہ بتاتا ہے کہ ان کتابوں کے لانے والے اور لکھنے والے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے سوا کوئی اور ہی ہیں - چنانچہ حضرت موسیٰ - حضرت عیسیٰ کے موت و کیفیت موت کے واقعات کا بیان ہونا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ موجودہ توراۃ توریت موسوی اور موسیٰ اور موجودہ انجیل - انجیل عیسوی نہیں - توراۃ کے پانچویں کتاب استثنا میں ہے - سو خداوند کا بندہ موسیٰ خدا کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا - آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا" (باب ۳۴ فقرہ ۵) (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۶)

یہ اسنے میں آخر کیوں تامل ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس اقامت دین کی دعوت پر مامور تھے - اسکے اندر ضمنی طور پر نہیں بلکہ مقصدی حیثیت سے ایک ایسے نظام حکومت کا قیام بھی شامل تھا - جو احکام الٰہی اور قوانین شریعت الٰہی کے مطابق اجتماعی زندگی کا انتظام کرے ؟

جواب - کھلا ہوا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء نے اس مسئلہ پر عمل کرنا لازمی نہیں سمجھا - باقی جس کو جب حد تک اس حد تک اس منزل کے قریب آنے کی توفیق ہو سکے - ہمارا عقیدہ سے محمود و مستحسن ہے - اسکو لازمی اور ناگزیر طور پر جزو دین بنا لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی نماز تہجد کے فضائل سن کر اسے بھی پنجوقتہ کی نماز فرض قرار دے دے -

ان بنیادی سوالات سے جو تفصیلی مسائل پیدا ہوتے ہیں ان پر بعد میں گفتگو ہو سکتی ہے - پہلی چیز ان سوالات کے واضح جوابات ہیں - یہ سوالات دین کی بنیادوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں طرفین میں سے کسی ایک کا غلطی کر جانا (جیسا دونوں طرف امکان ہے) سخت گمراہی کا موجب ہو گا - لہٰذا ان سوالات کی "صدق" میں درج فرمائیے - اور ان پر مفصل اور صاف صاف گفتگو کیجیے -

والسلام
خادم - علی احمد خاں - بھلوچی دھریان
جہلم - ضلع جالندھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر :- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱)

چندہ و انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار "
بیرون ہند سے سالانہ [illegible] شلنگ
قیمت فی پرچہ [illegible]
ٹیلیفون نمبر (۱۴۹۱)

نمبر ۵	یوم چہارشنبہ - ۶ - محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ - دسمبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

ڈاکٹر لی [illegible] ایک نامور جرمن سائنٹسٹ تھے، جنگ سے قبل ہی امریکہ منتقل ہو آئے تھے۔ اسوقت انکی تازہ کتاب [illegible] فضا سے آگے کے سفر کا مستقبل ROCKETS : THE FUTURE OF TRAVEL BEYOND STRATOSPHERE کے عنوان سے [illegible] شائع ہوئی ہے [illegible] کے حدود سے آگے [illegible] چاند ہی تک [illegible] ہو جائیگا، جیسے [illegible] ہزار [illegible] میل [illegible] ہے، بلکہ مریخ تک بھی پہنچ جانا [illegible] ہو جائیگا [illegible] میل ہے [illegible] ہے کہ زمین کی قوت کشش کی مزاحمت [illegible] ایک خاص فاصلہ تک رہیگی۔ اسکے بعد ایک منزل ایسی آ جائیگی جہاں سے چاند کی قوت کشش اپنا عمل شروع کر دیگی۔ اور انسانی ہوائی [illegible] انتہائی تیزی سے اسکی طرف بڑھنے لگینگی، چنانچہ کل مسافت کو [illegible] گھنٹوں میں [illegible] سے بھی کم میں طے ہو جائیگی [illegible] میں فلاں فلاں دقتیں ضرور ہیں، لیکن فلاں فلاں طریقے انکے حل کرنے کے بھی ہیں ——— غرض یہ کہ سنہ ۱۹۵۰ء تک انسان سطح چاند کی سطح کا اور اسکے بعد دوسرے سیاروں کی تسخیر میں!

اس سے تیز تر ہوگا، اور انسان اپنی انجینیئرنگی ترقیوں کے سہارے کرہ زمین کی سطح سے کرۂ ہوائی [illegible] دم کے دم میں طے کرنے لگ جائیگا ——— خدا کرے یہ پیشینگوئیاں جلد سے جلد اور ہماری آپ کی زندگی ہی میں پوری ہو جائیں، کہ اسوقت معراج جسمانی کے "روشن خیال" منکرین سے تو پوچھا جا سکے، کہ فرمائیے اب اسکے امکان سے انکار کیجا [illegible] جہالت ہے یا [illegible] تاریک خیالی کی؟ معراج نبوی تو قرآن [illegible] بجائے خود کس نوعیت کی ثابت ہو رہی ہے [illegible] ہے [illegible] ان سے اور صرف ان سے کرنے والا ہوگا، جنھوں نے اپنی کم علمی اور بے [illegible] کو چھپانے کیلئے ایک لفظ "روشن خیالی" کا گڑھ لیا ہے، اور [illegible] انکار پر اڑے ہوئے ہیں، اور کرۂ [illegible] کی فضا ہوائی سے انسان کے بلند ہونے کو ہر قانون طبعی کے لحاظ سے ناممکن بتا رہے ہیں!

اسلام کی حقیقت و صداقت کا یہ ایک مستقل معجزہ ہے کہ مادی علوم جتنے بھی انکشافات، ایجادات، اختراعات میں بڑھتے جاتے ہیں، کسی نہ کسی پہلو سے اسلام ہی کے حقائق کی تصدیق کرتے رہتے ہیں۔

بے پردگی کے نتائج

"لاہور کی آزادی نسواں کی داستان آج سے ۲۵ سال قبل سے شروع ہوتی ہے۔ اسکی تاریخ "لاہور [illegible]" سے وابستہ ہے۔ شروع شروع میں [illegible] پردہ [illegible] خواتین پردہ نشینی [illegible] سطح پر [illegible] بیان کیا کہ اس وقت [illegible] ایسی

یہ تو ہوائی [illegible] برقی [illegible] سال بعد ترقیوں [illegible]

کہ بنگالی عورتوں سے بھی بات کرتے شرماتی تھیں۔ تقریبات میں جب کبھی ملنے ملنے کی نوبت آتی تو یہ اتنی خیال میں نہیں آتا تھا کہ کیا گفتگو کریں۔

[illegible] کلب کے [illegible] جلسے ہوتے تھے۔ بیویاں اس کلب کی ممبر ہوا کرتی تھیں۔ [illegible] اب ڈرنے اور جھجکنے کے بجائے اس کلب کی ممبری ایک فخر [illegible] ہے۔ کلب کی اس وقت ایک مشنری لیڈی سرپرست تھیں [illegible] لیفٹنٹ گورنر پنجاب [illegible]۔ کلب کا [illegible] کی ایک خوبصورت عمارت میں [illegible] ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی۔ [illegible] اخبارات [illegible] پردہ کے باہر بیٹھے تھے۔ [illegible] اور اسی سے پنجاب میں آزادیٔ نسواں کی ترقی کا اندازہ [illegible]۔ (۹ نومبر ۱۹۴۵ء)

یہ ساری داستان راوی معتبر [illegible] کی زبان سے، عجیب بھی ہے اور عبرت انگیز بھی [illegible] اپنے قدم جماتا ہے، یوں ہی اور اسی طرح چپکے ہی چپکے جماتا ہے۔ اور اسی پیچ کے ساتھ پردہ کلب کو "بے پردہ کلب" میں تبدیل کرتا رہتا ہے! اور یہ مشنری لیڈیاں اور صوبہ کے گورنر یا لفٹنٹ گورنر یا کمشنر کی بیویاں ہی ہر جگہ سب سے پہلی علمبردار ہر جگہ زنانہ تحریک اور اصلاح نسواں کی ہوتی ہیں!

کاش کوئی صاحب یا صاحبہ ہمت کرکے "ہندوستان میں بے پردگی کی تاریخ" پر ایک مبسوط مقالہ تحریر فرمانے کا وقت نکال سکیں! بہت سے راز پردے سے باہر آجائیں گے!

دو تہذیبیں

"گاندھی جی کی روانگی بنگال کے وقت [illegible] مہیلا آشرم (زنانہ ہندو اسکول) کی لڑکیوں نے اُن کی خدمت میں ایک ساڑھی اور کھادی کی کچھ دھوتیاں پیش کیں.... لڑکیوں کے گربا ناچ کو دیکھ کر گاندھی جی نے کہا کہ یہ گربا ناچ دنیا میں مشہور رقص ہے، لیکن یہ وقت ناچ رنگ کا نہیں۔" (لیڈر۔ ۲ دسمبر ۱۹۴۵ء)

مسلمان اخبار معترض ہیں کہ گاندھی جی نے ناچ بہرحال دیکھا تو، اور ناچنے والیوں کی ہمت افزائی کی تو، گو اس خاص وقت میں ان تماشوں کو نامناسب بتایا۔ لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ مسلمان اپنا ہی ایسا مذہب دوسروں کا بھی سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے اکابر کو اپنے اکابر پر قیاس کرتے ہیں۔ گانا اور ناچ یہ دونوں تو معیوب ہونا کیا معنی، عین جزو ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کے ہیں، اور ان میں اتنی دلچسپی لینا گاندھی جی کی "مہاتمائیت" کے ذرا بھی منافی نہیں۔ اُن سے بڑے بڑے رشی، سادھو، مہاتما، بلکہ دیوتا اب خود گا چکے ہیں اور ناچتے رہے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور تو اچھے گانے پر فدا تھے۔ اور بین اور مردنگ کے بجانے والوں میں، نام ہندوؤں کے مقدس نوشتوں میں نارد منی، سرسوتی دیوی، اندر دیوتا، بلکہ خود "مہادیو اعظم" شیوجی کے آتے ہیں! — کاش تہذیب اور اسلامی تہذیب کو ایک یا یکساں سمجھنے والے سب ہی عقل سے کام لیں!

بمبئی کا الکشن

"حادثۂ بمبئی" کی داستان، شیعہ پولیٹیکل کانفرنس (لکھنؤ) کے جنرل سکریٹری کے قلم سے:—

"الکشن کے صرف تین روز قبل بمبئی کی ہر سمت و جماعت کے [illegible] حضرات کثیر تعداد و [illegible] حسین بھائی لال جی کے پاس تشریف لائے اور اس امر پر زور دیا کہ وہ صاحب الکشن نہ لڑیں اور مسٹر جناح کے حق میں دستبردار ہو جائیں" (شیعہ آرگن، ۳ دسمبر ۱۹۴۵ء)

گویا منظر یہ پیش نظر تھا۔

خلقے [illegible] آں شہ [illegible] حسرت!

"ہمارے خلاف طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلائی گئیں۔ غلط بیانیوں کے طومار باندھے گئے۔ ہمارے کارکنوں کو دھمکایا اور طرح طرح سے ڈرایا گیا، قتل کر دیے جانے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔"

"دنیا بدلی ہوئی تھی۔ ایک ایسی فضا [illegible]، جس کو جبر و قہر سے تعبیر کیا جا سکتا تھا، فراہم کی گئی تھی۔ جلسے اور جلوسوں کا کیا ذکر، کنوسنگ میں بھی وہ تمام حربے استعمال کیے جا رہے تھے، جو بدترین دکٹیٹریت بھی بمشکل روا رکھیگی۔"

"ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا شخص تھا جو اپنے مینی فسٹو میں شیعی حقوق کی محافظت کا اعلان کرکے میدان میں اتر آیا تھا۔" "جس طرح ہندوستان کی تاریخ میں حسین بھائی لال جی کا الکشن مینی فسٹو شیعی نقطۂ نظر سے اپنی مثال آپ تھا اسی طرح اس شخص کا جن رکیک حربوں سے مقابلہ کیا گیا، وہ بھی اپنی جگہ بے نظیر تھے۔"

"[illegible] کرکے رات کٹی۔ اور وہ صبح آئی جب الکشن لڑا جانے والا تھا.... ہم لوگ [illegible] بجے پہنچ گئے تھے۔ دیکھا کہ پولنگ کے [illegible] مسلم لیگ کے والنٹیروں اور کارکنوں [illegible] پولنگ کا پہلا لازمی نتیجہ تو یہ ہوا کہ [illegible] ووٹر اور کارکن [illegible] داخل ہی نہ ہو سکے، ہم دونوں [illegible] ۱۲ بجے تک حسین بھائی کے کیمپ میں بیٹھ کر [illegible] فسطائیت اور بربریت کا مظاہرہ دیکھتے رہے۔ کسی ووٹر کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ ہمارے کیمپ میں داخل ہو سکے۔"

مظلومیت کی ماتم انگیز روداد دوہری دوہری چوکالمی سرخیوں کے ساتھ اخبار کے [illegible] کالموں میں آئی ہے۔ کچھ زیادہ مبالغہ نہ کیا اس پڑھنے والے نے جس نے پڑھ کر یہ کہا کہ شاید ساری شیعی تاریخ میں حادثۂ کربلا کے بعد یہ دوسرا المی حادثہ اب پیش آیا ہے!

تاریخ ادیان

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (ضلع اٹک) نے لکھتے ہیں:— "تفسیر القرآن جلد سوم کی کتابت بحمد اللہ شروع کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے اُن ادیان کی تاریخ کی ضرورت ہے جو قرآن سے نکلے ہیں۔ اگر صدق میں اسکا ذکر آ جائے تو ممکن ہے، اہل علم اور اصحاب ذوق [illegible] مدد کر سکیں" — "قرآن سے نکلے ہوئے ادیان" یہ فقرہ خود تشریح طلب ہے

سورہ بقر رکوع ۲۴

از عبد الماجد

(بہ سلسلۂ صدق ۔ ۔ ۔)

۱۹۸ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام واذکروہ کما ہدٰکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین ۔	تمھیں اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے ہاں سے تلاش معاش کرو ۔ پھر جب تم جوق جوق عرفات سے واپس ہونے لگو تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسا اُس نے تمھیں بتایا ہے ۔ اور اس کے قبل تم یقیناً (محض) ناواقفوں میں تھے ۔

(حواشی ابتدا سابق)

۲۲۵ (خصوصاً گداگری اور دوسروں کے آگے دست سوال دراز کرنے سے احتیاط) اے اتقوا الاستطعام وابرام الناس والتثقیل علیہم (کشاف) فان خیر الزاد التقویٰ ۔ وجہکم عن السوال (کبیر) اے الاتقاء عن الابرام والتثقیل علیہم (مدارک)

زائروں اور حاجیوں کی گداگرانہ عادت اور جھوٹے توکل کو خاص طور پر روکنا تھا ۔ اس لیے حکم تزودوا کے بعد مزید تاکید کے لیے بہ تصریح اور بڑھا دی ۔ ابھی ارشاد ہوا تھا کہ مصارف سفر کا انتظام کر کے چلو ۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بڑا انتظام یہی ہے کہ راہ میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا اور دوسروں کے لیے باعث گرانی نہ بننا پڑے !

فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ قاعدہ اشارۃ النص سوال کرنے کی ممانعت بھی اس آیت سے نکل آئی ۔ تزودوا واتقوا الاستطعام وابرام الناس فان خیر الزاد التقویٰ ۔ (مدارک)

التقویٰ ۔ لفظ تقویٰ جامع ہے ۔ وسیع مفہوم میں ہر قسم کے ممنوعات سے بچنا اس میں آ گیا ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ زاد سے جب زاد راہ اور زاد عمل دونوں مراد ہو سکتے ہیں ، تو واجب یہی ہے کہ دونوں کا اہتمام والتزام رکھا جائے ۔ لما احتملت الآیۃ الامرین من زاد الطعام وزاد التقویٰ وجب ان یکون علیہما اذ لم تقم دلالۃ علی تخصیص نوع من مراد (جصاص)

۲۲۶ ان احکام کی تکمیل کے باب میں ۔

اہم حکم کے بعد تقوائے الٰہی کی تاکید اسکی دلیل ہے کہ اسلام صرف احکام کی ظاہری تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ چاہتا ہے کہ بندوں کی اصلاح باطن سے ہو ۔ جو بھی نیک عمل انسان کرے وہ صرف اعضاء وجوارح سے نہیں بلکہ ضمیر اور دل کی پاکیزگی کے ساتھ ۔

۲۲۷ (بہ سلسلۂ سفر حج) اسلام جس طرح فلاح اُخروی کا ضامن ہے فلاح دنیوی کا بھی داعی ہے ، اور اس کی یہ جامعیت اُس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہو رہی ہے ۔ وضو ، نماز ، نماز باجماعت ، روزہ ، زکوٰۃ ، سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی ، مادی ، جسمانی ، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں ؟

یہی معاملہ حج کے بارے میں بھی کام کر رہا ہے ۔ حج کا منزل در منزل سفر ، بڑی لمبی طویل ، عرب اور راستہ کے مختلف طبقوں کا ، دنیا کے [illegible] مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں ۔ قرن ہا قرن سے ہے ۔ یعنی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہییں — حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو زندگی دانوں کے لیے آسان نہیں ۔ لیکن اس بین الاقوامی سالانہ "کانگرس" سے جو سیاسی تمدنی اجتماعی فائدے وابستہ ہیں اور اس "بین الاقوامی سالانہ بازار" سے جو مالی تجارتی معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ، انکا اندازہ اور انکا اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے ۔

یہاں خاص طور پر توجہ اس سفر و اجتماع کے معاشی و تجارتی پہلو پر دلائی ہے ۔ اور جو رکاوٹ ایک خالص دیندار شخص کو ان فوائد کے حاصل کرنے سے ہو سکتی ہے ، اُسے دور کر دیا ہے ۔

فضلاً ۔ سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے ۔

یعنی المال وما یکتسب (راغب) ہو النفع والربح بالتجارۃ (کشاف)

لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا ، کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں کے لیے جاتے ، یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ مزدلفہ ، عرفات ، ومنیٰ کے لیے لے جاتے ، سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا ، کہ جہاں تجارت آ گئی ، وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا ؟

قرآن مجید نے اس مغالطہ یا سوء اعتقاد کی تردید کر دی ۔

نزلت ردًا علی من یقول لا حج للتجار والاجراء والجمالین (کبیر) فی ہذا دلیل جواز التجارۃ فی الحج للحاج مع اداء العبادۃ وان القصد الی ذلک لا یخرجہ عن ان یکون حاجاً ولا یمنع عنہ (جصاص) المکلف [illegible] للمفترض علیہ (ابن العربی) یدل علی ان الحج لا ینافی التجارۃ وعلی ہذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ہذا فی مواسم منیٰ ومکۃ فی ایام الحج (جصاص)

[illegible] حسن ، عطاء ، مجاہد ، قتادہ ، وغیرہ تابعین تک بلا اختلاف سب سے یہی تفسیر مروی ہے ۔ روی نحو ذلک من جماعۃ من التابعین منہم الحسن وعطاء ومجاہد وقتادۃ ولا نعلم احداً روی عنہ خلاف ذلک (جصاص) صرف ایک روایت کسی حد تک اس سے مخالف ملتی ہے لیکن محققین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ ظاہر قرآن و اجماع [illegible] کے منافی ہے [illegible]

(بقیہ صفحہ ۱۰)

تقدیر - یعنی حسب تقدیر الٰہی۔

[illegible] بات میں [illegible] پیدا کرنا قرآن مجید کا تو ایک مستقل اعجاز ہے۔ [illegible] بالکل نفع و تجارت، کو بھی اپنے قوت بازو کا ثمرہ [illegible] جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے سب کو [illegible] مسبب حقیقی ان کے لطف و کرم کا ثمرہ سمجھو [illegible] تجارت [illegible] کاروبار میں بھی ہر وقت اسی پر [illegible] عمل کے لیے [illegible] باقی رہ سکتی ہے؟ [illegible] اگر [illegible] تو آخر کب ہو [illegible]

۲۲۸ ۹ ذی الحجہ کی شام کو عرفات [illegible] وقوف [illegible]
[illegible] (۷۲)

حج کے [illegible] واجبات، سنن و مستحبات، تو بہت سے ہیں [illegible] احرام پوشی، ۹ کو [illegible] ارکان میں بھی اہم ترین رکن یہی وقوف عرفات ہے۔

افضتم [illegible] کے لفظی معنی [illegible] (راغب) [illegible] اصطلاح فقہ میں افاضہ عرفات سے مزدلفہ کے سفر کو کہتے ہیں۔

عرفات۔ [illegible] مشرق کی جانب [illegible] اس پر مکہ سے کوئی ۱۲ میل کے فاصلہ پر کئی میل کا رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان پڑتا ہے۔ اور اسکا نام عرفات ہے۔ اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے۔ سطح زمین سے کوئی ۲۰۰ گز بلند۔ سال بھر یہ میدان بالکل سنسان پڑا رہتا ہے، صرف ایک دن یعنی ۹ ذی الحجہ کو اسکی پوری کسر نکل آتی ہے۔ اس روز یہ میدان انسانوں اور انکی سواریوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔

حاجیوں کو ۸ ذی الحجہ کی دوپہر تک منیٰ میں آجانا چاہیے، اور ۹ کی صبح کو بعد اشراق قافلہ عرفات کے لیے روانہ ہو جائیں، تاکہ ۸-۹ میل کا درمیانی فاصلہ دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے لیکر [illegible] حاضری اسی میدان میں دینا چاہیے، اور اسی کو [illegible] یہ حاضری اعمال حج کی جان ہے، اور یہ [illegible] انابت ہی میں صرف ہونا چاہیے۔

قریب غروب مزدلفہ (یا مشعر الحرام) کیلیے کوچ ہونا چاہیے، اور جس طرح آج ظہر کے ساتھ عصر کی نماز (بہ قاعدہ تقدیم) عرفات کی مسجد نمرہ میں ملا لی گئی تھی، اسی طرح آج مغرب کی نماز (بہ قاعدہ تاخیر) آج عشاء سے ملاکر اسوقت پڑھی جائیگی [illegible] مزدلفہ پہونچ جائیں۔

۲۲۹ المشعر الحرام۔ مشعر کے لفظی معنی علامت یا نشانی کے ہیں۔ اور حرام یعنی محترم یا مقدس اسکی تعظیمی صفت ہے۔ نام اس [illegible] مقام کا بھی ہے، جو [illegible] مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے، اور خود [illegible] مزدلفہ کو بھی مشعر [illegible] کہتے ہیں۔

[illegible] المشعر الحرام ہو المزدلفہ [illegible] المشہور

ان المشعر مزدلفۃ کلہا (روح)

مزدلفہ، مکہ سے کوئی ۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ منیٰ سے عرفات کے جانے کا ایک تو سیدھا راستہ ہے۔ [illegible] ۹ [illegible] عرفات جاتے [illegible] راستہ [illegible] دوسرے راستہ سے [illegible] اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے۔ حاجیوں کا قافلہ شب [illegible] کے اول حصہ میں یہاں پہونچ جاتے ہیں، اور رات یہاں تسبیح و تہلیل، نماز و [illegible] میں بسر کرتے ہیں۔ صبح [illegible] کے اوپر ایک قبہ [illegible] علیہ السلام [illegible] مشعر [illegible]
[illegible]

[illegible] المشعر [illegible] خصوصیت کے ساتھ [illegible] مزدلفہ [illegible] محترم ہے۔

[illegible] مزدلفہ کلہا [illegible]

[illegible] مناسک کی تعلیم [illegible] آتشبازی کے لیے [illegible] نہیں، [illegible] تصدیق [illegible] کرنے کے لیے [illegible] الٰہی کیلیے

۲۳۰ [illegible] رسول کے ذریعہ سے، اور اپنے [illegible] طریقوں سے بچو) الجاہلیۃ [illegible] دین و مذہب کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہل مذہب کو شیطان کے ہاتھ سب سے بڑھ کر درپیش رہتا ہے وہ بدعات [illegible] کا ہے۔ انسان اپنے دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت و ذکر الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا، اور انھیں مذہب میں داخل کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دین صرف وہ ہے جو شارع اللہ کی طرف سے پہونچائے۔ یا اپنے اجتہاد سے بتائے۔ یہاں اگر ایک طرف اسکی تاکید ہے کہ برابر یاد الٰہی میں لگے رہو، تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت ہے کہ اس یاد کے طریقے اپنے ایجاد کردہ نہ ہوں، اللہ اور اللہ کے رسول ہی [illegible] ہوئے ہوں۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کیلیے ہے۔

کررہ الامر تاکیدا (قرطبی) [illegible] والامر بالذکر [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا حکم مشعر الحرام میں ذکر کرتے رہنے کیلیے ہو اور دوسرا حکم اہتمام اخلاص کے لیے ہو۔ قیل الاول امر بالذکر عند المشعر الحرام والثانی امر بالذکر علی حکم الاخلاص (قرطبی)

۲۳۱ (عبادات اور ذکر الٰہی کے صحیح طریقوں سے) ضالین ہمیشہ گمراہ ہی کے معنی میں نہیں آتا، ناواقف کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ضلال سے مراد احکام الٰہی سے ناواقفیت ہو سکتی ہے۔ الضلال [illegible] ضلال فی العلوم النظریۃ [illegible] و ضلال فی العلوم العملیۃ کمعرفۃ الاحکام الشرعیۃ التی ہی العبادات (راغب) اور یہاں یہی مراد ہے۔ والمراد من الضالین [illegible] (روح)

اِن یہاں اِن کے معنی [illegible] تحقیق کیلیے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ قد کے مرادف ہے۔ [illegible] وانکم کنتم (روح) [illegible] عند البصریین [illegible] المخففۃ من الثقیلۃ [illegible] من قبلہ من ضمیرہ [illegible] راجع ہے جو ہدا کم

نئے اخبارات

(۱) تنویر (لکھنؤ) چیف ایڈیٹر چودھری خلیق الزماں ... قیمت فی پرچہ ... سالانہ ... روزنامہ ...

اخبارات کثرت سے ایسے ہیں جو اپنے ایڈیٹر کو لیڈر بنا دیتے ہیں۔ لیکن کبھی لیڈر کو بھی لیڈری کے آسمان سے ایڈیٹری کی زمین پر اترنا ہوتا ہے۔ گاندھی جی کی ہریجن اور ... جیون کو کیا نسبت ہے! مولانا محمد علی کی شہرت سے کامریڈ اور ہمدرد کی تعداد اشاعت کا کیا تناسب قائم رہا؟ تنویر کی بھی خصوصیت یہی ہے کہ وہ کسی گمنام ... نوآموز سیاست کی نہیں، بلکہ مسلمانوں کے ایک بڑے ... مشہور لیڈر چودھری خلیق الزماں کی ایڈیٹری میں نکلنا شروع ہوا ہے۔

چودھری صاحب کا شمار تحریک خلافت کے مشہور ... ممتاز کارکنوں میں رہ چکا ہے۔ کامیاب وکالت چھوڑ کر ... ایک ... اسی زمانہ میں کاٹنی پڑی تھی۔ ... کانگریسی حلقوں میں انکی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر انصاری مرحوم کے بعد کانگریس کے "آل انڈیا" ڈکٹیٹر وہی نامزد ہوئے تھے۔ غرض انکا سیاسی تجربہ اور انکی سیاسی خدمات کا دائرہ ... وسیع ہے۔ اور انکی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔

لکھنؤ میں ایک اچھے اور بلند اردو روزنامہ کی ضرورت مدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ خواہ وہ پرچہ کسی خاص پارٹی ہی کا ہو۔ اور الحمدللہ کہ یہ ضرورت تنویر سے ایک حد تک پوری ہونے لگی ہے گو پرچہ کی پالیسی قدرۃً مسلم لیگ ہی کے مسلک کی ترجمانی ہے۔

تنویر کی خبری حیثیت (نیوز سروس) خاصی بہتر ہے۔ علاوہ اورینٹ پریس اور ایسوشی ایٹڈ پریس آف انڈیا ... رائٹر اور ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ جیسی عالمی نیوز ایجنسیوں سے بھی براہ راست خبریں لیتا ہے اس لیے لازمی طور پر اس میں خبروں کا ذخیرہ بھی ... ہوتا ہے، اور اسے انگریزی روزناموں کے توسط کی ضرورت ... ہندوستان میں بھی اسکے وقائع نگار کثرت سے ہیں اور ... (اپنے صوبہ بھر میں علی الخصوص) پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک ضمنی لیکن لازمی نتیجہ ہے۔ اداریے اور مقالے سطحی اور "سنسنی خیز" نہیں، پُر مغز اور پُر معلومات ہوتے ہیں۔ ایک ہلکی سی جھلک ہمدرد مرحوم کی دکھا دینے والے ... مسئلہ ایران وغیرہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے عام ناظرین کی سیاسی تعلیم و تربیت کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے ——— شعور ... کی بیداری کے بعد یہ مقصد بھی اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں۔

ہندوؤں کے ہاتھ میں جو نیوز ایجنسیاں ہیں، انکی خبریں غیر جانبدارانہ نہیں، بلکہ ایک خاص "مشن" کے ماتحت ہوتی ہیں۔ اور اُن کے اونچے انگریزی روزناموں میں تو ... ہندو کو شاید مستثنیٰ کرکے باقی پترکا، لیڈر، نیشنل ہیرالڈ، ہندوستان ٹائمز وغیرہ سب کے سب جرنلزم و صحافت سے کہیں زیادہ پروپیگنڈا و اشاعت ... کے ماہر ہیں، خصوصاً انکے "اسپیشل کارسپانڈنٹ" (وقائع نگاران خصوصی) حضرات اس فن و صنعت گری کے ساتھ خبریں ... "ایجاد" ... کرتے ہیں، کہ ... جھوم جھوم جاتی ہے۔ تنویر اس ... میں ... نہیں۔ اس "علاج بالمثل" پر کبھی کبھی عمل کر لیتا ہے۔ ... البتہ یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ... سیاسی ... کہاں تک جائز ہے۔ یہاں تو صرف اسقدر ... ہے کہ حریف کا جو کامیاب ترین و مؤثر ترین حربہ ہے، تنویر نے ... رکھتے ... رنگ ... دیا ہے! ——— "مطالعہ قرآن" کا ایک ... دلچسپ و پُر معلومات ہوتا ہے۔

... اردو کی عام ... سطح سے ... ایک ... نمایش پسند ... ہے۔ مسلمان کے طنز کی تلوار مسلمان ہی پر چلتے رہنا ... افسوسناک ہے۔ امیرالمومنین حضرت علیؓ ... پڑھتے تھے ... مسلمان ... تاریخ ... ایک امر طبعی ہے۔

ایک خصوصیت ... اشتہارات ... نئی ... اشتہارات کی ... موجودہ فضا میں غیر اہم نہیں ...

مراسلہ

سرسید کا حسنِ خاتمہ

صدق نمبر ۲۸ میں آپ نے "سچی باتیں" کے زیر عنوان، سرسید کے متعلق جو واقعہ درج فرمایا ہے اُسکو پڑھنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ حیات جاوید میں مولانا حالی نے سرسید کو جو محبت حضور سرور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اُسکا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اور اُنکے کچھ اشعار بھی اس میں درج کیے ہیں۔ ایک شعر مجھے اب تک یاد ہے ؎

فدا دارم دل بریاں ز عشق مصطفےٰ دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

اُن کی آخری حالت کیا عجب ہے کہ اسی محبت قلبی کا نتیجہ ہو۔ دلوں کا حال تو وہی خوب جانتا ہے جو "علیم بذات الصدور" ہے۔

نیازمند حافظ محمد عبداللہ وکیل ...

صدق۔ حیات جاوید میں سرسید کے حسن خاتمہ کا بھی ذکر موجود ہے۔

مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ - باہتمام شیخ ...

خانقاہ و خلافت

سیاسیات کا تعلق روحانیات سے

(از مولوی شاہ ابو احمد غلام دستگیر صاحب - گلبرگہ - دکن)

تقویٰ مجمل طور پر وہ قلبی کیفیت اور صلاحیت ہے جو نفسانی خواہشات سے علٰحدہ ہوکر کسی انسان کو نیکی کی طرف رجوع ہونے کے لیے آمادہ کرتی ہے - تقوے کا ادنیٰ درجہ اسی فطری صلاحیت کے کسی نہ کسی درجے پر موجودگی کا نام ہے، جو باوجود ماحول کی گندگی اور سالہا سال کی پامالی کے ختم اللہ علیٰ قلوبہم سے قبل فنا نہیں ہوتی - تقوے کی تدریجی بلندی اسی کیفیت و صلاحیت کی قوت میں مضمر ہے جو تمام نیک و بد حدود کی نگرانی کرتا ہے - اس قوت کا تدریجی حصہ ایمان، عبادات اور عمل صالح پر منحصر و موقوف ہے - حصول فلاح کے لیے ہدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون - کی شرط لگائی گئی ہے - اس تقوے سے مراد یہی ہیں اور کم از کم اسی کی صلاحیت ہونے اور بتدریج لینا کی ہے اولٰئک علیٰ ھدًی من ربہم واولٰئک ہم المفلحون کی بشارت دی گئی ہے -

یہ تقوے کی فطری قوت و صلاحیت انسان کو پس پردہ عالم سے ملائے رکھتی ہے - اس کی پہلی منزل یومنون بالغیب میں قدم رکھنا اور پس پردہ عالم سے آنے والے پر ایمان لانا ہے - ہر نامزد و بار ہونے والا تقوے کی صلاحیت فطری کی بنا پر آپ کی دعوت الی اللہ میں، آپ کی سیرت و کردار میں، آپ کے اخلاق و صفات حسنہ میں، آپ کے عدل و انصاف میں، آپ کی مساوات میں، آپ کے عفو و کرم اور آپ کی شفقت میں، آپ کے عزم و ثبات اور استقلال میں، آپ کے چہرہ پر برسنے والے انوار میں، ایمان و ایقان سے معمور نظر و فکر کی تابانی پر یتلوا علیہم آیاتہ کی تفسیروں کو پاتا ہے - انہی آیات بینات کے تسلسل و تکرار سے حاضر ہونے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے - پھر وہ قرآن و حکمت کو پاتا ہے - لایمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین - الم نشرح لک صدرک اور انا اعطینٰک الکوثر کے انوار سے ہر مومن فیض پاتا ہے - صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ - رسول برحق کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور یہ صحابی کا درجہ رکھنے والا اور رسول برحق کا اقرار کرنے والا سیرت صحابہ سے فیضیاب ہوتا ہے - اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم - قرآن و حکمت سے منازل ترقی پر گامزن ہوتا ہے -

اس عالم کے مصفات پر خاتم النبیین کے اخلاق حسنہ، سیرت و کردار اور سراپا انوار مجسم اور منقش ہیں اور قرآن کی تعلیمات انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون، کلی طور پر محفوظ ہیں - قرآن سیرت و کردار نبوی کی تصدیق کرتا ہے - اور سیرت و کردار نبوی عملی طور پر اسکی تفسیر ہیں - ہر طالب حق، قرآن و سیرت ہر دو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقوے کے ادنےٰ درجے سے بلند مدارج کو پا سکتا ہے - نفوس قدسیہ سیرت و کردار نبوی کے بالفعل ترجمان ہوتے ہیں … ان صحبتوں سے فیض پہنچاتے ہیں -

مجرد فہم و ادراک اور شعور و فکر کا تعلق عالم مادی سے ہے - احساسات و تجربات سے انکی نشوونما ہوتی ہے - انسانی کلام انہی احساسات کی شکل معبودیت آوازہ ہے - تعلیم و تعلم ان تمام احساسات انسانی کے ہزارہا سال کے پیدا کردہ محفوظ تجربات ہیں -

تقوے کا تعلق عالم باطن سے ہے اور عبد و رب کا تعلق بھی تقوے سے ہے - ان تعلقات کی وضاحت آفاق و انفس میں نہیں کلام سے ہے - ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ ہدًی للمتقین، اللہ کا کلام متقیوں کے تعلق سے بصورت نطق آوازہ ہے - اس کلام سے خطاب پر مبنی استطاعت و استعداد، عبد و رب کے تعلقات - روشن ہوتے ہیں - اس علم ہی کے تحت فہم انسانی و جذبات انسانی کی صحیح تربیت نشوونما ہوتی ہے -

کائنات بصورت کائنات انسان کو تغیرات ارضی و سماوی سے اسباب و علل کی کڑیوں میں باہر نہ چڑھاتے ہیں - اور شدید ابہام بغیر اسباب و علل کے انسانوں کی اندرونی و ابتدائی اختیاری قوتوں کو عالم باطن کا انکشاف کرکے تقویت پہنچاتا ہے - استغفار، توبہ و دعا، استجابت و مغفرت اسی راست تعلق کی جہت کا اظہار کرتے ہیں یہاں اسباب و علل اور تدریجی ارتقاء کی تمام نظر آنے والی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں، اور مجرد عقل والے یہاں حیران و سرگرداں ہیں انبیاء کی نبوت کسب نہیں ہوتی - یہ فطری صلاحیتوں کو بیدار شدہ طاقت نہیں - یہ وہ قوت نہیں جو سوتی ہے اور پھر بیدار ہوتی ہے - یہ بیدار ہی بیدار رہتی ہے - وکذٰلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولٰکن جعلنٰہ نورا نہدی بہ من نشاء من عبادنا - یہی روح اور نور ہے جو اللہ اور اسکے رسول سے ایمان لانے والے پاتے ہیں - او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا -

تزکیہ بالقویٰ قوتوں کا باطن سے محفوظ شدہ کیفیات اور مسلسل طاری ہونے والی کیفیات سے آجاگر ہوجاتا ہے - اس مقام پر علم الیقین، باطن سے حق کی عطاء کو پاکر، توانا ہوتے ہوئے کائنات پر حاکم اور متصرف نظر آتا ہے - مادیات سے آگے کا تصور نہ توانا ہے یعنی اس کائنات پر حاکم و متصرف نظر آتی ہے یہ فکر اور ذکر مسلسل ہے - الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبہم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض، ربنا ما خلقت ہٰذا باطلا سبحٰنک فقنا عذاب النار - عبد و رب کے ان تعلقات کی استواری اور تزکیہ سے تمام نفسانی خواہشات جاہ، دولت و حکومت مٹ جاتے ہیں - ورنہ الہٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر سے بچ جاتا ہے -

انسانی نظروں کے آگے اس عالم کی رنگا رنگی اور نفوس انسانی کا ایک طوفانی سمندر موجزن ہے - اندرونی قوتوں کی بیداری کے بعد اس عالم مادی سے ان اُجاگر شدہ قوتوں کا تقاضا ہوتا ہے - دل سے اٹھنے والا قوت جو نفوس انسانی کو

باطل کی تاریک گھٹاؤں سے نور وحدت حق کی طرف لانا چاہتا ہے۔
دوسرا رخ یہ ہے جو عالم مادیات میں عالم انوار کی پیدائش کا تقاضا کرتا ہے
انسان صرف وحدت ہی کا مطالعہ نہیں کرتا۔ ایک اور رخ
[illegible] ہے۔ اشیاء کائنات کے خواص وصفات اور نفوس انسانی
کے مدارج ہیں۔ ان مدارج میں بلند ترین مدارج رسالت وخلافت
[illegible] اور [illegible] ہے۔ یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک
[illegible] اللہ کے نور کے پھیلانے میں جد وجہد نہ کرے۔ اسی جد وجہد کے
[illegible] نفس انسانی کا [illegible] تزکیہ ہوتا ہے جس سے انسانیت کے بلند مدارج
[illegible] کھلتے ہیں۔ انھیں مدارج کی کشادگی جنت کے مقامات بلند
[illegible] ہیں۔ بغیر اس جد وجہد کے کسی انسان پر رسالت وخلافت
[illegible] بلند کا انکشاف نہیں ہوتا۔ ان ہی اسرار کا انکشاف
[illegible] ہے۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔

تزکیہ کی ابتدا نور سے ہے۔ ولقد انزلنا الیک آیات بینات
و مثلا من الذین خلوا من قبلکم وموعظۃ للمتقین۔ اللہ نور السموات و
الارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح، المصباح فی زجاجۃ،
الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ
ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٓئ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور یھدی اللہ لنورہ
من یشاء۔ اس نور کا نہ پانا اور تاریکیوں میں رہ جانا ظلمات
[illegible] یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق
بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراہا ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ
من نور۔ اس نور کو پا جانے کے بعد مقامات بلند کو پانے کے لیے
[illegible] یاایہا الذین آمنوا لا تتبعوا خطوات الشیطان ومن یتبع
خطوات الشیطان فانہ یامر بالفحشاء والمنکر، ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ
ما زکیٰ منکم من احد ابداً ولکن اللہ یزکی من یشاء، واللہ سمیع علیم۔ جو اس
[illegible] اور اس کی توفیق وتفضل سے محروم رہا اس کے لیے
واتل علیھم نبأ الذی آتینٰہ آیاتنا فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطان فکان
من الغاوین۔ ولو شئنا لرفعنٰہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ہواہ
فمثلہ کمثل الکلب، ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث کی وعید ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

اسلام بنی نوع انسان کو اللہ کی طرف دعوت دینے میں فطرت
[illegible] قلب کا تزکیہ کرتا ہے جس سے وحدت کا انکشاف
[illegible] اور کثرت کی طرف اسی نور میں عقل کو متوجہ کرتا ہے۔
[illegible] کے اس امتزاج سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔
[illegible] میں اسرار کائنات کو آشکارا دیکھنے کے لیے جذبات
[illegible] کا ایک طوفان پوشیدہ ہے۔ ان ہی اسرار کے کھلنے
[illegible] نور میں جاتا ہے اور نور کی طرف دوڑتا ہے جس سے [illegible]
[illegible] اور محبت غیر محسوس [illegible] ہے۔ یہی [illegible]

اور مومنین کی خوشی اسی نور کے پھیلانے اور باطل کے مٹانے [illegible]
چھپا [illegible] میں ہے۔ تشریحات [illegible] ذہن انسانی کی [illegible] کے
[illegible] ہوتے ہیں [illegible] اس کے [illegible] ہوتا ہے لیکن
[illegible] شوق کی پیدائش [illegible] نور کی [illegible]
تزکیہ نفس اور تصوف سے [illegible]
[illegible] عقل کے مطابق نہیں نظر آتے [illegible] کائنات غیر مقصود
کی طرف دوڑاں معلوم ہو۔ قل اکمل [illegible] آیا تو [illegible] انتشار
[illegible] ہوتا ہے جس کو آخرت کی خبر نہ ہو۔ حبیب دین اللہ
جو اہل دین ہے دنیا میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان میں یہ بات
داخل کردی کہ جس طرح اہلیت ان کے ہاتھوں میں ہے اسی طرح
آخرت بھی انھیں کے ہاتھوں میں رہیگی۔

اسلام کے انوار زندگی کی ہر شاہراہ پر رچ بس گئے ہیں اور
اسلام میں ہر داخل ہونے والا ان قوتوں کو پا جاتا ہے۔ علمائے حکمائے
متصوفین اور نفوس قدسیہ ان انوار کو پھیلا رہے ہیں۔ تمدن وتہذیب
کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں اسلام ہی مساوات انسانی کا، حسن اخلاق
کا، سیاسی ومعاشی اصول [illegible] کا، ایثار وقربانی کی تعلیمات
کا، توحید کا، رسالت کا، [illegible] علمبردار ہے۔ کلمۂ توحید نے عالم
انسانی سے اپنی مسلسل سعی وتبلیغ میں کروڑوں نفوس چن لیے۔
تعلیم وتزکیہ سے نفوس کو تہذیب اسلامی سے آراستہ کیا، اخلاق حسنہ
سے سنوارا۔ سیرت وکردار کے اعلیٰ نمونے تیار کیے، صفحۂ عالم پر
انسانیت کے وہ درخشاں نقوش منقش ومرتسم کیے کہ ہر نفس انسانی
غیر شعوری طور پر ان ہی راہوں کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے،
اور راہوں کو متعین کرنے کی سعی کرتا ہے۔

قوانین الٰہی کے تحت کوئی قوم کسی دوسری قوم پر مسلط ہو جاتی
ہے تو مغلوب وشکست خوردہ قوم آہستہ آہستہ اجتماعی وسیع دائروں
سے محدود دائروں میں گرفتار ہوتی جاتی ہے۔ اس کا نظریہ حیات جو قوم
کی قوم کو زندہ رکھتا ہے معاشی حدود کی طرح سکڑتا ہوا محدود حصوں
میں مقید ہو جاتا ہے۔ یہی مقید نظریہ حیات کو انقلابی دور کا پیدا
کرنے والا اور حیات تازہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

اسلامی نظریۂ حیات اور تزکیۂ نفس کا پہلو جو [illegible] اجتماعات
میں ہر پہلو پر حاوی تھا، سکڑتا ہوا محدود دائروں اور حصوں میں
مقید ہوتا گیا۔ بہت سے حلقے آہستہ آہستہ شیطان کے مکر وفریب سے
اخلد الی الارض واتبع ہواہ کے تحت شکار ہوگئے۔ لیکن جن کے پاس
آیات وبینات اور قرآن وحکمت ہے وہ لاتتبعوا خطوات الشیطان سے
مکرر انقلاب کے علمبردار ہونگے۔ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا
الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم
دینہم الذی ارتضیٰ لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا، یعبدوننی لا یشرکون بی
شیئاً۔

علماء کرام اور سیاسیات

ایک بیجا اعتراض کا جواب

مولانا عبد الماجد دریابادی نے صدق کی ایک تحریری اشاعت میں لکھا تھا کہ موجودہ سیاسی مسئلہ کا حصر علماء پر کردینا ان عزیزوں پر ظلم کرنا ہے۔ اس لیے کہ مسئلہ تمامتر سیاسی ہے نہ کہ فقہی یا کلامی یا تفسیری۔ جس کا تعلق کیسر تجربہ اور بنوی بصیرت سے ہے، نہ کہ کسی تفسیرت۔

اس حقیقت سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ مولانا کے کہنے کا مدعا یہ نہ تھا کہ جو علماء دین دور حاضر کے دستوری مسائل سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ انکی سیاسی رائے کو محض اس لیے بے قیمت سمجھ لیا جائے کہ وہ علماء دین ہیں۔ مدعا صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کی زندگیاں کتاب و سنت کے اور ان کے مطالعہ کے لیے وقف رہیں اور مروجہ دستوری مسائل کے متعلقات سے واقفیت حاصل کرنے کا انھیں موقع نہ ملا۔ انکو اس بارے میں سند بنانا مناسب نہیں۔

علماء وکلا دائرہ

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا عبد الماجد نے کتاب و سنت میں مشغولیت کا احترام ملحوظ نہیں رکھا تھا اور مروجہ دستوری پیچیدگیوں کے جاننے والوں کی ستائش فرمائی تھی۔

اگر کوئی معاملہ تعزیرات ہند سے یا دوسرے مروجہ قوانین سے تعلق رکھتا ہے تو اسکے متعلق مشورہ کے لیے کسی قابل بیرسٹر اور قانون داں ہی سے رجوع کیا جائیگا، علماء دین سے مشورہ نہیں کیا جائیگا۔ آپ موجودہ وکالتوں اور عدالتوں کے متعلق جو چاہیں فرمائیں، لیکن معاملہ محض ایک چیز سے آگاہی اور خبرداری کا ہے۔ خواہ وہ امر کتنی ہی نادرست ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار پڑیگا تو کسی طبیب ہی سے رجوع کیا جائیگا، علماء کرام کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا جائیگا۔ اور اس رجوع کی بنا پر یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جائیگا کہ دیکھیے دین و سیاست میں علیحدگی کا فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ علماء کرام فقہ و تفسیر و حدیث میں سند بن سکتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ ہر علم اور ہر دائرہ میں ان کی حقیقت تسلیم کی جائے۔

حضرت خالد بن ولید کی مثال

مولانا عبد الماجد نے محض برسبیل تذکرہ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ فن حرب کو خالد بن ولید ہی بہتر سمجھتے تھے، گو علم و فضل، زہد، تقوے اور عبادات میں ... دوسرے صحابہ ان سے بڑھ کر تھے۔ اس پر نکتہ چینی ...

... کتنی بغزش ہوئی

فاروق اعظمؓ نے ... حضرت خالدؓ بن ولید کو سپہ سالاری سے ہٹا کر امین امت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو سپہ سالار بنا دیا اور علم و فضل اور تقوے کو فن حرب پر ترجیح دی!

لیکن معزز معترض نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس ترجیح کی ابتداء حضرت صدیق اکبرؓ ہی سے ہوئی جنھوں نے حضرت ابو عبیدہ کے علم و فضل و تقوے پر حضرت خالد کے مہارت فن حرب کو ترجیح دی!

حضرت ابو عبیدہ کا مقام

مولانا عبد الماجد کا یہ ہرگز منشا نہ تھا کہ صحابہ کرام کے پورے مجمع میں صرف حضرت خالد بن ولید ماہر فن حرب تھے۔ باقی تمام بزرگ اس فن سے ناآشنا تھے۔ نہ ان کا مدعا یہ تھا کہ معاذ اللہ حضرت خالد علم و فضل و تقوے سے عاری تھے۔

اور میرے معزز معترض کو کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو عبیدہ محض صاحب علم و تقوے تھے اور فن حرب نہیں جانتے تھے۔ خود عہد مبارک نبوی میں حضرت ابو عبیدہ کئی مرتبہ سالار لشکر بنے۔ مثلاً غزوہ ذات السلاسل میں انکی فوج کا منصب سالاری انھیں کو حاصل تھا۔ سریہ "سیف البحر" (۸ھ) میں تین سو صحابہ کے سرخیل وہی تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں حمص پر جو لشکر بھیجا گیا تھا اُسکے سپہ سالار بھی حضرت ابو عبیدہ ہی تھے۔ اس زمانہ میں حضرت خالد عراق میں تھے۔ البتہ بعد میں سمت شام کی ساری فوجوں کا سالار اعظم حضرت خالد کو بنایا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ منصب حضرت خالد کی جگہ حضرت ابو عبیدہ کے حوالہ کر دیا یہ محض علم و تقوے کی بنا پر نہیں فن حرب کی بنا پر بھی۔

افضل و مفضول کی بحث

باقی رہی افضل و مفضول کی بحث تو غزوہ ذات السلاسل پر انکی فوج نے حضرت صدیق اور حضرت فاروقؓ حضرت ابو عبیدہ کے تابع تھے۔ پھر یہ لشکر حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس پہونچا جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس طرف بھیجا تو سارے لشکر نے حضرت عمرو بن العاص کی ... قبول کی حالانکہ کوئی مسلمان نہیں کہ سکتا کہ باعتبار علم و فضل و تقوے حضرت صدیق، حضرت فاروق یا حضرت ابو عبیدہ عمرو بن العاص سے افضل نہیں تھے۔ غرض مولانا عبد الماجد نے جو کچھ فرمایا تھا اس پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں تھی نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً

فن حرب اور مقاصد

فن حرب یقیناً ایک عام فن ہے ضروری نہیں ہر صاحب علم و فضل و تقوے اسکا ماہر ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر فاسق و فاجر کافر اس سے محروم ہو۔ ... تقوے کے لحاظ سے ... مسلمان بھی نہیں تھا لیکن اسکی مہارت فن حرب سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اولین قابل توجہ امر مقاصد جنگ ... دنیاداروں کے مقاصد یقیناً وہ نہیں ہو سکتے جو دیندار ... رکھتے ہیں لیکن حضرت خالد اور حضرت ابو عبیدہ کے مقاصد میں کوئی فرق نہ تھا۔ بیشک حضرت ابو عبیدہ زیادہ صاحب تقوے تھے، لیکن

... الله ... بالقول ... پر اوقات ... [illegible] ... سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو ... [illegible]

ایڈیٹر: عبد الماجد

پتہ :- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب : حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:

محمد عبد الرؤف عباسی منیجر صدق

مرشد آباد بلڈنگ ... گولا گنج ... لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی [illegible]

بیرون ہند سے [illegible]

[illegible]

ٹیلیفون نمبر [illegible]

صدق

(رجسٹرڈ نمبر [illegible])

جلد ۱۱	یوم چہارشنبہ ۱۳ - محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق ۹ ... ستمبر ۱۹۵۵ء	نمبر ۵۹

سچی باتیں

[illegible] ... کراچی ... [illegible] ... پچھلے ... [illegible]

[illegible] ... لوگوں ... [illegible]

[illegible] ... ہزاروں ... [illegible]

[illegible] ... اور ... [illegible] ... ہو گئے ... [illegible]

[illegible] ... سمندر ... [illegible]

[illegible] ... رہتے ہیں۔

[illegible] ... انسان ... [illegible] ... اور ... [illegible] ... مکان اور درخت ... لوگ ... ہوا ... دکھڑا ... ہوا ... ہو اسے پہاڑ ... سینہ والے مردوں اور عورتوں اور بچوں کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا! اللّٰھم احفظنا۔ جو بچ گئے انھوں نے اپنے گرد و پیش لاشوں کا انبار پایا۔ کچھ سسکتی ہوئی اور کچھ بالکل سرد! پینے کے پانی کا ایک قطرہ بھی اب کہاں تھا۔ کوئی پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا، اور کسی نے سمندر کا نیم زہریلا پانی پی پی کر جان دے دی ... اگر قوموں پر عذاب الٰہی نہیں آتے اور انسان کی ساری عذاب ... [illegible] ... نہیں آتی، تو کیا نمونہ عذاب سے بھی ہم بے فکر ... ہوئے ہیں؟

[illegible] ... اور ... [illegible] ... تھے اور ... [illegible]

[illegible]

ایک خواب

ایک صاحب جو سرکاری ملازم ہونے کے ... [illegible] ... دیندار ... [illegible] ... اور ... [illegible] ... حضرت شیخ ... [illegible]

[illegible]

"کل بروز چہار شنبہ ۱۹ ۔ ذی الحجہ کو بوقت سہ پہر خواب میں دیکھا کہ ایک غیر آباد جگہ میں جہاں کہ سبزہ اُگ رہا ہے، کپڑے کی قنات لگی ہوئی ہے اور قنات کے اندر فرش ہے اور چار مرد مسلمان بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اندر رسول اللہ صلعم کا دربار ہے۔ اور مولانا حسین احمد صاحب اور مسٹر جناح دونوں دربار حضور انور میں اپنا اپنا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔ گفتگو کی آواز باہر آرہی ہے۔ لیکن میں سمجھ نہ سکا۔ میرے پاس کسی نے کہا کہ مولانا نے رسول اللہ صلعم کے روبرو مسٹر جناح کو قائل کر دیا۔ میں فوراً ہی بیدار ہو گیا۔ زبان پر کلمہ طیبہ جاری تھا، اور دربار دیکھنے کی حسرت تھی، گھڑی میں ۳ بجے کے قریب وقت تھا۔ مجھے حضور کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ لیکن کسی طرح یہ ذہن میں ہے کہ مجمع بہت کافی ہے۔ اور آپ کے سامنے دو لائن میں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں، حضور جس لائن میں ہیں، مولانا بھی اسی لائن میں کرسی پر زرد عبا پہنے بیٹھے ہیں اور سامنے کی لائن میں مسٹر جناح بھی کرسی پر گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے بیٹھے ہیں۔ امید ہے کہ تعبیر سے مطلع فرمایا جائے۔"

تعبیر ایک مستقل فن ہے، اور اس خواب کی بھی تعبیر کوئی صاحب فن ہی دے سکتا ہے۔ ایک عامی کی حیثیت سے صرف اتنی گزارش کی گنجائش ہے کہ خواب مبارک بہر صورت ہے۔ دربار نبوی کی حاضری محض دور سے ایک تماشائی کی حیثیت سے بھی بجائے خود ایک نعمت ہے۔ دربار میں فریقین کی حاضری اور مکالمت اس اصل حقیقت کی ترجمان ہیں کہ اختلافات جو کچھ ہے وہ اجتہاد اور بصیرت کا ہے۔ ضلالت محض اور بے دینی میں کوئی فریق بھی مبتلا نہیں۔

باقی ظاہر ہے کہ خواب شریعت میں کوئی حجت نہیں، مولانا کا شمار صالحین و ابرار میں ہونا بغیر اس خواب کے بھی ایک امر واقعہ تھا۔ لیکن سیاسی مسائل میں اجتہاد کا صحیح ہونا اس خواب کے بعد بھی لازم نہیں آتا۔ اجتہادی غلطیاں بڑی سے بڑی، صحابہ تک سے ہوئی ہیں (جن سے بڑھ کر متقی امت میں کسی کا ہونا ممکن نہیں) لیکن اس سے اہل سنت کے عقیدہ میں اُنکے شرف صحابیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہو جاتا۔

رہبر لفافہ

"لندن ۔ ۲۷ ۔ اکتوبر ۔ مشہور برطانوی سائنٹسٹ اولیور لاج جو ایک مشہور روحانی لیڈر اور سائکیکل ریسرچ سوسائٹی کے صدر بھی تھے، اگست ۱۹۴۰ء میں جب اُنکا انتقال ہوا تو وہ ایک بند لفافہ جسکے مضمون کا علم بجز اُنکے کسی کو نہیں، برٹش نامور سائنٹسٹ ڈاکٹر ربلے کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اور کہہ گئے تھے کہ جب چند اہل علم حلقہ بنا کر بیٹھیں گے، اور اُن میں کوئی میڈیم (عامل) بھی ہوگا، تو میں اس لفافہ کا مضمون دوسرے عالم سے القا کر دونگا، اس میں کوئی سال بھر تک کی مدت لگیگی۔ مسٹر برڈل، سوسائٹی مذکور کے موجودہ صدر نے کہا کہ اب سر لاج کی موت کا بہت زمانہ گزر چکا، ابھی تک کوئی پیام موصول نہیں ہوا ہے، لفافہ کھولنے کی بابت سوچا جا رہا ہے۔ ممبران سوسائٹی خود اس کے متعلق پر غور کر رہے ہیں"

(نیوز آف دی ورلڈ، لندن ۔ ۲۰ ۔ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

یہ بات یقیناً عام طور پر معلوم نہ ہوگی کہ یورپ میں مدت سے ایک گروہ عالم برزخ کے مشاہدات و مکاشفات سے متعلق تحقیق میں لگا ہوا ہے، اور اسکے لیے اپنی ذہنیت اور مذاق کے لحاظ سے طریقہ "سائنٹفک ریسرچ" کا اختیار کر رکھا ہے۔ بعض بڑے بڑے نامور سائنس داں بھی اس میں شریک ہیں، اور سر اولیور لاج اس تحریک کے زبردست علمبردار تھے۔ روحانیت کی طرف متوجہ یہ لوگ ہوتے بھی ہیں جب بھی اسی مادیت کی آلودگی میں رہ کر، اور نقش، فال وغیرہ عملیات کی سطح سے جب بھی اونچے نہ ہو سکے!

نیا محاذ جنگ

لکھنؤ سے ایک عالم دین کا خط میونسپل الیکشن کے دن (۲۷ نومبر کو):۔

"آج الیکشن کا دن ہے۔ ہاہمی کا زور ہے۔ میدان خوب آراستہ ہوگا، ایک فریق اکثریت کو سواد اعظم کا مرادف بنا کر خوش ہو رہا ہے، دوسرا فریق اپنی اقلیت ہی کو دلیل حق بنائے ہوئے ہے ..... سیاسی اختلافات کو مذہبی اختلافات کی حد تک پہونچا دیا، اور اس ایک فریق کی طرف سے کیسا کیسا غیر شریفانہ گالی گلوچ خاص مسلمانوں کے اندر۔ کیا کہیے، کتنے رونے کی بات ہے۔"

اختلافات کے بھی حدود ہیں اگر اس پر جوش فضا میں فریقین کی سمجھ میں آجائیں، تو پھر رونا کس بات کا ہے، اور گالی گلوچ اور سب وشتم کی نوبت ہی کیوں آنے لگے! اصل مصیبت ہے کہ جو دین کے حقائق ہیں، جو احکام و مسائل شریعت کے بنیادی ہیں، انکی طرف سے تو کیسر غفلت، بیحد تساہل بلکہ بے حسی ہے۔ اور جن چیزوں کا تعلق اصلاً دین سے نہیں، بلکہ جو محض تجربہ و بصیرت، کی چیزیں ہیں، اُن پر زور و شور، اور ان میں تشدد و انہماک!

جامۂ بے لباسی

"ملبورن ۲۷ ۔ اکتوبر۔ غسل سمندری کا نیا زنانہ لباس جو فرانس سے چل کر اب یہاں پہونچا ہے، اُس نے سارے ملک آسٹریلیا میں شدید بیزاری کی لہر دوڑا دی ہے۔ سڈنی کی حکومت نے اُس کا پہننا پہلے ہی جُرم قرار دیدیا، اور اب برسبین کی عدالت میں ایک ۱۹ سالہ عورت کا مقدمہ پیش ہوا ہے، جو اُسے پہن کر سڑک پر نکلی تھی۔ چوراہے پر مجمع لگ گیا، اور پولیس والے اسکے لیے چادر اور کوٹ لے کر دوڑے" (نیوز آف دی ورلڈ۔ لندن۔ ۲۸ ۔ اکتوبر)

جس "ترقی" کے قدم ہندوستان سے بہت آگے آسٹریلیا پہونچ گئے اسے ہندوستان کے اندر قدم رکھنے اور قدم جمانے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے؟ اور پھر یہ عدالت و پولیس کی قید و بند کے دن ہیں؟ ——— اور صیغہ کو مستقبل میں کیوں رکھیے؟ اب کب، صیغۂ حال میں یہ ترقیاں، ہندوستان سے جُدا رہیگا نہ ہیں؟ کم از کم لاہور اور بمبئی کے دیکھنے والے تو کچھ ایسا ہی بیان کرتے ہیں!

بلا تبصرہ

لندن کے ایک مشہور روزنامہ کی ایک ہی تاریخ کے پرچہ سے دو خبریں، بلا کسی تبصرہ اور حاشیہ کے :-

"شمپین (اعلیٰ قسم کی شراب) کے ۱۲-۱۳ پونڈ والے ۳ ہزار کیس فرانس سے ہمارے بندرگاہ واکسٹن پر پہونچ چکے ہیں (یعنی ۳۶ ہزار بوتلیں) - اور باقی اور آنے والے ہیں - کُل کیسوں کی میزان رقم ۴۰ ہزار پونڈ ہے - (یعنی ۴ لاکھ ۸۰ ہزار بوتلوں کی)" (ڈیلی ایکسپریس، ... اکتوبر ۴۵ء)

"لندن کے ایک اہل قلم کے قلمی معاوضہ کی بڑی رقم ایک تجارتی کمپنی کے ذمہ باقی تھی - کمپنی نے کہا کہ اب وہ معاوضہ بجائے نقد کے برانڈی (شراب) کی بوتلوں کی شکل میں دیا جائے گا" (ایضاً)

قصۂ لیلیٰ مجنوں

دکن سے ایک صدق نواز لکھتے ہیں :-

"حال میں روزنامہ پیام میں فلم لیلیٰ مجنوں پر جو تبصرہ دو کالم کا ایک گریجویٹ خاتون کے قلم سے نکلا ہے، معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں - ان خاتون نے اصل فلم پر تبصرہ تو برائے نام ہی کیا ہے، تمامی قدردانی کا ثبوت لیلیٰ مجنوں کے اصل قصۂ عشق و محبت کا دیا ہے - اور ان دو روحوں کی پاک اور بے غرض محبت کو خوب خوب سراہا ہے - عبارت میں رنگینی قدرۃً آگئی ہے - اور پیام پر کسی فلمی پرچہ کا دھوکا ہونے لگتا ہے - کیا آپ خود اس تبصرہ کو بلا تبصرہ رہنے دیں گے"؟

آپ نے بھی کمال ہی کیا، "آرٹ" اور "حسن لطیف" کی بحثوں میں ایک خشک اور بدمذاق قلم کو الجھا کر آپ اُس سے کچھ کہلوانا چاہتے ہیں؟ تبصرہ کے لیے صفحات پیام کا انتخاب تو سرتاسر قابل داد اور ناقدہ کے حسن ذوق کی دلیل ہے نہ کہ اسکے برعکس کی۔ لیلیٰ اور مجنوں دونوں پر حق اُنکے نئے "ڈائری نویس" اور "خطوط نگار" سے بڑھ کر اور کس کا ہو سکتا ہے؟

عرفت ربی بفسخ العزائم

قارئین صدق کو پورے ایک ہفتہ بلا کسی سابق اطلاع کے پرچہ نہ پہنچنے سے جو تکلیف ہوئی ہوگی، اس کے لیے انکی معذرت بہ صد ادب معافی طلب کی جاتی ہے - ادھر مسلسل ایسی اصلاحی دشواریاں پیش رہیں کہ پرچہ شائع نہ ہو سکا - اب یہ پرچہ دو اشاعتیں ملا کر (یعنے چہارشنبہ ۶ محرم اور چہارشنبہ ۱۳ محرم کا ساتھ ہی ساتھ) کُل ۱۶ صفحہ کا شائع کیا جا رہا ہے - درمیان میں ۹ محرم کا پرچہ بھی نکلنا چاہیے تھا، پہلے دفتر صدق کا ارادہ تعطیل محرم لینے کا نہ تھا - لیکن پریس کی خرابیوں کے باعث یہ تعطیل لینی بھی ناگزیر ہوگئی - امید ہے کہ قارئین صدق دفتر کی معذوریوں کو پیش نظر رکھ کر اس تاخیر کو معاف فرمائیں گے - انشاء اللہ آیندہ پرچہ کی اشاعت میں تاخیر نہ ہونے پائیگی اور پرچہ حسب معمول شنبہ اور چہارشنبہ کو (سہ شنبہ کے بجائے) شائع ہوتا رہیگا۔

مہتمم صدق

نئی کتابیں

(۱) **حبیب خدا** - از ابوالحسن محبی صاحب تقطیع خورد، ضخامت ۱۰۴ صفحات، قیمت ... پتہ، بچوں کا بکڈپو، کلاں محل - دہلی۔

بچوں کے لیے سہل زبان اور دلچسپ انداز میں سیرت نبوی و احوال صحابہ پر محبی صاحب اس سے قبل بھی کئی بار کامیابی کے ساتھ رسالے تحریر کر چکے ہیں - زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں چیزیں تو وہی ہیں جو سیرت نبوی کی دیگر کتب میں ملتی ہیں، لیکن طرز بیان سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ اچھا اور بچوں اور کم استعداد والوں میں قبولیت حاصل کرنے والا ہے - سیرت نبوی کے ذکر کے بعد امہات المومنینؓ کا مختصر تذکرہ اور "کچھ باتوں" کے عنوان سے چالیس مختصر احادیث نبوی کا ترجمہ بھی درج ہے۔ (ع - ق)

(۲) **الطریقۃ الجدیدہ** - (جزو اول) از مولانا محمد ناظم ندوی استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ ضخامت ۱۴۸ صفحات - قیمت درج نہیں پتہ، ادارۂ تعلیمات اسلام، ۲۹ امین آباد پارک لکھنؤ۔

یہ رسالہ ۳۸ سبقوں پر مشتمل ہے - عربی زبان سکھانے کے لیے اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ بغیر قواعد کے مسائل کا ذکر کیے جملوں ہی کے ذریعہ ہر سبق میں کسی نہ کسی قاعدہ کی مشق کرا دی جائے - شروع کے سبقوں میں متفرق جملے ہیں اور آخر کے سبقوں میں مسلسل مضامین اور حکایات - رسالہ ان طلبہ کے لیے خاص طور پر نافع ہے جو عربی زبان کی تحصیل، براہ راست عربی ہی زبان کی وساطت سے کرنا چاہتے ہیں - (ع - ق)

(۳) **محمد علی جناح، اے پولیٹیکل اسٹڈی** (انگریزی) از سید مطلوب الحسن - باتصویر - ضخامت ۴۳۹ صفحات قیمت ۱۲/۸ پتہ، شیخ محمد اشرف تاجر کتب انگریزی، کشمیری بازار - لاہور

مسلم رہنمایان قوم کے سوانح و سیاسی کارناموں کے متعلق جب اردو ہی میں کتابیں اس قدر کم ہیں تو انگریزی میں انکے فقدان کا رونا کیا رویا جا سکتا ہے - ہندو لیڈران جواہر لال، گاندھی جی وغیرہم کے بارے میں ایک دو نہیں، متعدد کتابیں اور کتابچے ہزاروں کی تعداد میں شائع اور فروخت ہوتے رہتے ہیں، ہندوستان کے اندر بھی اور ہندوستان کے باہر بھی - ادھر مسلمان لیڈران میں مولانا محمد علی کی سی عظیم المرتبت شخصیت کی بھی کوئی سوانح حیات انگریزی میں موجود نہیں، پھر اوروں کا کیا ذکر - لیکن اب مسلم لیگ کی جد و جہد نے مسلمانان ہند میں جو ملی و سیاسی شعور پیدا کر دیا ہے، اسکا خوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد اور انکے قائدین کے متعلق بھی اِدھر دو دنوں میں کتابوں کی اشاعت شروع ہوگئی ہے - شیخ محمد اشرف تاجر کتب انگریزی مسٹر جناح کی تقاریر کا مجموعہ اس سے قبل شائع کر چکے تھے - موجودہ کتاب جو مسٹر جناح کے سیاسی کارناموں کی مفصل

و مستند ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب اُنھوں نے اسے ایک کتاب کے ساتھ شایع کیا ہے۔ یو۔پی کے ایک نوجوان سید مطلوب الحسن [illegible] نے جو عرصہ تک مسٹر جناح کے پرائیوٹ سکریٹری [illegible] کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب مسٹر جناح کی [illegible] حیثیت تو نہیں رکھتی [illegible] خصوصاً [illegible] کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلم انگریزی خواں [illegible] کہ اس میں وہ سب کچھ آگیا ہے جسکے جاننے کی [illegible] میں انکو ضرورت ہے۔

اصل کتاب ۲۹ ابواب میں منقسم ہے۔ اسکے بعد ضمیمے [illegible] مسٹر جناح کے چند خطبات صدارت مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کے [illegible] وغیرہ شامل ہیں۔ ایک اشاریہ (انڈکس) شامل ہے۔ [illegible] خواجہ ناظم الدین سابق وزیر اعظم بنگال کے قلم سے [illegible] پیش لفظ ہے۔ مسٹر جناح کے [illegible] مجموعہ میں شامل ہیں۔

کتاب کے مندرجات کے استناد کے [illegible] یہ امر کافی ہے کہ اس کی ترتیب ایک ایسے شخص نے کی ہے جو عرصہ تک مسٹر جناح کا معتمد علیہ اور پرائیوٹ سکریٹری رہا ہے اور ظاہری خوبیوں کے لیے شیخ محمد اشرف صاحب ناشر کا نام کافی ہے۔ (ع ۔ ق)

(۴) اسرار حیات ۔ از ڈاکٹر ایشور اٹوپا (ڈی فل) [illegible] ۱۷۱ صفحات ۔ قیمت درج نہیں ۔ ملنے کا پتہ، اُنگو اکاڈمی حیدرآباد دکن۔

جنوبی ہند کے صوبہ آندھرا میں ایک صوفی منش غیر مسلم ویمنا نامی گزرے ہیں، جنکو جنوبی ہند میں غالباً وہی حیثیت حاصل ہے جو شمال میں کبیرداس کو حاصل رہ چکی ہے۔ ان کا مجموعہ کلام، جیسا کہ بعض ریسرچ کرنے والوں کا خیال ہے، ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ایک فاضل ڈاکٹر ایشور اٹوپا [illegible] اردو میں اس سے قبل بھی چند محققانہ کتابیں لکھ چکے ہیں [illegible] اردو زبان میں پہلی بار ویمنا کے کلام اور پیام سے اردو خوانوں کو واقف کیا ہے۔ باوجود شاعر کے غیر مسلم ہونے کے جابجا کلام کی باتیں اس مجموعہ میں ملتی ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۵ پر، جہاں اُس نے پتھر کی مورتیوں کی پرستش کو بُرا کہا ہے۔

شاعر کے منتخب کلام کی تشریح و توضیح، فاضل مرتب نے مختلف عنوانات مثلاً انسانی تہذیب کا راستہ، انسانی امارت اور عزت، زندگی کے بندھن، خدا پرستی اور انسان وغیرہ) قائم کرکے سلیس اردو میں کی ہے۔ علمی دلچسپی رکھنے والوں کے حلقہ میں ڈاکٹر [illegible] کی یہ کوشش یقیناً ہے کہ عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔ (ع ۔ ق)

ایک شیعہ ایلکشن مینی فسٹو

میں نہایت لجاجت سے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ رافضی و خارجی و منافق جیسے بدنما اور قابل اعتراض الفاظ شیعوں کے لیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں نہ ایسے الفاظ کی کسی اسلام کے دوسرے فرقہ کے لیے اجازت ہونی چاہیئے اگر اس طرح مسلمانوں کے تمام فرقوں میں آئندہ اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکے [illegible] اصلی ضرورت ہے [illegible] ایسے الفاظ [illegible] اسلام کے مختلف فرقوں [illegible] پیدا کر دیا ہے [illegible] بھائی بھائی نہیں رہیں۔ یقین ہے کہ [illegible] میں بھی اور کسی وقت بھی ایسے گالی کے الفاظ کو نہیں کہنا چاہیئے اس لیے کہ ان الفاظ سے اُنکے دل میں گہرے زخم پڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ رستے رہتے ہیں۔ جیسا نقصان یورپین لوگوں کے ایشیا والوں کو "نگر" کہنے سے ہوتا ہے جو سفید قوموں کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو سیاہ نام کہتے ہیں۔ اُس سے کہیں زیادہ نقصان شیعوں کو رافضی، خارجی، اور منافق کہنے سے پیدا ہوتا ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں اس نصیحت کے لیے مجھے معاف کیا جائیگا مگر میں ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں اس لیے کہ ہر مسلمان کا یہ اصول ارشاد ہے کہ جس پر ایمان داری کے ساتھ یقین رکھتا ہے اُسکو ظاہر کردے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں خود اور میرے دوسرے بھائی ذاتی طور پر گزشتہ الکشن کے موقع پر نقصان اٹھا چکے ہیں۔ جیسا کہ [illegible] سے ثابت ہو چکا ہے۔ [illegible] اور [illegible] الکشن میں کھڑے ہونے والے امیدواروں کو رافضی و منافق کہا گیا بلکہ تمام شیعہ جماعت کو رافضی و منافق کہا گیا اور انکو کافر قرار دیا گیا کہ یہ لوگ ہماری کتاب مقدس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے (معاذ اللہ) ایسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ چیزیں جنکا ذکر کرنا میں مناسب نہیں خیال کرتا، الکشن کی جدوجہد کے زمانہ میں پروپیگنڈا کے طور پر بعض ایسے غیر ذمہ دار امیدواروں نے کہیں جو الکشن کو صرف الکشن کی حیثیت سے نہ لڑ سکتے تھے، اور اس لیے وہ اپنے مدمقابل کے مذہبی اعتقادات پر اتر آئے، اور ووٹروں کو گمراہ کیا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ سے شائع کیا

حضرت یوسفؑ اور غیر اسلامی حکومت کی رکنیت

(از جناب ذکاء اللہ خاں صاحب بریلی)

"ترجمان القرآن" بابت مارچ و اپریل ۱۹۴۴ء میں "رسائل و مسائل" کے عنوان کے تحت کسی صاحب کا استفسار اور مولانا سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی طرف سے اسکا جواب شائع ہوا۔ استفسار یہ تھا کہ

"قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تمکین فی الارض عطا فرمایا گیا اور وہ دائرۂ حکومت میں ایک ممتاز حیثیت سے شریک ہوگئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول ایک غیر الٰہی نظام حکومت کا شریک کار کس طرح رہا؟"

مولانا مودودی صاحب نے جو جواب اس استفسار کا دیا تھا وہ راقم الحروف کے نزدیک کلام پاک کی آیات کی غلط تاویل و تفسیر پر مبنی تھا، اس لیے راقم الحروف نے ایک مختصر سی تنقید مولانا مودودی کے جواب پر تحریر کی اور ترجمان القرآن میں اشاعت کے لیے بھیج دی۔"

میں مولانا مودودی کا مشکور ہوں کہ موصوف نے میری وہ تنقید مع اپنے مفصل جواب کے ترجمان القرآن بابت جنوری و فروری ۱۹۴۵ء میں شائع فرما دی۔

اصل موضوع پر بحث سے پیشتر ایک نہایت طویل تمہید تحریر فرمائی ہے، جس میں کلام پاک میں تناقض اور تضاد نہ ہونے کی بحث چھیڑی ہے، اور جس میں ضمناً تاتار کے زمانے سے لے کر اس وقت تک کے حامیان اسلام کو بھی نہیں کہ شرع اسلامی سے کلی طور پر نابلد و ناواقف قرار دیا ہو، بلکہ شرع اسلامی میں زیادہ تر دانستہ نامناسب اور غیر مناسب ترمیمات کرنے کا انکو مرتکب گردانا ہے۔

مولانا مودودی صاحب کا اس عاصی پر الزام یہ ہے کہ سورۂ یوسف کی ان آیات کی جو تفسیر و تاویل میں نے کی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے فرعون کی حکومت کی رکنیت اختیار کی تھی سو اس تفسیر و تاویل کی رو سے خدا کے کلام میں تناقض لازم آتا ہے۔ اور خدا کا کلام چونکہ تناقض سے پاک ہے اس لیے یہ تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی۔

اس تناقض کے الزام سے تو آئندہ بحث کی جائیگی اور انشاء اللہ ثابت کیا جائیگا کہ خدا کے کلام میں نہ تناقض ہے، نہ ہونا ممکن ہے، البتہ اگر تناقض ہے تو مولانا مودودی کے ذہن میں ہے۔ اور اس غلط نظریہ کا نتیجہ ہے جو اس باب میں مولانا مودودی صاحب نے قائم کر رکھا ہے۔ لیکن اگر بالفرض ... تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے

نعوذ باللہ خدا کے کلام میں تناقض ہے۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تناقض کا الزام اس عاصی پر کیا ہے ... مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

"تم جو تفسیر اور تاویل آیات زیر بحث کی کرتے ہو اس تفسیر و تاویل سے کلام پاک میں تناقض لازم آتا ہے"

اس غلط الزام ... آیات زیر بحث کی تاویل اور تفسیر ایک لفظ ... اپنی طرف سے نفس آیت کے مضمون میں ... میں نے ان آیات کی اپنی طرف سے کوئی تفسیر کی ہے نہ تاویل۔ میں نے تو محض ان آیات کا وہ ترجمہ پیش کر دیا ہے جو عربی لغت اور نحوی قاعدہ کی رو سے ان آیات کا صحیح ترجمہ ہے اور وہ ترجمہ میرے اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ ... حضرت مولانا ... الحسن صاحب کے الفاظ میں۔ چنانچہ وہ آیات اور مولانا شیخ الہند کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

(۱) وقال الملک ائتونی بہ استخلصہ لنفسی فلما کلمہ قال انک الیوم لدینا مکین امین (یوسف)

(ترجمہ) اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اسکو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں (اپنے کام میں کے الفاظ غور طلب ہیں) پھر جب بات کی اس سے کہا واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر ("ہمارے پاس جگہ پائی" کے الفاظ توجہ کے محتاج ہیں)

(۲) قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم ۔ وکذالک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشاء (یوسف)

(ترجمہ) یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر، میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا۔ اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں، جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا"

(۳) ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الا ان یشاء اللہ"

(ترجمہ) وہ (یعنی یوسف) ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے، مگر جو چاہے اللہ"

میری گزارش تو صرف اس قدر تھی اور ہے کہ اس ترجمہ کی رو سے ان آیات کا جو مفہوم ہے وہ اختیار کیا جائے۔ اب یا تو مولانا مودودی صاحب یہ کہیں کہ ان آیات کا جو ترجمہ پیش کیا گیا ہے وہ غلط ہے (اور جو انکے نزدیک صحیح ترجمہ ہو وہ پیش کریں) یا اس ترجمہ کی رو سے ان آیات کا جو مفہوم ہے اسکو قبول فرمائیں۔ اسکے سوا مولانا موصوف یا کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

اور وہ مفہوم بالکسی تفسیر و تاویل کے یہ ہے کہ

"جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت فرعون ... پر قابض و متصرف تھا۔ وہ اپنی سلطنت سے دستبردار نہیں ہوا تھا ... دوسرے ہاتھ سے اسکے اختیارات سلب ہو گئے تھے۔ اسی کے یہاں ... حضرت یوسف علیہ السلام ایک ... تھے ...

مطالبہ کرتے ہیں کہ تو مجھ کو اپنے خزائن پر متصرف کردے، فرعون مصر آپ کے اس مطالبہ کو منظور کرتا ہے اور آپ اسکے خزائن پر متصرف ہو جاتے ہیں۔"

پس اب کیا کوئی شخص دیانت اور امانت کے ساتھ یہ کہ سکتا ہے کہ اس مذکورۂ بالا صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام فرعون[1] مصر کی حکومت کے رکن نہیں بنے؟ فرض کرو کہ اس قصہ کے ہیرو حضرت یوسف علیہ السلام نہ ہوتے، بلکہ کوئی اور شخص زید، عمرو، بکر ہوتا اور فرعون کہتا کہ لے آؤ زید کو میرے پاس، میں خالص کر رکھوں اپنے کام میں پھر جب وہ بات کرتا زید سے تو اس سے کہتا " واقعی تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہوکر"۔ ازاں بعد زید فرعون سے مطالبہ کرتا کہ مجھ کو اپنے خزانوں پر متصرف کردے" اور فرعون زید کے اس مطالبہ کو منظور کرتا اور اپنے خزانوں پر اسکو متصرف کر دیتا" یہ الفاظ بجز زید اور فرعون کے درمیان بعینہ وہ معاملہ پیش آتا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ زید فرعون مصر کی حکومت کا ایک رکن بن گیا؟ اگر زید کی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں کیوں صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ کسی فقرہ یا کسی عبارت کا مفہوم لغت اور نحوی قواعد کی رو سے ایک ہی ہونا چاہیے خواہ اس میں جو فاعل یا (603) ہے وہ زید ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت کا مفہوم اصلی وہی ہو سکتا ہے جو لغت عرب کی رو سے اس کا صحیح مفہوم ہے (اگر وہ آیت قطعی الدلالۃ ہے) بلا لحاظ اس امر کے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے مفہوم سے تناقض پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ " ایاک نعبد وایاک نستعین" کے لغت عرب کے لحاظ سے ایک متعین معنی ہیں، یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد و نصرت چاہتے ہیں" اس آیت کے ہمیشہ یہی معنی رہیں گے، خواہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے معنی سے بظاہر تناقض پیدا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق جو آیات قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں انکے وہ معانی و مفاہیم اختیار کیے جو لغت عرب کی رو سے انکے صحیح معنی اور مفہوم ہیں، نہ انکے مفہوم میں اپنی طرف سے نہ کوئی لفظ اور نہ کوئی نقطہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے، اور نہ ایسا کرنے کا اس عاصی کو کوئی حق تھا، اور نہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مجدد کو یہ حق ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت میں وہ لفظاً یا معناً کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے۔ یعنی لفظی یا معنوی تحریف کا وہ ارتکاب کر سکے۔

اسکے برعکس مولانا مودودی صاحب کو کلام پاک کے معانی میں تغیر تبدل، کمی اور بیشی کرنے میں کبھی باک نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایسا کرنے سے انکے کسی نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے آیت کریمہ " قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض" الخ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے پہلے مضمون میں فرمایا تھا کہ

"خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلی اختیارات کا تھا، اور ملے بھی کل اختیارات ہی"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیے کہ آیت کریمۂ زیر بحث میں "کلی" کا لفظ کہیں نہیں ہے اس لیے اس آیت کی تفسیر میں "کلی" کا لفظ بڑھانا آیت کی معنوی تحریف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تنقید میں اس معنوی تحریف کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میرے اس احتجاج کا مولانا پر اتنا اثر ضرور ہوا کہ موصوف نے اپنے موجودہ مضمون میں "کلی اختیارات" کے الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے مگر دوسرے الفاظ اور دوسرے پیرایہ میں بڑے ایر پھیر کے ساتھ اسی مفہوم کو ادا کیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف سورۂ یوسف کے زیر بحث مقامات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" حضرت یوسف کی دعوت کا خلاصہ سورۂ یوسف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے، جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ انکا بلاوا ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف نہیں تھا (خدا کا رسول ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف بلا وا دے ہی کیسے سکتا ہے، ناقد) بلکہ ایک رب کی بندگی کی طرف تھا۔ ...... یہ تبلیغ وہ قید خانہ ہی میں کر رہے تھے (میں نے خود اپنی تنقید میں یہی عرض کیا ہے، ناقد) اسکے دوران میں یکایک یہ صورت پیش آئی کہ دیانت اور تقوے اور حکمت اور بصیرت کے جو غیر معمولی نشانات انکی ذات سے ظاہر ہوئے تھے (کلام پاک کی روایت کے مطابق اس وقت تک آپ سے جو نشانات ظاہر ہوئے تھے وہ صرف اسی قدر تھے کہ زلیخا کی دعوت علی الاثم والعدوان کے خلاف آپ ثابت قدم رہے، اور آپ نے اپنے دو ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی تھی، جن میں سے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں تو صحیح ثابت ہو چکی تھیں لیکن فرعون کے خواب کے صحیح یا غلط ثابت ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان روایات سے جتنا کچھ تقوے اور بصیرت یوسف علیہ السلام کی ثابت ہے اسکا اتنا تو ہم پر فرض ہے، مگر اس سے زیادہ کو فرض کر کے استدلال کرنا ناجائز ہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت یوسف علیہ السلام کے تقوے اور بصیرت پر دال تھیں، لیکن زیادہ سے زیادہ معمولی نشانات یا معجزے قرار دیے جا سکتے ہیں کہ انکی بنا پر فرعون اپنی سلطنت کا سب سیاہ و سفید حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کرنے کے لیے

[1] اس ساری بحث میں بہتر یہ ہوتا کہ فریقین بادشاہ مصر کے لیے لفظ "فرعون" نہ استعمال کرتے۔ قرآن مجید نے "فرعون" کی اصطلاح صرف عہد موسوی کے مصری تاجدار کے لیے استعمال کی ہے، اور اسی کا اتباع بہتر تھا۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں قرآن مجید برابر لفظ "ملک" لایا ہے۔ طریق اسلم اسی کی پیروی تھا۔ (مدیر صدق)

تیار ہوگیا (ناقد) قرآن دوسرے مصر کے بادشاہ پر سے مصر کے الفاظ یوسف کے قائل ہیں۔ ناقد) اُن سے متاثر ہوگیا - اور اس حد تک متاثر ہوا کہ اُنھیں یہ توقع ہوگئی کہ اگر وہ سلطنت کے پورے اختیارات اس سے مانگیں تو وہ انھیں دینے پر آمادہ ہوسکتا ہے۔ (دیکھا آپ نے وہ کلی اختیارات والی بات گھوم پھر کر پھر آگئی - اگرچہ آیت زیر بحث میں کلی اختیارات طلب کرنے یا دیے جانے کا شائبہ تک نہیں ہے ناقد) یہ سب مولانا کی قیاس آرائیاں ہیں کہ فرعون مصر اس قدر متاثر ہوگیا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ توقع ہوگئی تھی اور وہ توقع پوری ہوگئی تھی درانحالیکہ کسی واقعہ کو روایت کرنے میں اس روایت میں کسی مفسر کی رنگ آمیزی جو اس روایت کے مفہوم کو شمہ برابر بھی ضعیف بنا دے، بالکل ہرگز جائز نہیں ہے خصوصاً ایسی روایت میں جس کا راوی خود خدائے علام ہو۔ ناقد) اب یوسف علیہ السلام کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک راستہ یہ کہ وہ اسلامی انقلاب کے لیے دعوت عام، ہجرت، کشمکش اور جنگ کے طویل عمل کو ہی اختیار کریں جو عام حالات میں اختیار کرنا پڑتا ہے، دوسرا راستہ یہ کہ اس موقع کو جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اُنکے ہاتھ آگیا تھا استعمال کریں اور عقیدتمند بادشاہ سے جو اختیارات مل رہے ہیں (خود مولانا کا یہ فقرہ یعنی "عقیدتمند بادشاہ سے جو اختیارات مل رہے ہیں" غور طلب ہے۔ جسکے معنی صاف ہیں یعنی اختیارات ابھی تک بادشاہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اختیارات تفویض کر رہا ہے اور در واقع میں تفویض کر بھی دیتا ہے، اس سے زیادہ کھلی دلیل کسی شخص کے کسی حکومت کے رکن بننے کی کیا ہوسکتی ہے ناقد) ان سے کر (اُسی فرعون مصر سے؟ ناقد) ملک کے نظام فکر و اخلاق و نظام تمدن کو بدلنے کی کوشش کریں۔ حضرت یوسف نے دوسرے راستے کو بہتر سمجھا اور اختیار کرلیا۔ یہ غیر اسلامی حکومت کی نوکری نہ تھی جو پیٹ پالنے یا ذاتی جاہ و منزلت کے لیے یا نظام فاسد کی چند دنیوی مصالح کے لیے کی گئی ہو بلکہ یہ ایک تدبیر تھی جو اسی مقصد کے لیے اختیار کی گئی تھی جسکے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت یوسف بھی مبعوث ہوئے تھے۔"

مولانا مودودی صاحب کی اس طویل تاویل اور تفسیر کو جس میں انہوں نے کلام پاک کے مضامین میں اپنی طرف سے بہت کچھ کمی بیشی

کی حد تک بلند مانتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص دیانت اور امانت سے آیت کے مضمون پر غور کرے تو وہ اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اُن اختیارات کو قبول کرنے کی بنا پر جو انہیں فرعون مصر نے دیے اُسکی حکومت کے رکن بنیں گے۔

کسی حکومت کا رکن بننے کے لیے کن اجزاء ترکیبی کی ضرورت ہوتی ہے؟ یہی نا کہ اُس نظام حکومت میں کوئی شخص (یا چند اشخاص) سیاسی اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے، اسکا اقتدار ابھی تک زائل یا سلب نہیں ہوا ہے، نہ وہ اپنے اختیارات سے دستبردار ہوا ہے، نیز اس سیاسی مقتدر اعلیٰ سے جو اختیارات طلب کرتا ہے وہ مقتدر اعلیٰ اس کو وہ اختیارات دے دیتا ہے۔ گو وہ اختیارات کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں۔ پس کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں زید اس شخص کی نظام حکومت کا رکن نہیں بنا؟ یہ سب اجزاء یوسف علیہ السلام کے فرعون کی حکومت میں اسکے خزائن پر متصرف ہونے کی صورت میں ہوتا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۸)

(تاکہ مولانا محمد میاں کے قول کے مطابق عالمگیر اعظم کے عہد کا دارالاسلام) بنانے کی مہم ہے - پھر کیا ہم یہ مان لیں کہ گاندھی اور نہرو اور پٹیل عالمگیر اعظم کے عہد کا احیاء چاہتے ہیں، جن کی غیر مشروط تائید ہمارے متقی اور پرہیزگار علمائے دین فرمارہے ہیں؟ یا کیا ہم یہ مان لیں کہ دارالحرب کو دارالاسلام بنانے کا مطلب صرف انگریزی اقتدار کے خاتمہ تک محدود ہے اور مسلمانوں کے لیے استقلال حاصل کرنا ضروری نہیں؟

بتائیے اس انداز فکر و نظر کو محض اس بنا پر کیونکر قابل قبول سمجھ لیا جائے کہ جن حضرات کے یہ گرامی قدر افکار ہیں وہ علم دین اور عمل و تقوے میں بڑے بلند مرتبت ہیں؟

باقی رہا احکام کا معاملہ تو ہر مسلمان کے نزدیک یہ حقیقت مسلم ہے کہ ہر امیر کی اطاعت صرف معروف سے وابستہ ہے، منکرین میں اطاعت نہیں اس لیے کہ مدار کار لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر ہے اور اس میں متقی اور غیر متقی دونوں قسم کے امیر ایک حیثیت رکھتے ہیں نہ غیر مشروط اطاعت کا حقدار کوئی بھی نہیں، نہ متقی امیر اور نہ غیر متقی حاکم۔ اطاعت احکام کتاب و سنت سے مشروط ہے نہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ غیر متقی امیر اگر مسلمانوں کو نماز کا حکم دے معروف کی اطاعت کا پابند بنائے تو محض اس وجہ سے اسکی مخالفت کی جائے کہ تقوے میں اسکا درجہ بلند نہیں ہے۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک متقی اور پرہیزگار امیر کے غیر مناسب احکام اس وجہ سے مان لیے جائیں کہ حکم دینے والے کا علمی درجہ بہت بلند ہے۔

(انقلاب - لاہور)

روایت کے بیان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے (اور قرآن مجید سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے) کہ بادشاہ حضرت یوسفؑ کے تقوے سے کہیں زیادہ اُن کی فہم و دانائی سے متاثر ہوا تھا، اور اُنھیں اپنی ماتحتی میں حاکم سلطنت بنایا تھا وہ انکے "عاقل و دانشور" ہونے ہی کی بنا پر۔ (صدق)

قرآن مجید میں تو بجز انتظام قحط کے، حضرت یوسف کی کسی اصلاحات کا ذکر عقائد و اخلاقیات و سیاسیات کے باب میں نہیں آیا۔ (صدق)

التزام جماعت اور اطاعت امیر

ایک اصولی بحث

(ایک ممبر مسلم لیگ کے قلم سے)

مولانا غلام مرشد نے خطبہ عید الضحیٰ میں مسلمانوں کے اتحاد پر زور دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا۔

ہر مسلمان کو ہر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم ہے اگرچہ وہ غیر متقی ہو، ظالم ہو، فاسق ہو۔ بشرطیکہ مسلمان ہو، اور کفر صریح سے اس کا دامن پاک ہو۔

اہل علم کے نزدیک امارت و قیادت اور التزام جماعت کے باب میں یہ پوزیشن بالکل مسلم ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو متقیوں سے زیادہ فاسقوں اور فاجروں کی اطاعت کا التزام کرنا چاہیے، نہ یہ مطلب ہے کہ ایسے قائد و سردار اگر نصوص کتاب و سنت کے خلاف بھی حکم دیتے جائیں تو مسلمان انہیں بے چون و چرا مانتے رہیں، بلکہ صرف یہ مطلب ہے کہ اگر کسی موقع پر ایسی ضرورت پیش آ جائے کہ قیادت کی باگ باعتبار علم و عمل افضل کی جگہ مفضول کو مل جائے، اور اس مفضول کے بعض ذاتی اعمال اعلیٰ اسلامی معیار سے ہٹے ہوئے بھی نظر آئیں تو التزام جماعت اس وقت تک مقدم ہے جب تک اس قائد سے کفر صریح کا ارتکاب نہ ہو، ورنہ جماعت دو دن بھی قائم نہیں رہ سکتی اور مسلمان افضل و مفضول کی بحثوں میں پڑ کر مدۃ العمر خانہ جنگی میں مبتلا رہیں گے۔

اس سلسلہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کی مثال پیش کرنا اہل علم کے نزدیک بالکل بے معنی ہے۔ حضرت امام حسین اس وقت خلافت کے دعویدار بنے تھے جب یزید کی امارت مستحکم نہیں ہوئی تھی، اور عراق کے مسلمان حضرت امام کو بیعت کے لیے خط لکھ چکے تھے لیکن جب کربلا اور کوفہ کے درمیان حضرت امام کو معلوم ہوا کہ اہل کوفہ سے بھی بالجبر بیعت لی جا چکی ہے، تو حضرت امام نے کوفی فوج کے افسر کے سامنے تین صورتیں پیش فرمائی تھیں

(۱) مجھے واپس جانے دیا جائے

(۲) سرحد پر جہاد کے لیے جانے دیا جائے

(۳) یزید کے پاس بھیج دیا جائے۔

لیکن ابن زیاد نے ان میں سے کسی صورت کو بھی منظور نہ کیا، اور اسکی شقاوت و سنگدلی کے باعث کربلا کا واقعہ محزنہ پیش آیا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین خلافت کے دعویدار نہ تھے، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ یزید کو فاسق و فاجر قرار دے کر اسکی بیعت سے انکاری تھے۔ بلاشائبہ ریب وہ یزید کے مقابلہ میں باعتبار حسن عمل بہت افضل و برتر تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یزید کو جب حضرت امام حسین کی شہادت کی اطلاع ملی اور اہل بیت کا مصیبت زدہ قافلہ دمشق پہنچا تو بعض مورخین کے بیان کے مطابق یزید کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اس نے اس واقعہ پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ فاسق و فاجر یزید کی بیعت کرنے والوں میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر جیسے مقدس بزرگ شامل تھے، جنکے زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری و شعائر دین کے متعلق کسی سلیم العقل مسلمان کو ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔

عند اللہ اکرمیت کے معنی صاف یہ ہیں کہ ثواب اخروی کے اعتبار سے اکرمیت زیادتی تقویٰ پر مبنی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ جب امارت و قیادت کا سوال آئے تو مسلمانوں کو پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عند اللہ اتقیٰ کون ہے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تقویٰ لازماً ہر شخص کو ہر منصب کا حقدار نہیں بنا دیتا۔ حضرت سیف اللہ المسلول خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں اتقیٰ نہ تھے کہ انکو مختلف اوقات میں فوجوں کی سالاری کا منصب حاصل رہا بلکہ انکی مہارت حرب اس منصب جلیل کے لیے اولیں خصوصیت تھی۔

اسی طرح آج ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے دور حاضرہ کے اصول آئین سازی کے مطابق ایک دستور بنانے کا سوال درپیش ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں ہزاروں مسلمان باعتبار علم و تقویٰ مسٹر جناح سے افضل ہوں۔ لیکن اس مخصوص کام میں قیادت کا فرض جس احسن طریق پر وہ انجام دے سکتے ہیں مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ یا مولانا احمد سعید یا مولانا حفظ الرحمن یا مولانا محمد میاں نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کو جنگ کی ضرورت پیش آ جائے تو محض اعمال میں تقویٰ یا کتاب و سنت کے احکام و علوم کی معرفت میں برتری کو معیار انتخاب نہیں بنایا جائیگا۔ بلکہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائیگا کہ فنون جنگ میں قیادت کا فرض احسن طریق پر کون انجام دے سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ موزوں سپہ سالار افواج کے مقابلہ میں بہت سے مسلمان زیادہ متقی اور زیادہ دیندار ہوں۔ لیکن انکو اگر فوجوں کی قیادت کا سلیقہ نہیں ہے تو انھیں سالار بنا دینے کا نتیجہ اسکے سوا کیا ہوگا کہ مسلمان قتل ہو جائیں یا خواہ مخواہ ہلاکت میں پڑ جائیں۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مولانا حسین احمد یا مفتی کفایت اللہ صاحب یا انکے ہم خیال بزرگوں کے علم دین اور زہد و تقویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے بھی انکی سیاسی رائے کو کس بنا پر قبول کر لیا جائے درآنحالیکہ امت کی اکثریت پر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ یہ رائے سراسر غلط اور مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ہر اعتبار سے نقصان رساں ہے۔ یہ بزرگ بزعم خود آزادی کے لیے کانگریس کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ جس شے کے لیے یہ کوشاں ہیں اسے زیادہ سے زیادہ آزادی ہنود کہا جا سکتا ہے آزادی ہند نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں کامیابی کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انگریزی اقتدار کی جگہ ہندو اقتدار لے لے [illegible] اس وقت مبتلا ہیں اس میں مدۃ العمر [illegible]

[illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق به اولٰئک هم المتقون | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپے
" ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

ایڈیٹر۔ عبدالماجد
دفتر۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب۔ حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

نمبر ۱۵ | یوم چہار شنبہ [illegible] رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ - جون ۱۹۴۶ء | جلد ۱۲

سچی باتیں

نئے شاعروں میں مجاز ردولوی خاصے ہونہار تھے۔ ریڈیو والوں نے انہیں ایک ملازمت دے رکھی تھی۔ تازہ اطلاع ہے کہ بمبئی کی کسی سینما میں منسلک ہوگئے ہیں۔ مجروح سلطانپوری کے نام سے اکثر ادبی رسالے پڑھنے والے واقف ہونگے۔ خبر ہے کہ وہ بھی کسی سینما میں چلے گئے۔ جناب حبیب احمد بی اے (علیگ) ریڈیو کے اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر تھے۔ اور سرکاری عہدہ چھوڑ اب سینما پہونچ گئے۔ مشہور مزاحیہ نگار شوکت تھانوی ایک مدت تک اس کوچہ کی سیر کر چکے۔ ساغر نظامی، بلکہ جوش ملیح آبادی کے مرتبہ و شہرت کے شاعر بھی سینما کو آباد کر چکے ہیں۔ اور جناب جگر مراد آبادی تک پر ڈورے فلم کے آچکے ہیں۔——— یہ نمونہ کے طور پر چند نام مردوں کے ہوئے۔ باقی شریف گھرانوں کی بیوائیں اور بیویاں، فلاں آئی سی ایس جج کی لڑکی اور فلاں خانبہادر کی بہو، جو باقاعدہ فلمی بیسوائی اپنا پیشہ بنا چکی ہیں، اور لاکھوں مسلم وغیر مسلم ناظروں کے سامنے اپنے نیم برہنہ جسم کے ناچ سے کھلے خزانے روپیہ بٹور رہی ہیں، انکے نام اور پتے درج کرنے کی ہمت کہاں سے لائی جائے!

——— یہی محدود دنیا کے اندر ساری عمر بسر کر لے جانے والے بزرگ کو کچھ اسکا اندازہ بھی ہے، کہ بڑی اور وسیع دنیا کدھر سے کدھر جا رہی ہے، اور کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہے؟ اکبرؔ تو اپنے زمانہ میں کہہ گئے تھے۔۔

طفلت چلی ہے اس بُت کافر ادا کے ساتھ
جا پہنچے رسول کہاں بس اب خدا کے ساتھ!

جن بیچاروں نے ۳۰۔۴۰ روپیہ سے زائد کی شکل کسی مہینہ میں [illegible]، اور انھیں اکبارگی دو ڈھائی سو ماہوار ملنے لگیں، جن کی محدود ماہانہ آمدنیاں کبھی سو ڈیڑھ سو سے آگے نہ بڑھی ہوں، اور اب انھیں سات سات سو کا مشاہرہ ملنے لگے، تو فرمائیے، وہ کیسے اپنی جگہ قائم و ثابت رہ سکینگے، پھسلینگے، اور ضرور پھسلینگے، گرینگے، اور یقیناً گرینگے، پھر جبکہ شہرت، عزت، اور طرح طرح کی دوسری مادی لذتیں بھی تاک پر ہوں!——— جاہ و مال جب دونوں قوتیں متحد ہو جائیں، تو عام اور معمولی آدم زادوں میں سے کس کے قدم انکے مقابلہ پر ٹک سکیں گے؟

——— کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ کانگریسی اور لیگی، احرار و خاکسار، جمعیۃ علماء ہند و جمعیۃ علماء اسلام، حنفی و اہلحدیث، اہل سنت و شیعہ، ہر طبقہ اور ہر خیال کے نرم و گرم ہر قسم کے مسلمان مل کر غور کریں کہ اس تیز رفتار سیلاب میں غرق ہونے سے ملت کو بچانے کی آخر عملی تدبیریں کیا ہیں؟ کیا قیامت ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ جزئی اختلافات پر مذہبی فرقے شدومد سے قائم ہوگئے۔ سیاسی ٹولیاں ایک دوسرے کی دشمنی میں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں، لیکن جو چیزیں سب کے نزدیک مسلم ہیں، اور جو فتنے سب کے سب یکساں مہلک ہیں، انکی طرف ادنیٰ توجہ و التفات بھی نہیں!

فرقہ پرستی "یورپ" میں

لندن ۱۰ جون۔ پچھلے انتخابات کے موقع پر مغربی یورپ میں کیتھولک کلیسا نے اپنی قوت کا پورا مظاہرہ کر دیا۔ اور ایک نہیں، چار ملکوں کے چار الکشنوں میں اپنا غلبہ و تفوق مذہب پارٹیوں پر ثابت کر دیا۔ یہ ملک بلجیم، ہالینڈ، فرانس اور اٹلی ہیں

ان میں سب کہیں الکشن کے موقع پر کیتھولک چرچ پارٹی کامیاب ترین ثابت ہوئی۔ بلجیم میں صوبائی الکشنوں میں ۲۹۶ نشستوں میں سے ۲۳۳ اسی کے حصہ میں آئی ہیں، اور مرکزی سینیٹ میں بھی اکثریت اسی کو حاصل رہی۔ اور اس سے قبل ہالینڈ میں بھی کیتھولکوں کو اپنے حریف سے [illegible] میں سے ۳۲ جگہیں ملیں، اور سوشلسٹ پارٹی کو ۲۹ اور کمیونسٹ کو ۱۰ - اور صوبائی ووٹ ملا کر کیتھولک ۵۰ میں سے ۱۷ ہو گئے اور سوشلسٹ ۱۴ رہے۔ فرانس کے الکشن کا نتیجہ تو اسی جون میں معلوم ہوا ہے۔ اور حسب ذیل ہے:۔

کیتھولک پارٹی	۱۶۰ نشستیں	(۱۰ کا اضافہ)
سوشلسٹ	۱۱۵ ”	(۳۱ کا نقصان)
کمیونسٹ	۱۴۵ ”	(۱۴ کا نقصان)

اٹلی میں کیتھولک پارٹی کو ۸۰ لاکھ ۶۷ ہزار ۸ سو ۸۷ ووٹ ملے اور سوشلسٹ ان سے بہت پیچھے رہ گئے“ (اے پی اے)

= کیا! اس بیسویں صدی کے وسط میں یورپ کے چار چار ملکوں میں، الکشنی مقابلہ میں ایک مذہبی پارٹی مذہب کے نام پر! اور پھر جیت بھی تابڑ توڑ اسی کی! —— جیت ہار کو چھوڑ دیجیے۔ یہی کیا کم ہے، کہ الکشن میں مذہب کا نام لے کر کسی پارٹی کو کھڑے ہونے کی ہمت تو ہوئی!

—— = کیا قیامت ہے کہ ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی لعنت ”کمیونلزم“ (فرقہ پرستی) جست کر کے سات سمندر پار اٹلی اور فرانس اور بلجیم اور ہالینڈ پر مسلط ہو گئی، اور وہاں کسی کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ یہ کیسی قیامتیں اور ارواح ہیں، جو بیسویں صدی میں الکشن کے میدان میں مذہب کا نام لے رہی ہیں!

آج کا دیوبند!

استاذ العلماء مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہٗ کا گرامی نامہ مولانا محمد منظور صاحب (الفرقان، بریلی) کے ایک مکتوب کے جواب میں:۔

” بعض اسی نوعیت کے دوسرے واقعات کو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تو شاید اس سے کم اثر پذیر نہ ہوتے۔ وہ قضیہ کسی کالج اور اسکول کے طلبہ کا نہیں بلکہ ایک مشہور دارالعلوم کے طلبہ کا ہے، جسکے آپ رکن بھی ہیں۔ اُس دارالعلوم کا ہے جو دین علم اور اخلاق و روحانیت کا مرکز ہے۔ جہاں بخاری کی کتاب الادب پڑھائی جاتی ہے۔ .. دارالعلوم کے طلبہ نے [illegible] شخص کے حق میں وہ حرکات کیں، جو اُنکے ادارہ کا صدر اور اُنکے اکثر استادوں کا بلاواسطہ یا بالواسطہ اُستاد تھا۔ فحش اور گندی گالیاں لکھ لکھ کر بھیجیں جو بازاری لوگ بھی استعمال نہیں کرتے۔ کارٹون بنا بنا کر لگائے۔ جنازے نکالے۔ اُس پر لکھا کہ ابوجہل کا جنازہ جا رہا ہے۔ نعروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ۱۵ طلبہ نے قتل کے حلف اُٹھائے۔ محلہ کی مسجد کی دیوار پر لکھا کہ اس مسجد میں نماز جائز نہیں کیونکہ فلاں شخص اس میں نماز پڑھتا ہے۔ نیچی داڑھیوں اور لمبے کرتوں کا مذاق اُڑایا۔ ان حرکات کو دیکھ کر بہت سے اُستاد اور ذمہ دار خوش ہوتے تھے، اور ایسے نالائق مفسدوں کی حمایت وہاں کی سب سے بڑی ذمہ دار مجلس نے برملا کی، جسکے ایک رکن اب آپ بھی ہیں۔ کسی کی زبان سے حرف ملامت بھی نہ نکلا، حالانکہ وہ اِنکے

کنٹرول میں تھے۔“ (مراسلات سیاسیہ۔ [illegible])

کہا جاتا ہے کہ جس کے خلاف یہ سب نہایت ہی شرمناک ہنگامے کیے گئے، اُس سے مراد خود حضرت مولانا عثمانی ہی کی ذات ہے۔ مولانا کو اپنے جدِ امجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نصیب میسر آ جانا مبارک۔ یہاں مقصود دل کی تسکین و تسلیہ نہیں، مقصود دیوبند جدید کے بھی ان کمالات اور کارناموں کو اُچھالنا نہیں۔

میری رسوائی ہوئی تو کس کی رسوائی ہوئی؟

مقصود صرف اس قدر ہے کہ جن بزرگوں کی براہِ راست کا ہدف [illegible] اور صرف علیگڈھ ہی رہا کرتا ہے، کاش وہ کبھی تصویر کا دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیں!

یہ ریڈیو!

محکمۂ آل انڈیا ریڈیو کی سالانہ رپورٹ بابت [illegible] میں اعداد شایع ہوئے ہیں، کہ

اس سال محکمہ نے نشری کام ۲۰۵۴۸ گھنٹے تک کیا۔

اس مدت میں ہندوستانی گانے کیلیے ۲۰۶۱۵ گھنٹے وقف رہے!

موسیقی میں قید ”ہندوستانی“ موسیقی کی لگی ہوئی ہے۔ مغربی موسیقی بھی حساب میں رکھ لی جائے، تو کل گانے کے گھنٹوں کی میزان کتنی سوا اور بڑھ جائیگی! گویا کل مدت نشری میں نصف سے کچھ ہی کم صرف گانا بجانا ہوتا رہا، اور نصف سے کچھ ہی زائد انگریزی تقریریں اور دوسری زبانوں کی تقریریں، مشاعرے، عام خبریں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عین شباب جنگ میں جنگ کی خبریں! —— اور یہ محکمہ ایک باضابطہ سرکاری محکمہ ہے! —— رنڈیوں بھڑووں کی آوازیں اس شدومد کے ساتھ، اس کثرت و تواتر کے ساتھ عام رعایا کے کانوں تک، شریف گھر گھرانوں کے اندر، یوں گھٹے گھرانے، اس دور سے قبل کب اور کس زمانہ میں پہونچائی گئی تھیں؟

شکاگو دہلی میں

”نئی دہلی۔ ۱۴ جون۔ کل رات کو ۱۱ بجے کے قریب جبکہ کرفیو آرڈر نافذ تھا، دو آدمی موتی ٹاکیز کے قریب اسپلینڈ شرابخانہ میں پہونچے، اور اندر داخل ہوتے ہی ایک نے مالک شراب خانہ کو گولی ماردی، اور دوسرے نے نقدی سمیٹنی شروع کردی۔ اور پھرتی کے ساتھ کارروائی کر کے، دونوں آدمی اُسی طرح موٹر پر ہوا ہو گئے! لالہ [illegible] (مالک شراب خانہ) اسپتال جاکر مر گئے“ (اے پی آئی)

سینما اور امریکی طور طریقے کے دور دورہ سے قبل کند ذہن شریفوں کے دماغ یہاں تک بھلا کہاں پہونچ پائے تھے! —— زندہ باد [illegible]!

”حقیقت پسند“ کانگریسی حکومت

”الہ آباد۔ ۳۰ مئی۔ یو۔پی کے وزیر داخلہ مسٹر رفیع احمد قدوائی نے کل ایک اخباری بیان میں کہا کہ پچھلی کانگریسی وزارت نے جیلوں کی اصلاح کے متعلق جو تجاویز تیار کی تھیں، اُنکو جلد ہی نافذ کیا جانے والا ہے۔ ایک اہم اصلاح یہ ہوگی کہ جیلوں سے زنانہ وارڈ توڑ دیئے جائیں گے۔“ [illegible]

نئی کتابیں

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد ۔ از ابو سعید بزمی صاحب صفحات ۱۱۲ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ہر ملنے کا پتہ ، اقبال اکیڈمی مرکلہ روڈ بیرون دہلی دروازہ ۔ لاہور

مولانا آزاد بلا شبہ ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں ، ان کے کمال خطابت ، انشاء پردازی اور سیاسی و مذہبی علوم ، بالخصوص اسلامیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس سے انکار کرنا گناہ ہے ۔ سیاسی دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کی حیثیت سے روشناس ہیں ۔ لیکن دراصل وہ مملکت علم و ادب کے حکمراں ہیں ۔

ہندوستان میں مسلم سیاست کے طوفانی دور کی تاریخ جس کی مدت تقریباً بارہ سال یعنی ۱۹۱۰ء سے لیکر ۱۹۲۲ء تک ہے ۔ اقبال ، آزاد ، اور محمد علی کی حیثیت "مشتری و مہر و ماہ" سے کم نہیں ۔ اس دور میں الہلال کے ذریعہ مولانا آزاد نے جس طرح آوازۂ حق بلند کیا تھا ، اسکے نقوش نہ معلوم دلوں پر کب تک تازہ رہیں گے ۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اقبال اور محمد علی کو قضا کے ہاتھوں نے مسلمانوں سے علحدہ کر لیا ۔

مولانا مسلم سیاست کی کامیابی سے مایوس ہو کر وطنیت اور متحدہ قومیت کی مغربی تحریکوں سے مرعوب ہو کر خود کو مسلمانوں سے اور مسلم تحریکوں سے تقریباً ۲۴ سال سے بالکل غیر متعلق بنا لیا ہے اور ان کے ساتھ وہ رشتے جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں قائم کیے تھے ، منقطع کر ڈالے ۔ اس لحاظ سے مولانا آزاد کی زندگی کا یہ موجودہ دور مسلم سیاست کی سب سے بڑی ٹریجیڈی ہے ۔

بزمی صاحب نے اس کتاب میں مولانا کے علمی تبحر ، انکی خوش اخلاقی ، خاموش فطرت ، گفتگو طرازی ، قناعت اور سادگی ، حافظہ کی قوت اور سیاسی دور بینی کے متعلق اپنے ذاتی تجربات اور مولانا کے ساتھ ذاتی تعلقات اور ملاقاتوں کی بنا پر جو کچھ بھی اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے ، اس میں اگرچہ بعض جگہ مبالغہ کی جھلک نظر آتی ہے جو محبت ، خوش عقیدگی اور شخصی عظمت کے رعب کا فطری نتیجہ ہے اور اسلئے قابل معذرت ہے ۔ لیکن مولانا کے یہ سب وہ کمالات ہیں جن میں اگر دس گنا مبالغے سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں ۔

البتہ انکی سیاسی زندگی بالخصوص مسلم سیاسیات ہند سے متعلق انکا طرز عمل آج بھی انکے معتقد بندوں اور پرانے خلافتی رفقاء کار کے لیے ویسا ہی ایک ناقابل حل معمہ ہے جتنا کہ نہرو رپورٹ کے وقت مولانا محمد علی مرحوم کے نزدیک تھا ۔ تا آنکہ مسٹر جناح اسکے سیاسی مسلک سے کس طرح بیزار ہو کر انکو کانگریس کا آلۂ کار (شو بوائے) سمجھتے ہیں جس طرح آج سے سولہ سال قبل مولانا محمد علی مرحوم انکے طرز عمل سے مایوس ہو کر انکو "ابوالسکوت امیر" کہا کرتے تھے ۔

بزمی صاحب جیسے مولانا کے ساتھ ایک غیر معمولی عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور "قوم پرور" اخبار مدینہ کے اڈیٹر بھی رہ چکے ہیں ۔ اور اس لحاظ سے انکے ہم مسلک اور ہندوستان میں وطنیت اور متحدہ قومیت کے قیام کے داعی بھی ہیں ، لیکن خود انکو بھی اسکا اعتراف ہے کہ مولانا صرف ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے ناکام رہے اور مسلم سیاست کی رہنمائی سے کنارہ کش ہوگئے بلکہ انکے کسی طرز عمل پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو مولانا کے جوابات اکثر تسلی بخش نہیں ہوتے ۔ چنانچہ انکی تفسیر ترجمان القرآن کے سلسلہ میں جب علماء اسلام نے اعتراضات پیش کیے تو انھوں نے سبق کو لکھا کہ وہ اپنے مسلک کی توضیح تیسری جلد میں کریں گے جس سے ان اعتراضات کا جواب شافی طور پر مل جائیگا ۔ اس پر بزمی صاحب اپنے تاثرات صفحہ ۱۰۹ پر اس طرح پیش کرتے ہیں

"لیکن آج دس بارہ سال ہونے کو آگئے ، مگر نہ تو یہ تیسری جلد شایع ہوئی اور نہ مولانا کا کوئی اور توضیحی بیان" !

ہندوستانی سیاسیات میں مولانا کے مسلک بالخصوص حمایت کانگریس کی توضیح اس کتاب میں جس طرح کی گئی ہے اسکو پڑھ کر نہ صرف ایک غیر جانبدار ناقد بلکہ مولانا کا بڑے سے بڑا پرستار اور معتقد بھی مایوس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ بزمی صاحب کے سوالات کے جوابات جس طور سے مولانا نے دیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی سیاسی عمارت کی بنا کسی تعمیری یا اثباتی اصول پر نہیں ہے ، نہ حق و باطل کا کوئی معیار ، انکے سامنے ہے ، بلکہ صرف "بغض معاویہ" پر ہے ۔ انکی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت صرف اس لیے ہے کہ وہ ہندوستان سے انگریزی تسلط کو ختم کرنا مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور مسٹر جناح کی قیادت کی سختیوں سے نالاں ہیں ۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۴ پر بزمی صاحب رقمطراز ہیں :—

"اس پر میں نے مسلم لیگ کا ذکر کیا تو مولانا نے پورے جوش کے ساتھ کہا کہ میں مسلم لیگ کے بنیادی اصول اور مسلمانوں کے اس طریقۂ تنظیم و اتحاد کو بیحد ضروری سمجھتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ آپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ لیگ کے نام سے جو تنظیم ہوری ہے وہ عملاً رجعت پسند مسلمانوں کی تنظیم ہو کر رہ گئی ہے ۔ تاہم آپ نے انکی لیگ میں شامل ہو کر کام کرنے سے اتفاق کیا ، بلکہ اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ یا تو لیگ کو ترقی پسندوں کے زیر اثر لائیں اور یا پھر مسلمانوں کی کوئی متحدہ تنظیم کریں" ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے قیام اور اس کے بنیادی اصول کو برحق مانتے ہیں ۔

پاکستان کے متعلق ۱۹۴۶ء میں اپنی گفتگو مولانا کے ساتھ ہوئی

بیان کی ہے

"میں نے کہا: آپ کو پاکستان پر کیا اعتراض ہے؟
بولے۔ اسوقت اس سوال کو کھڑا کرنے سے انگریز کو مدد ملتی
ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اگر مسلمان چاہیں تو پاکستان
بنا لیں۔ زیادہ سے زیادہ اسوقت ہندوؤں سے یہ منوا لیں
کہ آزادی کے بعد وہ پاکستان بنانے میں آزاد ہونگے"

اس مکالمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے بنیادی مطالبہ پاکستان کے خلاف نہیں ہیں۔ اختلافات صرف حصول کے طریق کار میں ہے۔ لیکن آج جبکہ ہندوستان کو مکمل آزادی ملنے والی ہے، مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو مولانا صاف اعلان فرما دیتے ہیں۔ ہندوستان کو تقسیم کرنے کی بنا پر کوئی حکومت وشکیل نہیں کی جا سکتی صرف یہی نہیں بلکہ حال ہی میں مولانا کی جو خط وکتابت وزیر ہند وزراء کے وفد کے ساتھ شائع ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے مولانا نہ صرف پاکستان کے مخالف ہیں، بلکہ مرکز میں ہندو اور مسلم صوبوں باہمی مساوات کے بھی خلاف ہیں۔

مسلم لیگ کے مطالبات کی مخالفت اور کانگریس کی تائید یوں ہے۔ بزمی صاحب کی تحقیق کی روداد کی رو سے یہ مخالفت اس لیے ہے کہ مولانا کانگریس کی حمایت کو بذات خود برحق سمجھتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ مسٹر جناح نے ایک مرتبہ انکو "شو بوائے" کہکر خطاب کر دیا تھا — گویا کہ مولانا کی تمام پالیسی اور انکی ساری سیاسی زندگی صرف مسٹر جناح کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ کا ردعمل ہے۔ قوت ارادی اور ایمان کی کمزوری کی اس سے بدتر مثال ملنی مشکل ہے — بزمی صاحب صفحہ ۱۱۴ پر اپنے ان تاثرات کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:—

"بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شاید کانگریس سے علیحدہ ہو جاتے، بلکہ شاید وہ لیگ کی تائید بھی کرنے لگتے لیکن جناح صاحب کے ایک لفظ "شو بوائے" نے وہ کام کیا جو بڑے سے بڑے زہریلے تیر نہیں کر سکتے"

بزمی صاحب نے بظاہر مولانا کی مدافعت میں ان دو واقعات کو بیان کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی نجی گفتگو کے جوابات کو شائع کر کے انھوں نے مولانا کی شخصیت کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ اور اگر واقعی یہ مکالمات مولانا کے خیالات کی صحیح ترجمانی ہوتے ہیں تو اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص اب سے ۳۰-۳۲ سال پہلے ہندوستان میں قیام اسلام کی دعوت لے کر کھڑا ہوا تھا آج وہ کی اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اپنی مکمل دعوت انقلاب اور سیاسی لائحہ عمل کو مسٹر جناح کی مخالفت اور مسٹر گاندھی کی کورانہ تقلید میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کا جو اثر مولانا آزاد کی سیاست پر ہے اس کا ذکر بزمی صاحب صفحہ ۱۲۳ پر اس طرح کرتے ہیں:—

"غرض گاندھی جی اپنی اس صفت کی وجہ سے مولانا آزاد کی رائے کو ہمیشہ یا تو اپنی مرضی کے مطابق بنا لیتے ہیں اور یا اُسے اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مولانا ان پر غصہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی صحبت نے مہاتما گاندھی جی کی رائے کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا خود مولانا ان کی رائے سے متاثر ہوئے ہیں"

بزمی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد اپنی خاموش فطرت کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ عقیدتاً وہ گاندھی جی کو اپنا سیاسی امام اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ رامگڑھ کا خطبہ صدارت مولانا ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں

"آج ہماری ساری کامیابیوں کا دارومدار تین چیزوں پر ہے، اتحاد، ڈسپلن، اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر اعتماد۔ یہی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا شاندار ماضی تعمیر کیا ہے اور صرف اسی سے ہم ایک فتحمند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں"

بہرحال کتاب (جو درحقیقت رسالہ پیام حق جولائی دسمبر ۱۹۴۵ء کے کئی مضمون کی کتابی شکل ہے) بزمی صاحب کی نظر کے لیے دلچسپ اور مولانا کے معتقدین کے لیے عبرت کا ایک مرقع ہے۔

(عبد الوحید خان بی۔ اے ایل ایل بی لکھنؤ)

(۲) انتخابات اور رائے دہی۔ ضخامت ۹۰ صفحے تقطیع چھوٹی سائز۔ معمولی کتابت وطباعت قیمت عمر پتہ، مجلہ عثمانیہ یونین۔ دفتر مجلس نمائش باغ عامہ حیدرآباد دکن۔

جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹوں (طالبانِ قدیم) نے اپنے ممبروں کے قلم سے مقالوں کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے جس میں تاریخی معاشی ادبی سیاسی اور اسلامی ہر قسم کے موضوع شامل ہیں۔ پیش نظر رسالہ اس سلسلہ کی اٹھائیسویں کڑی ہے۔ اس علمی خدمت پر انجمن اور اسکے ارکان قابل مبارکباد ہیں اور دوسری یونیورسٹیوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں سیاسیات کے ایک خالص فنی مسئلے پر مصنف نے قلم اٹھایا ہے۔ پہلے حصہ میں نظریاتی بحث کی ہے اور اس ضمن میں انتخابات، حق رائے دہی، سیاسی جماعتوں کی رائے دہی کی صلاحیت، اسکے مختلف معیار، جداگانہ اور مخلوط انتخابات، رائے دہی کے مختلف طریقے، انتخابات کی تفصیل، انتخابی مہم، پولنگ کے حالات غرضکہ تمام ضروری چیزوں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں ریاست حیدرآباد کے انتخابی طریقہ کو مع اسکی تفصیل کے بیان کیا ہے۔ مجالس مقامی، مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر آ گیا ہے۔ یہ رسالہ ایک بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ عوام کی سیاسی تربیت اور ان میں صحیح واقفیت پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ سے اسکی کوشش کی گئی ہے۔ اسکی افادیت اور زیادہ ہو جاتی اگر زبان سلیس اور عام فہم ہوتی اور نامانوس سیاسی اصطلاحات خاص کر حیدرآبادی اصطلاحات مثلاً والیان سمستان کی تشریح کر دی جاتی اور ملے

مراسلے

کھلا خط بخدمت میاں بشیر الدین محمود صاحب

(از فقیر نذیر احمد "درگاہ شریف" کیوڑے۔ جلیبو اور تعلقہ جونیر ضلع پونا)

السلام علیکم۔ میں نے ایک عریضہ کھلا خط آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا، جسکی مضمون یہ تھی کہ مرزا صاحب کے ان تشدیدات کو جن سے اُنکی تصدیق شخصی لازم آتی ہے، منصور ابن حلاج کے دعاوی کی طرح غلبۂ احوال کا نتیجہ قرار دے کر مبنی بر تاویل قرار دیں اور احمدی طبقہ کے درمیان اور امت محمدیہ کے درمیان جو خلیج کفر و اسلام حائل ہو گئی ہے اُسے پاٹ دیں تو کیا حرج ہے۔ مجھے اسوقت تک اس گزارش نامہ کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

میں آپ کی خدمت میں مزید گزارش کروں کہ منشائے خداوندی سے ذریعہ اس دنیا میں امیر دنیا کا تعلق نہیں۔ نہ تصدیق انبیا کے یہی معنی ہیں اس معنی پر ساتھ لوگ تصدیق انبیا کہتے ہیں، وہ فی الحقیقت شرک کے مرتکب ہیں۔ انبیاء کی تصدیق کے یہ معنی ہیں کہ چونکہ یہ طبقہ عملیہ اوامر و نواہی خدا کے عملی معیارات قائم کرتا ہے جس سے ان اوامر و نواہی کی عملی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے، اسی لیے اور اس نسبت میں انکی تصدیق لازمی قرار پائی ہے۔ ورنہ اصل دین توحید و رسالت ہے اور بس توحید و رسالت کا ہی فقہیانہ نام حقوق اللہ و حقوق العباد ہے، گویہ نام ایک مدارت نزل یافتہ تفصیل پر مشتمل ہے۔

اب چونکہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ سارے اوامر و نواہی کے عملی معیارات قائم کرکے دکھا گئے، جسکی پوری تفصیل تا قیامت موجود ہے اور رہیگی، لہذا اب کسی تصدیق شخصی کے کیا معنی۔ لہذا ایسے دعاوی کی قدر و قیمت اب صرف سکر و غلبۂ احوال یا یہ غلبۂ محبت ہے، جہاں اصل و فرع اور [illegible] ہو جاتا ہے۔ پورے تیرہ سو برس سے ہزارہا ہزار صدیقین خدا کا اسی پر اتفاق ہے۔

کسی امت آخر الزمان کا جو ذکر کتب احادیث میں ہے اُسکی ساری حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کوئی مرد خدا کسی دور میں ایسا آئیگا کہ جو اپنی غیر معمولی قوت عمل سے امت کے اندر بنائے دین ایک عالمگیر وحدت پیدا کر دیگا، جو ایک عالمگیر انقلاب پر منتج ہوگا۔ حاشا وکلا کہ اسکا آغاز دعوے اور اُسکی تصدیق سے ہوگا۔ اسلیے کہ نہیں کوئی نئے اعمال تو قائم کرنا ہی نہیں، بلکہ جو معیارات عمل محمد رسول اللہ سے قائم و ثابت ہیں، اُن پر وہ اُمت کو کھڑا کر دینگے۔ اللہ تعالی اُنھیں یکایکی عنایت کریگا۔ ورنہ اُنکے کسی قول کی کوئی تشریعی حیثیت نہ ہوگی بلکہ محض تکوینی ہوگی۔ تشریعی طور پر انکی حیثیت محض ایک مجتہد کی ہوگی اور بس۔ لہذا وحدت امت میں کسی قسم کے دعاوی کو حائل کرنا قطعاً منشائے تکمیل دین کے خلاف ہے۔ انکی اس حیثیت کو سنا ہی چاہئے ہے۔

میں آپ کی خدمت میں گزارش کرونگا کہ اپنے سب اخباروں میں ان سطور کو اشاعت دے کر پوری جماعت کو ادھر متوجہ فرمائیں۔

اسوقت بعض اقوام کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ اسلام کے سوا ان کے لیے کوئی راہ حیات نہیں۔ لیکن امت محمدیہ کے اندر ایسے ہی چند شخصی قیمت کے نہ کہ اصولی جھگڑے ہیں جن نے امت کو اپنی طرف متوجہ کر رکھا ہے۔ اگر آپ کی جماعت اس سے نکل آتی ہے تو قطعاً یہ سلسلے بھی اپنی جگہ قائم نہیں رہتے۔ اور محض شخصی اقتضاءات جو اسوقت مسلمانوں کو اصل اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلیے کہ موجودہ دور کی بین الاقوامی جمہوریت کی ہوا نے شخصیت پرستی کے سارے شواہد کو اس طرح مٹا دیا ہے کہ اب انسانیت کا ایک معتدبہ طبقہ اصول حیات کو اصولی حیثیت سے سمجھنے کے قابل ہو گیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان کا مستقبل قریب اسلام ہے لیکن اگر مسلمان ادھر متوجہ نہ ہوئے تو کمیونزم کے زور پکڑنے کا احتمال ہے (جو پورے مشرق کیلیے مہلک ہو سکتا ہے)، یہ اس لیے کہ جمہوری تصورات نے ہندو معاشرتی نظام کو (جو پورے مشرق کے لیے مہلک ہو سکتا ہے)، یہ اس لیے کہ جمہوری تصورات نے ہندو معاشرتی نظام کو کہ جو ایک نسلی نظام ہے کھوکھلا کر دیا ہے لہذا اب وہ سنبھل نہیں سکتا، نہ اُسکے سنبھلنے میں خود اس قوم کی بھلائی ہے لہذا اگر اندرونی شخصیت پرستانہ رکاوٹیں دور کر دی جائیں تو تمام دینی عناصر کا ایک جماعت میں منظم ہو کر محض تبلیغ کو اپنا پروگرام بنا لینا انشاء اللہ یقینی امر ہوگا۔ صرف شخصیت پرستی نے توحید و اخوت اسلامی کو پھیلنے سے روک رکھا ہے۔ سو اب اُسے اللہ تعالی نے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا ہے اور [illegible] ایک چیز میں نے اس سلسلہ کے بعض ہندو معزز ارباب کو بھیجی ہے اسکی بھی ایک کاپی ارسال خدمت کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمالیں [illegible] میری مندرجہ صدر گزارش کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ مولوی [illegible] کو اس پروگرام پر آمادہ کرنے کی سعی فرمائیں تو سارے اندرونی تفرقے بیک ختم ہو کر ایک بڑے کام کا آغاز ہو جائے)

نوٹ۔ میاں صاحب چند بشیروں را دیکھو یہ ہے تریاق امت کے افرو [illegible] دائمی خیر کی بخشیں بہ حیثیت مجموعی [illegible] کا۔ اگر خدا انھیں اس کام میں شریک ہونے کی توفیق بخشے اور جب چند مغالطات میں گرفتار ہو اس سے نکالے تو زہے ہماری قسمت۔ [illegible] خدا نہیں ہوتی انسان آفاقی مغالطوں سے بچے تو انفسی میں گرفتار۔ [illegible] ایک ایک نقل حسب ذیل اشخاص کو بھیجا بشرکت ثواب ہو (۱) مولوی آزاد (۲) مولوی حفظ الرحمن صاحب جمعیۃ العلماء ہند، گلی قاسم جان دہلی (۳) ابوالاعلیٰ مودودی (۴) سید فضل شاہ صاحب آف حزب اللہ، جلالپور ضلع جہلم، پنجاب (۵) مولوی غلام رسول صاحب مہر مدیر انقلاب، لاہور (۶) ڈاکٹر خیری صاحب، قرول باغ [illegible] دہلی (۷) ڈاکٹر ظفر الحسن صاحب سابق صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ یوپی (۸) سید ابن حسن صاحب جارچوی، ممبر پارلیمنٹ [illegible] لکھنؤ (۹) محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور۔

صدق۔ مراسلہ نقل مطابق اصل ہے، جس طرح موصول ہوا بغیر کسی ادنیٰ تصرف و ترمیم کے اسی طرح درج ہے۔ ورنہ ظاہر ہے [illegible]

[illegible] لکھنا قید تو کسبے ممکن نہ تھا۔ اسی طرح ان مندرجہ القاب اور عبارتیں اسکی امید نامہ مدیر ہیں۔ اگر کچھ مراسلے موصول ہوے، تو ضروری نہیں کہ وہ شائع ہی کر دیے جائیں۔

اصول تکفیر وضروریات دین

نمبر (۱۳)

(از مولوی عبد الرحیم صاحب جے پوری۔ فرنگی محل لکھنؤ)

ولا ینبغی ان یظن ان التکفیر ونفیہ ینبغی ان یدرک قطعا فی کل مقام بل التکفیر حکم شرعی یرجع الی اباحۃ المال وسفک الدم والحکم بالخلود فی النار فماخذہ کماخذ سائر الاحکام الشرعیۃ فتارۃ یدرک بیقین وتارۃ بظن غالب وتارۃ یتردد فیہ۔ ومہما حصل تردد فالوقف فیہ عن التکفیر اولٰی والمبادرۃ الی التکفیر انما تغلب علی طباع من یغلب علیہم الجہل الی ان قال قد فہمت من ہذا التکفیرات ان النظر فی التکفیر یتعلق بامور احدہا ان النص الشرعی الذی عدل بہ عن الظاہر ہل یحتمل التاویل ام لا فان احتمل فہل ہو قریب ام بعید ومعرفۃ ما یقبل التاویل وما لا یقبل التاویل لیس بالہین بل لا یستقل بہ الا الماہر الحاذق فی علم اللغۃ العارف باصول اللغۃ ثم بعادۃ العرب فی الاستعمال فی استعاراتہا وتجوزاتہا ومنہاجہا فی ضرب الامثال، الثانی فی النص المتروک انہ ثبت تواترا او احادا او بالاجماع المجرد فان ثبت تواترا فہو علی شرط التواتر ام لا اذ ربما یظن المستفیض تواترا وحد التواتر ما لا یمکن الشک فیہ کالعلم بوجود الانبیاء ووجود البلاد المشہورۃ وغیرہا وانہ متواتر فی الاعصار عصرا بعد عصر الی زمان النبوۃ فہل یتصور ان یکون قد نقص عدد التواتر فی عصر من الاعصار وشرط التواتران لا یحتمل ذلک کما فی القرآن اما فی غیر القرآن فیغمض مدرک ذلک جدا ولا یستقل بادراکہ الا الباحثون عن کتب التواریخ واحوال القرون الماضیۃ وکتب الاحادیث واحوال الرجال واغراضہم فی نقل المقالات اذ قد یوجد عدد التواتر فی کل عصر ولا یحصل بہ العلم اذ کان یتصور ان یکون للجمع الکثیر رابطۃ فی الاتفاق لا سیما بعد وقوع التعصب بین ارباب المذاہب الی ان قال واما ما یستند الی الاجماع فدرک ذلک من اغمض الاشیاء الی ان قال وقد صنف ابوبکر الفارسی رحمہ اللہ کتابا فی مسائل الاجماع وانکر علیہ کثیر منہ وخولفت فی بعض تلک المسائل فاذا من خالف الاجماع ولم یثبت عندہ فہو جاہل مخطی ولیس بمکذب فلا یمکن تکفیرہ والاستقلال بمعرفۃ التحقیق فی ہذا لیس بیسیر۔

عبارت مذکورہ بالا سے منجملہ دیگر امور کے جن سے اس احقر کے اکثر معروضات سابقہ کی تائید ہوتی ہے ۔۔ یہ امر صاف ہو گیا کہ جس طرح حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے دلیل نص قرآنی کو" بشرطہ ان یکون نصا صریحا لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید کیا تھا اسی طرح دلیل سنۃ متواترہ کو بھی "بشرطہ ان یکون السنۃ لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید ہونا چاہئے اور یہ کہ تواتر معنوی سے جو امر ثابت ہو اسکا انکار خواہ مخواہ ہی تکذیب رسول نہیں (ورنہ انکار شفاعۃ، انکار رؤیت وغیرہا کی وجہ سے معتزلہ کی تکفیر لازم آتی ہے) اس لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عبارت میں "المتواتر لفظا" کے ساتھ "او معنیً" غزالی کے مسلک کے لحاظ سے کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عملیات اور فقہیات کے سلسلہ میں تکفیر کے بجائے "تخطیئہ" مناسب ہے اس لیے حضرت شاہ رحمہ اللہ کی عبارت میں "مطلقاً من العملیات" کا اضافہ غزالی کے مسلک کے موافق نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معاملہ مجمع علیہ ایسا نہیں کہ جسکے منکر کی تکفیر کی جائے ورنہ سب سے پہلے اجماع کو حجۃ قطعیہ نہ ماننے والے کی تکفیر ہونی چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافۃ شیخین کا انکار بھی موجب تکفیر نہیں، پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تحریم بنات وامہات کے انکار اور خلافت شیخین کے انکار کو ایک ہی رکھیاں سمجھکر قرار دینا کہ "ولا شبہۃ ان من انکر امثال ہذہ الامور لم یصح ایمانہ بالکتاب المبین" اسے محض انکی رائے تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر دوسروں کے لیے وہ حجت نہیں جبکہ غزالی ایسا شخص اسکے موافق نہیں۔ اور اس معاملہ میں دوسرے محققین بھی غزالی کے ہم آواز ہیں۔ بنابریں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے ضروریات دین کا جو ضابطہ بنایا جائے (اس صورت میں بھی کہ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مذکورہ کی وہی تشریح اور توضیح ہو جو مؤلف اکفار الملحدین کے کلام سے اور انکی اتباع میں مولانا بنوری کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے) وہ ضابطہ مسلمانوں کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ ضابطہ "ضابطہ مسلمہ" نہیں بن جائیگا، زیادہ سے زیادہ اسے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے قرار دیا جائے گا جس میں وہ منفرد بھی نہیں، بسلسلۂ تکفیر کتب فتاویٰ میں جو جزئیات موجود ہیں ان سے اسکی تائید ہو سکتی ہے، مگر ان جزئیات کا حال اوپر ملا علی قاری کی عبارت سے بیان ہو چکا ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ضروریات دین کا انحصار ان ہر سہ امور میں بتانا شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا مقصد سمجھنا چاہیے (نہ یہ کہ ان ہر سہ امور کا انحصار ضروریات دین میں) ورنہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت شائبہ کذب سے خالی نہیں رہتی (العیاذ باللہ) کیونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ خبر دے رہے ہیں کہ ضروریات دین ان لوگوں کے نزدیک (علماء اہل حق کے نزدیک) فلاں فلاں امور میں منحصر ہیں (بہ تشریح مولانا بنوری فلاں فلاں امور میں سے ہر ایک ضروریات دین میں سے ہوتا ہے) لفظ "عندہم" سے بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علماء کا مسلمہ مسلک بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ محققین کے کلام سے یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ خیال علماء کا مسلمہ مسلک نہیں ہے۔ (ا۔۔۔ باقی ۔۔۔)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر گوئن روڈ لکھنؤ سے شائع کیا)

گاندھی جی اور عقیدہ نبوت

از علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

مکرم و مخدوم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - صدق بھی مسلسل ادھر مل رہا ہے - گاندھی جی سے اپنی ملاقات کا ذکر آپ نے خوب مزہ لے کر فرمایا ہے - اپنے کسی عریضہ میں اسی مسئلہ کے متعلق پہلے بھی عرض کرچکا ہوں - آپ حضرت علم رسالت کے متعلق ہوا - آپ سے بڑی شہادت اس کی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گاندھی جی "ہادی عالم" تسلیم کرچکے ہیں - باقی ہادی عالم کا مطلب اُنکے نزدیک کیا ہے؟ اگر وہی مطلب ہے جو ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے - یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ سے براہ راست غیر مشکوک علم لے کر دنیا میں تقسیم کرنے والوں کو ہم رسول سمجھتے ہیں - اگر "ہادی" کے لفظ سے گاندھی جی کی بھی یہی مراد ہے[1] تو "عالم" کے اضافہ کے بعد "نبوت محمدیہ" کی چند اہم خصوصیتوں میں سے جو سب سے بڑی اہم خصوصیت ہے - گاندھی جی اُس خصوصیت کو بھی گویا تسلیم کرچکے ہیں - بلکہ بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود نبوت کے دعوے کا اعلان گاندھی جی کی طرف سے اب تک جو نہیں ہوا ہے اسکو دیکھ کر تو مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ تشریعی طور پر نہ سہی شاید تکوینی طور پر انکو بھی محسوس ہوا ہے کہ "دعوے نبوت" کا وقت اب باقی نہیں رہا ہے - دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ اپنے طرز عمل سے نبوت محمدیہ کی دوسری خصوصیت یعنی "ختم نبوت" سے بھی انکا انکار نہیں پایا جاتا - مگر با ایں ہمہ مطلب مشکل یہ ہے کہ عالم کے ہادی کی ہدایت کا رُخ گاندھی جی خود اپنی طرف اور اپنی قوم کی طرف کیوں نہیں سمجھے - یقیناً عالم میں گاندھی جی اور انکی قوم بھی داخل ہے - آج لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احترام و تعظیم، مدح و توصیف کے الفاظ لکھا کرتے ہیں - لیکن اسی کے ساتھ خود اپنے لیے اس "نبوت عالیہ شاملہ" پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے، ان کی تعریفی و تعظیمی الفاظ کی کوئی توجیہ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتی - کیونکہ آدم کی اولاد میں شریک ہونے کے بعد گذشتہ تیرہ صدیوں میں نجات وابستہ نبی العالم کی نبوت پر ایمان لانا اگر وہ ضروری نہیں قرار دیتے تو اسکے معنی یہی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر دعاوی میں یعنی میں کافۃ الناس کے لیے رسول ہوں، یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (لوگو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں) وغیرہ میں العیاذ باللہ غیر واقعی امر کا مدعی سمجھا جائے، یا صاف لفظوں میں کہنا چاہیے کہ آپ کی صداقت کو مشتبہ قرار دیا ہے - میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غلط بیانی یا دروغ گوئی کا الزام جس پر لگایا جائے - اور جھوٹ بھی کیا؟ خالق کائنات پر افترا - معاذ اللہ تو سارے جہاں' اور ہر فرد انسان کے لیے آپ کو نبی نہیں بنایا تھا لیکن اپنی طرف آنحضرت کا یہ جھوٹ یعنی کہا اسی نے سارے عالم کا آخری پیغمبر مجھے بھیجا ہے بتایا جائے کہ جھوٹ کی اس سے بھی زیادہ مکروہ ترین صورت اور کیا ہوسکتی ہے بس یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کے دعوی کی تکذیب کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی گنجائش اپنے قلب میں کس طرح پیدا کرلیتے ہیں مجھے انکا یہی طرز عمل یہ یاد کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ زبان و قلم سے یہ جو کچھ کہتے ہیں صرف زبان و قلم سے کہتے ہیں - دل بھی انکا اس بیان میں زبان و قلم کا ہمنوا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ وہ بھی اسی طرح اپنا محبوب پیغمبر مان لیتے -

ایں قسم ایک طبقہ شاید ہمیشہ پایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو مانتا رہا ہے - لیکن اپنا نبی نہیں مانتا - ابن صیاد جسکے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ "المسیح الدجال" کی کوئی مثالی شکل تھی، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دریافت فرمانے پر کہ میں کون ہوں اُس نے جواب میں یہی کہا تھا کہ

انک لرسول الامیین — تم امیین (ام القریٰ والے اعراب) کے پیغمبر ہو -

تاہم کچھ ہو، اصل مسئلہ میں نے محمد کی جماعت کو دوسری جماعتوں سے جدا کر رکھا ہے، وہ خالق اور مخلوقات کی عبادت کا مسئلہ ہے - ہم محمدوالے خالق کے سوا مخلوق مخلوق کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں، وہی دل جسکے خمیازوں سے فطرت کبھی درگزر نہیں کرسکتی - دوسرے الفاظ میں بجائے مخلوقات کے صرف خالق ہی کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا محمدی پیغام کی روح

سے جی نہیں، یہی تو اصلی فرق ہے - اور اگر گاندھی جی وہی سمجھنے لگیں جو ہم آپ سمجھتے ہیں' تو پھر وہ مسلمان ہی نہ ہوجائیں -

انکے اصلی انکار کی چیز یہی مسئلہ وحی ہے - وہ وحی کے اس معنی میں قائل ہی نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے براہ راست اور غیر مشکوک قطعی علم ہے - بلکہ وہ وحی کے صرف اس حد تک قائل ہیں' جیسے ہم آپ بزرگوں کے کشف یا زیادہ سے زیادہ الہام کو مانتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان، بلا استثنا ناقص ہے - اور جب ناقص ہے' تو اُسکا کوئی بھی علم بالکل قطعی و غیر مشکوک نہیں ہوسکتا - بس ریاضتوں اور روحانی مشقوں سے اتنا ہوتا ہے کہ انسانیت میں ایک جلا پیدا ہوجاتی ہے' اور انسان کی اشرافیت بڑھ جاتی ہے - انکے آگے کوئی مرتبہ نہیں —— گویا پیمبر انکے خیال میں بس وہ مرتبہ رکھتا ہے' جیسے ہمارے خیال میں شیخ سعدی یا زیادہ سے زیادہ

* خواجہ اجمیری - ایک صاحب اخلاق "مرتاض" بزرگ - لیکن نہ ایسے کہ جنکا ہر ہر لفظ ہمارے لیے سند و حجت ہو -

وحی رسالت کے تخیل اور ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے عقیدہ سے یہ لوگ محروم ہیں - اور اصل یہ ہے کہ چونکہ توحید ہی انکی ناقص قسم کی ہے' اس لیے یہ گمراہی دور تک چلتی ہے - یعنی صفات الٰہیہ کے فہم ناقص سے -

شرک محض اور الحاد و جحود سے اتنا عقیدہ بھی بہت غنیمت اور ہزار درجہ بہتر ہے، لیکن وہ توحید و رسالت ہمارے معنی میں کہاں نصیب! (عبد الماجد)

اور گاندھی جی بھی آپ کے سامنے اس توحید کا اقرار کر چکے ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ
نہیں آتا کہ باوجود اس اقرار کے، انکے دل میں اسی خالق کی مرضیات سے
واقف ہونے کا جذبہ کیوں نہیں ابھرتا جسکے لیے ابھی آپ کو اپنی زندگی
اور موت کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم خالق ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں
آخر یہ بے معنی الفاظ تو نہیں ہیں۔ جسکے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اس سے
یہ دریافت کرنا کہ آخر ہم کیا کریں، کیا ضروری نہیں ہو جاتا۔ خود اپنی عقلی
ڈھکوسلوں سے باتوں کا پتہ چلانا، اور انکو خدا کی طرف منسوب کر دینا، یعنی سمجھ لینا
کہ خدا ان باتوں سے خوش ہوتا ہے یا ان سے ناخوش ہوتا ہے، خدا پر کتنا بڑا
افترا اور بہتان اسکے ساتھ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر
جسارت یہ ہے، کہ قطعی طور پر جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کی
خاص مرضیات کی تشکیل نہیں کرتیں ہیں بلکہ وہ آدمی مذہبی کتابوں
کی طرف سے منسوب کرنے والے جنہیں خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔
کو توراۃ و انجیل وغیرہ۔ کیا خود یہ منسوب کرنے والے نہیں جانتے کہ
ان کتابوں کی ہدایات کو خدا کی طرف منسوب کرنا، خدا پر افترا ہے۔ کیونکہ
وہ قطعاً جانتے ہیں کہ ان کتابوں کی بہت سی باتیں خدا کی نہیں بلکہ ان
لوگوں کی ہیں جنہوں نے خدا کے کلام کو اپنے کلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔
اور ناقابل انکار قطعی یقین کے بعد، ان ہی کتابوں کو یا ان کتابوں کی باتوں
کو خدا ہی کی طرف منسوب کرنا، اور انکو خدا کی مرضیات کی نمائندگی کرنے والی
کتابیں قرار دیتے ہوئے اس کتاب سے تغافل اختیار کرنا، جسکے متعلق یہی
نہیں جو اسے خدا کی کتاب مانتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں کو ابھی اس میں تردد
ہے، کہ خدا کی ہے وہ بھی اس اعتراف پر مجبور ہیں، کہ پیش کرنے والے
نے دنیا کے سامنے جس حال میں، اس کتاب کو پیش کیا تھا، قطعاً بغیر کسی
ادنیٰ رد و بدل و تفاوت و تغیر کے آج دنیا میں وہ موجود ہے میرا اشارہ

"ذلک الکتاب لا ریب فیہ"

کی خصوصیت رکھنے والی کتاب قرآن مجید کی طرف ہے۔ گاندھی کی شہادت
کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی عالم ہیں، اگرچہ ان کی شہادت ہے۔
تو پھر کون سی چیز انکو روک رہی ہے کہ جس خالق کے لیے اپنے آپ کو وہ
سمجھتے ہیں۔ اسکی خالص مرضیات کا علم اسی الہامی کتاب سے حاصل
کریں۔ خود اپنی عقل کی تراشی ہوئی باتوں کو وہ خدا کی بات آخر کب تک
قرار دیتے رہیں گے۔ جن باتوں میں خدائی باتوں کے ساتھ باتیں شریک ہو گئی
ہیں۔ انہی کو خدائی باتیں وہ کب تک یقین کرتے رہیں گے۔ انکا اصرار
بیجا اصرار ہے۔ اگر یہ ہے کہ خدا کی ان باتوں کو نہ مانیں گے۔ جو انکے نسلی
بزرگوں کی راہ سے پہنچی ہیں۔ تو اس صورت میں بھی کامیاب ہونے کی تدبیر یہی
ہو سکتی ہے کہ ساری نسلوں کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں ہادیوں،
اور پیغمبروں کے ذریعے جو کچھ دیا گیا تھا، ہر قسم کی غیر خدائی آلائشوں سے
پاک کر کے، ان ہی باتوں کو خود خالق تعالیٰ نے اپنی جس آخری کتاب میں سمیٹ کر
پیش کر دی ہیں اسی کتاب کو وہ مان لیں۔ گاندھی جی کو انکے نسلی بزرگوں کی
ساری باتیں بالکل تر و تازہ حالت میں بھی قرآن واپس کر دیگا، اس طرح واپس
کر دیگا، جیسے عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی تعلیم اور یہودیوں کو حضرت موسیٰ کی
تعلیم اسی کتاب کی راہ سے واپس مل چکی ہے۔

مذہب کے دینی لازوال حقائق جن پر مذہب کے غلط نمائندوں نے
انسانوں ہی کے اوہام کی تاریکیاں پھیلا کر انکو مشتبہ کر دیا ہے۔ قرآن ان ساری
تاریکیوں کو چھانٹ کر ان ہی حقائق کو انسانی یقین کے سامنے بے نقاب
کرتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بجائے یقین کے شک کی شکلوں میں ان
حقائق کے ماننے پر لوگ کیوں اصرار کر رہے ہیں۔ مطلب میرا یہی ہے اگر
آپ کا شک یقین کے قالب میں ڈھل جاتا ہے، تو اس یقین کے
لینے سے گریز کی آخر وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان ہی باتوں کو جنہیں کچھ
سے الگ ہو کر شک کی شکلوں میں اب مان رہے ہیں، کیوں نہیں کچھ
ایمان لاکر ان ہی کے ساتھ یقین کا تعلق اب پیدا کر لیتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲

اور انکے بجائے صوبہ بھر کی عورتوں کے لیے ایک الگ اور مخصوص جیل
بنایا جائیگا۔" (سٹیٹسمین، ۱۲ مئی)

کتنی عجیب مایوس کن اور افسردگی انگیز سی خبر ہے! کانگریسی حکومت کے
آ جانے سے توقع تو مزید ترقیوں کی قائم ہو رہی تھی، اور خیال یہ ہو رہا تھا کہ روشن
خیالی "زنانہ اور مردانہ کی تفریق ہی" سرے سے مٹا کر ایک ہی جیل مردوں اور عورتوں
دونوں کے لیے کافی سمجھیگی، اور دلائل اس قسم کے پیش ہونگے کہ بحیثیت مجرم
عورت و مرد میں فرق ہی کیا؟ اور جب یکجائی کے تجربے دفتروں اور کچہریوں میں
ہو چکے، اسکولوں اور کالجوں میں ہو چکے تو پھر جیل میں علیحدگی کے معنی کیا؟
لیکن یہ کیا، کہ یہاں تو الٹی گنگا بہنے لگی، اور رجعت پسندی کا ستارہ چمکنے لگا!

بقیہ صفحہ ۶

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، مولف تقادالملحدین نے اُسکی جو تشریح کی ہے اسکی
تشریح کی ہے انکے نقل کے بعد مولانا بنوری ارشاد فرماتے ہیں: "ان تشریحات سے
ضروریات دین کی حقیقت واضح ہو گئی۔ بات تو بہت لمبی ہو گئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق
کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہو گی" بشرطیکہ مولانا بنوری نے ابتک جو کچھ بیان کیا ہے
طالب حق صرف اُسی پر اکتفا نہ کرتے، اُسکے ساتھ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے
بھی پیش نظر رکھے۔ ابتک ضروریات دین کی حقیقت تشریح و توضیح سے بظاہر تو یہی
معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب قول فیصل (جنکا فیصلہ صدق نمبر ۳ جلد ۱ میں
شائع ہو چکا ہے) مولانا بنوری "قطعیات" اور "ضروریات دین" ان دونوں میں
مساوات کے قائل ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں . . . . قطعی
کا ضروریات دین میں سے ہونا ضروری نہیں ہے خصوصاً جب یہ بھی مسلم ہو کہ ضروریات
دین میں تاویل بھی مانع تکفیر نہیں۔ یا شاید مولانا بنوری نے ضروریات دین
اور لوازم دین کو مفہوماً متحد سمجھ لیا ہے اگر ایسا ہے تو یہ "ضروریات" کی بحث
نہیں، ضروریات دین کی حقیقت سے اگر کچھ نقاب اُٹھتا ہے تو فیصل التفرقہ
بین الاسلام والزندقہ للغزالی کے ذریعہ نہ کہ مولانا بنوری کے بیان کیے
ہوئے "بے ضابطہ" ضابطے سے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر "صدق"
گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچا مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:—
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ: آٹھ روپیہ
" ششماہی: ۴ روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/

صدق

نمبر ۱۶ | یوم شنبہ - ۲۱ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۴۶ء | جلد ۱۲

سچی باتیں

"ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی۔ جہاد کی پُرمحن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا۔ بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہوگئے تھے۔ دمشق آنے کے بعد انکو پورا کرنا شروع کیا، روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے۔ اس لیے طبیب نے روکا کہ صحت پر بُرا اثر پڑیگا۔ سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آیندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کیے۔ اس سے صحت اور بگڑ گئی، اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑ گیا۔ علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی، اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کرلی۔ وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہوگئی۔ جو آخر تک قائم رہی۔ عالم احتضار میں شیخ ابو جعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ پر پہنچے تو سلطان نے آنکھ کھول دی۔ زبان سے نکلا "سچ ہے"۔ لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی۔ اور پھر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کرلی۔ یہ صفر کی ۲۷ تاریخ، دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا۔" (خلافت عباسیہ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۳۹-۳۴۰)

فرمایئے، یہ موت کچھ لذیذ اور قابل رشک سی معلوم ہوئی یا نہیں؟ معلوم ہوگئی ہو، تو صرف اتنا اور سوچ لیجیے کہ یہ انجام بخیر کس کا ہوا؟ کسی صحابی کا؟ کسی ولی کا؟ ائمہ فقہ میں سے کسی کا؟ مشائخ طریق میں سے کسی کا؟ دوسری یا تیسری صدی کے کسی نامور محدث کا؟ مفسر کا؟ جی نہیں، ایک بادشاہ کا، اور بظاہر بالکل دنیادار بادشاہ کا! اور وہ بھی چھٹی صدی ہجری کے دنیوی بادشاہ کا، جسکا اصلی سرمایہ دین کی غیرت وحمیت تھا!—— اللہ کی رحمتیں اور نوازشیں، اور اللہ کے اس قرب، آپ اب بھی کہیے گے کہ کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ومحدود، اور کسی خاص "لیبل" کا پابند ومحکوم ہے؟—— امت کے لوک وسلاطین کی ہجو وتنقیص جب فیشن میں داخل ہوچکی ہو، اور انکی تفضیح ورسوائی کی ہوا جب عام ہوچکی ہو، تو کیا بعید تھا ہے۔ اگر کبھی کبھی کسی کی دعائے مغفرت کے لیے بھی ہاتھ اٹھ جایا کریں؟

شراب نوشی میں ترقی

ہمارے صوبہ یوپی میں پارسال شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کی بکری ۳۱ مارچ ۱۹۴۵ء کو ختم ہونے والے سال میں ۱،۵۲،۹۶،۲۲۷ روپیہ کی ہوئی تھی۔ ایک سال بعد ۳۱ مارچ ۱۹۴۶ء کو ختم ہونے والے سال میں ۱،۷۰،۲۱،۴۰۱ روپیہ کی ہوئی۔

یعنی اس سال ترقی دو فیصد ۷۵،۲۲۳،۱۷، بیان ہوا! (لیڈر، ۲۰ جون ۱۹۴۶ء) اور یہ صوبہ افلاس زدہ ہے! قحط کے کنارے پہ ہے! ننگا اور بھوکا ہے!—— صرف ۳ مہینے کی مدت میں پچھلے سال ایک کروڑ ۳۵ لاکھ کی شرابیں پی ڈالی تھیں، اور ایک ایک کروڑ ۷۰ لاکھ سے زائد کی!—— اور پھر شکوہ اپنے سے نہیں، اپنی تقدیر سے ہے!

خدا کی خدائی

"۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو مقام ویگان (انگلستان) میں کوئلہ کی کان کے قریب لوگ بیری نامی ۷۶ سال کی عمر کا ایک

جہاز نمبر ۱۴ کو لنکا کی کانوں ... پر شنٹ کرایا تھا، کہ دفعۃً زمین ایک ہوگئی اور پوری ٹرین مع ڈرائیور کے ۱۰۰ فٹ گہرے شگاف میں گھس کر رفتہ بالکل نظروں سے غائب ہوگئی۔ اس حادثہ کی تفصیل کوئی ایک لی گزار جانے پر اب دار العوام (ہاؤس آف کامنز) میں بیان کی گئی"۔

(ڈیلی میل۔ لندن۔ ہفتہ وار ایڈیشن۔ ۱۳۔ اپریل ۳۶ء)

"شکاگو۔ ۶۔ جون۔ کل رات کو شہر میں ایک ایسے ہولناک دہشۃ آتش زدگی سے دوچار ہونا پڑا، جسکی نظیر شہر کی تاریخ میں تو بہ ملتی۔ لاسیل ہوٹل شہر کا ایک مشہور و معروف ہوٹل ہے۔ ۲۳ زل لمبا، اور بعین ذات شہر میں ایک متمول اور فیشن ایبل رقبہ ہے۔ اسکے سب سے نیچے کی منزل میں شراب کے کمرے میں کسی نامعلوم سبب سے آگ لگی اور آگ بجھانے کے سارے آلات اور سامانوں کے باوجود بھی پورا ہوٹل جلنا شروع ہوگیا۔ سیڑھیاں مٹ گئیں، اور چاروں طرف بال فوراً تن گئے۔ مرد اور عورتیں اور بچے سب نے ... چلانا شروع کردیا، اور ہر طرف وہ چیخ پکار بلند ہوئی کہ سننے والوں کے کلیجے شق ہوگئے۔ ۱۰۰ آدمی بچا لیے گئے۔ ۳۰۰ ہوٹل نواز اور ۳۰ آگ بجھانے والے بُری طرح جھلسے۔ اور ۵۵ ہوٹل نواز اور ایک آگ بجھانے والا مٹا ختم ہوگئے۔ حادثہ کا سبب اب تک نامعلوم ہے"۔

(اے۔ پی۔ اے)

ذرا آواز دیجیے بوڑھے اکبر کو جو یہ دہ گئے ہیں ؎

حادثے اپنے طریقہ پر گزرتے ہی رہے

کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے!

اور یہ بھی سنا گئے ہیں ؎

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی!

معلوم ہوا افریقیہ اور ایشیا ہی نہیں، برطانیہ اور امریکہ تک بھی حکومت اس خدا کی اب تک قائم ہے!۔ ... بڑا قدم، جو حادثہ جب اور جہاں جس صورت میں پیش آنا ہوتا ہے، بعینہ اسی طرح پیش آکر رہتا ہے اور ان کی بڑی سی تدبیریں سب مل کر بھی تقدیر کے نوشتہ کا ایک شوشہ ایک نقطہ نہ مٹا سکنے پر قادر ہیں، نہ ہٹا سکے ہیں!

ستم ایجاد امریکہ!

امریکہ سے خبر آئی ہے کہ وہاں کے محکمہ بحری نے ایک دوسرا آلہ ایٹم بم سے بھی بڑھ کر اور مہلک تر ایجاد کرلیا ہے۔ یہ گویا اس ایٹم بم کی خاکستر (راکھ) ہے! اسکے ننھے خوردبینی ذرات میں سے ہر ذرہ بجائے خود مہلک ہے۔ امریکی مشینیں یہ سالہا ہزار پونڈ کی مقدار میں ہر روز تیار کرسکتی ہیں! اور اسکے ۲۵ کروڑ ذروں سے ۲۵ ہی کروڑ افراد بالکل آناً فاناً اور بے خبری میں ہلاک ہوسکتے ہیں۔ نباتات، سبزہ زار، درختوں کے تخم، سب کے حق میں یہ زہر کی پڑیا اسی قدر مہلک ہے!

چنگیز، ہلاکو، نیرو، اٹیلا، وادِیِ "غرض مشرق و مغرب کے جتنے بھی ظالم و سفاک فرماں رواؤں کے نام یاد پڑیں، سب کو خیال میں لے آیئے۔

اور پھر یہ سوچیے کہ وہ سب مل کر بھی اس حیرت انگیز وحشت انگیز ہوش اڑا دینے والی اور یقین میں نہ آنے والی سفاکی کا مقابلہ کرسکتے ہیں! توپوں کے اور پھینکنے والے شیر اور بھیڑیے اور ریچھ اور گینڈے اور تیندوے، سمندر میں رہنے والے گرمچھ اور گھڑیال، غرض جنگلی اور آبی جتنے بھی درندے آج تک ہیں، ان سب کی مجموعی تعداد بھی ہلاکت آفرینی میں "صاحب" کی اس ایجاد کے مقابلہ میں لائی جاسکتی ہے؟ شاعروں نے بڑی بلند پروازی کی، آسمان کو ستم ایجاد کا لقب دیدیا، کوئی مناسبت آسمان کی اس فرضی اور خیالی ستم ایجادی کو سائنس کی اس واقعی ستم ایجادی سے ہے؟

بلندی یا پستی؟

لیڈر کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے:۔

"پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی [مینا تال والی] تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دور اب ختم ہو رہا ہے۔ اور آئندہ چند سال میں ہمیں ایمانداری و دیانت اور قوت و تحمل کے ان عظیم الشان ذخیروں کو بروئے کار لانا ہوگا، جو کسی ملک کو بڑا بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ پنڈت نہرو جب سے جیل سے چھوٹ کر آئے ہیں، ملک کی خودمختاری کے اس تعمیری پہلو پر برابر زور دے رہے ہیں"۔ (لیڈر۔ ۱۵۔ جون ۳۶ء)

کیا بہت بہتر نہ ہوگا کہ پنڈت جی اور گاندھی جی خود اسکی تحقیق کریں، اور جائزہ لیں، کہ اس اخلاقی اور انسانی نقطۂ نظر سے اس دس پانچ سال کے اندر ملک کچھ اونچا ہوا ہے یا اور نیچا؟ قوم میں دیانت داری، امانت اور ایمانداری کے اوصاف کو ترقی ہوئی یا اسکے برعکس رشوت خواری اور بددیانتی اور اندھا دھند نفع خوری کا وہ بازار گرم ہوا ہے جسکی نظیر پہلے کبھی نہیں ملتی! اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں پاکبازی، حیاداری، اور ضبط نفس کا نشوونما ہوا ہے، یا اسکے برعکس ہر قسم کا شہدپن داخل فیشن ہوگیا ہے؟ فضا ایثار، بے نفسی، حق پسندی کی سازگار ہوئی ہے یا خودغرضی اور نفس پرستی کے؟

ایک صحیح اصول

صوبہ کانگریس کمیٹی (یو۔ پی) کے دفتر (لکھنؤ) سے صوبہ کی تمام شہر، ضلع اور قصبہ کانگریس کمیٹیوں کے نام احکام جاری ہونے والے ہیں، کہ جولائی میں کانگریس کمیٹیوں کے جو سالانہ انتخابات ہونے والے ہیں، اُن میں سے کم از کم ایک چوتھائی نشستیں مسلمانوں کے قبضہ میں آنا چاہئیں۔ صوبہ کانگریس کمیٹی کے ذمہ دار افسروں کو اب اسکا پورا احساس ہو چلا ہے کہ کانگریس کے ہر ادارہ میں مسلمانوں کی کچھ نشستیں مخصوص ضرور ہونی چاہییں"۔ (پاینیر۔ ۱۵۔ جون ۳۶ء)

کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت و عدم شرکت کا سوال الگ ہے، لیکن خبر اگر صحیح ہے تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ بالآخر کانگریس کو بھی مسلمانوں کا ایک مستقل اور علٰحدہ وجود تسلیم ہوگیا۔ اور تجربہ نے اُسے بتادیا کہ انتخابی مجلسوں اور اداروں میں مخصوص نشستوں کا تحفظ غلط اور مفسدانہ نہیں، بلکہ صحیح و مصلحانہ طریق کار ہے۔

نو گزے پیر

سنڈے ٹائمس (لندن) ۲۸۔ اپریل ۳۶ء میں

مولانا مودودی کی خدمت میں

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

—(۱)—

مولانا عبد الصمد رحمانی (جو اپنی چند مفید دینی کتابوں) کی وجہ سے دینی حلقوں میں بہ نظر امتیاز دیکھے جاتے ہیں، اور گو ایک وکالت کے عصری ہنگاموں میں اپنے اور اپنی جماعت کے خاص نقطۂ نظر کی وجہ سے بہار کے مسلمانوں میں ان کا وہ مقام باقی نہیں رہا ہے، جس کے اپنے علم و فضل کی بنیاد پر وہ مستحق ہیں، تاہم ان کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ مولانا ابو المحاسن محمد سجاد مرحوم سابق نائب امیر شریعت بہار کی جگہ نائب امیر شریعت کے امتیازی عہدے پر گذشتہ سال ان ہی کا انتخاب ہوا ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ امارت شرعیہ کی نظامت کا کام انجام دیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد علی مونگیری قدس اللہ سرہ العزیز سے شرف بیعت رکھتے ہیں، رحمانی کے لفظ سے اسی نسبت کا اظہار مقصود ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ان ہی مولانا عبد الصمد رحمانی کا ایک مکتوب بحالت اضطراب و انتشار موصول ہوا ہے۔ جسے بجنسہ خدمت والا میں پیش کر رہا ہوں:-

"مخدومنا المحترم دامت برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
داعی مع الخیر ہے

یہ معلوم کرکے کہ ان دنوں آپ گیلانی میں تشریف فرما ہیں۔ مدتوں کے بعد آج اس تقریب سے یہ حاضری ہے۔ کہ جناب کو "ترجمان القرآن" بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ کے "اشارات" کی طرف توجہ دلاؤں۔ جس میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے لکھا ہے کہ

"اسوقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں جو حالات ہیں وہ بہت سے اعتبارات سے" انبیاء کے فترہ کے زمانہ سے اشبہ ہیں" یہ تو شبہہ کرنا سوء ظن ہوگا کہ قادیانی کے ظلی بروزی نبی کی طرح آیندہ کسی "اشبہ نبی" کے ظہور کی یہ تمہید ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے، کہ تعبیر کا یہ ایسا پھوہڑ پن ہے، جو ہر وقت ٹوک دینے کے لائق ہے۔ ورنہ کہیں آگے چل کر اس جماعت کے سفرطار اور تشدد فی الواقعہ کہیں اس خطرہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ پھر اس تمہید کے بعد مسلمان تو مسلمان۔ غیر مسلموں کے متعلق بھی یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ

"باقی رہیں غیر مسلم قومیں تو انصاف یہ ہے کہ ان کے بارے میں بھی اگر اپنی ذمہ داریوں کا ہمیں ٹھیک احساس ہو۔ تو تبلیغ۔ اور اتمام حجت سے پہلے ہم کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ ہم اُن کو کافر سمجھیں۔ یا کافر قرار دیکر اُن سے بیزاری اور علیحدگی کا اعلان کریں"۔

مطلب یہ ہے کہ اب تک اسلام کے متعلق موجودہ اقوام عالم پر نہ تو اتمام حجت ہوئی ہے۔ اور نہ تبلیغ۔ اور شاید "قد تبین الرشد من الغی" کا ارشاد قرآنی موجودہ دور کے لیے درست نہیں ہے ——— یہ خیال جس طرح پر پیش کیا گیا ہے۔ اگر غلط ہے۔ تو اسکی طرف توجہ ضروری ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جب تک بڑے آدمی کے ذمہ دارانہ کوئی چیز تحریر میں نہیں آتی ہے۔ تو چھوٹوں کو جرأت نہیں اس لیے ضرورت ہے کہ آپ اس پر ایک ذمہ دار تحریر قلمبند فرمائیں تاکہ دوسروں کو بھی ہمت ہو۔ صرف تعقیب میں اگر کوئی نکلا تو اسکا اتنا وزن نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ اسکے متعلق فرما دیں۔ اور مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کو بھی توجہ دلائیں کہ اس پر وہ بھی مختلف عنوانوں سے چند نوٹ لکھ دیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت اور مع الخیر ہو۔ والسلام

ناچیز۔ عبد الصمد رحمانی۔ از دفتر امارت شرعیہ۔ پھلواری

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور انکی جماعت کے متعلق مسلمانوں میں خطرات کا احساس روز بروز شدت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے کچھ اندازہ آپ کو اس خط سے بھی ہو سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ مودودی سے ذاتی نیاز کا شرف اگر حاصل نہ ہوتا تو میری بھی معلومات محض انکی تحریری گستاخیوں کی وجہ سے شاید ان ہی حدود تک پہنچ جاتیں جہاں تک دوسرے پہونچ رہے ہیں۔ یا آیندہ پہونچیں۔ انکی سلیم فطرت، متوازن دماغ، گہری نظر، پر مجھے یقین تھا اور ابھی اس اعتماد کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوا ہے۔ جن وسوسوں میں مولانا رحمانی مبتلا ہو گئے ہیں۔ یعنی وہی بات جس کی طرف اپنے ایک فقرے میں آپ نے بھی اشارہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو یا نہ ہو مجھے خوب یاد ہے۔ ارقام فرمایا گیا تھا کہ

"پٹھان کوٹ کا ناصلہ قادیان سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے"

(او کما قلت)

میرے خیال میں انکی کوششوں کو کسی مستقبل دعوے کی تمہید قرار دینا بدگمانی ہی نہیں بلکہ شاید بدزبانی بھی ہو۔

البتہ دوسرا مسئلہ یعنی مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے باہر نکالنے کی کوشش، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لوگوں کا رشتہ توڑنا جن کا مایہ سرمایہ اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ میں داخل ہیں"

مستحق اس جرم کی پاداش میں کہ محمد کو انھوں نے محمد کیوں مان لیا ہے کیوں اللہ کے اس سچے رسول کو سچا رسول مانتے ہیں۔ آج مغرب پرست ملکی اقوام انکے استیصال کے درپے ہیں۔ لیکن مولانا پر یہ حقیقت پوشیدہ ہوئی ہے کہ موجودہ مسلمانوں کا نبوت محمدیہ پر ایمان و اعتقاد باقی نہیں آپ جانتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مولانا سے بذریعہ مسدق بھی اور کبھی خط و کتابت کے ذریعہ گفتگو کرتا رہا ہے۔ یہ جو خارجیت والے مضمون پر مولانا کا عتاب فقیر پر محض اسی جرم پر نازل ہوا تھا کہ اس تحریک کا اید سرچشمہ ہیں ... اس وقت بھی میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ مولانا مودودی کی ذات بابرکات ہے۔ اس سلسلہ تمام گے ... عنایت فرمانے پر بغیر مزید جستجو کے "ترجمان القرآن" نے کسی پر جیسے چند فقرے کیفیت طور پر نقل کرکے میں نے بھیجے تھے۔ جواب میں مولانا نے مجھے لکھا

گر اس قسم کے مقالات و مضامین ان احتیاطوں کی امید نہ کرنی چاہیے جو قانونی اور فقہی مسائل کی تعبیر میں برتی جاتی ہیں۔ گویا اپنی ان تعبیروں کو انھوں نے ایک قسم کی خطابی تعبیر قرار دی۔ اور گو پچھلے دنوں سے مولانا کے مقالات و افادات میں اب وہ بے باکیاں کم پائی جاتی ہیں جو پہلے ہوتی تھیں۔ لیکن ان کے اشہب کا قلم اب بھی بے لگام ہو جاتا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں مجھے امید ہے کہ بجائے آگے بڑھنے کے تجربہ دان بزرگوں کو بالآخر اعتدال کے نقطہ تک کھینچ کر لے ہی آئیگا۔ اپنے نقطۂ نظر میں یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ان کو فترت کے زمانہ کے لوگوں کے مشابہ نظر آتی ہے۔ اللہ کو بھی مان رہے ہیں، رسول کو بھی مان رہے ہیں، اللہ کی کتابوں کو بھی مان رہے ہیں، ملائکہ کو بھی مان رہے ہیں، تقدیر کے خیر و شر کو من اللہ بھی سمجھتے ہیں، مرنے کے بعد جی اٹھنے کو بھی اپنے ایمان کا لازوال جزو بنائے ہوئے ہیں، ان کی ایک بڑی تعداد نمازوں کی بھی پابند ہے، اکثریت ان کی روزے بھی رکھتی ہے۔ حج کا فرض بھی ادا کرنے والے ادا کر رہے ہیں، زکوٰۃ و صدقات کی نیکیوں میں بھی مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ ہے، قرآن کی تلاوت کو مسلمانوں کی اکثریت نے اب تک نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ہر ملک اور ہر صوبہ ہر ضلع بلکہ شاید ہر آبادی میں اس وقت بھی کثیر تعداد ان لوگوں کی مل سکتی ہے جن کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے۔ الغرض بروں کے ساتھ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اچھوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کی اس وقت بھی دنیا میں موجود ہے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا مقدس خون قرآنی حروف پر بہایا گیا، جب حرہ کے واقعہ میں مسلمانوں ہی نے اپنے پیغمبر کے مدینہ کو لوٹا کھسوٹا، صحابیوں کو صحابیوں کی اولاد کو انتہائی بے دردیوں سے قتل کیا، اور جو باتیں کہی نہیں جا سکتیں ان کا ارتکاب پیغمبر کے اسی شہر میں مسلمانوں ہی نے کیا، اللہ کا گھر جلایا گیا، کعبہ کی بے حرمتی کی گئی، اور اسی نے جسے کعبہ سے بھی زیادہ اسلام میں محترم تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی گردنیں اسی کعبہ کے جلانیوالے کا کلمہ ساکی تعداد میں دین اسلام کے رسول کا گھرانا دشت کربلا میں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کرب و بلا میں جب مبتلا ہوا، اور کیسا کرب؟ کیسی بلا؟ کیسی ابتلاء۔ اور یہ تو موٹے موٹے تاریخ اسلام کے وہ واقعات ہیں، جن کے دہرانے کی ہمت مجھے اس لیے ہوئی کہ میرے دہرائے بغیر بھی لوگ ان سے واقف ہیں۔ لیکن جن چیزوں کا ذکر مسلمانوں کے ہونی کا ذکر بالسر بن جائیگا۔ جو ان سے واقف ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جن عام بدعملیوں کی شکایت آج مسلمانوں کی کی جا رہی ہیں مشکل ہی سے کوئی ایسی صدی نکل سکتی ہے جس میں ان بدعملیوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمان نہیں پائے جاتے تھے۔ بنی امیہ والوں کا دمشق ہو یا غرناطہ و قرطبہ، اور عباسیوں کا بغداد ہو یا شیراز، مصر ہو یا ہند، کسی ملک کے صرف بدنام سلاطین ہی نہیں بلکہ خوش نام عوام میں بھی وہ ساری آلودگیاں آپ کو نظر آئیں گی جنھیں آج مسلمانوں میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نہ کبھی پہلے اچھوں ہی اچھوں سے دنیا معمور تھی، اور نہ آج بروں ہی بروں سے دنیا بھر گئی ہے۔ کچھ اچھے کچھ برے پہلے بھی تھے اور آج بھی اسی قانون کا گذرے ہوئے لوگوں کی یہ گواہی ہوگی ورنہ …

… ہو سکتی ہے … یہی حال ہے

میری غرض یہ نہیں ہے کہ اس تاریخی تجربہ کو پیش کر کے دین کی عظمت سے لوگوں کو میں روکنا چاہتا ہوں۔ اور نہ یہ مقصود ہے کہ العیاذ باللہ میں مسلمانوں نے پیغمبر کے شہر کو لوٹا، پیغمبر کے خاندان کو خاک و خون میں برباد کیا، مسلمانوں کا قتل عام کیا، ان کو سراہنا چاہتا ہوں، بلکہ کہنا یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ فترت کے زمانہ سے تشبیہ دینے کے لیے آخر مسلمانوں کے اس عہد کو کیوں مختص فرمایا جا رہا ہے، جس میں یہ واقعہ ہے کہ کسی نے رسول کے نواسے کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہیں کیا ہے، مدینۃ الرسول کے مخدرات حیا پرور و عصمت مآب کی عفت کے ناموس پر دست درازی نہیں کی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ان پچھلے دنوں اور آج جو دن گذر رہے ہیں ان دونوں میں کچھ فرق اگر پیدا ہو رہا ہے، تو یہی پیدا ہوا ہے کہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کا ان دنوں عالم پر جو قائم تھا، اس عالمی اقتدار رکھنے والی سیاسی خصوصیت سے وہ محروم ہو گئے ہیں۔ لیکن ایام "فترت" کی تعریف میں سیاسی اقتدار کے وجود و عدم کا سوال میں تو نہیں جانتا کہ کسی زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ چونکہ سیاسی اقتدار سے محروم ہو گئے تھے اس لیے فترت والوں کو فترت کی حالت میں بتایا گیا تھا۔ میں اس توجیہ سے قطعاً ناواقف ہوں۔ پھر موجودہ مسلمانوں کے حال کو فترت والوں کے مشابہ جو قرار دیا جا رہا ہے، بتایا جائے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی دیکھیے تو اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو عالمی اقتدار کا جو مقام حاصل تھا اس مقام سے وہ ضرور گرے ہیں، لیکن باوجود اس کے عالم پر نہ سہی، عالم کے مختلف حصوں پر ان کا سیاسی اقتدار مختلف نوعیتوں سے قائم ہے۔ کہیں وہ مطلقاً آزاد سیاسی اقتدار رکھتے ہیں، کہیں سیاسی اقتدار رکھنے والوں نے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے ان کو اس علاقہ کا سیاسی اقتدار سپرد کر دیا ہے، لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی سیاسی اقتدار اس علاقہ میں مسلمانوں سے قطع نظر کر کے قائم نہیں کیا جا سکتا، گو یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایسے مسلمان بھی ہوں جنھیں اقتدار کی مذکورہ بالا قسموں میں سے کسی قسم کا کوئی اقتدار حاصل نہ ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت کو بھی فترت کی حالت سے تشبیہ دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے بعد تیرہ سال تک بغیر کسی قسم کے سیاسی اقتدار کے مکہ معظمہ میں مسلمان جن دنوں تک رہے، تو کیا وہ اپنے پیغمبر کے ساتھ فترت کی حالت میں مبتلا تھے، یا نبوت محمدیہ پر ابتدائی ایمان لانے والوں کا جو گروہ ہجرت کے برسوں بعد اس علاقہ میں جا کر موجود ہو گیا تھا، جہاں عیسائیوں کا سیاسی اقتدار قائم تھا، یعنی حبشہ۔ اور اسی حال میں ایک بڑی تعداد اسی ملک میں وفات پا گئی، تو کیا وہ بیچارے "ایام فترت" یا "ایام جاہلیت" کی طرف اسلام لانے کے بعد واپس ہو گئے تھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ بیرون عرب جہاں رومیوں اور ایرانیوں کی حکومت قائم تھی۔ کچھ لوگ پیغمبر کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد پھر انھیں رومیوں اور ایرانیوں کے علاقوں میں واپس ہو جانا …

لگے، مسلمان ہونے کے بعد پھر شرک کی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ ولید بن عبد الملک جو ... آیا تھا۔ انکے حالات پڑھیے، نیز روسی حکومت انکو بعض ... مسلمان ہونے کے بعد اپنے اپنے اوطان کی طرف جو لوٹ گئی تھی انکا حال پڑھیے اور سوچیے، کہ عہد حاضر کے مسلمان نزعت کی حالت میں آپ کو ... نظر آتے ہیں۔ اس عہد مسلمانوں کا یاد کیجئے وہاں کی نظر کا قصور ہے۔ بہر حال مجھے مولانا مودودی اور انکے اتباع سے گلہ کچھ اگر رہا ہے وہ اسوقت تک ہے، وہ مسلمانوں کے متعلق ان حضرات کا حسن ظن نہایت تشدد آمیز ہے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ مولانا مودودی میں "اسلامی حقائق" خصوصاً جنکا اجتماعیات اور سیاسیات سے تعلق ہے، انکی تعبیر و تبیین کی جو غیر معمولی قدرتی صلاحیت ہے، اسکو دیکھ کر ہمیشہ اسی آرزو نے دل میں سر اٹھایا کہ کاش! مولانا کا شبدیز قلم کفر کے مقابلہ میں غزا و جہاد کے لیے آمادہ ہو جاتا۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے نکال کر پھر انکو مسلمانوں کی جماعت میں شریک کرنے کی کوشش انکی طرف سے اور انکے متبعین کی طرف سے جو ہو رہی ہے) میں نے ایک دفعہ نہیں بار بار مولانا سے نجی مراسلات میں عرض کیا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں میں لانے کی طرف اگر آپ توجہ کرینگے، تو کامیابی کی مجھے زیادہ توقع ہے۔ تازہ دم مسلمانوں کی تازہ ایمانی حرارتوں سے اسکی بھی امید ہو سکتی ہے کہ افسردہ دل ٹھنڈے مسلمانوں کے قلوب بھی گرما جائیں۔ لیکن مولانا کے آستانہ عالی تک فقیر کی صدا رسائی نہ حاصل کر سکی۔ اگرچہ ترجمان القرآن کی بعض اشاعتوں میں خیال آتا ہے کہ مولانا نے خود اظہار فرمایا ہے کہ غیر مسلموں پر انکی تحریروں کا اثر تعجب انگیز طور پر پڑ رہا ہے، جب انکی طرف خطاب نہیں ہے، اسوقت تاثیر کے متعلق خود مولانا کو جب ایسے تجربات حاصل ہو رہے ہیں تو براہ راست مخاطب بنا لینے کے بعد یقیناً شاندار نتائج کی توقع قائم کی جا سکتی ہے مولانا مودودی ایک خداداد سلیقہ سے سرفراز ہیں۔ اس قسم کے مسائل میں انکی نظر محیط اور ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ بحث کا مشکل ہی سے کوئی ایسا پہلو باقی رہ جاتا ہے، جسے انکے قلم نے تشنہ چھوڑ دیا ہو۔ طرز ادا دلنشین، طریقہ تعبیر دل آویز۔ اسی کے ساتھ انکی فطرت کی بلندی کی شہادت تو صدق ہی کے ذریعہ سے متعدد بار ادا کر چکا ہوں۔ خود خاکسار نے مولانا عبد الباری کی رفاقت میں مولانا سے جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری کی طرف طلبہ کے فائدے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں بار بار توجہ دلائی، لیکن جس وقت انکے مالی ذرائع "تقریباً صفر" کی حیثیت رکھتے تھے، انتہائی خندہ جبینی کے ساتھ مولانا نے ہم لوگوں کے مشورے کو مسترد فرما دیا۔ غناء قلب کے مقام رفیع پر جو اپنے قدم استوار کر چکا ہو، اور ذہنی و دماغی، تحریری و انشائی حیثیت سے ان خداداد خصوصیتوں کا مالک ہو، جنکے مالک مولانا مودودی خدا کی طرف سے بنائے گئے ہیں، اندازہ کرنا چاہیے کہ صحیح استعمال اگر انکا لیا جاتا یا اب بھی اگر لیا جائے تو کیسے کچھ نتائج نہیں برآمد ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کی یہ بھی بدقسمتی ہے کہ جو دوسروں کو مسلمانوں میں لانے کے لیے پیدا کیا گیا تھا وہ الٹ گیا، اور مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت

نکالنے پر اپنا سارا زور صرف کر رہا ہے، اور نکالنے کے بعد پھر جن مسلمانوں کو مسلمانوں میں داخل کیا جا رہا ہے انکے لیے اصل الفاظ الٰہی سے مجرد کر کے اردو کا ایک قرآن تیار کیا جا رہا ہے۔ اور وہ قرآن نہیں جسے خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے عطا کیا تھا، بلکہ اس قرآن سے مولانا مودودی کا فہمیدہ قرآن، اردو زبان کا، وہ جو تیار کیا جا رہا ہے، اسی کو مروج کرنے کی جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کوشش انکے سامنے ہی مولانا مودودی کا مستقل ترجمہ و فہمیدہ یہی [illegible] قرآن جسکا نام انہوں نے

"ترجمان القرآن"

رکھا ہے، جب خدا کے الفاظ سے محروم ہو کر مولانا مودودی کے الفاظ میں رسالہ ترجمان القرآن میں پہلی دفعہ شائع ہوا، تو خاکسار نے اسی وقت مولانا کو لکھا، اور جن حضرات کے احساس نے مسلمانوں کو تیرہ سو سال سے اس طریقہ کار کے اختیار کرنے سے روکے رکھا، انکی طرف توجہ دلائی۔ جواب میں مولانا نے اسوقت خاکسار کو باور کرایا تھا کہ اس مسئلہ میں بالکلیہ میں مسلمانوں کے عام متوارث طریقہ کار ہی کا پابند ہوں۔ بطور نمونہ کے چند اجزاء اسوقت "ترجمان القرآن" میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے اگر پسند کیا، تو پھر اصل الٰہی الفاظ کے ساتھ اس ترجمہ کو شائع کیا جائیگا۔ لیکن نمونہ نمونہ باقی نہ رہا۔ نصف سے زیادہ مولانا مودودی کے الفاظ والا قرآن رسالہ ترجمان القرآن کا جزو بنکر شائع ہو رہا ہے۔ اور کیا تعجب ہے کہ مولانا کے ماننے والوں نے بجائے خدائی الفاظ کے مودودی صاحب کے الفاظ والے قرآن ہی کو زیادہ مفید خیال کر کے اسی کی تلاوت شروع کر دی ہو۔ (باقی آیندہ)

بقیہ صفحہ ۲

ایک انگریز کا مراسلہ:-

"۱۹۴۱ء میں جب میں سلہٹ میں تھا، میں نے مشہور و معروف شاہ جلال کی قبر کو دیکھا تھا۔ دس گز لمبی قبر تھی، اور اس پر زیارت گاہ کی طرح جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں"۔

اس بیان کو پڑھ کر یاد پڑ گیا کہ ہندوستان میں بھی (کم از کم صوبہ اودھ تو یقیناً) بڑی لمبی لمبی قبریں مسلمان پیروں کی جانب منسوب ہیں۔ یہ "نوگزے پیر" کہلاتے ہیں، اور انکی قبروں کا طول تو نوگز بیان کیا جاتا ہے! ـــ عجب نہیں کہ یہ بلا بھی بت پرستی و دوسری بلاؤں کی طرح مشرک و جاہل قوموں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں آگھسی ہو۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

.... اقبال منزل (آگرہ) حسن ظن کا شکریہ۔ لیکن صدق کا دائرہ عمل سیاسیات کی ان جزئیات پر بحث کا نہیں۔ تنویر (لکھنؤ) منشور (دہلی) وغیرہ کو آپ اپنی فرمائش لکھ سکتے ہیں۔

دانائے راز

از جناب سید شاہ بلیغ الدین حسن صاحب

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (میر)

کہتے ہیں کہ شاعر پیدا ہوتا ہے بنتا نہیں۔ یہ بات کچھ شاعری پر موقوف نہیں، حقیقت یہ کہ ہر اہل کمال اپنی ذہنی صلاحیتوں اور فطری رجحانات کے سہارے ہی بڑھتا ہے اور استقامت کے لوازم عزم ہوتے ہیں۔ پیراک ابھرتا چاہے تو موجیں سہارا دیتی ہیں۔ یہ اولیت ہے لیکن موجوں کے بیچ ہی شناور ابھرتے گئے، اپنا ہنر ہوگا۔ ہندوستان کے مطلع سیاست پر ظلمت کی شخصیت نمودار ہوئی تو یہ محمد علی کی دعوت یا بہادر کی مہاسبھائی ذہنیت کا نتیجہ نہ تھا۔ ایک پارے کی خواہش تو تھی پر ایک دریا کی فطرت روانی! اتھاہ جیسی گہرائی اور وسیع دامنی جیسا آر دیو دھی!! — سوچیے تو کہ قیادت کی کونسی آن بان تھی، رہنمائی کی کونسی شان، جو خدا کے اس بندہ اور بندوں کے اس ناخدا میں موجود نہ تھی۔ وہ کونسے نقش و نگار تھے جن سے ایجاز فطرت نے اس گل سرسبد کو بنایا سجایا نہ تھا! قدرت نے دل دیا تھا اور کیسا دل؟ جو آتش مصطفوی اور سوز صدیقی سے معمور تھا۔ دماغ بخشا تھا اور کیسا دماغ؟ طوسی کی طرح یگانہ سیاست اور رازی اور غزالی کی طرح قیس دین نکتہ شناس۔ زبان دی تھی اور کیسی زبان کہ عندلیب بوستان بھی شرما جائے۔ سرسبز کی لَے ترانہ اس کی آب آب ہو جائیں۔ وجاہت دی تھی اور کیسی وجاہت کہ دیکھتے ہی زبان پکار اٹھے — تبسم گُدگُداتا ہوا نکلا کہ جمال ہے۔ جمال بھی تھا، شان جلال بھی، اندازِ تمکنت بھی۔ آثار عجز و فتادگی بھی! جسم خاکی تھا۔ انسانیت کی پوری جلوہ فرمائیوں کے ساتھ۔ انسانیت بھی خلیفۃ الارض کی آن بان کے خلافت ارضی بھی مردِ مومن کی رعنائیوں میں۔ ایک شخصیت سی شخصیت تھی ایک وجاہت سی وجاہت۔ شاہین تھا کہ اقبال کا ایک شعر تھا مجسم۔ قیادت کا ایک مجموعہ تھا۔ تسلسل!! ایک روح قلندری تھی متحرک!!! نگاہیں اٹھتی تھیں تو دل بول اٹھتے تھے — جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم! دریاؤں کے جگر جس سے دہل جائیں وہ طوفان!

سینہ عجم آج دکن کے اس قائد کو مسلمانان ہند کے اس زعیم کو خاک اور خواب سے بے نیاز ہوئے ہوئے سالوں بیت گئے۔ پورے چوبیس مہینے! اس عرصہ میں کس کس لمحہ اس کی یاد ستائی ہے؟ کیا بتایا جائے کہ کب کب نگاہوں نے اسے ڈھونڈا!! کسی جلسہ کا اعلان آیا تو آنکھیں آپ آپ ہوگئیں۔ کسی تقاضے کا نقشہ نظروں میں آ گیا۔ تو دل پاش پاش ہوگئے۔ ہیکر دھند کا شیشہ پڑا تو نگاہیں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔ دار السلام کی یاد گولکنڈہ میں ایک ہیولیٰ سا بننے لگا۔ قائد اعظم کسی سے گفتگو کرنے والے ہوں تو یاد ستائے۔ ایوان والیان ریاست کا کوئی غیر معمولی اجلاس ہو تو ریاستی مسلم لیگ کی کرسی صدارت کا خیال آئے۔ چومحلہ مبارک میں کوئی منافقت ہو تو سیرت الامت کی طرف ذہن دوڑنے۔ مرنے والا مرگیا۔ دنیا کے بکھیڑوں سے چھوٹ کر اپنے خانقاہ کے جوار رحمت میں جگہ پا گئے ہیں۔

لیکن ہمارا دل ابھی تک بے تاب ہے اور ایک پل ایک لمحہ نہیں چھوٹتی۔ غالب نے سچ کہا تھا ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

آج حیدرآبادیوں کے قلوب اس حقیقت کی ترجمانی کر رہے ہیں ہی کیا بمبئی جا کر کوئی قائد اعظم سے پوچھئے۔ یوپی میں کسی نے آنکھ کو دیکھا آئے۔ پنجاب جا کر کوئی کشمیر کو اور سرحد اور بنگال، بہار، خاص کر سرحد آئے۔ بلوچستان پہنچ کر قاضی سے مل آئے۔ پائے اور دائے کی کتنا بیان نہیں ہے! کون آنسو نہیں رو رہا ہے — یہ ماتم سخت ہے کہ کہہ شد بہار

فکر و نظر میر محمد نو اب بہادر مرحوم دے چراغ اہلِ دنیا کی دلچسپی کا لازمی عیش و نشاط اور عشرت رہے تھے۔ جاگیر سب خدا کی راہ میں لٹا دی تھی۔ تن من دھن سب قوم کی خدمت کے لئے پیش کر دیا۔ جس مقصد کے لئے جیتا رہا۔ دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتا رہا جاگتا رہا۔ شمال مشرق و مغرب، ہر جگہ پہنچا ہر مقام پر گیا۔ جہاں وہ مسلمانوں کے خادم، تخت و تاج آصفی کے ایک جاں نثار کی حیثیت سے نظر آتا تھا۔ وہیں اس نے سو... سے گفتگو کی تو خطاب اور جاگیر و مسند کیش ایک باغی اور متمرد کی حیثیت سے نہیں ایک صاحب اور وفا شعار خدمت گذار کی طرح جس نے اپنی گرہ کا سارا مال ملت کے لئے لٹیرے خود ہی لٹا دیا ہو۔ سیاست فرنگ نے کوشش کہ لٹے ہوؤں کے سامنے کو خرید لے کہیں ایمان مومن بھی کہیں لٹتا ہے؟ اللہ کو سمجھنے والے بھی کہیں ان طلسم کاریوں میں پھنستے ہیں۔ یہ جانا ہی سروں کے لئے ہے۔ کشمیر سے ناحق ناروا نکال دیا گیا تو ہند و کھائی شیر ببر بسمل درندے کی طرح مغلوب الغضب نہیں ایک سیر... احیاس کی طرح، ایک آشنا نے گرم و سرد مدر کے اندر رنگ کو بکھیرا، مقام سرزنش پر سرزنش کی کا ایک قدر سکھی مسکراتا ہوا آگے نکل گیا۔ دبی ہوئی چنگاری کو دامن کی ہوا دینا آسان ہے مگر شعلے بھڑک رہے ہوں اور ان پر قابو پا لینا مشکل ہے بہت خاکساروں کا مشتعل مجمع ہے سر سکندر کی کوٹھی گھری ہوئی ہے۔ ادھر ہے کہ تلواریں چلیں کہ اب پولیس کے سپاہی انتظام سے ... اور سر ... ہیں پر غضب مجمع کو سنبھالنا کوئی ہنسی کھیل تو ہے نہیں! ایسے ہی انسان کو بلایا جاتا ہے۔ کہاں تو ذلک تنازعات لڑے تھے اور کہاں دیکھتے ہی امن و سکون کی فضا طاری ہوگئی۔

حیدرآباد میں ستیاگرہ کا زمانہ یاد کیجئے۔ کیا ہنگامہ کیا اٹھایا گلی کوچے میں لڑائیاں ایک طرف معصوم بچوں زنانوں کو ... سینہ توڑ میں زہر دیا جا رہا تھا۔ قائد اعظم کے دو معصوم بچوں پر کر مار ڈالے گئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کا اشتعال دیدنی ہٹھانوں نے آدمیوں سے دو دو اور سیدیوں سے لے کر ... ڈالا تھا۔

... میں تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے حیدرآباد کا خون آلودہ ... ہو گیا۔ انسانی سروں کا ایک سمندر تھا جو بیت الامت ... تھا ایک مسلح مجمع! بلکہ مجمع کیوں کہئے! ایک فوج تھی جو اپنے سپہ سالار ... کی تھی۔ ملک کے گوشے گوشے اور پلیٹ ہوئی تیوریوں سے ایک ... منظر جیسا تھا اٹھی ہوئی تلواروں اور دلوں میں تیغوں کے سامنے ... ہونے والا نوجوان سال و جواں فکر قائد مجمع میں آیا۔ فرزند ... حیدرآباد کی حیثیت سے اسے بیٹھ جانی لیکن حاشیے میں آپ کیا ہوا! ... میں رحمت للعالمین کا نام لیوا اعفو و کرم کا درس دیتے تھا۔ کہاں ... اور کہاں بڑی خواہش دار وگیر و مسلح انسانی سیلاب اس بن دیکھو ... جیسے تھم گیا! ہی فضا میں کبھی کوئی پرجوش نعرہ ہی بلند نہ ہوا تھا۔ ... قائد اعظم کو بھی ملا۔ سروجنی نائیڈو کی آنکھیں بھی کی بھی رہ ... للکارنے والی سیاسی ... نے کہا مجمعوں کو منتشر کرنے والے مقرر ... دیکھے ہیں لیکن جوش و ہیجان میں قابو پانے والا خطیب نہ میں نے ... سنا — یہ شان خطابت یہ حوصلہ!! یہ فکر و نظر!!! ع

... کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی

جسے نہ مال کی ہوس ہو نہ جاہ و منصب کی پرواہ اس کا کوئی کیا بگاڑ ... سکتا ہے؟ درویش خدامست کے لئے مقام اور منزل کا کیا تعلق؟ ... سے مطلب نہ صفاہان سے نہ سمرقند سے جو کلمہ حق زبان سے نکلتا ہے ... اسلام کی فضا کے لئے بھی تھا شاد و منزل کے ماحول کے لئے بھی۔ اپنے ... عزیز ساتھی کی معمولی سے معمولی لغزش پر کڑی سے کڑی نکتہ چینی بھی ... کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ دار کی غلط روش پر سخت سے سخت تنقید ... نے ایک جرات سی جرات پائی تھی ایک بے باکی سی بے باکی۔ ایک ... بے نیازی سی بے نیازی جو خوف خدا کے سوا اور کوئی خوف لاحق نہ ہو سکتا تھا ... بوسیدہ کو بھی قلندری کرے۔ اسکی شان قلندرانہ کوئی کیا بتائے؟

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہندوستانی سیاست کی فریب کاریوں نے حیدرآباد کے امن و اماں پر چھاپا مارا، آریہ سماجیوں کی یورش شروع ہوئی دیکھتے ہی دیکھتے ... شروع ہو گئی۔ حالات کے مایوس کن منظر میں ہیجان اور ... کے پرخطر ماحول میں مسلمانوں کو ایک خضر کی ضرورت تھی ... شر و فساد کا جواب عصائے موسوی ہی ہو سکتا تھا۔ میلاد کی ... الامت نے نعرہ حق بلند کیا۔ ... نے جدید حیدرآباد کے لئے ... سرگرمیاں شروع کیں۔ ایک طرف سیاست حیدرآباد کی تھی دوسری طرف اتحاد المسلمین کا پیارا دیپ! کبھی بردران ملک سے گفتگو نے مفاہمت کو ... حکومت سے مراسلت! دن اور رات مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔ ... ملت کے لئے منبر اور حیلین حرام تھے۔ بہت جلد یہ کٹھن گھڑیاں گزر گئیں ... تدبیر نے بہت سی گتھیاں سلجھا دیں مسلمانوں کی آرزوؤں ... نے "بیت الامت" کا ایک سہارا دل گیا۔ مگر قائد ملت کہلانے والے ... ملت کے لئے صبر آزمائشوں کا ایک باب کھل گیا۔ اس دانائے راز ... کبھی جمعداری آڑے آئی کبھی خطاب اور جاگیر کا وارث بن گئے۔ ... آزمائشوں کی شکل طرح طرح کی پابندیاں شروع ہوئیں۔ منزل کٹھن تھی

رہ پرخطر، مگر ایمان سلامت تھا اور خدا کا مضبوط سہارا۔ بڑی سے بڑی قربانی دی۔ سارا اختیار کیا۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے، ان کی تنظیم کے لئے وہاں ایک ہی خواہش تھی صرف ایک — اگر کچھ ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں!

یادگار ملک و ملت کے لئے تن من دھن لٹا دینے والے سپاہی کی شہادت پر مسلمانوں نے کیا کیا؟ ہندوستان مردہ پرست سمجھا جاتا ہے حیدرآباد نہ زندہ پرست نہ مردہ پرست!! ایسے مجاہد ایسے زعیم کی وفات کو آج دو سال گزر رہے ہیں ملت نے اس کی کیا یادگار قائم کی؟ مجلس نے اس کے لئے کیا کوشش کی؟ — حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں!! یادگار تو اس مرد خدا کی خدمات ہیں! اس مجاہد اسلام کے اپنے اعمال! ان کے آگے کوئی اور یادگار کیا قائم ہو سکتی ہے؟ یوں کرشن محفل کے لئے ٹیکنیکل کالج کی الاپ کچھ بری نہیں ان چھپے بیسیوں میں جانتے ہیں آپ مرنے والے کے ہمدم و دمساز۔ ملک و ملت کے بڑے بڑے خدمتگزار کیا کیا کچھ کر گزر رہے ہیں؟! اس اجمال کی تفصیل اکوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

نشان راہ یہ سب باتیں ایک طرف یہ تو بتائیے کہ قائد کی حیات اور وفات نے مسلمانوں کو کیا سمجھایا؟ کیا بتایا؟ داغ مفارقت اپنی جگہ ایک مستقل ناسور سہی لیکن اس شہید ملت کی زندگی اور اس کی موت دونوں نے جو نشان راہ ملت کے لئے چھوڑا ہے اس پر عمل پیرا ہونے کی خواہش کیوں بیدار سے زیادہ بیدار نہیں؟! جسے دیکھئے تو اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور یہ اس لئے کہ آبدیدہ ہونا معیار محبت قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ صناعی کر کے دکھ ٹکوں کی رشیدہ کاری ہے! ہائے اور وائے کا سہل اور آسان کام عورتوں اور ننھے منوں کے لئے ہے جوان سال اور جوان ہمت افراد ملت کو تو قائد نے عمل اور پیہم عمل کی دعوت دی ہے۔ لیکن کتنے قلوب ہیں اور کتنے ذہن جو نام نہاد اظہار محبت سے ہٹ کر صحیح معنوں میں اپنے قائد کی یاد اپنے عمل سے تازہ رکھے ہوئے ہیں؟ اگر اتحاد المسلمین صرف بہادر یار جنگ کا پلیٹ فارم تھا تو بہادر یار جنگ کے ساتھ یہ پلیٹ فارم بھی ختم ہو گیا۔ لیکن اگر یہ ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندیوں کا تھا تب تو قدرت خدمت اسلام کے لئے ہزاروں جمال الدین افغانی اور زغلول سید اکبر پیدا کرتی رہے گی جنھیں قائد مرحوم سے تعلق خاص ہے

وہ مجلس سے اپنا رشتہ کیوں نہیں جوڑتے؟

ان کی ساری عمر کی کمائی کو ٹھکرا کر صرف آنسو بہاتے رہنا نہ تقاضائے فراست ہے نہ نشان مردانگی! مسلمانوں کو تو عوے بڑے بڑے ہیں لیکن سچ سچ بتائے کہ دو سال کے اس عرصہ میں مجلس کے ساتھ اپنی وابستگی کا مسلمانوں نے اور مسلمانوں کے قائدین نے کیا ثبوت دیا ہے۔ قائد گزر چکا ہے مگر مجلس زندہ ہے۔ قیادت کا انشاء عجیب مقدر لیکن یہ نشان موت نہیں تنظیم کی شکست و ریخت یہ موت ہے یہ سانحہ ارتحال ہے! اتا ترک نے بستر مرگ سنبھالا تھا تو قلب کو ایک سکون سا سکون تھا کس لئے؟ مرنے والے کو یقین تھا قوم شعور آشنا بیدار ہو چکا ہے کہ ترکی کا بچہ بچہ اب اتاترک ہے۔

پر مسلمان ہر جگہ پیدا ہوتا ہے ... اور جھا ہے یہی خیالات اسلامی مذہب کچھ ہے۔ یہی وہ سنگ میل ہے جس کی طرف قائد کی روح مسلمانوں کو بلا رہی ہے۔ کچھ مسلمان ہو اور یہ نشانی رہے ! اچھی طرح سمجھ لیجئے — فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں !

(دور بیرونکن)

اسلام اور مسلمان

ایک دوست لکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کے کسی مخالف نے پچھلے سال لکھا تھا کہ "محمد علی جناح کے مجوزہ پاکستان میں پاکستانی چکلہ۔ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے ہوں گے" یہ تو ایک معاندو مخالف کے جلے دل کے پھپھولے تھے۔ جو اس شکل میں پھوٹے۔ لیکن حال ہی میں ایک اشتہار نظر پڑا "پاکستانی لنگی"۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ یہ لنگی خالص ریشم کی ہے جسے بیاہ شادی کی تقریبوں میں لوگ زیب سر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ لنگی ضرور خرید لی چاہیئے۔ حالانکہ حضور سرور کائنات صلعم نے ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے میں ریشم تھام کر فرمایا تھا۔ "معذان محرمان علےٰ ذکور امتی" میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ یہ اشتہار پڑھ کر اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں اس مخالف کی بات ٹھیک ہی نہ نکلے۔ جس نے پاکستانی سینما۔ پاکستانی چکلہ اور پاکستانی شراب خانہ کا طعنہ دیا تھا۔ ہمارے یہ دوست نہایت ہی دقیانوسی قسم کے مسلمان معلوم ہوتے ہیں جو آج کل کے زمانے میں اسلام اور شریعت کا نام لیتے ہیں۔

اجی حضرت۔ آج کل عربی اسلام غریب کو کون پوچھتا ہے۔ اب تو اسلام یہی ہے کہ سیاسی نعرے لگائے جائیں اور مغربی تمدن اختیار کیا جائے۔

"پاکستانی سینما" بھی عنقریب معرض وجود میں آنے والا ہے۔ لاہور میں "ملت اسلامیہ" کے چند غیور حضرات علامہ اقبال کی تعلیمات اور قائد اعظم کی سیاسیات کو پردہ سیمیں پر لانے کا بندوبست فرما رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک کھیپ کی کھیپ فراہم کی جا رہی ہے۔ بشرط خیریت چند مہینوں میں "پاکستانی سینما" قائم ہو جائے گا۔ اور ہم آپ سب "اسلامی تھیٹر" میں جا کر اور اسلامی فلمیں دیکھ کر اسلامی "ایکٹرسوں" کے اسلامی حسن و جمال کا چرچا کیا کریں گے۔ کیونکہ اسلام کے مفاد کا تقاضا یہی ہوگا۔ کیا آپ نے نہیں سنا۔ حال ہی میں مصری شراب کے ایک ہزار بکس جن کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے۔ کراچی میں پہونچ گئے ہیں۔ اور یہ پہلا مبارک واقعہ ہے۔ کہ ایک اسلامی ملک سے "اسلامی شراب" ہندوستان پہنچی ہے۔

ایک زمانہ تھا۔ جب ہندوستان میں سندھ کے ساحل پر سب سے پہلے محمد بن قاسم نے قدم رکھا تھا۔ آج سندھ ہی کے ساحل پر ایک اسلامی ملک کی تیار ہوئی شراب پہلی دفعہ اُتاری جا رہی ہے۔

ابتداء وہ تھی۔ انتہا ہے یہ

اب ان اسلامی ملکوں کی صنعتی ترقی پر کون بدبخت شبہ کر سکتا ہے۔ ایران تو ہمیشہ ہی سے مشہور تھا۔ اور شراب شیراز کو اسلام بھی شکست نہیں دے سکا اب تو عراق، فلسطین اور مصر بڑے بڑے یورپی ملکوں سے بھی آگے بڑھ

راقم الحروف نے ... اس ... احتجاج کر لیا۔ اس کے بعد وہ وہسکی ہندوستان میں نظر نہیں آئی اسلامی ملکوں میں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہوگی۔

ایک دوست نے بیان کیا۔ کہ ایران کے بازاروں میں بعض دوکانوں پر حضور سرور کائنات۔ حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی تصویریں اسی طرح بکتی ہیں۔ جیسے یہاں کرشن۔ ارجن اور بھیم اور بعض شنکر کی تصویریں ہندو دکانوں میں آویزاں نظر آتی ہیں۔ آپ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے کو روتے ہیں۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ ہم آپ جیسے اولڈ فیشن اسی طرح چیختے چلاتے مر جائیں گے۔ اور دنیا سیاسی و تمدنی "ترقی" کے راستے میں بدستور گامزن رہے گی (انقلاب)

مراسلہ

کرم فرمائیاں

ناظرین صدق اس اطلاع سے انشاءاللہ ضرور مسرور ہوں گے کہ مدرسہ جعفریہ انگرواقع ریاست نیپال کے تعمیری ضروریات پر دو بزرگوں نے خاص طور سے دلی توجہ کو منعطف فرمایا ہے۔ چنانچہ جناب محمد عارفین صاحب کلکتہ نے ایک بیمہ ... اور تکمیل عمارت کے لئے دعائیں بھی دیں جزاک اللہ اور جناب غلام محمد صاحب حیدرآبادی نے تو یہاں کرم فرمایا کہ درسگاہوں میں سے ایک درسگاہ کا کل خرچ میری درخواست پر مبلغ یکہزار ... روپیہ ارسال فرما دیا۔ بارک اللہ

مقامی لوگوں سے مدرسہ کا سالانہ تعلیمی خرچہ اساتذہ و ملازمین و طلبہ وغیرہ کے اخراجات بحمداللہ پورے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب بھی ما بقی درسگاہوں اور کتب خانہ کی عمارت کے لئے دس ہزار کی ضرورت ہے۔ اہل دل و اہل نظر عربی پسند اسلام دوست امراء اکرام سے درخواست ہے کہ ماہ رجب آگیا ہے اس میں اپنے زکاتوں کی رقوم سے کوئی رقم بھیج کر جاری امداد قبول فرمائیں۔ وکان سعیکم مشکورا

ترسیل زر کا پتہ

عبدالرؤف خاں بہرائچی۔ نائب ناظم مدرسہ جعفریہ

ڈاکخانہ ... ضلع بستی

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس ... میں طبع کرا کے گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)	وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ چھ روپیہ
" ششماہی ۳ روپے
قیمت فی پرچہ ۲ ار

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

جلد ۱۲	جمعہ - ۲۳ - ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۴۷ء	نمبر ۴۹

لکھنؤ کا یوم النبی

(۱) ۱۲ ربیع الاول سے قبل

گورنمنٹ کی طرف سے اعلان پر اعلان، کہ شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہوگئی ہے، کوئی لکڑی، ڈنڈا لیکر بھی مسلمان باہر نہ نکل سکیں گے، اور کسی طرح ہرگز جلوس مدح صحابہ نہ نکل سکے گا۔ پولیس اور فوج پولیس کے نئے نئے انتظامات چوراہوں پر، سڑکوں پر جا بجا چوکی پہرہ۔ مسلمانوں کی ہر نقل و حرکت پر طرح طرح کی بندشیں۔ اور پابندیاں - ۱۱ - کی شام کو دفعہ ۱۴۴ کی گرما بازار

سنیوں کی طرف سے بار بار جز خوانی کہ جلوس مدح صحابہ ۱۲ ار کو ضرور نکلیگا۔ ہزار مخالفت و بندش کے باوجود نکلیگا۔ شیعوں نے مزاحمت کی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائیگا۔ انھوں نے "قدح" کی جسارت کی، تو ادھر سے بھی "قدح" میں کمی نہ ہوگی ——— گویا "قدح" کی اجازت اہل سنت کے مذہب میں بھی ہے!

شیعوں کی طرف سے پکار اور للکار، کہ خبردار اگر مدح صحابہ پڑھی گئی، تو ہم اپنے آلہ "قدح" (یعنی تبرا) کو کام میں لائیں گے، اور سنیوں کو ہمیشہ کے لیے سبق دیدینگے ——— گویا شیعہ مذہب میں غیر شیعہ پیشواؤں اور بزرگوں کی مدح سننا جرم بتایا گیا ہے!

(۲) ۱۲ ربیع الاول کو

پولیس کے ہر ممکن انتظام، حکام کی ساری دوڑ دھوپ، زبردست نگرانیوں اور کڑی بندیوں کے باوجود، شہر کے مختلف گوشوں اور سڑکوں پر "قانون شکنی" کے مظاہرے۔ ایک جھگڑا اور ہنگامہ، زبانوں پر "مدح صحابہ" کے مصرعوں کے ساتھ ساتھ "قدح حکومت" کے ترانے، اور "زندہ باد حکومت برباد" اور "رفیع احمد قدوائی (وزیر داخلہ) مردہ باد" کے نعرے! گرفتاریاں اور نظر بندیاں۔ تبرے کی گندی صداؤں کا شور۔ سنیوں پر چھروں اور لکڑیوں سے حملے۔ گلیوں میں اور سڑکوں پر ہر یہودی، ہر مجوسی، ہر ہندو، ہر سکھ کو گشت کی پوری آزادی۔ جرم صرف مسلمان کے لیے، ہر کلمہ گو کے لیے باہر نکلنا۔ اور اس امتناعی قانون کا نفاذ ہر علوی، ہر فاروقی، ہر "بدعتی"، ہر "وہابی"، ہر "رافضی" اور ہر "خارجی"، ہر "ناصبی" اور ہر "قادیانی" کے لیے یکساں! ——— شام تک گرفتاریوں کی تعداد اگر ہزار ڈیڑھ ہزار تک نہیں، تو چھ سات سو تک تو ضرور پہونچ گئی۔ کچھ زخمی اسپتال میں داخل ہوئے!

یہ تھی اس ۱۹۴۷ء کی ۴ فروری کو شہر لکھنؤ میں مسلمانوں کے قدیم مرکز تہذیب و تمدن میں یوم میلاد النبی (۱۲ ربیع الاول) رحمت عالم کے یوم ولادت کی روداد ——— اور یہی امت غیروں کو اسلام کی طرف بلا دینے کا حوصلہ رکھتی ہے!

تفریق کے حدود

پادری جان جوش سپنرز اڈیٹر مدرسہ اسلامیات کے صدر، اور ایک مشہور مشنری ہیں۔ جو نہ اسلام کے دوست ہیں، نہ مسلمانوں کے کسی فرقہ کے خیرخواہ - اپنی مستقل و معروف کتاب PEOPLE OF THE MOSQUE ("اہل مسجد") میں مسلمانوں کے اندرونی فرقوں کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" اصل سبب کوئی بنیادی اعتقادی اختلافات نہ تھے - اصل دینی عقائد تو سب ہی فرقوں میں مشترک ہیں، اور اسی لیے سب ہی اپنے کو مسلمان کہلانے کا حق رکھتے ہیں.

یہ مرکزی عقائد یہ ہیں :-

(۱) کلمۂ شہادت توحید و رسالت

(۲) یہ عقیدہ کہ قرآن آخری الہامی کتاب ہے جو تمام کتبِ سابقہ کی ناسخ ہے۔ یہ ہیں پہلا شعائر جو ... ایک سیاسی مسئلہ تھا جو پیمبر کی جانشینی کا انتخاب ... یا اسکا اختلافات نے اتنی ... میں ... مباحث ... (فیلکٹ ریکارڈ)

... ان ... مجاہدین کا ... دل ... اتنی حقیقت پر ... کسی داناں کا کہنا ... اگر یہ ... سے بھی نکل جائے تو ... میں کیا ... ہے ؟

جہاد اور جہادِ نفس

... اخبارات ... میں ... یہ ... :

"حکومت پنجاب کی انتہا ... تیور"

"مجاہدین ... مجاہدانہ عزائم"

"ظالم ... پر حکومت کے قوانین کی ... میں"

"پنجاب کے طول ... میں ہزاروں مسلمان بلکہ ... کی گرفتاری"

"... کہ یہ ... اسلام کی بیقراری"

"... مسلم لیگی ... ہیں ... "

"... پر ... اسلام کو خطرہ"

... سرخیوں کے تحت مضامین اور ... اسی انداز کے اور اسی رنگ کے ... اور ... گورنمنٹ اور کانگریس کے بعد قوم کا ایک تیسرا مستقل محاذ پنجاب کی مخلوط (یونینسٹ) حکومت کے مقابلہ میں ... جوش مبارک ... لیکن عرض صرف اتنی ہے کہ آخر ... بیرونی دشمنوں کی تعداد ... بڑھتی چلی جائیگی، اور کتنے نئے محاذ ... کھلتے جائینگے؟ کبھی بھی نوبت **اپنی اصلاح** کی آئیگی؟ اور کبھی بھی ملت کے کانوں تک یہ آواز پہنچائی جائیگی، کہ سب بیرونی دشمنوں سے بڑھ کر دشمن **ہمارا اپنا نفس** ہے؟

بیرونی دشمنوں کا مقابلہ اپنی جگہ یہ ضروری ہے۔ لیکن بہرحال اسکے بھی حدود ہیں۔ یہ تو نہیں کہ قوت ساری کی ساری اسی بیرونی ... اور رجز خوانی اور للکار کی نذر کردی جائے، اور زندگی کی وسیع مہلت میں چند لمحے بھی یہ جائزہ لینے کے لیے نکالے جائیں، کہ آخر ہمارے اندر بھی کچھ خرابیاں کمزوریاں ہیں؟ ——

... جو ... جوشیلی تقریر ... کرتا ہے اور سپاہیوں کی ... انکے کردار ... انکے دینی تقوے کی ... کرے، اسکی اہلیت ... کے باب میں آپ کیا رائے قائم کرینگے؟

ایک لعنت سے آزادی

"حیدرآباد دکن۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت سرکار عالی نشرگاہ حیدرآباد سے طوائفوں کے گانے کے بند کردینے کے مسئلہ پر غور کررہی ہے۔ یاد ہوگا کہ عارضی حکومت ہند کے ریڈیو ممبر سردار پٹیل نے آل انڈیا ریڈیو سے طوائفوں کے گانے کیم مارچ ۱۹۴۷ء سے بند کردینے کا حکم دیا ہے" (خبر)

کوئی اچھی بات اگر ابوجہل کی زبان سے بھی نکلے، تو اسکے قبول کرنے اور ... دینے میں مسلمانوں کو تامل نہ ہونا چاہیے۔ سردار پٹیل سے مسلمانوں کو لاکھ شکایتیں بھی، لیکن یہ ... انھوں نے سرکاری محکمہ ریڈیو سے طوائف نوازی کا سلسلہ ...

بند کرنے کا حکم دیا ہے یہ ہر مسلمان کے لیے باعث مسرت اور قابلِ تقلید ہے۔ اللہ اپنے دین کا کام ہمیشہ ابرار و صالحین ہی سے نہیں لیا کرتا، فاسقوں فاجروں، منکروں اور ملحدوں سے بھی کبھی کبھی لے لیا کرتا ہے ——— عزاداری کے صدور تو نہیں ... جائیں بلکہ جراءتکاری کو عزت کی بلند کرسی پر جگہ دی ہے، جتنا کام اس سرکاری حوالہ ریڈیو نے (اور ستم یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان ہی حکام کی سرپرستی میں) چند سال کے اندر کر ڈالا ہے، اسکی نظیر شاید ہی کہیں اور مل سکے۔

البتہ سردار پٹیل کے حکم کے ایک جزو کے اندر سخت غلطی ہے۔ انھوں نے طوائفوں اور سابق طوائفوں کو ایک سطح پر رکھا ہے۔ حالانکہ جو ان میں سے توبہ کرکے اپنا پیشہ چھوڑ چکیں، اور اب نکاح کرکے یا بلا نکاح بھی شریفانہ زندگی اختیار کرچکیں، اُنکی ... عقلی ہر اعتبار سے بالکل دوسرا ہونا چاہیے۔ اُن میں اور قدیم شریف زادیوں میں قطعاً کوئی فرق نہ ہونا چاہیے۔

تجدد گاہ میں حجود

آکسفرڈ ... یونیورسٹی ... کے رسالہ ... (CHERVILL) کے ایک تازہ نمبر کی کاپی نقل سے ایک شعبہ کی صدر ... خاتون کے پاس پہنچ گئی اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ حکام یونیورسٹی نے اس نمبر کی اشاعت ہی روک دی۔ اس پرچہ میں ایک سوالنامہ یونیورسٹی کی طالبات کے لیے درج تھا، جس میں بعض سوالات شہوانی تجربات کے متعلق بھی تھے۔ ... خاتون نے ان سوالات پر سخت اعتراض ... بہت ہی دقیانوسی خیالات کی معلوم ہوتی ہیں یہ خاتون ... اور ... کرنے والے حکام یونیورسٹی بھی کچھ ایسے ہی ... معلوم ہوتے ہیں۔ ... ہمارا "روشن خیال" و "ترقی پسند" ہندوستان ... بجائے میگزین کی اشاعت روکنے کے اُلٹے انھیں خاتون کے "استبداد" کے خلاف طلبہ و طالبات کا ایک محاذ قائم ہوجاتا ہر طرح کی شورش برپا ہوجاتی، اور بالآخر خود انھیں خاتون کو دنیا، جھکنا، معافی مانگنا، اکیا عجب نہیں جو اپنی جگہ سے مستعفی ہونا پڑ جاتا!

سینما کمیٹی کی ممبری

شاید کمتر لوگوں کو علم ہو، کہ ہر صوبہ میں سینما کے لیے ایک مشاورتی گورنمنٹ کی طرف سے بھی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ یو۔پی میں بھی نئی سینما ایڈوائزری کمیٹی تین سال کے لیے حال میں مقرر ہوئی ہے۔ اسکے ... ارکان میں سے دو "مسلمان" بھی ہیں۔ ایک ڈاکٹر عبدالعلیم (لکھنؤ یونیورسٹی) دوسری بیگم اعزاز رسول (مسلم لیگ والی) اس کمیٹی کو جو ہدایات گورنمنٹ کی طرف سے ملی ہیں اُس کی یہ دفعہ خاص طور پر سبق آموز ہے :-

"کمیٹی کو فلموں پر نظر صرف تہذیبی نقطۂ نظر سے کرنا ہوگی، اور جہاں ایک طرف خواہ مخواہ کی خشک مزاجی سے بچنا ہوگا، وہاں دوسری طرف ہندوستان کی روایات (اخلاقی) کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا۔"

سوال صرف یہ ہے کہ جس مسلمان کو اپنا اسلام اور اسکے احکام کسی درجہ میں بھی عزیز ہیں اسکے لیے ایسی کمیٹی میں شرکت اور اسکی ممبری کس حد تک جائز اور مناسب ہے؟

بلا تبصرہ

ہمعصر پیام (حیدرآباد) کے اڈیٹوریل سے :-

"..... اگر سائنس کی ترقی اسی کا نام ہے تو اس ترقی کا مسدود ہوجانا ہی

سورۃ البقرۃ رکوع ۳۶

بسلسلۂ صدق ۱۹۳۶ء

(از عبدالماجد)

۲۶۵ ومثل الذین ینفقون اموالہم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتا من انفسہم کمثل جنۃ بربوۃ اصابہا وابل فآتت اکلہا ضعفین فان لم یصبہا وابل فطل واللہ بما تعملون بصیر۔

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال رضاء الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس میں پختگی (پیدا کرنے) کی غرض سے (ایسی ہے) جیسے ایک باغ کی حالت ہے جو کسی ٹیکرے پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑا ہو اور وہ دوگنے پھل لایا ہو۔ اور اگر زور کا مینہ نہیں پڑتا تو ہلکی پھوار بھی کافی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسکا خوب دیکھنے والا ہے

۱۰۶۵ (جیسا کہ ہر دور نفاق کا شیوہ رہا ہے)

... یہ انگریزی میں نفسیات بشری کی ایک گہری حقیقت بیان ہوئی ... کی طرح ... کا ... عمل صالح کے بعد ... اعمال صالح کے لئے آمادگی اور مستعدی پیدا ہو جاتی ہے ... نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ ... تکرار و عادت ... عمل سے متعلق ایک ... اور اسکے ... قوت مغلوب و ضعیف ہوتی جاتی ہے ... مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے کہ عمل صالح سے جس طرح حصول اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔

... معنی تو یہ ہیں کہ وہ خرچ ایسے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی ... حاصل ہو ... دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ انکے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں، وہ صرف مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ باعث گرانی

۱۰۶۶ (کہ ہوا کی لطافت، زمین کی صلاحیت اور بارش کی کثرت مل ملا کر قوت بار آوری کو خوب بڑھا دینگی)

بربوۃ - ٹیلے کی ہوا قدرۃً لطیف اور بار آور ہوتی ہے۔

۱۰۶۷ تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا ہو رہا ہے کہ اخلاص اگرچہ بدرجۂ علیٰ میسر نہ ہو، جب بھی محض ایمان اور عدم موانع (یعنی احسان نہ رکھنا اور ایذا نہ پہونچانا) بجائے خود صدقات و خیرات کو مقبول بنا دینے کیلئے کافی ہیں

۱۰۶۸ (اور اسی لئے ہر ایک کے درجۂ اخلاص کا بھی خوب جاننے والا ہے)

خطاب یہاں عام نسل انسانی سے ہے - یعنی اللہ تعالیٰ، کافر، مومن، مخلص، غیر مخلص سب کے محرکات عمل اور سب کے درجۂ اخلاص و عدم اخلاص سے خوب واقف ہے -

۱۰۶۹ اور اپنے انجام کو سوچ کر اسکے عمل کرتے رہو)

من نخیل واعناب - تصریح کے ساتھ نام انھیں میووں کا لیا گیا جو اہل عرب کے لیے خاص اہمیت اور خصوصی مناسبت رکھتے تھے - ملاحظہ ہوں حواشی تفسیر انگریزی

تحتہا الانہار - جو یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ باغ خوب سرسبز شاداب بھی تھا

من کل الثمرات - یہ مالک باغ کی مرفہ الحالی اور شان غنا ظاہر کرنے کو ہے

اصابہ الکبر - یعنی وہ مالک باغ اب محنت و مشقت کے قابل نہ رہے -

۲۶۶ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ من نخیل واعناب تجری من تحتہا الانہار لہ فیہا من کل الثمرات واصابہ الکبر ولہ ذریۃ ضعفاء فاصابہا اعصار فیہ نار فاحترقت کذلک یبین اللہ لکم الآیات لعلکم تتفکرون۔

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جسکے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اس (باغ) میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اس (باغ) ... ایک بگولا آئے کہ اس میں آگ ہو تو وہ (باغ) جل جائے؟ اللہ اسی طرح تمہارے لیے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، تاکہ تم فکر سے کام لو۔

... تمثیل سے ... بیان اس کا ہے کہ قیامت کا دن آ جائے، اور اس شخص کی عمل سے معذوری اس پر عیاں ہو جائے۔

وله ذریۃ ضعفاء - یعنی اولاد بھی اس قابل نہ ہو کہ تحصیل معاش میں اسکے کچھ کام آ سکے - گویا اسکی معذوری ہر طرح روشن آشکارا ہو جائے

فاصابہا اعصار - کہ وہی باغ ذریعہ معاش تھا -

... کے پیرایہ میں بیان اسکا ہے کہ اس شخص کا بھروسہ ظاہری ... اعمال ... پر تھا -

فاحترقت - یعنی اس شخص کی ساری امیدیں غارت ہو کر رہ جائیں

تمثیل کی زبان میں مراد ہے کہ ایک شخص اپنے خیال میں نیک کام کر رہا ہے، اور اپنے نزدیک اپنی توقعات پر لگائے بیٹھا ہے، مگر عین احتیاج کے وقت، یعنی قیامت کے دن اسے نظر آئے کہ وہ عمل تو شرائط قبول و مقبولیت ملحوظ نہ رکھنے کے باعث خود ہی نابود ہو چکا ہے - ایسے اجر و ثواب کیا، اب تو حرمان محض اسکے نصیب میں آیا!

الآیات - آیات یہاں نشانوں اور نظیروں کے معنی میں ہے -

لکم - یعنی تمہارے نفع کے لیے، تمہیں سمجھانے کو -

ذرا صورت حال کی سنگینی کا تصور کیجیے - ایک شخص کی عمر بھر کی کمائی ایک باغ ہے سرسبز و شاداب، خوب پھیلا پھولا ہوا، ہر طرح کے میووں پھلوں سے لدا ہوا، باغ کا مالک بوڑھا ہو گیا ہے ... اب کسی نئی محنت کے قابل نہیں بچے موجود ہیں مگر کمزور و کمسن، جو بجائے اسکے کہ بڑھاپے میں باپ کا ہاتھ بٹائیں، اور الٹے اسکے لیے بار ثابت ہو رہے ہیں، عین اس وقت، شدید ترین حاجتمندی کے وقت یکایک معلوم ہوتا ہے کہ باغ میں آگ لگی، اور سب کچھ جل کر خاک سیاہ ہو گیا ... باغ کے مالک کے غم و حسرت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟

اس سے کہیں بڑھ کر، ہزار گنا اور لاکھ گنا اور کروڑ گنا، بڑھ کر حالت اس بد نصیب انسان کی ہوگی جسکی آنکھیں زندگی بھر غفلت سے بند رہیں اور پہلی بار اس وقت کھلینگی جب عمل کی مہلت بالکل ختم ہو چکیگی، اور اب وہ دیکھیگا کہ کوئی چیز بھی اسکے دفتر عمل میں ایسی نہیں جو اسکے کام آ سکے ... کچھ ٹھکانا کوئی اندازہ اسکی حسرت و حرمان نصیبی کا ہو سکتا ہے!

(باقی آئندہ)

۲۶۷ - یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم باخذیه الا ان تغمضوا فیه واعلموا ان اللہ غنی حمید۔

اے ایمان والو جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو۵۴۹ اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکال دیا۵۵۰ اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کر لو، حالانکہ تم خود اسکے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ۵۵۱، اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے۵۵۲۔

---

۵۴۹ اللہ کی راہ میں۔ نیک کاموں میں۔

کسبتم - جو کچھ تم نے کمایا ہے جائز و پاک طریقہ سے۔ طیبات کا اطلاق معنوی پاکی ہی الی پر ہو سکتا ہے۔

فقہاء نے بہ قاعدۂ اشارۃ النص ماکسبتم سے یہ نکالا ہے کہ زکوٰۃ اس مال پر ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو، اور جو مفت از خود حاصل ہو جائے اس میں زکوٰۃ نہیں۔

۵۵۰ یعنی نباتات، معدنیات وغیرہ۔

لکم - یعنی تمہارے کام کے لیے

من الارض - اسکے تحت میں زراعت، باغبانی، کان کنی وغیرہ کی ساری شاخیں آگئیں، جس طرح ماکسبتم کے تحت میں تجارت اور کاروبار کے اقسام آگئے تھے۔

فقہاء نے من الارض سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ زکوٰۃ زمینی پیداوار (زراعت معدنیات وغیرہ) پر واجب ہوگی، بخلاف موتی، مونگے وغیرہ کے وہ زمین سے نہیں، سمندر سے نکلتے ہیں۔

۵۵۱ مطلب یہ ہوا کہ ایسی ناکارہ، ناقص، ردی چیزیں اگر خود تمہیں ملنے لگیں تو تمہیں لینا گوارا نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ تم ارادۃً انکی طرف سے چشم پوشی کر لو اللہ کی راہ میں تو ایسی چیزوں کے صرف کرنے کا تو تمہیں خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔

الخبیث - ردی ناکارہ چیز۔

تنفقون - مراد وہی اللہ کی راہ میں نیک کام میں خرچ کرنا ہے

لستم باخذیہ - یعنی جب وہ تمہیں قیمۃً یا ہدیۃً مل رہی ہو۔

۵۵۲ غنی - وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ جو چیز تمہارے معیار سے بھی ناکارہ ہو، اسکی نذر اسکے دربار میں پیش کرنا چاہو!

اُسکے ہاں احتیاج میں کوئی دخل نہیں۔ اس سے معاملہ کرنے والا کبھی نادم و نامراد نہیں ہوتا۔

حمید - وہ تو ہر طرح ستودہ صفات و جامع کمالات ہے۔ تمہاری نذر و پیش سے اُسکی حمیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ خود تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ ناقص اور ناکارہ چیزوں کی نذر ایسے جامع کمالات کے حضور میں!

ضمناً یہ پہلو بھی آگیا کہ جب وہ ستودہ صفات ہے، تو اُسکے ہاں مقبولیت بھی انہیں بندوں کو نصیب ہو سکتی ہے جو خود بھی کوئی مناسبت اسکی صفت حسنہ سے رکھتے ہوں۔

مشرک قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو نذر اور چڑھاوے کا محتاج مانا ہے۔ صفت غنی لانے سے اس عقیدہ کی تردید ہوگئی۔ اور دیوتاؤں میں کسی نہ کسی حیثیت سے نقص تو سب ہی مشرک قوموں کے ہاں مسلّم ہے۔ صفت حمید نے ان خرافات کی بھی تردید کر دی۔

نئے رسالے اور رسالوں کے خاص نمبر

(۱) **جوہر** (جامعہ جوبلی نمبر) مرتبۂ محمد عرفان نوری صاحب بی اے ۲۰×۳۰ تقطیع۔ صفحات ۲۱۹ مع تصاویر۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:- مہتمم رسالہ جوہر جامعہ نگر - قرول باغ - دہلی۔

اس نمبر کشکول کے اندر جامعہ اور جامعیات سے متعلق بہت کچھ ہے۔ مولانا محمد علی، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، اقبال، ڈاکٹر ذاکر وغیرہ معروف اور غیر معروف جامعی شخصیتوں پر بعض اچھے اور قابل مطالعہ اور بعض خوب مبالغہ آمیز مضامین موجود ہیں۔ اور جامعہ کے مقاصد، جامعہ کی تاریخ بنائے جامعہ کے پیش نظر وغیرہ سے متعلق بہت سے معلومات، جو شاید اور کہیں یکجا نہ ملیں، اسکے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور لکھنے والوں میں مرتب کے علاوہ منشی عبدالغفار (صاحب پیام) خواجہ غلام السیدین، رشید احمد صدیقی، شردا، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر محمد اشرف، سعید انصاری، سید نذیر نیازی، جگن ناتھ بہادر، شاگرد جامعی (ایڈیٹر ٹریبیون لاہور) کے نام قابل ذکر ہیں۔ رسالہ کے اڈیٹر کی تلاش اور ترتیب قابل داد ہیں۔ جن لوگوں کو جامعہ اور اسکے متعلقات سے کچھ بھی دلچسپی ہے۔ رسالہ انکے کام کی چیز ہے۔ نیازی صاحب کا مضمون اقبالؒ پر ندرت کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

(۲) **پیغام حق** - (اقبال نمبر ۱۹۴۶ء) مرتبہ سید محمد شاہ ایم اے۔ صفحات ۲۹۲ - قیمت پیش نظر نسخہ پر درج نہیں۔ پتہ:- مہتمم پیغام حق - ظفر منزل تاجپورہ لاہور۔

اقبال کے نام سے بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے۔ رطب و یابس دونوں۔ اس ذخیرہ میں ایک تازہ اور بحیثیت مجموعی مفید اضافہ یہ پیغام حق کا اقبال نمبر ہے۔ مقالہ نگاروں کی فہرست میں اسمائے گرامی پروفیسر نکلسن (کیمبرج یونیورسٹی) اور عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم سے لیکر ڈاکٹر میر ولی الدین (استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ) اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں (استاد سیاسیات جامعہ عثمانیہ) اور پروفیسر خواجہ عبدالحمید (گورنمنٹ کالج لاہور) تک متعدد معروف اہل علم نظر آتے ہیں۔ اور مقالات کے عنوانات بھی اقبال کا فلسفہ خودی، اقبال اور نوجوانی، پیام مشرق مقبولیات اقبال، اقبال "انا" اور تخلیق - اقبالؒ کے فلسفہ اور شاعری کے تقریباً سارے گوشوں پر محیط ہیں۔ لیکن مرتب نے یہ کہیں بھی بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی ہے، کہ یہ مضامین مدتوں قبل کے مطبوعہ ہیں! بلکہ بعض شاید ایک بار سے زیادہ کے ہیں! ——— چیز اگر اچھی ہے تو پرانی ہو جانے کے بعد بھی اچھی اور پڑھنے کے قابل رہتی ہے۔ مقالات کے پرانے ہونے پر اعتراض بالکل نہیں، اعتراض حوالے ہونے پر ہے۔

حصہ نظم مقالات سے الگ اور انکے بعد ہے۔ لیکن اس میں بعض نظمیں ایسی بھی ہیں، جنکا اقبال نمبر سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ ایک جگہ اڈیٹوریل حصہ میں "امام لیسوان اسلام" (ص ۲۸۵) کی ترکیب نظر پڑی۔ "اقبال اور اصول قرآن" کے عنوان سے جو طویل نظم درج ہے، اسکی بعض ترکیبیں اور بعض خیالات بھی اسی طرح کے آپ۔ - بہرحال اقبالیات کا یہ مجموعہ نفع سے خالی نہیں۔

(۳) **جامعہ** (جوبلی نمبر) مرتبۂ پروفیسر محمد عاقل ایم اے۔ صفحات ۲۱۶ قیمت ۸، پتہ، مہتمم مکتبہ جامعہ - دہلی۔

اس مجموعہ کے اندر ہندوستان کے مختلف اہرین تعلیمات (خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد حبیب، سجاد مرزا صاحب، پروفیسر عبدالغفور وغیرہ) کے ٹھوس تعلیمی خطبے اور مقالے مختلف تعلیمی عنوانات پر ہیں۔ پروفیسر عبدالغفور صاحب نے شگفتہ زبان میں ہندوستان کی متعدد مذہبی اور مقامی تحریکوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مجموعہ اُن لوگوں کے کام کا ہے جو مسائل تعلیم سے کسی حیثیت سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں، اور اسکا دائرۂ افادہ صرف جامعہ ملیہ کے متعلقات تک محدود نہیں۔ شروع میں دو تحریریں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے قلم سے ہیں۔

(۴) مجلّۂ عثمانیہ۔ (جلیل نمبر) مدیر حصہ اردو حسن الدین احمد صاحب ایم اے (عثمانیہ)۔ ضخامت ۲۹۴ صفحات۔ قیمت درج نہیں غالباً للعمر ہو۔ پتہ:- منیجر مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

جلیل (جانشین امیر مینائی) اس دور آخر کے ایک بڑے جلیل القدر شاعر گزرے ہیں۔ انکا کلام قدیم رنگ تغزل کا نہایت بہترین نمونہ ہے۔ اردو دور نہ صرف اُستادی کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ایک صحیح معنی میں امام فن بھی گزرے ہیں۔ ضرورت تھی کہ انکی یاد میں کسی ادبی رسالہ کا کوئی اچھا ضخیم جامع نمبر نکلتا۔ اس ضرورت کو مجلہ عثمانیہ کے اس نمبر نے پورا کردیا، اور یاد منانے کا حق ادا کردیا —— گو تشنگان کلام جلیل تو ہر صورت ہر تلمیذ یا گلہ کو تشنہ اور ناکافی ہی پائیں گے۔

مجموعہ ادبی، تنقیدی، سوانحی ہر حیثیت سے بعض اچھے اچھے مقالات کا حامل ہے۔ چند لمحہ جلیل کے ساتھ، جانشین امیر مینائی، ذکر جلیل، جلیل اہل فن کی حیثیت سے، جلیل کا رنگ تصوف، حکمت، وغیرہ متعدد مضمون چھپے اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ البتہ پرچہ کا ادبی معیار شروع سے آخر تک یکساں نہیں کہیں کہیں زبان کی ایسی غلطیاں نظر پڑیں جو جلیل جیسے زبان داں کے یادگار نمبر کے لیے تو بہت ہی افسوسناک ہیں۔ صحت کتابت و طباعت کا بھی زیادہ اہتمام نہیں رکھا گیا ہے (گویا اس لحاظ سے صدق کا پرتو اس قابل قدر کوشش پر بھی پڑ گیا!)

ہر حال یہ دیکھ کر کہ پرچہ محض طلبہ کا مرتب کیا ہوا ہے اسکی نامیاں نظرانداز کرنے کے قابل اور اسکی خوبیاں ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ پرچہ ہر اس شخص کی نظر سے گزرنے کے قابل ہے، جو کلام جلیل یا امیر مینائی کے دبستان شاعری بلکہ خود اردو نظم و سخن سے دلچسپی رکھتا ہو۔

(۵) **رمضان اینول** (انگریزی) اڈیٹر محمد مکی۔ صفحات دو سو سے اوپر مع اشتہارات و تصاویر بکثرت۔ کاغذ و طباعت اعلیٰ۔ قیمت ۲۱ شلنگ سالانہ پتہ:- ڈربن۔ جنوبی افریقہ۔

جنوبی افریقہ سے یہ سالنامہ رمضان، انگریزی زبان میں مشہور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے زیر نگرانی اور محمد مکی صاحب کی ادارت میں نکلتا ہے سالنامہ بابت ۱۹۴۶ء پیش نظر ہے۔ کاغذ، چھپائی، کثرت تصاویر، کثرت اشتہارات سب انگریزی ذوق کی، اور انگریزی معیار کے مطابق ہیں۔ مضامین کا تنوع اور انکی معنوی سطح اوسط درجہ کی ہے، اور مخاطبین کے لیے فی الجملہ مفید ہی ہے۔ لکھنے والے مسلمانوں کے علاوہ متعدد غیر مسلم بھی ہیں۔ ایک مضمون تہذیب پر بہیئی کے ڈاکٹر سالٹین صاحب کے قلم سے ہے۔ اسمیں نمایاں

یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر تو تفصیل کے ساتھ ہے اور حضرت ابوبکر کا نام ہی سرے سے غائب ہے! یہ مضمون یقیناً نگران اعلیٰ کی منظوری کے بغیر ہی شایع ہوا ہے۔ پرچہ میں یہ اطلاع پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آیندہ سے یہ سالنامہ علیگڑھ کے مشہور مبلغ اسلام حافظ فضل الرحمن انصاری ایم اے، پی ایچ ڈی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی کے ہاتھ آجائیگا۔

(۶) **فائیو پلرز FIVE PILLARS** یعنی ارکان خمسہ (انگریزی سہ ماہی رسالہ) بابت جولائی ۱۹۴۶ء۔ اڈیٹر محمد مکی صاحب بابت نومبر ۱۹۴۶ء ۴۴ صفحے۔ اڈیٹر حافظ فضل الرحمن انصاری (علیگ)۔ ۸۴ صفحے۔ قیمت ۱۲ شلنگ۔ پتہ:- ڈربن جنوبی افریقہ۔

پرچہ کا مقصد تبلیغی ہے، اور پرچہ مولانا عبدالعلیم صدیقی کی نگرانی میں نکل رہا ہے۔ جولائی نمبر کے مضامین بھی اچھے ہیں، اور نومبر نمبر کے اس سے بہتر اور دلچسپ تر۔

تصویروں کی اشاعت اور اشتہارات کی کثرت ایسے دینی پرچہ کے لیے بہت ہی بدزیب معلوم ہوتی ہے، لیکن حیرت ہے کہ نومبر نمبر میں نگران اعلیٰ کے ایک مضمون کے ساتھ (جو دیہ میں ولایتی گوشت کی حرمت پر ہے) خود انکی تصویر بھی شامل ہے! چو کفر از کعبہ الخ۔

(۷) **البلاغ** (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی عبدالقدوس ہاشمی ندوی بڑی تقطیع مصور۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر البلاغ۔ دارالشفاء۔ حیدرآباد دکن۔

مولوی سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی حیدرآبادی سیاسی اور ملی مسائل کے ایک ممتاز و سنجیدہ لکھنے والے ہیں۔ اقبالؒ کی ترجمانی اور انکے انسانی نقطۂ نظر کی تشریح۔ انکے قلم کا حصہ ہے۔ یہ پہلا نمبر ظاہری اعتبار سے مولانا ابوالکلام والا البلاغ ہے۔ اور حصۂ مقالات میں مقالہ بھی سب سے پہلا اور بڑا انہیں کے قلم کا (اُنکے نام کی تصریح کے بغیر) ولادت نبوی پر البلاغ سابق سے لیکر درج ہے۔ سیرۃ نبوی سے متعلق بعض ضروری سنین، اسلامی مرکز میں افغانی کا پیام، وغیرہ کئی مضمون اسی قبیل کے ہیں۔ گو مضمون اسلامی مرکز اپنے بعض جزئیات کے لحاظ سے محققانہ نہیں۔ یہ پہلا نمبر بھی بہ حیثیت مجموعی قابل مطالعہ اور مستحق سفارش ہے، لیکن آیندہ نمبروں سے توقع ہے کہ اس سے بھی بہتر، اور جو معیار اڈیٹر صاحب کے نام سے ذہن میں آتا ہے اسکے مطابق ہونگے۔

(۸) **الحسنات** (ماہنامہ) مدیر ابو سلیم محمد عبدالحی صاحب بی اس سی۔ ضخامت ۴۴ صفحے۔ قیمت سالانہ عہ پتہ:- دفتر رسالہ الحسنات، ریاست رامپور (یو۔ پی)

اسکا صرف ایک نمبر، یعنی نمبر ۳ وصول ہوا ہے۔ کسی ایک نمبر سے پوری اور قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ بہرحال رسالہ دینی قسم کا ہے، اور زبان سلیس و عام فہم ہے، اصل مقصد لوگوں میں مذہبی احساس کی بیداری معلوم ہوتی ہے۔ مذہب کے علاوہ بعض مضامین سائنس اور علم جغرافیہ و تاریخی معلومات پر بھی ہیں مذہبی مضامین اچھے ہیں، لیکن بعض جگہ یکطرفہ یا نامکمل بیان سے حقیقت ذرا مشتبہ ہو کر رہ گئی ہے۔ مضمون "سرور عالم میں" دیکھیے اور "سوچیے" کی تکرار تکیہ کلام کی حد تک پہونچ گئی ہے۔ ایک حصہ غالباً مستقل طور پر تفسیر کا ہوتا ہے۔

(بقیہ بر صہ)

بالشویک کا سرخ رنگ

ایک نئی روشنی میں

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

ابن جوزی نے اپنی تاریخ "المنتظم" میں "قرامطہ" کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے ان باتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک خرمیہ اس فرقہ کے مختلف نام تھے جن میں ایک خرمیہ بھی تھا۔ بابک خرمی بھی اسی نسبت سے کہلاتا تھا۔ اس طبقہ سے جس کا تعلق تھا خرمیہ اپنے آپ کو یہ لوگ اس لیے کہتے تھے کہ خوش خرم رہنا ان کی اپنی زندگی کا نصب العین ان لوگوں نے بنا لیا تھا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ

> ایران میں مزدکیہ نامی جو گروہ تھا، وہی اپنے آپ کو خرمیہ بھی کہتا تھا۔ شاہ قباد کے زمانہ میں یہ فرقہ پیدا ہوا تھا، اباحت عام (یعنی زر، زمین، زن) تینوں چیزوں کو ہر شخص کے لیے عام اور حلال خیال کرتا تھا"

یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ

> بابک خرمی جس نے خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے زمانہ میں خروج کیا تھا۔ آذربیجان کے اطراف سے اسی نے سر اٹھایا تھا"

بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ منجملہ دوسرے ناموں کے ابن جوزی نے لکھا ہے۔

> محمرہ کے نام سے بھی یہ فرقہ موسوم تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ محمرہ (سرخ رنگ) انکے لباس کا خصوصی رنگ تھا"

انکے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ

وہم صبغوا الثیاب بالحمرۃ ایام بابک وکانت شعارہم ص ۱۱۲ ج ۹	بابک خرمی (یا مزدکی) کے زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے کپڑوں کو سرخ رنگ میں رنگ لیا تھا اور اسی رنگ کو اپنا شعار یا اپنے خاص فرقہ کی

علامت قرار دیا تھا۔ یعنی سرخ لباس انکا یونیفارم تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ روس کی موجودہ بالشویک تحریک کی سراغ رسانی میں ابن جوزی کے مذکورہ بالا اشارات سے بعض عجیب و غریب حقائق کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ انھوں نے شروع میں اس فرقہ کے بنیادی محرکات کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "درحقیقت سارے شرائع دین سے یہ لوگ منکر تھے، الحاد اور بے دینی ابھی ان کی خصوصیت ہے۔" عباسیوں کے زمانہ میں جب تحریک نے سر اٹھایا، تو اس کا ذکر کرتے ہوئے ابن جوزی نے بیان کیا ہے کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا پر سیاسی غلبہ جب حاصل ہوا، اور بے دینی و الحاد کا ہر جگہ مقابلہ کیا گیا تو اس فرقہ کے لوگ جمع ہوئے، انھوں نے طے کیا، کہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبروں کا سا انتظام صرف ڈھکوسلا ہے، اپنی اسلوں کو غلط باتیں ان لوگوں نے یاد کرائی ہیں۔ اس راہ کی سب سے بڑی مصیبت کی شکل محمد کی ذات بنی ہوئی ہے۔ اس شخص نے عرب کے عوام کو جمع کر کے ایک نظام قائم کیا، اور ہم لوگوں سے ہمارے ممالک چھین لیے گئے۔ لیکن اب ہمیں شکست ہوئی جس میں اس تحریک کا احیاء ہوا۔ اس وقت کے متعلق ان لوگوں کا خیال ہوا کہ محمد کے ماننے والوں میں کچھ لوگ تو مزدیہ افروز ہم میں اسرار پیدا ہو، عوام کے مبتلا ہیں تماشوں میں پڑے ہوئے ہیں علماء یا شیوخ اور باہم ایک دوسرے کی تکفیر کو اپنا مشغلہ بنائے ہوئے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ اس دین کی بنیادوں پر ضرب لگائی جائے"

(دیکھو المنتظم ص ۱۱۲ ج ۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

کانگریس اپنے آئینہ میں

(۱)

مس حنیفہ عمر کی ایک چٹھی بمبئی کے انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے شکایت کی ہے۔ بمبئی کی صوبہ کانگریس کمیٹی نے مشرقی بنگال کے ہندو مصیبت زدوں کے لیے تو ۴۸ ہزار روپیہ جمع کر کے گاندھی جی کو بھیجا اور بہار کے مسلمان مصیبت زدوں کے لیے ایک پیسہ بھی جمع نہیں کیا۔ یہ شکایت بالکل صحیح ہے صرف بمبئی ہی میں نہیں بلکہ دوسرے صوبوں میں بھی صرف مشرقی بنگال والوں کے لیے چندہ جمع کیا گیا کہیں بھی کسی کانگریس کمیٹی نے ونڈ ر یا گڈھ مکتیسر کے مظلوم مسلمانوں کے لیے کوئی چندہ نہیں کیا۔ چنانچہ لکھنؤ میں کانگریس کے اخبار نیشنل ہیرالڈ نے بھی مشرقی بنگال کے ہندوؤں کی امداد کے لیے ایک فنڈ کھولا لیکن گڑھ مکتیسر اور بہار کے لیے اس اخبار نے کوئی فنڈ نہ کھولا ...... نہ کسی قسم کی امداد کی اپیل کی مس حنیفہ عمر لکھتی ہیں، کہ کیا اس صریح ہندو نوازی کے ساتھ بھی کانگریس یہ کہہ سکتی ہے کہ وہ ہندوستان کے تمام فرقوں کی نمائندہ جماعت ہے؟ یہ ایک ایسا برمحل سوال ہے جس کا جواب دینا کانگریسی لیڈروں کے لیے جواب دینا آسان نہیں ہے!!

(۲)

آزاد کا نپور کا مسلم اخبار البشیر لکھتا ہے کہ شہر کی کانگریس کمیٹی کے دفتر کے دروازہ پر بزبان ہندی ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے:

"مہربانی کر کے صرف ہندی میں عرضی لکھیے"

گویا شہر کی کانگریس کمیٹی صرف ہندوؤں اور ہندی جاننے والوں کا نمائندہ ہے۔ مسلمانوں سے اسکو کوئی تعلق نہیں۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ کانگریس کمیٹی سے کوئی کام لینا چاہتے ہوں یا دفتر میں کانگریس کے کوئی فریاد لے جانا چاہیں انکے لیے ہندی جاننا لازمی ہے۔ اس طرح کانگریس کمیٹیوں کے ذریعہ، سکے بظاہر کانگریسی اور بباطن کٹر ہندو سبھائی ممبر کن اردو کو گرانے کے لیے ہندی کا پروپگنڈا کرتے ہیں۔ یہ دوسری مثال ہے کہ کس طرح متعصب اور تنگدل ہندو کانگریسی خود مسلم لیگ کے اس پروپگنڈا کی مدد کر رہے ہیں کہ کانگریس خالص ہندو جماعت ہے!!

(حقیقت)

تصحیح

صدق کا گذشتہ نمبر ۳۸ غلط ہے۔ صحیح نمبر ۴۸ ہونا چاہیے تھا۔ براہ کرم تصحیح فرمالی جائے۔

موت اور مرکزِ وجود

(از غلام محمد صاحب بی اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن)

شاعرِ مشرق اقبال مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

فرشتۂ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

شعر کوئی غیر معروف نہیں، بارہا پڑھا ہوگا سنا ہوگا اور اسکی معنویت پر امکان ہے کہ بہت غور کیا ہو۔ ویسے شارحین اقبال نے اپنے اپنے ذاق کے مطابق "اقبال کے تصور موت و حیات" پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن یہاں ایک عالم متبحر اور عارف باللہ حضرت اشرف علی تھانوی کے چند جملے جو ٹھیک ٹھیک اسی عنوان سے متعلق ہیں نقل کئے جاتے ہیں — اقبال مرحوم کے شعر کو ذہن میں محفوظ کرکے ان عبارت سادات حقائق کو پڑھئے اور سمجھئے، تو بات دل میں اترجائیگی کہ واقعی موت کا فرشتہ صرف بدن ہی کو چھوتا ہے "وجود کے مرکز" سے اسکا کوئی مس نہیں — سنئے اور خوب غور سے سنئے:۔

"لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مرکر آدمی ایک گڑھے میں اکیلا رہ جاتا ہے اور لذات سے محروم ہو جاتا ہے، سو یہ بالکل غلط ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو موت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ یاد رکھو موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے، روح کو موت نہیں آتی بلکہ موت سے صرف روح کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اسکے بعد یہ سمجھو کہ لذت سے منتفع ہونے والا کون ہے؟ کیا آپ کے نزدیک یہ بدن ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح منتفع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم اسکے لئے بمنزلہ آلہ و مرکب ہے اور یہ روح موت کے بعد بھی علیٰ حالہ باقی رہتی ہے بلکہ اب اسکی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے۔ اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے، تو اسکی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی گدھے پر سوار ہوکر یوں سمجھے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اسکا تو کوئی علاج نہیں۔ صاحب آپکی حقیقت وہ ہے جسکو آپ "میں" سے تعبیر کرتے ہیں کہ زمانے نے کیا ستم ڈھا دیا۔ اب غور کیجیے کہ اس "میں" کا مصداق کیا چیز ہے؟ کیا آنکھ، ناک، یا منہ اور ہاتھ پیر کو "میں" کا مصداق کہ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں، ورنہ چاہیے کہ ان اعضاء کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے اور یہ غلط ہے۔ رہے اور اعضائے شریفہ اور قوائے شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ ممکن ہے کہ آپ انکو "میں" کا مصداق کہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اسکا مصداق نہیں ہیں کیونکہ آپ انکو اپنی منسوب کرتے ہیں کہ میرا دل گھبرا رہا ہے، میری عقل میں یوں آتا ہے وغیرہ وغیرہ اور اضافت علامت مغائرت ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں بلکہ آپ کی روح ہے۔ اور گو وہاں بھی اضافت ہوتی ہے کہ "میری روح" مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہے کہ یہی حقیقت ہے، اس لئے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء و قوتوں میں ایسی کوئی دلیل نہیں بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن عقل نہیں ہوتی اور آپ ہوتے ہیں، ایک دن ایسا آئیگا کہ بعد موت قلب نہ رہے گا اور آپ ہونگے۔ صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں، اس لئے یہ اضافت حقیقیہ ہے — بہرحال آپ کی حقیقت روح ہے اور اس پر موت نہیں آتی بلکہ وہ بجنسہٖ اپنے حال پر قائم رہتی ہے، اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے — روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جسکو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اس جسم کے ذریعہ سارے انتفاعات، تلذذات حاصل کرتی ہے اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جسکو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں، یعنی موت کے وقت جو چیز الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر بہت لطیف ہے اور اسکو اس جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے جیسا عرق گلاب کا پھول میں یا جیسا آگ کو کوئلہ سے جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے۔ یعنی وہ نسمہ مقدار و ہیئت و شکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے اور روح کو تشبیہ ہی نہ رہنے دیں جسم مثالی، تو عرض ہے اور یہ جوہر) اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت الگ ہو جاتا ہے۔

جو جسم مثالی ہے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مرکب بنتا ہے اور یہ جسم مثالی لطیف ہی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف و قوی ہے اور روح حقیقی جو حقیقت میں انسان ہے وہ مادہ سے بالکل مجرد ہے۔ وہ نہ اس وقت جسم کے اندر ہے اور نہ موت کے وقت اس سے الگ ہوتی ہے بلکہ وہ ہر وقت مجرد ہے اور بدن سے الگ رہتی ہے اور اسکی تدبیر کرتی ہے اور کوئی متکلمین نے اسکے تجرد کا انکار کیا ہے گو اس بارے میں فلاسفہ کا قول روح کے بارے میں — تو سمجھ نہیں سکے تو یہ ہے اور صوفیہ کا کشف بھی اس کا موافق ہے اور یہ حقیقت اوروں سے مجہول ہے البتہ فلاسفہ کا اسکو قدیم ماننا جیسا کہ ان کا مذہب ہے یہ بالکل غلط اور خلاف نصوص ہے — غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان میں یہ اصلی چیز ہے اور حقیقت میں وہی انسان ہے موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے اس کی قوت و صفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو روح کو موت نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جو انتفاع روح سے تعلق ہو سکتے وہ تو اب نہ ہو سکینگے۔ اسکا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے، جسکے مقابل میں یہاں کی لذات ہیچ ہیں ......
بہرحال موت حقیقت میں ڈرنے کی چیز نہیں بلکہ وہ تو "تحفۃ المؤمن" ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو مومن کا تحفہ فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ موت در اصل رغبت کی چیز ہے، گھبرانے کی چیز نہیں۔ اور جو گھبراہٹ اسکا اصل سبب موت کی حقیقت سے جہل و غفلت ہے — ہاں جبکی نسبت عارفین اہل اللہ کو بھی موت سے پریشانی ہوتی ہے، وہ اپنے گناہوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ فکر البتہ سخت ہے اور یہ فکر اچھی بھی ہے — یہ تو ضرور ہونا چاہیے"
(وعظ مسمّی بہ "خیر الحیات و الممات")

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) غضنفر علی خاں صاحب۔ (کنڈلواڑی۔ دکن) مضمون نگار کو جو حسن ظن اپنے مضمون سے ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ ایڈیٹر بھی اس میں شریک ہو۔

(بقیہ صفحہ ۲)

۔۔۔ دنیا میں رہنے والے انسان دو تین سو سال پہلے ریل، تار، بجلی اور ریڈیو سے محروم تھے۔ انکے معاشی اور تجارتی ذرائع بھی محدود تھے لیکن پھر بھی انکی زندگی میں اطمینان و آسائش کی اتنی کمی نہ تھی جتنی کہ آج ہے۔

بقیہ صفحہ ۵

نئی کتابیں

(۹) ان پڑھ ہندوستان - مصنفہ فرینک سی لاباخ - مترجمہ الحاج … ۳ … صفحے - مجلد مع گرد پوش - قیمت … ادارہ اشاعت اردو … حیدرآباد دکن۔

یہ مختصر کتاب ہندوستان میں تعلیم بالغاں اور خواندگی پر ایک مسیحی مشنری کی انگریزی میں تصنیف کا ترجمہ ہے۔ مترجم خود بھی تعلیم بالغاں سے دلچسپی اور اصول تعلیم پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسی موضوع پر … کتاب اردو میں … ہے اس لیے مترجم اور ناشر دونوں … مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کل کتاب میں کل ۲۲ باب ہیں جن میں ہندوستان میں تعلیم کی …، تعلیم بالغاں کی مختصر تاریخ، بالغوں کے لیے … آسان پڑھانے کے طریقے، خواندگی کی مہم چلانے کے طریقے، خواندگی کی کانفرنسوں اور … اور اس کی اشاعت میں کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسکولوں کا حصہ، … کی فہرست … وغیرہ کا … لیا گیا ہے۔ … خواندگی کی مہم کا ایک واضح نقشہ … ہندوستان کی … انجمنوں، کانفرنسوں اور اشخاص کی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

بالغوں کی تعلیم کے لیے جو کتابیں اردو … دستیاب ہو سکتی ہیں انکی فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں ۱۹۴۱ء … کی خواندگی کے اعداد و شمار بھی دیے گئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ … تعلیم بالغاں سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے کام کی ہے تحریک خواندگی سے متعلق تفصیلی معلومات اس کتاب میں ملینگی۔ اور مترجم نے ترجمہ بھی … اچھا کیا ہے۔ تاہم ترجمہ … سے خالی نہیں اس لیے کتاب سے … اٹھانے والا گروہ صرف … رہ گیا ہے جو نفس موضوع سے بھی پوری دلچسپی رکھتا ہے۔

مشنریوں کی سرگرمیوں کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے لیکن انجمن ترقی اردو … نے … بالغوں کی تعلیم کے لیے … شعبے قائم کیے ہیں اسکے ذکر سے یہ کتاب خالی ہے۔ … افسوسناک ہے۔ امید ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں اسکا ضرور ذکر کیا جائیگا۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز یہ امر ہے کہ … رسم الخط ہی کو … اڑا دیا گیا ہے … رومن اور ناگری رسم الخط کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اردو رسم الخط میں ان دونوں سے کہیں زیادہ … ہندوستان کے قومی رسم الخط ہونے کی … موجود ہے۔

"اساسی الفاظ" کی جگہ اگر مترجم صاحب "بنیادی الفاظ" لکھتے تو مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا۔ کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جائے۔ اگر مترجم …

… جب تعلیم بالغاں کے سلسلہ میں اپنے تجربات کو بیان کریں اور پڑھانے کا ذکر … تفصیل سے کریں۔ (م۔ ن۔ ش)

سائنس کی ترقیاں

امریکہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس کے مرتبہ کی بلندی اور اس کی طاقت کا … ایٹم بم کا وہ راز ہی ہے جسے وہ کلیجے سے لگائے بیٹھا ہے۔ اور دنیا کے ہر گوشہ میں کار فرما ہے۔ جو ممالک … ایٹم بم … سکے وہ بھی خفیہ تجربات کر رہے ہیں تاکہ ایٹم بم بنانے کی ترکیب کر لیں۔ جب ان اقوام کی ذہنی حالت یہ ہے جو انسانی تہذیب و تمدن کے محافظ بننے کا دعوٰی کرتی ہیں تو بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سائنس کی ترقی اسی کا نام ہے تو اس ترقی کا مسدود ہو جانا بہتر ہے۔ دنیا میں رہنے والے انسان دو تین سو سال پہلے ریل، بجلی اور ریڈیو سے محروم تھے۔ انکے معاشی اور تجارتی ذرائع محدود تھے لیکن پھر بھی انکی زندگی میں اطمینان و آسائش کی اتنی کمی نہ تھی جتنی کہ آج ہے … ان ممالک کی … نے سرمایہ و … کی اتنی امداد کی ہے … ۹۰ فیصد عوام … فنون کی ترقی کا یہ … اس طرح رکھا ہوا ہے کہ … چیز کو کچلے … انسانیت …

خدا کرے کہ کبھی آزاد ہندوستان سائنس کی ایسی … پر اپنی انسانیت کو قربان کرے۔ (پیام)

طلبہ اور شراب

لاہور کے طلبہ میں بدقسمتی سے یہ عادت روز بروز زور پکڑ رہی ہے کہ وہ ہر شام مال روڈ کے … خانوں میں جاتے ہیں اور … نوشی میں اسراف سے کام لیتے ہیں۔ طلبہ ان میں سے اکثر شراب پیتے ہیں۔ محکمہ آبکاری پنجاب نے ان ہوٹلوں کو جو شراب … ہیں حکم دیا ہے کہ آئندہ طلبہ کو شراب مہیا کرنے سے انکار کر دیں … لائسنس چسپاں کر دو کہ طلبہ کو شراب نہیں دی جا سکتی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہوٹل والے طلبہ اور غیر طلبہ میں امتیاز کیسے … ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ چند نوجوان انہیں یقین دلا دیں کہ وہ طلبہ … اور وہ دراصل طلبہ ہی ہوں اور ہوٹل والا انہیں یقین دلا … نہیں اب۔ اور وہ دراصل طلبہ ہی ہوں۔ اور ہوٹل والا انہیں … کرکے نادانستہ طور پر خلاف ورزی قانون کا مرتکب ہو جائے۔ … اتنی ہی حکم اس فتنہ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کالجوں کے پرنسپلوں اور ہیڈ ماسٹروں کو چاہیے کہ اپنے ہاں کے پروفیسروں کی ڈیوٹی لگائیں کہ وہ ہر شام ہوٹلوں اور ریستورانوں میں جا کر … اسکے علاوہ اور تدبیریں بھی اختیار کی جا سکتی ہیں جن … فروش ہوٹلوں کا رخ کرنے سے مجتنب ہو جائیں۔ اور اصل … جب تک حکومت ہوٹلوں اور ریستورانوں میں شراب کی فروخت … ممنوع قرار نہ دے۔ نوجوانوں کو میخواری سے باز نہیں رکھا جا … (انقلاب)